

انٹرویو ایڈیشن

صدیقہ بانو

ایک سنسنے خیز آپ بیتی

چھلاوا

مسط
اردو
میں

سب

کامے

زیادہ

شائع

ہوئے

والی

سرگزشت



www.paksociety.com

ابتداء

اب چلا دیا ایک مکمل بھی آپ کے سامنے ہے لیکن میں نہیں سمجھتی کہ یہ بیک وقت ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ میری زندگی کا ایک باب
میں ہو گیا۔ روٹھی میری زندگی تو اس کے ان گنت ابواب ابھی آپ کی نظر سے نہیں گزرے۔ اے ایل والدین کو تو اصرار تھا کہ میں کسی کچھ نہ
اوں لیکن اب میں اکتا گئی تھی، تھک گئی تھی بلکہ پچھلے دنوں سے قوطیت بھی کچھ منکدر رہنے لگی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے میں زندگی کو برتنے
والی ہوئی جا رہی ہوں۔ میں نے اپنی زندگی کے ہر کئی کو ہمیشہ اپنے قابو میں رکھا ہے لیکن اب ایسا ہو گیا ہے کہ ہر لمحہ مجھے شکست دیتا رہتا ہے
میں وہی کچھ ہوں یا چاہتی کچھ ہوں؟ اور وہ کچھ جا رہا ہے رشا یا اب میرے اعصاب جواب دینے لگے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں وہ کشن بھی نہیں کچھ
کی میں کا اعلان اے ایل میں مسابح کے نام سے ہو چکا ہے۔ ایک مرتبہ تو میں اسے لکھ کر غنائ بھی کر چکی ہوں۔ وہ اہل میری خواہش ہے
میں اتنا یاد رکھتا ہوں جیسے میری آپ بھی آپ لوگوں کے ذہن پر نقش ہو گئی ہے۔

ان گنت محبت نامے اور شیعہ گرام مجھے موصول ہوتے رہتے ہیں کہ میں اپنی اپنی پھر شروع کروں۔ مجھے یاد کر لے والے ان حضرات میں
اے اے اے اے اے کی ہے اور یہ قول اور باب اے ایل ایسا ہونا بھی چاہیے۔ بہر حال میں اس بحث میں نہیں چڑوں گی کہ ایسا ہونا چاہیے
میں۔ مجھے تو وہ کسی حد تک میں میری مرکزیت کو بے لگت حسین دیکھا۔ مرکزیتوں کے ذہن میں یہ غائبانہ تاریخ ساز واقعہ ہے کہ کوئی
موجودہ بہت کم ہے میں اپنی مرتبہ شائع ہوئی۔ یہ اس کتاب کا آٹھواں ایڈیشن ہے اور ایسا بھی نہیں ہے کہ یہ تعلیم شائع ہو رہا ہو۔
اے اے اے اے اے خاص ہے اور مجھے بتایا ہے کہ اس کی تمام کاپیاں اشاعت سے قبل ہی باگ ہو چکی ہیں۔ بہر حال

صبر باخ

● واحد تقسیم نگار : کتابیات پبلیکیشنز پوسٹ بکس ۲۲ کراچی ۱۔

یوں تو میرے پاس ایک ایئر کنڈیشنڈ گاڑی ہے لیکن میں اکثر بسوں میں سفر کرتی ہوں۔ میں بس سفر کرنا چاہتی ہوں۔ پسند ہے۔۔۔ اس کا اندازہ تو ہر ایک نہیں کیا جیتے ہیں کہ کس کے دھچکے کھار گئی میرا کھانا ہضم نہ ہو گا۔ میں نہیں ہے کہ کس اور تو میری غفلت اور بدعنوانی میری سماعت پر محبوب کے دل کو نافذ فحشوں کی تار کھینچتی ہیں بلکہ اس کا تعلق کچھ دل سے ہے۔ اس معاملہ ایک اچھوتی بات جو سمجھا نہیں جاسکتی، لیکن جانتی ہے۔ اور جو کس کرے والے بھی مرد نہیں ہے۔ عورتیں ہی محسوس کر سکتی ہیں اور وہ بھی شاید ساری دنیا سے چند بھول گئی۔ یونان کا شہر و عظیم شاعرہ سقوفو میر نے لکھی تھی۔

کائنات کما گئی عیس اور وہ خاک ہو گا لوگوں کے بعد صورت حال
 ظاہر پایا جا چکا تھا کائنات اس کو ملے جو سے تک بندہ بننے کے بعد کبر
 چاہتے تھے ، اندر حق اندر ایک اور اسلوب بھی پاک باقی رہنا
 صورت حال مولد و رب تعالیٰ

[illegible]

جبریتِ ناسطیہ نظر میں ایسا ہی لگتا ہے کہ وہ کسی ایسی چیز کے خلاف نہیں ہے جس کے خلاف اس کی فطرت ہو۔ اس کی مثال ازل سے موجود کائنات ہے۔ کائنات کے عین مطابق تھا۔ اسے دیکھتے ہی میرے دل میں ایسا ہی لگتا ہے کہ یہ کسی ایسی چیز کے خلاف نہیں ہے جس کے خلاف اس کی فطرت ہو۔ وہ عین کائنات کے عین مطابق تھا۔ اسے دیکھتے ہی میرے دل میں ایسا ہی لگتا ہے کہ یہ کسی ایسی چیز کے خلاف نہیں ہے جس کے خلاف اس کی فطرت ہو۔

وہ مسناب تھا ہی ہو سکتی تھی جو اس وقت اس کے سارے جسم میں کھینچ لی ہوئی ہوگی۔

جب کنڈکٹر آقا قیس نے جھٹ سے فرخ کا لکٹ لے لیا۔ وہ جھے دھکی رہی رہ گئی۔

”اسنا لکٹ نہ کرو گویا! میں نے ہنس کر کہا۔

میرے اس انداز خطاب بدوہ کچھ عجیب سی گئی چہرہ کچھ لڑوٹھ ہوا۔ اس عالم میں وہ جھے بہت اچھی میرا جی جا رہا کہ اسے اپنے باتوں میں پہنچنے کوں میل لگا تھا۔ کچھ زیادہ ہی آواز دہنیوٹھا تھا۔ فرخ کے تنفس میں تیزی آئے تھیں اور آنکھوں میں غمخسار بھجنا چلا گیا۔

”مجھے بھی نصیر آباد ہی آتا رہے۔ میں قدرے خاموشی کے بعد بولی یہ وہاں میری ایک دوست رہتی ہے مجھے اس سے پانچ بجے ملنا تھا لیکن صدر میں سیر کرنا خراب ہو گئی تھوڑا سا، اس وقت صدر میں کسی دن تو نماز تھی تو بس میرے مرد و خور و دروہنگا کے کسی بکرے لیتے ہیں لیکن خور میں کیا کریں؟ جو رات مجھے بس میں ہی بیٹھنا پڑا۔“

”آپ کے پاس کون سی کار ہے؟“ فرخ کے تشریلے لبوں میں خاصا اشتیاق تھا۔

”مرد فرخ“ میں نے لاہور دہلی سے کہا بھریوٹی یہ اگر تم چاہو تو آؤ شام کو میرے ساتھ کھانے کی گھر کو چلو۔“

”ابھی تو آپ کہہ رہی تھیں کہ آپ کی کار.....“

”خواب ہو چکی ہے۔ میں نے اس کی بات کاٹ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

”لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا میں گھر سے دوسری کار لے لوں گی۔“

میرے پاس دو کار ہیں۔“

”اوہ! یہ فرخ کے منہ سے جس اتنا ہی نکل سکا تھا۔

”تو پھر کچھ چلو؟“ میں نے پوچھا اور تم میری بیماری لاؤ گیوں کے ساتھ گھبرے ہوئے مجھے بڑا اچھا لگا ہے۔“

”نہیں میں نہیں پاسوں گی۔ اگر میں وقت پھر نہیں پہنچی تو آسمی پریشان ہو جائوں گی۔“

”گھر کا کامی سے اجازت لے آؤ اور کہہ دینا کہ یہاں سے گھر جانا ہے۔ رہا ساز می میں تم لوگوں کو خاموشی مشق ہوتی ہے۔“

وہ جھپٹ کر مسکرائی۔

بس گھنٹے میں تو لوگوں کی زبان پر چرچے جاری تھے خاما شور ہو رہا تھا۔ اس شور میں بس کے انجن کی گرفت آواز میں شامل تھی اسنے میری اور فرخ کی گفتگو شاید ہی سنے سنی ہو۔ اگر وہ ایک تھرے سن بھی لے لے ہوں گے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ دھڑ دھڑ توں میں اس تم کی باتیں کسی شک و شبہ کو نہیں رہتی۔

”میں تمہاری اسی سے کبھی روکتی کروں گی۔ میں نے فرخ سے کہا۔

”آپ نے بھی کب اپنا نام تو بتایا ہی نہیں ہے۔“

”میں دوست.....“

”آپ کا پتا نہ بتا دیتا تھا۔“

”مہربانہ اس کے مکان کا؟“

”اقت میرا جی چاہا رہا ہے کہ اپنا سوٹ لوں یہ میں نے اس میں کر رہا۔“

”فرخ کے معصوم سے چہرے پر حیرت تھی۔

”اپنی لڑائی کا میں بھول آئی ہوں۔ سہیلی نے اپنے مکان کا پتہ میرا کر دیا تھا۔“

”اب یہ کیا کر سکی؟“

”میں صدر جاؤں گی اور کار سے اپنی ڈائری لوں گی۔ سہیلی نے آج ہمیں مل کر غور کرنا اور لوگوں اس بات سے بے خبر نہیں کر سکتا۔“

”نئی اور عجیب و غریب دوستی کا سنگ بنیاد رکھا جا چکا ہے۔ تمام لوگ اس بات پر ہیں بلکہ میں بھی۔“

جب نصیر آباد کا اس اسٹاپ آقا قیس فرخ سے اس کے گھر بہترین مہلت حاصل کر چکی تھی۔ فرخ کا پاس کار کی ملازمت میں چند سات سو روپے تنخواہ تھی۔ فرخ کے علاوہ دیکھتے اور دیکھتے ایک ایک لڑکی اور کھانا کھا کر ایک لڑکا۔ مکان ان لوگوں کی زائل تھا لیکن ابھی تو انس کھلا رہا لیکن کوس کی سطحیں اور کی جارہی تھیں۔ کے دونوں بھائی بہن اسکول میں پڑھتے تھے۔ فرخ کی ماں ایک سدا عورت تھی جو اس نیکو خاندان میں گھر کو بڑے عاقل سے سے جلازمہ نصیر آباد کے اس اسٹاپ تک میں بڑی اندک خالی پونجی لے لے مجھے اور فرخ کو کاترے میں کوئی ڈھونڈی نہیں ہوتی۔ آخر وہ نے نصیر آبادی طور پر ایک اچھی سی نظر میں کے مردانہ تھے برسی چل اور میرے تھی تھیں بہتر کی بات ہو رہی تھی ایک جانی پہچانی شکل نظر آ گیا میرا تعاقب کر رہا ہے۔ میں نے سوچا۔

میں اور فرخ اس سے متراکب ایک طرف چل پڑے۔ فرخ کے کے مطابق اسٹاپ سے اس کے گھر تک کا افسلہ ڈیڑھ دو دو لاکھ کا اس وقت تھا۔ جی جی جی بہن کی ضرورتوں کے بارے میں متاثر کی تھی ذہن و توان سادہ میں اٹھا ہوا تھا۔ کچھ دھڑلے کے بعد میں نے کہا دیکھا اور میرے شبہ کی تصدیق ہو گئی۔ رضوان ساجد ماسے مجھے لگا بنیوٹھ مل گیا۔ اسے ہمیں دہلی ہوئی تھی۔ مجھے جس طرح فرخ نے دیکھا بھی ایک دم گنگ گیا اور قدرے جھپٹ کر گھڑت سدا لے لگا۔

”کیا کہنا؟“ فرخ نے پوچھتے ہوئے خوشی ہو کر دیکھا۔

”کچھ نہیں۔ میں راستہ باریک دیکھنے کے لئے نشانیاں دیکھ رہی تھی۔“

”کیا آپ سے غلط میں پہلی بات کہیں؟“

”ہاں۔“

”میں کچھ نہیں بولی غصہ اتنا ہی شدید تھا کہ دل کی کھینچ اس نکالنے کی بجائے میں گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔ میری نظر میں مرکز پر دور دور تک جا رہی تھیں۔ میں چاہتی تھی کہ جلد جلد کوئی ٹیکس لے جائے۔ اب بس میں سفر کر کے کامو ڈھنڈا تھا۔

”شاید اب آپ کو میرے اس خیال سے اتفاق نہیں کہ کوئی ٹیکس لے جائے۔ رضوان پھر یو لاء اس کے لیے کہ شرت نے میرے تن بدن میں ایک لگا دی۔

”رضوان! میں دانت پس کر رہ گئی۔

”بالو! وہ سینے پر ہاتھ باندھ کر ذرے جھک گیا یہ حکم دیکھے! اب بس اسٹاپ پر آ کر ڈاکو افرو مو جو دیکھنے کی دھڑ سے مجھے غور کا پتہ رکھنا پڑا تھا۔ اگر وہاں سنا پتا تو آقا قیس رضوان کی پٹائی کے بغیر نہ رہتی۔ رضوان کے ذہن میں یہ جھپٹا کا احساس موجود تھا۔ وہ مجھے سے دھڑت کر رہا ہوتا۔ اسے علم تھا کہ میں بہت جلد ہاتھ چھوڑ دیتی ہوں۔

”دور سے ایک ٹیکس آئی نظر پڑی تو میں نے فوراً ہاتھ اٹھا کر اسے رکھنے کا اشارہ دینا شروع کر دیا۔ جسے ہی ٹیکس قریب آ کر لوگ کی میں نے دیکھا اس کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گیا پھر دروازہ بند کر کے جب میں سیدھی ہوئی تو میں نے رضوان کو اپنے برابر میں بیٹھنے پر کہہ دیا۔ وہ دوسری طرف کا دروازہ بند کر رہا تھا۔ پھر اس نے ٹیکس ڈرائیور سے کہا یہ صدمہ چلو! ڈرائیور نے سر ہلا دیا ٹیکس آگے بڑھا دی۔ میں اس وقت ماسے غصے کے سر پر تک کا پٹی تھی۔ رضوان میرے اس غصے سے ڈرا بھی تھا لیکن ہر اس وقت جب اس پاس کوئی نہ ہو۔

”ڈرائیور! تم کہاں کے رہنے والے ہو؟“ رضوان نے منہ می زبان میں ڈرائیور سے پوچھا۔

”دیکھتے ہوئے کہا یہ جی صاحب۔“

”رضوان نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

”شاید آپ صدمہ میں رہے ہیں؟“ ڈرائیور نے کہا یہ لیکن میں صدمہ میں نہیں جاتا۔“

”رضوان اس کے پیچھے سے اندازہ لگا کر بولا یہ بجا ہے کہنے والے معلوم ہوتے ہو؟“

”جی ہاں صاحب!“

”رضوان سکڑا اور پھر میری طرف دیکھتے ہوئے صدمہ میں بولا۔

”اب یہ بڑے اطمینان سے تبادلوں خیال کر سکتے ہیں۔“

”تبادلوں خیال اب بھولنے سے کروں گی۔ بس ذرا متوہل مل جائے۔ میں نے دانت پیٹتے ہوئے کہا۔ میں کبھی صدمہ میں نہیں ہوتی تھی۔

”ذرا اپنی طرف کی کھڑکی سے سر ہارنا لے اور غصہ متوہل دیکھنے!“

”تم جو کچھ میرا تعاقب کر رہے ہو، کسی اور ذریعہ سے گھلنے میں نہ پونگے۔“

اخلاق کا مظاہرہ پسند نہیں کیا تھا اور اظہارِ رائے پسند بھی نہ کرتے تھے اور بالکل
نہیں مانجا تھا لیکن میرے ہونے کی وجہ سے ان کے خلاف ہے کہ مہمان کو کوئی
دعائیت کر تھیں کہ گزرتے کامتھے دولہا ہیں یا جبکہ اس طرح چلی کہ
میرے منقول مہمان کی آنکھوں میں کجلی کی کوئی نہ ہو۔ میری دولہا لائیں
اس کے چہرے پر بے ادبی اور عداوت کے ماحول پر لڑی جو کہتا ہوا اٹھنے کی
کوشش کر رہا تھا۔ دو میرے بچے کو بے ادبی طرح لڑا جب کے چہرے پر میں
نے لائقوں سے نقش و نگار بنائے تھے وہ کسی بچے کی طرح نہ دیکھا جاوے
گزرتا تھا اس کا چہرہ بولہ بان ہونچا تھا اور غلام ایک آنکھ کی صفائی ہو گئی
تھی کیونکہ میں نے اس کی پٹی ہٹائی۔

آئی عام طور پر میں کافی کو پورے جیسے جا کر ردی ہوں اور
سے ڈیڑھ گھنٹے کے بعد میں سے جاتا ہے لیکن اس روز میں خودی
گینے کی طرف سے چلتی آکر میں پورے کارنگ کرتی تو پھر سے آگے
گزر کر کوئی میں داخل ہوا تو اس میں ملازمین کی نظر میں آ گیا
اس وقت یہ مناسب نہیں تھا میری سادھی ایک جگہ سے پھٹ گئی تھی
جتنی کی پہل میں خون بہا اور آگے دو دفین چیزیں ملازمین کی نظر
میں آئی چاہتے تھیں۔

ہم کہے احساسی نہیں ہو سکا کہ میں نے کب کہا، ختم کیا اللہ کب
 ال سے اٹھ گیا میں نے اسے سٹڈی کا رخ کیا تھا۔ وہیں بیٹھ کر میں نے
 اللہ کو ملنے ملا کر آرام کر کے ایک شیشہ پانی سے ٹیک لگایا میں عام طور
 پر ابھی تھی کہ کھانے کے لیے ایک سرکٹ مغربی ہوئی۔ پھر مسلسل
 لپڑی تو آواز سن گئی جسے اس وقت ہوتی ہے جب میں ڈنک لگاتی ہوں۔
 میں سرکٹ پیچ رہی اور میرا ذہن خرت میں بھاگا۔ میں محسوس کر رہی
 کہ یہ مہم اللہ کا تجربہ کسی حال میں پہنچنے والی ہے اور میں نے آخرت
 میں دل سے تعلق رکھنا چاہی تھی۔

جب میں مجھے بوئے آدمیوں سے گیس ہاک رہتے دیکھ کر کڑھ
 والا پی کر کٹھا پاک صاف کر با تھا اور کئی آدمی، کئی عورت میں در خواستیں
 گزار رہے تھے۔ رٹ اور لڑائی بے نیازی سے اپنے کام میں مصروف تھا غائب
 وہ فیصلہ نہیں کر سکتا کچھ کس شریف آدمی کی درخواست قبول کرے

ہوئی تصویر بھی دکھائی گئی۔ "تھیں اسٹ سے کچھ لگاؤ ہے،"
 "ہائے اللہ! آپ اسٹ بھی ہیں؟ فرخ خوشی سے چینی ہوئی بولی۔
 "میں فنی اسٹ سے رنگ پت لیتی ہوں۔"
 "آپ کو اسٹ ہونا ہی چاہیے تھا۔"
 "کیوں؟"
 "تجربہ جوت ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ فرخ کی رنگت شہابی ہوگی۔"
 "اے میں تو یہ نہیں جانتی۔"
 "واہ! آپ تو کچھ بہت جلدی ہیں۔ فرخ نے جلدی جلدی
 پلٹیں چھپاتے ہوئے دل زبانی ایسا بھی بہت خوبصورت ہیں اس
 سے بہت فخر لیتی ہوں۔
 "پھر تو فرخ سے بہت نہیں کر دو گی؟"
 "واہ! کیوں؟"
 "اپنی اس سے جو جنت کرتی ہو؟"
 "اس سے کیا ہو سکتا ہے میں تو بہر خوبصورت عورت سے محبت کرنے لیتی
 ہوں۔"
 "میں نہیں جانتی۔ فرخ نے یہ مصومانہ انداز گفتگو میرے ہی کجاہر
 تھا۔ اس کے سخی تیری تیری کیونگی سوا ہو چکی تھی کہ وہ کبھی جنت لوگ ہیں
 جو اس مصدقہ لڑکی کو تیرے پاس رجاء بنا جاتے ہیں۔
 اس وقت بھیجے ہاتھ میرے غصے میں گھر کر تات جاتی تھیں۔ قہقہہ کر کے
 والی دھجپ تھی جسے میں نصیر یاد کے ملاسن کھڑا دیکھتی تھی، اس پر پار
 آتی نظر آتے تھے۔ دریا بنی حاصل آن بھی اتنا تھا کہ مجھے اس کی شکل نظر
 نہیں آ رہی تھیں۔ اگر فرخ میرے ساتھ نہ ہوتی تو میں اس چاروں سے بچنے
 کے بارے میں کچھ سوچ لیتی لیکن موجودہ حالت میں یہ ممکن نہیں تھا۔
 فرخ مصومانہ انداز میں گفتگو کرتی رہی اور میں نے بھی جواب
 دینے میں کوئی توقف نہیں کیا۔ دراصل میں اس کے دل میں یہ شرط بھی پیدا
 نہیں کرنا چاہتی تھی کہ میں اس کی خط و محسوس کر رہی ہوں۔
 بہت جلد میں اس فیصلے پر پہنچی تھی کہ اس کے ساتھ، حالات کے
 حساب سے نظر رکھی جائے، خود کوئی قدم نہ اٹھایا جائے۔
 جب میرے بڑے کوٹھی کے احاطے میں داخل ہوئی تو فرخ نے بڑی
 پُرتشوق نظروں سے عمارت کے بیرونی حصے کا جائزہ لینا شروع کیا۔ میں نے
 گاڑی پارک میں سے جا کر روک دی اور کہا: "پانی کٹائیں کار میں ہی چھوڑ دو۔"
 "بہتر۔"
 میں اسے لے کر گاڑی سے اتار آئی اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال
 کر امداد سے کیڑا مچا چڑھنے لگی۔ میری رفتار خاموشی سے تیز تھی لیکن شاید فرخ
 کو میرے اس شوخی فرماؤ کا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔
 ریلواری کے ڈیزائینر چلتے ہوئے فرخ کھل کر ہوائی آواز میں
 بولی: "آپ تو بہت امیر معلوم ہو رہی ہیں؟"

"میں کی زیادہ تو نہیں۔" ویسے سب کچھ تم اپنی سمجھو۔
 دیواروں پر لگی ہوئی قیمتی پینٹنگز اور جھٹے سے لگے ہوئے
 فانوس دیکھ کر فرخ متعجب ہوئی جاگتی تھیں۔ اسے کوئی
 حصول کی سیر کر ڈال۔ ایک مونسے پر فرخ نے بڑے پیمانے پر انداز میں
 "اسی چیزیں میں نے پہلے بھی دیکھی ہیں تو مرسٹرنوں میں
 آخر میں سے اپنے بچے کے خانے میں نے بھی دیکھی اس کو
 داخل ہونے سے پہلے میں نے اپنی خصوصی ملازمہ کو آواز دے کر
 کر دی تھی کہ اب مجھے تھکی ڈسٹر دیا جائے۔ میں جب اپنے لنگر
 جاتی ہوں تو میرا صومہ میری ہوتا ہے کہ اب کوئی دخل اندازی نہ ہو۔
 دوران میں مجھے کافی یاد دوسرے کسی مشروب کی ضرورت پڑتی ہے تو
 میں خود ہی تیار کر لیتی ہوں۔ لنگر دھالنے کے ایک گھنٹے میں ایک بڑا
 بورڈ لگا ہوا ہے اور اس میں ہر روز چیز موجود رہتی ہے جس کی ضرورت
 خانے میں محسوس کر سکتی ہوں۔
 تیری تصویر میں دیکھ کر فرخ مسرت سے تجھے پتہ پڑی تصویر
 کرتے اس کی زبان نہیں تنگ رہتی تھی اور ہر صراہ عالم تھا کہ
 سے خود پر کالو پانے ہوتے تھے۔ جی تو یہی چاہ رہا تھا کہ اس سے اس وقت
 کچھ نون کیوں معاملہ پیش آسکتا ہے۔ اس نے بڑے شیطانی انداز میں
 "کیا خیال ہے؟" اور آج اسکو اسٹ ہو گئی؟ "میں نے اس سے
 "پلائے؟" اس کے انداز میں اب قدر سے پتہ چھنی آ رہی تھی۔
 میں اسے ایک بڑی تصویر پر دیکھنا چھوڑ کر بڑی طرف
 اس باکس میں ہر طرف موجود تھی جس سے آج اسکو اسٹ کے دو گھنٹے
 ایک گلاس میں میں نے تھنڈی سی برانڈی بھی ڈال دی تھی۔ اپنے ہاتھ
 پر ایک پیگ ڈالا تھا کہ کام مجھے اپنی ہی قسم کی آغوش کرنے پڑے
 میں دو گلاس گلاس کے فرخ کے قریب تھی اور کم برانڈی ملا ہوا
 اسے لے دیا۔
 "آپ تو بہت ہی چھی تصویر میں بناتی ہیں باجی! وہ بولے
 "باجی نہیں۔" بانو! کیا تم میرا نام بھول گئیں؟"
 "واہ! تو کیا میں آپ کا نام یاد کروں؟"
 "میں نے نہیں اپنی دست بنایا ہے۔"
 "تو کیا سوا اب کچھ سے بڑی تو ہیں؟"
 "اس صورت میں میں تمہیں بانو کو کہہ کر مخاطب کر سکتی ہوں یہ صورت
 ہی نہیں بلکہ عزت و احترام کا انداز میں مخاطب بھی ہے۔"
 "اچھا چھوڑ دینے اس بحث کو اب مجھے اس تصویر کے بارے میں
 "پوچھو، کیا پوچھنا چاہتی ہو؟"
 ان باتوں کے دوران میں آج اسکو اسٹ کے گلاس خالی ہو
 نے اسکو اسٹ کی ٹھاس میں برانڈی کی خفیف سی تلخی محسوس نہیں
 میں دونوں خالی گلاس کے رُک بڑوں کی طرف میں اور میرا اسکو اسٹ
 لگی۔ اس مرتبہ میں نے فرخ کے گلاس میں قدر سے زیادہ برانڈی ڈالی

میں گلاس کے کراس کے قریب پہنچی تو وہ جب سے بولی۔
 "کیا؟"
 "ایک گلاس سے ہی نہیں بھر تھا۔"
 فرخ نے ہنس کر اپنا گلاس میرے ہاتھ سے لیا اور چھوٹے
 گلاس لینے کی سات آٹھ منٹ میں یہ دوسرا گلاس بھی مکمل ہو گیا۔ اس مرتبہ فرخ
 گلاس ختم کر کے اپنی گردن ملتے ہوئے نہ بنایا تھا۔
 "کیا بوجاواں؟" میں نے بڑے ہمارے اس کے کندھے پر رکھ رکھا کر کہا
 "اسکو اسٹ میں کچھ سی سی تھی۔"
 "ارے نہیں، وہ مجھے تمہارا بھلا اسکو اسٹ میں تلخی کیسی؟ ایک گلاس
 بانو؟"
 "آپ بھی کمال کرتی ہیں؟" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اس کی آنکھوں میں
 "اب ایک سرخ دور سے تیرے گلے لگے۔ ہلکا سا خمار اس کے وجود پر اپنا
 کا نام کر رہا تھا۔
 میں خالی گلاس سے جا کر کپ بڑوں کی آغوش میں اس کا ہاتھ
 ڈال بولی بولی: "چلو اب تمہیں اپنی خواب گاہ دکھاؤں۔"
 "چلو؟"
 میری خواہش تھی کہ میں اس سے متعلق بھی اور دریا بنی دیواروں میں دروازہ
 تھا۔ میں اس کی دواڑ سے فرخ کو اپنی خواہش سے لے گئی۔ یہ کہ فرخ کو
 لگاؤ تھا۔ انداز میں سما محسوس ہو کر وہ مسرت سے، آج کی، وہ ایک
 لمحہ پر چوکر دیکھ رہی تھی اور چھوٹے انداز میں اس کا ہاتھ میرے
 ہاتھ کا انداز سے بھر کر ہنس کر نرم گدے کو اس نے خفا دیا کر دیکھا۔
 "اے... کیسے نرم ہیں یہ؟" اس کے منہ سے نکلا۔
 "ٹھیک جاؤ؟" میں نے بڑے ہمارے کہا۔
 وہ دم سے بستر پر چلی اور فرخ کے نرم گدے میں دھنسی چلی گئی۔
 "مجھ پر ابھی سرخی پھیل گئی تھی جیسے اس نے گدگی کی محسوس کی ہو۔
 "میں تو اب اس کے قریب پہنچ گئی اور اب اس کے کندھے پر ڈالتی ہوئی بولی۔
 "میں تو اب کچھ تنگ محسوس کر رہی ہوں فرخ؟"
 "تو کچھ دیر کا کم کر لیجئے۔"
 "آؤ تم بھی بیٹ جاؤ؟" میں نے اپنے ہاتھوں میں بیٹی ہوئی بستر پر چھپ
 ہو گئی۔
 فرخ کسمائی تو میں نے اسے دونوں بازوؤں سے بیٹھ کر سینے سے
 لگا لیا اور اس کے پکتے ہوئے نہان مارن کو جوتے ہوئے سرگوشی کی۔ تم مجھے
 ہمارا کی تو فرخ؟"
 "آپ بھی مجھے... بہت اچھی... لگی ہیں بب... بانو! فرخ
 مائیں تیری سے چلنے لگی تھیں۔
 میں اپنے گداز سے پر اس کی اختی ہوئی جوانی کو محسوس کر رہی تھی۔
 "اے اس کی پینٹ سے حرکت کر رہے تھے۔ میرا ہاتھ اب اس کے بچہ کی
 "اے مجھ کو نہ کرنے لگا تو فرخ پھر کسمائی۔"

"یہ ایک کراہی ہیں بانو! اس کی آواز بھری ہوئی تھی۔
 "میں تمہیں پار کر رہی ہوں جان!۔۔۔ اچھی چیزوں کو بھی پیار
 کرتے ہیں، تم بھی مجھے پیار کرو۔ کیا میں تمہیں اچھی نہیں ہوں؟"
 میرے ہاتھ نے اس کے بچہ کی سرخ ہونے والی ہاتھوں کے منہ سے
 ایک سسکاری کی شکل میں اٹھائی۔ اس نے اپنی منہ سے انھیں بڑے انداز میں
 یکتا اس طرح دیکھا چھوڑ دیا جیسے باکل جان نہ گئی ہو مگر وہ حرکت
 مشتاقی اور کچھ کچھ تھوڑی تھی۔ اس حرکت کے بعد وہ لڑکی کی مدافعت قسطنطنیہ دم
 توڑ رہی ہے۔ میں نے اپنے پیارے ہونٹ اس کے بونٹوں پر رکھے تھے۔ وہ کچھ لپٹا
 بڑی ناگہانی بڑی سیل تھیں میں ان کا سرس بہت دیکھ دیکھ رہے تھے۔
 ہونے پڑے تھوڑی سی کچھ بھی میں اپنے راتوں کا خفیت سا دوا بھی ڈال دیتی تھی۔
 ایسے دو گھنٹے فرخ کے منہ سے سسکاری عورتوں میں لپٹا رہا تھا اس کی گردن
 کے نیچے سے بڑا بولا جلائی سے مگر اس کے زون انھوں سے ملنے گیا ہاتھ میں
 نے دانتے ہاتھ سے اس کی بائیں ٹانگ اٹھا کر اپنے کونے پر رکھی۔ اس کے پیر
 پیر وجود تھی۔ وہ ناگہان سے ایک طرف اچھال دی اور پھر آہستہ آہستہ
 اس کی انگلیاں دبانے کی کچھ پتوں سے سہلائے پھر اس کے گول گول ٹھنڈے
 ہاتھ پھیرا اور اس کے بعد تو میرے ہاتھ کی آواز کی کانوں میں گھٹکا نہیں
 تھا۔ اس کی گدازیاں صاف و شفاف اور درمیان میں چھلکی تھیں۔
 فرخ نے پتہ پڑی سی برانڈی لی تھی۔ اس کے ہاتھ کو تیز کرتوں
 نے وہ آتش کر دیا۔ وہ شرم سے انھیں بندے ہوئے تھیں اس کا بدن
 بھی کچھ کچھ اٹھا۔ اب اس کا ٹانگ اٹھ گیا کچھ مٹا لے کر اٹھا۔ اس کی فوٹو
 خود اس کے گدازیاں تھیں، بائیں تھی لیکن اس تو اب میں شرم آتی جا رہی
 تھی، اس کا ہاروں دواں ہاتھ پر اٹھا، میں بل رہی ہوں۔ میری پیاس بجھاؤ
 میں دیکھ رہی ہوں، مجھے ٹھنڈا کرو۔
 جب مجھے یقین ہو گیا کہ اب وہ کسی بھی مٹا ہر مدافعت نہیں کرے
 گی تو میں نے انادایاں اٹھتے چلے لیا۔ اب میں شلوار کے اوپر سے اس کی
 پنڈلی دبا رہی تھی میرا ہاتھ اوپر کی طرف حرکت کرتا رہا گھٹنوں کے نیچے پھیرا
 اوپر اور اوپر۔۔۔ اب میں بندھنوں سے ہر دواڑ میں فرخ ساکت پڑی رہی
 بلوئی سا نہیں لیتی رہی۔ اس کے چہرے کی سرخی بتا رہی تھی کہ اس کا مٹا
 اب بہت شدید ہو چکا ہے۔
 اٹھتی ہوئی جوانی جب نے نیاز پیر میں ہوئی تو میں ہم کا وہ سادہ
 وہ شادابی اور دھج و دم دیکھ کر مجھے تڑپ اٹھی، جلدی میں سے خود کو بھی
 ہر تڑکی بندش سے آزاد کر لیا۔ میں اس سے پہلے ہی اور اس شدت سے
 لپٹی جیسے اس میں ہی ہوسٹ ہو جاتا جا رہی ہوں یا اسے اپنا جھونک لے لیتا تھا
 ہوں۔ اب اس کے ہاتھ بھی بہت تھکا تھکا انداز میں آہستہ آہستہ حرکت کرنے
 لگے تھے۔ میں ان پیارے ہاتھوں کو اپنے سینے پر لے آئی اور دروازہ
 سے دبلے تھی۔ میری خواہش تھی کہ فرخ بھی اس کی جارحیت کا انکار نہ کرے
 جس کی حرکت میں ہو رہی تھی لیکن وہ فیصلہ کا جواب آئے نہ تھا۔ وہ چلی
 ہی کھنکھناتی آواز خالی نہیں ہو سکتی تھی میں خود ہی اس کے ہاتھوں سے

کام لیتی رہی۔

ایک دفعہ جوانی ایک بھر پور جوانی سے بھر پور تھی۔ مریضی دوشہاری
ہوئے۔ ہمارے گرد و کشتاں جیسے ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر چکی تھی۔ ایک
نئی سی اور ایک کھوپڑی مست ہوا جا رہا تھا۔ دونوں جسم پینے میں
سب سے تھکے تھے۔ اس پینے میں ایک مستان ہر جگہ پہنچا ہوا
پہنچا گیا۔ یہ بیابان ہر کھوپڑی کو کھانا دیا اور کھوپڑی کو
لگا۔ جسوں کی آواز میں طوفان آسودگی کی منزل کے قریب
تھی۔

اب فرخ کی خواہش اس کے لئے اجنبی نہیں رہی تھی، اب اس کا مطالعہ اس کے لئے اچھا نا نہیں رہا تھا۔ وہ ادراک کی منزل پر پہنچی تھی۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ شاید وہی سب کچھ اس لئے رہا ہے جو وہ چاہتا تھا۔

مگر کے ملکوت میں لذت و مشائے کمال کیا ہیں، قرآن
کے بیان کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جس پر یہ بھٹوں کا کج ردہ و رملہ جو میں
اس کے ایک ایک گوشہ پر چڑھتی تھی، وشت میں اضافہ کرتا چلا جا
وہاں تک کہ ام ایک دوسرے سے پلٹے ہوئے، چوڑے چھوٹے برقعے پہن
تھے، قزاق رہے تھے، کن کا یہ تھے، تھے، تھے، تھے، پھیل رہے تھے
اور ان کے ہزار ہا پرانے اور نئے ہزار ہا رہتے چلے جا رہے تھے۔

آخر کیلئے نئے ہی طرح جینے کا ارادہ کر دیا۔ پھول
اس سے پہلے ہی پٹنیاں سے گزر چکا تھا۔ سانس بھر کر دیکھیں! وہ کنگ
بیدیاں بکریاں پھولتے مکھنوں کی اور بلیوں کی پیدہاں سے حجاب اندہ
حجاب کی تصویریں، مرنے لگی تھیں۔

میرے لیے محکوم میں تنفس کی آواز گونج رہی تھی۔ آہستہ آہستہ دوسرے بھی مددگار بن چکے تھے۔ انہیں خبر ہو چکی تھی کہ میں اور فریح ایک دوسری سے لڑ رہی ہوں۔ جس طرح حرکت پڑی مونی نہیں کسی کو بھی نہیں چاہا ہوا تھا۔

”ہاں“ فرخ نے کہا۔ ”میں نے یہی اس حکمت کا قفل توڑا۔“ فرخ نے کہا۔

”چلو اب اٹھ جاؤ!“

لیکن فرخ نے تو ٹھٹھی اوردن سے انکھیں کھولیں ہیں اس
کی گردن کے نیچے سے پٹا باز نکالا اور ستر سے اٹھ کر گاؤں میں لیا پھیر
الہدیٰ کی طرف تھمتی اسے کھول کر ایک ارد گاؤں نکالا۔ وہ گاؤں میں نے
فرخ را حلال دیا اور کہا۔

”وہ بین لونی تباریہ فیہ غلام گھل گئی ہے۔ پہلے اس پر استیسی کرنا پڑے گا۔ پھر میں اس کے حجاب کا انکار کرنے بغیر باختر دم میں گھس گئی۔ میں نے اسے میں اپنا جہر دیکھا۔ میری بی بی نے کچھ کھانا خرچ کر کے جاکھ میں سکرانے اور جہر زربہ کھانا ہوتی، راس میں سن میں کھینا کرنے لگی۔ زرا در لہر جس باختر دوسے لگی اور کچھ فروغ سے جو خون میں اپنا جہر

اور ٹائیس بستر سے نیچے لاکڑے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ بے
جینسی جینسی کی نظر آ رہی تھی۔

میں اس کے قریب گئی اور ہاتھ پکڑ کر بستر سے اٹھانی پہنی مسکلا کہ
 بولی۔ وہ اب کتنی بڑے کمرے میں رہی جانے!۔ جیلو پکڑی سے کپڑے اتر کر
 کر کے پہن کر۔ اتر کر اور اس کی سیزر وہاں سے کمرے میں ہے۔ تم جتنی دیر میں
 اتر کر دینی تھی دیر میں تم جتنی تیار ہو جاؤ گی!

میں نے اسے مزے کر تے ہوئے دیکھا تو رادو نے کہا اے میری سہیلی
 صحت نکال کر دیکھو یہ تو ہم میں جانی سی تیار ہو کر باہر دوڑے۔ اگلے دن
 آدھا گھنٹہ ملا تھا میں نے دیکھا کہ وہ اپنی بیٹی کو بیڈ پر بستر کر کے پین پی
 اور ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی اس کے ٹوٹ خیریلے سے انڈاز میں کیا ہوا
 تھے جس میں اس پر ایک شیشے کا خزانہ لٹا ہوا تھا جس کے سامنے جاسی بیٹھی
 کر رہی تھی اسے ایک صحت کے ٹکڑے کی شکل میں روٹ میں تھے خود ہی پینا مار رہی تھی

چاراگد و بختیار میرے شباب کی تلمذ ترغیبیں اس سنگ لباس سے
ہو کر باہر نکلنا چاہا جس شخص اس زمانے میں وہ پیش بہت عام تھا۔
میوہ کی شمولار اور گڑھوں سے چیکا ہوا جیسرا۔ وہ دیکھنے کے لیے کمانے کے لیے
پہننے کے لیے ایک چیز بنی استعمال ہوتی تھی جس کو کہنے پر گڑھوں کے شکل
کو طرح میں لگنے جلنے سے بچ کر ہر طرح میں ایک ایک یو و دوزن پر
تھکے تاکہ وہ اپنی شانوں سے بچنے کے لیے اس لباس میں خاص طور
آئے تھے جسے

”چلو فزع! تمہارے اسکول کا وقت ختم ہوئے ہیں ڈیڑھ گھنٹہ دو گھنٹہ
آتی ہیں میں تم میرے ساتھ کھڑے گھوم آؤ۔ پھر میں تمہیں جھوڑے کے
تہاے گھر ملوں گی۔ آج مجھے تمہاری اتنی سی بھی محنت ہے۔“

”چلے، باغِ قریح نے بہت دھیمی آواز میں کہا اور کھڑی ہو گئی۔
میں اس کا ہاتھ تمام کر لے لگاڑی نے میں نے گئی اور پھر اس
دروازے سے باہر نکلی۔ میں نہیں جانتی تھی کہ ملازمین ہیں خواہ گاہ
نکلے، مکمل۔“

”کیا خیال ہے؟ کچھ فی لیا جائے؟“ میں لہری۔
”پاپاس تو مجھے بھی لگ رہی ہے۔“

میں نے فریج کھول کر دودھ کا ٹھنڈا بوتلیں نکالیں اور اداہیں
 ٹکڑوں میں انڈیا۔ ایک گلاس فریج کو دبا اور دوسرا اپنے پوتوں سے بھرا
 دودھ پر کریم وولٹن نگار خانے سے نکلیں۔

جب میرے زیرِ سیما ہاتھ گزر کر غزلِ کربلی کی نوں سے بھر کر
 سے ارد گرد کا جامِ زہا لیا، یہ حق تعالیٰ کی کس جس ہمارا انعام کیا تھا
 قربِ حجاز میں کہیں کو جو ہر جگہ کیلین ہر عارضہ غلطی نہ تھا۔ وہ یہ
 میں رہی لیکن اس کے نغمہ سے یہ سب وطنِ نبین ہو گئی۔ میرے خیال
 مطابق اس بات کو ذی اہمیت نہ تھا کہ اب کس نے دلائل سے کونسی تبدیل
 لی ہو۔ دینِ نبی گئی بہت بڑا گناہ تھا جو کسی وجہ سے فرح کے چہرے
 گیا تھا۔ میرے مشاہدات اب کواں قسم کے تھے کہ وہ بردہ فروشوں کا گناہ

فرخ میکر برابر والی نشست پراسر جھکے بیٹھی کہی مٹھی۔
 ”کچر لول فرخ! تم کو تو جیسے چپ گنگ گئی ہے۔“ میں نے اسے لڑکا۔
 ”کسا... کسا... لولوں... لولوں!“ وہ ہیکلا کر رہ گئی۔

”کچھ تو کہو؟ زندگی کا یہ تجربہ کیسے ہوا؟۔ لذت و سرشاری کی؟ دنیا
 لہرے لئے مہجی تو ہوگی لیکن تم یہ نہیں کہہ سکتیں کہ لطفِ اعلیٰ نہیں ہو رہا
 ہے؟“

”جج... جی...!“
 ”کیسا راتہ تجرہ؟“

۴۔ ہم... میں... کیا تاول بہاؤ و مجری طرح جھینپ لے لی تھی؟
 ہم نے نیکلس اس موضوع پر باتیں کرنے سے باز آ رہا تھا۔ اس کے کانوں پر
 مہلتا ہوا تندرستی بخاری رنگ اور آنکھوں میں بھرنے والی تھی۔ یہ تھی شریک کے چہرے
 سے ملنے لطف و انداز کا سبب نہ رہی تھی۔

مگر خلفہ اندوی کو ان منزلوں سے گھرے ہوئے ہیں انہی سے
 وہ کہیں بڑی تھی کو غائب کیا کہیں پرستور موجود ہے۔ میں گاہ کی کو بار بار
 وہ منزلوں پر دور کی جانب عیب نہاٹنے میں جیسے آئے والی کا ڈولیر
 کے اندر کو جسے تھی ان کو کہ میں ان کا کام ہوئی کو ایک سفید
 آٹھ میں نہا تھا تب کیا بار بار تھا یہ جان لینے کے بعد میں نے سر پر تیر کو
 لے کر پڑاں دیا جو کلشن کی طرف جا تھا۔

”میں اپنی زندگی اسی طرح گزار دینا چاہتی ہوں فرخ! میں قدر
 دہ ہو کر نبلی لاشادی کے تو خیاں ہی سے مجھے کراہیت کہتی ہے میر
 کی مراد کر لینے اساقرب نہیں کرنا چاہتی۔ میر دولت بڑی بد ذات ہے
 ہر خوشی کی عزت بران لوگوں نے اسانقطہ قائم نہ رکھا ہے اور اس

ہم کہہ چکے ہیں کہ اس حق پرستوں میں سے کسی ایک کو بھی اس کی طرف سے کوئی ایسا کام نہیں ملے گا۔

ہاں لیکن قرخ نے جواب میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ شاید یہ میری حماقت ہی
 نے اس وقت مجھے بھی تبصرہ قرخ، شرم و حجاب کی تصویر بنی

۱۷۷

نہیں کرتے کہ ہندوؤں نے اس معاملہ پر نیکوئی کرنا ہو کہ یہ بھی تو نیکو
 کا معاملہ ہے نہ جیسا پہلے تھی خود دونوں کی اشیاء اپنے مالوں کے
 لہلوں پر نہ اسے ٹھیک ٹھیک نظر آ رہے تھے۔ میں نے غریب سے پوچھا کہ اگر کچھ
 لے کر کوئل چاہا تو ہمارا کوئلے لیکن اس کے انکار میں سر ہل دیا۔

”کچھ کھائے بغیر تو بات نہیں بن سکتی میری جن اعلیٰ میں نے کہا اور
 اراکین نے والی ایک گاڑی کے قریب رگ ٹھکی۔ دراصل ہمیں ترک کر

دو جاک باز خرید کریم، فخرخ کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ میں نعاقت کرنے والوں کو دیکھ بھی تھی۔ وہ دوتے۔ لیکن ہٹان کی ایک آدھ لوٹی! بھی ہو لیکن اس لڑکی کو میں ناپسند نہیں سکتی۔

میرے سرزن میں معاملات ابھی تک الجھے ہوئے تھے اور انہیں
 سلجھا چاہا جیسی کہ ایک صورت جو میری نگاہ میں نہ تھی کو تو قاتل
 کرنے والوں کو گرفتار کر دیا جابائے پھر پولیس خود جہاں سے پوچھ لی تھی
 وہ کہنے لگی ہیں۔ گذشتہ تمام میں نے ان کے سرزد و آدمیوں کی طرف
 کی تھی، انہیں لقمہ ان کے ساتھی اٹھائے تھے وہ مجھے، اگر وہ پولیس
 ہاتھ کے جوئے لڑتے کہ انجائیں ان سے متعلق کوئی خبر نہ رہتی۔ میں
 آج کا انرا بہت غصہ دیکھا تھا کہیں مجھے ایک نئی طرف لیں میں ہی تھی
 ان کے لیے نہ رہتی۔

میں فرخ کو لے کر سہ ماہی کے دیوانہ تھے کہ وہ بڑھتی تھی۔
 اُدھر سب کے سوا وہ بیٹے ہی نظر آتے تھے۔ سہ ماہی بچہ چھوٹا لگا کہ تھکا کر
 بچے کیلے دوسری طرف بڑا کرکڑوں کے ٹھکانوں سے انھیں ہوا جاسکتا تھا
 یہ اس لئے کہ لڑکا پانی قحطی کے زمانہ میں نہ پالو کہ بچے کو لے کر
 کے ہیں انھیں گرد آ کر کے ہی، وہ لینا ہوا تھا جیسی انداز سے اسے سمجھتا
 کوئی خزانہ نہ لگا اختیار کر لیتے تو اس کے لئے یہ تیری تھی۔ سہ ماہی
 میں ایک چٹا سا پسپول موجود تھا جس کے خمیسی گولی کی آسانی زندگی
 بڑا آسانی خیر کی تھی۔

فروج نے اپنے ہونٹوں پر تالہ ڈال رکھا تھا اور یہ چیز مجھے خاصی
 رہی تھی۔ آخر میں نے ایک ایسا موضوع چھیڑ دیا جس پر بات کرتے ہو
 فروج کو ذرا بھی ہنسیک محسوس نہیں ہو سکتی تھی۔

”تمہارے ان پلن سمجھ گیا ہوں فرخ؟“
 ”سٹوٹس اور ہوم کزنکس“ فرخ نے میری توقع کے مطابق دوا
 جواب دیا۔
 ”تمہاری طرح نہ دوا، تمہارا کس ہوم؟“

”ایک تو بہت ہی بکھر رہی ہیں تبسن دوسری ابھی ہیں۔“

اور دونوں پر منتقل کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ قوت نے مجھے یہ پتہ
لوچھا کہ اس دیرین حصے کی طرف کیوں جاری ہوں۔ میں نے اس دور
میں ایک بار بھی مڑ کر نہیں دیکھا مجھے یقین تھا کہ وہ دونوں عالمے پیچھے

آ رہے ہوں گے۔
 ”تعلیمی دور بھی خوب ہوتا ہے یا میں نے نہیں کر کہا۔“ زندگی کا
 کبھی ملوہ ہوتی ہے۔“
 میرے اس خیال پر درخ نے کوئی تبصرہ نہیں کیا کیلک ہم دونوں

کی دوسری طرف پہنچ چکے تھے۔
 ”آؤ کچھ دیر یہیں بیٹھیں۔ تم تھک چکی ہو گی۔“ میں نے کہا۔

نہ اپنے ساتھی سے کیا اور جملہ فتم کرتے ہی اس کے منہ سے ایک کرب چرچ

ملکی میں نے اس کے دونوں ہاتھوں کی خاص فہم کو اس نے محفوظ رکھا۔
 ورنہ ساتویں انگلیوں کی مدد سے باہر نکلتا ہوتا۔ باؤں پر گتہ، قہقہہ
 پر گھڑی اور اس ایک جھپٹے سے جو کڑا زکوٰۃ کے ہونے کی خبر پہنچی کی طرف بڑھ گئی
 میرا کھڑا ہاتھ اس غنڈے کے سر پر چڑا اور وہ ایک جھپٹے کے ساتھ پھسلے
 بل پر گر گیا۔ یہ کمزور کا وارث تھا مگر نہ ٹھکانے پر آئے کیونکہ اس نے بھرپور نہیں
 نسبت ہو کر مگر پھر لوگ جانا تو اس کے ساتھ سرگے دو گئے ہو جانے۔
 دوسرے غنڈے نے یہ جھانکنا لوگوں پر کرتے دیکھا تو فریخ کو کھینچ کر
 اپنی جیب میں ڈال ڈالا۔ جیسا شاید وہ کسی قسم کا ہتھیار رکھنا چاہتا تھا لیکن
 میں نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ میں کسی تیز رفتار پرند کی طرح انھیں
 اس آڑی اور میری باتیں اس کے سینے پر بڑھ کر دیکھی جھپٹے کی طرف
 کھڑا تار تار پر گرا۔ دو تھیں جوت میں ہر گز بھی مگر اس طریقے سے کہ مجھے
 چوٹ نہ لگ سکے۔ فلائنگ بک لگنے کا یہ لفظ دو میری دیانت تھا۔
 پہلا غنڈہ اس آٹا میں سنبھل گیا تھا۔ اس نے مجھے بہت پر پڑا
 دیکھ کر جھپٹ لگائی۔ وہ مجھے بچا لے جاتا تھا لیکن اسے رت کا ذائقہ
 چکھنا پڑا۔ میں تو پہلی سے وہیں کر دینے کے اس کی زد سے نکل چکی تھی۔
 جیسے یہ وہ اندھے گھڑا میں پھل کر اس کی پشت پر پہنچ گئی میری فریخ
 بہل کر مغرب نے اسے کہنے پر پھر کر دیا تھا۔ میں نے اس پر ایک بار پھر
 کمزور کا ہاتھ اڑایا۔ اس پر تیرا مقصد صرف یہ ہوتا تھا میں نے
 اس مقصد میں کامیاب ہو گئی کیونکہ پڑنے والی مغرب نے اسے ساکن کر دیا
 دوسرا غنڈہ ریت سے چھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں اسے اتنی
 ہونی اس پر جا کر۔
 فریخ ایک طرف کھڑی تھوڑے کھانے جابری تھی اور سب کا بڑے پیرور
 ہر تاجا جلا رہا تھا۔
 چند ڈراگ و دو سال پہلے جو لوگ تفریح کر رہے تھے، انہیں اس خطرناک
 ڈرے کا احساس بھی نہ ہوا۔ وہ گانا گویہ سب کچھ ٹیکے کی آؤں تیار ہوا تھا۔
 دوسرے غنڈے کے کوچی ہوش و جذبہ سے بکا نہ کر کے جب میں
 سیدھی گھڑی ہوئی تو فریخ ایک بار پھر دو گھڑے سے لپٹ گئی اور سنے لگی
 "باؤ کیا کر رہا ہے، کیا کر رہا ہے؟"
 "تکڑے کر موری جان!۔۔۔ سب جھپٹ کر بولنے لگے پولیس بڑی
 آسمانی سے معلوم کر لے گی کہ جیکین ٹھکانے کے ساتھ پروردی میں ہیں۔
 ان دونوں کو لایا گیا تھا۔ اگر وہ دو لیگن اس کے لئے مجھے تمہاری مدد کی
 ضرورت ہے۔"
 "میں۔۔۔ میں کیا کر سکتی ہوں۔۔۔ باؤ۔۔۔"
 "تھیں پولیس کو یہ بیان دینا ہو گا کہ ان دونوں غنڈوں نے کہیں
 آج اس وقت تو کیا خواب تھیں تم، مکمل جانی تھیں۔ یہ نہیں اسے دھڑلہ
 گھاتے پیرے اور آخر میں کھٹن، یعنی وہاں سے آئے۔ اس ٹیکے کے مجھے
 ہونے کے در اندازہ تھا اور جب سب کا گڑا تو انہوں نے فرسے کہا کہ

19

”میں نے اس کی مخالفت کا بندہ ولت تو کیا تھا لیکن پوشیدہ طور پر ہے“۔ اسی نے جواب دیا وہ نہیں وہ اس وقت کہاں غائب ہو گیا جب فرخ کو مارنے کے لیے کوشش کی گئی تھی میں اسے تیار فرماتے رہا نہیں سمجھتا تھا۔

”وہ یعنی جسے اپنے فرخ کی مخالفت پر مقرر کر دیا تھا۔“ وہ اس پر ہنس مچا۔

”میں نے کیا حکمت کرنا تھا وہی فرخ ہو گیا تھا۔ وہ ایک انجان کار پر ڈر رہا۔۔۔“

”وہ رضوان مراد ہے۔“ اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

”وہ آپ اسے کیسے جانتی ہیں؟“ اسی نے غیر مت سے پوچھا۔

”اسے مجھے اپنی عقلی کا احساس ہوا مجھے اس طرح بھی میں دیکھ لاندی نہیں کہ چاہتے تھے میری اس حماقت سے بالوں کا مسئلہ لٹ گیا تھا۔

اب ادھر ادھر کی باتوں میں جا رہا جو کچھ وقت ضائع ہو جاتا۔“

”دراصل۔۔۔ میں نے اسی کو مارنے کی کوشش کی۔“ اخمدی لائن میں میری واقفیت صرف رضوان مراد ہی ہے اس نے اس کے لیے اس خیال اس کا مزہ لیا۔

”جب آپ اسے جانتی ہیں تو پھر اس بات سے بھی بے خبر نہیں ہوں گی کہ ایک شریعت اور دوسرے دلائل جن ہے۔“ دراصل وہ میرے ہونہار شاگرد وہ ہیں جسے ایک ہے۔ اس کو کئی حالات میں اتنے سے پہلے میں ایک پرکری اسکل میں پڑھتا۔ رضوان کی پرکری کی تعلیم میرے ہی ہاتھوں میں ہے۔“

”بل تو آپ یہ بتاتے تھے کہ فرخ کے مسئلے میں اس قسم کے کسی افسوسناک واقعے کی توقع آپ کی پہلے سے تھی۔“

”جی ہاں اور اسی کی وجہ سے میں خاصا پریشان تھا۔ اتفاقاً اسی روز میری ملاقات رضوان سے ہوئی۔ اس نے میری پریشانی کا جواب دیا اور اس کے بارے میں مختصر کر دیا۔“ میں نے اپنے آپ سے بہت قریب پانا ہوں

ہر چند کہ وہ کسی میرے گھر نہیں آیا۔ بہر حال میں نے اسے تمام ضرورت حال آگاہ کر دیا اور اس نے خاصی خوش دھن ہو کر مجھے اپنے اس فیصلے سے آگاہ کر دیا۔

”کوئی فرخ کی مخالفت کرے گا ملک اس کی کوشش نہ بھی ہوگی وہ اس پوشیدہ چہرے کو بھی ملنے لگے تھے جو اس معاملے کے لیے پردہ کار فرما رہا ہے۔“

”آپ نے اس معاملے پر اب ایک فوجی نہیں دالی؟“ میں بولی پڑی۔

”اس میں کسی طرف باتوں خاتون؟“ اسی نے کہا۔ ”یہ سب پلہ روز پہلے کی بات ہے میرے پاس پیر فرخ لٹ نہ سمجھنے کے لیے اس کے پاس

کو کچھ سے درخواست کی کہ اس کی شام کی چلے اس کے ساتھ ایک ریسٹورنٹ میں بیٹیں۔ مجھے اس وقت سے پھر حیرت ہوئی کہ کوئی ایسی فوجی پیر فرخ لٹ نہ تھا

خود مارا اور اس کی تمام کا وہی ہے۔ سارا دوسرا سے نہیں دیتا ہے۔ وہاں لائن میں نہیں ہے اس کی کسی پڑھنے کے کسی فرسٹ دینی کی مخالفت سے وہ اس کی ایک نگہ پہنچا ہے۔ آپ تو جانتی ہی ہوں گی کہ آج کل صرف رشتہ دار معاشرا کا دور رہا ہے۔ سارا معاشرا اس سے تباہ ہو چکا ہے اور۔۔۔“

”تو کیا آپ نے اسے فرخ کی مخالفت پر مقرر کر دیا تھا؟“ میں بھر لیا۔

”اس کے سوا کیا چارہ تھا کیا تھا جو حکم کر کے مخالفت کے مطابق شام کو اس ریسٹورنٹ میں جانا پڑا تھا اس نے مجھے بلا تھا۔ وہ کچھ

بڑے اچھے اخلاق پر ہیں۔ یا اور میری مالی پریشانیوں کے مسئلے میں بہر حال دیکھا گیا۔ اس نے مجھے بھی کہا کہ اس رشتہ میں شہرت کروں۔

”اسے زندگی گزارنے کو اس نے خود قرار دیا اور میرے خیریں بولا کہ اگر میں ایک کے لئے آمادہ ہو جاؤں تو مجھے کیسا سزاوار دے مل سکتے ہیں۔ اتنی بڑ

کا ذکر اس کا مجھے راجی خوش نہیں ہوئی کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ وہ مجھ سے غیر قانونی کام لینا چاہتا ہے جس کے لئے میں ہرگز تیار نہیں ہوتا۔ بہر حال

اس کا کہے بارے میں اختلاف تو کئی ہی روز اب اس نے بتا کر۔“

”اب فرخ نے پاکستان آیا ہوا ہے جس کے کٹر فری نے راہ چلنے کی جگہ فرخ کو بوجھ لیا ہے۔ اسے جانا تھا کہ وہ فرخ کو اپنی رہا۔“

”پیر فرخ لٹ نے بھی بتایا کہ ملک کی ایک اہم شخصیت اس شخص کے کو خوش کرنا چاہتی ہے۔ اس نے اسی شخصیت سے میرے لئے پچھا۔“

”کی منظوری دی ہے۔ وہ شخصیت چاہتی ہے کہ فرخ کو ایک سیکرٹری کے لیے پروکروں اور اس میں دن کا ذکر کسی سے نہ کروا

۔۔۔ سب کچھ بتاتے ہوئے اسی کا چہرہ مجھے سے صریح ہو گیا۔ منہ سے جھانک اٹھے۔ اگلے گئے تھے ایک سب اب اس میں داخل ہو چکا۔

اور میں دم بخود بھی ہوئی تھی معاملہ جو ممکن نہ تھا تو باہر جاتا تھا۔ معاملے میں کوئی بہت سی دیکھی ہوئی تھی۔

”اسی نے قدم سے غصہ منی اختیار کیا۔ روپائے اپنے منہ سے جدا پتا بولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے میری فرخ کی چھٹی میں جانے

ٹپے لئے ہوئے کہ میں داخل ہوئی۔ اس نے اسی سے اپنی منکر پھر بتا لیا میں جانتے تھا کہ ایک بیال مجھے ہی اور ایک خودی۔ اب

جذبات پتا پتا بولنا تھا اس لئے وہ بول رہا ہے۔“

”پیر فرخ لٹ کی ان باتوں سے مجھے جراح پا کر دیا تھا۔ یہ اسی نہیں تھی کہ میں اپنی فوجت جگر اس طرح بیوقوفان۔ میں نے اس۔۔۔

کو کھلی سزا کر دیا اس پر پیر فرخ لٹ نے مجھے جانے کی کوشش کی۔ بالآخر وہ مجھ کو اپنا راز اس نے مجھ سے کہا کہ مجھے بہر حال فرخ سے ہا

دھونے پڑیں گے کیونکہ یہ ملک ایک بہت اہم بہت اہم کا فیصلہ ہے۔ جب پیر فرخ لٹ نے یہ فقرہ کہا تو آپ سے باہر ہو گیا اور اپنے

بیخبر کر ریسٹورنٹ سے نکل آیا۔ رات تک میں اپنی گول کی طرح اڑا۔“

مارا مارا پھر تار مار میری حالت خوفزدہ کی گئی تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان حالات میں کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ پولیس سے رابطہ قائم

فصل معلوم ہو رہا تھا۔ جب ملک کوئی اہم شخصیت متاثر ہو کر یہ کیسے ممکن ہے کہ میرے سمیٹے ہوئے لوگوں کو پولیس کا دواں دل جائے۔ تو جی ہاں کہ ان کل ملک کی حالت یہی ہے۔ سارا معاشرا خوف و وحشت میں ہے۔ ہمارا رشتہ اس کے بدلتے ہوئے لوگ اکٹلا بیٹے

حکومت غنڈوں کی سرپرستی کر رہی ہے۔ کسی شہرت آؤ گی۔۔۔“

”میں نے۔۔۔ ان حالات میں مجھ پر جن کا وہ دھمکاؤں۔۔۔“

اسی عالم میں میری ملاقات رضوان سے ہوئی۔ اس کے بعد۔۔۔“

”اب یہ حالات اس نے قسم کھائی کہ وہ اپنی زندگی کو آخری سانس تک فرخ کی مخالفت کرے گا۔“

”اسی خاص خوش ہو کر میری صورت دیکھنے لگا۔“

”آج کی زندگی واقعی بڑی کٹھن ہو چکی ہے۔“ میں نے خندہی سانس لے کر کہا۔

”میری تو خواہش ہے کہ اگر ممکن ہو تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس ملک سے نکل جاؤں۔ زمین کا پکا کھانا ہے بڑی تیزابی اس کے حاصل

کیا تھا مگر آج میری زمین ہم پر تنگ ہو گئی ہے۔“

”خدا کی اپنی بے آواز ہے۔ اسی صاحب اعظم و جبر کی یہ ناؤ آخر کار وہ بے گھر رہے گی۔“

”جب ہم سب جی ڈوب گئے ہوں گے۔“ اسی کے لیے میں نے پیر فرخ لٹ کو دیکھا۔

”ان دو چار دنوں میں آپ کے پیر فرخ لٹ کا یہ کیا رہا۔“

”بہت سخت۔۔۔ اس نے مجھ پر کام کا دباؤ بڑھا دیا ہے اور کوما“

مجھے بڑی سختی سے دیکھتا ہے۔“

”میں نے چاہے کہ آخری گھونٹ کے کربالی رکھ دی اور پھر کڑی بولی ہوئی بولی۔“ اسی اب مجھے اجازت دیکھنے اسی صاحب۔۔۔“

”میں بھی اس مسئلے میں آپ کی کام آئے کی کوشش کروں گی۔“

”میرا بھی یہ۔۔۔ میں فرخ کی مخالفت کے لئے بہت کچھ کر سکتی۔“

”اگر اس گھڑی عزت دانی ہو گئی تو میں زندگی بھر آپ کا احسان مند رہوں گا۔“ اسی نے جذبات سے غلوب ہو کر کہا۔

”میں نے منہ سے اس کی تسلی بخشی کے لئے دو چار فقرات کہے اور پھر لپٹی۔ اب دوسرا پیر فرخ کو اس میں اس سے بھی جانے کی اجازت لے لیں۔“

”رضوان کے علاوہ اب صرف آپ واقف ہیں میں نے مزید کو کچھ اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ وہ نہ خود دیکھنا ہے نہ دینی۔“

”یہ سب نہ بہت اچھا کیا۔“

”اسے سمجھی رہا ہے۔۔۔“ فرخ۔۔۔ دیکھو یہ تباہی ہمارا جاری ہیں۔

”اسی نے ملندہ آواز میں دیکھا۔“

”جنتہ لہری ماں میں اس کے میں داخل ہوئے۔ بھوک کر شاید

اندولی کرے میں روک دیا۔ اتنا دیر وہ بھی مجھے سمجھنے لگے۔“

”فرخ اور وہ نہیں ہیں جی نہیں اس کا چہرہ سنا ہوا اور وہ نہیں سوچ

ہوئی نہیں۔ میں نے فرخ کی ماں سے اجازت لی اور فرخ کو کہنے سے

دلا کر اس کی بیٹیاں چلی۔ فرخ کا چہرہ ایک مہر پر ہو گیا۔ شاید اسے

کہہ دیا گیا تھا۔“

”اچھی فرخ اب میں جانتی ہوں۔ صبح خود نہیں لینے آؤں گی۔ تم

کیلی اسکل مت جانا۔“

”بہت اچھا۔“ فرخ نے آہستہ سے کہا۔

”ماں باپ اور میں مجھے چھوڑنے کے لئے دروازے تک آئے

جب میری مہربانہ زبوں سے روانہ ہوئی تو اصرار پھیل چکا تھا

میں نے زبوں پر لکھتا کہ شاید وہ انہیں بھی اس طرح غصہ کر سکتی تھی

اس معاملے کو فوجی سرسری انداز میں ہنسی کیا گیا کہ بہت

معاذ و دہر کا رنگ کے ساتھ اذیتا کہنے کی ضرورت نہیں تھی کہ کوئی

بھی قدم اٹھانے سے پہلے اس بات کا علم لانا ضروری تھا کہ قتلے پر کوئی

ہے۔ ملک کی اس مہم میں اس کا چہرہ سامنے آئے گا کہ لہری کوئی پلاننگ

کی جا سکتی تھی۔“

”گھر پر کڑی سرپرستی اپنی خوب کاموں میں ملتی تھی۔ بھوک باک نہیں

خصوصی دوسری تھی اس لئے میں نے دوا کر کے کہہ دیا کہ آج رات ضرور

دودھ کا ایک گلاس پیوں گی۔“

”خواب گاہ میں پہنچ کر میں ڈانٹک ٹیبل پر جا بیٹھی۔ ڈانٹک

ڈکالا اور اس پر ایک پیغام لکھنے لگی۔ زیادہ طویل نہیں تھا لیکن

سطح پر ان سطروں کے لیے میں نے ایک ٹیبلٹوں لکھنا اور پھر وہ کا

ٹیبلٹ۔۔۔ کہ کتبہ کر کے ایک لفظ نہیں لکھ دیا۔“

”جنتہ۔۔۔ بلو جیسے میں خاص مل۔۔۔“ دوسرا گلاس لے کر فوجی

میں نے اگت خدایہ کہہ کر کہا۔ ”سوال۔۔۔ اس بات کا فانی۔۔۔“

”نہ کل میں کچھ عجیب و غریب صورت حال سے دوچار ہوا۔“

”نہی حادثے کا شکار ہو جاؤں گی۔“

”خدا نہ کرے۔۔۔“ وہ جلدی سے بولی۔

”لیکن میں نے اس کی بات کتنے ہونے کہا۔ اس صورت میں

نہیں صرف ایک دہرنا ہو گیا بلکہ دیکھ رہی ہو۔۔۔ اس میں ایک ایک

پر ایک پیغام لکھا ہے۔ اس پیغام کے نیچے ایک ٹیبلٹیں لکھی ہو

ہے۔ تم وہ ٹیبلٹ کے دے دینا پڑے گا۔“ غافلہ میں نیچے والی دراز میں

ڈالنے لے رہی ہوں۔“

”میں نے دوا کر کے سامنے ہی وہ لٹا دینا میری بچی دراز میں ڈال

اور بولی۔“ اس اب جاننا۔“

”ملا دوسرے چہرے پر تشویش کے آثار نظر آئے تھے۔ وہ مجھ سے

استفسار کرنا چاہتی تھی کیوں اس کی بہت۔“

”دودھ کا گلاس پی کر میں نے ایک گھڑی ملائی۔ جب میں نکل کر

ہوئی ہوں تو بھی گھڑی پہننے لگتی ہوں۔ ابھی سے نیند نے کا کوئی حوالہ

ہی نہیں دیا اور اتنا تھا اس لئے میں نے بستر پر ایک گاہ غلاما بھی

نہیں ڈالی۔ میں کمرے میں جلتی۔ دہی اور گھڑی ہو گئی تھی۔ کچھ بھی

فرار دیکھنے کے لئے کمرے پر بھی جھونکا تھی۔ صرف ایک سوال مجھے پریشان

کئے ہوئے تھا کہ ان حالات کو اپنے تائیں کر کے لئے کیا قدم اٹھانا

چاہیے۔“

کوئی ایک گھنٹہ گھبراہٹ اور کچھ گھنٹوں کی گنتی بچنے لگی۔ میں یہ بھی کہ
 ری فرم کے جنرل نے خبر کا فن ہو گا جو کہ آج دن نہیں گئی تھی اور کوئی
 اطلاع نہیں دی تھی اس لئے اس بات کا قوی امکان تھا کہ وہ خوشنویس
 ملا جو کوئی میری خیالی کہنے پر لڑی نہ چاہا کہ ریسورٹ اٹھالیں لیکن جب گنتی
 بتی ہی رہی تو مجھے جھجھکا کر ریسورٹ اٹھانا پڑا۔
 ”ہوا؟“ میرے لیے یہ جھلپٹ تھی۔
 ”ہاں؟“ دوسری طرف سے ایک مردانہ آواز سنائی دی۔
 ”کون؟“ میری جھلپٹ ایک دم غائب ہو گئی۔
 ”میں رضوان بول رہا ہوں۔“
 ”اوہ! کیا بات ہے؟ میں اس بات بول رہی ہوں۔“
 ”مجھے کاشی صاحبے معلوم ہو چکا ہے کہ تم ان سے مل کر تمام باتوں
 سے آگاہی حاصل کر چکی ہو۔ میں اس وقت اپنے گھر سے ہوں بل رہا ہوں
 وہ جانتا ہوں کہ تم اپنی وقت میرے گھر کچھ سے مل لو۔ میں اور بھی ملا
 جاسکتا تھا لیکن اس وقت میں اپنے گھر سے نہیں نکلتا جانتا۔ کچھ لوگ
 میرے پیچھے لگ چکے ہیں اور خیانت کے بارے میں جو خطر کا معلوم ہو
 رہے ہیں۔ دراصل میں نے ان کے گرو کو بڑا بڑا کیا ہے۔“
 ”گوئی ہے وہ؟ میں نے بتائی ہے سوچا۔“
 ”اطاقات تفصیل سے بتاؤں گا۔ انچھیخا آستانے دیا ہوں کہ
 جو وہ اقتدار اعلیٰ سے اس کا گہرا تعلق ہے۔“
 ”اوہ! میرے ذہن میں ایک وقت کی تاہم بچا رہ گئے۔“
 ”تو میری تم آ رہی رہا؟“
 ”ہاں۔ تم اپنا پتہ بتاؤ۔“ میں نے جلدی سے کہا۔
 ”رضوان نے اپنا پتہ بتایا اور پھر لو چھاپا۔ وہ تم کو میری پہنچ جاوے؟“
 ”میں دس منٹ میں۔“
 ”عقبی گلی کی طرف سے آنا سنا ہے تو....“
 ریسورٹ میں مجھے گولی چلنے کی آواز آئی اور رضوان کا جھلا اچھوڑا
 گیا۔ میں اپنا پتہ بول رہی۔
 ”ہیلو... ہیلو... رضوان! میں ماؤتھ پیس میں۔“
 لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ ریسورٹ میں ہوا کی تپاس سانس
 سنائی دے رہی تھی۔ ایسا معلوم تو تھا تھا جسے اس گولی نے ریسورٹ ہی کے
 کونے سے اڑا دیئے ہوں۔
 میں نے ریسورٹ پر انٹرنیٹ سے دروازے کی طرف لپکی بھجھ کر
 خیال کیا تو بالکل حالی سے مرکز ڈیسک ٹیبل کی طرف گئی اور دیکھا کہ وہ پتہ تھا
 لاجس میں ہسپتال موجود تھا۔ میں تو بڑا دھڑکیا ہوا ہوا لیکن ہنہاے
 میں پیچھے کچھ مشکوک جانا پڑا تو کاشی کی وقت ایک پولیس چپ بڑا
 کے سامنے آکر کھڑی تھی۔
 ایک پولیس انسپکٹر دو جاہوں کے مہرہ دیپے انکر تیزی سے
 میری طرف آیا اور بلایا۔

”آپ ہی سمجھنا ہوں؟“
 ”جی۔“ میرے منہ سے نکلا۔
 ”آپ کو وزیر خزانہ نہیں؟“
 ”وہ کس بزم میں؟“
 ”آپ پرنسپل کا اہرام ہے۔“

مجھے بول گیا جیسے میرے بیڑن تلے سے زمین نکل گئی ہو۔
 اس کے کراہنے جیسے پتھر کا تانا ہوا ہوا۔ ”یہ آپ کی گرفتاری کا
 وارنٹ ہے۔“
 اس وقت مجھے خود کو ریسکوں دیکھنے میں خاصی دشواری پیش آ
 رہی تھی۔ میرا جسم جیسے ٹکڑے ہو کر رہ گیا تھا۔



یہ بات تو خیر تھی کہ اس کے مجھے گرفتار کر کے ایک بات کے
 لئے بھی حالات میں بند نہیں کر سکتا تھا میں قانون کی
 گرفت کو دھکیلا ہونے پر رنجور رہتی لیکن اس میں دو ایک گھنٹے ضرور
 لگ جاتے۔ دو ایک گھنٹے جو اس وقت میرے لئے دو ایک صدیوں کی
 مانند تھے۔ ایک لمحے کی قیامت بڑا تھی۔ مجھے جلد از جلد
 رضوان ساجد کے گھر پہنچنا تھا وہاں جو کچھ بیت جی تھی اس کا میرے
 علم میں تھا اور اس ضروری تھا۔ تاہم میرے بعد تو شاید مجھے لکیر ہی پیشنا
 پڑی تھی اسباب کا دور دورہ دیکھتے نہ ہوتا۔

پولیس اسٹرک اشارے پر ایک کاشٹل ہسٹنٹوں کا چوڑا
 لے کر میری طرف بڑھا۔ میں نے بڑی سادھن دی سے اپنی دونوں کلاسیاں
 آگے بڑھا دیں اور کلاسیوں ہی کی آٹھیں میں سے بھونکے۔ وہاں بائیں
 کا بازو بڑھ گیا۔ کاشٹل میرے بالکل قریب آکر کھڑا۔ وہ میرے اوپر
 اسٹرک درمیان میں حاکم تھا جو کہ میری طرف سے مزاحمت نہ کر سکتا تھا
 نہیں پیدا ہوتے تھے لہذا ان لوگوں کی مت داری جا چکی تھی اور انہوں نے
 چونکہ ہمارا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ انہیں سدا خوش رکھے۔ مجھے ایسے
 لوگ بہت پسند ہیں جیسے ہی کاشٹل نے ہسٹنٹوں کی میری کلاسیوں کی طرف
 بڑھنا میں نے بڑے پیار سے گھٹنا اس کے پیٹ پر رسید کر دیا۔ اس کے
 منہ سے عجیب کی کراہی اٹھی، وہ ڈھیر ہوتا ہوا گیا لیکن میں نے اس کی ٹھوکر پر
 وار کر کے اسے نہ صرف سجھوے میں جاتے رہے بلکہ دیا کہ لڑنا ہی اس کی
 ٹانگ میں اس طرح ٹانگ لڑی کہ وہ پناہ نواز نہ ہو جیتا۔ میرے
 لئے گولڈن جاس تھا۔ میں نے اسے اس طرح دھکا دیا کہ وہ بڑی جھٹ
 اپنے اسٹرک اعلیٰ پر جا گرا۔

یہ سب کچھ بہت ہی قلیل وقت میں ہو گیا تھا اتنی دیر میں
 مشکل سے تین مرتبہ ٹیکس جھپکا میں جاسکتی تھیں۔ میرے اس سے پہلے کہ
 وہ لوگ جو جی تھے وہ پکٹیں جھپکاتے۔ میں نے پٹا کھینچ لیا اور اوپر
 گھر کے اندر چلی گئی دروازہ میں نے ایک دھڑکے سے بند کیا اور اس کا آواز
 میں وہ مغلظات دیکھ کر پولیس اسٹرک کے دہن مبارک سے ابل رہی تھیں۔

میں اندر دینی دروازے کی طرف دوڑتی اور اسی وقت میں نے
 پولیس اسٹرک کی جھپکی ہوئی آواز سنی تھی دروازہ ٹوٹا ہوا!۔
 اندر دینی دروازے کے قریب پہنچ کر میرے ذہن میں ایک ایسا خیال
 آیا کہ میں خود آکر کئی۔ میں نے اپنے ذہن میں آتے ہوئے خیال پر بڑی
 تیزی سے غور کیا اور پھر اسی تیزی سے واپس مڑی۔ میں نے بس اتنا
 خیال رکھا تھا کہ کنڈیوں کی آواز نہ ہونے پڑے۔
 دروازہ اس وقت جیسے خوفناک آندھیلوں کی زد میں آیا ہوا تھا۔
 شاید ایک وقت دونوں کاشٹل دروازے پر ٹوٹ پڑے تھے اور یہ بھی
 ممکن ہے کہ پولیس اسٹرک صاحب بھی ان ایازوں کی صف میں کھڑے
 ہو گئے ہوں۔

میں ایک صوفے کے پیچھے جا چھی۔ اسی وقت دروازہ ایک
 پُر غور آواز کے ساتھ ٹوٹ کر گر پڑا اور وہ لوگ اندر گھستے چلے آئے۔
 ہم صوفے کے پیچھے سے ان کی ٹانگیں دیکھ سکتی تھیں۔ اس وقت میں نے
 بھاگنے کی بجائے وہیں چھپ کر ایک لفٹانی کھیل کھیلنا تھا۔ میرے اڑانے
 کے مطابق پولیس اسٹرک کے سان رگمان میں بھی بات نہیں آسکتی تھی کہ
 میں بھاگنے کی بجائے وہیں چھپ گئی ہوں گی۔ مجھے قوت تھی کہ وہ میری
 ٹانگیں میں اندر رکھتا چلا جائے گا۔ میری بے قوت پوری ہو گئی لیکن اس کے
 ساتھ جو دوسری قوت تھی وہ صرف پچاس فیصد پوری ہوئی میرا خیال
 تھا کہ دونوں کاشٹل بھی اپنے اسٹرک کے ساتھ گھستے چلے جائیں گے لیکن
 کہہ نہ سکتا تھا اس کا خیال تھا۔ اس نے ایک کاشٹل کو دھکیں رکھے
 کی بات کی تھی اور دوسرے کو اپنے ساتھ آنے کا حکم دیا تھا۔ نتیجہ یہ کہ میرے
 سر پر کو ایک دو بانہ مسلط ہو گیا۔

اس بھگنے سے میرے ملازمین کو بھلا دیا ہو گا پولیس کو دیکھ کر ان
 کی ٹانگیں ہو گئی ہوں گا جہاں تھے وہیں رکے رہے ہیں انہیں اپنی حالت
 انکڑی ہو گئی۔

میں نے اٹھی سے ہاتھ بڑھا کر صوفے کی سائیڈ ٹیبل سے وہ وزنی
 ایبل بڑے اٹھایا جو میرے باپا نے اتار دیا مجھے تھکے میں دیا تھا۔ اسے ہاتھ
 میں لے کر میں ایک دم کھڑی ہوئی اور پھر سے پوری قوت سے دروازے
 پر کھڑے ہوئے کاشٹل پر چھین مارا۔ کاشٹل مجھے صوفے کے عقب سے نوزار
 دہنے دیکھ کر چوڑھا تو کاشٹل اس سے پہلے کہ وہ سنبھلا۔ ایبل نے سنبھین
 چھ پھینکے ہوئے پتھر کی طرح اس کی کھوپڑی سے جا لگا دیا بلکہ آواز وہ خاصی
 آواز کے ساتھ فزس پر لگتا تھا اور اسی آواز میں کاشٹل کی کراہ دہ کر
 وہ کھڑی تھی۔

میں تیزی سے دروازے کی طرف دوڑی۔ کاشٹل ٹوٹے ہوئے
 دروازے پر گر کر بے ہوش ہو چکا تھا۔ میں اس کے اوپر سے زبردستی گئی ہوئی
 اہر نکل گئی۔ جب میں داغ کے گھر سے آئی تھی تو میں نے اپنی کار کو گریج میں
 ہی پہنچایا تھا اور یہ بات اس وقت میرے حق میں جڑی ایسی ثابت ہوئی تھی۔

مجھے گریج تک نہیں جانا پڑا اور میں نے پورے میں کھڑی ہوئی میرے زیر میں
 بیچ کر انجن اسٹارٹ کر دیا۔ اس وقت میرے سبب میں برقیاتی ہسٹنٹوں
 رہی تھیں۔ میں کار کو بڑے طوفانی انداز میں چلائی ہوئی سڑک پر لے آئی
 وہ ساڑھے گیارہ گھنٹہ تھا اور سڑک دھند گھٹانے پڑی ہوئی تھی
 مجھے تیز رفتار ڈرائیو نہ تھی کہ کوئی دشواری پیش نہیں آئی میں ایک سنگین
 صورت حال کا بالکل طور کو نکل چکی تھی اور اس عمل میں میرے صرف پانچ
 منٹ ضائع ہوئے تھے۔ صرف پانچ منٹ...!۔ لیکن اس وقت مجھے
 پانچ منٹ بھی کھل گئے تھے۔

میرے بڑے کی میڈل لاش۔ تاریکی کا سبز چہرہ رہی اور میرا ذہن دلچسپ
 کا سبز چہرہ حقیقت حال تک پہنچنے کی کوشش کرتا رہا۔ پولیس میرے پیچھے
 چلی تھی اور پھر قتل کا الزام تھا لیکن میں اس بات سے بے خبر تھی کہ وہ
 کس کے قتل کا الزام تھا... اگر میں پولیس اسٹرک سے دو چار سوالات کر
 لیتی تو مجھے اس کا علم بھی ہو جاتا لیکن میں نے دقت کے زباں سے بچنے کے لئے
 گفتگو کو طول نہیں دیا تھا۔ ان باتوں کے ساتھ ہی ساتھ مجھے یہ انجھن بھی
 لاحق تھی کہ رضوان ساجد پر کیا گوری؟ گولی کی آواز سے تو یہی نتیجہ اخذ کیا
 جاسکتا تھا کہ صورت حال خاصی گھبر ہو گئی۔

بیس روپے پیسے میں مجھے دس منٹ لگے۔ ان دونوں رضوان ساجد
 وہ ایک بلڈنگ میں رہا کرتا تھا۔ اس علاقے میں خاصی رونق تھی۔ یہ
 محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ رات اپنے نصف پہر میں داخل ہونے والی ہے۔
 میں نے اپنی سرسبز زریں کو بھول دلی گئی میں سو گڑی۔ (کافی عرصہ ہو گیا
 ہوٹل بند ہو چکا ہے) اور حشر انداز تھا۔ گاڑی روک کر میں نے انجھن بند
 کر دیا کچھ گولیوں کے شیشے چھلکے اور دروازوں کو لاک کر دیا گاڑی سے اتر
 کر میں تیزی سے چلتی ہوئی اس گلی میں گڑی جہاں سرکاری لیٹن ہوا تھا
 یہ گلی سائے اور تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میں ایک بلڈنگ کے فلٹ میں
 رضوان ساجد کا قیام تھا۔ میں ایک ایکٹر ک پول سے جب کہ کھڑی ہو گئی
 اور گرد کا بازو لیے لگی۔ میری نظر اس بلڈنگ کی طرف گئی جہاں رضوان
 ساجد رہتا تھا۔ وہ دوسری منزل کو گئی لیٹ ہو جانا چاہئے تھا لیکن کوئی دن
 رضوان نے سات نہر چتا تھا۔ مجھے دوسری منزل کی بالکونی میں سے صرف
 دو میں تاریک نظر آ رہی تھی۔ باقی بالکونیاں روشن تھیں۔

قد سے قد بڑے کے بعد میں اس بلڈنگ کی طرف بڑھی میں یہ سوچ
 رہی تھی کہ بلڈنگ کا پورے ایک امبی عورت کو اتنی دقت لگے، بلڈنگ میں داخل
 ہوتے دیکھ کر کیا دردناک ظاہر کر سکتے؟ یہ بات تو یقینی تھی کہ وہ مجھے لوگ بھیجا
 لیکن اسے غائب خوش قسمتی کہیں کے کر دیا کہ نہایت فزس تھا تھا
 اب اس سے زیادہ فزس شش اس اور کھڑی ہو گئی اس نے خواب غرقوں کے گزرتے
 لٹنے کے لئے کئی ایسی دھکی مارا کہ انتخاب نہیں کیا تھا بلکہ اپنی جلدائی نے
 کے بدن سامنے بچھا لی تھی وہ چار وارڈ سے لیتا ہوا تھا بلکہ سر ہاتھ آکر سونہ
 رہا ہی تو قدیموں کی آہٹ سن کر اپنے سر سے چادر ضرور ڈھاتا۔

زینہ پر روشنی تھی اس لئے جڑے لمبائیاں سے میں اوپر چھٹی ہوئی تھی۔
میں نے بس اتنا خیال رکھا تھا کہ قدموں کی آواز کم سے کم ہو۔ ایک دوسرے
میں نے مڑ کر پیچھے دیکھا اور چکر لگو بدستور ساتھ باوا پر مطمئن ہو گئی۔
پہلے منزل پر چار فلٹینوں کے دروازے نظر آئے ان پر کبھی جڑے
ہوتے تھے۔ ان خبروں کو دیکھ کر میرے اس خیال کو تقویت پہنچی کہ اسات خبر
کا فلٹین دوسری منزل پر پہنچا جائے۔
دوسری منزل پر پہنچی چار فلٹین تھے اور ان میں سے ایک پر سات بڑا بڑا
براق تھا۔ اب مجھے اس الجھن نے گھیر لیا کیا ان فلٹینوں کے مکین ہرے جن؟
آخراں لوگوں نے ناس کی آواز کیوں نہیں سنی؟ یہاں کے حالات تو ایسے
پرسکون تھے جیسے کبھی بھی فلٹین میں کوئی خاص واقعہ پیش آیا ہو جس کی
ایک فلٹین سے منظم دمدم اور ان بھی آری تھیں۔ گویا یہ بات خفیہ طور پر یہی
جاسکتی تھی کہ اس فلٹین کے مکین جاگ رہے تھے۔ ویسے کوئی چلنی کی آواز
تو سبوں کو بھی جگسا تھی۔
میں سات بڑے فلٹین کے سامنے رک گئی اور دروازے سے کان لگا
دیئے۔ مجھے یہ دھڑکا بھی نہ ہوا تھا کہ اگر قریب کے فلٹین سے کوئی باہر
نکل پڑا تو کیا ہوگا؟ جواب وہی شکل برہانی۔
رضوان کے فلٹین میں بالکل ساٹھا معلوم ہوا تھا۔ میں ایک منٹ
تک دروازے سے کان لگا کھڑی رہی لیکن کوئی آواز نہیں سنی تھی۔ میں
نے بہت سے دروازے پر ہاتھ رکھا مگر کوئی ساوا باوا اور کچھ دم کہ کوئی کونکر
دروازہ تو کھلنے لگا تھا۔ اب کوئی قدم اٹھانے سے پہلے کچھ سوچنے سمجھنے
کی ضرورت تھی لیکن اس سے پہلے کہ میں کسی فیصلہ پر پہنچتی، قریب کے ایک
فلٹین کے دروازے کا پورٹ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ غالباً کوئی دروازہ
کھل کر باہر نکلتی ہوئی والا تھا۔ مجھے ایسی شہتہ حالت میں کھڑا دیکھ کر وہ
میری طرف متوجہ ہوئے بغیر نہ رہا۔ اس لمحے میرے ذہن نے بڑی تیزی سے
کام کیا اور میں اس فیصلہ پر پہنچ گئی کہ مجھے رضوان کے فلٹین میں داخل ہو
جانا چاہیئے۔ اگر اندازہ معلوم و دشمن کی موجودگی کے باعث کوئی ہنگامہ
کھڑا ہو آہے تو ہمارے۔ ویسے بھی صورت حال اب بگڑنے لگی تھی۔
ایک جھپٹے میں یہ فیصلہ ہوا اور دوسری مرتبہ ایک جھپٹے سے پہلے
میں رضوان کے فلٹین میں داخل ہو چکی تھی۔ میں نے تیزی سے دروازہ بند
کر لیا کہ میں روشنی تھی میں دروازے سے پشت لگا کھڑی ہو گئی تھی
نے اس بات کی کرکشی کی تھی کہ میری ان حرکات و سکنات سے کوئی آواز
نہ ہونے پائے اور میں اپنی اس کرکشی میں بڑی حد تک کامیاب رہی تھی۔
فریچر وغیرہ سے ظاہر ہوا تھا کہ اس کے کورڈرائنگ روم کے کورڈ
استمال کیا جاتا ہوگا۔ آتش کی جیٹا قیمت جزیں دیاں موجود تھیں مگر ان
کی بے ترتیبی سے صاف پتہ چل رہا تھا کہ ان چیزوں کے استعمال میں بھی
کسی سلیقہ کو دخل نہیں رہا۔ دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہا جاسکتا تھا کہ
اس گھڑی کی حرکت نہیں ہوگی جو ان چیزوں کی دیکھ کر دیکھ کر سکتی۔

میں دروازے سے ٹیک لگائے مجھے جس نظر سے اطراف کا جائزہ
لے رہی تھی۔ ان لمحات میں میرے دل کی دھڑکن کچھ تیز ہو گئی تھی اور اندازہ
اسی وقت ہو گیا تھا جب میں فلٹین میں داخل ہوئی تھی۔
اندروں کروں کے دروازے نظر آتے تھے۔ ایک سامنے والی دیوار
میں تھا اور دوسرا بائیں جانب کی دیوار میں۔ سامنے والا دروازہ کھلا ہوا
تھا اور اس پر ٹیشی ہر دسے پڑے ہوئے تھے۔ بائیں طرف کا دروازہ بند
تھا اور اس پر پڑے ہوئے پڑے ایک طرف سر کے ہوئے تھے۔
ان دونوں کروں میں بھی سکوت کی بیکراں معلوم ہوتی تھی۔ میں
دبے قدموں سے سامنے والے دروازے کی طرف بڑھی۔
وہ کمرہ خواب گاہ ثابت ہوا لیکن کوئی متنفس وہاں بھی نظر
نہیں آیا۔ اس کمرے کی بائیں طرف کی دیوار میں بھی ایک دروازہ نظر آتا تھا
میں اس کمرے میں داخل ہونے کا ارادہ منگو کر کمرے مڑی اور بائیں دیوار کے
دروازے کی طرف بڑھی۔ میں نے ابھی تک اپنے سر سے پتول نکالنے کی
ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ میں عموماً اس کے استعمال سے بچنے کی کوشش
کرتی ہوں اور میرا کام اس کے بغیر ہی چل جاتا ہے۔
بند دروازے پر ہر کرکشی نے اٹھ لینے کی کوشش کی اور کچھ
مینٹل پر ہاتھ رکھ دیا۔ مینٹل کو کھاتے ہوئے میں نے دروازے پر دباؤ
ڈالا اور دھککا چلا دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ دروازہ غیر معمولی طور پر ہل
تھا۔ اس کمرے میں بھی روشنی موجود تھی۔ میں اندر داخل ہو گئی اس وقت
میرے دل کی دھڑکن کچھ اونٹیر ہو چکی تھیں۔ شاید ذہن کے کسی اندھیرے
گوشے میں یہ خیال کھل رہا تھا کہ اس کمرے میں رضوان ساجد کی لاش بھی
سابقہ پڑ سکتا ہے۔
کمرے میں داخل ہوتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ اس کمرے کو سائڈ روم
بنایا گیا تھا۔ کمرے کے سائڈ روم ان کی روشنی میں یہی خواب گاہ کی تھی جس نے
بستر کی سائڈ ٹیبل پر ٹیلیفون رکھا ہوا دیکھا لیکن کمرے پر لیور دھکا نہیں
دے رہا تھا۔ لیور کے کمرے تو فرش پر کچھ رہے ہوئے تھے۔ گویا سائڈ روم اندازہ
ہی ثابت ہوا تھا کہ کوئی نے رضوان ساجد کے ہاتھ میں دے ہوئے لیور کو کھنڈ
بنایا تھا۔
فرش پر خون کے چند قطرے بھی پڑے ہوئے نظر آئے لیکن رضوان سا
یاس کی لاش کا کچھ نہیں تھا۔ کوئی اور شخص بھی وہاں نظر نہیں آیا۔
یہ بات طے تھی کہ سائڈ روم کے والے یہاں سے جا چکے تھے۔ مجھے وہاں آنے میں
دیر بھی تو لگی تھی اس وقت میں پوری تاملین بھی غائب ہو سکتی ہے۔
مگر رضوان ساجد اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا
ممکن ہے وہ لوگ اسے اغوا کر گئے ہوں اور میری جگہ پر بے کردہ لوگوں
سے بچ گیا ہو اور ان اہل اجداد کے تعاقب میں لگ گیا ہو۔
میں آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بستر کی سائڈ ٹیبل کے قریب پہنچی اور اندازہ
نظر سے دھرا دھر دیکھنے لگی۔ دراصل اب میں انداز میں سوچ رہی تھی۔

تھی کہ اگر رضوان ساجد کو اغوا نہیں کیا گیا اور وہ ابھی مرنے سے کہیں گیا ہے
گووہ۔ یہ نے کوئی بنیادی چیز دیکھو۔ کیا ہوگا۔ مجھے اس بنیادی کاٹش بھی
اور تب وہ پیغام بھی نہیں ملا تو میری کوششیں دو چند ہو گئی۔ اب اس بات پر
یقین کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ رضوان ساجد کو اغوا کیا جا چکا ہے۔
میں تیز سے والیس کے لئے مڑی کہ کمرہ بند۔ وہاں کی بیکریا تھا۔
صرف بیکریا لکھ کر خدشات بھی تھے کہ میں کسی الجھن میں پڑ جاتی یا کوئی برا خطبہ
سسر پڑا جاتا۔
فلٹین کا بیرونی دروازہ کھولتے ہوئے میں نے بڑی احتیاط سے کام
لیا تھا۔ کچھ کسی آواز بھی نہیں ہونے دیتی تھی اور اس بات کا یقین بھی کیا تھا
کہ راولپنڈی میں جی۔ بی۔ باہرنگی تو سیرا دل بہت دور دروازے دھڑک
رہا تھا۔ میں تیزی سے لیکن دہے قدموں لینے کی طرف بڑھتی ہوئی تھی۔ میں
ارد گرد کے ماحول سے پوری طرح باخبر تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ میرا
ادب رضوان ساجد میں بھی اچھا ہوا تھا۔ اس پر کیا کڑی ہوگی؟ اسے
کیوں لوگوں نے اغوا کیا تھا؟ اغوا کی وجہ کیا تھی؟ اس قسم کے سوالات میرے
دماغ پر یورش کرتے ہوئے تھے۔
جب میں آخری زینے طے کر رہی تھی تو جیکار کا رنگ سامنے ہی
نظر آ رہا تھا۔ اچانک میری نظر اس ایلی جنرل پر پڑی کہ میں سمجھ کر کرک
گئی۔ میرا سر حیرت سے کھل گیا اور آنکھیں کھل چکیں تھیں جیکار کی چار پائی کے
مرانے سے خون کی لڑی ٹپک رہی تھیں اور وہ لہو لہو خون جگمگاتے ہوئے ایک
دھبہ بن چکا تھا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو شاید اب بھی میری نظر اس پر پڑتی۔
میرا نام بہم سننا اچھا۔ اب یہ بات سمجھ میں آئی تھی کہ ایک بلیک ٹپک کا پتہ کیا
انٹرا فیرمے دار کیسے ہو گیا؟ وہ بچاؤہ لو احسانات کی دنیا سے بچنا نہ چکا
تھا۔ غالباً اس نے رضوان ساجد کو اغوا کرنے والوں کی راہ میں مزاحم ہونے کی
کوشش کی ہوگی اور ان لوگوں نے اسے پھینک دیا۔
باقی زینے میں نے بڑی بھرتی سے طے کر ڈالے۔ چار پائی کے قریب
ایک کمرہ کا اندر بھر جانے کی طرف سے چادر لٹ دی۔ وہ اوپر سے لگا تھا
تھا اور غالباً خون کی بو میں اس کے پیٹے ہوئے سرے ٹپک رہی تھیں۔ وہ
اس میں نہیں تھا۔ صرف بے ہوش ہوا تھا۔ وہ لوگ اسے چار پائی پر ڈال کر باہر
لے گئے۔ دھکے بھرنے کے یہ معاملہ زیادہ سے زیادہ وقت تک لوگوں
کی نظر سے چھپا رہا۔ اگر وہ اسے اپنی جھوٹ بھرتے تو کسی وقت بھی کسی کی
جگہ اس پر پڑتی تھیں۔
دشمن ایک پلیس کی آواز سنائی دی۔ میں چونک کر گھڑی اور زینے کے
مکمل کی طرف دیکھنے لگی۔
میں کی رجب سے آواز جاتی تھی وہ بڑے معصومانہ انداز میں پولیس
مہیاؤں۔
جی ہاں آئیے۔ میں نے ٹھنڈی سانس لے کر زیر لب کہا۔ میں تو
ماہی رہی تھی۔

میں تیزی سے باہر نکلی گئی۔ میں نے چیک لاک کی چادر کو دوبارہ اس کے
سر پر نہیں دھکا تھا۔ میں باہر نکلتے ہی اسے ملتا ہوا بلکہ کڑی اس حالت میں
دیکھنے لگا کہ اسے منکر محبت سے ملتی اور مل سکے۔
گئی میں بدستور سامنا تھا لیکن اورنگ زیب پارک کا فٹ لوگوں کی
پلٹ بھٹ جاری تھی۔ میں ملدی جلدی تمام ٹھٹھا کی ہوئی بڑی بڑی پلی
بھی کی طرف بڑھتی تھی۔ ان نگلیوں میں مکمل ساٹھا نہیں ہوا لیکن یہ میری خوش
منستی تھی کہ کسی سے یہی ملے نہ رہیں ہوتی۔
رضوان ساجد کو اس طرح غائب کیا گیا تھا کہ میں خودی طور پر اس کا
سراغ نہیں لگا سکتی تھی اس نے اب میرا ہر دھڑک رہا تھا کہ میں پولیس مڑ
کو اور جاکوں اور اپنے اوپر عائد ہونے والے قتل کے الزام سے بے نیاز۔ اس
محافل کو سمجھانے کے بعد ہی میں شہر میں بارود کرک، نقل و حرکت کر
سکتی تھی۔
جیسے ہی میں اپنی کار کے قریب پہنچی وہ آواز بڑی سروت کیسا تھ
میرے دماغ میں باقی آگئے۔ وہ میری بیکار کی آواز میں کھڑے ہوئے تھے اور اتنی
تیزی سے میرے قریب آئے تھے جیسے انہیں اندھیرے اگل دیو۔ مجھے
کوئی کارگری دھکے کی بہت نہیں ماسکی اور دباؤوں کی تاہیں یہ
دوڑوں پہلوؤں سے آگئیں۔
"ذرا بھی ہوشیاری دھکے کی کرکشی کی اور ماری گئیں۔"
ایک غزلیا۔
"تمہارا پیٹ گولیوں سے مچھلی ہو جائے گا۔" دوسرا بولا۔
اسی وقت کار کی آڑ سے دو اور آدمی قریب آگئے۔
"ارے!" میں ہنس پڑی۔ ایک عورت کے لئے پوری کاروائی پڑا
"تم صرف عورت نہیں ہو۔ شیطان کی فال بھی ہو چلو جلدی سے
اپنی گاڑی کا دروازہ کھولو۔"
"دروازہ کھولنے سے پہلے مجھے اپنا پرس کھولنا پڑے گا چالی برس
ہی ہے۔"
فورا ایک آدمی نے میرے ہاتھ سے پرس چھین لیا اور اسے کھول کر
ٹوٹے لگا۔ پھر اس کے منہ سے نکلا۔ "اور جو..." اس میں کوئی تپیل بھی نہ
"یہ کھلو تا میرے پرس میں ہر وقت پڑا رہتا ہے لیکن یہ اسے استعمال
نہیں کرتی ہوں۔"
میری اس بات کے جواب میں کسی نے کچھ نہیں کہا۔ پتہ ٹوٹنے والا
چالی نکال چکا تھا۔ اس نے پرس مجھے واپس کر دیا لیکن میں دیکھ چکی تھی کہ
میرا پتول اس نے اپنی جیب میں ڈال لیا تھا۔
کار کا مقفل دروازہ کھول لگا اور پھر سب کے سب اندر چھپ گئے۔
مجھے دو آدمیوں کے درمیان کچھلی سیٹ پر بیٹھنا پڑا تھا۔ وہ آدمی آگے
بیٹھتے تھے اور ان ہی سے ایک نے ڈرائیونگ سنبھال لی تھی۔
منظبط کرنے میں مجھے بڑی قدرت حاصل ہے۔ میں نے بالکل ظاہر

” زیادہ پرورش ہونے سے کوئی فائدہ نہیں ہے میں سجدہ
 سے بولی کہ میں بڑے مختصر دل و دماغ کے ساتھ غور کرنا چاہتا ہوں
 یہاں سے پچھلے کی کوئی صورت ممکن ہے یا نہیں۔“
 رفوان اس سجادہ آست آست معصوم بنا کر چلا گیا میں نہیں کہہ سکتی تھی
 کہ وہ میری بات کا اثر تھا یا یہ اس کی فطرت تھی کہ وہ بہت جلد متعلق ہو کر
 بہت جلد خند بھی پڑھا تھا۔
 ” کیا تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ ہم اس وقت کس علاقے میں ہیں؟“
 میں بولی۔
 ” ظاہر ہے کہ یہ کس ماڈرن ہسٹری کا مکان نہیں ہو سکتا۔“ رفوان
 سادہ جواروں طرف نظر نہ گھماتے ہوئے کہا۔ ” اور وہی درجے
 کے لوگوں کے مکانات گراچی میں دو ایک نہیں، ان گنت میں بیانات
 ہا کوئی مکان بھی ہو سکتا۔“ ” اور گویہ رکاوٹ یہ اگر فنانس کا ہو تو بھی
 ہو سکتی ہے اور رتن کلا بھی۔۔۔“
 ” تم نے سب سے پہلے عیادت آباد اور گولیار کا نام دیا ہے کیونکہ
 ان دونوں علاقوں کے حال ہی میں خاصی شہرت حاصل کر لی ہے لیکن
 میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ یہ مکان ان دونوں علاقوں میں ہرگز نہیں
 ہو گا۔ ان دونوں علاقوں سے قدر متعلق ہیں کہ کیشن آفاق کے
 آدنی ان علاقوں کو ہی مرگرمیوں کا مرکز نہیں بنا سکتے۔“
 رفوان سادہ سے بڑے نفوذ سے میری طرف دیکھا اور دھیر دھیر
 ہلاتے ہوئے بولا۔ ” یہ واقعی مجھ میں آتا ہے مجھے اپنی غلطی کا اعتراف
 ہے۔“
 ” دراصل میں علاقے کا تعین کر کے یہ اندازہ لگانا چاہتی ہوں کہ
 اگر اس مکان میں کوئی بنگلہ ہو تو اس پاس کے لوگ متوجہ ہو سکتے ہیں یا
 نہیں۔ ظاہر ہے یہ ساری ہستی تو کیشن آفاق کے آدمیوں کی نہیں ہوگی۔“
 ” بنگلہ کیسا؟“
 ” ہیں کچھ تو کچھ گراہی بڑے گا۔ اگر باہر باہر دھڑ دھڑ کر مچھے
 رہے تو وہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے میں فرخ کو
 اس غیر تنگ انجام تک پہنچنے سے نہیں دیکھ سکتی۔“
 ” کاش کوئی نہیں۔ ایک غیر تنگ انجام سے بچاؤ۔“ رفوان
 سادہ سے مختصر ڈیڑھ سانس دیکر کہا۔
 میں اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی اس لئے رفوان سادہ
 کے لیے کئی شوقی تو محسوس نہیں کر سکی اور وہ مجھ میں پوچھ بیچنے لگا
 مطلب، تمہارا غیر تنگ انجام کیسا؟“
 ” اگر کسی کی نظر کم حاصل نہ ہو سکے تو انجام کی غیر تکیوں کوئی
 شہ نہیں کیا جا سکتا۔“
 ” ہوں، میں اس کی شہرت کو کچھ کر کے گھمورنے لگا
 ” آخر آپ کو لوگوں سے کیا مصلہ ہے بانو!۔۔۔ ان کی جس دردی

آٹھیں، آپ کی بھی درد آٹھیں، آپ کی بھی ایک ناک، ان کی بھی ایک
 ناک، ان کے بھی درد ہونٹ، آپ کے بھی درد ہونٹ۔ آپ کے بھی درد۔۔۔
 ” میرا مطلب ہے، ان کے بھی درد۔۔۔“
 ” ہوں، میں براساً متاثر ہونے لگا ہوں کہ میری درد آٹھیں
 درد ہونٹ، ایک ناک اور درد کان نہیں ہوتے؟“
 ” یہ سادہ بات تو برسیں بھڑکائے گئے تھے جس میں کتنے کی طرف بنگلہ
 مکانات کی افکار، انہیں آپ نظر انداز کر رہی ہیں یہ رفوان سادہ کے
 مختصر شہرت سے بھڑک رہے تھے۔ آخر آپ تبدیل کیوں نہیں جاتیں؟
 ” جس کی شہرت تمہارا اشارہ ہے، میں اس تبدیلی سے نفرت کرتی
 ہوں۔“
 ” بے فائدہ، نے ہی نہ تھیں۔“
 ” جب بھی میری کوشش کی، تم ہو جاتے گی۔“
 ” آخر ماش شرط ہے کبھی میری فداات حاصل کر کے دیکھئے۔“
 رفوان بڑے ڈرامائی انداز میں سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتا ہوا بولا۔
 ” تم یہ اس ہنس بڑی۔“ ” نہایت تو تم میں بھی اتنی خاصی ہے۔“
 ” کیا؟“ ” رفوان نے مصروفی انداز میں بگڑتے ہوئے کہا۔ میں۔۔۔
 تنگ رہا شہ نہیں کر سکتا۔ آخر ماش سے پہلے آپ یہ بات ہرگز نہیں کہہ
 سکتیں۔“
 ” میرا خیال ہے ہر فتنوں باتوں میں مجھے در وقت فائدہ کر رہے ہیں۔
 میں اچانک سمجھ ہو گئی۔ یہ وقت ایسا نہیں ہے کہ ہر فرخ کے علاوہ
 کچھ ہو جائے۔ اس پر نہ جانے کیا گزری ہو گی۔“
 ” اس وقت تو کچھ بھی نہیں گزری ہو گی۔ چو کچھ بھی ہو گا، کل
 صبح ہو گا۔“
 ” یہ کہہ کر کہہ سکتے ہو۔ ممکن ہے وہ اسے رات ہی میں بخیر کر لیں
 چاہتے ہوں۔“
 ” اگر وہ رات میں بخیر نہ آئے تو پھر میں تیار کرنے کا کوئی
 مقصد نہیں رہا۔ جہاں رات کو تو اس کے مکان کی حفاظت کر سکتے تھے۔
 انہیں ہماری وجہ سے صرف دن میں ہی پریشانی تھی۔“
 میں اثبات میں مڑا لے لی۔ ” رفوان کا استدلال خاصا ذہنی تھا۔
 ” تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں نے کہا اور پھر اپنی رشتہ داری پر نظر ڈالی
 تین بے رحم تھے۔ ” پانچ گھنٹے۔“ میں بڑبڑائی۔ ” گویا ڈیڑھ گھنٹے
 تک تھا۔“ ” سمجھا، اپنی پانچ گھنٹوں میں کچھ کرنا ہو گا۔“
 ” لیکن وہ پانچ گھنٹے بحث و مباحثہ اور سوچ بچار میں
 ہی گزر گئے۔ کوئی تدبیر ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ اب ان کا کیا
 کرے میں سمجھتی تھا اور جب کی روشنی پریشان کر رہی تھی سنا
 رات جانے کے باوجود بھی میری آنکھوں میں تین گھنٹہ کا شاید کچھ نہیں
 تھا اور میری حالت رفوان کی بھی تھی۔“

” اسے براہ راست ہوتی تو ہر جو تک اس کی طرف دیکھنے لگے
 ہمسائی غائبانہ شہ کی ٹھہرنے سے بڑے کمرے میں داخل
 آئی، دروازے پر ہاتھ رکھتے رہے۔ ان کے ریلو اور
 لٹھوٹے سے خوفناک دبانے، موت کی آنکھوں کی مانند،
 رہے تھے۔
 ” بانا، اپنے پرٹ کا تہنہ کر لیں،“ ناشتہ لا: والے
 میں کیا ہے اس کے بعد آخر میں خانہ کو اس مکان کے
 کمرے میں جانا ہو گا۔“
 ” کیوں؟“ ” میں نے جو تک کر دیا تھا۔
 ” ایں پتہ چلے گا، وہ ایک بے شک نہایت ہنگامہ کر لولا۔
 ” دانے کی طرف مڑا گی۔
 ” لوگوں نے کمرے سے باہر نکل کر دروازہ پھر بند کرنا تھا۔
 ” مقبول تم کا تھا۔ میں فوراً اس کی طرف متوجہ ہو گئی لیکن
 عنوان کی طرف دیکھنے لگی جس نے ناشتے کی طرف ہاتھ
 اٹھا۔
 ” ایں کیا تم ناشتہ نہیں کرو گے؟“ ” میں نے پوچھا۔
 ” لوگ تمہیں دوسرے کمرے میں کیوں لیجاتا چاہتے ہیں؟“
 ” بہت بہت زیادہ پریشانی ظاہر ہو رہی تھی۔
 ” ایں ہنس بڑی۔“ ” آخر تم کیا سمجھ رہے ہو؟“
 ” گھر پر دھنوں کی طرح ٹوٹ پھوٹ گئے۔ تم ان لوگوں کو
 اس قسم کے لوگ دیکھ کر ایک خوبصورت اور نازک
 مگر بڑی دندل سے سراپا مل دیتے ہیں۔“
 ” مجھ کو ہے ہو۔ اگر اس قسم کی کوئی بات ہوتی تو گزرنے
 ل نہیں جاتی۔ چلو ناشتہ کرو۔ تمہیں اس سلسلے میں
 ہونا چاہیئے۔“
 ” ناشتے میں شریک ہو گیا لیکن اس کے چہرے سے فکرت کا
 اٹھ کر کے بعد اس نے جیب سے سرگٹ نکال کر کھلائی۔
 ” ٹھیک ہے دو۔“
 ” اسے پکٹ میری طرف بڑھا دیا جس میں اب ایک ہی
 ٹھہرے ہوئے وہ نکال کر کھانے لگا اور بیکے پکے کھینے لگی۔
 ” والوں، اچھا ہوا تھا کہ وہ لوگ مجھے کسی دوسرے کمرے
 میں میری داشت نہ زیادہ امکان اس بات کا تھا
 ” اچھا، جانی لیکن میں یہ اندازہ لگانے سے قاصر تھی کہ
 ہی ہو گی۔“
 ” وہ منٹ بعد وہ لوگ آئے اور مجھے اس کمرے سے
 ” مجھے وہ جارہے تھے تو میں نے دیکھا کہ رفوان سادہ
 اچھل پڑی تھی۔ اس وقت میں نے سوچا کہ یہ شخص ڈرامائی

مجھے نہ سخت کرتا ہے لیکن یہ میری فطرت کے خلاف ہے کہ اس کی ہر کی
 محبت کا جواب دے سکوں۔
 ” مجھے دوسرے کمرے میں دھکیل کر دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا۔
 وہ لوگ میرے ساتھ اندر داخل نہیں ہوئے تھے۔ میں دروازے کے
 حریف کی ناک اس آوی کو گھومنے لگی جو حریف والی دیوار کے قریب
 کھڑا تھا میری طرف اس کی پشت تھی۔ وہ جا کیش سوٹ میں بیٹھنا
 اور دوپٹے لگی ہوئی ایک میز پر دوں ہاتھ لگائے گئے تھے کچھ ہوا تھا۔
 ” بہت خوب اس کی بھاری آواز کمرے میں گونجی۔ تم واقعی
 خوبصورت ہو۔ یقین نہیں آتا کہ اس وکٹش عورت، آؤنت کی پرکار
 بھی ہو گی۔“
 ” اس نے مڑ کر میری طرف نہیں دیکھا تھا اس لئے اس کے ان
 فقرہ نہ مجھے انہیں میں ڈال دیا لیکن میری بوجھ زیادہ دیر قائم نہیں
 رہی۔ جلد ہی میری نظر اس اپنے پرچی پر پڑی جو میرے کچھ ایسے تھوڑے تھے
 ہوا تھا کہ اس میں میری شکل حریفانہ نظر آ رہی ہوگی لیکن میں بیانی فاصلے
 کے باعث اس سے بچنے میں اسے نہیں دیکھ سکتی تھی۔
 ” مجھ کو تو خوبصورت عورت!۔“ اس نے قدر سے وقت سے کہا۔
 ” میں جانا چاہتا ہوں کہ تمہاری آواز بھی اتنی ہی خوبصورت ہے یا نہیں؟“
 ” میری آواز خوبصورت بھی ہے اور نرم بھی ہو گی۔“
 ” بہت اچھے۔“ اس نے ہلکا سا تہقیر کیا۔ ” خاص جراثیم ہو کر
 ایک قیدی ہو کر اس دنگ انداز میں بولیں۔“
 ” کسی مختصر ڈرامے کا کلام ہو گا، اگر اس میں ہوں کہ جراثیم دیکھنا
 ہو تو اس جراثیم کو لے کر باہر نکل کر میرے سامنے آؤ۔“
 ” ہیر۔۔۔ ہیر۔۔۔ ہیر۔۔۔“ اس نے سیدھے کھڑے ہو کر تہرہ
 تالی بجائی لیکن اس کا ٹھہرنا اب بھی دیوار کی طرف تھا۔ مقصد ہی ہو گا کہ اس
 اس کی شکل نہ دیکھ سکوں۔ غالباً اس نے اپنی آواز بندنے کی بھی کوشش کی ہو
 گی لیکن میں اسے پہچان چکی تھی۔ وہ اپنے قدم و قیامت کے اعتبار سے
 کیشن آفاق ہی معلوم ہو رہا تھا۔
 ” مجھے اب تک نہیں معلوم ہو سکا کہ میرے اغوا کا مقصد کیا ہے۔“
 میں بولی۔
 ” کیا واقعی تم نہیں سمجھ سکتی؟“
 ” میں اندازہ ہی نہ لگا سکی ہوں کہ اس کا تعلق فرخ سے ہے۔“
 ” ٹھیک ہی اندازہ لگا دیا ہے تم نے۔ تم اور رفوان سادہ میرے
 راستے کی رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ اب آؤ بڑے اطمینان سے فرخ کو
 اغوا کرنا چاہئے گا۔“
 ” آخر تم لوگ اس معصوم لڑکی کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو؟“
 ” میں جو کہہ رہا ہوں وہ اس سے حق میں بھی بہتر ہو گا۔ وہ زندگی
 لڑائی ترین آسائش ہے بہرہ ور ہوئے گا۔ ایک ہیڈ ٹوک کی بیٹی کو

طرح ہر شیاورہنے کی بدانت کی گئی ہے۔
 ”اے تو کیا فریب یک ہی یک ہی ہلک مائڈ گے؟“
 ”ان کی صورت سے تو ہی معلوم ہوتا ہے“ میں نے سن کر کہا۔
 ”میں ایسے بہترین میں نہیں آتا ہوں نہ میری پڑیا،“ دیوالوڑے
 نے مجھے ٹھوکتے ہوئے کہا۔
 میں باطنی طور پر کھرا گڑھی۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ فقروں میں
 ایسے خوش دلانے کی نئے لیے کاٹھا۔ عورتوں کے لیے فقروں سے
 مرد و عورتوں کے وقت ان جانتے ہیں دیوالوڑے لا کچھ زیادہ ہی سوز تھا۔
 اس کے اس طرح کٹ کر نکل جانے سے میں کچھ پریشان ہو گئی۔ ضروری
 تھا کہ خود راہستہ میں اسے بھی ہر ماں میری کامیابی کے لیے ایسا ہونا
 سو فیصد ناگزیر توجہ میں تھا، تاہم اس سے میرے کام میں قدرے سامانی
 ضرور ہوتا تھا۔ میں ان دونوں کو سن کر شراب سے اس طرح بدست
 کرنا چاہتی تھی کہ پھر جب میرے ہاتھ چلیں تو وہ کوئی روک کر لیں۔
 رتن خاں نے دو گلاسوں میں شراب بنا کر ایک مجھے دیا اور
 دو دہرائے ہونٹوں سے لگا دیں بڑے اطمینان سے پتی ہوئی بستر
 پر جا بیٹھی۔ ایک گھنٹوں میں نے بھی لے لیا تھا جب میں نے ٹوک دیکھا
 تو رتن خاں کا گلاس آدھا خالی ہو چکا تھا۔ باقی آدھا بھی بہت ملا تھا۔
 ہو گیا اور وہ اپنے لیے دوسرا پیگ بنانے لگا۔ میں بہت دھیرے
 دھیرے پی رہی تھی۔ تین دہریں میرا ایک پیگ ختم ہوا تو دہریں
 رتن خاں اپنے لیے چوتھا گلاس بنا رہا تھا۔ میں اپنا خالی گلاس لیے
 ہوئے اس کے قریب گئی۔
 ”میرے لیے بھی بناؤ؟“
 ”ہاں ہاں۔۔۔ جان کن۔۔۔ کیوں نہیں؟“
 اس سے ایک پیگ بڑھ کر پھر بستر پر جا بیٹھی۔ اس دوران
 میں گفتگو کا سلسلہ بھی جاری رہا تھا لیکن وہ سب تقریریں قسم کی باتیں
 تھیں۔ رتن خاں نہایت مختصر قسم کے فقرے اور آدھا تھا اور میں بھی اسی
 قسم کی باتیں کر کے اس کے مود کو کوشش کرتا رہتا تھا۔ میں دیوالوڑے
 والا مہینے کے کچھ دور کو ہوا تھا اور یہی صورت حال میرے خلاف
 جاری تھی۔ یہ ناصلا مجھے اس کے دیوالوڑے کی ملاکت آخری کے قریب
 کیے ہوئے تھا۔ اگر وہ میرے قریب ہوتا تو میں کسی دہری میں موقع
 دیکھ کر اس کے دیوالوڑے پر ہاتھ ڈال سکتی تھی۔ اب اسے قریب لانے
 کا صرف یہی ایک ذریعہ تھا کہ میں اسے اپنے بدن کے خال دھڑ سے
 روٹھاس کر ڈاؤں۔ پھر خوشامد وہ پیاب ہو کر قریب آہی جاتا۔
 رتن خاں نے پوچھا ایک ختم کر کے مجھ سے ہونے لگا ہوتا تھا
 دوسریوں میں ہر جاہل۔۔۔ اب یہ ناصلا ختم ہو جانے چاہیے۔
 میں سکراتی ہوئی اٹھی اور اس کے قریب پہنچ گئی۔ میں اس
 کے قریب کی کرک پر بیٹھنا چاہتی تھی لیکن اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر لیک

جھٹکے سے مجھے اپنی گود میں بٹھالیا۔
 ”یہاں بیٹھ کر شادی!“
 میں دھیرے سے ہنس پڑی۔ اب رتن خاں کا دایاں
 آوارہ ہو چکا تھا۔ اس کے ہونٹ میرے ہونٹوں کی طرف
 چلے آئے تھے۔ اس کے منہ سے نکلتی ہوئی لہو سے مجھے بنا
 چٹکا ہوا محسوس ہوا۔ وہ نہ صرف شراب کی نہیں تھی۔ ایک
 نوعتی جو مجھے انتہائی ناگوار گذر رہی تھی کہ اس وقت مجھے
 غور کرنا ہی تھا۔ رتن خاں کے ہونٹ میرے ہونٹوں پر
 دیر تک جیسے رہے اور مجھے دیر تک اپنی سانس روک کر پڑی،
 سے نجات کا دوا حد راستہ ہی تھا۔
 ”قیامت ہو، قیامت“ رتن خاں بڑبڑایا۔
 ”رتن خاں!“ میں گنگناہی ہوئی سی آواز میں بولی۔
 ”ہاں جانی!“
 ”اگر اس وقت تمہاری آغوش میں میری بجائے
 ہوتی تو؟“
 ”وہ تو اب کسی اور کی آغوش کو سجالے گی؟“
 نے ہنس کر کہا۔ ”اب تک اسے انوکھا کیا جا چکا ہو گا۔ اس
 دہائیش میں ہر گھر کی“
 ”دہائیش پر کیوں؟“ میں نے چونک کر پوچھا۔
 ”بذریعہ رتن خاں لاہور دا پھر۔۔۔“ وہ اکیدم غما
 اور پھر جھجھلائے ہوئے انداز میں میں بولا۔ ”یہ تم نے کیا
 بھڑکائی!“
 میں نے ہنس کر اپنے ہونٹ اس کے کمرہ گالوں
 دے تاکہ اس کا ذہن کسی خاص لائی پر نہ سوچنا شروع
 اس بات نے میرے جسم میں سستی پیدا دی تھی کہ فرح کو اگر
 ہو گا اور وہ لوگ اسے کسی وجہ سے پہلے لاہور ملے جائیں
 اس کے بعد کچھ لمحے ایسے گزرتے جب مجھے
 سے کام لینا پڑا۔ رتن خاں کے ہاتھ کی گستاخیاں بڑھتی
 وہ مجھے دیکھ کر ہاتھ لگائیں اس طرح دیکھنا چاہتا تھا
 لے نقاب ہو جائے، جیسے دیکھتے ہوئے چاند پرست
 جانی، جیسے آئینے کی گرد صاف ہو جائے۔
 میں صبر و ضبط کے ساتھ لے نقاب ہوئی تھی
 کچھ میری نظرت سے تضاد دکھاتا لیکن میں مجبور تھی۔
 کو قریب لانے کا راستہ یہ تھا۔ میں گنگھیرت اس
 دیکھتی جا رہی تھی۔ میں نے اس کے ہر سے کی رنگت بد
 کی۔ اسے قیابا نہ ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے بھی دی
 وہ ڈر گیا۔ میں اتنی آسانی سے شکست مانتے کے لیے

اب میں نے رتن خاں کی آغوش میں بیٹھنا اور دل نہا کر شروع
 میں اپنے خال و خد کو بڑے طوفانی انداز میں محسوس کرنا چاہتا
 اور صرف رتن خاں میری ان حرکات و سکنات سے بالکل ہوا جا رہا
 اس کے بد کو دار ہونٹ میرے ایک ایک روتھ سے آشنا ہو
 تھے۔ اب وہ آخری سفر بھی طے کر لیتا جا رہا تھا لیکن میں اس
 جانے کے لیے تیار نہیں تھی۔
 دیوالوڑے لا چند قدم آوارے بڑھ گیا۔ اس کا چہرہ سرخ
 تھا۔ یقیناً اب اسے اپنے اوپر قابو رکھنے میں دشواری پیش
 آ رہی تھی۔
 ”اس دو قدم آوارے بڑھ آؤ تو رکے پتے؟“ میں نے
 کی دل میں اسے لکھا۔
 اب میں ایسی حرکتیں کر رہی تھی جیسے بالکل بددش ہو چکی ہوں۔
 چلے آئیں بند کر لی تھیں گھنٹوں کے درمیان اتنی ہلکی سی درز
 آدمی کی کمرے کب کب دیکھ سکوں۔
 ”چلو۔۔۔ ادھر۔۔۔ چلیں۔۔۔“ رتن نے نکتہ آمیز
 کی کہتے ہوئے گوشہ استراحت کی طرف اشارہ کیا۔
 ”چلو!“ میں نے جھومتے ہوئے کہا۔
 رتن خاں کھڑا ہوا تو اس کی گردن میں جھول گئی میں یوں
 گدی میں جیسے مجھے سہانے کی ضرورت ہو۔ رتن خاں کا نقشہ
 لاسا گرا ہو چکا تھا۔ اس نے صرف شراب کی نہیں ہی تھی بلکہ
 ہاتھوں کے ہر سے بھی ہے تھے۔ اس نے مجھے ہٹا دینے
 (شک کی اور میں نے اسے سنبھالا۔ ہم دونوں کے قدم بڑی طرح
 آ رہے تھے۔ رتن خاں تو واقعی نشے میں تھا لیکن میری ڈنگ لکھٹ
 کی تھی۔ میں اس آڑ میں اس ناصلا کو ختم کر دینا چاہتی
 میرے اور دیوالوڑے کے درمیان تھا۔
 دیوالوڑے کے تنہا کی رفتار بہت تیز ہو چکی تھی۔ آخر وہ
 آقا۔ کہاں تک ضبط کرتا ہے؟ اس کی بوجھ کی نظر میرے سونے
 پر کیسے سخت لخت کے ڈال رہی تھیں۔ میں دیکھ رہی تھی کہ
 اور اب اس کی گرفت بھی مضبوط نہیں تھی۔ نال کا کڑھ بھی
 کی رتن نہیں تھا۔ وہ قدرے جھک گئی تھی۔
 ایک بار میں اس طرح ڈنگ لگائی جیسے گری پڑوں گی صاف
 ہر دو ہاتھ کر رتن خاں مجھے نہیں سنبھال سکے گا۔ دیوالوڑے والا
 اٹھارے جھک آیا۔ وہ مجھے سنبھالنا چاہتا تھا اور اس جہانے
 کی ہمواری کو چن لینا چاہتا تھا جی کو صرف دیکھ کر ہی اس کی
 جبر ہو گئی تھی۔
 مجھے تو جیسے صدیوں کے بعد وہ سنہری موقع ہاتھ آ گیا تھا۔
 اطر میں لکھ کر گوشہ کے توہرے پہنچ گئی ہے، اب کی طرح میں

نے اس کے دیوالوڑے پر بیٹھنا پڑا۔ وہ کھنٹ چونک پڑا۔ چونک کر
 اس نے سنبھلنے کی کوشش کی تھی، اپنا ہاتھ تیزی سے مجھے کمرے لایا
 لیکن نہ تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوا نہ ہی ہوئی۔ وہ دیوالوڑے
 بجا نہیں سکا اور میں دیوالوڑے نہیں کی۔ ہاں یہ ضرور ہو کر دیوالوڑے
 اس کے ہاتھ سے نکل کر دیوالوڑے سے جا مل گیا اور پھر کھٹ سے
 فرش پر گر پڑا۔
 اب وہ میرے ساتھ تھا لہذا میرا کچھ نہ ہوا ہو گیا۔ اگر درمیان
 میں آتشیں ہتھیار کا ساملا نہ ہو تو میں دشمن کی تعداد سے کبھی
 مرعوب نہیں ہوتی۔ وہاں تو بے پارہ وہ تھا ہی ایک۔۔۔
 رتن خاں کی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ اپنے سامنے کی مدد کر سکتا۔
 وہ مجھے ایک گندی سی گالی دے کر دیوالوڑے کی طرف بھاگ گیا
 میں نے اس کی ٹانگ بکڑ لی۔ وہ ایک مجھ سے گرا اور اگر انسانی
 جبلت نے اسے اس کی گھنٹیوں کا ساملا نہ کر لیا ہوتا تو یقیناً اس کا
 منہ ٹوٹ جاتا۔
 ”ہائیں ہائیں، یہ کیا شروع کر دیا۔۔۔ تم لوگوں نے؟“
 رتن خاں آٹھیں پھاڑتا ہوا پوچھا۔
 میں آٹھیں کر دیوالوڑے کے اوپر جا کر کی۔ وہ اٹھنے کی
 کوشش کر رہا تھا۔ ایک کراہ کے ساتھ وہ پھر فرش چھانٹنے لگا۔
 بلاتا جبر میں نے ایک ہاتھ اس کی کھوپڑی پر جوڑ دیا۔ کیرات کے
 کسی بھی ہاتھ کی ضرب، اتنی ہتھوڑے سے کم نہیں ہوتی۔ یہ ضرب
 کھاروہ ذبح ہوتے ہوئے پہلی کی طرح ڈگایا اور غالباً وہ اس کی
 زندگی کی آخری سچ تھی۔
 رتن خاں آگے پیچھے جھومتا ہوا، اسے انھیں پھاڑ دیا اور سب
 کچھ بھٹا رہا۔ صرف چار پیگ اٹھے اس کی کھوپڑی سے باہر نکال
 لائے تھے۔ غالباً اسے زیادہ نیچے کی عادت نہیں تھی۔ اب ایسا
 معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے کچھ دکھائی نہ دے، ہر گھر کی اسے سب
 کچھ دکھائی نہ دے جاتا تو بھی اس کی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ اپنے
 سامنے کا ٹھکانا نہ سکتا۔
 ”یہ تم۔۔۔ کیا کر رہی ہو۔۔۔ جان جانا ان رتن خاں
 ڈنگ لگاتے ہوئے قدموں سے میری طرف بڑھا۔
 ”میں محتارے سامنے کی خاطر مدارت کر رہی تھی۔“ کو اب
 محتارے ہزبانی کا شکر بھی میری ادا کر دوں۔“
 ”اس میں۔۔۔ شکر لے کی۔۔۔ کیا بات ہے جانی!
 ۔۔۔ بیڑوں کی سی باتیں۔۔۔ نہ کرو۔۔۔ اے۔۔۔ اے۔۔۔ اے۔۔۔
 ۔۔۔ ہائیں۔۔۔“
 منہ پر کھونسے بڑھتے ہی وہ بوکھلا گیا تھا۔ پھر جب میں نے اس
 کے چہرے پر درد مسر بخش کر دیا تو وہ علامت سے فرش پر

”اے اے... جانی... جانی!“ وہ چلا۔
 ”تیرا استیلا ناں!“ میں نے دانت پیسنے ہوئے اسکی کھڑکی پر غور کر دیکھی۔ یہ تو ایک ابتدائی عشق تھی۔ تیرتی تو میرے کمر میں نے بیزبان شناسی کا حق دار کر دیا۔ انتہائی عشق میں تیرتی تیرتی نہ تو مجھے ٹھوکر دی کہ تھلا دی یا درہی اور نہ ہی حال پر صبر معزز میں اختر شکاری کر سکا۔

جب وہ بے ہوش ہو گیا تو میں ایک کرسی پر بیٹھ کر اپنی بھولی ہوئی سانسوں پر تالو پانے کی کوشش کرنے لگی۔ اس چکر میں خاصا وقت ضائع ہو چکا تھا اور اب مجھے امید نہیں تھی کہ فرخ کو کبھا تسکون ملے گی۔ ممکن ہے وہ اب تک ان بختوں کے مستحق ہو چکی ہو۔
 میں نے اپنی بے نقابی کے پھر نقاب اٹھائے اور وہاں سے نکلی کر تیزی سے اس کمرے کی طرف بڑھی جہاں رضوان، انتہائی غصہ میں، ایک ایک بل کو ایک ایک صدی پر محیط پار تھا۔ تھکے تھکے نظر کر اس کے غصے سے سیاحت نہ نکلا۔

”کیا مطلب ہے؟“
 ”بس اب نکل پوہیاں سے مطلب بتانے کا وقت نہیں ہے۔“
 ایک ایک رضوان مہاجر کی پٹائی پر لیٹ گئے۔ شاید میرے بچھوے ہوئے بالوں اور برہنوں پر بھیجی ہوئی لب اسٹیک نے اسے دھماکا لگائی تھی جو انعام تک نہیں پہنچی تھی۔ وہ اس غلط فہمی کا شکار ہو گیا کہ کمانی اپنے کلاں کس سے بھنکنا رہی تھی۔
 ”تو ہم اس رشتہ کے بدلے بھوت ہیں یا وہ بھوتے تلخ لہجے میں بولا۔“

اس کا یہ انداز دیکھ کر مجھے ہنسنے لگا۔
 ”آخر تم مجھے ایسی بری کہیں کچھ ہے ہو!“ میں نے مشتعل لہجے میں کہا اور مجھلاتے ہوئے انداز میں ٹھوکر تیزی سے باہر نکل گئی۔ جنہی قدم چل کر مجھے اپنے عقب میں رضوان سا جگہ قدموں کی آہٹ سنائی دیتی تھی۔

وہ مکان بہت پرانا ہوا تھا جس کی تھاغاً صابرا۔ اس کا بیرونی دروازہ تلاش کرنے میں تین چار منٹ لگ گئے۔ جب ہم باہر نکلے تو فروری طور پر اندازہ نہیں ہو سکا کہ یوں سا علاقہ تھا۔
 ہاں جب ایک کشادہ سڑک پر پہنچے تو پتہ چلا کہ یہ بی۔ آئی۔ بی۔ کالونی تھی۔

ہر اٹھان رات میرے گھر میں رہنے کے بعد دوسرے روز گھر سے باہر نکلتے تو اسے کوئی خاص احساس نہیں ہوتا لیکن مجھے رات بھر کی تیر کے بعد خود کو کھنکھی ہوئی دھوپ میں پا کر کچھ عجیب سا محسوس ہوا۔ میں اپنی اس کیفیت کو بیان نہیں کر سکتی۔

اسے صرف وہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں جن کو تیر کے بعد لٹی ہو۔

مرکب پر بیٹھ ہی ایک ٹھیکسی نظر لگئی اور میں نے اسے اشارے سے دس دیا۔ رضوان بدستور میرے ساتھ اس کے چہرے پر کچھ تیرا چھائی ہوئی تھی۔ مجھے اس کے اندر کہ غصہ آ رہا تھا۔
 ٹھیکسی میں بیٹھنے کے بعد میں نے ڈرائیور سے کہا۔

”کیا مطلب ہے؟“ رضوان چونک پڑا۔
 ”پولیس میری تلاش میں ہو گی۔“ میں نے انگریزی میں اس معاملے کو نشانی سے بے آواز انداز نقل و حرکت کرتی اس لیے اسے اس سے بیٹھا چاہتی ہوں۔
 ”کیا فرخ کی خبر نہیں ہو گی؟“

”اس کے اسکول کا وقت ہو چکا ہے۔ اگر اسے کیا جاسکا ہوگا تو وہ اب تک اسکول پہنچ چکی ہوگی اور لے کی عمارت سے اٹھائیں کیا جاسکتا ہے۔“

”اور اگر اسے اٹھا کیا جاسکا ہو تو؟“
 ”تو سنو فی الحال اس مسئلے میں کچھ نہیں کر سکتی گی۔ میں کہنا کہ آزادانہ نقل و حرکت سے پہلے مجھے پولیس سے پشنا ہو۔“

”تم سن کر میں مت بڑو۔ بہتر ہوگا کہ فرخ کے مسئلے کچھ کرو۔ سب سے پہلے یہ معلوم کرنا کہ اسے اٹھا کیا جاسکتا ہے نہیں۔ اگر وہ اٹھا ہو تو پھر اسٹیشن کا رخ کرنا۔ غالباً لوگ اسے لاہور لے جانے کے لیے کسی میل ٹرین کا انتخاب کر رہے ہوں۔“ رضوان کے لہجے میں استغماہر تھی۔
 ”ہاں، وہ لوگ اسے لاہور لے جائیں گے۔“

”تمہیں کیسے معلوم ہے؟“
 ”راہی دو دنوں میں سے ایک نے بتایا تھا۔“ میں نے دوا اور دھیر کہا۔ فرخ کے اٹھا کا صحیح وقت معلوم کرنے کے اس کا پتہ چلا نہ کہ اس وقت سے اب تک کے وقفے میں

میل ٹرین کینٹ یا سٹی اسٹیشن سے روانہ ہوئی ہے یا نہیں۔ اگر کوئی میل روانہ ہو چکی ہے اور فرخ کو اٹھا بھی کیا جا چکا تو پھر اب فرخ اسی میل میں سفر کر رہی ہوگی۔

رضوان کچھ نہیں بولا۔ اس کے چہرے پر غصہ کی دھول رہی تھی اور آنکھوں میں پریشانی کی دھندلاہٹ چھائی ہوئی۔ وہ قہر سے بولا۔ ”تو پھر مجھے فرخ کے اسکول کے“
 ”ہی آکر دو۔“

”میں جو کچھ می معلوم ہو رہا ہے اس سے آگاہ کر دیتا ہوں۔“
 ”پولیس بیڈ کو مار ڈالو؟“

”جہاں، میرے گھر فون کر دینا جو کچھ ٹیلیفون اٹھائے اسے دینا۔“ میں نے کہا اور پھر ایک دم بولی زبانوں ایک کام اور ہی ذاتی طور پر بخاری شکر گزاروں کی انگریز میرا کام کر دو۔
 ”فون کرنے کے لئے اندازہ کر کے یہ مقام ہے دینا کہ اس وقت میرا کوڑا میں ہوں۔ یہ کام تم کو پہلی فرصت میں کرنا ہوگا۔“

”جو ملے گا اور کچھ۔“
 ”بس۔“ میں اپنے ہنر بولوں کی پہلی ہوئی لب اسٹیک کو مات

دیا۔ پھر بعد میں ٹھیکسی، رضوان کو فرخ کے اسکول کے سامنے لے کر پہنچی۔ میرا ذہن بہت شدید طور پر فرخ میں اٹھا ہوا اس کے حالات سے آگاہی چاہتی تھی۔ ٹھیکسی میرے حالات پر کچھ کیا تھا کہ مجھے سب سے پہلے اپنے ٹھکر کا پڑی تھی۔ مجھے ٹھکر کی کا شدید دھڑکا تھا اور اس لیے میں سب سے پہلے اسی پہنچا ہوا تھی۔ اس کے بعد میں فرخ کے لیے آزادانہ نقل و حرکت کی۔ میں نے کمر کمانی تھی کہ انگریز فرخ کی زندگی برباد ہو گئی تو یہ اتفاق کی زندگی کو بھی جہنم بنا دوں گی۔ جینک وہ بڑے دھڑکا کہ مالک تھا اور اتنا قدرتا علی سے اس کو خاص قدرت تھی کہ... مسیو بانو سے ٹھکرانہ بھی کہی نہیں تھی۔
 جب ٹھیکسی صدر کچھ نہیں تھی تو اس نے اسے ایک نیوز پیپر ارسال کر دیا اور ڈرائیور کو پانچ کا ایک نوٹ لے کر بولی کر دیا۔
 ”انڈیا فریڈ لائن۔“

یہ واضح کر دوں کہ میرا پر کل رات سے اب تک میرے دل کا تھا۔ ان لوگوں نے صرف اتنی رحمت کی تھی کہ پرکس

”میں نے انکار لیا تھا۔“
 ”ڈرائیور نے اخبار لا کر آیا اور ٹھیکسی پھر چل پڑی۔
 میں اخبار کو آٹھ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ میں سرخروں پر نظر ڈالتی تھی۔ میرے کچھ کھینچ رہے ہوئے دلتے رشتہ کی

عالمی نے تھی اور اس خبر کو پڑھ کر میں نے بے اختیار ایک اٹھائی۔ اب مجھے پتہ چلا تھا کہ کسی قتل کے الزام میں میرا ہمارا کیا گیا تھا۔ میرے فرار کی خبر بھی موجود تھی لیکن میرا نام اٹھا تھا۔ میرا یہ اشارہ تھا کہ امپورٹ، ایکپورٹ کوئی ایک بڑی فون ہو پولیس بڑی سرگرمی سے تلاش کر رہی ہے۔
 میں اپنے گرد بچے ہوئے اس حال کے سامنے بٹانے سے ابھی اس وقت تھی جب ٹھیکسی پولیس ہڈ کو مارنے کے معاملے میں اکیس نے کرایہ دار کے ٹھیکسی کو رخصت کر دیا۔ ادھر

ادھر ملنے والے پولیس والوں سے مجھے دیکھا میں کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ ان کے خواب و خیال میں نہیں آسکتا تھا کہ میں دہی مسیو بانو ہوں۔ آج پولیس بڑی سرگرمی سے تلاش کر رہی ہے۔ اس معاملے کا علم تو ان میں ضرور ہوگا لیکن اس بات کا شاید وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ مسیو بانو خود ہی پولیس ہیڈ کو مار ڈال چکے ہوں۔

جب میں نے مرنری دفتر میں پہنچ کر اپنے نام کا اعلان کیا تو وہاں پر موجود سب کے سب پولیس دلتے ایک دم کھڑے ہو گئے اور مجھ سے غور گھورنے لگے جیسے میرے سر پر ناخن بھیجی ہوئی ہو۔

”میں مشتعل آنکھوں سے ملنا چاہتی ہوں۔“ میں نے بڑے دہلے سے کہا۔

”ماحول میں سنسی ہی پھیل گئی تھی۔ کوئی ادھر جاگا، کوئی ادھر جاگا اور ذرا دیر بعد میں ایک ڈی، ایس، پی کے سامنے بھیجی ہوئی اس کے سوالوں کا نشانہ بن رہی تھی۔“

”آپ کی مسیو بانو ہیں؟“

”جی ہاں۔“

”دہی مسیو بانو جس کی پس تلاش ہے؟“

”آپ یہ تو آپ کی بتا سکیں گے کہ آپ کو میری تلاش ہے یا نہیں؟“

”میرے جواب کا یہ انداز دیکھ کر ڈی، ایس، پی کی پشانی پر بل پڑنے لگا اور پھر وہ بڑے کرخ تھے میں بولا کہ آپ ڈیفنس میں رہتی ہیں؟“

”جی ہاں۔“

”کل پولیس آپ کو گرفتار کرنے آپ کے گھر پہنچی تھی؟“

”یقیناً۔“

”اور آپ ایک کانٹبل کو زخمی کر کے جاکر گئی تھیں؟“

”یہ میری حقیقت ہے۔“

”خوب؟“ ڈی، ایس، پی نے پہلو بدلا کر دیکھا اب آپ خود ہی گرفتاری کے لیے سبیل ہو گئی ہیں؟“

”میں ایسی کوئی خواہش نہیں رکھتی۔“

”کلفٹن بروہہ قتل آپ کی ہے کیا ہے؟“

”مجھے اس بات سے انکار ہے۔“

”ڈی، ایس، پی نے مجھے گھور کر دیکھا اور پھر میری بھولی گھٹی بھائی۔ اردلی اندازاً، ڈی، ایس، پی نے اس سے کسی سپیٹر کو بلوایا اور یہ بات بھی کہ وہ کھول دیا لیٹا آئے۔
 ”اگر یہ کھول دیا آپ میرے لیے منگو اپنے ہیں تو فلاسوف

”عزیز قافانی کام! تو لودو نے ڈیڑھ سو میٹر پر چھوڑ مارا۔“
 ”جی نہیں! وہاں جان لیوا کی اجازت نہیں ہے سکا۔“ لودو کا چہرہ غصے
 سے لال ہو گیا۔ ”لو! آج اس نے گرتے ہوئے کہا۔“ آپ نے وارنٹ
 حاصل کیا ہے تو گرفتار بھی کیجئے۔ یہی ڈاکٹر صدیقی یہاں پہنچے دے دیں۔
 وہ ان کی ضمانت لے لے گا۔ آپ ان کا پس عداوت میں لائے گا۔ اس کے
 بعد آپ پر ہنگامہ عورت کا دعویٰ کریں گی کہ اس کے بعد یہ فیصلہ ہو گا کہ
 آپ کے بچوں پر یہ اسرار مناسب ہیں یا نہیں۔“
 ڈی ایس پی کا منہ فلک گیا۔ یہ بڑی بے تعلقی سی ہی تھی۔ کئی
 تھی۔ ”آپ ضمانت کی گمانی کا وارنٹ نکال کر دیں۔“ لودو بھر پور لہجہ اور
 اس بات کا جواب تو آپ کو تحریری خود پر دینا ہو گا کہ آپ نے وارنٹ کس
 کے خلاف پر چال کیا تھا۔
 اب تو ڈی ایس پی اور انسپکٹر کے چہروں پر ہنسنے کا ہی
 برسنے لگی تھی۔
 میری سرگزشت پر ملنے والے شاید اس بات پر حیران ہو رہے
 ہوں کہ آخر یہ عجیب ہالو بنے کیا بلا؟ میں واقعی لیکن فی الحال
 اس کا جواب نہیں دوں گی کس قسم کی بلا ہو؟ آہستہ آہستہ آپ کو خود
 ہی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔
 آدھے گھنٹے کے اندر اندر سامعہ ملوث گیا۔ میں ڈاکٹر صدیقی
 کی ضمانت پر رہا ہو گئی۔ اس کے بعد پولیس ہنگامہ گڑھے سے میری روانگی اس
 شہر سے ہوئی کہ میں لودو کے ساتھ اس کی کار میں بیٹھی ہوئی تھی اور
 کار پر وارنٹ کیلنگ ہوا تھا۔
 ڈاکٹر صدیقی اپنی کار میں بیٹھ کر چلے گئے تھے لیکن انہوں نے مجھ
 سے وعدہ لیا تھا کہ میں جلدی ان سے ملاقات کروں گی۔
 ”اب آپ بتائیے کہ یہ کیا معاملہ ہے؟“ لودو نے مجھ سے
 اس وقت کہا جب کار حرکت میں آچکی تھی۔
 ”یہ سب کچھ کہیں آفاق کے کھانے پر ہوا تھا۔“ میں نے جواب دیا۔
 ”اوہ!“ لودو نے چونک کر پوچھا۔ ”تو پھر دوسرے سوچ میں ڈوبا ہوا
 ہوا۔“ ویسے مجھے یہ خیال تو تھا کہ اس معاملے کے پس پردہ کوئی خاص
 ہاتھ ہو گا۔
 ”مجھے آپ میرے گھر پر اتار دے ہوئے چلے جائیں تو شکر گزار
 ہوں گی۔“
 ”ہاں ہاں کیوں نہیں۔“
 ڈیڑھ دو بجے رہا کہ رات پر پہنچے ہوئے لودو کے کمرے کی طرف
 نے ڈیڑھ دو بجے کو نفیس چمکنے کی ہدایت کی۔
 میں بار بار اس قسمی کا ذکر لودو کے نام سے کر رہی ہوں۔
 کیونکہ اصل نام گھنٹا سب سے ہے اور فرضی نام گھنٹے ہوئے اچھا نہیں
 لگ رہا ہے۔

راستے بھر غفلت رہی رہی لیکن میں نے لودو کو محتاط رکھا
 سے بے خبری کر لی۔
 جب میں اپنے گھر پہنچا تو لودو نے تیزی سے تڑپ کر لودو دینے
 آواز میں کہا کہ میں اس معاملے کو خود لیتی رہ سکے لے جاؤں گا۔
 ”میں درخواست کروں گی کہ آپ ایسا نہ کریں۔ میں کہیں
 سے خود ہی بیٹوں کی لپٹ میں آپ آنا خیال رکھئے گا کہ سرکاری طور
 غفلت کوئی غیر قانونی قدم نہ اٹھایا جائے۔“
 ”محشر تیز رفتاری اور پولیس کے متعلقہ افسروں سے تیز
 سے باز پرس کروں گا۔“
 ”اس پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں نے مسکو کر کہا
 ”کیا آپ غریب خانے پر چند منٹ دیکھ گئے ہیں؟“
 ”میں بہت جلدی میں ہوں بالو۔۔۔ ایک منٹ ہی کام چہ
 ہڈ کو زبردستی بچاؤں گا۔“
 ”میں اس تکلیف دہی کے لئے معذرت خواہ ہوں۔“
 لودو کو ذہنت کر کے میں اپنے گھر میں داخل ہوئی۔
 ملازمہ میں منت پریشان تھیں مجھ کو کہ ان کے چہرے کھل گئے
 فریڈ کی آنکھوں میں تو فریڈ جیٹات سے آندھ لگے تھے۔ میں نے
 لگے لگ کر اس کا فریڈ چھپا دیا۔ وہ صدمہ مجھ سے اس رنگے کی
 کرنا چاہتی تھیں لیکن میں نے انہیں دھوا چھڑکے کہ انہیں دیا:
 فریڈ میں لپٹا ہوا تھا۔ میں جلد از جلد اس سے متعلقہ صورت
 واقف ہونا چاہتی تھی۔
 ”میں اس ساجد کا ڈاکو فون نہیں دے سکتا۔“
 ”فون تو آیا تھا۔ ان ہی سے مجھ کو اطلاع ملی تھی کہ آپ لوہے
 بیڈ کو زبردستی آئی اور۔۔۔“
 ”اس کے بعد کوئی فون نہیں آیا؟“ میں اس کی بات کاٹ کر
 ”جی نہیں۔“
 میں نے اپنے کمرے کا رخ کیا اور بیٹھ بیٹھ دوں میں جا بھ
 میں اپنا حلیہ درست کرنے کے بعد ہی گھر سے نکل سکتی تھی۔ جلدی ہا
 غسل کر کے میں نے تیز سے تبدیل کئے۔ مسک اب کا اور بھر پور ہوا
 پہلے ہی دلی تھی کہ فریڈ کھلنے کی ڈھالی دھکیلی ہوئی گھر سے نکلا
 ”آپ نے بھی کھانا تو کھا دیا ہو گا۔“
 ”اوہ۔۔۔ شکریہ فریڈ! میں واقعی بھوکے کمرے کی تھی۔“
 میں نے جلدی جلدی، اگلے صبح دو بجے لے لئے اور
 دوران میں فریڈ سے ملنے کی تم ایک کام کا فریڈ ہو۔۔۔ پس میں
 سرسبز پری گشت کی کہ فریڈ کو دینا۔ دلچسپ کی عبارت کیا ہو گی!
 تم کو کھڑے دیتی ہوں۔“
 رات کو وہ لوگ مجھے میری سرسبز پری میں انفرار کے لئے

میں رضوان کے ساتھ بی۔ بی۔ کالونی کے اس مکان سے نکلی
 ہامی بھی کار کا نام و نشان نہیں تھا۔ وہ کبھی آئی چوڑی تھی ہی
 ملک کا داخل ہو سکتی میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ
 گواہی کی گشت کی کہ پولیس کے علم میں نہ آئے۔
 میں نے ایک گاڑی پر فریڈ کی عبارت لکھ فریڈ کو دی اور پھر
 جلی لگی کہ ایک رات دھرم کمرے میں داخل ہوئی اس کے اچھیل ایک
 اب کا ٹیکسٹ ایم ایس ایف ایف ایف۔۔۔ وہ بولی۔
 میں نے جلدی سے لٹاؤ اس کے ہاتھ سے لے لیا اور اسے چاک
 نام نکالا۔ وہ نیلے رنگ کا تھا اس سے مجھے صورت حال
 (پتہ) گول گول لفظوں میں لکھا ہوا تھا لیکن میں اسے آسانی
 سی اس بنام کے مطابق فریڈ کو انفرار کیا گیا تھا۔ وہ اپنے گھر
 دہانہ تھی لیکن اسکو نہیں پہنچتی تھی۔ ”معلوم کرنے کے بعد
 مامی نے دھوئے اسٹیشن کا رخ کیا تھا کیونکہ اس وقت ایک
 ”اوہ ہونے والی تھی۔ رضوان اس زمین کے ایک ایک ڈیڑھ
 ہوا لیکن فریڈ دکھائی دیا۔ یہی بھلا ایک رضوان کو پیٹ ڈرام
 ایسا آدمی دکھائی دے گیا جس کو وہ پہچانتا تھا۔ وہ ان ڈیڑھ
 ہوا رضوان کو اس کے گھر سے فریڈ کرے تھے۔ رضوان فریڈ سے
 ہاں اس آدمی پر فریڈ کر کے لیکن وہ میرے گھر گیا۔ رضوان اسے
 کے باوجود اس نے نہیں کر سکا لیکن اس کے اس بات کا یقین ہو
 رہا کہ اس کی گمانی سے لودو لے جایا جا رہا ہے۔ اس نے فوراً یہ
 کہ دو بجے لودو رات ہو جائے اور اسے میں فریڈ کی تلاش جاری رکھے
 گھر کے بعد اس نے اسٹیشن ہی سے مجھے یہ ٹیکسٹ ایم ایس ایف ایف
 ٹیکسٹ پڑھتے ہوئے میرے ذہن نے تیزی سے سوچنا شروع
 اعلان حالات میں مجھے کیا کرنا چاہئے ٹیکسٹ کا آخری لفظ ”زرد
 ”زمین ایک خیال آیا اور چند لمحوں میں اسے فون پر عمل
 ایڈلر ڈھال۔
 ملازمہ ٹیکسٹ کے ساتھ جا چکی تھی اور فریڈ کھانے کی ڈھالی دھکیلی
 لودو سے نصحت ہونے والی تھی کہ اس نے اسے آواز دے کر
 فریڈ ہاں جلدی سے میرے چند جوڑی کپڑے اور ضروری چیزیں
 لپٹ لیں اور بھرو۔“
 اس سے پہلے کہ فریڈ کوئی انتہا دے دے، میں تیزی سے باہر
 اور لے کر فریڈ کا رخ کیا تھا۔ وہاں سے میں نے اپنی دوسری گاڑی
 اپنی تھی جب میرے پاس نہیں ہے۔ وہ ایک حادثہ میں تباہ
 میری قسمت ہی اچھی تھی جیسے نکلی تھی۔
 ”لو! گھر کے نکال کر میں ہرگز نہیں لے آئی۔ دراصل میں

نے زمین کے لٹاؤ کا بیکل کھانا لے کر اس زمین میں جھڑکا یا کہانی
 نے بن چکا ہوتا تو میں بہت کم وقت میں یہ فاصلہ طے کر کے زمین سے
 بہت پہلے جھڑکا یا پہنچ جاتی لیکن اس انداز میں جھڑکا یا کہانی
 صرف طویل مگر بہت خراب تھا۔ بہر حال مجھے توقع تھی۔۔۔ میں
 نہیں تو اس سے اچھے کسی اسٹیشن پر فریڈ کو پکڑ لیوں گی۔
 کمرے میں فریڈ نے ابھی تک ایسی تیار نہیں کیا تھا۔ میں
 اس کی مدد کرنے لگی کیونکہ ایک ایک لمحہ جیتی تھا۔
 ”میں دو چار روز کے لئے کراچی سے جاری ہوں۔“ میں اسے
 فریڈ کو بتایا۔ لیکن فریڈ نے میرے بارے میں پوچھے تو کلمہ ہی کا انکار کیا۔
 ہرگز کوئی کہتے بتا کر کہیں کراچی میں نہیں ہوں۔
 فریڈ دوسری ہدایت پر سر ہلائی وہی خورے سنا اس کی فطرت ہے
 کہ بھی کسی بات کو دہرا دہرا نہیں بولتی۔
 کچھ ہی منٹ بعد میں اپنی اول میں گھر سے۔ وہ بھول گئی۔ سب سے پہلے
 میں نے فریڈ کی کئی بھولائی اور اس کے بعد جھڑکا یا کہانی سے پوچھ لیا۔
 اگر ہی زمین میں ہائیڈروجن ہوتا تو مجھے وہ تکلیف برداشت نہ
 کرنا پڑتی۔ اس سڑک پر تیز رفتاری سے سفر کرنے کا مطلب یہی تھا کہ آدمی
 اپنے اپنے سفر کو چیلے کر لے لے۔ مجھے نہیں معلوم اب وہ سڑک بغیر حیات
 ہے یا کہ نہ لکھا جا چکا ہے۔۔۔ مگر بند نہیں کیا گیا تو بھی کوئی پائل سی
 اس سڑک کا رخ کرنا ہو گا۔
 میں جتنی تیز رفتاری سے سفر کرنا چاہتی تھی نہیں کر سکتی۔ جب
 پہلے پہلے مجھے گئے تھے تو مجھے لودو کا رخ دیکھ کر پڑتی تھی اور اس
 وقت کی ذہنی تھلاہٹ کا کسا پوچھنا؟
 لیکن اس تھلاہٹ کے باوجود بھی میرے خیالات کی تہ و فرخ
 ہی کی طرف ہوتی رہی میں اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ وہ لوگ
 اسے زمین میں کس طرح لے جا رہے ہوں گے۔ یہ تو ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ
 اپنی خوشی سے چلی جاتی۔ غالباً انہوں نے اسے بہت زیادہ زور دھکا دیا
 ہو گا۔ دیوار اور چارو دکھاتے ہوں گے کہ اس نے خود چارو تو اس
 نے کڑے کر لے لے جائیں گے۔ وہ مصروف کم کر رہی ہو گی۔ اس کی حالت
 کا تصور کر کے میرے دل کو کھٹکے گا۔ اس کا ادھا خنن نواب نک خشک ہو
 چکا ہو گا۔
 ایک گھنٹے کے سفر کے بعد سڑک کی حالت قدرے بہتر ہو گئی اور
 میں نے اوپر کے قدرے تیز رفتاری سے بھڑکا یا کہانی کیا۔
 جب میں جھڑکا یا کہانی تو وقت بکھڑکے میں اندازہ لگا کر زمین
 کو جھڑکا یا کہانی سے لے کر ایک گھنٹہ ہو چکا ہو گا۔ میں نے گاڑی ایک
 پٹرول پمپ پر روکی اور تین گیلن بھرنے کی ہدایت کر کے پٹرول پمپ
 کے ڈیڑھ ٹھک کے کیمپن میں جا گئی۔ وہاں سے میں نے دھوئے اسٹیشن
 فون کیا اور معلومات حاصل کیں تو بت چکا کہ اس زمین کو گڑھے سے ہونے

صرف آدھا گھنٹہ تو ہے۔ دراصل وہ بیچ میں کسی جگہ میں منٹ لیٹ
جو گئی تھی۔

[illegible]

نہ وہ بہرست انداز میں ہوتی ہے نہ کسی کا ہندو جانے پہچانے کا
 ایک طرف رہے گا میں خود ہی تھی کہ کہیں کوئی پورہ مسافر نہ
 مال، مایوس نہیں ہونا چاہیے سچی ایک بڑھو تو خالی ہے
 میں گریہ کر رہا
 کوئی بڑھو اتنی کہ دونوں کی گرفتہ رہ کر رہے ہے وہ
 ایک بڑھو
 گزشتہ، ادھیر شکر آدمی خاموش نہ رہا کہ ”تم اس قسم کی
 حالت نہیں کر رہی غزالہ... تم سبھی“
 میں نے اس آدمی پر ایک نظر ڈالی اور پھر سوائے نظروں سے غزالہ
 گھبراہٹ
 بہرے ڈھری ہیں اس نے مجھے تار یا اور پھر مگر میز میں
 کی اڑا ہوا
 وہ ”بہرے“ سے اتنا ہی نکل رہا، ویسے مجھے پہلے ہی اس
 بہرے کو چھٹا کر فیض زابینا ہے میں نے غزالہ سے اظہارِ غم
 اور گزری ہی میں بولی ”مجھے ان کی مایوس سے اختلاف نہ ہوئے
 کہ آپ کسی اور موضوع پر بحث نہیں کر سکتیں“

یہ ساری باتیں مجھے غزالہ سے چند منٹ کے اندر ائمہ معلوم ہو گئیں۔ وہ بہت تیز لو تھی۔ اس نے مجھے بولنے کا موقع بہت کم کر دیا۔ زبان بولنا مجھے نہیں چاہتی تھی۔ باتوں کے دوران میں میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور توڑے حرکت بھی کی لیکن اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اب ائمہ معلوم ہوتا تھا جسے اس نے میری حرکت کو نفی یا عینت نہ دی تو میں جب میری بی بی کوچہ اور برہنہ کی اس کے چہرے پر نظر پھیل گئی۔ ویسے اب بھی اس نے کھسک کر مجھ سے دوہرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ فی الحال میں نے آسانی کافی سمجھا اور خود ہی ہاتھ شایا۔ اب اچھیرا پھیل چکا تھا غزالہ نے بن دیا کر روشنی کو دی تھی۔ اس روشنی کے اندکاس سے اس کے گال انگاروں کی طرح دکھنے لگے۔ اب وہ مجھے اور زیادہ ابھی معلوم ہونے لگی تھی۔

”غزالہ! اچھا کس کے باپ نے آواز دی۔

کے پہلے پرزکائی۔

”آپ کو کون سا پھل پسند ہے؟“ اس نے مجھ سے پوچھا۔
 ”ناز نغیاں۔“ میرے منہ سے سانس نکلا اور میری نگرانی
 چہرے پر سے ہوتی ہوئی اس کی غور غزی کے نیچے پھسل گئی۔
 غزالہ نے میری غمزوں کی تیری غمزوں کو تو اس کا چہرہ
 ہر گویا دو کمرے سے چھل والے کی طرف متوجہ ہو کر بلبل دو دو در
 سے دو!“

مگر ذلے سیٹی سے دی۔ ٹرین کو تیر لوپ انیشین پر زیادہ دیر نہیں
سکنا تھا۔ غزالے نے جلدی سے پھل ولے کو پیسے دیئے اور لہی —
آئیے جلدی۔“

ہے، اس لئے میں سوچ رہی تھی کہ ظروف سے بڑے اطمینان
 و تسکین ہو سکے گی، لیکن تو یہ بھی تھا کہ میں جلتی گاڑی ہی میں نہ
 تک پہنچ سکیں گی کیونکہ تمام گاڑیوں میں رابطہ کار سے جو ہر دھماکا لیکن
 خطرے کی گات ہے، یعنی کہ اس وقت میں پہنچ جاؤں جہاں
 ہو۔ ہر چیز کہیں فروغ کی تلافی میں تھی لیکن یہ ضروری تھا کہ
 لوگوں کو محفوظ سے پہلانے کی سعی اہلکارانہ کوشش ضروری
 فروغ کو اختیار کر کے لے جا رہے تھے، اگر وہ سمجھ و دیکھ لیتے تو
 جلتے میں فروغ کو ان لوگوں سے لے کر پکے سے چھین لینا چاہا
 کوئی ہنگامہ نہ ہو سکا، اگر کچھ ہو جاتا تو بات اختیارات تک بہم
 اس میں فروغ کی بدنامی بھی معاشرے میں اسے ایسی منظور
 جلتے لگتا کہ وہ اپنی حالت پر اندر ہی اندر جھٹکتے لگتی، اس لئے
 میں پسند غیبی کہ اس طرح نہ رہنا ہے تو میں دیکھنا چاہتی تھی
 روڈ پر کسی انشٹیشن قریب یا ٹرانسپورٹ کی ڈنڈا کرک ہو نہ سکی
 ”دو پہری پر گاڑی ڈکے کی گاڑیوں میں کچھ دیر کے لئے ایک
 میں جاؤں گی۔“ میں نے غزال سے کہا۔
 ”کس وقت میں اس آدھ استعبار سے پیسہ میں ہوں گی۔“

ہم اسٹیشن پر اتری اور ادھر ادھر دیکھ کر تیزی سے ٹھونکنے لگی۔ کرفٹ بڑھی، دُستے کے قریب پہنچی ہی تھی کہ رضوان ایسا نے فوراً مہرا باندھ بیٹھا اور اس دُشمن کی آڑ میں گھاس پھوس مینے کا ٹھنڈا پانی ”سکھا ہوا تھا۔“

وہاں ہم انہیں سے گفتگو کر سکتے ہیں۔ انہیں اسباب سے لے کر ہائی ٹیکنالوجی تک ہر کوئی دیکھ سکتا ہے۔ یہ حضرات کہاں سے کہاں نہیں گئے؟ کرم چھیڑی، کرم چھیڑی سے سفر کر رہی ہوگی۔ لڑکیوں کو ایڈیٹیشن سے نمیکار بھیجنا تھا۔
 ”وہ مجھے مل گیا تھا۔“

”جناب شاہ میں اپنے ایک واقف کار کو۔“ میں نے جواب دیا۔
 ”یہ دوں اسٹیشن پر کوئی آدمی جو پنی ہے۔ میں نے یا علی جی اسکی میں
 اسکی مرض میں نیلے رنگ میں کھنکی کر وہ اسٹیشن جا کر گاڑی اپنے
 میں کر لے۔“
 ”مجھے اپنے اس واقف کار کا پتہ دے دو۔ میں اسے نیلے رنگ میں

اور گا۔ تیار اس طرح چٹ خام برفیل حرکت کرنا مناسب نہیں ہے۔
 صورت نسبتاً جلدی آنکھوں میں آتی ہے۔ مگر اس احتیاط بھی برفوں کا۔
 میں نے سوان کو اپنے رات کا راجہ بنا دیا۔
 ”کوئی اور خاص بات تو نہیں کرنا؟“ سوان نے مجھے پوچھا۔
 ”ابھی فرخ کا پتہ ہی نہیں چلا ہے تو کوئی خاص بات کیا
 ہوگی۔“
 ”یہ میں نے اس لئے پوچھا تھا کہ زیادہ دیر تک یہاں کھڑا
 رہنا بھی مناسب نہیں ہے۔“
 ”بس اب میں جاتی ہوں۔ تم ٹیکنگ کمزور دے دینا۔ اب کل صبح
 ملاقات ہوگی۔“
 ”ٹھیک ہے۔“
 میں نے دھڑا دھڑا غرغریاؤں اور پھر تیزی سے اپنے ڈبے
 کی طرف دوڑ دیا۔
 غزالہ مجھے دیکھ کر جھٹکتے ہوئی رہی۔ ”تمنی جلدی لوٹ آئیں آپ؟“
 ”وہ لوگ مجھے ملے ہی نہیں۔ شاید مجھے دھوکا ہوا تھا۔“ میں نے
 غزالہ کے باپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو برف پانچویں بند کئے ایسا
 ہوا تھا میں نے کیا ٹانڈ کا دروازہ بند کر کے لوٹ دیا۔
 ”اب کسی کسی ٹی ٹی نے ہمارے ڈبے کا خرچہ ہی نہیں کیا۔ میں
 برف پانچویں کے قریب بیٹھتی ہوئی رہی۔ ”ابھی تک میں بغیر ٹکٹ سفر کر
 رہی ہوں۔“
 ”اور کوئی تو تمہارا سفر بھی نہیں آیا۔“ غزالہ نے مسرت کا اظہار
 کیا۔
 ”چلو اچھا ہی ہوا۔ رات بڑی خوبصورت گزرے گی۔ کیوں ا؟“
 میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”تیار۔“ وہ پھر خرچہ کرنے لگی۔ ”لیکن میں سمجھنے سے
 قاصر ہوں۔“
 ”کیا سمجھنے سے قاصر ہو؟“
 ”یہی کہ رات کس طرح تو خوبصورت گزرے گی۔“ وہ حسبِ عادت
 ہنس پڑی۔
 ”خاتون مجھی تو خوبصورت بابر صحت نہیں ہوتے۔ کوئی نصف تو اپنی
 انسان ہی بنتا ہے۔ ہم دونوں مل کر اس رات کو تو خوبصورت بنادیں گے“
 ”مگر کیسے؟“ وہ تعلق سے جھنجھپ رہی تھی۔
 ”دونوں مل کر۔“

منب میں دو لباس پہن کر ہتھوڑم سے نکلی تو غزالہ جاگ اٹھی۔

یہ ہو گئی ہے۔“

۴۰۔ آپ صبح سے چھ میٹان کیوں اٹھیں؟

”خاموشی، صرف خاموشی“ پستول دالے لکھا۔
 ”لیکن ہم لوگوں کو یہیں اترنا ہے“

”کسی کو کہاں نہیں تہا خوش بھی ہو، اگر جوڑا لایا اس
 کیا ڈنٹ کا دروازہ بند ہے گا جوڑا لایا پر اس ڈنٹ سے تر جاسیں
 گئے اس کے بعد تم لوگ ہمیں جانا یا نہیں اور“
 پستول والے کے سامنے سے بھاگ اب اپنی جیب سے ایک لوالہ
 نکال لیا۔ دیا لوالہ کی مال پر سائیکسٹ فٹلہ دھکے کھوتا ہوا بولا۔
 ”اب اگر کسی نے آواز نکالی تو میں بے دریغ گولی مالدوں گا۔“
 میں نے سختی سے ہونٹ پیچھے لئے، میری بھین نہیں آ رہا تھا
 کہ یہ کیا معاملہ ہے کیا وہی رنگ ہی نہیں نے فرخ کو دکھانا تھا ؟
 کیا ڈنٹ میں خاموشی چھانی رہی۔ غزالہ مجھ سے بیٹھتی ہوتی حوت
 سے کانپ رہی تھی اور اس کا ناہیا باب اپنی بے بسی پر رو ہٹا نظر آ رہا تھا۔
 پیٹ نام کے بچے گولی کی آواز کی اب بہت مدد ہو کر میرے
 کانوں تک پہنچ رہی تھیں، چاہے کیا ڈنٹ کے دروازے سے آہٹ
 ہوئی، وہ کی آواز معلوم ہوتے تھے۔ انا نہیں کو سنتے ہی وہ بہت جوں
 نظر آنے لگے۔ میں نے سلی آواز سنیں جیسے کیا ڈنٹ کے دروازے
 پر کدہ کدہ لوگ کسی بات پر بحث کر رہے ہوں۔ یہ بحث پستول ایک
 منٹ ہوئی اور اس کے بعد دھمکی کی آہیں دودھ ہوتی چلی گئیں۔
 مایوسی ابابوسی اور صرف مایوسی یوں محسوس ہونا تھا جیسے
 کوئی بھی ہادی مدد نہیں آنے گا میں اس وقت بڑی بے بسی غوں
 کر رہی تھی۔ وہ دونوں مجھ سے آئی دور تھے کہ اگر میں ان پر چھپنے
 کی کوشش کرتی تو گولی اس سے پہلے ہی مجھ پر چھٹ پڑتی۔
 پانچ منٹ..... دس منٹ..... پندرہ منٹ.....
 وقت گذرتا رہا۔
 اب میں فرخ کی طرف سے جی مایوس ہو چکی تھی۔ لیکن وہ لوگ
 اتنی دیر میں اسے ابٹیشن سے باہر چاہکے ہوں گے شاید یہ خودی
 ڈرامہ کھیل ہی اس لئے جارہا تھا کہ میں فرخ کے حصول کے لئے ان
 لوگوں پر نہ بھٹ سکوں۔
 کیا ڈنٹ میں مرگ آسا خاموشی چھانی ہوئی تھی کچھ دست
 اور گڑا پھرو چلو سنا سنا سنا دی۔ غالباً گاڑی روانہ
 ہونے والی تھی۔ میں نے عالم اضطراب میں اسی میٹ پر پہلو دلا تو
 رولر اور ولے لئے اپنے رولر اور کوشش کا اور دیکھتے ہوئے کھانے والے
 انداز میں گھورا۔ غالباً خاموشی کی زبان سے مجھے یہ دھمکی دے رہا تھا
 کہ میں اپنی جگہ سے باہر حرکت نہ کروں۔
 انجن نے پھر ایک سی ڈی اور گاڑی نے ایک دھچکے کے
 ساتھ لاہور کا پیٹ نام پھوڑ دیا۔

سائیکسٹ لگے ہوئے رولر کی وجہ سے ان دونوں
 کی پوزیشن یہ تھی کہ سختی تھی، اگر ہمیں سے کوئی بھی
 ضرورت نے یاد کرکٹ ہو جاتا تو ان کو فائرنگ کرنے میں قلعہ بچا ہٹ
 نہیں ہوتی۔ وہ ہم میں کو ہلاک کر کے بھی محفوظ رہتے ہوئے۔
 کی وجہ سے گولیاں چلنے کی آوازیں برابر کے کپار ٹنٹ تک بھی
 پائیں۔
 غزالہ بھی کسی بھی ہوتی چڑیا کی طرح میرے بازو سے
 تھمے اس کا فیصل میری ذات پر اس کے اعتماد کا پتہ دیتا تھا۔
 کہ اسے اپنے ناہیا باب کی بے بسی کا مکمل احساس ہوگا اور اس پر
 میں وہ میرے علاوہ کسی پر اعتماد کر سکتی تھی؟
 میں سستی دینے والے انداز میں اس کا ہاتھ چھتی رہی اور
 نظروں ان دونوں پر بھی رہیں جو شکار دیوں کی طرح چونکا نظر آ رہے
 شریخ میں میرے ذہن میں صرف شکوک کے جنرے تھے
 اب میرے اس خیال کے نقیض کی صورت اختیار کر گئی تھی کہ وہ
 کیلین آفاق ہی کے گورگے تھے۔ انھوں نے نہ تو لوٹ مار کی کوشش
 تھی، نہ کوئی اور نقصان پہنچایا تھا۔ وہ صاف صاف کھٹے کھٹے گورگے
 کے ابٹیشن پر جا رہے تھے۔ اس طرح ان کا یہ قصد واضح ہو گیا تھا
 بس میں لاہور کے ابٹیشن پر نہیں اترنے دینا چاہتا تھا۔ غزالہ اور
 کے باپ کو بہتر سمجھتی وجہ سے اٹھنا پڑ رہے تھے۔ وہ میری
 تھی جس کا لاہور دیوے ابٹیشن پر اترتا، ان لوگوں کے لئے پڑنا تھا
 ثابت ہو سکتا تھا مجھے اس طرح روک کر ان لوگوں نے فرخ کو ہلاک
 جانے میں اپنے لئے سہولت ہم پہنچائی تھی۔
 اس بات کا یقین کرنے کے بعد اب مجھے یہ سوچنا تھا کہ ان
 کے قول پر اس حد تک اعتبار کیا جا سکتا ہے؟..... انھوں نے ایسا
 کیا تھا کہ وہ ہمارے ساتھ کوئی خاص رویہ اختیار کئے بغیر جو رولر اور
 ابٹیشن پر اتر جائیں گے کیسے کیا اس بات پر یقین کیا جا سکتا تھا؟
 ان دونوں کو یہ حدت نہیں ہوگا کہ کیا ڈنٹ سے ان کے باہر نکلے
 ہی ہر شہرہ جاکر انھیں پکڑا سکتے ہیں؟ لہذا وہ اس سیکورٹیز انداز میں
 کر سکتے تھے۔ انھوں نے اس کا کوئی نہ کوئی حل فرار سوچ لیا۔
 جب میں اس پر غور کیا کہ وہ حل کیا ہو سکتا ہے تو کوئی نام
 مجھے ذہن میں آیا لیکن ہر فرخ میں تھی طور پر نہیں کہہ سکتی تھی کہ
 انھوں نے کیا سوچ رکھا ہوگا۔
 فرخ جینے چنگھا ٹوٹی، لوالہ رفتار سے اپنی منزل کی طرف
 دواں تھی۔ لاہور بہت پیچھے رہ گیا تھا اب تک فرخ کو ابٹیشن سے
 نکل کرے جا یا ہو چکا اور لاہور اس سلسلے میں پریشان ہونے سے
 کوئی مثبت نتیجہ نہیں نکل سکتا تھا۔ وہ دوسری پریشان کن بات میرے
 یہ بھی ہو سکتی تھی کہ رضوان ساجد پر کیا جی لیکن میں نے اس پریشان کن
 بھی اپنے ذہن سے جھٹک دیا تھا۔ فی الوقت رماچی کاوش کے لئے بچھا
 صورت حال کے سوا کسی کو ترجیح نہیں دی جا سکتی تھی۔ پیچھے سوچنا تھا
 کہ اس شخص احمق نے کیونکر عمدہ کرنا ہوا جا سکتا ہے۔

”میں کے پاس رولر اور تھے۔ دو دیر میں تاملو میں زیادہ تھلا کر
 ان میں نے نہیں تو میں لب تک ان دونوں کو ان کی ہڈیوں کا
 ہاتھ کتاب بھی چکی ہوتی۔
 گاڑی کی رفتار میں کمی اور گورگے ہوئے وقت سے میں نے لہذا
 رولر اور اقرب آگئی تھا اب میں اضطراب سے دوچار ہو گئی تھی
 معلوم تھا کہ ابٹیشن پر گاڑی رکنے کے بعد ان دو گولوں اور سہول کا
 ہوگا۔
 ”سہو“ ایک رولر اور ولے نے مجھے کھینچے ہوئے کہا تھا
 ”ہم کو بہت چالاک عورت ہو لیکن ابٹیشن پر گاڑی رکنے کے
 اگر کسی نے چالاکی کا مظاہرہ کرنا چاہا تو اس لوٹے کی موت کی
 ہڈا کی طرف تھی پر غاندی ہوگی۔“
 اشارہ واضح طور پر غزالہ کے باپ کی طرف تھا۔
 ”آخر میں نے تمہارا کیا لگا ڈھٹے خالو،“ غزالہ کے باپ نے
 ”اے بی بی سہو۔“
 ”بی بی سہو نے ہمارا کچھ نہیں لگا اور اسی لئے تمہیں مارنا
 میں نہیں چاہتے لیکن اگر ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی تو پھر تم
 ہمارا نام بھوکے ہو کر نہ مریں گی کو وقتی طور پر یہ عمل بنانا چاہتے ہیں
 ”یہ مطلب؟“ میں جیسے چونک کر لب لبو پڑی۔
 ”غالباً بالکل صاف ہے۔ ہم دونوں اور ولے کو اپنے ساتھ
 لگاس کیا ڈنٹ سے اتریں گے۔ ہمارے رولر اور ولے ہاتھ میں ہوں
 ہی ہوں گے اور رولر اور ولے کی نالیں رولے کے سیکورٹیز سے لگی دیں گے
 میں یہ بہتر نہیں کر رہا ہوں کہ کوئی ایسی جگہ پر پھوڑ دیں گے کہ تمہیں
 نے نظر آجائے لیکن ان دونوں کے لئے ان زم سے کیا بیج منٹ تک
 میں نے باہر نہ نکلوں۔ کیا ڈنٹ سے باہر نکلنے میں بھی کم سے کم
 ”اگر اندر نہ جانا چاہیے۔“
 یہ بات دینے کے بعد جب وہ خاموش ہوا تو غزالہ پھوڑ پھوڑ
 گول لگائی اس صورت حال نے اس کی ساری خوشی کا ٹوکری نہ تھی۔
 ”ہم کی طرف اس کے باپ کا چہرہ بھی خوف سے سفید ہو گیا تھا اور بہت
 اور باہر کا بے بس تھے جیسے وہ چوہہ کنا جا رہا ہو۔
 ”بہتر ہوگا کہ وہی کیا جائے جو کیا جا رہا ہے۔“ میں آہستہ سے بولی۔
 گاڑی کی رفتار اب بہت کم ہو چکی تھی۔
 جس کے ہاتھ میں خبر سائیکسٹ کا رولر اور تھا اس نے ایک کھڑکی
 پر غور کیا کہ اب ہر جگہ ان دو فٹروں اور ہر جگہ کے غزالہ کے باپ کی طرف
 اٹھنا ہوا رولر اور کھڑے ہو جاؤ رولے اور جلدی کر کے گاڑی رکنے
 والی ہے۔ اس کا کھڑا آئینہ لہو آتا خوفناک تھا کہ غزالہ کا باپ کیا کائی
 ان میں ایک جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔
 ”یہی؟“ غزالہ نے اعتبار بے تباب ہو کر رولے کے سینے سے جا

لگی اور وہ اس کے سر پر ہاتھ پڑا ہوا جلدی جلدی نہیں جھٹکے لگا دیا
 کی انھیں کچھ اور زیادہ دیر ان نظر آئے تھے۔
 ”اگ بھڑکی؟“ ان میں سے ایک غزالہ، دوسرا کیا ڈنٹ کا
 دروازہ کھولنے لگا تھا گاڑی ایک جگہ سے دھچکے کے ساتھ کبھی تھی۔
 ”اور وہ غزالہ؟“ میں نے اس کا ہاتھ پکڑا ہوا ہتھکے سے اپنی
 طرف گھسیٹ لیا۔
 ”خدا حافظ! یہی! بھڑکی؟“ وار کیا رہی تھی۔
 ان دونوں نے لڑوٹے کو اپنے درمیان میں لے لیا اور اسے اس
 طرح کیا ڈنٹ سے نکال دے گئے جیسے اس کو سہارا دینے ہوئے ہوں۔
 غزالہ کے شواہد اچانک رنگ گئے تھے اور وہ ہوشی ہو گئی تھی
 انھوں سے کیا ڈنٹ کے دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے اس
 کا گال چھینکے ہوئے کہا۔
 ”غزالہ! اچھا! وقت میری جان! اب ٹھیک ہو جائے گا چلو چلو
 سے پانا سامان سمیٹ لو۔ لیکن جہ کوئی مسافر اس کیا ڈنٹ میں آیا ہی
 چاہتا ہو۔“
 میں غزالہ یہ کام کرنے کی بجائے وہم سے روتھ رہی تھی کی لوالہ کی
 سائیں لینے لگی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے ہاتھ پر سڑن میں جان ہی
 نہ ہو گئی ہو۔ اس کی جسمانی خشکی میری توجہ جاتی تھی لیکن وقت کا تقاضا
 یہ تھا کہ اس سامان کی طرف توجہ دیں کیونکہ گاڑی کہاں پانچ منٹ سے یا
 نہیں رکتی۔
 میں نے کھڑکی کے کمانے سے گزرتے ہوئے ایک قلعہ کا نشانہ
 سے لایا اور اس سے سامان اٹھانے کے لئے کیا بچہ خود ہی میں غزالہ کو
 سنبھالنے لگی جس کے ہاتھ پر شہرے پڑ گئے تھے میں نے اسے جلدی
 سے تھمراس کھول کر پانی پلایا تو اس کے نفس کی رفتار میں کچھ توازن
 پیدا ہو۔
 سامان زیادہ نہیں تھا۔ ایک ہی قلعہ کی سب کچھ سنبھال لیا۔
 اس کے پیچھے پیچھے میں بھی غزالہ کو سہارا دینے ہوئے کیا ڈنٹ سے نکلی۔
 تین منٹ کا وہ فٹروں گزرا تھا جس کی نالیوں دونوں بدلتوں نے
 کی تھی۔
 ”خود کو سنبھالو غزالہ! میں میر لول۔“
 ”یہی؟“ غزالہ نے سسکی لی۔
 ”وہ بجزت ہوں گے۔ مجھے یقین ہے، اگر وہ لوگ قتل و غارتگری
 کے کوڑوں میں ہوتے تو ہم نہیں کو اس کیا ڈنٹ میں بھی ختم کیا جا سکتا تھا۔
 میں نے عرض کر کے ہوئے کہا۔ ”جب ایسا نہیں ہوا تو پھر میں یقین
 کر لیا جائے کہ تمہارے قیدی ابٹیشن کے باہر کس قریب ہی کھڑے
 ہوئے مل جائیں گے۔“

50

1. $\frac{1}{2} \times \frac{1}{2} = \frac{1}{4}$

: پروردگار سے پوچھنا۔

51

چاہتی تھی کہ جان محمد کے سامنے اُن سے گفتگو نہ ہو۔
 کوئی دس بارہ میل چلنے کے بعد جان محمد نے گاڑی کو ایک
 کچے راستے پر ڈال دیا اور کچھ بیڑی زمین خالی اس لئے رکتا رہی مگر نہ
 بڑی۔ اب ہمارے ذہن میں، ہر سہرے کھیتوں کے لئے
 پھیلے ہوئے تھے۔
 میں اپنے ہونٹوں پر بھی کسی سکرپٹ لئے اُن دروں بذاتوں
 کی طرف دیکھتی رہی۔ ان کے جسموں پر بہترین سوٹ تھے اور سچے ہر
 سے بھی وہ سیرسے درجے کے غنڈے نہیں معلوم ہوتے تھے۔ مجھے
 خیال آیا کہ شاید وہ انگریزی بھی جانتے ہوں گے۔ اپنے اس خیال کی
 تصدیق کے لئے میں نے ان سے انگریزی میں پوچھا کہ ان کے نام کیا
 ہیں۔ وہ میرا سوال سمجھ گئے اور انھوں نے اپنے نام بتائے۔ ایک کا
 نام خان جاوید تھا اور دوسرے کا جیدر تھا۔ لیکن یہ بھی ممکن تھا کہ
 انھوں نے غلط نام بتائے ہوں۔

کو سارا دے کرے چلو۔ پھر میں نے اُن دونوں کو گاڑی
 کا حکم دیا۔
 اس مکان میں چار کمرے تھے جن میں سے ایک
 سامان نہیں تھا۔ میں نے اسی کمرے میں ان دونوں کو دیا
 مگر کر کے کھڑا ہونے کا حکم دیا۔ پھر جان محمد سے کہا کہ وہ منہ
 کے باپ کو دوسرے کمرے میں بیٹھائے۔ وہ ان دونوں کو
 گیا تو میں ان دونوں دفاتر کے قریب کئی جواب میز
 کھڑے تھے۔ میں نے ان کی تلاش کی اور ان کی جیبوں سے
 نکال لئے اس کے بعد بھی میں نے تلاش جاری رکھی تھی
 آگے میں نے اُس سے ایک دسویں کی فرمائش کی اور وہ
 باہر دوڑ گیا۔ میں اُن دونوں کے قریب سے، پیچھے،
 صاحب تم دونوں پھر میری طرف رخ کر سکتے ہو۔
 وہ دونوں میری طرف مڑے اور جان جاوید
 سب کچھ نہیں جانتا بھی پڑھتا ہے۔
 ”زادہ تر کر کے کی ضرورت نہیں ہے۔“ میں نے
 اپنے میں کہا۔ ”وہ میں پہلی ترین چیزیں خریدنے کی
 ہوں۔ کیا تم لوگوں کو ماضی میں اس کا تجربہ نہیں ہو چکا
 ہے؟“ میں نے تم کو ڈھیلے سے دی تھی ورنہ یہ بھی نہ
 کے مکان میں مقیم تھے مگر دیا جاتا۔
 میں اسے جواب نہیں دیتے پانی تھی کہ جان محمد
 آگیا۔
 ”ٹھیک ہے۔“ میں نے دستی کی مضبوطی کا اندازہ
 ظاہر کیا اور پھر لوٹی اب اس سٹان دونوں کے ہاتھ
 جان محمد دستی بٹھالے ان دونوں کی طرف لپکا۔
 ”سامنے سے نہیں۔“ میں نے اسے لٹکا۔
 لیکن اس وقت میں وہ اُن کے قریب پہنچ چکا۔
 ہوا جس کا کھنکھرتا تھا جیدر ٹھٹھے اس کی گون دہری
 ایک جھٹکے اس کا رخ میری طرف کرتے ہوئے آئے
 ٹھٹھے میں جبکہ اکاب دل بھی نہیں سمجھتا تھا۔ اگر میں نا
 گولی جیدر ٹھٹھے کی بجائے جان محمد کے سینے میں پورست۔
 ”اگر تم میرے قریب آنے کی کوشش کی تو میں
 گھونٹ دوں گا۔“ جیدر ٹھٹھے اس کی طرح چپکنا۔
 خان جاوید میرے بالوں کی نڈم تھا لیکن اگر میں
 تو جیدر ٹھٹھے اس کا خاتمہ جان محمدی سے کیا۔
 خان محمد نے گدی گدی کا بالوں کو شروع کر دی تھی
 مشکل ہو گیا تھا کہ اس نے میری وجود بھی نظر انداز کر دی تھی اور
 کاٹھن ہر پائے ہوئے تھا کہ ایک بالوں مڑے بھی کاٹوں

لے تھے اپنی تھوڑے سے نکل کر بھاگ جائے
 ایک لمبے کے میں نے تندی میں پڑی کہ کیا کروں لیکن فیصل
 لوہی دھرا لٹھیں گزرنے پایا۔ میں نے ان دونوں کے ریلواری
 ہی اپنا ریلواری راہروالے کمرے میں جھپٹ کر دوڑا ہند کر
 ماس طرح دونوں ہاتھ اٹھا کر کھڑی ہو گئی جیسے اعلان سپائی
 ا۔
 خان جاوید پھرتی سے میری طرف لپکا۔ جب تک وہ میرے
 ن آگیا۔ میں اس طرح کھڑی رہی جیسے کوئی تفرق نہیں کرنا
 ان کے ذہن میں جیسے یہ وہ نزدیک آ، میں گویا جھپٹ لگا کر اس کی
 ناک میں اور میرے، نے لاگ جب کہ ایک ایسا مظاہر ہو گیا
 شاید وہ مجھ سے بالکل تفرق نہیں کر سکتے تھے چشم زدن میں
 آگیا۔ کوئی نہ جانتی ہے، اسی طرح میں بھی اڑتی ہوئی جیدر ٹھٹھے
 پہلے میں پہنچی تھی میں نے کھڑا ہاتھ اس کے شلے پر مارا تو
 میں لکڑی کی حرکت و صلی پڑی اور جان محمد نے ایک معمولی
 طالعے کو رخ کر دیا۔
 خان جاوید وہ بارہ میری طرف چھٹے کی بجائے دروازے کی طرف
 اب وہ ان دونوں پر تباہی پڑنا چاہتا تھا جو میں نے دوسرے
 میں چھپ گئے لیکن میں نے اس کی یہ زبردستی نہیں ہونے دی۔
 نہ تندی میرے کمرے کے قریب پہنچ گئی وہ کھڑی کی طرف ہاتھ لگا چکا
 میں نے اس کی ٹانگ پر کھڑکھٹائی۔ وہ اندر سے مڑ کر گزرا تو
 میں اس کی ٹانگ پر پیچھی۔ میری اڑتوں کی ضرب اس کی ریلواری
 کی تھی اس کے منہ سے جھجھک نکلی۔
 ہاتھ محمد نے جیدر ٹھٹھے کی ٹانگی کرنا چاہی تھی لیکن جیدر ٹھٹھے
 اڑتوں سے پٹا ہر ایک کے کس کی بات نہیں ہوتی۔ وہ بیچارہ خود
 ہاتھ لگا چکا۔ جیدر ٹھٹھے نے اسے ٹھٹھوں پر دھک لیا تھا۔
 میں خان جاوید کو ٹانگ سے کیڑ کر گھسیٹتی ہوئی دروازے
 سے نکالنا ہی اور پھر جان محمد کو پھیلنے کے لئے خان جاوید پر
 کی خان جاوید نے شاید بھی جان محمد کی طرح ترنوں اور کھڑ
 نا ہا ہے تھے لیکن ایک جھپٹنے میں اس کی خوش بھی دھج ہو
 اڑتوں میں ہوا نظر آیا میں نے اسے پہلے تو ٹانگ سے دھک
 اب اس کے سر اتریں پر پھڑکوں کی بارش کر دی لپکا ہر
 کہ میں اس کے چہرے پر ایسے اثرات دیکھے جیسے اس نے میرے
 گھاس کے ملے کو دیکھا تھا۔ اس کے ہونٹ ہلے مگر اس
 لٹھ سے پہلے ہی میرے ذہن سے اس کے ذہن کا بیانیہ دنیا
 کی تہا دھک پھڑک کر اڑا دیا۔ میں اپنی موت سے
 جان جاوید میرے قریب پہنچ چکا تھا میرے کھڑا ہاتھ اس کے ہاتھ
 اس طرح پہنچ چکا جیسے اس کے ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی
 کی میرے ہاتھ نے بھی حرکت کی اور اس کی کمر پر پڑا۔

اس ضرب نے خان جاوید کے کمرے کے بل نکال دیئے اور وہ حشر
 پڑھ کر بھاگ گیا۔
 جان محمد فریق دھک کر جیدر ٹھٹھے پر بل پڑا تھا۔ اس نے جیدر ٹھٹھے
 سے پڑا پھر نور قحط کیا اور ان کے اسے روک نہ سکی تھی جیدر ٹھٹھے
 چہرے کو اس قابل بنا دیا کہ اسے تو تھرا لگا جاسکے۔
 ”بس کافی ہے جان محمد،“ میں اس کا کٹنا تھکتی ہوئی بولی۔
 ویسے ماسا کافی ہے مجھے کچھ زیادہ ہو گیا تھا۔ خان جاوید اور
 جیدر ٹھٹھے دونوں خاموش ہو گئے تھے۔
 جان محمد کھڑا ہوا اپنا بار، پھل پھوٹ پھوٹ جانے کی، جب
 سے اس کو بار بار تھکا پڑا تھا۔
 ”ہماریے اڑان دونوں کے پاس سے نہیں نکلے جان محمد،“ میں
 نے غرور تھوڑی پیچھی کہا۔
 ”نہیں نکلے،“ وہ جواب کر بولا۔
 میں نے یار سٹان انداز میں اپنے سر کو رفع جنبش دی اور پھر کہا۔
 ”شاہد انمول نہ وہ اپنی کار میں چھپائے ہوں گے۔“
 ”یہی ہو سکتا ہے تو پھر حائل داس؟“ کاٹھن وہیں کھڑی ہو گئی۔
 ”جیسا کہ پڑے گا لیکن اس سے پہلے ان دونوں کو باہر دیا
 جائے۔ انھیں بھاگ نکلنے کا موقع نہیں ملنا چاہیے۔“
 جان محمد نے جوش انداز میں مجھے قحط کیا اور پھر میں اس کی
 ہڈ سے ان دونوں کو باہر دھجے میں نے ان کے کھڑکھٹا ہوا کر
 کھڑا بھی پھوٹا کہ میری عدم موجودگی میں وہ ایک لفظ بھی نہ بولی سکیں
 جب مجھے اچھی طرح اطمینان ہو گیا تو میں نے کمرے سے باہر نکل کر جان محمد
 سے کہا۔ ”دروازے میں اتنا ڈال دو،“ اسے یہ بہت کمرے کے کھڑ
 میں اس کمرے میں جی جان غرا اور اس کا کٹنا باپ سرگرمیوں میں
 باتیں کر رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی غرا بولی پڑی۔
 ”آؤ اب کیا کرنا چاہتی ہیں بالوں صاحبہ؟“
 ”سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم پریشان نہ ہو،“ میں نے
 اس کا کٹنا تھکتے ہوئے بڑے پیار سے کہا۔
 ”لاہور میں جانی جان کاٹھن نے پریشان ہوئے ہوں گے۔“
 ”میری خاطر غرور بڑھ دو گھنٹے بھی نہیں لوگ سکتے ہیں وعدہ
 کرتی ہوں کہ دو گھنٹے اندر نہ گاؤں اور بیچا دوں گی۔“
 ”لیکن...“
 ”بس۔“ میں نے غری محبت سے اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھی۔
 ”اب کوئی سوال نہیں۔ تم میرے ریلواری انتظار کرو۔ بس یوں خامی اڑیوں
 آئی۔“ میں نے آخری خورہ دوسرے چکی بجا کر کہا۔
 غرا الے بسی سے میری طرف دیکھتی نہ گئی۔
 جان محمد کمرے میں داخل ہوا بولا۔ ”میں نے وہاں مارا
 دیا ہے میرے صاحب!... اور جان محمد کی کھجما بھی دیا ہے۔“

”جب غم دونوں انگریزی جانتے ہوں تو پھر ہم لوگ انگریزی ہی
 میں گفتگو کریں گے۔ کیوں اٹھیک ہے؟“
 ”تم میں اس طرح کیوں لے جا رہی ہو؟ مقصد کیا ہے؟“ جیدر
 انگریزی ہی میں بولا۔
 ”مقصد بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ آخر گھر ارٹ کیا ہے؟“
 پھر اُن دونوں نے کوئی سوال نہیں کیا اور وہ ڈھائی میل
 چلنے کے بعد گاڑی ایک مکان کے سامنے رُک گئی۔ یہ مکان اونچے اونچے
 درختوں کے چھٹوں میں کھل رہا تھا۔ دروازے پر وہیل اور ایک ٹھٹھے
 بندھی ہوئی تھی۔ کچھ دریاگ کھوٹا چڑھا تھا۔ جب گاڑی وہاں جا
 کر کھڑی ہوئی گاڑی کا دروازہ کھلا اور چالیس، پالیس سال کا ایک کسان
 پگڑا ہاندے ہوئے باہر نکلا۔
 ”یہی میرا جانی ہے یہ صاحب،“ جان محمد نے انھن منہ کرتے ہوئے
 کہا۔ آپ ایک منٹ دیکھیں، میں ابھی آیا۔“ وہ گاڑی سے اتر کر تیزی
 سے اپنے جانی کی طرف گیا جو ہم لوگوں کو دیکھ کر کھجما کھجما سا نظر
 آنے لگا تھا۔
 ”میں اسی مکان کو تھا اور میں نے اندوں گی۔“ میں نے ان دونوں
 کو گھونٹے ہوئے کہا کہ انھیں جگہ پسند نہ ہو تو پھر اس سے محبت
 کی واحد صورت یہی ہوگی کہ میرے سوال کا ٹھیک ٹھیک جواب دو۔
 ”میں اب تک یہ نہیں معلوم کر سکتی کہ یہ معلوم کیا کرنا چاہی ہوگا؟“
 ”ابھی معلوم ہو جائے گا۔“ میں نے کھٹکیوں سے جان محمد کی
 طرف دیکھا جو بڑی تیزی سے قریب آ رہا تھا۔
 ”آئیے ہم صاحب، اتار لیجئے ان سوالوں کو۔ میں نے جانی ہی
 سے ساری بات کر لی ہے۔ انھیں سمجھا دیا ہے۔“
 غرا نے اسے اس موقع پر پھر کوئی اندیشہ یا گھر ارٹ ظاہر نہ کیا چاہی
 تھی لیکن میں نے اسے ہاتھ دیا کہ انھیں کھڑا کر دیا اور بولی دھج اپنے باپ

میں اس کے ساتھ مکان سے نکلی اور ایک میٹھ کھیل دی۔
کار کے ساتھ ساتھ جاں ہمگی زبان نے بھی جان شروع کر دیا تھا۔
اس کی خواہش تھی کہ ان دونوں کی خوب چٹکائی کر کے کے بعد انھیں
پولیس کے حوالے بھی کر دیا جائے تاکہ کوئی مفسد بااثر نہ رہے۔
میں اس کی باتوں کے جواب میں بس "ہوں ہاں" کہتی رہی۔

جب ہماری کارشعبہ برپائی تو میں نے یہ دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا کہ ان دونوں کی فافٹ بدستور ایک طرف کھڑی ہوئی تھی اور اس کے قریب کوئی دکھائی بھی نہیں دے رہا تھا۔ غالباً اس دوران میں پولیس کی ترقی پر پول کا دادرہ سے نہیں گزری تھی ورنہ ایک خالی کاکو دوڑاں کھڑا دیکھ کر وہ لوگ ضرور کہتے۔

”جان محمد! میں بولی، دوسرا خیال ہے کہ کڑا کی تلاشی لینے کے لیے یہ جگہ مناسب نہیں ہے۔ لوگ نہ جانے کیا سوچ رہے ہیں۔“

”کوئی شخص، جہاں محمد نے اپنی بند کمرے ہوئے پوچھا۔
 ”اوس کار کبھی تمہارے بھائی کے کھلے جیتے ہیں۔ وہاں یہ
 دیکھنے والا کوئی نہ ہو گا کہ تم کسی کی کار کی تلاشی سے رہے ہیں۔“
 ”مکن اسے چلائے گا کون ..؟ اسے ہاں۔۔۔ آپ کو فوجی
 ہیں۔ آپ کو تو چلائی آئی ہو گی!“

میں مسکرا کر اس کی کار سے اُتری اور پھر فاطمہ کی طرف بڑھی۔ اس وقت جب میں فاطمہ کا دروازہ کھول رہی تھی ایک کار نے بڑیک ٹھکڑے اور فاطمہ کے قریب ہی راک ٹھی۔ دو ہیلوں نے باؤا ئیہ آواز سننے ہی میں نے سر کھٹکا اور اس آواز کی طرف دیکھا۔

ڈراما ٹنگ سیٹ پر مجھے اوسط عمر کرکٹ قدوں کی مکمل نظر آئی وہ اس وقت اپنی مکمل دھڑکی بیٹوس تھا۔ اسے دیکھ کر میں ایک لمحے کے لئے تو قہقہے لگئی لیکن پھر ڈراما میں نے سنبھال لے لیا اور مسکراتی ہوئی اس کا رکھ طرف چلی۔ ”یہ بیلو کرنا!“

کرکٹ قدوں سے میرے کسی تعلقات تھے اور اس سے ملاقات ہونے غالباً سال بھر تو بچا تھا۔ اگرچہ اس سے اس کی شناسائی ہو گئی تھی۔

”آپ یہاں کیسے؟“ وہ کار سے اتر کر مجھ سے مصافحہ کرتا ہوا ہلکا۔
 ”کوئی نوازہ جا رہی ہوں۔“
 ”کیکن اس کی ٹھوڑی کا رخ تو ہمو کی طرف ہے۔“
 ”مجھے اس کی شکل نظر نہ آتی تھی اس لئے مڑ کر آنا پڑا۔“ میں
 نے جان محمد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ”یہ میرے ایک واقف کا
 کاڈر انڈر ہے۔ میں ان صاحب کو ایک پتہ ایپنچا گیا تھی اس
 لئے۔۔۔۔۔“

”لا حول و لا قوۃ الا باللہ العزیز العلیم“
 ”مزارعہ حاضرین کی اوجھاد اجازت دیجئے“ ایں سے پہلے
 کے لئے اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔
 کرنل تھوڑے جیسے سے معاذ کر کے اپنی کار میں بیٹھ گیا اور
 حرکت میں آگئی۔ اس مذبحہ پر پیر میں بہت خوش تھی۔ جان محمد
 مجھے ایک فوجی افسر سے تھیں کہ سہنے دیکھ لیا تھا لہذا اب
 میری طرف سے کئی اطمینان حاصل رہتا ہے۔ اب کسی بھی افسر
 دل میں شکوک و شبہات جہنم نہیں لے سکتے تھے۔
 فیات کی ڈیوٹی ٹونگ سیدٹ پر بیٹھ کر میں سے
 پرغور ڈالی جا رہی تھی۔ مگر پرغور تھی۔ میں نے انجمن اساتذہ کر کے
 کو پہنکا اساتذہ کیا۔ اس نے نواری کی گاڑی موٹولی۔
 میں اس کے تھے حمل بڑی۔

لاہور سے دور ہو کر مجھے وہاں تین گھنٹے گزارنے پڑے
 میں کہہ سکتی کہ اس دوران میں فرخ پر کی گزشتہ ہوگی۔ اب
 ادھر میری طرف سے بات چیت ہو گئی تھی تو اس بات کی تہہ
 امید پیدا ہوئی تھی کہ شاید میں ان سے فرخ کے بارے میں کچھ
 کر سکوں۔ اگر وہ ہاتھ نہ لگے تو مجھے لاہور پہنچ کر ہانڈی سے کب
 فونال ہائیڈرین ملے۔

میں غائب ہوا تو کہتی ہوئی جان محمد کی کار کے پیچ
اس کے بجائے گھر پہنچ گئی۔ جان محمد نے وہاں پہنچتے ہی غم
کی بوجھار کر دی۔ وہ اسی فوجی امر کے ہاسے میں بوجھ رہا
”وہ ایک اتفاقیہ ملاقات تھی جان محمد! میں

”کیا وہ آپ سے بڑا افسر تھا؟“
 ”نہیں، بس راجہ کا سمجھ لڑا!“
 جب میں نے مکان کے دروازے کی طرف قدم
 تو جہان محمد خٹک کے کمرے پر آئے۔ وہ کڑا نہیں سمجھے گا؟
 ”میں یہاں آتے ہوئے راستے میں کاسٹیٹوٹوٹی ہوئی
 ہمارے میں بھی نہیں ہیں۔“

دو پھر کہاں گئے؟ "جان محمد نے حیرت سے پوچھا۔
 "راجہ دو دنوں سے مسلح کرنا پڑے گا۔"
 "دو مہینے تو ان کی بوٹیاں اٹھا دوں گا، اگر انہوں نے"
 "وہ نہیں جان محمد، تم اس معاملے میں نہ بولو۔ یہ
 فٹ لڑائی ہے۔ اگر تم اس معاملے میں متداخل ہو اور بعد
 میں گھبرا کر توبہ کر لے پڑو، تو یہ اتنی جلدی
 ساتھ اس لیے، جبکہ بھروسے کے بغیر، یہ فیصلہ کرنا
 اور کیوں پڑا ہے؟ جس جو اس کے دردناک ہے پھر کبھی

”وہ میری بیٹی سے ملنے کے لیے صبراً صبراً آ رہا ہے۔“
 ”اور وہ میری اس کی پہلی آمد ہے۔ دو سبھی بھی صبرا
 لے دو ایک دن کے لئے یہاں آ جاتی ہے۔“
 ”لیکن اس وقت یہ دونوں کہاں تھیں؟ میں نے آہستہ
 آہستہ ان کو نکال دیا تھا۔“

میں ہنسنا آہستہ مکان کی طرف قدم بڑھانے لگی جان غمیر سے
میں ہاتھ دھوئی لڑکیاں بھی ہماری طرف دیکھ رہی تھیں۔ ان میں
بیک توہستہ کی معمولی شکل و صورت کی لڑکی تھی لیکن دوسری کی
لٹا ہوئی، جوانی نے مجھے جھبر بھی سی لینے پر مجبور کر دیا۔ دوسرے
دل والا سرخ لٹا چاٹا ہے۔ ہر نے تھی اور سبز رنگ کی قمیض ہے
ان کو بھی چٹائی پڑی تھی۔

یہ بریدہ ہے، جان محمد نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے
اور یہ میری بھتیجی صغرا ہے۔ اسے میرے بھائی نے ہی پالا ہے
اس کی ماں کچھ دن پہلے فوت ہوئی تھی۔“

میں نے اسے پیار سے ان دونوں کے کمال چیتھیلے میں لپیٹ لیا۔ چیتھیلے جو میرا دل زنجیر باد و ابلانہ زہریا جانیے تھا۔ وہاں میں داخل ہونے کے بعد میں نے سرگرمی کرنے والے انداز نہ محنت سے پوچھا کیا تھا۔ میں نے دیکھا ان دونوں لڑکیوں کو وہ لوگوں کے ہاے میں بتا دیا جو کچھ

ہمیں ابھی پوچھ کر بیٹے دیتا ہوں۔“
 میں ان دونوں کے پاس جا رہی ہوں۔ اس بات کا خیال رکھنا
 لو کہیں اس کمرے کے دروازے پر نہ آئیں۔“
 ان کا جواب تھا: ”نہ کمرے“۔

مہربان محمد سے اس کمرے کی چابی لے لی اور جب میں
وہیں پہنچی تو میں نے دیکھا کہ وہ دونوں مہوش میں آجائے
تھیں۔ کمرہ بند کرنے کی وجہ سے کچھ لوگ ان کے لئے چھن
اٹھنے لگے۔ بڑے غصے اور نفرت سے میری طرف دیکھا میں
پہلے پہلے خان جاوید کے کمرے میں سے کچرا نکالا اور پھر
وہیں اس قابل کر دیا کہ وہ بولی سکے۔

۲۱ ہوئے انگریزی میں کہا۔

اس اس کی گرد بھی نہیں پاس کوئی خان جاوید فرمایا۔
 معلوم ہوتا ہے کہ کراچی کے نواح کی گرد و جھڑا چلا ہے ہو گیا
 اسی سے اہل کراچی تباہ کاری کی جھول گئے۔۔۔ میرے اچھوت
 اچھوت سنہ میں کیکن بھی میں جا چاہتی ہوں، انھیں نرلا
 ملتا ہے۔
 میں نے اپنے کچھ نہیں معلوم ہے حیدر پٹ نے اپنے

”لیکن اس کا نام جانتے ہو! میں بڑے تلخ لہجے میں بولی۔
 ”سہیں بس اتنا معلوم ہے کہ اسے کراچی سے فوجا کر کے لاہور لایا
 گیا ہے۔ لاہور سے اسے کہاں لے جایا جائے گا؟ لاہور میں کہاں رکھا
 جائے گا؟ اس کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے۔“ خان جاوید
 نے کہا۔

”تمہارا پہرہ تو تمہارے جھوٹ کی جھلک دکھا رہا ہے خان جاوید! اگر تم دونوں نے حقیقت نہیں سہی تو میں جانیوںے تمہارے سہول کی جھلک چھوٹی بڑیاں لگ کر تانوسر کھڑوں گی میرا بعل اس حد تک جاری رہے گا جب تک تم فرخ کے ہاتھ میں نہیں سناؤ گے اگر تم لوگ واقعی فرخ کے اسے میں کبھی سننے تو مجھے انوسر سے کراہی غلامی کی جگہ سے تمہارا لگا کر شرف کا ڈالوں گا اس کسے میں شرف ڈالوں گے دو دھانے مڑے راعاں مڑے“

”تم... تم... ایسا نہیں کر سکتیں۔“ حیدر بڑ کی آنکھوں سے خون جھانکنے لگا۔

”مجھے کون روک سکتا ہے؟“ میں نے سر جھکے میں کہا اور سرس
کھول کر اس میں سے قلم تراش جاتا تو نکال لیا۔ ”ہے تو یہ بہت چھوٹا سا لیکن
تسلیزیر ہے کہ بوٹیاں بڑی صفائی سے آتے گئے۔“

حیدر بٹ کی آنکھوں سے جھانکا ہوا خوف مراد کر گیا لیکن
خان حیدر کا چہرہ بالکل سیاہ رہا۔ اسے اپنے اعضاء پر غماخہ ہوا مل
گھا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ حیدر بٹ زیادہ بہتر شکار ثابت ہو گا۔
”یہ عمل شروع کرنے سے پہلے میں تمھارے منہ میں کچھ ضرور
طرشوں کی گاتھ کر دوں کی طرح نہ چلا آئو“
”نہیں! وہ مجھ پر۔“

دوسرے ایک محرمیے نے لے لیا تھا کچھ اس کے گال پر ڈاڑھ
 ں بڑے متکا ادا میں عزتی: ”اگر تم نے باجی سے شور مچانا شروع کیا تو
 ں حاکم تمہاری گردن کی سی اتار دیں گا۔“

حیدر بٹ کا چہرہ بغیر پڑا تھا گیدہ میری توقع سے زیادہ لودا
بابت بڑا تھا اور بات میرے حق میں بہتر تھی۔ ویسے اگر وہ لڑائی میں
مصرعہ کہے گا تو مجھے تو بھی ان سے حقیقت انکار کر دینا پڑے گا لیکن اب کام
میں کی آسان نظر کرنے کا تھا جیسے ہی میں نے زمین میں ٹھونسنے کے لیے
پڑا تھا، حیدر بٹ کا منہ بھی کھولی آواز میں بولا۔

”ہیں... ہیں... ہیں... جو کچھ جانتا ہوں، وہ بتا دوں گا“
 ”حیرت! خان جاوید کے کنبے میں تبصرہ کرتا۔“
 دوسرے کی لمبے، لمبے ناس کے بہڑوں میں اس کا تذکرہ کرنا اور
 ن کے ذہنت، بہڑوں میں گڑھجے، خون کی ایک کیراس کی پانچویں بہڑ پر۔
 ”اب اگر کہتے...“ خان جاوید نے تبدیلی سے کچھ کرنا چاہا تھا

56

جی رہیں۔ گاڑی تیز رفتاری سے فاصلہ طے کر رہی تھی۔

میں نے اس کا گال تھپکتے ہوئے بڑے پیار سے کہا میں

رضوان صاحب نے چونکہ کنگڑاڑی کی طرت نظریں اٹھائیں اور پھر مجھے

دیکھ کر اس کا منہ حیرت سے ٹھل گیا۔ رکشہ ڈرامہ اور مزاحیہ ڈانڈوں کو کچھ کاٹھیک
 رضوان نے اس کی مزاح کیے بغیر رکشہ سے جسبت لگا دی۔ چپک چپکے ہیں وہ
 بھوکا دوڑا ہوا کھول چکا تھا جلدی سے اندر دیکھ کر اس نے دھڑاکن سے
 دروازہ بند کر لیا اور بولا۔
 ”نیزری سے میری ہنگامی کی جلیجی تم نے دوسرے ایک نئی کار کو گزرتے
 دیکھا ہوگا، میں اسے پکڑا ہے۔“
 میں نے گاڑی کی حرکت میں لاکھ فٹ میں بڑی تیزی سے اسٹارٹ کیا۔
 رضوان نے مجھے میرے پاس کی کچھ نہیں دیکھا تھا اور اس سے یہ بات
 ظاہر ہوتی تھی کہ وہ اس وقت کسی بہت ہی اچھی ہوئی سموت حال سے
 دوچار ہے۔ اسے کسی کی کار کی تلاش تھی اور وہ تلاش اتنی اہم تھی کہ اس
 نے میرے پاس میں تمام سوالات کو پس پشت ڈال دیا تھا۔
 ”وہ کار کبھی اس کی سب سے اچھی تھی جس سے میں نکلتا تھا“ رضوان نے
 مضطرب انداز میں ہاتھ پٹے ہوئے کہا۔
 ”میں یہ نہیں دیکھ سکتی کہ تم کس کی سے نکلے تھے لیکن یہ تو بتا دو کہ معاملہ
 کیا ہے۔ وہ یہاں کی کار۔“
 ”اس میں فرق کو لے جایا جا رہا ہے۔“ رضوان نے میری بات
 کاٹتے ہوئے کہا۔
 اس سبیلے نے میرے جسم میں مستانہٹ پھیلا دی اور ایک سیلٹ پر
 میرے پاؤں کا دباؤ ڈال دیا۔
 ”وہ ایسے کہاں ہو جائے ہیں؟“ میں نے تیزی سے پوچھا۔
 ”یہ مجھے نہیں معلوم،“ رضوان نے میرے پسپو بدل رہا تھا۔
 میں نے گاڑی کو بہت زیادہ تیزی سے دوڑا دیا تھا لیکن وہ کبھی
 دکھائی نہیں دی۔ ظاہر ہے کہ اس کا اس سرگرمیہ پر سیدھا چلنا ضروری نہیں
 تھا۔ وہ کسی طرف بھی مڑ سکتی تھی۔
 ”سیرکار ہے؟“ رضوان نے بڑے بالوں لیجے میں کہا۔ اس کی رفتار
 اتنی تیز نہیں تھی جتنی اس جلدی غائب ہو جاتی تھی۔
 ”وہ کسی طرف مڑ سکتی ہوگی؟“
 ”ایسا ہی معلوم ہوتا ہے،“ رضوان نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔
 اور کسی سوچ میں ڈوب گیا۔
 ادھر میں بھی متفکر ہوئی تھی کیونکہ رضوان اس نئی کار کے ساتھ فرق
 کا حوالہ دے چکا تھا۔ گویا فرق میری دسترس میں آتے آتے ایک اندر بھر نکلا
 سے داخل ہوئی تھی۔
 مزید کچھ بڑی ٹیوٹھ کھینکے کے بعد میں نے گاڑی کی رفتار کم کر دی۔
 ”اب صبح چار بجے تک انتظار کرنا پڑے گا۔“ رضوان بڑبڑایا۔
 ”کیا مطلب؟“
 ”دیکھیں! اطمینان سے بیٹھ کر کھینک کر رہیں۔“
 ”تو کسی ہوئی میں چلتے ہیں۔ مجھے دوپہر کا کھانا اب تک نصیب نہیں
 ہوا ہے۔“

”یہاں تو عالم یہ ہے کہ رات سے اب تک ایک کھیل ہی
 میں نہیں گئی۔“
 ”آخر تم غائب کہاں ہو گئے تھے؟ میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ
 لوگوں نے تمہاری گزرتی رست ڈالی۔“
 ”وہ یقیناً کیا کرتے کریں ہو شیڈر ہو گیا ہوتا۔“
 ”وہ کیسے ہے؟“
 ”میں فرق کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن اس
 ہی ان لوگوں کی نظروں میں مجھ پر پڑی تھیں۔ فرق بھٹکتے ہی اندر اس
 کا معاملہ طاری تھا۔ غالباً وہ لوگ اسے کوئی ڈرامہ دوڑا سسل لگاتے
 ہیں۔ اسے اپنے تئیں بدل کا ہو نہیں سکتا اور نہ ہی اس کے ساتھ
 میں نے لاڈلے کے سامنے گاڑی روک دی اور رضوان کا
 دیکھ کر متعلق ہو گیا۔ ہوئی میں داخل ہو کر میرے ایک ایسی میر مقبک کہ
 اس پاس کوئی اور نہیں تھا۔ میرے کھانے کا آرڈر دینے کے بعد
 سے ہوئی۔
 ”بھچا ہوا ہے؟“
 ”وہ موت والی ایسی تھی کہ وہ لوگ مجھے ختم کر دینے کے سہم
 ہی نہیں سکتے تھے۔ انھیں ہر قیمت پر فرق کو لاہور پہنچانا تھا۔ اس
 طور پر فیصلہ کیا کہ مجھے فوراً ڈیوٹیشن ہونا چاہیے۔ یہاں میں ڈیوٹیشن
 نہیں تھا لیکن اس نے اس کی تہذیب سوچ لی۔ میں چاروں طرف نظر ڈالیں
 ڈیوٹیشن میں تھی۔ کوئی کوئی نہیں تھا۔ میں نے ڈیوٹیشن سے ڈیوٹیشن
 سونگے تھے۔ میں بھی اتنی میں شامل ہو گیا اور چاروں طرف لایا۔ لاہور کا
 نے اسی طرح لے کر ہونے لگا۔ لاہور ہاں، لاہور کرنے سے پہلے میں
 کام نہیں ہوتا تھا۔ میں نے ایک ایسی شے سے اپنے ایک دوست کو
 تھا۔ ذہنی یہاں لاہور میں میرے اخبار کا نمبر ہے۔ ہم لوگ ہم
 کے سلسلے میں ایک دوسرے کو جھینگہ مچتے ہیں وہ کو ڈور ڈور میں
 ہیں۔ میں نے جوئے شیلیک دیا، اس میں بھی کو ڈور ڈور استعمال کیے
 میں نے ان تینوں کے علاوہ فرق کا طریقہ شیلیک رام میں لکھنا تھا
 سے درخواست کی تھی کہ وہ اسٹیشن پر کار کا کھانا کھانے کے دوران
 کے چاروں افراد کی خدمت نگران کرے۔“
 دیر پاٹنے کے لیے آتا تو رضوان کو ایک اندر بھر خاموش ہوا
 ”کھانا چاروں جلدی لانا دیر؟“ میں نے کہا۔
 ”بس پانچ منٹ گئیں گے بیڈم؟“ وہ بڑے قہر سے
 اس کے جانے کے بعد رضوان نے پھر بولنا شروع کیا۔
 لاہور کے اسٹیشن پر کوئی تو بھی فوری طور پر ڈیوٹیشن نہیں نکلا۔
 کوئی دس منٹ کار دے تھے۔ مجھے یہ اطمینان تھا کہ تیزی ان کے
 لگ جائے گا۔ وہ بہت جالاک ہے اور دھاتی نظریں رکھتا ہے۔
 تمہاری ٹکڑی کر رہی تھی کہ اس سے پریشان ہوئی ہو گی لیکن میرے
 اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔“

لاہور اور لاہور کے درمیان میں میٹھا سٹروکلاوی
 رضوان کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا اس نے میری بات پر دھیان
 لایا۔ میں نے بولا۔ ”جب میں اسٹیشن پر آتا تو مجھے وہ لوگ دکھائی
 نظر آتے ہیں۔ ذہنی یہ نہیں تھا اس کی علم موجود تھی نے مجھے
 لاہور کے ان لوگوں کے پیچھے لگ گیا ہو گا کہ وہ وہاں ہوتا۔
 انھیں میں میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا اسٹیشن سے اس سیر
 کے پھر ہونا اور اس کا انتظار کرنے لگا۔ وہ کوئی آدھے گھنٹے بعد
 اس خیال کی تصدیق ہوئی کہ وہ ان لوگوں کے پیچھے لگ
 اس نے مجھے بتا کر وہ لوگ کھینک کر کے ایک مکان میں گئے ہیں؟
 ”کیا یہ سب اس مکان کا ہے؟“ میں نے اپنے پرس سے کاغذ
 اس کے سامنے رکھ دیا۔
 ”اں! رضوان نے خفا میں سر لایا یہ کیا تم بھی اسٹیشن سے
 ل کے پیچھے لگ چکی تھیں؟“
 ”میں تو ابھی بھی کوئی اور ڈال رہی تھی۔“
 ”وہ کیسے؟“ رضوان حیرت سے میری طرف دیکھنے لگا۔
 ”اے میں نے بھی اپنی جانتا تھا۔ لاہور کے لیے میری کامیابی کو
 دیکھنے سے سنا۔ جب میں خاموش ہوئی تو اس نے پھر خیال انداز
 لاہور کا یہ لوگ بہت تیز و تار ہیں۔“
 ”گزر ہونے تو فرق کی کھانسی کرتے؟“ یہ خبر چھپو ڈاس
 کر۔ بیلے آئی کامیابی منگل کر دے۔
 ”شاہد میں یہ کہ حیرت ہوئی کہ وہ مکان ایک بنی ڈی ممبر کا
 ہے۔ بالکل حیرت نہیں ہوئی کیونکہ یہ سارا معاملہ کبھی کا فانی
 ما ہے۔ جیڑی۔ ڈی ممبر اس کے اشاروں پر نجات دے رہے ہیں۔“
 ”ہاں! رضوان نے سر لایا پھر کہا میں نے اس مکان کی گولائی
 میں تھی۔ تھوڑی دیر پہلے ہاں ایک کار کو کوئی تو میں دروازے
 ہی ملا تھا اور ان کا گاڑی ہونے والی تھی کہ اس نے کوشش کر
 ڈال۔ میں مجھے ایک ٹھنڈی سانس نہیں دیا کہ وہ تھی منٹ بعد
 لگا۔ میں سنا ہی دئی۔ اس نے اندازہ ہوا کہ وہ لوگ مکان سے
 دروازے کی طرف آئے تھے۔ میں نے ایک بھاری بھر کم
 لاٹھی غالباً وہ۔ ڈی ممبر ہی ہو گا۔ اس نے کسی سے کہا تھا
 اس کوئی کوئی مکان میں واپس آنا ہے۔ اگر میں اس سے
 فٹنی کی کوشش کرتا تو کھانا کھانا اس لیے جلدی سے
 ان مارکر ڈال دیتا۔ اس کی آواز میں اس طرح جھٹکا ہے۔۔۔۔
 اداں سے میں یہ آسانی دروازے پر نظر کر سکتا تھا۔
 اہم میں کو دیکھا تو فرق کو سہارا دے مجھے باہر لائے تھے۔ وہ
 میں تھی اور کسی نشہ آور دوا کے زیر اثر تھی۔ وہ دو دن اسے
 لگا ہوا اس سے راز ہو گئے ہیں فوراً لگی سے نکلا کوئی ٹیکسی کو

کران کا تعاقب کر دیا لیکن کسی کی بجائے ایک کشتی کا کھانا بھر کر
 ہوئی اور تم وہاں پہنچ گئیں لیکن قسمت کی یہ مہربانی کسی کام نہ آ سکی۔“
 ”اے میں نے تم نے کہا تھا کہ اب صبح چار بجے تک انتظار کرنا پڑے گا۔“
 میں سوچتی ہوئی بولی۔
 ”ہاں بی۔ ڈی جیسے ان لوگوں کی یہ بات کی تھی کہ صبح چار بجے
 تک روکی کو اس لانا ہے۔“ رضوان نے جواب دیا۔
 ”مگر کھانا لے کر آنا تو ایک اندر بھر ہادی تھی کہ لے کر لے گئی تھی۔
 جب دیکھا گیا تو میں نے سانس کی ایک کوشش اٹھانے کے بعد کہا۔ آخر فرق
 کو صبح چار بجے تک کے لیے کہاں ہو گیا ہے؟“
 ”ملاقات ہوئی تو میں ان لوگوں سے یہ سوال ضرور کروں گا۔“ رضوان
 نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔
 میں نے اس کے فطریہ دھیان میں ہی یاد رکھا کہ خاموشی سے کھانا
 کھانے کی یہ ادا ان فرق ہی میں لکھا ہوا تھا۔
 ”اگر پولیس کو اس معاملے سے آگاہ کیا جائے تو؟“ کچھ دیر بعد رضوان
 بولا۔ ”کیا خیال ہے؟“
 ”اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ جب ایک بی۔ ڈی ممبر کی شخصیت
 مقابل نظر آ رہی ہے تو پھر اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اپنی وقت باڈی پر غور
 کیا جائے۔“
 ”کیا اندر مگر یہ ہے؟“ رضوان نے ٹھنڈی سانس لی۔
 ”میں اس شخص پر غور کر رہی ہوں کہ فرق کو لاہور میں لایا گیا ہے۔
 اگر عرب شہر کا ایک کھڑی، فرق کو چاہتا ہے تو اسے لاہور لائے گا۔ کیا ضرورت
 تھی؟“
 ”یہ ممکنہ واقعی قابل غور ہے۔“
 ”اور اسی لیے؟“ میں نے لگ کر کہا۔ ”ایک ایسی میرے ذہن میں
 یہ بات آئی ہے کہ عرب شہر کے ایک کھڑی کو کھانا فراہم کیا گیا ہے۔
 وہ نہیں معلوم ہوتے ہوئے ہوا ہر کیسے گئے ہیں۔“
 ”کیا مطلب ہے؟“
 ”شاہد عرب شہر کے ایک کھڑی کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔
 رضوان چند لمحے میری طرف دیکھا۔ ادا مگر ہر حال کو لاہور میں ممکن تو
 ہے۔“
 ”خیر جو کچھ ہو گا، سامنے آجائے گا۔ فی الحال میں صرف اس بات
 پر زور دیتا ہے کہ فرق کو ان لوگوں سے چھوڑ کر کراچی واپس لایا جائے۔“
 ”صبح چار بجے سے پہلے تو میرے کھانے نہیں کر سکتے۔“
 میں نے اپنی رست واپس دیکھ کر بولا۔ ”اگر میں صبح چار بجے واپس
 جاتا ہے۔ میں جان چھوڑے کہ کوئی تھی کہ رات سے پہلے لوٹ آؤں
 گی۔ ہاں یہ میری موجودگی اس لیے ضروری ہے کہ وہاں جلدی یاد
 حیدر ہو جو وہاں میں اس بار ہو کر وہاں کوئی لاہور جاتا ہے۔“
 ”ان دو دنوں کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟“

”نہ تو اب کو پہلے کی کرنا چاہیے تھا مہم صاب“

عذبات کے تاروں پر بڑی و ستارہ کی طرح چمک رہی تھی۔ وہ ایک لائق ہوئی
 دھبی تھی۔ وہ ایک لائق ہوئی۔ نغمہ تھا جو گھر کا سودہ تھیں نہ ہوتا تو مہربان کی
 وحشت سے عذبات کے تار ٹوٹ جاتے مہربان نے لکھی دھڑکنیں
 لئے کی تیز دھڑکی پر بڑی چمک رہی تھی۔ ایک طوفان پر پا
 ہوا مارا تھا اور اس طوفان میں زبیدہ کی ساقیں کھینچ رہی تھیں۔ ایک طرف چمک
 جاتی تھی۔

زبیدہ ناچتی رہی، مضمون ناچتی رہی۔ دو جوانان ناچتے رہیں زندگی
 رقص میں تھی۔ عذبات رقص میں تھے۔ آواز دے وصال کا گلاب مجھے پیچھے
 ڈال رہا تھا۔ میں آتش شوق کی گرمی سے پیسے پیسے ہوتی جا رہی تھی۔
 زبیدہ اور مضمون ناچتے ناچتے ایک دوسری سے ٹکرائیں اور پھر
 رقص بھول کر آپس میں لپٹ گئیں۔ بے خودی کے ان کو بھی آواز دے مضمون
 سے پریشان کر رہا تھا۔ وہ ایک دوسری سے لپٹی ہوئی کھیت میں گر پڑیں اور
 ان کی مٹی ایک جھٹکار کی طرح ضائع ہو گئی۔
 زبیدہ کے اٹھنا کی حرکت کا انقطاع مجھے یوں لگا جیسے منہ کی کھانسی
 ڈوب گئی ہو۔ مضمون جو ایک غیر شنیدہ ماسور تھا، وہ غم کی لہریں، سکوت
 میں غرق ہو گئی۔

زبیدہ اور مضمون ایک دوسری سے لپٹی ہوئی کھیت میں اس طرح
 ٹوٹ گئے کہ ان کے لپٹے اپنے ذرا فاصلے سے بڑی حد تک غافل ہو گئے۔
 اس شریک سے بڑی آنکھیں چند حواس کھینچ لیں۔ مجھے اپنے وجود کی گہرائی سے ایک
 شعور آواز پر کی طرف نکلتا محسوس ہوا اور میرے تیز نے شاید آخری حد
 چھوٹی۔ اس وقت میرا بالکل ہی کوئی عجیب سی صورت حال مرتب کر دیتا
 لیکن اسی وقت ایک کوکھ لڑا آواز سنائی دی۔
 عہائی کی آواز تھی۔

مضمون اور زبیدہ گھر کو اپنا اپنا سنبھال رہی تھیں، ایک طرف مضمون۔
 ”مہربان! بے!“ مضمون نے بلند آواز میں کہا اور پھر وہ زبیدہ کا ہاتھ
 پکڑ کر مجھے تیزی سے مکان کے دروازے کی طرف لے گئی۔
 مجھے یوں لگا جیسے کوئی کھنڈر سپناٹ لیا ہو۔ یہ سنائی پشیمانی
 کھڑکی کی چوٹ پر پار دی اور کچھ دیر کے لیے یونی بے سن حرکت ہو گئی۔
 میری بندھنوں میں مضمون ہٹ چکی تھی اور مضمون جیسے آگ کی پٹیلیں غائب
 کر رہا تھا۔

میں زندگی میں کبھی یوں ناگسودہ نہیں رہی جب بھی میری عذبات
 اس شدت سے چمکیں، مجھے سو گئی کا شامل ضرور ملے لیکن زبیدہ
 نے مجھے کچھ عجیب حواس پھوڑا تھا اس منہ جوار سے نکلتے نکلتے مجھے دس
 پندرہ منٹ لگ گئے ہیں اس دوران میں کھڑکی کی چوٹ سے پشیمانی
 لگنے لگی رہی اور مکان کے کسی کمرے میں جان کھڑکے عہائی کی پٹیلیں
 آوازیں گونجتی رہیں۔ وہ ان دونوں لڑکیوں پر گہرا ڈانٹا کہ وہ اکثر اوقات کو

مکان سے کھینچ کر یہاں تک لگ جاتی ہیں۔
 پندرہ منٹ بعد مکان پھر سکوت کی آغوش میں ڈوبا۔
 وقت میں نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھا دیا اور پھر دفعتاً چوٹ پر
 بات بھی تھی مجھے ایک کادک ہینڈلائیں نظر آئیں۔ انہیں دیکھ کر
 دھڑکی مٹی میں اس کا رخ اس مکان کی ایک طرف تھا۔
 میرا ذہن بڑی تیزی سے کام کرنے لگا۔ وہ کارخانہ
 ہو سکتی..... وہ کمرہ کیا تھا کہ اسے گوجر والائی میں پھونڈی
 وہ اس سے واپس لوٹا اور وہی ڈاڈ سے مکان تک کا پتہ حاصل
 کرنا۔

تو پھر کئے والا کون ہے؟
 میرے ذہن میں اس سوال کی گونج بھٹکتی رہی اور وہ
 ہینڈلائیں پر بھی رہیں۔ پھر ایک میں تیزی سے سر کو بستر کی
 جہاں میرا پس بڑا ہوا تھا۔ پرس اٹھا کر میں نے اس میں سے
 اور دوبارہ کھڑکی میں جا کھڑکی ہوئی۔
 کادک مکان کے قریب آجی تھی اور اس میں کوئی
 رہا تھا کہ وہ جان قہر کی کانٹیں تھیں۔ آئینا ابھی جان کو

ہار سے اترنے والے دونوں آدمیوں نے فر
 دریاں بہن رکھی تھیں۔ پھر ہی ہوتی جان
 ان دونوں کے نقوش صاف نظر آ گئے اور میں نے ان
 کو پہچان لیا۔ وہ رضوان صاحب تھا۔
 میں کھڑکی سے ہٹ کر تیزی سے دروازے
 بڑھی۔ مکان کے بیرونی دروازے پر پہنچنے کے لیے
 لازمی تھا جب میں نے صحن میں قدم رکھا تو جان
 میں جا رہا تھا ڈانے سو رہا تھا، جلدی سے کھڑا ہو گیا
 کیا مجھے کسی چیز کی ضرورت پڑی ہے؟
 ”نہیں نہیں، تم آرام کرو۔ میں نے کہا اور دروازے
 قریب پہنچ کر گھڑی کھولنے لگی۔

رضوان صاحب کی آمد اتنی غیر متوقع تھی کہ میرا
 طور پر ”دوا در دوا جار“ کی منزل سے نہیں گزر سکا
 جسم پر نظر آنے والی فوجی وردی مزید عجیب و غریب
 اس کے سامنے کے بارے میں، میں نے یہ قیاس کیا
 دوست زبیری ہو گا جو لاہور میں اس کے اخبار کا نا
 جب میں دروازہ کھول کر باہر نکلی تو وہ
 دروازے کے قریب پہنچ چکے تھے۔ رضوان مجھے دیکھ
 مسکرایا جیسے میری حیرت زدگی سے لطف اندوز ہو
 نے اس کی مسکراہٹ کو درخور اعتبار نہیں کرنا اور
 سے اس کے سامنے کی طرف دیکھنے لگی۔

اوست ہیں، زبیری! رضوان جلدی سے بولا۔
 لاہور میں انگریزی میں گفتگو کریں، میں نے کہا۔
 لی میراں ہماری گفتگو سننے کو تو مجھے سمجھ نہ سکے
 دی.....“
 ضرورت بڑی شدید تھی، رضوان نے میری بات
 ”تم نے مجھے بتایا تھا کہ تم نے یہاں فوجی ہونے کا
 مانا ہے کیا۔“
 ”نہیں، میں کہاں ہیں؟“
 ”نہیں آدمی؟“

”لاہور ریوے اسٹیشن کو تمہاری قدم پوس سے
 ایک کمرے میں بندھے پڑے ہیں۔“
 ”کہہ گئے ہیں۔“
 ”اس محفوظ نہیں ہے۔ کیا تم ان دونوں کو یہاں
 ہو؟... کسی وقت بھی معاملہ بڑھ سکتا ہے۔ میں
 اس کی سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان
 سے منتقل کر دینا چاہیے۔“

”مگر میرے؟“
 ہری پر ایک بار پھر اچھٹی نظر ڈالی۔ ابھی تک
 میں نہیں بولا تھا لیکن اس کی نظر میں میرے جسم
 کی وہ بڑے خورے میرا جائزہ لے رہا تھا۔
 اسے میرے بارے میں بہت سی خاص باتیں

”لاہور فوجی دروڑوں کا ڈرامہ کھیلنا ہم نے اس
 شہر سے یہاں تہذیب کی طرف سے متعلق ہو جائیں
 سے جاننے کے بعد بھی وہ کسی کو ان معاملات
 میں متاثر نہیں۔“ انہیں یہ خوف رہے گا کہ وہ
 انہماک ان کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔
 اس بات کی تاکید بھی کر دینا کہ وہ اس بارے
 میں کوئی شک نہیں ہے۔
 لاہور میں ان کھیلوں سے دروازے کی
 لاہور میں اس کی دروازے میں آکھڑا
 ملے رضوان سے کہا اور دروازے کی طرف مڑی
 راستہ دیکھنے کے لیے ایک طرف ہٹ

گیا۔ میں اس کے قریب کڑک کر بولی کہ یہ دونوں انصران قیدیوں کو
 لینے آئے ہیں۔ تم کچھ اور کچھ کہہ کر پریشان نہ ہو جانا۔ واصل جب
 میں شہر کی سڑکیں تو میں نے ہینڈ کو ہرگز دوسرے معاملے کی خبر دے
 دی تھی۔“

سادہ لوح کسان جلدی جلدی اشبات میں سر ہلانے لگا۔
 منہ سے ایک لفظ بھی نہیں بولا۔
 میں رضوان اور زبیری کو اس کمرے میں لے گئی جہاں
 میں نے کچھ اشفاق کے گروں کو قید کر رکھا تھا۔ وہ دونوں بیہوش
 پڑے ہوئے تھے۔

”ارے!“ رضوان کے منہ سے نکلا۔
 ”پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ صرف بے ہوش ہیں۔“
 میں نے کہا۔
 ”گا... بے ہوش کیسے ہو گئے؟“
 ”کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ ان کے منہ میں کچھ اٹھنا ہوا
 ہے۔ آزادی سے سانس لینے کے باعث اپنے حواس کھو بیٹھے
 ہوں گے۔ اس کے علاوہ یہ سارے دن بھوکے باپے کچھ رہے
 ہیں۔ میں نے لاہور واپس لے گیا کیونکہ کچھ ان دونوں سے ذرا بڑا
 بھی بھردری نہیں ہو سکتی تھی۔“

”یہ اچھا ہی ہے۔“ زبیری نے پہلی مرتبہ زبان کھولی۔ اب
 انہیں اٹھا کر گاڑی تک لے جانے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔“
 ”قرعہ کا لیا رہا؟“ میں نے رضوان سے پوچھا۔
 ”ابھی تو کچھ نہیں رہا۔“ رضوان نے جواب دیا۔ ”مجھ چار
 بجے کے بعد ہی کچھ ہو سکے گا۔ دیے ایک کام بڑا عمدہ ہو گیا ہے۔“
 ”وہ کیا؟“ میرے لیے یہ خاص دلچسپی تھی۔
 ”اس کی ڈی مہر کے مکان کے برابر وہاں مکان کرنے پر اٹھنے

کے لیے خالی تھا کہ شہر کے مین روڈ پر واقع ایک امیٹلٹ انجینس
 اس مکان کو لے کر اٹھنے کی اجازت تھی چنانچہ اس سے رابطہ قائم کر کے
 زبیری نے وہ مکان لے لیا ہے۔“
 میں چند لمحے رضوان کی طرف دیکھ کر رہی اور پھر آہستہ آہستہ
 سر ہلاتی ہوئی بولی۔ ”مکن تو ہے کہ اس سے کچھ نائدہ پہنچ جائے۔“
 تو پھر صبح جا کر مجھے یہ تم سے اسی مکان پر ملوں یا سڑ زبیری کے گھر پر۔“
 ”کیا مطلب؟“ رضوان حیرت سے بولا۔ ”کیا تم ہمارے ساتھ
 نہیں چلو گے؟“

”نہیں۔“ یہ جواب دیتے ہوئے میرے ذہن میں کچھ خوشبو
 چکرائے گئیں۔
 ”کیوں؟“
 ”آج کی رات میں یہیں رکوں گی۔“
 ”کوئی سبب بھی تو ہوا.....“ آخر اب اس کی ضرورت ہے؟

”میں بحث کرنے کو مؤثر نہیں ہوں۔“ میں نے بڑھ کر کہا۔
 ”رضوان ساجد اچھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔
 واقعی، جسم بحث میں وقت کیوں ضائع کر رہے ہو رضوان؟“
 ”زیریں بول پڑا۔“ ہمیں جلد از جلد واپس پہنچنا ہے۔ یہ صبح آجائیں گی
 تو ہماری صحت پر کافور پڑے گا۔“
 ”ٹھیک ہے۔“ رضوان ساجد نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے
 شلے جھیلے ”تو بھر اٹھا جائے ان دونوں کو؟“
 ”بالکل نہ زیریں نے کہا۔“
 اس دوران میں مجھے کمرے کے باہر سے زخم بردہ سرگوشیاں
 سنائی دیتی رہی تھیں۔ غالباً زبیدہ، صفرا اور جان محمد کا برا بھلائی
 اس صورت حال پر غصے کر رہے تھے۔ سناہوں نے چھپ کر ہماری
 باتیں سننے کی کوشش کی ہوگی۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ باتیں سن رہی ہوں گی
 لیکن مجھے اطمینان تھا کہ وہ کچھ نہ سمجھ سکے ہوں گے۔ ہماری تمام گفتگو
 انگریزی ہی میں ہوتی رہی تھی۔
 رضوان اور زیریں نے دونوں قیدیوں کو اٹھا کر اپنے اپنے
 کدے پر ڈال دیا تو میں دروازے کی طرف ٹوٹ گئی۔ میرے پیچھے پیچھے
 وہ دونوں بھی باہر آئے۔ جب ہم چمن سے گزر رہے تھے تو صفرا اور
 زبیدہ بھی گھاس کے پودوں کی آڑ میں گھڑی ہوئی ہماری طرف
 دیکھ رہی تھیں۔ میں نے غصے سے کہہ کر رضوان نے بھی ان دونوں
 کو دیکھنا تھا۔ میرے اس شبیہ کی تصدیق اس وقت ہوئی جب
 قیدیوں کو کار میں ڈالنے کے بعد رضوان سکرٹا ہوا میری طرف متوجہ
 ہوا اور باتیں آنکھ دبا کر بولا۔
 ”گوا۔۔۔۔۔ چپڑی اور دو در۔۔۔۔۔ اب میری سمجھ میں آیا کہ آپ
 آج کی رات یہاں کیوں گزارنا چاہتی ہیں؟“
 رضوان نے زیریں کو دیکھتی ہوئی رنگ پرانگی رکھ دی تھی
 لیکن میں نے اپنی تلاوٹ کو پیچھے سے نہیں ظاہر ہونے دیا۔
 ”میں چار بجے سے پہلے تھامے پاس پہنچ جاؤں گی۔“ میں نے
 اس سے کہا۔ لیکن تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ لوگ کہاں ہیں؟
 ”اپنے نئے مکان پر، رضوان نے مسکرا کر کہا۔
 ”اس کی پہچان کیسا ہے؟“
 ”سفید رنگ کا دروازہ ہے، رضوان نے جواب دیا۔ پورے
 کمرشنگ میں تو کیا، پورے لاہور میں کوئی اور ایسا مکان نہیں ملنا
 جائے جس کا دروازہ سفید ہو۔ اگر کم میں نے اپنی زندگی میں
 پہلے کبھی سفید دروازہ نہیں دیکھا۔“
 ”خیر اب ایسا بھی نہیں ہے۔ بعض لوگوں کو سفید چیزوں سے
 خبیث کی حد تک رگڑ ہوتا ہے۔“
 ”زیریں نے ڈرامائی سیٹ سفید کرنا جن اسٹارٹ
 کر دیا تھا۔“

”آؤ بھئی۔“ اس نے رضوان کو پکارا۔
 ”اچھا۔۔۔۔۔ میں نے ایک قدم بھیجے تھے ہو
 انداز میں ہاتھ دیا۔
 ”وقت پرست رہنا۔“ رضوان نے کار کا دروازہ کھولا
 بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”نکمن ہے کہ میں خودی طور پر کچھ کر
 مل جائے۔“
 ”میں زیادہ سے زیادہ چار بجے میں ایک منٹ پر
 پاس ہوں گا۔“
 ”میں دعاؤں ہوں کہ آپ کی رات خوشگوار گزرے
 گا۔ میں جتنے کہ دروازہ بند کرتے ہوئے، باتیں آنکھ د
 میں ایک بار پھر تھلا گئی۔ دراصل مجھے غصہ اس
 تھا کہ رضوان زیریں کے سامنے اس قسم کی باتیں کہ
 زیریں نے گاڑی کو روک دیا تو میں ڈال کر رار
 اور پھر اتنی تیزی سے واپس کے راستے پر موٹا کہ وہم
 طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ اگر میں تیزی سے پیچھے نہ ہٹ
 سے اٹ جاتی۔
 کار تیزی سے دور ہوتی چلی گئی اور زیریں
 سرخ شیل لاسٹ پر رہی وہیں جب وہ سرخ لفظ
 اندھیرے میں مدھم مدھم ہو گئے تو میں مکان کی طرف ٹو
 جان محمد کے بھائی کو دروازے پر کھڑا ہوا دیکھا۔ و
 کچھ پریشان معلوم ہوا تھا۔ جب میں اس کے قریب
 تو وہ پھر پھرتی ہوئی آواز میں بولا۔
 ”سیم صاحب جی۔۔۔۔۔ کوئی گڑبڑ تو نہیں ہے
 ”کیسی گڑبڑ؟“ میں نے اسے تسلی دینے کے
 سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دنا جاتا تو وہ جھجکا
 گیا۔ میں جھکی ہو کر رہ گئی۔ مجھے اس بات کا خیال ہی
 یہ ایک سادہ لوح دیہاتی ہے جس کے لیے کسی غیر ع
 کالیں لگنا سے کم درجہ نہیں رکھتا۔
 ”سیم صاحب جی! ہم بہت گریب لوگ ہیں
 جھجکے میں ہر گز ہماری سامت نہ آجائے۔“
 ”اس کی طرف سے اطمینان رکھو۔ تمہارا گھر
 میں نے نرم لہجے میں کہا۔ میں اس بات کا خیال رکھ
 ان باتوں کا اندازہ نہ آتے ہائے۔“
 ”میری زبان تو میرے دم تک نہیں کھلے
 ”تو پھر تمہارے لیے خطرے کی گھنٹی کوئی
 میں نے ہنس کر کہا، پھر بولی۔ ”تمہیں اس بات پر
 ہے کہ میں آج کی رات تمہارے گھر پر گزارا جا
 ”میں سیم صاحب! آپ شوق سے ر

در اصل میں جان محمد کا شکریہ ادا کرتا جا رہی ہوں۔ وہ
 ہانے سے پہلے آجائے تو اچھا ہے۔“
 اس کا کوئی پھر دوسرے نہیں ہے سیم صاحب!“
 ”جی، میں اس کا انتظار تو کر دوں گی۔ یہ کہتی ہوئی میں مکان
 لہلہ ہوئی اور اس کمرے کا رخ کیا جہاں میرے لیے ستر لگا ہوا تھا
 میں رات بھر وہاں گزارنے پر کیوں متوجہ تھی؟ رضوان نے
 اسی لمحہ اندازہ لگایا تھا لیکن ”چپڑی اور دو در“ والی بات
 مجھے مفلزلہ نہیں، صرف زبیدہ نے سنا کر کیا تھا۔ مجھے
 دماغ ڈنبل جواں میں، کوری صراحی کی کسی سونڈھی سونڈھی
 دس ہوئی تھی۔ اسے دھن کر کے دیکھ کر تو میرا دل اور
 ہاتھ وہ گورے گورے پیر، چلتی ہوئی پنڈریاں، وہ بل
 کی گرا۔
 لیکن اس بات کی کوئی ضمانت نہیں تھی کہ آج کی رات
 لیکن یہ پکارا سننے لگی۔ بس ایک امید موہوم ہر میں
 گم ہوئی تھی۔
 مفرانے کمرے میں آکر مجھ سے ایک بار کھانے کے لیے
 نہیں گڑا۔ اس بات تم جا کر سو جاؤ!“ میں نے اس سے کہا
 ”اب کھاؤ، اتنی دیر سے کھا کھا کھا کہ اب رات کی ضرورت
 ہی نہیں آئے گی۔“
 ”میں اس طرح شرمائی ہوئی آئی تھی، اس طرح شرمائی ہوئی
 میں ستر پر لیٹ کر زبیدہ کے قصور میں ڈوب گئی۔ میں
 ”میں تھی کہ اگرچہ اس وقت ہو تو خوشگوار ہی اسے اپنے
 اگلے کے لیے کسی قدر بے چین ہو جاتا ہے۔
 میں نے جان محمد کے بھائی سے تو قہری ہو گیا تھا کہ میں جان محمد
 ہوں لیکن شہیت کی چو کھٹ پر میری صدا تھی کہ جان محمد
 آئے۔ کوئی ایسی آہٹ نہیں ہوتی چاہے میں کچھ بڑیا
 ہوا آئے۔ جان محمد کا بھائی تو باہر چمن میں سو رہا تھا
 لہ کر میں صرف تنہا رہی اور چڑچڑایاں تھیں۔
 ”ان اور زیریں کی آمد سے میرے جذبات کی بیجانی
 اپنی ہی تھی لیکن اب جبکہ وہ جا چکے تھے، وہ دباؤ بھی ختم
 ہوا تھا، ادنیٰ مشغوری پھر خود کو آتی تھی۔ یہ میری
 کہ اگر جذبات میں طغیانی آجائے تو پھر ساحل آسمانی
 ”میں نے بات نہیں کہتی۔ درمیانی وقفہ طویل ہوتا ہوا
 ”میں جھلاٹ کی گڑبڑ سننے لگی ہے اور میں عام بے کی
 ”میں نے آج کی رات یہاں آئے تھے تیار تو فزونی کے
 لیتے تھے۔ زبیدہ، صرف زبیدہ ہی میرے جذبات

کی رحمت کو سکون آتا تھا۔ کتنی تھی۔
 میں ستر پر لیٹے لیٹے وقت گزرتی رہی حال کی ڈوری کھینچنے سے
 پہلے میں اس بات کا یقین کر لیتا جا رہی تھی کہ جان محمد کا بھائی تو کچھ
 اس کے بعد مجھے اپنا کام کچھ ایسا زیادہ مشکل نظر نہیں آ رہا تھا۔ زبیدہ
 مجھے جس انداز میں چلتی چلتی اور پھیلنے کرنی نظر آتی تھی اس سے
 مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ انجانی خاتونیں اس کے جسم میں اندری لڑوٹ
 ٹوٹ کر کھڑی ہیں اور وہ لا شعوری طور پر ایک ایسے ساتھی کی تلاش
 ہے جو ان پھرتی ہوئی خواہشوں کو پوری کرے۔ دھندلے جاکوں میں رنگ
 بھر کے سکتے ہوئے رنگ بولتے ہوئے رنگ!
 ایک گھنٹہ میں نے اس طرح گزارا کہ اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے
 مینلے شباب کی عمر آزادی سے کھینچتی رہی اور میرے جندوں میں آگ
 بھرتی ہو گئی تھی۔ ایک گھنٹہ اندیشہ اپنے بستر سے اٹھی اور بے وقوف اس
 دروازے کی طرف توجہ دے کر مجھے ان دونوں کے کمرے میں سے جاتا ہوں
 ہی دل میں دعا کرتی تھی کہ صرا بھی سو رہی ہو۔
 دروازے پر پڑی ہوئی تھی کوئی شکر تب میں نے دوسرے کمرے
 میں قدم رکھا تو مجھے اپنے اعصاب پر ایک جھٹکا سا محسوس ہوا۔
 کمرے میں دو چار بیٹیاں تھیں کرائی میں سے ایک اس وقت
 خالی تھی۔ دوسری چار بیٹیاں پر زندگی کے کھوپڑے آنا تھیں کسی ایک دیر
 چادر کھینچے۔ ”کمرے میں جاتی ہوئی لالچیں بہت دھم دھم کر رہی تھی
 اور اس کی دھندلاہٹ میں اس طرح چادر کے جوڑے دو چار پر رہے
 تھے ان کو دیکھ کر مجھے عظمت چٹائی کا انسان، ”خاتون“ یاد آئی۔
 چادر پھلوں کے لیے تو میں دروازے پر ٹھٹھکی رہی تھی لیکن
 پھر میرے قدم تیزی سے آگے بڑھے۔ میں ننگے پیر تھی اس لیے آہٹ بالکل
 نہیں ہوئی۔ میں چار بیٹیاں کے نزدیک پہنچ کر لیکن چادر کی حرکت میں
 کوئی وقفہ نہ آیا۔ جہاں زندگی کے اسرار مختلف ہوتے ہیں وہاں خود
 فراووشی کا آخری درجہ بھی ہوتا ہے۔
 اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں تھی کہ چادر کے نیچے
 صفرا اور زبیدہ موجود تھیں۔ ایک بل کے لیے تو میرے ہی میں آکر چادر
 کا کونکر دیکھ سکتے ہوں لیکن پھر خیال آیا کہ میں وہ دہشت سے چنچ
 نہ پڑیں۔
 ”صفرا۔“ میں نے توجہ سے آواز میں پکارا۔
 ”نہت ہی مدھم“ اور زبیدی گھون گھون کو شاید ہم کا دھماکہ
 محسوس ہوا۔ چادر اس طرح مٹی کی طرح جیسے غبار سے ہو اعلیٰ
 گئی ہو۔ میں چار بیٹیاں کے بالکل نزدیک تھی اس لیے بھاری تنفس مجھے زبیدی
 کناں مل گئی۔ اب میں نے کسی بھی جھٹکے کے بغیر چادر کا ایک کونہ کپڑا اور
 ایک جھٹکے سے سب کچھ لے لیا تھا۔
 صفرا اور زبیدہ نے بے اختیار ایک لمبی سانس کھینچی اور چپڑیں بول

کی سانسیں جیسے اندر پھینچ رہی ہیں کبیں ایک کرہ نکلیں۔ وہ دم بخود ہوا سان نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھیں لیکن میری نگاہوں کا ہرگز ان کے چہرے نہیں تھے۔ سائلے رنگ سے مل کر گورا رنگ کچھ دیر کی قیامت ڈھار ہوا تھا۔

میں نے سکر کر کہا: ”ڈر گئیں!“ میری آواز میں لرزش تھی۔ میری مسکراہٹ دیکھ کر ان کے پھیپھڑوں نے ان کی مقتدر سانسوں کو آزاد کیا اور پھر ان دونوں ہی کے ہاتھ ادا ہوا دھڑکھڑے ہوئے لاجوں اور نیتوں کی طرف گئے تھے لیکن میں نے ایک دوت دونوں ہاتھوں کو پکڑ لیا۔ دونوں کی نظریں میرے چہرے کی طرف پھٹیں اور مجھے بہتر دیکھ کر دیکھ کر ان کے چہروں سے خوف و ہراس زائل ہونے لگا۔ اب اس کیفیت کی جگہ شرم نے سلی۔ زبیدہ کا چہرہ سرخ اور سرخ ہوتا چلا گیا۔

نیسے سان دکان میں بھی نہیں تھا کہ چڑاں اس حد تک بے قابو ہو چکی ہیں لیکن بہر حال بات میرے حق میں بہتر رہی تھی۔ بات ہو گئی۔ پار بائی اپنی نشادہ بھی کس نے ایک اور دروازہ کو کھلی کر لیا۔ میں نے ان دونوں کے بیچ میں جگہ بنائی تھی۔ ان دونوں کے سر میرے بازوؤں پر تھے اور میرے ہاتھ ۹.... ۱۰.... ہندوؤں کا گڈا میری دسترس میں تھا۔ جہاں سے آگ سارے جسم میں پھیلتی ہے میں نے اسی مقام کو ہٹ بنایا تھا۔ ابتدائی قویوں پر کڑی دہلیزیں بھیج سہمی ہوئی چڑیوں کی طرح میرے بازوؤں میں تھیں لیکن پھر آہستہ آہستہ بندھ گیا۔ چھوڑنے کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ پچھلے اور بل کھانے کا سا بندھ گیا۔

مضبوطیت نے رنگ و ڈر اختیار کیا۔ شروع کی دہلیزیں پھیلنے لگیں۔ ہر دھڑکن میں خود کو ہلنے کی ہول کی لپیٹ میں محسوس کرنے لگی۔ روت نڈاں کی حرکتیں جوں جوں خیز ہوئی جلی گئیں۔ کبھی ب سے لب ملتے اور کبھی مینائے شباب سے چمکتی ہوئی سنے لٹکی کا املا دلا کرتی۔ تین زائیں انداز کے معنی تلاش کر رہی تھیں۔ صفحہ ان معاملات میں زبیدہ سے زیادہ تجربہ کار تھی۔ اس کے تجربات نے مجھے اتنا ہلکا کر دیا کہ میں بھنبھور ڈانے کی منزل میں آگئی۔ اس کی زبان اور لب میرے بدن کے ایک ایک درجہ جس میں سانی کر رہے تھے۔ اس نے اس گڑے تک رسائی حاصل کی جس کے معکوس ساخوں میں خون بھی شرب معلوم ہونے لگتا ہے۔ میں کی داری تڑپ اٹھی۔ مجھے اپنے پسے و دوسروں ایک زائے نامعلوم ہوا اور پھر جیسے آہستہ آہستہ کارڈ ہوتا ہے اسی طرح میں بھی بے ہوا ہو گئی۔ زبیدہ کی تلام آسانی کی قیامت تھی۔ پہلے ہی آسودہ ہو چکی تھی لیکن صفحہ نے اپنی منزل پانے میں مجھے بھی گر دیا۔

گھٹیوں اور اوڑیوں رفتوں اور لپٹیوں سے گزر کر جب یہ تین نفری قافلہ اپنی منزل پر پہنچا تو رات کو اپنے لطف بہرے کر گئے وہ دھنستے ہو چکے تھے۔ گو کہ صرف صفحہ ہی بھنبھور گھٹا کی طرح برسی تھی لیکن پیار مجھے زبیدہ پر یاد ہوا تھا۔ میں نے صفحہ سے کہا کہ اب مجھے بھنبھور گھٹے لگے تھے

ہے جب وہ باورچی خانے میں چلی گئی تو میں نے زبیدہ کو ایک اکیلا اور سرگرمی میں بولی۔

”پیاری گڑا! تم مجھے کافی دن تک یاد رہو گی!“ زبیدہ نے خنک کر میرے بازوؤں میں مچھپا لیا۔ ”میں نے تمہیں دھس کر دے دوں گا“ وہ دیکھا تھا اور اسی فدا ہو گئی تھی۔ ”میں نے نہیں کر کہا“ لاچار ہاتھ دھس کر دے بہت خوبصورت ہوئی ہے۔“

”میںم حساب جی!“ زبیدہ بھری ہوئی آوازیں! پانچ آپ کو بہت اچھی لگی ہوں؟“ ”نہیں“ سوال اس نے کچھ اتارے تجیدہ لیے میں کہا تھا کہ میں نکلتی رہی۔ ”جواب دیجئے نامیم حساب جی!“ زبیدہ کی آنکھیں نمی آگئیں۔ ”ہاں نامیم حساب کی ماں! تم مجھے پیاری لگی ہو۔“ اسے اپنے سینے سے پیچھ لیا۔ لیکن تم اتنی تجیدہ کیوں ہو گئیں؟ ”میں بہت ڈر گئی ہوں نامیم حساب جی! مجھے اپنے ساتھ میں آپ کی خدمت کر دینی۔ آپ کو مجھے کبھی کوئی شناخت نہیں زبیدہ کے ہونٹ اس طرح لرز رہے تھے جیسے وہ دوڑنے والی ہ تھیں کیا دیکھ ہے؟ اگر تھیں صفحہ کا یہاں رہنا پند نہیں تو آپ پاس دلیں چلی جاؤ۔“ ”نہیں... وہیں تو نہیں جانا چاہتی۔“ ”کیوں؟“

دروازے پر صفحہ کے قدموں کی آہٹ ہوئی تو زبیدہ لہجے میں مدلی سے کہا: ”صفحہ کے سامنے کوئی بات نہ کیجیے گا“ صفحہ اٹھالی میں کھانا لے کر سے میں داخل ہوئی تو سکر کر کہا: ”تھک رہے صفحہ! آج رات میں نے تمہیں بہت تکلیف دی۔“ ”نہیں تو مہم حساب! کھانا آپ سے کیا تکلیف ہو گی؟“ ”تم مجھے ٹھیک ہی کر رہی ہو۔“ میں نے ہنس کر کہا: ”جگہ کوئی مرد ہو تو نہیں ضرور تکلیف ہوتی ہے مرد بڑے پٹے ہوئے اگر رات کو جاگ لیں تو درد و بار کھانا ڈکھوتے ہیں۔“

سوزانہ کھانے کی تھالی میرے سامنے رکھ دی۔ ہونٹ روٹیوں کے ساتھ کسی قسم کا ساگ تھا۔ ”آؤ! ہم دونوں کھانا کھاؤ!“ میں نے صفحہ اور زبیدہ، چٹکر کھینے اور ان کے لاکھ انکار کے باوجود وہی انہیں کھانے شکر کر لیا۔ کمرے میں صفحہ کے آتے ہی زبیدہ نے اپنی دگرگوں حا

المن میرے ذہن میں ایک غلط پہلو کی تھی۔ آخر زبیدہ راہیں کیوں نہیں جاتی؟ کیا ایک بھٹی کو اپنے باپ کی دیکھ ہو سکتا ہے؟... اگر اسے اس کا بیٹا نہ سمجھ لیا مگے زمین پر اس سے زیادہ درد ناک نہ ہو۔“

دل میں دل میں فیصلہ کر لیا کہ ہر ممکن طور پر زبیدہ کی نگاہیں معلوم ہوا بھی مقدم تھا کہ اسے اپنے باپ کے کھر ۱۰ وہ فراہم حاصل کرنا چاہتی ہے؟ لڑاکا سامنے اس موضوع پر گفتگو کرنے سے محذور تھی صاب زیادہ دت نہیں رہا تھا۔ دھاتی بچ چکے تھے اور ہم یہاں سے روانہ ہو جانا تھا۔

”لو کہو جب صفحہ رات اٹھا کر گئی تو میں نے زبیدہ اس بندرہ منٹ میں یہاں سے روانہ ہو جاؤں گی اور تم کوئی بات کرنا نہیں چاہتیں کیا یہ ممکن ہے کل تم مجھ سے مل لو؟“ ”زبیدہ نے مینا بی سے پوچھا۔

”نہیں ڈر گئی ہو؟“ ”اور مرد اور کھانا ہوا ہے مہم حساب جی!“ ”اے وہ بہتر کو ٹھیک دو بجے لواری گیٹ پر مل جانا۔“ ”کی گیٹ پر کس جگہ؟“ ”گیٹ کے سامنے کیوں کی جو دوکان ہے وہیں کھڑی ہوں اصل میں دت پر کھڑی ہے کہ کچھ جاؤں گی۔“ ”دو آؤں کی مہم حساب جی!“ زبیدہ کی آنکھوں میں

المن میرے ذہن میں ایک غلط پہلو کی تھی۔ آخر زبیدہ راہیں کیوں نہیں جاتی؟ کیا ایک بھٹی کو اپنے باپ کی دیکھ ہو سکتا ہے؟... اگر اسے اس کا بیٹا نہ سمجھ لیا مگے زمین پر اس سے زیادہ درد ناک نہ ہو۔“

دل میں دل میں فیصلہ کر لیا کہ ہر ممکن طور پر زبیدہ کی نگاہیں معلوم ہوا بھی مقدم تھا کہ اسے اپنے باپ کے کھر ۱۰ وہ فراہم حاصل کرنا چاہتی ہے؟ لڑاکا سامنے اس موضوع پر گفتگو کرنے سے محذور تھی صاب زیادہ دت نہیں رہا تھا۔ دھاتی بچ چکے تھے اور ہم یہاں سے روانہ ہو جانا تھا۔

خان جاوید اور حیدر بیٹ کی سفید فافٹ دستر مکان کے سامنے موجود تھی اور مجھے لاہور جانے کے لیے اس کو کام میں لانا تھا۔ میں نے اپنا مختصر سامان اس کی کچھلی نشست پر ڈال دیا اور رخصت ہونے کے لیے اُن تینوں کی طرف ٹھری۔

”تم لوگ بہت اچھے ہو۔“ میں نے سکر کر کہا۔ ”تم لوگوں کو کبھی نہیں بھول سکتی۔ اگر موقع ملا تو میں پھر کبھی تم لوگوں سے ملنے ضرور آؤں گی۔ جاں محمد سے میرا سلام کہ دینا۔“

میں نے باری باری سے زبیدہ اور صفحہ کو اپنے سینے سے لگایا اور اُن کی پیشانی چومی۔ میرے اس اہل بیت سے جاں محمد کا بھائی بہت سترا ہوا اور اس کی آنکھوں میں اس طرح آسودہ تھے جیسے کوئی اپنے عزیز کو رخصت کر رہا ہو۔

میں نے کار میں بیٹھ کر انہیں اسٹارٹ کیا۔ گاڑی گزرتی ہوئی والی اور الوادھی انداز میں بابتد ہلاتے ہوئے پچھلے پراپے پیر کا ہواؤ کر دے چلی گئی۔ گاڑی کے پینڈوں نے بہت آہستگی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ رفتار میں بتدریج اضافہ ہوا اور میں عقب نما آئینے میں ان تینوں کی طرف دیکھنے لگی جو اسی صحنہ کے درجے سے زیادہ دیر تک نظر نہ آسکے۔ کچھ دے دے پچھلے اپنی رفتار کبھی رکھنا پڑی تھی لیکن جی ٹی روڈ پر پہنچ کر میں نے اکیسٹر سے اس طرح کھینٹ شروع کر دیا جیسے وہ کوئی کھنڈا ہو۔ گاڑی بولے باتیں کر لگی۔ تیز رفتار اور ٹھیک گاڑی مجھے خط کی حد تک سے۔ ایک ماہ میں کار میں ایک ماہ لان تو لازمی تھیں! آج میں ایک بے کے لیے بھی نہیں سوئی تھی لیکن دت کچھ ایسے خوشگوار انداز میں گزرا تھا کہ میں ذرا بھی کھلتی محسوس نہیں کر رہی تھی۔ رضوان جی کا یہ قول کہ میں نہیں ہوا تھا کہ جی ٹی اور دو دو۔۔۔ میری زندگی کا پہلا تجربہ تھا کہ گویا اڑا دالی میسٹر تھی۔

اچانک غیظ کی زخاں کہ جھل پڑی تھی اور یہ دیکھ کر میری پیشانی پر ایک سلولٹ پڑ گئی۔ اچانک ہٹا کر کالم کو سامنے سمجھ کر آنے والی بات نہیں تھی کہ وہ مجھے ڈر گیا تھا؟ بہنیں یہ نہیں جانتیں جو کتنا تو مجھے اچانک مجھے خیال آیا کہ شہری حدود و قریب سے کتنی عینیں۔ شاید اس کدو کی میرے دروازے کا پتلا ہو گیا ہو گا کہ میں اس منظر سے فری طور پر قانون کی مدد حاصل کر لوں گی۔ میں ابھی اپنے اس خال کو توجہ سے پہچاننے کی کوشش نہیں کر رہی تھی کہ

اس حادثے کو دیکھ کر میرے اعصاب ٹھنکنا
میں نے جھکا کر ایک گداز ٹرک، حادثے کے
رگڑ چکا ہے۔ میں نے سیریک سے بیرٹا کچھ اکیلے
میزاؤں کرنا حماقت ہی ہوتی۔ میں جس گاڑی میں ٹرک
نہیں تھی اور اس میں درجے ہو سکا آدمی بھی بڑے بڑے
اگر میں ٹرک جاتی تو ان دونوں کو دیکھا جاسکتا تھا
سے بچھنے کے لئے دینے ڈرتا ہے۔ میں تیز رفتاری سے نکلا
اور حادثے کا خوفناک منظر کسی ذریعہ کی طرح
ذہن میں لکھنا رہا۔

[illegible]

میں اسے گھونٹی دی اور وہ دیوانہ پڑا۔ دوسرے کمرے کی ایک کھڑکی
میں سوراخ ہے جسے غالباً چوبیس آدمی دفن کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ وہ
دیواروں پر بڑی بڑی ممبر کے کان اور اس مکان کی مشترکہ دیوار ہے اس لیے اسے
کوئی کچھ کرکھے خیال آیا تھا کہ اگر بڑی ممبر کے کان میں ایک ڈکٹا فون
چھپا دیا جائے اور اس کے اندر اس سولنگ کے ذریعے سے اپنے اس مکان میں
ماتے جانے والے ڈکٹا فون ڈکٹا کر کم اس مکان میں ہونے والی گفتگو سن سکتے
ہیں۔ اس نے بڑی سی گفتگو کرنے کے بعد میں نے ایسا ہی کرنے کا فیصلہ کیا۔
ڈکٹا فون ڈکٹا کر کا بندوبست زبیری نے کر دیا اور میں چھوٹی طرحی شخص
کی دیوار پر لگا کر دیکھنے لگا۔ بڑی ممبر کے کان میں جا گھس دی ممبر کے بال
پچھے شاہد بھی گھسے ہوئے ہیں۔ لیکن بے انصافی میں اسے بھیجا ہوا اس
لیے گیا کہ جو کچھ فریخ کر میاں لار کر رکھنا تھا۔ بحال میں اس کے سرے میں پہنچ
گیا جہاں میرے انداز سے کے مطابق دیوار کا وہ سوراخ ہونا چاہیے تھا
اسے فریخ قسمتی سمجھنا چاہیے کہ وہ اس مکان کا سب سے اہم کمرہ ثابت
ہوا۔ بی ڈی ممبر صاحب کی خواب گاہ جس میں سیلفیٹن بھی لگا ہوا ہے۔
موصوف اپنے بستر پر بیٹھے خواب خوشوں کے منظر سے بے ہوش ہو دیں نیز
کے جوئے کو ڈکٹا فون فریخ کر کے اور اس کے اندر سوراخ کے ذریعے اس مکان
میں گھس کر وہاں سے واپس چلا آیا اس دوران میں میرے دل کی دھڑکنیں
تھریں قائم زیادہ دہن اور میرے جسم سے تڑپنے سے خارج موادہ آدھا سیرت
کے نہیں ہو سکا۔

میں نے تاروں کو بندھوں سے بڑا اللہ بیدار ہوا اپنی کھوپڑی پر چڑھا کر وقت گزارنے لگا۔ زہریلی بھری سے موت ڈرتا ہے اس لیے وہ چلا گیا تھا۔ میں نے بھی تک نہ کیجے غصتی کیجئے کی آواز سنئی۔ بیڑی میری صاحب کی جواب کا وہ میں ملیفلین، پکار رہا تھا۔ قسے و تنے کے بعد بیڑی کی ممبر صاحب نے ریسورٹ میں باور بہت مختصر کسی گفتگو ہوئی۔ دراصل ملیفلین پر صرف یہ اطلاع دی گئی تھی کہ فرخ سارے میں بجے اس کے مکان پر پہنچ جائے گی۔ لیکن اس اطلاع کا طالع اس وقت ہوا جب بیڑی میری صاحب نے آواز دے کر جو صفائی اپنی کسے چلے کو بلا یا اور آئے اس کے بارے میں اطلاع دی۔ اسے پاپ... چانک! رضوان دونوں ہاتھوں سے اپنا پیٹ پکڑے ہوئے تقریباً چڑھ چکا تھا۔

مجھے کسی کی حالت دیکھ کر تعجب نہ ہوئی اور ہنسی بھی آئی۔ پھر جب میں بولی تو میری آواز میں بھی دونوں کیفیتوں کا استخراج تھا۔

”ارے تو تم جلتے کیوں نہیں ہو؟“

”بار... اب... جا... پاپ...“ رضوان نے ٹلک اٹک کر کہا۔ ”آپ دروازہ... بند کر لیجئے... باقی یا میں...“

آکر باؤں گا“

”اے سب تو اب جا بھی چکے ہو“

رضوان دروازے کی طرف متوجہ کر دیا لیکن اس کی زندگی تیز نہیں تھی۔ وہ دم چا جا کر لپٹا تھا اور اس کی چال بالی کئی تھی۔ مجھے ہنسی آئی تھی جسے میں نے منکمل رد کیا۔

”بس...“ وہ چند منٹ میں آ جاؤں گا“ رضوان نے جھوٹی ہنسی اور آواز میں اس وقت کا جب بیڑی دروازہ کھول کر مچلی میں قدم رکھ رہا تھا۔

اس کے جاننے کے بعد میں دروازہ بند کر کے ایک آدھ منٹ تک وہیں کھڑی ہوئی، رضوان کی ہنسی خیر، پوچھنا کہ تصور کر کے کلفت انداز ہوئی رہی۔ اس دیکھنے میں مجھے وہ خوشک حادثہ بھی یاد نہیں رہا تھا۔ جس کے نتائج مجھے بعد میں اگلے دن کے اخبارات سے معلوم ہوئے تھے۔

میں جلتے تھیں اس کو میرے پیچھے جہاں ایک تپانی پر بیڑیوں رکھا ہوا تھا اس کے قریب دو کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے ایک کرسی پر بیٹھ کر بیڑیوں اپنے کالوں پر چڑھایا۔ خرافوں کی آواز میں مہیکے کان میں گھنٹیں گھنٹیں۔ بیڑی میری خواب غمگوشت کے مزے سے رہا تھا لیکن یہ بات طے تھی کہ اس مکان میں کچھ لوگ ضرور جاگ رہے ہوں گے جن کو فرخ کی نگہانی پر مامور کیا گیا ہوگا۔

کوڑی سے لاہور تک کے طوفانی سفر کی یادیں میرے ذہن میں تازہ ہو گئیں۔ جب تک کلاچی سے چلی تو مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں فرخ کو پاسوں کی باتیں لیکن اب میرے اوپر فرخ کے درمیان میں صرف ایک ریزو حال تھی۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ فرخ کی آزادی میری کس قسم کی کوششوں سے جہالت ہو سکتی ہے؟... رضوان نے گفتگو کرنے کے بعد بھی میں اس مسئلے

کو حل کر سکتی تھی کیونکہ مجھے یہاں کے کوائف و خصوصیات کا رضوان کوئی نہیں تھا۔ میں صرف اندازاً اس نے رسک لی جا کر دروازہ کھولا تھا۔ اب اس کے جسے یہ سکون کی علامات نہ میں اسے دیکھ کر یہ سنا۔ مسکرا کر اپنی قورہ اندر داخل ہوتا ہوا جینے

”آپ کی وجہ سے ہمارے یہ سب“

”اس میں کیا شک ہے؟ میں سر ملاتی ہوئی بول رہی تھی۔“

”یہ سب کہتے ہیں ان میں بھی میری بات چیت ہوتا ہے“

”رضوان نے دروازہ بند کر کے میرے پاس آئے۔“

”ایک جھگڑے سے اس طرح جینا جیسے بہت خشک کیا ہو۔“

”فرخ کے بارے میں تمہیں کچھ معلومات حاصل ہوتی ہوں؟“

”جی ہاں میں نے کئی چیزیں پڑھتے ہوئے کہا۔“

”اس کی ڈی ممبر کا نام کیا ہے؟“ میں نے رضوان کی ہنسی پر دیکھا۔ ”میرا خیال ہے کہ تم نے کہا تھا تو تھا لیکن اب“

”اگر تم بتا بھی ہو گا تو غلط بتایا ہوگا۔“ مجھ اس کے غلط فہمی پر ہنسی ہے۔ اس کا نام احمد یار تھا ہے۔ ہاں اس ہوا ہے کہ وہ لوگ اپنے وہ آدمیوں کی گمشدگی کی وجہ سے پر ہیں اور اس لیے فرخ کو باہر اور اس سے آدھ منٹ قبل کہتے ہیں۔“

”سراغ نہ لگا دیا جائے۔“ احمد یار اس بات پر جھجکا ہوا ہنسی پھیلے سے کہیں پتا نہیں کیا گیا“

”مائی مطلب! ہمیں چونک کر بولی یہ سوچا کیا؟“

”یہ بدو خوشی کرنے والے لوگ ہیں خاتون!... آپ کا ہنر ثابت ہو گیا کہ اب وہ راست کو مل دیا جس معاملے میں کی کوشش کی تھی ہے۔ اگر اس کی کوئی وجہ ہے تو وہ فی الحال سامنے نہیں آتی ہے“

”ہوں... میں سوچتی ہوں رضوان کی آنکھوں میں دیکھیں آہستہ سے بولی۔“ اب یہ کہہ کر وہ دروازہ پریشان ہو جانے کا ”وہ کیوں؟“

”اپنی حالت کا باعث وہ خود بھی تھا اس کے دوستوں کے بلے ہوئی کی حالت میں چھوڑا تھا اور وہ اب تک اپنے مقامی صورت حال سے آگاہ ہو چکے ہوں گے۔“

”خاتون! رضوان نے مجھے پت چاہتے ہوئے کہا“

”بیان فرما! وہ کس رسالے میں شائع ہوا ہے؟“

”میں یہ سنا تھا مسکرا کر بیڑی میرے فقرے اتنے بہیم تھے ان کا مطلب نہیں سمجھ سکتا تھا۔ میں رضوان کو ان واقعات کی نگہ کر چھٹی ہوئی وہ دھڑک رہی تھی۔ آئے تھے ساری باتیں سننے کے پڑے تھے۔ انداز میں سر ملایا ہوا تھا۔“

”تم واقعی بہت خطرناک عورت ہو۔ ان بے جا“

”ہیں یہ سنا ہے کہ فرخ کو کس طرح چھڑایا جائے؟“

”انہوں سے پتے کے لئے خندہ گردی ہی کرنی پڑے گی۔“

”طلب ہے“

”میرے یہی سے بات کروں گا کہ وہ کرانے کے چند منٹوں کا بندھ کر اس کی نہیں ہو سکتا کہ فرخ کو ان دونوں سے جینا دیا جائے“

”ان کا سہارا لیا تو کم از کم اتنی اپنے اور دوسرے سے اس ہتھکڑی“

”میری زہریلی زبانی پڑے گی لیکن اس کے لیے کرانے کے چند دنوں کا بندھنا۔“

”میں نہیں سوچ رہا ہے سے پتہ کرنا کہ کیا ہے“

”وہ تو لڑکی کی ترتیب فی الحال تو مشکل ہی ہے؟ میں نے جواب دیا۔“

”پرکڑی نظر رکھنا ہے؟“ اور ان دونوں کے کسی کردار پہلو کی تاک میں ملنے میں ہم کام کر رہے ہیں۔“

”میں جیتے ہوئے ہی تم باہر نکل جانا“

”وہ ہمارے ساتھ رہاں کے گھر کی نگہانی کرتے رہنا۔“ اور میری بیڑی چاکر چڑھ جاتی ہوں۔ شاید ان دونوں کی گفتگو سے کوئی کارآمد ”جی“

”مت خوب! رضوان نے پھر مجھے پت چاہیں۔“ میں اس وقت گھر پر بھی تھا تھا اس سے کہ کس قسم کی فحش یاد رکھنا ہو گئی ہیں۔“

”مام نہیں ہوں کہ آپ اس طرح احکامات صادر کریں“

”اوہ کوئی نہیں ہے؟“ میں نے مسکرا کر کہا۔ ”یہ کوئی مرد اس قابل نہ ہو کہ کچھ کرے“

”مجھے کچھ کرنے کا موقع تو دین۔ سب چیزوں پر آپ کے الزام لگائیں کہ وہ نہیں کر سکتے“

”مت“

”جائے آپ کو کب عقل آئے گی!“ رضوان نے ٹھنڈی سانس لے کر اپنی زبانی یہ یاد کیے ڈال دی ہیں۔ کچھ چاکر کو دیکھنے مجھے کہ اپنے آپ پر حاکم کرنے کا فعل، بذات خود حاکم ہے“

”میں نے جواب دینے پر فرخ کی سہائی اور اس کے سرے کے دروازے جہاں بیڑیوں رکھا ہوا تھا۔ میرے پیچھے پیچھے رضوان بھی آیا۔ میں بیڑیوں میں سر پر چڑھا کر بیٹھ گیا لیکن اب بھی صرف ہاتھ دے رہے تھے کہ وہ درنگ میں اور رضوان خاموش رہا۔ پھر انداز میں بائیں کرنے لگے۔ وہ لوگ کا وہ سوراخ میں آگاہ ہاری ان باتوں کو احمد یار خال کے گھر سے میں

”کہ بعد میں صبح کا اچالا، رات کی سیاہی میں گھٹنے دگاتو“

”اان سے پوچھا“ تائنے وغیرہ کا کیا رہا ہے؟“

”میں نہ بڑا کرنا ہے۔ سامان میں نے کل رات ہی کو لگا کر رکھ

”ارے ہاں! مجھے کچھ یاد آ گیا۔“ حیدر رب اور خال حاید کے کہہ کر لوگوں نے کہاں رکھا ہے؟“

”زہریلی کے ایک چور دوست کے گھر پر۔“ رضوان نے جواب دیا۔ ”وہ بھی اخباری لائن کا آدمی ہے۔“

”جب تک یہ فرخ کو آزاد نہ کرالیں، ان دونوں کو قید ہی میں رکھنا پڑے گا۔“

”وہ تو ظاہر ہے۔“

”اچھا تو کچھ اور حکم تائشہ تیار کرو!“

”یہ عورتوں کا کام ہے خاتون!“

”اب تم مردوں کو یہ سناں اپنے داغ سے نکال دینا چاہیے۔“

”خاص تو اب دروازے ہی کے داغ سے نکالنا پڑے گا۔“

”رضوان نے کہا اور کچھ ٹھنڈی سانس لیکر کھڑا ہوا ہوا بیڑی پر۔“

”اس وقت تائشہ میں ہی تار کے لپٹا ہوں کیونکہ بہت سی دقت صانع کر کے میں اپنے معدے پر بظلم نہیں کرنا چاہتا تھا۔“

”رضوان اس کے کہنے سے جا بجا اور میں بیڑیوں میں سر پر چڑھنے بیٹھی رہی۔ اب بھی صحت خرابی کی سناں دے رہے تھے لیکن مجھے یقین تھا کہ اس بیڑیوں ہی کے ذریعے کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے گی کہ فرخ کے مسئلے میں کچھ کرنا آسان ہو جائے گا۔“

”تھوڑی دیر بعد خرابی کے بعد میں نے بند ہو گئے۔“ غالباً احمد یار خال جاگ چکا تھا کوئی ایک منٹ بعد اس کے قدموں کی آواز سنائی دی۔

”پھر دروازہ کھلا اور قدموں کی آواز معدوم ہو گئی۔“ احمد یار خال کے سے جا بجا تھا۔ پانچ منٹ بعد قدموں کی آواز بھر سناں دی اور اس کے بعد ہماری کچھ کر آواز میں جعفر کو پکارا گیا۔ ”وہ آؤ اچھا“

”ہی کی ہو سکتی تھی کچھ دیر بعد میں نے اسے جعفر سے کہتے ہوئے سنا۔“

”لڑکی کا کیا حال ہے؟“

”وہ بدستور بد ہوش ہے استاد!... سات بجے اُسے پھر خواب آدروا کا جھگڑا لگا دیا جائے گا۔“ جعفر نے جواب دیا۔

”اسی وقت توں کی گھنٹی بجنے لگی۔“ پھر ریسورٹ میں اٹھا گیا اور احمد یار خال کی آواز سننے لگی۔ ”سیو...“

”ہاں میں بول رہا ہوں۔“

”ارے!... کیسے؟... اہ! یہ تو بڑا ہوا۔“ خدا

”غارت کرے سے۔ یہ عورت ہے یا بلا؟“ اچھا کچھ ہے؟...“

”ہوں...“

”ہوں...“ احمد یار خال کچھ دیر تک صرف ”ہوں، ہوں،“ کرتا رہا اور پھر بولا۔ ”میں سمجھ گیا؟ اس کے بعد ریسورٹ کو رو کر پڈل کر گھنٹی کی آواز سنائی دی۔“

”جعفر!... اب تو میری بھی یہ خواہش ہے کہ اس ثورت کو دیکھوں جو کس کے تابوں میں نہیں آتی۔“ احمد یار خال بولا۔

”حیدر رب اور خال حاید کی تلاش میں سجاد، رحیم اور وادی کو

74

جواب: کہ جس سے ہوتے ہیں کہ ہم جب اس آدمی کو دیکھتے ہیں تو
 ہول مچے۔ گلی کے ایک سرے پر ہیں اور دوسرے سرے پر زبرداری
 کھڑا ہوگا۔ تم کسی طرف سے جی آؤ، تمہیں لائی کاسٹر کا اشارہ مل جائے گا۔
 ہاں اگر کوئی گڑبگڑ ہوگی جس کا امکان بہت کم ہے تو ہم تمہیں خطرے کا
 اشارہ دیں گے۔
 رضوان نے مجھے لائق "کیر" اور "خطرے" کے اشارے بھی بتائے۔
 "بڑی تیزی سے منسوبہ بندی کی کہ تہہ ہے" میں ایک طویل
 سانس لے کر بولی۔
 "اگر آپ کبھی موقع دیں تو بھی منصوبہ بندی کو نظر انداز نہیں
 کر دیں گے؟"
 "کیسا متوقع؟" میں بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔
 "منصوبہ بندی کا موقع؟" وہ بڑی معصومیت سے بولا
 لیکن اس کے چہرے پر پابندی ہوئی ضرارت مجھے سمجھی نہ وہ کسی میں
 بڑی طرح جھلک رہی تھی۔ وہ اتنا ایک، بلکہ اتنا کڑن کو لکھنے سے جھلکے
 کیفیت بڑاشت کرنا پڑتی تھی۔ لیکن اس سے پہلے کہ میری جھلک بڑھ
 ترش الفاظ کا جام پینے، اس نے جلدی سے اپنے چہرے پر چڑچڑائی
 طاری کر لی اور کہا: "جھلک ڈھائی تھمے یہاں سے روانہ ہو جائیے؟"
 "میری روایتی تو سوا ہے ہوئی؟"
 "وہ اپنی جلدی کی کیا ضرورت ہے؟"
 "مجھے ایک کام سے رواری جانا ہے۔"
 "میں غیر متوقع طور پر کیا کام کا کل بڑا۔"
 "غیر متوقع تہا نے لئے تو ہو سکتا ہے لیکن میرے لئے نہیں ہے"
 "وہ آخر کام کیا ہے؟"
 "یہ میرا نیا معاملہ ہے۔ تم اس میں نہ پڑو۔"
 رضوان نے بہت جا بجا کہ مجھے اس کام کی ذہنیت معلوم کر لے
 لیکن میں نے اس سلسلے میں اپنی زبان بند کر رکھی، معاملہ چونکہ ایک
 روکی کا تھا اس لئے رضوان کو نظر کرنے کا موقع مل جاتا۔
 لیکن میری اس رازداری نے رضوان کو تشویش میں مبتلا
 کر دیا۔ اس کا یہ سوچنا بجا بھی تھا کہ میرے نامعلوم کام کی وجہ سے
 فرخ کے معاملے میں کوئی گڑبگڑ ہو جائے۔
 "تمہیں اتنا فکر مند نہیں ہونا چاہیے،" میں نے سمجھانے والے
 انداز میں کہا "تم فرخ کے معاملے میں اتنے حساس نہیں ہو سکتے جتنی
 حساس میں ہوں۔"
 رضوان نے غور سے میری طرف دیکھا لیکن میری باتوں کے
 چہرے سے تفرقہ کے نشانات نہیں مل سکتے تھے۔
 "میرا خیال ہے کہ اب ذرا پھر ہیڈ فون کو آواز دیا جائے۔"
 میں کھڑی ہوئی بولی۔

چہرہ... جب میں سوچتا تھا کہ یہاں سے روانہ
 ہو تو کھانا کھا لو؟" یہ کتنے خوشے رضوان نے وہ ایک سیانی
 جواب بھی تک اس کے ہاتھ میں رہا تھا۔ یہ ایک ریسروٹ
 دو لچے باکس فرمایا ہوا ہوں۔
 یہ بھی انداز لگائی کہ میں نے اٹھالے جلد ہیڈ فون
 کی باتیں بھی سنتے رہیں گے اور کھانا بھی کھا لیا جائے گا۔
 رضوان نے مجھ سے اختلاف نہیں کیا۔ انگو منہ جو تہ
 بے مکسیدہ بھی ہو گیا تھا۔ مجھے سمجھا ہوا تھا کہ میں نے
 آغا خیر دتے دار کو مل بھجوا رہا ہے؟ اسے فرخ کی فخریہ
 ہرگز نہیں ہوگی۔
 دوسرے کمرے میں کسی پر ہیڈ فون کو وہ باکس کمر
 اور میں نے ہیڈ فون سر پر چھو لیا۔ غوراً ہی مجھے اہم دینا
 سنائی دی۔ وہ کسی سے کہہ رہا تھا۔ بدلے ہوئی آگیا ہے
 کھا دے دو۔ کھانے کے بعد بعد میری ہیڈ فون کو آواز دے دینا
 یہ ذکر میری فرخ ہی کا ہو سکتا تھا۔
 جواب میں کہا گیا: "دیکھی ہو ش میں اتنے پر وہ کچھ کو
 کی بجائے روانہ اور گھر آنا شروع کر دیتی ہے کہ اسے چھوڑ دیا
 "اب وہ اتنی عجیب ہوئی کہ اس کے انسو بہ سیکم
 وہ گھر چلا آئے گا؟" اہم دینا خال کا پھر خشک ہو گیا۔
 پھر فون کی چاب سنائی دی۔
 ادھر میں فرخ کی حالت زار کا تصور کر کے اپنے دل
 میں خسوس کرنے لگی۔ میرا جی چاہا کہ راولپور کے اس مکان
 اور اہم دینا خال پر اپنی گولیاں برساؤں کہ اس کے جسم میں سو
 سولخ ہو جائیں۔
 میرے چہرے کے تاثرات بھی شاید میرے دل کی
 غم سے کیونکہ رضوان اپنا ایک سوال کر بیٹھا۔ کوئی نئی بات،
 "فرخ کو پوچھ لیا ہے اور وہ جھوک پیاس سے
 رہی ہے،" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
 رضوان کے چہرے کی بھی رنگت متغیر ہو گئی لیکن وہ
 ہی رہا۔ یہ ایک ایسا عجیب اثر ہوا تھا کہ نہ تو میں ٹھیک
 کھاس کی آواز نہ رضوان نے کھایا۔ ہم دونوں میں نے دوچار لے
 کر کے باہر دوڑ گیا۔
 ایک جھک دس منٹ ہو چکے تھے۔ میں نے جلدی
 علیہ درست کیا اور روایتی کے لئے تیار ہو گئی۔
 رضوان نے مجھ سے دوبارہ میرے کام کے بارے
 استفسار نہیں کیا اور جب میں مکان سے باہر نکل چکی تھی
 بند کر تے وقت بھی اس کے چہرے پر فخر و تشویش اندازاً

گلی جانی میرے سوال کرتے ہوئے بھی اس نے مجھے ہر وقت
 کی تاکید نہیں کی تھی۔
 میں دوڑتے میں نے ایک ٹھیکس پیڑی اور کھیتی چوک کی طرف
 گھر کا رخ کیا۔ مجھے کار کا رخ اور وہ جگہ بتا دی تھی جہاں اس
 کی آخری کی تھی۔ ویسے بات تو یہ ہے کہ وہ کھڑا تھا مجھے بھی لگا
 بات بعد از اس نہیں سمجھتی تھی کہ مجھے کسی معاملے میں اٹھنے
 دیا کہ شریک پہنچنے میں دیر ہو جاتی۔ زبردہ مجھے جس
 مدد کی ضرورت کی تھی وہ انداز کسی پیدگی کی نشاندہی کر رہا تھا
 کسی بات سے خائف تھی اور وہی خوف اسے فرار پر ابھار رہا
 لئے یہ بات بھی قابل غور تھی کہ اسے اپنے ساتھ لے جانا
 کس قسم کی ریشیاں لکھتی کر سکتا ہے؟
 میں کسی جھجک پہنچنے سے پہلے کھیتی چوک پہنچ گئی۔ ٹھیکس
 کو لایا اور اس کے رخصت کر دیا۔ بیک کو باہر بڑھنے میں مجھے
 مل بھی نہیں لگا تھا۔ وہ اسی عمارت کے نیچے کھڑی ہوئی تھی جہاں
 دی کی پھر کا دفتر ہے۔ نہ جانے اس زمانے میں بھی وہ دفتر ہاں
 نہیں دینے مجھے کچھ یاد پڑتا ہے کہ تھا۔
 بیک میں ہیڈ فون کو رواری کی طرف روانہ ہوئی اور جب ہاں
 میں سمست رنڈاؤ ٹوٹ گئی ہوئی جگہ شال کے سامنے
 ی تو اچھو لوہر نڈاؤ ڈرانے کے باوجود بھی مجھے زبردہ نظر
 آ رہی اور وہ بازار تک مل جاتی تھی اور پھر وہاں سے کوئی ایک طرح
 کی پھر گئے اور میرا اضطراب و غفلت پر بضد رہا۔ زبردہ نے
 کرتے ہوئے ہوا اختیار کیا تھا، اس میں کوئی جگہ نہیں تھی مجھے
 مانگو وہ ضرور آئے لیکن وہ نہیں آتی تھی۔
 دھماکے سے تک میں اس علاقے میں چڑھ گیا تھی اور جب میری
 لہ آفری مدد کو پھیر لیا تو وہ ایک ایک میری گاڑی کے سامنے آ گئی
 مجھے دیکھ لیا تھا اور ہاتھ لاکھنے کا اشارہ کر رہی تھی میں نے
 قریب جا کر دی روک دی اور اپنی برابر کی میڈل کا دروازہ کھولتی
 وال "آؤ بیٹھو، جلدی کر دو! تم کہاں رہ گئی تھیں؟" میری آواز
 جھلک کا کچھ نہ تھا۔
 ابھی ابھی بس سے یہاں پہنچ رہی تھی۔ وہ میرے برابر میں
 نہ لی ہو لی اور میں نے ہاتھ پڑھا کر دروازہ بند کر لیا۔ پھر گاڑی کو
 ہائی اور اس کی رفتار میں اضافہ کرتی چلی گئی۔
 "میں صاحب جی؟" وہ سے ہوئے انداز میں بولی۔ یہ ایک
 اداش ہو گئی؟ "اس کی آواز بھر گئی تھی اور جب میں نے
 ادا دیکھا تو مجھے اس کی آنکھوں میں آنسو بھی تیرتے ہوئے
 آگ دم میرا دل جیسے جھلک کر رہ گیا اور میں نے جلدی بے

اگلے چند دنوں میں جیسا کہ میں نے پہلے
 غصہ کرتے لگے تھا، تیرے دیر سے آنے پر کچھ نہیں ایک انسانی خدشہ
 کام چھوڑ کر آئی ہوں۔"
 "مجھے معاف کر دیجئے مہم صاب جی!... اگر راستے میں بس
 خراب نہ ہو جاتی تو میں ورنہ مجھے بھی بیٹے یہاں پہنچ جاتی"
 "خیر چھوڑ دو ان باتوں کو۔ یہ بتاؤ کہ تم اپنا ٹھکانہ کون سا
 چاہتی ہو؟"
 "مجھے اپنے پاس سے ڈھنگ سے مہم صاب جی!... اس کی فکری
 ابھی نہیں ہیں۔ وہ جہاں بھی بیٹا ہے۔ کبھی اسے زیادہ نشہ ہو گیا تو دیر
 ساتھ نہ جانے کیا کر بیٹھے؟"
 "زبدہ نے بڑی صاف بات کی تھی لیکن مجھے کچھ کہنے نہیں
 آیا۔ میں جرت سے بولی۔ "یہ تہا نے باپ کے بارے میں کہہ دی ہو؟"
 "وہ میرا سوتیلا باپ ہے؟" زبدہ نے بتایا۔
 "ادوہ!" میں نے ایک طویل سانس لی۔
 "دو جب میرا باپ مر گیا تھا تو میری ماں نے اس سے شادی
 کر لی تھی۔ اب میری ماں بھی زندہ نہیں ہے۔ میں گھر میں اس کے ساتھ
 اکیلی رہتی ہوں۔ مجھے اس کی نظروں سے ڈھنگ سے اور اس سے
 میں کتنی ہی دن کے لئے صفر کے پاس چلی جاتی ہوں۔ اب اگر آپ نے
 مجھے سارا سے دیا تو اس سے میری جان بچوٹ چلے گی؟"
 "اگر تمہاری گمشدگی پر اس نے پولیس میں رپورٹ کر دی تو
 کیا ہوگا؟"
 "پولیس آپ کا کیا کچھ کر سکتی ہے مہم صاب جی!... میں
 ڈنکے کی چوٹ پر کہہ دوں گی کہ آپ کے فون میں وہ گزشتہ گزشتہ
 چاہتی ہوں۔"
 میں نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا اور اس معاملے کی پیچیدگی پر
 خود کو تکی ڈراؤ ٹوٹ گئی رہی۔ زبدہ باج تھی اور اس کا بیان بھی
 میرے خلاف نہیں جوتا لہذا مجھ پر ان کا مقصد تاہم نہیں ہو سکتا تھا میں
 نے فیصلہ کیا کہ مجھے زبدہ کو اس قسمت سے غور نہجات دلائے جائے
 ورنہ سوتیلے باپ کسی نہ کسی روز جھنگ کے نشے میں اس کی زندگی
 برباد کر دے گا۔
 اب اسے میری حماقت کہا جائے یا کچھ اور کہیں زبدہ کی بولی
 بھالی معصوم صورت سے دھوکا کھائی اور مجھے اندازہ نہ ہو سکا کہ
 وہ کتنی بڑی خرد ہے۔ اس کا علم تو مجھے بعد میں ہوا تھا اور میں بکا بکا
 رہ گئی تھی لیکن اس وقت تو مجھے اس پر توں ہی آیا تھا۔
 اس کی مدد کا فیصلہ کرنے کے بعد میرے سامنے یہ اچھن پڑی
 کرنی لگی تھی اسے کہاں چھوڑوں۔ اہم دینا خال کے گھر پر مجھے نہ ہانا جانا
 چاہیے تھا اور مجھے اتنی ٹھٹھٹ حاصل نہیں تھی کہ اسے کسی ہوش میں لے
 جا کر ایک کروہ ولادیتی۔

میرے ذہن میں دو آیا۔ میں نے گاڑی ایک جگہ روک دی اور زبیدہ سے کہا "تم میری اتر جاؤ اور اسکول کے پبلک کے میرا انتظار کرو۔ میں پانچ دس منٹ میں واپس آ جاؤں گی۔"

زبیدہ متذہب نظر سے میری طرف دیکھنے لگی اور میری گاڑی بولی "آپ ضرور آئیں گی نا یہم صاب جی۔"

ہاں ہاں بھئی!۔۔۔ آؤں گی کیوں نہیں؟ میں نے اس کا کھال چھینا۔
 "داخل ہونے کے بعد صاب سے پوچھا کہ اس کی کمرے میں ساتھ لے گئی تو وہ تعجب سے کہنے لگی کہ وہ دیکھیں گے تیرے پیٹے سے کتنی شہری لڑکی نہیں ملے گی ہر دہائی میں۔ زیادہ دس منٹ میں واپس آ جاؤں گی۔"

"اچھا صاب جی! میں آپ کا انتظار کروں گی۔"

میں نے دو دھڑکول دیا تھا۔ وہ کلاس آگئی جس میں نے دو دنہ بند کیا اور گاڑی کو حرکت میں لے آئی۔ میں تیز رفتاری سے احمدیاری کے گھر کی طرف جا رہی تھی۔ میری نظریں بار بار لگاؤں پر بندھتی ہوئی گھڑی پر پڑ رہی تھیں۔ حالانکہ مجھے وہیں ہونی تھی لیکن دل و دماغ پر اضطراب بھرا چلا جا رہا تھا۔

میں جس راستے سے گئی ایک سٹیپ، وہاں زہیری کھڑا ہوا تھا میرے انداز سے کے مطابق اس نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا لیکن مجھے اس کی طرف سے لائن بھڑکا اشارہ نہیں ملا۔ مجھے یہ کہ ایک روک دینا پڑی اور میں گاڑی میں بیٹھ بیٹھ قریب کی گاؤں کو اس طرح دیکھنے لگی جیسے مجھے کسی نام نہان کی تلاش ہو رہی ہو۔ ساتھ ہی ساتھ میں لنگھیں سے زہیری کی طرف بھی دیکھتی جا رہی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ زہیری بھی مضطرب تھا اور اس کی نظریں گلی کے دوسرے سرے پر پڑی ہوئی تھیں۔ اس سرے پر غالباً رضوان ہو گا۔ زہیری کو جب رضوان سے ملا تو وہ ہنسا ہنسا اشارہ دیتا اور یہ بھی کھنکھار دے ہو کہ اسی راستے سے آتی جہاں میں وہی ہوئی تھی۔ اس صورت میں سلامنا میری نظروں کے سامنے ہی ہو جاتا۔

اب ٹھیک تین منٹ تھے۔
 گزر رہے تھے سیکڑے پھر چھوڑوں گا پھر دوڑے سے بہتے تھے کہیں ایسا تو نہیں کہ ہر دو گز میں کوئی تبدیلی آگئی ہو؟... حالانکہ ابھی کچھ لمبی دیر نہیں ہوئی تھی لیکن ایسے لمحوں پر تاہم ایک پہلو کچھ زیادہ ہی شدت سے ابھرتے ہیں۔

تین منٹ کے بعد غیاب ہو چڑھوٹ اور گڑھا ہوا کہ مجھے زہیری کی طرف سے لائن نکالنے کا اشارہ ملا میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ میں فوراً ہر ایک کو حرکت میں لے آئی۔ وہ اسے برق رفتاری سے گلی کی طرف سے گئی۔ مجھ پر مجھے فٹان کہم گاڑی اور ہر ایک جیسے ہی زہیری کے قریب سے گزری، زہیری نے ایک لٹاؤں گھڑی کے میری گھڑی میں ڈال دیا۔ اس نے یہ حرکت بڑی جبروتی اور دھمکی سے کی تھی لیکن اتفاق سے قریب وہ جا رہی تھی

لٹاؤں گھڑی کے فوراً اپنی ران کے نیچے ڈال دیا کہ گھڑی کی کمان بھٹی کر آگے بڑھتی ہوئی شکل سے۔ اس سیکڑے میں ہر ایک اور ان مکان پر پہنچی۔ اس لٹاؤں نے مجھے شدید ہلچل میں ڈال دیا تھا اس قدر کہ ایک بات پر دو گز میں ڈال دیا تھا۔

ہر ایک دیکھ کر اس کی بات پر دو گز میں ڈال دیا تھا۔ ایک ایک ایسے گھڑی کے ساتھ کہ ایک ایک طرف آگے۔ غالباً احمدیاری کے گھر۔

دو گز ایک خیال میرے ذہن میں کی گئی کہ ایک ایک طرف چلا کہیں دیا کہ ایک دوسرے کی شناخت کے لیے کہ شاید صرف میری شناخت کچھ خفیہ لٹاؤں مقرر ہوئے ہوں۔ اس کے ساتھ ہی یہ لٹاؤں بھی ہٹا کر کوئٹہ میں ان خفیہ لٹاؤں کا علم حاصل ہوا اور اس نے زہیری خط بھیجا کہ اسے باختر کئی کوشتی کی ہو۔

احمدیاری اب ہر ایک سے دو چار آدمی کے واسطے پر تھا اس مجھے وہ لٹاؤں دکھ کر دیکھنے کے لیے ایک جہت حاصل تھی۔ میرا دل سے دھڑکنے لگا۔ ناگاہی کا شعور بھی وہاں دھڑک رہا تھا۔ احمدیاریاں بالکل قریب آ گیا اور ڈرائیونگ سیٹ کی کمر، جہاں ہوا سواہ انداز میں بولا وہ فرخ؟

میرا دل اس جگہ پر صراحت چھلنے لگا۔ فرخ؟ یہ محض ایک سوال! ملتا تھا اور شناخت کا خفیہ لٹاؤں بھی جس کے جواب میں شاید مجھے جی خاص لٹاؤں کا پتا چلے گا لیکن کتنی کڑی اس صورت میں جب مجھے کہہ رہا۔ میں اس آواز کو کئی کئی آہستہ میں سمجھا دیا اور دھڑکنے لگا۔ ساتھ ہی اس حرکت سے ذوق مل کا انتظار کرنے لگی۔

احمدیاریاں کے چہرے پر کوئی خاص تاثر نہیں پیدا ہوا، شہر کو کرکٹ کے دو دنہ کے لیے طرف دیکھا۔ شاید اس کی آنکھوں نے کہہ دیا ہو گا۔ فوراً ہی دو دنہ کے دو دنوں پر کھل گئے اور میں نے فرخ کو دیکھ کر اپنے جسم میں موت کی لہر محسوس کی۔ وہ دھڑکی سے اس کے سے کوئی کمرہ سارا دینے کے باوجود اسے تھے فرخ پر ہر پوز کی کیڈ۔ طاری تھی۔ لیکن عام لوگ اسے دیکھ کر شاید یہی سمجھتے کہ وہ جا رہا ہے۔ اسے ہسپتال لے جانے کے لیے سہارا دے کر گاڑی میں بیٹھا جا رہا احمدیاریاں اب ہر ایک سے دو دھڑک گیا تھا۔

دو دنوں آدمی فرخ کو ہر ایک کے قریب لے آئے۔ پھر انہی ایک نے ہر ایک کی کچھلی نشست کا دو دنہ کو لٹاؤں اور پھر دو دنوں کے فرخ کو سیدھ پر ڈال دیا۔ میری رگ رگ میں فٹان سا تیرے لگا۔ آخری سے کیا ہی ہوئی تھی۔ فرخ نے گھڑی کی کیفیت بتائی ہے۔
 ان دو دنوں نے فرخ کو اندر ڈال کر جیسے ہی دو دنہ بند کیا۔ گاڑی کو حرکت میں لے آئی۔ میں نے اتنی تیزی سے گزیر کر گزیر دے جیسے نیپٹان میرے تعاقب میں دوڑ رہے ہوں۔ حالانکہ گلی کے اعتناء

نہیں طرف لوگوں کا ہجوم نظر آ رہا تھا۔ اس لیے مجھے بائیں جانب ہر ایک سے سارا سارے کے مطابق وہ ہجوم جانے کا حشر پر ہو گا۔ شاید ایک گھنٹہ تک رہا تھا۔

ہر ایک کو کتنی زبردستی سے اڑائے لیے جا رہی تھی۔ مجھے خاصا گھوم گھوم کر کے میں بائیں جانب آنا پڑا تھا۔ جب میں اسکول پر پہنچی تو وہاں میری نشست پر تھی۔ اس کی وجہ سے مجھے وہاں کی تھا۔
 "بھئی سے آ جاؤ! ایسے دنہ دواڑہ کھولتے ہوئے ہر ایک کو دھڑکیا۔
 وہ بھڑی سے اندھا گئی اور میں نے دو دنہ بند کر کے گاڑی کو ہٹا دیا۔
 "کیا ات ہے یہم صاب جی!۔۔۔ آپ کچھ پریشان نظر آ رہی ہیں!"

وہ بولی۔
 ہم نے لنگھیں سے اس کی طرف دیکھا اور اس کے چہرے سے یہ وہ لٹاؤں کا بھی ہر ایک اس کی طرف کچھلی سیٹ پر نہیں پڑی ہے۔ اگر اس کو دیکھ لیا جاتا تو ہر ایک پڑی ہوتی۔
 "کوئی خاص بات نہیں؟ میں نے اسے مالا اور اپنی ران کے نیچے دیا۔
 "انٹارنگال! لٹاؤں بند نہیں تھا اس لیے اسے کھولنے کے لیے مجھے اپنے ہمراہی کے ساتھ دھڑکیا نہیں تھی۔ اس میں تو ہر ایک ہوا کا ڈھنگ! اس میں ہر ایک کی تیزی کی وجہ سے محسوس ہوئی اور جب میں نے اسے کھول لیا تو یہ لٹاؤں جلا کر وہ دھڑکیا تھے۔ ان کے ساتھ جو خط تھا، اس کو میری دھڑکی تھی اس نے لٹاؤں لٹاؤں۔
 ہاؤ!

یہ دو گز اتفاق سے ہوا تھا کہ مجھے اس نے زہیری کا ایک دست جس کی نئی نشانی ہوئی ہے آج کچھ چاڑھا تھا۔
 خود زہیری نے بھی ہر ایک ان دو دنوں کو روک لیا ہے اور ان کی دیر دوشن اس کے پاس ہے۔ کیا عجیب اتفاق ہے کہ گاڑی میں کچھلنے آفاق کے گزوں نے اسی قسم کی دفعہ بندی پر لٹاؤں تھا۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ لوگ فرخ کو اٹھا کر اسے انٹیشن لے گئے تھے اور فرخ کو آزاد کرانے انٹیشن کا رخ کر دی۔ یہ بڑا اچھا ہو گا کہ فرخ فرخ کر کے کرکٹ اور ملکہ پورے نکل جاؤ۔ میں یقین ہے تینا بول گیا تھا کہ ہر ایک کی کچھلی سیٹ کے نیچے دو گز تھے لٹاؤں لٹاؤں تھے۔ تم اور فرخ اس پر سے میں لٹاؤں سے نکل جاؤ۔ یہ بھی بہت جلد کر پڑی تھی۔ جاؤں گا۔
 رضوان ساجد

میں نے خط کو ڈھونڈ کر لے لیا تو میں محسوس لیا اور ٹھیک کی کچھلی سیٹ سے فرخ کے کرانے کی ڈانٹانی دی۔ زبیدہ اس طرح

اپنے بی بی کے پاس پہنچے۔ اس نے اسے کھانے لیا۔
 "یہ کون ہے یہم صاب جی! اس نے بے اختیار پوچھا۔
 "تمہاری ہی طرح ایک محبت زدہ لڑکی؟ میں نے جواب دیا اور پھر بولی "میرے گھر پر کچھ تھوڑا سا ایسی ہی جاؤ جیسے کچھلی سیٹ خالی پڑی ہے۔"

"مم۔۔۔ مگر۔۔۔ یہم صاب جی!۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ زبیدہ ہلا کر وہ گئی لیکن وہ میری ہدایت کے مطابق سیدھی گھر پر پہنچی تھی۔
 "مگر اس کی ضرورت نہیں۔ وہ صرف میرے ہوشی کی حالت میں ہے؟ زبیدہ کی سانسیں تیزی سے چلنے لگی تھیں اور غالباً وہ بڑی شکل سے خود کو دیکھنے سے باز نہ رکھتے ہوئے تھی۔
 "ہم سیدھے اسٹیشن ہی جا رہے ہیں؟ میں نے زبیدہ کو تباہ انداز پر بولی "اچھا ہوا کہ لٹاؤں ساتھ ہو گیا۔ فرخ کوئٹہ کے ڈبے تک لے جانے میں تم میری مدد کر سکتی؟"

زبیدہ نے جواب دیا کچھ نہیں کہا مگر اس کے چہرے سے صاف معلوم ہوا تھا کہ اس صورت حال نے اسے اچھا ہوا ہے۔

ادھر اچانک میرے ذہن میں یہ نکتہ ابھر اٹھا کہ میں احمدیاریاں کے گھر پہنچنے کے لیے وہ راستہ اختیار کرتی ہوں جو رضوان کو لٹاؤں تھا۔ تو یہ خط مجھے تک کیسے پہنچتا ہے؟ یہ تو ممکن تھا کہ اس خط کی ایک کاپی رضوان کے پاس بھی ہوئی لیکن رابطے کی کمی کی وجہ سے تو میں ہوشیار تھی۔ اس نکتے نے مجھے الٹا لٹا ہوا کہ میں نے رابطے کی کمی کا راستہ تقریباً خود ارادی طور پر طے کر ڈالا۔ مجھے احساس ہی نہیں ہوا کہ ہر ایک کو رابطے کی کمی پہنچ گئی تھی۔ رکنے کے بعد میں نے ارد گرد کا جائزہ لیا اور گاڑی کا دوبارہ حرکت میں لے آئی۔ اس مرتبہ میں نے اسے قدرے دھڑکیا کہ ایک ایسی جگہ جہاں قریب وہ جا رہی تھی۔ کوئی نہیں تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ سے اتر کر میں کچھلی نشست پر گئی اور اس کے نیچے سے بڑھنے نکال لے۔ زبیدہ خاموشی سے میری حرکات و سکنات پر نظر رکھتے ہوئے تھی۔ میں نے فرخ کا کھال چھینا اور اسے آواز دی۔ فرخ نے ندا کی آنکھیں کھولیں اور پھر ہر ایک کے وہ اپنے ہوش و حواس کو تقریباً کھوئے ہوئے تھے۔ میں نے شکل تمام اسے برقع پہنا دیا اور خود بھی پہن لیا، پھر زبیدہ سے کہا "آؤ باب ذرا اسے سہارا دو!"

زبیدہ نے میرا ہاتھ لٹا دیا۔ فرخ کو گاڑی سے نکال کر میرا ہاتھ کی طرف سے چل پڑے۔ فرخ کو تقریباً گھٹیا ٹرپا تھا اور اس کی وجہ سے لوگوں کی قوجہ ہادی فٹنر منڈل ہو رہی تھی۔ ایسا ہونا مجھے بہت حق میں ہر قریب خاتون اس کے سوا کوئی دھمک بھی نہیں تھی!۔۔۔ جیسے جیسے ہم اسٹیشن میں داخل ہوئے اور میں نے رابطے سے

پندرہ منٹ باقی ہیں۔ اسی شریف آدمی نے ڈپٹی ٹیکسٹ پاسکے رہتا تھا جس کی اور اس وقت مجھے یہ خیال کہ وہ ایک ایک کنڈکٹ شدہ کیا تھا جس میں صرف دو برقیں نظر آ رہی تھیں۔ میں نے فرخ کو ایک برقیہ پر لٹایا اور جھگڑنے کا دروازہ کھولنے سے بند کر لیا۔ زبیرہ کے پاس سے میں نے سوچا تھا کہ اس کا چھٹے راستے پر ہی میں ٹائی سے بناواں گی۔

ٹری کی روانگی میں شاید باریج منٹ رو گئے تھے کہ کوئی بے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں بھی کڑی شامی ٹی ٹی لگایا میں نے ہتھ کر دروازہ کھولا اور جھجھک کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ مجھے اپنے عرصہ پر زمانہ سامعوسس چڑا تھا۔ یہ بات تو میرے سامان دکان میں بھی نہیں تھی کہ ایک پولیس انسپکٹر اور دو سپاہیوں کو اپنے سامنے کھڑا ہوا پاؤں کی۔

جب تک سامان کا کارٹر چھڑا دیا جا رہا ہے زندگی کے نشیب و فراز سے فراز حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ نشیب و فراز کم یا زیادہ ہر شخص کا ہوتا ہے۔ میری زندگی نشیب و فراز ہی سے عبارت رہی ہے لیکن غیر متوقع صورت حال سے زین کو جھٹکا لگنا فطرت کے عین مطابق ہے۔ ان پولیس والوں کو دیکھ کر سن کر دھکا مٹھ گیا۔ وہ قدم پیچھے ہٹ گئی۔ فراس میں غمناک یا کاکوئی پہلو نہیں نکلتا۔

میرے اس منظر اور عمل سے پولیس والوں کو یہ نام نہ نہ پہنچا کہ وہ بلا تکلف ڈپٹی سے گئے چلے گئے۔ زبیرہ جو بیٹھی ہوئی تھی، گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ میں نے ان چند لمحوں میں منجھال لے لیا تھا۔

”دیکھا مطلب ہے اس وقت ملاز کی؟“ میں نے تیز لہجے میں بولی۔

”ہم ایک ایسی لڑکی کی تلاش میں ہیں جسے کراچی سے اغوا کیا گیا ہے۔“

سب انسپکٹرز تجسس نظروں سے زبیرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پھر اس کی نظر پر فرخ پر گرا گئیں جو یہ سرورشی کے عالم میں تھی۔

”اور آپ اس لڑکی کو ایک ایسی ٹرین میں کاش کر رہے ہیں جو کراچی جا رہی ہے۔“ میں نے طنز بھری لہجے میں کہا۔

”کراچی اور لاہور کے درمیان میں متعدد اسٹیشن ہیں اور ان میں سے کسی بھی اسٹیشن پر اتار کر کوئی غیر قانونی فعل نہیں۔“ سب انسپکٹرز قدم قدم کر بڑھ کر فرخ کے پاس قریب پہنچ گئے اور بولا۔ ”کیا یہ لڑکی سہری ہے؟“

”یہ تو ہوتی ہے۔“ میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ ”بعض شہری رشتہ داروں سے بچھڑنے والے تھے۔ بہت دیر ہوئی تھی اور اس کا نتیجہ یہ ہوئی کہ یہی کی صورت میں نکلتا جائے تھا۔“

”بہت خوب!“ سب انسپکٹر کے لہجے کی جھپٹ میں نے اپنے دماغ پر محسوس کی۔

میں بہت تیزی سے سوچ رہی تھی۔ مجھے خبر تھا کہ یہ اصلی پولیس

تھا اور مجھ کوئی غیر قانونی بات نہیں تھی کہ میرے ملک پولیس کے بارے میں ہوشیار کر دیا جائے۔ بات یہ کہ میں لگتی تھی کہ پولیس اچانک ہی ڈپٹی سے پہنچ گئے ہیں جس میں فرخ موجود ہو۔ ڈپٹی ٹرین کا جس کا سفر سے لڑائی سے دور نہیں بلکہ کراچی کے قریب ہے۔ پولیس والوں کے نقلی ہونے کا صریح مطلب یہ تھا کہ وہ مجھ کے گھر کے گئے تھے۔ انہیں اسٹیشن اس سے بھیجا گیا تھا کہ اگر انہیں فرخ تو وہ قانون کی آڑ میں لے کر اسے دوبارہ اپنے بیٹے میں کر لیں۔ یہ انکا بوگوں کی نظر میں بھی ہو گا کہ ان کو پولیس لڑائی کے جاننے کی کوشش نہ لہذا وہ سب سے پہلے اسٹیشن کی طرف ہی دوڑنا شروع تھے۔

”یہ لڑکی کون ہے؟“ سب انسپکٹرز نے زبیرہ کی طرف اشارہ بہت گھبراہٹ ہوئی نظر آ رہی تھی۔

”میری ملازمہ ہے۔“

”ہوں۔“ سب انسپکٹرز نے جھٹکے کچھ ہوا بچھڑے دیکھا ہوا بولا۔ آپ لوگوں کو ہمارے ساتھ پولیس اسٹیشن بلا دیجاتے ملتے انکی تھی جس کا مجھے وہ دھڑکا تھا۔

”دیکھو اسے آگے لے سٹی دی۔“

”جلدی کیجئے!“ پولیس انسپکٹر بولا اور پھر اس نے ہاتھ پیر کر فرخ کو ہمارے ساتھ لے گئے۔

میں انکی ایک دروازے کے قریب ہی کھڑی ہوئی تھی۔ میرا اہم قدم اٹھانے کا فیصلہ کہ اور اس پھل کرنے میں کئی تاخیر کرنا۔ ان نقلی پولیس والوں کو شاید اس قسم کی کسی حرکت کا خیال لہذا جب تک وہ سنبھلے۔ میں اپنا کام کر رہی تھی۔ میں نے پھر سے دروازہ بند کر لیا تھا بلکہ اپنا ہتھوڑا بھی نکال لیا تھا۔

”تم تینوں اپنے ہاتھ اور ہتھوڑا!“ میری تیز سرگوشی اس طرح گونجی جیسے سامنے کی بھینک رہی۔

ایک لمبے ان تینوں کے چہرے پر دلہنی زانیہ رنگت کھو دی انہوں نے اپنے ہاتھ اور ہتھوڑا ڈھکے۔ ایسے ہی تینوں پر اگر ایک منافع ہو جائے تو ان کا یہ کام لڑ جیتنا یا فٹا ہے لہذا میں ایسے حالات تیزی سے اقدامات کرتی ہوں۔ میں برقی مریض سے گئے گھر کا انسپکٹر کے قریب پہنچ گئی اور پھر اس کی کپڑی پر پڑنے والی ابر ہاتھ کی کھڑی چوٹ سے اسے ہوش و حواس کی دنیا سے بیگانہ کر دیا۔

”میں نے یہی ہی طرح کرنا اور اسی وقت انجن نے دوسری بیٹا دوڑی کا انشیلر نے مجھ پر ایک دھڑ دھڑ ٹوٹ پڑنا دیا۔“

کو تو اپنے پیٹ پر میرے چھٹنے کی ضرب کو محسوس کر رہا اور دو کال پر اپنے ہاتھ کا اساتو تیز رفتار اور اس کے منہ پر کھینچ کر میں گھٹس محسوس کیا کہ وہ جگہ جگہ کھڑکی سے جاگتا اور دو دروازے

ہمارے اس کی پیشانی پر لڑائی تھی وہ دھڑک دھڑک کر۔ ایک اسٹیشن میں ایک برقیہ پر چڑھ گئی تھی۔ ٹری کے بلکے اور لڑائی اور گرتے گرتے گئی۔

اسی لمحے کے لیے اس ہوا اس جھٹکے جھٹکے کر میرے ہاتھ کی حرکت کر رہا تھا کہ میں نے اس کے قریب پہنچ کر کرنا اور کے میرے کمر کی قوت تھی۔ یہ تو افسانہ اس کی اوقات سے کچھ زیادہ ملے جاتا تھا۔ کچھ ایسا ہی تھا لہذا وہ کم از کم دس منٹ تک کے لئے صبر کر گیا۔ اس کا سامنا بھی اپنی پیشانی سے بیٹے ہاتھ سے دیا۔ جوئے کھینچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس میں مر رہی تھی۔ اس کا سر میری ہتھوڑوں کا ٹھکانہ بن گیا۔

ایک چینی بھلیں اور پھر وہ بھڑک کر اس کے احساس سے

رہنا میں تدریج اضافہ ہو رہا تھا۔

لہذا میں رکھ لیا اور سر کر زبیرہ کی طرف دیکھا۔

”میں کیا یہ تم صاب جی زبیرہ کا پتی ہوئی آؤ لڑائی۔“

”ہاں، میں اس کے قریب پہنچ کر اس کا گال چھتھانے لگی۔“

”گی تو یہ تاشے آئے دن دیکھنا پڑے گی ایسی باتوں سے چھوڑ دو!“

”میں صاب جی۔۔۔۔۔ تو پولیس والے۔۔۔۔۔“

”پولیس والے نہیں ہیں۔ میں نے اس کا کھاتے ہوئے صاب بائیں اطمینان سے کرنے کی ہیں۔“

”پہلے دروازے تینوں کا“

”کی سمجھ میں نہ آ سکا ہنگامہ بندوبست“ میری لڑائی کیا ہے؟

میں تو ان تینوں کی تلاشی کی اور اس تلاش میں میرا یہ لڑہ تینوں پولیس سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے۔ ان کی لڑائی کا تو یہ نہ کوئی دوسرا یا کاغذ تھا جو پولیس کے لعلوں کو بخشنی میں لانا کا انشیلر میں سے ایک کی جیب سے ملے۔ میں بہت سے تاہم اپنے ڈائمنڈ بزرگ تھے۔ یہ ایک سے کام لیتی تھی اس نے میں نے اپنے پرک میں

”میں نے ان کی جیبوں میں ہی میں نے دس نوکڑے دیکھے“

”کی تھیں۔ ان کے پاس کچھ لڑائی ہوئی تھی۔“ اس طرح ان میں سے میں نے تینوں کے ہاتھ پر ہاتھ دے دیے۔

”میں میری حرکتیں کر دیکھتی رہی۔“ انھیں ہاتھ سے لہذا

”میں ایک ایک کر کے ہاتھ درم میں لے گئی۔ ہاتھ درم لہذا

”میں کسی طرح میں نے ان کو کھڑکی سے ہی باہر اور دروازہ بند ہاتھ جھاڑے جیسے کوڑا بابر پھینک کر لائی ہیں۔“

میں زبیرہ کے پاس بیٹھ گئی اور اس کے گلے میں ہاتھیں ڈال کر بولی۔ ”آخر تم اپنی گھبراہٹوں کی وجہ سے ہوا جانو!۔۔۔۔۔ مجھے دیکھو! یہ کچھ کرنے کے لیے بھی کتنی طاقتیں ہوں!“

”وہ تو کچھ پولیس والے ہیں ہی تو کون ہیں؟“

”بدعاش!“ میں نے جواب دیا۔ ”ان لوگوں نے فرخ کو کراچی سے اغوا کیا تھا۔ فرخ اس لڑکی کا نام ہے۔ اسی کو ان لوگوں سے بچھڑنے کے لئے میں لاہور لائی تھی۔ بہت مشکل تمام میں اسے ان لوگوں سے چھیننے میں کامیاب ہو گئی۔ ان لوگوں کو لہذا وہ ہو گا کہ اس فرخ کو جلد جلد لے جائے گی۔“

”کوشش کروں گی لہذا انہوں نے اپنے تین آدمیوں کو اسٹیشن کی طرف دوڑا دیا۔ انہوں نے پولیس کی دلدی کہیں کر پٹے کا کام نہ سامان کرنے کی کوشش کی تھی لیکن میں انہیں تار لگائی۔“

”اب آپ ان کا کیا کر رہی ہیں؟“

”دلیس! ہاتھ درم میں بند رہیں گے۔ کراچی پہنچ کر بھی میں ان کو نہیں لکھلاؤں گی۔ بعد میں ڈپٹی کی صفائی کرنے والوں کو ان کا پتہ چلے گا اور اس کے بعد جو کچھ بھی ہوتا ہے مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔“

”یہ بے ہوش ہیں؟“ زبیرہ نے فرخ کی طرف اشارہ کیا۔

”ہاں۔“

”تو آپ انہیں ہوش میں کیوں نہیں لاتیں؟“

”اسے خود ہی ہوش آئے گا۔ واصل سامنے غشی کی دلدی گئی ہے۔“

اس کا تو دروازہ ہی سے لیا جاسکتا ہے اور دوامیہ پاس نہیں ہے۔“

زبیرہ مستغرق نظروں سے فرخ کی طرف دیکھتی رہی۔

”جینتی جینکاٹائی ہوئی ٹرین اپنی منزل کی طرف ڈال دو! اس تھی لیکن اگر کنڈکٹ شدہ کوئی کی فضا اس شورش غالی تھی۔“

فرخ کو حاصل کرنے کے بعد اب میں اپنے ذہن کو ایک بہت بڑے بوجھ سے آزاد با رہی تھی۔ ڈپٹی میں جو کچھ ہو چکا تھا۔ اسے اپنے ذہن سے جھٹکنے کے لئے میں نے زبیرہ کو اپنی آخری میں طبعیت لیا اور اس کے پیچھے گئے ہوئے ہونٹوں میں اپنی دل بھنکی کا سامان لٹھوڑنے لگی۔

”رضوان لاہور میں رہ گیا تھا لیکن مجھے تو کتنی کوشش کر رہی تھی جلد ہی کسی ٹرین سے کراچی کے لئے روانہ ہو جائے گا۔“

میرے پاس خود درویش کا سامان نہیں تھا اس لیے اب اس کے سرا کوئی صورت نہیں تھی کراچی پہنچے۔ ہم صرف باقی پر گزارا کیا جائے۔ کھانے کی کوئی چیز خریدنے کے لئے تو میرے اسے اس خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق، اپنے من میں کھینچوں کے لاپہ ہونے سے ان لوگوں نے سمجھ لیا ہو گا کہ انہیں بھرپور شکست ہوئی ہے۔ نیز یہ کہ اس ٹرین میں سفر کر رہی ہوں۔

مجھے یقین تھا کہ اس کی اس شکست پر کپٹن آفاق دانت میں رہا ہو گا۔

تھکا کم ہڑے سے بڑے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے تڑپا ہوا تھا۔
لیکن وقتی طور پر اس میں سب باتوں کو فراموش کر کے زیدہ کے
جوان بدن کا سینہ دیکھ چلائی رہی۔ میرے ہونٹ اس کے عارضی گلوں
سے سرگوشیاں کرتے کرتے گت خیل کی ہنزل سے گزر گئے۔ میرے ہاتھوں
نے جذبات کے ہر ذرہ تک دی اور زیدہ کی حرکات و سکنات نے بھی
مجھے بالوں نہیں کی تاہم جو ایک میں نے فخر میں محسوس کی تھی، زیدہ
میں اس کا فقدان تھا۔ پس اس کی شان کی رنگت ہی میرے دل کو کھینچتی تھی
اور میں نے دشت میں اس رنگت کو بھڑکھڑاٹا تھا۔
شام کے گھٹنے وقت کے شبیر جیسے میں دو بدن کو بھینچتے رہے اور
ان کے پسینے کی ہلکے سے نفس کی آسانی کا سلسلہ ٹوٹ رہا تھا۔
شام کو جب فرخ نے ٹوٹ بدلے تو اس کے ہاتھ اگلے قریب ہو گئی۔
اب اسے ہوش آنے لگا تھا۔ میں نے اس کے پہلوں کی لپٹ لیا تو اس کی
گردن کے نیچے گردیا اور دوسرا ہاتھ بڑے پیار سے اس کے گریب پر بھیڑے
لگی۔ ساتھ ہی اسے جسمی آواز میں پکارتی بھی جاری تھی۔
”فرخ!... فرخ!... جان!... انھیں کھڑکھڑا کر دیا۔“
فرخ کی انھیں کھل گئی اور وہ آہستہ آہستہ پسینے سے جھپکنے لگی۔
اس کا چہرہ جذبات سے عاری تھا۔
”فرخ!... جان!... میں نے اسے بھر نکالا۔“
اس نے میری طرف سر جھکایا اور اس طرح دیکھنے لگی جیسے پہچانے
کی کوشش کر رہی ہو۔ انھیں کھل جانے کے بعد بھی اس کے جواس ابھی
پوری طرح بدل نہیں ہوئے تھے۔ اس کی آنکھوں میں شام کی کھجک
مجھے چند لمحوں نظر آئی تھی۔
”بالو! اس کے منہ سے مدھم سی آواز نکلی۔
”ہاں جان!“ میں نے اس کے کچلے ہونٹ پر اچھکی پھری۔
”گھبراؤ نہیں، اب تم محفوظ ہو۔ میں تمہیں ان لوگوں سے بچھڑا لاتی ہوں۔“
”ابو! فرخ نے پہلے کھپکھپ سسکا دی اور پھر سے لپٹ کر اس کی
آنکھوں کے دو دروازوں سے آنسوؤں کا جھوم پڑا تھا۔ ان آنسوؤں
میں سرت اور شکر کی چمک کے ساتھ کبھی بھی جھلک رہا تھا۔ میں نے اسے
ہونٹ اس کی آنکھوں پر رکھ دیا۔ وہ ہونٹ اتنے کم قیمت تو نہیں تھے کہ انک
نفس ہو جائے۔ ان کی جگہ تو میرے دل کے مرکز میں تھی، میرے ہونٹ انہیں
اس مرکز پر پہنچ کر رہے۔ فرخ کے دل کا بوجھ ہلکا ہو رہا تھا۔ میں نے اسے
چپ ہونے کی تلقین نہیں کی۔ اس پر ہونے لگی تو اس کا غبار صاف چھٹا
ہے۔ جب وہ غبار صاف ہو گیا تو میں نے زیدہ سے کہا کہ وہ ہاتھ دھو کر
گلاس میں پانی بھرا لے۔ ایک گلاس دیاں پی لے سے جو وہ خدا ممکن ہے
وہ ڈانٹنگ کار کا رو۔ زیدہ پانی لے آئی تو میں نے فرخ کو ٹھیکایا اور گلاس
اس کے ہونٹوں سے نکال دیا۔
”ٹھیکایا ہوا گلاس سیر ہوا توڑی ہوئی رنگت واپس لوٹنے

مٹاؤ اور پھر سیرالہ انداز میں میری طرف اٹھیں۔
”یہ زیدہ کی تھکائی ہوئی طرح ایک مصیبت زدہ
فرخ کی ہکا بول کو جواب دیا۔ سوئیٹلے باب کی تسلی
تھی۔ میں اس کی لالچی لگی ہوں۔ تجھ کی جھوکی ہے۔
لوگوں کی ذہنی تہاڑی بھی ہو جائے گی۔“
فرخ نے فحش ہمز مسکراہٹ کے ساتھ زیدہ کا
بھی مسکرایا۔ میں نے وہ شکستہ نظریں کی بھاری دیکھی اور
قریب بٹھایا۔ فرخ میری طرف متوجہ ہو کر اس کی
مچل رہے تھے۔ ان ہولوں کو نظریں کی حاجت بھی نہیں
میرے احساس کی چھاتی میں دھڑکنے لگے تھے اور میں
سکتی تھی انہیں سمجھ سکتی تھی۔ میں فرخ کو تانے لگی کہ
”نہ اس قیامت کا بھی اظہار کیا جو اس کا خواہے مجھ ویر
اسے نفسیں سے بتا کر اسے حاصل کرنے کے لیے مجھے کیا
تھے۔ اس نے میری باتوں کو بڑے غور سے سنا اور بڑی
کسی موقع پر وہ بے حد خیرہ نظر آنے لگی اور کبھی اس
گڑھے مسکراہٹ سے کانپنے لگا۔ اس نے بیچ میں مجھے
سے سب کچھ سنا اور جب میں بیان کی تسکین پر پہنچا
پھر مجھ سے لپٹ گئی۔
”ہائے بالو!... آپ نے مجھ کو نصیب کے
کیوں مول لیے۔؟ میں اس قابل تو نہیں ہوں۔“
”میرے دل کو کوئی ایسی کائنات مل جائے تو،
بچاں دھڑکنے تھنہاری ایک سانس سے کم قیمت ہوتی
باتوں میں انگلیاں اٹھاتے ہوئے کہا کہ خود میرے کو اپنی
نہیں ہوتا۔ اس کا نفس تو آنکھوں میں پیدا ہوئے وال
فرخ نے کچھ نہیں کہا۔ وہ مجھ سے اس طرح
محمور ہو گئی ہو۔
”تمہیں جھوک تو لگی ہوگی جان؟“ میں نے اس
”جھوک؟“ وہ مجھ سے الگ ہو کر مسکرائی
محسوس کر رہی ہوں جیسے میرے ہونٹ میں وہ کچھ نہ
”مگر جان! میں تمہیں کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں
میں نے اس کوئی سے کہا۔ ”آیات کے بھوت ہمارے آوار
ہیں۔ اگر ہم نے ڈنکے کا دروازہ کھولا تو شاید قیامت ہی
پہنچے ہمیں جس طرح سے یہ عقیدہ ہلکا ہے۔“
”اسے تو اس میں آپ کا سامنا ہونے کی کیا
”اس خیال سے میری دل کی مار مارے کہ تم جھوک؟
”اب میں کوئی ایسی بھی نہیں ہوں بلکہ ایک
برداشت نہ کر سکتا۔ فرخ نے میں کو کہا۔

خالی کون سا آپ کر؟... ارے ہاں! آپ کو کیا معلوم؟
میں کئی وقت تک جھوکی نہیں ہوں۔ آج وہ میرے کچھ ان لوگوں
کا رہا تھا اور میں نے کچھ نیچے نہ ہار کر کھینچے۔ میرے دلے۔
میں کہہ سکتی کہ اس نے میری تسلی کے لیے ایسا کہا تھا یا حقیقت
فرخ نے ”میں نے مشتعل ہو کر کہا۔“ کراچی پہنچ کر اس
دی زکیت کے ایک ایک گھنٹے کا حساب دیا۔ ابھی تک
”میں نے اپنی طاقت کا مظاہرہ نہیں کیا ہے۔ اب میں ان
لی کو صبر باؤنڈیا چھڑے۔“
”لوگوں مجھے پوچھیں تو میں انہیں بتاؤں کہ صبر باؤنڈیا
دینے نہ سکر کر کہا۔“
”میں نے اس کا پتلا ہونٹ پکڑ کر ہولے
درا۔“
”میں انہیں باتوں کی کھجی باؤنڈیا تھپتھپ کا نام ہے۔“
”لوگوں کے لیے تو میں تھپتھپ کا نام نہیں ہوں۔“
”میں باؤنڈیا میری خاطر آپ خطرات سے ڈاٹھنے کا کارپ کو
ان پہنچ گیا تو میں خود کبھی معاف نہ کر دوں گی۔“
”میں نہیں جان! مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ ایسے لوگوں سے
میں نقصان پہنچتا ہے ان عورتوں کا قصور صرف یہ ہے کہ وہ
”ہیں۔“
”میں نے ہاتھ دوڑا میں ہی بند ہیں۔“ فرخ کی ذہنی رد وری
”ہیں۔“
”کیا دیکھو گی انہیں؟“
”میں ہوش میں ہیں۔ زیدہ نے مجھے بتایا۔“ جب میں ہاتھ
”میں نے کچھ ایسی نظروں سے گھورنے لگے تھے جیسے
”کیا کھانا جاؤ گی انہیں؟“ میں ہنس کر بولی۔
”میں نے انہیں اجاگر کی تھی۔“
”ابو! اسٹیشن آگیا۔“ زیدہ بولی۔
”میں نے خیال ظاہر کیا۔“
”میں نے ہاتھ دھو کر کھانا کھا لیا۔“
”میں نے فرخ کی نظروں کی پکڑ کر کہا۔“ اب اجازت
”میں نے اس سے جاگ رہی ہوں۔“
”اب تو اس سے آگے کی انھیں شرح ہوتی ہیں۔“
”لو!... اگر کوئی دنگ دے تو دروازہ ہرگز نہ کھولنا“

”ہماری ہمت ہی تھیں۔“
”میں ہنس کر ہاتھ پر لپٹ گئی۔ میں نے اپنا سر زیدہ کی گردن پر رکھا
تھا۔ زیدہ کے چہرے پر مدھم سی مسرتی پھیل گئی۔ ”میری ایسی ہی تھی جیسے
رکتے ہوئے انکار سے پر لاکھ کی بارک سی ہوتی ہو۔“
”درا سر تو سہلاؤ زیدہ!...“ میں نے زیدہ سے کہا۔
”اس نے اپنی خوبصورت انگلیاں میرے بالوں میں الجھائیں اور
انگلیوں کو اس طرح حرکت دینے لگی کہ مجھے تسکین کا احساس ہوا۔ دو
خوبصورت وجود میرے قریب تھے اور میں بڑی آسودگی محسوس کر رہی تھی۔
میں نے انہیں پھیلایا اور باؤنڈیا پر فرخ کی گردن پر رکھ کر اور وہ بڑے پیار
سے فرخ کو سہلائے لگی۔ ان لمحات کو میں نے کثیف و غائب سے ہرگز نہ
اور وہ بڑی میری پوچھنے لگیوں نے، انھوں کو ڈھکایا لیا۔ ”میں نے خواب میری
بندھا انھوں میں در آئے اور خواہیدہ دماغ میں خوشبو کی تھیں۔“
”ان خوشبوؤں کی لپٹ میں آ جاؤ تو کھنکھناتی زندگی کا سفر طرا آسان معلوم
ہونے لگتا ہے۔“
”جب میری آنکھ کھلی تو کبھی میرا سر زیدہ کی گردن اور ہر فرخ
کی گردن تھا۔ میں نے اپنی لالچی پر بندھی ہوئی کھجی پر نظر ڈالی اور کھجی
بچنے والے تھے۔“
”ارے!“ میں جلدی سے اٹھ بیٹھی۔ میں تو چھ سات
گھنٹے سوئی۔“
”اچھا ہاں!... آپ کا داغ اب ہلکا پھلکا ہو گیا ہوگا۔“
”فرخ نے بولی۔
”اور تم دونوں اتنی دیر تک یوں ہی بیٹھی رہیں۔ سو جاؤں تم
دونوں بھی۔“
”آپ کی نیند جو ٹوٹ جاتی تھی صاب جی!... آپ کا سر
میری گردن تھا۔“
”اور میری گردن آپ کے سر سے آگے تھی۔“ فرخ نے ہنس کر کہا۔
”میری نظروں سے کبھی تو اپنی نکتہ ان دونوں پر پڑا۔ ہونے لگی۔
”اچھا اب تم دونوں سو جاؤ۔“ میں نے بڑے پیار سے کہا۔
”آپ بھی سو جائیے!... ابھی تو بہت رات باقی ہے۔“
”میں اب مجھے نیند نہیں آئے گی۔ کاشی سو سکتی ہوں۔“ میں نے
اپنے سر میں سے سرگت کا کیٹ نکالے ہوئے کہا۔
”وہ دونوں لیٹ گئیں اور میں سرگت جلا کر کچلے کچلے لپٹ لگی۔ اب
ایک بار پھر میرے دماغ پر فکر کی گردن نے جنا شروع کیا۔ آنے والی وقت اپنی
اہمیت کا پتہ ہوا تھا۔ میں نے فیصلہ تو کر لیا تھا کہ اپنی نیند نہ دے گا
دروازہ نہیں کھولوں گی لیکن سوال لگایا ہے کہ میں کھانا کھاؤں اس میں کسی
شک و شبہ کی گنجائش نہیں تھی کہ وہ کچھ آج کے کچھ ہمارے سوا کت
کے لیے پوری طرح تیار ہوں گے۔ میں نے اندازہ لگائے سے قاصر تھی کہ سوا کت

بہت کم میرا داغ اسی اور دھڑکی میں لگا رہا۔ قریب اور زیدہ کوئی دہسے لگتی پانی کر مر رہا تو لگا لگا تھا۔ میں اٹھ کر باختر دوڑ میں گئی۔ وہ تیزوں آنکھیں بند کئے جس حرکت پر سے ہوتے تھے۔ میں نے جھانکے کی ضرورت نہیں سمجھی کہ وہ کھٹن سے بے ہوش ہو گئے تھے۔ اب میں نیند کی گئی۔

میں نے دوش میں میں تین چار کتیاں کیں اور دھڑکی پانی پیلا اور باختر دوڑ سے نکل آئی۔ سوئی ہوئی زیدہ اور قریب کے چہروں پر میں نے جیسے پیار سے ہاتھ بھیرے ان کے چہروں پر کبھر سے ہونے والی مسکرات میں ابھی جگہ پر بیٹھ گئی۔

اٹھ کر لیجئے کہ درمیانی حصے میں وہ دونوں جاگ گئے۔ بھوک نے قریب کو بھال کر رکھا تھا۔ اس کے چہرے کی گندہ رنگت سے اس کے حال زندگی ساری کیفیت عیاں تھی لیکن اب بھی اس نے اپنی بھال کیفیت کو الفاظ میں کر زبان پر نہ آنے دیا۔

نی اپنا لہنت بانی تھے وہ دھڑکی ہی ان دونوں کا بھی مقدر تھے۔ میں نے قریب کا جی بھلائے کے لیے اسے اور ادھر کی باتوں میں لگھا لیا۔ اس انگلیس کی خاصا وقت کو کر گیا۔ اب میرے انداز سے کے مطابق طریق کو کر اچھی کے منافات میں ہونا چاہیے تھا۔ گو اپنا منزل قریب آچکی تھی اور فیصلہ کن لحاظ کا دلویہ میرے ساتھ کھڑا مسکرا رہا تھا۔ میرے چہرے پر پھیلا ہوا اضطراب وہیں قریب کی لنگاہوں سے جھانڈ رہا تھا اور وہ بولی پڑی۔

”آپ اچانک کچھ پریشان نظر آئے تھے ہیں“

”پریشان! نہیں تو“ میں ہنس پڑی۔

”قریب کچھ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن الفاظ اس کے منہ میں پھیندے گئے۔ پریشان کو اچانک دھچکا سا لگا تھا اور اس کے ساتھ ہی انہیں کی سیز۔ سیز سناؤ دیتی تھی پھر فوراً ہی طریق کی رفتار میں بدستریج کی کمانجی احساس ہوا۔

”گاڑی کسی چیز سے ٹکرائی تھی“ میرے منہ سے جیسا فٹ نکلا وہ کس سے؟“ زیدہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

”کوئی جانور آگیا تو پکا پکڑی یہ“ میں نے جواب دیا ایک نون کی گاتیں پھینیں اور گھر سے اکثر گاڑی کے سامنے ٹکر لاک جواتے ہیں“

”شرین کی رفتار خاصی تیزی سے کہ کوئی چلی گئی تھی اور بالآخر وہ رک ہی گئی۔ میں نے اختیار ایک کھڑکی کھولی کہ باہر جھانک لگی۔ اگر اسے بے احتیاطی کیا تھا تو قریب اس سفر کے دوران میں میری ہنسی بھلی بے احتیاطی تھی۔ ویسے بھی جو کدہ کوئی اسٹیشن نہیں تھا اس لئے خلوہ کی کوئی بات نہیں تھی۔ میں نے لوگوں کو دیکھا جو گاڑیوں سے اتر کر آگئے، انہیں کی طرف بھاگ رہے تھے۔ کچھ لوگوں نے میری طرف صرف کھڑکی سے جھانک کر رکھا تھا۔ میں نے دیکھا، سر نہ بڑھا، دیکھا کہ وہاں کا جائزہ لیا تو مجھے پتہ چلا کہ گاڑی ابھی ابھی لٹاؤ کی کسٹیشن سے گزری تھی۔

”میں اس سے میں بس اتنا ہی دیکھ سکی ہوں کہ لوگ جمع ہو رہے ہیں اور جھجک جھجک کر ان کے پیچھے کچھ کہہ کوئی جانور ہی ہلاک ہوا ہے۔ اس کی لاش انہیں کے پیچھے رہ گئی ہوگی“

”تو کیا گاڑی اب دیر تک ٹرکے گی؟“ قریب

”جب تک اس لاش کو نہ لگا جائے...“

”حلق میں دھچکا لگ گیا کیونکہ رضوان کی وہاں موجودگی تو میں بھی نہیں تھی۔“

”قریب کو نے کہ جلدی سے اتر آؤ“ رضوان اکر ہوا مجھ سے کہہ رہا تھا۔ اس کی نظریں میرے چہرے کی کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔ شاید کوئی متوقع خط میں کھلا رہا تھا۔

”رضوان کی وہاں موجودگی میرے انگیز ہونے کے سوا“

”خوب بھی نہیں میں اس موقع پر غورہ نکوس وقت گزار رہا تھا۔ مجھے اور قریب کو ڈیڑے سے آدھ گھنٹہ پہلے تھا تو یقیناً اس میں کچھ وہ مجھ سے پہلے پہاڑ پہنچ گیا تھا اس لئے یقیناً اس نے حالات سے لاپرواہ کیا۔ میں نے قریب سے کچھ بھٹ کر کھڑکی بند کر ادھر پڑاؤی ہوئی بولی۔

”چلو! ہمیں یہیں اترنا ہے“

”اور... اور...“ مجھے... مجھے... صاب جی! “

”تم کو میں پہاڑ کیسے چھوڑ دوں گی؟ تم جی! آؤ! آؤ!“

”ہائو! قریب پریشانی ہے میں بولی۔ یہ تو شاید جو کاشن پر...“

”ہاں اس کا نام رضوان ہے۔ اپنا دوست ہی سمجھو“

”کھوتے ہوئے جواب دیا میں نے نہیں اس کے ہاں سے میں قریب گھرائے ہوئے انداز میں سر ہلانے لگی۔

”میں نے دروازہ کھولی کہ پیچھے قریب کو انکا ادھر پھر زیدہ کو دیکھ کر چونک رہا تھا جب میں اتری تو میرا خیال تھا کہ زیدہ کے ہاں سے سوال کرے گا لیکن سوچنے کی نزاکت سے زیادہ معلوم تھی اس نے بس اتنا کہا کہ ادھر چلیں سب“

”میں نے رضوان کے پیچھے قدم اٹھائے۔ زیدہ میرا ہوا ہونے سے ادھر قریب نے خود کو سب سے ڈھکی باز سے چپا دیا تھا۔

”رہلے ہوئے میری نظریں اور گھر کے ساحل سے پوری طرح گلاس ہو چلیں میں کبھی خطے کی خاطر قریب نے داری رضوان سے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ میں ہر بات سے بے ہوا ہوا۔

”ہر ملک پہنچنے چیل کھڑی ہوئی ایک ایک کار اور دروازہ“

”میں اس سے میں بس اتنا ہی دیکھ سکی ہوں کہ لوگ جمع ہو رہے ہیں اور جھجک جھجک کر ان کے پیچھے کچھ کہہ کوئی جانور ہی ہلاک ہوا ہے۔ اس کی لاش انہیں کے پیچھے رہ گئی ہوگی“

”تو کیا گاڑی اب دیر تک ٹرکے گی؟“ قریب

”جب تک اس لاش کو نہ لگا جائے...“

”حلق میں دھچکا لگ گیا کیونکہ رضوان کی وہاں موجودگی تو میں بھی نہیں تھی۔“

”قریب کو نے کہ جلدی سے اتر آؤ“ رضوان اکر ہوا مجھ سے کہہ رہا تھا۔ اس کی نظریں میرے چہرے کی کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔ شاید کوئی متوقع خط میں کھلا رہا تھا۔

”رضوان کی وہاں موجودگی میرے انگیز ہونے کے سوا“

”خوب بھی نہیں میں اس موقع پر غورہ نکوس وقت گزار رہا تھا۔ مجھے اور قریب کو ڈیڑے سے آدھ گھنٹہ پہلے تھا تو یقیناً اس میں کچھ وہ مجھ سے پہلے پہاڑ پہنچ گیا تھا اس لئے یقیناً اس نے حالات سے لاپرواہ کیا۔ میں نے قریب سے کچھ بھٹ کر کھڑکی بند کر ادھر پڑاؤی ہوئی بولی۔

”چلو! ہمیں یہیں اترنا ہے“

”اور... اور...“ مجھے... مجھے... صاب جی! “

”تم کو میں پہاڑ کیسے چھوڑ دوں گی؟ تم جی! آؤ! آؤ!“

”ہائو! قریب پریشانی ہے میں بولی۔ یہ تو شاید جو کاشن پر...“

”ہاں اس کا نام رضوان ہے۔ اپنا دوست ہی سمجھو“

”کھوتے ہوئے جواب دیا میں نے نہیں اس کے ہاں سے میں قریب گھرائے ہوئے انداز میں سر ہلانے لگی۔

”میں نے دروازہ کھولی کہ پیچھے قریب کو انکا ادھر پھر زیدہ کو دیکھ کر چونک رہا تھا جب میں اتری تو میرا خیال تھا کہ زیدہ کے ہاں سے سوال کرے گا لیکن سوچنے کی نزاکت سے زیادہ معلوم تھی اس نے بس اتنا کہا کہ ادھر چلیں سب“

”میں نے رضوان کے پیچھے قدم اٹھائے۔ زیدہ میرا ہوا ہونے سے ادھر قریب نے خود کو سب سے ڈھکی باز سے چپا دیا تھا۔

”رہلے ہوئے میری نظریں اور گھر کے ساحل سے پوری طرح گلاس ہو چلیں میں کبھی خطے کی خاطر قریب نے داری رضوان سے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ میں ہر بات سے بے ہوا ہوا۔

”ہر ملک پہنچنے چیل کھڑی ہوئی ایک ایک کار اور دروازہ“

”میں اس سے میں بس اتنا ہی دیکھ سکی ہوں کہ لوگ جمع ہو رہے ہیں اور جھجک جھجک کر ان کے پیچھے کچھ کہہ کوئی جانور ہی ہلاک ہوا ہے۔ اس کی لاش انہیں کے پیچھے رہ گئی ہوگی“

”تو کیا گاڑی اب دیر تک ٹرکے گی؟“ قریب

”جب تک اس لاش کو نہ لگا جائے...“

”حلق میں دھچکا لگ گیا کیونکہ رضوان کی وہاں موجودگی تو میں بھی نہیں تھی۔“

”قریب کو نے کہ جلدی سے اتر آؤ“ رضوان اکر ہوا مجھ سے کہہ رہا تھا۔ اس کی نظریں میرے چہرے کی کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔ شاید کوئی متوقع خط میں کھلا رہا تھا۔

”رضوان کی وہاں موجودگی میرے انگیز ہونے کے سوا“

”خوب بھی نہیں میں اس موقع پر غورہ نکوس وقت گزار رہا تھا۔ مجھے اور قریب کو ڈیڑے سے آدھ گھنٹہ پہلے تھا تو یقیناً اس میں کچھ وہ مجھ سے پہلے پہاڑ پہنچ گیا تھا اس لئے یقیناً اس نے حالات سے لاپرواہ کیا۔ میں نے قریب سے کچھ بھٹ کر کھڑکی بند کر ادھر پڑاؤی ہوئی بولی۔

”چلو! ہمیں یہیں اترنا ہے“

”اور... اور...“ مجھے... مجھے... صاب جی! “

”تم کو میں پہاڑ کیسے چھوڑ دوں گی؟ تم جی! آؤ! آؤ!“

”ہائو! قریب پریشانی ہے میں بولی۔ یہ تو شاید جو کاشن پر...“

”ہاں اس کا نام رضوان ہے۔ اپنا دوست ہی سمجھو“

”کھوتے ہوئے جواب دیا میں نے نہیں اس کے ہاں سے میں قریب گھرائے ہوئے انداز میں سر ہلانے لگی۔

”میں نے دروازہ کھولی کہ پیچھے قریب کو انکا ادھر پھر زیدہ کو دیکھ کر چونک رہا تھا جب میں اتری تو میرا خیال تھا کہ زیدہ کے ہاں سے سوال کرے گا لیکن سوچنے کی نزاکت سے زیادہ معلوم تھی اس نے بس اتنا کہا کہ ادھر چلیں سب“

”میں نے رضوان کے پیچھے قدم اٹھائے۔ زیدہ میرا ہوا ہونے سے ادھر قریب نے خود کو سب سے ڈھکی باز سے چپا دیا تھا۔

”رہلے ہوئے میری نظریں اور گھر کے ساحل سے پوری طرح گلاس ہو چلیں میں کبھی خطے کی خاطر قریب نے داری رضوان سے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ میں ہر بات سے بے ہوا ہوا۔

”ہر ملک پہنچنے چیل کھڑی ہوئی ایک ایک کار اور دروازہ“

کسی بھی لادار کا لباس پہن سکتی تھی۔
 پھینک دیا، اپنی خوابگاہ میں پہنچی اور ٹیلیفون کا ریسور اٹھا کر
 خبر دانی کرنے لگی۔ دوسری طرف گھنٹی بجی اور پھر کسی نے ریسور اٹھا لیا
 ”ہیلو“ ایک مردانہ آواز سنانی دی۔
 ”گماندہ تھی“ میں نے اٹھتے ہی میں کہا ”لاؤ تمہارا منہا اور۔“
 ”یو رہا نش“ دوسری طرف سے جو تک کہہ گیا۔
 ”ایک فوٹ کرنا“ میں نے اپنا فقرہ مکمل کیا۔
 ”آپ۔۔۔۔“
 ”میں جو کمرہ رہی ہوں، وہ کروا“ میں نے ڈیٹ کر کہا۔
 ”ہیں۔۔۔۔ یو رہا نش“ آواز سے پوچھا ہٹ مایا تھی۔
 میں نے اسے ترخے کے گھر کا پتہ فوٹ کر دیا اور پھر بولی ”اس گھر
 میں ایک لڑکی رہتی ہے جس کا نام ترخہ ہے کچھ لوگ اسے اغوا کرنا چاہتے
 ہیں اور وہ بڑے باروشہ لوگ ہیں لیکن انہیں اس کے اثر رسوخ کی ذرہ
 برابر اثر نہیں کرنا چاہیے۔ معاملہ بڑے قانون میں خود دیکھت لوں گی۔ تمہیں
 ہیں اتنا کہ اسے کہہ دے کہ وہ لڑکی کو اغوا نہ کرے۔ اگر مرگ پر لائیں گے تو فیت
 اٹھانے کو مجھے بھڑانا سمجھ گئے؟“
 ”یو رہا نش“
 ”بڑے جتنے کے احتیاط سے پہلے اس کی حفاظت کی دیتے داریاں نہیں
 اور اگر اسے کچھ ہو گیا تو بہت بڑی طرح پریش آئی گی“
 ”آپ اطمینان رکھیں یو رہا نش۔۔۔۔ اگر باز پرس کی فوٹ آہی گی
 تو وہ باز پرس آپ کا منہ دھوئے دے گی اس کی لاش سے کریں گی“
 میں نے بڑے کچھ بے خبر سے منقطع کر دیا اور کس پر گرا اطمینان کی
 سانس لی۔ اب میں ترخہ کی طرف سے بے فکر نہ تھی۔ لیکن آفاق نے مجھے اس
 بات پر مجبور کر دیا تھا کہ میں اپنے وسائل کو کام میں لاؤں۔ اب کیش آفاق کو
 احساس دلا کہ اس نے ایک چٹان سے ٹکرائے۔
 ممکن ہے کہ میری اس سرگزشت کو بڑھانے والے ٹیلیفون پر
 ہونے والی اس گفتگو سے کسی غلط فہمی کا شکار ہو جائیں اس لئے
 میں یہ بات صاف کر دینا چاہتی ہوں کہ میں انویسٹی گیشن کے کسی سرکاری
 محکمے کی سربراہ نہیں ہوں۔ پہلے مجھے کہیں میں یہ بات کہہ چکی ہوں کہ
 میں حکومت پاکستان کے کسی بھی شعبے کی ملازم نہیں ہوں۔ لیکن اگر
 نے مجھے یو رہا نش ”کہا تھا لیکن اس کا بھی مطلب نہیں کہ میں کسی
 ملک کی شہزادی ہوں۔ بات کچھ اور کی ہے لیکن میں اس کی تفصیل
 میں نہیں جاؤں گی۔ میں نے اپنی سرگزشت کے آغاز میں ہی کہہ دیا تھا
 کہ میری ذات سے وابستہ اسرار سے دفتر راز خود ہی پر وہ اٹھتا ہے
 گزیریں خاص طور سے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گی۔
 میں کہہ کر بیٹھی سستار بنی تھی کہ ایک ملازم نام شے کی ٹرائی

حد نگاہ تک دیر نہ پھیلا ہوا تھا۔ جانے کے ساتھ جو کچھ
 میں جٹ کر گئی۔ پھر چلنے کی دیر بایاں کی کہ تو میں مکمل طور
 دم ہو گئی۔ اب نئے مہرے سے کسی کام میں جٹ جانا میرے
 مسئلہ نہیں تھا لیکن فی الحال اس کچھ کرنے کے بجائے صرف
 ہی رہ سکتی تھی۔ مجھے رضوان اس حد کا استہوار تھا کہ جب وہ
 یہ اطلاع دیدیا کہ وہ آدھے گھنٹے تک ترخے کے گھر میں انگ کر رہا
 اس دوران میں ترخہ محفوظ رہی ہے تو پھر مجھے مکمل اطمینان
 تھا ایک ایسی ہی جی ہے جس میں مکمل اعتماد کر سکتی ہوں یہ وہ
 تو اس لئے کہ اسے لانا سے انجام دینے میں مکمل یقین ہو کر خود
 میں اس کی کس پریشانی ہوئی تھی کہ ملازم نے اگر رضوان
 لارڈ دیا اور میں فوراً ڈرائنگ روم میں پہنچ گئی تھی اس کے
 صورت حال کو پرکھ لیتا جا رہی تھی لیکن مجھے نہیں اس کے
 ”کیا رہا؟“ میں سوال کرنے پر مجبور ہو گئی۔
 ”میں ترخہ کے گھر سے آ رہا ہوں“
 ”وہ محفوظ ہے نا؟“
 ”جب میں وہاں سے ملا تھا، اس وقت تک محفوظ
 ”تم وہاں آدھے گھنٹے کے تھے؟“
 ”ہاں۔“
 ”میں جو تھراپ ٹکر کرنے کا کوئی عمل نہیں رہا“ میں ط
 میکر بولی۔
 ”تمہارے اطمینان کا سبب میری کچھ نہیں آ رہا ہے
 ٹھونسنے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔
 ”سبب میں آتا ہی ہے کہ اب میں اپنے وسائل کو بر
 لا چکی ہوں۔ عموماً تو میری کوشش یہی ہوتی ہے کہ اپنے کسی ما
 صرف اپنے دماغ سے کام لیں لیکن ترخہ کے معاملے نے مجھے ا
 کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کر دیا ہے“
 ”وہ وسائل کیا ہیں؟“
 ”میں نہیں بتا سکتی۔ میرے وسائل جب تک راز
 ہیں، میں انہیں راز میں رکھوں گی۔ اگر کبھی از خود اس را۔“
 گیا تو اور بات ہے۔
 ”تم خواہ خواہ زیادہ پراسرار بننے کی کوشش کر رہی
 نے منہ باز کر کہا۔
 میں ہنس کر رہ گئی، پھر بولی ”مظہر وہیں تہیہ
 اور تماشا دکھائی ہوں“ میں نے ملازم کو آواز دیکر بلایا
 میں رکھے ہوئے ٹیلیفون کی طرف اشارہ کرتی ہوئی بولی ”
 جب ملازم ٹیلیفون اٹھا کر ہی تھی تو میں نے“

دونوں طرف سے اٹھالائے۔ ٹیلیفون کا دارما سا ہمارا دروازہ اسانی
 آرائنگ روم کی ہر شے تک پہنچ سکتا تھا۔ میں ڈاکٹر کمری کے
 تے پہنچے گی۔ کچھ کیش آفاق کے فون نمبر کی تلاش تھی۔ رضوان ابھی
 ان نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا۔ فون نمبر تلاش کرنے کے بعد میں
 ریسور اٹھا یا اور رضوان کی طرف دیکھ کر سسکا کی ہوئی بولی۔
 ”اب میں آفاق کو ٹیلیفون کر رہی ہوں“
 ”ارہ“ رضوان کے منہ سے آسانی سے نکلا اور اس کے چہرے
 کے لئے مزید گہبے ہو گئے۔
 جب میں خبر ڈاکٹر کمری کو رضوان بولا ”کیا خبر دی ہے کہ وہ
 وقت گھر پر ہی ہو“
 ”نفعی غیر ضروری ہے اور اس صورت میں مجھے پھر کسی وقت فون
 گا۔ میں چاہتی ہوں کہ تم کبھی دروازہ بائیں میں نہ آنا“ اس سے
 لی۔
 دوسری طرف گھنٹی بج رہی تھی۔ جلدی کسی نے ریسور اٹھا یا اور
 رازہ آواز سنانی دی جو میرے اندازے کے مطابق آفاق کی نہیں
 تھی۔
 ”کوئی بول رہا ہے؟“ میں نے بار بار پچھ میں پوچھا۔
 ”سکرٹری ڈیکشن آفاق!“
 ”میں کیش آفاق سے بات کرنا چاہتی ہوں“
 ”فانوں“ کیا میں آپ کا نام پوچھنے کی جرات کر سکتا ہوں؟“
 ”میبو باؤ۔“
 ”بہتر ہے۔ آپ ڈیوٹ لڑ آنا کر س“
 میں نے رضوان کی طرف دیکھا اور ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر
 لی ہوئی بولی ”اس کا سکرٹری بول رہا تھا“
 رضوان اضطراب میں پہلو بدل رہا تھا۔ میں اندازہ کر سکتی تھی
 وہ دقت ایک ذہنی جھوٹال ہے ”دو جا رہا تھا۔ بات اس کی کچھ
 نہیں آ سکتی تھی کہ میں کیش آفاق سے کیا بات کرنا چاہتی ہوں۔
 جلدی مجھے ریسور میں آواز سنانی دی ”کیش آفاق اسپیکنگ“
 ”میں میں خاصا جوش تھا کہ اسے میرا منہ سنتے ہی اسے درواز
 میں تیزی لگتی ہو گی۔
 ”ہیلو کیش آ“ میری آواز میں چہرہ اٹھی ”امید ہے تم میرا نام
 ”گربت خوش ہوئے ہو گئے“
 ”اون کرنے کا مقصد بتاؤ“ آفاق نے اپنے لیے میں سختی بدلا گئے
 ”پیشگی۔“
 ”صرف یہ اطلاع دینا مقصود ہے کہ میں ترخہ سمیت کراچی پہنچ
 لی اور ترخہ اس وقت اپنے گھر پر ہے۔ تمہارے لئے بہتر ہوگا
 اس کے گھر پر ہی رہنے دو۔ میں اس کی حفاظت کا مکمل بندوبست
 آوں۔ اب اگر تم نے مجھ پر کسی کوشش کی تو خون کی تکیاں

بہر جاؤں گی“
 مجھے فوری طور پر کوئی جواب نہ ملا۔ میرا پہلیج منہ کر آفاق
 سنا تے میں لگا ہوا۔ وہ دفعہ تو میری نہیں کر سکتا تھا کہ اس ملک میں اسے
 پہنچنے کے لئے دلا بھی کوئی موجود ہے۔
 میں قدرے توقف سے پھر بولی ”کیا تمہیں سانپ سونگھ گیا
 کیش آفاق!“
 ”تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم کسے پہنچ کر رہی ہو“ کیش آفاق
 کی آواز قدرے بھر پور تھی۔
 ”میں باقی ہوں کہ تم پریسیڈنٹ سے کتنے قریب ہو لیکن تم کو ایسا ہی نہیں
 معلوم کہ میبو بانو کیا پتہ ہے۔“ میں نے جواب دیا اور پھر شوخ لہجے میں
 کہا ”تم کو تو میں انہیں پریسیڈنٹ ہی سے فرما بخوادوں“
 ”شٹ اپ!“ آفاق ٹھٹھا گیا۔
 ”بہت اچھا ہے“ میں نے بڑے اطمینان سے کہا اور ریسور رکھ دیا
 رضوان کے چہرے پر جو ایساں اٹھنے لگی تھیں۔
 ”یہ تم نے کیا کیا؟“ اس کی آواز میں لرزش تھی۔
 ”اب ایک تمنا ہو گیا۔ تم تیاں ان بچاؤ۔“ میں نے خوش دلی سے کہا۔
 ”یہ تمہو کو اسکل ملک میں پریسیڈنٹ کے بعد کیش آفاق ہی
 لاسک چلتا ہے“
 ”میں اس کے کوٹھواں کر دوں گی تم دیکھتے تو رہو!“
 رضوان پر خوشی نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا۔ دراصل
 اس کی بیانی اس گہرائی تک نہیں پہنچ سکتی تھی جہاں میرے وسائل کا جال
 پھیلا ہوا تھا۔
 ”اب تم جا کر آرام کروا“ میں نے اس سے کہا ”لاہور میں تمہارے
 درست نمبر کے جو اخراجات کئے ہیں ان کی گنجی نیگ مجھے بتا دینا۔ میں
 زمری کو کچھ بھیج دوں گی۔ ترخہ کے والد کو ان اخراجات کے بارے
 میں کچھ بتانا“
 ”کیا واقعی تمہیں ترخہ کی طرف سے مکمل اطمینان ہے؟“
 ”نہی“
 رضوان نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور رکھڑ ہو گیا۔ ”اچھی بات ہے۔
 تو پھر میں چلتا ہوں“
 میں اسے چھوڑنے کے لئے برائے نام گئی اور پھر اپنی خوابگاہ
 کی طرف چل پڑی۔ اب میں کچھ درازم کرنا چاہتی تھی۔ راہاری میں میری
 ڈیوٹیلر اپنی ملازمہ صوفی سے ہوئی جو مزید وہ گوساٹھ لے آئی تھی۔ مزید
 نے اپنا لاجا اور کرتا انار کر شاور میں پہن لی تھی۔ مجھے وہ اس لباس میں اتنی
 بھلی نہیں لگی، تاہم میں نے نہ کہ اس کے سرا پا کا حائرہ لیا اور پھر اپنی دلازمہ
 سے کہا۔
 ”تم جاؤ!“
 ”آپ کی دونوں گاڑیاں گرجہ میں موجود ہیں“ ملازمہ نے بتایا۔

نواب شاہ سے مل گئے تھے۔
 یہ اطلاع میرے لئے خاص خوشخبری تھی درجہ فوری عہد پر کسی اور ملازم کی بابت کہتا رہا۔
 میں زبیدہ کو لیکر اپنی خواہگاہ میں داخل ہوئی اور دروازہ اندر سے بند کر دیا۔
 ”تم نے کھانا کھا لیا؟“ میں نے اس سے پوچھا۔
 ”ہاں میرا صاب ہے!“
 ”آؤ تو کچھ کھاؤ اور کام کر لوں؟“ میں نے بہتر برہنہ کر کہا اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اس طرح گھسیٹا کہ وہ میرے سینے پر آ رہی تھی۔ میں کچھ دیر بیٹھی پڑی رہی۔ میں نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھینسلے ہوئے کہا۔ ”میرے سینے میں بھڑک رہی ہے تو زبیدہ جلد چلے گی۔“
 زبیدہ فرما کر سامانی اور پھر ڈھیلی بڑھائی۔ اس کا شباب میرے سینے پر لپک رہا تھا اور اس کے نفس کی گڑبگڑ اپنے بالوں پر محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے اپنے سینے پر لپک رہی۔ اب میرے درمیان سے تفکر کی دھول صاف ہو چکی تھی۔ میں نے تین دنوں سے یہ خیال ہی نہیں کیا۔
 جب میری آنکھ کھلی تو سورج غروب ہوئے تھے۔ آدھا گھنٹہ باقی تھا۔ زبیدہ میرے بازو پر رکھے بغیر میری ہاتھی۔ میں ابھی تک اپنے بازو کو اس کے سر کے نیچے سے نکال کر سترے لٹکھ رہی تھی۔ میں نے ہاتھ درم داخل کیا، گلے کے کپڑے تبدیل کئے اور زبیدہ کو سونا چھوڑ کر گھر سے نکل آئی۔ اب مجھے قرعے سے ہنسنے کی بیانی تھی۔ میں نے گہرے سے سرسبز رنگا لی اور دروازہ کھولی۔
 رات ہوتے ہی کسی نے روشنیوں کی ادھڑی اور فزول تھی۔ ان روشنیوں کو دیکھ کر مجھے پتہ چل گیا کہ وہ دس گھنٹے سے ہوتے محسوس ہوتے تھے۔ یہ جو روشنیوں کے اس شہر کو آس پاس ہو، وہ ہمیں اور خوش نہیں رہ سکتے۔ میں درجہ دن کو آگے سے باہر رہی تھی لیکن میں دوران مجھے مسلسل ایک انجان سی کی گواہی دے رہا تھا۔ اس مقام پر کافی عرصے فرانس میں رہی ہوں لیکن میری سرسبز شاہی میں اس انجان سی کی گواہی دے رہی تھی۔ میں جب پہلے مادام ڈیگال سے اپنے اس احساس کا اظہار کیا تھا تو انہوں نے اسے ”جوہر سنکس“ کہہ دیا تھا۔ شاید ان کا خیال ٹھیک ہی ہو۔
 جب گاڑی لیاقت آباد سے گزرتی تھی تو زبیدہ دلال لالو کیٹے کے بیچ میں کی دیر سے رونا کر رہی تھی۔
 ڈاک خانے سے پھر آ کر ایک بیٹھنے میں پندرہ منٹ لگ گئے۔
 جب سرسبز قرعے کے گھر کے سامنے رگڑا تو اسی صبح سے تھے۔
 آس پاس کا ماحول تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا لیکن میری تیز نگاہوں نے اس تاریکی میں بھی کچھ کچھ سرا سرائیں کی موجودگی محسوس کر لی۔ لیکن ان کا اثر حق کے آدمی پر نہ تھا۔
 ”آپ اب اس مسئلے میں ذرا بھی غور نہ کریں۔“

دروازہ کھل گیا۔ قرعے کے والد باہشی نے باہر نکل کر پڑے گھر کو انداز میں میرا استقبال کیا۔ وہ مجھے گھر کے اندر لے گیا تو قرعے کی اس سے لپٹ گئی۔ اس کی آنکھوں سے تشکر کے آنسو بہنے لگے۔ قرعے نے ان کو پوری تفصیل سے بتا دیا جو پچھلے اس کی رہائی یہی تھا۔
 میں نے قرعے کو گلے لگا کر اس کی پیشانی چومی اور پھر ایک ہاتھ کر اس کے بال باپ کا جائزہ لینے لگی جو وہ بیٹھ کر دیکھ کر رہ گئے تھے۔ جوان بیٹی کی حیا کی بڑی مضبوط بنیادوں کو ہاتھ ”آپ کیا چنا پسند کریں گی؟“ قرعے کی ہاتھی نے پوچھا۔
 ”آپ بھی کمال کرتی ہیں آئی؟“ قرعے بول پڑی۔ یہ کھانا وقت ہے یا کچھ بیٹھنے کا؟
 ”ہاں میں کھانا کھاؤں گی؟“ میں نے ہنس کر کہا۔
 میری اس بے تکلفی پر ان لوگوں کے چہرے کھل اٹھے اور کھڑی ہوئی ہوئی بولی میں سانس تو تیز ہوئے۔ ہمیں بالوں کے لیے گرم گرم ابھی ڈالے گئے تھے۔
 ”ہاں بیٹی! ذرا جلدی سے“ قرعے کی ہاتھی نے کہا اور ہم طرف دیکھا۔ ہم غریبوں کے کھانے کا ڈالنا تھا۔ شاید آپ کو پتہ نہ ہو لیکن آپ اس میں غلوں کی ایک ضرورت ہیں۔
 ”جب میں نے یہ تکلفی کرنا یا یہ تو آپ کو بھی پتہ نہ ہو کہ میں نے یہ تشکر کرنے کے لیے انداز میں کیا۔
 ”یہ سوچے سمجھے بغیر بولنے کی عادی ہیں۔“ باہشی نے جلدی قرعے کی مال جھینپ سی گئی اور جلدی سے کھڑی ہوئی۔
 ”میں ذرا جا کر قرعے کا ہاتھ پائی ہوں۔“
 میں اور باہشی اکیلے گئے تو چند لمحوں کے لیے کمرے میں چند لمحوں بعد باہشی نے بھڑکی ہوئی آواز میں کہا۔ ”میں ابھی کے کمرے آ رہی ہوں۔“ اس کا بے تحاشہ گھبراہٹ۔ اس احساس کا پوچھنا بھڑکاؤ مار سکتا تھا۔
 ”اب آپ بھی اپنی بیگم کی طرف بغیر سوچے سمجھے بول میں نے ہنس کر کہا۔“ مت سمجھو۔ میں ابھی قرعے سے محبت کرتی ہوں۔
 میری ایک ہونہار طالعہ۔ میں اس کے لیے بہت کچھ کر سکتی ہوں۔
 میں نے پہلی ملاقات میں باہشی کو یہ بتایا تھا کہ میں قرعے کی پسند ہوں۔
 ”مجھے ڈر ہے کہ اب شاید وہ لوگ کوئی بہت ہی اچھا ہیں۔“ باہشی نے قرعے کو لپٹ لیا۔
 ”آپ اب اس مسئلے میں ذرا بھی غور نہ کریں۔“

مالک کا مکمل بندوبست کر دیا۔ قرعے بہت قوی ہیں لیکن میرا بھی مل رہا ہے۔ اس میں ہنس، یہ مت سمجھئے کہ میں اس ایک پرنسپل ہوں۔
 دراصل میں اشتیاق ہے۔
 ”یہ تو میں سمجھ گیا تھا۔“ باہشی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”کسی اسکول اسٹیل کے اس سرسبز نہیں ہوتا کیا آپ میرے اطمینان کے لیے مجھے بھی بتائیں گی کہ آپ نے قرعے کی حفاظت کے لیے کیا بندوبست کیا ہے؟“
 ”اگر آپ یہ معلوم کرنے پر اصرار کریں تو میں آپ کی شکر گزار ہوں گی۔“
 ”کیا کوئی ایسی اہم بات ہے؟“ باہشی نے حیرت سے کہا۔
 ”اچھا ترین۔“
 ”اگر ایسا ہے تو پھر میں واقعی اصرار نہیں کروں گا۔“
 ”شکر ہے۔“
 ”قرعے کی یہی کیفیت تو ٹھیک ہوگی؟“ میں نے پوچھا۔
 ”پوری طرح ٹھیک نہیں کی جا سکتی۔ کبھی کبھی مجھے اس کی محسوس میں ایسا نظر آتا ہے جیسے وہ بھی جوتی ہو۔“
 ”ہوں؟“ میں نے سر ہلاتے ہوئے خیر نہ کوئی ایسی نگرانیات نہیں ہیں۔
 ”ابھی قرعے کو اپنے ساتھ کھانے کے باؤں کی اس طرح اس کا ذہن کھانا ہو چکا تھا۔“
 ”یہ بھی غور کرنا۔“ قرعے نے جلدی سے نظر آ رہی تھی۔ کھانے کے لیے جب میں نے اس سے کہا کہ میں ابھی اچھے کھانے کے لیے چلوں گی تو وہ ہار کر پڑ گیا۔ شاید گھر سے باہر نکلنے کا تصور اس کے لیے بڑا مشکل تھا۔
 ”گھر آؤ نہیں قرعے!“ میں نے اس سے کہا۔ ”کیا باہشی کے بچے؟“
 ”میری ذات پر تمہارے ساتھ دو گھنٹے بٹھا کے؟“
 قرعے نے مجھے سے انداز میں مسکرائی اور مجھ سے ہونٹوں سے کچھ کہا۔ گھر میں نظر سے میری طرف دیکھا۔ وہ نظر پر لپک رہا تھا کہ کہ میں کو آپ کو زبیدہ لایا ہوں۔
 ”کھانے کے بعد اس نے جلدی جلدی کپڑے تبدیل کیے اور میرے ساتھ آگے کے لیے تیار ہو گئی۔ قرعے کے والدین اسے میرے ساتھ بھیجے ہوئے تھے۔
 ”سرسبز بڑا بہتر ہے۔“ باہشی نے لپٹ لیا۔
 ”ابھی لپٹ لیا۔“
 ”کہاں ہیں قرعے؟“ میں نے اس سے پوچھا۔
 ”کہاں آپ کا بچہ چاہے؟“
 ”میرا دل تو اس وقت بچہ چاہ رہا ہے کہ اس کا میں کھو رہی ہوں۔“
 ”میں تو کچھ کھو رہی ہوں۔“ قرعے نے ہنس کر کہا۔
 ”میں کھوں کے لیے اس کا خوش ہو گئی۔ میری نظر میں عقبت آتا ہے۔“
 ”میں ناخن نہیں نکھیں۔ میں کچھ نابلے پرایک کار کی بیٹھ لائیں۔“

دیکھ رہی تھی۔ میرے انداز سے کے مطابق وہ کہہ رہی تھی اس کے کئی کئی ہونے کی ہوسکتی تھی۔ ظاہر ہے قرعے پر نظر رکھنا اس کی ڈیوٹی تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ کھانا کچھ قرعے میرے ساتھ ہو تو نگرانی کی ضرورت نہیں۔ اب مجھے اپنی بات کے مکمل ہونے کا احساس ہوا تو اس میں کاٹ کر حق کا کوئی تصور نہیں تھا۔
 ”سرسبز بڑی دے پر بیٹھ گئی۔“
 ”قرعے! جان! میں قدرے تو وقفے سے بولی۔ تم جانتی ہو؟“
 ”مجھے تم سے کتنی محبت ہے؟“
 ”شاید آپ کو مجھ سے اتنی محبت نہ ہو جتنی مجھے آپ سے ہو گئی ہے۔“ قرعے نے کہنے پر اسے پاس سے شانے سے نکال دیا۔ جی چاہ رہا ہے کہ ہر وقت آپ کے ساتھ ہوں۔“
 ”شادی کر لو مجھ سے!“ میں نے ہنس کر کہا۔
 ”میرے شانے میں قرعے کی گرفت سخت ہو گئی۔ میں نے جواباً کچھ نہیں کہا۔ میں نے کار کے اندر کمری رکھی تھی اس نے اس کے چہرے کا آفریں نہیں دیکھ سکی۔ ویسے میں اندازہ کر سکتی ہوں کہ اس وقت وہ کھانا کھاتی ہوگی۔“
 ”میری خواہش تھی کہ اس کا کمری کے دروازے میں نکال دے۔ ہاں اگر کار میں حق کی وجہ سے میں کبھی دیر نہ کر سکتی تھی۔“
 ”یانت آباد کی روشنیوں میں مجھے وہ کار صاف نظر نہ آئی۔ وہ کار میرے لئے ابھی نہیں تھی۔“
 ”میں ڈرا تو بچ کر گئی۔“ قرعے کی بھولی بھالی باتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ صدر بیچ کر اس نے گاڑی میں بیٹھ کر سامنے رک دی۔ وہاں پہنچے چائے پی اور پھر میں سترے کو دایاں کے کھڑکی طرف لیجا لی۔
 ”آپ کچھ اور اتر کر کھانا کھاؤں گی؟“ قرعے نے پوچھا۔
 ”ہاں جان! آکر نہیں! میں نہیں ایک کار بھی لانا چاہتی۔“
 ”ہاں! اب آپ میرا رخ بالائی خوب کر دیں۔“ قرعے نے ہنس کر بولی اور میں نے پانیایاں ہاتھ اس کے گھٹنے پر رکھ دیا۔ گویا انکس کی انتہا تھی۔ جی تو میرا چاہتا کہ اسے سینے سے لگا کر اپنے وجود میں جذب کر لوں۔
 ”جب سرسبز قرعے کے گھر کے سامنے گاڑی تو میں نے اس سے کہا۔“
 ”کل کسی وقت میں بھی آؤں گی۔“
 ”اسی وقت چلیں گی۔“
 ”مجھے تو بہت دیر ہو جاتی ہے۔“ میں نے مسکرا کر کہا۔ ”تمہارے والدین پریشان ہو جاتے۔“
 ”قرعے کے جواب سے پہلے ہی مکان کا دروازہ کھل گیا۔ باہشی ہی باہر نکلا تھا۔
 ”قرعے کو پھر لوگوں دایاں دایاں کی طرف دروازہ ہو گئی۔ میرے اعصاب میں مسناہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ قرعے کی قربت نے کچھ خواہشیں

لگے تھے کسی کام کا ہاتھ ہے۔ یہ معاملہ اس لئے اور زیادہ مجازاً معلوم ہو رہا تھا کہ میری اور زید کے رفاقت ایک اتفاقی برائی تھی۔ مگر جو اولیٰ اور اولیٰ ہو کر مواصلاتی مشرک پر ایک کان کے کان میں میرا ان کا کسی پروگرام کا حصہ بنیں تھا کہ زید کو دل پیٹنے سے رکھنے کا جواز پیدا ہو جاتا۔

کافی عرصے تک تو اس کے بعد میرے لیے یہ شخصیت ہی رہی جس سے پہلے پہلے الجھنے رہی ایک دھڑکنے والی زندگی ٹیٹ اپ ڈیٹنگ کے خلاف بھی لی لیکن یہ نفاذ سے زیادہ غور نہیں کیا کہ کڑا مینیج کے پاس کیوں گیا تھا۔ ایک انشیدو نرس، ایجنٹ کی حیثیت سے وہ یہ شخص جسے اس جاسکے تھا اور ایک ڈیٹنگ کی حیثیت سے یہ رعایت و ڈاکٹر فونگ کو بھی حاصل تھی کہ قسم کے دیگر اس سے ملاقات کر سکتے تھے۔

کے بیک ناموں اور نہ سنانی دہی سے بتایا کہ
یہ ایک نیک مزاجہ صوفیہ تھیں جو سب سے روزہ
پاکتی تھیں اور ان میں تھا

لقد تم من باجبل بلجھ فجبہ ہذا حرت اسود
 مارا سے بھڑا پڑ گیا۔ اگر اس سے مراد ہفت جنگی
 ماؤں میں سے دوبارہ ضرورت اس میں ہر ماں میں
 ہزار باحق کرتی ہے۔ بعد لاہور سے اس مذبح
 میں اس باجوہ کو بھیجیں لیکن لی اجمال جیسے ساز
 میں سب سے میں نافذ نہیں کوہ سکنی تھم

معلقو! ناچا ہے کہ میں اس عجبے میں یہاں سے گئی ہوں۔
”تو بہت اچھا۔“

سے ہوئی تھی۔ ان کو دل کا جائزہ لینے کے بعد میں نے کہا کہ تم کو
جس کو اس غایت کے ساتھ خدمت کر دیا کہ جیسے کہاں ٹہرنے لگے
بہتے ہوئے ہیں، لیکن اللہ دی جانے۔

میں نے جو گویا انتہائی محنت سے دوچار تھی کرنے کے
کوئی کام نہیں تھا۔ مجھے اپنے لیے میں نے فیصلوں کا رسیور اور اٹھارہ فیصلوں کا پتھر
تھا۔ یہ تھے جو تھی کہ اس نے اپنے لیے مجھے ہونے والے فیصلوں کو
تھک کر دیا۔ ہوا کہ دوسری طرف تھی کہ وہی رہی لیکن یہ سب
انتخابا میں نے کر لیا۔ دیکھ اس کے دفتر تک لیکن وہ وہاں بھی
موجود نہیں تھا۔ دفتر والوں سے اس کے بارے میں کوئی رپورٹ نہ
مل سکی۔ میرا مشق یہ تھا کہ آخر محلہ آخر محلہ کہاں غائب
ہو گیا۔

فیصلوں کی گفتاری قیور سے خیالات کا تسلسل ہوتا ہے اس
نیت میں سے خاص درجہ بھی تھی۔ میں نے رسیور انتخابا۔ تو فک کے
مطابق وہ کہتا تھا کہ آدمی کا فون بھلا مجھے اطلاع دی کہ کون
واپس آئے ہیں۔ چاہے وہ کونسی جگہ سے۔ میں فوراً اس فیلڈ سے روانہ ہو گئی۔ سلا
نے آدمی، طوفان کی طرح داخل طے کر کے اور میں بہت جلد اس بلڈ
کے پیچھے آئی جس کی کپڑا منزل پر نہ رہی۔ فون کی مدد پر میں نے
فیلڈ کی کال پر بل لیا۔ وہاں دیکھا کہ وہ فون میں ڈوبا ہوئے تھے۔
دور دراز سے فون کو ایک منٹ لگا۔ میں اس فون سے اس کا
ایک سا فون دیکھ رہی تھی۔ اس کا انتخابا سے بہت بڑی جگہ اور فیصلوں
پر نہیں تھی۔ میں نے دیکھ کر اس کی کہیں تھک رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ
سے دوبارہ آ گیا۔ وہ دیکھ کر میں نے اس کا ہاتھ اس فیلڈ سے
کسی دوسرے کو سونپ دیا۔ باخبر نہیں کیا کہ انتخابا
"جہاں" میں غائب تھا۔ گفتار میں میں نے کہا "اگر آپ کو زحمت نہ
ہو تو ملاحظہ فرمائیں کہ اس کے پاس ایک فون سائل لی اور دوسرے
"مارٹن لارنس" اس نے ایک فون سائل لی اور دوسرے
نے گفتار انداز میں سکران کیا۔ ظاہر ہے کہ وہ اس وقت بھی سوچ رہا
ہو گا کہ اس نے یہ فون اس سے ہونے والے فون میں مارٹن لارنس
کے ہاتھ لائے ہوئے تھے۔

میں جا رہی تھی کہ دیکھ کر میرے بارے میں یہ بات
سوچے۔ اس کے لیے میرے گھر کا جائزہ لیا کہ مجھے وہی سرت ہوئی
تھی۔ وہ ایک ایسا آدمی تھا جو ہر وقت ہنسی بھونک کا شکار رہتا
ہے اور صنف مخالف کو دیکھ کر اس کی دل بٹنے لگتی ہے۔
"تشریف لائیے!" وہ ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔
"شکر ہے" میں نے بڑے اطمینان سے اندر داخل ہو گئی لیکن
پھر تجسّس مغزوں سے اوپر دھڑکتی ہوئی بولی۔ "اوہو اس
اس کمرے کو خاصا تبدیل پارہی ہوں" یہ میرا اندازہ ہی تھا کہ مارٹن
لارنس ایسا سامان اپنے ساتھ لے گئی ہوگی۔

دکھنے پر میری بات ان کی کئی دہائیوں کا ایک حصہ
میں نے باریک "تشریف رکھئے!"
"مگر یہ میں نے بھی ادب وہ بھی میرے سامنے
سجید سے بوجھا ہے کیا مارٹن لارنس موجود نہیں ہے؟"
"آپ کا یہ انتخابا اس کے علاوہ کسی سے کیا کرنا
اس نے فیلڈ بھٹت ہوئے کی کرشمہ کی۔

"خیر ایسا تو نہیں ہے" میں نے نہیں کر سکا۔ لیکن
کوئی ہنگامہ نہیں تھا۔ "میرا بوجھا سامنے ہی تھا۔
اس نے اس طرح میرا پیچھا کیا کہ اس نے
سکران ہوا ہوا۔ شاید اس نے کسی کا فون غلط استعمال
کی۔ مگر فیصلہ اتنا سال نہیں تو شاید زیادہ دوروں پر
خوب اس نے دل میں سوچا ہوگا کہ اس کے ہاتھ کو
"در اصل فون کا ڈیٹا کمرے میں اس کی بات ہے
"آپ کا یہ فون کی بات کی کر دیکھ رہا
"شاید میں بولوں آپ سے نہ جیت سکوں گی
"آپ پر حواس میں مجھے بہت جانتا ہے کہ میں
نے تو کبھی نہیں دیکھا۔ اس نے بے تکلفی کی طرف ایک
"تھک رہی تھی کا مقرر ہے" میں نے کہا۔

"یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں؟"
"مجھ کو بھی نہیں معلوم تھا کہ میں یہاں
"یہی تو فون کی ذات ہے کہ فائل نہ ہوتے ہو
"کیا آپ کو یقین ہے؟" میں نے ہنس کر پوچھا
"انشوؤں کا بھٹ؟"
"اوہ جی!... ایسی باتیں دیکھ کر کہتا ہے یا
"خیر جو بڑے ان باتوں کو کہیں نے بے تک کہ آپ
کیا پیالہ کر گئی؟"
"اگر آپ کچھ پانی چاہتے ہیں تو کوئی مسئلہ؟"
"اے میں سوچ رہی..."

"تھوڑی چیز مناسب نہیں ہوتی۔ میں
بڑے کہا میں جانتی ہوں لیکن اس وقت تو دل
"جیسا آپ چاہیں کیا اسے اسکو کاش؟"
"چلو گا"
"میں بھی آپ کے لئے بنا کر لاتا ہوں"
"میرے لیے؟" کیا آپ نہیں جانتی؟
"اگر آپ مجھے شریک رکھنا چاہتی ہیں تو"
"کر سکتا؟"
"تو میں کچھ بھی نہیں جانتی گی"
"میں تو خود آپ کو سنا نہیں دیکھتا ہوں"

میں نے تجسّس مغزوں سے کہے کا جائزہ لینے لگی۔ سامان سلازہ
اس کمرے کو صرف شست گاہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہوگا جس
میں کتا رہتا تھا اس صوفے کی داغی طرف ایک خوبصورت سی
میں کتا رہتا تھا۔ وہیں ایک ٹیبلٹوں پر موجود تھا اور
لٹرائیو نام میں بھی تھی۔ میں نے کوئی ایسی چیز نہ دیکھ سکی۔
"کسی درپردہ رنگ کی جھلک سامنے لاسکتی۔

ہم کو فون کی گفتاری میں نے چونکہ کلاس کی طرف دیکھا لیکن جب
"میں نے بھی تو مجھے خیال آیا کہ شاید اندرونی کمرے میں ہی فون موجود
ان فون ایک ہی کمرے میں تھے۔ میں نے اس کو کھینچ کر دیکھا
ان فون کا اندرونی کمرے میں دیکھنے پر اس نے بھی دیکھا تھا۔
"لیکن اس کا رسیور ان فون کو اس کا کھینچ کر کھینچ کر اس کو اس
سے کہ انتخابا اس کے امکانات کو بہت روشن نہیں تھی۔
"آپ مجھے وہ گفتاری خاص راہ کی طرف نشاندہی کر کے کہے
نیت ہی کو سمجھنے میں مدد مل سکتی تھی اور اس کو سمجھنے میں
نہ کرنا کوئی مناسب بات نہیں ہوتی۔

میں نے ایک کمرے کے اندر دو فونوں اور فون کی طرف بھی
نہی ایک کمرے کے اندرونی کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا
سے بڑے ہوئے تھے اور دیکھ کر اس کا فیصلہ فون کی طرف بڑھنا
کی دھڑکنیں مچ گئیں۔ سزاوارہ ہوئی تھیں اس سے پہلے کہ میری
فون کے رسیور کا پس بائیں مجھے اپنے عقب میں آہٹ سنانی
گبار کی جیسا چھل پڑا اس آہٹ کا مطلب اس کے ہاتھ
اکثر دروازے پر کچا ہے۔ میں نے اس سے بڑی حاضری کا
فیصلہ فون کی طرف بڑھتے ہوئے اسے ہاتھ کو ذرا سا اونچے دیا
"تھک" پتہ چلا۔ اس میں سے ایک کتاب نکال لی اور اس فون
وہ اس آہٹ کو کمرے میں ہی محسوس کیا۔ وہ فیصلہ آہٹ کا کہنا
نکال کر بڑے اطمینان سے دیکھ کر فون دیکھ کر اس کا دیکھ کر لیا۔

میری جلدی نہ لائے۔
"لیکن اس کے پانی موجود تھا اس لیے ہاتھ میں کیا ہو گئی؟"
"ہاں لارنس"
"لارنس بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ دیکھ کر اسے ہلکی لوٹ
میں جیسا اندر گئی تھی کہ اس نے فون کا رسیور نہیں کی۔ اس
اکھاٹن کی تیاری میں لگ گیا ہوگا تو پھر یہی بات لیکن کہ
"فائل سے ہی مجھے یہ مطلب یہ کہ کسی کو فون پر اس کے تہہ نہ لگ
"کا خاص ہو گیا ہوگا۔
"مات کہیں؟" میں نے آپ کی جگہ پر گئی۔ دراصل میں نے سوچا تھا
گھر کے لیے کوئی کتاب ہی دیکھ لوں۔

"اب تو اس کی ضرورت ہی نہیں رہی؟" میں نے کتاب کو شیف میں
اس کی جگہ پر رکھتے ہوئے کہا۔ مجھے یہ معلوم تھا کہ آپ آبی جلی لوٹ
آئیں گے۔

دکھنے پر سکول اس کا ایک گلاس میرے قریب رکھ دیا اور دوسرا گلاس
خود لے کر اسے اس نشست پر جا بیٹھا۔ میں نے بھی کوئی شے نہ
اس نے سکول اس کا ایک گلاس میرے قریب رکھ دیا اور دوسرا گلاس
کے دانت میں کوئی شے نہیں ہے۔ اس قسم کے مرض میں شش کی دیکھ کر
تھوڑا سا ہوتا ہے۔ گلاس اس طرح بے بات طے پا گئی کہ کمرے کا کمرہ
پاس بنا۔ باہر علاج ہرگز نہیں تھا۔ شاید یہ دیکھ کر کمرے کا نام بھی
یقین سے کہہ کر اس مشکل ہی تھا۔ چونکہ کمرے کی شخصیت پر اسرار کے پردے
پر سے ہوتے تھے اس لیے وہ کسی بھی جگہ جاتا اس پر شک کی ضرورت نہ
ہی پڑتی۔

مغرب کی چمکیاں لینے ہوئے اس نے سکول لے کر کہا "میرا
نام کچھ ہے"

"اور اس اپنا نام بتا ہی چکی ہوں!"
"یہ ایک خوبصورت نام ہے" مجھے پسند آیا۔
"لیکن میں اب بھی یہ جاننے کے لیے بیچیں بول کر مارٹن لارنس کہاں ہے؟"
"آپ کچھ بار میاں کب آنی نہیں؟"
"شاید چھ سات ماہ کی بات ہے۔ کیوں؟ کیا مارٹن انتخابا یہاں نہیں
رہتی؟" میں نے پوچھا۔

"آپ کچھ نہیں اس خزانہ کو نہ دیکھ چکے ہو؟"
گھر کے لیے ہیں، لیکن کیا آپ یہ جاننے کے لیے اب یہاں سے فوراً چلی جائیں گی؟
میں سکول کی اور پھر میں نے کہا "میرا حلقہ احباب خاصا وسیع ہے
اور اس میں کسی بھی خوشگوار انسان کو جس بھد سرت قبول کرتی ہوں"
"کیا میرا شانہ خوشگوار کامیاب ہے؟"
"پہلے ملازمت میں اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔
"میں ہلکا سا سبکی تھی۔ میں نے پتہ چاہا تھا کہ وہ کس طرح بدل کر لیا۔
وہ خاصا بیچین نظر آ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں مجھے بار بار اپنے جسم کے بعض
حصوں پر کوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ خاص طور پر میرے گریبان سے
ہوئی تھی۔ اب اس کی نگاہوں کا ہر وقت نہیں بھونک اسے بیچین کے دوسرے
وہی تھی۔ لیکن میرا شانہ ملازما اسے آگے بڑھنے سے روک رہا تھا۔

"اس وقت" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "فوری طور پر اس کا فیصلہ
کرنا مشکل ہے۔"
"کیوں؟"
"میرا ذہن کچھ ہوا ہے۔ دراصل میں ایک خاص کام سے مارٹن
کے پاس آئی تھی۔ اگر وہ جانی تو میرا مسئلہ ہو جاتا۔
"کیا اس کے لیے؟"

"میرا ذہن کچھ ہوا ہے۔ دراصل میں ایک خاص کام سے مارٹن
کے پاس آئی تھی۔ اگر وہ جانی تو میرا مسئلہ ہو جاتا۔
"کیا اس کے لیے؟"

سے ڈاکٹر فونک سے ملا ہوگا۔ میری اطلاعات کے مطابق ددو
کے پاس سے سیدہ چاہتے نظر آئے تھے۔ گویا ڈاکٹر کو لاہور جانے کا حکم
ڈاکٹر فونک سے ہی ملا ہوگا۔

اسی وقت میرا باضوری ہے۔ تاخیر ہوئی تو معاطہ مجھ پر طے گا۔
 ”آخر ایسی کیا بات ہے؟“ میں نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔
 ”تم کو آخر میرے معاملات سے اسنی دوسپی کیوں ہے؟“
 وہ مجھے مشکوک نظروں سے گھومنے لگا۔
 ”ایسی تیسپی میں جاؤ؟“ میں نے جھنجھلا کر کہا اور دل پر ہاتھ مار کر
 دیکر خاموش بیٹھ جاؤ۔ میں نے وڑائے کی طرف تدم بڑھا
 دیے۔ دیکھنے اس بات کی قطعاً محوش نہیں کی کہ میں دُور سے
 ہوتے انداز میں جانے کی بجائے خوشگوار موٹوں میں جاؤں سے جاؤں۔

تھا جسے مجھے اپنی امانت پر پیش کیا گیا ہو لیکن ظاہر ہے کہ میری طرف ایک کٹھن تھی، طیش تو کیا، ڈرامی کھیلنا سٹ بھی میرے ذہن میں نہ تھی۔ اس وقت صرف یہ سوال میرے ذہن کا دامن کر گیا کہ کھانا کون کھائے کے پیچھے مجھے خود لاہور لانا چاہیے یا اپنے کسی آدمی کو کہیں بھیجے۔ آخر میں نے سپورٹس سٹجیاں اور اپنے تیزی سے چلتی

[illegible]

میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

[illegible]

میں دوسری بات یہ کہ یہاں پہلے سے جو لوگ لڑوں میں
 کی ضرورت تھی انہیں بھی بھیج دیا۔ بعض دوسرے بھی بھیج دیے
 پھلانا پڑا تھا۔ اس میں کچھ جاکر اپنی اصل جوں میں لوٹ جانی اور پھر
 زبیدہ سے ملنے جانا تھا۔ وہ خوبصورت تھی۔ جسے ایک اپنے بھائی
 میں قفل لگائے تھے۔ تھی اور مجھے ہر قیمت پر وہ قفل کھلانا تھا۔
 جس میں کھڑی تھی تو وہاں میرے ذہن کو الٹ بیٹ کر لینے
 والی کی خبریں موجود تھیں۔ میری ملازمہ خاص نے مجھے بتایا کہ ملازمہ
 غائب ہے۔ ملازمہ میری ایک ملازمہ کا نام تھا۔
 ”غائب ہے؟“ میں نے چونک کر کہا۔ ”یہ کیا مطلب ہوا
 اس بات کا؟“
 ”آپ کے ملنے کے بعد میرے بعد ہی وہ مارٹن کے لئے
 تھی تھی اور پھر واپس نہیں لوٹی۔“
 ”تم تو انہوں نے دھوکا دیا ہی اُسے؟“
 ”ہر طرف جا کر دیکھ لیا۔“
 میرا ذہن ابھی اس میں الٹا ہوا تھا کہ ملازمہ خاص نے
 دوسرا دھوکا دیا۔ ”ایک طرف آپ کے لئے یہ لٹا دے گا۔“ تھی؟
 اس نے ایک چٹا سا لٹا دیا میری طرف بڑھایا۔
 ”لو لکی!“ میں نے چونک کر کہا اور لٹا دیا اس کے ہاتھ سے
 لے لیا۔
 ”جی ہاں وہ ایک ٹیکسی میں آئی تھی۔ اٹھارہ میں سال کی ہوئی؟“
 ”کبھی کبھی ہے؟“ میں نے لٹا دیا چاک کرتے ہوئے پوچھا۔
 ”تین بجے کے قریب۔“
 میں نے لٹا دیا چاک کر کے اس میں رکھا ہوا کاغذ نکال لیا تھا۔
 جب میں اس کاغذ کی تین کھولیں دیکھی تو ملازمہ نے کہا۔
 ”رضوان صاحب بھی کسی بارون کر کے آپ کے بلے میں
 پوچھ چکے ہیں۔“
 میں نے وہ کاغذ تو کسی لیے گراں پر زمین میں نہیں ڈالے کی
 کیونکہ اس کاغذ پر کبھی کبھی دو سطروں نے میرے اصحاب پر دھماکہ
 سا کر دیا تھا۔
 ”انرا“
 ”خیر کہ آخری بار مجھ سے مل جائے!“
 ”آپ کی
 آسٹریخ“
 آخری بار!
 آخری بار!
 آخری بار!

تاکہ اس سطور سورت میں اور دھماکہ
 کیا ہوا! کیا ہوا! کیا ہوا! ملازمہ
 میں میرے مجھے وہ ڈیڑھی تھی۔
 ”کچھ نہیں جاؤ؟“ میں نے جھنجھلا کر اسے کہا۔
 وہ ہنس کر برآمد ہوئی۔ دیکھ کر اسے
 میری سرسید پر کھینچ کر لے گئی۔ اسے نکالنے
 ضائع ہو جائے اس لیے میں نے سپریش ہی
 اسٹارٹ کر کے تیزی سے حرکت میں لے آئی۔
 قریب کے علاقہ میں کالوں میں گونج رہے
 آخری بار مجھ سے مل جائے!“
 ”مجھے تو یہ محسوس ہوتا تھا کہ یہ میری کوئی
 آندھنوں کی ذہنی آگہی ہو۔ میرا دل بے اندھنوں کا
 تھا۔ نہ ملنے کا انداز پر کئی تھی میری قریب پر!...“
 تھی کہ کھانڈر میں کوئی اس کا علم نہ ہو سکا تھا وہ
 دھلیج کرتا۔
 کراچی کی ہر جگہ ہر گولی پر اسپریش نے
 حفاظت دیکھ کر ڈانٹا۔ ”اگر اس وقت وہاں میں کوئی
 مل جاتا تو وہ لٹا میری ٹانگ لیتا۔“
 آخری بار!
 آخری بار!
 آخری بار!
 میرے ذہن میں دھماکے ہوتے تھے اور ان
 باؤں کا دباؤ بڑھتا ہی رہا۔ اس وقت میری تمام تر
 تھی ایک مکان میں بسٹ کر رہ گئی تھی۔ میں کین
 گئی تھی۔ میں نے دیکھ کر کوئی خوش کر دیا تھا۔ ڈاکٹر نے
 شخصیت میرے ذہن سے محو ہو گئی تھی۔ مجھے بیوقوف
 کا خیال رہا تھا۔ اپنی ملازمہ کی اشک کی نگاہ...
 اور اب اسپریش پچھتہ میں کی وفات سے کہ
 کے سامنے سے گزرتی تھی۔
 جب میں اندھنوں کی سڑکی پر پہنچی تو رفا کر کہ
 جو مڑتے تھے، مجھے ان سے نفرت محسوس ہونے لگی۔ ان
 مجھے رفا کر کہ کرنا پڑی تھی۔
 آخر اسپریش ایک جیسے قریب کے
 رک گئی۔
 لڑکی سے ملنے ہوئے میں نے تیر تیر
 برڈ ٹیس۔ وہ صوفیہ جانا جا رہی تھی کہ
 آدھی کس دھماکے میں تھی کہ اس کا دھماکہ

دھماکا منسوب ہے۔ گراں کرنے والوں کے چہروں پر
 نہیں تھی اور ان کے اس طمان سے ظاہر ہوتا تھا
 ہمارے سے خبر میں جو قریب پر پہنچ گئی تھی۔ ان کی اسے بڑی
 کروا اور میں نے فیصلہ کیا کہ کدھر حق سے بہت
 لڑیں کر دیں گی۔
 مجھے کال میں کالیں دیا اور پھر ایک کھینے کا انتظار کرنے
 میں برابر اس سوال سے اٹھا ہوا تھا کہ قریب پر اپنی کیا افاد
 دے گا تو یہ پوچھنے لگا۔ میں نے تو کمن نہیں کیا اس لئے کہ
 ملازمہ کی جو کمر گزرتی تھی۔ ہوتا تھا اور میں وہ واقعہ
 لکھنے نہیں دے سکتا تھا۔ وہ سنا تھا۔ تو پھر یہ کہ وہ تیار
 لیکن ایسی کیا باری ہو سکتی ہے جو اتنی جلدی کوئی خطرناک
 تھا کہ اسے اور قریب ملاؤں جو کمر گزرتے تھے۔ ہر مجبور ہو جائے
 آخری بار مجھ سے مل جائے۔ اس نعرے میں کس کھانڈر
 میں ہوئی تھی جس نے مجھے جیتا کر دیا تھا۔
 الٹی بار!
 الٹی بار!
 مذاہب میں میرے ذہن میں دھماکے کر رہے تھے اور یہ
 پھر کس کو لڑنا سدا سے باہر کس میں قریب کو نہ جانے
 دیکھوں گی؟... اگر وہ کسی مذہب سے دھماکہ کر لے تو میرا
 ہو گا۔
 ان کا ہنگامہ کھینے میں رہ رہتے تھے لیکن وہ حملات مجھ پر
 ہر گز نہیں کی طرح نہ کر رہے تھے۔ میں ان میں قریب تک
 اپنی نفس میں بھاری حملات میں تھے اس محبت کا کچھ اندازہ
 دے رہی تھی۔ جس وقت کہ شہت کا ادراک ایسے ہی مومنوں
 میں اس کا فائدہ دے دیا جا رہا ہے۔
 ہمارے کھانڈر میں تو کھینچ رہی۔ تو میرے سامن دھماکا میں
 سا کھانڈر کھینچنے والا رضوان صاحب ہو گا۔ اسے دیکھ کر میں
 وہ تو ضرور ہونی لیکن میری خوشنویس کا فائدہ ہو گا۔ رضوان کے
 ملنے اور شخصیت کی لڑائی کا ہلکا سا یہ تو بڑھنگ نظر آ رہا
 میں کوئی بات نہیں تھی جس سے قریب کی ناگفتہ حالت کا پتہ
 نہیں کوئی انتہائی تاریک صورت حال ہوتی تو رضوان کے قریب
 ہند کی ہوتی۔
 اور دیکھ کر اس کی آنکھوں میں ایک عجیب الہ بے نام راضی
 مجھ میں اس وقت کوئی مسرت نہیں تھی۔ مجھے جسے خفیہ سا
 دل کی کمری آمد گراں گزرتی ہے۔ یہ بات تو بہت پہلے ہی پتہ چلا

ہو چکی تھی کہ قریب سے میرے دل کا ضبط کو وہ تھانہ یہ نظروں سے
 دیکھتا تھا۔
 ”ہاں۔۔۔ تم۔۔۔ تم۔۔۔ رضوان نے کچھ کہنا چاہا مگر اس کی
 آواز نہ سنی۔“
 دیکھ کر کہ ہے؟ میں نے جھلکا ہونٹ دانتوں میں دبائے ہوئے
 اسے گھور کر کہا۔
 ”مجھ کو کچھ بھی پتہ نہیں کہ قریب کی کمری سے تم یہاں سے قریب
 جاؤ؟“ رضوان نے اپنی ہونٹ کھلا کر بتا دیا۔
 ”خفیہ بائیں ذکر دیا میں نے تو اگر کچھ لکھ کے اندر دم
 لکھ دیا۔“
 ”مجھے تو محسوس ہو رہا ہے کہ رضوان میرے سامنے میں حاضر
 ہوتا ہوا ہے۔ قریب سے تمہاری ملاقات اس کی آئندہ زندگی پر اثر انداز
 ہو سکتی ہے۔ آخر تم اس صومہ لڑکی کی زندگی تباہ کرنے پر کیوں تکی ہوئی
 ہو۔ خاموش رہو! میں ہاں جاتا ہوں کہ تم کو اس سے بہت ہے۔ تم نے
 اس کی خاطر بہت بڑے خطرات کا اپنے دامن میں سمیٹا تھا لیکن بہت
 کے اس زادے کو کسی طور بھی پسند نہ نظر لے رہے تھے دیکھا جاسکتا
 میں جلد از جلد قریب سے کھینچا جا رہی تھی لیکن رضوان مجھے دوار
 بن کر رہ گیا تھا۔ میں اپنے قریب سے نہ دیکھ رہے تھے۔ تم نے بھی ایک
 یہ نہیں بتایا کہ قریب کس حال میں ہے؟“
 ”وہ بالکل ٹھیک ہے اور اگر تم اس سے مل جاتے تو وہ آندھنوں
 ٹھیک ہی ہے۔“
 ”میں قریب سے ملنے نہیں جاؤں گی۔ کیا تم مجھ کو کئی پیش
 کر رہے؟“ میرے لیے اسے اشتعال کی ہر اس آندھنوں میں۔
 ”آخر تم جا رہی کیا ہو؟“ رضوان جھلکا کر ہوا۔ کیا تم قریب کو
 اپنا جیسا بنا کر دے دیتی۔“
 ”دکھ میں میری کو اپنا جیسا بنا سکتی ہیں۔ جیسا کہ تم نے
 جس دل گردے کی خدمت پہنچ رہے وہ ہر لڑکی کے ہاں ہے؟ میں نے
 دیکھتے ہوئے رضوان کو ایک طرف ہٹا کر بارے میں قریب پر قدم رکھ دیا۔
 ”قریب میں کئی تم نہیں دیکھ رہی ہو؟“ میں نے وہ ایک حسرت لڑکی
 سے کہا۔ قریب اس پر اثر انداز ہوئے تھے۔ میں نے دیکھ کر اسے
 حالات میں اس پر ناچہ خوشوار نہیں ہوگا۔
 ”میرے آگے کیلے رہے میرا قدم ٹھیک تھا۔ میں نے گھر گھر رضوان
 کی طرف دیکھا۔ آگے بڑھتے ہوئے میں نے دیکھا کہ وہ موجودہ حالت سے تھانہ
 کیا مراد ہے؟“
 ”قریب کے لئے یہ تلاش کر رہا کیلے۔ آج ہی اس کی شادی ہو جائے
 گی۔ کل صبح کی ملاقات سے وہ میرے روانہ ہونے والی ہے۔ اس طرح وہ

ان عرصوں سے عموماً ہوجانے کی وجہ سے ستریں اسے ہمیشہ بھیرے میں سسلنے میں آئی۔ یہ خیال تو میرے ذہن کے تارک ترن کو ظن میں لگی نہیں بلکہ اچھا کرشن کی شادی کا بندوبست کیا جا رہا ہے میرے دل و دماغ نے صدے کا جھٹکا محسوس کیا۔ میں رضوان کا منہ بھی رہ گئی اور رضوان کے چہرے پر قدرے ہنست آگئی۔ شاید اب اسے کچھ گھنگھار ہوا تھا کہ وہ مجھے فرخ سے ملنے پر آمادہ کرے گا۔ اس نے قدرے جوش میں آکر لیکن وحشی آواز میں کہنا شروع کیا: "میں اس سے اس جگہ پر سرگرداں رہا ہوں۔ دراصل باغی صاحب سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ ان کا ایک عزیز امریکہ سے آیا ہوا ہے اور فرخ میں دلچسپی لے رہا ہے۔ وہ لڑکا باغی صاحب کو بھی پسند ہے اس نے میں نے انہیں سمجھا کچھ کچھ چپانے شادی کرنے پر آمادہ کر لیا۔ وہ فرخ کے سلسلے میں بچہ خور فرخہ ہیں۔ اس نے انہیں اسی بچہ بکھلنے میں مجھے زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔ لڑکا بالکل اکیلا ہے لہذا اسے کبھی فوری شادی پر آمادہ کرنے میں دقت نہیں پیش آئی۔ وہ اپنے دو چادر دوستوں کے ساتھ آئے گی والدہ۔ فرخ بڑی نکاح ہو جائے گا۔ آج رات دو گھنٹہ میں یہیں رہیں گے اور صبح نہایت خاموشی سے دہن کو جہاز میں سوار کر دیا جائے گا۔"

رضوان بولا رہا اور میں نے اس دوران میں خود کو سنبھال لیا مگر حقیقت پسند انداز سے دیکھ جانے تو فرخ کا اس ملک سے چلا جانے کی اس کے حق میں بہتر تھا لیکن میری کی راہیں بعض اوقات کتنی اذیت ناک ہوتی ہیں؛ اس کا اندازہ مجھے اس رات ہی پہلے ہوا تھا۔ اور میں اس کی طرف سے جیسے میرے دل کو زبردستی ناک ڈس رہے ہوں۔

جب رضوان خاموش ہو کر اٹھ بیٹھ کر آئی اور آواز میں بولی۔ "تمہیں یقین ہے کہ یہ سب کچھ آتی ہی آسانی سے ہو جائے گا؟"

"ہاں، مجھے بڑی حد تک اطمینان ہے۔ سفری کاغذات تیار ہیں مجھے ان کے غامض دور و دوپ کرنا پڑی لیکن خدا کا شکر ہے کہ سب کا ٹھیک ٹھاک ہو گیا ہے۔"

"ہوں، اچھا، خیر! میں نے سہرا لگا کر کہا۔ لیکن میں فرخ سے طے نغیر تو بہر حال نہیں جاؤں گی۔"

رضوان کے چہرے پر ہنسی ہوئی رنگت پھر اٹھنے لگی اور اس نے مضطرب ہو کر کہا: "لیکن۔۔۔"

"بگٹ سے کوئی فائدہ نہیں۔ میں اس کی بات کافی ہوئی ہوں۔"

"فرخ سے میرا ماننا اس نے بھی مزید ہے کہ میں بساں خود نہیں آئی ہوں مجھے فرخ سے ملنا ہے۔ اس نے اپنی کسی دوست کے ہاتھ پر بھیجا تھا۔"

"اور! رضوان کے منہ سے نکلا۔

"خانہ بہ تہا ہی تجویز ہوئی کہ مجھے اطلاع نہ کی جائے کہ میرے لیے میں تہی پیدا ہو گئی۔"

"دراصل۔۔۔ رضوان بھرتی ہوئی آواز میں بولا میرا خیال تھا کہ

میری بوجھ سے اتفاق نہیں کر دے گی۔"

"حقیقت تو یہی ہے اب بھی نہیں ہوں۔ مجھے تو جیسے ہر دن ہے جوانی خواہش کے مطابق، لڑکیوں کو بھیڑنے لگوں کی دیتے ہیں۔ میرے لیے میں شدید جارحیت آگئی ہو مجھے سبھی اتفاق نہیں کہ اس طرح فرخ کو غور ہو جائے گی کہ ان کے مطابق لیکن اتفاق اتنا ہی ہے میری بوجھ کا کہ تم اس کی لہ کو ملک سے باہر بھیج دو؟"

"فرخ کی ایک پہلی برقع استعمال کرتی ہے اور اسے تک کئی بار اچھا جی ہے۔ میں نے بھی طرح اطمینان کر لیا تھا اتفاق نہیں کیا جاتا بلکہ صبح فرخ اس کا برقع استعمال مجھے یقین ہے کہ اس طرح کیلپن اتفاق کے علاوہ تمہارے کھا جائیں گے۔"

"نوٹ میں نے یہ کہہ دیا تھا۔ مجھے رضوان کے کسی گم اتفاق نہیں تھا۔ دراصل اس نے کیلپن اتفاق کی ایلیسا خباثت کے بارے میں غلط انداز سے دیکھا تھا۔ وہ کیلپن دسائل اور سوچو کچھ کو مٹی بکھر دیا تھا جبکہ میری داستان ایسی نادانی کی تھی کہ غلطی سے اتفاق سے رضوان کی سے کیلپن اتفاق غلط نہیں ہوگا۔ اس نے رضوان کی کڑی نظر لکھی ہوئی۔ اور جو کچھ میرے لئے فرخ کا ٹکٹ نام سے بنایا گیا ہوگا اس نے یہ بات اتفاق کے کسی مٹلی کاڑ چھپی نہیں رہ سکتی تھی کہ اب حالات کا ادھار اس کی کڑی صورت پر عورت حال غامضی بحث طلب بھی نہیں کر رہا تھا۔ میں کھڑے کھڑے رضوان سے اس موضوع پر نہیں اٹھنا چاہتی فرخ سے ملنے کے لیے میرا انتظار اب بہت بڑھ چکا تھا صورت میری آنکھوں میں تاج رہی تھی۔ مجھے اس کے غم میں لکھی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ مجھے اس ظلم سے بے پروا، اس نے بھی میرے لئے ایک نفاذی کی حیثیت رکھنا تھا۔ اگر وہ اس خوش ہوتی تو مجھے بھلا اس انداز میں کیوں بھارتی؟ اس کی بولی دینی کی سسکیوں نے مجھے تڑپا دیا تھا۔

میں نے ہر لمحے کے دوسرے زینہ پر قدم رکھا اور وہ میرے بگڑے ہوئے تھوڑے دیکھ کر بھی مناسب سمجھا کہ اب میری ہونے کی کوشش نہ کرے۔ حقیقت ہے کہ اگر وہ پھر زہم ہونے کرنا تو میرا اشتغال روکے گا۔

فرخ کے والدین مجھے دیکھ کر چونکے اور کچھ دھکا دے کر آپ! ان دونوں کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"میں صدمت خواہ ہوں کہ اس تقریب میں شرکت کے لیے آئی۔ میں نے بھی آواز میں کہا۔

ہاں! یہوں ہر سہرہ ۱۱ سہرہ ہو۔"

میں نے بے کھوٹے کمرے میں ہاتھ اٹھا کر انہیں دیکھا۔ رضوان نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔ میں کوئی آپ! رگوں نے راز داری کے خیال سے مجھے اطلاع نہیں دی لیکن۔۔۔ بن بلائے ہی ہیں۔۔۔ میں نے شاید ایک بار آپ! رگوں نے بڑی قربت محسوس کرنے لگی ہوں۔ ظاہر ہے کہ میں کسی قسم کا اختلاف نہیں برت سکتی۔"

اور زیادہ تر منہ نہ دیکھے باؤ! ہاں! صاحب دل گرفتہ ٹی مشنڈ ہیں۔ بیگ باغی نے نجات آئینہ بے میں کہا تھا اچھا ہاں! آپ! نہ ہوتیں تو بھلا میں یہ عرض کیا ہاں دیکھنے کو لے دے ان دونوں کی طرف دیکھا لیکن بیگ باغی نے جس کی اس کی جلی جھلک بھی مجھے ان کے چہروں پر نظر نہیں آئی۔ میں نے اس کے سامنے خود لہرا رہے تھے۔ فرخ کی شادی کے لئے دھانے کیا کیا ارمان ہوں گے لیکن زندگی نے انہیں حالات پر ناکرانی تھا کہ بس فرض کی ادائیگی کر سکتے تھے خوشیوں پر نہ تھا۔

وہ رماندگی دیکھ کر میں بھی بے حد افسردہ ہو گئی۔ رضوان اپنا ہاتھ میرے قریب کی کھڑا ہوا نہ جانے کس سوچ میں گم تھا۔ میں نے اس سے مل سکتی ہوں؟ میں چندے خاموش رہ کر بولی۔ ہاں، کیوں نہیں، آپ ہی اسے کھائے گا۔ بیگ باغی نے کہا: "وہ تمہیں روئے جارہی ہے۔ اس کی سہیلیاں اسے دہن ۱۰ دہن لیکن وہ تیار ہی نہیں ہو رہی ہے۔ درود کو اس نے"

حالات میں وہ اور کبھی کیا سکتی ہے کیا آپ! رگوں نے کتنے ہی دیکھے ہیں؟ کیا آپ! کوئی نہ چہرے پر کوئی خوش نظر آ رہی ہے؟ صاحب نے ایک دلدروازہ کھجری اور دوسرے سے باہر رگدے

انفوس نے بیگ باغی کو آبدیدہ کر دیا تھا۔ وہ مجھے براہ راست لکھتا تھا کہ اس کے لیے ہر شے پر سو گواری چھائی ہوئی نظر آئیں گی سو گوار ہو تو شاید ہی احساس ہوتا ہے کہ ہر چیز اس کی بددلیلیوں و توجہی ہیں نے سنبھال رکھا تھا۔ یا کی کوشش کر رہی تھیں فرخ کے ساتھ ساتھ دونوں

ہاں! میں بس میں شریک تھی جیسے وہ بھی روتی رہا ہوں نہ فرخ کا میری حال تھا۔

مجھے یہ فرخ ایک دم کھڑی ہو گئی۔ اس کے چہرے کا لہ لہا خواہ وہ درگزر کرے لپٹ گئی اور سکیاں لپٹ ہوئی

وں۔۔۔ باؤ!۔۔۔ وہ دفر جدبات۔ اپنا لہروں کی ذکر کس قسم۔

میں اس کی بیٹھ چکے تھے۔ اس کے نرم و گداز جسم سے لپٹ کر حرکت اور سر شادی کا جو عالم مجھے بر طاری ہوا تھا، وہ اس وقت بالکل بے ہوش اس کی سسکیاں میری روح پر ایک بوجھ بن گئی تھیں اور اس کے آنسو میرے دل پر گھٹے ہوئے لادے کی طرح ٹپک رہے تھے اگر میری جگہ کوئی عام عورت ہوتی تو اس موقع پر بددلیلی لیکن میں بیک وقت حس بھی ہوں اور پھر نہیں۔ خارجی عوامل کی ان فزیری میرے چہرے سے کبھی نکلا نہیں ہوتی۔ میں نے فرخ کی بیٹھ چکے ہوئے بیار بھرے انداز میں کہا۔

"آخر ہوا کیا ہے جان! تمہیں اس طرح خود کو بھان کر رہی ہو۔"

بانو کی موجودگی میں بھلا کوئی بات تہمیدی مرضی کے خلاف ہو سکتی ہے؟

میرے الفاظ نے فرخ پر جادو کا سا اثر کیا اور جب وہ میرے سینے سے الگ ہوئی تو واقعی غم نہیں تھا جتنی دلدراپنے نظر آئی تھی۔ میں نے ہانک اس کی کمر پکڑنے ہوئے، انگوٹھوں سے اس کے ہرٹ میں گدگد کر دی اور وہ کھل کر ہنس پڑی۔ مجھے یوں دیکھنے کوئی مڑ گیا ہوا گلاب، شبنم کی نمی بابر تازہ ہو گیا ہو۔

فرخ کے مزاج کی اس تبدیلی کا انہوں کی چھوٹی بہن اور سہیلیوں پر بھی ہوا۔ میں ان بچہوں میں بن گئی تھی اور اسے بعضے منانے کو قہقہے اٹانے لگے۔ شاید ہمارے ہنسنے کی آواز میں بیگ باغی تک مجھے بھی بعضے ہاتھوں میں ہے کہ وہ ضرورتاً ہی اس کمرے میں آنکلی ہوں۔ بہر حال وہ کھٹے ہوئے دروازے میں کھڑی، تھر لگا ہوں سے ہمیں تک رہی تھیں۔ میں کو خوش خرم دیکھ کر ان کے چہرے سے افسردگی کا غبار گم ہونے لگا تھا۔

"آئیے بیگ باغی! میں بڑے شکستہ انداز میں جبکی مجھے فرخ سے دور ملنے کا آپسے فرخ کے ساتھ نہادنی کی تھی۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں بانو، بیگ باغی کے لیے میں ممنونیت کا، حساس کوٹ کوٹ کر کھجوا ہوا تھا۔ اس میں سے آپ کو بہت پہلے بے ہوتا۔ دراصل حالات نے ہمارے ذہنوں کو مافوق کر رکھا ہے

”نہیں، یہ کیسے ممکن تھا؟ پاپیوٹ اور دوسرے کا خدات
اصل نام سے ہی تیار ہو سکتے تھے؟“
”پھر کس حکم کے روپے ہو کہ رات کیپٹن آفاق سوکے گا؟“
رضوان کچھ نہ بولا میری بات تو اس کی سمجھ میں آگئی ہوئی لیکن
وہ اب بھی خطرے کو اپنی خدمت سے غموں کرنے کے لئے تیار نہیں تھا
خدمت سے میری غموں کر رہی تھی۔ میں نے دواصل یوں سوچا تھا کہ فرخ
کے سلسلے میں میرے پہلے کیپٹن آفاق کی آنے کے لئے ایک ضرب کاری تھا
اور کیپٹن آفاق کو اپنی آنکس حد تک غور تھی؟ اسکا اندازہ کرنا کچھ
تاریخ سے برآسان لگایا جاسکتا ہے۔ انتخابات میں جن علاقوں نے مادر
ملت کو زیادہ سپورٹ کیا تھا، ان علاقوں پر آفاق نے جنگاریاں برسا
دی تھیں۔

بہر حال میں نے رضوان کو ہوشیار رہنے کی تاکید کی اور کابین
بلیئر کو روانہ ہو گئی۔ کار چلتے ہوئے میں اطراف کا جائزہ بھی لیتی جا رہی
تھی۔ رات کے سلسلے میں میں جان لینا میرے لئے کچھ مشکل نہیں تھا کہ
دہاں کا مائدق کے آدمیوں کے ساگوئی اور نگرانی کرنے والا موجود نہیں
تھا۔ البتہ عائشہ منزل پہنچ کر کچھ شبہ ہو کہ وہاں کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو
آنے جانے والی کاروں پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ شاید کسی طرح دوسرے
راستوں کی بھی نگرانی کی جا رہی ہوگی۔ یہ لائحہ عمل شاید اسے شرب
کیا گیا تھا کہ نصیر آباد جیسی جگہ پر ایک چھوٹے سے مکان کی نگرانی کرنے
والے، (نظروں میں) آئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے بلکہ یہ نسبتاً محفوظ طریقہ تھا
کہ آمد و رفت کے راستوں پر نظر رکھی جائے۔ یہ طریقہ اتنا ہی موثر تھا
جتنا مکان کی نگرانی کرنا مخصوص اس صورت میں جبکہ یہ شخص لوگوں
کی نقل و حرکت پر نظر رکھنا مقصود ہو۔ میرا نام اس سلسلے میں سر فرسٹ
رہا ہوا۔ اسدن ممکن ہے کہ اس وقت جبکہ میں عائشہ منزل سے تیز رفتاری
کے ساتھ دودھرتی جا رہی تھی، ان نگرانی کرنے والوں میں سے کوئی شخص
قوی شلیفون کی طرف دؤر رہا ہو گا کہ آفاق کو میرے بارے میں اطلاع
دی جاسکے۔

میں تیز رفتاری کے ریکارڈ قائم کرتی ہوئی اپنے منظر پر پہنچی، خوار کا
میں داخل ہوتے ہی میں نے شلیفون کا رخ کیا اور کمانڈر حق کے منبر وائل
کے، میری آواز سے ہی کمانڈر حق نے یوں شروع کر دیا۔
”آج فرخ کے مکان میں خاصی چہل پل رہی ہو ہانی نس!
خود بھی وہاں موجود تھیں لہذا غالباً اس سلسلے میں کسی رپورٹ کی
خدمت تو نہ ہوئی؟“

”زبیدہ کے بارے میں جانتا جا چکی ہوں۔“
”دوبہت سخت جان لڑکی ہے یوہانی نس! کوئی حربہ کام نہیں
کر رہا ہے۔ اب صرف آخری ڈگری استعمال کرنے کی کسر رہ گئی ہے۔
اگر آپ اجازت دیں تو۔۔۔“

”نہیں اب اس کی خدمت نہیں ہے۔ میں نے بات کا
”اے لے کر تم کہہ کر باد کے چور پہنچو۔ اسے دواؤں کے ز
چاہئے۔ اس بات کا خیال رکھنا کہ کابین اس کی موجودگی کا
چل سکے۔“
”بہتر ہے۔“

”میں تمہیں اس کام کے لئے تین منٹ سے زیادہ نہیں
کریم آباد پر میں اپنی کالچوڈ کر تہاری کابین منتقل ہو جاؤ
کو لارنہ بدلاؤ۔“
”جیسا آپ مناسب سمجھیں۔“

میں نے سلسلہ منقطع کیا اور جب میں اپنی ملازمہ
کی ہدایت دے رہی تھی تو مجھے یاد آیا کہ آج میری ایک ملازمہ
پر لاپتہ ہو چکی ہے۔ شاید کوئٹہ میں گھر کوئی بھی تو مجھے اس کے
دیا گیا تھا لیکن فرخ کے خط سے میں اپنی بدحواس ہوئی تھی
بھول کر نصیر آباد ورتی جا چکی تھی۔

پانچ منٹ بعد میں اسٹر ایک ملک کی فانی کی چکیاں
اپنے دروازے کو سمٹ لکھا ہوا پارکی گئی۔ رسائل دوسروں کا
کر رہا تھا ملازمہ کی گفتگو ایسی نہیں تھی جسے میں آسانی سے
میرے شبہات کے مطابق یہ اعتراف کیا کہ سوکھا تھا اور یہ
آفاق کی بھی ہو سکتی تھی۔ عین ممکن تھا کہ میرے بارے میں خبر
کرنے کے لئے اس نے میری ملازمہ کی گرفت ہدف بنایا ہو۔

میری ملازمہ میں اپنی اساتذی کی پڑاؤ لگائی۔
اور اس وقت میں۔۔۔ آج رات کو گرجنے کے باوجود وہ سب
میں نے ان سب کو کسی اور کہا کہ کل صبح میں اس سلسلے میں
قدم اٹھاؤں گی۔

فی الحال میرے سامنے سب سے اہم مسئلہ فرخ کا تھا۔
میں ایک بار پھر اپنی سرسبز میں پہلی نصیر آباد کی طرف رخ دار
اور میں نے خود کو بڑی حد تک پر سکون کر لیا تھا۔ جتنا جیت با
نقصان رہی ثابت ہوئی۔ بہتر یہی تھا کہ سب کام اطمینان
کچھ مضروبے کے تحت وقت پر ہوں۔

مجھے کریم آباد کے چور پہنچے تو
سے میں نے کار کی رفتار قائم کرتی تھی۔ میرا یہ اندازہ اتنا ٹھیک
میں کریم آباد کے چور پہنچے تو
کار کو دہاں دے رہی تھی۔ میں اس کے برابر میں جا رہی تھی۔
انجن بند نہیں کیا اور آخر کار کمانڈر حق کے قریب پہنچ گئی جو گچھ
سے اترا یا تھا۔

رات کے سلسلے میں کمانڈر حق کی اڑیاں ٹکرا
ٹک پھیل گئی، اس نے روانہ کی انداز میں فوجی سیلوٹ کیا تھا
کے اشارے سے جواب دیا اور کالے کالے کورے دروازے سے

کی رات آرام کے نہیں ہے۔ میں نے کمانڈر حق سے کہا۔
بہلا ضرور ہے۔
میں اور میرے آدمی ہر صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار
ہیں۔“

میں نے اندرونی قبی جلا کر کچلی سیٹ پر نظر ڈالی۔ زبیدہ کو اس حال
کے افسوس ہوئے۔ اس کا چہرہ گھلایا ہوا تھا اور وہ بے سدھ پڑی
لاپتہ کی جگہ سے اترنے پر تھکتے۔ ایسے مقامات پر تھون کی
لگ لگائیاں سے اذیت رسانی کا پتہ چل رہا تھا۔

میں نے لارنہ اسٹارٹ کی اور تیز رفتاری سے نصیر آباد کی طرف روانہ
کی اور اندرونی قبی ابھی روشن تھی لیکن باہر سے کسی کی نظریں
میں نہیں پڑ سکتی تھیں۔ دو کسادہ سیٹ پر اس طرح پڑی ہوئی تھی کہ
کوئی بھی حصار کی کی بول تک نہیں پہنچ رہا تھا میں جا چکی
تھو دیکھنے والے صرف مجھے دیکھیں اور کابین ہوتا تھا۔

میں زبیدہ کو خطرے میں ڈال کر فرخ کی حفاظت کا سامان کرنا چاہتی
تھی کیا ہوا کلام میں ہے تھا کہ زبیدہ برقع پہن کر رضوان کے ساتھ
اسٹارٹ کرے اور اگر کسی پر آفاق کے آدمی کچھ کرنے کا ارادہ رکھتے
ہوں اور زبیدہ سے اسے اچھے چاہیں۔ ان کی اس غلطی سے فائدہ
قریب کران کے جال سے صاف نکال دیا جاتی۔

ان غلطی میں دودھائی گھٹنے باقی تھے جب میں فرخ کے گھر پہنچی
زکی روانہ میں ابھی اتنی ہی دیر تھی۔ مجھے باہر جا چکی تھی۔
وہ کہ ساتھ آخری تیاریوں میں مصروف تھیں۔ سامان سوٹ
بند کیا جا چکا تھا اور انڈائنٹ کی تیاری ہو رہی تھی۔

میں ان بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہا تھا میں اسے لے کر اپنی
ٹھکانے۔ وہ زبیدہ کو دیکھ کر بڑی طرح ہلکا تھا۔ لیکن کچھ بولا نہیں
اپنے لیے تھکے دھلاہ چا تھا تھا میری خودی کچھ تازوں۔

”فرخ کو کمزور خطرے سے بچانے کی تدابیر کر رہی ہوں۔“ میں نے
انہوں کے سوال کا جواب دیا۔ ”تمہیں اداس لڑکی کو سارا خورہ
ہو؟“

”مگر خطرہ مل لینے پر تو کوئی احتیاط نہیں لیکن تم نے اس لڑکی
کا بھلا کرنا ہی ہے؟“

”میں اس کی پروردہ مت کرو، یہ لڑکی اتنی معصوم نہیں ہے جتنی ظن
کے اس سے توئی ہمارے مدد کی نہیں رہی۔“
”ظاہر ہے، مجھ سے کہ تو کچھوں کے رس سے غرض یہ رضوان نے
مجھ سے کہا کہ جس سے چلنے کے بعد بھول کر لگ کر تو پیچھا پڑ
ہو؟“

”میں اس کی فضل باقی پر دھیان نہیں دیا اور اسے اپنا پڑا کر
لائی۔ مگر اگر اسے تھا کہ روانہ کی مقررہ وقت سے پندرہ منٹ پہلے

رضوان زبیدہ کو برقع پہنا کر کمانڈر حق کی کابین میں لے چلا گیا۔
ہو چکے۔ ان سے تین چار منٹ پہلے باہمی صاحب۔ منہاس اور اس کے دوست
روانہ ہو چکے ہوں گے۔ نگرانی کرنے والے رضوان کے ساتھ ایک برقع پوش
لڑکی کو کچھ کہیں خیال کر رہی گے کہ انہیں دھوکا دینے کی کوشش کی جا رہی
ہے۔ انہیں کچھ کہنا پڑے، وہ کہہ کر زبیدہ کے اندر اس مقصد پر ہوا جائے گا۔

رضوان کی روانہ کی کے دس منٹ بعد میں، مجھے باہمی، فرخ اور اس کے
بہن بھائی کو لے کر اپنی رپورٹ کی طرف چل پڑیں گی۔
یہ پردہ گرامے کرنے کے بعد میں اور رضوان کا رستہ آخر کچھ مکران
میں پہنچے۔ دودھالہ کو کچھ بھلا یا سمجھا تھا۔

ناشتے کے پندرہ منٹ بعد پروگرام کے تحت روانہ عمل میں آئی۔
دو دھالیاں اپنے دوستوں اور خسر کے ساتھ روانہ ہوئے۔ گاڑی
ان کے دوستوں کی تھی اور عوامی بڑی تھی۔ سامان بھی اسی گاڑی
میں رکھا گیا تھا۔ اس گاڑی کی روانہ کی کے ٹھیک تین منٹ بعد رضوان
اور زبیدہ روانہ ہوئے۔ یہ کمانڈر حق کی گاڑی تھی۔ سامان تو اس میں نہیں

۔ صاحبانہ تین تہ پڑی کر لیا تھا ڈوٹی سامان سے ہماری ہدف تہ نڈ
کو تھوڑا سا سطح تھا کیا تھا۔ وہاں کچھ با سامان کس غور اسباب بیکلا
ہو تھا۔ سامان تیار کیا جیسے اندر سے یہ منسل ہوئی تھیں۔ لہذا
صاحبانہ کو اس لارنہ زبیدہ کی موجودگی معلوم نہیں ہو رہا تھا۔

”ٹھیک دس منٹ بعد میں فرخ کو رضوان کی جتا کی بی بی لائی
تھا۔ باہمی رضوان کے دھن بھرا ہو رہا تھا۔ اور زبیدہ کسٹ
سنبھال لی۔

”میں نے تین بی بی گرنے کا سامان سے دیدہ و دستہ
راہیں غصہ کی تھیں جو یہ طریقہ بے سامان رہا۔ میں اپنی جی کو کر
”میں نے آؤتے کے آؤتے کچھ فرسندہ۔“ میں چاہتا تھا کہ اسے کسٹ کسٹ
”میں وہ کیا کرتے؟“ اس کا اندازہ وہ بہت ہی تھ۔

”میں چاہتا ہوں کہ وقت سے ڈیڑھ منٹ گزرے۔“ میں نے
”جرح لکھا ہوا تھا کہ میں اپنی تھیں، پڑھیں سے مجھے تو نہیں سمجھتی۔“ میں نے
”میں نے تھیں بے وقت کر دیا۔“ میں نے تھیں تھیں۔ اس مکان کو کھڑا کر
”میں نے کچھ لکھا تھا کہ دشمن میری چال سے بھڑک گیا ہو لیس۔“ میں نے
”میں نے تھیں کچھ کو اس کے کسی اقدام کی زد میں آتا ہے۔“ میں نے کھڑا کر
ساتھ تھی۔

”میں نے یہ یہ سامان سے شات کے بنیاد پر تھوڑے سے آدمی کو کچھ
”خاورہ رضوان ہی ہرگز نہ ملے۔“ میں نے لکھا۔ والی سڑک کی ابتدا پر جو وقت تھی
”میں نے رضوان کی گاڑی کو نظر نہ تھی۔“ میں نے لکھا۔ رضوان کی گاڑی کے
”میں نے تھیں تھیں تھیں۔“ میں نے لکھا۔ دوسرے ڈرائیو ایسے تھیں کہ
”میں نے تھیں تھیں تھیں۔“ میں نے لکھا۔ دوسرے ڈرائیو ایسے تھیں کہ
”میں نے تھیں تھیں تھیں۔“ میں نے لکھا۔ دوسرے ڈرائیو ایسے تھیں کہ

[illegible]

کولیاں صاف ہو گیا اور دوسری جو کرکڑ چلا۔
 ”وہ بال ہے؟“ میں نے چونک کر پوچھا۔
 ”کارکی دوسری طرف چڑا ہوا ہے۔“ رضوان نے
 اس نے تحکک کر کے پچیسے دوسری طرف دیکھ
 جسم ڈیڑی صورت میں صاف دھات چڑا نظر آیا غالباً
 ہو چکا تھا۔
 لیکن طرح والے کو نورادے گھم گھما ہونے کا
 تھا، رضوان کستار لایا، لیکن اب شام دیکھی ہے ہوش ہو ہی
 میں کھڑی ہو گئی اور اس نے دیکھا کہ کائنات کا نوراد
 ہوا اب جاری طوفان تھا۔
 وہ جہاں گئے ہیں بھڑکے ہوئے تھوڑی سی آواز ہے
 میرے جواب دیکھے پیسے کی کانٹھوں کا آواز ہے۔
 ”آئی۔۔۔ میں نے مجھے سادہ شکیلا اور اسی وقت اس کی نظر زیب
 وہ بول کھلا گیا۔
 ”۔۔۔۔۔ تو۔۔۔ کیا ہو رہی ہے؟“
 ”ہاں۔۔۔ میں نے سنا لیجیے میں کیا۔
 ”یہاں۔۔۔۔۔ میں صاف۔۔۔۔۔ چاہتا ہوں۔۔۔۔۔ کاٹش۔
 پہنچ جاتا۔
 ”تم حکومت کرو۔“ میں نے خشک لہجے میں کہا۔ ”یہ وہ۔
 جس کی حفاظت کئے تم سے کیا گیا تھا۔“
 ”اور وہ۔“ کائنات کی آواز نے طینان کا ایک لمبا سا
 زبیرہ پر تھک گیا۔
 ”بیچارے۔“ رضوان نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔
 ”قرآن ہوئی ہے۔“
 ”اس کے تہذیبی اور بہتر تھا۔“ میں نے مقررہ کیا۔
 ”نوا۔“ میں نے بے پرواہی سے کہا اور پھر سر جھکے میں ہوا۔
 ”دل پھر کا ہے اور!“
 میں نے اس کی جوابات پر دھنیاں نہیں دی اور کائنات کی
 سے بولی۔ ”سنو! میں اور یہ ہے جسے جو تھوڑی کھینچ آئے اور
 والے سے ہمارا کوئی تعلق ثابت نہیں ہونا چاہیے۔“
 ”بہت بہتر۔“ اس نے جواب دیا۔ ”خیر تو بالکل صاف
 کا کوئی ایک ایسے شخص کی ہے کہ اس سے ہمارا کوئی تعلق ثابت
 میں اس بات کا کافی بے رحمی سے جھٹکا جا۔ بعد میں اگر کوئی
 ہمارا پہنچا تو وہ دلی آواز خودی اپنی صفائی چہرے پر گزرتے ہوئے
 ”اگر ایسا ہے تو تم رضوان صاف کہہ کر میرے پیچھے چلو۔“
 ”وہ!“
 ”آئے صاف۔“ کائنات کی آواز نے رضوان سے کہا۔

[illegible]

وہاں میں جڑنٹ گڈ سے نکلے کچھ نہ ہوا، جیسے دواؤں کو، پھر نظر
رہے ہوئے ہوں، اس میں سے ایک کا تعلق: بولی ذریعہ شایع تھا اور اس
کے جسم پر بھی بولی گئی تھی کہ کارخانہ کی دوسری نظر آ رہی تھی۔
ایک ایک دواؤں نے مجھے اشارے سے الگ، بلایا اور سرگوشی میں
بولایا: ہماری نگرانی کی جارہی ہے۔
”مجھے بھی شہر سے ہٹا دیا گیا، لیکن میں غم نہیں ہوا۔“
مڈلیا، کیٹین آفاقہ کے گھر گئے ہیں؟“
”میں نہیں، کیٹین! میں نے جواب دیا: میں تو شہر میں ہی رہا۔“
”میں بھی کیٹین آفاقہ آسانی سے ملنے والی نہیں تھی۔“
”نہیں یہاں وہ کارکن ہے؟“
”وشن کو کر دوسری صحت سمجھو! ہاں یہ بیشک کہا جا سکتا ہے کہ یہاں
اسے کچھ مشکل ضرور پیش آئے گی۔“
دواؤں کے چہرے سے پریشانی کا اظہار ہونے لگا۔ وہ بہت قریب بھی
”مجھ تک تھا لیکن میری فکر کی نوعیت دوسری تھی۔ دواؤں صرف فستق
کی سلاخی کی طرف سے نگرہ منڈو کا لگن ہیں یہ سب بھی تھی کہ یہاں کیٹین
آفاقہ کس قسم کی شیطنت بکھر رہا تھا۔
میں اسی موقع پر میں میں تھی کہ آؤ گے میں ایک ایسا شخص داخل
ہوا جسے دیکھ کر میں چونک کر نیر زہرہ کی۔ وہ کانڈر حق تھا۔ وہ میری
طرف میری طرف آیا۔
”خیریت؟“ میں اسے گھورنے لگی۔
”میرے جس آدمی کو آپ نے باہر بھیجا تھا؟ اس نے کیٹین آفاقہ کو
دی آئی، پی ڈی (V.I.P. Room) میں دیکھا ہے۔“
”اوہ!“ میرے جسم میں سنسناہٹ پھیل گئی، گویا آخری مرتبے
پر خود کیٹین آفاقہ میدان میں آ رہا تھا۔
کانڈر حق نے مزید کہا: ”یہ کوئی میرا وہ آدمی لاؤنگ میں نہیں آ سکتا
تھا اس لئے اس نے فون پر مجھے اطلاع دی۔ میں فوراً ادھر دوڑ پڑا
تا کہ آپ کو کیٹین آفاقہ کی موجودگی سے باخبر رکھوں۔“
”بیشک ہے۔ اب آگے کو تو یہیں بکھر دیا جائے گا، یہاں کیٹین آفاقہ
پڑ جائے گی۔“
”کیٹین آفاقہ کی موجودگی کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر قیمت پر مجھے
شکست دینا چاہتا ہے۔“
”کیا دواؤں آپ کو ڈر کر اور بکواؤں؟“
”نہیں، زیادہ آدمیوں کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میں نے کانڈر
حق کو انھیں حمل کرنے کی ہدایت کی اور فزک کی طرف واپس لوٹی۔ وہ
منہاس کے ساتھ ایک طرف پہنچی، ابھی وہی نظروں سے میری طرف دیکھ
رہی تھی۔ وہ ادراک کا خوبہ میری اور دواؤں کی بڑا سراسر نفس و حرکت
کچھ پریشان ہو گئے تھے۔ جب میں ان کے قریب پہنچی تو انھوں نے استفسار
نہیں کیا، جو ہوا! گو کہ ادراک ادھر کے بات کرنے لگے، لیکن نظار میں انے۔

نہرو دی تھا۔
 لیکن جب بعدہ منٹ بعد نصی طایر پیدا ہوا تو سارے بچے نہیں
 آیا تو ظن آخری کا لگ سکتی۔

رسمی کارروایاں بھی تھیں کیونکہ آفاق لاکھ بار سونگ اور توتور تھیں۔
وہ آدھے گھنٹے میں یہ سارے انتظامات ہرگز نہیں کر سکتا تھا۔
یہ سب کچھ سوچنے کے بعد میں نے اطمینان کی سانس

کی ہنسی جاری رہی۔
 زمین لائن کے دو تین چلڑیاں گرا کر ہمارے قریب آکر کھڑا ہوا۔ اس کے
 چہرے پر تشویش کی کچھ گہری بوکھی تھی۔ اس کی کچھ مٹی نہیں آ رہا ہو گا کہ وہ
 کیا کرے۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر مجھے غصہ آئے لگا۔ اسے اپنے دروازے پر قابو

”مجھے سنے دو اس کی کہہ کر وہ اڑا غائب ہو گیا مجھے۔ دیواریں
 نیچے ملا رہی ہیں۔ آٹم جسے بول رہا ہے۔ مجھے سنے دو! اس کی یہ پسکی
 حق! بیش اس کی کہ گند گسٹم شرب کی موجودگی کا پتہ دے رہی تھیں ہومین

میں جیسے ہی ایرپورٹ کی حکمت سے باہر نکل گیا کہ
آدمی سرے تریب آگیا جو رضون کو آدھے راستے سے ایرپورٹ
میں لے کر ایئر فیلڈ سے اس کی طرف دھیمبا آدھوہ

۱. چونکه نباتات، عطری کرند، با این اضطراب برخواستار باد باخته.
 ۲. آن که بیکدیگر بغیر طریقت و دنیا، لایا بدرجہ انخفا می کند و دنیا
 ۳. مثل حبیبی، دین کثری را می میراند، این دین بجز دین ملوک و کفر
 ۴. نشاء، میسر و لذت و خوشی را می ترکد، پس کرنا باجی نمی خورد، حال آنکه

طیارے میں سوار نہیں ہو سکا ہے لیکن اس کا سامان طیارے میں پہنچا دیا گیا
تھا۔ اسی کے سوٹ کیس میں وہ نام لکھ کر چھپا گیا ہے۔“

”یہل پکس؟“ وزیر داخلہ کو شاعر میری قطع کا مٹی ناگوار لگ رہی تھی۔

”آپ اس وقت کہاں ہیں؟“ غریب تائیے تاکہ میں کچھ دیر بعد بھی آپ سے رابطہ قائم کر سکوں۔ میں دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کیا جاسکتا ہے۔“

میں نے انہیں اسی ٹیلیفون کا نمبر بتادیا جہاں سے بات کر رہی تھی۔ سلسلہ منتقلی کر کے میں نے ڈاکٹر بلورک سے کہا: ”میں ابھی وزیر داخلہ سے بات کر رہی تھی۔ دروازہ بند وہاں رنگ کریں گے مجھے بتادینا۔“

بلورک نے ہفتوں کی طرح انہماک میں سر ہلایا۔ میں ایک قریبی صوفے پر جا بیٹھی۔ اتنے میں رضوان میری طرف آنا لگا۔ اس کی چال سے مجھے غلط فہمی ہو رہی تھی۔ وہ میرے قریب آئے گی بولا۔

”اس اطلاع نے یہاں ہلکا سا کر دیا ہے۔ اگر میرا تعلق ملک تکب سے بڑے اخبار سے نہ ہوتا تو شاید اتنی جلدی ان لوگوں کے کان کھڑے نہ ہوتے۔ دیکھو لوگ جانتے تھے کہ میں ان سے مجاہد ہو سکوں۔ اس پر جب میں نے چراغیاں ہونے کی کوشش کی اور کہا کہ میں یہیں بیٹھ کر اپنی ایک ساتھی کو تلاش کر رہا ہوں۔ تو بالید باخواسرا ہنوں نے اجازت دی۔“

”لیکن کچھ آنکھیں ہمداری مگرانی ضرور کر رہی ہوں گی اتنی خوفناک اطاعت دینے والوں کو دسترس سے روک نہیں ہو سکتا تھا۔“

”بھڑا اب صورت حال ناقابلِ سہی تھی۔“

”مگر یہ لوگ ہمداری بات نہ سنتے تو بھی کوئی فرق نہ پڑتا۔ میں اپنے دماغ کو بھی کام میں لاتی ہوں۔ میں نے ایک فون کیا تھا۔ بہت جلد اس کے نتائج سامنے آجائیں گے۔“

”دماغ؟“ رضوان نے مجھے ٹھوکر سے بوسے کہا۔ ”خوفناکے رسائل“

”میں کیا کہتا ہوں؟“

”اگر یہ سب خود ہی تصور بہت جان لوگے۔ میں نے جواب دیا

اور یہ بات میں نے سوچے سمجھے بغیر نہیں کہی تھی۔ رضوان کی ذہانت سے میں کبھی بھی منکر نہیں ہوتی۔ اب تو کاغذ پر اداس کے دو ایک آدمی بھی رضوان کی نظروں میں آگئے تھے۔ وہ اداس کے بارے میں معلومات حاصل کر کے میری شخصیت کو توڑ دہشت ضرور جان لیتا۔

میں وزیر داخلہ کے فون کی منتظر تھی لیکن جب اپون گھنٹہ گزر گیا اور کال نہیں آئی تو مجھے یہ چینی ہونے لگی۔ پھر پندرہ منٹ اور گزشتے میں دوبارہ فون کرنے کے لئے صوفے سے اٹھی یہی تھی کہ خود وزیر داخلہ سامنے سے آئے نظر آئے۔ ان کے ساتھ کچھ اور آدمی بھی تھے۔ جن کو میں قطعاً نہیں جانتی تھی۔

وزیر داخلہ کی آمد سے لبرٹ پر کھلبلی پڑ گئی۔ ذمہ دارانِ اصر سے اُدھر دوڑنے لگے۔

وزیر داخلہ آدمیوں کے ساتھ میرے قریب پہنچے۔ میں ان کی طرف بڑھی۔

”برادر! معاملہ کرنے کے بعد وہ اپنے ساتھ آنے والوں میں سے کر کے براتفاق کرانے لگے۔“

”یہ سب باخواسرا۔ وہ اطلاع ان ہی کی دی ہوئی پھر مجھے بتایا گیا کہ شخص سے میرا تصادم کر گیا۔“

کاؤنٹر پر ہے۔ اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ باقی لوگ بھی افسران ہوں گے۔

ایشی جنس ڈاکٹر کوٹنے مجھ پر سوالات کی پوچھا اور

چاہتا تھا کہ یہ کب سے میری معلومات کے ذرائع کیا جگہ کوئی عام آدمی ہوتا تو سوالات کی اس پوچھا اور جیسے،

بوکھلا جاتا لیکن میں نے بڑے اطمینان سے ہاتھ اٹھا کر دیا اور کہا۔

”جناب! مجھے آپ وزیر خارجہ اور دوسرے سادہ

ہندو بہت کر سہیٹنگو تو لہذا میں بھی ہو سکتی ہے۔“

بہت اس انداز پر کہ میری بہت بڑی طرح جھلکا۔

اور کہا برکتے ہوئے کہا۔ ”اس کا بندوبست کیا جا چکا ہے۔“

پھر پھر میں کاغذ جاز کو اپنی خوشی میں لے گیا۔ مسافروں کو اپنا کی تاشی شروع کی جائے گی۔“

”سارے جہاز کی تاشی لینا چند منٹ ضروری نہیں۔“

پرنس جیج کو دیکھنا کافی ہو گیا۔“

”تلاشی کا آغاز پرنس جیج ہی سے ہو گا۔“ ڈاکٹر کوٹنے نے

کہ آپ میرے سوالات کا جواب دیں۔“

”میں آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دے دوں گی۔“

انداز میں کہا۔

”ایک ایسی بات تھی کہ ڈاکٹر کوٹنے کے چہرے کا رنگ

اس کو غصے میں آئے دیکھ کر وزیر داخلہ مضطرب ہو گئے اور ان سے مجھے مخاطب کیا۔ ”معاذ بہت نازک ہے بالواسپ

کرنا چاہیے۔“

”مجھے معاملے کی نزاکت کا پورا پورا احساس ہے اور

نہان ہند رکھنا پڑ رہی ہے۔ میں اس سلسلے میں صرف پرنس ڈنٹ

دون گی۔“

میرے اس جواب پر وزیر داخلہ تو چونک گئے لیکن وزیر

”اُس نے تو...“

اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی مجھے منہ ہی اگنی ہوئی تھی اس

بھلا کی تھی کہ جہاز پر وزیر خارجہ کی موجودگی کی بنا پر ان ہی کو کم کا نذر

کھا ہا سکتا تھا۔

میری منہ ہی سے ڈاکٹر کوٹنے کے چہرے پر شدید غصے کی مٹھی بھیل گئی۔

”یہ سب کچھ کہہ کر آپ کو اس عدم تعاون کا عینارہ جھٹکتا پڑے گا۔“

”مفتد کو کوٹن مال سکتا ہے۔ میں نے ٹھنڈی سانس لے کر۔“

اس جواب پر ڈاکٹر کوٹنے کا جواب ہوا ہر گز۔ وہ بیان کرنے کی ذہنیت

وزیر داخلہ اس موقع پر ضروری سمجھا کہ ڈاکٹر کوٹنے کا دوسرے

بہت قریب ہے۔ جیسے جاتیں اور اسے سمجھانے کی کوشش کریں کہ

ن عورت سے الجھ رہا ہے۔

در اصل میں عدم تعاون پر اس لئے آواز تھی کہ مجھے کوٹن آفاق کر

گمانے کا ایک سہری موقع مل رہا تھا اور اس موقع کو بھٹکتے نہیں

لے رہا تھا۔ اسی تھی کہ اس ایشی جنس ڈاکٹر کوٹنے کو سب سے نازک طریقہ کر

لے کر صدر مملکت سے ملاقات کا امکان ختم ہو گیا۔ اگر اس وزیر داخلہ

ضمان سے صدر کے پیچھے تو ملاقات کی نوعیت بدل جاتی۔ اس وقت

ہو، انان کے سلسلے میں جو کچھ کہی ہو، شکایت کا روپ دھار لیتا جو کہ

ہا ہستی تھی کہ کوٹن آفاق کے جرم ہونے کا انکشاف صرف صدر کے

ہاتھوں میں اس طرح میری بات سے شکایت کا عنصر کو باخواسرا

مگر کہی اس سے غلط جھٹکتا ہوا محسوس کیا جاتا۔ اسی لئے کوٹنے کو سامنے

ہونے میں عدم تعاون کی پالیسی پر قائم رہنا چاہی تھی۔

ڈاکٹر کوٹنے وزیر داخلہ سے قریب آگئے۔

”میں نے خاتون“ وہ مجھے ٹھوکر ہوا اور بولا۔ ”اس معاملہ

میں حقیقتات کی جانے گی اور اس سلسلے میں آپ کو بھی ہمارے ساتھ

جواب دینا۔“

کھڑا ہوا تھا اور اس نے ڈاکٹر کوٹنے کی نازک جھٹکتے میں اس کی تھی اس لئے

مجھے تعین تھا کہ وہ جواب دیتے ہوئے محتاط رہے گا۔

”اب کیسے موسم ہمارا جہازیں؟“ دیکھا گیا ہے۔ ”ڈاکٹر کوٹنے نے فون

سے بڑے دنگ فائرس سوال کیا۔“

”مجھے سب باتیں بتا دیا۔“ رضوان نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

”میری حالت پر اس وقت تک کہ اس کے صدمے سے گئے تھے۔“

”مگر یہ سب شاید سوچا ہے۔“ دنگ فون کو غصے میں لے کر دیکھا۔

اسے یہ بھی یاد آئی تھی۔

”جناب! ایک آدمی، خیر قریب آکر ٹھہرے گا۔ ایک ایشی

فونٹ نان مشاپ ماسکو جا رہی تھی۔ اس کا بندوبست کر دیا گیا ہے۔“

رضوان میں ملک سرک اپنا دے۔“

ڈاکٹر کوٹنے نے پٹے سے کرنا پٹی بیٹھ کر دیکھا اور اپنے دماغ میں کو

لگ لگ سے ہمارے ہمارے حالت دیکھتا تھا۔ اس کے بعد وہ دوسرے فونٹ

کے ساتھ حکومت کے داخلی دفاتر کی طرف بڑھ گیا تھا۔ اس کے دماغ میں

آدمی جن کو اس نے ملات دیکھا تھا، میرے اندر رضوان کے قریب

آکھڑے ہوئے۔

”یہ دونوں جھگڑا نہیں۔“ وزیر داخلہ نے سختی سے کہا۔

”یہ... اس...“ وہ دنگ فون کو کھلا کر دیکھ کر دنگ لے۔

”تو یہ دنگ ہے۔“ رضوان نے اشارہ کیا کہ وہ دنگ سے قتل ہو گیا تھا۔

”یہ...“ وزیر داخلہ نے اشارہ کیا کہ وہ دنگ سے قتل ہو گیا تھا۔

”یہ...“ وزیر داخلہ نے اشارہ کیا کہ وہ دنگ سے قتل ہو گیا تھا۔

”یہ...“ وزیر داخلہ نے اشارہ کیا کہ وہ دنگ سے قتل ہو گیا تھا۔

”یہ...“ وزیر داخلہ نے اشارہ کیا کہ وہ دنگ سے قتل ہو گیا تھا۔

سکرٹری میسجریاس جس کا میں کیا تھا وہ ایرانی حکام نے اس

۵۔ یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ میں اس شخص کو جانی ہوں
۶۔ اگر آپ انکار کر دیں تو میں چپ ہو جاؤں گا۔ " مذہب

۵۔ اللہ ہر گنہگار پر نیک طرز سے نازل الیں احتیاط رہے گا۔ میرا

راستہ اختیار کر لیا ہوں چنانچہ اس وقت مجھ پر بے ایسا ہی کیا۔
رضوان اور مرصیہ میں نہ جانے کیا کیا ہتھار با تھا لیکن میں خجالت

کے تجربہ اس سنگد، دھب چلی تھی کہ اس کا ایک لفظ بھی نہیں سہی سکے۔
 میں نے، بنا رخ بدلا تو رموانا چونکہ خاصوش ہو گیا میرے میں تیزی
 سے قدم اٹھانا شروع کر کے تو رموانا بھی کچھ کچھ اغیر سے سہہ کچھ چل پڑا۔
 میرا رخ اس کی بین کی طرف تھا۔ اس نے مجھے یوں بلایا جتنا ہر سے دیکھا
 تو شاید بول سکا کہ یہ بکھلا ہوا بھی کسی کو وہ فہر کی صورت میں میری طرف
 متوجہ ہو گیا تھا اور اس کی بیخوش متوجہ انداز میں سر کھینکی تھیں۔ بالکل
 ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ فیصلہ نہ کر پایا ہو کہ وہ دیاں کر کا رہے
 یا جاگ نکلیے۔ شاید وہ بھلاکے نے بھی کیا فیصلہ کرنا پسند کیا۔ اس نے سنسلا
 پنج کی کیفیت ختم ہونے سے پہلے ہی اس کی سر پر پڑ گئی۔ میں نے
 اسے سینہ کا موقع دینے بغیر تیزی سے اڑد میں لپکا۔ یہ تھا کہ "اے
 "لائی چیک" اس کے منہ سے یہ ساختہ نکلا اور پھر اس نے تیزی
 سے اپنا منہ بند کر دیا، جیسے اس سے کوئی زبردست غلطی سرزد ہو گئی
 ہو، اور وہ غلطی اس کے سوا کیا ہو سکتی تھی کہ اپنا منہ بتا کر اس نے ٹوڑل
 ہوئے کا اثر نہ کر دیا تھا۔
 کسی چینی کا اڑد وہاں ہونا اس بات پر دلالت تھا کہ وہ عرصہ دراز
 تک اڑد ہونے جلنے جلنے کی حالت میں مقیم رہا ہے اور پھر اسے
 خاص طور سے اڑد زبان سکھا دی گئی ہے۔
 "مشر۔۔۔ لا۔۔۔ چیک" اس الفاظ جانی ہوئی بولی بول کر
 فونگ کو فون کر دیا۔ فونگ کو دوسری طرف سے۔ "اب سن کر تشریف معلوم
 کر اور کہنا اس نے مجھے چپڑا کر اچھا نہیں کیا۔ اسے یہ بھی بدینا کہ میرے
 چالاک ترین دشمن مجھے جھوٹا دیکھتے ہیں۔
 چینی کے ہرے کی زردی کچھ اور گہری ہو گئی۔ اس کی یہ کیفیت
 محسوس کر کے مجھے بڑی طرح اور اس کا رنگ وہ ڈاکٹر فونگ ہی کا آدمی ہے۔
 اس نے خود کو گھنٹانے کی کوشش کی اور اس کا اٹک کر بولا کہ مجھے
 مجھے نہیں معلوم۔۔۔ آپ کس کا ذکر۔۔۔ کر رہی ہیں۔
 "تمہارے منہ سے دودھ کی بواہری ہے۔ میں نے حقارت سے
 کہا۔ "ڈاکٹر فونگ سے یہ بھی کہنا کہ وہ اپنے آدمیوں کو اسی طرح تربیت
 دے۔ دودھ پیتے بچوں کو میرے جیسے دکانے سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔
 میں نے فخر سے کہنے کے لئے نہ ڈھکوا تھا لیکن مجھے اب وہاں لوگنے
 کی قطعاً ضرورت نہیں تھی۔ مجھے جو چاہی کرنا تھا، وہ کر لی تھی۔ میں تیزی سے
 دوسری طرف حرکت کیا۔ اب میرا رخ ان پر پورٹ سے باہر نکلنے کے راستے
 کی طرف تھا۔
 رموانا مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھتا ہوا میرے ساتھ ساتھ
 چلا رہا تھا لیکن میری خاصوش کی نسل کے اسے ہوتے پر مجبور کر دیا۔
 "کیا معاملہ تھا؟" اس نے پوچھا۔
 "وفا کی نوعیت کی بات ہے۔ میں نے مٹانے کے لئے کہا۔
 لیکن رموانا اتنی آسانی سے ٹٹل جانے والی ہوتی تھی کہ اس کی
 وہ بڑبڑا ہوا بولا کہ "یہ فونگ کون ہے اور اس کا اس آدمی سے کیا

تعلق؟"
 "اگر معلوم کر تو تمہارے خاندان کے لئے ایک اچھی سی کہ
 ہو جائے گی، میں نے فکر کر رکھا۔
 لیکن رموانا اب نہ صرف مجھ پر بلکہ کچھ فکر مند بھی نظر آ
 تھا۔ دوسرے وقت کے بعد خوشی سے میرے لیے میں بولا کہ یہ شک
 سب سے بڑا سبب، عظیم دوست سے اور وہاں کے عوام بھی ہا
 دل سے دوسرے نہیں کین۔ یہ دیکھنے بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ اگر تم
 کسی گروہ کو چھوڑ دینا چاہو تو یہ تمہارے بہت پر کیا ہے؟
 خود مجھے بھی اس بات کا احساس تھا کہ میں نے ڈاکٹر فونگ کے
 معاملے میں الجھ کر اپنے آپ کو ایک خطرناک پیریشن میں ڈال دیا۔
 اس کے آدمی سے یوں دو فونگ بات کرنا تو فونگ کو دلدارنے ہی کی
 تھا لیکن بات بھی بالکل صاف ہے کہ اس مسئلے میں میرے کسی امرا
 کو دخل نہیں تھا۔ زیدہ خود ہی میرے پیچھے لگی تھی اور جب اس کی
 کارروائی سے اٹھا تو میری متحرک حالت بیدار ہو گئی تھی۔ میں نے
 کی زبان کھولنے کے لئے اسے کا ڈھرتی کے حوالے کر دیا تھا۔ گو کہ وہ
 کچھ بتانے پر آمادہ نہیں ہوئی تھی لیکن اس کی زبان سے نکلنے والے
 ایک نام پر ڈاکٹر نے مجھے ڈاکٹر فونگ تک پہنچا دیا تھا اور اب ڈاکٹر
 کے آدمی میرے تعاقب میں تھیں۔ ان کے پیچھے تھے۔ تو پھر پھر جھار
 طرف سے ہوئی تھی اور اب میری نایاب گواہی اس کی کوششوں کی طرف
 منہ چھڑا کر بیٹھا گاؤں۔ ملک دشمن عناصر کے معاملے میں کوئی بھی
 اپنے قدم پیچھے نہیں ہٹا سکتا اور میرے معاملے کا تو ایک ہی پلو یہ بھی
 کہ مجھے روڈوں کو چھوڑ کر مری مہارت حاصل ہوتی ہے۔ میں اس
 لوگوں کو بھی صاف بتا دیا کہ میں نے کتنے روڑے کی مخلوق کیجئے کہ
 کر بیٹھے ہیں۔
 جب ہم اپر پورٹ سے ٹیکس میں بیچ کر ہو مل کی طرف روانہ
 تو پھر بعد رموانا نے خوشی سے کہنے میں کہا کہ ہمارا تعاقب
 "ہوئے دوا میں نے لاہور آباد سے کیا ہے میں یہاں صاف
 گھنے گزارے ہیں۔ ان چند گھنٹوں میں ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہے
 یہاں پر ہمیں چھوڑنے کی کوشش نہیں کی جائے گی۔
 یہ بات میں نے بڑی خوشی سے کہی لیکن مجھے خود اس کا یقین نہیں
 بعد کے حالات نے ثابت بھی کر دیا کہ میں نے رموانا سے ایک غلط
 بات کہی تھی۔
 فونگ کے آدمی نے ہو مل تک پہنچا اور تعاقب کیا اور پھر اس
 وہاں کے بغیر کسی بھی چلی گئی۔
 چلے گا دقت ہو چکا تھا۔ میں نے رموانا کو اپنے ساتھ
 چنے کی دعوت دی جو اس نے قبول کر لی۔ میرے کمرے کے منٹ
 اسے اچانک خیال آیا کہ اس کے پاس مگر کچھ ختم ہو گئے ہیں۔
 "میں ابھی دوسرے میں آیا۔ اپنے کمرے سے سرکھٹے آ

تھیں کہ کیا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔
 میں دیکھ کر میں فرنگ کا ٹھکانا ایک گیت لگتا ہی ہوئی
 سے ناقص کھولنے لگی۔ قریح کو پھر وہ عاقبت روانہ کرنے کے بعد
 ماہر کو بہت ہلکا ہلکا محسوس کر رہی تھی۔ گو کہ اپر پورٹ پر ڈاکٹر
 کا آدمی سے منہ نہیں میرے اعصاب کشیدہ کر دیتے تھے لیکن
 گداز کی بات تھی۔ اب میں نے اسے بھی زاموش کر دیا تھا اور ایک
 رات کی قوت میرے ذہن کے جہاں خالے سے ابھر کر شعور کی
 منہ کے لئے تھی۔ اس صورت کا ماہر یا تو تھا۔ جب اپر پورٹ
 کے بارے میں مجھے سے لگاؤ کی باتیں کی تھیں اور جس کا بدن کچھ
 ہاں محسوس ہو چکا جیسے اس کو میری خواہشوں کے سامنے میں ترافا
 اسے دیکھ کر میں نے تمنا کی تھی کہ میری تہا کی رفیق بنے۔
 جیسے ہی میں نے کمرے میں قدم رکھا مجھے وہاں کسی کی ہوجو
 اس جہاں میں ٹھیک کرک گئی۔ بند کمرے میں کسی کی موجودگی
 بلکہ اسات معلوم ہوئی تھی۔ میں نے متوجہ خاطر سے مجھے کے
 اور کوئی طرح آمادہ کرنا لیکن اس نے وہ خفیہ مجھے نظر آئی
 اس کے نظر سے ہی میرا اصرار ہی تناؤ ختم ہو گیا۔
 "اے میرا دوستی!
 اے اعتبار کا حربہ الفتن میرے ذہن میں لپلائی لیکن میں
 نے ابھی سے پہلے ہی کچھ دیکھ کر اس کی بات کو ایک اور پور
 نے بھی محسوس نہیں کیا تھا۔
 ہر بات کو ایک پہلے کے گاؤں میں محسوس، کھڑکی کے پاس کھڑی
 اور کچھ ہلکی روشنی کھڑکی کے جالی دار پر دے سے چھین کر
 کھڑکی پر آئی تھی۔ یہ کچھ سی جائیداد سے مشابہت اس روشنی میں ہر بات
 کو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ اس کا خیر مجھے دعوت نفاذ دے
 اس کے گاؤں کی تلاش خرابی تھی کہ اس کا تمام اور
 انہاں باغیانہ انداز میں اپنی پوشش کو زور کر رہے تھے۔
 "اے! وہ مجھے دیکھ کر سکرنا تھی۔
 تمہاں کیسے آگیا؟" میرے لیے اسے استعجاب رہا ہوا تھا۔
 مجھے تے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ میرا زانے گاؤں کی ڈھلوان
 سے آگے بڑھ گیا۔ میرا خیال تھا کہ اب مجھے اچانک میرا باگڑل
 کی اور خوشی میں اس نے میرے کمرے سے میرے سے ٹھکانا تھا
 ایک تو مان (ایرانی سنگ) کی قربانی دینا چاہی تھی اور وہ تو اس کا
 لہا تھا کیا اب مجھے دیکھ کر خوش نہیں ہوئیں؟
 "ہاں مجھے لے تو ڈر رہی تھی" میں نے سرکھٹے ہوئے کہا۔
 ہر بات میں ہی۔۔۔ بننے کے انداز میں بڑی کیس اسے ابل تھی۔
 ہر رنگ دے میں شراغیں لہر لہر کر رہی تھیں جو محسوس ہونے لگی
 اور میرے لیے ابھی نہیں تھیں۔ میں خود انداز میں آگے
 ول ہوں۔

"مجھے تمہارے منے کی امید نہیں رہی تھی۔"
 "شاید اس لئے کہ میں دوسرے کو آپ کے پاس نہیں اسکی اور نہ ہی
 میں نے آپ سے فون پر رابطہ قائم کیا۔"
 "شاید یہ وجہ ہو۔ میں بستر پر بیٹھ گئی جو سکا ہوا تھا۔ ہر بات
 میرے انتظام میں بستر پر لیٹ گئی جو کچھ باقی سے نکلتی تھی پسند نہیں
 لیکن میری اس پسندیدگی کا اطلاق میرے بہن بہن ہو گیا۔
 "کاش، یہاں ہمارا قیام کمال صبح تک کے لئے ہوتا۔" ہر باتوں نے
 ٹھنڈی ماس سے کرکھا۔ اب وہ صرف چند گھنٹے ہیں۔
 "جنگل مجھے بہت ہے، میں نے سننے میں بھی ہے کہ "لیکن اس
 وقت تمہاری یہاں موجودی نے مجھے ایک شکل جو میں نے کبھی دیکھا
 "کیسی جو میں نے کبھی دیکھا۔ اب ہر باتوں کو چھوڑ کر بولی۔
 "میں اپنے ساتھی کو جانے کی دعوت دے چکی ہوں۔ وہ بڑے
 لینے کے لئے اپنے کمرے میں گیا ہے اور اس کا ایک چاہتا ہے۔"
 "اے! ہر باتوں نے اس طرح اطمینان کی سانس لی جیسے
 کوئی اہم مسئلہ ہو، پھر بولی۔ "میں ابھی آپ کی شکل دیکھنے دیتی
 ہوں۔"
 میں نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ کیا کرے گی۔ اس نے
 بھی مجھے نہیں بتایا اور اس کوئی کی طرف چلی گئی جہاں میں قون
 رکھا ہوا تھا۔ وہ لہو لہو تھا کہ شاید آپ بڑے باتیں کرنے لگی۔
 حقیقت یہ ہے کہ میں نے رموانا کے مسئلے میں جس خوشی کا اظہار
 کیا تھا وہ عموماً خوشی تھی۔ رموانا کو ماننا میرے لئے ذرا بھی مشکل
 نہیں تھا۔ انداز میں اسے بات پر بھی دھماکا نہیں دیا کہ میرا دیکھا کہ
 چاہتی تھی میں بستر سے اٹھ کر کچھ دم کی طرف بڑھتی چلی گئی۔
 دیش میں میں منہ ہاتھ دھو کر میں نے خود کو لباس کی قید
 سے آزاد کر دیا اور گاؤں میں اپنا میرا خیال تھا کہ ہر باتوں کی طرف
 پرکھ کر گئے ہوئے ہے۔
 جب میں دوبارہ خانگاہ میں داخل ہوئی تو میں نے ہر باتوں کو
 بستر پر نیم دراز پایا۔ اس کا گاؤں کی جگہ سے کھلا ہوا تھا۔ وہ کھلے ہوئے
 صفحہ صاف و شفاف رنگ مرمر کی باڈی کو بولا مجھے پر تار دیتے تھے
 یوں محسوس ہوا جیسے رنگ مرمر پر شفق کی چھوٹ چڑ رہی ہو۔ میرا دوران
 خون تیز ہو گیا اور جسم کے تمام حصوں میں جی ہوئی مدت کھلنے لگی۔
 "میں نے آپ کے ساتھی کا بندوبست کر دیا ہے۔" ہر باتوں کو
 کر بولی۔
 "وہ کیسے؟" میں نے پوچھا۔
 "وہ کون کون کر کے چلے ان کے کمرے میں ہی بھجوا دی ہے۔
 عقلمند کے لئے نشانہ کافی ہوتا ہے۔ وہ کچھ جائیں گے کہ آپ اچانک
 آرام کرنے کے موڈ میں آئیں گے۔ ہاں لہذا آپ کو ڈسٹر نہیں کریں گے
 میں نے ہر باتوں کی اس شوخ تہذیب پر پسندیدگی کے انداز میں

[illegible]

مہربانوں کے ہاتھ میری گردن سے پھسل گئے۔ دھیمی دھملے
جلاؤں کا گریبان انہیں رکھنے سے قاصر تھا۔ میرے شباب کی رفتوں پر
ان ناپس آواز کی جنوں خیر ہوتا جلا گیا۔ اس جنوں نے میرے ہاتھوں کو
بھینے کے باوجود دیا۔ مہربانوں کے گلہائے شباب پر بھیہو نے منڈلانے
لگے۔ راکھ میں دلی جوتی پناہ گریلوں کو ہوا میں تو خشک بھرنے لگے۔ یہ مسئلہ
کاڈن کی تینو کا ڈاؤر محسوس کر کے مجھے مہربانوں نے اس بے موقع کرکٹ
کو مجھ سے پہلے محسوس کیا اور اس کی انگلیوں کی ایک ہینش نے مجھے پر قید
سے آزاد کر دیا۔ اب میری باری تھی۔ میں نے مہربانوں کو ابتدائے آفرینش
کی طرف لوٹا دیا اور اس کے جلوے بے عتاب سے میری آنکھیں چلی اٹھیں۔
مہربانوں کی آنکھیں سرخ جوتی جاری تھیں۔ شراب جیسے سرخ زوروں
میں دوٹپ جاری تھی۔ جہیز غزالاں میں اترتے ہوئے سہانا مجھے بدوش
کئے دوسے رہے تھے۔

”جان من! میری آواز میں لرزش تھی۔

124

ایک گھنٹہ جیسے بڑا گزار دیا۔
اب مجھ پر ایسی آندہ لگی تھکن طاری تھی جیسے کسی نے جو
سب کچھ چڑھایا ہو مہر بانو کی حالت بھی مجھے سے مختلف نہیں تھی
ڈوبے ہوئے بدن بڑی ادیر تک دوست جاہلوں سے اور گرفت
سلوک میں صرف تیرا سوسل کی بازگشت عکس کر رہی۔ اس عالم
نصف گھنٹہ گزارنے کے بعد حرکت کی سکت پیدا ہوئی۔ میں نے
کے گلان پر اپنی محنت مندا کی اور دیر سے اٹھ بیٹھی۔ مہر بانو بھی اٹھ بیٹھی
اُدھر کھڑے ہوئے گاؤں کے پھر اپنے درختوں سے آگاہ ہوئے۔
”عشق خشک ہو رہا ہے بانو! پیچہ پلایے ہے“ مہر بانو خوشحال
میں ہوئی۔
”کیا ہو گی؟“ میں نے ڈیرنگ ٹیل کے سساتے بیٹھ کر کہنے
درست کرتے ہوئے پوچھا۔
”اب کو کیا پادہ ہے؟“ مہر بانو نے اپنے گاؤں کی ڈوری
ہوئے سوال کیا۔

”پورٹ اور ڈیری میں کوئی خاص فرق نہیں ہوتا، تو کچھ کم
ساتھ کیوں نہ دیں؟ میں نے کہتے ہوئے شیر کی بوتل میز پر رکھ رکھا
اور باقی بوتلیں واپس دواڑ میں رکھنے لگی۔

”نہیں نہیں، میں پورٹ بیویں گی، مہربانو پہلو بدل کر،
اُس کا انتظار مجھے برا بھلا معلوم ہے، وہاں میں نے اس پر،
تو تھیں دی اور پورٹ کی بوتل نکال کر ڈیری کی بوتل رکھ دی۔

۱۔ میں آپ؟ اس نے میرے چہرے پر نظریں جماتے
 ۲۔ ملامت نہیں؟ میں نے مسکوا کر کہا۔ بس پوچھ لیجئے اچانک
 ۳۔ واقعی جس مرد بائلا پسند نہیں ہیں؟
 ۴۔ فخر ہے۔ یہ وحشی تو عورتوں کو بیس کر رکھ دیتے ہیں؟
 ۵۔ کہا۔
 ۶۔ تم کسی مرد کے قریب نہیں ہوئی؟
 ۷۔
 ۸۔ کامرہ عین کھنکھاتی میری نظریں اس کا یہ بیان مشترب
 ۹۔ بات محسوس کرتی تھی کہ اس کی روشنی کی کسی مرد۔
 ۱۰۔ پسند۔

ہفت سے زیادہ مختلف نہیں ہوتی۔ تم ہی کرتو دیکھو“

مردمان ہو سکتا ہے؛ بہت سے سوچا اور یہ سوچتے ہی سمجھ آیا کہ اگر مردمان کے لئے جانے کا انتظام ہر ماہ کی تہذیب و تمدن کے ذریعہ فرما دیا جائے کہ وہ اکیلے نہیں تھیں تو سوچا جا سکتا ہے کہ اس لئے اپنے ساتھ سے مردمان کو بھی زہر دلوں کے کوشش کی جو کہ ایسی صورت میں دردناک سے دردناک دینے والا ہر ماہ کو ساتھ بھی ہو سکتا تھا۔

جسک پھر ہوئی اس مرتبہ دستک دینے کے انداز میں منطرب نے تھک تھکی میں نے ہر ماہ کے چوبیس برس کے لئے ہر ماہ کے لئے اس شخص کو کسی قسم کے معنی میں ہنسنا کی اور شریک کی اس میں ہر ماہ کے دردناک کی طرف بڑھی۔

میرا سنے قدر سے توقع کے بعد اس کے لئے راستہ چھوڑ دیا۔
 آہستہ آہستہ چلنے کے قدم اٹھاتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور سیدہ عائشہ
 طرف بڑھ گیا جہاں ہر پانچوں تک پہنچا لگا اس ہاتھ میں سے ہونے لگی
 لیکن اب وہ کھڑی ہو گئی تھی۔

6

ان کے جاتے ہی میں نے دروازہ بند کیا۔ ٹوٹی ہوئی مٹھاپ
 بوتل اور گلاس کے ٹکڑے اٹھائے۔ ہاتھ دھو کر سے جھانڈن لاکر
 راب کے نشانات صاف کئے اور پورٹی کی بوتل اٹھا کر ساتھ لے لیں گی

”در مغربی کا دل تم سے کہیں زیادہ مضبوط تھا لیکن میری تہ
اس نہ اسکی، میں نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔“
”تو کیا واقعی وہ مرد دنیا کا ہر باء؟“ رضوان سنجیدہ ہو گیا
”مگر اس سلسلہ میں، ہر ماہ سے گھر آئے ہوئے۔“

”ہاں میں جھوٹو، مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے“ میں نے

رضوان اٹھ کر ہاتھ روم کی طرف چلا گیا۔
چند منٹ بعد وہ دونوں اس کمرے سے نکلے اور یہ ایک اتفاق ہی

”آپ نے میرے الفاظ پر غور نہیں کیا۔ میں مسکرا کر،
کہا تھا، ”شال کے طور پر“

ڈانڈ کر خیمہ کھینچ کر چلا آیا۔ پہلا ایک آدھ رسی جلا کر
سے اٹھ گیا۔ اس کے جاتے ہی رضوان تیر کی طرح اپنی جاگ
بڑے گھیسر لیے سر ہلا کر کہا: "اتر سو رہے تھے، کیا اتار لیں؟"

کچھ بتاؤ گا۔“
 ”تم ایک ناممکن خدشا پر کربے ہو، میں نے کہا کہ اے
 سے لے کر آنگو کا حاصل بتائے گی۔
 رضوان نے سب کچھ سننے کے بعد کہا کہ ”فرض کرو اگر
 ڈاکر کو سہ ماہی سے اسے اسے استغفار نہیں کہ تو ۹۹

میرے ناممکن ہے خدا خود کو اس افسر کی جگہ رکھ کر سوچے
میں ڈاکٹر کٹر سے ملے بغیر وہ سکو گے؛ چہرہ ان کے بیان پر یقین ہی تھا
تصدیق سے روگردانی نہیں کی جاسکتی رہے۔

”تم جیسے ایک کردی ہو، نہ خواص نہ فہرہ لاکر کہا۔ یہ نیک
 ذہن میں ایک درو سال ابرا ہے۔“
 ”وہ بھی کر ڈالو! میں نے ایک طویل سانس لی۔
 ”کیا ممکن نہیں کہ اس افسر سے پہلے کوئی اور شخص ڈا
 با رستیں اختیار کر بیٹھے۔“
 ”ہم کی اور شخص کو میری فکر کوں اور مانگ ہوگی۔“

رضوان سوچ میں پڑ گیا۔
 ”بلوچا پناہ دکن دھککاؤ“ میں پھر لوئی۔
 ”ابھی بات ہے، رضوان نے اپنا چھٹکا ادا کر لیا۔“
 ”کچھ دیر تو لگے گی لیکن اسکاٹ سے پہلے سے زیادہ روشن
 دراصل مجھے یقین تھا کہ اس فرنگی کو مجھے بارے میں کچھ

کہا: "میں اس سے پہلے معلوم ہی ہو رہا تھا کہ ابھی زبان میں لھوٹ
 کیپٹن آفاق کا تھا اس لئے کہ وہ اس کا نام لیکر اپنی بریت کے
 کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا۔

ہمارا چار گریڈیئر ٹیوٹر پر اتر آ تو اس سے قبل کہ میں،

”سینے“ اس نے جھک کر سرگوشی کے انداز میں کہا۔
 ”میں کو آپ کے بارے میں بات دینی ہیں۔ آپ مضر وضو اور
 ہجاز میں اس وقت تک رگ سکتی ہیں جب تک میرے ایک اور

میں نے اثبات میں سمجھا دیا اور بولی: ”میں نے اپنی زنا بائال ہے۔ آپ بات کا خیال رکھئے گا کہ اس شخص کو ایک عیبیدہ سمجھو، نہ ملت نہ ملے۔“

کیا جاسکتا ہے؟

”اب کیا ارادہ ہے؟“ ضوان نے پوچھا۔

”میں یسوعی طرح تھک چکی ہوں، اس لیے میری دوا سے بے فائدہ ہے۔“
 کرنے کا ارادہ نہیں ہے صرف پریشانیوں کا حکمران ہی مجھے بستر سے نکلنے پر مجبور
 کر سکے گا تب ہر ایک پر دگرام ہے؟ کیا آتش جاؤ گے؟“
 ”جی ہاں بڑے گا۔ ہم ملازمت پیشہ لوگوں کو آرام گاہیں قصاب ہے؟“

وایسے مجھے عربوں کی بچہ کا کہنا تھا۔
آخری فقرہ کہتے ہوئے جہان کے بچوں کو ایک بات بتی کہ
میں چونک رہی۔
وہ کہنے کا پاش میں نے بے ساختہ پوچھا۔
”کسی کے بارے میں کچھ معلومات دیکاریں، قرآن نے معنی نیز
انڈیز میں لکھ کرے ہوئے جواب دیا۔

اس کی سکرلٹ کے انداز ہی کے اس کے دل کی بات چھپ رہی تھی۔

کرزی میں بھیجی کر کے اس کے بارے میں معلومات دیکر مایوس وہ میرے
 ہی بارے میں چچان بین کرنا چاہتا تھا۔ کراچی سے تہران جاتے ہوئے سب سے پہلے
 بارے میں خاصی الجھن لاق ہوئی تھی۔ مگر مخرج کے نظریے انداز نہ تھے۔
 مشکوک کر دیا تھا۔ ادوہ بھیج کر کسی شہزادی بھیجنے کا خواہجو سب سے پہلے
 ماضی چھپانے پر مجبور ہو رہا۔ بالکل قصہ کہانیوں کی سی بات تھی۔ ادوہ میرے
 تو اس کا تقویٰ ہی تھا۔ اب گزرتا تھا۔

مردوں کو اس کے ہونے کے لئے اس کے ہونے کے لئے اس کے ہونے کے لئے اس کے ہونے کے لئے

پر تامل اور اپنے گھڑ پیڑ میں کسی کو پہنچا گیا جسے رخصت کر دیا اور پھر
 چھوٹے تیزوں سے چلنے ہوئی رطلے میں داخل ہوئی، پہاٹک پر موجود چکریدار
 یہ فقرہ سامان منہمال لایا تھا۔
 جنگلے میں داخل ہوئے جسے یہی ملازم خاص نظر آئی نہ مجھ دیکھ کر
 ایک لمبے کے لئے ٹھٹھکی اور پھر تیزی سے یہی طرف آئی۔
 ”خیریت؟“ میں نے مسکرا کر پوچھا۔
 ”سلطانہ..... سلطانہ لگ کر گئی ہے۔“ یہ فقرہ کہتے ہوئے
 جیسے اپنے گئی تھی۔

اور جس کے بارے میں میرا خیال تھا کہ اسے بیچنے کا اتفاق نے اعلیٰ کے لئے ہو

”ہسپتال میں ہے۔ اس کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ گنڈہ مرنے سے بچنے کے پاس مل گیا اور پتا چلا کہ وہی اسے ہسپتال لے گئے تھے۔ میں نے ڈراما غور کیا اور پھر کہہ کر اس میں لکھ لکھ کر لے گئے۔“

مجھے کہ مکتوب کو فون کرنا چاہیے تھا، اس سے سلطان کی بابت سب کچھ معلوم ہو سکتا تھا اور ظاہر سید کے بارے میں بھی رپورٹ مل جاتی جس کے سامان میں ہم رکھ کر ترقی کے طبائے میں بیجا بالگا تھا لیکن میں برجیج سے تعلق محسوس کر رہا تھی کہ بستر کے سوا کچھ نہیں آ رہا تھا۔ میں اپنی خواب گاہ کی طرف توجہ دیتی ہوئی تھی۔

”خیال رکھنا میرے آرام میں کوئی غلطی نہ پڑے مگر مجھے کسی چیز کی ضرورت محسوس ہوئی تو ہمیں باڑ کا کام پر لانا ہو گا۔“

”انٹرا کام“ سے میری مراد اس موٹی نظام سے تھی جو میں نے ایک ہفتہ کا کٹ گاہ کے مختلف حصوں میں پھیلار کھا ہے۔ جو کمرے خاص طور سے میرے استعمال میں رہتے ہیں وہاں بیچ کر میں اپنے سلاطے گھر سے رابطہ قائم کر سکتی ہوں۔ بس مجھے خود کار نظام کا پیش دانا پڑتا ہے اور پھر میری آواز گھر کے مختلف حصوں میں سنا دیے جاتے ہیں۔ خود گاہ کے دروازے پر بیچ کر ڈالر مجھے سے رخصت ہو جاتی۔ بستر کے تصور ہی سے میری آنکھیں بند ہونے لگی تھیں۔ دروازہ کھولنا بھی مجھے دیکھ کر معلوم ہوا تھا۔ اندر داخل ہو کر میں نے ایک ہاتھ سے دروازہ بند کرنے ہوئے دوسرے ہاتھ سے کھلی کلاشن دیا یا پھر میں مڑی لیکن ایک ہی قدم اٹھا کر ٹھٹھک گئی۔

کھڑکی کے پاس میری ایک جگہ بٹیل تھی جس کی کرسی پر میں نے ایک جبین تھیں کو بیٹھے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں دبلے ہوئے سیاہ ریزا دوڑی نال میری طرف اٹھتی ہوئی تھی۔ نال میں ساکینئر فٹ تھا۔

”بٹل کھانگے کی کوشش ہلاکت کا باعث ہو گی۔“ وہ اہستہ سے بولا لیکن آتنا اہستہ نہیں کہ میں اس کی آواز نہ سن سکتی۔

”میرے جسم پر جو نشان کراہتے ہیں اس میں کسی کی آنکھوں میں ایسا نہ جالے لیا کرتا تھا کہ مجھے جیسے معاملات میرے تصور میں ابھرنے لگے۔ وہ جیسے بہت ذہین اور مضبوط قوت ارادی کا مالک محسوس ہو رہا تھا۔ نقوش میں ایسی کچھ تھیں جو میں نے کبھی اس کے چہرے پر سیکھا ہٹ بڑی مضحکہ خیز معلوم ہوتی۔ آنکھوں کی ویرانی میں شفاک فطرت کی پر جھانیں محسوس کی جاسکتی تھیں اور جو اسے جبر سے اس کے درمیان صفت ہونے کی غمازی کر رہے تھے۔

”مجھے اُمید ہے.... کہ تمہیں..... ڈاکٹر فونگ کو.....

اپنے کمرے میں دیکھ کر.... خوش ہوئی ہو گی۔ وہ اس طرح رنگ ڈھنگ کے بولا جیسے میرے چہرے پر ایک ایک غصہ کا اثر دیکھنا چاہتا ہو۔

ادہ! کوئی ڈاکٹر فونگ ہے! میں نے سوچا۔

”خوب!“ میں سکتی تھی تو اب تم نے خود ہی زحمت کر ڈالی۔

خیر! تم کو یہاں دیکھ کر مجھے یقیناً خوش ہوئی ہے۔

”تم نے میری امداد مقصد نہیں پوچھا!“

”فوری طریقہ پر تم کا سوال اصول میزبانی کے خلاف ہے۔“

میں نے کہا اور سکتی ہوئی، بڑے اطمینان سے بستر کی فونگ کی آنکھیں میرے ساتھ ساتھ حرکت

”کانی چیک نے تمہیں بتا دیا جو گا کہ یہ انٹرنل سرورس سے نہیں ہے۔“ میں نے بستر پر بیٹھتے ہوئے

کانی چیک کے آواز سے یہ بھی نہیں چھپا پاتا تھا کہ میں کو کس طرح جانا ہے لہذا اب تھمادی امداد میرے۔

”میں تمہیں صرف ایک بات سے باخبر کرنے آ رہا ہوں۔“

”کس بات سے؟“ میں نے پلکیں جھپکائیں۔

”یہ تمہاری زندگی کے آخری لمحات ہیں۔“

”یقیناً؟“ میرے لئے ایک دلچسپ اطلاع۔

سکتا۔ گو کہ میرے لیے میں سخت ناخوش لیکن ڈاکٹر فونگ پر کوئی تفسیر نہیں پیدا ہوا۔ اسے معلوم ہوا تھا جیسے قسم کی کسی چیز سے واقف ہی نہ ہو۔

وہ بدستور دھیمی آواز میں بولا۔ ”یہ بات تو مال اگرچہ انٹرنل جینس سے تعلق نہیں رکھتی لیکن یہ میں نہیں تم زبیدہ کے ذریعے جگہ بیچتی تھیں۔ وہ میری اتنی کمر سے میرا نام بھی نہیں معلوم تھا۔“

ڈاکٹر فونگ کی یہ بات غلط نہیں تھی۔ زبیدہ دیکھ کر ہاتھ جلاتا اور دروازے کے ذریعے سے میں ڈاکٹر فونگ کو سنا۔

”جو سنا ہے کہ زبیدہ کو تمہارا بیٹہ چل گیا ہوا لاعلم ہو گیا۔ میں نے جواب دیا۔

”ایسی باتوں سے لاعلم رہنا ڈاکٹر فونگ نے ہو چکا کہ تم مجھے یہ وقت بنانے کی کوشش نہ کرو۔ میں جانتا ہوں۔“

”لیکن تم کیسے ہو؟“ میں نے استعجاب سے انداز میں

”تم کو یہاں آتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا؟“ میں باتوں میں دقت گزارنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”میں نے انٹرا کام کاٹن دیا دیا تھا اور اب یہ بات طے کر ہے میں جو نے والی ساری باتیں دوسرے کر دی ہیں۔“

جاری ہیں ہوں گی۔ گویا میری ملازما کی کو اس بات کا علم کہ میں کس قسم کی صورت حال سے دوچار ہوں۔

”میں دوبارہ کھانا لگ کر میں میں دلدار ہوا تھا۔“

نئے جواب دیا۔ وہ بڑی شہت آرزو بول رہا تھا۔ ”اس کے کھانے کی طرف تھلی ہوئی تھی اس لئے مجھے یہاں نہ دقت نہیں ہوئی۔“ مجھے طبائے کی امداد معلوم تھا لہذا دیر تک انتظار بھی نہیں کرنا پڑا۔

”اگر میرے ساتھ کمانڈر تھی کو یہاں پر تمہاری موم ہو جائے تو تم پرچ کر نہیں جاسکو گے۔“

”کس ساتھ کو باخبر کر سکو؟“

”میں دو گے تو مجھ پر ہے۔“ میں نے ٹھنڈی ماسٹر لے کر پریس کر دیا ڈاکٹر فونگ کی آنکھوں میں تفسیر پیدا ہوئی۔

”میں تمہیں کی نظر دل سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے واضح کر دیا کہ میں کی باتیں کی باتیں لیکن ڈاکٹر فونگ کے فرشتے بھی کہ نہیں سمجھ سکتے تھے۔ اس طرح میں نے اپنی ملازما کی امداد کو فوری طور پر کمانڈر تھی کو فون کر دیں۔ اب میں کل کے چند منٹ میں کمانڈر تھی اپنے آدمیوں کے چل جائے گا۔“

”کمانڈر اس طرح نیم دراز ہو جی کہ میری سلاسل لٹکیں اور اپنی حالت مزید کر لیں لیکن میری خواہش تشہہ ہی ایک دوسری قسم کے آدمیوں سے تھی۔ اس نے ہاتھوں پر اپنی جوتی کی نظر بھی نہیں ڈالی۔

”اگ اب میں اپنا وقت ضائع نہ کروں۔“ وہ زیر پر لب

”اگ!“ میں نے جلدی سے کہا یہ تمہیں یقین کیوں نہیں

”میں ہی کے ذریعے سے نہیں جانا تھا۔“

”کس قیمت پر بھی نہیں مانی جاسکتی۔ بہتر یہ ہو گا کہ حقیقت یہ میں تمہیں زندہ چھوڑا جا سکتا ہے۔“

”میں جانتی تھی کہ ڈاکٹر کا نام بنا کر میں اپنی قیمتی موت کو لے ڈاکٹر فونگ جیسے لوگ کسی ایسے شخص کو زندہ نہیں دے دو گے۔“

”دقت ہو گیا ہو۔ دوسرے کے میں ڈاکٹر فونگ کو دیکھ کر رنگ روک سکتی تھی۔ مجھے سبب چند اس کے بعد کمانڈر تھی والی بیچ ہی جاتا۔

”اگ سو دار کو!“ میں نے بستر سے اٹھتے ہوئے سنجیدگی

”سو طا؟“

”اپنے اپنے میں کچھ بتاؤ۔“

”نامیاتی ہو؟“

”اگرچہ کیا ہے؟“

”اگ..... پاکستان اور چین کے تعلقات خراب کر دینا ہی

”میں نے حلیت جو اس شخص میں مجھے سے تعاون کر رہے ہیں

”کہ پاکستان کو کسٹ و بنا دیا گیا جائے۔“

”کہ تمہیں یہی ہو کر چین کے خلاف کام کر رہے ہو۔“

”میں نے کوئی تعلق نہیں ہے۔“

”کہ یہاں تعلق انٹرا کام سے ہو گا۔“

”اگ حلیاں درست ہے۔“

”یہ تو تمہیں خود ہی سمجھ لینا چاہیے تھا۔“

”بھارت ہے؟“

”کھلا ہے۔“

”پاک چین تعلقات کو خراب کر کے ان کو کیا فائدہ ہو گا؟“

”اس سے مجھے کوئی غرض نہیں ہے۔ میں صرف اپنے ذاتی غاصد کے کام لے کر رہا ہوں۔ جب وطن جیسے اتحاد جڑیں مجھے کسی خطی نہیں ہیں کہ ڈاکٹر فونگ نے جواب دیا اور پھر اچانک بولا۔ ”مجھے اعتراض ہے کہ میں نے تمہیں عورت نہیں دیکھی۔ تم اس طرح پر سکون نظر نہ رہی ہو جیسے یہاں خیرگالی کے دوسرے پر آیا ہوں۔“

”میں نے اپنی تربیت کچھ ایسے ہی انداز میں کی ہے کہ ہر قسم کے حالات میں پر سکون رہ سکوں۔“ اضطراب و انتشار سے کوئی فائدہ نہ ہوتا نہیں۔

”خیر!“ فونگ نے شلٹے جھٹکے۔ ”میں نے تمہیں سب کچھ بتا دیا۔ اب تم بتاؤ کہ میرے بارے میں تمہیں کیسے معلوم ہوا تھا؟“

”تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ پاک چین تعلقات خراب کرنے میں تمہارا کیا مفاد ہے۔“

”بس!“ ڈاکٹر فونگ نے کفایت کھڑا ہو گیا۔ ”تم میرا مفاد وقت ضائع کر رہی ہو۔ اب میں یہاں ایک منٹ بھی نہیں رکھتا جاؤ۔ اب بھی اگر تم نے زبان نہیں کھولی تو میں اس کے کھٹکے کا استخار بھی نہیں کروں گا۔“

”یہ بے لانا کہ موت تھا لیکن اس خواہش کے باوجود کہ مجھے کچھ کہنا چاہیے، میں کچھ کہہ نہ سکی۔ حقیقت یہ ہے کہ اچانک ڈاکٹر فونگ گئے پھر جانے سے میں لو کھلائی تھی لیکن میں نے اپنی لو کھلا ہٹ کھلاہر نہیں بولنے دیا۔ میں نے ہی امداد اہستہ سے بولی۔ میں ایک منٹ پر پھر بتا سکتی ہوں۔“

”میں اب تھمادی کوئی شرط سننے کے لئے بھی تیار نہیں ہوں۔“ ڈاکٹر فونگ کے لیے جس کی غلابت پیدا ہو گئی۔

”تب پھر یہ کیا ہے۔“ میں نے مایوسہ انداز میں کہا۔ ”کیونکہ اس صورت میں بھی موت ہی میرا مقصد بنے گی۔“

”موت؟“

”ہاں، موت، اگر میں نے تمہیں حقیقت بتا دی تو مجھے مار ڈالا جائے گا۔“

”اب ڈاکٹر فونگ کی آنکھوں سے اچھن مترشح تھی۔

”کون مار سکتا ہے تمہیں؟“

”دو جی جس کا نام لوں گی۔“ میں نے جواب دیا۔ میں خوش تھی کہ میں نے دقت گزاری کے لئے ڈاکٹر فونگ کو پھر ایک کھٹکے پر اٹھا دیا تھا۔

اس سے پہلے دروازہ ٹوٹ گیا تھا، دروازے پر دستک ہوئی۔ اس موقع پر ڈاکٹر فونگ کو تو چونکا ہی جائے تھا لیکن جس بھی چونکے بغیر وہ نگاہ کی کو کمرے کے اندر سے کے مطابق کمانڈر کے آگے میں ایک کچھ وقت اور لگا جائے تھا۔

اس ملاقات کے دوران میں پہلے مرتبہ ڈاکٹر فونگ کے چہرے پر اضطراب کی جھلک نظر آئی اور وہ دو قدم میرے بستر کی طرف بڑھا۔

”یہ کون ہو سکتا ہے؟“ ڈاکٹر فونگ نے رگڑی کی۔

”میں کیا باتا سکتا ہوں۔ شاید کوئی لافڑ ہو گی۔“

”بلاؤ اسے۔“ یہ کہتے ہوئے ڈاکٹر فونگ کسی ایسے درندے کی طرح وحشت زدہ تھا جیسے اپنے ارد گرد شکاروں کی موجودگی کا احساس ہو گیا ہو۔

”اندر آ جاؤ۔“ میں قہر سے بلند آواز میں بولی۔

دروازہ کھول کر شخص اندر آیا وہ چوکیدار تھا ڈاکٹر فونگ کے روبرو اور نظر پڑتے ہی وہ خوفزدہ نظر آنے لگا تھا۔

”گھبراؤ نہیں چوکیدار آگے آؤ ایک بات ہے؟“ میں بولی۔

چوکیدار کے آگے تو آ گیا لیکن اس کی ٹانگیں لکیر ہی تھیں۔

”بیگم صاحبہ؟“ وہ تقریباً ہلکا ہوا بولا۔ ”آپ... آپ جو بیگم ابھی ساتھ...“ لائی تھیں۔ ”وہ کہاں رکھنا ہے؟“

”اسی بات کو مجھے لینے پریشان کیا ہے تم نے اپنی لاکھو؟“

ڈاکٹر فونگ نے چوکیدار کو شلوک فزوں سے دیکھتے ہوئے۔

”کیا واقعی تمہارا نام فزوری تھا؟ میں نے چوکیدار کے چہرے پر فزوری لکھتے ہوئے معنی خیز نہیں کیا۔ اس بیگ کا تعلق کمانڈر ختم سے تھا۔ اسی کو فونگ کے پوچھ لیتے۔“

”انہوں نے فونگ پر کچھ نہیں بتایا کہنے لگے کہ میں خود آ رہا ہوں لیکن وہ اب تک نہیں آئے۔ وقت نکلا جا رہا تھا اس لئے۔“

”تم نے بالکل ٹھیک سوچا۔“ میں نے شاباشی دینے والے انداز میں مسکرایا۔ ”لیکن تمہارا نام میرے دوست ڈاکٹر فونگ کو بہت ناگوار گزرا ہے۔“

ڈاکٹر فونگ کے چہرے سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ اب اس کے شلوک تنہا کو پہنچ گئے ہیں۔ اسے گڑبڑ کا احساس تو ہو گیا تھا لیکن یہ بات سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا گڑبڑ ہے؟ یہ سمجھ میں نہ آئی تھی کہ وہ گولی چلائے سے گزر رہا تھا۔ بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی لیکن کسی کو چوکیدار سے خود کو خطرے میں ڈال کر میرے لئے چند انتہائی قیمتی منت حاصل کرنے تھے۔

میرے اعصاب میں ہلاکتاؤ پیدا ہو گئے تھا اور میں سوہن رہی تھی کہ اگر اب بھی کمانڈر ختم نہ پہنچ سکا تو کیا ہو گا؟

”مہارے ساتھ اب اس چوکیدار کو بھی ختم کرنا فونگ غصا اور اس کے روبرو اور دلے ہاتھ سے خفیت میں جلدی سے بولی۔ ”ابنا ہمارا جھلسا سر جرقہ۔“

”مجھے یقین ہے کہ اس وقت تک کمانڈر ختم اورا“

”یہ سے تمہارے فزوری تمام راہیں مسدود کر چکے ہوں تھوڑے کی صورت میں تو تم فزوری ہو سکتے ہو لیکن میری۔“

”نہیں کوئی ایسا کام۔“ وہ گہرا جھپٹتیں بجا ڈاکٹر فونگ کی آنکھوں سے شدید الجھن عجیبانا اور میرے ساموں سے پسینہ پھوٹ چکا تھا۔ میں اپنا ایک انتہائی خطرناک موڑ لکھ کر چوکیدار کی طرف سے موت اور نہ فاصلے کو سن کر گھبرا ہوا دیکھنا کوئی آسان بات نہ۔

غیر فزوری تھا کہ فونگ کو میری بات کا یقین آجائے اور میرے ہی میں اسے اپنی غایت نظر آئی۔

ڈاکٹر فونگ بھی کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ دروازے سے دوڑے کی طرف سے آواز سنائی دی۔ ”چیز زون دروازے کی طرف جھٹ لگائی اور اسے اندر سے میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔

”دروازے میں میرا پستول موجود ہونا چاہیے تھا۔ میں پستول نکالنا چاہتی تھی لیکن مجھے بہت نہیں مل سکی۔“

دروازہ بولنے کے اتنی تیزی سے پلٹ آیا تھا کہ میں گئی۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی کسی آدمی کو اتنا پھر اس کی حرکت دیکھ کر یوں محسوس ہوا تھا جیسے میرے باہر سے کسی نے دروازہ پیٹ ڈالا اور جھج کر کہا۔“

غلط حرکت نہ کرنا۔ علامت مکمل طور سے ہمارے ترغیب میں

”اب کیا خیال ہے ڈاکٹر فونگ؟“ میں چٹختی بولی۔

ڈاکٹر فونگ کوئی جواب دینے کے بجائے مجھے ا کور روبرو کمانڈر نے نہانے ہوئے پیچھے ہٹ کر چند زون میں وہ کہ قریب تھا۔ اس نے نکلیں سے باہر کا جائزہ لیا۔ غالباً وہ چاہتا تھا کہ اس طرف کوئی آدمی موجود ہے یا نہ نہ کوشش کی گئی ہے۔

جس وقت ڈاکٹر فونگ باہر کا جائزہ لے

تھا، میں آہستہ سے بستر کے کنارے کی طرف سرک گئی تھی۔

بہیمان خیر لمحات میں اپنی زندگی کی طرف سے غافل نہ ڈاکٹر فونگ، شکار یوں کے ترغیب میں پھٹے ہوئے درشتی ہو چکا تھا اور اب اس کی زندگی کسی رنگ میں ہو سکتی تھی۔

میرے چوکیدار سلامی جان سے کانپ رہا تھا۔ نما

میں نے اسے اس سے جدا ہونے ہونے پوچھا۔

”ال ہو۔“ دراصل ایک سرورہ شخصیت نے شکایت کی کہ ان کے زون میں حصے رہا ہے لیکن جب میں یہاں وہ ہمارے لئے کام کر رہا ہے۔ آخر یہ جکر کیا ہے بالآخر۔

”لوگوں کو براہ کرم دیا ہے؟“

”کوئی کوریج نہیں لگے نہیں آفاق کی فکر ہے ابھی

”میں نے اسے اس سے جدا ہونے ہونے پوچھا۔

”ال ہو۔“ دراصل ایک سرورہ شخصیت نے شکایت کی کہ ان کے زون میں حصے رہا ہے لیکن جب میں یہاں وہ ہمارے لئے کام کر رہا ہے۔ آخر یہ جکر کیا ہے بالآخر۔

”لوگوں کو براہ کرم دیا ہے؟“

”کوئی کوریج نہیں لگے نہیں آفاق کی فکر ہے ابھی

”جیسے جیسے ہوتے ہیں۔“

”بہت اچھے کش آفاق کی کارواہ ہو سکتی ہے۔۔۔ میں تو یہ کہنا چاہتی تھی کہ تمہیں اس کے مرنے نہیں لگنا چاہیے تھا۔ وہ ایک کینسر شخص ہے۔“

”کینسر تو کونسی دماغی بیماری ہے۔ یہ تم اچھی طرح جانتی ہو؟“

”اور ڈاکٹر فونگ کہہ رہا ہے؟“ ”میں کہہ رہا ہوں کہ ڈاکٹر فونگ کا نام سننے کی میری وہ کیفیت ختم ہو گئی جو بیگم پر تاب گڑھ کو چانک مانتے دیکھ کر کچھ پر جھانک تھی۔ میں تیزی سے نظر کی طرف پھینکا۔

”کیوں تو کو کھٹا رہی ہو؟“ میں نے بیگم پر تاب گڑھ کی آواز سن کر تمہارا وہ کینسر دوباب کہیں بھاگ نہیں سکے گا۔ کھڑکی کے باہر اپنی فحش نگاہ دیا گیا تھا۔ کیا تم نے اس کی جھج نہیں سنی؟“

”ادہ“ میں ایک بار پھر خشک کر گئی تھی اور مرکز حیرت سے بولی۔ ”آپنی فحش ہے؟“

”ہاں، میری گاڑی میں بڑا ہوا تھا۔ جنگل کو موسیقی جانوڑوں سے نہات دلانے کے لئے وہاں آہی چلنے لگوا تھے۔ انہی میں سے ایک گاڑی میں بڑا ہوا گیا تھا جس وقت کام لگایا۔“

بیگم پر تاب گڑھ کی آواز میں کاغذ کا حلقہ حلقہ پر مشتمل تھا۔

”جنگل وہ ان دشتوں کو صاف کر کے وہاں آؤم کے باغات لگوا رہی تھی۔“

میں اور بیگم پر تاب گڑھ خواب گاہ سے نکلے چوکیدار ہمارے ساتھ تھا اور ہم تیزی سے چین کا رخ کر رہے تھے۔

”چانک بے رہے کئی نذر ہوئے، ایک آدمی کی جھج کو گئی اور پھر بھاگتے ہوئے قندوں کی دھک، دشواری شکل اختیار کر گئی۔“

اب ہم نے بھی دھڑا شروع کیا اور جلد ہی چین میں پہنچ گئے۔

خوار گاہ کی کھڑکی کے نیچے ہمارا ایک آدمی اپنی زبان دبائے، بڑا ہوا گراہ رہا تھا۔ اس سے چند قدم کے فاصلے پر وہ ایک ٹرلا فحش بڑا ہوا نظر آیا۔ اس شخص نے میں دبا ہوا جوتا خون میں اس کی آری طرح ٹھنڈا ہوا تھا کہ دیکھتے ہی ایک بہت محسوس ہوتی تھی۔

جوتا، عالی نہیں تھا۔

ہمارے آدمی نے تکلیف سے کہا ہے جوتے بتایا کہ جب ڈاکٹر فونگ سے شکست میں پھنسا تو اس کی جھج نکلی گئی تھی۔ غالباً اسی جھج کو شکار ایک آدمی دھڑا ہوا وہاں پہنچا تھا۔ اس نے فحش کھونے کی کوشش کی تھی مگر کام نہ رہا تھا اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں تھی کہ وہ فونگ کا ساتھی ہی ہوگا۔ ہمارا ایک آدمی مجھے فاصلے پر درخت کی آڑ سے یہ ماجرا دیکھ رہا تھا۔ اس نے انہیں دھکا کر مقررہ جھجکے کے لئے کہا تو اس پر ایک گولی چلائی گئی جس کی لان میں تھی۔ باقی گولیاں فونگ نے خود اپنے پاؤں پر چلائی تھیں۔ ان گولیوں نے ٹخنے کے قریب کی ہڈی کو چوڑ کر گریا ہوا۔ باقی کام شاید جاتا تو یہ لگایا

تھا۔ اس طرح خود بے ہوش ہوں سے اسے اپنی ناک کا ٹکڑا فرونگے
 اس جھٹکے سے ہائی پانی پانی اور اس کا ساقی اسے اپنے کندھے پر
 اٹھا کر ہاں سے بھاگ نکلتا تھا۔

یہ بربریت اور سرائیکی انتہا تھی کہ آدمی خود ہی اپنے جسم
 کا کوئی عضو کاٹ کر کھینچ لے۔ یہ میراجیتر دید و افکار تھا۔
 لیکن اگر اس نے کسی سے پوچھا تو شاید یہ یقین کرتی۔

کمانڈر جن جنکس نے اپنے ساتھ دو تین ہی کھینچوں کو لاسا تھا۔
 اس کی یہ دلدادہ تھی، ایک مولیٰ کی تھی جو کھینچ کر فرار کی راہیں سرد
 کر دیتی تھی۔ وہ اپنے چند تیار میوں کے ساتھ ڈاکٹر فونگ کے
 تعاقب میں دوڑا تھا لیکن اس کی واپس چند منٹ بعد بھی ہو گئی تھی۔
 وہ کام لایا تھا۔

دراصل ڈاکٹر فونگ کی لارنگے کے قریب ہی کھڑی ہوئی تھی۔
 اگر وہ کچھ دیر جوتی تو وہ لوگ کمانڈر جن کی دسترس سے نہیں نکل پاتے۔
 میرے بھگنے کے اس پوسٹ کی جمع ہونے لگے تھے۔ ان کے
 ذہنوں میں گونجنے ہوئے ڈاکٹر فونگ کی سوانوں کی آسودگی کے لئے
 میں نے ایک ناکام ڈسک کا زمین گھوم کر سنا دی۔ خدا جانے اس
 دامن تک سے ان کی نفسی بوجھیں کتنی بہر حال وہ بہت آہستہ
 منتشر ہونے لگے۔ وہ بے گھر تھے پوسٹ کے کھیلوں سے بچنے کی راہ
 خواہشمند رہتا ہے۔ اور اس میں تامل کی بھی کوئی سوانوں کی یادیں
 پوسٹ کی آہستہ آہستہ ہوتی تھیں اور اس میں بچسما ہوا ڈاکٹر
 فونگ کا چوڑا ہاں سے چارواگ تھا۔

کمانڈر جن نے اپنے ڈاکٹر فونگ کے بارے میں بھی پوسٹ کو اطلاع
 دیدی اس لئے پوسٹ کے ساتھ ڈاکٹر فونگ موجود تھا۔
 بیگم پر تاب گڈھ کی موجودگی کے باعث، پوسٹ میں افسر دیے دیے
 سے رہے۔ یوں بھی کسی قسم کا شہر کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ ان
 دنوں شہر میں اس قسم کی دلدراؤں کا خاصا زور تھا اور میں ہر طرح
 سے ایک مناسب شکار ملا۔

جب تمام کارروائیوں کی تکمیل کے بعد پوسٹ رخصت ہو گئی تو
 اطمینان نصیب ہوا۔ میں بیگم پر تاب گڈھ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں
 جا بیٹھا اور ملازم سے لائی کے لئے کہہ دیا۔

”یہ نہیں آتی، میں نے کھانا کھانے کے لئے کہا تھا؟“ میں نے پوچھا۔
 ”آئیوں کی کمی کے باعث“ بیگم پر تاب گڈھ نے مسکرا کر جواب
 دیا۔ ”آئیوں کم تعداد پورے بھگنے کو نہیں کھینچ سکتی تھی۔ ملازم نے تباہی
 اور ڈاکٹر فونگ جن کی کھڑکی سے کمرے میں پہنچا ہے۔ اسکان تھا
 کردہ آؤہر سے بھاگے گا لہذا وہاں شہر کا ڈاکٹر فونگ کی کمی کا اثر
 کیا جاسکتا تھا۔“

”لیکن اس کھنڈے میں شہر میں بچسما کر بھی خود کو بے بس نہیں
 سمجھا۔“ میں نے کہا اور اس وقت کا تصور کر کے میرا دل رولا گھڑا

ہو گیا۔

”تمہارا یہ دشمن دو دنوں سے میرا زور دے گا۔“
 کاہجہ پر تشویش تھا۔ بہت مختصر رہنا چاہئے گا کہ نہیں۔
 تمہارے بھی ایک لمحے اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔“
 میں نے ڈاکٹر فونگ کے سلسلے میں وہ ساری
 میرے علم میں سچ کی تھیں۔ میرا ہانگ کچھ خیال آیا تو
 کو آؤہر کی۔ وہ اندر آ کر وہ کھڑا ہو گیا۔

”لیکن... تمہیں کوئی کام نہیں ہے کمانڈر۔“
 استغناء میرے نظروں سے بیگم پر تاب گڈھ کی طرف دیکھا۔
 کمانڈر نے خود ہی کھینچ کر کمانڈر جن کی راہیں سرد
 کی تھیں۔ کمانڈر جن کو کچھ نہیں دے سکتی۔
 ”تمہاری مرضی ہے؟“ بیگم پر تاب گڈھ نے ہنسنے
 وہ غصے سے دس سال جڑی ہے۔ اور شاید
 کمانڈر نے مخالف کچھ زور دیا جو آج ہے لیکن ہمارے
 کی بے لگنی سے مختلف نہیں ہوئی۔

کمانڈر جن کے ذہنی فکروں کا انچارج تھا
 میں اس لئے استمال کر رہی ہوں کہ اس کا گڈھ اس کا
 بیگم پر تاب گڈھ نے اسے روایت کر رکھی تھی کہ وہ غم
 کچھ سبھی وجہ تھی کہ میرا علم کمانڈر جن کے لئے۔

کے کمرے پرانہ ڈوڑی ہوتا ہے۔ وہ لوگ مجھے سے مخالف
 تھے جیسے بیگم پر تاب گڈھ سے بکلام ہوں شروع
 ”یہ باتیں سن کر کہنا مجھے برا لگتا تھا لیکن اس کا
 عادت ہو گئی تھی۔“

میں نے کمانڈر جن کو مخاطب کر کے کہہ دیا کہ تم
 جلدی رکھو۔ اس کا ایک ٹکڑا تم کو معلوم ہی ہے۔ میر
 والی دکان کی طرف ہے۔ اسکان کو نہیں کہ اب وہاں
 کرے لیکن یہ ضرور پرستگار ہے کہ وہ اس وقت اپنی کمر
 کے لئے وہاں جاتے۔“

”بہتر ہے۔“ کمانڈر جن کی اڑیاں بچ اٹھیں
 فوراً رخصت ہو گیا۔

ان جنگجو سولہ میں میری تھکن کا نور ہو گئی تھی
 پر مسئلہ ہونے لگی۔ بیگم پر تاب گڈھ نے میرے چہرے پر
 کوئے کے کپا سے میرا خیال سے کہہ دیا تھا۔ میں ہوں۔ ملو جتا
 ہیں۔ لیٹ کر اطمینان سے گفتگو کرتی رہیں گی۔“

یہ گویا میرے دل کی بات تھی۔ میں بیگم پر تاب گڈھ
 میں آگئی کہ شاید بہتر ہے کہ ایک دوسرے کے قریب بیٹھ
 بیگم پر تاب گڈھ میرے کمرے سے دس سال آیا

میرا یہ نور بہت سری بھری تھی بہت سے سراسر اس کی
 کوئی نہ رہتے تھے لیکن اس کی شخصیت میں ایک ایسا وقار اور دیر
 گر اس سے نہ کھٹکے ہوئے کی محنت کر رہے تھے۔ کو کو کو کو
 الی طبیعت کتنی تھی لیکن اس کا انتخاب بہت سخت ہوا تھا۔
 کبھی کوئی نہ تھی۔

اس اسی طبقے سے تعلق رکھتی ہوں جسے متحمل طبقہ کہا جاتا ہے
 کھٹکے کے طور پر میرے دل کو کبھی نہیں بھانپے۔ خاص طور سے
 وہ لوگوں کی زندگی سے تو مجھے وحشت ہوتی ہے۔ اپنی ذات کی
 ہمیشہ کی ذات کی تامل میں نہیں لیکن دوسروں کو چاہئے کہ جب شادی
 پھانسی پر پھانسی پاندیاں بھی لگا کر لیں۔ میرے طبقے نے توانا بنایا
 ہے۔ بیویوں کو اس بات کی پروا نہیں کہ ان کے شوہر
 کچھ بہرہ دلاتے ہیں۔ اور شوہر کو بیویوں کی ہم نشینی
 کوئی ضرورت نہیں۔ کچھ بھی حال بیگم پر تاب گڈھ کا تھا۔ اب
 دیکھا ہے اور اس لئے گوشہ نشینی بھی اختیار کر لی ہے۔ مگر اس
 وہ اپنی دلچسپی میں شہر کو جوڑتی کو آؤہر انہیں ہونے دیتی
 کچھ اچھا نہیں لگتا تھا لیکن میں نے اس کا اظہار کبھی نہیں
 کی درست تھی اور مجھے اس کے افعال سے کوئی سروکار
 ہائے تھا۔ اس نے بھی تو کبھی اس بات پر اعتراض نہیں کیا

اور فرار جان جن قسم کی کڑیاں میری کمروری ہیں۔
 پر تاب گڈھ سے میری دوستی اس وقت سے ہے جب
 ہوں گے رعب و دبدبے کی بات ہی پھر اوری تھی لیکن پاکستان
 میرا یہاں کے کامیاب ترین کی فکری اس کا اور اس کے شوہر
 تھا۔ ان کی شخصیتیں نظر انداز نہیں کی جاسکتی تھیں۔ یہ
 دبدبے کے ساتھ زندگی گزار رہا تھا۔ ایک محل نما گھوٹھی
 ملازمین کی فوج کی فوج دست بستہ حاضر تھی تھی۔
 وہی کارڈز تھے کہ ان میں انگوٹھوں پر پڑیں گنا جاسکتا تھا۔

اور محل توں میں میرے بہنا تھی۔ بیگم پر تاب گڈھ کو بہتر
 اور بھی ہو گئی کیوں کہ دن آٹھ سے زیادہ گزر چکا تھا۔
 لاریوں کے سیکرین ساری تھکن کا ڈال ڈال تھی۔

آئیوں کیلئے رکھا ہوا اجارا تھا کہ میں نے اس پر ایک اچھٹی
 اور ہر طرح کا کام کرنا کہ میں نے اس کا اپنی ملازمہ خاص کو لایا۔
 ہانگ کی ڈال دیکھتی ہوئی کرے میں اس کی ڈال کو بہتر
 کہ کردہ میرے لئے چاہئے بنانے لگی۔ میں اخبار پر نظر
 آ رہی۔

”میرا تب گڈھ کب گئی تھیں؟“
 ”اگر ملے جی جی تھیں“ ملازمہ نے جواب دیا اور پھر

کمانڈر صاحب آپ کو کئی بار فون کر چکے ہیں۔“
 میں نے چاہئے کہ یہاں ملازمہ کے ساتھ سے کر کے کمانڈر جن
 کا غم ملائے کہنے کہا۔ میں چاہئے کہ یہاں لیتی رہی اور ملازمہ فون
 پر غور کر لیتی رہی جب رابطہ تھا تو وہ ٹیلیفون سیٹ کے ساتھ بیٹھ کر
 لگائی میں نے سیرسوں کے ساتھ سے لیا۔

”پورائی لیس!“ کمانڈر جن کی آواز سنائی دی۔ ”میں صبح
 سے کئی مرتبہ فون کر چکا ہوں۔ معلوم ہوتا رہا تھا کہ آپ آرام کر رہی ہیں۔“
 ”اور اصرار کا ہاں میں وقت ختم کرنے کی بجائے پورٹ دیتے
 عورت کو مجھے ڈاکٹر فونگ کے کھٹکے پر بیٹھے میں ذرا سی دیر ہو
 گئی تھی۔ جب میں وہاں پہنچی تو ڈاکٹر فونگ اپنے ساتھی کے ساتھ بیٹھ کر
 کار میں بیٹھ کر تھا۔ میں نے اس کا تعاقب کیا اور اس طرح میری رسانی
 ایک اور عمارت تک ہو گئی۔ رات کا وقت ہوئے کے دہشت آس پاس
 کوئی دکان کھلی ہوئی تھی جس میں کون پڑیں اپنے ساتھیوں سے
 رابطہ قائم کر سکتا۔ مجھ پر تھیں تھے ساتھیوں کو لینے خود جانا پڑا۔ چوب
 میں نے اس عمارت پر چھاپا مارا تو وہاں سے چڑیا کا پتھر بھی نہیں مل
 سکا۔ ساری عمارت خالی پڑی تھی۔“

”اوہ!“ میں نے ایک طویل سانس لی۔ ”گویا ڈاکٹر فونگ
 اچھے سے نکل گیا۔“

”جی نہیں۔“ شائد میں نے اس کا پتہ چلا لیا ہے۔ کمانڈر جن کے لیے
 سوچے دیے جو شکار کا اظہار ہو رہا تھا۔

”شائد کا کیا مطلب ہو گا؟“

”اصل میں نے آج صبح میں اس عمارت کے باہر میں چھان بین
 کی تھی۔ بہتر ملازمہ ایک چیز ایسا سوچا کہ ہے اس شخص کی تجارت کے
 سلسلے میں ہماری پوسٹیں خاصی مشکوک ہے۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ اس
 کی ایک اور گھوٹھی بی بی، سی، ایچ، ایس میں بھی ہے۔ میں نے اپنے ایک
 آدمی کو وہاں کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا اور اس آدمی نے ابھی دس منٹ
 قبل مجھے یہ اطلاع دی ہے کہ اسے گھوٹھی کی ایک کھڑکی میں کسی چینی کا
 چہرہ نظر آیا تھا۔“

”ڈاکٹر فونگ کا چہرہ؟“ میں نے تباہی سے پوچھا۔

”میرا آدمی اس کے باہر میں تھیں سے کچھ نہیں کہہ سکا۔“

”عمار کا پتہ بتاؤ!“ میں نے کہا اور ملازمہ کو اشارہ کیا۔

وہ میز پر سے قلم اٹھا کر اٹھا لائی۔ میں نے پتہ نوٹ کرنے کے لئے
 کمانڈر جن سے کہا۔

”تم وہاں پہنچو، میں بھی جلد از جلد پہنچنے کی کوشش کروں گی۔“

میں نے سلسلہ قطع کر دیا لیکن سیرس دیکھتے ہی مجھے خیال آیا تھا کہ اس دو
 تین باتیں پوچھنا سمجھ لگتی ہوں۔ رات کے بنگلے میں بھی مجھے ملازمہ
 کا خیال نہیں آیا تھا جسے کمانڈر جن نے ہسپتال پہنچا دیا تھا اس کے علاوہ
 مجھے نامور عید کے بارے میں پوچھنا تھا کہ اس سے کوئی بات معلوم ہوئی یا

44

آج شاہ اس عمارت میں مسکروں کی کوئی خاص شنگ تھی۔ جب میں وہاں پہنچا تو فیض شاہ اس عمارت میں داخل ہوا تھا۔ رفیع شاہ جو ایک بڑا ترین اسکالر ہے اور پوسٹلنگ کے درجہ دومہ سے اس کا رازنٹ جیب میں ڈالے گھوم رہے تھے۔ کچھ دیر بعد تم بھی وہاں پہنچ گئیں لیکن میری بھینج میں اس تک نہیں آسکا ہے کہ تم لوگ اس عمارت کے گرد بولیں مڑلا رہے تھے۔ وہ رضوان نے ایک لمحے کے لئے سوائے لٹریچر سے میری طرف دیکھا اور پھر بہت سے بولے۔ شاہ تھا نے اور رفیق شاہ کے گرد بولیں کچھ اختلاف ہو گیا ہے کیوں؟

میں نے تھی ویرس اپنی ہر تیری تیار پالیا تھا اور ہر سکون ہو کر رضوان کی ذہنی کیفیت کو جاننے کی کوشش کر رہی تھی جب اس نے دوسری مرتبہ سوالیہ انداز میں میری طرف دیکھا تو میں آہستہ سے بولی۔

”کیا میں نہیں مشغولہ پانی کا ایک گلاس پیش کروں؟“

”اس نتیجہ ملے کو مذاق میں اڑانے کی کوشش ہے سو دوہو گی بانو،“ رضوان نے بڑے گھبر لیے سن لیا۔ ”یوں سمجھو کہ رضوان اب تمہارے پیچھے چکا ہے اور تمہاری شخصیت کے جو گہرے ڈھلکے چھپے رہ گئے ہیں وہ بھی جلد ہی سامنے آجائیں گے۔ میں اس چاہتا ہوں لیکن اس حد تک بھی نہیں کہہ رہے غیر کے تھکائے اس چاہت کے بوجھ سے وہ باتیں تمہاری ہم پیش پرستی کا جرم تو میں نظر انداز کر سکتا ہوں۔ لیکن منکد دشمنی کسی جیت پر بھی برداشت نہیں کی جاسکتی“

ایک طویل سانس نے کمر میں چند دم گھڑے میری ادھک مٹنے پر بیٹھ گئی اب اس میں کوئی شک و شبہ نہ رہا تھا کہ رضوان کو کبھی رائے میں کچھ غلط خیال ہو چکی تھیں۔

”کاش تم ہمیں نہ بولیں،“ رضوان کے لہجے میں بڑا کرب تھا۔

”اس عمارت پر پولیس کے ریڈ کا سبب کیا تھا؟ میں نے ایک شبہ کے تحت پر بھیجا۔

”رفیق شاہ کو پھانسنے کے بعد میں نے ہی اس کی اطلاع پولیس کو دی تھی،“ رضوان نے میرے شبہ کی تصدیق کی۔

”تھیک ہے، میں نے سہلایا۔“ پھر بڑا لکڑیا کر دیا۔

رضوان نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا اور دیکھ کر ریلوہ اس وقت سیدہ جنرالی ہوا جا رہا تھا اس نے دانستہ پر دانت جھالیا اور آہستہ آہستہ جھٹکا ہوا شوقین کے قریب پہنچا۔ وہیں ایک گویا اسٹول پڑا ہوا تھا۔ وہ اس پر بیٹھ گیا۔ اب اس کی بیٹھ میری طرف تھی اور وہ بھولتی رہی۔

”میں تمہاری طرف نہیں دیکھ رہا ہوں، تم جاہو تو مجھے کوئی مار کر اس خطرے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بچات حاصل کر سکتی ہو۔ جب میرا اور تمہارا آنا سنا ہوگا تو میں تمہیں اس کا موقع ہرگز نہیں دوں گا۔“

بڑی بے وقوفی کی حرکتیں اور باتیں کرنے لگا ہے۔ کچھ سے ہورہا تھا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھی اور مسکراتی ہوا اس کے میری آہٹ تو میری ہوگی لیکن پلٹ کر نہیں دیکھا۔

”نہی کی چوٹ پھر شہید ہونے کے لئے تیار تھا۔“

”سوئے منڈھے،“ میں نے بڑے پیار سے رکھتے ہوئے کہا۔ ”میں بھلا کچھ کر سکتی ہوں۔“

”جے جے جی“ میں نے جیوں بدل جائے گی اور میں سمجھے ان کے تیرے بدن کا ایک ایک ریشہ لینے دانتوں سے ادھر ڈالو۔

”رضوان نے آہستہ سے سر کھاکر میری طرف دیکھا۔

”انداز میں آنکھ ماردی۔“

”بانو! مجھے سے کھینے کی کوشش مت کرو! بانو! بڑی آواز میں کہا۔

”میں تو جان امیں تم سے کھیل نہیں رہی ہوں کہ جو گاہ بھرتاری میں۔“

”رضوان ایک پھٹکے سے کھڑا ہو گیا اور میں ہنس کر جھٹ گئی۔

”بانو! تمہاری۔“ بے تعلقی میرے شبہات کا فائدہ دہ بولا۔

میں کوئی جواب دینے والی تھی کہ ٹیلیفون کی غنم میں ڈنڈا ننگ دم کے اس گوشے کی طرف بڑھتی جاتی تھی جہاں تھا۔ میرے انداز سے کے مطابق وہ کال کا ڈر جی کی ہونا پیرا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ دوسری طرف سے انٹیل جنہ بول رہا تھا۔ اس نے مجھے سے کہا کہ آدھے گھنٹے میں اپنا پرورہ دیکھو! میں نے نہ ت سے کہا۔

”پرہیز نہ کرنا کہ آپ کو فوراً طلب کیا ہے۔ آپ کا چلنا ہے۔ میں بھی آپ کے ساتھ ہوں گا۔“

”ادوہ مگر...“

”اب آپ کو کچھ بیٹھ کیوں ہے؟ آپ تو خود ہر سے ملنا چاہتی تھیں۔“

”در اصل انڈنڈا ٹرٹ فوٹ پر...“

”شاہ ٹرٹ سے کافر ٹرٹ ہے؟ آپ کسی قسم کی تہ کی تو ضرورت ہی نہیں ہے۔ کوئی سامان بھی لائے ساتھ نہ لیجئے۔“

”نورہی داپر بھی لٹائی جائے گا۔ سامان کی ضرورت تو اس جب آپ کو رہاں قیام کرنا پڑتا۔“

”میں نے کھڑی پر نظر ڈالی اور پھر ایک لمبی سانس لے کر کہا بات ہے۔ میں سچ رہی ہوں۔“

”اچھا انتظار کرو رہا ہوں۔“

”مسلحہ منقطع کر دیا۔ ریسورڈ گھٹے دت میں نے لنگھیروں بٹ دیکھا جو کچھ ہی گھوڑا تھا۔

”تم ہمارا کئی داپر صحت کر دیا۔“ میں نے مسکرا کر کہا۔ ”کل نہ ہو گی۔ فی الحال اس میں اسلام آباد جا رہی ہوں۔“

”کے پورٹ کر کے اس کی آنکھوں میں سوال پھیلنے لگے۔

”لو! میں نے ڈاکٹر کا فون کیا تھا۔ میں نے اسے بتایا تو فون کھلی

”میں کو فوراً ہی ہو گی۔ میں کوشش کروں گی کہ واپس لوٹا کر

”میرے بھادر دوں۔“

”میں نے بڑے بھونچے کے اور میں ہاتھ ہاکر بائے کہتی ہوئی اندر میں مل گئی۔ اتنا دت نہیں تھا کہ میں اسے باقاعدہ دھت کرتی۔

”اب تمہاری طرف بڑھتے ہوئے میں نے ملازمہ کو پکارا اور اسے

”تم کے اسلام آباد جا رہی ہوں۔“

”میں اپنی خواب کا میں داخل ہوئی تو میں نے دیکھا کہ سوسن لی

”طاف ہاتھ لگے ہوئے بیٹھی جا رہی ہے۔“

”گاہ پل کی تھیں بانو! وہ منہ بنا کر بولی۔

”اب تم اسلام آباد جانا پڑا ہے سوسن۔“ میں نے ہاتھ دیا

”مہمان کے۔“ تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ میں تمہیں راستے میں

”میرے دوں کی جہاں سے تم کو غصی مل جائے۔“

”میں نے شاید کوئی سوال ہی کرنے کے لئے منہ کھولا تھا لیکن

”میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔

”طلحہ اڑوٹ ایک ایسا لباس ہے۔ آنتانی عجلت میں پہنا

”لو! میں نے دیکھا ہوا اور ہر نکل کر ڈیڑ گھنٹہ ٹیل پر جا بیٹھی۔

”اسلام آباد... سوسن بول۔

”دوست! سوسن ہیں بے سوسن!“ میں نے اس کی بات

”اگر تم نے در دنگائی تو میں تم کو نہیں چھوڑ کر چلاؤ گی۔“

”میں نے نہ کرنا کہ ہاتھ روم میں چلی گئی۔ جتنی دیر میں اپنی کیا

”ابھی تیار ہو گئی۔ میں اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تیزی سے باہر

”نہیجے تیار کر داپر میں والا جا چکا ہے لیکن میں نے اس اطلاع

”میں نے روم میں روادار کے بڑھتی ہوئی تیزی جب میں نے ڈانٹ لگے

”لو! میں نے کھنسی کچھ لگے۔ کچھ لگے تو میرے ہی میں آئی

”ڈاکٹر دت لیکن اس خیال نے مجھے گھٹے مجبور کر دیا کہ شاید

”ڈاکٹر گھڑی کا فون ہو پورہ گلام میں اچانک کوئی تبدیلی بھی تو

”اب میں نے ریسورڈ اٹھایا تو دوسری طرف سے کانڈر جی کی

”لو!۔“

”میں نے کہا۔“ تمہیں جو کچھ بھی کہنا ہے، جلد از جلد کہ دو۔ میرے

”اس نہیں ہے۔“

”میں آپ کو صرف یہ اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ اس کا اب اسے نہیں جانا۔“

”ادوہ! کیا وہ بھگا ہلا؟“ میں نے جلدی سے پوچھا۔

”جی نہیں! اسے بھگائے کہ تو موقع ہی نہیں مل سکتا تھا۔“

”تو پھر؟“

”غالباً وہ اس عمارت میں تھا ہی نہیں۔“

”بے تم یقین سے کہیے کہ کتنے ہو؟“

”اگر وہ وہاں ہوتا تو پولیس اسے کیوں چھوڑتی؟“

”ممكن ہے وہ اس وقت بھگا نکلا ہو جب وہاں انسپکٹری بھی تھی!“

”ناممکن ہے یور آئی انس!“ کانڈر جی نے بڑے اعتماد سے کہا۔

”میں نے اس انسپکٹری پر بالکل دھیان نہیں دیا تھا۔ میں اپنی جگہ سے ہلا

”میں نے نہیں تھا۔ میری نظر اس عمارت کے دروازے پر رہی تھی۔“

”کوئی اور راستہ بھی تو ہو سکتا ہے۔“

”میرے آدمی عمارت کے چاروں طرف موجود تھے اور انہوں نے

”اس عرصے میں کسی کو بھی وہاں سے نکلے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔“

”یہ جواب ملنے ہی سوسن کی کار و ایک سوالیہ نشان کی صورت

”میں میری نظروں کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

”اچھا سوسن!“ میں جلدی سے بولی۔ میں اس وقت اسلام آباد

”رہی ہوں۔ اپنی گاڑی ہی میں اپنا پرورہ باؤں گی۔ تم کچھ ایسا انتظام

”کر دینا کہ گاڑی واپس میرے گھر پہنچ جائے۔“

”بہت بہتر! لیکن جہاں گاڑی ہی میں چھوڑ دیجئے گا۔“

”وہ تو ظاہر ہے۔ میں نے ہر سلسلہ منقطع کر دیا۔“

”سوسن کی شخصیت اب میری نظر میں انتہائی مشتبہ ہو چکی

”تم ہی اس نے جو واقعہ سنایا تھا ادوہ دھواں بن کر میرے ذہن سے اڑنے لگا۔ جیسا کہ کے بغیر کبھی قائم نہیں رہ سکتا اور اس واقعہ کی

”بنیاد کو میں نظر نہیں آتی تھی جب ڈاکٹر فونگ اس عمارت میں تھا

”ہی نہیں تو پھر سوسن کی کس ذمہ کے ماقصد اس کے سوا کچھ نہیں

”رہ جا سکا اس طرح دراصل مجھ کو سوسن کی قریب لانے کی کوشش

”کی تھی تھی اور اس کوشش کا مقصد فی الحال کسی واضح صورت میں

”سامنے نہیں تھا اس دھندلے سے خاک میں ہو کر فکر کا رنگ

”بھونکنے کی ضرورت تھی لیکن میرے پاس فوری طور پر اتنا وقت نہیں

”تھا میں سوسن کی کوئے کرنا پڑا اور میری زین سمجھ کر روانہ

”ہو گئی۔

”سوسن کے سامنے سے کبھی پر تگلی شرب کا تر پوری طرح ختم نہیں

”ہوا تھا اس لئے کھڑکی پر سر رکھ کر کھینچ کر سوسن میں نے بھی اپنے چہرے

”پر فوری بھگائی۔ فی الحال اس میں اپنے کسی شبہ کا اظہار کرنے کی جرأت

آج شاخس عمارت میں ہے جو تھاکر داپس براس معاملے کو دیکھوں گی۔
 وہاں بیٹھا تو رتبہ بنوٹ اسلام آباد جانے کی نگرانی تھی۔
 وہاں ایک عیسائی نظرائی تو میں نے اپنی گاڑی کو اس کے برابر
 سے آگے نکالتے ہوئے دیکھ کر کوٹھنے کا اشارہ کیا۔
 نیکی میری گاڑی کے پیچھے کسی تو میں نے سوسن کا کٹ دھا
 پھر کر لایا اور جب اس نے پورے ٹرنک میں کھینچ کھینچ تو میں نے پیچھے
 اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے جاؤ عیسائی کھڑی ہے۔ میں رات کو ہی صاف آبا
 سے واپس آ جاؤں گی تم کل کسی وقت مجھ سے ملنا۔
 چچا اچھا کہتے ہوئے سوسن سے جا ہی ملی اور گاڑی سے اتر کر شاخ
 فتنے کی جھوٹ سے میری نذر سے دروازہ بند کیا۔
 میں ہنس کر صبح کو سر نہ کر کرکت میں لے آئی۔
 جب میں اپر پورٹ پہنچی تو دس منٹ لیٹ تھی لیکن طیارہ
 کی روانگی میں ابھی پندرہ منٹ باقی تھے۔
 اینٹی جینس ڈائریکٹر اکیلا میرا منتظر تھا۔ وہ مجھے ساتھ
 لے کر طیارے کی طرف بڑھتا ہوا بولا کہ آپ خوش قسمت ہیں
 کسی عام آدمی کو اتنی جلدی پر لے کر ڈیٹنگ تک رسائی حاصل نہیں
 ہوتی۔
 شانہ آپ مجھے عام آدمیوں میں شمار کر کے غلطی کر رہے
 ہیں۔ میں نے مسکرا کر کہا۔
 اینٹی جینس ڈائریکٹر ہندی سانس لے کر چپ ہو گیا۔ میسرری
 خود اعتمادی اسے خاصا بوجھ کر دیتی تھی۔
 ہمارے تیار ہوئے کے باج منٹ بعد ہی طیارے نے زمین
 چھوڑ دی۔ وہ دیکھ کر میرا دل بہت خوش ہوا تھا کہ میرے اس پاس
 دو تین تو سرفروخت اور دو ڈول لڑکیاں موجود تھیں۔ ایسے چہرے
 نظر کے سامنے ہوں تو سرفروختیں نہیں ہونے پانا میں نے ان
 میں سے ایک لڑکی کو اپنی طرف توجہ دے کر لیا اور سارا سفر اس سے
 باتیں کرتے ہوئے گزار دیا۔ اینٹی جینس ڈائریکٹر پچھنی سے پہلو
 بدلتا رہا تھا۔ اسے میری اس حرکت سے غاصبی پوریت ہوتی تھی
 لیکن وہ دخل دے موقوفات کر کے اپنے بے تہذیب ہونے کا ثبوت
 نہیں دینا چاہتا تھا۔
 جب طیارے نے لینڈنگ کیا تو میں بادل ناخواست اس لڑکی سے
 جدا ہوئی جس کے ہونٹوں کو گلاب کی کھیاں لگی ہوا تھیں اور چاہا نہ سستی
 تھیں۔
 پریزیڈنٹ ہاؤس کے دو افسر ہمارے استقبال کے لئے کھلا
 کے ہوائی اڈہ پر موجود تھے۔ ان کے ساتھ ایک کار میں سفر شروع ہوا
 یہ ایک تھکا دینے والا سفر تھا۔ اسلام آباد پہنچتے پہنچتے میری طبیعت بڑی
 بوجھل ہو گئی لیکن پریزیڈنٹ سے ملاقات کی گھنٹے اس انتظار کو ختم

حادثہ دیا۔
 ایوان صدر میں قدم رکھتے وقت میرے
 تیرہ گھنٹے اور صرف یہ سوال میرے ذہن میں گونج
 مقصد میں کیا صاب ہو سکوں گی یا نہیں؟
 رسمی کارروائیوں میں زیادہ وقت ضائع
 گیا اور جلد ہی میں اس کمرے میں داخل ہوئی جہاں
 ملاقات ہوا تھی۔ میرے انداز سے کے مطابق بڑا
 تنہا ہونا چاہیے تھا۔ لیکن یہ دیکھ کر میں منانے میں
 کے قریب کیپٹن آفاق بھی بیٹھا ہوا تھا۔
 صدر کے ساتھ کے ساتھ کیپٹن آفاق کی
 قریب قریب میرے ذہن میں گونج
 تنہائی میں ملاقات کروں گی؟ اینٹی جینس ڈائریکٹر
 بعد میرے اس یقین کو تقویت دیتی تھی کہ میرے
 ہوگی۔ مگر وہاں کیپٹن آفاق بھی موجود تھا۔
 آخر کیوں؟
 کیا اسے علم ہو گیا تھا کہ مجھے ایران میں کوئی
 یہ اسی وقت ملن تھا جب اس نے اپنے کاندر سے
 کرتے ہوئے خود بھی اس معاملے میں دلچسپی لے رہا
 گیا ہو کہ واپس آنے والے وفد کے ممبران کی تعداد
 آتی ہے۔
 کیپٹن آفاق کو صدر سے میری متوقع ملاقات
 اور شاید یہاں اس کی موجودگی کی وجہ بھی یہی تھی۔ میں
 صدر کے ملنے کو اپنی سیدھی جی پڑھا کر اپنی طرف سے
 میری طرف سے بظن کرنے کی کوشش کی ہو۔
 میرے ذہن میں ان خیالات کی گونج
 کی نہیں تھی کیونکہ میرے ہی کیپٹن آفاق نے مجھے
 حیرت کے آثار پیدا ہوئے تھے چند لمحوں کے لئے
 چھیل گئیں اور نہ کھلا کھلا دیا۔ اس کی یہ کیفیت
 دلانے کے لئے کافی تھی کہ میرے ذہن میں ابھی بھر نہ
 تھے۔ آفاق کی موجودگی میں ہی برافغان تھی روز وہ
 اب میں ملن ہوگی۔ اور میں نے مسکرا کر
 صدر کی شخصیت تھی۔ دیکھ کر اس کا
 مجھے اس روز کہا۔ یوں تو میں نہیں پہنچے گی۔
 کے ساتھ دیکھ کر تھی اور ان میں سے کوئی بھی ان
 کر سکا تھا لیکن اتنے قریب سے میں نہیں پہنچ سکتی۔
 سے صرف چند فٹ کے فاصلے پر تھے اور ان کے
 مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

رمیات میں وقت بالکل ضائع نہیں ہوا۔ صدر نے کیپٹن آفاق
 تعارف کرایا اور پھر بولے۔ میں جا رہی تھی۔ آپ تفریق
 یہاں میرے قریب آجائیں۔
 میں صدر کے پاس بیٹھ گئی۔ صوفہ اتنا بڑا تھا کہ ہمارے درمیان میں
 لی اور بیٹھ سکتے تھے۔
 کیپٹن آفاق نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدلا اور پھر جھکے ہوئے
 ہر جانب ہوا۔ اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں بھی یہاں موجود
 رہتی۔
 صدر نے گھور کر کیپٹن آفاق کو دیکھا اور ان کی پیشانی پر ناگواری
 ہم بھی بھڑکیں مگر ان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی میں بول پڑی تھی
 ایرانی نہیں ہے کیپٹن۔
 کیپٹن آفاق مجھے یہاں دیکھ کر تعجباً بولے گا کیا تھا اور اس کی
 مجھے کی صداقت پر کسی نہ کسی حد تک مغلوب ہو کر کئی قہقیر
 اچھے سے غلاف تہذیب درخواست نہ کرتا۔
 اس درخواست کے پس منظر جو اس شوری حرکات تھے میں
 قرب جاتی تھی لیکن صدر کے ملنے تاریکی میں تھے۔ نہیں تو
 معلوم تھا کہ اس اور کیپٹن آفاق ایک دوسرے کے لئے عجیب
 ہیں۔ آفاق کی موجودگی سے میرے لئے کسی نقصان کا احتمال
 اس کے بظنات کام میں کچھ آسانی ہوتی نظر آتی تھی۔
 ہمیں نے کیپٹن آفاق کو موجود رہنے کی اجازت دے دی
 بہت سے میری طرف دیکھا اور بولے مجھے تو یہ بتایا گیا تھا کہ
 عقلمانی میں ملاقات کرنا چاہتی ہیں۔
 اگر کیپٹن آفاق کی جگہ کوئی اور ہوتا تو میں یقیناً شمالی کی طرف ہوتی
 ملنے کی کھول سے انہیں جھانکے جی مگر اس سے پہلے کہ انہیں
 میں پھر بول پڑی تھی میں تو حق تعالیٰ پر سزا چاہتی تھی اس
 مال کی موجودگی قطعاً اندازہ نہیں ہوگی کیونکہ میں جو کچھ کہتا
 وہ کیپٹن آفاق کی پہلے ہی سے معلوم ہے۔
 آفاق نے ایک بار پھر میرے پہلو بدلا۔ ظاہر ہے کہ
 ان کی نزاکت کا مکمل احساس اس پر ہوا ہوگا۔
 مجھے حیرت سے میری طرف دیکھ کر کیپٹن آفاق کی طرف دیکھا مجھے
 میں ایک بڑے نام سے شگے شگے کی جھلک نظر آتی تھی۔
 اس معاملے سے کیپٹن آفاق کا کیا تعلق؟ وہ جتنی ہی سیکڑ
 کہتے ہوئے بولے۔
 میرے کہنا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ کیپٹن
 لہر لہر کر رہا۔
 معاملے سے؟ میں نے تیرے لیے کیپٹن آفاق سے مال کیا۔

کیپٹن آفاق فوری طور پر کوئی جواب نہیں دے سکا اب اسے
 بھی یہ احساس ہو گیا ہوگا کہ وہ بہت ہی بے تکا بول کر کیپٹن سے۔ میں اس
 کی گھبراہٹ سے فوری طرح لطف اندوز ہو رہی تھی۔
 "دراصل کیپٹن آفاق قدرے توقف سے بولا۔ میں نے آپ
 کو اپر پورٹ پر دیکھا تھا اور میں مجھے کسی گڑبگڑ کا احساس ہوا تھا۔
 "تم وہاں کیا کر رہے تھے؟" صدر نے اسے پوچھتے ہوئے سوال کیا۔
 "ایک دوست کو ریسورٹ کر رہا تھا۔ کیپٹن آفاق نے جلدی سے
 کہا اور میری طرح مطمئن نظر آنے لگا جیسے نہ جھوٹ اس کی۔ اہستہ میں
 بیچمیں چل رہی تھی لیکن میں اسے اتنی آسانی کے ساتھ حال سے کس طرح
 نکلنے دیتی؟
 "اپر پورٹ پر آپ نے جب مجھے دیکھا تھا اس وقت کوئی فلائٹ
 ڈیو نہیں تھی اور میرا خیال ہے کہ آپ کسی فلائٹ کے ڈیو پر مرنے سے پہلے
 ہی وہاں سے چلے آئے تھے۔
 "صاف کیپٹن کا میرے سترے ایک غلط لفظ نکل گیا۔ میں ریسورٹ
 کرنے نہیں بلکہ اسے آنے کرنے گیا تھا۔ کیپٹن آفاق نے بات نبھانے
 کی کوشش کی لیکن یہ کوشش کسے ہونے اس کی پیشانی پر پڑنے کی
 نکتہ تھی تو بڑی جگہ ابھی تھیں۔
 "خوب" میں مسکرائی کہ کیا آپ اپنے اس دوست کا نام بتائیں
 گے جسے آپ الوداع کہتے ہوئے تھے؟
 کیپٹن آفاق کوئی جواب نہیں دے سکا لیکن صدر کے ملنے کی تیز
 نکالیں اسے کچھ نہ کہہ بولنے پر مجھ پر کوئی قہقیر۔ اس وقت میں اس
 نے جھوٹ کا لبادہ اوڑھ کر اپنی دروغ بیانی کو چھپانے کی کوشش کی۔
 "آخر آپ کا مطلب کیا ہے؟" وہ بولا تو کیا آپ میرے بانیے
 میں گھٹو کہنے کے لئے یہاں آئی ہیں؟
 میں نے صراحتی طور دیکھا جن کے چہرے سے اب تشویش کا بھی
 اظہار ہونے لگا تھا۔ جب میں نے ان کی نظروں میں استغمام محسوس کیا تو
 آہستہ سے بولی۔
 "کیپٹن آفاق کا یہ حشر غلط نہیں ہے۔ غالب دلا املا ان ہی
 سے متعلق بات کرنے آئی ہیں اور ان کی وجہ سے میں نے اپنی زبان میں
 دکھی تھی۔ میرے پاس اس امر کی شہادتیں موجود ہیں کہ وزیر خارجہ کے
 جہاز میں ہم کی موجودگی کیپٹن آفاق کی کوششوں کا نتیجہ تھی جو کہ کام
 ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنے اہلکاروں سے نہیں کیا ہوگا لیکن کام کی نگرانی
 کے لئے یہ اپر پورٹ پر موجود ضرور تھے۔
 "یہ غلط ہے۔ کیپٹن آفاق کا چہرہ سرخ ہو گیا۔
 میں نے اس کے اس چیلنج کو جیتنے نہیں کیا اور صدر کے چہرے
 پر نظروں جمائے ان کے تکی جہازات کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتی
 رہی۔
 "لوئی" وہ بہت سخت لمحے میں بولے۔ "تم کیپٹن آفاق پر"

میں دل ہی دل میں بیچہ خوش تھی میرے سامان و گمان میں بھی نہیں
سنبھا کر اتنی آسانی سے بات بن جائے گی۔ دو ماہ کیلپن آفاق کی موجودگی

”فرمائیے کیٹپن!“ میں نے مسکرا کر بڑی خوش اسلوبی سے

پہلی فلائیٹ میں آپ کے لئے جگہ حاصل کر لی جائے گی۔

ایہی تھی کہ ہنڈل میں مجھے کوئی مناسب سی ساتھی مل جائے گی۔

خود بھی ان باتوں پر یقین نہیں تھا۔
 ”اے... میرے بھائی کی زندگی... زندگی سے... کیا فائدہ...“
 پہنچ سکتا ہے؟
 ”شوکت کی نظر تھمادی زمینوں پر ہیں ادب صرف تم ہی اس کی راہ کا نام ہو سکتی وقت بھی وہ تم پر دباؤ ڈالنے کے لئے تمہارے بھائی کو استہمال کر سکتا ہے۔“
 ”وہ کیسے؟“
 ”اپنے بھائی کی تکلیفوں کا حال سن کر کیا تم حیرت نہیں اٹھو گی؟ یہ دباؤ ڈال کر وہ تم کو بہت سی باتوں پر مجبور کر سکتا ہے۔“
 میرا دلچسپ استدلال ایسا تھا کہ بات ریشماں کی کچھ میں آگئی اور آہستہ آہستہ وہ مجھ پر حملہ پڑا ہی چلی گئی۔ اسی دوران میں میرا چاہنے لے آیا کہ اگر تم مجھ جیسے کے گھونٹ سے کر ریشماں کی حالت مزید تر ہوگی۔ وہ مجھ کو بھتیجی تھی۔ تھکے وقت کے بعد وہ دانت پیستی ہوئی ہوگی۔ اگر اس نے میرے بھائی پر تشدد کیا تو اس کے پیٹ میں اتار دوں گی۔“
 ”جی... میں نے اسے تفریق نظر سے دیکھا۔ یہ دیکھ کر مجھے واقعی حسرت کا احساس ہوا تھا کہ ریشماں کی کچھ دیر پہلے والی بیباکی اور تیز رفتاری واپس لوٹ رہی تھی۔“
 ”تجربہ اپنا غفلت میں گھڑی ہوئی موسم میں نے ذرا دیر بعد سوچا تھا کہ یہ تمہیں نہیں حاصل کرنے کے بعد بھی وہ پچھلا نہیں چھوڑے گا۔ تم کسی وقت بھی اس کے لئے طوفان اٹھ کر آ سکتی ہو اس لئے وہ تم دونوں کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔ ہاں ایک بے گت ہے بھی ہو سکتی ہے کہ وہیں ہمارے میں لینے کی کوشش کرے یا کسی طرح تمہیں مجبور کر دے کہ تم اس کے ساتھ بھاؤ۔“
 ”وہ مجھے کسی طرح بھی ایسا کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ ریشماں بھنے جوش سے بولی۔ ”میں اس کے مزے پھونک دوں گی۔“
 ”دھیر... دھیر میری جان!۔۔۔ جوش میں آنے کی بجائے غور سے دل و دماغ کے ساتھ حالات و امکانات کا جائزہ لینا چاہئے۔ میں نے اس کا حال چھینچھاتے ہوئے کہا۔ یہ شوکت و لڑائی ہے جیسا میں اس کے بارے میں فاس کر سکتی ہوں تو اس کی نظر تھمادی زمینوں پر نہیں ہو کر میری ہوگی۔ تو اپنی خوبصورت ہو کر کوئی ریشماں خواہش کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ شوکت تو یقیناً بہت عیاش آدمی ہو گا۔ وہ تم سے شادی کی خواہش کے بغیر نہیں رہ سکتا۔“
 ”آپ ٹھیک کر دی ہیں۔ ریشماں نے آہستہ سے کہا۔ اس نے کسی کے ذہن پر ٹھیک سے تجربہ پہنچائی تھی جو کہیں اس سے شادی کر لوں۔ اس نے خیال ظاہر کیا تھا کہ اس طرح سارے جگہ سے مر جائیں گے۔“
 ”پھر تم نے کیا جواب دیا تھا؟“
 ”چینام لائے دلتے کو جھانسنے کے سوا کیا کر سکتی تھی۔ وہ اتنا ذلیل

ادکینہ آدمی ہے گاؤں والے اپنی بہو بیویوں کو گھوڑوں میں نہ رکھتے ہیں۔ شادی تو نہ کی گھر کا سودا ہے جبکہ میں اس کے لئے بھی نہیں مزار سکتی۔“
 ”تمہاری بات سو فیصد درست ہے۔ شادی ایک ایسا ہے جس میں عورت ہوشیار گھائے میں رہتی ہے۔“
 ”لیکن یہ سارا زندگی جیسا بھی تو نہیں کر سکتی۔“
 ”وہ کون کتنا ہے کہ تمہارا جو صرف مرد ہی تمہاری درد کرنے نہیں ہیں۔“
 ”میں اب کا مطلب نہیں سمجھی۔ ریشماں نے پکس پر میری طرف دیکھا لیکن میری نظر وہ خنجروں کو عروس کے چہرے کی وہ عجیب سے آتی فریب تھی۔ ہوتی تھی اس کے دل کی مسامحوں کو بھی عروس ہو رہی تھی۔ میں نے اس کی گردن میں دی اور اسے اتنا قریب کر لیا کہ میرے ہونٹ اس کے غائب ہو سکے۔ لب و لہجہ اس کی گفتگو سے ریشماں کے چہرے پر ہنس پڑنے لگی اور میرے دل میں جیسے سارے ٹوٹنے لگے۔“
 ”ریشماں! میں نے مگر وہی کی۔“
 ”جی! اس نے آہستہ سے کہا۔“
 ”مردوں کے بارے میں سوچو کہ کتنی عورتوں نے؟“
 ”... صرف دو کہ پہلے والی بہنوں مثالیں دیکھنے کی تھیں۔ اس نے عورتوں کے مردوں ہی سے پیار کیا تھا۔“
 ”جی۔ ریشماں کی سانسیں تیز ہونے لگیں اور شہاب موج آہستہ لگا۔ میرے ہاتھ اس کے گھٹنے پر ہونے لگے۔ ریشماں نے آہستہ سے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔“
 ”میں نے اس کے کان کی نوک پر آہستہ سے لگایا تو وہ ایسا مسکرائی کہ وہ گئی۔“
 ”اپنی! میں نے مگر وہی کی! اگر تم جاگیر اور شوکت سے تو تمہاری نصیبت ختم نہیں ہو جائے گی۔ تم پر قبضہ چلنے بھائی سے پتا اس کے لئے بہت کم سن ہو جائے گا۔“
 ”سب کچھ دیکھتی رہو گی اور کچھ نہ کر سکو گی۔“
 ”لیکن موجودہ حالات میں بھی کیا کر سکتی ہوں۔“
 ”میرے ہونٹ جوئے لپٹے تھے آپ کو بے بس نہ سمجھ حاصل کرنا تھا۔ اسے لئے کوئی دھوکا ملا نہیں۔ اپنے آپ کے گواہی دلا کر تم کسی پچھے کی کھلی کی مدد سے مقدمہ جیت سکتی ہو۔“
 ”جی جاگیر والے کی مدد سے دعا بھی نکلائی جا سکتی ہے۔“
 ”پلیس! ریشماں نے زہر خنجر کی مدد سے شوکت کا لے دام دیا۔ میرے خیال میں آپ کو بتانا بھول گئی۔“
 ”علاقے کی بی ڈی گئی کا پٹریں بھی ہے۔ اپنے علاقے سے پہنچ دو رنگ ہے۔“

ہاں اس کے انکشاف پر مجھے واقعی اس معاملے کی گئی۔ ریشماں کی غفلت سے سننے والی اور خالہ تانہ خاتون کی طرح مجھ پر غور تو سستی تھی لیکن کچھ کرنا تھا۔ اسے واقعی کسی قانون ساز کی ضرورت تھی۔ میں نے اس کا پاپا اپنے تنہا لیکن میرے ساتھ مشکل میں لایا۔ اس نے پاپا تھا۔ میں ڈاکٹر نوک کے معاملے میں لگتی تھی۔ اس ملک کے معاملے کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں تھا۔ ایک دلکش بی بی پیدا ہو گئی تھی کہ ریشماں دل آدمیوں میں ایک جیسی شخص کیوں تھا؟
 ”میں جی جی کو پاپا ہوا۔ یہ سوال ریشماں کے کانوں میں ڈال دیا۔ اسے میں کچھ نہیں جانتی۔ ریشماں نے جواب دیا۔“
 ”اے کے آدمیوں میں اسے بھی نہیں دیکھا لیکن دو شخص میں مردوں کی تھی کہ اس کی حویلی میں کچھ چھپی۔“
 ”بیسویں شکر کی آمیزش تھی۔“
 ”ہاں! اس کے جاگیر والے کی حویلی میں چھپی بھائیوں کا لیکن اس بات کا تو میں اتنا شرمندہ نہیں ہو سکتی تھی کہ اسے کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔“
 ”پھر کرنے کا یہ یاد ہوئی نہیں مل سکا کہ نہ میرے اور ریشماں کے بس کی شادی میں غیبت ہو چکی تھی۔ ان کیلئے ہونے چھوڑوں کی شرمی! اسے نہ کر سکتی تھی اور میرے جسم بھی کسی سے سننا نہ لگتا تھا۔“
 ”میں نے مگر وہی کی! یہ رات کچھ کہہ رہی ہے۔“
 ”آرا بہت دھیمی تھی۔“
 ”ہاں! کوئی کہنے یا پتوں پر سارا لیا۔ اسے لوں مان بڑی ڈیرے قدم اس کے بوجھ سے نہیں ہو گا۔ اسے تھے میں اسے لئے ہوئے تھے۔“
 ”پھر کیا ہو سکتا تھا۔ میں ہوں اور معاملہ ملک۔“
 ”مطلب ہوں۔“
 ”آؤ! اسے انھوں نے ہزاوہ سے پکھا۔“
 ”صاف ہانے کی کوشش کی۔ جاری ان کو کوششوں میں لگ کر ہزار ہا ساری فضا سنائی ہوئی۔“
 ”مگر پھر کار دے تھے اور ان کی شرم خنجر وہی مقبیلہ ریشماں کا لاپا اور میرا لباس

دور ہی سے برتاؤ طلب دیکھ رہا تھا۔
 ”تمہارے کے فریقوں کا جوش و خروش بڑھتا رہا اور وہ آپس میں لب و لہجہ کے دباؤ سے ہنسنے انزل تک پہنچے تھے۔ جہاں اتنا تسلسلے جذبات کی حکمران کا زوال شروع ہوتا ہے۔“
 ”خود زوال کا یہ تماشا جب اپنی ابتلا سے انسا کو پہنچا تو بھیجی ہوئی رات اٹھا حال محسوس ہونے لگی اور ساتوں کی ناہواری تیز چلتا تھا۔ میں مدغم ہوئی چلی گئی۔“
 ”ریشماں! میں نے اسے دیکھنے سے دیکھا۔“
 ”جی! وہ گویا اب بھی بہت دور سے بولی رہی تھی اس کی آنکھیں بند تھیں۔ گویا کہ اس کے دل میں اس کے جواب کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ میں نے اس کی کیفیت کو محسوس کیا تو چار دھنیاں کرا کر پڑ ڈال دی۔“
 ”خواتین تو خامی بیت چکی ہے۔“
 ”جی!۔۔۔ لیکن آنکھوں میں نیند کا ایک تک پہ نہیں ہے۔“
 ”جی!۔۔۔ وہ اب بھی بس میں ایک لفظ بولی۔“
 ”میں نے آہستہ سے اس کا رخ اپنی طرف کر لیا اور اس کے دہن کی ٹیکڑیوں کو چھوتی ہوئی بولی۔ وہ اب آنکھیں تو کھول دو عروس!۔“
 ”میری اس بات سے اس کے چہرے پر شرم کی ایک اور تہ چڑھی۔ اس نے اپنے اعتبار پر چہرے پر بازو کے پچھے چھپا لیا۔ چار تو میں نے کئی دھنیاں لڑائی طرح شرمی رہ گئی۔“
 ”آپ بڑی دہ ہیں، ہاں!۔۔۔ وہ کچھ اس انداز میں بولی کہ اس کی یہ ادا میرے ہی کو بھائی میں نے اسے ایک لپٹے سینے سے لگا کر بھیج دالا۔ پھر اچانک میں نے سنبھلی سے کہا۔“
 ”اسے ہاں! تم نے ایک بات تو بتائی ہی نہیں۔ میں نے سوال تو شاید کیا تھا لیکن بات دوسری طرف نکل گئی تھی۔ تب ہی آنکھیں کھلیں۔ بتایا کہ تو رات کو لڑائی کی تاہیک گھوڑوں میں کہاں بھٹکتی پھر رہی تھیں۔ کیا تمہیں اپنے آپ کے اسی دوست کی تلاش تھی جس نے...“
 ”جی ہاں! آپ جیسے بھی ہیں! اس نے میری بات کا تے ہوئے کہا۔ میں انہی کے گھر جی تھی لیکن ملاقات نہیں ہو سکی۔ خواہ صاحب گھر پر نہیں تھے۔ وہ تیار رہتے ہیں اس لئے کسی سے یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کہاں گئے ہیں۔ کافی انتظار کے بعد میں وہاں سے یہ سوچ کر لپٹی کہ شاید آج رات انہیں واپس آنا ہی نہ ہو۔“
 ”ابھر تم ان بدعاشوں کے ہتھے چڑھ چکیں؟“
 ”جی!۔۔۔“
 ”پھر میں نے کوئی سوال نہیں کیا اور اس کی زندگی کے عجیب حالات پر غور کرنے لگی۔ ریشماں ایک ایسے مقام پر کھڑی تھی جہاں اس کے

زور سے جھڑکا رہا۔ رشتہ دار کے منہ سے پھر ایک حنیف نکی اور وہ لالو

سے ایک طرف رٹ کر اس کی زد سے نکل گئی۔

اور ان کے چہرے پر بے ہوشی کے

161

دکھائی نہ دے رہا ہے؟
 ”دکھائی تو کوئی نہیں ہے ہمارا لڑکا یہ حال دیکھ کر کھیل بھی
 تھی کہ شاید تیرا بھائی لوٹ آیا ہے
 ”بھائی کی واپسی کی مجھے کوئی امید نہیں ہے
 ”اے بیٹی! ایسی فال منہ سے نکال! یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ
 جاگیر دار بدعاش ہے لیکن اب ایسا بھی کیا کہ تیرے بھائی کو مار ڈالے۔
 ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اس نے تیرے بھائی کو پتھر اگڑی دوسرے گاؤں
 میں بھجوا دیا ہو۔ آج نہیں تو کل تیرا بھائی مفور کئے گا۔ میری اس
 بات کو لگاتے ہیں باندھو۔ ماسی نے یہ سب کچھ بڑے محبت آمیز لہجے
 اور ہمدردانہ انداز میں کہا تھا۔
 ”تیرے محسن میں کتنی گھڑی ماسی! ریشماں نے ایک لمبی سانس
 لے کر کہا ابھی مجھے سہ ہوتی ہے لیکن آپ نے لڑکائی و دھت بنا کر اچھا
 نہیں کیا ہوا۔۔۔ اب جاگیر دار کے غصے کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا۔ وہ
 بہت کینہ ہے۔ جو کچھ بھی کر گزرے، وہ کہے۔“
 ”بس اس کی حرکت کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھی لیکن
 تمہارے شلے کو تو مجھ پر ہوتے دیکھ کر ہی آجے سے باہر کونجی لب رو
 گیا جاگیر دار کا غصہ تو میں اسے بھی دیکھ لوں گی۔ تم حرکت کر دو میں
 ایسے لوگوں سے بڑا خوب تھا، اچھے طرح جانی ہوں۔“
 ”لیکن بیٹی! ماسی نے تو خوشنویں لہجے میں کہا ہے جاگیر دار کا ہتھوڑی
 آئے گا اس کے ساتھ اس کے غنڈے بھی ہوں گے۔“
 ”اکیلی ریشماں پر جب غنڈے چڑھ دوں گے تو کیا گاؤں والے
 خاموش رہیں گے؟ میں نے تو چاہا۔
 ”ہو نہ ہو! ریشماں نے بڑا سامنے بنا کر مجھ کا وہ گاؤں والوں
 کو جب یہ پتہ چلے گا کہ شوکت اپنے غنڈوں کو لے کر اپنی حویلی سے نکلا
 ہے تو وہ سب کے سب اپنے گھروں میں بند ہو جائیں گے۔“
 ”چاہے ان کی کسی بہن کی عزت لگتی رہے!“
 ”اے بیٹی! ماسی بول پڑی! ایسی بات نہ کہو۔ اللہ سبکی
 عزیزیں محفوظ رکھنے والا ہے۔“
 ”گاؤں والوں کو تو خدا پر شوکت کا متاثر کرنا چاہیے۔ میں نے
 کہا وہ جب تک وہ ایسا نہیں کریں گے انہیں بدعاشوں کی جیسو
 دشتوں کا شکار ہونا ہی پڑے گا۔ آج جو کچھ ریشماں پر بیت رہی ہے
 کل وہ ان کی بویٹوں پر بھی بیت سکتی ہے۔“
 ”اللہ سب کی حالت پر رحم کرے۔ ماسی نے ٹھنڈی ماسنری
 اتنے میں ڈاکٹر دواں پہنچ گیا صوٹ سے تو وہ کوئی کیا ونڈ
 ہی معلوم ہوتا تھا لیکن اس وقت اس کی موجودگی غنیمت محسوس ہو
 رہی تھی۔ اس کے ساتھ گاؤں کے دو دایک آدمی بھی امداد لگے۔
 وہ ریشماں کے ہار تو تھے لیکن شوکت سے اتنے خائف تھے کہ ریشماں

”بہن جی! میں سے ایک نے بڑے جوش و خروش
 سے کہا وہ آپ نے لڑکائی و دھت کر کے اچھا نہیں کیا۔ ابھی
 ساتھی اس کے سہیلی حویلی کی طرف لے گئے ہیں۔ جاگیر دار
 غلب ہے۔ میری مائو تو آج کی رات ہی حویلی چھڑ کر کہیں
 ”کہاں؟“ ریشماں بڑے توجہ انداز میں بولی۔
 ”گھر چلیں۔“
 تجویز پیش کرنے والے کا جہر نہ پڑ گیا۔ وہ
 میں اٹک اٹک کر بولا ”میری... میری کئی زبانی حویلی
 ہے۔ اگر جاگیر دار کے آدمیوں نے دیکھ لیا تو... میری نند
 ہو گئی ہے اور میں اس کی ماں کے لئے بھی پریشان رہا ہوں۔“
 ”اللہ ہماری حالت پر رحم کرے۔ ماسی پھر بول
 بیٹی! اگر حویلی چھڑتی ہی ہے تو پھر میرے ساتھ چلو۔
 گھر کی طرف آکھ اٹھا کہ میں دیکھ سکاں اس گاؤں میں
 تھی جب جاگیر دار کی ماں یاں میں ہوتی تھی وہ ماسی کے
 اعتماد اور خلوص تھا، اسے محسوس کر کے مجھے اس پر بڑا
 ”میں ماسی! ریشماں نے جہر سے کہا ہے سہیلی
 شریک نہیں کرنا چاہیے۔“
 ”اے بیٹی! کمال نہیں جو میرے گھر کی طرف
 میں نے اس کی ماں کی بڑی خدمت کی ہے۔ اب کیا
 ہی سفید ہو گیا ہے؟“
 ”میں بہنیں بڑی۔ ماسی بہت بھولی تھی۔ ہم
 نئی دنیا کے رنگ نہیں دیکھے تھے۔“
 ”سنو ماسی! میں بول پڑی۔ ریشماں قرع
 کتنے دن گزارے گی؟ آج نہیں تو کل، اسے شوکت کا
 ہی بڑے کا پھر ہر مرحلے کو کل پر کیوں ٹالا جائے۔
 کم از کم میں تو اس کے ساتھ ہوں۔ جلد ہی مجھے میاں
 جسا نا ہو گا۔“
 ”مگر تم دوہل کر جاگیر دار کا کیا بازگشتی ہو
 ”اس کا فیصلہ بھی بہت جلد ہو جائے گا
 مت کرنا۔“ میں نے مسکرا کر کہا۔
 اس دوران میں ڈاکٹر خانوشتی سے ریشماں
 کر بیٹی باندھ چکا تھا۔ اپنے کام سے فائدہ ہو کر مجھ
 ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ جاگیر دار صاحب کا غصہ بہت
 اگر آپ آج رات اس حویلی میں قیام نہ کرنا تو بہتر
 میں نے اس کے مشورے پر دھیان دینے لیا
 پوچھا ”تمہارے گھر میں کوئی ہتھیار ہے؟ یعنی بن
 ”تاجی کی رائفل ہے۔“

”ریشماں کی بجائے ڈاکٹر بول پڑا۔ جب وہ
 اس گیا تھا تو اس کے پاس رائفل نہیں تھی۔“
 ”کیسے معلوم؟“ میں نے استعجابیہ نظروں سے
 دیکھا۔
 میں ہی وقت دہاں جاگیر دار صاحب کے پاس ایک غریبی
 ہم پر کسی کرنے گیا ہوا تھا کسی اتحاد نے میں اس پر
 ”کیسے؟“
 ”لگت گئی ہے؟“ میں نے چونک کر پوچھا۔ اور وہ
 ”ہاں ہے۔“
 ”وہ کوئی چھینی ہے؟“ ڈاکٹر نے جواب دیا اور
 میں اس کی ڈریسنگ کر رہا تھا کہ ریشماں کا بھائی
 الہ پنیا۔ میرے سامنے ہی جاگیر دار سے اس کا بھگڑا
 رات آج کے پاس رائفل نہیں تھی میں نے کہہ سکتا
 ”ہاں۔“ وہ کیوں کر جاگیر دار نے مجھے زور دیا نہ تھی
 ”اللہ ہمیں کچھ کہتا رہا لیکن مجھے اس کی ڈر بہت
 اس میں خود ہی تھی۔ میرا جسم نہ سنا لے لگا تھا اور
 یہاں ہی چلنے لکھیں تھیں۔ ڈاکٹر نے ایک جینیٹھ
 اٹک کا ذکر کر کے مجھے ڈاکٹر نوٹنگ کی یاد دلا دی تھی۔
 وہی کٹی ہوئی ٹانگ میری کونجی کے اعلیٰ حصے میں لپیٹ
 اب میں یہ سوچنے پر مجبور تھی کہ جاگیر دار شوکت کی
 لینے والا کہیں ڈاکٹر نوٹنگ ہی تو نہیں ہے؟ یہ
 صرف یہ تھی کہ اس زخمی حالت میں ڈاکٹر نوٹنگ
 ہی تک کا سفر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا اسے
 ساری کراچی میں کوئی ٹھکانہ نہیں ملا تھا؟
 ہر جگہ کی لبرس مختلف پگڈنڈوں پر سفر کرتی تھیں
 ”یاد نہیں کہ ڈاکٹر ملک دہاں سے رخصت ہوا تھا
 لگ بھگ حویلی سے گئے تھے۔ میں اپنی سوج کے صحر
 لوی جب ریشماں نے مجھے مخاطب کر کے کہا،
 ”ہی ہوں کہ آپ کو اپنے ساتھ خطروں میں ڈال کر
 ”میں کا ثبوت دیا تھا۔“
 ”مگر کس قسم نے ایسی بے وقوفی کی بات کی تو میں
 ”دووں کی“ میں نے اسے یہاں بھڑکے انداز میں
 کی ہوئی بولی لپ میں دواں عمارت کا جائزہ
 ”ہوں تاکہ شوکت کے غنڈوں کا متوقع حملہ روکنے
 میں ہی سے سوج کی جائے۔ ہتھیارے بات کی
 ”اے کام اسکتی ہے۔“

کہاؤ چلیے میں آپ کو بوری حویلی دکھائے دیتی ہوں۔“
 ”تمہارے زخم کا کیا حال ہے؟“
 ”ابھی تو کچھ زیادہ تکلیف نہیں ہے۔ تازہ تازہ زخم نہ تھکا
 میں نے سوجا ریشماں کو بندھی لپا کر کسی اچھے ڈاکٹر سے
 اس کے زخم کا علاج کرنا پڑے گا۔
 ریشماں نے مجھے بوری حویلی کا چکر لگوا دیا۔ بڑی مضبوط
 عمارت تھی، دیواروں میں نقب لگا نا آسان نہیں تھا۔ دروازے
 کو توڑنے کے لئے بھی کئی آدمیوں کو جھک کوشش کرنا پڑی۔
 آخر میں ریشماں مجھے جھٹ پر لے گئی اور میں نے ہر دو
 دیواروں پر بڑے بڑے کنکروں کو بڑھائیں نظروں سے دیکھا۔
 ان کنکروں پر بڑی آسانی سے کنڈ ڈال کر دروازہ جھکا جاسکتا تھا
 گو باخظروہ آئندہ کتنا قاتلوں کی طرف سے! میں نے فیصلہ کیا
 کہ رات چھت پر ہی گزارنا چاہیے تاکہ خطرے کی حرکت کو بوری طور
 پر محسوس کیا جاسکے۔
 ”ہم کچھ کی رات چھت پر ہی گزاراں گے۔“ میں نے ریشماں
 سے کہا۔ ہوا میں تھکی تو بے فکر قابل برداشت حد تک، اور دیر
 میں چاند چڑھ جائے گا تو سہاں بہت خوشگوار ہو جائے گا۔“
 موسم واقعی بہت خوشگوار تھا اور ریشماں میرے پاس تھی
 خون بہہ جانے کی وجہ سے اس کے جیسے کارنگ کچھ بگاڑ گیا تھا
 لیکن کچھ بھی وہ کسی آسانی حور کی طرح نظر آتی تھی۔ مجھے رشہ سا
 چھانے لگا اور جسم میں سنسنی آمیز لہریں دوڑنے لگیں لیکن جلد ہی
 میں نے اپنی اس کیفیت پر قابو لیا۔ آج کی رات خوشبوؤں کی فضا
 میں اڑنے کے لئے نہیں تھی میرا خیال تھا کہ آج رات بہت کچھ ہوگا
 میری چٹیں جس مجھے یقین دلائی تھی کہ جاگیر دار شوکت کا وہ زخمی
 جہان ڈاکٹر نوٹنگ ہی ہے۔
 میں اور ریشماں مجھے جاگیر دار وغیرہ اٹھا لائیں۔ ریشماں
 نے اپنے باپ کی رائفل بھی لے لی تھی چھت پر دستگیر ہو کر دونوں
 اپنا کچھ سامان بھی ادرے لے آئے۔ اس سامان میں رات کا کھانا
 بھی تھا جو میں پندی سے چلتے وقت ہوتوں سے لے آئی تھی۔
 ”کہا لکھا کہ ہم نے صراحی کا ہنسا۔“ یانیلا اور بستر پر خیریت
 قریب لپٹ گئے۔ یہ قربت میرے جذبات کو جھنجھٹے ڈلی لیکن
 میں نے خود پر قابو پا لیا۔ اگر ہم دونوں جذبات میں بہہ
 جائیں تو ہمیں ماحول کا ادراک نہ رہتا جب کہ جاگیر دار شوکت
 کے غنڈے کس دقت بھی حملہ آور ہو سکتے تھے۔
 میں خاص طور پر ڈاکٹر نوٹنگ کی طرف سے غافل نہیں ہوتی
 تھی۔ اگر شوکت کا وہ زخمی جہان ڈاکٹر نوٹنگ ہی تھا تو بات یقین

میں نے اپنی سماعت پر عدم توجہی کا پھرہ بٹھال لیا اور اس کمرے سے آنے والی آوازوں کو نظر انداز کرتی ٹھونکی ڈاکٹر فرنگ کے کمرے تک جا پہنچی۔ میں نے اسے دھڑکنے سے دھواڑے پر باتھ روم کو کھڑکے باز ڈالا۔ نہ

اینا قیاس درست ہونے پر میں سر ہلا کر رہ گئی
 "خاکسار کو بھی پکار لیا مجھے،" وہ نثران گنگایا۔
 "تمہیں تو میں اچھی طرح پکاروں گی لیکن پہلے عیا
 "مگر کرنا چاہیے بہت سے سوالات اب میرے ذہن میں گڑ

اہم مولانا نے کیا ارادہ ہے؟
 وقت ایمن ہی مبتلا تھی، فیکر کا مشکل دور تھا تو
 ہاں ایک اتفاق کی نعمت کا فخر تو نگ میری نظر میں یہ ہے
 ات تو نہ انہیں چاہتی تھی باب مجھے سوچا چھریہ یہ
 میں کا فخر تو نگ کے سلسلہ میں کیا رکھوں گی، غوری

”اوساں کی پستکس بھی میں نے ہی لکھی تھیں۔ اوساں نے میری مدد کی۔“
 ”ظاہر ہے کہ تم ایسا کئے بغیر نشان کو جاگنے والی جوتی تک نہیں
 لے جا سکتے تھے۔ میں نے کہا اودھر رزق کو بھیجے کہیں سے ہوتی ہوئی جیب
 کی دفتار نہ لایے کہ کرو؟“

”کیوں؟“ خیریت؟ کیا کوئی ہمارے پیچھے لگ گیا ہے؟“
 ”ابھی تو نہیں لگا مگر اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔“
 میں نے کالج پولیڈ ریڈ میں تھیں تو یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ تم ایک
 خطرے سے بال بال بچی ہو۔“
 ”وہ کیسے بانو؟“

”تم تو اس وقت بائیر مارکیٹ کی طرف نکل آئی تھیں اور وہاں
 تمہاری چوٹی کی دیواروں سے ٹکرا کر مارا ہو گا۔“ میں نے بتایا۔ وہ کچھ
 دیر بیٹھ اپنے غمزدگی کوئے کراہی کوئی سے روانہ ہوا تھا۔
 ”اوہ ہوا؟“ رضوان بولا۔ ”پھر تو وہ اس وقت غمزدار ہو گا۔“
 ”اگں وقت اور طلسمے کا جب واپس اپنی چوٹی پہنچ کر اسے چر
 پلے گا کہ اس کے دونوں تیری غائب ہو چکے ہیں۔“
 ”اس وقت تو وہ اپنی بولیاں نوچے گا بانو!۔“ دیشیاں چکی۔
 ”مجھے صرف اس بات کی غرض ہے کہ تمہیں تمہارا بھائی مل گیا۔“
 ”آپ کا یہ اسان تو میں زندگی میں نہیں جھوٹوں گی۔“
 ”اب تمہیں تو میرا صاحب بھی مل گئے ہیں۔ ان کی شہادت کے زور
 پر جا کر دار شوکت سے تافانی جنگ لڑ سکتی ہو۔“
 ”تافانی جنگ لڑنے کے لئے پیسے کی ضرورت پڑتی ہے بانو۔“
 دیشیاں نے اس فوجی سے کہا۔

”تو فکر نہ کر بچی!۔“ خواجہ لڑا۔ ”تیرا چاچا زندہ ہے، میں تجھے
 تیرا حق دلا کر دوں گا۔ جاگیر دار کی ایسی کیسی۔“
 ”مجھے سبھی اس مسئلے میں جو کچھ ہو سکے گا، وہ ضرور کروں گی۔“
 میں نے دیشیاں کی وحول بندھائی۔
 ”ابانک فوجوں نے سبھی زبان میں خواجہ کو مخاطب کر کے پوچھا
 ”آپ کیا کاروبار کرتے ہیں؟“
 ”وہاں! میں یہ زبان نہیں سمجھ سکتا۔ شاید تم سبھی بول رہے ہو؟“
 ”جی ہاں! میں یہ کہہ رہا تھا کہ بانو کے ساتھ ساتھ آپ کو میرا بھی
 تعاون حاصل رہے گا۔“
 ”شکر ہے! شاکر ہے!“

میں سمجھتی تھی کہ اب رضوان سبھی زبان میں مجھ سے مخاطب ہو گا۔
 اس نے خواجہ سے اس زبان میں مخاطب ہو کر داخل ہو جانے کی کوشش
 کی تھی کہ وہ سبھی جاننے سے باتیں۔۔۔ دیشیاں کے بارے میں اس
 بات کی تصدیق دے پہلے ہی کہ جاکر دار شوکت کی
 حویلی کے راستے میں وہ دیشیاں کو سندھی میں مخاطب کر بیٹھا ہو بھی
 کہیں وہ موقع مل دیکھتے ہیں سندھی پنجابی یا بلوچی زبان میں گفتگو کرنے کا
 عادی تھا۔ اپنے دوستوں کو بھی وہ دوسرے صوبوں کی زبانیں سمجھنے کی تعلیم
 کیا کرتا تھا اس ضمن میں اس کی بات دل کو گتی تھی کہ یہ جو مسلمان قوم
 افکار و موالاتی معصیت کی ہوا کر دھیا کیا جاسکتا ہے
 میرا خیال درست ثابت ہوا اور رضوان نے سندھی میں مجھ سے

کہا۔ ”بانو! آپ کو قدم قدم پر نئی نئی لوگیاں آئیں
 ”شکر خورے کو شکر والی بات تو مہ نے ہی۔“
 کر سندھی ہی میں بول رہا تھا۔ لیکن اس موضوع پر نہ
 تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارا بھوت کیسے ”ترکیا۔“
 ”کیا مطلب؟ کیسا بھوت؟“

”جب میں کراچی سے چلی تھی تو قہار سے ذہن پر
 سوار تھا کہ میں اس گھروں کے ایک گروہ سے ملتی ہوں۔“
 ”آ۔۔۔ ہاں۔۔۔“ رضوان نے جھجکا۔ ”میں نے
 بہت سوچا تھا اور مجھے اپنے وہ خیالات کچھ اعتقاد سے
 ”میں کو تو جی بھری شکل آتے ہوئے میں نے
 ”آپ میری بات ٹال رہی ہیں۔ میں بہرے پوچھ رہا
 معصوم لڑکی کیسے چٹاں گی؟“
 ”خیر بہت ہی معصوم بھی نہیں ہے، جتنی نظر آ رہی
 تک کر لیتی ہے۔“
 ”تو کون کہاں ہوا تھا؟“
 ”میں نے غرض طور پر اسے دیشیاں کے بارے میں
 ”خوب!۔“ رضوان نے طویل سانس لے کر کہا۔ ”مگر
 ماتم کی طانی ہو رہی ہیں!۔“
 ”کیا مطلب؟“

”چلی تھیں پریسٹنٹ سے ملنے لیکن پتہ چلا
 شمال ٹیک بڑی چوٹے پڑے چار ساروں کے ساتھ
 ”پریسٹنٹ سے بھی مل چکی ہوں۔“
 ”کیسی ہی ملاقات؟“

میں نے اس ملاقات کا حال بھی سنایا۔ اس
 آئے نہیں بڑھ کی کوئی چیز پتہ نہ چلے تھے۔ رضوان
 ہاسٹل کے سامنے دوکے کی بوتلوں کو دیکھ کر داخل کرنا
 دھڑلے سے دوڑا۔ کوئی دیکھ گیا میں یہاں نہیں
 مشکل سے بھی دو چار سو یا پندرہ دین کے جسم پر
 بالکل صاف تھے لہذا ان کا منہ نہ کرتے ہی ڈاکٹر نے
 اور میں منٹ میں ایک پولیس جیب دواں بیچ گئی۔ ایک
 ایک ایس آئی اور دو ڈاکٹر تھے۔ انہوں نے اسے
 فٹھے ہمارے لئے لئے۔ وہ دم دین کی اس جسمانی ما
 جانا چاہتے تھے۔ میں انہیں میں پڑ گئی۔ سب بتائے گا
 جاگیر دار شوکت کا نام سامنے آ جاتا۔ پولیس فوراً جاگیر دار کا
 جاگیر دار ان حالات سے واقف ہوتے ہی اپنے انٹرو و
 کر دیا اس طرح آئے اپنے لئے ایک سالانہ رفاہی
 مل جاتی جگہ دھڑلے اور دیشیاں کا کھیل کر جانا سان سب
 نظر دھڑلے نے یہ فیصلہ کیا کہ پہلے کسی اچھے وکیل ت

میں کے مشوروں کی روشنی میں بیانات دیئے جائیں۔
 لہذا اس طرح وکیل کو بھی آئندہ کیس لڑنے میں
 وہ ابھی سے ایسا مامل تیار کر لیتا جس سے مستقبل میں

میں نے سب ان پکڑے کی کہ میں اپنے وکیل سے دور
 میں اس لئے وہ بڑی طرح ہٹا گیا۔ نہ جانے کیوں
 اور کے شری حقوق یا تافانی حق کو یہ رفاہ و رعیت
 اتنے ہی اور اس کے نتیجے میں بات جتنی جلی جاتی
 امانت کو اپنی آنا مسئلہ بنانے اور اپنے اعتقاد
 ”وہ کو گروہ بننے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے
 میں آپس کو عام لوگوں کا تعاون حاصل نہیں ہوتا اور
 ”مگر میرا جی تو ہے کہ میں اس سے وہ تمام تعاون کے
 ”مگر مسئلہ یہ ہے کہ وہ جاتی ہیں۔“
 ”پھر بھی!۔“ میں نے بد کہنے کی دھمکیوں پر اتر آیا اور
 لا کر پڑا کہ میں اس کے شانے پر بیٹھ کر آئے والے پورے
 کے امانات اور حق کو کسکتی ہوں۔ میرے اس تمکیر
 ”خدا پر ایمان ہے کہ اسے مافی کی کوئی ترخہ ہو
 ”لو! یہ لفظ اٹھا ہوا غریبا۔“

”مجھے کیا؟“
 ”اگر ہوں کہ سارے آٹھ بے سے پہلے کسی وکیل کا دفتر
 کو نہتے اہیاناں سے کہا۔ لہذا آپ فوجی حکم غلام
 ”میں بھی کہن ہے کہ میں اس شخص کو طبعی تعاون نہ پہنچے

”اے!۔“ میں نے لاپرواہی سے کہا۔ ”ظاہر ہے کہ اس
 ”مگر بہتر فیصلہ کر کے ہیں۔ ایک عام آدمی کی زندگی
 ”لو! میں اس کو مل رہی ہے۔“
 ”اے! میں ایسی جین تھی کہ پولیس انسپکٹر کا چہرہ فٹھے
 ”مجھے تو بے ی کھڑا تھا اور اس گفتگو سے قطعی تعلق
 ”اے! رضوان! دیشیاں اور اس کے چہرے پر تشویش
 ”مجھے۔“ دیشیاں کو پوچھ گچھ نہ ہوئی تھی۔ یہ کہنا
 ”اے! میں اس کو گورنر نہ ہوتے ہوئے بھی پولیس
 ”اے!۔“
 ”سب انسپکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی کہ
 ”اے!۔“ انہیں؟
 ”اے!۔“ سب انسپکٹر کی غزٹ میں جڑی
 ”اے!۔“ سب انسپکٹر کی غزٹ میں جڑی

میرے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ بچھ گئی۔
 ”لیکن!۔“ سب انسپکٹر نے مجھے گھرا۔ ”آپ لوگ یہاں سے
 ”کیوں نہیں جاتیں گے؟“
 ”کوئی حرج نہیں۔“ وکیل کو فون کر کے بھی لایا جاسکتا ہے۔ اس
 تعاون کا سبب بہت شکریہ افسوس! میرے لئے کا نوکریاں اور رضا
 ”میں ایک ایسے کرنے تک خود کو دیا گیا جہاں سلیفٹن کو دور
 تھلہ دونوں کا لٹیل دروازے پر لینت کر دینے گئے تھے۔
 ”آپ!۔“ ان لوگوں سے کوئی لکھ رہی ہیں بانو!۔ ”نہالی میسر کرتے
 ہی دیشیاں گھر لے ہوئے ہیں میں مجھے سے بولی۔ میں نے کئے
 ”نہ جاتیں۔“
 ”نہ ناکل نہ گھراؤ!۔“ میں نے اس کی بیٹھ چکی۔ ”بجاء ڈاکٹر ڈالا
 جائے تو ان لوگوں سے!۔“ اچھا ہمارا حق ہے۔ ہمارے اس حق کا اچھا
 زیادہ عرصے تک نہیں کیا جاسکتا۔ اگر حکومت اس کا سبب دیکھا
 تو اسے اس کے عین نتائج بھگتنا پڑیں گے، بلکہ میں محسوس کر رہی ہوں
 کہ اب ان نتائج کا وقت قریب ہی آ گیا ہے۔“
 ”وقت نے ثابت کر دیا کہ میرے اندھے غلط نہیں تھے۔ وہ
 حکومت کی ایک انقلاب کے دھارے پر جس دشمنی کی طرح میر
 ”مجھے بھی اتنی ایک سیاسی طرز ہوا تھا جس سے لوگوں نے بڑی خوشحوت
 ”تو حیات وابستہ کر لی تھیں۔“
 ”میں اور رضوان سندھی میں گفتگو کرنے لگے۔ رضوان نے کہا
 ”پولیس کے ان جھیلوں سے نجات تو بڑی آسانی سے حاصل ہو سکتی
 ہے لیکن جڑی بیکار کی بات ہوگی اگر کوئی چھوٹی چھوٹی مشکلات
 کے لئے مدد و محنت سے رابطہ قائم کر دو۔“
 ”خیر!۔“ میں نے کہا۔ ”اسی چھوٹی چھوٹی باتوں کے لئے تو
 میں وزیر داخلے سے رابطہ قائم کرنا پسند نہیں کروں گی۔ حقیقت تو یہ
 ہے کہ میں اس وقت تک کسی کا سامنا نہیں کرتی جب تک غلطی بے بسی
 کا شکار نہ ہو جاؤں۔“
 ”اپنی شخصیت کا دفاعی طرح بحال رہ سکتا ہے۔“ رضوان
 نے سر ہلکا کر کہا اور غریب سلگنے لگا۔
 ”اب صبح کا ہند لکھ چھینے لگا تھا اور میں قریب ہی سے
 چڑیوں کی جیکار سنائی دینے لگی تھی۔
 ”میں ڈاکٹر فنگ کے بارے میں ہونے لگی۔ یہ سوال میرے
 لئے بڑا اہم تھا کہ وہ پلاک خانہ اور شفا خانہ میں اس حالات کا
 تجربہ کر کے کن نتائج تک پہنچے گا؟۔۔۔۔۔ میں یہ شبہہ کر سکتی تھی کہ
 اسے میرے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو گا۔ ”مگر معلوم ہو جاتا تو وہ
 مجھے ہمیشہ کے لئے اپنا رہے۔“ میں نے اسے کوشش شروع کرنا
 کی بے حاشی اس کی بے خبری کی دلیل تھی لیکن اب جو ہمارے میری ذات
 سے بڑھا ہو چکا تھا اس کے بعد ڈاکٹر فنگ کو سب کچھ معلوم ہو جاتا

حتیٰ کہ میرا نام نہ کر دے سنا ہے میں آجاتا جو کچھ ہو چکا تھا اس سے وہ بھی متوجہ نہ ہوا کہ میں اتفاقاً ہی دریشیاں اور جاگیردار کے قصبے سے مرث ہو گئی ہوں اور یہ کچھ اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم..... اگر معلوم ہوتا تو میں اسے اس طرح نظر انداز کرنے والوں سے منکر جاتی۔ یہ سوچ کر مجھے اطمینان ہو گیا کہ وہ میری طرف سے مطمئن ہو گا۔ میری بے خبری کا اندازہ ہو جانے کے بعد اس سے جاگیردار کی حویلی سے فراہم ہونے کا کوئی حوالہ نظر نہ آنا اور میری بے حق میں ہر تشریح موجودہ اطمینان سے نکل جانے کے بعد میں پھر اس تک پہنچ سکتی تھی۔ سوچ بچار اور درحضر ہر کی باتوں میں آٹھ دن گئے کہ انہوں سے کہہ کر باپ شل کی ٹینکوں سے ناشتہ منگوایا گیا۔ ناشتے کے بعد میں ٹیلیفون پر ان کی طرف سے ایک کسکول کا نمبر دھونڈنے لگی۔ خواجہ نے اندازہ کر لیا کہ مجھے کسی چیز کی تلاش ہے۔

"کیا تم کو کسی وکیل کی تلاش ہے؟"

"ہاں۔"

"اس کی ضرورت نہیں، بیٹی! میں ایک بہت اچھے وکیل سے واقف ہوں۔ وہ میرے دو ایک مقدمے لڑ چکا ہے۔"

"تو پھر آپ اس سے رابطہ قائم کر لیجئے۔ سامنے آٹھ سو گئے ہیں۔ عمو وکیل اس وقت تک دفتر پہنچ جاتے ہیں۔"

خواجہ سر ہار کر ٹیلیفون کے سر پر آگیا اور در سبب راتھا کر فونل کرنے لگا۔ وکیل سے اس کا گفتگو دین منٹ تک ہوئی اور پھر اس نے سلسلہ منقطع کر کے مجھے بتایا کہ وکیل بدھ میں منٹ میں یہاں پہنچ جاتے گا۔

تو مجھے میں پانچ منٹ دے گئے تھے جب وکیل وہاں پہنچا۔ اس نے بڑے خوشہ سارے دوامات مننے اور کچھ دیر تک سوچنے کے بعد بولا کہ آپ لوگ تھان کو جیل کا توں بیان کر دیں۔ اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے۔

"پلیس! آئی ہم کچھ دین سے بچائیں دے۔" خواجہ نے غور سے غما کر کہا۔

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔"

"جاگیردار کے وسائل بہت ہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں! میں سب دیکھ لوں گا۔"

مجھے وکیل کا طریقہ کار کچھ عجیب لگا تھا۔ میں قانونی معاملات میں دخل اندازی نہیں کرنا چاہتی تھی اس لئے خاموش رہی۔

سب ان پکڑنے میں لوگوں کو باری باری ایک کر کے میں ہار کر بیانات تبدیل کر کے۔ میں نے اس دوران میں ٹیلیفون پر اس کی ہڈی سے رابطہ قائم کیا جہاں قیام کر رہی تھی۔ اتفاق سے برابر برابر دو خالی کمرے بچے تھے۔

"نہیں کہہ کر اے۔"

بیانات کے بعد سب ان پکڑنے کے بعد اس کی لال آپ لوگ

راولپنڈی نہیں چھوڑ سکتے اور میں ضرور معلوم ہو گا۔ لوگوں کا قیام کہاں ہو گا؟

میں نے اس ہڈی کا نام بتا دیا جہاں کمرے آ

"میں تو اپنے گھر جاؤں گا بیٹی! خواجہ بولا۔ جب میں ہڈی میں یہ کہیں غصوں۔"

"اپنے گھر پر آپ کسی خوشے سے میری دو چارہ جاگیر دار شوکت پچھائیں۔"

"اب میری حفاظت کی ذمہ داری پلیس! خواجہ نے کہا۔"

میں نے کچھ دیر سے سب ان پکڑ کی طرف ہم جاتے ہیں کہ میں کس وقت کی کارنا چاہتا ہے۔"

خواجہ نے کچھ دیر دیا۔

اس جگہ سے بہت کرم وگ ڈاکٹر کی طرف اس سے دم دین کے بارے میں پوچھا۔

"ان کا قیام طور پر رٹ منٹ دیا جا رہا ہے۔"

کرہی۔ تو ان کے جواب دیا۔ "ان کی حالت زیادہ لگ بھگ وہاں قابل ہو جائیں گے گمشدہ کرسٹس۔"

"ڈاکٹر جی! وہ ریشیاں ہوتی ہیں اور ان میں دنیا میں اس کے سوا کوئی نہیں ہے۔"

"بالکل مت غمخوار نہ بنو! یہ وہ جھجک ہو جائیں۔"

"میں اس کے پاس چلی جاؤں؟" ریشیاں نے

"آج نہ ملو تو میرے۔ تم ان سے کوئی گفتگو نہ کرو۔"

"لیکن... ریشیاں نے پہلو بدلا اور اپنی بات ایک بجائی کے لئے میں کا پیاز روپ رہا تھا۔"

کہا کہ وہ ریشیاں کو صرف ایک منٹ کے لئے دم دینا بلانے کی اجازت دے۔ ڈاکٹر نے اجازت دے خواجہ کے ساتھ دم دین کو دیکھنے چلی گئی۔

رضوان بولا۔ "میں آخر تک یہاں رہنا"

"ریشیاں آجائے تو بیٹھیں۔"

"میری ملاز باپ شل سے نہیں راولپنڈی۔"

"راولپنڈی سے لکھا تو ابھی بہت مشکل ہے۔"

جھگڑا نہ کھڑا ہو گیا ہونا تو بھی میں ابھی راولپنڈی فنی سا خرقہ میں ہوا کیا تھا کہ کو کاجی سے جہاں تک

"ہائے۔" رضوان نے بڑی دلور آواز بھرا

نہیں بلکہ سیدھا سہا قاتلانہ گستاخا ہے۔ کاش!

کسی کے دل پر فضا معلوم کیے کیا اثرات ترتیب ہوتے

"کسی دن میں تمہارے سر سے شمشیر کا ہارام

گی۔ میں نے منہ نہ کر سکا۔

میں شش کے محکمات میں کرائے اور چوڑے سے کیاری کرنا

زبات ہے۔ رضوان نے بڑی ہنسنے خیز تجوید کے

وزن ہاتوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں کیونکہ اس سے ایفونی

آہستہ

"میں اس کے منہ سے ایسی باتیں سن کر خود کٹی کر لینے کوئی

میں چوکی طرح! بس باتیں ہی بناتے رہتے ہو۔"

کہاں لیکن میں پر حلا ہوں وہ بڑا مسک محبوب ہے۔"

اور اس کے برتن کوئی مضامین ہی نہیں کہنا۔"

میں کوئی نکتہ جملہ کرنے والی تھی کہ ریشیاں اور خواجہ دہلیس آتے

کہہ کر مجھے خوشی ہوئی کہ ریشیاں نے اپنے ذہن کی ڈرنگ

اس ہنگامے میں مجھے تو اس کا خیال ہی نہیں رہا تھا۔

گرم نے اپنے ساتھ جب میں چلا دیا۔ میں نے اس سے

کہ اس کے گھر پر چھوڑتے ہوئے نکل جائیں گے۔"

اسی ہمارے ہڈی ہی چلوں گا بیٹی! خواجہ نے کہا۔

آئیں کرنا ہیں۔"

آئیں خواجہ صاحب! میں نے حیرت سے اس کی

ایم پل کرتاؤں گا۔"

"انہار بڑا پڑا مسرانا تھا میں! الجھن میں پڑ گئی جڑوں

ماتل ہار کر دھڑکی کے باہر دیکھنے لگا تھا اور ریشیاں خواجہ

نہیں تھی۔"

کی کرہیں نے کاؤنٹر سے کر لک کر چابیاں لیں اور پھر ہم

لوہ! میں نے رضوان سے کہا میں اور ریشیاں دوسرے

گے۔"

"رضوان سندھی زبان میں زیر لب بڑبڑایا۔"

لہاں کی بڑبڑاہٹ کو دور خور اٹھنا جانے کی ضرورت

اور کہتے کہ ہم قتل کھولنے لگی۔ رضوان بھی ہمارے

میں اہل ہو گیا۔ اس کے دل میں یہ کہید ہو گئی تھی کہ

آہم کھانا چاہتا ہے۔"

کہا کہ ہم ہماروں جگہ گئے تو میں نے استفسار یہ تھوڑے سے

لہا۔"

وامہ نے بچپکارتے ہوئے کہا یہ کیا نام میرے ساتھ نیچے

"ہاں!"

"مچلے! میں ایک لمبی سانس کے کوشش ہو گئی۔ یہ بھینسا شل

نہیں رہا تھا کہ خواجہ مجھ سے تنہا میں کھانا چاہتا ہے۔ میں نے رضوان

سے کہا۔ تم ریشیاں کے ساتھ میں کو! میں ابھی آئی ہوں۔"

رضوان نے منہ نہ کر سکا دیا اور میں خواجہ کے ساتھ کمرے سے

نکل آئی۔

"آپ مجھے تنہا میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں نا؟ میں نے چند

قدم چل کر پوچھا۔"

"ہاں۔"

"تو اس کے لئے نیچے جانا کیا ضروری ہے؟"

"ہاں! ضروری نہیں ہے۔ ریشیاں یہاں تنہا ہی بیٹھا ہے۔"

"بس تو چھوڑو! میں کمرے میں بیٹھ جاتا ہوں۔ میں نے برابر دے

کمرے کے دروازے پر کھٹکے ہوئے کہا میں اس کی چابی ابھی رضوان

کو نہیں دی تھی۔"

اس کمرے میں داخل ہونے کے بعد میں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

"اب ہم اطمینان سے گفتگو کر سکتے ہیں! میں نے خواجہ سے کہا۔"

"ہاں! خواجہ نے سر ہلایا۔"

ہم دونوں آسنے سامنے بیٹھ گئے تھے۔

"بیٹی! خواجہ نے مجھے سے نظریں ملائے بغیر کہا میں غمخوار ہونا

آدی لیکن میں نے غصوں سے کہہ دی وہ نیک کے نقائص کو لڑ کر ہزاروں

مجھے بڑبڑاہٹ سے تمہارے بغیر غرض قاتلانہ اور خلوص کو دیکھنے

کے بعد میں تم پر متاثر بھی کر سکتا ہوں۔ مجھے تم سے ایک شونہ درکار

ہے میں نے پولیس سے ایک بات چپائی تھی اور اب تم ہی مجھے بتاؤ

گی کرہیں نے غلط تو نہیں کیا؟"

"وہ کیا بات ہے؟ میں نے بے چینی سے پوچھا۔"

"کل میں نے رات کے ابتدائی تھے میں جاگیر دار شوکت کے

آدمیوں کے کچھ گفتگو سنیں تھی جس سے مجھے پتہ چلا تھا کہ وہ لوگ کن کسی

لڑکی کو اغوا کرنے والے ہیں۔ لڑکی ایک کالج میں سکھاتی ہے کہ طلبہ

سے ساری ٹینگ کے ایک خوبصورت جوانوں نے اس لڑکی کو اپنے عشق

کے حال میں بھینسا ہے اور آج اسی خواجہ کے ذریعے سے اس لڑکی کو

اغوا کر لیا جائے گا۔"

"وہ کس کالج میں پڑھتی ہے؟ میں نے بدلہ کی سے پوچھا۔"

خواجہ نے کالج کا نام بتایا جو میں میان مصلحت نہیں کھادی ہوں۔

"اسے کالج سے چینی کے وقت اغوا کیا جائے گا۔ خواجہ نے بتایا۔"

میں نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ دس گاہوں کی بجوئی ہوئے میں ابھی

خاصی دیر تھی۔

"یہ بات آپ نے پولیس کے سامنے کیوں نہیں بتائی؟" میں نے

”کوئی خاص پیکر؟“
”بہت لمبا پیکر۔“
”کس میں ہم دونوں آئے ساتھ ساتھ گئے تو میں نے اسے تفصیل سے دیکھ کر غصہ کر لیا۔ یہاں شروع کیا۔ واقعات کا ابتدائی حصہ ایسا تھا کہ رضوان کے چہرے سے اتنا ہی دلچسپی کا اظہار نہیں لگا۔“

”اگر تمہارے پاس کوئی بات ہوگی۔“
 ”تمہارا کیا پروگرام ہے؟“
 ”میں یہیں پنڈی میں ہوں۔ اگر تمہیں کوئی خاص
 واپس آکر مجھے بتانا۔“
 ”ٹھیک ہے۔“ رضوان کھڑا ہو گیا۔

۱۔ کیا اے ایمان میں نے اس سے کہلا کر میں تمہیں بتائی ہوں کہ فرشتوں کی بات کی ہے۔
 اس کا جواب ہے۔ جب غصنی بچے کو اسے اٹھا لینے کے لیے اسے اس کا دوسرا حصہ کھانے کا دیا جاتا ہے کہ اس کا دوسرا حصہ کھانے کا دیا جاتا ہے۔

میں نے انہیں جینس ڈائریکٹر سے تھما لیے۔ ہاں، میں پوچھا۔
 ”تو میں سمجھتی تھی کہ میں اسی سے ٹول کا نام معلوم کر رہا ہوں گا۔“
 ”نہیں، ٹیک واپس آ رہی ہو؟“
 ”فوری طور پر تو ممکن نہیں۔ مگر دو تین روز تک جاؤں گے۔ میں۔
 آج ہی کسی وقت کا ٹکڑا سٹی کو کال کرنے والی تھی۔ تب اسے پہلی نظر آئی۔“

176

بات صاف ہو گئی کہ نادرہ کا بیٹا گھر تھا۔
 تو کیا تاجر کی اطلاع غلط تھی؟ میں نے سوچا، یا میں ہی کسی اور لڑکی کے جیسے گم ہوئی تھی؟
 ذہن میں خیال یہ بھی ابھرتا تھا کہ شاید جاگیردار شوکت نے وہ دن اور جو گھر کے بھگتے کی دھڑ سے نادرہ کے شوکارا پر غلام ایک آدھ روز کے لئے ملتی کر دیا ہو۔
 کچھ سوچ کر میں نے گاڑی کو بند کر ڈالا اور دروازہ بند کر کے اتر آئی۔ چٹانک میں داخل ہو کر کسی جھجکے کے بغیر پورے گیول کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ آئیے مجھے دیکھا تو درادیر کے لئے بچوں کی طرف سے غافل ہو گئی۔

”مجھے نادرہ سے ملنے ہے۔“ میں نے اس کے قریب پہنچ کر کہہ دیا۔
 ”نادرہ بی بی! ابھی ابھی آپ کا گھر سے آیا ہے۔“
 ”انہیں اطلاع دے دو کہ کوئی ان سے ملنے آیا ہے۔“

”آپ کا نام؟“
 ”نام میں انہی کو بتاؤں گی۔“ میں نے مسکرا کر کہا۔
 آیا کو میرا جواب مجھے عجیب تو لگا ہو گیا لیکن وہ کچھ بولی نہیں۔ اس نے چھوٹے چٹے کاپی کو دیں اٹھایا اور دوسرے کی منگی پکڑ کر دروازے کی طرف لئے چلی گئی۔ میں پوچھ کر چل دی کہ میں میری گھر کے سامنے ڈرامیو لکھا ہوا تو ایسے سے اپنے کان صاف کر رہا تھا۔ کوئی دو منٹ بعد دروازہ کھلا اور نادرہ کی شکل نظر آئی۔ اس نے ابھی لباس تبدیل نہیں کیا تھا۔ وہ دروازے سے نکلتے ہی، چٹانک کے نیچے دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ مجھے پہچان نہیں سکی ہے۔ ریٹینوٹ میں اس کی نظریں مجھ پر پڑیں تو ضرور میں گی لیکن وہ اس وقت اپنے ”محبوب“ میں کچھ اس طرح گم تھی کہ اسے اور گرد کے باحوال کا کچھ ہوش ہی نہ ہو گا۔

اس وقت وہ مجھے کچھ اور ابھی نہ غائب اس کا سبب یہ تھا کہ اب میرے ذہن میں کوئی اکھن، کوئی پریشانی نہیں تھی۔ میں نے دیکھ کر اس طرح مسکرائی جیسے اجنبیت کا کوئی پردہ رخ میں حاصل نہ ہو میں نے اس کی طرف قدم بڑھایا تو وہ بھی ہچکچاتی ہوئی آگے بڑھی۔ جب میں نے ہانپنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو اس نے بھی ہاتھ بڑھا دیا اور اس کو لڑکاس پڑنے ہی میرے جسم میں سنسناہٹ پھیل گئی۔ میرا ایک ایک نفس اس کے جبر کر کے مارنے لگا۔

”نادرہ! تم بہت پیاری ہو۔“ میں نے بڑی دیرپائی سے لیکن آہستہ سے کہا۔
 ”کیا مطلب!۔۔۔۔۔ آپ مجھ سے کس سلسلے میں ملنا چاہتی ہیں؟“
 وہ مجھے ابھی ہرئی نظروں سے دیکھنے لگی۔
 ”میں تمہیں دنیاوی نشیب و فراز سے آگاہ کرنا چاہتی ہوں۔ یہ

مروڑے کھڑے رہتے ہیں۔ بکلیوں کو چیم کلاس طرح از اور ہی گلستان میں نظر آتے ہیں۔“
 ”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھتی۔“ نادرہ کے ”میں اس کو جان کا ذکر کر رہی ہوں جس کے ساتھ وقت گزارا ہے۔“
 ”اس معاملے سے آپ کا کیا تعلق؟“ وہ تیز ہو کر کہنے لگی۔
 ”میں نے اس معاملے میں دخل اندازی کا کوئی حق نہیں۔“
 ”رہائیوں پر اپنے حق کو کس سلم سمجھتی ہوں؟“
 ”آپ یہاں سے جاسکتی ہیں؟“ نادرہ کے بچہ پھیل گئی۔

”میں جانتی تھی کہ تم اس موضوع پر تنقید میں نے نہ کرنا کرنا۔“ لیکن..... خبر!..... تم اس نہیں کرنا چاہتے تو میں تمہاری حق سے ملے لی! دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔

”ٹھ..... بھڑپڑے!“ اس نے جلدی سے اور میں نے سر کھٹک کر اشاریہ کی نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر غصے کی جو شری بھلا ہوئی تھی، اس کا اب نام دلش ”کہو!“ میرے لیے جس چیز کا تھی۔
 ”آپ کو چاہی کیا ہیں؟“ نادرہ کے چہرے میں ”بس۔“ چاہتی ہوں کہ تم اس کو جانو اس سے ملنا۔
 ”کیا پر دینا آپ کا کوئی عزیز ہے؟“
 ”مجھے عزیز تو صرف تم ہی ہو سکتی ہو۔“ میں نے پیراس پر بھجا کر دیا۔

”آپ.....“ وہ اپنی بات پوری نہ کر سکی۔
 ہونٹ ہاتھوں میں دبا لیا۔ اس کے چہرے سے گدہ ترشح تھی اور آنکھوں میں ابھرن تھی۔
 ”پرویز کو! بھلا لگا نہیں ہے۔“ میں نے اچھا ہے۔ اس کا خاندان؟“
 ”یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں؟“ نادرہ بولی ”اُسے میں ایک اہم عہدے پر مقرر نہیں۔“
 ”شرافت کی کسوٹی پر عہدے نہیں ہوتے؟“
 ”آپ..... آپ آخر..... کون ہیں؟“

”ایسے معاملات میں تو خود ہی فوجداری کا کارڈ میں نے مقرر کر دیا۔“ اُن کی دقت میری نظر کھٹکتے ہوئے وہ اور میں نے ایک غیر عورت کو باہر نکلتے دیکھا۔ شکل پیش نظر میں اسے نادرہ کی مثال ہی کچھ تھی۔
 ”میں لیکن جلدی سے کہا کہ میں اب جلتی ہوں کیونکہ

اس کے سامنے پرویز کی گفتگو نہیں کرنا چاہتی اس لئے وقت ملوں گی۔ وہ میرے بارے میں پوچھیں تو کوئی ہمارا حفاظت۔“
 ”اگر میری دلی عورت سے اس طرح نظر میں چرائی جاتی ہے تو اور نادرہ سے ہاتھ ملنا کچھ مشکل کی طرف بڑھتی ہے۔“
 ”نادرہ کی جس نظر سے اسے اطاعت کا جائزہ دے کر میری سچی اور دوا دہا کوئی کر ڈا مینگ سید پر

میں ابھی اس کی تھی کہ اس سے یہ سرسری ہی ملاقات بھی مجھے اہم تھا کہ اس سے ”دراہ راست“ بر لائے میں کامیاب ہو جاؤں۔
 ”مجھے لگتی تھی کہ زیادہ قوی اس کا اب مجھے کسی نظر والے کی شکل ہوئی تھی۔“
 ”مجھ کو خارجہ کے کسی کم عہدہ پر فکرت جیسے چارم پیشہ لوگوں کا آواز نہیں بن سکتا تھا۔“
 ”تو ابھی تو تین بجے والے تھے۔“ میں تیزی سے کہنے لگی۔
 ”دوسری منزل پر تھے۔“ جب میں نے پہلی منزل کے نو دوسری منزل سے پہنچے آنا ہوا ایک آدمی مجھ سے

”وہ ہر تیزی سے آگے بڑھا لیکن ایک دم اس طرح اٹھا ہوا۔“ آپ مجھ کو بتائیں؟“ اس نے پوچھا۔
 ”میں نے اسے اس طرح سے حیران رہ گئی۔“
 ”نادرہ کی بات ہے؟“
 ”اگر آپ کی طرف سے آئی ہیں یا دینا میں نے؟“

”میں نے کچھ دیر پہلے جواب دیا۔“
 ”اگر آپ دینا چاہتے ہیں تو اس کی طرف سے آئیں تو آپ کو اہل کمیشن ملے گا۔“ ایک صاحب کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔
 ”اگر آپ کی طرف سے آئیں تو آپ کو اہل کمیشن ملے گا۔“ ایک صاحب کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔

”اگر آپ کی طرف سے آئیں تو آپ کو اہل کمیشن ملے گا۔“ ایک صاحب کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔
 ”اگر آپ کی طرف سے آئیں تو آپ کو اہل کمیشن ملے گا۔“ ایک صاحب کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔
 ”اگر آپ کی طرف سے آئیں تو آپ کو اہل کمیشن ملے گا۔“ ایک صاحب کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔

سوا کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ غالباً دشمن ہی نے اسے ہلاک کرنے کی کوشش کی ہوگی لیکن بات صرف ناگوار ہی سمجھتی تھی۔ میرے ذہن میں ایک خیال یہ بھی چلا رہا تھا کہ دشمن نے اس کے بارے میں کوئی اہم ترین بات معلوم کر لی تھی اور مجھے جلد از جلد اس سے باخبر کر دینا چاہتا تھا۔
 ”میں اہل کمیشن میں اس کو پہنچنے کی جس کا ذکر کر رہی تھی۔“
 ”میں اہل کمیشن میں اس کو پہنچنے کی جس کا ذکر کر رہی تھی۔“

”کیا ابھی یہاں کوئی ایکسیڈنٹ ہوا تھا؟“ میں ایک دوکاندار سے پوچھ رہی تھی۔
 ”یہاں تو ہمیشہ سے کوئی ایکسیڈنٹ نہیں ہوا۔“ دوکاندار نے جواب دیا اور مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگا۔

”یہ میرے اعصاب پر دوسرا نا تھا۔“ حماقت، حماقت حماقت! میرا ذہن بیخود تھا اور میں ایک ایک بار کچھ تیزی سے چل پڑی۔ وہ ابھی بڑی صفائی سے مجھے لے دھوک بن گیا تھا اور اس طرح لے دھوک بنانے کا مقصد یہی ہو سکتا تھا کہ مجھے اور جانے سے رکنا چاہتا ہوگا۔
 ”یقیناً اس وقت آپ کو کوئی گڑبڑ ہو رہی ہوگی۔“ میں نے کہہ کر ان لوگوں کے ریشماں کے انگوٹھے بند کی کی ہو۔

”ہو سکتے ہیں۔“ میں نے جواب دیا۔
 ”میں نے مجھے اس حال میں دیکھا، ان کے منہ میرے لئے کھلے کھلے رہ گئے۔“
 ”لیکن مجھے اس وقت کسی کی بڑھائی نہیں تھی۔“ میں اندھی، طوفان کی طرح اپنے کمرے کے سامنے پہنچ گئی اور ریشماں کو آواز دینے کی بجائے ہینڈل کھٹک کر دروازے پر دبا ڈالا۔ دروازہ کھٹکا جلا لیکن اندر سے کوئی آواز نہیں آئی۔ میں تیزی سے اندر داخل ہوئی۔ یہ نشست کا کمرہ تھا اور خالی پڑا تھا۔ میں تیزی سے اندر کی طرف لپکی۔ دروازے پر رگڑ کر میں نے آہٹ لینے کی کوشش کی مگر اس کمرے میں بھی ریشماں ہی معلوم ہوتا تھا۔ قدرے وقت کے بعد میں دروازے پر دبا ڈالا۔ کوئی آواز نہ آئی۔ میں تیزی سے اندر داخل ہوئی۔ یہ نشست کا کمرہ تھا۔

”میں نے بہتر پر ریشماں کی لاش دیکھی تھی۔“ اس کے سینے میں دستے تک پوسٹ تھا اور خون کی شرعی بستر کے خامے بڑے صفحے کو رنگین کر رہی تھی۔
 ”چند لمحے تو میرے ذہن پر چھلے ہوئے سناتے ہیں دھول کی آواز دہی اور کچھ میرے منہ سے ایک سسلا سی سی نکل رہی ہو۔“
 ”میں نے یہ سب متفکر تھی۔“ میں نے بے اختیار آگے دھڑک رہی ریشماں کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا۔
 ”مجھے کیا ہو گیا ریشماں! میری تیز مرگوش کمرے میں پھیل گئی۔“
 ”یہ مجھے اس حد تک خدایں کس نے دھکیل دیا؟“

لیکن ریش اس تارک غار کی قی گہرائی میں اتر چکی تھی کہ مری
آواز اس کے کانوں تک نہ پہنچ سکے اس کے خروار کی ب، مسکت تھے
اور تنگی جوتیں، ڈھیلی بڑی جوتیں لیکن جیسے کے گلاب کی زرد تار کی
ابھی باقی تھی۔ میرے ہاتھ ٹھنڈے بڑھ چکے تھے اور میں ان پر اس کے جیسے
کی گڑی محسوس ہو رہی تھی۔ میری ذہنی بات ہوئی انھیں اُسے سنی رہیں
اور میرا لڑکا لڑکا اُسے بکا رہا اس وقت میری جذباتی کیفیت کس
مستطام سمندر کی کتنی لیکن اس کی کیفیت عکاسی کرنے سے میں قاصر ہوں
میرے دماغ میں ان گنت رنگ سے بھرے ہوئے تھے اور ان رنگوں
میں کہیں چنگاریاں ملگ رہی تھیں، کہیں شعلہ بھڑک رہے تھے۔ دل
کی گہرائی میں کہیں کوئی ناز و نبی جاری تھی۔

ایک ہل کے لئے مجھے بولنا پڑا جیسے ریشاں کہہ رہی ہو۔ دیکھ لیا
بانو! میں آپ کے جلنے سے بے سبب تو نہیں گھبرا رہی تھی۔
”ہاں ریشا! میں بڑھاپی، لیکن مجھے ایسا معلوم تھا کہ تو مستقبل
میں تھیکا تھکا ہے۔ میری زبان سے انسانوں کے سے الفاظ ادا ہونے
لگے۔ ”میری جان! میری ریشا! تو میری جوان مزل کی تم کھاتی ہوں،
تیرے اس خون کی مڑی سے میں تیرے قاتلوں کا بیوس رنگوں کی
میں آہستہ آہستہ سیدی کھڑی ہوئی جی ٹی۔ اب میری صفات
بھینگی گئی تھیں اور دانت بے دانت بڑی سختی سے جیسے ہوئے تھے۔ آگرس
اس وقت آئندہ دیکھتی تو شاید مجھے اپنے چہرے پر برستی ہوئی دشت سے
خوف آنے لگتا۔

دھنچا مجھے دھمک سٹائی دینے لگی۔ کوئی میرے دماغ کو جیسے
کوٹے ڈال رہا تھا۔ میں فوری طور پر تو کھج ہی نہ کہ کر وہ دھمک دڑنی
جو قتل کی تھی۔ پھر روانہ ہو گئے کی آواز ابھی مجھے زردار دھماکے کی طرح
محسوس ہوئی اور میری نظر اس طرف اٹھ گئیں۔
دور دراز سے میں پولیس کھڑی ہوئی تھی۔

میں خالی خالی فٹل دوسرے ان لوگوں کی طرف دیکھنے لگی۔ میری
سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا دیکھ رہی ہوں اور کیا ہو رہا ہے۔
دڑنی جو قتل کی دھمک آگے بڑھی اور جب پولیس آفیسر میرے
بالکل سامنے آکھڑا ہوا تو ایک سسکتی ہوئی طویل سانس میرے پیچھے بول
سے آزاد ہو گئی۔ میں پلٹ کر دیکھتی تھی اس کی طرف دیکھنے لگی۔ میری
ذہنی حالت پوری طرح نہیں سنیل سکی تھی، تاہم میں نے اتنا مزید دیکھ
لیا کہ ایک قتل ہو گیا ہے اور اس قتل کے سلسلے میں پولیس وہاں پہنچ
چکی ہے۔

”آپ کو ذرا جرات ہے نہیں پولیس آفیسر! ایک کس کس کو درک چٹان
کی طرح محسوس ہوا۔
مجھے اندازہ ہوا تھا کہ صورت حال بڑی گھبر ہے لیکن میں
یہ فیصلہ کرنے سے قاصر تھی کہ میں اس سے کس طرح برودا ہو سکوں گی۔
مجھے اب اپنی اس وقت کی حالت پر تعجب ہوتا ہے۔ نہ جانے مجھے کیا ہو گیا تھا۔

اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی۔ فی الحال میرے سامنے
میں تھے کیپٹن آفاق، ڈاکٹر فنگ اور جاگیر دار شوکت۔
لڑو ایک ہی خانے میں رکھا جاسکا تھا لیکن آفاق کی حیثیت
میں اس کے باہر سے میرا خیال یہ تھا کہ پولیس کی طرف سے اس کی طرف
اگر کوئی جلدی کچھ کر کوئی کار کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا لیکن
میں جاگیر دار شوکت کا معاملہ میں اٹھا ہوا نظر آ رہا تھا۔
اس بات کا علم کیسے ہو گا کہ میں اور ریشاں اس پولیس میں

ما سوچتی ہوئی غفلت سے نکلے اور قتل گاہ میں آگے
لے کر میرے کمرے کی طرف بڑھی۔ پولیس آفیسر تیزی
رہ گئے کی کوشش کی تو میں نے سختی سے کہا کہ میں
رہی ہوں آفیسر!.... گفتگو کے لئے میری کمرہ مناسب

کی بات پولیس آفیسر کی سمجھ میں آئی اور وہ میرے ساتھ
گھر میں آ گیا۔
اس لاک کے بارے میں تفصیل سے جاننا چاہتا ہوں۔

ما میں کوئی اعتراض بھی نہیں ہے۔ میں نے کہا اور
سب کچھ بیان کرنا شروع کر دیا۔ کوئی بات چھپانے کی
میں نہیں تھی کہ اسی شہر کے ایک اور علاقے کی پولیس
پہنچا ہی جا چکا تھا۔

بیان نے پولیس آفیسر کے چہرے پر تحیر کی جھلکیاں
میں میں چپ ہوئی تو وہ آٹھ کر اس صوفے پر جا بیٹھا
میں نے اسے دیکھا اور اٹھا۔ اس نے لیسور اٹھا یا اور
کا۔ آہستہ سے رابطہ قائم کر کے اس نے اس پولیس
ٹا جا جس کے دفتر میں اسے ہسپتال کے ایک کمرے

ما تھا۔
گرنے کے ساتھ جیسے جیسے میری حالت ٹھیک ہوئی
مجھے نے کھینچے سوچ رہے تھے۔ اب مجھے رگ دین اور
میں پریشان لائق ہو گئی تھی۔ اگر یہ زمین کر لیا جاتا
میں جاگیر دار شوکت کا ہاتھ تھا تو پھر رگ دین اور
اس میں خطرے سے دوچار ہو سکتی تھی۔

ما تھا۔ اس سے اس وقت جو جی جب پولیس آفیسر نے
میں اب اس کے ساتھ جو کہیں ملوایا ہے۔
اس طرح سراپا جیسے اس معاملے سے میرا کوئی تعلق
نہ تھا لیکن اس کے قریب پہنچ گئی اور جب میں نے
اس آفیسر بول پڑا۔ ”آپ کے فون کر رہی ہیں؟“
میں نے جواب دیا اور بولنے کے آہستہ سے رابطہ

قائم کرنے کے لئے ”ایک“ ٹائل کیا۔
جاگیر دار سے پندرہ منٹ باقی تھے اس لئے اس کا ہی ٹھکانہ
دیکھ اپنے دفتر میں موجود ہو گا۔ میں نے اس کا ہنر بولنے کے آپریٹر
کو بتایا۔ جلدی رابطہ قائم ہو گیا اور ایک مردانہ آواز سنائی دی۔
”میں سمجھتا ہوں پولیس آفیسر! اور میری صاحبہ بات
کرنا چاہتی ہوں۔“

”میں برکی بول رہا ہوں بانو! کہنے، خیریت؟“
”آپ سنائیں، معاملات کس حد تک آگے بڑھے؟“
”میں نے جاگیر دار شوکت کے خلاف سوٹ فائل کر دیا ہے۔
جلد ہی اسے عدالت میں حاضر ہونے کے لئے سمن قیام ہو جائے گا۔
ایڈوکیٹ کی کی تیزی میرے لئے تعجب خیز ثابت ہوئی لیکن
میں نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور بولی۔ پولیس نے اس سلسلے
میں کیا کیا؟“

”وہ لوگ جاگیر دار کے پاس آئے تو تھے لیکن اس نے اپنی صفات
میں ایک ایسی شہادت پیش کر دی ہے جو مقدمے بازی میں کسی نہ
برجھے بھی خانا پریشان کرے گی۔ ایڈوکیٹ برکی نے کہا۔ جاگیر دار
نے میان دیا ہے کہ عدالت شفیق زہری صاحب اس کے مہمان تھے
اور.....“

”شفیق زہری کیون؟“ میں پرچ میں بول پڑی۔
”یہ حکمرانہ کی ایک اہم شخصیت میں۔“ ایڈوکیٹ نے
جواب دیا اور پھر بولا۔ ”جاگیر دار کا بیان ہے کہ وہ کل رات اس کے
گھر پر مدعو تھے اور کھانے کے بعد انہوں نے ساری جملہ دیکھی تھی
وہ دیہات کا طرز تعمیر دیکھنا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے ایک
ایک گوشہ دیکھا تھا اور اب وہ پولیس کو بتاتے تھے کہ وہاں دو آدمی
تو کچا بن کر ایک چڑھیں قید نہیں تھا۔“
”خوب!“ میں نے خلا ہونٹ دانتوں میں دیا۔ ایک حکمرانہ
کے حوالے سے مجھے تادرد کے خوب پر بڑی یاد دلائی تھی۔ اس کا
باب بھی حکمرانہ کے کسی اہم حکم سے بے فائدہ تھا کہ ان کا تادرد
مجھے ہی بتا معلوم ہوئی تھی۔

”آپ کہاں سے بول رہی ہیں؟“ ایڈوکیٹ برکی نے مجھے
جو نکلا دیا۔

”میں اپنے ہوٹل ہی سے بول رہی ہوں مگر برکی!... خواہ
صاحب کہاں ہیں؟“
”وہ اپنے گھر پر ہیں۔ ابھی کوئی پندرہ منٹ پہلے تو کہیں تھے۔“
”برکی صاحب! آپ فرائض کے پاس پہنچے۔ مجھے خبر ہے کہ ان
کی زندگی خطرے میں ہو سکتی ہے۔“
”وہ کیسے؟“ ایڈوکیٹ نے چونک کر پوچھا۔
”میں ان کسی نے ریشاں کو قتل کر دیا ہے۔“

”ارے! ایڈو کیٹ اپنی کڑی پر اچھل ہی پڑا ہوگا۔
”کیا پولیس وہاں موجود ہے؟“ ایڈو کیٹ برگی نے تیزی سے پوچھا۔
”جی ہاں!“

”اچھا! آ رہا ہوں۔“
میں نے مسلسل منقطع کر دیا۔ پولیس آفیسر بڑی توجہ سے میری باتیں سن رہا تھا۔ مسلسل منقطع کرنے کے بعد میں نے پھر پولیس کے آپریٹر کو رنگ کیا اور اس سے بولی۔ ”پریسڈنٹ ہاؤس سے ملاؤ!“
میرے اس مطالبے پر پولیس آفیسر بڑی طرح چونکا تھا لیکن میں نے اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ کچھ ہی دیر میں پریسڈنٹ ہاؤس کی لائن مل گئی۔

”ہیلو! پریسڈنٹ ہاؤس! آزاد آئی۔“
”میں یہاں باؤنول رہی ہوں اور فوری طور پر آفرین پریسڈنٹ سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔“
”ہیلو! ان کی سکرٹری سے بات کر دیجیے!“
”جی ہاں!“ میں نے کہا۔

جلدی ہی سکرٹری سے بھی رابطہ قائم ہو گیا اور اس نے فوری طور پر من کر کہا۔ ”اس وقت تو آپ پریسڈنٹ سے بات نہیں کر سکتیں۔“
”کیوں؟ میں نے تیوری یوں دے دی ہے۔“
”پریسڈنٹ، عنقریب جانا جانے والے ہیں اور اس سلسلے میں ایک اہم میٹنگ ہو رہی ہے۔“
”میٹنگ ختم ہوئی؟“

”اس کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔“
”خیر، میں پھر فون کر لوں گی۔“ میں نے کہا اور اسلحہ منقطع کر کے پولیس آفیسر کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر ہوشیاریاں اُٹنے لگی تھیں۔ میں نے پھینکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”جو کہ آپ نے مجھے حراست میں لے لیا ہے اس لئے میں نے سوچا تھا کہ پریسڈنٹ کو اس کی اطلاع دے دوں۔ یہ خبر ان کے لئے بہت دلچسپ ہوئی کہ مصیبتوں کا ایک قتل کے شیعہ میں زیر حراست لیا گیا ہے۔“

”اچھا! آپ غلط سمجھتی ہیں؟ پولیس آفیسر جلدی سے بولا۔
”ہم پولیس واسے جب قتل کی کسی واردات پر پہنچتے ہیں تو اس کی قسم کی باتیں کرتے ہیں لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ ہم واقعی ایسا کر گزرتے ہیں تو صرف رسمی باتیں ہوتی ہیں۔ ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ شرف کی عزت سے کھلیں۔“

میں نہیں ہوتی تھی سے سکراتی رہی۔ پولیس آفیسر کی باتیں بالکل گھونگھلی تھیں۔ وہ اب مجھ سے مرعوب ہو چکا تھا لہذا ایسی باتیں کر رہا تھا۔
قدوں کی آہٹ مسکرتوں نے دروازے کی طرف دیکھا۔
”اب انیکہ جعفر اندر داخل ہو رہا تھا۔ وہ مجھے گھورتا ہوا آگے

آیا اور غزنا ہوا بولا۔
”آپ کا صبح کا بیان جو سناٹا ہو چکا ہے۔ ا
شخص کے بیان نے جاگیر دار شوکت کی پوزیشن بارگاہِ صا
ہے اور.....“

”ایک منٹ.... ایک منٹ....“ پولیس آف
سے ہاتھ اٹھا کر اس کی بات کاٹ دی اور اٹھ کر اس
پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ ”ذرا میرے ساتھ آؤ!“
وہ اسے اندر دئی گھرے میں لے چلا گیا۔
بیسویں رہی۔ یہ بھینٹا شکن نہیں تھا کہ پولیس آفیسر،
جعفر کو نرم لہجے میں بات کرنے کی تلقین کرے گا کہ وہ
پریسڈنٹ تک ہے۔

مجھے اطمینان ہو گیا کہ اب مجھے کس مشکل کا سام
پڑے گا۔ گو کہ میں پریسڈنٹ سے گفتگو نہیں کر سکی
میرا خیال تھا کہ اس کی ضرورت ہی نہیں پیش آس
کچھ دیر بعد جب سب انیکہ جعفر واپس آتوں گا کہ
کھو چکا تھا۔ وہ میرے سامنے بھٹا ہوا بولا۔ ”ہمارے لئے بڑا
حال پیدا ہو چکی ہے خاتون!....“
”مگر خارجہ کے ایک مفروض
شوکت کے قتل میں بیان دینے کے بعد میری طرف آپ کو بھی
سکتے۔ اب درخواستیں قتل نے معاملات کو اور الجھا دیا ہے۔
بھی ہو چکا ہے۔“

”کیا؟“ میں پھل پڑی۔
”جی ہاں! سب انیکہ جعفر نے سر ملاتے ہوئے کہا
مجھے نصف گھنٹے پہلے ہی تھی، ڈاکو کئی زبان میں کہہ کر
تشریف لے گئے تھے۔ بہر حال لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے بھیج
کی موت کا سبب شام تک ہمارے علم میں نہ آجائے گا۔ جب
لی تھی تو میں نے اس کے بارے میں زیادہ نہیں سوچا تھا لیکن
کے بعد یہ مسلحہ قاتل خود ہو گیا ہے۔ ہمیں ایسا تو نہیں
دے دیا گیا ہوا۔“

میں کھنکھناتی ہوئی۔ میرے ذہن میں سرخ سرخ
لگتے تھے اور مجھے بڑی حد تک تنگ ہو چکا تھا کہ ایڈو کیٹ
خواجہ کے قتل کی اطلاع ملے گی۔ دم دین کی موت میرے
زہری کا تاج ہو سکتی تھی اور اس طرح یہ ثابت ہو گا تھا کہ
شوکت ہی کی طرف سے کیا جا رہا ہے۔ جاگیر دار کی قسم
خواتین کی طرح بھی بڑی تھی۔ وہ براہ راست تو مجھ کو
کے لئے مشکلات کھڑی کر سکتی ہو۔

اندھنی کے میں ماہر بنایا کام کرتے
آفیسر سب انیکہ جعفر کے ساتھ مجھ سے گفتگو کرتا رہا
لیجے میں اب زمین آسمان کا فرق آچکا تھا۔ وہ بڑی

لوہ مالات نے جڑی، پیچیدہ شکل اختیار کر لی تھی۔ انہوں نے خود
لاہر کا کہنا شاید یہ معاملات، پولیس کے ہاتھ سے آئی ہائے
میں ملے جائیں۔

میں اس گفتگو میں بوری طرح دلچسپی نہیں لے سکی کیونکہ میرا
میں الجھا ہوا تھا اور میرے ذہن میں کچھ جاری تھی۔
ایک سیاری کرے میں قتل ہوا تو میری نظروں اس کی طرف نہیں
کی طرف دیکھے لیکن اپنے آفیسر سے بولا۔ ”کوئی ایڈو کیٹ
میں؟“
”ہاں! فوراً آئے ہیں۔“ میں نے جلدی سے کہا اور اضطراب
کو مٹا دیا۔

ہاں نے سوالیہ نعروں سے اپنے آخر کی طرف دیکھا۔
”ہاں! ہاں! ہاں! آفیسر نے میری تائید کی۔
کی دروازے کی طرف بڑھا تو میرے قدم بھی دھڑکے
”جلے گئے۔“ میں ان حال میں کلمات سے بچنا چاہتی تھی جو
مرگ کے اندر آئے میں صرف ہوئے۔ کر کے نکلتے
ہاں سے صرف ایک دھچکے تھے۔ اسی وقت میں دیکھ رہی تھی
ان کی ایک ٹیولر سانس نکلتی تھی۔ ایڈو کیٹ برگی کے ساتھ
وہ تھا اور اس کے چہرے پر وہ ناشی کیفیت صاف نظر
آتی تھی۔ ایڈو کیٹ برگی کے قتل کا علم ہو چکا تھا۔
ان دونوں کو اپنے ساتھ لے آئی۔
”ہو گیا! جی!“ خواجہ بھرائی بولی آواز میں بولا۔ وہ مجھ سے

”ہاں! میں نے اپنی آواز میں خفگی بھی کر دی تھی۔
”گو کہ میں ہوں؟“ اس کا حساب کچھ تو لوگوں کو چکانا ہی پڑے گا۔
”جی! تو دیکھا جاتا ہوں! خواجہ نے دیکھا ہے۔“ میں نے بولی
لانے کی طرف دیکھا۔ ”بھینٹا کوئی مشکل بات نہیں
ہوئی کہ میں ہوئی۔“
”آف! کہیں خواجہ صاحب!“ سب انیکہ جعفر بول پڑا۔
”ہاں! ماہر! ہم نے ہی دلا ہے۔ اس کے بعد لاش
لے کر دوا کی جائے گی لیکن اس سے پہلے آپ اسے ایک

لوہا سے ہونے تک مجھے پریشان کر دیا۔ اس کے چہرے سے
”ماہر! اس کا کوئی قریبی عزیز قتل کر دیا گیا ہو۔
”ہاں! کہیں! اس کے بعد لاش
صحت حال کے بارے میں کہہ کر یہ کہہ کر پوچھتے رہا۔
”ماہر! کہنا جاتا تھا کہ میرے بارے میں پولیس کا
”ماہر! اطمینان دلا دیا کہ پولیس میرے خلاف کوئی
لے گئی۔“

”برگی صاحب!“ میں نے آہستہ سے کہا۔ ”میرے پاس کوئی موت
تو نہیں لیکن میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ قتل جاگیر دار شوکت نے کر دیا
ہے۔“
”ماہر! داکو یہ بات پولیس سے بھی معلوم ہو سکتی ہے۔“
”گو صاحب! انیکہ جعفر؟“
”وہ جعفر بھی ہو سکتا ہے اور اس کا کوئی دوسرا بھی ہو سکتا ہے۔“
”کیا آپ کو دم دین کے بارے میں معلوم ہو چکا ہے؟“
”دم دین کے بارے میں؟“ ایڈو کیٹ برگی نے تیزی سے کہا۔
”کیا ہو دم دین کو؟“
”وہ جعفر بھی ہو چکا ہے۔“

ایڈو کیٹ چند لمحوں کے لئے سناٹے میں آ گیا۔
میں نے دھیمے دھیمے کے بعد وہ جھٹکھی ڈھڑکی جو جسم و جان
کے سلسلے میں سب انیکہ جعفر ہوئی تھی۔ ایڈو کیٹ کے چہرے سے
بچہ پریشانی ظاہر ہونے لگی تھی۔ اس نے پرتو کش لہجے میں کہا۔ ”پھر تو
خواجہ صاحب کی زندگی بھی خطرے میں ہے۔“

”تھنا۔“
”میں اس سلسلے میں کوئی ٹھوس قدم اٹھاؤں گا۔“ ایڈو کیٹ نے
بڑبڑاتے دلتے انداز میں کہا۔
”کچھ دیر بعد پولیس آفیسر نے میرے قریب آکر کہا۔ ”اس کے
کو قتل کر دیا جائے گا۔“ ”نیچرے کہہ کر کہا۔ آپ کے لئے دوسرے کو
کا بندوبست کر دے دیتا ہوں۔“

”اس کی ضرورت نہیں۔ برابر کا کہہ بھی میرے تعزت میں ہے۔“
”آپ کے سامنے مسٹر خٹون کہاں ہیں؟“ سب انیکہ جعفر بول پڑا۔
”وہ اپنے کسی دوست سے ملنے کے لئے گئے ہیں؟“ میں نے جواب دیا۔
”پھر جعفر نے اس کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔ میں نے پریسڈنٹ
ہاؤس فون کر کے ان لوگوں کو کھانے کے لئے بلایا تھا۔“

”میں اب ہی رہ رہ کر اس کے بارے میں جا رہی ہوں۔“ میں پولیس
آفیسر کو بتاتی ہوئی کھڑی ہوئی اور کہا۔ ”میں شاید اعلیٰ تھیں۔“
”کہہ رہی ہوں۔“
”ہاں! ہاں! آپ آرام کریں۔ اس قسم کے حادثے واقعی اعلیٰ
شکل ہوئے ہیں۔“

”مگر آپ مجھے کچھ معلوم کرنا چاہیں تو دینے آجائے گا۔“
”تھک ہے۔“
”آپ خواجہ صاحب کے ساتھ جی رہے گا۔“ میں نے ایڈو کیٹ
برگی سے کہا۔ ”ان کا تہنار سنا مناسب نہیں ہو گا۔“
”میں نہیں ہوں۔“ برگی نے سر ہلا کر کہا۔

میں وہاں سے رہا اور اس کے لئے چلی آئی اور اس نے میرے
کو لا کر اس سے دھکی سنوائی۔ میری یہ اعلیٰ تھیں تشریف ہی سے

”بہتر ہے“ وہ نہایت سعادت مندی کا ثبوت دے رہا تھا۔
میں نے دروازہ بند کیا اور اپنی نشست پر واپس آ کر جو بھیجیک
بنانے لگی۔ میں اتنا ہی اچھا ہستی کہ ہوس جی نہ ہے اور میں نے اس کی تادیب

”روپے لائے ہو؟“ میں نے اس کی بات کا

کی طرف سے جوئے والا شاید کوئی ملازم کھانا۔ اس لیے

”یہ کیا چکر ہے؟ وہ اندر داخل ہوتا ہوا بولا۔

”کس چنگیزی بات کر رہے ہو؟ میں نے دروازہ بولٹ کرتے ہوئے پوچھا۔
”کل! کس کرے میں ایک حادثہ ہو چکا ہے۔“
”کیسا حادثہ؟“ رضوان کے نیچے کا اضطراب بڑھ گیا۔
”بیچہ جاؤ اور اطمینان سے سناؤ!“ میں نے بیگ اٹھاتے ہوئے کہا اور ایک گھونٹ لیا۔
رضوان میرے سامنے بیٹھ گیا لیکن اضطراب کے باعث، بیٹھنے کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے کسی بھی لمحے اٹھ کھڑا ہو گا۔
”ریشماں کہاں ہے؟“ اس کے ذہن میں شکوک ابھر رہے تھے۔
”اے..... کس نے..... قتل کر دیا؟“ میری آواز ملتی تھی اٹک رہی تھی۔
رضوان اس طرح اچھلا جیسے اس کے ننگے بدن سے انگارہ چھو گیا ہو۔
”نہیں!“ اس کے منہ سے سرسراہٹ ہوئی آواز نکلی۔
ریشماں کے قتل کا ذکر زبان پر لانے ہی میں اپنے آپ کو معنوم محسوس کرنے لگی تھی۔ میں نے، ایک ہی سانس میں دو بیگ بھی اپنے حلق میں اندر لیا۔
”بیچہ جاؤ!“ میں پھر بولی۔ ”میں نے کہا تھا کہ اطمینان سے سناؤ!“
رضوان بیچہ لیا اور لیکن نہ ریشماں کے قتل کی کہانی تفصیل سے سنا ڈالی۔ اس دوران میں میں نے دو بیگ ختم کر کے تیسرا بیگ بھی بلایا تھا۔
رضوان بچہ بھڑت و تھوڑی میں دبانے میرا ہر دو دیکھتا رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ میرے سنانے ہوئے واقعات کو اپنے ذہن میں دہرا رہا ہو۔
”اب تم تناؤ!“ میں تیسرے بیگ کا پہلا گھونٹ لے کر بولی۔
”تم ساری بات کہی بغیر حاضری سے کیا نتائج نکلے۔“
”میرے پاس سنانے کے لئے کوئی خاص واقعہ نہیں ہے۔“
رضوان نے غصائی ہوئی آواز میں کہا: ”اگر اے خاص بات کہ جا سکے تو وہ صرف یہ ہے کہ وہ گزشتہ نو گنگ دہ ستر سو دین تہم ہے۔“
”اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ خود کو میری نظروں سے پوشیدہ سمجھ رہا ہے۔“ میں بڑبڑائی۔
”کیا ریشماں کے قتل میں جاکر رشتہ توک ہی کا ہاتھ ہے؟“ رضوان نے سوال کیا۔
”ان حالات میں کوئی آزاد نام ذہن میں نہیں آتا۔“
رضوان نے سرگرت سلائی اور ہاتھ کر کے میں مٹنے لگا۔ میں بھی اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھراب پتی رہی۔ کچھ دیر بعد رضوان تیسرے قریب ہونک کر بولا: ”رحم کی ہوت کا سبب ابھی نہیں معلوم ہو سکا،“
”پولیس ذالوں سے ملاقات ہو تو کوئی چیز ملے۔“ دھلے نین سے

کرد مردن کی موت بھی مجھ نہیں ہوگی۔
 نہ تو جا یا جا کر دارے کرم دین کی حویلی پر قید کرنے
 لاکھ کے دروں کے صفات کر دئے۔
 لیکن میں اس کی راہ کا ایک ایسا کاٹسٹاں جاؤں گا
 دل میں یہ سوت چھو جائے گا میں نے غراتے ہوئے کہا
 ساتھ دینے کے لئے تیار ہو رضوان؟
 ”تم کہنا کیا چاہتی ہو؟“
 ”میں آج رات جاگیر دار کی حویلی میں گھسوں گی
 کوئی ایسی چیز چیل ملے جسے اس کے خلاف استعمال کیا
 بات نہ بن جائے گی۔ یہ مجھ نہیں تو میں کم از کم جاگیر دار کا بھج
 زور کرنا چاہوں گی۔“
 ”تم جذباتی ہوئی جا رہی ہو۔“
 ”میں ریشیاں سے تعلق کرنا تو نہیں کر سکتی۔“
 ”اس کی بجائے یہ دیکھ کر تو کافر لوگ کو بھولی جا رہی ہو
 میں محسوس کر رہی ہوں کہ کافر لوگ کا چکر کھانے
 پلے گا لہذا میں آج راتوں ریشیاں کے ساتھ سے نیٹ!
 رضوان کے جواب سے پہلے ہی دروازے پر کھٹکنا،
 رضوان اس طرف بھاگا۔ وہ دروازہ کھولنے کے لئے آگے
 تھکا کر میں کھڑی ہو گئی۔
 ”مجھ پر! وہ! میں نے کہا یہ میں دیکھتی ہوں۔
 ممکن تھا کہ اس مرتبہ نادرہ بی آئی ہو؟ ایسے! کا
 کی آواز کا بھی تھا۔
 میں نے دروازہ کھولا تو نادرہ کی شکل نظر آئی۔
 ”اوہ!... آؤ!...“ میں نے منہ سے نکلا اور ایک
 نادرہ کے انداز سے کھجکا بہت ناہم ہونے لگی۔ اس
 پر جب بھی ہوئی تھیں اور رضوان بھی اسی سے گھور رہا تھا۔
 ”رضوان! میں بولی رہے تھے! یہ ہمارے سے ننلا!
 کہنے سے تم مجھے اتنا تنگ ڈال میں میرا اشتغال کرو۔
 رضوان بدتر نادرہ کو گھورتا مہر قریب آیا،
 ہوا باہر نکل گیا۔
 ”اب نہ جاؤ اندر! میں نے سنا کہ اگر کا۔
 وہ گئی اور میں نے دروازہ بند کر لیا۔
 ”بیٹھو! میں نے نمونوں کی طرف اشارہ کرنے
 وہ آگے بڑھ کر ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس
 میں رکول تھیں۔ یہ تیار ہو کر کبھی ہوئی تو اس کا حواس
 نفرت بھری نظر ڈالی تھی اور میری اس طرف سے نہ بڑھا
 غصیل سا انداز غصے پر بھلا معلوم ہوا۔ وہ کسی دھڑکی
 ہوا باہر نکل گیا۔

قلمی ایسی لوگوں کو زیر کرنے میں مجھے بڑا حرا آتا ہے۔ اگر نہ
 کوئی مجھ سے جو بہت ہنسنا سنی تھی اور اس کے ہنسنے کی
 ہر دیکھ کر مجھے بڑا علم و ہوا ہوتا جیسے اس کا بدن چٹنا
 اس کا ہنسنے کا عالم نہایت گیس کی دیکھ کر کچھ دیر کے لئے میرے
 ہنسنے کی موت کے اوقات بٹ گئے۔
 ۱۰۔ میں شراب سے نفرت ہے۔ میں نے کتے ہوئے
 ن۔
 تو نے ان لوگوں سے بھی بے حواس سے نفرت نہیں
 اور وہ کے لئے بھی آگ لگتی ہوئی تھی۔
 ۱۱۔ ہر شے کا یہ انداز ہے جتنا دلہن محسوس ہوا میں نے
 محسوس ہی ہوئی شراب اپنے خلق میں ایسی ہی دلچسپ و
 دلچسپ ہے جس کے ایک سرے پر نادرہ تھی مگر ہی۔
 ۱۲۔ میں نے نادرہ تو خلقی اب بتاؤ کیا کائنات ہے؟
 ۱۳۔ میں تو ایک رکھو و میں انہیں لے کر بھاگنے کی فکر
 میں۔
 ۱۴۔ میں بولی اور میں نے کہا میں اس کی گود سے اٹھا کر
 میں بھاگنے کی فکر کیا ایک لمحہ کی کیف سے سرشار
 ۱۵۔ میرے پیچھے کیوں پڑی ہو؟ نادرہ مجھے گھورتی ہوئی بولی
 ۱۶۔ میں بولی کیوں ہو کر لوگ تمہارے پیچھے لگ جاتے
 ۱۷۔ میں کہتا ہوں۔
 ۱۸۔ میں صرف تم ہی پیچھے پڑی ہو
 ۱۹۔ تو ہر دیز کو حاصل ہے۔
 ۲۰۔ میں نے کہا دشمنی ہے؟ نادرہ نے مجھے بڑا دیکھا۔
 ۲۱۔ میں نے دشمنی ہے جو خوبصورت لوگوں کے پیچھے
 ۲۲۔ تو ہر زمانے ہو کر۔
 ۲۳۔ میں نے سنا کہ اس کی ٹھوڑی پڑھتے ہوئے کہا۔
 ۲۴۔ میں نے کہا دبا اور بولی۔ یہ تو میں سمجھتی ہوں کہ تم
 ۲۵۔ میں نے کہا کہ میں تم نے نہیں بتایا کہ اپنی زبان بند
 ۲۶۔ میں نے کہا کہ میں نے نہیں بتایا کہ اپنی زبان بند
 ۲۷۔ میں نے کہا کہ میں نے نہیں بتایا کہ اپنی زبان بند
 ۲۸۔ میں نے کہا کہ میں نے نہیں بتایا کہ اپنی زبان بند
 ۲۹۔ میں نے کہا کہ میں نے نہیں بتایا کہ اپنی زبان بند
 ۳۰۔ میں نے کہا کہ میں نے نہیں بتایا کہ اپنی زبان بند

کے لئے بیوقوف یا بھگتی کا ہوا نہیں بلکہ محنت میں میرے ہونے کی وجہ سے اس کے ترستے ہوئے یا قوتوں کا بوجھ بڑھ گیا۔

میں پانچ میگ پل پہنچی تھی لیکن اس وقت میں نے جو ساغر بیا اس کا شہ بہت گہرا تھا۔ اس خمار سے میرے ہاتھ بھی ہلک گئے۔

نادہ میری اس حرکت پر ہلکھائی تھی لیکن جب اس کے حواس بجا ہوئے تو وہ تپ کر میری گرفت سے نکل گئی اور بے ہوش ہوئی بولی ”تو... تو... تم اس قسم کی... عورت ہو!“

میں نے دیکھا کہ ذرا سی دیر کے قریب نے اس کی آنکھوں میں سرخ دورے بھر دیئے تھے۔ بلاشبہ وہ جوانی کی اس منزل پر تھی جہاں ذرا سی پھوٹنے سے جذبات آگ بڑھتے ہیں۔

”میں اب ماضیوں کو جتنے زبردست ہوں نے بھرتائی ہوئی آواز میں کہتے ہوئے اس کا بازو تھام لیا یہ آج کے بعد میں بھولی جاؤں گی کہ تم پوچھنے سے محبت کرتی ہو۔“

بنیک میٹنگ کا مطالبہ نکل کر سامنے آچکا تھا اور نادہ کے چہرے پر بڑی بے بسی نظر آ رہی تھی۔ جب میں نے دوبارہ مسکائی طرف متوجہ کیا تو اس نے خود کو بالکل ڈھیلو پھینچ دیا تھا۔ وہ ایک بل بوتے پر تادمہ ہو گئی تھی۔ میں نے اس کے جسم کی نشوونما کو اپنی آغوش میں بسایا اور ایک باہم میرا سر ترستے ہوئے یا قوتوں کی کمی اپنے ہونے کی وجہ سے گئی۔

گزرتے ہوئے لحاظ اب جیسے آگ کی لپٹ میں آ گئے تھے۔

میں اس آگ میں بل رہی تھی اور اپنے قریب کی ہر شے کو اس آگ میں ہلا دینا چاہتی تھی۔ میرے دل کو لگاتار اور اچھے سے دور کرتے ہوئے ہاتھ نادہ کے دو بدن میں آتش خرابہ کو کھلا چلے گئے تھے کہ وہ کوشش کر رہی تھی کہ میں اس کی تپ کر محسوس نہ کر سکوں۔ وہ وہ کوربف کی ٹھنڈی سہل کی طرح پین کرنا چاہتی تھی لیکن مجھے اس کی آنکھوں میں جذبات کا دھماکا ہوا اور لفظ ادا تھا۔ اس کے سامنے اسوں میں کسی کھانا کا آئندہ قلعہ محسوس ہو رہا تھا اور کبھی بھی ہونے سے خطا ہو جانے والی سادگی میں طلب و درم کی کسانا دیوے جاتی تھی۔

کہہ سکتا حکومت لباس کی سرسبز ٹولوں سے آشنا ہوا اور رات کا بحر گھٹا چاہا گیا۔ جذبول کی حیوانیت نے نکیل ہو گئی اور طلب و درم کی تفسیر رقم ہوئے گی۔ وہ کچھ سے گزرتے رہے تھے بعد ازاں محسوس ہوئے تھے۔ بے اعتبار زندگی ہمارا مقنا سے نکال کر جب گرداب کی طرح چکراتی ہوئی ہمارا کرتیوں محسوس ہو رہا تھا جیسے چند لمحوں میں کئی جگہ بیت گئے ہوں۔

کمرے کے سکھت میں سرسبز ٹولوں کا اعادہ ہوا اور نادہ دھر چکا کہ بیٹھی۔ جو بھرے ہوا تھا اس کی گداس کے چہرے پر چھٹی ہوئی تھی۔

جس شخص کے ہاتھ میں کوڑا تھا اس سے میں ناواقف تھی لیکن اس کا قد نہایت اوریشہ کی شخص کا سا تھا جس کا تعاقب کرتے ہوئے میں اور لوگوں میں پھینکتے تھے گویا میں اس شخص کو جاگیردار شہوت سمجھتی تھی۔ جانب چوتھیں تھی۔ رضوان نے میرے کان کے قریب سن لانا شروع کر کے میرے اس خیال کی تصدیق کر دی کہ وہ شہوت ہی تھا۔

میں دیکھ رہی تھی کہ جب لہرانا ہوا کوڑا، فضاں کی آندھی کی سی گونج پیدا کرنا وہ لڑکی چلتی ہوئی، کسی طرف بھاگ کر خود کو چاہتی اور جاگیردار شہوت کا مکروہ تھوڑے آس پاس پھیلی ہوئی دیوانی کو کچھ اور عجیب ایک بنوٹا۔

وہ خدا کے لئے عجیب چھوڑ دیا۔ مجھ پر دم کرو، لڑکی کو گڑوا رہی تھی۔ رضوان اٹھیں آؤ میں تھوڑے رضوان میری گلائی تھامے ہوئے تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا جیسے وہ مجھے کسی بے دینے اقدام سے باز رکھنا چاہتا ہو اور میں اس اشتعال مئی کی جاگیردار شہوت کچھ لمبے۔ اس کی زبان سدا ہوتے دیکھ کر کسی بھی بقرے سے یہ ظاہر ہو سکتا تھا کہ وہ لڑکی نے کیا جانتا ہے اور اس کے اس طرح دہشت زدہ ہو کر رہ گیا ہے۔ اس طرح کوڑا لہرانا من دہشت زدہ کرنے کی کے لئے تھا کیونکہ اب تک وہ لڑکی ایک بار بھی کوڑے کی زد میں نہیں آئی تھی۔ صاف ظاہر ہوا تھا کہ جاگیردار شہوت خود کو کوڑے کو اس طرح جنبش دینا ہے کہ لڑکی کو شش کر کے اس سے بچ جائے۔

"نایک گڑھی میں کیلا جانے والا یہ کیلا اب تک میرے لئے بے مٹی ہی تھا اور میں اس کیل کی دھج کو جلنے بغیر اس میں دخل اندازی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لڑکی کی فریادیں جاگیردار شہوت کے وجود میں سونے ہوئے نہایت کے پتلے کو ہار دیکھیں اور وہ عجیب شخص کوڑا لہرانا لڑکی کو کسی بندیا کی طرح اپنے پرچہ جو کرنا دبا۔ ایک خوبصورت لڑکی کی یہ

تذلیل میری برواشت سے باہر ہوئی جارہی تھی اور قریب تھا کہ میں دخل اندازی کر دیتی۔

"ہاں! جاگیردار شہوت کی گرجتی ہوئی آواز کے ساتھ کوڑے کی جنبش بھی مفرد ہو گئی یہ آج کے لئے اتنا ہی سبق کافی ہے۔ اب تم کپڑے پہن سکتی ہو۔ جاگیردار ایک طرف باقیوں نے دیکھا کہ وہ باغی غریب پرکڑوں کا ڈھیر پڑا ہوا تھا۔

خوفزدہ لڑکی دونوں ہاتھوں سے اپنے سینے پر کراس بندھے ہوئے لہجہ قدموں سے کپڑوں کے ڈھیر کی طرف رہی۔ اس کا انداز سہما سہما تھا، جیسے اسے ڈر ہو کہ جب وہ اپنے کپڑوں کے قریب پہنچے گی تو جاگیردار کو اپنا چہرہ حرکت میں آجائے گا اور وہ اپنے کپڑوں کو چھوئے گا۔ یہ بھی فاصلہ ہی، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس نے اپنے

کپڑے اٹھائے۔ جاگیردار شہوت چند قدم اور ہٹ گیا۔ محض جب شہوت عواں کی طرح ابدیت کو دیکھ لے گا۔ لڑکی نے نہیں پہنے تھیں میں نے رضوان بھانک ماحول میں دیکھا تھا جہاں دھک دھک دنگ بنا امکان مفقود تھا۔

جب لڑکی نے کپڑے پہنے میں نے تو جاگیردار اپنے بائیں ہاتھ میں ہتھکڑیاں لیا اور کسی کوڑا زاری۔ مخالف سمت میں تھا۔ وہاں دیواریں ایک خلاء تھی۔ دروازہ بھی رہا ہو۔ جاگیردار کی آواز کے جواب میں، آئے اور محض طلب لگا ہوں سے جاگیردار کا طرف دیکھ رہی کر کے اور دنگی میں بیٹھیں تھے اور ان کے چہرے برکت کی تھی۔

"اسے جاؤ! جاگیردار نے لڑکی کی طرف دھمکا کر کے مجھے چھوڑ دیا۔" لڑکی چکر چمکے سے کیا چاہتے ہو؟" جاگیردار نے کوئی جواب نہیں دیا اور دونوں بڑھ کر لڑکی کو اس کے بازوؤں سے پکڑ لیا۔ وہاں آدھری بے جا رہے تھے جیسے جیسے آئے تھے۔ سمت میں یعنی جہاں طرف رخ کیا میں اور رضوان کھسک کر کھل تارکیں میں ہو گئے۔ ایک چمکاؤ! میرے سر سے گزرتی۔

قدموں کی آہٹ قریب آتی جارہی تھی۔ شہوت کا پہلی نظر آیا۔ میں نے اور رضوان نے جلنے کی کوشش کی اور اس بات کا بھی خیال، تک نہ ہو۔

جو حالات سامنے آئے تھے ان میں تشکیل تھا، اس لئے تشکیل سے کام لینا ایک ناگزیر بات پھٹ پڑتی تشکیل کا عالم جوں کا توں رہ جاتا۔ یہ وہ جانی کہ جاگیردار شہوت اس لڑکی سے کیا چاہتا ہو اور اس کی حقیقت کے چہرے سے غلبہ جاگیردار شہوت کا پہلی جہاں ان دونوں سے۔ تارکیں میں قلیل ہو گیا۔ امکان یہی تھا کہ وہ واپس آجائیں۔ آہٹ تھی کہ میری گونجی اور رضوان نے روشنی کی جگہ پر کھنکھائی دیکھا کہ میں نے ہی تھی جہاں وہ لڑکی جاگیردار شہوت کی دہشت پسندی اندر جھک کر کے والے بھی وہی لوگ ہیں گے جو "اب کیا لڑوہ سے خائفانہ علی" رضوان

ہاں نے انداز تھا مطلب دھونڈنا تھا۔ چہرے میں اس لڑکی سے ہمدردی تو ہو گی، میں نے کہا۔ ہاتھ کر کے کہاں تھیں کیا گیا ہے؟

ناہمی مشعل ہے۔ میں ذہنی طور پر الجھتی ہوں! اٹھنے کے بارے میں کیا خیال ہے! کچھ کہنے کی بجائے میں جھنجھلا کر رہ گئی۔ رضوان لڑکی کی اپنی داستان میں بدل رہی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ علی نہیں تھکتا جھنجھکتی تھی۔

مجھ کو کہنے پر زور قدموں آگے بڑھنے کی۔ اس کی جگہ خزانہ کی سی لیکن ناگزیر تھا۔ کوئی مٹی اس سے مزاحمت نہیں کر سکتی۔ کہیں بھی پھوٹ کر گٹ پٹ کھینچے کہیں بھی کوئی دیوار زخم ہو۔ ہاتھ کی درد و دشواری میں آگے بڑھتی رہی اور لی قدم چلتا رہا۔

پہلے ساری فضا سرمی تھی۔ جگہ جگہ کپڑوں نے عمارتوں کی آئینہ اندھیر جگہ جگہ کچھ بے گئے اس کے دھڑلے ہوئے۔ جو دروازے ابھی باقی رہے۔

میں غصہ ہو گئی تھی۔ ٹیبلٹ لٹائی بھادی کیونکہ کہیں قریب ہی سے وہ میرے پیچھے رضوان بھی ہو گیا تھا۔ آواز لگا کہ اب میرے قدم اس طرف اٹھنے لگے۔ ٹیبلٹ اب مجھے بہت احتیاط سے آگے بڑھنا پڑ رہا۔

دل کی آبی تاخیرم دونوں اس جگہ تک پہنچنے میں وہ آوازیں آ رہی تھیں وہ ایک کمرہ تھا جس میں ایک لڑکی تھیں اور وہ کھلے سے بن گئے تھے۔ میری طرف دیکھ رہی تھی جہاں وہی دونوں لہذاں لڑکی کو ابھی تو لی لی تھا اس کے کمرے میں ایک جگہ نہیں تھی۔ وہاں ضروریات سمیٹا اور دو صاف تھرے سر پہ بھی نظر آ رہے تھے۔ گریں ہتھکڑیاں کھینچیں اور ان کی طرف کی بڑھ کر ہو رہی تھی۔ شراب کے گھٹان کی آپس کی کشمکش اس لڑکی کے بارے میں خطوط پر پڑے فحش انداز میں تبصرے لے رہی تھیں ان کی بائیں ہاتھ کے بعد جھنجھلا رہی تھیں ان کی زبان پر نہیں آتی تھی۔

اس کمرے میں ایک اور کمرے کا دروازہ تھا جس کی کڑی کی ٹولی تھی۔ اس کڑی کی وجہ سے مجھے شبہ ہوا کہ وہ لڑکی اس کمرے میں قید ہو گئی تھی۔ ایک فیصلہ کرنے سے قاصر رہی تھی کہ اس کڑی کی قید کیا جائے لیکن سوچا کہ کوئی قدم اٹھانا ہی وقت مناسب تھا۔ کابج، کول، کھل اور اس پر ہوا جائے۔ ابھی تو میں اس بات سے مجھے بے خبر تھی کہ اس کڑی میں جسے جنوں کی گڑھی کہا جاتا ہے، صرف ہی وہ کڑی برطان کے مزید ساتھیوں سے بھی مذہم کا امکان ہے۔ اس کا پتہ چلا نا بھڑک رہی تھی۔ رضوان کی بات پر میں جس جھنجھلاہٹ کا شکار ہوئی تھی، وہ لٹائی تھی۔ اب اس کا شہر مشیر بھی باقی نہیں رہا تھا۔ لہذا میں رضوان کا ہاتھ پکڑ کر کمرے قریب سے آگے بڑھ رہی۔ پندرہ بیس قدم چلنے کے بعد میں نے سرگوشی کی۔

"کوئی علی قدم اٹھانے سے قبل اس صحنی کا کھل جانو بہت ضروری ہے۔"

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ ان سے اب تک ہماری ملاقات کیوں نہیں ہوئی؟"

"کن سے؟"

"انہی جنوں سے جو اس کڑی میں شاید کھلے دار ہیں یہ ان کی اپنی پلاہری تو نہیں ہو سکتی کیونکہ..."

میں رضوان کو مزید کہوں کا موقع دینے بغیر لڑکی بڑی جنتوں کا چکر جاگیردار شہوت کی خیر معلوم ہوئی ہے۔ اس جی کو استعمال کرنے کی کے لئے اس نے جنوں کی آواز پھیلانی ہوگی۔

"بانی دی وے۔ اگر کچھ کوئی مل گیا تو آپ کیا کریں گی۔ میں نے سنا ہے کہ بہت حضرات جو ڈیوٹ ہو رہے ہیں۔"

"لیکن یہ مدت بھولو۔ کہ تم جو ڈیوٹ نہیں ہو۔ میں نے ذہانت پر دانت جاکر کہا۔

"اسی لئے تو میں غوما آپ سے یاخ ہاتھ کے فاصلے پر رہتا ہوں۔ اس وقت کی بات اس سے میں جانتا ہوں کہ آپ کوئی ہڑت کرنا پسند نہیں کریں گی۔"

رضوان پر کھلا اس کا دروازہ پڑا ہوا تھا لہذا میں نے خاموش ہو جانا ہی مناسب سمجھا۔ اس وقت میں واقعی اس سے نہیں الجھ سکتی تھی اور وہ میری اس کڑی سے فائدہ اٹھانے پر تیار ہوا تھا۔ میں نے ایک بار بھی پٹنل ناچ بھلی تھی اور اس کی روشنی میں آگے بڑھنا شروع کیا تھا۔ رضوان بھی میرے ساتھ قدم بڑھاتا رہا اور ہم سنا دے گئے۔ میں ساری گڑھی چھان ڈالی۔ وہاں میں کوئی اور آدمی نظر نہیں آتا تھا لیکن اس اندر سے میں بھی کچھ آنکھیں ہماری نگاہوں کی رہی تھیں۔ چمکاؤں، چمکیوں اور ان حضرات الاض کی آنکھیں جو اس گڑھی میں ہر کمرے پہلے ہوئے تھے۔

195

”اب اس وقت کیا ارادہ ہے؟“

”واپس بیڈی چلیں گے۔“

”ہاں اگر دارشکوٹ کی جڑی میں گھسنے کا ارادہ ترک کر دیا؟“

”کئی لوگوں کی موجودگی میں یہ مناسب نہیں ہوگا۔“

”ہم دونوں باہر کرتے ہوئے چپ کے قریب پہنچ گئے اور قریب

پہنچے ہی ہیں چونکہ پلٹر چلنے کا سبب دھماکہ تھا جو چاہے جیپ کی آڑ

سے نکل کر اسے مارتے یا گھاتا۔ وضوں کا ہتھیار متاثر جیپ کی طرف اٹا

اسی وقت بالوں کی نقاب چاندکے چہرے سے ہٹ گئی یہ بھگوت ہونے

والی چاندنی کی بلبل میں مینے نے ایک خوش شکل اجنبی کو اپنے سامنے دیکھا

جس کے پاس بٹا برکونی بھیا رکھائی نہیں تھی۔

”صاف کہیں گے؟“ وہ جیسے متنبہ ہو کر بولا۔ ”میں اپنے گھر

ہوئے پر پھر خیر نہ ہوں لیکن صحت حال ایسی ہے کہ میں آپ لوگوں کی

مدد حاصل کرنے بغیر نہ رہ سکتا ہوں گا۔“

”فرمائیے۔ میں ان کے متبعین غلوں سے دیکھ رہی تھی۔

وضوں کا ہتھیار جیپ میں تھا لیکن میں اس بات سے واقف

تھی کہ اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔

”دعا صل۔“ اجنبی نے کہا۔ ”میں ان اطراف میں اپنی موٹر سائیکل

پر آیا تھا لیکن وہ چاہک خراب ہو گئی۔ ایک دلچسپ شخص اسے ٹھیک

کرنے کی کوشش کرتا رہا اور پھر مجھے وقت سے پہلے ہی جیپ کی کھٹی

دی۔ میں فوراً اس طرف لپکا کہ اس کی مدد حاصل کروں لیکن جب میں یہاں

پہنچا تو آپ لوگ جیپ بکری کے چلنے کے قریب سے اب تک

میں نہیں گھڑا ہوا آپ لوگوں کا اختلاف کر رہا ہوں۔ میرا خیال ہے دو

گھنٹے سے زیادہ ہو چکے ہیں۔“

”بڑی زحمت ہوئی آپ کو؟“ وضوں نے جیسے ہر سے

پوچھا۔

”میرا یہ مطلب نہیں تھا۔“ اجنبی جلدی سے بولا۔ ”پر سبیل تو کہہ

ہی میں نے یہ بات ہی سمجھی کہ دو گھنٹے سے آپ لوگوں کا اختلاف کر رہا تھا۔

ظاہر ہے کہ اس اختلاف میں میری ہی طرف متاثر تھی۔ بلکہ مجھے ہے اگر

آپ لوگ خبر نہ لے کر ارادہ رکھتے ہوں تو میں درخواست کروں گا کہ مجھے

بھی اپنے ساتھ چلیں شہر میں کسی جگہ بھی تار دیکھیں گے گا۔“

”آپ کی موٹر سائیکل کہاں ہے؟“ وضوں نے پوچھا۔

”اُسے میں نے تعجب کی ایک طرف ہی اسی کے کان کے سامنے گھرا

کر دیا ہے کہ میں کسی ہتھیار کو سنا کر آؤں گا۔“ اجنبی نے جواب دیا۔

وضوں نے میری طرف دیکھا۔

”کون سا وقت کیا ارادہ ہے؟“

”واپس بیڈی چلیں گے۔“

”ہاں اگر دارشکوٹ کی جڑی میں گھسنے کا ارادہ ترک کر دیا؟“

”کئی لوگوں کی موجودگی میں یہ مناسب نہیں ہوگا۔“

”ہم دونوں باہر کرتے ہوئے چپ کے قریب پہنچ گئے اور قریب

پہنچے ہی ہیں چونکہ پلٹر چلنے کا سبب دھماکہ تھا جو چاہے جیپ کی آڑ

سے نکل کر اسے مارتے یا گھاتا۔ وضوں کا ہتھیار متاثر جیپ کی طرف اٹا

اسی وقت بالوں کی نقاب چاندکے چہرے سے ہٹ گئی یہ بھگوت ہونے

والی چاندنی کی بلبل میں مینے نے ایک خوش شکل اجنبی کو اپنے سامنے دیکھا

جس کے پاس بٹا برکونی بھیا رکھائی نہیں تھی۔

”صاف کہیں گے؟“ وہ جیسے متنبہ ہو کر بولا۔ ”میں اپنے گھر

ہوئے پر پھر خیر نہ ہوں لیکن صحت حال ایسی ہے کہ میں آپ لوگوں کی

مدد حاصل کرنے بغیر نہ رہ سکتا ہوں گا۔“

”فرمائیے۔ میں ان کے متبعین غلوں سے دیکھ رہی تھی۔

وضوں کا ہتھیار جیپ میں تھا لیکن میں اس بات سے واقف

تھی کہ اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔

”دعا صل۔“ اجنبی نے کہا۔ ”میں ان اطراف میں اپنی موٹر سائیکل

پر آیا تھا لیکن وہ چاہک خراب ہو گئی۔ ایک دلچسپ شخص اسے ٹھیک

کرنے کی کوشش کرتا رہا اور پھر مجھے وقت سے پہلے ہی جیپ کی کھٹی

دی۔ میں فوراً اس طرف لپکا کہ اس کی مدد حاصل کروں لیکن جب میں یہاں

پہنچا تو آپ لوگ جیپ بکری کے چلنے کے قریب سے اب تک

میں نہیں گھڑا ہوا آپ لوگوں کا اختلاف کر رہا ہوں۔ میرا خیال ہے دو

گھنٹے سے زیادہ ہو چکے ہیں۔“

”بڑی زحمت ہوئی آپ کو؟“ وضوں نے جیسے ہر سے

پوچھا۔

”میرا یہ مطلب نہیں تھا۔“ اجنبی جلدی سے بولا۔ ”پر سبیل تو کہہ

ہی میں نے یہ بات ہی سمجھی کہ دو گھنٹے سے آپ لوگوں کا اختلاف کر رہا تھا۔

ظاہر ہے کہ اس اختلاف میں میری ہی طرف متاثر تھی۔ بلکہ مجھے ہے اگر

آپ لوگ خبر نہ لے کر ارادہ رکھتے ہوں تو میں درخواست کروں گا کہ مجھے

بھی اپنے ساتھ چلیں شہر میں کسی جگہ بھی تار دیکھیں گے گا۔“

”آپ کی موٹر سائیکل کہاں ہے؟“ وضوں نے پوچھا۔

”اُسے میں نے تعجب کی ایک طرف ہی اسی کے کان کے سامنے گھرا

کر دیا ہے کہ میں کسی ہتھیار کو سنا کر آؤں گا۔“ اجنبی نے جواب دیا۔

وضوں نے میری طرف دیکھا۔

”کون سا وقت کیا ارادہ ہے؟“

”واپس بیڈی چلیں گے۔“

”ہاں اگر دارشکوٹ کی جڑی میں گھسنے کا ارادہ ترک کر دیا؟“

”کئی لوگوں کی موجودگی میں یہ مناسب نہیں ہوگا۔“

”ہم دونوں باہر کرتے ہوئے چپ کے قریب پہنچ گئے اور قریب

پہنچے ہی ہیں چونکہ پلٹر چلنے کا سبب دھماکہ تھا جو چاہے جیپ کی آڑ

سے نکل کر اسے مارتے یا گھاتا۔ وضوں کا ہتھیار متاثر جیپ کی طرف اٹا

اسی وقت بالوں کی نقاب چاندکے چہرے سے ہٹ گئی یہ بھگوت ہونے

والی چاندنی کی بلبل میں مینے نے ایک خوش شکل اجنبی کو اپنے سامنے دیکھا

جس کے پاس بٹا برکونی بھیا رکھائی نہیں تھی۔

”صاف کہیں گے؟“ وہ جیسے متنبہ ہو کر بولا۔ ”میں اپنے گھر

ہوئے پر پھر خیر نہ ہوں لیکن صحت حال ایسی ہے کہ میں آپ لوگوں کی

مدد حاصل کرنے بغیر نہ رہ سکتا ہوں گا۔“

”فرمائیے۔ میں ان کے متبعین غلوں سے دیکھ رہی تھی۔

وضوں کا ہتھیار جیپ میں تھا لیکن میں اس بات سے واقف

تھی کہ اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔

”دعا صل۔“ اجنبی نے کہا۔ ”میں ان اطراف میں اپنی موٹر سائیکل

پر آیا تھا لیکن وہ چاہک خراب ہو گئی۔ ایک دلچسپ شخص اسے ٹھیک

کرنے کی کوشش کرتا رہا اور پھر مجھے وقت سے پہلے ہی جیپ کی کھٹی

دی۔ میں فوراً اس طرف لپکا کہ اس کی مدد حاصل کروں لیکن جب میں یہاں

پہنچا تو آپ لوگ جیپ بکری کے چلنے کے قریب سے اب تک

میں نہیں گھڑا ہوا آپ لوگوں کا اختلاف کر رہا ہوں۔ میرا خیال ہے دو

گھنٹے سے زیادہ ہو چکے ہیں۔“

”بڑی زحمت ہوئی آپ کو؟“ وضوں نے جیسے ہر سے

پوچھا۔

”میرا یہ مطلب نہیں تھا۔“ اجنبی جلدی سے بولا۔ ”پر سبیل تو کہہ

ہی میں نے یہ بات ہی سمجھی کہ دو گھنٹے سے آپ لوگوں کا اختلاف کر رہا تھا۔

ظاہر ہے کہ اس اختلاف میں میری ہی طرف متاثر تھی۔ بلکہ مجھے ہے اگر

آپ لوگ خبر نہ لے کر ارادہ رکھتے ہوں تو میں درخواست کروں گا کہ مجھے

بھی اپنے ساتھ چلیں شہر میں کسی جگہ بھی تار دیکھیں گے گا۔“

”آپ کی موٹر سائیکل کہاں ہے؟“ وضوں نے پوچھا۔

”اُسے میں نے تعجب کی ایک طرف ہی اسی کے کان کے سامنے گھرا

کر دیا ہے کہ میں کسی ہتھیار کو سنا کر آؤں گا۔“ اجنبی نے جواب دیا۔

وضوں نے میری طرف دیکھا۔

”کون سا وقت کیا ارادہ ہے؟“

”واپس بیڈی چلیں گے۔“

”ہاں اگر دارشکوٹ کی جڑی میں گھسنے کا ارادہ ترک کر دیا؟“

”کئی لوگوں کی موجودگی میں یہ مناسب نہیں ہوگا۔“

”ہم دونوں باہر کرتے ہوئے چپ کے قریب پہنچ گئے اور قریب

پہنچے ہی ہیں چونکہ پلٹر چلنے کا سبب دھماکہ تھا جو چاہے جیپ کی آڑ

سے نکل کر اسے مارتے یا گھاتا۔ وضوں کا ہتھیار متاثر جیپ کی طرف اٹا

اسی وقت بالوں کی نقاب چاندکے چہرے سے ہٹ گئی یہ بھگوت ہونے

والی چاندنی کی بلبل میں مینے نے ایک خوش شکل اجنبی کو اپنے سامنے دیکھا

جس کے پاس بٹا برکونی بھیا رکھائی نہیں تھی۔

”صاف کہیں گے؟“ وہ جیسے متنبہ ہو کر بولا۔ ”میں اپنے گھر

ہوئے پر پھر خیر نہ ہوں لیکن صحت حال ایسی ہے کہ میں آپ لوگوں کی

مدد حاصل کرنے بغیر نہ رہ سکتا ہوں گا۔“

”فرمائیے۔ میں ان کے متبعین غلوں سے دیکھ رہی تھی۔

وضوں کا ہتھیار جیپ میں تھا لیکن میں اس بات سے واقف

تھی کہ اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔

”دعا صل۔“ اجنبی نے کہا۔ ”میں ان اطراف میں اپنی موٹر سائیکل

پر آیا تھا لیکن وہ چاہک خراب ہو گئی۔ ایک دلچسپ شخص اسے ٹھیک

کرنے کی کوشش کرتا رہا اور پھر مجھے وقت سے پہلے ہی جیپ کی کھٹی

دی۔ میں فوراً اس طرف لپکا کہ اس کی مدد حاصل کروں لیکن جب میں یہاں

پہنچا تو آپ لوگ جیپ بکری کے چلنے کے قریب سے اب تک

میں نہیں گھڑا ہوا آپ لوگوں کا اختلاف کر رہا ہوں۔ میرا خیال ہے دو

گھنٹے سے زیادہ ہو چکے ہیں۔“

”بڑی زحمت ہوئی آپ کو؟“ وضوں نے جیسے ہر سے

پوچھا۔

”میرا یہ مطلب نہیں تھا۔“ اجنبی جلدی سے بولا۔ ”پر سبیل تو کہہ

ہی میں نے یہ بات ہی سمجھی کہ دو گھنٹے سے آپ لوگوں کا اختلاف کر رہا تھا۔

ظاہر ہے کہ اس اختلاف میں میری ہی طرف متاثر تھی۔ بلکہ مجھے ہے اگر

آپ لوگ خبر نہ لے کر ارادہ رکھتے ہوں تو میں درخواست کروں گا کہ مجھے

بھی اپنے ساتھ چلیں شہر میں کسی جگہ بھی تار دیکھیں گے گا۔“

”آپ کی موٹر سائیکل کہاں ہے؟“ وضوں نے پوچھا۔

”اُسے میں نے تعجب کی ایک طرف ہی اسی کے کان کے سامنے گھرا

کر دیا ہے کہ میں کسی ہتھیار کو سنا کر آؤں گا۔“ اجنبی نے جواب دیا۔

وضوں نے میری طرف دیکھا۔

”مجھ کو بھی تو کوئی پتہ ہے“

”کیا مطلب!“

”اگر وہ شریک آتا؟“

”اگر وہی بادی نکلتی کہ وہ تھا تو میں اس کی موٹر سائیکل والی

کمانی کو جھوٹ کا پتہ قرار دوں گی۔“

”مردان جیسے غور سے میری طرف دیکھتے تھے، شاید وہ میرے

فرہنگ میں پلٹتے ہوئے خیالات کا تجزیہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں نے مگر ٹک کا ایک ٹکڑا لیا اور کمرے کے پچھلے حصے سے

ٹیک لگا کر انھیں بند کر لیں۔ اس سوال کے میرے ذہن میں جن چیزیں

پیدا کردی تھیں کھٹک ہمارے قریب ہونا کیوں ضروری سمجھا تھا۔

کچھ دیر بعد جیسے کہ غرت میں ہوا فوجیہ ہول میں زندگی کے آثار

پیدا ہو گئے تھے۔ آواز کا قہقہہ کی آہٹیں سنائی دینے لگی تھیں۔ میں نے

ٹیلیفون پر کدوم سروس سے رابطہ قائم کئے وہاں سے کہنے لگے کہ

جہالت کی بندہ منٹ میں ناشتہ آگیا۔ ناشتے کے دوران میں خاموشی بڑھ

رہی تھی۔ سوچ میں اور میں اپنے خیالوں میں گم تھی۔

مجھے یقین تھا کہ کدو کا خرچ اپنے کمرے میں قیام کو گاہیں روانہ

سے قبل اسے کچھ ہدایات دے دینا چاہتی تھی اس لئے میں نے رضوان

سے کہا کہ تم جیسو جی! ابھی پانچ منٹ ہیں آئی ہوں، پھر کدو روانہ ہو جائیگا۔

رضوان نے سر ہلایا اور میں دروازے کی طرف بڑھی۔ اس

بات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ کدو دروازہ کھول کر گویا بند

کا منہ کھول دوں گی، ایک دیر لگا اور اندر گھسنا جلا آیا اور میں اچھل کر

چلے گئے تھی۔ وہ تین آدھ منٹ تھا کہ میں نے کدو بھی پھینک دیے

تھا۔ تین دیر بعد کدو کی نالیں ابھریں اور رضوان کو دہانے لگے ہوئے تھیں۔

انہی میں سے ایک نے اندر کدو کی بڑی بھری تھی سے دروازہ بند کر لیا تھا۔

”نہووار! اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دوا کمرے میں ایک دقت دکھائی دے

کی سرگوشیاں گونجی تھیں۔“

”رضوان نے برا نہیں دیکھنے ہی اچھل کر کدو پر چڑھ گیا اپنے ہاتھ

اٹھا دیئے۔“

”کیا تم نے نہیں سنا؟“ ایک دیر اور والا مجھے گھونٹا ہوا سخت

لیجے میں بولا۔

”میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے، کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ

میں ساڑی باندھ کر کدو میں اور ساڑی میں کوئی چیز نہیں ہوتی۔“

”تم سے جو کہا جا رہا ہے وہ کڑا“

”بھلا اس نے یہ احتیاط طرز عمل کی تھی کہ رضوان اور

میں حامل نہ ہونے کے باوجود وہ دھماکا گھم کر رضوان کے

تلاشی لینے لگا۔“

میں سوچ رہی تھی کہ اگر وہ لوگ ٹیکر سے بڑھ

کے گزیر میرے اور رضوان کے پاس کوئی بڑی رقم نہ

ماننے پر آمادہ نہیں تھا کہ وہ ٹیکر سے ہیں۔ بلکہ نسبتاً

مستحکم تر کاپس منظر دیکھنے سے قاصر تھی۔

ایک دیر اور کدو کا خرچ میری طرف اور دروازے

تھا۔ وہ دونوں پوری طرح جو کس نظر آ رہے تھے کہ

آٹھ فٹ سے کم نہیں تھا۔ ان کا ساتھی رضوان کی تو

طرف بڑھا تو میں سنبھل گئی۔

”کیا مطلب!“ میرے منہ سے بے اختیار آکا

”تمہاری بھائی لالہ جی جاگنے لگی۔“ جواب میں

دیر اور کدو کی نالی میری طرف مچی ہوئی تھی۔

تیسرا آدمی میرے عقب میں پہنچ گیا تھا۔

کدو کی چابی تھی کہ وہ میرے جسم کو ہاتھ لگائے گا،

بس میں کچھ بھی نہیں تھا۔ دوا کرنا مجھے سمجھ نہ

پڑا۔ میں نے والا اس بات سے خوب واقف تھا کہ کدو میں

میں لیکن جب میرے پاس کوئی ہتھیار تھا تو میں نہیں

”دونوں سرخسٹ میں ہیں اس لئے سائفر

”کمرے کی تلاشی مجھے لے ڈالو!“ وہ غلام

کے دیر اور کدو کی نالی مجھے دہانے لگے ہوئے تھی۔

تینوں آدمی اٹھ اٹھ کر تلاشی لینے والے تھے۔

کمرے کی تلاشی میں بھی آئے کچھ ہاتھ رنگ

نے تپائی پر رکھا ہوا میرا پس منظر تھا تو میں ایک نہ

مجبور ہو گئی۔

”اس میں پہ ستول یہ تلاشی لینے والے

”مجھے یقین تھا کہ ان لوگوں کے پاس ہتھیار

والے نہ سہارا۔“

میں اس الجھن کا نشانہ تھی کہ آخر وہ لوگ

زور دے رہے تھے۔ میری دانشت میں تو انھوں نے

وہ اپنے دیواروں کے زور پر ویسے ہی بہت کم

”اب اندر تو کدو بھی دیکھو!“ سوٹ دا

”اس کی کیا ضرورت ہے؟“ بکس شرف والے

”میں نے دروازے کی طرف قدم بڑھایا اور وہ تینوں آئے والے

کی انفر سے بچے دینے کی سبیل کرنے لگے۔ سوٹ والا تو اندر ہی کمرے

میں چلا گیا۔ ٹائی والے نے ایک صوفے کے کرائس پر بیٹھ کر خود کو چھپایا

اور بکس شرف والا ایک پردے کے پیچھے چھپ گیا۔

”میں دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ کدو کے

والا کدو میں کدو کی بکس سے اور دروازے کی طرف چھپ گیا

مفصل گفتگو کے اپنے اپنی طرف مکمل نہیں کر سکا تھا۔ پس آدھ کدو میں

اپنے دل میں گھڑا غرور قرار دے رہی تھی اور مجھے اس سے کوئی فرق نہیں تھی

لیکن اگر کدو میں آجائے تو میں یہ امید باندھ سکتی تھی کہ کدو میں غصہ کا

رنگ بچھا لے۔ میں اسے کوئی اشارہ تو کر سکتی تھی، مگر وہ خود

بی صورت حال کر کھپا لینا تو بات بن سکتی تھی۔

لیکن جب میں نے دروازہ کھولا تو پس آدھ کدو میں شکل نظر آئی،

”کیا بڑی جی! وہ تو دیر تھا جو بڑی جی کے لئے آتا تھا۔ میں ایک

ٹھیکڑی سا منہ لے کر مجھے بٹھی لیکن وہ تینوں آدھ میں رہے،

”ہم ان کے دیر اور اب بھی مجھے دروازے کا نشانہ بناتے ہوئے ہوں گے۔

جب دیر ناٹنے کے برتن میں کدو کے گداڑہ تینوں آدھ سے

نکل آئے۔ کدو میں شرف والے نے خود ہی کدو کے دروازہ بٹھ کر دیا۔

میں رضوان کے قریب جا بیٹھی۔

”میرے پاس میں اب بھی ایک دیر اور پڑھ رہا ہوں۔“

”میں نے سنی زبان میں سرگوشی کرتے ہوئے مجھے بتایا کہ دوسرے کدو

اتنی مدد نہیں تھی کہ وہ تینوں آدھ سے قاصر رہتے۔

میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی بات بڑی ہی تھی

میں معلوم ہوئی تھی۔ وہ اب کدو میں سے ان تینوں کی طرف دیکھ رہا تھا

پھر اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور سنی زبان میں بولا۔ ”ابھی

یہ زبان نہیں آئی۔ اگر میری بات سمجھ جائے تو دیر اور کدو میں تلاشی میں

میری طرف جھپٹ پڑے۔“

”ادھر!“ میں نے رضوان کا مقصد سمجھ کر ایک گہری سانس

کھینچی اور کچھ مسکرا کر کہا، ”بعض اوقات تم بہت ذہانت کی حرکتیں

کر جاتے ہو!“

”وہیں لگ جاتی ہے کبھی کبھی، رضوان نے مضحکہ خیز سیدھی

سے کہا پھر بولا، ”اب آپ کا کیا پروگرام ہے باوجود!“

میں نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔

”میں سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

”میں نے سنی زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر اسی تینوں نے منہ خیر

نظر میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن اس میں سے کسی نے

تھا اور دوسرے نے ایک مرنے پر نشست جمائی تھی تیسرا بیٹل
پیس سے لٹکا کھڑا تھا۔
”ہم اس کی بجائے بیدار نہ رہیں گے میں نے رضوان سے
کہا آج دن میں اس پر جانے کا گرہ لگائے میں نے والد الماس
کا نام نہیں لیا تھا اور نام کی بجائے اس کی بجائے الفاظ استعمال
کئے تھے۔“

”وہیں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ اب ہم پر کیا گزرے گی؟
”ان تینوں کے چہرے سے تو کسی خطرناک رائے کا پتہ نہیں چلتا۔
”کچھ اندازہ لگاؤ ان کے بارے میں؟“
”کوئی حتمی بات نہیں کہی جاسکتی ایک امکان بھی ہے کہ اس چیز
کی کڑھی کسی پہنچنے سے روکنے کے لیے ہی ان تینوں کو مارتا گیا ہو۔“
”انہیں مامور کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟“

”یہ سوال اور زیادہ پیچیدہ ہے۔“
”اس نئی بات کی بارے میں کیا خیال ہے جس نے شہر کے
کے سب سے نفٹ کی تھی؟ رضوان نے روت احمد کا نام لینے سے
احتراز کیا تھا۔“

”اس کی شخصیت بہت زیادہ پراسرار ہے۔“
”کیا یہ ممکن نہیں کہ اس نے ان تینوں کو گھبراہو؟“
”ممکنات کی بات چھوڑو۔ ہمیں تو حتمی طور پر معلوم ہونا چاہیے
کہ ہم کس مرحلے سے گزر رہے ہیں۔“
”حتمی طور پر تو اب ہی معلوم کرتی رہتے؟ رضوان نے جوابی
لیتے ہوئے کہا۔ میں تو اب سونا ہوں پڑ کر۔“

رضوان نے جوتے اٹا کر اور بڑے موٹے پریٹ کر آنکھیں
بند کر لیں لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ اتنا مطمئن ہو کر نہیں ہوگا جتنا
فلاہر کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

وقت دھیرے دھیرے گزرا۔ صبح کی روشنی اب پوری
طرح پھیل چکی تھی۔ ان دونوں کے روالو اپنے اپنے نشے سے
ذرا بھی نہیں ہٹے تھے اب اس بڑی بے بسی محسوس کر رہی تھی وہ رضوان
فاصلہ اتنا زیادہ تھا کہ میری کوئی بھی حرکت کوئی بھی رد و کار کو نہیں
ہوسکتا تھا لیکن میں اپنے ذہن پر دباؤ بڑھاتی جا رہی تھی۔ کوئی نہ
کوئی ذہن سوچنا بھروسہ نہ تھا۔

دس بج گئے لیکن میرے ذہن نے یاد دہانی نہیں کی۔ رضوان
اب صبح سوچ رہا تھا لیکن میری آنکھوں کی نیند کا قدر ہو چکی تھی۔
کمرے میں سناٹا چھا ہوا تھا وہ تینوں آپس میں بھی خاموش رہے
ہو رہے تھے۔

گیارہ بج گئے کوئی ذہن پریری کچھ نہیں ہو سکتی۔ کمرے پر
چھا ہوا سناٹا مجھے بہت بوچھل محسوس ہونے لگا۔ میں ساؤنڈ سسٹم
میں گھس رہی تھی کہ اس سوچ آن کر کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی کہ

غلیظیوں کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں تو اس کی آواز
دہ تینوں بھی سیدھے ہو کر بیٹھ گئے تھے۔
”تھا جیسے ٹیلیفون کی گھنٹی بھی ان کے کمرے کی۔“
”میں نے سواہیہ نظر سے ان لوگوں کو دیکھا۔“
”تین بات کرنے کی اجازت ہے۔“

دیکھتے ہوئے گویا فیصلہ نہ کیا۔ لیکن خیال
بولنے والے کو تم کوئی معمولی سا اشارہ بھی نہیں
میں کوئی جواب دیتے ہو۔ لیکن غلیظیوں کے
گھنٹی پر راج رہی تھی لیکن رضوان اتنی گہری
گھنٹی بھی اسے نہیں جھکا سکتی تھی۔

”ہیلو! میں نے ریسیور اٹھا کر ماما ڈو
مادام صیور بانو؟“ ہوتی کے آہستہ
”میں ہوں ہی ہوں۔“

”بات پیچھے؟“ آپریٹر نے ہلکے سے سلا
”ہیلو! کمانڈر کی جانی چاہی ان آواز
بڑی مشکل سے اپنی خوشی کے تاثر کو اپنے چہرے
”ہاں کیا بات ہے؟“

”زحمت دینے کی سعادت چاہتا ہوں اور
میں اپنے کمرے میں بیٹھے بڑے گھبراہٹ کا
کی طرف سے کوئی ہدایت دینے کی وجہ سے ہر
”تھک جاتے ہیں آگے ہوا۔“

”جی!۔“
”میں تمہاری منتظر ہوں؟ میں نے کہا
منقطع کر دیا۔“

”اس کا کیا مطلب ہوا؟ سوٹ والا لہجہ
”اسے یہاں کیوں بلایا؟“

”اس نے خود کہا پوچھا تھا آئے گے
جواب دیا۔ ”اگر اس شخص کو تو اسے سب
ہوئی کیونکہ پہلے کسی ایسا نہیں ہوا۔ آخر
میں کوشش کر رہی تھی کہ وہ جلد از جلد رخصت
”وہ ہے کون؟“

”میرا ایک دوست ہے۔“ میں نے
”یہ تھا کہ گذشتہ دن سے دوستانہ انداز میں گھر
تھا کہ وہ میرے پاس رہنے کے لیے اندازتہ کہ
طرف سے کوئی ہدایت دینے کے باعث وہ کہ
”یہ کیا کہان سے کی گئی تھی؟“ سوٹ
”یہ تو میں نے اس سے معلوم ہی نہیں کیا
”ہوں“ سوٹ والے نے بچہ کو سنا۔“

”میں ہوں، ہم وہ کچھ جا رہے۔“ میں نے
”اے کوئی اشارہ کر دیا تو ہمارے رہا ہوں
”ہاں؟“

”کیونکہ مجھے مشتعل کر رہی تھی لیکن میرے لئے
”ہاں تھا۔“

”مادر سے ہونے والی دھمکی ہو گئی تھی
”مادر نے ہی کی طرف تھی۔ میرا خیال تھا کہ دھمکی
”تم نے وہ فون اپنے کمرے ہی سے کیا ہوگا۔“
”مروت حال سے ہے، قبر، سو تار۔“ یہاں تک کہ
”اگر میں تھا تو وہ فون اس نے ڈائیٹنگ ہال

”جی!۔“
”ہاں تو رہتی ہوئی محسوس ہونے لگی کیونکہ گذشتہ
”ہاں۔“ میں نے اپنے منٹ اور گزرتے تو مجھ پر غصہ
”اے کے چہرے پر تاثرات کا رنگ نہیں بدلا۔
”اگے نہ لائیں اور اسے آئے گا!۔“

”جی، گویا پورے بیس منٹ ہو چکے تھے۔
”میں نے یقین پریشانی کا سبب یہ ہو کر نہیں تھا کہ
”خود رہی تھی مجھے یہ خیال پریشان کر رہا تھا
”مادر نہ نہیں آگیا ہو۔ اب تک اسے یقین ہو رہا

”لوہ! ذہن طور پر مجھ پر خیال میں اب بھی تھی اور دوسری
”نہیں اس بات کی تبدیلی نظر آنے لگی تھی۔
”انہیں اس تک؟“ ”جی“ ”وہ نے مجھے گھونٹنے

”مہم۔“
”کہا رہی ہوں؟ میں نے اپنے بچے کو سکون
”کی۔“

”اور میرے کی طرف دیکھا۔ تینوں کی نظروں
”وہ ایک دوسرے سے بچ رہے تھے کہ اس
”اب میں ٹھوکر کی پیداوار ایک نظریہ تھی۔
”کہاں تھے کہ میں نے تینوں پریشانی مایوں

”آگے ہوئے ڈیڑھ گھنٹہ گزر گیا۔“ اب میں اس
”ہاں تو تھی۔ وہ یقیناً کسی جگہ میں پھنس گیا
”میں تھی کہ اس کے لئے کچھ نہیں ہو سکتی تھی۔
”وہ تینوں پوری طرح جوتے اٹھا لے تھے وہ کوئی
”لوہ! گے لیکن میں جانتی تھی کہ ان کے لئے کوئی

”میں نے اسے اندازہ کیا۔“ میں نے اسے آہستہ سے گھمایا
”میں نے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”کیا مجھے میرا نہیں ہونا چاہیے
”دیکھ میں نہیں دیکھ کر خوش ہوئی ہوں۔“ میں نے بڑی محبت سے
”اس کا بازو تھام لیا اور اسے اپنے ساتھ لے کر اپنے کمرے کی طرف
”جی۔“ ”یہاں تو تھا۔“ ”جی“ ”تھے کہ میں اس کے ہاتھ سے لے
”میں اور انہیں اپنے برابر میں رکھ لیا۔“

”مادر کچھ خوشی چھٹی کی تھی۔ میں نے اسے آہستہ سے گھمایا
”تھا کہ ہمارے بدن ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرتے تھے۔ وہ جی جانی
”پہلی ہی خوشی وہی شام میں، جو گزشتہ دو روز میں تھی، وہ کھا
”تھی، آج پھر مجھے تانے پانی تھی۔ اگر کوئی مجھے پوچھتا کہ جوابی کا
”راہ کا ہے تو میں جواب میں مادہ کا نام لیتی۔ وہ بڑی بھری بھری سی
”رہی تھی۔“

”میں نے اسے اندازہ کیا۔“ میں نے اسے آہستہ سے گھمایا
”میں نے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”کیا مجھے میرا نہیں ہونا چاہیے
”دیکھ میں نہیں دیکھ کر خوش ہوئی ہوں۔“ میں نے بڑی محبت سے
”اس کا بازو تھام لیا اور اسے اپنے ساتھ لے کر اپنے کمرے کی طرف
”جی۔“ ”یہاں تو تھا۔“ ”جی“ ”تھے کہ میں اس کے ہاتھ سے لے
”میں اور انہیں اپنے برابر میں رکھ لیا۔“

”مادر کچھ خوشی چھٹی کی تھی۔ میں نے اسے آہستہ سے گھمایا
”تھا کہ ہمارے بدن ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرتے تھے۔ وہ جی جانی
”پہلی ہی خوشی وہی شام میں، جو گزشتہ دو روز میں تھی، وہ کھا
”تھی، آج پھر مجھے تانے پانی تھی۔ اگر کوئی مجھے پوچھتا کہ جوابی کا
”راہ کا ہے تو میں جواب میں مادہ کا نام لیتی۔ وہ بڑی بھری بھری سی
”رہی تھی۔“

”میں نے اسے اندازہ کیا۔“ میں نے اسے آہستہ سے گھمایا
”میں نے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”کیا مجھے میرا نہیں ہونا چاہیے
”دیکھ میں نہیں دیکھ کر خوش ہوئی ہوں۔“ میں نے بڑی محبت سے
”اس کا بازو تھام لیا اور اسے اپنے ساتھ لے کر اپنے کمرے کی طرف
”جی۔“ ”یہاں تو تھا۔“ ”جی“ ”تھے کہ میں اس کے ہاتھ سے لے
”میں اور انہیں اپنے برابر میں رکھ لیا۔“

”مادر کچھ خوشی چھٹی کی تھی۔ میں نے اسے آہستہ سے گھمایا
”تھا کہ ہمارے بدن ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرتے تھے۔ وہ جی جانی
”پہلی ہی خوشی وہی شام میں، جو گزشتہ دو روز میں تھی، وہ کھا
”تھی، آج پھر مجھے تانے پانی تھی۔ اگر کوئی مجھے پوچھتا کہ جوابی کا
”راہ کا ہے تو میں جواب میں مادہ کا نام لیتی۔ وہ بڑی بھری بھری سی
”رہی تھی۔“

”میں نے اسے اندازہ کیا۔“ میں نے اسے آہستہ سے گھمایا
”میں نے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”کیا مجھے میرا نہیں ہونا چاہیے
”دیکھ میں نہیں دیکھ کر خوش ہوئی ہوں۔“ میں نے بڑی محبت سے
”اس کا بازو تھام لیا اور اسے اپنے ساتھ لے کر اپنے کمرے کی طرف
”جی۔“ ”یہاں تو تھا۔“ ”جی“ ”تھے کہ میں اس کے ہاتھ سے لے
”میں اور انہیں اپنے برابر میں رکھ لیا۔“

”مادر کچھ خوشی چھٹی کی تھی۔ میں نے اسے آہستہ سے گھمایا
”تھا کہ ہمارے بدن ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرتے تھے۔ وہ جی جانی
”پہلی ہی خوشی وہی شام میں، جو گزشتہ دو روز میں تھی، وہ کھا
”تھی، آج پھر مجھے تانے پانی تھی۔ اگر کوئی مجھے پوچھتا کہ جوابی کا
”راہ کا ہے تو میں جواب میں مادہ کا نام لیتی۔ وہ بڑی بھری بھری سی
”رہی تھی۔“

”میں نے اسے اندازہ کیا۔“ میں نے اسے آہستہ سے گھمایا
”میں نے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”کیا مجھے میرا نہیں ہونا چاہیے
”دیکھ میں نہیں دیکھ کر خوش ہوئی ہوں۔“ میں نے بڑی محبت سے
”اس کا بازو تھام لیا اور اسے اپنے ساتھ لے کر اپنے کمرے کی طرف
”جی۔“ ”یہاں تو تھا۔“ ”جی“ ”تھے کہ میں اس کے ہاتھ سے لے
”میں اور انہیں اپنے برابر میں رکھ لیا۔“

”مادر کچھ خوشی چھٹی کی تھی۔ میں نے اسے آہستہ سے گھمایا
”تھا کہ ہمارے بدن ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرتے تھے۔ وہ جی جانی
”پہلی ہی خوشی وہی شام میں، جو گزشتہ دو روز میں تھی، وہ کھا
”تھی، آج پھر مجھے تانے پانی تھی۔ اگر کوئی مجھے پوچھتا کہ جوابی کا
”راہ کا ہے تو میں جواب میں مادہ کا نام لیتی۔ وہ بڑی بھری بھری سی
”رہی تھی۔“

”میں نے اسے اندازہ کیا۔“ میں نے اسے آہستہ سے گھمایا
”میں نے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”کیا مجھے میرا نہیں ہونا چاہیے
”دیکھ میں نہیں دیکھ کر خوش ہوئی ہوں۔“ میں نے بڑی محبت سے
”اس کا بازو تھام لیا اور اسے اپنے ساتھ لے کر اپنے کمرے کی طرف
”جی۔“ ”یہاں تو تھا۔“ ”جی“ ”تھے کہ میں اس کے ہاتھ سے لے
”میں اور انہیں اپنے برابر میں رکھ لیا۔“

”مادر کچھ خوشی چھٹی کی تھی۔ میں نے اسے آہستہ سے گھمایا
”تھا کہ ہمارے بدن ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرتے تھے۔ وہ جی جانی
”پہلی ہی خوشی وہی شام میں، جو گزشتہ دو روز میں تھی، وہ کھا
”تھی، آج پھر مجھے تانے پانی تھی۔ اگر کوئی مجھے پوچھتا کہ جوابی کا
”راہ کا ہے تو میں جواب میں مادہ کا نام لیتی۔ وہ بڑی بھری بھری سی
”رہی تھی۔“

”میں نے اسے اندازہ کیا۔“ میں نے اسے آہستہ سے گھمایا
”میں نے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”کیا مجھے میرا نہیں ہونا چاہیے
”دیکھ میں نہیں دیکھ کر خوش ہوئی ہوں۔“ میں نے بڑی محبت سے
”اس کا بازو تھام لیا اور اسے اپنے ساتھ لے کر اپنے کمرے کی طرف
”جی۔“ ”یہاں تو تھا۔“ ”جی“ ”تھے کہ میں اس کے ہاتھ سے لے
”میں اور انہیں اپنے برابر میں رکھ لیا۔“

"یہ شخص بے بازی ہیں نہیں آئی۔" رمضان نے بڑبڑاتے والے انداز میں کہا۔

میں بچھڑی تھی کہ ان تیزن کا رعبو کاربنا کیوں کو کہہ رہے وہ کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے۔ اگر وہ کی بجائے پانچ افراد کا گھانا لٹکا جاتا تو دم سروس والوں کو اس پر قوی ہو سکتا تھا۔

رمضان نے فون کا ریسپونڈر اٹھا کر دم سروس سے رابطہ قائم کیا اور دوا دیموں کے لئے کھانے کی ہدایت دی۔

جب دیر لگانے کا کیا تو وہ تیزن چھڑی اپنی پناہ گاہوں میں چھپ رہے تھے۔

کھانے کے دوران میں رمضان پر ایک بار پھر کسی سرخ کادرہ پڑ گیا اور وہ مجھ سے بالکل غافل نہیں ہوا۔ ادھر میں بھی صرف اسی خیال میں کھوئی ہوئی تھی کہ شاید اب نادہ نے اپنی خالی گھول کر دیکھ لی ہو۔

کھا کھانے کے بعد رمضان کے ساتھ میں بھی سرگرمی چلائی۔ رمضان کے چہرے پر سکون ہی سکون کھل رہا تھا لیکن میں اندازہ کرتی تھی کہ یہ ویسا ہی سکون ہے جیسا میرے چہرے پر نظر آ رہا ہو گا۔ وہ حقیقت میں جتنی پریشان تھی، اس سے زیادہ پریشانی رمضان کو ہو گی۔ میں نہ صرف اپنے لئے بلکہ ہمدردی کے لئے بھی تنہا تھی۔ نہ جانے اس پر کیا گزری ہو گی؟ میں اندازہ لگانے سے سستا مر جی۔

پھر دیر بعد دیر آیا اور کھانے کے برتن لے کر چلا گیا۔ اس ہفتے میں ان دونوں نے خود کو پوشیدہ رکھا۔

"آج تمہارا جوڑو اور دلکرت سب دھرا دیا گیا۔" رمضان نے براہ راست ناگرمندگی میں کہا۔

"دنیا میں جوڑو اور دلکرت کا جو سب سے بڑا ہر ہے وہ بھی اس جوڑ میں ہے۔ میں ہر سائے کا جب دو ریا اور سامنے ہوں اور دیربانی نامی صاحبی نے تھوڑے سے کم نہ ہر تو کیا کیا جا سکتا ہے؟"

"یہ تو میں اس وقت جانتا جب اس فن کا ماہر ہوتا۔"

"تم مغفول باتیں کیوں کر رہے ہو؟ میں سمجھتا ہوں۔"

"وقت گزری کے لئے کچھ تو ہونا چاہیے۔" رمضان نے بڑی سادگی سے کہا۔ "اگر آپ احسانت دیں تو عشقہ باتیں شروع کروں؟"

"بس اب خاموش ہو جاؤ۔" میری جھجھکاہٹ بڑھ گئی۔

"اچھا! رمضان نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور چپ ہو گیا۔

پھر شام ہونے لگا وہ خاموش ہی رہا تھا۔

بٹن شرٹ والے نے مین وادیا کر کے کی چادر و تیاں روشن کر دیں اور رات کی تاریکی پھیلنے سے کچھ دیر پہلے ہی کمرے میں تیز روشنی پھیل گئی۔

سات بج چکے تھے جب رمضان نے دم سروس سے رابطہ

قائم کر کے جانے کے لئے کہا۔ ان تیزن نے تھا۔ ابھی تک ان کے رونے میں کوئی ایسا مساندانہ کہا جا سکتا جب دیر جانے کے اور جب دیر چلا گیا تو وہ چہرے سے اٹھے، کہا جانے میں شکر تھیں کہ ان کی فحش سارا دل انہ کر دیا تھا۔

آدمی نے غصے بھر دیا اور اوجڑا کے اس کے دس منٹ بعد جب دوازے پر دستک ہوئی پڑا۔ وہ بڑبڑاتے رہا کہ اس کا چہرہ تھا اس لئے اب اس تک نہیں ملے گی جب تک اسے بلایا نہ جاتا۔

میں نے کمرے پر چلنے کے ہونے سنا ہی کیا اور سولہ نفلوں سے ان تیزوں کی طرف دوازے کھولنے کا اشارہ کیا اور پھر وہ تیز بڑی تھک رہے تھے۔

میں دوازے کی لڑت دھکی۔ رمضان اپنی کی نظر دوازے کی طرف تھی۔

میں نے دوازہ کھولا اور کھولتے ہی چمک تقویٰ میں نہیں کیا جا سکتا تھا کہ دستک دینے والا سوت میں اس وقت بھی فضا اسماٹ نظر آ رہا تھا۔

پورسٹاٹ کھل رہی تھی۔ دریاں ہاتھ کوٹ کی کر ایک دم پیچھے ہٹی تھی کہ اس کا ہاتھ کوٹ میرا یہ خضر غلط ثابت ہوا تھا کہ اس کے ہاتھ میں اس کے ہاتھ میں ایک بے ضرر چیز دیکھیں۔

"لا حفظ فرمائیے!" اس نے کا ڈھیری لڑ کر کہا اور کمرے میں آ گیا۔

غیر شعوری طور پر میرے ہاتھ نے جنبش کی ہاتھ سے میرے ہاتھ میں منتقل ہو گیا۔ کا ڈھ پر کھا۔

پھر فٹنٹ ڈوف احمد فرام سی۔ آئی۔ اے

میں نے حیرت سے نہ کھل کر اس کی طرف پلٹ کر دوازہ بند کر دیا تھا۔ پلٹ لگانے کے کہ اسے ایک فائرنگ لٹوڑا لی۔

"اب تجھے رہنے کی ضرورت نہیں ہے!" وہ میں نے تیزی سے گھوم کر تجھے دیکھا۔

میں نے نکل رہے تھے ادب ان میں سے کسی کے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

رمضان کے چہرے پر بھی حیرت کے آثار جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔

دھاکتے ہوئے ڈوف احمد نے ٹھکانے میں ان تیزوں "سروس کے پیچھے چلتے ہوئے دوازے کی طرف انہم سے پھر میری طرف دیکھا اور مسکرا کر بولا۔ کیا کھانے کے نہیں کیوں؟"

لکھنے میں نے غلام ہونٹ داتوں سے دبا کر کہا۔

غلام ہونٹ نکلا تھا کہ کیا کیوں کیا جا رہا ہے؟ وہ ایک سوئے پر بیٹھ گیا۔ وہ تیزوں کو سروسے جا چکے تھے۔

فٹنٹ ہونٹ دوازہ بند کر لیجئے! ڈوف احمد نے

دافعہ بند کر کے مڑی تو رمضان، ڈوف احمد کو گھور کر جب پہنچی تو ڈوف احمد کا ڈھاب بھی میرے ہاتھ کو سے لیا اور اس پر ایک اپنی فحش کی نظر ڈالنے کا ڈوف احمد کو گھورنے لگا۔

انہی نہیں رکنا۔ رمضان نے خشک ہونٹوں میں ہڈ بڑھ کر کا ڈھ چھو سکتا ہے؟

فٹنٹ تیزوں کو میرے پاس ساختی کا ڈھ بھی ہے؟

دوا دیم کی اطمینان ہو سکتا ہے؟

اس لئے اپنی جیب سے سختی کا ڈھ نکالا میں نے میری طرف بڑھا دیا۔ مجھے یقین ہے کہ اس اب آپ آپ شریف نہیں ہیں؟

اس کا ساختی کا ڈھ دیکھتی ہوئی اس کے سامنے لٹا ہوا ٹول ماس کے کردہ کا ڈھ رمضان کی طرف لکھتی کا ڈھ کو سروس دیکھا اور پھر خشک ہونٹوں کا ڈھوں کا ڈھ تو یہ تو میرا ہمارا کیجئے والا ہے؟

احسانت نمود کر دیا۔ ڈوف احمد نے رمضان کی فٹنٹ دیکھتے ہوئے دیا لیکن یہ تیز درسی ہے کہ تم نہنا میں ہو؟

لکھتوں ہونے لگا تھا جیسے معاملہ بہت عجیب

مولا علیہ پر رمضان کی پیشانی نشن آ رہی تھی۔

اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہ اسے دوسرے کمرے کا ڈھ دیا ہو گیا۔ یہ صداقت محسوس ہو گیا تھا کہ اسے لگا رہا ہے۔

انہ احمد نے مجھ سے اس وقت کہا جب رمضان ایک ہانے کے بعد بڑے زور سے دوا دیم بند کر

میں سہاٹ لیجے میں ہوئی۔

مکھتوں میں اس بات کی عذر نہ چاہتا ہوں کہ ج

دب جھڑپ کی میری دہر سے زحمت ہوئی۔

"میرا خیال ہے کہ ان تکلفات کی ضرورت نہیں ہے میں نے خشک لیجے میں کہا۔

"میں خود بھی ان تکلفات میں نہیں چڑا چاہتا کیونکہ وقت بہت کم ہے۔" ڈوف احمد نے اپنی سوت حاج پر نظر ڈالنے کے لئے کہا اور پھر تگے جھک کر بہت ہی کم سرگرمی میں بولا۔ "پرہیز نہ کی وقت آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"پرہیز نہ؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "مکان پرہیز نہ؟"

"آہستہ لیجئے ڈوف احمد نے پہلے کی سے انداز میں سرگرمی کی۔

"پرہیز نہ سے میری کمزور دھڑکت سے ہے؟"

میں نے اسے اپنی برہمگوشی کی مثال تھا کہ کسی وقت خود پرہیز نہ مجھ سے ملنے کے خواہشمند ہوں گے۔

ڈوف احمد پر بولا۔ آپ کو اسی وقت میرے ساتھ پرہیز نہ ہاؤس پہنچے اور میرے والی اس ملاقات کا طالع بھی لکھی تھی تھے فرو کو نہیں ہے۔ پرہیز نہ کی خواہش ہے کہ وہ تھا تو مجھے پیدائ ہو؟

میں ڈوف احمد کی صورت دیکھتی رہی۔

"میں پھر عرض کروں گا کہ وقت بہت کم ہے۔" ڈوف احمد اپنی غمگینی پر نظر ڈال کر مضطربانہ انداز میں بولا۔

"یہ سارا آتا رہم ہے کہ میں سوچنے کے لئے وقت چاہوں گی۔ میں نے سخت لیجے میں کہا۔

"ادہ! ڈوف احمد کی آنکھوں سے پریشانی جھانکنے لگی پھر کچھ سورج کو اس نے کہا۔ اچھی بات ہے۔ آپ پانچ منٹ سوچ لیں۔

در اصل وقت کی کمی اس لئے ہے کہ پرہیز نہ رات کی کو کسی وقت کہانی جادہ ہے میں اور روایتی سے قبل آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا میں اس معاملے میں اسوچے مجھے لہجہ کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتی تھی۔ آئی خیر ملاقات کا سبب میری کچھ میں نہیں آ رہا تھا اور نہ جانے کیوں میں یہ محسوس کرنے لگی تھی جیسے خوب میں کسی سبب کی اسکیڈل میں بھی ٹوٹ ہو جاؤں گی۔

آن دنوں تک کے حالات بڑے نازک ٹوڑ پر محسوس ہو رہے تھے۔ پرہیز نہ کی شخصیت لوگوں کی نظر میں شبہ ہو چکی تھی سیاسی فضا میں جس ساتھ احمد بال کی وقت بھی برس سکتے تھے۔ ان حالات میں پرہیز نہ سے بغیر ملاقات کرتے ہوئے بے ادب کا ڈھ لگا کر اس سے پہلے خود میں نے پرہیز نہ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا اور ان سے ملنے کی بھی تھی لیکن یہ صورت حال بہت مختلف تھی کہ خود پرہیز نہ مجھ سے ملنا چاہتے تھے۔

"پانچ منٹ ہو گئے؟" ڈوف احمد بولا تو میں اپنے خیالات سے تڑنگہ "اچھا... چلے!" میں نے ایک ٹول ماس لیتے ہوئے ہٹ کر دیا۔

"کپڑے مڑھوں کو بھی نہیں بتائیں کہ آپ میسکے ساتھ کہاں

”بترسے؟ میں نے کہا۔

میں دل ہی دل میں فیصلہ کر چکی کہ پریسڈنٹ سے ملنے کے بعد اگر میں نے اس ملاقات کے لیے منظر میں کسی قسم کا اشتہار محسوس کیا تو پھر میں اپنی پہلی خدمت میں وزیر خارجہ سے بھی اپنے طور پر ایک منظر ملاقات ضرور کروں گی۔ سیاسی افق پر وہی ایک ایسا چہرہ تھا جس پر اعتبار کر لینے کو بھی چاہتا تھا۔

تہاں انریٹورٹ کے دی آئی، اپنی روم میں ان سے میری ایک ملاقات ہو بھی چکی تھی اور انہوں نے مجھے سے کہا تھا کہ اگر مجھے یہ معاملے میں مجھے ان کی مدد و کار پر تو ان سے فوراً مل لوں۔ اب شاید وہ وقت قریب آگیا تھا جب مجھے ان سے ملنا پڑتا۔

پریسڈنٹ روف احمد کارڈ رائج کر رہا تھا اور میں اس کے بار میں پہنچی ہوئی تھی۔ ملک کی سیاسی فضا کے دائرہ بیچ میرے ذہن میں اچھل کود مچا رہے تھے۔ ان سب باتوں کو میں منظر میں رکھ کر میں یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ صدر مملکت میری یہ ملاقات کس نوعیت کی ہوگی؟ یہ میرا یہ احساس برا عجیب تھا کہ میں کسی سیاسی گورکھ دھند سے ملنے والی ہوں۔ ایسے بے بسباد خیالات کو عموماً احمقانہ قرار دیا جاتا ہے لیکن مدنیہ و موقوفوں پر ایسا نہیں ہوتا۔ بعض اوقات اس قسم کے خیالات چھٹی جس کا کرشمہ ہوتے ہیں اور حیات انسانی کا یہ عجیب و غریب ایسی یہ پاس را کچھی چیز، مردوں کی نسبت عورتوں میں زیادہ قوی ہوتی ہے۔ بعد میں یہ ثابت بھی ہو گیا کہ میرا یہ خیال احمقانہ نہیں بلکہ چھٹی جس کا کرشمہ تھا۔

میری قوت فکر کی روشنی، مستقبل کے دھندلے کی داخل ہونے کی کوشش کرتی رہی اور اس کے ساتھ ساتھ زمانہ حال و ماضی کی الجھی ہوئی ڈور بھی یہ امتحان لیتی رہی۔ روف احمد نے مجھے سارا دن ہٹل کے کمرے میں محسوس رہنے پر مجبور کر دیا تھا اور میں اس کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ مجھے یہ جاننے کا بھی اضطراب تھا کہ اس دوران میں کیا کچھ ہو چکا ہوگا۔ میں خاص طور سے الماس کے لئے فکر مند تھی۔ جس کے جوڑ کی مہیا کر کسی غوغا کی زینت بننے کی بجائے جاگیردار شہرت کے زندان میں محسوس تھی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس پر کارگزاری ہوگی لیکن میرے خیال کے مطابق روف احمد کو اس کے بارے میں مکمل معلومات ہوں گی۔

راہ میں مجھے روف احمد سے اس موضوع پر گفتگو کرنے کا موقع نہیں مل سکا کیونکہ تفسیر صدارت تک کا فاصلہ طے ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔

پھر رسمی کارروائی میں بھی زیادہ وقت صرف نہیں ہوا اور مجھے اس کمرے میں پہنچا دیا گیا جہاں صدر کی پرودا شخصیت میری منتظر تھی۔

ان کے حجرے سے نکل کر اظہارِ سودا ہوا تھا۔ چشماں، بڑی ہوتی تھیں لیکن مجھے کچھ یاد نہیں آتا۔ ساثرات لانے کی کوشش کی۔ میں نے انہیں سلام کیا اور جواب دیا اور لوٹے۔

”تم حیران تو ہو گئی کہ میں تمہیں کیوں بلایا۔ میں نے اُن کے اندازِ مخاطب میں نمایاں تہ ملاقات میں انہوں نے مجھے ”تم“ کہہ کر مخاطب نہیں کیا۔ یہ تکلفی گراں نہیں گزری۔ میں نے اس سے تھوڑی سی تھوڑی کہ وہ بہر حال عمر میں مجھ سے بڑے تھے۔

”میری حیات ایک قدرتی امر ہے جناب واد کیا آپ کے خیال میں مجھے حیران نہیں ہونا چاہیے؟“

صدر آہستہ سے مینے لیکن فوراً ہی کھیر سبز۔

”آپ بہت پریشان نظر آ رہے ہیں جناب نہیں رہ سکی۔

”پریشان؟ ہاں میں پریشان تو ہوں لیکن مطابق بہت پریشان نہیں ہوں۔“ صدر سکرانے زیادہ جاندار نہیں بھی۔ دراصل میں تم سے واقف کرنا چاہتا تھا۔ وہ دوبارہ تو تمہارے لیے پریشانی ”جی نہیں“ مجھے ان سے نیو کوئی شکایت نہیں ”آج مجھے ان دو باروں سے بڑی گفتگو ہو چکی۔“

”میرا استعجاب ہونا فطری تھا۔“

”بہرے۔“ صدر کھڑے ہو گئے۔ آؤ ذرا باہر ملیں۔

”بہرے میری مراد یہاں باغ سے ہے۔ میں اپنے ذہن میں کچھ کر رہی تھی۔ صدر کا باغ تک چلے آئے۔ سیکیورٹی کے آدمیوں کا ہدایت کر رہی تھی۔

پائیں باغ پھولوں کی خوشبو سے بہک، موجود تھی۔ ایک جگہ سانس سانا ہوا تھا جس ہوئی تھیں۔ اس جگہ بیٹھ کر اس باغ کے داخل تھی۔ صدر نے اس جگہ کا انتخاب کرنے مجھے یہ سو وہ مجھ سے کوئی اہم ترین گفتگو کرنے والے ہیں، کوکا، لفظ بھی کسی آدمی کے کاتوں تک نہیں پہنچنا چاہیے میں سننا نہ سنی تھی۔ ہوتی محسوس کرنے لگی اور میں ناہمواری آگئی۔ عتقریب میں کسی اہم معاملہ بننے والی تھی۔

”بیٹھو!۔“ صدر نے سکرانے کا کمرہ کی

ل ہوئی پرستور طرزی تھی۔

”مگر یہ جناب والا!۔“ میں نے چونک کر کہا اور ان کے لقمہ ہی بہت پریشان نظر آ رہی ہوا۔“ صدر ایک

ان تو نہیں لیکن میں بہت مری طرح اُلجھ کر رہ گئی ہوں۔

”بہرے“ آپ کوئی ایسی گفتگو چھوڑنے والے ہیں جس میں کوئی شک

احساس بالکل درست ہے۔ میں ایک ایسی گفتگو کا ہوں جو تمہارے لیے بہت عجیب و غریب ہوگی۔“ صدر کے

انقرض نے میرے اعصاب میں ساڑیس اٹھا کر دیا۔

”ایسا معلوم ہے کہ اگر کش لیا اور کچھ سوچنے لگے۔ ایسا معلوم ہے کہ اگر انداز کرنے کے لیے مناسب الفاظ ڈھونڈ

نہا انہوں نے لون شروع کیا تو ان کا انداز ایسا تھا کہ ایک سیٹاپ سے چون چون کر نظر پورے ہوں۔

سات سے اچھی طرح واقف ہو چکا ہوں بیٹھو بانو۔“

”میں محنت ہوا اس لئے مجھے یقین ہے کہ میں جو کچھ اسے اپنے دل کے مدفن میں چھپا دوں گی، اگر مجھ کو اس وقت میرے سامنے نہ ہوتیں۔“ صدر نے قدرے

”اگے دو ایک کش لینے کے بعد دوبارہ بولنے لگے۔“

”ہر طرح تم بھی یہ جانتی ہوگی کہ آج کا امریکہ خود کو ساری نگاہ ہے۔ صرف سمجھنے لگا ہے کہ دوسروں کو یہ

”میں کو مشن کرنا ہے۔ اس سلسلے میں امریکہ کی

”ایکسی انتہائی اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ ساری دنیا

”میں کو مشن کرنا ہے۔ اس سلسلے میں امریکہ کی

”ایکسی انتہائی اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ ساری دنیا

”میں کو مشن کرنا ہے۔ اس سلسلے میں امریکہ کی

”ایکسی انتہائی اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ ساری دنیا

”میں کو مشن کرنا ہے۔ اس سلسلے میں امریکہ کی

چین ہمارا سب سے عظیم دوست ہے۔ ہمارا اس کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتے۔ ہمارے اس موقف کو محسوس کر کے امریکہ نے پچھلے دنوں عوام کو قیادت پر کارکنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کی یہ سازش کامیاب نہیں ہو سکی۔ قبل از وقت ہی نقاب اٹھ گیا۔ غالباً اسی کے نتیجے میں امریکی مفاد خاں کے ملنے کو دباؤں امریکہ ملایا جا رہا ہے۔ اس کے جگہ دوسرے کو بھیجا جائے گا خیالاً غلبہ ہے کہ سٹرول، ایٹمی جیسٹیشن کا نیا تربیت یافتہ عملہ پاکستان اگر کوئی ٹانگل کھلانے کی کوشش کرے گا،

میں دھیرے سے سر ہار کر رہی۔ میرا اصرار تھا کہ شاد و شاد ہوتا تھا کیونکہ صدر نے ابھی تک یہ بات نہیں بتائی تھی کہ میرے سامنے ان سب باتوں کے اظہار سے ان کا تہہ صبر کیا ہے۔

وہ مسلسل بولتے رہے۔ اس وقت ہمارا ملک اپنی تاریخ کے بڑے نازک دور سے گزر رہا ہے۔ ہندوستان کی ہمسایگی ہمیں نہ تو ماضی میں داس آئی ہے اور نہ مستقبل میں اس کے داس آئے گا۔ کوئی اسکاں ہے جو کہ معاہدہ دلی کچھ کے بعد ہمارے تعلقات نظر اچھوڑ کر ہونے لگے ہیں لیکن جتنی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ کل یہ ادنیٰ اس کر دیتے ہیں۔ کسی آئی اسے ان حالات کو اپنی تشدد برداری کے لئے استعمال کر سکتی ہے اور میں محسوس کر رہا ہوں کہ مستقبل قریب میں پاکستان کو کسی دشمن

استحسان سے گزرنا ہوگا۔

اب میری قوت برداشت جواب دے گی اور میں بول پڑی۔

”لیکن جناب والا! میں سمجھنے سے تھوڑی دیر تک کب مجھ کو سب کچھ یوں بتا رہے ہیں۔ میں نہ تو اپنے ملک کی سرکاری مشینری کا کوئی بڑے ہوں اور نہ پالیٹیشن ہوں۔“

”میں نہیں یہ سب کچھ اس لئے بتا رہا ہوں کہ تم بہت وطن ہو۔“

”محب وطن تو ہر پاکستانی ہے جناب والا! غلاموں کی تعداد تو گنتی چلی ہوگی۔“

”جنگ ہر پاکستانی محب وطن ہے لیکن ہر پاکستانی میں وہ صلاحیت نہیں ہوگی جو تم میں ہے۔“

”میں اب بھی آپ کا مطلب نہیں سمجھتی جناب والا! آپ سنا تھی تو ہوگی لیکن مجھے عرض کرنے دیجئے کہ میں آپ سے صاف صاف گفتگو کی منتھی ہوں۔“

”میں اب صاف صاف ہی گفتگو کر دلی گا۔“ صدر نے کہا لیکن اس گفتگو سے پہلے سب کچھ تانا فورا ہی تھا۔ صدر نے سکرانے کا کش لینا چاہا مگر کام ہو گئے کیونکہ سکرانے کا قتل انہوں نے لائبریری کے آبی عیسوی ٹولیں اور جب لائبریری میں لاگو ہوں نے سکرانے کو دیا۔ ایک ٹھنڈی سانس والی پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ ”میں وقت میری ذات امریکی سی آئی اے کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہی ہے اور خوش ہے کہ وہ لوگ اس کانٹے کو اپنی راہ سے ہٹانے کی کوششیں کریں گے۔“

یہی انتخاب یوں لیا ہے ؟
 ”جی ہاں جناب!“ میں نے مسکرا کر بے تکلف
 ”اگر میرے ذہن میں یہ سوال پیدا نہ ہوتا تو یہ غالباً
 بیٹھی ہوتی۔“

میرے اس جلیقہ پر صدر بڑی خوشدلی سے مسکرائے
 سی ہنسی کے ساتھ بولے: ”ددا صل میں اس ددان میں

اسی تحقیق کو دیکھا ہوں۔ شاید اس ملک میں جیگر پر تاب نہ لگ سکے
 شخص ہوں جس کو تھپا رہے ماضی کا علم ہو چکا ہے۔
 دو لکھ کیا: میں کو کھلا کر کھڑی ہو گئی۔
 ”وہ عجیب بیٹیو“، صدر نے ہاتھ اٹھا کر تسلی دینے
 لگا: ”میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم لوگ ماضی پر رٹے ہوئے

[illegible]

کا کا بون جہادی شخصیت کا وہ پہلو بھی پوری طرح میری اد
بے خدائی کو خیردار کہتے ہیں کوئی حرج نہیں، تم معاشرے
مساے جس طرح سینہ سپر ہو جاتی ہو اس طرح کو کو
ہے۔ میں یہ بھی جان چکا ہوں کہ تم بڑی منقسم
اور انہی خصوصیات پر، اس قدر اکر دہر دہا شے کہ

اعتراض بھی ہے لیکن میں اس موضوع پر تم سے کوئی کرنا چاہتا۔“

میں سمجھ گئی کہ صدر کا اشارہ میری جم جنس پر ہے۔ اس سلسلے میں اپنے نظریات اور لائل رقی: دول اس موضوع پر گفتگو کرنے کے مؤثر نہیں تھے لہذا میں

بحث کرنے کی ضرورت تو اس وقت ہوئی جب سید علیہ السلام
 صدرِ مرتبت رہے۔ دہتماری شخصیت کا وہ پہلو
 خدائی فوجدار لگتا ہے اس کے پاس میں تازہ ترین
 سے حاصل ہوئی تھیں اور وہ آخری ایسا شخص جو کچھ
 کے بعد ہی میں نے فہرہ علیہ السلام کا ترجمہ یہ کام میں لگا
 فہرہ علیہ السلام کے ترجمہ یہ کام کرنا چاہا ہوگا کہ انہیں میں ترجمہ
 کرنا چاہتا تھا۔ ترجمہ کے بعد کچھ غلطی آتواری سے کہوں کہ فہرہ
 علیہ السلام چاہوں گا کہ اگر ترجمہ میری خواہش کے خلاف فہرہ
 علیہ السلام کے ترجمہ کے بعد کچھ غلطی آتواری سے کہوں کہ فہرہ

بھی فیصلہ کرو، اس سے ردّف کو آگاہ کر دیتا۔ دینی اکی
جس پر میں مکمل اعمتاد کر سکتا ہوں۔ وہ میرے تے

ان میں سے کئی ایک ہوں لیکن میرے پاس وقت نہیں ہے
 سب کچھ بتانے پر آمادہ تھا لہذا میری بے صبری ایک بچکانہ بات
 ہوئی۔ بہتر یہی تھا کہ اس خاموشی سے روت احمد کا بیان منقطع نہ ہو۔

لوہن بھی کر سکتا ہوں لیکن میرے پاس وقت نہیں ہے۔
اب مجھے امید ہے تم دنوں سے لنگھو کرو گی تو کسی ملین
تم اسے اپنے فیصلے سے بھی ہٹا کر دنا دے۔ مجھے اس کے
ہاے دیگا۔۔۔ آخری حملہ کر کہ صدر کھڑے ہو گئے۔
بہت سی باتیں کرنا چاہتی تھی۔ ایسی باتیں جن میں ڈاکٹر
معاذیت حاصل ہوئی لیکن موقع ایسا تھا کہ میں چپ رہ
اے تاکہ ایک سربراہ عسکرت کے وقت تک ایک ایک ٹوکھا ہم

لوہن بھی کر سکتا ہوں لیکن میرے پاس وقت نہیں ہے۔
اب مجھے امید ہے تم دنوں سے لنگھو کرو گی تو کسی ملین
تم اسے اپنے فیصلے سے بھی ہٹا کر دنا دے۔ مجھے اس کے
ہاے دیگا۔۔۔ آخری حملہ کر کہ صدر کھڑے ہو گئے۔
بہت سی باتیں کرنا چاہتی تھی۔ ایسی باتیں جن میں ڈاکٹر
معاذیت حاصل ہوئی لیکن موقع ایسا تھا کہ میں چپ رہ
اے تاکہ ایک سربراہ عسکرت کے وقت تک ایک ایک ٹوکھا ہم

لوہن بھی کر سکتا ہوں لیکن میرے پاس وقت نہیں ہے۔
اب مجھے امید ہے تم دنوں سے لنگھو کرو گی تو کسی ملین
تم اسے اپنے فیصلے سے بھی ہٹا کر دنا دے۔ مجھے اس کے
ہاے دیگا۔۔۔ آخری حملہ کر کہ صدر کھڑے ہو گئے۔
بہت سی باتیں کرنا چاہتی تھی۔ ایسی باتیں جن میں ڈاکٹر
معاذیت حاصل ہوئی لیکن موقع ایسا تھا کہ میں چپ رہ
اے تاکہ ایک سربراہ عیلت کے وقت تک ایک ایک ٹکڑا ہاں

لوہن بھی کر سکتا ہوں لیکن میرے پاس وقت نہیں ہے۔
اب مجھے امید ہے تم دنوں سے لنگھو کرو گی تو کسی ملین
تم اسے اپنے فیصلے سے بھی ہٹا کر دنا دے۔ مجھے اس کے
ہاے دیگا۔۔۔ آخری حملہ کر کہ صدر کھڑے ہو گئے۔
بہت سی باتیں کرنا چاہتی تھی۔ ایسی باتیں جن میں ڈاکٹر
معاذیت حاصل ہوئی لیکن موقع ایسا تھا کہ میں چپ رہ
اے تاکہ ایک سربراہ عیلت کے وقت تک ایک ایک ٹکڑا ہاں

لوہن بھی کر سکتا ہوں لیکن میرے پاس وقت نہیں ہے۔
اب مجھے امید ہے تم دنوں سے لنگھو کرو گی تو کسی ملین
تم اسے اپنے فیصلے سے بھی ہٹا کر دنا دے۔ مجھے اس کے
ہاے دیگا۔۔۔ آخری حملہ کر کہ صدر کھڑے ہو گئے۔
بہت سی باتیں کرنا چاہتی تھی۔ ایسی باتیں جن میں ڈاکٹر
معاذیت حاصل ہوئی لیکن موقع ایسا تھا کہ میں چپ رہ
اے تاکہ ایک سربراہ عسکرت کے وقت تک ایک ایک ٹوکھا ہم

لوہن بھی کر سکتا ہوں لیکن میرے پاس وقت نہیں ہے۔
اب مجھے امید ہے تم دنوں سے لنگھو کرو گی تو کسی ملین
تم اسے اپنے فیصلے سے بھی ہٹا کر دنا دے۔ مجھے اس کے
ہاے دیگا۔۔۔ آخری حملہ کر کہ صدر کھڑے ہو گئے۔
بہت سی باتیں کرنا چاہتی تھی۔ ایسی باتیں جن میں ڈاکٹر
معاذیت حاصل ہوئی لیکن موقع ایسا تھا کہ میں چپ رہ
اے تاکہ ایک سربراہ عیلت کے وقت تک ایک ایک ٹکڑا ہاں

اور فوجی پر بندہ ہی ہوتی تھی پر نظر دانی ۱۱ اور ۱۱ اس کے منہ سے نکلا اور پھر اس نے جاگ کر دفاتر میں خاصا اضافہ کر دیا۔

”کیا آپ کو کہیں پیچھے کی جلدی ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”جی ہاں“ روت احمد نے جواب دیا۔ ”میں آپ کو پھول کے دروازے ہی پر پہنچ کر رکھتے ہو جاؤں گا۔“

پھول قریب آچکا تھا اور میرے خیال کے مطابق اتنے کم وقت میں روت احمد باقی واقعات نہیں سن سکتا تھا اس لئے میں مضطرب ہو گئی۔ میں الماس اور جاگیر دار شوکت کے بارے میں سب کچھ جان لینے کے لئے یہ چین چلی گئی۔

دروازوں کے علاوہ مجھے ڈاکٹر نوگ کا خیال بھی تھا اس کا کیا کیا ہوا۔

”میرا خیال ہے کہ آپ پھول پیچھے ہی سوجا ہوں گی کیونکہ آپ نے ساری رات جاگ کر گزاری ہے۔“

”شاید مجھے فوری طور پر بخیر نہ آئے۔“

”مکیوں؟“

”میں الماس اور جاگیر دار شوکت کے بارے میں جاننے کے لئے بے چین ہوں۔“

”ان کے بارے میں آپ کو نگراندہ ہونے کی ضرورت نہیں میں اس معاملے کو بڑی خوشی سے منہا چکا ہوں۔ کل صبح میں آپ سے ملاقات کروں گا اور تفصیل سے ان کے بارے میں بھی بتا دوں گا۔“

مجھے چہرہ ہلکا ہوا کیونکہ کاراس وقت پھول کے سامنے ٹک رہی تھی۔ اس تنازعہ میں تھا کہ میں روت احمد سے اس کی تفصیلات معلوم کرنی اور اسے روکنا مناسب نہیں تھا۔ اسے جلدے گفتا ضروری کام ہوا۔

جب وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا تو مجھے ایک بات کا خیال آیا۔ میں اس سے کانڈرٹن کے بارے میں پوچھنا بھول گئی تھی۔ مجھے شریعت کو کانڈرٹن کو مجھ تک پہنچنے سے روکنے میں روت ہی کا ہاتھ ہو گا۔ اس شبہ کی وجہ سے مجھے یہ اطمینان تو تھا کہ کانڈرٹن غیریت ہی ہے ہو گا لیکن اس کے بارے میں پوچھ لینے سے ذہنی غلطی دور ہو جائی۔

میں اپنی اس بھول پر خود کو برا سمجھا کبھی پھول اور اپنے کہے میں پہنچی جہاں رضوان بڑی بے چینی سے یہ انتظار تھا لیکن مجھے دیکھ کر اس نے کوئی سوال نہیں کیا اور نہ پوچھا کہ ایک طرف بیٹھ گیا۔ غالباً اسے یہ گراں گزرا تھا کہ میں نے پھول کو روت احمد کے ساتھ چلی گئی۔ اس کا یہ انداز دیکھ کر مجھے ہنسی آئی۔

”مکیوں مجھنی! تمہارا منہ کیوں سوجا ہوا ہے؟“ میں نے مستحزنا انداز میں پوچھا۔

”آپ سے مطلب ہے، رضوان کانڈرٹن اور پھول گیا۔“

”مجھ سے واقعی کوئی مطلب نہیں لیکن تمہارا منہ اس طرح سوجا ہوا ہے جیسے مجھ سے کوئی گہرا مطلب ہو۔“

”میں کل صبح واپس جا رہا ہوں۔“

”اوہ.... کوئی بے جلدی کا کہہ رہے.... لیہ۔“

پروگرام بن گیا کیا؟“

”مجھے سے ایک غلطی ہو گئی تھی۔ میں اپنے وزیوں سے حکم ہو کر اپنی بیٹی چھٹیوں کو منسوخ سمجھوں گراچی رابیس پہنچ جاؤں۔“

”کانڈرٹن؟“ میں نے سر ہلا کر کہا۔ ”تم میرے ہو تو مجھے لیں محسوس ہو رہا ہے جیسے میں نے کوئی دالے کو ہل لیا ہو۔“

”گو یا آپ کا ارادہ یہیں چھپے ہوئے ہے۔“

گھور کر دیکھا۔

”اب تو شاید میرا اسیام اور طویل سوجا ہے۔“

”کیوں؟“

لیکن میں نے اس ”کیوں“ کا کوئی جواب نہیں دیا۔

”نہیں تاکہ کبھی کوئی صدر مملکت سے میری کیا گفتگو مجھے بہت کر دیا کیوں روت احمد کے ساتھ کہاں گئی کہ اسے کچھ نہیں بتایا۔“

صبح کی غلامی سے رضوان کراچی چلا گیا۔

وہ ایک سنسنی خیز دن تھا۔ میں رات کو چوبیہ پر فوری طور سے عمل درآمد نہیں ہو سکتا تھا۔ میں اپنی تھی کر اب میں وزیر خارجہ سے کب مل سکوں گی کیونکہ پاکستان میں نہیں تھے۔ اخباری خبر کے مطابق وہ ڈھاکہ وہاں پہنچے ہی انہوں نے بڑے بڑے میڈیا اور بے باک مانا داغ دیا تھا کہ ہم امریکا کی خوشنودی کے لئے چین کی چھوڑ دیں گے۔

وزیر خارجہ کا بیان اس لئے اور بھی سنسنی خیز رہا۔

”میں ”صدائے تحفہ“ کے نام سے ایک خفیہ رپورٹ لے رہا تھا۔ انقلابی کوئلے میں قائم ہو گئی تھی اور اس کوئلے میں جنگ آزادی کا اعلان کر دیا تھا۔“

ان خبروں نے میرے ذہن کی آستیا ہلانے اور اس کا کس نکال کر سلگنا کیا اور پھر ان حالات کا تجربہ کرنے کا کشش پریشان کر دیا۔ مستقبل میں آگ اندھن کے سوا کچھ نظر نہ تھا۔

دھرا ہی رہ جاتا۔ دن بھر میں شکست کے بعد بھارتی دیا تھا اس کے الفاظ میرے ذہن میں گونج رہے تھے۔

”اب ہم اپنی مرضی کا محاذ کھولیں گے۔“ اور اسے بھی کر دیا کثیر ہی ردی جانے لگا؟

میرا خیال کیا تھا کہ روت آیا ہو گا۔

وہ گیارہ بجے کے قریب آیا۔ میں نے اسے ایک معمولی سے لباس میں دیکھا۔ سفید کپڑوں کے لباس اور سفید قمیض میں وہ کپڑے میں معلوم ہو رہا تھا۔ چہرے سے اسے نشانہ شگ رہی تھی جو اس کا دل کا کاروبار ہو رہی تھی۔

وہ مجھے خاصا خاصا معلوم ہوا لیکن میری اس پسندیدگی میں کس نہی آمیزش کا لگاں کرنا میرا غلط ہو گا۔ کس حد تک اس کی میری پسندیدگی اس کی ہوتی ہے جیسے کسی پورے میں اس کا ہوا لگا۔ انسان کوئی خیر کرے۔ نذرانہ گھر مرحلوں میں منہ پھوڑ دھونڈے کئے تو اس کی غلطی تھی۔ میں کس کو کس لگاؤ سے ساتھ دیکھ رہی تھی۔

”میرا خیال ہے کہ آپ کو خاصا انتظار کرنا پڑا۔“ روت نے آتے ہی مسکرا کر کہا۔

”ہاں مجھے بے چینی سے انتظار تھا۔“ میں نے اعتراض کیا۔

”شاید آپ کو یہ غرض ہوگی کہ آج صبح جاگیر دار شوکت کا معاملہ بڑی خوش اسلوبی سے نہٹ گیا۔“

”آج صبح؟“ میں نے چونک کر پوچھا۔

”جی ہاں۔“ مسکراہٹ تو روت کے ہونٹوں سے گویا چمکی ہوئی تھی۔

میں اپنی غلط بیانی کی معافی چاہتا ہوں کل میں نے آپ سے جھوٹ بولا تھا جاگیر دار شوکت کا معاملہ نہٹ گیا۔ وہ مسئلہ تو آج صبح تک جلا رہا تھا مجھے یہ جھوٹ بولا تو پھر پھر آپ ان آخری مرحلوں میں میرے ساتھ رہنے پر اصرار کرتیں۔“

میں بے اختیار ایک طویل سانس بکھر رہی تھی۔ اب اس میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ روت میں ذہانت بھی کوٹ کوٹ کر کھیری ہوئی تھی۔ اس نے میری نفسیات کے بارے میں بڑا صحیح اندازہ لگایا تھا۔

”آپ کو بتاؤں گی پھر لڑائی تو نہیں گزری؟“ وہ اپنی پتلون کھینچ میں ہاتھ ڈالنا ہوا۔

”مجھ کبھی میں تو کبھی سگریٹ پی میتی ہوں۔“

”اوہ! تب ٹھیک ہے۔“ اس نے اپنی ایک جیب سے پائپ اور دوسری جیب سے تبا کوک باریج نکال۔

”جہاں لڑائی لڑنے کے لئے دالے انداز میں ہنس کر کہاں کتاب جاگیر دار شوکت کے معاملے کی تفصیلات بتاتا رہا؟“

”بات بھی پوری طرح کھل کر سامنے نہیں آئی لیکن خیال غلب ہے۔“

”جہاں جاگیر دار شوکت کئی قسم کے جرائم میں ملوث ہے۔ ان جرائم کا ثبوت حاصل کرنے میں دو چار دن لگ جائیں گے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ آپ کو اس کے صحت جرم سے دوچیم ہوگی جس کا ایک کردار وہ ملکی انداز میں نہیں۔“

”میرا جو خاصا بڑا زور تھا میرے دل پر سب سے بڑا داغ تو رضوان اور اس کے بھائی کے قتل کا ہے۔ میں جاگیر دار شوکت کو کچھ جانی کے تحت پر رکھتا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”میرا خیال ہے کہ آپ کو خاصا انتظار کرنا پڑا۔“ روت نے آتے ہی مسکرا کر کہا۔

”ہاں مجھے بے چینی سے انتظار تھا۔“ میں نے اعتراض کیا۔

”شاید آپ کو یہ غرض ہوگی کہ آج صبح جاگیر دار شوکت کا معاملہ بڑی خوش اسلوبی سے نہٹ گیا۔“

”آج صبح؟“ میں نے چونک کر پوچھا۔

”جی ہاں۔“ مسکراہٹ تو روت کے ہونٹوں سے گویا چمکی ہوئی تھی۔

میں اپنی غلط بیانی کی معافی چاہتا ہوں کل میں نے آپ سے جھوٹ بولا تھا جاگیر دار شوکت کا معاملہ نہٹ گیا۔ وہ مسئلہ تو آج صبح تک جلا رہا تھا مجھے یہ جھوٹ بولا تو پھر پھر آپ ان آخری مرحلوں میں میرے ساتھ رہنے پر اصرار کرتیں۔“

میں بے اختیار ایک طویل سانس بکھر رہی تھی۔ اب اس میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ روت میں ذہانت بھی کوٹ کوٹ کر کھیری ہوئی تھی۔ اس نے میری نفسیات کے بارے میں بڑا صحیح اندازہ لگایا تھا۔

”آپ کو بتاؤں گی پھر لڑائی تو نہیں گزری؟“ وہ اپنی پتلون کھینچ میں ہاتھ ڈالنا ہوا۔

”مجھ کبھی میں تو کبھی سگریٹ پی میتی ہوں۔“

”اوہ! تب ٹھیک ہے۔“ اس نے اپنی ایک جیب سے پائپ اور دوسری جیب سے تبا کوک باریج نکال۔

”جہاں لڑائی لڑنے کے لئے دالے انداز میں ہنس کر کہاں کتاب جاگیر دار شوکت کے معاملے کی تفصیلات بتاتا رہا؟“

”بات بھی پوری طرح کھل کر سامنے نہیں آئی لیکن خیال غلب ہے۔“

”جہاں جاگیر دار شوکت کئی قسم کے جرائم میں ملوث ہے۔ ان جرائم کا ثبوت حاصل کرنے میں دو چار دن لگ جائیں گے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ آپ کو اس کے صحت جرم سے دوچیم ہوگی جس کا ایک کردار وہ ملکی انداز میں نہیں۔“

”میرا جو خاصا بڑا زور تھا میرے دل پر سب سے بڑا داغ تو رضوان اور اس کے بھائی کے قتل کا ہے۔ میں جاگیر دار شوکت کو کچھ جانی کے تحت پر رکھتا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔“

میرا خیال کیا تھا کہ روت آیا ہو گا۔

وہ گیارہ بجے کے قریب آیا۔ میں نے اسے ایک معمولی سے لباس میں دیکھا۔ سفید کپڑوں کے لباس اور سفید قمیض میں وہ کپڑے میں معلوم ہو رہا تھا۔ چہرے سے اسے نشانہ شگ رہی تھی جو اس کا دل کا کاروبار ہو رہی تھی۔

وہ مجھے خاصا خاصا معلوم ہوا لیکن میری اس پسندیدگی میں کس نہی آمیزش کا لگاں کرنا میرا غلط ہو گا۔ کس حد تک اس کی میری پسندیدگی اس کی ہوتی ہے جیسے کسی پورے میں اس کا ہوا لگا۔ انسان کوئی خیر کرے۔ نذرانہ گھر مرحلوں میں منہ پھوڑ دھونڈے کئے تو اس کی غلطی تھی۔ میں کس کو کس لگاؤ سے ساتھ دیکھ رہی تھی۔

”میرا خیال ہے کہ آپ کو خاصا انتظار کرنا پڑا۔“ روت نے آتے ہی مسکرا کر کہا۔

”ہاں مجھے بے چینی سے انتظار تھا۔“ میں نے اعتراض کیا۔

”شاید آپ کو یہ غرض ہوگی کہ آج صبح جاگیر دار شوکت کا معاملہ بڑی خوش اسلوبی سے نہٹ گیا۔“

”آج صبح؟“ میں نے چونک کر پوچھا۔

”جی ہاں۔“ مسکراہٹ تو روت کے ہونٹوں سے گویا چمکی ہوئی تھی۔

میں اپنی غلط بیانی کی معافی چاہتا ہوں کل میں نے آپ سے جھوٹ بولا تھا جاگیر دار شوکت کا معاملہ نہٹ گیا۔ وہ مسئلہ تو آج صبح تک جلا رہا تھا مجھے یہ جھوٹ بولا تو پھر پھر آپ ان آخری مرحلوں میں میرے ساتھ رہنے پر اصرار کرتیں۔“

میں بے اختیار ایک طویل سانس بکھر رہی تھی۔ اب اس میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ روت میں ذہانت بھی کوٹ کوٹ کر کھیری ہوئی تھی۔ اس نے میری نفسیات کے بارے میں بڑا صحیح اندازہ لگایا تھا۔

”آپ کو بتاؤں گی پھر لڑائی تو نہیں گزری؟“ وہ اپنی پتلون کھینچ میں ہاتھ ڈالنا ہوا۔

”مجھ کبھی میں تو کبھی سگریٹ پی میتی ہوں۔“

”اوہ! تب ٹھیک ہے۔“ اس نے اپنی ایک جیب سے پائپ اور دوسری جیب سے تبا کوک باریج نکال۔

”جہاں لڑائی لڑنے کے لئے دالے انداز میں ہنس کر کہاں کتاب جاگیر دار شوکت کے معاملے کی تفصیلات بتاتا رہا؟“

”بات بھی پوری طرح کھل کر سامنے نہیں آئی لیکن خیال غلب ہے۔“

”جہاں جاگیر دار شوکت کئی قسم کے جرائم میں ملوث ہے۔ ان جرائم کا ثبوت حاصل کرنے میں دو چار دن لگ جائیں گے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ آپ کو اس کے صحت جرم سے دوچیم ہوگی جس کا ایک کردار وہ ملکی انداز میں نہیں۔“

”میرا جو خاصا بڑا زور تھا میرے دل پر سب سے بڑا داغ تو رضوان اور اس کے بھائی کے قتل کا ہے۔ میں جاگیر دار شوکت کو کچھ جانی کے تحت پر رکھتا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”یہ سوسل کے کردے میں پھنسا ہوا ہے کہ عدالت اس شخص کے لئے کیسز جو کر کے لیکن یہ غریب کے لئے باعث مسرت ہونا چاہیے کہ وہیں کو قتل کرنے والے بھی گرفتار کئے جا چکے ہیں اور انہوں نے اس بات کا انکار کر لیا ہے کہ یہ مجرم انہوں نے جاگیر دار شوکت کے اشارے پر کیا تھا“

”یہ فیرواقعی باعث مسرت ہے“

”اب آپ الماس کا تھک بھی سن لیجئے۔ اس کے ساتھ کوٹروں کا وہ کھیل شخص سے دہشت زدہ کرنے کے لئے کھیلا جا رہا تھا جاگیر دار شوکت اس محصور لڑکی کو اس حد تک بھاریا جا پاتا تھا کہ کبھی وہ کسی بھی جگہ بٹ کے بغیر اس کے اشاروں پر راجی رہے۔ جاگیر دار اس کی صحبت کو ایک ہالوس کی جوتھ پر قربان کرنا چاہتا تھا۔ کل رات الماس اس ہالوس کی خدمت میں پیش کی گئی تھی اور اس معاملے کا ایک اتہائی انوسناک سلویہ ہے کہ وہ شخص ہمارے وزارت خارجہ کا ایک اہم عہدیدار ہے“

”اے! میں جو تک پڑی“ آپ کا اشارہ شفیق زبیری کی طرف تو نہیں ہے؟“

”جی ہاں“ رون احمد نے جواب دیا۔ غالباً یہ خیال آپ کو اس لئے آگیا کہ شفیق زبیری نے جاگیر دار شوکت کی موافقت میں بیان دیا تھا ”میں اس وقت سے ابھی میں ہوں کہ شفیق زبیری جیسے شخص کا جاگیر دار شوکت سے کیا تعلق ہو سکتا ہے“

”تعلق کی صحیح نوعیت تو اب بھی سامنے نہیں آسکی ہے لیکن اتنا قیاس ضرور کیا جا سکتا ہے کہ جاگیر دار شوکت الماس کی شوکت دے کر شفیق زبیری سے کوئی کام لینا چاہتا تھا۔ اس سلسلے میں ایک نکتہ تجھے بڑی اچھین میں ڈالے ہوئے ہے۔ ہر مملکت کے ساتھ چین چلنے والے وفد میں ایک نام شفیق زبیری کا بھی تھا۔ اس پس منظر کو سامنے رکھ کر اس سوال پر غور کرنے کے لئے مجبور ہوں کہ جاگیر دار شوکت کسی دشمن ملک کے جاسوس کا کارڈ تو نہیں ہیں کیا تھا؟ اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ہر مملکت کے اس دورے کو نام جتنے کی سازش کی جا رہی ہو؟“

میں نے رون احمد کی اس خیال آرائی کو بڑی توجہ سے نہنہ کیا حالانکہ میں جانتی تھی کہ وہ بالکل صحیح خطوط پر سوچ رہا تھا جاگیر دار شوکت کے اس اقدام کا محرک ڈاکٹر فونگ تھا۔ اس کی ایما پر شفیق زبیری کی کوشش لگا گیا ہو گا۔ اس بات کا احقرن ڈاکٹر فونگ میرے سامنے بھی کرچکا تھا کہ وہ بھاری سر کا دے لئے کام کر رہا ہے اور ان دنوں بھارت کی زمینی نظریات جگ چین دیکر برکڑی ہوئی تھیں۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ پاک چین تعلقات میں گہری درائیں بڑھ جائیں۔

”خیر“ رون ٹولا۔ ”انہر مات کا یہ میری جلی جانے گا۔ ہاں تو میں

ن لے گیا۔“

میرا جہ میں بیٹھی۔ آخر رون نے میرے بارے میں کس حد تک برائی ہونے لگی؟ کیا یہ بھی میرے بارے میں کچھ جان گیا؟

”معدیلت میرے ماضی سے واقف ہو گئے ہیں۔ میں نے غور سے میرے کس طرف دیکھا میں اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔ میں نے اپنے شیعہ کی تعریف کی اور یہ نہیں پاسکی تھی۔“

”ناب کی ہرگز سوچ میں ڈوبا ہوا، پائپ کے پے دھبے کش لگا ہوا ہے۔ ہند کرے گا۔ کوئی ٹھنڈا مشروب؟“ میں نے پوچھا تو

”کیا خواہش نہیں؟“ اس نے مسکرا کر کہا۔ ”میں تین چار گھنٹے کی زبردست سائستہ کر کے گھر سے چلا تھا مجھے سب اب اپنے گم کو بارہ پچھند آؤں سے بڑے اہم بات کی لینے ہیں لیکن اب آپ کی کسے طرف سے جلد فیفا دی جتے بنا دینا چاہتا ہوں۔“

”اے! وہ بہت تفریق ہے“

”اے! زور میں جن کو مدد دے، اپنے دروگر کے ماحول کا نظرانہ میں دیکھو میں اس امر پر حیران ہوں۔ ایک صاحب فرسین ہند میں ہیں۔ ایک صاحب اور ایک صاحب کو ان میں صاحب ہند میں ہیں۔ رون نے اپنی جیب سے ایک کاغذ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”اس پر بیان سب کے ہم اور پتے“

”ناب سب باورں پر ایک نظر ڈال اور میری پیشانی پر فلکس ہب غامی محروم تھیں۔ ان میں سے ایک ادھو کو میں نے ہاتھ پائی تھی۔“

”میرا صاحب کے بارے میں حقیقت کرنا ہے۔“ رون نے کہا۔ ”میرا ہم پر کام کر رہی تھیں۔ ایک آپ اس سلسلے میں مجھ سے زیادہ رشتہ ہیں۔ جبکہ آپ نے دیکھا ہے کہ باجیل اور انہرسانی سے متعلق رکھتے ہیں۔ آپ اپنی لوگوں کی سوسائٹی میں سو کر رہے ہیں۔ مولی پر شہنشاہت ہوں۔“ رون دھیرے سے ہنسا۔ ”میرے اس کی طرف دیکھا میں اس کے چہرے پر کئی ڈاڑھے لگے کوئی جھوٹ نہیں پڑی تھی۔ اس کے نیچے میں بھی کوئی مٹھا۔ اس نے بات بڑی سادگی سے کہی۔ ”میرے ادھر بھی کسے ہم لڑی کا اشارہ نہیں معلوم ہوا تھا میں اس کی نفیات کے اچھے پر ہنسی کی کہ وہ محسوس حقائق کو بڑی خندہ پیشانی سے قبول ان کے آپ کا تباہی، راکھ میں چکا تھا۔ وہ راکھ اس نے ہم بھاری اور پائپ ہان کر کے اپنی جیب میں رکھنے کے بعد میرا زینگ کارڈ تو آپ کے پاس ہے؟“

”میں نے دل ہی دل میں تعاقب کرنے والے سے

نہر بھی موجود ہے۔ آپ جب پاہر مجھ سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔ دلیے آج رات کو میں پھر آپ سے ملوں گا۔ اگر آپ کے لئے ضروری ہو گا کوئی پیغام ہو تو آپ کو پہنچا دیوں گی۔ وہ کھڑا ہو گیا۔

میں اسے پھوٹنے کے لئے دروازے کی طرف گئی اور جب وہ رخصت ہو گیا تو مجھے ایک بات کا خیال آیا جو میں کل بھی اس سے پوچھنا بھول گئی تھی۔ مجھے تادیر کے بارے میں معلوم کرنا تھا۔ کل جب وہ مجھ سے ملنے آئی تھی تو میں نے اس کی کانٹے ناکل پر ایک پیغام لکھ دیا تھا۔ اس کا کوئی رد عمل نہ ہوا۔ اس بات پر دل ان تھا کہ رون احمد نے اس معاملے کو بھی سمجھا لیا ہو گا لیکن میں یہ جانتا جا چکی تھی کہ اس نے اس سلسلے میں کیا کیا تھا؟

میں نے سوچا، کیوں نہ اسی بہانے تادیر سے مل آؤں معلوم بھی ہو جائے گا اور اوقات بھی ہو جائے گی۔ مجھے یقین تھا کہ اس نے کچھ یادگار محو کو فراموش نہیں کیا ہو گا۔ اس کو وہ بعد خوشی میری خوشحالی کو دیکھ کر کہتی لیکن رون کے آدمیوں کی موجودگی کے باعث اپنے نفس پر توجہ دینا مشکل بنا پڑی تھی۔

میں نے فون پر موش کی انتظار میرے کہا کہ وہ میرے لئے کلیر کا بندوبست کر دیں، پھر میں کچھ دیر آرام کرنے کے ارادے سے ستر پر لیٹ گئی۔ ایک گھنٹے میں کبھی تمام حالات کا جائزہ لیتی رہی اور اس دوران میں کچھ غور و فکر کا عالم بھی رہا۔ ایک گھنٹے بعد میں ستر سے اٹھ اٹھ کر کونوں پر کھانے کی دیانت دیا۔ ابھر باٹھ روم میں چلی گئی۔ میری سادگی کی امتری خراب ہو چکی تھی۔ اس لئے میں نے دوسری سادگی باندھی۔

منہ باٹھ دھو کر تیار ہوئی تھی جب دیر کھا لے آیا۔ کھانا کھا کر ہوش سے روانہ ہوئی جب معلوم اس وقت بھی میرا دماغ خیالات سے خالی نہیں تھا۔ خاص طور سے ڈاکٹر فونگ کی شخصیت بار بار ذہن کے پردے پر ابھرتی تھی۔ چونکہ وہ ایک بار کچھ میری نظروں سے اڑھیل چو چکا تھا اس لئے مجھے غامی فکروں میں رہیں۔ پردہ ر وہ نہ جلنے لیا کچھ کر گزرتا۔ اسی کی وجہ سے میں تادیر کے گھر کی طرف چلے ہوئے اپنے اوڑھنے کے ماحول سے پوری طرح باخبر رہنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میری کوشش میرے حق میں اچھی ثابت ہوئی۔ بہت جلد مجھے محسوس ہو گیا کہ ایک بار میرا تعاقب کر رہا تھی دو تین سڑکوں پر ٹھہرنے کے بعد اس کی تعہد بھی ہو گئی۔

”تعاقب کرنے والی کھانتے فاصلے پر تھی کہ ڈرائیونگ کے ذلے کا چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں نے اندازہ لگائے تھے تھر تھر کر وہ کوئی عینی ہے یا معامی؟ میں نے دیکھ کر تیرہ فکر کر کے درمیان فاصلے کو ٹھٹھا چا لیا لیکن تعاقب کرنے والے نے بھی اپنی رفتار کم کر کے ہوشیاری کا ثبوت دیا۔

”تعت ہو کر میرا“ میں نے دل ہی دل میں تعاقب کرنے والے سے

”مجھے احساس ہے“ میں نے سر ملاتے ہوئے کہا اسی دوشیزہ کے ساتھ اس قسم کے اوقات ہیں آجائیں تو وہ خانے نوں تک اٹھ جائی مریض رہتی ہے۔ آپ مجھے اسے ملائیں میں چند منٹوں کی او زیادہ بوجھ کر کے انھیں پریشان نہیں کروں گی حقیقتاً اس سے میری ملاقات کا سبب مرثیہ جو اپنا ہے کہ وہ بوجھ کچھ کے قابل ہیں بھی یا نہیں؟“

”میں اسے ملا دیتا ہوں“ معرادی نے کہا اور پھر لڑکھڑکاتے کی طرف دیکھتے ہوئے پکارا ”آصف!“

یہ شاید ہی نوجوان کا نام تھا۔ باپ کی پکار پر اس نے فوراً ہی نیک کہا۔

”جاؤ الماس کو بلا لاؤ“ معرادی بولا، پھر آصف کے جلنے کے بعد اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا ”میں نے رؤف صاحب سے ایک درخواست کی تھی اور اب چونکہ آپ بھی اس کیس پر کام کر رہی ہیں اس لیے میں آپ سے بھی درخواست کروں گا کہ یہ تحقیقات جلد جلد مکمل کریں میں چاہتا ہوں کہ الماس کو چند روز کے لیے کوئی بیچ دوں۔ یہ تبدیلی اس پر کچھ شگلا اثرات مرتب کر سکتی ہے“

”رؤف صاحب نے کیا جواب دیا تھا؟“ میں نے پوچھا۔

”انھوں نے فوری طور پر کوئی جواب دینے سے معذوری ظاہر کی تھی“

”آپ اطمینان رکھیں میں اس سلسلے میں آپ کی مدد کوشس کروں گی“

”اوہ! بہت بہت شکریہ خاتون!“ معرادی خوش ہو گیا۔

دو دن بعد پھر آصف ہوئی تو میری نظروں ایک بار پھر اس طوفان میں مرتبہ بننے لگی الماس کو اندازے نہ تھے دیکھا۔ وہ سفید شلوار نیلے چمڑے اور سفید دھڑے میں بوس تھی اور بال بھرے ہوئے تھے۔ چہرے کی رنگت آڑی آڑی کی تھی اسے کچھ تھکے ہوئے کی طرح کی نظر میری نگاہوں میں محسوس کیا جب الماس کی بیٹی ہوئی تو الگ الگ ایک میز پر نازاں ہوا تھا اس وقت تو اس کے شباب کی تمام تر نمایاں چیزیں نکلی ہوئی تھیں لیکن یہ اصرار تھا کہ بہت کچھ دکھانا تھا۔

”آپ! وہ مجھے کچھ کرنا ہوگا۔“

”آؤ... بیٹو! میں نے مسکرا کر کہا۔

”آپ دونوں واقفکار ہیں؟“ الماس کا باپ حیرت بولا۔

”صاحب الماس قدیم ہیں تو سب پہلے میں ہی ان سے ملتی تھی۔

میر نے جواب دیا۔

الماس چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی قریب آئی اور باپ کے پیلوں پر بیٹھ گئی۔

”یک کی بات ہے؟“ الماس کے والد نے پوچھا۔

”وہ زنداں میں الماس کی پہلی رات تھی“

”تو پھر آپ دونوں نے الماس کو اسی رات کیوں نہ“

”مصلحت کے تقاضے ہمارے پیش نظر تھے“

اس موضوع پر الماس کے والد سے میری گفتگو لیکن الماس نے اس میں کوئی مداخلت نہیں کی۔ وہ کھلی ہنسنے لگی تھی اس کی نگاہیں دیوار پر آؤ مڑاں ایک تصویر پر بھی ہوئی تھیں طوط پر اس تصویر کے قریب دو جوائے بھی تھیں معلوم ہو رہی تھی اور میرا یہ حال تھا کہ میں الماس کے والد سے گفتگو لیکن لی دی دل میں اسے برا بھلا بھی کہے جا رہی تھی میری خواہش اور الماس کو کچھ میرے لیے تیار ہوجھوڑ دیا جاتا۔ گوکہ وہ تنہا کا دل اور تو رہتی تھیں میں نے کھلم کا مائل شکل دینے میں ہوجائی اور منتقل کی گئی تھیں کہ کشاں کے کچھنے کا ساما جب الماس کے باپ نے مجھے کا نام یہی دیا تو خودی اٹھ گئی۔

”اچھا الماس! میں پھر کسی وقت آؤں گی تم سے“

بڑی جھجھکت سے الماس کے گال پر چھلی دی۔

الماس نے کوئی جواب نہ دیا اور اس کا باپ مجھے لیے روانہ ہو گیا۔

”آپ نے کوئی بات نہیں کی الماس سے؟“

میں بولا۔

”آپ ٹھیک کر رہے تھے اس کی حالت یہی تھی“

”پوچھ کر کی جائے“

”جی ہاں اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ وہ کچھ دن کے چلی جائے وہاں اس کے اموں نے بہتے ہیں۔ ماموں زاد بہن اس کی طبیعت بہل جائے گی“

”میں رؤف صاحب سے کہوں گی کہ وہ الماس کو کرا اجازت دے دیں“

الماس کے والد نے اس سلسلے میں میرا بیٹا شکر

”صاحب میں وہاں سے روانہ ہوئی تو میری طبیعت کچھ تھی میرے اس انفعال کے بنیادی سبب کے علاوہ ہا تھا کہ میری کمری سے جدا ہونے کے بعد میں نے نرس چکے تھے۔“

”وہ جتنی کیوں کا کشاں ہے جہاں ایک قدم پر ماسکی قدم پر آؤ ڈیٹ سے ڈھیلے ہو جاتی ہے۔ شام کو اسی پہل یوں لگتا ہے جیسے ٹھیک پر قدم رکھنا ہو۔“

میں سیدھی ہوئی تھی اور خود کو کشاں میں ڈال دیا۔

ہر کوئی سر پر ڈھیر ہو گئی۔ پھر جب یہی آنکھ کھلی تو رات بزم اندھیرا چھا ہوا تھا میں بستر سے اٹھ کر اندازے سے سہ

لہا ہوا کر لگانے لگے مجھے بتایا کہ کچھ کچھ کس منٹ کی ہنسنے لگی۔ میرے سر میں ہلکا سا لہجہ تھا۔ میں اٹھ کر باہر دم باہر تھیں بیٹھی پابند سلاقی رہا اس سے میری میں کچھ نہیں کہتا رہی تو میری حد تک پہنچا دیا کہ کچھ ایک اور گھٹ سا کچھ دس گھنٹے گھر کے لئے تھا تو میری دیکھ کر اس نوجوان کی دیکھ کر کچھ پریشانہ حال تھا میں اس بات کے کیا بیان دے سکتا تھا کہ اس کا علم مجھے رؤف ہی سے ملنے کا سبب تھا کہ میری سر پر کوئی کچھ نہ تھا مگر وہ دوسری طرف ہلے گیا کہ وہ گھر پر نہیں ہے۔

”ابھی نہ گھر پر تھا دیکھنا“ اسوائی آواز نہ کیا۔

اس کے علاوہ کوئی بات نہیں کہیں نے فون ان دی رہی۔

”اب ہلا۔“

”ابھی جتنا سا لگا نہ جلتے کہوں، رؤف کا شادی پر متورق بات تھی۔“

”میرے دیکھتے ہوئے میں“

”جانتے ہی ہوں اور یہ میری کمری سے ہوتی۔“

”کاشاں! شہرہ اسوائی! بچے دو رہو نا میرے لئے کچھ کوئی لکڑیاں۔“

”میں نے کچھ لکڑیاں ہی دے دی تھیں تھیں کچھ کسے کی لکڑی میں بولنے سے نکل کر طوطی ہوئی۔ رات میں میری کمری میں ایک طرف چل پڑی۔ ایک ہاتھ ہاتھ سے اس پر ٹک کر کہتے ہوئے میں نے فضا میں ہونے دیا جب کوئی منزل نہ ہو تو تیز رفتاری سے بولنے سے نکل کر تھیں جلد ہی مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا رات مجھے کچھ جاگنا رہتا ہے۔

”ابھی رات میں چلنا شروع ہو جاتی ہے۔“

اس کے باوجود میں نے عالمی کا تھوڑا سا کیا اگلے کے معاملے سے پوری طرح باخبر تھی۔

”میں نے کچھ نہیں کی ضرورت تھی۔“

”میں نے آواز نہ کی کہی رہی اور دیکھ کر کچھ ایک طرف سیٹلائٹ ٹاؤن کی طرف گیا۔ رؤف عالم پتے دے رہے تھے اور جن میں سے دو افراد کا ساتھ ایک شخص یعنی رانا حمید کی رہائش تھا

”وہ کی ایس بی آفیسر ہے میں۔ انیس دیکھا

”میں نے کچھ ہی دن ہوئے تھے مگر ان کا سی“ ایس بی آفیسر ہونا میرے لئے نوبت خیر نہیں تھا میں خوب جانتی ہوں کہ خفیہ شکار کے افسران بظاہر عام قسم کے عہدوں پر فائز ہوتے ہیں اور کسی کو بھی اس کا علم نہیں ہو پاتا کہ ان کے اصل فرائض کچھ اور ہوتے ہیں۔

”رانا حمید کو عمرانی ہو چکی تھی کہ وہ اپنے اس خفیہ عہد سے بھی ریشاٹر ہو چکے ہوں گے لیکن جب صدر مملکت کو کسی نجی کام کے سلسلے میں آؤں گی اس کی ضرورت پڑے تو ایسے ہی آدمیوں کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔“

”رانا حمید کی شخصیت میرے لئے اجنبی بھی نہیں تھی رانا خاتون میں تو کبھی کبھی ان کی تصویریں چھپتی ہی رہتی تھیں جو میری نظر سے گزرتی تھیں لیکن مجھے اس کی ایک ملاقات بھی ہو چکی تھی۔ بیگم پر تاب گڑھ کے گھر کو بیٹھ کر ان کی نشستیں تھا جس میں ہم ایک دوسرے سے متعارف ہوئے تھے لیکن یہی پرانی بات تھی کہ شاید وہ مجھے بھول ہی گیا ہو۔“

”اس وقت میں سیٹلائٹ ٹاؤن کی طرف اس لئے آئی تھی کہ لگے ہاتھوں اس کی رہائش گاہ دیکھ دوں۔ میں سمجھتی تھی کہ مستقبل قریب میں مجھے اس کی ضرورت پڑتی اور میں وقت پر گھر ڈھونڈنے میں مجھے دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا۔“

”کار کی رفتار میں بہت کم کر دی تاکہ انکار توں کے فہرہ کچھ رہیں لیکن میں ان کی پوزیشن پر غور نہیں کرتے تھے مگر جیسے ان سے مجھے اندازہ لگنے میں آسانی ہو سکتی تھی۔ ان بہنوں سے اندازہ کرتی تھی میں مختلف راستوں پر سفر کرتی رہی۔ آدھے گھنٹے تک مجھے بیرونی چوک میں پڑا اور پھر میں جا کر کچھ ایسے پر دکھائی دیا جیسے جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ رانا حمید کا مکان ارد گردی میں موجود ایک کادز ہاٹ کے فہرے اندازہ ہوا کہ اب مجھے بائیں طرف گھوم کر دائیں جانب کی دوسری قطار کے سامنے سے گزرنے چاہئے۔ مکان تھا کہ رانا حمید کا گھر کسی قطار میں مل جاتا۔

”میں جیسے ہی اس طرف مڑی، کار کی بیٹھ لائیں ان میں افراد پر چڑیں جو ایک عرصے کا سے ترکہ دونوں قطاروں کی درمیان میں داخل ہو رہے تھے۔ ان تینوں میں سے ایک لڑکی تھی۔ وہ لوگ چند لمحے کے لئے میری نظروں سے گئے تھے اس لیے میں ان کا تعصبی جائزہ نہیں دے سکی تھی۔ وہ ٹنگ گئی میں روپوش ہو گئے لیکن میں مونس کی ڈرامائی ٹنگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص کا چہرہ دیکھ کر کچھ بغیر نہ ہو سکی اور کیا ہی میرا جسم سنسا اٹھا۔

”وہ شخص رؤف تھا۔“

”وہی وکٹر جس کا نام اور پتہ مجھے زبیدہ پر مشورہ کر کے معلوم ہوا تھا اور جس کی وجہ سے ڈاکٹر نوٹنگ کی شخصیت سامنے آئی تھی۔ میں نے ڈاکٹر انڈین عزت کا رُپ ہار کر وکٹر سے دوستی بھی کر لی

مٹھی اور خانا بائیں اس سے بہت کچھ معلوم کرنے میں کامیاب ہو جاتی
لیکن اچانک وہ ایک نفاذ سے لاہور روانہ ہو گیا تھا۔ میں نے کمانڈ
حق کے ایک آدمی کو اس کے پیچھے روانہ کیا تھا لیکن لاہور پہنچ کر کوئی
کرنے والے کو چھوڑ کر ہو گئی۔ وہ کسٹھ سے ذرا بے کر نکل گیا تھا اور پھر
مجھے یہ بات نہیں معلوم ہو سکی تھی کہ وہ کہاں ہے۔
اب وہ کوئٹہ میں ہندوئی میں نظر آ رہا تھا اور ایک ایسی جگہ نظر
آ رہا تھا جہاں اس پاس ہی کہیں رانا جی جی کے رہائش گاہ تھی۔
میں نے اپنی کار کار اندرونی دوستی بجا رکھی تھی اس لئے یہ
امکان نہیں تھا کہ وہ کوئٹہ میں میرا چہرہ دیکھ لیا ہو گا لیکن اگر وہ کوئٹہ
لیتا تو مجھے پہچان نہیں پاتا میں نے جب اس سے دوستی نہ تھی تھی
تو میرا رنگ خوب کچھ اور ہی تھا۔ میری موجودہ صورت تو دیکھ کر کسے
اجنبی ہی ہوئی۔

میں اپنی گاڑی کو تیزی سے اچھے نکالے گئی اور پھر دائیں جانب سڑکی سب سے دائیں ہاتھ پر چو عات میں تھیں، اسی میں سے ایک میں ابراہیم کا قیام ہو نا چاہئے تھا۔

میں نے کاری رفتار کو کم کر دی لیکن میرے ذہن نے اب تیزی سے آزمائشیں کر رہا تھا مجھے چو کی کرنے کے لئے وکٹری شکل کی کافی تھی لیکن اگر وہ نظر نہ آتا تو یہ بات بھی سوچنے کی راہ ہموار کرنے کے لئے بہت تھی کہ ایک گاڑی اور دوسرا دھڑکی بھی میں داخل ہوئے تھے۔ ان تینوں کی وضع قطع طرز میں بھی نہیں تھی جو آمدورفت کے لئے عقیقہ دروازہ استعمال کرتے ہیں۔ لو کی سٹاؤی باندھ رکھی تھی اور وہ دونوں مرد سوٹ میں طپوں تھے پھر یہ کہ میں نے انہیں ایک کار سے اتر کر بھی میں داخل ہوئے دیکھا تھا۔ اگر وہ کسی کے ہواں میں تھے تو سامنے کا اندازہ استعمال کرتے، انہیں اس گندی اور رنگ ڈنڈک بھی میں داخل ہوئے کی کیا ضرورت تھی؟

یہ سب کچھ سوچتے ہوئے میری تحقیریں اُعمار توں کے نبروں
سے بے خبر نہیں رہی تھیں میں نے صرف حائیں نگار پر نظر رکھی تھی
اور ملہ رہی مجھے مطلوبہ خبر دکھائی دے لگا تھا۔ رانا حمید کا ہنگامہ!
میرا پاپا کیسے بڑے سٹ کر رہا ہے پوچھ گیا اور جب گاڑی
مڑی تو میں رانا حمید کے ہنگامے سے کوئی ایسے غزوہ و غفلت آئی تھی۔ سامنے
تو مجھے دوڑک کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا اور مجھے کا جائزہ لینے
کے لئے میں نے کار کے عقبی آئینے پر نظر ڈالی تھی۔ بڑھاپے ویرانی
تھی اسٹاٹا تھا۔ روشنی بھی بہت کم کاروں میں دکھائی دے رہی تھی۔
زائدہ تر عمارتیں تارک بڑی ہونے لگی تھیں۔

میں نے گاؤں کا انجن بند کر دیا لیکن گاؤں سے اُترتی نہیں۔
کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اس طرح سوچ سمجھ لیا ضروری تھا۔ آخر وہ
تینوں افراد اس جگہ کیوں داخل ہوئے تھے؟ کیا انہیں سچوری پیچھے
کسی کے گھر میں کھانسنے ہے؟... کیا وہ محمد امجد کا بوسہ دے رہے ہیں؟

اہم میں نے خود کو ایک گمشادہ کورٹروں میں پایا۔
دروازے نظر آ رہے تھے اور کورٹروں کے
وازے تیار غلامی خارجی رخ پر ہو گا۔
لی بلی کی سیدھیں آتا کر تھ میں سے لیں اور
مجھے دل کی رحمتیں بغیر ہموار ہو چکی تھیں۔
سے رواج پرستی تھی۔ ایک دروازے
کی اور دروازے سے کان لگا کر کچھ سننے کی
وہی چاہی ہوئی تھی اب میں نے اس
لے دروازے کی طرف قدم بڑھا دیا۔
گھاسی مکان میں آئے میں تو مجھے سے پہلے
دل گیا اور اس صولت میں انہیں کسی کمرے

[illegible]

کونسی ایک خاص نازو سے لیا۔ اس وقت یہ دیکھ کر میرے مزاج
میں عجیبے کے انداز تاجید اور توجہ کے بلے ہوش ہے۔ اس کے جسم کی
حرکات و سکنت اس لڑکی اور اس مرد کی کوششوں کا نتیجہ تیار۔
"وہ خود کوئی حرکت کرنے سے قاصر تھا۔
"بس اب ٹھیک ہے جن دنوں" وہی مردانہ آواز چہرہ سناؤی۔
اس کا چہرہ ابچھ کر میری نظر میں نہیں آیا تھا۔
جس آدمی نے لڑکی اور اس تاجید کو کہہ دیا تھا وہ چہچہ
ہٹ گیا اور چند سے بعد ہی ایک اور چہرہ دیکھ کر اچھا کر ہوا۔
"بس سہو یا اب اسٹھ جاؤ" اور آواز چہرہ سناؤی۔
لڑکی اٹھی اور لڑکی کی طرف پرے پرے ہوئے اپنے کپڑے
اٹھانے لگی۔ سڑائی بلاؤ اور چینی کرٹ... اس وقت میں نے لڑکی
کا سر اٹھ دیا اور چہرہ کی سی لہر لہری۔ وہ بدن میرے مہیا کے
میں مطابق تھا۔

میں تیزی سے مڑی اور بچوں کے بل دوڑتی ہوئی زمین کے
 قریب پہنچ گئی۔ تیزی سے نیٹے کے اور بعد میں کمریس کو عبور
 کیا۔ بسا اے کہ جھپٹ پر اترتی اور وہاں سے نیچے پہنچ جی جی جی
 تو ایک بار صدمہ لگا پڑا۔ مینڈل ایجن کے میرے آؤتیس تھیں۔
 بیکس نے انہیں پہنا اور جیسے قدم اٹھائی ہوئی اپنی لار کی
 طرف بڑھی۔

سلیویان نے نگہبیں سے اچھڑی کی پچھلی سیٹ کی طرف دیکھا اور غالباً اس وجہ سے اس کو اٹلینان ہو گیا کہ میں گاڑی میں تنہا تھی۔ قدرے ہچکچاہٹ کے ساتھ وہ میرے برابر میں بیٹھ گئی۔

اوپچے بیگے پر سہریں لگایا جاتا ہے۔
میری والدہ والوں سے سولو کے تھے

225

ایک جنگی بیگنوں کی فحشی کی اور میرے خیالات کا سلسلہ قطع ہو گیا۔
 میں نے ریپورڈ اٹھا لیا۔
 فن کرنے والا رڈوفی تھا۔ میں نے اس کی افغانی نہ کی۔ مجھے ابھی
 ابھی اطلاع ملی ہے کہ آپ پر مل چکی ہیں۔
 "اے اے اے اے" میں نے سختی سے کہہ دیا۔
 بات نہ ہو۔
 میں ابھی آپ کے پاس پہنچا ہوں، "رڈوفی نے کسی قسم کے کلمات کہے
 بغیر سلسلہ قطع کر دیا۔
 میں ریپورڈر کے کچھ کچھ اور سیکشن مورت حال سے اُلٹنے
 لگی۔ یہ غالی کی تھی جس میں مجھے یہ یاد کر دیا تھا کہ ڈاکٹر رنگ
 سہاؤن کے توسط سے ہی آئے لے گا۔ ایکٹ ہے اور اب ان لوگوں نے
 رڈوفی کی تصویریں اس لئے بنائی ہیں کہ اسے ایک ملک کے اس سے کوئی ٹکنا
 کام لے سکیں۔ اب مجھ سے یہ کہہ دیا کہ اس سے ہے اس میں کوئی چیز نہیں کیا
 جاسکتا تھا کہ کوئی بہت ہی اہم کام ہو گا۔
 صدر ملک کے دہلی کی آئی اے کی توقع سرگرمیوں کے خدشات
 پہلے ہی جاگ چکے تھے اور دیر ان کی ذہانت کی دلیل تھی لیکن مجھے انہیں
 صرف اس بات کا تھا کہ انہیں سب سے زیادہ بھڑکانے والا رڈوفی زندگی
 کی تھی۔
 وزیر خارجہ ابھی تک ڈھاکہ میں تھے اور میں ان کے روبرو تھا
 بتانے کے لئے بہت سے چپن تھی۔ مجھے اعتراض ہے کہ ان کی شخصیت نے
 مجھے بہت متاثر کر دیا تھا اور میں اس بات پر یقین رکھتی تھی کہ اگر وہ
 صدر ملک کی جگہ ہوتے تو اپنی ذات کے قول سے بہرہ نکل کر پورے ملک
 کی فلاح کے لئے خدمت کرتے۔
 میں اسی ادھیڑ میں میں متاثر تھی کہ رڈوفی نے برڈنگ ہوئی میرے
 خیال کے مطابق، "اے اے اے رڈوفی ہی ہو سکتا تھا۔ میں نے اٹھ کر دعا
 کھو اور میرے خیال کی تصدیق ہو گئی۔
 "آپ بہت سے تو ہیں نا؟" وہ اندر داخل ہو کر چھوٹے ہی بلبل
 "ہاں ہاں، گریں؟" میں نہیں جانتی۔
 "آپ رات بھر کہاں غائب رہیں؟"
 "اے اے اے اے" میں نے بھڑک کر کہہ دیا۔ "میں یہ لکھ رہی ہوں
 کی طرف ہر جگہ چلی گئی۔ ریپورڈر کا کہنا ہے کہ رڈوفی سے رابطہ قائم
 کیا اور جیسے جیسے تلبلیت دی۔ گویا کہ گھر کی چائے مجھے اچھی نہیں
 دے تھی۔
 رڈوفی کے کہنے پر آپ میں تباہ ہو گئے۔ لگا تھا کہ جب میں اس
 کے سامنے جا چکی تو رڈوفی بولا۔ "رات کو دو بجے تک تو میں نے آپ
 کا انتظار کیا تھا اور پھر غفلت کی وجہ سے مجھے خبر نہ ہوئی تھی۔ میں نے اس
 ایک آدمی کی ڈیوٹی نہ کی تھی کہ جیسے آپ اب داپس لڑیں، مجھے فون پر

اگر آپ آج دو بجے تک رڈوفی سے رابطہ نہ ہو تو
 "کل رات میں رانا حمید کے معاش
 "کی مطلب ہے؟"
 میں نے اسے فزوح سے آخر تک ہم
 نے بڑی محنت اور دلچسپی سے سب کچھ سنا دیا۔
 اسے ڈاکٹر رنگ کی سادی لٹائی تھی سادی تھی۔
 کیا تو میں اسی وقت دیر طے کرنے لے کر آیا۔
 چائے پینے کے دوران میں گفتگو کرتے ہوئے
 محاشات میں اب بہت سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانے
 "سب سے پہلے تو آپ کو کڑی غلامی نہ
 "صرف غلامی! "رڈوفی کچھ سوچتے ہوئے"
 میں دیکھوں گا۔"
 "اس بات پر کوئی انتہائی قدم اٹھانے
 میں نے تنبیہ کرنے والے انداز میں کہا۔ "پہلے یہ سوچو
 دیکھیں کہ اسے کیا ہیں؟"
 "ہوں، "رڈوفی ہنس مکھ کر کے کہنے لگا۔
 "پر رڈوفی کڑی میں کس تک دیکھیں
 "وہ آج دو بجے کو ہی بند کی پینچ سے
 "یقیناً؟"
 "ہاں اس رورگرم میں کوئی تبدیلی اس
 آج رات پر سیکرٹ ٹرف کو ایک حیز سرکاری تقریب
 "حیز سرکاری تقریب ہے؟"
 "جی ہاں، ایک سرکاری تقریب کی شادی
 ہر حال سرکاری تقریب نہیں کہا جاسکتا۔"
 "پر رڈوفی سے آپ کا رابطہ قائم ہوا تھا
 "جی ہاں، انہیں آپ کے فیصلے سے بہت
 "اوہ اے اے ایک اہم بات تو مجھ پر معمول ۲
 سے کچھ معلوم ہوا جس نے مجھ پر اتنا کڑا حمل کیا تھا؟"
 اس کے بیان نے رڈوفی کو بہت اچھا لگا
 "وہ کیسے؟"
 وہ ایک پڑھا لکھا لیکن تباہ حال نوجوان
 سے ملازمت کی کوشش میں ہے اور آتی طو سے کہہ رہی
 کسی مددگار غیر نوجوان کو دے دے۔ وہ خود کو فلاحی
 ہوئی گول کی حالت اس کے لئے ناقابلِ مروت تھی۔
 گھر کا نقشہ اسے روزانہ انداز میں کھینچتا تھا کہ اس
 بغیر نہیں رہ سکا۔ ان حالات کی وجہ سے دیکھی

میں نے کہا کہ جیسے جیسے میں کھینچتا جاؤں اس کی
 "آپ یہ کہتا جانتے ہیں کہ جیسے پریس کی اچھی صرف ذاتی طور پر مسئلے
 میں ملازمت ہے؟"
 "میں بھی طور پر تو یہ نہیں کہتا جانتا لیکن ہر اس امکان کو نظر انداز نہیں
 "اس معاملے کی بڑی باریک بینی سے جھانک چکے ہیں جانی چاہیے؟"
 "وہ تو ظاہر ہے۔" رڈوفی نے سر ہر اٹھائی کیا۔
 "آپ مجھے جیسے پریس کی اچھی کامیاب سمجھتے ہیں؟"
 "مکمل ہے۔"
 میں نے اپنی فٹ بک نکالی اور رڈوفی نے پتہ کھول دیا۔
 "آج کا اخبار دیکھا ہے؟" رڈوفی بولا۔
 "ہاں، میں نے کہا۔" صورت حال بڑی عجیب ہو گئی ہے۔ کیا آپ کو
 علم ہے کہ رڈوفی خارجہ دھاکہ سے کب آئے ہیں؟"
 "میکوں؟" آپ یہ آپ کوں پوچھ رہی ہیں؟"
 "میں تو یہی خیال آگیا تھا کہ اس وقت ان کو کڑی پاکستان میں ہونا
 چاہیے تھا۔" میں نے جواب دے کر اس بات کو لے کر گئی، "رڈوفی پر لڑنے کا
 انتہائی خاص آدمی تھا، اس لئے میں اسے یہ بات بتانا نہیں چاہتی تھی کہ میں
 وزیر خارجہ کو ان باتوں سے آگاہ کرنا چاہتی ہوں۔
 "مجھے وزیر خارجہ کے روبرو کہہ دیا۔
 "آپ کے خیال میں میں وزیر خارجہ کی جنگ کا رڈوفی کس کو بٹھائے گا؟"
 میں نے موضوع گفتگو کے اہل رخ پر توجہ دی۔
 "کچھ نہیں کہا جاسکتا۔" رڈوفی نے پرتشیش لہجے میں کہا۔ "محاشات
 بڑے غیر یقینی ہیں۔ سیاسی اکابر بھی اس کے بارے میں کوئی یاس کرائی کرتے
 ہیں۔"
 "یہ بات قطع شدہ ہے کسی کوئی، اے اب بہت فعال ہو جائیگی۔"
 "بلاشبہ۔" رڈوفی مجھے سے متفق تھا۔
 میرا ذہن جیسے پریس کی اچھی میں اُلٹنے لگا اور میں وزیر کے لئے
 خاموش ہو گئی۔ رڈوفی نے میری خاموشی سے فائدہ اٹھا لیا اور یہ کہہ کر خدمت
 ہو گیا کہ اسے جلد از جلد وکٹری کھانی کا بندوبست کر دینا چاہیے۔
 میں اسے چھوٹنے کے لئے دروازے تک گئی اور میں نے اس سے
 کہا تھا کہ وہ مجھے ہر وقت محورت حال سے باخبر رکھے۔
 دس بجے تک تھے لیکن مجھے اب کہیں نہیں جانا تھا۔ آج کی رات
 نادرہ بھی آنے والی تھی اور مجھے اس کا انتظار کرنا تھا۔ میں جانتی تھی کہ اگر آج
 وہ آئی تو وہ پہلی کی تمام تر کیفیات کے ساتھ آئے گی، اس کے لئے نہ تو ہمارا
 صرف اسی صورت میں تھا کہ اس کی طبیعت اچھی ہو اور طرح نہ ہو۔ جب تک
 وہ نہ آئی میرے لئے اس کے سوا کوئی کام نہ تھا کہ میں سوچتی رہوں یا چائے پیس
 سوچتی رہی۔
 رڈوفی میں کوئی موجودگی اور اس کی سرگرمی سے میں یہ اندازہ لگا
 سکتی تھی کہ ڈاکٹر رنگ بھی یہیں موجود ہو گا اور اب یہ ممکن تھا کہ خود کو
 درمست ہے لیکن حکومت جین اپنے یہاں کے کسی

میری اچھی باواؤں کی سے بہت زیادہ
میرے سینے پر چڑھ گئے اور اس طرح غصے اپنے
میانے شباب کو اپنے وجود پر بھجوا رہا ہو گا
مجھے بھی یہ جذبات کی لکڑی بن گئی تھی میرے جسم
کھینچنے پھینچنے اور جذبات کے دیوانہ وار زلزلے
میں نے غم کو کراہدہ کی طرف رخ کرنا
بندش کو بھیج کر دی۔ میں اس کی طرف ہڑی تو میر
اس سکرانٹ کو دیکھ کر اندر کے بھڑوں کی کیا بن
کھیل کر اپنے غم کو اس کا سہارا بنا کر دیا

نئے شباب سے شباب نبوذا کرنا مستحکم ہو نوزوں کی کھڑکی
رہی اور کھڑکی کے اعتقاد میں رہنے سے نہیں کر کہا۔ "ہی
کرانے میں رکھ لوں۔"

”جب کچھ نادرہ آپ کے پاس ہے آ
اس نے خوشی سے کہا۔
”نادرہ ہر وقت تو پاس نہیں رہ سکتی۔
”ہر وقت تو پاس رہے گا کوئی اہمیت؟
”مڑی ہوئی اور مینہ کی بات کی صورت

میں نے بھی جوبہاؤں میں نے نہیں کر کہا
مسلل دیا پھر میں اس کے غلبے میں بائیں دُلوں پر
"بالا" نامہ قدرت سے بخند کی تے بولی
میں اب تک کچھ نہیں بتایا۔
"کیا اس سے کوئی خاص فرق ہوتا ہے؟"
بستر پر دو دنوں تریب تریب بٹھے تھے

”فرق کو کوئی نہیں چمکا۔“ مادر نے کہا
 نہ جانے کسے باوجود مجھے الہ غفور سے ملے گا کہ
 جانتی ہوں، بیزاری اور انیمیت کا کوئی احساس نہیں
 محض ایک چہرہ، مرد کو آپ کے لئے اگل ہو سکتا ہیں
 ”اور میں نے بھی کسی ہاتھ کو اپنے قریب“
 اور ایک ہوشیار خیال سے کہ بات چیت کا دھارا
 اسی طرف نہ رہ جائے، میں سلامی سے لڑتی ہوں۔

یہاں تک کہ وہ اپنے لیے ایک کھانا بنانا شروع کر دیا۔
 "میرے پاس کچھ نہیں ہے،" اس نے کہا۔
 "اگرچہ میں نے کچھ نہیں دیا،" اس نے کہا۔
 "میرے پاس کچھ نہیں ہے،" اس نے کہا۔
 "اگرچہ میں نے کچھ نہیں دیا،" اس نے کہا۔

حضرت جسے کامیاب رہا لیا تھا۔ دروں کی مایہ ناز بیگم دشت افشاری مدد کوئی کسی سے بڑی نہیں ہے جا سکا تھا۔

"نازدارہ، اس میں سے سرگرمی کی۔
 "ہوں" وہ انہیں بند کرنے لگی۔
 "اے انہیں تو کھول دیجیے، ڈرا ہو چکا ہے۔"

میں نے اس فقیر پر اتنا رحم کیا کہ اس کے لئے ایک کھانا بھجوا دیا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ وہ گھورتے ہوئے لمحات میری یاد تازہ کی تھیں۔ پھر وہ گھر کے آگے آگے جا کر کھڑی ہو کر کھانا کھا کر گئی۔

مگر کبھی نہیں اس جذبات کے غم کو بھلا سکتی تھی۔ وہ میری دکان کی جو کبھی ساتھ ساتھ لٹے ہوئے تھے، اب کھینک کر پھینچ کر گئے تھے۔ وہ اور ابھر کر دھڑکیاں

بجی شروع ہو گئیں۔ مادہ ہاپی کمانی میں درمیان اور پھر وائٹن کی بات
کرتی رہی۔ اسی ذیل میں یہ بات بھی سامنے آئی کہ ہائڈروکس والڈ کی کھڑکی
آویختہ رہی۔ ان کا پورٹ انکمپورٹ کا بہت بڑا پیرش تھا اور وائٹن کی باتیں
ان کے بڑٹی بھی تھیں۔ مادہ ان کے بڑٹی کا بہت بڑا پیرش تھا اور وائٹن کی باتیں
گئی۔ ان میں سے ایک بڑٹی تو وہی تھا جس میں دو کمرے در بالٹن اختیار کر
رہی تھی۔

فدا دیر کے لئے میں دی خود بخیر جا رہی ہوں۔ جیسے کہ اس کا یہ
 رہا کہ اب نادیر کو کہہ دے گی، مجھے اس سال نے لے لیا تھا کہ اس بات
 سے کوئی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے؟
 نادیر اپنے والے کے بڑے بھائی کے کہہ کر وہ کسی بھی مکان سے کوئی ایسا
 کام نہ تھا جو نادیر کے بغیر ہو سکتا، آخر تھیکہ فوری طور پر میرے ذہن میں
 کوئی سود مند کام نہ تھا کہ اس کا
 نادیر اس کے ہم کمر میرے کہہ کر میں رہی اور پھر جانے کے لئے

تیار ہو گئی۔ ایک بلنگی، "میں نے سوال کیا۔
"کل سے تو مجھے کالج جانا ہو گا۔"
"کالج سے ماہی پر تو میرے پاس سے جو کر جا سکتی ہو۔"
"لیکن اس وقت زیادہ دیر تک نہیں رک سکتی۔"
"زیادہ دیر کتنا ہو گی تو نہیں۔" میں نے بڑے پیار سے اس کا ہاتھ

بہت بھرا ہوا تھا۔ رات کو سوائے اسودہ کے تھا اور دل میں نادر کی

جوابی کرپٹے کا موقع مل گیا تھا۔
جب چھ بج گئے تو مجھ پر گھبراہٹ طاری ہونے لگی۔ اب میں پہلا درجی

231

ٹاکیا، یہ قومیں نہیں دیکھ سکی کہ ان کی بالادستی پر یہی بھارت کو
 بھی ناکھڑ کر دکھاتا تین جب میں لائن میں پہنچی کر ان دونوں کے قریب
 سے گزری تو میں نے یہ مفرد دیکھا کہ رانا محمد کاک بھٹہ جیب میں تھا،
 اس میرے کے بارے میں میرے شہزادہ درست ثابت ہوئے
 اور میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ دو گھنٹہ کا سفر فرنگ کے گروہ کا ایک
 سرگرم ڈکن، خود، حالات تو یہ بتا رہے تھے کہ شاید وہ کوئی فرنگ کا
 دست راست تھا۔ میں نے اسے پہچان کر اس طرف بڑھتے دیکھ لیا
 اب وہ وہاں سے رخصت ہو جا چاہتا تھا۔

”میرے پاس کوئی دعوت نامہ نہیں۔ میں گھر
 کا تو بچہ اطلاع درست ہی ملدم کہ کوئی سہ
 کے ساتھ آیا ہوا دس دو مہینہ والوں کی گھانا جلی کر،
 یہ تانکدہ موجود ہے کہ اس کے بغیر تفریق میں شہریت
 آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ میرے ساتھ
 لے چلیں۔ میرے ایک ساتھی کے بچے کو مولات کر،
 میں ایک اہتمامی پریشان کن سچویشن
 سمجھا شکل نہیں تھا کہ وہ اجائی ہو گیا ہے،
 یا انجیلی جنس والوں سے متعلق تھا۔ دونوں ہی
 سے جان نہیں چھڑا سکتی تھی۔ دوسری طرف رانا
 اور جلی ہو کر ہاتھوں میں شامل ہو چکا تھا۔ اس
 طرف سے وہ حرکت متوقع تھی جسے دیکھ کر
 انجیلی سے جان چھڑنے کی کوئی تدبیر
 تھی اور اس لیے کسی وجہ سے مجھے غصہ آئے،
 اشتعال کو زبان نہیں لے سکی۔ اگر میں یہ مانتا
 لوگ میری طرف متوجہ ہو جاتے۔
 ”کیا آپ نے سنا نہیں خاتون؟“ انجیلی
 کا وہ میں آپ کو اپنے افسر علی کے پاس لے جانا
 ”مقدار افسر علی ہے کہاں؟“ میں اپنے
 ”جولی جولی۔“

[illegible]

برس بڑا نام ہے ہستہ سے بلبل اٹھی۔
 ہاگ آپ تاحہ سے سے بات
 کے لئے تیار ہو گئی ہیں یہ کہتے تھے
 خیال نہیں تھا کہ کسی تھے پر پینچنے
 کر لیں فرزند چند نہ کر لیں
 راہ اور جز تباہ نہیں ہوئے بلکہ
 سے کوئی نے تاحہ کی نہیں ہوئی
 "آپ کا لوجا اور آپ سے
 آپ مجھ کی بجائے کلزم کا
 کر لیں فرزند تیری ہر مسکرا اور دیر
 سوچو لوجہ کی فائدہ پہنچا جو
 چاہیے کہ آپ کو شک و شبہ کی
 معقول ہوا ہے۔"

"ہم تاحہ کی بات یہ کہتی
 یہ بتاتے کہ کہاں ان صاحب کی
 کچن آفاق کی طرف اشارہ کیا۔
 "میرا مرنو آپ کو معلوم ہو کہ
 کر میں یہاں پریسٹنٹ کی اسلامی
 موجود ہو گی سب یہ کہانی کی
 لیے یہاں دیا ہے ورنہ انہی آپ
 "نگوئی" میں چونک پڑا
 "جی ہاں یہ کر لیں فرزند
 ہم یہاں دعوت میں شرکت کے
 جب آپ نے اس عمارت کے ان
 آؤں آپ کے پیچھے لگ گئے تھے
 "مگر کیوں؟ ہم یہاں کیا
 نہیں یہ کہ کیا گیا۔"
 "کارڈ کی جگہ قسطی میں فرزند
 ہمیں کسی دن پہلے ہی دے دی تھی
 چھان بین کی تھی اور بن کر طرف
 کارڈ ڈیو کر کے گئے تھے اس
 نے ہماروں کے جسے بھی ذہن
 اجنبی راہ پر مطلب ہے آپ نے
 لکھیں انہیں۔"

"پھر لوجہ اور ہی کر لیں
 ہم دیکھا جانتے تھے کہ
 کیوں دھک پڑی ہیں، ہم یہاں
 کرنے کا مونس نہیں دیں گے آپ

• آپ کو کیسے معلوم؟ کرنل سرفراز نے بے چینی سے پوچھا۔
 ”آپ واقعی بڑی مستعدی کا ثبوت دے رہے ہیں، کرنل؟ میں نے
 سترہ برس پہلے میں کہا۔ اس وقت جبکہ پریسیڈنٹ کی زندگی خطرے میں ہے،
 آپ کو مجھ سے پوچھ کر مجھ کو کہنے میں کم از کم ایک گھنٹہ ضرور گزارنا چاہیے۔“
 کرنل سرفراز کی آنکھوں سے اچھٹا سترخ تھی جس میں ہاتھ کیوں
 سے کیپٹن آفاق کی طرف دیکھا جو دروازہ سامنے بنائے بیٹھا تھا۔ غائبانے
 میری اس بات پر یقین نہیں آیا تھا کہ پریسیڈنٹ کی زندگی خطرے میں ہے
 کرنل سرفراز نے کچھ سوچ کر اس طرح سر ہلایا جیسے کسی فیصلے پر پہنچ گیا ہو
 دیکھ کر اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا، ”ابھی بات ہے میں خود
 کو ایک بار چھوڑنا نہیں چاہتا۔“ لاشیٰ لیا ہوں لیکن اس دوران میں آپ یہیں
 کیسے ہیں۔“ حداد نے پوچھا تو موجود اس ایک کپ سے ابھر نکلتے کی کوشش
 کی تو وہ آپ کے ساتھ گئی، اچھا سلوک نہیں کر سکیں گے اور میں بھی اس

”ہمت جلد میں نہیں آتا۔ قال بھی میں دہنے
نظر ملا کر بات کر کر“
”کیا مطلب؟“ میں نے نیکیے بھجی میں کہا،
”تمہاری عزائم کی بجائے تو نہیں ہے کہ تم میرا مطلب
بائیں اسلحہ دیا کہ بڑے فوجی انداز میں کہا۔
”ادھر آتو یہ عزائم بھی ہیں؟“ مجھے غصہ آئے،
”مجھے سے غلطی تو رہی کہ گریں نے نہیں اس
بہ تم کہی ہر تیرے قبضے میں آئی تھیں۔“
آفاق کا اشارہ اس رات کی طرف تھا جب میں کہ
دو تھکے مکھان میں اس کی تیدی تھی۔
”تمہاری اس غلطی نے جس ہمت نافذ نہ پایا
زیر بے یومیں کہا۔“ وہ تشدد اس بھی نہیں کہ اس
نے اپنے شکستہ اعضاء کی درد شکنی کا اظہار کرے۔
”تمہیں اپنے وجود کو کالے کی صارت پڑنا
بنا کر کہا۔“ ہمت جلد تو اس کی صارت کو بھی دما
میں نے نفرت سے سر جھکا اور دو دانست
اپنے تصور میں کھل فرماؤ اور دانا حید کو یک
”تمہیں ظاہر ہے کہ رونا حید کو ہمت نہ لکھایا ہوا ہوتا
میری تلاش کی دلا بھی تو تمہیں ہوسکتا ہے۔“

لیا یا اور کہاں گیا؟
سننا تھی طرح تلاشی کی تھی؟ میرا سوال انتہائی
لی مرزا نے گھٹ کر کہا تلاشی لینے کی تربیت
ملی تھی؟
بہا بیتل کہیں چھپا دیا ہو گا۔ میں نے اپنے ذہنی
لمبا کوشش کرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔
اگر آپ کرنل مرزا نے طنز سے انداز میں مہربانیاں دی
تو ہمیں دوبارہ اس کی تلاشی لینے آرہا ہوں۔
کرنل! آہستہ و سراسر پتلی میری موجودگی میں دیا گیا
حکم ہے نہ تلاشی لینے کی کسی محسوس کی۔
لاہور میں پڑنا چاہئے تھا لیکن اسی وقت مرواز نے
روٹے فروادواز سے کی طرف دیکھا اور میری نظر کی
لمبی میرے خیال کے مطابق کرنل مرزا کا کوئی آدمی
باندھ کر آجاتا۔
کرنل مرزا بلند آواز سے بولا کہ اندھا جاؤ
فوقہ اندھ آدمی اندھا داخل ہوا اس کا تعلق کسی گروہ
خاک و صورت آسانی کو جاننا کہا جائے تو میں کہہ
ہر عامانہ تھوڑے روز صبر رکھنا۔ کوئی بے سے تھا۔

239

کے برابر ہیں، یہی کہنی تھی۔ اس کی انہیں بندھیں اور وہ دنیا و ما فیہا

240

پچھلے دنوں اس نے اپنی ایک ملازمہ کو بھیج دیا تھا۔

۱۰۔ جو موقع کو ہاتھ سے چلنے نہ دے۔

اب بڑا نازک وقت آچکا ہے۔ کھانے کے بعد صدرِ مملکت کو فائر ہو گیا۔

روانہ ہو جانا تھا اور ان کی روانگی میں بڑا زیادہ دیر نہیں تھی۔ گویا راجہ جی کو جو کچھ بھی کرنا تھا سمجھتا تھا۔ مگر راجہ نے پھر اسے منع نہ کیا اور یہ ناکامی اس کی سیاسی و اخلاقی موت کا راستہ کھول دی۔ وہ کونسل بہت کھل کر کہہ دیا تھا کہ اگر رانا عید کا کام ہوگا تو اس کی تصاویر عوام میں پھیلادی جائیں گی۔ اس خوفناک صورت حال سے بچاؤ کی صرف ایک ہی صورت رانا عید کے سامنے تھی اور اس سے متنبہ ہونے کے لئے اب رانا عید کے پاس چند ہی باتیں رہ گئے تھیں۔

یہ چند منٹ میرے لئے بھی بڑے اہم تھے اس لئے میں اپنے ذہن کو راجہ اور دوسرے بھائیوں سے روک کر اپنی قاتلہ ترقیہ رانا عید پر مرکوز کرنا چاہتی تھی۔

لیٹیٹ ناندو اپنی بیٹی سنبھالے ہوئے دوسری بیٹی کی طرف رجحان پاتی تھی اس لئے عید نے اپنی بیٹی کو مزید پر دیکھ دی۔ شاید وہ کھانے سے فارغ ہو چکا تھا۔ اس کے چہرے سے بے چینی ہو رہی تھی اور وہ خاصا نروس دکھائی دے رہا تھا۔ یہ حالت تھی جس نے فیصلہ کن کر اچھے اچھولے کے اعصاب جواب دینے لگیں۔ خود بھی اپنے دل و دماغ میں بلا شدید تناؤ و محسوس کرنے لگی تھی۔

رانا عید نے ایک تہہ صدر محکمات کی طرف دیکھا اور پھر دوسری طرف کی طرف بھاگ دیا۔ اس نے تو ہاتھ دھوئے کی زحمت گوارا دی تھی اور دینیز پر کھٹے ہوئے ٹینک استعمال کیے تھے۔ اس کی بجائے اس نے اپنی جیب سے دھال نکال کر ہاتھ پونچھ لئے تھے۔ اس کی یہ حرکت اس کے ذہنی انتشار کا پتہ دے رہی تھی اور محکمات کی طرف بڑھتے ہوئے اس کے قدم ڈھکے بھی رہے تھے۔

میں نے اپنی بیٹی میز پر رکھی اور ٹینک سے ہاتھ صاف کرتی ہوئی رانا عید کے پیچھے چل پڑی۔ اب ایک اور نیا سوال میرے ذہن کو ابھار رہا تھا۔ آخر رانا عید محکمات کی طرف کیوں جا رہا ہے؟ یوں تو ہماروں کی نشست و برخاست کا انتظام بارغ ہی میں تھا لیکن نوٹیشن کے لئے محکمات کی کاوش کرنا ضروری تھا۔ لیکن ہے اس وقت رانا عید سے نوٹیشن کی ہی ضرورت محسوس کی ہو۔

اچانک میرے ذہن میں خیال آیا کہ شاید رانا عید نے اپنا بیٹول بھی محکمات ہی میں کسی جگہ چھپا دیا ہو۔ نوٹیشن کے بدلنے سے وہ محکمات میں برائیاں آ جاسکتا تھا۔ شاید وہ بیٹول لینے ہی کے لئے کھڑا جا رہا تھا۔ میری توقع کے عین مطابق اس نے نوٹیشن کا رخ کیا اور میں کھڑے ہو کر دیکھنے لگی۔ وہ آدھیں دھک کر اس کا انتظار کرنے لگی۔ یہ انتظار کس طرح پرمیلا رہا تھا۔ رانا عید کی باپسی فوری ہوئی تھی اور میں نے اس کی جیب کو واضح طور پر جاری محسوس کیا تھا۔

میرے دل کی رفتار میں خاصا اضافہ ہو گیا اور جسے بے بسیہ مرث پڑا۔ اب میں چند لمحوں کی بات تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ میں خود کچھ کر رہا ہوں اور صدر محکمات واپس لوٹ رہے ہوں گے۔ انہیں اسی دروازے کے

قرب سے گزرا پڑا نا جس سے رانا عید کے لیے کڑی سزا کا خیال آیا۔ اس کی ہر دلی تھی۔ مگر میرا خیال تھا کہ وہ اس کے گے۔ کوئی سزا نہ دی کی طرح دھت کا بھی کہہ محسوس کرنے لگی تھی جیسے قاتلہ نے دارن ہو۔ میں اس ذمے داری سے عہدہ ہار نہ دیتی تھی اور مجھے شدت سے یہ احساس تھا کہ رانا عید پاکستان کی تاریخ کا ایک اہم رانا عید کا رخ لگا کر اس کے دروازے کے قریب پہنچ کر وہ زینوں کی کڑی بدھو میں پہلی دوسری منزل کے لئے زینوں کا سلسلہ واقع تھا۔ رانا عید کو دروازے پر کھڑے ہو کر میں بہر حال ناگھن تھا کہ میں اس کا پیچھا چھوڑ رہی کہ رانا عید پہلی منزل کے نیچے ٹھہر گیا تھا۔ وہی تو رانا عید کی فخریہ ارجاں پر آمد و رفت نہیں تھی۔

دقت دے کر میں نے اسے انتظار کیا۔ رانا عید کے قدموں کی دھک پہلی منزل پر پہنچ رہی تھی۔ اس کا ہاتھ اسی طرف تھا۔ وہاں لوگ کھڑے نہ تھے۔ اس کی یہ حرکت اس کے ذہنی انتشار کا پتہ دے رہی تھی اور محکمات کی طرف بڑھتے ہوئے اس کے قدم ڈھکے بھی رہے تھے۔

میرے دل کی رفتار میں خاصا اضافہ ہو گیا اور جسے بے بسیہ مرث پڑا۔ اب میں چند لمحوں کی بات تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ میں خود کچھ کر رہا ہوں اور صدر محکمات واپس لوٹ رہے ہوں گے۔ انہیں اسی دروازے کے

رانا عید ان کا رخ لگا کر اس کے دروازے کے قریب پہنچ کر وہ زینوں کی کڑی بدھو میں پہلی دوسری منزل کے لئے زینوں کا سلسلہ واقع تھا۔ رانا عید کو دروازے پر کھڑے ہو کر میں بہر حال ناگھن تھا کہ میں اس کا پیچھا چھوڑ رہی کہ رانا عید پہلی منزل کے نیچے ٹھہر گیا تھا۔ وہی تو رانا عید کی فخریہ ارجاں پر آمد و رفت نہیں تھی۔

دقت دے کر میں نے اسے انتظار کیا۔ رانا عید کے قدموں کی دھک پہلی منزل پر پہنچ رہی تھی۔ اس کا ہاتھ اسی طرف تھا۔ وہاں لوگ کھڑے نہ تھے۔ اس کی یہ حرکت اس کے ذہنی انتشار کا پتہ دے رہی تھی اور محکمات کی طرف بڑھتے ہوئے اس کے قدم ڈھکے بھی رہے تھے۔

میرے دل کی رفتار میں خاصا اضافہ ہو گیا اور جسے بے بسیہ مرث پڑا۔ اب میں چند لمحوں کی بات تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ میں خود کچھ کر رہا ہوں اور صدر محکمات واپس لوٹ رہے ہوں گے۔ انہیں اسی دروازے کے

میرے دل کی رفتار میں خاصا اضافہ ہو گیا اور جسے بے بسیہ مرث پڑا۔ اب میں چند لمحوں کی بات تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ میں خود کچھ کر رہا ہوں اور صدر محکمات واپس لوٹ رہے ہوں گے۔ انہیں اسی دروازے کے

میرے دل کی رفتار میں خاصا اضافہ ہو گیا اور جسے بے بسیہ مرث پڑا۔ اب میں چند لمحوں کی بات تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ میں خود کچھ کر رہا ہوں اور صدر محکمات واپس لوٹ رہے ہوں گے۔ انہیں اسی دروازے کے

کرتے دلا ہے اس کی انگلی اوروں اوروں کے کھٹے کی کوشش کرنے لگی۔ صدیوں کی سلاوی تھی۔

نہا رانا عید اس قدر بے دردمان میں خوشی پہنچا کہ شکار دیا تھا لیکن آخر وقت میں وہ اس فیصلے پر پہنچ گیا کہ صدر محکمات کو ہلاک نہیں کرے گا۔ پھر اس فیصلے کے بعد یہ فیصلہ بھی مانگ رہا تھا کہ خود کشی کرے۔

اسے اپنے بلیک میلوں سے کسی رعایت کی توقع نہ رہی تھی۔ وہی کی اور وہ عید کے اس تھے کہ پہنچ چکا تھا جہاں آدھی کو موت سے زیادہ بدنامی سے ڈر رہا ہے۔ اسی بدنامی سے بچنے کے لئے رانا عید خود کشی کا فیصلہ کرنے پر مجبور رہا تھا۔

ایک لمحے میں رانا عید کی شخصیت ایک عظیم انسان کا رُپ بدل کر میرے ذہنی افق پر چھینی ہوئی تھی۔ یہ پکارا جا رہا تھا کہ اس اچھے انسان کو مرنے نہیں چاہئے۔

میں نے ایک بل بھی مٹانے کے بغیر حمت لگا دی اور اس سے پہلے کہ رانا عید اپنے بیٹول کی نالی اپنی کپڑی پر لکھتا۔ میں نفس میں تیرتی ہوئی اس پر جا پڑی۔ یہ میری زندگی کی طویل ترین جست تھی۔ میرے جھلنے دھکنے سے رانا عید اس کی بھت لڑا کہ جس پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے اوپر میں بھی گری اور اس جھٹکے میں رانا عید کا بیٹول اس کے ہاتھ سے نکل کر فرش پر پھلنا ہوا۔ میرے نیچے چلا گیا۔

مجھے جھانپنے والا خدشہ لگتا تھا۔ وہ رانا عید کو گرا رہا تھا۔ وہ نہیں رانا عید! اس نے اس کے ہاتھوں کو جھونپٹی سے کھڑکتے ہوئے کہا۔ آپ کو اپنے دشمنوں کے پیٹ پر موگ نہ لے گئے تھے زلفہ دہنا ہو گا۔

رانا عید اس طرح ہانپ رہا تھا جیسے میلوں دور سے دوڑنا چاہا آ رہا ہو۔

میں نے نگاہوں سے بیٹول والوں کی طرف دیکھا جن کے ہاتھوں میں ریوڑ اور تو تھے مگر جروس سے ہچکچاہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔ اس میں بیٹول نے اُن کی قربت فیصلہ کو تسلیم کر لیا تھا۔ دوسرے بیٹول نے اس کے شکل میرے لئے اجنبی نہیں تھی۔ وہ وہی تھا جو مجھے پکڑ کر کوئل سرفراز کے پاس لے گیا تھا۔

میں نے فرش سے اٹھتے ہوئے رانا عید کو بھی اٹھانے کی کوشش کی اور اس وقت نیچے سے کوئی موٹر سائیکل کے اشارٹ ہوئے اور اس کے ساتھ میں سائلی دیں۔ ان کے ساتھ ہی کوئی کار بھی اشارٹ ہوئی اور اس کے ساتھ میں سائلی دیں تھیں۔ اس کا اصرار مطلب یہ تھا کہ صدر محکمات رخصت ہونے سے آگے اور انہیں اس جگہ کی جو ابھی نہیں لگ تھی جو پہلی منزل پر رہا ہوا تھا۔

میں نے اہلین کی سائلی لیا اور رانا عید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سیکورٹی والوں سے کہا۔ انہیں سنبھالو۔ اگر یہ خود کشی کرنے میں کامیاب ہو گئے تو قوم کو کڑی شادی صدر محکمات کے عتاب کا نشانہ بننا

جس نے میری بیاس تو جھڑکانی تھی لیکن میرے برٹ اس کے چہرے بدن سے صبر نہیں ہو سکے تھے۔

میرے خوابوں میں ایک نیا چہرہ کھڑا۔ وہ بیٹے کی کھی وہ صبح کا دارہ کھڑا جس کی خاطر دین دنیا بھی طانی نہیں ہو جائیں اس کی جوانی میں آندھیاں اور طوفانیں پل رہے تھے اس کے بدن کی قدرت میں بھل جانے کو بھی چاہ سکتا تھا۔ جب میں نے عالم بے اختیار کی میں اس پھر سے کوس چھوٹنے کے لئے ہاتھ بڑھانے تو وہ ہراس میں لپکی ہو گیا اور میری سسکائیوں میں شبانہ کے نام کی گوج چھوٹی چلی گئی۔

شبانہ! شبانہ! شبانہ!

میں نے بیک وقت انکھیں کھول دیں، میرا جسم منڈے پانی میں ڈبا ہوا تھا مگر ملنے لگا تھا۔ شبانہ صرف خیال ہی نے میرے جذبات میں انگڑوں کی پیش چھری تھی اگر میں اسے چھو تو شاید مجھ سے لڑ جالے شاید یہ منڈی نہ چھو سکتا تھا لیکن حقیقت وہ مجھ سے جو بھی کہہ دی تھی۔

میرے بچے اپنی زندگی کا ایک المیہ محسوس ہوا تھا کہ میں اس وقت شبانہ کی جوانی میں آگئی تھی میں نہیں کیوں سکتی تھی میرا وجود اس کے متوجہ شباب کے حضور میں نہیں ٹھوب سکتا تھا۔

میں تب سے نکل کر آئی تھی کہ میں جانتی تھی کہ اب یہ میری پانی میرے وجود میں بھرتی ہوئی آگ کو خنڈا نہیں کر سکے گا۔ بہت کم ایسا ہوتا تھا جب مجھ پر جنسن کی اتنی شدید کیفیت طاری ہوتی ہو کہ میں جب ایسا ہو جاتا تھا تو پھر کوئی لڑکی ہی اس خوفناک کا درد توڑ سکتی تھی۔

اجانک مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی آہستہ آہستہ میرے کمرے کا دروازہ کھینچ رہا ہے۔ میں چونک کر کہہ کر رہ گئی۔ کمرے کے دروازے سے دھکا ہوا ہاتھ گاڑوں آگیا۔

دروازہ کھینچا جانے کی بجائے پٹا جا رہا تھا اور اس سے سننے والے کی بے چینی ظاہر ہو رہی تھی۔

”کوئی ہے؟“ میں نے دروازہ کھولنے سے پہلے پوچھا۔

”مولیٰ! حجاب ملا۔“

ظاہر ہے کہ مجھے حیران رہا تھا چاہئے تھا مولیٰ کی ایک قطعی خبر متوقع ہوتی تھی۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا تھا میں نے اسے پہنا تھا یہ بھی نہیں بتایا تھا چہرہ بیاں کیے انکھی آوازوں سے۔

میں نے دروازہ کھول دیا اور مولیٰ کو اپنے سامنے کھڑا ہوا پایا۔

مجھ کو کھڑی ہوئی اور غور غور کی معلوم ہوتی تھی لیکن اس نا زیادہ بے چارہ معلوم ہوئی۔ لیکن میرے اس احساس غریبائی کیفیت میں اس کی وقت بیک وقت تھی۔ میں اس میں یہ تو مجھ لیا تھا کہ غور غور گویا کہ ہوتی ہے جس کی اس ایسے جھولی جھنبے کے زبردستی تھی جو دنیا کا سب سے زیادہ جذبہ ہوتا ہے۔ دوسرے تمام جذبے اور احساسات اس کے نیچے بری طرح دب جاتے ہیں میرے تمام احساس کے دباؤ میں آگئے۔ میں نے سولہا سو تو کفر یا گھسٹ کر کر لیا اور دروازے بند کر دیا پھر سولہا سے پلٹ کر آتا ہوں۔

”تو بہت صبح وقت پر آئی ہو جان میں!“ میں اس کے ہونٹوں کو اپنے ہونٹوں میں پھان کر لیا۔

جنگلی چوٹیوں کی طرح نرسش لئے اسے اور اس طرح بھڑے بیٹا بیوں کی داستان دھڑکا رہا ہے۔

جب میں نے اسے چھوڑا تو وہ مجھے عجیب سے دیکھ رہی تھی۔ میری گرم ہونٹوں نے اس پر دھکا دیا اور پھر ہاتھ اتار کر ہونٹوں کو اپنے ہونٹوں میں پھان کر لیا۔

چکنا چکنا میری دھنست اس کے جھولی جذبے کو جگا گئی تھی۔ باقی احساسات اس جھنبے کے نیچے دب گئے۔ اس نے اس سے الگ ہوتے ہی اپنے گانے دئے اور وہ میرے چہرے سے چمکے شاد آواز سے بھلا رہا۔

میرے ہونٹوں نے اس سے الگ کی پیشیں کھل رہی تھیں اس کی کمر اور آگیں پس بخت اور وہ اس کی قدرت میں گھل گئی۔

اس کی کمر اور آگیں پس بخت اور وہ اس کی قدرت میں گھل گئی۔

اس کی کمر اور آگیں پس بخت اور وہ اس کی قدرت میں گھل گئی۔

اس کی کمر اور آگیں پس بخت اور وہ اس کی قدرت میں گھل گئی۔

انکھوں آسمان کی ضد کو نمایاں کرنے لگے۔ اب مجھے آواز سولہا کی آواز کا قہقہہ خیرا ہے۔ جب میں اس کی بات سنی تو مجھ کو کھڑکی سے غور جھانکنے لگا۔

”اچھے بچا! میں نے“ وہ بے اختیار بولی۔

”ہاں میں نے“ میں نے حیرت سے دہرایا۔ اس سے بچا کیونے؟

”اے... اسی کو توں سے... وہ... وہ شاید...“

”اے... اسی کو توں سے... وہ... وہ شاید...“

”اے... اسی کو توں سے... وہ... وہ شاید...“

”اے... اسی کو توں سے... وہ... وہ شاید...“

”اے... اسی کو توں سے... وہ... وہ شاید...“

”اے... اسی کو توں سے... وہ... وہ شاید...“

”اے... اسی کو توں سے... وہ... وہ شاید...“

”اے... اسی کو توں سے... وہ... وہ شاید...“

”جی ہاں! اسے ایک مرتبہ اس بات کا علم ہو گیا تھا لیکن آپ نے خاص طور سے یہ سوال کیوں کیا ہے؟“

”میں نے بے چینی سے پہلو بدلا اور اپنے لئے پورٹ کا دورہ گھر میں نہ لے گی۔“

”اے... اسی کو توں سے... وہ... وہ شاید...“

”اے... اسی کو توں سے... وہ... وہ شاید...“

”اے... اسی کو توں سے... وہ... وہ شاید...“

”اے... اسی کو توں سے... وہ... وہ شاید...“

”اے... اسی کو توں سے... وہ... وہ شاید...“

”اے... اسی کو توں سے... وہ... وہ شاید...“

”اے... اسی کو توں سے... وہ... وہ شاید...“

”اے... اسی کو توں سے... وہ... وہ شاید...“

”اے... اسی کو توں سے... وہ... وہ شاید...“

”یہ معلوم نہیں معلوم ہوتا جو کوئی اُسے رہا ہے“
 ”میں اب بھی نہیں سمجھا“
 ”میرا زہن خود ہی اتنا الجھا ہوا ہے کہ ابھی میں کوئی مسلح ہوتی بلیٹ
 کہنے سے قاصر ہوں۔ مجھے کچھ سچے کے لئے رقت چاہئے۔ لیکن یہ کس شرم
 تک میں کچھ واضح گفتگو کرنے کے قابل ہو جاؤں۔ اب آپ کہاں جاؤں
 مجھے“
 ”یہ سب سب چند لمحے میں ہی منہ مڑ رہی ہے۔ میرا دل اب چھوٹے
 کی طرح ٹھک رہا ہے“

میں سوچوں گی کہ میں ان حالات میں کیا کر سکتی ہوں؟
ان باتوں کے سوا کہ وہ میں دُشمن نے مجھے کی اور مجھ پر ایسی ختم کر لی
تھی۔ اُسے ختم کرنے کے لئے وہ دُشمن بڑے بڑے فوجوں کے ساتھ آگیا۔
میں تو انہیں بھی ہوتی تھی کہ اُسے زخمی کرنے کے لئے وہ دروازے
نہیں بھی نہیں گئی تھی۔ میں نے سرگرمی سے لڑا لیکن اُس وقت مجھے اس کی
فوجت فوجوں کے ہار دی تھی۔
جب سے ان حالات میں بھیجی اس قدر ختم ہو گیا تھا

مجھے وہ سب بات ایک دھڑلے مدم ہونے لگا تھیں لیکن ایک لمحے کی
 روایت پر دھڑلے صراحتیں نہیں آتی تھیں، پاک چین تعلقات میں اس ختم
 کی گڑبڑ سے بہت ایک ناخوشی تھیں۔

میں نے تپائی برسے اپنا سامنا لیلہ نوٹ کی وجہ سے مجھے کچھ
 پڑھنے کا موقع نہیں مل سکا تھا اب میں نے سرخی پر غور ڈالی اور اس
 کے بعد خاص خاص خیروں کا خود سے پڑھ ڈالا۔

ان خبروں کے مطابق ملک کے حالات کسی بھی لمحے ناکار ہو سکتے
 تھے کہ سرخس شتر مرغ ہونے والی جنگ آڑی پاکستان کو بھی گولہ باندھ کی

دھک سے لڑنے پر مجبور ہو گئی تھی کثیر میں آزادادی کے سولے ہر
 قدم پر کامیابی سے پہنچ رہے تھے۔ فوجی کمپوں پر کثیر میں جیالوں کے
 حملے جاہکوں ثابت ہو رہے تھے اور بھارتی فوج کو ذرا دست لغھان
 اٹھانا پڑا تھا پاکستان میں علوم انسانی کے لڑنے ہی کو پاکستان کو
 ان منظم کثیر میں کی سکو کرنا چاہیے اور مگر بھارتی رہ نالوں سے یہ الزام
 تو اس شرسر کوئی تھی کثیر میں پاکستانی فوجی تڑپے ہیں۔
 وزیر خارجہ کوٹاک سے واپس آئے تھے اور انہوں نے اتنے ہی صاف

[illegible]

تاہو کہیں تو ہم اس معاملے کی چھان بین کر کے ساری حقیقت معلوم کر سکتے ہیں۔

”یہ کسی قیمت پر بھی دماغ کی پریشانی کے لئے تیار نہیں ہوں۔“ پریس اپنی ہی سخت ہنسنے لگا۔

دماغ کی غائبی اس شخص کا ہم تھا جس کی ڈیوٹی رات کے وقت ٹیلیفون والے کے لئے رہتی تھی۔

میں نے فکس کیا کہ پریس اپنی کا علاج برہم ہو چکا ہے۔ اس لئے وہ مجھے تھانہ کے پریمرز کو آمادہ نہیں ہو گا۔ اب میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہا تھا کہ رپ کا آخری پتہ بھی استعمال کو چھوڑ دے۔

”آپ کوئی بہت ہی تیار خاتون معلوم ہوتی ہیں۔“ پریس اپنی نے مجھے گھر پر سے کہہ کر اس لئے مناسب یہی ہو گا کہ میں پریس سے رابطہ قائم کروں۔

”ابنا کر کے آپ اپنے لئے مشکلات کھڑی کر لیں گے۔ میں نے بڑے اطمینان سے دیکھا کہ آپ کا پتہ اب بھی آپ کے پاس نہیں ہے۔“

”کیا مطلب ہوا اس کا؟“ وہ مجھے کچھ غلطیوں سے دیکھنے لگا۔

”بلکہ میری کسی شخص کو میرے اہتماموں میں قتل کر دینا چاہتا ہے۔“

قتل کرنے کے لئے اس نے مجھے ایک پتہ بھیجا ہے اور وہ پتہ بھول جینی ساخت کا ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ وہ آپ کی کا ہو گا۔

پریس اپنی غصے میں ایک جھٹکے سے کھڑ ہو گیا۔

”میں ایک بار پھر کوئی کچھ بے جذباتی ہونا چاہتی ہوں کہ کوئی کوشش کیجئے، اب میرے خلاف کوئی سخت قدم اٹھانے سے قبل آپ کو یہ دیکھ لینا چاہئے کہ آپ کا پتہ بھول جینی یا نہیں۔“

میرا اطمینان اور اعتماد دیکھ کر پریس اپنی کے چہرے پر تیز فزیب کے آثار پہلے ہو گئے۔ وہ کچھ سوچتا رہا اور پھر غصہ ہوا اور بولا۔ ”اچھی بات ہے۔ میں اپنا پتہ بھول چیک کرنے لیتا ہوں لیکن اس کے بعد میرا پہلا ہی قدم بہت سخت ہو گا۔“

”میں اس پر مستزحمت بھی نہیں ہوں گی۔ میں نے سزا کر رکھا۔“

پریس اپنی کا ہاتھ اس شخص تھا جس نے مجھے ڈراؤنگ روم میں تنہا نہیں چھوڑا۔ ملازم کو واز دے کر اس نے کسی کو ٹوڑا اور پھر اسے دالے سے لولا۔ میں بھی باج منٹ میں آتا ہوں تمہیں کوئی بھی نہیں لگے گی۔ آخری جھٹکے پر مجھے اس نے اپنے لیے میں خاصا زور دیا کہ تھا۔

زور دینے سے سختی نظر سے میری طرف دیکھا اور ہنسنے سے کھڑ ہو گیا۔ پریس اپنی تیزی سے چلتا ہوا اندلی دروازے میں غائب ہو گیا اور میں اطمینان سے بیٹھ رہی۔ مجھے خدا بھی ناکہ لگتا نہیں تھی اس کی بجائے یقین تھا کہ پریس اپنی واپس آئے گا تو مصدقہ حال نفس بدل چکی ہوگی۔

پریس اپنی کی دایں میں درہنیں تھیں اور جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو اس کے چہرے پر ہوا میں اڑ رہی تھیں۔

”تم جانی؟“ وہ عطرانہ انداز میں اپنے میراٹھلے منہ پر گرا ہوا تھا۔

وہ آہی چپ چاپ رخصت ہو گیا۔

”وہ پتہ کس کا ہے؟“ بیکول خاتون اسے بڑھتے ہوئے بے چینی سے پوچھا۔

”وہ میں نے فوراً ہی پارسل بنا کر ڈاک دوست کے پتے پر روانہ کر دیا تھا۔ ٹیلیفون بھی کر اس کے پتے پر میرا ایک پارسل آئے گا۔ میں کسی وقت آکر سے لوں گی۔“

خود ناک چہرے پر اس موجودہ مجھے تھی۔ میرا یہ ارادہ تو تھا ہی نہیں کہ بلیک میل کسی کو قتل کر دوں گی۔

”وہ پتہ تو مجھے جلد از جلد واپس مل جائے گا۔“

کی پشانی پر پیسے کے قطرے نظر آئے۔

”جیسے ہی وہ پارسل میرے دوست آؤں گی اس وقت کو سے دھنگ لکھ کر کیا اب میں کے لئے تیار نہیں ہوں۔“

پریس اپنی میرے سامنے داسے مہ دو مال جیب سے نکال کر اپنا چہرہ صاف چھانے کی ڈلی دھکیلا ہوا کمرے میں لایا۔

”اس وقت تو میرا واز دہ کر دیا۔“

آواز میں کہا۔

ملازم جانے کی ڈلی چھوڑ کر داپر اپنے قریب کر لی اور کہا۔ ”میں آپ کو جانے آپ کی طبیعت سنبھل جانے گی۔ زیادہ کھا میں ایک بار پھر شادی میری پارکوں کی گاہ کو شوق کیجئے۔ ہم بڑے سکون سے اس اور حقیقت کا سرخ لگائیں گے۔“

”میں اتوار میری نہیں کر سکتا تھا کہ دماغ کا۔“

پریس اپنی نے بھراؤنی آواز میں ”اب بھی یہ ممکن ہے کہ آپ کے اندر بہت تصویر ثابت ہو۔ میں نے بوں ہی اس اس کا امکان تو نظر نہیں آتا تھا۔“

پریس اپنی میری دی ہوئی ما قبول کی اور دوسری بیانی میں نے خالی۔

”کیا دماغ کی نالیانہ موجود ہے؟“

میں نے پوچھا۔

”جی ہاں وہ ہو گا۔“

میں اس سے کچھ سوالات کر دیا۔ کیا آپ اس مقدمے کو حل کرنا چاہتا ہوں؟

”میں تو نہیں دیکھتی۔“

میں کو بڑھایا۔ ”بیکول خاتون اسے قتل کرنے کی پشانی اپنی نے اس سے تمہانہ کہا اب دینا ہیں۔“

”آپ کیسے ہیں؟“

”میں اس سے کہی۔“

”اب دیا۔“

”جی گوری ہیں؟“

”سے کیوں نہیں گئے؟“

”میں تم کی بار عائد ہوئی۔“

”میں نے انداز میں کہا۔“

”میں آپ کا مطلب کہتا ہوں کہ اس کی شکل مجھے جانی پہچانی کسی کیوں معلوم ہوئی تھی۔“

”میں نے پریس اپنی سے کہا۔“

”وہ خط آپ کے ایرانی سفیر سے لکھا تھا؟ کیا آپ ان کی تحریر یا خط پہچانتے ہیں؟“

”ان کے خط کو میں نے کئی ناکوں پر دیکھے ہیں لیکن میں نے انہیں ملنے کے ضرورت محسوس نہیں کی۔“

”میں نے اس دوران میں د مرتبہ ایران میں بھی سفارت خانے سے ٹیلیفون پر رابطہ قائم کرنا چاہا تھا لیکن دونوں مرتبہ لانگ گئی تھی۔“

”خیر اس مسئلے میں تو بعد میں بھی گفتگو کی جا سکتی ہے لیکن پہلے یہ بتانے کا آپ کو اپنے ان ہاتھوں پر شہر کیوں ہو رہا ہے؟“

”کیا بتانا ہے؟“

”اس کا کہنا ہے کہ پریس رات کو بڑھ جانے لگا ہوا اس کے کمرے میں آگیا تھا۔ میرا مطلب ہے اس کمرے میں جہاں ٹیلیفون ہے۔ بڑھ جانے والی کو بیکول گھڑی تھی اور ادھر دھکی دیا جا رہا تھا کہ کچھ لگتا تھا لیکن دماغ نہ کو وہ گھڑی پینے کے بعد ختم ہو گئی تھی۔“

”میں نے خود پر غصہ آتا تھا کہ سو گیا۔ اس بات کا کہ اسے خدا میں شہر نہیں ہوا تھا کہ وہ ختم ہو گیا۔“

”میں نے اس رات میں اسے گھڑی پر لایا تھا۔“

”آج صبح کسے الجھن لاتی ہو گئی لیکن وہ مجھے یہ واقعہ بتاتے ہوئے اس لئے بھگپا رہا تھا کہ کسی نہ کسی صورت کے بغیر وہ عطرانہ انداز میں نہ رہا۔“

”جی ہاں اسے نہیں سمجھ کر اس کی پشیمانی پر سوسوں بھی مروتے دیکھیں۔“

”بات خامی حاکم کھل گئی ہے۔“ اس نے انگریزی میں مجھے کہا۔

”کیا بتا رہا ہے؟“ میں نے بے چینی سے پوچھا۔

پریس اپنی نے مجھے جواب دینے کے بجائے پشیمانی میں دھکیلا

”سے کچھ کہنا دماغ اس کے قدموں سے اٹھ کر حقد قدم پہنچے ہو گیا۔ اس کے چہرے پر ہوا میں اڑ رہی تھیں۔“

پریس اپنی چہرے پر اڑ رہی تھیں۔

”اس معاملے میں میرے دو ہاتھوں کا ہاتھ معلوم ہو گیا ہے۔ وہ ہوا۔“

”مہاں۔“

”کیا وہ آپ کے چہرے میں؟“

”ہاں۔“

پریس اپنی نے سر ہٹا کر کہا۔ ”ان میں سے ایک تو کسی حادثے میں اپنی ٹانگ متاثر ہو چکا ہے۔“

”میرے جسم میں سنسناہٹ نہیں لگتی۔“

”میں نے بیکول خاتون سے کہا۔“

پریس اپنی نے کہا۔ ”وہ دونوں ایران میں مقیم ہمارے سفیر کے دوستوں میں سے ہیں اور ان کا سفارت خانہ اس کے لئے ہے۔“

”بیکول مجھے یاد آگیا کہ ابھی میں نے اس کے پاس ڈاکٹر فنگ کے ساتھ جس چوٹی کو دیکھا تھا اس کی شکل مجھے جانی پہچانی کسی کیوں معلوم ہوئی تھی۔“

”میں نے پریس اپنی سے کہا۔“

”وہ خط آپ کے ایرانی سفیر سے لکھا تھا؟ کیا آپ ان کی تحریر یا خط پہچانتے ہیں؟“

”ان کے خط کو میں نے کئی ناکوں پر دیکھے ہیں لیکن میں نے انہیں ملنے کے ضرورت محسوس نہیں کی۔“

”میں نے اس دوران میں د مرتبہ ایران میں بھی سفارت خانے سے ٹیلیفون پر رابطہ قائم کرنا چاہا تھا لیکن دونوں مرتبہ لانگ گئی تھی۔“

”خیر اس مسئلے میں تو بعد میں بھی گفتگو کی جا سکتی ہے لیکن پہلے یہ بتانے کا آپ کو اپنے ان ہاتھوں پر شہر کیوں ہو رہا ہے؟“

”کیا بتانا ہے؟“

”اس کا کہنا ہے کہ پریس رات کو بڑھ جانے لگا ہوا اس کے کمرے میں آگیا تھا۔ میرا مطلب ہے اس کمرے میں جہاں ٹیلیفون ہے۔ بڑھ جانے والی کو بیکول گھڑی تھی اور ادھر دھکی دیا جا رہا تھا کہ کچھ لگتا تھا لیکن دماغ نہ کو وہ گھڑی پینے کے بعد ختم ہو گئی تھی۔“

”میں نے خود پر غصہ آتا تھا کہ سو گیا۔ اس بات کا کہ اسے خدا میں شہر نہیں ہوا تھا کہ وہ ختم ہو گیا۔“

”میں نے اس رات میں اسے گھڑی پر لایا تھا۔“

”آج صبح کسے الجھن لاتی ہو گئی لیکن وہ مجھے یہ واقعہ بتاتے ہوئے اس لئے بھگپا رہا تھا کہ کسی نہ کسی صورت کے بغیر وہ عطرانہ انداز میں نہ رہا۔“

”سفر میرے نام کوئی خط نہیں کھتا تھا وہ بھی بولی اور میں ہلا۔
میں سو رہا کہ وہ بھی کیونکر مجھے ایسی بات کی تھی۔
”لیکن پریس آنا چاہیے مجھے جسے انداز میں کیا۔ ان لوگوں کو
سفارت خانے کا پریزینٹ کیسے مل گیا؟“

”وہ ایک ایسی کچھ نہیں کہ گایا تھا اس لئے وہ وہیں کھڑا رہا۔
میں پریس آنا چاہیے کہ اس کے ساتھ اس کے سر پر کبھی جہاں ملیغون تھا۔
اس نے ریسورڈا تھا کہ پریزینٹ مل گئے اور پریزینٹ سے لائن باجی لائن ملنے
میں زیادہ دیر نہیں لگی اور سفارت خانے سے رابطہ قائم ہونے کے بعد
پریس کنکشن کی بھی ضرورت نہیں آئی پریس آنا چاہیے جتنی زبان بولنے لگا کھنگو
صرف دو منٹ جاری رہی اور جب اس نے ریسورڈا دکھا تو اس کا ہاتھ
کھپکا رہا تھا۔“

”تو آپ اس وقت پھر ایران سے رابطہ قائم کریں۔ دیکھئے لائن ملتی
ہے یا نہیں؟ دیکھئے لیکن یہ کہ لائن مل جائے گی۔ آپ پریزینٹ اطلاع
جسے دی گئی ہوگی کہ اب کسی کو بڑی ضرورت نہیں۔“
”میں دیکھتا ہوں۔ پریس آنا چاہیے کھنگو اور وہ بہت پریشان اند
گھبرا ہوا نظر آ رہا تھا۔
”کیا میں بھی آپ کے ساتھ آؤں؟“

”آئیے آئیے!“
”وہ ایک ایسی کچھ نہیں کہ گایا تھا اس لئے وہ وہیں کھڑا رہا۔
میں پریس آنا چاہیے کہ اس کے ساتھ اس کے سر پر کبھی جہاں ملیغون تھا۔
اس نے ریسورڈا تھا کہ پریزینٹ مل گئے اور پریزینٹ سے لائن باجی لائن ملنے
میں زیادہ دیر نہیں لگی اور سفارت خانے سے رابطہ قائم ہونے کے بعد
پریس کنکشن کی بھی ضرورت نہیں آئی پریس آنا چاہیے جتنی زبان بولنے لگا کھنگو
صرف دو منٹ جاری رہی اور جب اس نے ریسورڈا دکھا تو اس کا ہاتھ
کھپکا رہا تھا۔“

”آپ کی کمزوری ختم ہو چکی ہے محترمہ!۔۔۔ اب وہ واپس نہیں
آئیں گے۔“
”لیکن انہیں کیا معلوم کہ ان کا راز فاش ہو چکا ہے ساتیں واپس
تو آنا چاہئے۔“
میں نے اس کے برعکس کرنا فغول بھی اور بولی: ”تو آپ کے
خیال میں آپ کا پتہ تو بھی انہیں پتہ ہے؟“

”جی ہاں یا نہیں۔“
”اب آپ کے دو مہمان کہاں ہیں؟“
”آپ کی آمد سے کوئی مہینہ قبل مجھے ہیں۔ انہیں کچھ شاپنگ
کرنا ہے۔ وہ پرنٹنگ واپس آئے تو کہا ہے وہ کل تک میرے مہمان
رہیں گے۔“
”آپ کی کمزوری ختم ہو چکی ہے محترمہ!۔۔۔ اب وہ واپس نہیں
آئیں گے۔“

”تھک ہے۔ اب تم آرام کرو
میں نے اپنے کمرے کے سامنے
سویا ہے بہت جلد روز بھر کھول دیا
کہ آپ گلیں میرا دل بہت گھبرانے لگا

”وہ دس بجے ہوئے تھے نکلے تھے
کے ایک بیکریل مشور سے اس نے
تھی۔“
”تھک ہے۔ اب تم آرام کرو
میں نے اپنے کمرے کے سامنے
سویا ہے بہت جلد روز بھر کھول دیا
کہ آپ گلیں میرا دل بہت گھبرانے لگا

”بہت بہت شکریہ! اس نے
میں اپنی کار میں بیٹھ کر وہاں سے
ایک بہت بڑا ٹوہرٹ چکا تھا۔ یہ بات
پاکستانی شخص میں کی دوستی پر شہرہ کرنے
محض اس لئے کی تھی کہ پاکستانی حکومت
میں یہ بھی اپنے بڑے بیٹے کی مائت
نظر آ گیا۔ سویا اپنے نظر کھنے کے لئے اس
اگر سویا پہلے سے کھتی تو اس کا کافی
میں کا مذہن کو اپنے پیچھے آئے
بڑھ چکی تھی جس میں نصف زمین سے لگا
آ گیا۔

”میں آپ کو بولی دو تو وہیں نہال
مزدوروں کا کہ آپ کوئی قدم اٹھانے سے
اگر مناسب سمجھیں تو مجھے اپنا پیسہ بھی دے دے
میں نے اسے بول کر بابت بتا دیا۔
مجھے چھوڑنے کے لئے ہر ایک ایک
”سنئے خاتون! وہ چاہک بولا لیکن
کہ آپ جلد ہی میرا پتہ بتولیں مجھے واپس پہنچا،
”یہ میرا دکھ ہے۔“

”میں آپ اس سلسلے میں پریس
”ہرگز نہیں! پریس آنا چاہیے کہ وہ
میں اپنے سفر کو ان حالات سے آگاہ کر دوں
کیا کرنا چاہئے۔ لیکن خاتون! کیا میں آپ
سلسلے میں ابھی پولیس کو کچھ نہیں بتاؤں گی؟
مجھے نہیں معلوم کہ حالات کیا ترس رہے
حالات میں کیا کرنا چاہئے؟“

”جن لوگوں کی سازش کا جال پاکستان
ان کے لئے کسی سفارت خانے کا پریزینٹ تھا
”آخر سب کیا ہے؟ پریس آنا چاہیے
اپنی اپنے بال نہ چھوڑنے کو کہہ گا۔
”میں کیا کہہ سکتی ہوں محترمہ آخر
جار رہا ہے۔ کیا آپ اس سلسلے میں پریس
”ہرگز نہیں! پریس آنا چاہیے کہ وہ
میں اپنے سفر کو ان حالات سے آگاہ کر دوں
کیا کرنا چاہئے۔ لیکن خاتون! کیا میں آپ
سلسلے میں ابھی پولیس کو کچھ نہیں بتاؤں گی؟

”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“

”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“

”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“

”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“

”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“

”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“

”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“

”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“

”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“

”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“

”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“

”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“
”لیکن میں نہیں جانتی تھی۔“

میں نے وقت لاکھی پر غصہ کرنا تھا میں اس کے جلوں کی
 قلم خوش سوچ کر کہتی تھی، آئے غنی تھی۔
 گھنگھو لٹکی تجھ میں ہوسکتی تھی، تاہم تجھے تعین تھا کہ رضوان کی
 وقت آکر ہی کثرت دہر لگنے کی تیاری کر رہا ہوگا۔ وہ میری کسی بھی
 بات کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

ایک خستہ بدن میں مجھے بس سوراخا ادا ہوا۔ آئی۔ اے سے
 رابطہ قائم کرنے کی۔ میں ملکہ کرنا چاہتی تھی کہ کل صبح کوئی کئے کوئی
 فلاٹ ہے یا نہیں؟ جواب ٹیلیٹ میں ملا تو میں نے فوراً کمانڈرین کو
 اپنے کمرے میں بلایا اور اس کے ساتھ صبح کی فلاٹ میں دو میں تک
 کرا آئے۔ معاملہ میں کمانڈرین کو بھی اپنے ساتھ ہی واپس لے جانا چاہتی تھی۔
 راولپنڈی میں اس کے تین بھائی تھے کئے کوئی جود میں قتل
 کمانڈر کے ہانے کے بعد میں نے ہاتھ دم کاڑھا اور اپنا بیہوش
 کرنے کے بعد کمرے سے نکل آئی۔ میں مدت کا کھانا ڈانٹک بال میں کھانا
 چاہتی تھی۔

میں نے نہ صرف کھانا کھایا بلکہ کافی پی پی اور اس کے بعد سگریٹ
 سلگائی۔ ان دنوں میں کچھ زیادہ پی سگریٹ پینے لگی تھی۔
 کچھ وقت گزارنے کے بعد میں پرلے کمرے میں آئی۔ آدھے گھنٹہ بعد
 کمانڈرین کے مجھے ٹیلیفون پر بتایا کہ کنگ کرا لیا ہے۔ اسی نے مجھے فلاٹ
 کا وقت بتایا اور اس خیال سے ملنے ہوگی کہ مجھے کثرت میں راولپنڈی
 نہیں جانا پڑے گا۔ تیاری کے لئے خاصا وقت تھا ویسے مجھے کوئی خاص
 تیاری بھی نہیں کرنا تھی۔

میں آج دین میں دوسرے سوچی تھی اس لئے طلب میری آنکھوں میں
 نیند کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ میری ذہنی دوسری ایک اور بھی دوسرے مسئلے
 کی طرف متوجہ رہی تھی۔ فی الحال بنیادی مسئلہ رانا جیو کی تصویریں کا قتل
 اس تک پہنچی میں تو انہیں چھپوئے کی کوشش کی نہیں گئی تھی، اس لئے
 امکان ہی تھا کہ شاید یہ کام وہ لوگ کراچی میں کرنا چاہتے ہیں۔
 گیارہ بجے میں نے وقت کا وزن وصول کیا۔
 "کراچی سے رولپنڈی وصول ہو چکی ہے؟ اس نے بتایا۔
 "کیا رہا؟" میں نے بے تالی سے پوچھا۔
 "شاید کے سامان میں کوئی گمنامی قابل گرفت چیز نہیں تھی؟
 اس جواب سے مجھے ایک گوند سکون حاصل ہوا اور مجھ پر بولی
 "خیر اب یہ معاملہ مجھے کراچی ہی جا کر دیکھنا پڑے گا۔"
 "آپ کب جا رہی ہیں؟" وقت نے ہلکی سے پوچھا۔
 "میں نے کل صبح کی فلاٹ میں میٹ بک کالی ہے۔"
 "اوہ! اتنی جلدی پروگرام نہ کیا؟"
 "ہاں مجھے کچھ ایسا احساس ہونے لگا ہے جیسے میرا کراچی جانا
 ضروری ہو۔ ویسے میں ٹیلیفون نے آپ سے رابطہ قائم کرتی رہی تھی۔"
 "دوسری طرف خاموشی تھی۔"

مہینہ ۱۱ میں بولی
 "جی۔" وقت نے جیسے چمک کر کہا۔ میں
 آپ کا کراچی جانا مناسب ہے بھی یا نہیں؟... اچھا
 کرا اور اس کے لئے آپ رولپنڈی آئی ہو۔
 "ابھی بات ہے۔ کوئی اندھاں بات؟"
 "میں نہیں۔ اچھا، شب بخیر"
 "شب بخیر" میں نے کبھی کبھار متعلق کہا
 اس رات میں بڑبڑک مائی رہی اس لئے
 کہیں کل بڑبڑک نہ ہوئی رہوں۔ میں نے فون پر کرا
 وہ میرا انتظار کرنے کی بجائے مجھے بد وقت۔ بلکہ کر
 لگے روز میں طیارے میں بیٹھیں ہوئی کراچی
 تھی اور پنڈی کی بہت سی یادیں اس طرح میرے
 تھیں۔ جیسے اب مجھے کبھی پنڈی نہ آنا ہو۔
 ان یادوں کے ساتھ ہی کراچی کی یادگاریں
 کوئی ہوئی تو ان میں بھی میرے ذہنی اختراع
 بھی وہیں پہنچ چکی تھی۔ مجھے اسے حاصل کرنے کی سنا
 شبانہ کی وجہ سے اس کے رنگ کچھ عجیبے عجیبے
 شبانہ بلاشبہ ایک ایسی ہی تھی جو انکھوں میں
 بے ہمتی۔ نگاہوں کو گراچی میں اس کے خیالوں میں
 گھسنے کا سوز جیسے بھارت میں گم ہو گیا۔
 کراچی پر فلاٹ پر رضوان میرا منتظر تھا۔
 میں نے کمانڈرین سے کہا کہ وہ کسی کمرے
 اس کے بعد میں رضوان کے ساتھ ہی ہوئی ہوں
 کیا رہا؟ "میں نے جیو کی راز میں پوچھا۔
 "یہ معلوم تو ہر گز مجھے معلوم نہیں ہے۔"
 "تجسس نہ کر تو میں تمہاری دیکھوں اپنی عورت
 احساس کو بھڑکوا۔
 "کیا رانا جیو کی تصویریں دیکھ کر احساس نہ
 میں رضوان کے گھر سے رانا جیو کی تصویر
 پڑی؟ تمہارے وہ تصویریں کہاں رکھیں؟" میں نے
 "وہ جرح... وہ جرح؟" رضوان نے سر ہکا کر
 سے سب کچھ بتا دیا۔ "رضوان ایک موٹر سائیکل
 "میں کہاں سے لے کر سکتے ہیں؟" میں بولی۔
 "اگر میری موٹر سائیکل میں سے چوری ہو گئی
 آج کل کراچی میں یہ رادیاں بہت ہوتی ہیں۔"
 "تمہیں کیسی ہی میں آنا چاہئے تھا؟ میں بھی
 "میں نے وہ تصویریں کا بگڑا آواز دیکھ کر
 ہے۔" رضوان نے موٹر سائیکل پر بیٹھ کر گنگ لگائی۔

کب کراچی کا نہیں؟
 ظہران کے پیچھے جیتنا پڑا۔ اگر مجھے اس سے ملتا
 دیکھیں، سو فرسائیکل پر بیٹھا مجھے بہت ہی
 "اگر تو کراچی میں ملے لیکن عورت کا موٹر سائیکل
 میں میری کچھ سڑکوں پر موٹر سائیکل نہیں
 میں اس وقت سڑکی باندھے ہوئے تھی اور
 میں ملنا چاہتی۔
 لے کر جانا سنا وہ کچھ یوں تھی کہ جیون
 ہا کرتے ہی اپنی جیسے ایک چھوٹا سا کاغذ
 کی کمرے دیا تھا۔ اس کی یہ حرکت شاید ہی کسی
 کاغذ سے کردہ آدمی فوراً ہی اکر لپٹ سے
 کھانسی ملتی یوں ثابت تھی کہ جیون کی کھانسی
 کے ساتھ میں بل بڑا تھا۔
 رانا کو راز میں تھی اور وہ اکر لپٹ سے
 گھر کے دروازے پر عبدالواحد کے نام کی تھی تکی
 میں اس کی کمانچہ میں معلوم ہو گیا۔
 کٹ مینش میں گیا تھا اور اس نے ایک سیلف
 اسٹیشن کی تکی اس سے بتایا گیا تھا کہ وہ مال
 سے کراچی پہنچے گا۔
 "وہی سیلف سٹیشن؟" جیون نے عبدالواحد کو
 راز میں میں گھر کو کر کے ملا اور اسے کچھ
 کہا کہ جب عبدالواحد کھانا اسٹیشن پہنچ جائے
 کھائے۔
 "وہ کامیابی ہو گئی۔ وہ سامان جو کراچی پہنچا
 م تھا۔ اس میں جمائی بیڈ بیل بھرے ہوئے
 میں صوف اور پیچھے لگے ہوئے تھے۔ بیج
 ہاتھ میں۔
 "کے بعد رضوان قریب کے اس گھریا سے
 میں مہاراجا اندھا کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ
 "اے۔" وہ نور عبدالواحد سے کہہ رہا تھا کہ
 "وہ ہاں اب روک، بٹلے اور سوٹ میں چل
 "مجھے بھڑک کر۔
 "اے من لا۔" آپ کی فلاٹ کے کئے کا وقت
 "اے اے۔"
 "میں ہاں پیسے میرے وجود کو کسی نے میرے
 "مندان کے گھر سے اٹا ڈالوں۔
 "اے تھا؟" میں تقریباً بیچ کر بولی۔
 "کی اپنی کے لیے تین دن ان لوگوں کے خلاف

لونی وارن قدم جیسے اٹھا تھا تھا۔
 "اب روک کی طرف چلو۔" میں نے جھٹکا کرنا۔
 یہ پھر آخر کار میرے لئے مشکل نہیں ثابت ہوا تھا کہ دشمن کا ہر گز
 کیلئے۔ ان دنوں نے اب روک سے بہت کئے، بیڈ ٹیوں، کوکڑی کی کھانا
 میں چھوٹنے کا بندوبست کیا تھا اور یہ ڈیوٹی میں چل کر میری نام کے پاٹ
 کی تھی۔
 رضوان نے اپنی موٹر سائیکل کو کہا میں اٹھنا شروع کر دیا۔ مگر ابھی
 تھی کہ مجھے خامے جھٹکے لگے، مجھے تھکے بارو مجھے خیال آکر رضوان
 جان روک کر ایسی ڈیوٹی لگ کر رہا ہے تاکہ ہر جسم اس کے جسم سے
 ٹکرا کر رہے۔
 اب روک پہنچنے میں جو وقت گزارا وہ مجھے اپنی لگ جاں پہلے
 گزرتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ میں ذہنی تھی کہ جیل گریزی ہاں سے پہنچنے
 سے پہلے ہی پرواز کر گیا تو کیا ہوگا۔
 "خدا تم سے مجھے رضوان! میں تمہیں اتنا گدھانیں سمجھتی تھی۔ میں
 نے غلطی سے ہونے انداز میں کہا۔
 رضوان کچھ نہ بولا۔ شاید اب اسے بھی اپنی حاکم کا احساس ہو چکا
 تھا۔
 اب روک پہنچ کر مجھے دیکھ رہی کاروائی میں وقت گزارنے کی بجائے
 فوری طور سے جیل گریزی کی تک پہنچنے کی کوشش کی تو پتہ چلا کہ وہ بیڈ بیل
 لے کر ابھی ان فضا میں اڑ رہا ہے۔
 "وہ جا رہا ہے اس کا ہمارا ایک مددگار؟" اسی سے بتایا۔
 میں نے اب روک سے کچھ سے فٹ سے کوئٹہ کی طرف مارتے
 دیکھا تو پیسے میں میں راولپنڈی چلا گیا، میرے اختیارات اتنے تھے تھے
 میں ان ٹیس کے بعد بے پاٹ کو واپس آئے ہر جہد کر سکتی۔
 "چلو!" میں نے رضوان کا بازو دیکھ کر ہاکی طرف گھپٹا۔
 "میں لوگوں سے ہم نے جیل گریزی کے بارے میں پوچھا تھا وہ
 حیرت سے ہم دیکھتے رہ گئے۔
 "سی آئی اے کی اس فتح پر میں تھلائے کے سوا کچھ نہیں کر سکتی تھی۔
 رضوان نے موٹر سائیکل کا آئین مشاارت کیا اور میں اس کے پیچھے
 بیٹھ گئی۔
 اب روک کا طریقہ کراچی کی فضا میں گم ہو چکا تھا۔
 رضوان نے موٹر سائیکل کو کہا کہ وہ پیش ہو کر اٹھنا شروع کر دیا
 لیکن میں اس ہمارا تھری کی کسی متوقع نقصان سے تو فرود
 ہونے کی بجائے صرف اپنی شکست پر کھول رہی تھی۔
 اب روک کا طریقہ کراچی کی فضا میں گم ہو چکا تھا اور میری تصویر
 آنکھوں سے ٹکر کے وسط میں اٹھنا ہوا کچھ رہی تھی۔ لیکن تعین تھا کہ طیارے کے
 پاٹ جیل گریزی نے اپنا کام شروع کر دیا ہوگا۔ ہر روز ہم غفلت کراچی
 کی فضا میں بھڑکے ہوئے اور لوگوں کی آج بھی ان کی طرف مبذول ہوئی

جن دنوں میں میرے خیال کی تصدیق ہوئی کہ میری کتب روڈ سے
جسٹرو روڈ کی طرف منسوب تھے جب میں نے جیل گزری کے لیے اس کو واپس
لوٹتے ہوئے دیکھ دیکھ دوڑا اس نے ایک غوطہ لگایا اور یہ گفت کا ایک فیصلہ
نفا میں اچھا لایا۔

”بانو! وضو چمکا۔ ایک مشہور تو بکری میں۔ کیا چیز ہے!
آپ دیکھیں گی طبیعت خوش ہو جائے گی۔
اس شوخی پر اسے بخون کھول گیا۔ میں نے ان نعروں کو منوان کی بڑائی
پر غور نہیں کیا تھا بلکہ میں نے سمجھا تھا کہ وہ میری شکست کا سزاوار ہے۔
میں جانتی ہوں کہ عبرت کو نجات دھانے کی خواہش مرد کی فطرت ہے لیکن
مجھے منوان سے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ کسی نازک وقت میں اس طرح میرے
خجوں پر ہنگامہ بازی کرے گا۔

میں نے جواباً کچھ نہیں کہا تھا اور منوان نے میرے جواب کا انتظار
کرنے کی زحمت کئے بغیر موٹا سا ٹیکل کی رفتار کم کر دی تھی۔ ہم جسٹرو روڈ
کے منظر پر گئے۔ اہل راستے ہوئے پھلتا ہوا سبھاں جاووں طرف آ رہے تھے۔
منوان کو موٹا سا ٹیکل سے اتارنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ ایک ہینڈل
ہمارے سرول پر لہرایا اور منوان نے اچانک کڑے دلوچ لیا۔ اس پر ایک نظر
ڈالی اور پھر اسے میری طرف بڑھاتے ہوئے بازاری سے انداز میں بولا۔
”دیکھیے! اگر دیکھ کر طبیعت خوش نہ ہو تو ایمان دھرم سے کہہ دیجئے بڑے
واپس! بعض حالات میں پیش قدمی ضروری دے سکتی ہے۔
”اس وقت تمہاری یاد میں مجھے بڑے رنگہ ہاں ہیں۔ میں نے دانت پر
دانت جھاکا اور اس کے ہاتھ سے پھلتا بھی نہیں لیا۔

منوان نے میری توجہ لایا کہ ڈراما میں فوٹس نہیں لیا اور بولا اچھا
میں خود ہی پڑھ کر سنا تھا ہوں۔ اگر آپ کو دلچسپی محسوس ہو تو تصویر بھی دیکھ
لیجیے گا۔

میں پھر اسے کچھ مختصر سب سے کہتی لیکن اس نے مجھے مہلت دیے بغیر
پڑھنا شروع کر دیا۔ وہ ایک مشہور ماہر کا اشتہار تھا اس کی عبارت شکر
مجھے ایک ذہنی جھگڑے سے دلچسپ ہو کر ایک عریضہ کے میری توقع سے بہت دور
تھا۔ میں تو سوچ رہی تھی کہ سدا عبارت آواز نا عبد کے بارے میں ہوگی
میں غلط کی طرف سے اپنے اتفاق کو برقرار رکھ سکے اور اس نے
منوان کے کشائے کے اوپر سے پھلتا نظر ڈالی۔ وہ واقعی صاحب کا اشتہار
تھا۔ اس پر نظر پڑے تھے میری سوزلی بیٹن اچھلنے لگا کیا ممکن ہے؟ میں نے
گوا اپنے آپ سے سوال کیا کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ان حمید کی تصویروں کی نگہ
اس اشتہار نے لی ہو؟

منوان نے بڑا اشتہار پڑھ ڈالا تھا۔ پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوا۔
”میں ان اشتہاروں میں سے ایک ہے جو ان حمید کی تصویروں کے بنڈلوں میں
اوپر نیچے لٹکائے گئے تھے۔ تمہاری ہمت کا بادی ہمتوں میں اصل چیز کو دکھا
جائے۔ دیئے بنڈلوں کو اس طرح باندھا گیا تھا کہ دوری آسانی سے کھول

جاسکتی تھی۔ بنڈل میں آتے جھوٹے چھوٹے کپڑے
جہاز سے باہر پھینک گئے۔

”اوہ! میرے منہ سے نکلا اور وال
کا اشتہار دیکھ کر مجھے جوڑھاں بند ہوئی تھی وہ کلام
منوان بڑی جھنجک سے بولتا رہا۔ وہ
اس سوٹ میں کورنا حمید کی تصویروں سے بھرا ہوا
میں نے کسی نہ کسی طرح لوگ کو رشوت دے کر اس
سوٹ میں اس آدمی کے حوالے کر کے جس کے پاس
نکل کر قریب کے ایک سرسٹ گیا۔ وہاں میں نے
کاغذ کوٹے اور انہیں لیکر پھر شیش بنڈلوں کی ایک
ہر طرح تعاون کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا لہذا
کی جگہ اخباری کاغذوں کو بیرونی اور اس کے
کے حوالے کر دیا گیا جو بلیٹ لیکر آیا تھا۔

میں نے سچا سچا ہونے، ایسی ہی کی بیٹی
اکٹھا کسی دھماکے سے کہ نہیں تھا۔
”بناجیو! وضو! کیسا! اس وقت ان
کیساتھ دہی اخباری کاغذ آرتے ہوئے پھر
تو میں نے فوراً ہی ایک محفوظ مقام پر بیجا دی
کوٹینے کے لئے ہوائی ڈے کا رخ کیا تھا۔
”مانی گاڈ! میرے منہ سے ایک طویل
جاہا کہ دونوں ہاتھوں سے منوان کی بیٹی پر
مجھے بے وقوف بنانے کے لئے اتنا لمبا ڈرامہ کیا۔
میں میرا آدھا خون خشک ہو گیا ہوگا۔
”کیا میں ان اخباری کاغذوں میں سے
منوان نے بڑی مصیبت سے بچوٹھا۔

لیکھتے تھے اس پر ڈھیر دل پیارا لگا۔
جھک کر جلی گئی۔
”بانو! بانو! وہ بوکھلا کر بولا تو
”تم نے اتنی دیر میں میرا سارا خون ملا ڈالا
سر مزہ درد دل کی میرے پیچھے میرا بھر
”آپ نے خود دیکھا یا سنا خون ملا ہے؟“

اس ناچیز کو کیا کچھ رکھتا ہے؟ آپ علم کریں اور
دکھوں، میری صلاحیتیں اتنی بے اعتبار تو
”اگر مجھے تمہاری صلاحیتوں پر اعتماد نہ
کرتی“
”اگر آپ کو میری صلاحیتوں پر اعتبار نہ
نہیں ہو سکتی تھی“
”اس کا سبب یہ ہے کہ میرا ذہن بے مدد

”نہیں ہٹیں پرشیا کر کے۔۔۔۔۔“
”میں میرا کرتی اور پھر اسے ٹھوکا دیتی ہوئی بولے۔

ات بھی پوری طرح نہیں سنی۔ وہ شاکی لہجے
”کیا کہہ رہے تھے“
”منوان نے ایک طویل سانس لیکر کہا کہ کبھی
”اگر وہاں تیرے ہوں۔ اپنے کھلوٹے کے لئے غلوں
”ایک دن آپ کو۔۔۔۔۔“
”جو کہہ دیتے ہوئے پھر غرائی۔
”اگر انہیں اسٹارٹ کیا اور فوراً سائیکل کو حرکت

اپنے گھر سے روٹ کے تیرے کالنگ بندہ
”میں نے روٹ کر ان حمید کی تصویروں کی بازیابی
”ایک طویل سانس لی۔ خدا کا شکر ہے“
”اس کی روٹ پھر بول پڑا“ میں نے نہیں کہا اس
”میں نے سچا سچا ہونے، ایسی ہی کی بیٹی
”جاہا کہ دونوں ہاتھوں سے منوان کی بیٹی پر
”مجھے بے وقوف بنانے کے لئے اتنا لمبا ڈرامہ کیا۔
”میں میرا آدھا خون خشک ہو گیا ہوگا۔
”کیا میں ان اخباری کاغذوں میں سے
منوان نے بڑی مصیبت سے بچوٹھا۔

”میں نے جواب دیا۔“ پندہی آنے سے پہلے
”انہی دنوں“
”میرا وہ لوگ تھے جن کا ذکر صدر مملکت نے
”میں نے دو قیام کر لی تھی میں تھکے روٹنے
”اگر اس نے مجھ سے وضاحت نہیں چاہی اور دو
”ایک کر دیا۔

”میں نے گوارا۔ میں سچ ہی اتنی تھک چکی تھی کہ میری
”میں گھر سے نہ نکلتی لیکن ظاہر ہے کہ میری
”میں ان حالات کے دائرے سے نہیں نکل سکتی تھی۔
”میں نے خود سب سے ہو جانا، میں اطمینان کی گمان
”اس وقت کسی نہ کسی سانس کی طرح نہ کھایا ہوگا۔
”میں نے انہیں ان تھکوں ایک ٹورنا حمید کی تصویر
”میں انہی کے معاملے میں۔ ان کے علاوہ سلاقت

”چوں میں بھی نہیں جن میں سے ایک چوٹ کے اثرات دیکھتے تھے۔ کئی ہونے ناگس
”اسے اچھے بیٹھے میری یاد دلانی رہتی ہوگی۔ حالانکہ چوٹوں نے اسے بہت
”زیادہ مشکل کر دیا ہوگا اور اب اسے یہ نگر ہوگی کہ جلد جلد میرا کام تمام
”کر دے۔

”میں نے ناگزیر تھا کہ اس کی طرف سے چوٹا ہوں۔
”میں اب ذہن خارجہ سے بھی ملائی کہ لینا چاہتی تھی لیکن ایک کچھ
”کی خبروں سے بہت چلا تھا کہ وہ جتنی آڑی کی کسی تقریب میں شرکت کرنے
”لئے آمدنی سندھ جانے والے ہیں۔ اس وجہ سے مجھے امید نہیں تھی کہ ان
”سے چند لمحوں کا بھی وقت سے کس لین کرکشن کر لیتے ہیں۔ ہر حال کوئی حرج
”نہیں تھا۔ میں نے ٹیلیفون کر کے اے سے ٹھیک کیا اور میری توقع کے
”مطابق اس نے ذہن خارجہ کی مصروفیتوں کا غرض نہیں کر دیا۔
”اچھا! میں نے ایک طویل سانس لیکر کہا۔ انہیں بتا ضرور دیکھئے
”اگر اس نے فون کیا تھا“

”بہتر ہے“
”میں نے سلسلہ منقطع کر دیا اور سوچنے لگی کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے
”مجھے شہزاد یاد آئی جو اہل اس کے ساتھ لائی آچکی تھی۔ اس کا سارا میرے
”تصور میں تھا تو میں اپنے دل میں ایک میٹھا میٹھا سا دھندل محسوس کرنے لگی۔
”پھر جانا کہ مجھے اس ہوا کہ اس شہزاد کے بارے میں سوچتی رہی تو مجھ پر
”دشمنی طاری ہونے لگی۔ میں نے اپنا دھیان ہٹانے کے لئے اپنی نرمی
”جنرل منیر کو اس کے گھر فون کیا۔

”ہیلو“ دوسری طرف سے جانی پہچانی آواز سنی دی۔
”صوبہ سیکنگ“ میں نے کہا۔
”اوہ! اگلا لوٹنگ بانو!۔۔۔۔۔“ آپ کب قریب لائیں؟“
”یونگ“ میں نے اس کے سلام کا جواب دیکر کہا۔ میں آج ہی
”کراچی پہنچی ہوں۔ آپ ضروری ناگس لیکر گھر جائیے۔ میں جانتی ہوں کہ
”پیٹنگ کیمپ پر آج ہی گفتگو کر جائے۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتی کہ کل کراچی
”میں ہوں گی انہیں۔“

”بہتر ہے، میں اس امر پر جانتی ہوں لیکن پہلے تو دفتر چلانا ہے گا لیکر
”ناگس۔۔۔۔۔“

”کوئی حرج نہیں۔ آپ دفتر سے ناگس لیکر گھر جائیے۔ میں نے اس
”کی بات کاٹتے ہوئے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

”جنرل منیر کی آمد کے بعد میں نے گزشتہ دو دنوں کے اخبارات تفصیل
”نظر ڈال لی اور اس کی بدولت میں اپنی مخصوص ملازمہ فریڈ کو یہ بات بھی کر دی کہ
”رات کے کھانے پر میرے ساتھ ایک مہمان بھی ہوگی۔
”جنرل منیر ایک گھنٹے میں آگئی۔ جاتے ہی اسے دو دنوں میں ادھر ادھر
”کی رہی باتیں ہوئیں اور پھر کاغذی کاروں کا ایک فائل کھول لی گئیں۔ پینڈنگ میں پڑا
”ہوا کام میری توقع سے کہیں زیادہ تھا۔ رات کا کھانا ہم لوگوں نے دس بجے کے
”قریب کھایا اور اس کے بعد کچھ کام میں جٹ گئے۔ میں بہت پرانے سا مارا کام

نقاد بنا چاہتی تھی لیکن جب دیکھ گئے تو میری بہت جواب دے گئی۔
 ”سہا اب آگے گھٹنے کا کام اور وہ دیکھتے ہیں جن میں کوئی
 ”اب میں ہرگز کچھ نہیں کر سکتی۔ میں نے جا ہی لیکر کیا یہ کل دیکھ جائے
 گا کہ تم بھی اب بیس سواڑ، اتنی رات کو کہا جاؤ گے کل صبح میں سے دفتر
 چل جائے۔“
 ”جیسا آپ مناسب سمجھیں“ وہ ادب سے بولی اور ناک میں ہلنے لگی۔
 میں نے دینی خصوصی ملازمہ فریدہ کو لکھا اور وہ پہلی ہی آواز پڑھ کر اٹھ
 نکلا۔ مگر یہ اس کا دل تو تھا کہ وہ مجھ سے پہلے کبھی نہیں سوئی تھی۔
 ”خواب گاہ سے میرا ایک نائٹ ڈریس لکان لاؤ“ میں نے اس سے کہا۔
 اور وہ اتنی ہی بھرتی سے دایس پہلی ہی تھمتی بھرتی سے آئی تھی۔
 میں نے جڑی بھر سے کہا ”نائٹ ڈریس میں نے آپ کے لیے منگوایا
 ہے۔ فریدہ آج آئے تو اس کے ساتھ آپ کیٹ دم میں چل جائے گا۔ کل
 صبح میں وقت بھی آپ کی آٹھ گھنٹے، آپ ناشتہ کر کے دفتر چلی جائیں۔
 میرے جانے کا انتظار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“
 ”بہت بہتر لیکن یہ کلام رہ گیا ہے، اس کا کیا ہو گا؟“
 ”کل میں کچھ وقت نکال کر دفتر آنے کی کوشش.....“ میرا جملہ احوال
 رہ گیا۔ فریدہ کے دل میں کچھ پھل پڑی تھی۔ یہی حال میری جڑی منیو کا
 ہوا تھا۔
 ”بچاؤ؟ فریدہ کی بچھ بھرسنا ہی دی۔“

میں خندیں بھر کر بولی اتنی خواب گاہ کی طرف بھاگ میرے
 انداز سے مطابقت فریدہ کی جینز ادھر ہی سے آن گئیں میرے پیچھے
 میری جینز منیو بھی دفتر پر تھی لیکن ہم دونوں پہلے دو ایک ٹیڈنا ریش
 خواب گاہ میں پہنچ گئے۔ انہوں نے فریدہ کے خوف سے کانپتے ہوئے
 جسم کو ہلادے رکھا تھا اور وہ دہشت زدہ نظروں سے کمرے کی کھلی
 ہوئی کھڑکی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”کیا ہوا فریدہ؟“ میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔
 ”وہ... وہ... فریدہ نے کانپتے ہوئے ہاتھ کی انگلی سے
 کھڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ”ادھر سے... بچھا لگئے۔“
 ”کون؟“ میں نے بے ساختہ پوچھا لیکن جواب کا انتظار کرنے بغیر ہی
 کھڑکی کی طرف جھپٹ۔

اس طرف پائینا ہوا تھا جہاں چھائی ہوئی تاریکی میں بھیٹنگروں
 کی آوازیں بھیلی ہوئی تھیں۔ اچانک مجھے کچھ خیال آیا تو میں برقی سرعے سے
 کھڑکی کے سامنے سے ہٹ گئی۔ بے جا کھڑکی کے سامنے چلا جا نامیری حقائق
 ہی کتنی یاد رہاں ہیں کہ کوئی جہاں ہوتا تو بڑی آسانی سے مجھے گولی کا نشانہ
 بنا دیتا۔ بات تو یہ تھی کہ وہ گولی تو دس کی ہو گا۔ وہ یہاں جھپکا ہوا لاشخا
 کو بچا تھا لیکن اتفاق سے میری جگہ فریدہ یہاں پہنچی۔ وہ دھڑکی لگے
 زدیں لگی لیکن جلد ہی حمل دور ہو گیا۔ اس کا احساس ہو گیا اور وہ یہاں سے
 بھاگ نکلا۔

مکان تھا کہ شاید وہ اب بھی پائینا
 میں نے جتنے کرایک ملازمہ سے کہا وہ پولیس کو بل
 فیلینوں کو اور لگا دیا جس میں موجود تھا۔
 دوسری ملازمہ کا سامنا لیکر فریدہ کا تین ہی کپڑے
 اتھوڑ کر سر بچھا لے ہوئے یہ سب کچھ دیکھ
 ”ک... ک... کیا خبر ہے۔“ ب... ہاؤ؟
 ہوئے پوچھا۔
 میں نے اسے ایک چھائی اور اسے کا کبر
 وقت کوئی بھی موجود نہیں ہوا۔ پھر میں فریدہ
 پڑھنے لگی۔
 فریدہ نے بتایا کہ جب وہ کمرے میں دن
 تھا۔ اس نے ٹیڈنا ریش کی آواز کی وقت
 انہوں نے فریدہ کو کمرے میں چلا دیا۔ اس کے سر پر
 وہ دو کپڑے آواز نہیں نکال سکتی تھی لیکن اس کا
 تاثرات ابھرے جیسے ان سے کوئی غلط ہو گئی۔
 ڈھیلی پڑ گئی اور فریدہ کو جینے کا سوئی ملا۔
 طرف بھاگے اور فریدہ ایک ریش بھر گئی۔
 جب میں باہر پہنچی تھی تو وہ دونوں کھلی
 گم ہو چکے تھے۔

”اس خبر سے کوئی جواب نہیں مل رہا ہے،
 کوئی نہ کرنے کی کوشش میں مصروف تھی۔“
 ”رہتے نہ“ میں نے لاپرواہی سے کہا۔
 اس جگہ میں بڑا خواہ خواہ وقت کیوں مٹا لیا
 ”یہ تو دیکھ لیجئے، کچھ غائب تو نہیں ہو۔“
 میں نے متعجب نظروں سے کمرے کا
 ”سب ٹھیک ہے۔“

ملازمہ نے ریسپو، کر بلڈ رکھ دیا۔
 اتنی دیر میں میری پاؤں ملازمین کمر
 نے ان سے کہا کہ میری زونڈ زار ڈوب کو کھسکا
 پھر کوئی اس راستے سے اندر آئے۔
 کھڑکیوں میں گولی لگوانے سے مجھے سخت
 رہا تھا کچھ کھڑکیوں میں گولی لگوانا ہی پڑے گا۔ اس
 فوگ بھی کھڑکی کے راستے سے میرے کمرے میں
 بھی گولی کی عدم موجودگی ہی کا نتیجہ تھی۔
 میں نے فریدہ کو اسکوٹش کا ایک ٹکڑا
 لگی اور پھر میں نے اس سے کہا کہ وہ کارڈز کمرے
 اس بھگے سے کدواں میں میرا کوئی مرا
 مالی اور جیکل وغیرہ کو گھر میں قائم رکھنے کی اجازت

کے تحت، انہیں گھر کے اندر رکھا ہو۔
 ایک نائٹ ڈریس نکال کر جنرل منیو کو دریاور
 ہم میں پہنچ دیا۔ پھر جب میں وہاں تنہا رہی تو
 ہند کا اور ڈریس لگا کر آرام کرسی میں ڈھیر پڑ گئی۔
 یہ نہیں تھا حالانکہ میں نے خندیں کی وجہ سے
 لگ کے لئے ملتی کر دیے تھے۔

”موتی سے اپنی قوت نکال کر سب سہارا دیا
 ہاں اس کے بارے میں کوئی تھی اندازہ لگانے سے
 ایک بات سامنے تھی کہ مجھے اتنا کرنے کی کوشش
 لگائی اور؟“

مگر یہی بڑا گڑا دیا۔ ساڑھے تین بج رہے تھے
 ہوئے۔ میں نے کچھ کراچی دیوار پر غفلت لگائی
 وہ کمرے میں، دیوار اور دروازوں میں کھسکی ہوئی
 عورت تھی۔ میں نے اس سے اسٹارٹ کر دیا۔
 پھر اس نے کھڑکی پر سر پٹ لٹ گئی۔

”نہیں بچا کچھ تھی۔“
 تو اس نے بچے تھے۔ میں نے نفسیاتی کار ملازم
 نے پھر دس بجے کے قریب بدلا تو ہی تھی
 گہرے دیہاں سے چلی گئی تھی۔

میں نے کمرے میں سرٹ کیا حالانکہ کھلنے کا وقت
 اس ہوئی پائینا ہوا تھی۔ جینز پہنی اور اپنے کمرے
 لے گئی۔ وہاں میں نے اسے دیکھا تھا لہذا جانتا تھا، میں نے گولی کو قتل
 بھی نہیں کیا۔

میں نے اس کی قیام گاہ پر بھی مل سکتی تھی لیکن اظہر ہونے والی
 یہ اتفاق ملاقات زیادہ موثر ثابت ہو سکتی تھی۔ اس ملاقات کے بعد اس کے
 گھر جانے کا قوسے یہ شہر دہرائی اس سے کسی خاص مقصد کے تحت ملے ہوں۔
 میں نے تیزی سے سڑک پار کی اور لپٹی کے اس مقام کی طرف جھپٹ جہاں
 میں نے اس کو دیکھا تھا۔

الاس اس جگہ نظر نہیں آئی جہاں میں نے اسے دیکھا تھا لیکن وہ چند
 فٹ سڑک پر ایک اور مکان کے ٹوکس کے سامنے کھڑی وہاں جی ہوئی اسٹاپ کا
 جائزہ سے رہی تھی۔

”اس کے قریب پہنچ کر میں نے اپنی رفتار خاصی تیز کر دی اور کچھ لپٹا
 طرح ایک طرف جھکی جیسے قریب سے گزرنے والے ایک کمرے سے کھڑکیاں چلی ہوئی
 میرے اس بھوکاؤ کا نتیجہ دیکھا جو میں چاہتی تھی۔ یعنی میں، اس کے ٹوکس لپٹا
 اس کا پس ہاتھ سے چھوٹ کر فٹ ہاتھ پر لگ گیا۔
 میں نے جلدی سے پس اٹھا یا اور پھر بے پشیمانہ لگنے کے بعد سڑک کی

میں نے اس کے قریب پہنچ کر میں نے اپنی رفتار خاصی تیز کر دی اور کچھ لپٹا
 طرح ایک طرف جھکی جیسے قریب سے گزرنے والے ایک کمرے سے کھڑکیاں چلی ہوئی
 میرے اس بھوکاؤ کا نتیجہ دیکھا جو میں چاہتی تھی۔ یعنی میں، اس کے ٹوکس لپٹا
 اس کا پس ہاتھ سے چھوٹ کر فٹ ہاتھ پر لگ گیا۔
 میں نے جلدی سے پس اٹھا یا اور پھر بے پشیمانہ لگنے کے بعد سڑک کی

میرا ارادہ یہ تھا کہ میں سے پہلے گھر سے باہر قدم نہیں نکالوں گی لیکن
 پانچ بجے کے قریب مجھے ضروریات کی کچھ چیزوں کا خیال آیا جو ختم ہو گئی تھیں۔ یہ
 ضروری تھا کہ وہ سب کچھ میں آج ہی خرید لائوں کیونکہ کل یوم آنا دکان کی وجہ سے
 باز رہتا رہتا۔ اگر میں اس خریداری کو پرسوں کی ملتی کو دیتی تو اس بات کا
 احتمال تھا کہ مجھے پریشان ہونا پڑتا۔ وہ ایک چیز ہیں جس میں جن کی ضرورت آجکل
 میں کسی وقت بھی ہو سکتی تھی۔ ہر مہینے یہ مصیبت جان لوگاری ہے۔

میں نے نہ ہاتھ دھو کر کپڑے تبدیل کئے اور گریڈ سے کارڈ نکال کر
 صدف کی طرف روانہ ہو گئی۔ اس سے میں نے ضروریات کی کچھ چیزیں خرید کر
 کی کچھ سیٹ پر ڈالیں اور چل پڑی۔ اب مجھے دایس گھر ہی جانا تھا لیکن جب میں
 اٹھی کے چائیر پارک والے دروازے پر پہنچی تو مجھے ایک دکان کے سامنے الٹا
 کھڑی ہوئی نظر آئی۔ بے اختیار اس پر ایک سرٹ سے ہٹ گیا۔ لیکن یہی تھا
 میں الٹا کو نظر انداز کر کے گزر جان لیکن مشکل یہ تھی کہ اٹھی کے سامنے میں کار
 پارک لگ کر کوئی کھانسی نہیں تھی۔ مجبوراً مجھے تھپا کر پارک کے کونے تک گاڑی رکھنا
 پڑی۔ لیکن ہند کے میں تیزی سے آگڑی کرتی تھا کہ الٹا نہیں سے جاگے
 ہٹ جاتے جہاں میں نے اسے دیکھا تھا لہذا جانتا تھا، میں نے گولی کو قتل
 بھی نہیں کیا۔

الاس سے میں اس کی قیام گاہ پر بھی مل سکتی تھی لیکن اظہر ہونے والی
 یہ اتفاق ملاقات زیادہ موثر ثابت ہو سکتی تھی۔ اس ملاقات کے بعد اس کے
 گھر جانے کا قوسے یہ شہر دہرائی اس سے کسی خاص مقصد کے تحت ملے ہوں۔
 میں نے تیزی سے سڑک پار کی اور لپٹی کے اس مقام کی طرف جھپٹ جہاں
 میں نے اس کو دیکھا تھا۔

الاس اس جگہ نظر نہیں آئی جہاں میں نے اسے دیکھا تھا لیکن وہ چند
 فٹ سڑک پر ایک اور مکان کے ٹوکس کے سامنے کھڑی وہاں جی ہوئی اسٹاپ کا
 جائزہ سے رہی تھی۔
 ”اس کے قریب پہنچ کر میں نے اپنی رفتار خاصی تیز کر دی اور کچھ لپٹا
 طرح ایک طرف جھکی جیسے قریب سے گزرنے والے ایک کمرے سے کھڑکیاں چلی ہوئی
 میرے اس بھوکاؤ کا نتیجہ دیکھا جو میں چاہتی تھی۔ یعنی میں، اس کے ٹوکس لپٹا
 اس کا پس ہاتھ سے چھوٹ کر فٹ ہاتھ پر لگ گیا۔
 میں نے جلدی سے پس اٹھا یا اور پھر بے پشیمانہ لگنے کے بعد سڑک کی

ہوئی الماس کی طرف تیزی سے متاع کیلئے گا۔۔۔ میں۔۔۔ ادا! میں جیسے
چونک پڑی اور میرے منہ سے نکلا یہ۔۔۔ الماس!۔۔۔
الماس بڑے پیچھے سے انداز میں مسکرائی۔ اس نے بھی مجھے یہ جان لیا تھا
لیکن یہ میرے لئے بڑی مالوس کی بات تھی کہ اس نے نہ تو کسی گرجوئی کا اظہار کیا
نہ سرت کا سلیکھوں میں سرخی میں ادا ان کے نیچے سیاہ حلقے پڑ گئے تھے۔
گورے ہونے والے کاٹھن اس پر ایک سوچو دیکھا۔ اس کی بڑھڑکی دیکھ کر مجھے
تکلی دیکھ چلا اور میری جاکہ اس کا علم بانٹ لوں۔
"کیا تم نے مجھے پہچانا نہیں الماس! میں بڑی تجدیدی سے ہوں۔
"میں آپ کو کیسے پہچان سکتی ہوں؟" وہ گلہ کرتی سی آواز میں بولی یہ آپ
کی شخصیت تو میری زندگی کے اس معاوضے کا ایک حصہ ہے جسے میں اپنے ذہن سے
بھی نہیں کچھ سکون لگتی۔
مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی آواز دور کے جھلنے ہوئے صحرے
گورگور میرے کانوں تک پہنچی ہو۔
"لیکن آپ یہی کہتے ہیں؟" الماس نے پوچھا۔
"میں میں رہتی ہوں۔ مجھے ایک کسید کے سلسلے میں بندھی جانا پڑا تھا۔
"میں یہاں اپنی خال کے گھڑتی ہوں۔ کبھی تشریف لائے۔
"مزدور! میں نے مسکرا کر کہا۔ تم دعوت دے رہی ہو تو میں
سر کے بل آؤں گی۔
"شکر ہے۔
اسی وقت میری آنکھوں میں روشنیوں کے جھماکے ہونے لگے۔
کس طرف سے شبانہ آجنا تک قریب آگئی تھی اور گلابی ساڑی میں اس
کا بدن کسی گلاب کی کی طرح ہلکا ہوا تھا۔ اس نے قریب آتے ہی بڑی
آہستگی سے الماس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔
"کیا یہ گھر چلین الماس!؟" وہ بولی۔
"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ الماس نے چونک کر کہا۔ "اب اس کے آئینے؟"
"ہاں یہ شبانہ نے کہا اور مجھ پر ایک اچھتی سی نظر ڈالی۔
میں شرط لگا کر کہتی ہوں کہ اس نے مجھے پہچان لیا تھا لیکن وہ
اپنے انداز سے اجمیت ظاہر کر رہی تھی لیکن ہے اس کی دھڑکی ہو
جو تو لوں نے مجھے بتائی تھی۔ یعنی یہ کہ شبانہ حد درجہ مغرور ہو چکی ہے۔
"یہ میری بہت اچھی دوست شبانہ ہیں! الماس نے تعادوت
کر دیا اور کچھ شبانہ سے بولی یہ یہودی خاتون ہیں جن کا میں تم سے ذکر
کر چکی ہوں۔
"کھڑو میٹ بڑے میں نے مشکرا کر شبانہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔
"میں تو۔۔۔ شبانہ نے بڑے سہاٹ پیچھے میں کہا اور مٹھانے کا انداز
تو بہرہ ور اگر وہ کی ممکن تھی تھا۔
میں نے آہستگی سے اس کا ہاتھ دیا دیا۔ وہ گداز ہاتھ، وہ
پھول ہاتھ ایسا تھا کہ لطف و انبساط کی چھٹی کہانیں رقم کر سکتا تھا۔
اس کے پس منظر سے مجھ میں مسرتا بہت پھیل چلائی اور میرا جی

چاہا کہ اس ہاتھ پر اپنے ہونٹوں کی بے قراری
پڑی مٹھ کر پیر تا مٹھن تھا۔ اس کے علاوہ
ملانکات میں سیلویہ بیلا کا۔ انداز میں کدو کی میری
بہت سرکش، بہت مژدور تھی۔ اسے رام کر
کی ضرورت تھی۔
"کیوں نہ ایک کپ چلے پانی لی جائے
دیکھتے ہوئے کہا۔
"جائے۔ الماس آہستہ سے بولی اور
"ہمیں ذرا جلدی ہے یہ شبانہ نے۔
انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے میر
رہی ہے۔
"نہیں شبانہ! الماس بولی پڑتی؟ اگر
گے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ مجھے اس وقت
ہے میں ایک اسپرین بھی دوں گی۔ میرے سر پر
ان بالوں سے مجھے سہارا مل گیا اور میں
ریشو رٹ میں نے جی شبانہ طوعا و کرہا ساہ
ایک گوشے کی مہر منتخب کر کے میں
لوازمات کے ساتھ اسپرین بھولنے کی ہا
الماس نے دونوں کہنیاں میز پر رکھا۔
ہاتھوں سے ایسا سرعام لیا تھا۔
"اس طرح کیسے کام چلاؤ گا الماس!؟"
"اسے بھول جاؤ اور زندگی میں دلچسپی لیتا
وہ کہنت تمہارے لائق تھا بھی نہیں۔
الماس نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن
میری سوچ کو ایک دستہ دے دیا۔
"کیا جاکر ہے؟" میں بڑے رنجیز نہیں۔
نے بے وفائی کی ہے؟"
"مردوں کو بے وفائی کرنے کے سوا انہم
اور نفرت کے ذریعہ میں بھی ہوتی تھی۔
"مجھے اس بات سے ملن اتفاق ہے۔"
شبانہ نے مجھ پر ایک بڑی نظر ڈالی۔
اس نے اس کی تھی کہ اس کا منظر۔ اس کی بہت
نے الماس سے ملنا بھی گوارا نہیں کیا۔
"کیوں؟"
"غصا اس لئے کہ الماس چند روز قبل
شبانہ نے جواب دیا اور پھر میری نفرت سے ہوا
سمجھا کہ الماس اب عصمت ملک نہیں رہی
"لیکن لاہران مرزا کو ان باتوں کا علم کچھ

چونک رہی ہوں۔
چلے پڑ کر میرے ہاں ادا کیا اور الماس سے کہا کہ کل دوسرا کھانا
تم دونوں میرے ساتھ کھاؤ۔
شبانہ کے چہرے سے صاف معلوم ہو گیا تھا کہ وہ پہلو بچانا چاہتی
ہے مگر الماس نے دعوت قبول کر لی۔ اس نے شرط ضرور تھی کہ خال آمانہ ہو
جائیں۔ میں نے الماس کو پناہ کا ڈرتے ہوئے کہا۔
"تم مجھے خون پر بتا دینا۔
"میں سب ہو گا۔
"تم مجھے اپنی خال کے گھر کا پتہ دیدو۔
الماس نے یہ بتایا جو میں نے نوٹ کر لیا۔
ہم ریشو رٹ سے نکلے اور ایک عجیب و غریب اتفاق تھا کہ کسی فوراً
مل گئی میں نے پیش کش کی تھی کہ انہیں اپنی لڑکی لائیں چھوڑ آؤں لیکن شبانہ
ٹال گئی تھی اور میں نے بھی اس امر کو مناسب نہیں سمجھا تھا۔
انہیں رخصت کر کے میں جی بائیر یاگ کی طرف دیکھ رہی تھی
اپنی گاڑی پاگ کی تھی شبانہ اور الماس کے ساتھ اس وقت شکر رشتہ کا شمار
میری رنگ رنگ تیر رہا تھا شبانہ کو ضرور ہنس لیکن الماس کی تپتی ہوئی چہرہ
مجھ میرے لئے کسی سر سے کہ نہیں تھی۔ میں نے چوڑی کی گڑھی میں اس کا
جو سرا دیکھا تھا، وہ کوئی بھونکنے والی چیز نہیں تھی۔ میں اس سرا کو اپنے
پہلو میں چلا چلا اور ضرور دیکھا جا رہی تھی اور شبانہ کے ہاں میں میرا خیال بچھا
کہ وہ سہل بھول ثابت نہیں ہوگی۔
میں اس بھتی ہوئی جوانیوں کے نشے میں سرشار اپنی کانٹک سے بھی اور
ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ انجین اسٹارٹ کیا اور چل
پڑی۔ اب اندھیرا پھیل چکا تھا اس نے پہلے لائٹس میں مڑا لیا۔
میرے جتنے لائٹس کھلا ہوا تھا میں نے گاڑی کو پورے میں بجا کر
نوکرا۔ انجین بند کر کے آگے اور جب دروازہ بند کر کے چلنے لگی تو مجھے ان چیزوں
کا خیال آیا جو میں نے اعلیٰ سے خریدیں تھیں۔ وہ اٹھانے کے لئے میں نے
پچھلے نشست کا دروازہ کھولا اور کچھ کپڑے کپڑے اس طرح سات ہو گئی تھیں
افریبا نے مجھ کو مل کر مجھے پتھر کا بنا دیا جو۔
صاف تھکے، جدید تراش کے سوٹ میں ملیوں ایک نوجوان،
جانکس کیڑے ہوئے سیٹ پر بسور ہاتھ میں چوٹا ہو گئی کیونکہ ضروری
نہیں تھا کہ بظاہر بے ضرر نظر آنے والا وہ شخص واقعی بے ضرر ثابت ہوتا۔
میری کان میں اس کی موجودگی خاصی پراسرار اور سنسنی خیز تھی۔ آخر وہ کون
تھا؟ میری کان میں کہاں سے آگیا تھا؟ اسی قسم کے ان گنت سوال میرے
ذہن میں چکرانے لگے تھے۔
"اے! میں نے اسے دیکھا! یہ اٹھو! یہ تمہارے بلا جی کی
کار نہیں ہے۔"
نوجوان ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ مڈمڈایا اور اس نے آنکھیں
کھولے بغیر اس طرح آنکھیں پھیلانا چاہیں جیسے بزم خواب پرانے تیار ہو۔

میر نے دانت میس کر اس کی دو زونیاں ٹھیکس پٹوس: در اسے
کار کے باہر گھسیٹ لیا۔ اس کا سر بڑی زور سے پڑ ریح کے فرش سے ٹکرایا
اور وہ کرہتا ہوا اٹھ بیٹھا۔
” یہ کیا حرکت تھی؟ “ میں اس پر اس طرح برسی جیسے وہ کوئی نفیر
جو تک کاڑھی میں سے جاگیر پارک کے قریب پارک کی تھی اس لئے
یہ قیمن اس حرکت کا وہ دین سے کاڑھی میں گھسا ہوا گا۔
نوجوان بڑا سناٹا جتا ہوئے اپنے سر کو ٹٹول رہا تھا لیکن
اس نے میری طرف بالکل توجہ نہیں دی۔ وہ اس طرح سے فکر نظر اڑا رہا تھا
جیسے یہ جنگل اس کے باپ کی ملکیت ہو اور میں نے اسے کار سے گھسیٹ کر
باہر نکالا لاہو بلکہ اترتے ہوئے وہ پاؤں کپس جا مینے باعث گرڑا ہو۔
” تم کون ہو؟ “ میں نے اسے تیز نظر زونیاں سے گھومتے ہوئے پھینکا
نوجوان نے سر کھانے میری طرف دیکھا اور ایسا معلوم ہوا جیسے اب
پہلی مرتبہ اسے میری موجودگی کا احساس ہوا ہو۔ وہ پہلے سر پر ہاتھ رکھ
کر یوں بیٹھ گیا جیسے ذہن پر زور سے رہا ہو۔
” میں نے تمہارا نام پوچھا ہے! “ میں پہلے سے زیادہ تیز لہجہ میں بولی۔
اس دوران میں میری دو ایک سلاز مائنز پر آمد سے میں جھجھکی
تھیں اور اجرت درجہ سے اس طرف دیکھ رہی تھیں۔ یہاں تک کہ کھڑکھڑا
جو کرا لہجہ اس طرف دیکھ رہا تھا لیکن اس نے قریب آنے کی کوشش نہیں
کی تھی۔
نوجوان نے خال خالی نظروں سے میری طرف دیکھا اور پھر کھوئے
کھوئے سے انداز میں بولا ” نام؟۔۔۔ میر نام؟۔۔۔ کیا ہے میر نام؟ “
میں نے بہت بڑا سناٹا بنایا۔ ” تجھے یہ سب کچھ ایک ڈنڈہ معلوم ہوا
تھا۔ تمہی انداز کا ڈنڈا! ————— یادداشت کھوجالے کے منظر کھیں نہیں
میں تجھے مناسب نہیں معلوم ہونے لگے تو کھلا میں جاتی جاتی زندگی میں
سے حقیقت کینے قسیم کر لیتا۔
میں طنز سے انداز میں بولی ” جناب! ادا کار کی جھوڑے۔ آپ کے
سر میں اتنی گری جوت میںیں لگ ہے کہ آپ کا دماغ لہجے جاتا ہوا یادداشت
پہلی جاتا ہے۔“
نوجوان کی آنکھوں میں الجھن کے آثار پیدا ہو گئے اور پھر وہ اس
روح بولا جیسے تجلے اس کی زبان میں پڑوٹ ٹوٹ کر کھجے جارہے ہوں۔
” میری۔۔۔ میری کچھ میں۔۔۔ آپ کی۔۔۔ کوئی بات۔۔۔
میں۔۔۔ میرا۔۔۔ سر پر لگا ہے؟ “
” میں ابھی تمہارے سر کے دو ٹکڑے کو لئے دیتی ہوں “ میں نے
” اگر کہا اور پھر جو کچھ زور قریب آنے کا اشارہ کیا۔
جو کچھ زور کو اس قسم کے اشارے کا منظر پر تھا۔ وہ اپنا ڈنڈا
نچالے لپکا ہوا قریب آگیا۔
” اسے دھکے دے کر سینگ سے نکال دو! “ میں نوجوان کی طرف

اشادہ کرتی ہوئی غزائے۔
چوکیدار سے کہا جاوے والی نغزوں سے
نوجوان کے انداز سے یہیں معلوم ہو گیا کہ اس نے کس
وہ اس طرح پیشکار یا جیسے وہیں اختیار میں مبتلا
ایک طرف پھینک کر اس کی بندوقوں میں ہاتھ ڈال
کی طرف گھٹینے لگا۔ نوجوان کی بارگاہی تیار اور
لیکن چوکیدار نے اسے فوراً ہی چھاپ دیا۔
”مجھے چھوڑ دو! مجھے چھوڑ دو!“ نوجوان
مشرعہ کر دیا۔
اس عرصے میں مالی بھی اپنے کو کھڑے ز
نے چوکیدار کی مدد کی۔ دو فوٹن سے مل کر نوجوان کو
لے ہوئے پھاٹک کی طرف بڑھے۔
اس ہر لوگ میں لڑ جوان کی جب سے کر
لڑی تھی۔ دوسرے نووہ مجھے زوشنگ کا ملازم معلوم ہوا
قریب پہنچی تو پتہ ملا کہ وہ پاپورٹ سے سزا کا فوٹو
اٹھانے کو چھوڑ پڑی کیونکہ وہ فوٹو ایک ایسا لوگ
نہیں تھی۔
بے اختیار میرے ہاتھ اٹھ کر مال اور کم
ہو میں ملتی ہوئی ان کے قریب پہنچ گئی۔
”چھوڑ دوسے“ میں نے کہا۔
مال اور چوکیدار میرے روٹے کی اس تہ
کے نہیں سمجھے ہوں گے لیکن میرے حکم کی تعمیل آؤں
نے نکل کر نوجوان وہیں رہتیلی ز زمین پر بیٹھ گیا اور اس
کی مسافت دور سے ہونے لے کی ہو۔
میں نے تصور اس کے سامنے کرتے ہوئے
نوجوان نے خور سے تصویر کی طرف دیکھا
سر ہلانے لگا میں نے اسے ٹھوکر دیکھا اور کچے اس کی
دوسرے سے تیرے ہونے نکلنے کے عجیب و غریب کی کہ
میں نے تیرے میرے وہیں میں خیال آگیا شاید یہ ادراک کی ہو
نوجوان میں میری دلچسپی محض اس سے بڑھ کر
اس کا فوٹو نکلا تھا۔
”کھڑے ہو جاؤ!“ میں نے حکم دیا۔ پیچھے میں،
”میرے سر پر کارہا ہے۔ وہ بھڑک رہی ہو انکار
”اے سہارا اسے کا دوسرے چلو!“ میں نے
ہوئے کی تہمید کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔
چوکیدار نے نوجوان کو سہارا دے کر اٹھایا
میں نے اس کی پیٹان دونوں کچے پیچھے چلا دی۔ لگا
نکاسے پر چوکیدار نے نوجوان کو ایک مونسے پر

ظاہر میں بھی آتی جوں یہ میرے چوکیدار سے کہا اور
فلاں کی خوابگاہ کی طرف برسی کسی طرف سے قرعہ لکھی
نہیں لگ سکے گی بانو! وہ بولی یہ میرے پُری پُری
نہیں بن سکی، البتہ سارے اختلافات ممکن ہو گئے ہیں۔
۱۰ جولائی ۱۹۰۷ء

۱۱۔ میرے لارڈ اربکس نے کہا۔ دراصل اس وقت میلز بہن
کہا ہوا تھا اور میں اس شعور سے، کسی ادبیات پر
گماں نہ نہیں تھی۔

۱۲۔ میرے بہن کو میرے خلیفوں سمجھا اور اپنے ڈاکٹر کے
بہن کی کوشش میں رابطہ قائم ہو گیا۔ میرے ڈاکٹر سے
حفاظت جاری رہے گھر پہنچ جائے۔
"موت کڑا ہے؟" ڈاکٹر نے پُرسش پیش کی میں پوچھا۔
"ہاں ایک بہن ہے۔"
ابوں!

۱۳۔ متعلقہ کیا اور الماس کی خال کے کنٹرولنگ کرنے لگی۔
تھوڑے ہی، پھر سید اٹھایا گیا اور ایک نساوی آواز
۱۴۔ ملائی کوئی سفر عورت معلوم ہوتی تھی۔
۱۵۔ ات کرنا جا رہی جوں یہ میرے کہا۔
۱۶۔ خال دھری طرف سے بولنے والی عورت الماس کی خال
۱۷۔ الماس کی آواز سنئی۔
۱۸۔ اے ہے؟ اس نے پوچھا تھا۔
۱۹۔ ہاں، کیا تم فوراً میرے گھر آ سکتی ہو؟
۲۰۔ اس نے جواب دیا۔ اس وقت تو خال مجھے گھر سے نکلنے کی
۲۱۔ مل گیا۔
۲۲۔ لہذا، ساتھ ساتھ، ڈاکٹر خال ہی کے ساتھ آجائے مجلس
۲۳۔ لا حاصل ثابت ہوئے
۲۴۔

۲۵۔ فرانک دوم میں ایک نوجوان بیٹھا ہے اور مجھے اس
۲۶۔ ہر مل ہے؟
۲۷۔ الماس کے پیچ میں حیرت تھی۔
۲۸۔ ۱۲ دیا۔ اور مجھے شہر ہے کو شاید تمہارا امیگر
۲۹۔ میں! الماس چلا گئی۔
۳۰۔ ہاں، نہیں بلکہ! لہذا ہر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے
۳۱۔ مضامین
۳۲۔ لہذا! الماس کے منت سے نکلا۔

”تو پھر کیا تم بڑی ہو؟“ میں نے پوچھا۔
”میں مرنے والوں کی، میں آ رہی ہوں۔“ الماس کی آواز کپکپاہٹ رہی تھی۔
میں نے جلدی سے لیوینور کو دیکھا کہ سوال اور جواب کا سلسلہ طویل نہ ہو جائے۔
اب میں پھر ڈانگ عدم کی طرف بڑھی جہاں جو کچھ کلاسز میں چلا کر اس نوجوان کی نگاہیں گم رہا تھا۔
الماس سے پہلے ڈاکٹر پہنچ گیا اور اس نے نوجوان کا لیوینور معائنہ کیا۔
پھر وہ مجھے ایک طرف بلجا کر سرگوشی کرنے والے انداز میں بولا۔
”اب صاحب کا ذہن کسی نشے سے مازت معلوم ہو رہا ہے لیکن ہے کہ بڑے لوگوں کی محبت میں بڑا کمزور انسانیت کے عادی ہو گئے ہوں لیکن شاید کچھ ہی عادت زیادہ تر نہیں ہوتی ہے۔ اگر اس سلسلے میں جلد از جلد کچھ ٹیکہ لگائی تو مستقبل میں مشکلات پیش نہ آسکتی ہیں۔ نشے کی عادت ختم ہوجائے تو اسے چھڑانے کا عمل نہایت تکلیف دہ ثابت ہوتا ہے۔“
”اب حالات میں آپ کا کیا مشورہ ہے؟“ میں نے پوچھا۔
”نشے کی اس عادت کو ختم کرنے کی کوشش فوری طور پر ہونا چاہیے یہ کوئی آسان کام تو نہیں لیکن توجہ اور کوشش سے یہ بڑی عادت چھڑائی جاسکتی ہے۔ زیادہ وقت گزرنے کے بعد زیادہ مشکلات پیش نہ آئیں گی۔“
”یہ کوئی نشے کا عادی ہے؟“
”نہیں لیکن ان میں اس کے بارے میں نہیں بتا سکتا کچھ ٹیکے ضرور دیے ہیں۔ اس کا تھوڑا سا خون نکال دیا جاتا ہوں لیوینور جی میں اس کا تجربہ کرنے کے بعد میں کچھ بتا سکتوں گا۔ نوجوان کے بائیں ہاتھ پر میں نے سوئیوں کے نشانے دیکھے ہیں۔ یہ نفسانیت منشیات کے انکشاف کی طرف اشارہ کرتے ہیں لیکن میں کسی ایسے عام علم سے واقف نہیں ہوں جو ذہن کو اس طرح متاثر کرے جیسے اس نوجوان کا ذہن ہوا ہے۔“
”آپ بہتر کی لئے جو کچھ کہہ سکتے ہوں، وہ ضرور کیجئے گا۔“
ڈاکٹر ملتا ہوا نوجوان کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے اپنے بگ میں سے سرخ رنگائی اور نوجوان کے ہاتھ کی تسلیت سے تھوڑا سا خون نکال لیا۔ پانچ منٹ بعد میں ڈاکٹر کو چھوٹنے کے لئے روانہ کر دیا گیا۔
ڈاکٹر کی کار ہنگامہ کے پیمائش کے نکلنے پر کسی کو ایک ٹیکس پمپ کا میں داخل ہوئی۔ اس ٹیکس میں الماس اور شبانہ کے ساتھ، ادھر سے ایک کھجکھج تھکا میرے انداز کے مطابق وہ الماس کا خالوں پر ہونگا۔ وہ لوگ ٹیکس سے اتر کر تیزی سے میری طرف آئے۔
”یہی مجبور بائو ہیں۔“ الماس نے گھبراہٹ ہوئی آواز میں اپنے خال کو بتایا۔
”کامران کہاں ہے؟“ الماس کے خالوں نے میری طرف دیکھتے ہوئے غرور و شوق سے انداز میں پوچھا۔
”تشریف لے گئے۔“ میں نے بڑی شائستگی سے کہا اور انہیں لئے ہوئے ڈانگ روم میں داخل ہوئی۔

اور میں انتہائی انتشار میں مبتلا تھی۔

اسی انتشار کی وجہ سے مجھے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ یوم آزادی کی وجہ سے آج اخبارات کے دفاتر بند ہوں گے۔ اس بات کا خیال مجھے اس وقت آیا جب دوسری طرف گھنٹی بج رہی لیکن ریسپونڈنٹ اٹھا گیا۔ میرے کمرے کی طرف دیکر رضوان نے گھر کے کمرے کے کتب خانے میں سے بھی گھنٹی بج رہی کی آواز کی رہی۔ غالباً رضوان گھر پر موجود نہیں تھا۔ میں نے ایک طویل سانس سیکر ریسپونڈنٹ دیا اور پھر میں کمرے سے نکل ہی نہیں کر فریڈ سے ملے پڑھ رہی تھی۔

”رضوان صاحب آتے ہیں؟ اس نے اطلاع دی۔“
”فریڈ! ڈیوڈ؟“ میں ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑاتا کرتا ہوں کہ
”کی طرف چلی۔“

رضوان مجھے دیکھتے ہی صوفے سے اٹھا اور بیٹھنے پر ہاتھ رکھ کر
”جھکا ہوا بولا“ خادم آداب کیا ملا ہے۔
”اس دن کے بعد صوفے ہی نہیں دکھائی۔“

”اب کون سا میری صورت دیکھنے کے لئے تشریف لے رہی ہیں؟“
رضوان نے ایک دلہنوارہ کھیر کہا۔ جب بھی ایسا ہو گا میں شیرینی
مزدور ہاتھ دینگا۔

”تمہاری پھلکار بھرتی ہوئی صورت دیکھنے کے لئے میں بھی نہیں
تذکرہ لکھی؟ میں نے شوخ لہجے میں کہا۔
”مجھے بھی اس کا احساس ہے؟“ رضوان نے مزہ بنا کر کہا۔ اور اسی

لئے میں نے آپ کو اپنی صورت دکھانا بھرتی کا فعل سمجھا تھا۔ میرے یہ دو
دلم خاصے صورت گزیرے کیونکہ استقلال پریشانی کی تیاری کرنا تھی۔
”وہاں حیدر کی تصویریں لگایا ہوا؟“

”وہ پھٹا۔“ رضوان بولا۔ وہ تو میں نے برسوں ہی کی سیڑھی پر
سمندر پر گردو لے تھے۔ پھر میں نے پوچھا۔ یہ کھٹو کا پتہ کیسی ہو رہی ہے؟
”گھر کیوں میں گری گوارا رہی ہوں؟“

”جو وہ آگت ہی کا دن رہ گیا تھا اس کام کے لئے؟“
”میں تو توں ہی گواہی دیتی لیکن انتظام نہیں ہوسکا تھا میں اس کام
میں دیر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کھڑکیاں میرے لئے پرخطر ہو گئی ہیں۔“

”وہ کیسے؟“ رضوان مجھے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔
”پرسوں رات مجھے جھوٹے گھر کے کوشش کی گئی تھی۔“
”نہیں!“ رضوان کسی قدر الجھل پڑا تھا۔

میں نے اسے برسوں رات کا واقعہ سنایا تو اس کے چہرے
سے تشویش جھلنے لگی اور وہ بڑبڑاتے دالے انداز میں بولا۔ یہ حرکت
کس طرف سے ہو سکتی ہے؟
”ڈاکٹر فونگ۔“

”یقینی طور سے تو نہیں کہا جاسکتا؟
”آج کے واقعے کے بعد کہا جاسکتا ہے۔“

”آج کا واقعہ؟“
”ہاں، ڈاکٹر فونگ نے مجھے ایک
دی ہے۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
”میں سنایا۔“

”ماں گاؤ؟“ رضوان نے ایک طویل
کا پڑ پائی ہو گیا ہے؟“
”ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔“

”اب اس کا دائمی بندوبست کرنے
کرنا ہی پڑے گا؟“ رضوان نے سچ میں اس کا
دفعہ اس طرح مسکراتے ہوئے دہرائی کہ
”کیوں؟“ میں نے گھورنے لگی۔

”مجھے اپنے کسی فقرے پر یہ دلچسپ
منصوبہ بندی کا خوب طریقہ اختیار کر رکھا۔“
”کیونکہ وہ طریقہ اختیار کر کے آپ کو انعامات
”میں خود ہی انعام حاصل کرتی ہوں
سنہری پٹیاں ہی میرا انعام ہیں۔“

”جڑیوں کے پاس کیا دھرم ہے کہ
ہی سر انجام دے سکتے ہیں؟“
”وہی جڑے؟“ میں نے نفرت سے
”خاک دہشت شائستہ قسم کا پڑا دالے؟“

”مہربان!“ رضوان نے جڑے سے جھکا کر انداز میں
”تم جڑوں کی وحشت و ہریریت کو
”کیا میں آپ کو اس سلسلے میں کوئی
”اگر میں نے شروع ہی میں اپنے لیے
توینے تیرے جڑے میں جو جاتا۔“

”یہ ابھی آپ نے کب منتخب کی تھ
ہوا بولا۔
”جب میں پندرہ سال کی تھی۔“

”ماں گاؤ؟“ رضوان اپنی گھڑی
گواہی انتہائی پختہ ہو چکی ہے۔
”اس میں کوئی شک نہیں۔“

”مذہب تو اسے چھوڑنا بہت دشوار
لہجے میں کہا۔
”میں اس دشواری سے گزرنے کی
انداز میں بولی۔

”ماشوق کہہ رہا ہے کہ گزرا ہوا
”اچھا ماشوق صاحب! دماغ منت

نہیں گھر میں آرام کرنے کی ادیر ہو چکی تھی مجھے
”راج کیا ہے؟“
”میں نے جڑے میں ہرگز نہیں دیکھی تھی۔“
”میں تو میں توں کوں کرلوں گی؟“

”میں تو میں توں کوں کرلوں گی؟“
”ماں گاؤ؟“ رضوان نے ایک طویل
کا پڑ پائی ہو گیا ہے؟“
”ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔“

”اب اس کا دائمی بندوبست کرنے
کرنا ہی پڑے گا؟“ رضوان نے سچ میں اس کا
دفعہ اس طرح مسکراتے ہوئے دہرائی کہ
”کیوں؟“ میں نے گھورنے لگی۔

”مجھے اپنے کسی فقرے پر یہ دلچسپ
منصوبہ بندی کا خوب طریقہ اختیار کر رکھا۔“
”کیونکہ وہ طریقہ اختیار کر کے آپ کو انعامات
”میں خود ہی انعام حاصل کرتی ہوں
سنہری پٹیاں ہی میرا انعام ہیں۔“

”جڑیوں کے پاس کیا دھرم ہے کہ
ہی سر انجام دے سکتے ہیں؟“
”وہی جڑے؟“ میں نے نفرت سے
”خاک دہشت شائستہ قسم کا پڑا دالے؟“

”مہربان!“ رضوان نے جڑے سے جھکا کر انداز میں
”تم جڑوں کی وحشت و ہریریت کو
”کیا میں آپ کو اس سلسلے میں کوئی
”اگر میں نے شروع ہی میں اپنے لیے
توینے تیرے جڑے میں جو جاتا۔“

”یہ ابھی آپ نے کب منتخب کی تھ
ہوا بولا۔
”جب میں پندرہ سال کی تھی۔“

”ماں گاؤ؟“ رضوان اپنی گھڑی
گواہی انتہائی پختہ ہو چکی ہے۔
”اس میں کوئی شک نہیں۔“

”مذہب تو اسے چھوڑنا بہت دشوار
لہجے میں کہا۔
”میں اس دشواری سے گزرنے کی
انداز میں بولی۔

”ماشوق کہہ رہا ہے کہ گزرا ہوا
”اچھا ماشوق صاحب! دماغ منت

”میں نے کچھ سوچنے سے پہلے ہی اس کا
”ماں گاؤ؟“ رضوان نے ایک طویل
کا پڑ پائی ہو گیا ہے؟“
”ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔“

”اب اس کا دائمی بندوبست کرنے
کرنا ہی پڑے گا؟“ رضوان نے سچ میں اس کا
دفعہ اس طرح مسکراتے ہوئے دہرائی کہ
”کیوں؟“ میں نے گھورنے لگی۔

”مجھے اپنے کسی فقرے پر یہ دلچسپ
منصوبہ بندی کا خوب طریقہ اختیار کر رکھا۔“
”کیونکہ وہ طریقہ اختیار کر کے آپ کو انعامات
”میں خود ہی انعام حاصل کرتی ہوں
سنہری پٹیاں ہی میرا انعام ہیں۔“

میں نے کچھ سوچنے سے پہلے ہی اس کا
”ماں گاؤ؟“ رضوان نے ایک طویل
کا پڑ پائی ہو گیا ہے؟“
”ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔“

”اب اس کا دائمی بندوبست کرنے
کرنا ہی پڑے گا؟“ رضوان نے سچ میں اس کا
دفعہ اس طرح مسکراتے ہوئے دہرائی کہ
”کیوں؟“ میں نے گھورنے لگی۔

”مجھے اپنے کسی فقرے پر یہ دلچسپ
منصوبہ بندی کا خوب طریقہ اختیار کر رکھا۔“
”کیونکہ وہ طریقہ اختیار کر کے آپ کو انعامات
”میں خود ہی انعام حاصل کرتی ہوں
سنہری پٹیاں ہی میرا انعام ہیں۔“

”جڑیوں کے پاس کیا دھرم ہے کہ
ہی سر انجام دے سکتے ہیں؟“
”وہی جڑے؟“ میں نے نفرت سے
”خاک دہشت شائستہ قسم کا پڑا دالے؟“

”مہربان!“ رضوان نے جڑے سے جھکا کر انداز میں
”تم جڑوں کی وحشت و ہریریت کو
”کیا میں آپ کو اس سلسلے میں کوئی
”اگر میں نے شروع ہی میں اپنے لیے
توینے تیرے جڑے میں جو جاتا۔“

”یہ ابھی آپ نے کب منتخب کی تھ
ہوا بولا۔
”جب میں پندرہ سال کی تھی۔“

”ماں گاؤ؟“ رضوان اپنی گھڑی
گواہی انتہائی پختہ ہو چکی ہے۔
”اس میں کوئی شک نہیں۔“

”مذہب تو اسے چھوڑنا بہت دشوار
لہجے میں کہا۔
”میں اس دشواری سے گزرنے کی
انداز میں بولی۔

”ماشوق کہہ رہا ہے کہ گزرا ہوا
”اچھا ماشوق صاحب! دماغ منت

”میں نے کچھ سوچنے سے پہلے ہی اس کا
”ماں گاؤ؟“ رضوان نے ایک طویل
کا پڑ پائی ہو گیا ہے؟“
”ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔“

”اب اس کا دائمی بندوبست کرنے
کرنا ہی پڑے گا؟“ رضوان نے سچ میں اس کا
دفعہ اس طرح مسکراتے ہوئے دہرائی کہ
”کیوں؟“ میں نے گھورنے لگی۔

”مجھے اپنے کسی فقرے پر یہ دلچسپ
منصوبہ بندی کا خوب طریقہ اختیار کر رکھا۔“
”کیونکہ وہ طریقہ اختیار کر کے آپ کو انعامات
”میں خود ہی انعام حاصل کرتی ہوں
سنہری پٹیاں ہی میرا انعام ہیں۔“

”جڑیوں کے پاس کیا دھرم ہے کہ
ہی سر انجام دے سکتے ہیں؟“
”وہی جڑے؟“ میں نے نفرت سے
”خاک دہشت شائستہ قسم کا پڑا دالے؟“

279

281

ڈورانگ آدم میں بیٹھا ہوا کارن مجھے دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا۔

”آداب“

”آداب میں نے جواب دیا۔ بیٹھو“

”شکریہ“ وہ بیٹھا ہوا لڑکا۔ ”میں نے کل بھی آپ سے ملنے کی کوشش کی تھی لیکن“

”اں مجھے معلوم ہوا تھا“ میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”میں آپ کا شکریہ ادا کروں کہ آپ نے الماس اور اس کے گھر

والوں کو میری بڑی عادت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔“

”اں مسئلہ یہ تھا کہ لنگر گزار ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں“ میں

نے دیکھے لیجئے کہ یہ بات میں نے محض اس لئے چھپائی تھی کہ

الماس کو شفقت کی گرفت اور تکلیف سے بچاؤں لیکن میرا خیال ہے کہ

یہ بات الماس سے زیادہ عرصے تک چھپی نہیں رہ سکے گی۔“

کارن ہرزائے عالم تجارت میں غلطی ٹھیکالیں اور پھر تفت و تیز

لیجئے میں بولا۔ ”اسی حالات کی بنا پر میں نے الماس سے شکلی توڑنے کا

فیصلہ کیا تھا۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے اور میں اپنے آپ کو اس کے

لافانی نہیں سمجھتا۔ اس پر جو کچھ چھپی تھی اسے تو میں نے منگنی توڑنے کا

بہانہ بنا لیا تھا۔“

”لیکن تم نے یہ نہیں سوچا کہ مزایہ ستاف کا جواب اسے کتنی ذہیت

سے دیا جا کر ہے گا۔“

”اں پہلو پر میں نے واقعی نہیں ہوتا تھا۔ بچا پوچھنے تو اس

بڑی عادت سے مجھے نہیں کا نہیں رکھا۔ میرا ذہن مجھے دھوکہ دینے

لگا ہے۔ میں اس کی بھی کام کو صحیح طور پر کرنے کے قابل نہیں رہ گیا ہوں۔

میرا امپورٹ ایکسپورٹ کا خاصا اچھا چلتا کام تھا لیکن وہ بھی ہڈی بچ

ٹھپ ہوتا جا رہا ہے۔“

”نہیں یہ بڑی عادت پڑی کیسے؟“ میں نے اپنے لیے کو کچھ نرم

کرتے ہوئے سوال کیا۔

”یہ ایک دوست کی نصیحت کا نتیجہ ہے۔“

”یعنی؟“ ذرا تفصیل سے بتاؤ۔“

”آپ کو شاید علم نہ ہو کہ میں اس دنیا میں تنہا ہوں۔ الماس کی والدہ

میری بھلی خاتون نہیں تھیں اور وہ راز کا رشتہ ہے۔ والدین میرے لئے جو

کچھ چھپ کر رکھے تھے اس سے میں نے ایک چھڑا سا کام شروع کر دیا تھا۔

ایک دور ان میں میرا ایک دوست افضل پوچھا ہے کہ لاپچی آیا تو ہم

دو لڑکے ساتھ ہی رہنے لگے۔ کچھ دن بعد افضل بیٹے میں دو تین مرتبہ

ایک گھنٹے سے ریشورٹ میں چلے لگا۔ پہلے تو اس نے مجھ سے یہ

بات چھپائی تھی لیکن پھر ایک روز وہ مجھے بھی دہن لگا۔ یہ ریشورٹ

نشا بازوں کا اڈہ تھا۔ وہاں مجھے جس کی نگاہ میں پینے کو میں اور

سوچ رہی تھی کہ اس شرمیلے اور بھی بہت سے راز وہ

کے عادی ہو کر اپنی زندگی تباہ کر رہے ہوں گے۔ اں

بھیلاؤ کچھ زیادہ ہی ہو گیا تھا اور اس کا ناجائز کاروبار

کی طرح پھیلنے جا رہی تھیں۔

کارن خاموش ہوا تو میں بولی ”میں نے اب

پتلا ڈاکٹر سے ملنے کے بارے میں شکوک ہے۔ اں

ابھی تو اس کی اینٹی پرنسپل پینے جاتا ہے واپس آتا۔

ارادہ کر لو تو بد عادت چھوٹ سکتی ہے۔“

کارن نے متذہب نظروں سے میری طرف

انکار میں سر ہٹا ہوا دیکھا۔ ”بچا کر لے کر آئے“

اس ریشورٹ میں جان نہیں چھوڑ سکتا۔“

”کیوں؟“ میں نے اسے نیچے سے نظروں سے دیکھا۔

کارن کی نظروں دوبارہ فرش پر گر گئیں اور ا

کہا ”میں اس ریشورٹ میں جانے پر مجبور ہوں۔“

”بات یہ بھی کہیں نہیں آئی؟“ میں نے خشک

”دیکھیے میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔“ کارن نے

پھر تہہ بہ تہہ کہا۔ ”انجمن لینا میں نے ابھی حال

اس میں میری مرضی کو دخل نہیں ہے۔ مجھے اس کے

”تمہاری بات اب مجھ پر سوا معلوم ہوا۔“

کارن کے چہرے سے ایسا معلوم ہوا۔

غصے کو محسوس ہی نہ کیا ہو۔ وہ نظروں سے چھپانے لگا۔

کی بات ہے۔ میں ایک روز چرس کے محرکات پر

مجھے کچھ خبر نہ رہی۔ پھر جب مجھے ہوش آیا تو میں

بات خود میں لات پت تھے۔ افضل نے مجھے

میں لڑا ہوا تھا اور میرے ہاتھوں سے ایک بو

مجھے اس بات پر یقین نہیں آیا لیکن میں پریشان

تھوڑا سا گراہی ہوئی کوئی نشہ نہیں کروں گا لیکن

توڑنا پڑی۔ ہمارے اس ریشورٹ کا ایک

اس نے مجھے ایک تصویر دی جس میں مجھے ایک

ہوئے دکھایا گیا تھا۔ اس تصویر کو دیکھ کر میرے

دل میں عجیب ریشورٹ کے ملازم نے مجھے بتا دیا

کوئل جی ہے اور اب اگر میں نے ریشورٹ

نہیں کی تو یہ تصویر پولیس کے حوالے کر دی

کر میں نے پھر ریشورٹ میں جاننا شروع کر دیا۔

میرے قدم تباہی کی منزل کی طرف رہنے لگے

محض چرس کے سٹریٹوں پر کھائیں نہیں کھاتے۔

مجھ لینے پر مجبور کر دیا۔“

”عجیب واقعہ ہے۔“ میں بڑبڑائی۔

سما دہا نے آپ کو بتا دی۔ نہ جانے کیوں میرا

انکار کر لیں۔ میں اس دور کے سامنے یہ اعتراض نہیں

کر سکتا تھا۔

”اں اب مجھے کسی آدمی کو منشیات کا عادی بنانے

کا مزہ ہے کی نیاری یہی ہے مجھ سے باہر تھی لیکن

میں کہہ دو کوئی آدمی مقصد ہوا ہو گا۔

”اں املی کتنی ہے؟“ میں نے ایک خیال کے

”اں نہیں۔“ کارن نے جواب دیا۔ میرے بڑے

”اں ہے میرے ذہن میں بہت سے ضرورت تھے

میں کہنے میں یقین تھا کہ اس کے دماغ پر کھڑا ہوا

”اں اس کا بننے کا تصور کچھ نہیں کر سکتا۔“ کارن

”اں مجھے لگا۔“

”اں اس کی طرف دیکھا اور میرے سر کو لڑی۔“

”اں اس کی طرف دیکھا اور میرے سر کو لڑی۔“

”اں اس کی طرف دیکھا اور میرے سر کو لڑی۔“

”اں اس کی طرف دیکھا اور میرے سر کو لڑی۔“

”اں اس کی طرف دیکھا اور میرے سر کو لڑی۔“

”اں اس کی طرف دیکھا اور میرے سر کو لڑی۔“

”اں اس کی طرف دیکھا اور میرے سر کو لڑی۔“

”اں اس کی طرف دیکھا اور میرے سر کو لڑی۔“

”اں اس کی طرف دیکھا اور میرے سر کو لڑی۔“

”اں اس کی طرف دیکھا اور میرے سر کو لڑی۔“

”اں اس کی طرف دیکھا اور میرے سر کو لڑی۔“

”اں اس کی طرف دیکھا اور میرے سر کو لڑی۔“

”اں اس کی طرف دیکھا اور میرے سر کو لڑی۔“

”اں اس کی طرف دیکھا اور میرے سر کو لڑی۔“

”اں اس کی طرف دیکھا اور میرے سر کو لڑی۔“

”اں اس کی طرف دیکھا اور میرے سر کو لڑی۔“

”اں اس کی طرف دیکھا اور میرے سر کو لڑی۔“

”اں اس کی طرف دیکھا اور میرے سر کو لڑی۔“

”اں اس کی طرف دیکھا اور میرے سر کو لڑی۔“

”اں اس کی طرف دیکھا اور میرے سر کو لڑی۔“

”اں اس کی طرف دیکھا اور میرے سر کو لڑی۔“

”اں اس کی طرف دیکھا اور میرے سر کو لڑی۔“

”اں اس کی طرف دیکھا اور میرے سر کو لڑی۔“

”اں اس کی طرف دیکھا اور میرے سر کو لڑی۔“

”اں اس کی طرف دیکھا اور میرے سر کو لڑی۔“

”کیا آپ اپنے ذہن میں کوئی خاص لکھ کر رہتے ہیں؟“

”خاص نہیں۔“ میں ایک خیال ذہن میں اکیلے نہ جانے تھا

پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو سکتا تھا۔

”میں کچھ کہوں کر میرا دل سب کچھ آپ پر چھوڑ دیتے کے لیے

آمادہ ہو گیا ہے۔“

”نہیں نشہ توڑنے کی تکلیف برداشت کرنا ہوگی۔“

”میں بڑی سے بڑی قیامت چیلنے کے لیے تیار ہوں۔ الماس کو

پالنے کی کوشش مجھے تمام آزمائشوں سے گزرنے میں مدد دے گی۔“

”تصور کر لیجئے کہ تمہارا آج کا خود کو کھٹے سے دھو لینے کی کوشش

تہائی میں تو قیامت خیز ہی جاتی ہے۔ تکلیف کے وہ دن یہاں گزر گئے

ہو میرے دل کو میری ہم جیوگی میں ہی تہائی کا احساس نہ ہوگا۔ میری خود

تمہارا خیال دیکھیں گی۔ میرا ڈاکٹر تمہاری دیکھ بھال کرنا ہے گا اور

یہ وقت ضرورت نہیں جیوگا اور میں بہرہ نہ چاہتا ہوں۔“

”آپ کو میری وجہ سے ذہن توڑ ہوگی؟“

”اگر ذہن ہوئی بھی تو میں الماس کے مستقبل کو خوشگوار بنانے

کے لیے مجھے برداشت کر لیتی۔“

”شکریہ۔“ وہ مجھے ممنون نظروں سے دیکھنے لگا۔

”تم مجھے اس ریشورٹ کا پتہ بتا دو جو اس فساد کی وجہ ہے۔“

”اں کا پتہ ہے کہ آپ کیا کریں گی؟“

”اں لوگوں سے تمہاری تصویر کو حاصل کرنا ہی ہے۔“

”آپ؟“ وہ حیرت سے میری طرف دیکھنے لگا۔ وہ بڑے خطرناک

لوگ ہیں یا تو؟“

”تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ میں ان لوگوں کے مقابلے پر ہی سے بھی

زیادہ خطرناک لوگوں کو کھڑا کر دوں گی۔“

کارن ہرزائے جبر سے اٹھن اور ریشورٹ کا اظہار ہوتا ہوا

”تاہم اں نے ریشورٹ کا پتہ بتا دیا۔ یہ پتہ صدر کے محل سے لے کر

دوسری جگہوں کی اکثریت ہے۔ یہ لوگ مغربی ملک کی امنی تنظیمیں

سب سے آگے ہیں۔ پاکستان میں رہتے ہوئے مجھے ان کا لباس اور طرز

معاشرت پاکستان میں نہیں ہے۔ ان لوگوں کو منشیات کا عادی بنانے کے لیے

زیادہ جلد جبر کی ضرورت نہیں پیش آتی کیونکہ مغربی ملک میں منشیات

کا استعمال عام ہو چکا تھا۔ جس کی سگھ میں بطور نشہ پی جاتے تھے

تھیں اور انکو بڑی نگاہوں کے توڑ سے یہ فیشن ان لوگوں تک پہنچ

چکا تھا۔

کارن مرزا دوسرے دن اسے کا وعدہ کر کے چلا گیا لیکن میں

اس کی نصیحت کے بعد بھی ڈورانگ قدم میں بیٹھی خیالات میں ڈوبی

رہی۔

”ٹیلیفون پر میرے ڈاکٹر نے کارن ہرزائے کے بارے میں جو رپورٹ

دی تھی اس میں ایک نکتہ مجھے خاصا ہی خیر معلوم ہوا تھا۔ رپورٹ کے

خطہ مولیٰ لینے کی صورت میں تو یہ ممکن ہے کہ میں ان کو
 دے کر خطہ کے امتیاز خاتمہ کر سکوں ۵
 سوچا جواب میں کچھ نہیں لیکن اس کے
 بدل نہیں ہے۔
 ”چنگی! تجھے میرے لیے اتنا پریشان نہیں ہونا
 ہے یا راجے! اندیشہ اس کا لال تھیک کر کے اندر
 بولی ”خزانہ! آج کے تو میں اسی طرح نہیں آؤں، ذرا ۱۰

دوبارہ کا وہ نام دونوں نے ساتھ ہی لکھ دیا۔
 چونکہ مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ سوسن
 کی اجنت سے اس لئے میں نے دل ہی دل میں حتمی
 اہل پارک پر کوئی واقعہ پیش نہیں آئے گا۔ اگر وہاں آدم
 تو سوسن مجھے اس کے بارے میں ہرگز نہیں بتائی کہ
 یہاں بنا کر مجھے وہاں لے جاتی تھی، مجھے خبر کرنے کا مطلب
 مقابلے کے لئے کوئی تیاریاں کرلوں اور ڈاکٹر فرنگس مجھے
 ہرگز نہیں دے سکتا تھا۔

[illegible]

کھانا کھانے کے کچھ دیر بعد میں سوسن لی کے
ہو گئی۔ سوسن اب بھی تنگ و درشتی کی اداکاری میں لک
تھیں۔ بچے میں چائے منٹ پر جم سوسنائی کے
مکے جسے مل یا رک کھا تا ہے اس وقت دہان ورائی

تیز و جھپٹیں جلنے کے لیے کون آتا؟ اس پر نقاب
کو روئی ہوتی ہے یا سحر خیز لوگ جیل قدمی کے لیے
پہنچتے ہیں اس وقت تو وہاں کا دکھ اندازہ نظر آ رہا ہے
ایل بارک ایک ایسی جگہ ہے جہاں

نہیں ہے۔ کوئی بھی شخص دوسروں کی نظر میں آئے گا کہ
 کر سکتا۔ پاک کا شرعی حصہ انتہائی بلندی پر ہے۔
 دوسرے تھارے کے لیے جا سکتے ہیں۔ اس کے باوجود
 ملک سو سائیکس کے اندر کم علاقہ پر ہے۔ اس کے

سبوتے میں نے سوچا کہ اسی نعمت سے کوئی بھی مجھے
نشانہ بنا سکتا ہے مگر چونکہ مجھے یہی کہ لا لاش لاپلک
اپنی ہلاکت کا خطرہ نہیں تھا۔ خطرے کی بات صرف
کرنے کی کوشش کی جاسکتا تھا، تاہم یہ معاملہ

الکھان قوہ دیاری شادی میری مکمل تھی۔
 جسے رازد کو گروہوں کی بارش ہونے کی نادرنگ
 کی جادو تھی مجھے قوہ تربیت گروہ کی ہوئی
 ہم کیا باخدا اور مجھ میں سے سون کی چیخ سنی
 رنگ کا ایک نشان بھرنا نظر آتا تھا۔
 میں نے بھی ان گروہوں سے بچنے کے لیے خود
 اور ناز کرنا طے نیچے تھے اس لیے میں نہیں

مگر اہل سوسن کی طرح سے انہیں کم از کم ایک
 آئین ہو گیا ہوگا، البتہ وہ یہ نہیں جان
 سکتے کہ نقصان پہنچا رہا ہے اور کتنا نقصان پہنچا رہا ہے
 اور ان کو جو دے وہ سوسن کی طرح سُر کر

۱۔ مال باندھنے کی یہ عمل کرتے ہوئے مجھے
 ایک مہربانیں لگائی تھی اور صرف گوشت
 مناسب اور سنگ اور دو تین دن آرام
 ۲۔ تشویش کی کوئی بات نہیں تھی لیکن

١٠٠٠

طرف دیکھتے اور اپنا سر ہم بائیں کرتے ہے۔ اگر کسی انہیں حقیقت حال سے باخبر کر دیتی تو پولیس تھانے کی فوجت جانا ایک بھی تھانہ تھا۔ بہر حال اس واقعے نے یہی عمل ضبط کر دی تھی اور مجھے یہ پوچھا پوچھا رہا تھا کہ شاید میں نے کس کس کے بارے میں غلط اندازہ لگایا ہے اس مسئلے کا مزاج مطلب ہے تھا کہ کسوں کے بارے میں مسئلے میں یہ شرطوں سے تھی اور ڈاکٹر فونک کو اس بات کا علم نہیں تھا۔

لیکن میں نے بھی سوچ کر بھی کہ یہ عمل جو بڑے مضبوط انداز میں لایا گیا تھا۔ اس طرح دانے کی نہیں بلکہ دشت زدہ کرنے کی کوشش

موسوں نے ایک مسکاری سی لی اور ہر اسلختہ بنا کر کہا: آپ کی مدد کرنے کرتے ہیں تو ختم ہی ہوگئی تھی میں نے آپ سے کہا تھا کہ تقاضہ بظاہر ناک توگوں سے ہے اس لیے آپ لوپس کی مدد حاصل کر لیں مگر آپ نہیں بنائیں اب اب آپ کا تولد حلقے کر سکیں مجھے تو

ملک نہیں ہو سکتی۔ گولیوں کی بوجھار کے مقابل آنا معمولی دل کرنے
لوں کے بس کی بات نہیں۔ ویسے مجھے سو سن کے لیے زندگی کا
ملا موقع ہوگا اور یہ پہلا ہی تجربہ اسے مضبوط تھا۔ اس کا عقد ایک
طرز کی بات تھی۔

285

286

کفتو کرنے کی بجائے میں نے یہ مناسب سمجھا تھا کہ شروع میں دو ایک روزہ تک اس پر صرف نظر رکھی جائے۔

وقت گزری کے لیے میں نے اخبار اچھا لیا اور موٹی موٹی خبروں پر نظر دوڑانے لگی۔ ایک خبر کے مطابق وزیر خارجہ صاحبہ سرحد پر جمع کیے گئے اس خبر کو پڑھتے ہوئے مجھے وہاں کی گفتگو یاد آئی جو وزیر خارجہ صاحبہ نے کہی تھی۔ ان کا یہ سوال خاصا مضمحلہ خیر تھا کہ ڈاکٹر زنگ سے جھڑپوں کے دوران میں سرحد کا کوئی تذکرہ تو میرے سامنے نہیں آیا؟ آخر ہمیں سرحد کے بارے میں ایسی کیا اطلاعات ملی تھیں جن کی وجہ سے وہ فکرو تشویش کا شکار ہو گئے تھے؟ کیا ان دنوں سرحد میں بھی کی آئی آئے کے ایجنٹ مگر مگر کا ستھ ہے؟

کسی آئی اے کے ساتھ بکے بی بی کا نام بھی میرے سامنے
 آیا تھا اور یہ میرے لیے خاصی قابلِ غور بات تھی کہ بی بی آئی اے سے
 خبر دانا مایوں بکے بی بی کے عہدِ تہجد بھی کھلنا نہ اپنے سے مجھے تھے۔
 کامران کے معاملے میں اللہ ہلے کی دوسرے میں ان خبر تک کہ تین
 معاملات کی طرف پوری طرح توجہ نہیں دے پا رہی تھی۔ پھر پھر غفلت غفلت
 سے بھی آج کی کوئی نئی اطلاع نہ نہیں تھا اور میں کراچی میں مقیم اُن
 دونوں افراد کو بھی چیک نہیں کر سکی جن کے بارے میں مجھے شدید
 ملکیت سے ہدایت ملی تھیں۔

اگر میں شہناز کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتی تو کامران لکھا ہر
 بڑی نازی میثیت اختیار کر لیتا اور میری توجہ دھڑوں میں منقسم نہیں
 ہونے پاتی۔

شہزادہ خاں آقا تو میں ایک سارے پھر الماس کی خاندان کے گھر جانے
کے بارے میں سوچتے تھے۔ گزشتہ دنات تو میں ہاں جو نے دانی تقریب
کے باعث واپس لوٹ آئی تھی۔
میں نے منع کر دیا کہ بیچ کرنے کے بعد الماس کی خاندان کے گھر جانے لگے۔
دوسرے کے میرا واسطی کے لیے تیار ہو چکی تھی کہ کلاہد حق کا فن

”یرواہی نرس!“ وہ تنکڑے میں کسکدیا تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو کوئی اچھی خبر نہیں سنا رہا ہوں۔“
”کیا ہوا؟“ مجھے بھی تشویش ہو گئی۔
”افضل بظاہر ایک حادثے کا شکار ہو کر مر چکا ہے۔“
”اے!“ میرے گھر سے میں اتنا ہی نکل سکا۔

دیں میں سوار ہو گیا۔ میرے لیے اس کے سوا کوئی مبر۔
 نہیں ہے پڑھ جانوں۔ میں نے چھوٹے میں صرف ایک کما۔
 مجھے اتنی ہمت حاصل نہیں تھی کہ آپ کو فون کرنا میں،
 جھانکنا تاکہ لگے دالے اس نے پر نظر رکھ کر میں
 ہوئے تھے میں نے ان دونوں کو لڑنے کے دریا
 غبار ہوا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ پلیٹ نام کے ہوگا
 اور ہے ہوں جبکہ گاڑی میں کوئی وہ دروازہ
 تھے اور جب گاڑی پلیٹ نام کے محل کرنا کر
 فعل کا تازہ کر دیا اور وہ گاڑی سے باہر ہوا
 ہیچ کر گاڑی رکوانا لیکن افضل کچھ ایسے خوب ہے
 کچھ لگا اور میں نے جان دے دی

”کیا واقعی افضل کا توازن کرنا ممکن تھا؟“
 ”میں آپ کا مطلب سمجھ رہا ہوں۔ لیکن“
 ”نہ کا احتمال ہے کہ اسے دھکا دیا گیا ہو۔ دھکا دینا
 میں جوسکتا ہے، کیوں کر اس وقت دہی اس کے
 پاس کا جوہر تھا وہ بھی اسے مجرم ثابت کرتا ہے۔
 میرے ایک سینئر بھی وہاں تھے۔ ان کا تھا اور اس نے
 ”وہ افضل کا سوٹ میں نے کرنا پڑا تھا اور“
 ”راکھ تھا“

سکیا تم جانے حادثہ پر رُک گئے تھے؟

”نہیں یورپا قس! میں نیکی کا تعاقب کر
انے تک پہنچا تھا۔“
”پتہ چلا کہ وہ کون ہے؟“
”میں معلوم کر چکا ہوں یورپا قس! وہ وہ
لکھے۔“

”اُدھ! میں نے جو تک کر کہا۔ ریسٹورنٹ کا
کاؤنٹر پر نے اسی ریسٹورنٹ کا نام بتایا جو کہ
حقِ شہادت کا اُدھ تھا۔
میں، لیجن کا شہادت چو گئی۔ افضل کا قتل مجھے
بہ عجوبہ کر رہا تھا۔
”میرے لیے اب تک حکم ہے، یور بائی لس! اُنکا
رائے خیالات سے چونکی۔

ایک سوالیہ نشان بن کر میری سوچ کے
ایک سوالیہ نشان کو شبہات کی گرد میں
آئی میں وہ گرد بہت صاف نظر آ رہی تھی۔
میں سمجھا ہوا بظاہر دکھائی دے رہا تھا اس
پہ کیلئے تھے کہ اس اعتبار حاصل کر سکے۔ اس
میں اصرار کی ذکر شاید کسی مجبور کی تحت کیا
جائے، اس کے پیچھے گئے والی ہیں تو اس نے
اعتمادی شخصوں نے فوراً افضل کو قسم کرا
تے تو ممکن ہے میں اس کے ذریعے سے کوئی
میاں پرمائی۔

۱۔ کیا تم کو اس کا حال معلوم ہے؟
 ۲۔ کیا تم کو اس کا حال معلوم ہے؟
 ۳۔ کیا تم کو اس کا حال معلوم ہے؟
 ۴۔ کیا تم کو اس کا حال معلوم ہے؟
 ۵۔ کیا تم کو اس کا حال معلوم ہے؟
 ۶۔ کیا تم کو اس کا حال معلوم ہے؟
 ۷۔ کیا تم کو اس کا حال معلوم ہے؟
 ۸۔ کیا تم کو اس کا حال معلوم ہے؟
 ۹۔ کیا تم کو اس کا حال معلوم ہے؟
 ۱۰۔ کیا تم کو اس کا حال معلوم ہے؟

۲۱۔ مہینہ دی ہوگا خبر ہے لیے سوسن ایک نام کام

↑ یہ کہ اور ہو۔ بہر حال اب مجھے کامران کی طرف لے کر لینا ایک نچکانہ سی بات ہوتی۔ یہ بھی تو ممکن

22

۱۔ اس بات کو گزروں۔ کوئی جھگڑا نہیں ہوا اور کوئی
۲۔ کام کاج دیکھنے کے لیے خاصا وقت مل گیا۔
۳۔ رنگ بوم جا کر کارمان کی خریدت دریافت
۴۔ ہمیں ظاہر ہونے والے تھے اس پر رشہ ہو چکا ہے
۵۔ موت کی خبر اخبارات میں آچکی تھی، لیکن کسی کو
۶۔ والا کو نہ تھا۔ اس حادثے میں افضل کی شکل اس
۷۔ شامت کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔ اس کی جھپوں
۸۔ بہر حال سکے تھے جو اس کی شخصیت کی تلاش میں

۱۔ ایک مرتبہ میں الماس کی خالہ کے گھر بھی گئے۔
۲۔ ان کے عشق میں تڑپا ہوا محسوس کیا تھا۔
۳۔ جانے سے وہ پریشان بھی ہو گئی تھی اور اسے
۴۔ اہل کی ساسنا کرنا پڑا تھا۔ میں اسے رات

بزرگ نہیں، بتانا جاہلی تھی کہ کاروان ایک رنگ بوم میں داخل ہے۔
شازدہ بدستور الماس کے ساتھ مقیم تھی اور اس ظالم نے جیڑے منٹ
تھیں مری کھینچ کر تازگی نہیں تھی مگر مجھے اور الماس کو بائیں کرنا ہوا چھوڑ
کر ڈرائنگ روم سے چلی گئی تھی اس کے اس قافل کا تازہ پیر ہے
دل پر آ رہے جل گئے تھے۔ اور میں منجھلا ہٹ میں یہ تک سوچ بھیجی تھی
کہ اس لڑکی کو غواہی کرنا پڑے گا۔

میں اپنے شاہ کے اوقات سوسن کی کی تلاش میں گزار رہی تھی،
 لیکن مجھے ابھی تک کوئی ایسا شخص نہیں مل سکا تھا جو سوسن کے پتے سے
 واقف رہا ہو۔

چوتھے دن سام کوئی یں مومن کی ملائی اس نے کہا کہ یہ
 پھر یہی ہے کہ ایک شاہک سید میں مجھے غزال نظر آگئی۔ وہی غزال
 جو لاہور جاتے ہوئے مجھے ٹرن کے ڈیڑے میں بھی ملے اور جس نے
 نایاب کپ کی موجودگی میں بھی میری خواہشوں کے سامنے من پناہ لی۔
 میں نے حاکم کو بھیجے اس کے شانے پر باٹھ رکھ دیا۔ اس
 نے جب کہ کر گھبراہوا اور مجھے دیکھتے ہی جیسے کھل اٹھی۔

”اب اس کے منہ سے یہ لفظ نہ مسرت بھلا، نہ کھلا، نہ کچھ دوسرے ہی لمحے وہ سنجیدہ اور مضطرب ہو گئی غالباً اسے وہ سارے خوفناک واقعات یاد آ رہے تھے جن سے وہ محض میری وجہ سے درجہ چوٹی تک تھیں۔ میں اسے مخصوص انازا میں مسکراتی میرے سر کے لئے کا انازا نہ

جائے کیوں روک کیوں کوئی نہ آئے۔ جس نے اس کا ہاتھ پکڑا اور دھکی
سی آواز میں بولی: ”آؤ ہمیں ٹیچر کرطیان سے اپنیس کریں گے۔“
”ایک منٹ“۔ غوالہ نے جلدی سے ہاتھ چھوڑ دیا اور اپنا
پرس کھول کر اس میں سے نوٹ نکالے لگی۔ نوٹ لیکن کر اس نے کنگنادر
کو دیے اور وہ بیٹھ کر شوکیس سے اٹھایا جو موکان دار نے ہار رکھا تھا۔
”جیلے آؤ مجھ سے بولی۔“

چلتے ہوئے میں نے اس کا ہاتھ پیر تھام لیا تھا۔ اس کے ہاتھ
 کلاں مجھے ایک گزری ہوئی کہانی یاد دلارہا تھا۔ اس یاد نے میرے دھم
 میں لذت آمیز مسناہٹ سی پھیلا دی تھی۔ ویسے بھی کئی باتوں سے میرے
 جوف شکستے تھے اور میں پیاس سے تڑپ رہی تھی۔ اب غزالہ کے
 مہجے پر یوں میں مجھے اپنی تنگی سمجھنے لگا۔ اسامان ہنسنا ہو گیا تھا اور
 اس ٹیلی سے وقفے میں میری نظر کمرے میں اس کے حریفان سے لچھا لچھا
 گئی تھی۔

غزالہ کے قدم بہ قدم ملتی ہوئی بولی "آپ سے بہت دن
بعد ملاقات ہوئی ہے لیکن مجھے وہ واقعات اس طرح یاد میں جیسے
کل ہی کی بات ہو۔"
"میں بھی ان خوش گوار لمحوں کو نہیں بھول سکی" میں نے غزالہ کا
ہاتھ دبا کر اس کے ہونٹ پر بوسہ کیا۔
"یہ میرا اشارہ دوسری طرف ہے" غزالہ جلدی سے بولی۔ "میں سر

294

295

”جھٹھا، میرا نام چاہو؟“
”سنگرے؟ میں نے سنی ہے آپ کا انتظار کروں گا؟“
میں نے سلسلہ منقطع کیا اور سوچنے لگی کہ اس کوئی چال تو نہیں؟
میں اس امکان کو نظر انداز نہیں کر سکتی تھی کہ مکران کے گھر پر میرے لیے
کوئی چال بچھا جا سکتا ہے۔
ایک شخص نے میں اسی منٹے سے اجماعت بری کر مجھے مکران کے
گھر پہنچنے سے قبل کیا تباہی کرنا چاہیے؟ ہم سے کہ مجھے یہ امکان تھا
قوی نظر آ رہا تھا کہ ڈاکٹر فونگ سے ٹکراؤ ہو کر رہ جائے۔
ایک مرتبہ پولیٹینون لنگھتا یا اور میں نے ریسپورڈ اٹھایا۔
”میلو! اصبر! اسپیکنگ!“
”او دھرے آپ کا خادم کا کافی چیک بول رہا ہے۔ آواز آئی۔
یہ حالت میرے اعصاب میں تناؤ پیدا ہو گیا اور ریسپورڈ رگڑا گئیں
ہستہ سستی سے جم گئیں۔ فوری طور پر میرے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل
سکا تھا۔
”میلو! کافی چیک نے گو کیا کارا۔
”کیا بات ہے؟ میری آواز بھڑکنی ہوئی تھی۔
”اس روز تو آپ کو گولے لگا دی کر رہا۔ میں سوچ بھی نہیں
سکتا تھا کہ آپ نے مجھ کو گولوں کو اپنی حفاظت پر مامور کر رکھا ہوگا؟“
”او دھر! وہ کی باتوں میں آنے لگنے کی بجائے اصل مطلب کی
طرف آجاؤ۔ میں خشک لہجے میں بولی۔
”میں آپ کے احسان کا بدلہ لےنا چاہتا ہوں۔“
”کون سا احسان؟“
”اُس روز آپ نے مجھے اودھے رسائی کو پولیس کے حوالے
نہیں کیا۔“
”اُس سے مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔“
”بہر حال آپ کی اُس روز کی فتح نے میری پوزیشن بہت تیز
کر دی ہے مجھے تو ڈاکٹر کی سخت ترین سرزنش کا سامنا کرنا پڑا۔ اب
مجھے مکمل مناسبت کر میں واپس تیراں چلا جاؤں۔ چنانچہ زنادیر بعد میں
یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا، میں اس وقت اپنا پورٹ سے بول رہا ہوں
”خوب! تو پھر مجھے کیا کرنا چاہیے؟“ میرے لہجے سے انکڑھٹ
آشکارا تھی۔ وہاں مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کافی چیک نے میرا
وقت برباد کرنے کے لیے فون کیا ہو۔
”میں آپ کو ایک اطلاع دینا چاہتا ہوں۔“ کافی چیک بدلا۔
”کیا رات آپ کسی جگہ موجود ہیں؟“
”میں اس وقت گھر میں ہوں۔“
”مجھے معلوم ہے کہ رات آپ کا مکران مڑا کے گھر پر موجود ہیں
کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟“

میرے جسم میں مسناہٹ پھیل گئی تھی
جوش ہوئے نہیں دیا اور دوسری آواز میں بولی
”وہ کہتے رہو۔“
”اچھا تو سنئے! کافی چیک نے ہلا
مرزا ڈاکٹر فونگ کا ایکٹ ہے۔ اسے ایک سال
کام کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ اسے آپ کی کار
کہ وہ آپ کی قیمت حاصل کر لے اور پھر اس کے
کلاش کرنے کے آپ کو کھانسی لیا جائے۔ ڈاکٹر
طرف سے مجھے نے کسی کوشش کی تھی یعنی مکران کی
تھا۔ مکران کا چکر آپ نے کام نہ دیا تھا، اس لیے
جو حال بچھا گیا ہے وہ بہت مضبوط ہے۔ آپ کو
کر کے لی ڈاکٹر کی کلمات میں پہنچا جائے گا؟
گاڑیاں بکری ہوں جن میں میں کن رہا رہا
آپ کے احوال میں مزاحم ہونے کی کوشش کی
مجھ جائیں گی۔ ڈاکٹر فونگ بہت مشتعل ہے۔ ا
ہے کہ اگر آپ کو اخوا کرنے میں خون کی بولی بھی
بھی درخ نہا جائے۔
”جیسے جیسے کافی چیک بولتا جا رہا تھا،
موتی جاری تھی، کہیں اس کے لہجے سے سوائی کا استہ
برساتھ ہی رہا تھا۔ میں بھی کافی چیک لہجے
کر رہا ہے۔
”وہ بول رہا ہے لی مارک کی عمارت میں ڈاکٹر
اور آپ کی زیرانی کے تمام اختلاط میں کمل ہیں
عمارت میں ایسے چوہوں کی برقت کی گئی ہے جو
سے کھاتے ہیں۔ زندہ گوشت کا مطلب تو آپ کے
لاش بھی آپ کو یاد ہوگی، وہ لاش اگر چوہوں سے
اُس کے گوشت کا ایک ایک ریشہ ناپید ہو جائے
مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا وہ ہاتھ
ریسیو در رہا ہو تھا۔
”آپ کتنی ہی میں نا، ایف ڈاکٹر چیک،
”ہاں ہاں، تم کہتے رہو۔“
”میں مجھے اور کچھ نہیں کہنا۔“
”بہت خوب؟ میں نے طنز سے لہجہ میں کہا۔
”بول کافی چیک کہ تم نے مجھے یہ سب کچھ کیوں بتایا؟“
”کیا میں اپنی بھری بات دہراؤں کہ آپ
ایک بہت جلدی عورت ہیں۔“
”کیوں مجھ سے زیادہ تو ڈاکٹر فونگ کے
کو عظیم فونگ کہہ کرتے تھے؟“

”میں اس فائل کے مسافروں کے نام جانا چاہتی ہوں۔ کیا یہ
مکمل ہے؟“
”جھٹھا، تو ہے کہ اس کے لیے آپ کو آدھے گھنٹے انتظار کرنا چوگا۔“
”جھٹھا ہے، میں آدھے گھنٹے بعد فونوں کروں گی۔“
میرا واقعہ کار پچھلے انتظار کا اس لیے میں نے عہد سے ریسپورڈ
دیا۔
اب مجھے اوجھا گھنٹہ گزرنے کا انتظار تھا، لیکن انتظار کرتے ہوئے
میرا ذہن خیالات سے غالی نہیں رہ سکا۔ میں مسلسل سوچ رہی کہ مجھے ان حقائق
میں کیا کرنا چاہیے۔ ایک ایسا موقع میرے سامنے آ رہا تھا جو بے خطر نکلا تھا۔
لیکن میں اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتی تھی۔ ڈاکٹر فونگ سے ایک
فیصلہ کن جواب چاہیے تھا۔ وہ اتنے عرصے سے میرے اعصاب
پر ایک بوجھ بنا رہا تھا کہ اب میں اسے مزید ایک دن بھی برداشت کرنے کے لیے
آہستہ آہستہ ہی میں نے فون کرنا کافی چیک کی اطلاعات درست ہیں اور فون
کرنے کے بعد میں نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ اس صورت حال سے کیسے بچنا
جاسکتا ہے؟
مجھے کا طریق کا خیال آیا وہ اور اس کے آدھی پوشیدہ دکر میری
حقانیت کر سکتے تھے۔ کیا ڈاکٹر چیک کی دروزانت ہیں؟ انکھیں بند کر کے ہاتھ
کر سکتی تھی میں نے ریسپورڈ اٹھا اور کا طریق کے خبر ڈاکٹر کرنے لگا، دوسری
طرف گھنٹی بجی، پھر ریسپورڈ اٹھا گیا اور کا طریق کی جانی پہچانی آواز سنائی
دینے لگی۔
”میلو! حق! اسپیکنگ!“
”میں سوچ رہا ہوں اس انداز۔“
”گڈ نائٹ! ائی ٹس۔“
مجھے کا طریق کا ہونے عجیب سا لگا۔ اس کے لہجے میں خشکی اور تیزی
کا اظہار تھا۔
”سنو! میں نے کہا۔“ تم کو آج ٹری فونے داری اور احتیاط سے
ایک کام سر انجام دینا ہے۔“
”مجھے اس وقت ہے پور بانی ٹس! اب آپ کے لیے کوئی کام
نہیں کر سکتوں گا۔“
”کیا مطلب؟“ مجھے غصہ آ گیا۔ تم اپنے پوش میں ہو؟“
”میں یہ پوش تو اس بول رہا ہوں پور بانی ٹس! کیا ڈاکٹر فونگ نے
جواب دیا؟“ مجھے جواب صاحب نے سختی سے تاکید کی ہے کہ اب میں آپ
کی کوئی خدمت سر انجام نہ دوں۔“
”اوہ! میں نے سوچا اور مجھے فوراً گیسٹین آنا کی بات یاد
آگئی۔ پڑی کی اس تقریب میں تیار صدر برکت پر تیار تیار تیار تھا، آفاق
نے مجھ سے کہا تھا کہ پچھلے رات گڈ میری دوستی کا کام پھر نہیں آئے، بلکہ وہ
نواب پرتاب گڈھ کو اپنی شخصیت میں لے گا۔ اب حالات کا یہ مڑنا بات کا
ثبوت تھا کہ آفاق اپنی خیال میں گیا تھا۔
”میں اس فائل کے مسافروں کے نام جانا چاہتی ہوں۔ کیا یہ
مکمل ہے؟“
”جھٹھا، تو ہے کہ اس کے لیے آپ کو آدھے گھنٹے انتظار کرنا چوگا۔“
”جھٹھا ہے، میں آدھے گھنٹے بعد فونوں کروں گی۔“
میرا واقعہ کار پچھلے انتظار کا اس لیے میں نے عہد سے ریسپورڈ
دیا۔
اب مجھے اوجھا گھنٹہ گزرنے کا انتظار تھا، لیکن انتظار کرتے ہوئے
میرا ذہن خیالات سے غالی نہیں رہ سکا۔ میں مسلسل سوچ رہی کہ مجھے ان حقائق
میں کیا کرنا چاہیے۔ ایک ایسا موقع میرے سامنے آ رہا تھا جو بے خطر نکلا تھا۔
لیکن میں اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتی تھی۔ ڈاکٹر فونگ سے ایک
فیصلہ کن جواب چاہیے تھا۔ وہ اتنے عرصے سے میرے اعصاب
پر ایک بوجھ بنا رہا تھا کہ اب میں اسے مزید ایک دن بھی برداشت کرنے کے لیے
آہستہ آہستہ ہی میں نے فون کرنا کافی چیک کی اطلاعات درست ہیں اور فون
کرنے کے بعد میں نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ اس صورت حال سے کیسے بچنا
جاسکتا ہے؟
مجھے کا طریق کا خیال آیا وہ اور اس کے آدھی پوشیدہ دکر میری
حقانیت کر سکتے تھے۔ کیا ڈاکٹر چیک کی دروزانت ہیں؟ انکھیں بند کر کے ہاتھ
کر سکتی تھی میں نے ریسپورڈ اٹھا اور کا طریق کے خبر ڈاکٹر کرنے لگا، دوسری
طرف گھنٹی بجی، پھر ریسپورڈ اٹھا گیا اور کا طریق کی جانی پہچانی آواز سنائی
دینے لگی۔
”میلو! حق! اسپیکنگ!“
”میں سوچ رہا ہوں اس انداز۔“
”گڈ نائٹ! ائی ٹس۔“
مجھے کا طریق کا ہونے عجیب سا لگا۔ اس کے لہجے میں خشکی اور تیزی
کا اظہار تھا۔
”سنو! میں نے کہا۔“ تم کو آج ٹری فونے داری اور احتیاط سے
ایک کام سر انجام دینا ہے۔“
”مجھے اس وقت ہے پور بانی ٹس! اب آپ کے لیے کوئی کام
نہیں کر سکتوں گا۔“
”کیا مطلب؟“ مجھے غصہ آ گیا۔ تم اپنے پوش میں ہو؟“
”میں یہ پوش تو اس بول رہا ہوں پور بانی ٹس! کیا ڈاکٹر فونگ نے
جواب دیا؟“ مجھے جواب صاحب نے سختی سے تاکید کی ہے کہ اب میں آپ
کی کوئی خدمت سر انجام نہ دوں۔“
”اوہ! میں نے سوچا اور مجھے فوراً گیسٹین آنا کی بات یاد
آگئی۔ پڑی کی اس تقریب میں تیار صدر برکت پر تیار تیار تیار تھا، آفاق
نے مجھ سے کہا تھا کہ پچھلے رات گڈ میری دوستی کا کام پھر نہیں آئے، بلکہ وہ
نواب پرتاب گڈھ کو اپنی شخصیت میں لے گا۔ اب حالات کا یہ مڑنا بات کا
ثبوت تھا کہ آفاق اپنی خیال میں گیا تھا۔

”میں اس فائل کے مسافروں کے نام جانا چاہتی ہوں۔ کیا یہ
مکمل ہے؟“
”جھٹھا، تو ہے کہ اس کے لیے آپ کو آدھے گھنٹے انتظار کرنا چوگا۔“
”جھٹھا ہے، میں آدھے گھنٹے بعد فونوں کروں گی۔“
میرا واقعہ کار پچھلے انتظار کا اس لیے میں نے عہد سے ریسپورڈ
دیا۔
اب مجھے اوجھا گھنٹہ گزرنے کا انتظار تھا، لیکن انتظار کرتے ہوئے
میرا ذہن خیالات سے غالی نہیں رہ سکا۔ میں مسلسل سوچ رہی کہ مجھے ان حقائق
میں کیا کرنا چاہیے۔ ایک ایسا موقع میرے سامنے آ رہا تھا جو بے خطر نکلا تھا۔
لیکن میں اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتی تھی۔ ڈاکٹر فونگ سے ایک
فیصلہ کن جواب چاہیے تھا۔ وہ اتنے عرصے سے میرے اعصاب
پر ایک بوجھ بنا رہا تھا کہ اب میں اسے مزید ایک دن بھی برداشت کرنے کے لیے
آہستہ آہستہ ہی میں نے فون کرنا کافی چیک کی اطلاعات درست ہیں اور فون
کرنے کے بعد میں نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ اس صورت حال سے کیسے بچنا
جاسکتا ہے؟
مجھے کا طریق کا خیال آیا وہ اور اس کے آدھی پوشیدہ دکر میری
حقانیت کر سکتے تھے۔ کیا ڈاکٹر چیک کی دروزانت ہیں؟ انکھیں بند کر کے ہاتھ
کر سکتی تھی میں نے ریسپورڈ اٹھا اور کا طریق کے خبر ڈاکٹر کرنے لگا، دوسری
طرف گھنٹی بجی، پھر ریسپورڈ اٹھا گیا اور کا طریق کی جانی پہچانی آواز سنائی
دینے لگی۔
”میلو! حق! اسپیکنگ!“
”میں سوچ رہا ہوں اس انداز۔“
”گڈ نائٹ! ائی ٹس۔“
مجھے کا طریق کا ہونے عجیب سا لگا۔ اس کے لہجے میں خشکی اور تیزی
کا اظہار تھا۔
”سنو! میں نے کہا۔“ تم کو آج ٹری فونے داری اور احتیاط سے
ایک کام سر انجام دینا ہے۔“
”مجھے اس وقت ہے پور بانی ٹس! اب آپ کے لیے کوئی کام
نہیں کر سکتوں گا۔“
”کیا مطلب؟“ مجھے غصہ آ گیا۔ تم اپنے پوش میں ہو؟“
”میں یہ پوش تو اس بول رہا ہوں پور بانی ٹس! کیا ڈاکٹر فونگ نے
جواب دیا؟“ مجھے جواب صاحب نے سختی سے تاکید کی ہے کہ اب میں آپ
کی کوئی خدمت سر انجام نہ دوں۔“
”اوہ! میں نے سوچا اور مجھے فوراً گیسٹین آنا کی بات یاد
آگئی۔ پڑی کی اس تقریب میں تیار صدر برکت پر تیار تیار تیار تھا، آفاق
نے مجھ سے کہا تھا کہ پچھلے رات گڈ میری دوستی کا کام پھر نہیں آئے، بلکہ وہ
نواب پرتاب گڈھ کو اپنی شخصیت میں لے گا۔ اب حالات کا یہ مڑنا بات کا
ثبوت تھا کہ آفاق اپنی خیال میں گیا تھا۔

298

00

”اچھی بات ہے۔ میں صبح نوکس بجے فون کروں گی؟“
 ”فون سے تمہارے گھر میں؟“
 ”پڑھ کے ایک گھر میں ہے اور میں وہاں خاصی بے تکلف ہوں۔“
 میں اچھی اور اسے چھوٹے کلبے پر آدسے تک آئی۔
 جب میں دوبارہ اپنی خواب گاہ میں پہنچی اور میں نے ڈوری کھینچ کر
 آنے میں اپنا سر ایا دیکھا تو میں نے محسوس کیا کہ میرے چہرے پر بڑا وہ عجیب کی عجیب
 ہوتی تھی۔

اب بھی اپنی زندگی کی شاید سب سے زیادہ خطرناک لمحہ بردارگی کی
 تیار یاں بے تکلف کرنا تھیں۔ میں نے اسے جیسے جیسے جا رہا تھا کہ وہ کھڑے ہو کر
 لباس میں جو ڈور اور کڑے کی کشمکش شروع ہو گئی۔ اور مجھے گھٹنے میں میرا کپڑا
 میں شریاں ہو گیا۔ کچھ دیر کے بعد اسے کھینچ کر کھینچ کر کھینچ کر کھینچ کر
 کر کے اپنے جسم اور اوپر کیوں طور پر ہٹ کر کھینچ کر کھینچ کر کھینچ کر
 میں ہاتھ دوڑا۔ ہاتھ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا کہ اس کی طرف سے وہ
 پڑا یاں کھینچ کر اس کی طرف سے وہ پڑا یاں کھینچ کر اس کی طرف سے وہ

میں تین قسم کے سفوف تھے جن کو میں نے بچا کر اس کی اچھی طرح تلا
 دیا۔ اب گویا ایک ہی قسم کا سفوف رہ گیا جو بالکل پاؤں کی طرح کھنڈ
 میں اس سفوف کو پاؤں کی طرح اپنے جسم پر پہنچا۔ میں نے جسم
 کا کوئی حصہ کبھی ایسا نہ رہنے دیا تھا۔ سفوف نہ تھے۔

اس سفوف میں پہنچی یا پڑی کوئی بونٹیں تھیں۔ کبھی کتابیں تھیں
 ہتھاکر اس سفوف میں پانی ملا جائے تو اس میں ایک عجیب قسم کی بو
 پیدا ہوجاتی تھی۔ اس بو کو بے باقی میں کھانچا گیا تھا کہ جسے اسے درشت
 نہیں کر سکتے اس نے اس سے بہت دور بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں۔
 یہ احتیاجی تدبیریں اس نے کرنا چاہی تھیں کہ اگر مجھے فوج پر
 برتری حاصل نہ ہو سکتی تھی تو کم از کم خود بول کی زور پانا پڑے تو میں
 اس سفوف کی بو کی وجہ سے محفوظ رہ سکوں۔

میں کامران کے گھر میں داخل ہونے سے قبل وہ دو کھانا لینا
 چاہتی تھی جو مجھے چنے ڈاکٹر سے لینا تھی۔ اس دکان کا ایک
 کھنڈے بعد ہوتا اور میرا اندازہ تھا کہ اگر مجھے تو کم از کم خود بول کی زور پانا
 ہی پڑا تو اس میں ایک کھنڈے بعد ہوتا تھا۔ اس وقت وہ دو کھانے
 پسینہ کر رہی تھیں اور وہ سفوف پیسے میں بھیجے ہی پورے گئے۔
 میں نے کمرے میں اپنے اور کمرے سے روانہ ہو گئی۔ میں نے غائبے میں
 میں ایک چھوٹا سا پستول اور دو آئینے کے گھر کے کف میں ایک
 بلایا چھپایا تھا۔

میں ڈاکٹر کے پاس سو جا چھ بجے پہنچی۔ جو پابندہ منٹ 15!
 لیکن ڈاکٹر میرا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے مجھے ایک کیسپول دیتے
 ہوئے کہا۔

”یہ جسم میں داخل ہونے کے ایک گھنٹے بعد تھیں ہوگا میں
 نے اسے دو گھنٹے تک ایک خاص محل میں چھوڑا تھا جس کی وجہ سے

یہ جسم کی اندرونی نگرانی کا ایک گھنٹہ تک ہوا۔
 جب یہ گھنٹہ کا قیاس میں کیجیے تو وہاں دو افراد
 اور اسے کھانے والا پسینہ میں ڈوب جاتا تھا۔
 میں نے کیسپول اپنے پر سر میں رکھی
 وہاں سے روانہ ہو گئی۔ اب میرا رخ الماس کے گم
 آخری مرتبہ ہوا اور کھانا چاہتی تھی کہ کامران کو کہو۔
 میں بہتر ہوگا۔

الماس گھر پر موجود تھی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی
 ہو کر بولی۔ ”ہائو کامران مل گیا۔ اسے ایک مفرد
 شہر جا رہا ہے۔ اس نے مجھے خط لکھا کہ وہ اپنا مکان
 والوں کی بد اخلاقی کا شکار ہو گیا۔ آج شام ساڑ
 بجے اور شاید کوئٹہ میں مدعو کیا ہے۔ وہ کہہ رہا
 بلایا ہے۔“

”خوب! تو اس نے تمہیں سارا سہ
 نے بچلا سوٹ و اتاول میں دیا۔
 ”مجھے بال کیوں؟“ وہ عجیب سے بولی۔
 دیا ہے۔“

”مجھے سات بجے بلایا ہے اور مقام بھی
 ”ارے کیوں! اس کے کلب میں اسرار
 ”اس کے سبب یہی کہ بنا پر میں نہیں سمجھ
 اُسے بھولنے کی کوشش کرو۔“

”آپ میرے کئی معاملات میں مفردت
 کر رہی ہیں ہائو! الماس کے چہرے پر گہری سبکدلی
 میں اُسے گھورنے لگی۔ مجھے اس بیوقوف
 لگا تھا۔ یہ بڑا اچھا سوکا ڈاکٹر۔ سنگ روم میں ہر دو
 تھا۔ اگر شاید بھی ہوتی تو ہر روز ہائو! الماس کی طرف
 کیوں کے ساتھ الماس سے گفتگو نہ پاتی۔

”سو سو ڈوف لو! میں نے تجھے بھولتے
 کہا۔ میں میں چاہتی تھی کہ تفصیلات بتا کر کہیں کہ
 لیکن تمہارے سر پر اس کی محنت کا بھوت کچھ اس طرح
 تفصیلات میں جانا ہی ہے کہ کامران نے شیشات کا
 اور کوئی بیباک جڑ بھی کر لیا ہے جس کی بنا پر کچھ لوگ
 کر رہے ہیں۔ وہ ان کی انکسلیوں کے اشارے پر نا
 وہی لوگ ہیں جن کے چنگل سے میں نے تمہیں نجات
 ”نہیں! الماس کے چہرے کی رنجت بدل کر
 ”سنتی۔“ زبانی میں سے خراگ کر رہی تھیں
 کہ وہی لوگ اب میرے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں
 پر ختم کر دینا چاہتے ہیں اور کامران اس سسٹم میں

سات بجے کا وقت دیتے لیکن مجھے سات
 فیہر سے دس گھنٹے کے حوالے کرنے کے بعد
 بات پر حیرت کا اظہار کرتے رہے گا کہ میں نہیں جانتی
 اس امر کو شیشاں سے کرنے کی یہ میرا کامران

”میں رسٹ وارج پر غلط فہمی ہوتی کھڑی
 میں نے پہنچی تھی۔ تب تو تمہیں یقین آجائے گا کہ
 ”نہیں۔“
 ”جان لو کہ وہاں پہنچیں یہ الماس
 میں ہر دو افراد پر تکیں۔“

”میرا بڑا کام میں چند لمحوں کے بعد ہی اندر
 کا پتہ پڑا تو میں نے فکر میں اس پتے پر جا کر تصدیق
 کی روانہ دیاں زبیر علاج تھا۔ اس نے تمہے مہموت
 ابرہا ہوا تھا۔ تمہرے رنگ ہوم کے ڈاکٹر سے بھی کچھ
 بات کا علاج کر رہا تھا۔ ڈاکٹر تمہیں بتائے گا
 ہاں! رات چھ گھنٹے کی کوششیں کی گئی تھیں۔“
 ”ماہل سفید ہو گیا۔ صاف معلوم ہوا تھا کہ وہ
 ماہر میں مبتلا ہے۔ اس کا ذہن تو میری پاؤں کو روت
 ہاں! کچھ نہ بولتے ہیں تو کامران کی محنت کی سب

”میں نہیں سمجھتی کہ اسے اپنے ساتھ لے جا کر کامران کی
 اپ رکھا دیتی لیکن اس طرح اس کا جو کچھ خطے
 ہی تھی کہ وہ کسی حاصے سے دوچار ہو پڑا۔ اسے غلبہ
 ہوا تھا کہ وہاں سے روانہ ہو گئی۔ میں نے اسے یہ
 کہا تھا کہ کامران نے مجھے اپنے گھر پر بلایا ہے۔ اگر میں
 ان زمین میں نکلنا کہ وہ میرے پیچھے مجھے وہاں پہنچا
 ہو گی۔ میں نے وہاں سے دوڑ کر دوڑ کر اپنے اہل خانہ
 کو کر لیا۔ میں نے تنہا ڈاکٹر فرنگ سے کچھ لینے
 روانہ کا ہم ہوا تو وہ میری کمانی محنت پر رشہ کئے

نے کامران کے گھر کے سامنے کاروں کی ٹوسٹ بکرا لیتے
 ”اچھا بندہ کہے کہ میں سے وہ کیسپول نکالا جو
 مجھ لیا تھا۔ وہ نے ہائی کے بغیر ہی اٹھ لیا اور اسے
 اسے اطراف کا جائزہ لیا۔ اور وہ کھڑکی کا شیشاں کھڑکی
 کو لے آئی۔ علامت نظر نہیں آتی جس کی بنا پر مجھے یہ
 لوگوں کا گھڑیاں ڈاکٹر فرنگ کی ہیں۔ کانی میکے
 ان میں ڈاکٹر فرنگ کے آدمی آئیں کہیں سنبھالے ہوئے

تیار تھے ہول کے لیکن مجھے ہر گز خیالی نظر نہ آتی۔ میں نے سوسپا شام
 وہ ادھر ادھر چھپے ہوئے ہوں گے اور انہیں اس بات کا انتظار ہوگا کہ میں
 کامران کے گھر میں داخل ہوجاؤں تو وہ انہی کا ڈیوڑھی میں جا رہی ہیں اور
 آئینے میں سنبھالیں۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی ہنگامہ سوسپا ہوتا تو کسی وقت ہوتا
 جب میں کامران کے گھر میں داخل ہوجاتی۔

میں نے دھڑکنے والے کے ساتھ کامران کے گھر کے دروازے پر دستک
 دی تو دروازہ اتنی جلدی کھل گیا جیسے کامران دروازے ہی پر موجود ہوا۔
 ”تشریف لائے! وہ مسکراتا ہوا ایک دم مجھے پٹے لگا۔ یہ میری
 خوش قسمتی ہے کہ ان دروازوں کی تست جاگ رہی ہے۔“
 میں مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ کامران نے جلدی سے
 دروازہ بند کر لیا۔ میری نگاہیں ایک صوفے پر پڑ گئیں جس کا رنگ بری
 مخالف سمت میں تھا۔ صوفے کے اوپر لٹھکتی ہوئی ”سینگول“ دھوئیں کی کپڑے
 ظاہر کر رہی تھی کہ صوفے پر کونٹ نشیں۔ تب میں سڑکتی پڑی پڑھا۔

کامران نے میری دروازہ بند کر لیا۔ یہ تھا کہ اندرونی دروازے سے
 دروازہ کی سیسٹن سے آئے۔ ان کے ہاتھوں میں ریلوے موجود تھے۔ وہ
 ان کی ناپس پیری طرف اٹھی ہوئی تھیں۔
 ”مگ۔ کیا مطلب؟ میں اس طرح اچھل پڑی جیسے یہ سب
 کچھ میرے لئے انتہائی غیر متوقع ہوا۔“

”اس وقت کامران نے چھپتے گھر پر اس کی جھینپ لیا۔
 ”دشیاں کامران! ایک ریلوے والا ہوا۔ پر میں پستول مفرد ہوگا۔
 ”یہ سب کیا ہے کامران! میں غلبی آواز میں بولی۔
 لیکن کامران نے مجھ میں کما اس کا چہرہ بالکل ساٹا نظر آتا تھا۔

”برقہ کے جذبات سے بھر پور تھی!
 ”کیا تم لوگ مجھے دشنا جانتے ہو؟ میں غزنی اور کنگھوں سے اُس
 صوفے کی طرف بھی دیکھا جس کے اوپر بنگلوں دھوئیں کی بکری چار دیوڑھی
 ”یہ بات نہیں ہے۔ میں مسکراتا ہوا صوفے کی طرف سے کھڑکی پر
 سی کا ڈاکٹر فرنگ کے ساتھ ہی وہ شخص صوفے سے کھڑکی پر کھڑکی پر
 میں جیسے تھے اس کی بات میرے خواب دخیال میں بھی نہیں
 تھی کہ ڈاکٹر فرنگ میں خود موجود تھا۔ لیکن اس بات کا یہ چل جاتا تو
 میں اس سے پٹنے کے لئے دوسری قسم کی تیار کر لیتی اور بلاشبہ تیاریاں
 ایسی ہوتیں کہ ڈاکٹر فرنگ کو یہاں سے بچ نکالنا ہرگز نصیب نہ ہوتا۔

”غالباً تم نے معاملے کی فوجیت سمجھ لی ہوگی، ڈاکٹر فرنگ نے
 آہستہ سے کہا اور مجھے اس کی آنکھیں کسی زمرے سانپ کی طرح چمکی نظر آئیں
 اس کے بعد چند لمحوں کے بعد کہے پر ایک دو گھنٹہ سکوت طاری ہو گیا۔
 آج ڈاکٹر فرنگ کی آنکھوں میں بیباک تھیں۔ میں نے انہیں اور وہ
 ٹانگ کے ہالے کھڑا ہوا تھا۔ اس کی رنجت میں بیباک تھیں۔ اس کی کھڑکی
 اور چہرہ سنا ہوا تھا۔ وہ پہلے کی نسبت کچھ کم زور نظر آ رہا تھا لیکن اس کی کھڑکی
 سے ہلکی دھنگ اور دھشت ٹپک رہی تھی۔

۲۰ لنگ جو کہتے ہیں، وہ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ تم چھٹاؤں پر۔

مال میرے پاس، تعمیل کے سوا کوئی
سے آخری اور پہلے ہی کی طرح دوزانہ
بانی مارکیٹ تھے، نئے گائیڈ کی آبادی
میں سے کہیں زیادہ تھے۔

میں نے "عجبر" نام کی حرف ایک سے سنی۔ ایک لڑکے نے کہا تھا کہ "عجبر" نام کی حرف ایک سے سنی۔ ایک لڑکے نے کہا تھا کہ "عجبر" نام کی حرف ایک سے سنی۔

سنی جیسے ملی نے جست لگا
پر ٹوٹ پڑی تھی میکن پھرا
ہت سے شمار تنہا شمار

مدغم ہو گئیں۔ اس
تو میں نے اپنے
محبوس کیس۔ ڈاکٹر
اگر میں اُن چوبوں کا

بائیں سن کر میرا دل
ڈاکر فونگ کھڑے
کاپڑا پورا موقع ہم
اپنے اپنے بلوں میں
رکھا۔ اگر میں پندرہ منہ

ہی ملتیں لیکن ہمیں یہ
 نہیں کروں گا یہ
 میں خاموش رہا
 کے بعد اب میری طمانتوں کے
 ”خاموش رہا“

میں بولا بد تمہیں اپنے مرنے
 میں کو شش کرد
 میری دوسری ٹانگ کبھی تقریب
 ڈاکٹر فونگ نے غور
 شک نہ ہو کہ یہ تر

جو اپنے قریب چو ہے کا دُور ہے
کہ تم اپنی قسمت سے نہیں بھاگ سکتے
ٹانگ کا ضائع ہونا میرا مقصد
انجام بھی لکھا گیا تھا۔“

اپنے خوف پر قابو پائے ہوئے ہو کر
ظاہر ہو جانے دیتی تو عین ممکن
کا شکار ہو جاتا اور شاید کہیں یہ
اسکان پیدا ہو گیا تھا۔

مطابق مجھے دکھائے ہوئے اتنی دیر
نے والا تھا پسینہ آتے ہی میرے جسم
سے جھپٹا کر میرے جسم پر
میری بایں آستین کے کف

حس کر عجب کھلی کہ میرے دائیں ہاتھ
 رہیں۔ بنیڈ نکال کر میں چرتی تسمک

31

میں نے بڑی آہستگی سے اپنی سیڑھیں اتاریاں اور انیس گڑی کے پاس ہی جھڑکڑنے پاؤں دوانے کی طرف بڑھی۔ دوانے کے قریب ٹوک کر مجھے اس وقت کا اشتہار کرنا تھا جب کمرے میں روشنی ہوئی اور ڈاکٹر فونگ اندر آتا۔

کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ مجھے کب تک اشتہار کرنا ہوا لیکن اس کے سوا کوئی صورت ہی نہیں تھی کہ میں اشتہار کرتی رہوں، سوشل اشتہار کرتی رہی۔ میرے غریب کی نیس باب تدم پر بھی نہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ میں اُن کی علانی ہوئی ہوں۔ میرے جسم سے وہ بگ بگ سی گوب بھی خارج ہو رہی تھی۔

ڈاکٹر فونگ نے کہا کہ وہ بھی کہنے کی کسرے میں روشنی نہیں کرے گا لیکن مجھے اس کی بات پلٹیں نہیں تھا میں کچھ رہی تھی کہ وہ کہنے آدھ گئے میں ہی اندر آ گیا۔ اُسے میری کچی ہوئی لاش دیکھنے کے لیے بے چین ہو جانا چاہیے تھا۔

میرا یہ اندازہ درست ہی ثابت ہوا۔ غالباً ایک غصہ زار مہوگا کہ کمرے میں روشنی ہو گئی۔ میں نے کمرے سے دوانے تک فریض پر اپنے خون کے جھپے دیکھے جو ابھی پوری طرح خشک نہیں ہوئے تھے۔

تھی جس کو غم نہیں رہا جا سکتا تھا۔

میری یہ خوش قسمتی تھی کہ فونگ کی بیٹی نہیں آتا تھا۔ فونگ نے ان دونوں کو کسی کام سے کی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دونوں عمارت کے اشتہار کا کر رہے ہوں۔

جب تک کہ اس کی بارش کرنے کر سکتے ہیں۔

فونگ کو کھوہو کر اگ کمری ہو گئی اور اس نے حاکم خشک کرتی ہوئی غرائی سے کھڑے ہوا ڈاکٹر فونگ لیکن فونگ کی حالت اتنی تباہ ہو چکی تھی اٹھنے سے نامرد بائس کا چہرہ لوہاں ہو گیا تھا بڑا ایسا بگ نظر آ رہا تھا اس کے پیٹھے ہوئے ہے، بسے تھے اور انہوں میں لغت و غصہ کا بھلا نے اٹھنے کی کوشش کی تو اس کے کمرے سے چل نہ رہا تھی اسے شدید اذیت سے دوچار مانا کے شافون پر گرنے کے دار کر کے اسے کہہ دیا تھا۔

۱۔ ہمیں کہہ سکتی تھی کہ میری عدم موجودگی میں فنگس
اُسے پہلے مارے گا۔ اگر میری موجودگی ہی میں
اُنہاں سے بچنے کے لیے پوری طرح تیار تھی۔
۲۔ اب گالیاں بکنا بدتر کچھ نہیں۔ غالباً وہ
میں سے اپنے جیسا کہ انجام پر بخیر کرنے لگا ہو گا۔
۳۔ اگر اُن پر بڑے ہونے ایک برس پہلے ہو جاتی۔ وہ
اس اکثر فنگس کو گھبراہٹا۔ غالباً اس کی وجہ سے
اُن کی حرکت تھی اور اُسے اٹھا کر کھڑکی پر ہونی پڑی
۴۔ برس کے دو ہفتوں میں سے ایک میں فنگس بھرے
سے میں ایک لگانہ رکھا تھا۔ میں اسے
اور میں سے کچھ کاغذات مل گئے۔
۵۔ اُنات ہی تھے ایک تو چار باغ صفحات پر
۶۔ مرنے والا ایک، ایک ناک کا تھ تھا۔ اس
کے ایک مقام پر دائرہ بنا ہوا تھا اور وہ مقام

۱۔ ارہے میں بڑی حقارت سے نہی۔
۲۔ لوگ ملحق ہوا کر جینا۔ میرے آدمی تجھ سے
۳۔ ایک خرفناک بیخ کے بوٹ خرم کا جملہ لپا

”میں آدھے غصے لہر دیتی جیلاؤں کی فزنگ! میں نے مضحکہ اُڑانے والے انداز میں کہا کہ اتنی دیر تو قہوں کو برداشت کر لو!“ فزنگ کا لیاں بکتا ہوا، چھٹا چلتا رہا اور ادھیں اس سے غلطی ہوئی رہی۔ اپنے وطن کے ایک دشمن کو بلاں میں ناک اہلہم سے دو چار کرنے کے باعث میں بے مدحوش تھی، تنگ دشمنوں کا جو دردناک کبڑوں کی طرح ہوتا ہے جنہیں اسی طرح تسلیم دینا پڑا ہے۔ اس وقت مجھے کایا جیک یاد آیا۔ میں دل کی گہرائیوں سے اس کی غمناں تھی۔ کاش وہ اس وقت یہاں ہوتا اور اپنے ”مخلی فزنگ“ کی حالت دیکھتا جس نے اب گڑ گڑا کر دم کی جھیک بکھنا شروع کر دی تھی۔“

”فائز فزنگ!“ میں نے سرو پیس میں کہا کہ ”دعوتِ انسان کو گون پر کیا مانتا ہے جو خود بھی دُعا کرنا جانتے ہوں۔ سانپ پر کوئی دُعا نہیں کرتا۔“

یہ جوبل حسن کو فزنگ پھر کالوں پر آتا تھا۔

نہ ملے گا۔ جہاں کریش ہوئے تو اس کے بغض ساز فائدہ میں پہنچ جاتے اور بعض واقعات صرف ٹھوکر کا کر گرنے سے آدمی کی حرکتِ قلب بند جاتی ہے۔

لی مارکٹ کی وہ علامت اس طرح منہم مہرئی تھی کہ پہلے کا ڈھیر تھی لیکن منبر سے جرم پر مبنی مولوی خرم بخش نے انہیں۔ لی مارکٹ کے نقشے پر دینے والوں کو اس علامت کی تباہی جو خارجِ باب ہو گئی تھی ان لوگوں اس علامت کا علم دیکھا تھا کیا وہ تصور کر سکتے تھے کہ اس ڈھیر میں سے لی زندہ نکلا ہوگا؟

”اُئی سے جھٹ آؤٹ“ ایہ ہنر گرجی۔ جب تم عورتوں سے
 گفتگو کرنے کے ادب سیکھو تو میرا بیان پسند آجائے گا۔
 ”تم اپنے آپ کو بڑے حسرت سمجھو!“ افسوس بھی گرجا۔
 ”وہ کس جرم میں؟“ میں نے مضحکہ اُٹانے والے انداز میں پوچھا۔
 ”نیم ایکڑ اسی عمارت میں داخل ہوئی تھیں جسے خدو ش قرار
 دیکر خا کر دیا جا چکا تھا۔“

”ہمارے منشی کو بھی تو ایسا بوسہ لگانا ہے لہذا دنیا کی کوئی عدالت مجھے مجرم ثابت نہیں کر سکتی۔“

”تم مجھے قانون پر جانے کی کوشش مت کرو۔“

ہماری یہ لاشیں گنگنا جاری کی تھی کہ کٹر بڑی سے چلتا ہوا ہمارے قریب آیا اور ہمارے آٹھ کر بولا: ”خاموش، پلیز خاموش! کیا آپ لوگوں کو یہ احساس نہیں کہ یہ جہول وارڈ ہے اور یہاں صمت سے مریض موجود ہیں۔“

یہ حقیقت تھی کہ ہماری اس لہذا رائفنگھوسے کئی مریضوں کی آنکھ کھلی گئی تھی جبکہ مجھے ہوش آیا تھا تو وہ سب سو رہے تھے۔

اب ان کے پاس سے جس طرح کا بے خوفی سے گزریں۔
 "میں آپ کی ملازمت کو حراست میں لے رہا ہوں۔" پولیس آفیسر نے
 ڈاکٹر سے کہا۔
 "آپ انہیں بے حد شوق حراست میں لیے ہیں لیکن آپ کو یہاں پر
 شور مچانے کا اختیار ہرگز نہیں ہے۔" ڈاکٹر نے خشک لہجہ میں کہا۔
 "ڈاکٹر! میں نے تم سے کہا ہے کہ میں یہاں سے تو لو چھوڑ
 کر یہاں آ گیا ہوں۔" ڈاکٹر نے حراست میں لے سکتے ہیں۔
 "میں صرف ایک ٹیلیفون کر کے انہیں اتار رہا ہوں۔" ڈاکٹر نے کہا۔
 آفیسر نے غلا ہنرٹ دیا تو اس میں دبا کر کہا۔
 "ڈاکٹر! آپ انہیں ایک فون کرنے کی اجازت مفرد دیکھیں اور

اے آئیسر! جس سے میری تمام اختیارات حاصل کر دے گا اے میرا نام اور پرتے
 اور بتا دے گا شاید اسے یاد آجائے کہ جو عرصے قبل مجھ پر یہ یاد رکھ کر دے گا
 میری گفتمانی کا وارث جاری کیا تھا تو اے کسی شرمندہ کی یاد پرستانی
 اٹھا کر ہی تم سے
 آئیسر مجھ کو نہ دے گا۔ شاید وہ مجھے کسی کی کوشش کر رہا تھا کہ میرے
 لیے کیا مہنی رکھتے تھے۔

میں نے اس سے کہا کہ تم اس معاملے سے قطعی بے خبر معلوم کرتے
 اس لیے میری باتوں کو نہ سمجھ کر کہیں کہیں کوئی پولیس کے بڑے افسران
 یا جیمو بانڈ کے اسے اسے بھی طرح واقف ہو چکے ہوں گے۔ جا کر انہیں اطلاع
 دے دو کہ تم میری بات کو کڑھ کر سمجھتے ہیں ورنہ ہوں گے۔

پولیس آئیسر کہے کہ میری بی بی سے کہہ دو کہ اسے میری طرف رجوع
 کرے۔ اس کے اندر اس بات کی کوئی گنجائش نہیں تھی کہ اسے کاشناں دے دے گا۔

طوبی

کالنگش ایک بہترین ذریعہ ثابت ہوتا۔ صبح جب

ہفتے ادھ ہتے تک انھیں بندھے پر پی لیا گیا۔

نرس میرے بازو میں اچھلت نکلا رہی تھی تو میں نے اسے روک دیا۔

”آپ کافرون غیر؟“

میں نے اسے فون نمبر بتا دیا۔
 ذرا محمد انکسٹر: لیکن اس کے بعد سرخ دھوئے کی

عین بند کر لیں۔ میرے کانوں میں ڈاکٹر کے دھبہ ہوتے

ایسے کہتے رہے ہیں۔ بالآخر وہ معذم ہو گئیں اور اس
 یوں کی کھٹ کھٹ سنائی دینے لگی۔ میرے ذہن،

اما جادہا تھا۔ کھٹ کھٹ کی آوازوں پر اس غبار کی تباہی
اور احاسات غمی اس کے سینے دب گئے۔

صبح جب میں بیدار ہوئی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی۔

سے میں اس بات سے بے خبری رہی تھی کہ رات کو کہ

کبرے میں ٹانگوں میں کی مدھم ٹمک ٹمک کے سوا

میں نے اندازہ لگایا کہ اسپیشل ورڈز میں منتقلی

لکھنؤ، ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء

نہیں تھی۔ مجھے تو یہ سوچنا تھا کہ اب مجھے کس نامزد میں لکھنا

مجھے زیادہ نہیں سوچنا پڑا اور میں نے پولیس

لاخیر عمل مرتب کر لیا۔ اب نام پرپس سوا سات بیٹے باقی تھے۔
میں اپنی پنڈلی اور کولہے کے زخموں میں مکی،

کرتی تھی۔
ساتھ سات بچے تھے جب کہ کڑے کا دارا

نوعمر نرسا۔ داخل ہوئی۔ میں نے اپنی عادت کے طے
نظ سے دیکھا۔ وہ ایک قبولِ مصرت اور خوش بدن الما

و قبح غیر عالم با و د سکر اگر بوی -
و صبح بخیر و د سکر اگر بوی -

منشغل کیا گیا تھا۔“

بجانب مہینہ

۱۱۔ ہم یہ دیکھیں کہ ہنس کر کہا۔

۱۰۱
 ۱۰۱ مرہمے ہوئے ہیں۔ وہ شاید آپ کا بیان لیں

اس کو سوار روئے پر حیرت نہیں ہوئی تھی۔

ہمارے لیے میرا چہرہ صاف کیا اور مہر کیلور کے

۱۰۱۔ اے عجب دیا۔

ایسا پہلا کی مارکیٹ کی اس عمارت کے اندر
ایسا شائع ہوئی تھی میں نے پوری خبر پڑی توجہ

۱۰ لالہ زکریا خان نے ایک بڑی بستی بنائی جس کا نام لالہ زکریا خان آباد ہے۔

۱۰۰

اس امر کو تو ایک ڈاکٹر مجھے دیکھنے آیا یہ ڈاکٹر

الفصل في معرفة النعمان والنعمة

۱۔ کہیں جے اسپتار حامد کے اہول سے

اُسے اُڑے ہاتھوں لیا تھا تو اس کے سارے کس بل نکل گئے تھے۔
 آج وہ دوسری مرتبہ سر سے سامنے آتا تو مرتبہ بچہ نہ لے سکتا تھا۔

آپ کون ہیں ؟

ملکہ! پولیس کو ہر شہری کا احترام کرنا چاہیے۔
 "میں اپنی غلطی پر تادم مومن" پولیس آفسر نے ہنسنے لگا۔ "آؤ، ہم جہاز لے لیں۔"

گو کہ میں نے غلط بیانی سے کام نہیں لیا تھا لیکن خدا سا پڑ مزل ہو مٹی مٹی

”رہی کارروائی ہے“

میں نے اس عدالت میں اپنی موجودگی کا وہی جواز پیش کر دیا جو میں
 لائیکس کو تباہی تھی۔ میرا یہ بیان خاموشی سے نظر کر لیا گیا اور کار

”بہت بہت شکریہ“ ایس پی لولا۔ ”اب میں اجازت دیجئے“

”دوسری بات یہ کہ میرے کچھ کاغذات شاید آپ کے پاس ہیں۔“

رواں اور کاغذات نکال کر میری طرف بڑھا دیے۔

”دوراصل ڈاڑھ لیس آفیسر لڑا یہ کائنات میں نے یہ دیکھنے کی

ال کو واپس کیوں نہیں کیے؟

315

بارہ تھی۔ میں نے کٹھ سے کہ انھیں بند کر دیں۔ میں نے سوچ کر ہی تھی کہ اس وقت تک کے سرنے کا مطلب سارے جھگڑے کا خاتمہ ہو کر نہیں ہو سکتا۔ لیکن فرنگ کے پیغمبر کا ایک جڑو تھا اور وہ تعلیم بہر حال ختم نہیں دیتی تھی۔

وزیر خارجہ سے گفتگو کے بعد اب مجھے اس بات پر عمل یقین نہیں تھا کہ اس وقت فرنگ کی پشت پر ہی آئی ہے جسے اب تو یہ امکان بھی پیدا ہو گیا تھا کہ وہ کے جی بی بی کا ایجنٹ رہا ہو۔

مجھے ان باتوں پر غور کرتے ہوئے خاصی دیر ہو گئی اور پھر پر ضرورتی طور پر ہونے لگی۔ شاید کسی سوچی جاتی لیکن اس کی گنجائش ایک عجیب سا احساس تھا۔ یہ معلوم ہوا تھا جیسے کہ جی بی بی میرے کچے کے پیچھے والی ہو رہی ہو۔ کیونکہ میرے دل کی دھڑکنیں غیر عادی ہو گئیں اور مجھے اس کی کوئی شبہ نہیں رہا۔ اگر میری پشت پر کوئی شخص جو جوتا جاتا ہے تب ہر کیچے کے پیچھے ہاتھ ڈال رہا تھا۔

میں نے بڑی سرعت سے اپنے جسم کو ہٹا دیا اور انداز سے اس کی جگہ پر ہاتھ ڈالا جس سے وہ سا معلوم ہوا تھا کہ کیچے کے پیچھے داخل ہو رہا تھا۔ یہ حرکت کرتے ہوئے میں نے سوچ لیا تھا کہ کیچے کی کسی خرابی کی وجہ سے حال کا خراب کرنا پڑ سکتا ہے لہذا میں اس کے لئے پوری طرح تیار نہیں۔

میرے ہاتھ نے ایک کلاں کو اپنی گرفت میں لے لیا اور اس کے ساتھ ہی ایک دلی دلی کی مشین پر میری ممانعت سے نکلتی۔ میں نے بڑی جرات سے دیکھا کہ وہ کلاں زور سولتی ہی تھی۔

میں... میں تو... اب کا نتیجہ... جھپک کر ہی تھی... سولتی وہ اپنی ہو گئی اس نے پناہ مانگنے کے پیچھے سے نکلتی کی کوشش کی تو میں اس کی کوشش میں مددگار نہیں ہوئی۔ ہاتھ کیچے کے پیچھے سے نکلا تو خالی ہی تھا۔

میں نے مسک کر اس کی کلاں چھوڑ دی اور دلی بی بی میں سمجھتی تھی میرے کمرے میں کوئی چور کس کا کیا ہے؟

”میرا بیان... کوئی چور کیسے آ سکتا ہے؟“ سولتی ہانپتی تھی۔

مجھے اس کے سینے کا زور دم بڑا چلا گیا اور میں نے دوبارہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے پتہ نہ رہا۔

مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ وہ میرے ڈنوں کی ایکینت تھی۔ یہ کیسی شے کہ کابھانہ تو بڑا پکا ہوتا تھا۔ حقیقتاً اسے تو فرنگ کے کاغذات دے کر دیا تھا۔

”تم بہت پیاری لڑکی ہو۔ میں نے مرگئی کی اور اس کے صدمے میں ہائیں ڈال کر اسے اپنے اوپر چلا گیا۔ پھر میرا ایک ہاتھ تو اس کے پیچھے سے چھو کر اسے لگا اور میرے ہاتھوں نے اس کے ہاتھوں سے منگھو کر لیا۔

”یہ... یہ ایک...“ وہ کسان کی اور اس نے میری گرفت سے

نکل گیا۔

”سولتی! یہ اپنی گرفت مضبوط کرتی ہوئی ہوتی ہے۔ اسے تو خفا بہت ہی سے ملتا ہے۔ اب دیکھو نا“ میں ہسپتال کی آٹا اس بات کی شکایت نہیں کر سکتی کہ تم نے میرے کچے کے دھپے لگانے کی کوشش کی تھی۔

”اب غلط سمجھ رہی ہیں۔ میں نے تو سمجھا...“

”بھئی کی سی باتیں مت کرو۔ اگر تم ہٹ دھرمی کا وہ جی تو میں ہسپتال کی نظا میں سے شکایت ضرور کروں گی۔“

سولتی کیخفت ڈھیل چلی گئی اور اس نے میرے ہاتھ پر جرحیت کو بھی برداشت کر لیا۔

”بس جاؤ“ میں نے زوردار لہجے سے خود کو کہہ دیا لیکن یہی بات نہ جانتے ہوئے کی کوشش ضرور کرنا۔ پھر وہ انسان بھاگتا ہے۔

”جی... جی ہاں“ وہ میری اس حرکت سے ہلکا سا تیزی سے چلتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

میں نے وقتی طور پر اپنی تفریح طبع کا تھوڑا سا سامان لیا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں خاصی پریشان ہو گئی تھی۔ یہ حرکت کا مطلب یہ تھا کہ فرنگ کے کسی آدمی میرے پیچھے آ رہا تھا۔ میں ان کاغذات کی فکر دھکیلتی تھی۔ سولتی کی ناکامی نے بہت حد تک اسے اطمینان دیا تھا۔ میرے کچے کے ہاتھوں پر وہ کلاں کھڑکی کی کھلی ہوئی پر حاصل کرنا چاہتے تھے جو کاغذات فرنگ کی کھلی ہوئی ہوتی تھی۔ ان کی ایکینت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

میں غصہ کر رہی تھی کہ ان کاغذات کی حفاظت میرے ہاتھوں سے ہوتی ہے۔

دو دن میرے کچے کا دھڑا بڑی پریشانی کا انداز لے رہا تھا۔ میرا دل شاید پوری قوت کے ساتھ میری ہسپتال سے نکل گیا۔ دو دن اسے کی طرف سے کچھ نہیں ہوا۔ میرا جوش بے اختیار ایک دلی ہو گیا۔

کمرے میں داخل ہونے والی غزالہ تھی۔ اس کے ہاتھ آڑا ہوا تھا اور وہ حواس ہانتہ تھی۔ وہ میری طرح میری اس طرح میرے اوپر چھائی جیسے مجھے تو دنیا کی ساری باتیں کو لینا چاہتی ہو۔

”بانا! اب تمہیں کیسے نا بانا؟“ وہ گویا لڑکی تھی۔

میں نے اس کا ہاتھ ڈالا اور دیکھا تو اسے دھڑا ہاتھوں سے گزردے سے بچنے لگا۔ وہ میرے پیچھے سے پھر گئی۔

اس کے کلاں پر گزرتی ہوئی تھی۔ پھر اچھے کیا۔ غزالہ کی جبر تر گم ہوئی۔

مجھے بس اتنا بتایا گیا تھا کہ آپ کوئی مارکٹ کی

ال میں ہیں۔ غزالہ نے پھر اپنی ہوتی

میں نے اب کے گھر فرنگ کیا تھا۔

”اب میرا کارڈ لائون پینج کیا ہوگا۔ اگر ایک سے مطابق ہرگز یہ نہیں بتائی کہ

غزالہ وہ غزالہ جو لڑکی ہے۔ پتہ نہیں

میں نے مسک کر کہا۔

”اب آپ کے؟“ وہ میرے سینے سے

ال لہ۔

میں نے جو دو ایک روز میں ہی ٹھیک

ان کا شام تک رہا ہے۔

لکھا ہے میرے سینے کو پیچھے

غزالہ کے حال پر دکھ دیے۔ یوں

ہو۔

”وہ سرخشا کر شا کی نظروں سے

میرا اپنے جذبات کی شدت ظاہر

ماہر ہو گیا ہے۔

ان کی ایکینت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

میں غصہ کر رہی تھی کہ ان کاغذات کی حفاظت میرے ہاتھوں سے ہوتی ہے۔

دو دن میرے کچے کا دھڑا بڑی پریشانی کا انداز لے رہا تھا۔ میرا دل شاید پوری قوت کے ساتھ میری ہسپتال سے نکل گیا۔ دو دن اسے کی طرف سے کچھ نہیں ہوا۔ میرا جوش بے اختیار ایک دلی ہو گیا۔

کمرے میں داخل ہونے والی غزالہ تھی۔ اس کے ہاتھ آڑا ہوا تھا اور وہ حواس ہانتہ تھی۔ وہ میری طرح میری اس طرح میرے اوپر چھائی جیسے مجھے تو دنیا کی ساری باتیں کو لینا چاہتی ہو۔

”بانا! اب تمہیں کیسے نا بانا؟“ وہ گویا لڑکی تھی۔

میں نے اس کا ہاتھ ڈالا اور دیکھا تو اسے دھڑا ہاتھوں سے گزردے سے بچنے لگا۔ وہ میرے پیچھے سے پھر گئی۔

اس کے کلاں پر گزرتی ہوئی تھی۔ پھر اچھے کیا۔ غزالہ کی جبر تر گم ہوئی۔

مجھے بس اتنا بتایا گیا تھا کہ آپ کوئی مارکٹ کی

تھے سولتی کیخفت پریشان توں کو اپنی ناکامی کی اطلاع دے ہی ہو۔

یہ اطلاع سننے ہی وہ فک پر اندازہ لگا چکے ہوں گے کہ میں نے سولتی کو محض بعد وقت بتانے کے لئے اس پر چڑھنے کا الزام لگایا ہے۔ وہ حقیقتاً

میں اس بات کو سمجھتی تھی کہ سولتی نے حاصل وہ کاغذات حاصل کرنا چاہے تھے۔ یہ سمجھ لینے کے بعد میرے لئے ناگزیر تھا کہ ان کاغذات کو کسی خوفناک جگہ پر رکھنے کی کوشش کروں اور اس کام کے لئے میں اپنے کسی ملاقاتی کی کوئی کارڈ بنا سکتی تھی۔

یہ انداز سے قائم کرنے کے بعد میری خیانت میرے ہاتھوں پر لڑکی کیخفت خشتہ میں ہونے کی صورت میں میرے ہاتھوں کو خرابے کا بھی سامنا کرنا پڑ سکتا تھا۔ ایسی صورت میں کیا یہ مناسب ہوگا کہ میں غزالہ کو ان خطرات کے سامنے کھڑا کروں؟ وہ کیا پختہ کار لڑکی تھی۔ وہ اپنی حرکات و سکنات سے ہن لوگوں کو اپنی طرف سے متوجہ کر رہی تھی۔ اس سے کھلنے کا صرف ایک طریقہ تھا۔ میں اسے یہ احساس ہی نہ ہونے دیتی کہ وہ کتنا اہم کام کر رہی ہے۔

”غزالہ! یہ میں نے اس کی ریشمی زلفوں سے کیچلتے ہوئے جڑے پیار سے کہا۔ کیا تم میرا ایک چھڑا سا کام کر دو گی جان؟“

”میں تو شاید اب آپ کی غزالہ کی جان بھی بچے سکتی ہوں یا نا؟“

اس کے پیچھے میں محبت کا لٹکنا تھا۔

”فی الحال کوئی ایسا سنگین مسئلہ نہیں ہے کہ تمہیں اپنی جان دینے کے امکان پر غور کرنا پڑے۔“ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

”اب بلیڈ سے قوسی کچھ کیا کرنا ہے؟“

”ہسپتال کے قریب کہیں کوئی ایڈیشنری کی کلاں ضرور ہوگی۔ میں چاہتی ہوں کہ تم مجھے ڈاک کے دوڑے لٹاؤ۔ دو دن کاغذات کا سامان خفقت ہونا چاہیے۔ بلکہ چار لٹاؤ لے آؤ۔ دو تو ایک سائز کے ہوں اور دو اس سے بڑے ہوں۔“

”کیا ابھی لے آؤں؟“

”قرا۔“

وہ آٹھ کھڑی ہوئی۔

”فی الحال پیسے اپنے پاس سے جمع کر دینا۔“ میں نے ہنس کر کہا۔

”بعد میں خود واپس کر دوں گی۔“

غزالہ سولتی ہوئی چلی گئی۔

اس کے جاتے ہی میں نے ڈاکٹر فرنگ کے کاغذات کیچے کے پیچھے سے نکال لیے۔ گو کہ میں ہسپتال کے کمرے میں ان کاغذات کا جائزہ نہیں لیتا تھا۔ جی نہیں لیکن اب یہ ضروری ہو گیا تھا۔ میں غزالہ کے گزیرنے کے بعد کاغذات کو کس روانہ کرنے والی تھی اور اس کے بعد یہ کاغذات مجھے تین چار روز کے بعد ملنے یقین سے نہیں لگا جاسکتا تھا کہ ان میں چار دنوں میں حالات کیا رخ اختیار کریں گے۔ اگر مجھے ان کاغذات سے

کچھ نکتے معلوم ہو جاتے تو کچھ حکام میں حالات کے شرع بدلتے ہوئے۔
 دھاروں کا آسان سے متاثر کر سکتی۔
 میں نے سب سے پہلے تفتے کا جائزہ لیا جس میں موٹر سرحد
 کے ایک مقام پر سرخ نشان لگا ہوا تھا جس نے بات اپنی طرح زہن
 نشیں کر دی کہ وہ نشان کس جگہ پر لگا ہوا ہے۔ اس کے بعد میں نے چار
 پانچ صفحات پر مشتمل اس خط کا جائزہ لینا شروع کیا۔
 وہ خط انگریزی پر تھا اور خطاب کسی مشور کی شاگ پر لکھا
 معلوم ہو رہا تھا۔ وہ پورٹ "لاغر بے" نام کے کسی مقام سے بھیجی
 گئی تھی جس میں مختلف قسم کے گوشوارے شامل تھے۔ ان میں سے کچھ لکھا
 گیا تھا کہ مختلف قسم کے سامان کی کتنی مقدار شاگ میں موجود تھی۔
 وہ خط تقریباً نو دوڑوں پر تھا کیونکہ ڈاکسٹرونگ جیسے آدمی
 کو اسے فضول باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی تھی۔
 میں ان کو نو دوڑوں کو سمجھنے سے ناامید تھی اس لیے سامان کی
 نوعیت اور گزشتہ سال کی تفصیل سمجھنے سے ناامید رہی۔
 یہ بات میرے لیے غامضی و پمپ تھی کہ وہ خط لاغر بے نام کے
 کسی شہر سے بھیجا گیا تھا۔ یہ بات کسی شے سے کم نہیں تھی۔ میں ناغرب
 نام کے ایک شہر سے بھی طرح واقف ہوں لیکن وہ صوبہ پاکستان سے
 بہت دور یورپ میں واقع ہے اس سے میں نے نتیجہ اخذ کیا کہ
 "لاغر بے" بھی کوئی گورڈ تھا۔ پاکستان میں کسی شہر کو ان لوگوں نے
 لاغر بے کا نام نہ دیا تھا اور یہ بات میں یقین تھی کہ وہ ضرور ہندو
 میں واقع تھی۔
 میں نے ایک بار پھر نقشہ دیکھا لیکن وہ نشان کسی شہر پر نہیں
 لگایا گیا تھا۔ میں نے ان شہروں کے نام زہن نشیں کر لیے جو اس
 نشان کے پاس تھے۔
 ان کاغذات سے میں مزید معلومات حاصل کرنے سے ناامید
 تھی لہذا میں نے انہیں تھک کر کے ٹیکے کے نیچے دکھایا۔
 غزلا میں ایک شہر نہیں لکھا تھا، لیکن جہاں ہے اسے قریب و جوار میں
 ابیشیری کی کوئی ڈھکان نہ ملی، مگر اس لیے وہ میں کو مدلل لگتی تھی۔
 میں اس کے جانوں میں ڈوبی تھی کہ اچانک کسے کا
 دروازہ کھلا اور زنی چوڑوں کی دھمک کے ساتھ دو فوجی آفیسر کے
 میں داخل ہوئے لیکن ان کی دلیوں پر لگے ہوئے نشان اُنہیں ابیشیری
 پولیس سے متعلق ثابت کر رہے تھے۔
 میں انہیں دیکھ کر نہ صرف چونکی بلکہ میرے جسم میں سنسنی بھی
 پھیلی چلی گئی۔
 "معاذ کیسے گا؟" ایک "بفر لولا" کیا آپ صبیحہ پالو ہیں؟
 "جی ہاں" میں انہیں خوش کرنے والی نظروں سے دیکھتی رہی۔
 جس نے اسے میرے منہ سے غائب کیا تھا وہ نزل کے ایک کاغذ وہ

بیراجاب سننے کے بعد اپنے سامنے سے لولا پھیر
 باہر دوازے سے ہی پوچھ کر اوڑھی کو گذرمت آئے ۱۰
 وہ یہی دل سرائہ کشین فواز سے مستند کی
 کی بیڑیوں سے ٹکٹ ٹکٹ کرتا ہوا کرے ۱۱
 بھی کسی نے نہ کیا تھا۔
 میں محسوس کر رہی تھی کہ سارا معاملہ ساگسہ ۱۲
 اپنے ذہن کو بوندی طرح حاضر کرنے کی کوشش کی
 "تشریف دیکھو" میں آہستہ سے اہلی
 "شکر یہ" وہ اس کی پری بیٹھ گیا ہوا ۱۳
 گیا تھا۔
 "دیکھو" میں نے زہن کو تہمتس ۱۴
 کہا "آخر ملک و قوم کے عاقلوں کو بوجہ ۱۵
 پڑی؟"
 "مہم اسی وقت کسی کے پاس پہنچے ہیں
 میں جو پاکستان کے ہر شہر کی حفاظت کرنا ہوا
 "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھتی!"
 "ایک پہلو آپ کے ہاتھ میں ہے جو کہ
 "میں اب بھی کچھ سمجھنے سے ناامید ہوں۔"
 "آپ کے پاس کچھ ایسے کاغذات ۱۶
 آپ کو طاقت سے دوچار کر سکتے ہیں ۱۷
 "اودھ" میں نے بے اختیار ایک ہل
 کر لیا لیکن وہ میں نہیں جانتا کہ ۱۸
 کا علم ہے یا نہیں لیکن یہ ضرور جانتا ہوں کہ اس
 بھی وہ کاغذات آپ کے پاس موجود ہیں ۱۹
 گیا کسی آئی "اے کے بعض ایکٹ ہارڈ
 میں سے ایک لڑکی یہاں نرس کی حیثیت
 نے وہ کاغذات حاصل کرنا چاہے تھے مگر ۲۰
 نے ٹیلیفون پر کسی کو اپنی نامی سے ملنے کا ۲۱
 پر جو شکوک ہوئی تھی اس کی سے ہیں بہت زیادہ ۲۲
 آپ کے پاس ہیں ۲۳
 میں چپ رہی میری سمجھ میں نہیں
 "میں یہاں اس لیے آیا ہوں کہ ۲۴
 سے لوں کہ کرنل لوٹا رہا ہے گو کہ میں آپ
 بارے میں کچھ سمجھ کر نہ آئے لیکن یہ کام ۲۵
 میرا فرض صرف اتنا ہے کہ میں وہ کاغذات ۲۶
 پہنچا دوں۔ ان کاغذات کا کسی عاقل ۲۷
 آئی "اے" انہیں حاصل کرنے کے لئے ۲۸

تھے ان سے فائدہ اٹھانے کا کوئی نہ کوئی راستہ مل ہی جاتا، اب کوشش
 شرط تھی۔
 اور پھر بھی تو اس بات نے کوئی سندھی نہیں پائی تھی کہ وہ
 فوجی افسر بھی ہی تھے ممکن تھا کہ میرے شبہات کی کچھ غلطیاں ہوتے۔
 میں ان خیالات میں کھوئی ہوئی تھی کہ دروازہ کھلا اور غزلا
 کمرے میں داخل ہوئی، لگاتار اس کے ہاتھ میں دے ہوئے تھے۔ وہ
 آئے ہی بولی "یہاں قریب میں تو مجھے ابیشیری کی کوئی ڈکان دکھائی
 نہیں دی۔"
 "تو کیسے مدد ملی تھی؟"
 "میں بڑس دوڑ ٹیک جانا پڑا تھا۔"
 "اچھا خیر اس بات تو ان غافروں کی ضرورت ہی نہیں رہی" میں
 نے بھی کسی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
 "کیوں؟"
 "ایک صاحب کو میں کچھ چیزیں لوٹ کر لے چکا ہوں مگر
 اتفاق سے وہ صاحب خود ہی آ گئے۔"
 "کہاں ہیں؟"
 "تمہاری آدھے پریشانی دو منٹ پہلے گئے ہیں لیکن یہ کہ
 راہداری میں تھا راہداران کا آسانا سا بھی ہوا ہو۔"
 "اچھا خیر میں اب جاؤں گی۔ گھر سے نکلے خاصی دیر ہو چکی ہے
 آپ سے ملنے شام کو پہنچوں گی۔"
 "آئے سے پہلے گھر پر فون کر لینا۔ لیکن ہے کہ میں اس وقت
 ٹیک ہسپتال سے دوپہانچ ہو کر گھر پہنچ جاؤں۔"
 "خدا کرے" ایسا ہی ہو، ہسپتال کی فضا میں تو ایسی بگڑ ہوئی
 ہے کہ میرا دم گھٹنے چھٹا ہے۔"
 "اچھی بات ہے جاؤ، لیکن جانے سے پہلے مجھے یاد تو کرو۔"
 میں نے مسکرا کر کہا۔
 غزلا اب سن رہی تھی کہ پھر بھی اویس میرے ہونٹوں پر لکاب کی
 چھکھڑیاں چھانڈ کر کے کھینچ رہی تھی اس کے جاتے ہی میرے ذہن کو پھر
 اسی فوجیوں کے خیال نے گھیر لیا اس بات کی تصدیق کرنے کے
 لیے جہاں تھی کہ وہ فوجی نقل تھے یا اصل؟ یہ معلوم کرنا کچھ زیادہ
 مشکل نہیں تھا۔ میں میٹری ہڈی کو اڑھ کر فون کرنا پڑا اور یہی اسی وقت
 لیکن تھا جب میں ہسپتال سے اپنے گھر چلی جاتی۔
 دوپہانچ میرے لیے کھانا آیا اور فون دیر بعد ہی ملوئی بھی کرے
 میں داخل ہوئی۔ وہ خاصی دیر بعد وہاں آئی تھی اور اب میں اس کا
 اعلاز ایسا تھا جیسے وہ اندر ہی اندر جزیرہ پر ہو رہی ہو۔ وہ کوشش
 کر رہی تھی کہ مجھے سے نظریں نہ ملنے پائیں، اس نے ایک کیپسول
 میرے بستر کی ساتھ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

”اس کا جواب بعد میں لینا پہلے فون ملاؤ!“

سرگھما کر رشتہ داروں کی طرف دیکھا اور بولی: "۔

اے سواسی کے دل کی پرواہ نہیں رہی۔

اور ماس سے لے کر یاسین لائبریری کے لائبریرین تک دھمکا دیا گیا۔

”جوں“ میں سر ملانے لگی۔
 ہم دونوں ہٹ پاتھ پر ایک طرف کھڑے ہوئے بہت
 دھیمی آواز میں باتیں کر رہے تھے لیکن اگ کھانک آواز کچھ تیز ہو جاتی
 تو ہم کوئی سننے والا نہ ہوتا۔ سب کی توجہ تو صرف اس بھیر بڑی
 طرف تھی۔
 ”آؤ چلیں“ میں بدستور دھیمی آواز میں وضوان سے بولی اور
 واپسی کے لئے قدم اٹھانے لگی۔
 ”کچھ تو بتائیے خاتون کہ یہ حال کیلئے ہے؟“ وضوان منہ بنا کر
 بدلا۔
 ”یہ زرس ڈاکٹر فونک کی تنظیم کا ایک پُرزدہ ہے۔“
 ”ارے؟“ وضوان اچھل پڑا۔
 ”کل اس نے میرے کنبے کے پیچھے وہ کاغذات نکالنے کی
 کوشش کی تھی۔“
 ”مائی گاڈ! وضوان اپنا سرسلانے لگا دیا۔ فونک کی تنظیم
 کے آدمی کہاں کہاں موجود ہیں؟“
 ”اسی ٹھیکیں ہر جگہ اپنا ایک آدھ مہر ڈال گئے رہتی ہیں۔“
 وضوان سوچ میں پڑ گیا اور پھر غڑ غڑانے والے انداز میں بولا
 ”یہ کس میں کیا چیز ہو سکتی ہے؟“
 ”خمس کار کے مالک کا پتہ لگاؤ۔“
 ”وہ کس طرح؟“
 ”میں نے اس کار کا نمبر ذہن نشین کر لیا تھا۔“
 ”اوہ!“
 میں نے اسے خبر بتایا اور پھر بولی ”یہ کام جلد از جلد
 کر ڈالو۔“
 ”آپ مجھے کہاں ملیں گی؟“
 ”میں اب گھر ہی جا رہی ہوں۔ میرے زخموں کی تکلیف چوٹ
 لگتی ہے۔“
 ”صدق بات ہے۔ اتنی بھگ دوڑ جو ہو گئی۔ اچھا تو پھر
 میں وہیں سے ٹپکی کئے لیتا ہوں۔“
 ”ٹھیک ہے۔“
 وضوان سرنگ برادھرا دھیر نظر میں دوڑنے لگا اور پھر
 میرا سے وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔ اچھا لڑکے سینچے پینچے میری
 پندلی کا زخم خاصا تکلف نہ ہو چکا تھا۔
 میں کالیں بیچ کر سیدھی گھر پہنچی اور خواب گاہ میں جا کر
 بستر پر ڈھیر چوٹی کی اس حقیر سی ہمت نے مجھے بہت بُری طرح
 تھکا دیا تھا۔ میں کوئی آدھے گھنٹے تک آنکھیں بند کئے،
 بستر پر لیٹی رہی تو زخموں کی تکلیف ختم ہوئی۔

میرا نصف گھنٹہ بھی میں نے بیٹھ لئے گزارا۔
 ارادہ کر ہی ہی تھی کہ کئی دن کی گھٹی بجے گی میں
 دیکھو اٹھ اٹھا۔ بولوا میں ماؤتھ میں میں بولی۔
 ”میں وضوان بول رہا ہوں۔ یہ بتانے کے لئے
 کہ میں اب شام تک صرف ہوں۔ ہمایہ کہ کس ایک
 خیال سے دفتر آ گیا تھا۔ یہاں آ کر ایک کام میں آ
 شام تک بھات نہیں کئے گی۔“
 ”اُس کام کا کیا راز؟ میں نے میری سہ
 ”وہ کام ابھی پہنچے ہیں ماہ کسی شہر ہا دھکے
 ہے یہ مجھے بڑی آسانی سے معلوم ہو گیا تھا۔“
 ”میرا ہا دھکے کا پتہ بھی معلوم کیا ہے؟“
 ”ہاں ابھی پہنچے۔“
 ”ایک ہٹ آدھ میں نے کہہ کر مائیڈ بیل
 اس میں سے بیڑ اور نیل نکالی، پھر ماؤتھ میں
 تباؤ۔“
 وضوان نے موسیقی کا ایک پتہ بتایا جو اس
 ”اور کچھ؟ وضوان بولا۔
 ”تم نے شہر ہا دھکے ہائے میں کچھ معلوم
 کیا میں نے آپ کو اتنی دیر لایا کیا
 کیا مطلب؟“
 ”کسی شخص کے ہائے میں معلومات حاصل کر
 ہی وقت لگتے ہیں؟“
 ”یہ بات تم سیدھی طرح نہیں کہہ سکتے تھے،
 ”اچھا خدا حافظ! وضوان نے جلدی سے
 کر دیا۔
 میں دیکھو دیکھ کر شہر ہا دھکے ہائے میں
 تو خاصا بارعب تھا۔ تحقیق نہ جانتی تھی۔ دھکا
 کی تنظیم سے اس آدمی کا کیا تعلق ہے اور سونی نے
 کیا چیز پہنچی ہے۔“
 ”دوبارہ کھانا کھا کر میں الماس کے گھر چلا
 رہی تھی لیکن یہ گھر میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کی خالاک
 کر دی۔ آخر میں نے فیصلہ کر لیا کہ ایک مرتبہ اُسے فر
 میں نے دیکھو اٹھ اٹھا اور آدھ آنٹی احتیاط سے ہنر جم
 ہو کر ڈانٹ لگی کہ آواز الماس کی خالاک نہ سن لے۔
 دوسری طرف گھٹی تھی ہی اور پھر کسی نے دیکھ
 ”بیو!“ بڑی مڑی ہوئی سی آواز سنائی
 میں چونک چڑی ہو کر وہ آواز الماس کی

میں نے حیرت سے کہا۔
 ایسا نا اچھا کیا جیسے تھے حالے کو ذہنی جھٹکے
 لے گئے گرا پڑا۔
 الماس کی آواز کانپ رہی تھی۔
 ”ہی ہوں تو خیر تیرے تو بڑے؟“
 ”آپ زندہ ہیں۔“
 ”آپ زندہ ہوں بلکہ اپنے وطن کو کیڑا کر دیا کہ پہنچا
 لے کے لئے بے چین ہوں۔ تمہاری طبیعت تو
 دانسے میں معلوم ہو رہا ہے کہ جیسے برسوں کی
 لڑکھو کر لکھتے۔“ وہ دہائی آواز میں بولی۔
 ”مجھے نہیں پہنچتے۔ اس وقت تو میں اتفاق
 گھر سے کوئٹہ چل گیا ہے۔ وہ پاتھ مردم میں ہیں
 میں۔ الماس جلدی جلدی ہوتے لگی۔ ”مجھے
 مل کر رہی ہیں۔ لیکن میں ٹیٹون پر زیادہ ہنس کر
 مائے ہی آپ سے ملاقات کرنے کی کوشش
 نہ کیا ہے گا میں نہیں چاہتی کہ خالاک سے
 مل کر رہی ہوں۔ الماس نے سلسلہ متعلق کر دیا اور میں
 اگر کوئی رہ گئی۔
 ”اے خاصے الماس کا معاملہ خاصا عجیب ہو گیا ہو۔
 فرادی ہو گئی تھی لیکن اُس نے مجھے اپنے
 وہ موقع نکال کر خود ہی میرے پاس آئی،
 ”اے خاصے کدو کو جو کھانے کے لیے۔“ بقول اسی
 ”آپ کو کدو کھا تھا۔“
 ”گھر اور کوئی دوسری کھانے کی چیز چاہیے
 یا ان کو کھانے نہیں گوارا جاتا تھا اور میں
 ”اے مائی دم موجود ہیں اُسے اور مائی بکر
 ”میں نے خالاک کے گھر ٹیٹون کیا۔ امکان
 ہوا تھا کہ کامیاب ہو جاتا تھا اور میں اس
 ”اس کا کسے؟“
 ”اور دیکھو اٹھ اٹھا گیا۔“
 ”الہ دی۔“
 ”اگر وہ قطع کر دیا ہو کہ وہ آواز الماس کی

میں نے دیکھ لیا۔ ”خیر نہیں اٹھا یا کدو کھاتی تھی۔ میں
 نے پھر دیکھو اٹھا اٹھا اور اُسے کان سے لگا کر بولی۔ ”بیو!“
 ”مجھے سمجھو ہائے بات کہ کتاب ہے۔ ایک سرواڑہ آواز سنائی
 دی ہے میں تو خیر بچانے سے قاصر رہی۔
 ”میں بولی رہی ہوں۔ آپ کو مل صاحب ہیں؟“
 ”آپ کا خادم۔“
 اس مرتبہ میں آواز پہچان گئی اور چونک چڑی۔
 ”کامران! میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔
 ”پہنچنے کا شکریہ۔“
 ”ہوں۔“ میں نے ہونٹ پیچھے لے اور میری پشانی پر ٹوٹیں
 پڑ گئیں۔ ”مجھے کامران سے اس دیدہ دلیری کی توقع نہ تھی کہ خود ہی
 بچے۔“
 ”میں ابھی ابھی اپنے گھر پہنچی ہوں۔ کامران بولا۔ ”مجھے اپنے
 پڑوسیوں سے تیرے چلنے کے گھر کی وجہ یہاں میرے ہائے میں پہنچی
 پھر رہی تھیں۔ پوچھ کچھ کرنے والی کی وجہ قطع سے مجھے شہر گرا کر
 وہ آپ ہی ہو گئی ہیں۔ کیا یہ خیال درست ہے؟“
 ”سو فیصد درست۔“ میں نے اوپری ہونٹ پیچھ کر کہا۔
 ”فرمائیے! کیسے زحمت کی تھی؟“
 ”میں اپنے اس خیال کی تصدیق کرنے کی تھی کہ تم کو دلپش ملے
 ہو گئے۔“
 ”میں نے کامران نے حیرت ظاہر کی۔ ”میں کیوں نہ دلپش ہوتا؟“
 ”ہاں؟ میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ ”شاید مجھے ہی
 دلپش ہونا چاہئے تھا۔“
 ”وہ کیوں؟ معاف کیجئے گا ہاں۔ آپ کی بے بسی بات میری کچھ
 میں بالکل نہیں آ رہی ہیں۔“
 ”یہ بالکل سامنے کی بات تھی کہ کامران میرا منہ کھولنے کے لئے
 تھا۔ میں نے مجھ کو دیکھ کر بڑی دلچسپی سے دیکھا۔ کامران کے منہ سے
 نے مجھے متعلق کر دیا تھا اور میں سوچ رہی تھی کہ کامران کو ہی وقت
 بتی دیا جائے میرا کدو کھا اور پشلی رفتی ہیں لیکن کامران جیسے لوگوں
 کو تو میں اس حالت میں بھی سنبھال سکتی ہوں۔
 میں نے مزیدہ کو لایا اور اس سے کہا۔ ”میں ایک فردی کام
 سے جا رہی ہوں۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے میں واپس ہو جائے گی۔ اگر میری
 دم موجود ہیں الماس اُسے تو اُسے واپس مت جانے دینا۔ اس
 سے کہنا کہ وہ ڈرانگ دم میں بیچ کر مرنا انتظار کرے۔“
 ”جیسے۔“ فرمائیے کہ اُن کو پشلی رفتی ہیں لیکن کامران جیسے لوگوں
 زیادہ مناسب ہوتا اگر آپ دھاک دھمک زیادہ حرکت نہ کر لیں۔
 میں نے ہنس کر اس کا حال پتہ چیتا ہے ہرے کہا۔ ”اپنا بھائی
 کی سی زندگی گزارنا میرے بس کی بات نہیں۔“

لے اسے برا بھلا ہر لون بندر دیا اور الماس پر پے پابندی لگا دی
 کہ وہ گھر سے باہر نہیں نکلے گی۔
 الماس نے مجھے مزید بتایا کہ کسی وقت راولپنڈی میں اس
 کے والد کو خالق کا خط مل جائے گا جس میں لکھا گیا تھا کہ وہ فوراً کوچی
 انگریزی میں کو بیجا میں۔
 انہی بدویشی رشتہ کے بعد بھی الماس اپنا سرسری گود
 میں رکھ کر رہی تھی لیکن اس کی پچھلی اب بند ہو چکی تھیں۔ میں
 نے اسے اپنی گود میں سے اٹھا کر تھوڑا سا پانی اور پلایا۔ اس کا چہرہ
 آنسوؤں سے دھل گیا تھا۔ میں نے اسے اپنے دھما سے صاف
 کیا۔ الماس کی آنکھیں اب اور زیادہ دیران نظر آنے لگی تھیں۔
 "الماس!" میں نے پیاد سے کہا "میں کامران سے تمہاری
 درخیزگی کو دیکھ رہا ہوں۔ میں دلاستہ لیکن میں اسے تمہارے قدموں میں
 لاکر اس طرح بچوں کی کہ وہ تم سے ہم کی جھگڑا نہ کرے۔"
 "اب ان باتوں سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ پلایا، وہ کھو چکی
 سی آواز میں بولی۔ جو بولتا تھا، وہ ہو گیا۔ یہ میری حماقت تھی کہ
 میں نے آپ کی باتوں پر کان نہیں دھریا۔ اب مجھے اس کا فائدہ
 بھگتنا پڑے گا۔ مجھے تو اس بات کی خوشی ہے کہ آپ زندہ ہیں۔
 میں نے اس پر ہنس دینے دیکھ کر اس کی طرح غصہ کی ہے۔
 الماس نے اسے سختی سے دیکھا۔ میں کوئی دیکھی نہیں لی اور میں
 بھی اسے ساری تفصیلات بتانے کے موٹو نہیں تھی۔
 "مٹا ہوا کھانا ہے؟" میں نے اس سے پوچھا۔
 "وہ خالہ کے روتے سے عاجز ہو کر برسوں شام کی ہو چکی تھی۔"
 "کہاں؟"
 "کراچی میں اس کے بہت دوست ہیں۔ کسی کے یہاں بھی چل
 گئی ہو گی۔ مجھے بتا کہ نہیں گئی۔"
 اس وقت تم اپنی خالہ کے گھر سے نکلی کیسے آئیں؟"
 "کیوں؟"
 "تم نے فون پر بتایا تھا کہ انہوں نے تمہیں قید کر رکھا ہے۔"
 "اس سے میری مراد یہ تھی کہ انہوں نے مجھے گھر کے باہر نکلنے اور
 کسی کو فون کرنے سے روک دیا تھا۔ اس بات نہیں تھی کہ انہوں نے
 مجھے کسی کمرے میں بند کر کے مقفل کر دیا ہو۔"
 "ہوں؟" میں نے سر ہلایا اور پھر بولی۔ تو تم اس وقت چپکے سے
 نکل آئی ہو؟"
 "ہاں۔" الماس نے جواب دیا۔ "میں ایک چھوٹا سا راجہ چھوڑ
 آئی ہوں خالہ کے نام! میں نے اس میں لکھ دیا ہے کہ میں پابندی
 جاری ہوں۔"
 "کیا مطلب؟"
 "میں اب واپس خالہ کے یہاں نہیں جاؤں گی۔ مجھ میں اتنا حوصلہ

نہیں ہے کہ ہر وقت ان کی جلی کئی سستی رکھوں۔
 میں خور سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اس
 سے کہہ دی تھی لیکن اس کا لہجہ راز سنگ تھا۔
 "تو پھر اب میرے ساتھ رہو گی؟" میں نے
 "یہ بھی میرے لئے ممکن نہیں ہے۔" مجھے
 گا۔ آپ مجھ پر سن تاکہ مکر میں کر کے مجھے ہوا کی جہا
 دیر۔ اس سے پہلے کہ میرے والد پڑی سے کرا
 میں وہاں پہنچ جانا چاہتی ہوں۔
 میں تنہی میں سے سر ملاتی ہوئی اس کے
 اس میں کوئی شبہ نہیں کہ الماس کا بند کی جانا،
 جو لوگ اسے پوچھتا ہے، وہی اسے سمجھتے ہیں۔
 "گویا تم صحت آج رات میری مہمان رہو گی
 "مہمان کہہ لیجئے یا ایک بے سرو۔" الماس
 "پتلی۔" میں نے اس کے چہرے کو اپنے
 پیٹے ہوئے اس کے ہونٹ چوم لئے اور بولی۔ "مب
 گھر ہے؟"
 "غیر۔"
 "اچھا، آج وہ آپ تم میرے کمرے میں رہا
 میں نے اس کا بازو پکڑ رکھا ہے ہوتے کہا۔
 اس نے کوئی تو فریضہ نہیں کیا اور میں
 میں نے اسے بستر پر لایا اور خود خورب پڑی
 بیٹھ گئی۔
 "میں کل صبح کی پندی غلامت میں تمہارا
 کرائے دیتی ہوں۔" میں نے کہا اور ٹیلیفون
 کا نمبر ڈال کر دے گی۔ اس آئینہ کا اماں مجھے
 میں نے اس سے ایک سیٹ کا بندوبست کر دیا۔
 الماس بہت بڑھال تھی۔ میں اس سے
 کرے سے نکل آئی اور اسٹڈی میں جا بیٹھی۔
 کے بعد مجھے اس بات پر افسوس ہوا کہ اٹھا کر میں اس
 نہیں دے سکتی تھی۔ گوکہ خود مجھے کامران کی
 لاش کا رونا ہوتا تھا لیکن الماس کی پیتا کے سا
 نہیں رہی تھی۔ اب تو مجھے صحت یہ سوچنا تھا کہ
 لوں۔
 جلدیجے رضوان آیا تو میں اسٹڈی ہی میں
 اس کے لئے دیر چائے ملائی اور پھر صحت
 "تم سیدھے دفتر سے آ رہے ہو؟"
 "ہاں، کیوں؟"

میں نے اسے میرا جہاں سے پتہ کیا چھ
 ملا۔ وہ اس
 اپنا غلام مجھ رکھا ہے؟ رضوان نے فخر سے
 مجھ سے اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔
 لائے دیں مجھے کہنا پڑے کہ بی بی! میں
 میں بھی نہیں اسکتی۔ میں نے جڑ کر کہا۔
 لہجہ کی بار بار پکڑے۔ رضوان نے ضرورت سے
 "میرا رتبہ مجھے ایک مولوی صاحب کی ہدایت
 لے کر بہت میں بھی نہیں کر سکا۔"
 لی کیونکہ ان مولوی صاحب کا طیف میں اس
 رضوان نے جلدی جگہیں جھپکاتے ہوئے
 پھر میری ان خوشگوار باتوں پر ہنسی میں
 لازم ہائے کی ٹٹلی دکھائی ہوئی لے آئی اور
 "میرے لئے کنگ گیا۔ میں نے لازم ہی سے کہہ
 لے بنا دے۔"
 لہجہ کی جگہ سے غمی تو رضوان نے پہلا
 اپنا مذاق ختم کیا میں شرم بہادر کے بارے میں
 پاموں۔ وہ دیٹ نامی ہے اور اس کا گھر
 ٹھاس ہے ہو؟" میرا منہ بن گیا۔
 اٹھنے کا نام شیر بہادر؟"
 لہجہ کا کہ تو سلا دیٹ نامی ہے؟"
 پھر اس کا باب دیٹ نام میں جواب تھا
 وہاں سنا کہ اپنی طرف کا کوئی آدمی دیٹ نام میں
 رہتا تو یہ آپ کے کالوں کا قصور ہے۔ اس
 لہجہ کی باتوں سے اور شیر بہادر پر
 لہجہ نے لگی اور وہ لوتار رہا۔ مجھے جو معلومات
 "مہم آپ کے گوش گزار کر رہا ہوں۔ آپ کا دل
 دل ہا ہے تو نہ کیجئے۔" رضوان نے چائے کا
 لہجہ رہا۔ شیر بہادر کو سیاحت کا شوق ہی
 لہجہ کہ وہ تین چوتھائی دنیا گھوم چکا ہے۔ بہار
 لہجہ اتنا دولت مند آدمی ہے لیکن یہ بات
 لہجہ جانتے کہ اس کے پاس اتنی دولت کہاں

میں آئے ہیں اس لئے ایک لاخری لکھی جسے دیکھ کر اسے میرے آپ
 بیٹ میں درو ہو رہا ہے۔ اس کے سارے لازم دیٹ نامی ہیں
 اور وہ مسیحت کے دروازے میں ان سب کو اپنے ساتھ رکھتا ہے۔
 آئندہ وہ جلد دروازے میں وہ ہلے بلکہ گودا دے گئے۔ والہ لیکن
 یہ بات مجھے نہیں معلوم ہو سکتی کہ وہ یہاں سے کہاں جائے گا؟
 "ہوں!" میں مشکل انداز میں سر ملنے لگی۔
 "میں اس کا مطلب ہوا ہے؟"
 "آخر فونگ کی تنظیم سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟"
 "یہ تو اس سے پوچھ کر ہی بتا سکتوں گا۔ اگر کہنے تو کل اس کا ٹیڈو
 لینے چلا جاؤں۔"
 "اٹھو۔" میں بڑبڑائی اور پھر مکر کر بولی۔ "خیال تو میرا
 نہیں ہے؟"
 "لیکن چپے چپے دیٹ نامی چپے دیکھ کر مجھے وحشت
 ہونے لگتی ہے۔"
 "ایک عظیم قوم کے لوگوں کا تذکرہ تمہیں اس طرح نہیں کرنا چاہئے؟"
 "دیکھئے خاتون!" رضوان نے تذکرہ کیا۔ میں اس وقت غصہ
 کی کسی کلاس میں نہیں بیٹھا ہوں لہذا کوئی پیکر نہیں سنوں گا۔
 "اچھا تو پھر میرا ایک کام اور دے دو۔ میں نے ہنس کر کہا۔ شیر بہادر
 کا سرخ تو لہجہ کے سر سے لگا تھا۔ اب میں تھیں ایک ٹیلیفون نمبر بتا چکی
 ہوں مہم کو کہ وہ اس کا ٹیلیفون نمبر یاد دہ کرے تاکہ اس کا شخص ہے۔
 دیٹ نام سے آپ کا پتہ برازیل سے؟"
 "یہ ٹیلیفون نمبر کس کے پاس آیا گیا ہے؟"
 "کالا چور سے چاہتا۔"
 "تو پھر اس سے کپ دیکھ کر کھٹ بھی معلوم کر لیں۔" رضوان نے
 خشک لہجہ میں کہا۔ آخر آپ مجھے جھوٹے میں خبر دے گئے کی خوش کن
 کرتی ہیں؟"
 "درونگا جتن سے۔" اندھاری آدمی بولنا۔
 "کیا میں نے کچھ آپ سے ملنے والی معلومات کو خبر نہ کیا ہے؟"
 "نہیں چاہا۔" مجھے اعتراف یہ کہ میں دروگاہ سے کسی وقت
 جبکہ یہ نہ جاؤں۔ میں نے کہا انہی میں کوئی۔"خیر تم یہ معلومات تو
 حاصل کرو چھ میں نہیں بتاؤں گی کی ٹیلیفون نمبر مجھے کہاں سے لگتا۔
 رضوان نے چائے کا آؤ کی گھونٹ کے کربالی، ڈال کر رکھی
 میں نے اسے وہ ٹیلیفون نمبر دیا جو مجھے فون سے لگتا تھا۔ کہ وہ یہ لہجہ رضوان
 یہ کہہ کر لگا گیا کہ وہ آٹھ بجے تک مجھے فون پر پور دھڑکے گا۔
 میں شادی ہی میں اپنی شہر بہار میں دوا رہی۔ آج اتنی جگہ
 درو ہو گئی تھی کہ اب اپنے زخموں کو نکھلت دینا مجھے مناسب نہیں معلوم
 ہوتا تھا۔ میں لہجہ کر کے اب پھر گھر سے میں نکلیں گی۔

”کہاں غائب ہوئے؟“ میں نے بیسے دوشے ہوئے غافل میں کہا۔
 ”اسی وجہ سے میں چنسی ہوئی ہوں۔ حضرت دلع آقا جی سے گئے
 کا دار بن گئے ہیں کسی وقت بھیجا دیں نہیں پھر دے۔“
 ”کسی طرح بھی بچھا چھڑاؤ میں بہت ابو رو رہی ہوں۔“
 ”بس کل کسکی جانتا دو دیجئے۔ آپ کے زخموں کا کیا حال ہے؟“
 ”خفا سے متراں ہے۔ کل کس میں اس قابل ضرور ہو جاؤں گی کہ
 تم سے وقت کر لوں۔“

”ہیلو“ دردمندی طرے سے سیدھا اٹھا گیا
اور شاید فوس کی ہی تھی لیکن میں تصدیق کے لیے
”سٹر فوس بیٹھو“
”فوس“ سیدھا کھڑا
”بھئی بھائی فوس“

پہرہوں سے جسے خاص لباس نہ ہو۔ ٹوس یا بیب کہلاتی ہے۔
 بیب نہیں تھیں کہ فوراً جواب دیا جاسکتا۔
 شبہ ۱۰ ٹوس لہلہ پڑا۔ خاموش کیوں ہوگئیں؟
 بیب و عجب کام ہے۔ میں نے فویل سائٹس کے کمرہ
 کا کام کر رہا ہے۔ وہ پرس ہائے لیے بہت ضروری ہے۔
 امانی ڈسے پراس سے وہ پرس میں کس طرح چھین کھن

میرا دل بے چین ہے۔ میری آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔
 ہر سانس لڑبڑاتی ہے جبر کے گناہ کا مکان ہے نا
 جبر ہے۔ فزید نہ جاتے جاتے گناہ اور پھر ترک کر لوں گی۔
 "کہا۔ میں تم کو نہیں مانتی، یا زینگ روم میں؟"
 "ہیس۔ میں نے جواب دیا۔"

ابن کثافہ کا بیان ہے کہ اس نے مجھے صبح کی پہلی نماز کے وقت بتایا۔ اسی سے میں نے یہ بھی معلوم کر لیا کہ صبح کی پہلی نماز کے وقت نماز کا وقت کیا ہے۔

الماس اس دوران میں کھولی گئی تھی۔ اس لیے یہ عجیب نہیں
 لہجہ کر رہے تھے۔ پتھر سے آنے والی فلاش کا وقت کیوں معلوم کیا تھا۔
 کھانے کے بعد چلا جائے گا اور چلا اور الماس کا دل بھلانے
 کے لیے دلچسپ قسم کی باتیں کرتی رہی۔ جب یہ بیٹھے بیٹھے تھک گئے
 تو دلشہد کہ باتیں کرنے لگے۔ الماس کافی سوچیں تھی اس لئے اسے
 بارہ ایک بجے پہلے نیندا ہی نہیں سکتی تھی۔
 بیٹے کے نام ہیں میں اللہ رحمہ اللہ دیا تاکہ صبح وقت مغرور پر پیدا
 ہو جائوں۔

میری وہ رات بڑی بے چینی میں گزری۔ الماس کا تپ میرے
 لئے ایک استخوان بن گیا تھا میں اس استخوان سے گزرتی تھیں اس
 طرح کہ جہ پریاقتیں گزرتھیں۔
 علی الصبح بیدار ہو کر کہنے لگا تھا کیا اور میری الماس کو پریشانی
 میں مبتلا کر رہی اس کے کس طرف روانہ ہو گئی۔
 پنڈی سے آنے والی فلاٹ کا وقت جاننے والی فلاٹ
 سے خاصا پہلے تھا ادیس اسی وقت کو پیش نظر لاکھ کر گھر سے روانہ
 ہوئی تھی۔

رہتے ہیں بالاس سے بالکل جھگڑا نہیں ہوتی کیونکہ میں اپنے حالات کی بڑی مبالغہ جی ہوئی تھی خوار و مرید ہوا ان کے ہر جو ہر گناہ پر ہونے والا تھا اس کے تمام جہلوں کے سامنے تھا اور میں ان کا جاننا بے دریغ تھی سبھی میں نے اس سلسلے میں کوئی خاص کام نہ عمل کر رہا تھا حقیقت تو یہ ہے کہ مرتبہ کمری نہیں لگی تھی ہوائی ان کے کے جوہر میں کسی کا پیرس جینز کو لٹا کر آسان بات نہیں تھی۔ اے کے کو میرے ذہن میں بس ایسی ایک خیال آکا تھا کہ بیڑی ناروق کا پیرس اپنے برس سے بڑے کی کوشش کریں۔ اسی خیال سے میں اپنا ایک سفیر برکس کے کو گھر سے چلی تھی کہیں نے قطعی منوری نہیں تھا کہ بیڑی ناروق کے پاس بھی کسی شکر کا راس ہو۔

ہم کہانی اُن سے پہلے تو پڑھیں، یعنی کلاسیک ناول ہمارا
منظر تھا۔ اُس نے راولپنڈی کا کھنڈہ مجھے دیا اور رخصت ہو گیا۔
میرا ذہن بدستور دھوکس اور ایلیٹ ناروقی میں الجھا ہوا تھا۔
احساسات اب بھی اُن تھے کہ دھوکس نے مجھے بے خوف بنانے کی
کوشش کی ہے لیکن میں اب بے خوف بن کر نہایت کر دینا چاہتی
تھی کہ میں ان لوگوں کے لئے کام کرنے پر پوری طرح آمادہ ہوں۔
”اب آپ کبھی پنڈی آئیں گی، تڑپ!“ اللاس پھرائی ہوئی
آواز میں بولی۔

ہمیں نے اس کا نشانہ تھک کر کہا میں ابھی

..... اس..... تم.....“ الفاظ میری زبان پر
.....
..... پر جسے زرد رنگ کاغذ بکھر گیا تھا اور
..... نظر اتر رہی تھی۔ میں نے پتوں کو ابڑوں
..... کے حوالہ سے غور تو کیا کہ وہ ہنسنا شروع

اپہیلے..... ہیں، ہیں جاتیں گے۔

ٹ مہنگے لئے مجھے اس بات کا یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہاں ہوں۔

و اگر موجوداں نہ بھی چند لمحے کے لئے تو سناٹے والی اطلالوں نے اپنے منتشر خواس میٹ کر کس ادا میں کر کوئی شخص الماس کے قریب نہ ہونے کا کمر کر لی اس لڑکی کے قریب پہنچ گیا تو وہ

ادھر میرے ذہن میں مختلف صورتِ حیات کے جھلکے پیل رہے تھے وہ دیکھنا ہی یاد آ رہا تھا جسے میں نے لادج سے نکلے ہوئے دیکھا تھا۔ غالباً اُسی کی کوئی شرارت یہ رخ اختیار کر گئی تھی کہ الماس نے

ایسے خطرناک لہیلوں کی عادی نہیں تھی۔ ممکن ہے کہ اس نے آج زندگی میں پہلی مرتبہ بپتسمہ لے لیا ہو۔

اس افراغ فری میں پانچ غنٹہ اس طرح گزرتے کہ ان کے گزرنے کا احساس ہی نہیں ہو سکا اور پھر اچانک الماس نے بپتسمہ چھینک کر دلوں ہاتھوں سے منہ پھیلایا اور بھٹوٹ بھٹوٹ کر رونے لگی۔

یہ جیت کر دمر گھٹکا تھا جو تیسرے اعصاب کو براہ راست کرنا تھا جس طرح الماس کے ہاتھ میں بپتسمہ کی موجودگی نا قابل قیاس تھی اور اس بپتسمہ لے دینا جیسا کہ حیران آئے تھا۔

کے باعث وہ شخص مجھے دکھائی نہیں دیا جس نے ہسپتال کو قلعی کرنے کا اعلان کیا تھا۔

الحاصل میرے کندھے پر سر رکھے مسکیناں لیتی ہوئی، مہمی آوازوں میں کہہ رہی تھی ”وہ مشرق بعید کا باشندہ تھا اب.....“ وہ میرے پاس آیا اور مجھ سے کہنے لگا کہیں آپ کو لاؤج کی بیسیں روکن۔ اُس نے بڑے خوزناک انداز میں کہا تھا کہ اگر آپ لاؤج تک محدود نہ رہیں تو آپ کو ہلاک کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد مجھے ہسپتال بھی دیا تھا اور یہ بات ہے کہ

یقیناً کسی نے عجیبی کجی ہے۔ میرے صرف دو آدمیوں کو اس بات کا علم تھا۔ اس لئے میں آسانی سے پتہ چلا لوں گا کہ ان میں سے وہ کالی بھیڑ کون ہے۔“

ہنا مجھے خوب آتا ہے۔“

وہاں پر کیا جا رہا تھا اسے پہنچنے والے مسافروں کی ایک کڑی دھڑائی سے سنبھل جاتیں۔

میں ان کو دس روپے کی رخصت کیا اور جب کسی کے پاس آئیں واپس جانے کے ارادے سے مڑ کر کہنے لگی کہ میں نے تم کو ایک خط لکھا ہے اس خط سے تم کو پتا چلے گا کہ میری حالت میں کیا ہوئی ہے۔ میں اپنے خیالات میں بدل چکی ہوں لیکن دروازے کے پیٹل پر ہاتھ رکھ کر اچانک بول:

میں نے بے اختیار نکل گیا۔
 کسی بگڑا پورے دوپٹے کے ساتھ، وہ ہسٹلی سے ہلا۔
 اس ماسٹریں اور دروازے کھول کر ڈرائیو کے ساتھ
 لے کر تھے جس میں فوسکی دیدہ و لیری پر
 کا یہ بائیس خاصہ فعال آؤٹی ٹائم تھوڑا
 چکر اس امتحان میں پوری نہیں آسکیں،
 ہب ڈرائیو حرکت میں آئی۔

میں نے اپنے غامضی سے ڈرا تو نگ کرتی رہی۔ میں نے اپنی ہمتی کو کہیں اس کی عیارانہ چال کو سمجھ چکی تھا۔ اب بھی نہیں پہنچ سکی تھی کہ اس عیارانہ حرکت کو کس نے کیا ہے۔

و کہ بر ہاتھ یاہ میں اس کی تمام تر ذقے وادی نے
 اہل تھارسے ذہن میں تو یہ خیال ہی نہیں ہوگا کہ
 اس بر ہاتھ صاف کرنے سے پہلے ہی تم کی خطے
 و مال تو خود میرے ذہن میں بھی نہیں تھا۔
 اہل میر کو تلاش کرنا ہوگا جس نے غدار کی ہے
 اس بات کا علم کیسے ہو سکتا ہے کہ میں تھارسے
 والے کی کس بر ہاتھ صاف کرنے والے ہوں!....

ہنا مجھے خوب آتا ہے۔“

وہاں پر کیا جا رہا تھا، ہندی بچے نے سرفراز کو دیکھا تو اس کی طرف سے ایک عجیب سی نظر آئی۔
اس نے کہا کہ وہ طیارے میں پہنچ جائیں۔
کونسل والے دے کر رخصت کیا اور جب اس کے پاس
میں گیا تو اس دن واپس جانے کے ارادے سے مرکز میں
آئے تھے۔ ان کے پاس ایک کارول کا ایک قطار کے اُس حصے
کی گاڑی کھڑی تھی۔ میں اپنے خیالات میں غرق
تھا لیکن دوروازے کے جینڈل پر ہاتھ

انکس براجمان تھا!
میں سے بے اختیار نکل گیا۔
میں کسی جگہ ڈراپ کر دینا، وہ آہستگی سے بولا۔
میں ماضی کی اور دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر

میں نے اپنے دل کی بات کہی تھی۔ میں نے کہا تھا کہ اگر وہ میرے پاس آئے تو میں ان کو اپنا گھر بنا دوں گی۔

لوگوں کو رہنمائی دے رہی تھی کہ میں اس کی عیارت چال کو سمجھ چکی
 تھی۔ اب بھی انہیں پہنچ سکی تھی کہ اس عیارت
 کو کس نے مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کی ہے۔
 لوگوں کو رہنمائی دے رہی تھی کہ میں اس کی تمام تر ذلت و اداریہ

اصل تھا کہ اس ذہن میں تو یہ خیال ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کے ہاتھ میں کبھی خط نہ آئے گا۔

دل کے پرس پر ہاتھ صاف کرنے والا ہوں!...

338

میں چپ رہ گئی۔ دیسے لوں دل سے کسی بات چاہتی تھی کہ کوئی سبیل نکلا آئے لیکن غزال کا رویہ اب انھیں میں مبتلا کر دینے والا تھا۔ اگر وہ مجھے قبل ازوقت ہی با دینی تو میرا خیال ہے کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن اس کے سر پر شاید یہ صحن سوار ہو چکی تھی کہ مجھے مبتلا نہ خست رہ سکے۔ آخر مجھے اس کی لالچ لکھنا پڑی کہ غزال نے شباز کو میرے بستر پر اس طرح ڈالا کہ مجھے خوش ہوا جیسے بچوں کا کادھر بچھ کر ہو۔ وہ شعلہ بدن ساڑی میں ملبوس تھی لیکن اس کی ساڑی کا بالکل ان کہیں تھا اور وہ خود کہیں تھی۔ میں اسٹاک میں بندھی ہوئی ساڑی نے مجھے بھی ہر دم لکھ دیا تھا۔ اس زمانے میں ساڑی کا یہ اسٹاک عام نہیں ہوا تھا۔ اب آپ کرے سے باہر تو شریعت نے جائیں یہ غزال نے مجھ سے کہا یہ میرا خیال ہے اس بندہ منٹ میں اسے ہوش آنے ہی والا ہے۔ جب اسے ہوش آجائے گا تو یہاں ایک عجیب و غریب تماشا ہو گا۔ آپ کو عجیب عجیب سی آوازیں سنائی دیں گی لیکن خبر دار جواب نہ کرے میں قدم نہ رکھا۔ آپ کی دخل اندازی سے میرا اظہارِ غم کمزور ہو گیا۔ اں پاچے سات منٹ کے بعد آپ کو اندر آنے کی اجازت ہے۔

”آخر.....“

”کوئی سوال نہیں!“ غزالہ انکھیں نکال کر بولی۔
میں نے ایک طویل سانس لی اور کمرے سے نکلی آئی۔ غزالہ
کے سر پر جو بھڑت سوار ہو گیا تھا، اُسے میں کسی طرح بھی نہیں اتار
سکتی تھی۔

کمرے کے دروازے کے قریب کھانسی نے ایک کرسی ٹھٹھکی اور بیچہ کمرے کو سختے لگی اور دیکھتے پردہ غریب سے کیا غلوں میں آئے۔ وقت گزرتا رہا اور شاہان میرے حواس پر حکومت کرتی رہا۔ وہ خوش بلن، وہ خوش ادا، بہت عرصے سے میرا امتحان لے رہی تھی، آج شاہان اس امتحان کے خاتمے کا وقت آگیا تھا۔ آنے والے لمحات میں شاہان کو فی الحالیہ سمجھنا تھا کہ مجھے میں کتنے اسود گئی ہو سکتی۔ پنجیس منٹ اس طرح گزرے جیسے پنجیس گھنٹے گزرے ہوں اور جب پوس منٹ پر کمرے میں آگیا جب منٹا دی۔ مجھے اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ وہ چیخ غراں کی تھی یا شانازی، لیکن اس چیخ کو سنتے ہی میں اچھل پڑی اور کرسی سے گھڑی ہوئی۔

اب کہے میں ایک ہندو کو گرا ہوا تھا۔ وہ قہر، بغض و غم کا
 تھا لیکن خدا کی بناء! اس قہر میں اس کی وحشت بھی کو سنکر رو گئیے
 کھڑے ہو جائیں۔ میں بے اختیار روانہ کی طرف چھٹی لیکن اس وقت
 میرے ذہن میں یہ الفاظ گونجنے لگے جو غمراہ نے کہے تھے: "میں
 ہوش آجائے گا تو میں اکیلی غریب و درمیاں تاشہ ہو گا۔ آپ کو

کے لئے مجھے اس پائل سے بجا بیڑا! شہزاد میرے سینے
 وہ بڑی مشکل سے یوں نکلی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا
 مگر ملتی رہی کبھی جا رہی ہو۔
 لے بیٹا، اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا یقین کرنے
 ہمارا تحاریر دیکھ کر غور و خجرت ہے جس نے ایک
 فرزند کا قصہ

۹۔ کہہ سکتے ہیں کہ حق کو عزت دلاؤ اس ڈرامے سے کیا نتائج حاصل

ابھاکا منہ زورِ غریب چنگھاڑ رہا تھا۔ میرے تن بدن میں
قریہ شہانہ کا وہ ایک لمبا بے عجز، وہ بحرِ شباب سے ابھرتے

ہمالہ۔
 تمام شکر غزالہ نے ایک وحشیانہ قبضہ لگایا اور لولی

تمہاری محبت بیکار ہے۔ یہ کونسی سے بھی محبت نہیں

۱۴ ایسا ہی دورہ پڑتا ہے اور اگر ایسے میں کوئی بات اس

.....! اے!..... دیکھو! اے! میں نے شہباز کی مٹھوڑی

۱۱) میرے انگارہ ہونٹ، میرے لاپتے ہوئے ہونٹ

۴۱ کے بستر کے اڑنے کے بریر کے، اسی کو سب جہاں ہے

شہزاد کا جسم بالکل ٹھنڈا ہو گیا تھا اور وہ بیسنے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کے کانوں میں گھونٹوں کے اچھر رزنی، چابی جھنجھتی ہوئی بیسنے کی گھنٹہ مٹی بوندوں کو مینا امرت سمجھ کر پی جی ایئر شبر نے خفیف سا بھی تعزیر نہیں کیا۔

ہو جاتی تھی کہ شاید اس کا دماغ کام ہی نہیں کر رہا تھا اگر وہ ذہنی طور
کچھ سنبھل ہوئی ہوتی تو اس ڈرامے کے کچھ بن کو صاف محسوس کرتی۔

”تم نے دیکھا!“ میں غزالہ سے مخاطب ہوئی تو میری آواز میں

یہاں ایک اور شہانہ بات یہ ہے کہ یہاں کے بچوں کو سہا

گہرائی میں سوئیاں سی ٹوٹنے لگیں، آنکھوں میں غلائی گلابی شراب

میری بے چین درمغش انگلیوں نے سارے بند قباکھوں ڈالے۔ خو

دھماکے سے ہونے لگے۔ ایک جوا لاکھی، پھوٹ پڑنے کے نتیجے پر قرار
میری آنکھوں میں اُن گنت رنگ اُتر آئے تھے۔ ہرے، پیلے، لال، سیاہ

۰ شہزاد کا جسم ابتدا میں بالکل سرد تھا مگر تاج کے ہر وقت ا

ہوئی پکارا بر لبیک کہنے کے لئے میرے بدن کا رشتہ رشتہ ہمک رہا کہ

41

آدمی نے سوتو نہ جانے کہاں کہاں لے گئی۔ میں نے مہتاب کو اپنی خوش
میں طلوع ہوتے ہوئے دیکھا اور خود کو اس مہتاب کی ٹھکانوں میں
گم ہوتا ہوا محسوس کیا۔ کاش ہنگام دھال کے وہ لحظات، پتھر کی لکیر
کی طرح دائم و قائم ہو جاتے اور میرے ہوشوں پر جزم پڑتی ہوں کہ کمال
کبھی اسودہ نہ ہوتیں۔ میرا جہاں جا رہا تھا، وقت سے کہوں لگ جالام!
پھر جا رہا، لمبے لمبے ثبات چاہتے ہیں، ان لمحوں کو آسجیات دلا دے۔ اور
وقت! اور فلک! وقت! تو سنا کیوں نہیں؟ دیکھ تو یہی! آج شبانہ
کی جوانی مجھے فرزند کر رہی ہے۔ کیا تو کبھی شبانہ کو نہیں دیکھا؟ نہیں
دیکھا تو آج دیکھ لے، اہ! یہ شبانہ! یہ جو میرے سینے پر لکھی ہوئی ہے
یہ جو میرے وجود پر چھائی ہوئی ہے۔ یہ جو سہلے زمیں ہے۔ یہ جو شریک
ناہید ہے۔ کیا تو نے اس کی آواز نہیں سنی؟ اس کے گلے میں راگوں کا
چمن پھلتا ہے۔ اس کی جال دیکھ کر افسوس دھما کا دل دھڑک اٹھتا ہے
اس کی نظر اٹھتی ہے کہ پتھر کو تراش دینا ہے اور جب اس کی جگہ
شراب ملے گی۔

لیکن میں یہ سب کچھ نہ کہہ سکتا تھا، خواہش کے باوجود مجھے کچھ
کہنے کا ہوش نہیں تھا۔
وقت، بہرہ وقت، و ظالم وقت گزر گیا۔ میرے پیٹنگیں لیتے
ہوئے جہم میں بارے بیٹھیں نہ رہی۔ ایک دو کھلا اور میرے ہوش مست
ہو اس حال آخر ایک کینے پر کثرت و انبساط کے گم پر کھڑ گیا۔

پھر دکن کی منٹ کا تھوڑا سا وقت کی خوش میں گزارا۔ اس کے
بعد جب میں نے آٹھ گھنٹہ کراد کر جو کا جائزہ لیا تو مجھے غرا لکڑیوں
آئی وہ نہ جانے کب کس سے ملی گئی تھی۔ شبانہ کا سر میرے دائیں
بانہ پر رکھا ہوا تھا اور لکڑی زلفیں میرے چہرے پر بھی پھری ہوئی
تھیں۔ وہ آٹھ گھنٹہ کے ہونے بھی پہلے کے سنہری رویش اس کے
گندہ بلی پر چھلا رہے تھے۔ میں نے ایک پھر پھر سی لی اور محسوس
کیا کہ اگر شبانہ پھر دیکھ اسی طرح میرے قریب ہی تو میں ایک بار
پھر گر جان جاں کا عالم میں، و سٹوں کے صحرائی طرف لٹل جاؤں گی۔
"جی! ایسے سہلے ہوٹ اس کے گال پر گلٹانے"۔ اب آٹھ
جاؤ چننا

مجھی پیکس اس طرح آٹھ گھنٹہ کے دل کی دنیا ذریعہ درہوے
گئی۔ اس نے اپنی ٹوڑا آنھوں سے ایک بار میری طرف دیکھا اور
پھر نظر پڑا کہ میرے کا حانہ لیتے گئی۔
"ڈوہ نہیں؟ میں بولی یہ وہ پائل اب کسے میں نہیں ہے؟"
شبانہ نے پھر انھیں بند کر لیں میں نے غصے کیا کہ وہ تیرے
اٹھتے ہوئے شواہد ہے۔ میں نے سانس ہی بھاگتا تھا کہ وہ تو ہم میں
جاؤں اپنا تخیل درست کر لوں اور اسے بھی ٹھیک ٹھاک کہنے کا
موقع دوں۔

ساتھ کوسم میں مہاراجا سید دوست لے کر
ہائے میں سوچ رہی تھی کہ وہ آفت کی پرکار نہ جانے
برگئی ہے۔
جب میں ہاتھ دھو کر سے نکلی تو شبانہ ساڑی ہاتھ
مٹھی ہوئی تھی اور اس کی نظریں بھی ہوئی تھیں۔ میں نے
میں دیکھا اور پھر اس سے مخاطب ہونے لگا کہ کبھی
نہ چل کر گوانا اٹھنا کچھ گھر پر رکھا، ابک شیاف
دوسری منتظر چروں کو بھی بھلا لے۔ ان کاوں میں ملے
گئے اور اس دوران میں شبانہ چاہتے چاہتے رہی
"اے! میں ایک ٹول سانس لے کر اس کی طرف
اب بتاؤ کیا بیوگی؟ چاہئے یا کوئی ٹھکانا مشرب
تو بھی برا نہیں ہے؟"
"میں جانا چاہتی ہوں"۔ شبانہ بھڑکی ہوئی
کی نظریں بدلتی ہوئی ہوئی تھیں۔ وہ منتظر
ملکی طرح نظر آ رہی تھی۔
"جلی کا تابا اب کی جلدی بھی کیا ہے، بھٹ
ہوں۔ چاہئے کہ کبھی ڈول
وہ شاید مجھے دونا چاہتی تھی لیکن اس کے
سی لڑش ہو کر رہ گئی۔ میں سکتی ہوئی کس سے ملی
لے کہنے کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی دیکھنا چاہتی تھی کہ
فریاد مجھے ایک غافلہ یاد اور بولی۔
غرا لکڑی کی تھی میں۔
میں نے غافلہ چاک کیا اس میں میرے
خط تھا۔
بانو!

آؤ نہ دھال کی نیل مہاراج
مجھے انعام نہ دیا تو یہ زیادتی ہوئی۔ مجھے
وقت گھر پہنچنے کی جلدی ہے اور میں جانیں
آپ کو بالکل جلدی نہیں ہوگی لہذا میں
شام کو یا صبح آؤں گی۔
فریاد! میں نے اس خط کو پڑھنے
تم میرے کمرے میں چاہئے بھلا دو۔ کھانے میں آؤ
"جی ہاں! ایک گندہ گئے گا"
میں نے اسے کمرے میں لوٹ آئی جہاں شیا
پر چھٹی تھی اور اس نے اب اپنا پتلا ہونٹ ناٹوں
میں اس کے پیچھے جا کھڑی ہوئی اور بائیں آنسو

میں نے اسے اس خط کو پڑھنے
تم میرے کمرے میں چاہئے بھلا دو۔ کھانے میں آؤ
"جی ہاں! ایک گندہ گئے گا"
میں نے اسے کمرے میں لوٹ آئی جہاں شیا
پر چھٹی تھی اور اس نے اب اپنا پتلا ہونٹ ناٹوں
میں اس کے پیچھے جا کھڑی ہوئی اور بائیں آنسو

لیا تم مجھے نہ ناراض ہو؟
ناٹوں رہی اس نے لب لباب مجھے نہ غرا لکڑی کے پاس
ہاتھ تھا اور اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی تھی کہ وہ اب اس
تھی۔
آئی آئی نے کہا شروع کیا۔ تم نے میری اتفاقاً طبع کو تو
ہاتھ! ان شئی! ان خوبصورت لوگوں کی میری کمزوری ہیں،
میری سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ جب میں نے نہیں
لما تھا، اسی وقت تم نے میرے دل کے اس گوشے میں جگہ
ال دوسری لوگوں کا گزیر نہیں ہوتا تھا۔ اس وقت سے
ہمیں دل و دماغ میں ہمیشہ ہی میری بیوی کی عین
فہار اس جھلنا رہا ہے۔ میری سانسوں میں تباہی
ہست کو گئی رہی ہے۔ جی! تم میرے حواس پر چھائی ہوئی
لی کہ تم زندگی بھر میرے حواس پر چھائی رہو گی۔ میں
مزہیں بھول سکتی۔
کیات کھڑی ہوئی۔ "میں اب جانا چاہتی ہوں،
چاہئے تو۔۔۔"
اب جاؤں گی۔"۔ شبانہ کچھ دوا لیتی ہوئی۔
ایں لے ایک ٹول سانس لی، جیسی تباہی مرضی، آؤ،
وہ درد اور دانے کی طرف بڑھی۔
میں نے پتھر کس سے اپنا ہاتھ پھڑپھڑاتے ہوئے کہا شکریہ
ہاؤں گی!
"میں اپنی کار میں چھڑاؤں گی"
"گھر پر آئیں کسی کمرے کی"
"میں کسی دنا بڑا مشکل ہو سکتی"
"میں لکڑی کی جاؤں گی۔ آپ فکر نہ کریں، ہاؤں نے
اور ہاتھ سے آخر کرتیری سے پھاٹک کی طرف

میں نے کچھ اگے سے چروٹے کی کوشش کر دی تھی
اور ایک عجیب عالم سے گزری ہے۔ آج اس
اٹل میں ہاتھ اسے سنبھال لینے کے کچھ وقت
ال اس کی کیفیت ایسی تھی کہ اگر وہ میرے اظہار و جہت
اٹل بھی کرتی تو نہ سمجھ پاتی۔
کہ میں لوٹ آئی اور رت پر لٹ گئی لیکن ابھی تک
مجھ ہاتھ میں آٹھ گھنٹہ میں بند کر کے ہاتھوں
آئی، و ذرا پہلے یہ ستر چھٹا کر لوں گا مگر بنا ہونے
میں مجھے فریاد نے اطلاع دی کہ کھانا تیار ہے۔
بھلاؤں! میں نے فریاد سے کہا اور اٹھ کر

ہاتھ دھو کر میں چلی گئی۔ میں منٹ میں سے ہاتھ طبع میں گزرا دینے اور پھر
بدن خشک کرنے کے شواہد سڑپ میں لیا۔
کھانا کھانے کے بعد پھر پھر خوشی منٹ ہونے لگی تھی اس نے میں
پھر کو کوئی جب میری آنکھ میں تو شام ہو چکی تھی۔ یہاں کے بعد بھی میں
کچھ دیر تک ستر پر ہی بیٹھی رہی۔ مجھ وہ دیکھتے ہوئے لحاظ دلائے تھے
مجھ نے شبانہ کے ساتھ گزارے تھے۔ ان بادل نے میرے جسم کی منٹ
بھری دھن کو خود کو بہت جاک و چوڑی غصے کرنے لگی۔ میں نے آنکھ کر
لاٹ جلائی اور ہاتھ دھو کر میں جاکر رت پر پائے کے چھکے مارے۔ لب بھٹے
کھ جائے کی تیاری کرنا تھی۔ میں نے الماری سے بٹے سبز رنگ کی عین
ساڑی نکال کر ہاتھ میں اس شام میں ہی چھٹی تھی اس نے میں نے الماری
سے ساہو رنگ کا اسٹول بھی نکالا اور اسے شانوں پر ڈال لیا یہ اسٹول
میری ایک مجرہ میں پچھلے سال مجھے فرانس سے بھیجا تھا۔
آٹھ بجے میں اپنے کمرے سے نکلے کا ارادہ کر رہی تھی کہ بہر کس
موٹر سائیکل کے کسے کی آواز سنا لی دی۔ غالباً ڈونان ہوگا میں نے سوچا
اور دوا دیر بعد ہی میرے خیال کی تصدیق ہوئی۔ فریاد نے اگر تباہ یا کھانے
میں ڈونان پر منتظر ہے۔
میں اپنے شاؤل پر اسٹول درست کرتی ہوئی ڈانٹا ڈم میں داخل
ہوئی تو ڈونان ایک کھڑا ہو گیا اور اس میں پھاٹکا کر مجھے دیکھا ہوا
بولے۔ "کے قتل کرنے کی تیاری سے خاتون!"
"میں جو بھی ملی گیا، اس کی خیر نہیں۔ میں نے نہیں کر کہا۔
"سب سے پہلے تو میری لاٹھ میرے گنا۔"
"نہیں مہاراج! آٹھ گھنٹہ تو کمرے میں چھڑی کھلاؤں گی۔"
"میرا والی چوری؟ یہ ڈونان نے اپنے گال پر منگی دیکھ کر بڑے
اشیاق سے پوچھا۔
"میرا والی چوری؟ کھانے کی تو تم میں جہت ہی نہیں ہے۔"
"ایسا نہ کہئے۔ اگر کسی رذر لکڑی کو لوں گا ایک ڈوزلے
میٹھا تو آپ کی خیریت نہیں۔"
"نفسل بائیں چھوڑو اور میرے ساتھ آؤ! میں نے دانے
کی طرف بڑھنے ہوئے کہا۔ "ابنی موٹر سائیکل میں کھڑی رہنے دو۔"
"نہیں چلنا کہاں ہے؟"
"تم آج دن بھر کہاں غائب ہے؟ میں جواب لینے کی بجائے
سوال کر رہی۔
"آپ ہی کے حکم کی قیاس میں لگا ہوا تھا۔"
"کیا مطلب؟"
"آپ نے فرمایا تھا نا کہ خیر ہمارا کا اسٹرڈیو لو۔"
"ادہ ہاں! اچھا بھروسہ۔"
"اس نے آج شام کو جا بھجے بلایا تھا۔ اس سے کوئی ٹوٹھ
گھٹنے تک بڑی دلچسپ گفتگو رہی۔"

”یہ تو مجھے پہلے ہی معلوم ہے، فوکس نے بتایا تھا۔“

”اے آپ بہت دنوں بعد آئی ہیں،“

یہ آدمی اس قدر خوش ہے مجھ سے کہ اس نے

رنگال میں جا کر یہ آپ کا
جب یہ شہنشاہ تھے تو آپ
شہر سے بھاگنے کے لئے

کے گھر ڈرے کو بھول کر لئے بدل کو زبرد

بیتے تو آپ بھی اپنے دیکر کو دایں طرف لاکر اپنے گھوڑے کو زرد
لے لیتیں۔“
”ہوں؟ میں ہرگز بھیج کر دے گی کہ کوئی دشمنان ٹھیک کہہ رہا تھا
”آپ چال دایں لے لیں لاکر خیر مراد نے ہنسی کش کی۔
”نہیں انکسیر۔“
”کیا آپ ہمیشہ ایسا ہی کریں گی؟“
”کیا؟۔۔۔ کیا مطلب؟“ میں نے چونک کر پوچھا۔
”ہر وقت آپ کو خیر مراد ہی زبردیا چاہیں۔“
میں نے عموں کی کثیر مراد کا جو خاموشی خیر تھا۔
”آپ میری پرواہ نہ کریں۔ زبردیا کے مطلب شکست تو نہیں
ہو تاں مشیر مراد؟“
”آپ کی مرضی؟“ خیر مراد نے کہے ہوئے اپنے دماغ سے میرے
گھوڑے کے بار۔
”کیوں کی صورت بدلنے سے لے کر تشویش پاک ہو چکی تھی۔
جیسے گھوڑی کے تختہ پر ہر ایک مہر کو ہر ایک معمولی بات نہیں تھی۔
اب مجھے شکست سے بچنے کے لئے اپنے دماغ کی تکرار ملاحظیوں کو
بڑے سے کاروانے کی ضرورت تھی اور اس مدد خرابی کا سبب میری باایان
جس کے ساتھ کچھ نہیں تھا لڑی کے گلزار نے میری توجہ اس طرح حاصل کی
تھی کہ مجھے پوری طرح کھل کی طرف توجہ دینے کا بار دایں زبردیا تھا۔
لیکن اب اس باقی ہی وقتوں حالت میں جانی خطر آ رہی تھی۔
مجھے خوب انداز تھا کہ میری شکست سے کلب کے بہتر سے مہر بڑھ کر
ہو جائیں گے۔ جو لوگ میرے بار اور گھر سے ہوئے تھے انہوں نے
مجھ سے مت ہی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں اور میری اس غلط چال کا
تجربہ نہ لگا تھا کہ ان کی انکسیر میں جیسے چراغ بجھ گئے تھے۔
”بس آپ سنبھل جائیں؟“ میں نے اپنی قوت ارادی کو فروغ دینے
کے لئے دل میں دلی مراد دعا بلے کے لئے اپنے ذہن کو یکسر کر کے
کی کرشمہ میں لگ گئی۔
”کیوں آگے بڑھا دیا۔ میرا مہر ٹپ جانے کے بعد ایسا سنا بھلا
گیا تھا جیسے وہ کلب کا کوئی نہیں؟ قبرستان ہو۔“
تین چار چالوں کے بعد ہی میں اپنے ذہن کو یکسر کر کے میں کیا بات
ہو رہی تھی اور میری چالوں کا انداز جارحانہ بڑھ چلا گیا۔ خیر مراد کے ہنر و
پر جو مسکراہٹ فروغ سے اب تک قائم رہی تھی وہ کا خود ہو گئی اور
پھر جلدی ایک ایسا موقع آیا کہ اس کا رخ میری زردیاں آ گیا۔ صورت
کچھ یوں تھی کہ اگر وہ سنبھلنے کی کرشمہ میں نہ آتا تو اس کا دیر مارا
جا تا۔ نہ بلانے وقتیں نہ پاسے نام نہ دلا دیا۔ بلکہ دیکھ کر خیر مراد کے
چہرے کی رنگت بدل گئی۔
”بڑے؟“ بخوان! بھل چلا۔“
”یہ ہر گز جواب! کلب کا مسکر مڑی بھی بول نہ لایا۔ کیا خیال

پہن کر تھی، سر کے اُدے سے زیادہ بال سفید ہو چکے تھے اور یہی حال گھنی ہو چکے ہاتھ کا تھا۔ اس نے سنہری فریج کی مینک لگا رکھی تھی جس کے پیشے خاصے موٹے معلوم ہو رہے تھے۔ وہیں ہاتھ کی انگلیوں میں سکار دیا ہوا تھا جس کے سر سے لہجہ بولی راکھ یہی ظاہر کر رہی تھی کہ وہ کچھ چکا تھا۔

مجھے زیادہ دیر تک اس کا جائزہ لینے کا موقع نہیں مل سکا کیونکہ مسافروں سے درخواست کی جا رہی تھی کہ وہ پٹارہ جانے والے طیارے میں پہنچ جائیں۔

ہمت سے مسافروں کے ساتھ میں بھی اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی اور میں نے لنگھیروں سے دیکھا کہ وہ بوڑھا اپنی جگہ سے نہیں ہلا تھا۔ دوسرے ہمت سے لوگ بھی بیٹھے رہے تھے اور یہ وہ لوگ تھے جن کو لہذا کسی فلائٹ کے میں جانا پڑا۔

میں اندوہی دروازے سے رن دے کی طرف نکل گئی۔ وہاں ایک دین مسافروں کو طیارے تک لے جانے کے لئے موجود تھی۔ میں اس میں بیٹھ گئی۔ جب سامری شیپس ہجرتیں تو دین کے دروازے بند ہوئے اور وہ حرکت میں آگئی۔

میں خواہ خواہ اچھٹ میں ہو گئی ہوں میں نے اس بوڑھے کا خیال کرتے ہوئے سوچا۔ یہ ایک عام ملت ہے کہ بعض چہروں کو دیکھ کر خواہ خواہ شہنائی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

میں نے سر جھٹک کر اس بوڑھے کے خیال کو اپنے ذہن سے نکالنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ جب دین کی اور مسافر آخر کار طیارے کی طرف رخ کرنے لگے تو میں دین کی طرف سے بچنے دوئی دین کا انتظار تھا جو اتنی دکھائی دے رہی تھی۔ ذرا ہی دیر بعد وہاں ٹکی اور اس میں سے مسافر اترنے لگے۔ میں ایک ایک چہرے کا جائزہ لینے میں مصروف تھی۔ آخر آخری مسافر میری کارڈ یا لیکن اس بوڑھے کی شکل نہیں دکھائی دی۔

وہ واقعی کسی اور فلائٹ کا مسافر ہوگا، میں نے طیارے کی پیرٹھوٹ لے کرتے ہوئے سوچا۔

طیارے میں میری سیٹ خامی آگے تھی۔ وہاں تک پہنچے پہنچے میں نے جائزہ لے لیا کہ طیارے میں دو اہل پرسن تھیں مگر ان میں سے ایک بھی میرے سیار کے مطابق نہیں تھی مجھے بڑی کوفت ہوئی اور میں نے اپنی دائیں جانب کی سیٹوں کا جائزہ لیا۔ وہ شیپس جھڑکی تھیں نہ وہاں بھی کوئی ولا رڈ چہرہ نہیں تھا۔ یہی جو شخصوں والے تھے میری سیٹ کھڑکی کے قریب تھی اور میرے برابر کی دو نوٹوں شیپس خالی تھیں۔ اب میں اس میں دھا کر سکتی تھی مگر ان شیپس کے بجائے جاگ جائیں لیکن یہ مشکل دو منٹ بعد میری دعا کی ناقبولیت کا بھاس فیصد ثبوت مل گیا، یعنی کنا سے والی سیٹ پر ایک اور صبر و حذر

خان صاحب آ بیٹھے۔ اب ہمت پرچ کی سیٹ دل میں گر گھٹا کر دعا مانگنے لگی کہ کم سے کم اس چہرہ نہ آئے۔

میری یہ دعا قبول ہو گئی۔ اس سیٹ پر آیا لیکن یہ کسی کی کوئی گڈز بین نہیں تھی۔ آئی رہی اور جا رنے کے دروازے سے میری شیپس مایوس ہو کر ٹشٹ گاہ سے ایک نکال ادا تھا کچھ دیر بعد جا رنے تک آتے گئے۔

میں نے جو مجھے اب سرگرم تھی میں نے ٹوکس اور بھی سوچا کہ ان میں سے ایک کو میرے سامنے اس طرح وہ دونوں چکر کر رہے تھے اور میرا پتہ لگا ایک کر دیتے۔

طیارے کو پرواز کرتے ہوئے آدھا گھنٹہ مستط ہونے لگی۔ سفر میں اگر کوئی سہری چہرہ کی فضا بھی بوجھل ہو تو کچھ بڑی شدید بودیت میں یہ سوچ کر اپنی سیٹ سے اٹھ کر طیارے لیا جائے شاید کہیں دو چار سانس لینے مل جائے۔

میں دوبارہ راستے پر چلی پڑی۔ دم سوچا ہوگا کہ میں ہاتھ دوڑا جا رہی ہوں۔ کی نشستوں پر پہنچتی چلی جا رہی تھیں کہ ایک قدم ڈگمگائے۔

وہ چہرہ اس پر اسرار بوڑھے کا تھا اور انبار پڑنے میں مصروف تھا۔ گو میں اسے نہ اب اسے دوبارہ ملنے کو دیکھ کر میرے دل شہادت کی جڑیں مضبوط ہونے لگیں۔

کالا ضرور ہے۔ میں ایک لمحے کے لئے ٹھنک پڑنے لگی تھی۔ میں بوڑھے کے برابر کی نظر اس انبار سے نہیں اٹھ سکتی لیکن حرکت سے باخبر ہوگا۔

میں چھ سات قدم آگے بڑھی جھٹکے سے دو چار بوڑھا بڑا اس پر تہلے کو میری جہاں نشانہ تھی لیکن اسے دیکھ کر ایک لازمی امر تھا۔

اب دیکھئے گی، اس کی ناراضگی کا یہ انداز دنا اس کے برابر میں ہی رہی۔ دونوں شہنائی ہاتھ سے مخالف کیا۔

اب بیٹے میں بولی ادا اس کی نگاہیں بدلتی ہیں۔ میں نے خفا کی انداز میں کلمہ پڑھا۔ مگر گھبراہٹ میری طرف دیکھا اور پھر نظر اس

ان میں نے پیار بھرے انداز میں پوچھا۔ "میں کوئی بڑی ہوں؟" وہ جیسے دوا ہوا سی مائل کر لیا ہے اب تو میرا بیچا چھوڑ دینے والا دین بخیر ہو کر بولی یہ شہنائی تم نے ہی انداز میں غصے کیا ہے۔ کاش تم میرے اچھے تم سے پیار ہے۔ مجھے تم سے بہت کچھ... شہنائی کا یہ یہ لفظ بھی میرے گھر سے آگے ہی وقت آیا تھا یہی تم اندازہ لگاتا شدید ہے۔

اسی یہ واقعہ یہ پیار مجھے کتنا پیارا ہونا اس بات کو دیکھتے۔ بانو! مجھے موت کی بات کر لیتیں۔

مگر نا ایک زہر ہے۔ یہ کیفیت ایک صحت کو زہری اندھا جاتی چلی جاتی ہے مگر اب گردہ جاتا ہے۔ میں نے تو اگر کوشش کی تھی جہاں رہتے رہتے

اب اس میں کی، واد اتنی مدد دے ہوئے وہ کچھ نہ سن سکیں۔

میں نے دینے میں مصروف تھے دو سال پہلے۔ شہنائی اس طرح ساکت ادا کی کہ بڑے میں سے ہی اس جہاں لے کر اس میں تھوڑی سی

اب اس نے مل کر میں اس پر اسرار ہاتھ سے اسے

ہوا تھا کہ شہنائی کی ندا مٹا کر اس طرح رونے کی جگہ۔ "کیا تم وہاں پہنچ جا رہی ہو؟" میں نے چلے پھرنے کے بعد پوچھا۔

"ہاں!" "لیکن تمہاری ماں تو کل ہی کہتی تھیں کہ تمہیں!" "آج کی مصروفیت سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔" "تمہیں اپنا کچھ بڑی جگہ کا خیال کیوں آ گیا؟" "میں یہاں سے مری چلی جاؤں گی۔"

"میری خوب دین ہو رہی ہوگی، سیزن ختم ہو چکا ہے۔" "مجھ میں ذہنی طور پر زیادہ اب سیٹ ہو جاتی ہوئی تو ذہنی کے سرور پر لے کر بڑا سکون بخشتے ہیں۔"

"یہ کچھ کھانا ہے؟" میں نے ایک ٹریل سانس لے کر کہا۔ "دیر لڑائی میں صرف اچھی ٹھکانوں کو سکون ملتا ہے جو اپنی ذات کے خول میں بند رہتے ہیں۔ ان خول سے باہر نکلنا شہنائی کی گواہی مقسوم نہ بناؤ۔ زندگی کا حق ذات کے خول میں بھی نہیں ملتا۔"

"مٹوئے کلبے حد شکر ہے۔ شہنائی کے لیے میں ایک بار پھر تعلق خود کر آئی یہ کیا یہ لیکن نہیں کہ آپ میری برادری کے غم میں جو بلا ہونا چھوڑ دیں، بڑا کم ہوگا اگر آپ مجھے بھول جائیں۔"

میں نے ہنرٹ بیٹھنے سے شہنائی کو کھانا کھا لیا۔ سوختہ تھا وہ کوئی بہت بڑی ٹھکانے کے بعد ہی بھول گئی تھی لیکن مجھے ذہنی یہ تھا کہ وہ کوئی بڑی ٹھکانے کے مری نہ جاتے!

پہنچ کر ایک کاسٹروٹ بوجھل ہو کر شہنائی جب بڑی آواز پڑی تو مجھ سے جدا ہوئی تو اس نے مجھ سے ایک دھمکی بھلا کنا بھی گوارہ نہیں کیا۔ یہ وہی ہے جسے بڑا غنا بانگ تھا لیکن میں اسے برداشت کرنے کے کوا کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

پہنچ کر ہی میں وہ چار اسرار بوڑھا بھی جہاز سے اتر گیا اور اب مجھے پھر یہی ملت ہو چکی کہ اس بوڑھے کے ہاتھ میں خود خواہ اچھٹ کا شکار ہو گئی تھی۔ اگر وہ میری نگاہوں کو رہا ہوتا تو پہنچ کر ہی کیوں اترتا؟ پہنچ کر ہی شہنائی کی فضا میں وہاں سے نہائی نشست پر آج بھی بڑے کیے گئے اور وہی اور ماحول دیا تو وہی کی بات میرے ذہن میں گونجنی لگی۔

تم سے ملنا خوشی کی بابت سہی

تم سے مل کر اداس رہتا ہوں

شہنائی کے ہونے آج سے پچھلے پانچویں کیس لینے کے بعد پڑا نہ منٹ تک تو کچھ پڑا پچھلے ایک پڑا پچھلے کیس میں پچھلے گرد ہاں سے روانہ ہو گئی۔ جہاں میں کوئی نہیں قیام نہیں کرنا چاہتی تھی اس لئے میں نے ڈیوٹیور کو نظر کا پتہ دیا تھا۔

تاہم خان سال ہجرت کے کواچی میں زیر تعلیم رہی تھی اور

اس سے میرے لفظات کی نزولیت بڑی بھر پور رہی تھی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد کراچی چھوڑتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آتے تھے۔ اور میں نے اس کی گڑبڑ آنکھوں کو چھوتے ہوئے وعدہ کیا تھا کہ اس سے ملنے پٹا دو ضرور دوں گی۔

لیکن اس کی نزولیت سال بھر کے بعد ہی تھی۔ اس عرصے میں ان کے ہندو بیس خطہ بیسے پاس آچکے تھے لیکن میں تین چار مرتبہ زیادہ جوباب میں نے سنی تھی مہرمل آن خطوط ہی کی وجہ سے مجھے معلوم تھا کہ ابھی ناکلی شادی نہیں ہوئی تھی اور وہ اپنے باپ کی ہلکے سا تھی۔ میں یہ سوچ کر شکر لے کر تھی کہ نظریے کے ساتھ خوشی سے چل رہی ہوں۔

بلنگی مجھے حکومت یاد آئے تھے جو میں نے ناکہ کے ساتھ گزرتے تھے۔ پارلیمنٹ کی اس مکان کے سامنے جاؤ گی جس کا پتہ میں نے ڈیڑھ دو گز دیا تھا۔ اس مکان کی بناوٹ خاصے پورے طرز کی تھی لیکن بہت جڑا اور پر شکوہ تھا۔ اسے دیکھ کر کہیں کی مہرمل کا اندازہ آسانی سے کیا جاسکتا تھا۔ تعلیم کے باقی سنی تھی کہ اس کا باپ بٹانہ کے بہت بڑے گھرانے میں سے ایک ہے اور تعلیم کی تجارت کے میدان میں کوئی بھی اس کا ہم نوا نہیں ہے۔

جب میں نے مکان کے دروازے پر دستک دی تو ایک ملازم نے دروازہ کھولا۔

”مجھے ناظر سے منسوب ہے۔ میں نے اسے بتایا۔“

”آپ کا نام؟“

”جاگرتھن اتانادو کہیں کراچی سے آئے ہیں۔“

ملازم نے کہا کہ میں اسے فوراً ملنے لگاؤں اور اس سے مل کر وہ میرا بیچا کیس کا کاروبار کرنے والے پر دیکھتے ہیں کہ اس نے تیل کی کار پھر میں نے اسے کہہ کر نہ دھت کر دیا۔

میں دروازے پر کھڑی ہوئی تھی کہ ایک مجھے یوں محسوس ہوا جیسے مکان میں پہنچ چکا ہوں۔ چپڑوں کے گرنے کی آوازوں کے ساتھ دھنستے تھوڑے تھوڑے کی جھک میں سناؤں نے یہی تھی اور وہ دمک تیزی سے دروازے کی طرف بڑھتی چلی آ رہی تھی۔ زیادہ لمبے نہیں گزرتے پائے تھے کہ میں ہی اس مہرمل کی اندر پہنچی۔ وہ مہرمل داخل ناکہ تھی۔ بے صاف تھے۔ بدن کا ہوش میں ہاتھ دھو رہے تھے۔ بے نیاز وہ گئی تھی مجھ سے۔ ان کی تھی اور مجھ سے اس کی بری طرح لپٹ تھی تھی جیسے میں کر دیکھنے لگی۔

”اے اے! میں اپنی تھی ہوئی بولی کی میری اس زبان تو لوگوں کی وہ بہتر تھی جیسے ہوئے۔ ذات پر ذات ہمارا بولی کی جی تو یہی چاہ رہا ہے کہ آپ کو جان کے ملازم سال بھر کے بعد کراچی کو آج کیا ہے آپ نے؟“

بڑی شکل سے میں نے خود کو اس کی گزرتے سے بچا دیا اور وہ میری کان پر کر کے غریباً گھسیتی ہوئی اندر چلے جانے لگی۔

”اے اے! میرا بیچا کیس بھی تو رہا ہے۔“

”پہننے ہوئے کیا۔“

”داؤد گل! اس نے شاید ملازم کو ان کی کر دواڑ سے اچھی کیس اٹھا لئے۔“

”بھروسہ مجھے کہتی ہوئی اس کی کمرے میں ایک مہرمل تھی ہوئی تھی۔ اس کا ناکہ آتے تھا اپنی وضع قطع سے کہ وہ آتی چھان معلوم ہو؟“

”ہاں! ناظر نے اس سے پتہ چل گیا تھا۔“

”تو اسے ذکر کیا کرتی تھی؟“

”ماں نے مسکرا کر میری طرف دیکھتے ہوئے۔“

”میں نے ملازم کے بیچا کیس میں لگا دیا۔“

”ہے۔ اس نے ضرور مجھے کراچیاں کا ہونا۔“

”میرا بیچا ان سے پتہ چل گیا کہ میں کراچی میں آئی۔“

”اس نے جیسے کھل کر کہا۔ میں نے اسے ناظر کر کے پتہ چل گیا کہ میں کراچی میں آئی۔“

”ملازم نے کہا کہ وہ دروازے پر دستک دی تو ایک ملازم نے دروازہ کھولا۔“

”اے اے! ناظر نے ناظر کو بولی۔“

”جھوٹ ٹوٹ کر آتی تھی۔ اگر میرا بیچا تھی؟“

”چلو مرتبہ مجھ سے ملنے آجی تو میں۔“

”میرے وقت! میں ناظر سے پتہ چل گیا۔“

”معلوم کر رہی ہیں زندگی کتنی شیریں ہے۔“

”مجھے تو نہیں لیانا اس کے شیریں ہے۔“

”اس کی ماں نے مجھے اسے اور سنی ہوئی۔“

”کیا کسی صاف تھوڑے کرے میں لپکا کر رہا؟“

”کہہ کر وہ ان کے لئے ہمارے گھر کا رہ۔“

”اس کی ضرورت نہیں ماں جی! میں۔“

”ہی کہہ کر میں ہوا جو ان کی ایک ناکہ کے بڑی تھوڑے کرے کے لئے والی۔“

”میرا بیچا تھی میری کان کو بھجوا دیا اور مجھے کھڑی ہوئی۔“

”میرا بیچا تو نہ آیا تھا؟“

”کیسے! میرا بیچا تو نہ آیا تھا۔“

”مجھے اس طرح کہتی ہوئی وہ۔“

”میں نے گئی اور مجھے بہتر سے دیکھتے۔“

”میں کہہ کر پتہ چل گیا تھا۔“

”اندازہ مجھے کراچیاں کا ہونا۔“

”دواؤں کو نہ کر لیا۔“

”اے اے! میرا بیچا کیس بھی تو رہا ہے۔“

”پہننے ہوئے کیا۔“

”داؤد گل! اس نے شاید ملازم کو ان کی کر دواڑ سے اچھی کیس اٹھا لئے۔“

”بھروسہ مجھے کہتی ہوئی اس کی کمرے میں ایک مہرمل تھی ہوئی تھی۔ اس کا ناکہ آتے تھا اپنی وضع قطع سے کہ وہ آتی چھان معلوم ہو؟“

”ہاں! ناظر نے اس سے پتہ چل گیا تھا۔“

”تو اسے ذکر کیا کرتی تھی؟“

”ماں نے مسکرا کر میری طرف دیکھتے ہوئے۔“

”میں نے ملازم کے بیچا کیس میں لگا دیا۔“

”ہے۔ اس نے ضرور مجھے کراچیاں کا ہونا۔“

”میرا بیچا ان سے پتہ چل گیا کہ میں کراچی میں آئی۔“

”اس نے جیسے کھل کر کہا۔ میں نے اسے ناظر کر کے پتہ چل گیا کہ میں کراچی میں آئی۔“

”ملازم نے کہا کہ وہ دروازے پر دستک دی تو ایک ملازم نے دروازہ کھولا۔“

”اے اے! ناظر نے ناظر کو بولی۔“

”جھوٹ ٹوٹ کر آتی تھی۔ اگر میرا بیچا تھی؟“

”چلو مرتبہ مجھ سے ملنے آجی تو میں۔“

”میرے وقت! میں ناظر سے پتہ چل گیا۔“

”معلوم کر رہی ہیں زندگی کتنی شیریں ہے۔“

”مجھے تو نہیں لیانا اس کے شیریں ہے۔“

”اس کی ماں نے مجھے اسے اور سنی ہوئی۔“

”کیا کسی صاف تھوڑے کرے میں لپکا کر رہا؟“

”کہہ کر وہ ان کے لئے ہمارے گھر کا رہ۔“

”اس کی ضرورت نہیں ماں جی! میں۔“

”ہی کہہ کر میں ہوا جو ان کی ایک ناکہ کے بڑی تھوڑے کرے کے لئے والی۔“

”میرا بیچا تھی میری کان کو بھجوا دیا اور مجھے کھڑی ہوئی۔“

”میرا بیچا تو نہ آیا تھا؟“

”کیسے! میرا بیچا تو نہ آیا تھا۔“

”مجھے اس طرح کہتی ہوئی وہ۔“

”میں نے گئی اور مجھے بہتر سے دیکھتے۔“

”میں کہہ کر پتہ چل گیا تھا۔“

”اندازہ مجھے کراچیاں کا ہونا۔“

”دواؤں کو نہ کر لیا۔“

”اے اے! میرا بیچا کیس بھی تو رہا ہے۔“

”پہننے ہوئے کیا۔“

”داؤد گل! اس نے شاید ملازم کو ان کی کر دواڑ سے اچھی کیس اٹھا لئے۔“

”بھروسہ مجھے کہتی ہوئی اس کی کمرے میں ایک مہرمل تھی ہوئی تھی۔ اس کا ناکہ آتے تھا اپنی وضع قطع سے کہ وہ آتی چھان معلوم ہو؟“

”ہاں! ناظر نے اس سے پتہ چل گیا تھا۔“

”تو اسے ذکر کیا کرتی تھی؟“

”ماں نے مسکرا کر میری طرف دیکھتے ہوئے۔“

”میں نے ملازم کے بیچا کیس میں لگا دیا۔“

”ہے۔ اس نے ضرور مجھے کراچیاں کا ہونا۔“

”میرا بیچا ان سے پتہ چل گیا کہ میں کراچی میں آئی۔“

”اس نے جیسے کھل کر کہا۔ میں نے اسے ناظر کر کے پتہ چل گیا کہ میں کراچی میں آئی۔“

”ملازم نے کہا کہ وہ دروازے پر دستک دی تو ایک ملازم نے دروازہ کھولا۔“

”اے اے! ناظر نے ناظر کو بولی۔“

”جھوٹ ٹوٹ کر آتی تھی۔ اگر میرا بیچا تھی؟“

”چلو مرتبہ مجھ سے ملنے آجی تو میں۔“

”میرے وقت! میں ناظر سے پتہ چل گیا۔“

”معلوم کر رہی ہیں زندگی کتنی شیریں ہے۔“

”مجھے تو نہیں لیانا اس کے شیریں ہے۔“

”اس کی ماں نے مجھے اسے اور سنی ہوئی۔“

”کیا کسی صاف تھوڑے کرے میں لپکا کر رہا؟“

”کہہ کر وہ ان کے لئے ہمارے گھر کا رہ۔“

”اس کی ضرورت نہیں ماں جی! میں۔“

”ہی کہہ کر میں ہوا جو ان کی ایک ناکہ کے بڑی تھوڑے کرے کے لئے والی۔“

”میرا بیچا تھی میری کان کو بھجوا دیا اور مجھے کھڑی ہوئی۔“

”میرا بیچا تو نہ آیا تھا؟“

”کیسے! میرا بیچا تو نہ آیا تھا۔“

”مجھے اس طرح کہتی ہوئی وہ۔“

”میں نے گئی اور مجھے بہتر سے دیکھتے۔“

”میں کہہ کر پتہ چل گیا تھا۔“

”اندازہ مجھے کراچیاں کا ہونا۔“

”دواؤں کو نہ کر لیا۔“

لگا تھا کہ جن کو میری خلق پر وہ میں بھی اور اب میری قیادت کا سفر کس ناشیب کی طرف جاری تھا جہاں ایک بیسپ تشہیر لب تھی۔

میرے ہنٹوں سے سائبان اس وقت شاہجی میری لود میں ایک انجین میں آگئی تھی کہ خطے کے خطے میں تھیں۔ ناظر نے اپنے دانت سے کیسے شلے لگا دیے۔ اس کی سانسوں میں گواہی بڑھتی تھیں اور میرا اعلیٰ ماسوٹے بھان، کچھ نہ تھا۔ دیکھ کر کانوں میں ایسی آوازیں آنے لگی تھیں جیسے مرد و کثیف کی دھماکہ لپٹنے پڑوں میں گھسنا گھسنا باندھ لیتے ہوں اور جھجھک جھجھک میں آتی تھی جلی جاری ہو۔ لیکن اب جیسے ہنگاموں سے میری گھٹنا تھما تھما میری اب میری ہی طرح شدید و فعال ہو گئی تھی۔ اس کی انگلیوں کی پولوں نے میرے وجود کے مائلوں پر ایک ایسا غور ہو گیا جو اگر ہمارے لپٹن میں آتے تو آتش فشاں بن جاتے اور پولوں کی رنگ رنگ میں اسے تو اسے چن کر دھکا دے۔ ناظر کے پولوں کی وجہ ان حرکت سے اس لئے کی تھیں تیرے تیز تر ہوتی تھی۔

اور میری اس تشہیر لب بیسپ کے ہنٹ جھجھکی تھی اور خود کو آگئی کے خطے سے قریب تیار ہی تھی۔ ہمارے وجود و زلفیت کی چامروں کی طرح تن گئے۔ آستانے کو ٹوٹ گئے، کچھ گئے، منتشر ہو گئے اور وہ نہ لہو لہو ایک تھا تاہم ایک میں وہ جوتا چلا گیا۔ ہم زخمی ہو کر تھی ہوئی جھل میں بھٹتے چلے گئے اور پھر انھیں کھولنے کو جی نہیں چاہا۔



دوسری صبح میں ناظر کو یہ کہہ کر حیرت دی تھی کہ تم تو رات میرے کھانے کے ارادے باندھ رہے تھیں!

”ہاں! اس نے کہا کہ میں اس لئے کر رہا ہوں۔ پہلے تو میری جی چاہتا ہے لیکن پھر... وہ اپنا جھگڑا کر کے کی بجائے نہیں پڑی۔“

”خیر! آج رات سی۔“

”نہیں ناظر! آج شام کو تو میں یہاں نہیں ہوں گی۔“

”اے جی! بڑی آئیں نہ ہونے والی۔“

”تم میری بات تو سن لو چاند!..... مجھے ایک خاص کام سے قبائلی علاقے کی طرف جانا ہے اور یہ کام مجھے حکومت کی طرف سے سونپا گیا ہے۔ میں ایک خاص پیغام لے کر جا رہی ہوں اور اس مسئلے میں مجھے تم سے بھی ایک چھوٹی سی مدد درکار ہے۔“

ناظر حیرت و پریشان سے میری طرف دیکھ رہی تھی اور میں ہلکی چلی جا رہی تھی۔ میں ایک مائل و عورت کے رتبہ میں اس علاقے کا رخ نہیں کر سکتی اس لئے تم مجھے پٹھانوں کا غور میں روانہ لباس پہنا کر دو۔ میں اب ہر وہ کہنے کے بعد کیا یہاں سے روانہ ہو سکتی ہوں۔“

”میری کچھ نہیں اس لئے کہ آپ کیا کر رہی ہیں! ناظر پریشان

ہو کر بولے۔

”میں نے تو کوئی کچھ بھی ہوئی بات نہیں کی مگر کیا حکومت کے پاس آدمیوں کی کمی ہے۔“

کے پھر کر دیا۔“

”حکومت اس معاملے میں بہت زیادہ رازداری فرم کر رہی ہے کہ ہر ہر آدمی کو سونا چاہتا اور زنا فشا ہو جا میری طرف تو کسی کی توجہ ہی نہیں ہوگی۔“

مجھے یہاں چھوٹا چھوٹا اس لیے ہونا پڑا تھا۔

اپنے غم کا سہارا نہ لے سکے۔ دوسری بات یہ تھی کہ مجھے بھر کر روانہ ہونا تھا اور اس کے لئے کسی جوڑ کی نہ تھی جوڑ میں جو انھیں موجود تھا۔

ناظر نے مجھے روکنے کے لئے میں خود کو لیا تو وہ ہانسی ہو گئی اور اس کے منہ سے ایک لفظ۔

”تو کچھ۔“

میں نے ہالہ نظر دل سے اس کو مروانہ لباس پہنا کر لے کر لیا۔

”آپ کب جائیں گے؟“

”مجھے ایک رات روانہ ہو جانا چاہیے۔“

”اچھا! ناظر نے کہا اور روانہ نہ کر دیا۔“

انگھوں میں چرچہ سے مجھے گئے تھے۔

اس کا یہ راز تو میرے لئے متوقع ہی تھے بھی اس کو گئی تھی۔ ناظر کا شمار انھی لوگوں کا کر جاتی تھیں اور جب بھی مجھے سے کسی شخص کو اس جائیں۔ کسی لوگوں کو اس دیکھ کر میں بھی رونا۔

ناظر نے اپنے سببان کا لباس مار کر میرے ہونٹوں کو اس میں بولی۔ کچھ اور تو نہیں چاہئے؟“

”ناظر! میں نے اسے گھورتے ہوئے۔“

کیا ہو گیا ہے جتنا! میں اس کی شکل کی طرف تو نہیں ناظر کے ہونٹ لپکے گئے۔ بلکہ وہ نے اچانک تیزی سے پیش کر کے سے چلا جا میں نے جھپٹ کر اس کی کلائی کی پولی تھی اور جب آغوش میں مبتلے ہوئے اس کا سر لپٹے سینے پر ناظر کے ضبط کا بدن کوٹ گیا اور

نیساں پر سینے لگا میں نے اس برسات کو روک دیا کہ برس جانے کے بعد ہی مطلع صاف ہوتا۔

کچھ دیریں جب اس کی سسکیاں سن گئیں تو میں نے اس کا سر تھوڑا سا پیچھا لیا۔

برائے ہونٹ لگتی ہوئی بولی۔ میں میں میں

میں نے اس کے ہونٹ میں ہلکی سی جھپٹ کر دیکھتی رہی۔

وہ لیکن مسکراتے بڑی ہلکی ہلکی سی تھی۔

میں بولی۔ تم کسی کو بتانا کہ میں یہاں سے بھیجیں

ملائی ہو گئی مت تانا۔“

اس نے اپنے بغیر نہیں تو وہ مجھ سے پوچھیں گی۔

انہاں دیا۔ میں جانتی ہوں کہ ایسے معاملات میں تمہارا

اقتدار میں تیار کی کر ڈالوں۔“

کی میں کوئی ادھا گھنٹہ لگا اور جب میں مروانہ لباس پہنا

ماگنے کے سامنے کھڑی ہوئی تو ایک لمحے کے لئے خود

میں ایک خوبصورت نوجوان چھان لڑکا معلوم ہو

ہو گیا ہے! ناظر کی قدر کھل کر کھل کر۔

وہ! میں نے چونک کر پوچھا۔

ان دوشیرہ آپ پر غاشی ہو کر آپ کو شادی کے

منی بڑی ہاں یہ خطہ تو ہے۔ لیکن خیر! میں

نہیں ناظر سے ہو چکی ہے۔

میں بولے۔ میں کی؟ ناظر نے کہا۔

نہیں اگر اس وجہ سے مجھے دیر ہو جائے تو غم میرا ایک

ہے۔“

ان کہیں۔ میں انجی کس کھول کر اس میں

میں نے تو کھولا اور سنانے کے نام خط لکھنے

میں انا کھلا کر میں سوچے سرحد کے مقام کی طرف

یہاں مجھ نے انا مقصد سے کھا کر اس کی صحبت

کی مدد کر آئے۔

وہ میری تھی تو ناظر نے رڈ کو کا سوچے ان کر دیا۔

لیہ میری کو کتنی ہوئی اور آستانہ کی دے رہی

انجی! ناظر نے جھپٹ کر دیا تھا۔

انہاں آئی تو ٹوٹ آؤں گا

میں ہر دس بہار آئی ہے

انہاں نے کچھ ایسی نظروں سے میری طرف

ماگہ کھنکھن۔ وہ میں نے ایک لفافے میں رکھ کر

لاہ لکھنے لگے۔

ہم! میں ہاروں بعد کی پوسٹ کرنا، اگر میں

واپس نہ آؤں۔“

”تین دن میں یا چار دن میں؟“

”میں نے کچھ سوچا اور دیکھ لیا۔ چار دن رکھ لو!۔“

”مجھے کہئے میں چار دن بعد اسے پوسٹ کر دوں گی۔“

”اور یہ! انجی کس میں سنبھال کر رکھنا۔“

”یہ آپ لیکر نہیں جائیں گی؟“

”نہیں! میں نے انجی کس سے رپو اور دیکھ کر اس کی بیٹی نکلتے

ہوئے کہا! مروانہ بہر پوٹ بھر کر میں سامان اپنے ساتھ کیسے جا سکتی

ہوں۔“

ناظر نے پیشکش میں ناظر دل سے رپو اور دیکھ کر اس کی بیٹی کی طرف

دیکھا جو میں انجی گھر میں ڈال کر بائیں پیلوں میں ڈال چکی تھی۔

”اس کی بھی ضرورت پڑے گی آپ کو؟“ وہ سراسیمہ میں بولی۔

”میں ایک خطرناک علاقے میں جا رہی ہوں اس لیے مجھے ہر طرح سے

تیار تو رہنا ہی ہو گا۔“ میں نے جواب دیا اور دیکھ لیا۔ ”اب مجھے خاموشی

کے ساتھ گھر سے نکال دو کوئی عیبی دروازہ کو نذر ہو گا۔“

”میں اکھی آؤ ناظر نے کہا اور دیکھ لیا۔ ”میں نے سب مل گئی۔“

میں نے ایک بار پھر آئیں۔ میں نے سراسیمہ کا جائزہ لیا۔ رپو اور

کی وجہ سے میں کس شے تھا کس سرور کا لڑکا معلوم ہوئے لگی تھی۔

ناظر کوئی پانچ منٹ بعد واپس آئی اور اس کے اچھوں میں

کپڑے کی ایک بٹی سی دیکھ کر مسکرا دی۔ وہ سامان میں بنا کر لگی تھی۔ وہ

اس نے میرے بازو پر باندھ دیا۔ اب وہ کچھ اوس نظر نہ لگی تھی۔

”چلئے! اس نے آہستہ سے کہا۔“

”چلو!“

وہ مجھے عقبی دروازے پر لے گئی اور اس کی کٹوری کھینک کر لائی

ہوئی اور میں بولی۔ ”بائیں طرف منظر غلطی رہے گا اور پھر واپس ہاتھ کی

تیسری گلی میں چل جائے گا اس گلی کا اختتام ایک بڑی سڑک پر ہو گا۔“

”اچھا، خدا حافظ۔“ میں نے کہتے ہوئے اسے اپنی آغوش میں سمیٹا،

اس کے جوڑوں سے کچھ اور دیکھ کر اسے الگ ہو کر دروازہ کھولتی ہوئی

تیزی سے باہر نکل گئی۔

”خدا حافظ!“ میں نے اپنی پشت پر لگا کر گزرتی اور آؤں۔

میں گلی میں تیزی سے آگے بڑھی چلی گئی۔ اب میں اپنے چلنے

کا انداز بھی بدل دیا تھا میں کسی کو یہ موقع نہیں دینا چاہتی تھی کہ وہ میرے

چلنے کے انداز سے میرے عورت ہونے کا پتہ چلا لے۔

بڑی سڑک پر پہنچ کر میں نے ایک ٹانگہ رکھا اور اسٹیشن کی طرف

روانہ ہو گئی۔ ٹانگے والے کو میری زبان سے پشتون ٹکڑی اندازہ ہرگز نہیں

ہو سکا جو گا کر میں اپنی زبان نہیں ہوں۔

اسٹیشن پہنچ کر میں نے انکو آری سے مہولہ کیوں تو یہ چلا کر دو

گھٹے سے پہلے ہاں کو ٹرن نہیں جانے کی جہاں مجھے جانا تھا۔

دو ٹھٹھے کا اختلاف خاصا اگلا تھا اور دینے والا ہوتا ہے لیکن میرے لئے اس کے سوا کوئی صورت نہیں تھی کہ کُرس ٹھکنے کو بروا داشت کروں میں نے اپنی منزل کا ٹکٹ خرید لیا اور جب کُرس کے ہنسنے کے لیے چلنی لگا تو ایک ادھر میرے رخسے سے ٹکرائے ٹکرائے پچی ہو کر وہ کُرس پتھان بنی اٹھا۔

”معاف کرنا خانان! میں نے جلدی سے پشتوں میں کہا۔

اُنکے نے عجیب انداز میں منکلاتے ہوئے بس سر ہلادیا اور میں تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

ایک پہلے وہ بولا۔
 "میں نے اُسے ایک روپے کا نوٹ دیتے
 کہ مانتے ہو؟"
 وہ دھڑ سے بڑھ بیٹھا۔
 "کرتا ہے۔"
 "ابھی سے شلے بن چکے اور روپے کے نوٹ میں
 لانا جا کر کے اُسے سے پتہ کرو۔"

”کیوں؟“
”یہ آبادی تھے لوگوں پر پشتل نہیں ہے اور تم ابھی نو عمر ہو میرا خیال ہے کہ تمہاری عمر ہے۔“
”کم عمری سے کچھ نہیں ہوتا میں نے سنا نہا ہے جوئے اس کی بات کاٹ کر کہا تو کوئی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔“
”یہ شاید تم اس ریلوے کے ڈروپرکے ہے، جو ہر تمہاری کوسے لٹکا ہوا ہے لیکن میں قبیلے بتا دوں کہ رہاں رہنے والوں کے لئے ان کھلوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔“
”میں بھی یہاں کے لوگوں کو اہمیت دینے کے لئے آیا نہیں ہوں۔“
”ہمت خود منظم ہوتے ہوئے مجھے تمہا سے باپ پر حیرت ہے۔ یہ تو عاقل و بالغ آدمی ہو گا۔ اس نے تمہیں یہاں بھیجنے کی غلطی کیوں کی؟“
”میرے باپ کے انتقال کو ایک مہینہ گزر چکا ہے۔“
”اوہ! غلطی و اس کاٹ والے نے ایک غریب سائنس دان کو بھجا۔“
پھر تمہاری خود مری کھجی آتی ہے۔

359

اندر میں لولا تم اس کا طبلہ تیار تو کچھ اندازہ ہو۔
میں نے اہل شب ایک حلیہ بیان کر ڈالا۔

”اوردہ! وہ ایک آواز سنائی دی۔ اُسے تو میں ابھی طرح جانتا ہوں۔“

میں نے سوچا کہ اپنے برابر میں آکھڑے ہونے والے اس شخص کو دیکھا جس نے جسکے تھکائی ہوئے رخسار سے شہساز کی کاغذی کیا تھی۔ اس شخص کو دیکھ کر میں نے اس کے ہاتھ میں کوئی چیز دے کر قائم نہیں کی۔ وہ شکل ہی سے خندہ معلوم ہو رہا تھا۔ اس کی داہیں آنکھ کچھ بند بند سی تھی۔ دایرہ معلوم ہوتا تھا جیسے کسی شدید جرح سے اس کی آنکھ کو کچھ پیشہ ہمیشہ کے لئے ایسا بنا دیا ہو۔

میں نے غریب جانتا ہوں۔ وہ چم لولا اس کی عاتق میں ایسی ہی جلیں اس نے اپنی زندگی میں اس کے علاوہ کچھ نہیں کیا کہ لوگوں کو دھوکہ دے۔

”میرے بپ کے ساتھ دھوکہ کر کے اس نے اپنی شامت کو چھڑکا دیا ہے۔ میں غرائی ہوئی ہوں۔ مجھے حساب کتاب چھکانا خوب آتا ہے۔ کیا تم میں اتنی جنت ہے کہ اس کے دروازے پر جا کر اسے دلا کر رکھو؟“

”میں اس کا گریبان پکڑ کر اسے گھسیٹا ہوا اس کے مکان سے باہر نکال لاؤں گا۔“

”اگر تم میں اتنی جنت ہو تو میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں اس کے گھر کے دروازے پر پہنچا دوں گا۔“

”تم کون ہو؟“
”میرا نام جانو ہے میں اس اوقے کا مالک ہوں۔“ اس نے جواب دیا۔

میں انھیں میں پوچھی۔ دیر خان کی کمانی مجھے مصلحت چھیڑنا پڑی تھی۔ لیکن اب یہ اس میں چھس کر رہی تھی۔ جانو مجھے کسی دیر خان تک لے جانا اور میں یہ کہنے پر مجبور ہوئی کہ یہ وہ دیر خان نہیں ہے۔ گویا خواہ مخواہ وقت ضائع ہوتا، لیکن صورت حال ایسی تھی کہ وقت کا زبیاں ناکر ہو گیا تھا۔ میں جانو سے یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ مجھے کسی دیر خان کے گھر نہیں جانا۔

”کیا دیر خان اس وقت اپنے گھر پر ہوگا؟“ میں نے پوچھا۔

”ہو نا تو چاہیے۔“

”تو چھیڑا۔“
”بس ایک منٹ غصہ کرو! جانو نے کہا اور پھر اپنے اڈے کے ملازمین کو کچھ ہدایت دیتے ہیں پھر روت ہو گیا۔“

میں سامان کے سچے سے نکل کر ایک طرف کھڑی ہو گئی اور سگریٹ سلگنے لگی۔ پہلا کش میں نے بڑی احتیاط اوردہ ہٹائی سے لیا۔ گنگ اٹھا کہ دنیا کوئی مذاق نہیں ہے۔ اس کا ہر کش ایسے میں جا کر

اس طرح گنگا ہے جیسے ہر شے کی زمین اتر جا کر کوئی پانچ منٹ میں خار غ بزرگ بے تکلفی سے میرے کندھے پر پڑھ لگتا ہوا۔
میں اس کے ساتھ چل پڑی۔ میں نے نیچے بیٹھے ہوئے لوگ دیکھ کر جی خیر مسکرا کر بے توجہ رہے۔

بستی کے مکانوں میں روشنی ہو رہی ہوئے کی وجہ سے ایسا محسوس ہو رہا تھا۔ ہر جگہ شعلوں میں اپنے والوں کو ایسی لہریں ہو رہے تھیں جی تو رہا تھا۔

لہتے میں جانو نے مجھے سے کہہ دیا۔
”یہاں اور بدست ہوئے ہو۔“
”میں یہاں اور کا استعمال بھی غریب جانتا ہوتا ہے۔“

”اتھنا! جانو نے نہیں کر سکی بڑی اگر نہ ہوتا تو دیر خان کا پتہ لگنے میں بھی ٹھیک کر رہے ہو۔“

تمہیں بتا دوں کہ تیار اور دریا میں ہوں۔
”مجھے کہیں بھی کوئی فرق نہیں سمجھتا۔“
”ہاں پر ضرور محسوس ہوگا۔“

”دیکھا جسے گا۔“ میں نے لاپرواہی ہو کر کوئی پتہ نہ منٹ تک چلتے ہوئے کی کوٹ میں گزرا ہوا اس علاقے میں گزرا ہوا جانا ہے۔

آخر ہم ایک مکان کے دروازے پر پروتھ گئی۔

میں ارد گرد کا جائزہ لیتے ہی یہاں سے بہت قریب تھے۔ یہ مکانات کی تھا گلیاں تھیں آج کی شعلی کو ایک وقت میں نہیں کر سکتے تھے جس گلی میں گزری ہوئی کی ایک دکان تھی جہاں ملازمین کی زدوں بٹھا ہوا اور پھر ہوا تھا۔ اس پاس کے بوم کے چھینے چلاتے باروے کی آوازیں سننا

جانو کی دستک کے جواب میں اڈہ جانو۔ جواب دیا گیا اور پھر جانو نے سے کہا۔ یہ دیر خان کا رشتہ دار ہے۔ میں تو تیار دے سے آئے ہوا دیر خان دیر خان کی اسے یہ بتا دیا تو ممکن ہے کہ وہ دیر خان کو

کیا سب کو لیا۔
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“

”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“

”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“

”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“

”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“

”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“

”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“

”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“

”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“

”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“

”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“

”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“

”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“

”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“

”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“

”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“

”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“

”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“

”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“

”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“

”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“

”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“
”میں سب کو لیا۔“

گھونٹ بھرنے لگے۔
 میں نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ میری خواہش تھی کہ جو بات
 بھی ہے، وہ کھل کر ملہاؤں جلد سانسے آجائے۔ یہ انتظار تو اچھا ہا
 نکلن ثابت ہو رہا تھا۔

ان دنوں نے ٹھہرنے کے پہلے گھاس تو اتنی جلدی ختم کر لئے
 جیسے وہ چلی ہوئی آگ نہیں اٹھنے سے شرم نہ سمجھتا۔ پھر دوسرے دو
 چلا اور وہ بھی دس منٹ میں ختم ہو گیا۔ تیسرا دو شروع ہوا تو وہ آہیں
 میں کچھ اس قسم کا ہنسی مذاق کرنے لگے جو راز دے سے تہہ بہ تہہ
 دائرے سے نکلا ہوا تھا۔ اب یہ راز تھا تھا کہ اب بات کچھ کچھ سمجھیں
 آئے گی۔ وہ بات ایسی تھی کہ اگر صحیح ثابت ہو جائی تو مجھے بڑی کوفت
 ہوئی۔ میرا شبہ غالباً درست نہیں تھا کہ جانو کا نقل میرے مخالف
 غمزدہ سے ہے۔ جانو مجھے یہاں شاید اس لئے گئے کہ میرا لہجہ انہیں
 ایک خوبصورت لہجہ نظر نہ آ رہی تھی۔ ان دنوں کے انداز سے یہ تاہم
 ہونے لگا تھا کہ خوبصورت لہجہ ان کی کمزوری ہیں۔ یہ ایک ایسا
 ہی کیس تھا جسے تو خوبصورت لوگ یا میری کمزوری ہیں۔

میں دل ہی دل میں کچھ جھجھکا کر گئی اور میں نے سوچا کہ اگر
 یہ بات درست ثابت ہوئی تو میں ان ہیروں کو حدمہ پر معقول سبق
 دوں گی۔

ان دنوں نے ٹھہرنے کا میرا دوسرا درجہ ختم کر لیا اور میں بڑے
 صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے خاموش بیٹھ رہی۔ میں نے دوبارہ
 دلبر خان کے بارے میں پوچھنا شروع کر دیا تھا۔ یہ بات میرے ذہن میں
 لے چاچی تھی کہ کسی دلبر خان کا مکان نہیں تھا۔
 جب پوچھا تو درجہ درجہ ہوا تو اس کا گھر گزر چکا تھا۔ ان
 تینوں کی آنکھوں میں سرخ سیطان ناپنے لگے تھے۔ جانو نے بڑی ہی
 بے تکلفی سے میرے گھٹنے پر ہاتھ مارنے شروع کر دیے۔

”پیو دوست! تم مجھ پر! آج کی تو کو دیکھو.... یہ تمہیں اور
 خوبصورت بنا دے گی۔“

یہ بھول کر کہتے ہوئے جانو کے ہاتھ نے کچھ اور تجاوہ کرنے
 کی کوشش کی تو میں یکایک زنجیر سے کھڑی ہو گئی۔

”جانو خان! میں بڑے عجیب لہجے میں بولی۔ میں سمجھ کر ہوں
 کہ یہاں کوئی دلبر خان نہیں رہتا اور میں نے یہ بھی جان لیا ہے کہ تم
 مجھے یہاں کیوں لائے ہو۔“

جانو نے ایک ٹھک ٹھکانہ متعجب لگا اور پھر اپنے ساتھیوں
 سے بولا: ”سُن لیا دو تو! یہ بچہ بہت سمجھ دار ہے۔“

”یہ تو اور بھی اچھا ہے۔“ منانا خان نے جھوٹے ہونے کہا۔
 وہ بے چینی ہو کر پکار کر کہتا ہے: ”گل خان! نے لفظ دیا۔“

”چھوڑو! جانو نے کتے ہوئے میرا کونسا چیتھیا ہا۔
 یہ بات میری برداشت سے باہر تھی۔ میں نے جانو کے منہ پر

پوری قوت سے آٹا ہاتھ دھیر دھیر دیا۔ وہ
 بل گیا اور اس کے ہاتھ میں دبا ہوا ٹھپ
 سے نکل کر فرش پر گر گرا۔ شیشے کے ٹکڑے
 سے کچھ دھڑکتی اور جانو اچھل کر کمر خا
 گندی کی گالی دے اور مجھے کھانے والے
 ”یہ لولا تو بہت باغی ہے جانو خان۔
 ”میں اس کی بغاوت کو اس کی...
 جملہ کھٹے سے قاصر ہوں۔“

”جانو! میں بڑے سکون سے بولی
 تو تمہاری ٹوٹی ہوئی جڑوں کا شمار کرنا ہوا
 کہ تم تینوں مل کر مجھے قابو نہیں کرنے کی کوشش
 نامہ یہ ہوگا کہ میری لگا ہوتی چڑیں میں
 گی اور تمہارے ساتھیوں کو خود ہی کاٹ کر میں
 جانو نے گالیوں کی بوجھ کر کرتے ہو
 اور اس کا خیال اس طرح مچھتا کر اپنے ہا
 کیا۔ پھر وہ ڈکڑا ہوا آگے بڑھا کہ کچھ کچھ
 اس کے بائیں کندھے پر پڑی۔ اس کے
 وہ بڑی مشکلی سے خود کو کرنے سے بچا۔

میں نے دروازے کی طرف پھلکا ہوا
 سے بند کر لی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ کوئی
 میں غلغلہ انداز ہو۔

منافخ خان اور گل خان ابتدا
 غراب ان دونوں نے بھی اپنے اپنے گھر
 ہو گئے۔

جانو دیوار سے ٹکا ہوا بائیں ہا
 پسینے کے قطرے چھوٹ پڑے تھے۔
 بائیں کندھے کو اس طرح دبائے ہوئے تھ
 مبتلا ہو۔

”چلو اسے!“ جانو غصے سے چلتا مگر
 کیفیت بھی وجود تھی۔

”میں جھگڑا تو نہیں رہا ہوں بیٹا! وہ
 انداز میں بولی۔ اگر میں چاہوں تو اپنے ہا
 قابو میں کر سکتا ہوں لیکن میں اس وقت تک
 تک تم لوگ بھیسا بازی پر نہ آمراؤ۔ میں
 خالی ہاتھوں کا تھلا ہوا ہاتھوں سے کیا

منافخ خان اور گل خان اس طرح
 بھونکاں آ رہے۔ دوسروں سے مجھے
 تھی لیکن اس وقت ان دونوں کی آنکھ

رہے تھیں انداز میں حرکت کی تھی میں
 نے آواز سے اور ان دونوں نے پچھل
 ٹک کی دادی تھی۔ ادھر سے میں نے بھاؤ
 ل سے تین منٹ میں وہ دونوں اور حرم

”ہا! جیت سے انکھیں پھاڑے میری
 ہا تھا۔ اس نے شاید یہ بھی کسی کو
 کہا۔ یہ غالباً جوڑو اور کرانے اس کے
 اس کا خاص خیال رکھا تھا کہ یہ راز بیچ
 ”میرے بگڑی نہ کر گئے ہوں۔ اگر ایسا
 ہوا راز انشا کو دیتے۔“

ہا خان! میں نے مسخر اڑانے والے
 ات دروازے کو پٹ رہا تھا اور جانو
 وہ دیوار سے زائد آدمی معلوم کرتے تھے

لے ہیں جانو خان! میں نے طنز نہ کہا۔
 مگر وہ ہمدردی سے کہیں۔ یا پھر وہ! میں
 انتقال کر رہا ہوں۔“

”اے خان! کچھ آگے بڑھنے سے روک
 کھینچتے ہوئے بلند آوازیں بولا: تم
 ہو!۔“

”اے! یہاں تک نہ آؤ۔“
 ”میں یہاں تک نہ آؤں۔“

ماں! باہر سے پوچھا گیا۔
 ماں! اس سے جانو نے غصیل آوازیں
 ا! بولی سنائی دیں۔

ان کی طرف دیکھنے لگی۔ میں یہ سمجھتی
 ”ہاں! میں اس قسم کے خیالات

”اے! میں بڑے ہونے تھے۔ ان کی
 محالانہ کہ کھڑے ہونے میں

”اتھ بڑھا! میں آصف خٹک!“ جانو
 تم کو مر رہے ہو۔ میں نے نہیں غلط

”اے! آدمی ہی سے ہوتی ہے۔ میں
 دل سے کہا اور ایک نوٹھا گھٹیت
 ”اے! کیا حال ہے؟“

”تکلیف کم تو ہو گئی ہے لیکن ختم نہیں ہوئی۔“ جانو نے سکر
 کی کوشش کی۔

”درمحل میں نے ہاتھ مارے وقت دیدہ و دانستہ رعایت
 سے کام لیا تھا ورنہ وہ تکلیف کم نہ ہوتی۔“

”میرے غمزدہ انداز میں لڑے تھے۔ کیا یہی جوڑو تھا؟
 میں نے اس کے بارے میں بہت پوچھا تھا۔“

”یہ جوڑو بھی تھا اور کرانے بھی۔“ میں نے بڑے لطیفان سے
 بتایا۔ لیکن ابھی تمہیں اس کی سبب کی جھلک دیکھی ہے۔“

جانو نے منافخ خان اور گل خان کی طرف دیکھا۔ پھر نہ جانے کیا
 سوچ کر وہ دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ میں چمکتا ہوئی جانو مجھے
 دھوکے میں رکھ کر تو کوئی راز نہیں کرنا چاہتا تھا؟

اس نے دروازہ کھولا اور وہ دین نام پکارتے میں بدستور
 نوٹھ سے پوچھیں لیکن میں نے کسی دوسرے پکارتے کے لئے خود
 کو پوری طرح تیار کر رکھا تھا۔

”تین آدمی وہاں بیٹھے تو جانو نے منافخ خان اور گل خان
 کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ”انہیں سہارا دے کر اٹھائے جاؤ۔“

”تم نے دونوں نے ان دونوں کی حالتِ زار کو بڑی ہیرت سے
 دیکھا۔“

”کھڑے نہ کیا کیوں ہے ہو!“ جانو کا مود خراب ہو گیا۔
 وہ لوگ جلدی سے کھڑے ہوئے۔ دو نے لوگ خان اور

منافخ خان کو سہارا دیا اور تیسرا آدمی فرش پر کھجورے ہوئے گلاس کے
 ٹکڑے سے بیٹھا لگا۔ جانو کھڑا ہوا اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں کندھے
 کو گھڑتا۔ مسکراتا ہوا میں نوٹھ سے پوچھتی: ”ان سب کی سرکات و

سکنت کا جائزہ لیٹی رہی۔
 پانچ منٹ بعد اس کمرے میں میرے اور جانو کے سوا کوئی
 نہیں تھا۔“

”آصف خٹک!“ جانو میرے سامنے ایک نوٹھ پر بیٹھا ہوا
 بڑی سنجیدگی سے بولا: ”بہت سمجھنا کہ میری باتوں میں کوئی پھیل
 کھٹ ہے۔ میں نے پورے غور سے تمہاری طرف دوستی کا

ہاتھ بڑھا ہا ہے۔ آج سے ہم دونوں ایک دوسرے کے کام آنے
 کی کوشش کریں گے۔ میں اس بستی کے سائے دلبر خان تمہارے
 سامنے جمع کر دوں گا۔ تم ان میں سے اپنے سنگار کو تلاش کر لینا۔“

”اس کے عوض مجھے کیا چاہو گے؟“ میں نے خشک لہجے
 میں پوچھا۔
 ”دوست کو دوست کے کام تو آتا ہی پڑتا ہے۔“ جانو نے
 پھینکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
 ”مگر کیا کام؟“
 ”وہ کوئی ایسا کام تو بہر حال نہیں ہے جو تمہارے لئے محال

• مجھے بھی معلوم تھا کہ کدو لبخراں کو یہاں کسی بڑے سردار کی سرپرستی حاصل ہے کیا وہ ڈاؤنر دار خان زادہ فرید ہو سکتا ہے؟ میں نے یہ بات محض اس لئے کہی تھی کہ خان زادہ فرید کے معاملے میں ایجنسی پر ذرا تباہی کے نگ کی ایک تہہ چڑھا سکو۔

جب خان زادہ فریاد کرتا
پٹھوؤں سے بھی پٹنا پڑے تھا اگر

میں نے کہا کہ میں نے اسے پہنچایا تھا یہ بات

ہم بائیں کونے ہوئے بسی سے مل گئے۔ چھ دوڑنے
نیچے ٹیلوں کے نیچے سے نظر آ رہے تھے۔ ہر طرف سناٹا اور

دیر لے کر جانے سے غصے کی وجہ سے اس کا دل کانپا۔
 ”وہ اس طرف پہاڑی پیالہ ہے۔“ جانو نے ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”پہاڑی پیالہ؟“ میں حیرت سے بولی۔

”ہاں۔“ جانو نے بتایا۔ وہاں کچھ پہاڑیوں نے ایک دائرہ بنا دیا ہے اور ان پہاڑیوں کے بیچ کا حصہ پیالے کی طرح نظر آتا ہے۔ ہماری بستی میں وہ مقام ”پہاڑی پیالے“ کی کہ نام سے مشہور ہے۔ اس پیالے میں داخل ہونے کا ذریعہ صرف ایک درہ ہے۔“

”تم مجھے یہ سب کچھ کیوں بتا رہے ہو؟“ میری حیرت بڑھتی تھی۔
 ”اس لئے کہ کل ہمیں وہاں جانا ہے۔ رات کو کسی وقت وہاں ایک محر کرنا ہوگا۔“

”کس سے؟“
 ”خان زادہ فرید کے آدمیوں سے۔“

”جساکہ میں نے ابھی بتایا؟ اس پیالے میں داخل ہونے کا ذریعہ صرف ایک درہ ہے اور اس کل خان زادہ فرید کے آدمی اس درے پر پہرہ دے رہے ہیں کہ کوئی پہاڑی پیالے میں داخل نہیں ہونے دیا جاتا۔ میں جانا چاہتا ہوں کہ اب کیوں ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ شاید ان لوگوں نے خان زادہ کو وہیں قید کر رکھا ہو۔“
 ”تم یہ کیوں سمجھ رہے ہو کہ خان زادہ کو قید میں رکھا گیا ہوگا۔ ممکن ہے کہ اسے قتل ہی کر دیا گیا ہو۔“

”جسٹانک میں اپنے خان کی تلاش نہ مل جائے، ہم اسے زندہ ہی سمجھنا چاہتے ہیں۔“ جانو کچھ جذباتی سا ہو گیا۔

مجھے اس کی بات اتنا اعتماد ہی معلوم ہوئی تھی کہ میں نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ کیا پہاڑی پیالے سے متعلق وہ باتیں ایسی نہیں تھیں جنہیں میں نظر انداز کر دیتی۔ یہ معاملہ خاصا چرچا اور بحث کا خان زادہ فرید کے آدمی اس پہاڑی پیالے کی نگاہ کر رہے تھے۔
 ”کیا یہ معزز ہے کہ اس درے سے گزر کر پہاڑی پیالے میں داخل ہوا جائے؟“ میں نے پوچھا۔

”بتایا تو کہ وہی ایک راستہ ہے۔“

”کیا پہاڑیوں پر چڑھ کر دوسری طرف نہیں اترا جاسکتا؟“
 ”وہ پہاڑیاں خاردار چٹانوں سے چٹی ہوئی ہیں، اگر ہم انہیں کاٹتے ہوئے اوپر چڑھیں تو شاید وہاں تک پہنچنے پہنچنے میں ہمارے اوپر مدد کی روشنی میں دوسری طرف اترنے کا خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔“

”جناڑیاں تو دوسری طرف کے نشیب میں بھی ہوں گی جن کی آڑ میں چھپا جاسکتا ہے۔“

”نہیں۔“ جانو نے جواب دیا۔ ”ایک ہے کہ پہاڑیوں کی دوسری طرف کی سطح قطعی سزا جھاڑیاں تو کجا، ایک تھکلا بھی اگا ہوا نہیں ہے۔“
 ”اوہو!“

”ہمیں اس درے ہی سے داخل ہونا ہوگا۔“
 ”کے چوہہ بندہ آدمی پھر دیتے ہیں لیکن مجھے یہ ہمارے ساتھ جو گئے تو ان سے کچھ زیادہ ملے۔“
 ”یہ ہم کل رات کس وقت سرگزشت؟“
 ”جانو جواب دینے کی بجائے بھگوت کر گئی۔“

ایک طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ ”وہ دیکھو!“
 میں نے اس سمت میں نظر دوڑایا، اچھولی ڈی عمارت کا ہونی سا سفر آرہا تھا۔

”میں ڈاک بنگلہ ہے۔“ جانو بھر دلا۔
 ”بالکل اندھیرے میں دوپا ہوا ہے۔“
 ”قرب جانو گئے تو روشنی بھی نظر آ جا تو ہے نہیں کہ وہاں سے نظر آجائے۔“
 ”ہاں۔“ میں ڈاک بنگلے کی طرف دیکھی۔
 وہاں کو کچھ ہوگا، اس کے سامنے ہی ہوں گے اور کوئی اسکیم بنا رہے ہوں۔

”اب کیا ارادہ ہے؟“ جانو بولا۔ ”کہا، چلنا ہے۔“

”نہیں۔ آج کے لئے بس اتنا ہی کافی دیکھ لیا۔ آداب واپس چلیں۔“ میں نے اس کی اذیت پسندی کے لئے ٹھٹھکی۔

”بستی کی طرف لوٹتے ہوئے میری جانو خان زید ہی کے تذکرے کرتا رہا اور میں اس منشی دبی کو شاید کوئی نئی بات معلوم ہو جا واپس مکان پر پہنچ کر میں نے جانو کو لگے کہ خان زادہ فرید کے خزانوں میں کہ نہیں!“

”ہاں۔“ میں ہنسنے لگا۔

پھر جانو نے مجھے اس کمرے میں پہنچا کر بتایا۔ ”وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا تو میں نے کوئی دیر کے بچے سے میں بڑی شدت سے میں نے فوراً اس سے نجات حاصل کر کر تیرپریٹ گئی۔“

رات اپنی نصف زندگی بتا رہی تھی نیند کی جگہ مٹایا، میں تک سوتی پڑی تھی۔

”میرا دل نہیں،“ غفلت کی کڑواہٹ میں جانو نے حادراتی قرب کی جھنجھٹی بادی میں غیر یقینی لہجہ میں پچھتی ہوئی تھیں۔

”سے زیادہ دہشت خفا رہے اس پر اسرار ہوئے۔“
 ”میں نے تو کبھی اٹھوڑتے سے ہی میری نگاہ کی طرف نہ لگا تھا کہ وہ بھی اس بستی تک پہنچ چکا ہوگا۔“
 ”میں سے ہر دم چھوڑنا تھا۔“

”میں نے یہ ذہن، خیالات کی انہی لہروں پر چھوئے۔“
 ”اب میں ہر سانس میں تو میری آنکھوں کی جگہ مجھے کہیں نہ پوری نہیں ہو سکتی ہے۔“

”میں نے جانو سے کہہ دیا تھا کہ ٹھٹھٹے نکل کھڑی۔“
 ”ٹٹ آؤں گا۔“
 ”گوشتا میں اس وقت بستی میں زیادہ چل پھل لوگوں نے مجھے گھر گھر کر دیکھا۔“
 ”گھر گھر تھا لیکن میں اس بات سے ڈر رہی تھی کہ مجھے پیچھے ہی دنگ چلے۔“ میں ڈاک بنگلے کی طرف اشارہ کرتی تھی۔

”اب اس وقت حاصل ہوا جب میں بستی سے نکل آئی۔“

”نہیں۔ اب میں جلدی جلدی قدم اٹھانے پہاڑی پیالے پر وہ ڈاک بنگلہ مہاں سے بھی نہیں کوئی شے داخل نہیں تھی۔“

”اب انداز میں ڈاک بنگلے کے قریب پہنچ گئی۔“
 ”وہاں پر شیشے کی اور اس کے سامنے کے حصے، اعلیٰ میں تھا۔ اس اعلیٰ میں سروٹ کو اڑھائی میں تھی۔“
 ”وہاں پر تھیں وہ دھڑا دھڑا ایک سو میں تھیں۔“
 ”میں چھت سے ایک چھتی باہر نکلی ہوئی تھی۔“
 ”اس میں ہوا تھا۔ اعلیٰ کی دیوار باج فٹ سے ادا اس کے درمیان تھیں۔“ میں لکڑی کا کچھ لٹکا

”گھڑی ہوئی،“ اعلیٰ کا جائزہ لے رہی تھی کہ

”جناڑیاں تو آؤں گے۔“

”لکڑی سے گھوم گئی۔“

”میں نے ہوا۔“
 ”نکل اور پتوں کی تھی۔ اس کی عمر تیس پتیس سال۔“
 ”میں نے ہوا۔“
 ”اس کا ایک ایک کونراں کا۔“

”فریب نے رہا تھا۔“ اگر میری آنکھوں کے تجربے نے اس کے چہرے کی پچھلی نہ بڑھائی ہوئی تو فریب کھا جانے کا قوی احتمال تھا۔

”میں ہر دس یوں۔“ میں نے اس کے سراپا کا جائزہ لینے کے بعد کہا اور سوس گیارہ میں نے اسے اسے غور سے نہیں دیکھا تھا۔
 ”جتنی گہری نظر سے وہ میرا جائزہ لے رہی تھی اس کی آنکھوں میں امن کی ہوئی گہرے گہرے میں نہ صرف بڑھایا۔ وہ عروسی کے صحن میں جھلکتی ہوئی ایک کشن رنگی روغن تھی۔“

”دیکھا تھا۔“ میں نے کوئی بیباک پانی کو دیکھا ہے۔
 ”ہر دس یوں۔“ وہ سکرانی۔ ”لیکن یہاں کیا تلاش کرنے کے لئے؟“
 ”مجھے کسی ایسے ٹھکانے کی تلاش ہے۔“

”ادھ۔“ عورت کی نیلی آنکھوں کی گہرائی میں کوئی شے جھلک رہی تھی۔
 ”میں نے اس سے تیزی سے میرے قریب آئے ہوئے کہا۔“
 ”تم ایکلو ہے۔“
 ”ہاں۔“

”پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔“ میرے ساتھ آؤ۔“ اس نے بڑی بے تکلفی سے میرا ہاتھ پکڑا اور کڑی کے پھاٹک کو دھکا دیا جو اندر سے بند نہیں تھا۔ وہ مجھے لئے ہوئے اعلیٰ میں داخل ہوئی اور سروٹ کو اڑھائی طرف بڑھنے لگی۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں چھاتی تھی۔ وہ بستی سے سودا سلف خرید کر رہی تھی۔

”سروٹ کو اڑھائی میں داخل ہوتے ہی میں نے ایک نظر میں وہاں کا جائزہ لے لیا۔ وہ بنگلوں پر بستے ہوئے تھے اور بنگلوں کے نیچے ٹھکانے ہوئے تھے۔ ایک گوشے میں باورچی خانے کا سامان پھیلا ہوا تھا۔ دیواروں پر پھٹکی ہوئی کیڑوں سے کپڑے اور زلف کیلنڈر لٹکے ہوئے تھے۔“

”کیا تم یہاں رہ سکتے ہو؟“ عورت نے سوال کیا۔

”ابھی تھا جیسے وہ حکم دیا جاتی ہو کہ تمہیں یہاں رہنا ہوگا۔“

”تم یہاں کیسی رہتی ہو؟“ میں نے پوچھا۔

”نہیں۔“ عورت نے بڑی تلخی سے کہا۔ ”یہاں ایک ایسا شخص بھی رہتا ہے جسے لوگ میرا شوہر کہتے ہیں۔“
 ”لوگ۔“ شوہر کہتے ہیں!“ میں اس طرح بولی جیسے بات سمجھ میں نہ آ سکی ہو۔

”ہاں۔“ اس کے لہجے کی تلخی بڑھ رہی تھی۔ ”مجھے تو وہ بھی سمجھ باور نہیں کہ اس کا وہ میرا شوہر ہے۔“

”اب مجھ پر یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ اس نے مجھے لپٹائی ہوئی نظروں سے کیوں دیکھا تھا لیکن یہ بات اب بھی مجھے نہیں آ سکتی تھی کہ اس کا شوہر اپنی شخصیت کو اپنی بیوی سے کیوں نہیں منوا سکتا تھا۔“

”کیا وہ کوئی بوڑھا آدمی ہے؟“ میں نے پوچھا۔

368

1997, 1998, 1999, 2000, 2001, 2002, 2003, 2004, 2005, 2006, 2007, 2008, 2009, 2010, 2011, 2012, 2013, 2014, 2015, 2016, 2017, 2018, 2019, 2020, 2021, 2022, 2023, 2024, 2025, 2026, 2027, 2028, 2029, 2030, 2031, 2032, 2033, 2034, 2035, 2036, 2037, 2038, 2039, 2040, 2041, 2042, 2043, 2044, 2045, 2046, 2047, 2048, 2049, 2050, 2051, 2052, 2053, 2054, 2055, 2056, 2057, 2058, 2059, 2060, 2061, 2062, 2063, 2064, 2065, 2066, 2067, 2068, 2069, 2070, 2071, 2072, 2073, 2074, 2075, 2076, 2077, 2078, 2079, 2080, 2081, 2082, 2083, 2084, 2085, 2086, 2087, 2088, 2089, 2090, 2091, 2092, 2093, 2094, 2095, 2096, 2097, 2098, 2099, 2100, 2101, 2102, 2103, 2104, 2105, 2106, 2107, 2108, 2109, 2110, 2111, 2112, 2113, 2114, 2115, 2116, 2117, 2118, 2119, 2120, 2121, 2122, 2123, 2124, 2125, 2126, 2127, 2128, 2129, 2130, 2131, 2132, 2133, 2134, 2135, 2136, 2137, 2138, 2139, 2140, 2141, 2142, 2143, 2144, 2145, 2146, 2147, 2148, 2149, 2150, 2151, 2152, 2153, 2154, 2155, 2156, 2157, 2158, 2159, 2160, 2161, 2162, 2163, 2164, 2165, 2166, 2167, 2168, 2169, 2170, 2171, 2172, 2173, 2174, 2175, 2176, 2177, 2178, 2179, 2180, 2181, 2182, 2183, 2184, 2185, 2186, 2187, 2188, 2189, 2190, 2191, 2192, 2193, 2194, 2195, 2196, 2197, 2198, 2199, 2200, 2201, 2202, 2203, 2204, 2205, 2206, 2207, 2208, 2209, 2210, 2211, 2212, 2213, 2214, 2215, 2216, 2217, 2218, 2219, 2220, 2221, 2222, 2223, 2224, 2225, 2226, 2227, 2228, 2229, 2230, 2231, 2232, 2233, 2234, 2235, 2236, 2237, 2238, 2239, 2240, 2241, 2242, 2243, 2244, 2245, 2246, 2247, 2248, 2249, 2250, 2251, 2252, 2253, 2254, 2255, 2256, 2257, 2258, 2259, 2260, 2261, 2262, 2263, 2264, 2265, 2266, 2267, 2268, 2269, 2270, 2271, 2272, 2273, 2274, 2275, 2276, 2277, 2278, 2279, 2280, 2281, 2282, 2283, 2284, 2285, 2286, 2287, 2288, 2289, 2290, 2291, 2292, 2293, 2294, 2295, 2296, 2297, 2298, 2299, 2300, 2301, 2302, 2303, 2304, 2305, 2306, 2307, 2308, 2309, 2310, 2311, 2312, 2313, 2314, 2315, 2316, 2317, 2318, 2319, 2320, 2321, 2322, 2323, 2324, 2325, 2326, 2327, 2328, 2329, 2330, 2331, 2332, 2333, 2334, 2335, 2336, 2337, 2338, 2339, 2340, 2341, 2342, 2343, 2344, 2345, 2346, 2347, 2348, 2349, 2350, 2351, 2352, 2353, 2354, 2355, 2356, 2357, 2358, 2359, 2360, 2361, 2362, 2363, 2364, 2365, 2366, 2367, 2368, 2369, 2370, 2371, 2372, 2373, 2374, 2375, 2376, 2377, 2378, 2379, 2380, 2381, 2382, 2383, 2384, 2385, 2386, 2387, 2388, 2389, 2390, 2391, 2392, 2393, 2394, 2395, 2396, 2397, 2398, 2399, 2400, 2401, 2402, 2403, 2404, 2405, 2406, 2407, 2408, 2409, 2410, 2411, 2412, 2413, 2414, 2415, 2416, 2417, 2418, 2419, 2420, 2421, 2422, 2423, 2424, 2425, 2426, 2427, 2428, 2429, 2430, 2431, 2432, 2433, 2434, 2435, 2436, 2437, 2438, 2439, 2440, 2441, 2442, 2443, 2444, 2445, 2446, 2447, 2448, 2449, 2450, 2451, 2452, 2453, 2454, 2455, 2456, 2457, 2458, 2459, 2460, 2461, 2462, 2463, 2464, 2465, 2466, 2467, 2468, 2469, 2470, 2471, 2472, 2473, 2474, 2475, 2476, 2477, 2478, 2479, 2480, 2481, 2482, 2483, 2484, 2485, 2486, 2487, 2488, 2489, 2490, 2491, 2492, 2493, 2494, 2495, 2496, 2497, 2498, 2499, 2500, 2501, 2502, 2503, 2504, 2505, 2506, 2507, 2508, 2509, 2510, 2511, 2512, 2513, 2514, 2515, 2516, 2517, 2518, 2519, 2520, 2521, 2522, 2523, 2524, 2525, 2526, 2527, 2528, 2529, 2530, 2531, 2532, 2533, 2534, 2535, 2536, 2537, 2538, 2539, 2540, 2541, 2542, 2543, 2544, 2545, 2546, 2547, 2548, 2549, 2550, 2551, 2552, 2553, 2554, 2555, 2556, 2557, 2558, 2559, 2560, 2561, 2562, 2563, 2564, 2565, 2566, 2567, 2568, 2569, 2570, 2571, 2572, 2573, 2574, 2575, 2576, 2577, 2578, 2579, 2580, 2581, 2582, 2583, 2584, 2585, 2586, 2587, 2588, 2589, 2590, 2591, 2592, 2593, 2594, 2595, 2596, 2597, 2598, 2599, 2600, 2601, 2602, 2603, 2604, 2605, 2606, 2607, 2608, 2609, 2610, 2611, 2612, 2613, 2614, 2615, 2616, 2617, 2618, 2619, 2620, 2621, 2622, 2623, 2624, 2625, 2626, 2627, 2628, 2629, 2630, 2631, 2632, 2633, 2634, 2635, 2636, 2637, 2638, 2639, 2640, 2641, 2642, 2643, 2644, 2645, 2646, 2647, 2648, 2649, 2650, 2651, 2652, 2653, 2654, 2655, 2656, 2657, 2658, 2659, 2660, 2661, 2662, 2663, 2664, 2665, 2666, 2667, 2668, 2669, 2670, 2671, 2672, 2673, 2674, 2675, 2676, 2677, 2678, 26

69 .

سفر واپس لوٹے کیا ہیں؟
میں نے بھانگ کی طرف بڑھتے ہوئے انکھیں سے برادے
کی طرف دیکھا جو سنان پڑا تھا۔ برادے کے سامنے اتنی جگہ تھی کہ
وہاں جیب نکھڑی ہو سکتی تھی لیکن وہ مجھے نظر نہیں آئی۔
بھانگ سے نکل کر میں تیزی سے قدم اٹھانے لگا۔ گوکہ اطراف
میں دھڑ دھڑک سناٹا تھا لیکن میں نے اس دورانے میں بھی اس بات
کا خیال نہ کیا کہ میری چال میں سوائت نہ آنے پائے۔ کیا عجیب کہیں
کسی آڑے کوئی بیٹے دیکھ رہا ہو۔
جیب میں جانور کے گھر کے دروازے پر پہنچی تو کچھ خشک سی گلی
تھی۔
دشک گھن کر جس شخص نے دروازہ کھولا، وہ مناظر خان تھا۔
وہ مجھے دیکھ کر ہلکا سا اچھڑا کر اس کے ہونٹوں پر بڑی جھکی سی مگر لپٹ
اجڑی۔ اس نے ایک طرف ہٹ کر مجھے داخل ہونے کا راستہ دیا۔
"کیا حال ہے مناظر خان؟" میں نے سپاٹ بچے میں کہا۔
"ٹھیک ہے" وہ تجنیل رہا تھا۔
"جانور نہیں ہے؟"
"اُدھے گھننے میں اُسے واپس آ جانا چاہئے۔ وہ یہی کہہ کر گیا تھا۔"
مناظر خان میرے ساتھ ساتھ چلتا ہوا ایک جھنگ تک آیا لیکن اندر داخل
نہ ہونے کے لیے کیا لڑتے اختیار کیا کا سکا ہے؟
میں ایک بندھے پر پہنچی اور سوچنے لگا کہ کونسا وغیرہ پرنظر
رکھنے کے لیے کیا لڑتے اختیار کیا کا سکا ہے؟
جانور سے حاصل ہونے والی معلومات بھی میرے ذہن میں موجود
تھیں اور میں اس پہاڑی پیلے کے بائے میں سوچ رہی تھی جس
کے داخلی دسے پر خان زادہ فرید نے بیہوش لگا رکھا تھا۔ ظاہر ہے کہ
اس پہرے کا سبب کسی خاص اہمیت کا حامل ہوگا اور میں لیکن جسے
وہ سب کچھ دیکھ کر اشلے پڑ رہا ہو۔ گویا کسی آئی۔ اسے یہاں کوئی
عجیب وغریب ہی کھیل کھیل رہی تھی۔
میں نے سوچا، اگر میں رات کو چوری چھپے ایک نیلے میں داخل
ہو سکتا تو اس بات کا امکان ہے کہ کوئی کام کی بات معلوم ہو
جائے۔ یہ کام کل جانور کے تعاون سے بہ آسانی ہو سکتا تھا لیکن مشکل
یہ تھی کہ وہ اور اس کا شوہر میرے بائے میں جہاں جاتی ہو چکے تھے۔
ان کے مزاج کو آسودہ دکن اس اعتبار سے حال ہی ثابت
ہونا کہ میں اپنی شخصیت کو راز میں رکھنا چاہتی تھی۔
مناظر خان کے بیان کے مطابق جانور اُدھے گھننے میں لوٹ
آیا اور اُنھیں جوئے سے انداز میں میرے سامنے والے صوفے پر بیٹھا
ہوا بولا، "خان زادہ فرید کے خواروں میں وہ خان زادہ کے کسی دلی
کا سرخ نہیں مل رہا ہے" تاہم ان باتوں سے مجھے نہیں لگا کہ اس کا سکہ میں
نے لپٹے آؤں سے کہ وہ لپٹے کہ وہ کل صبح تک مجھے کوئی یقین

بات بناؤں سے یا نہیں ہے؟
"میں ابھی ٹوک جنگ کی طرف گیا تھا۔"
"اُدھے جانور سے میری طرف دیکھا
میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہے ہوں۔"
"ہاں۔ میں نے کہا ہے موجودہ حکومت
اس لئے مجھے یہ کہہ رہی ہے کہ حکومت
کرنا چاہتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر مجھے خانا
لینا ہے تو پھر ان سرکاری چٹوڑوں پر ضرور دانا
دیں گے۔ جانور نہیں انداز میں سرنا
"اس ٹوک جنگ کا دشمن" صاحب وہ
"تم کو کیسے معلوم؟" جانور نے جو تک کر
کہنا تو کہہ رہا تھا، "جانور نے جنگ کی طرف
"صاحب داوڑا تھا؟"
"میں تو اس کی بڑی ملی تھی، گل بازو؟"
"خوب؟" جانور نے خیر انداز میں مسکرایا
"ملی تو تھا مگر لیکن بعد میں صاحب داوڑ
"پھر کیا ہوا؟ وہ تو کم پر دیکھ رہی تھی۔"
"خوبصورت ہے؟" میں نے بائیں آنکھ
کی پٹی سے یہ کہہ کر اس کا شوہر دوسرا ہی
ہے کہ کدک جنگ میں رہنے والے کسی وقت
کردیں۔"
"داناگن سے گل بازو کچھ بھی سہی لیکن وہ
سکتی کہ اسے کوئی غیر خیرین ہاتھ لگائے۔"
"ٹوک جنگ میں رہنے والے کسی میں۔"
"بلے میں ہو جائے گی؟"
"اُن لوگوں کو ایسا کرنے کی ہمت نہیں
ہے۔ گاموہ بولے گا کہ کدک کو تو خان زادہ فرید
والوں کے خوف کا اختتام سے نہیں پائے گا۔"
"میرے بارے میں کیا خیال ہے؟"
"کیا مطلب؟"
"گل بازو پر فریفتہ ہو رہی ہے؟"
"تمہاری بات اُدھے۔ تم تجنا ہی بڑا
جو تک کر لولا؟ کسی عجیب بات ہے؟ تم نے کلمہ
نہیں بتایا۔"
"اُدھے جنگ۔" میں نے گسے وہی نہ
صاحب داوڑ کو بتایا تھا۔
اسی وقت مناظر خان کمرے میں داخل ہو
ہو کر کچھ گھر کی سڑکیں تائیں کرنے لگا۔ جانور نے

بات کو نہ سمجھا۔
"میں نے اُس سے پوچھا۔
"بلے کی طرف چلتا ہے۔"
"ہاں۔"
"ہی ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔"
"کہہ آؤ ہی ہیں؟"
"میں نے علاوہ چھ آدمی ہوں گے۔"
"پا ہو گا؟"
"تہ نہ کر دے میں داخل ہونا ہے۔"
"بکر؟" انہیں بے ہوش کر کے یا کسی طرح بے لبا
"ہے؟"
"نہ نے اچھا ہے لیکن اگر کوئی دوسری صورت نہ
"میں گے۔"
"اُن کی کے سلسلے چلتا ہے۔"
"تہ نہ تہی دور ہے؟"
"میں۔"
"نہ نے میری بات کا تہ نہ ہرے کہا؟ ہم جیب
"اہست ہو جائے گا؟"
"ہے؟ میں نے سر ہلا کر کہا اور پھر بولی، "آج
"میں مجھے پر بھی چھاپ مارنا چاہتا ہوں۔"
"ہم اگر میں وہاں پھری چھپے داخل ہونے
"کوئی نہ کوئی کام کی بات ضرور معلوم ہو
"میں میں گل بازو سے بہت مدد مل سکتی ہے
"میں سے کھیل کر لے گا احتمال ہے۔"
"اُدھے کو تو ساری گھننے میں پڑا رہتا ہے؟"
"میں تو تاکہ وہ رات کو گھر پہنچ جائے؟"
"تہ نہ؟"
"ہم اُدھے کو تو بڑھو جو ملے گی۔"
"اُدھے کو تو دس کا آج ایسا نہ ہو۔"
"مگر دس کا کہ وہ صاحب داوڑ کو تو ساری گھننے
"میں تو میں بڑے اطمینان سے ٹوک جنگ کا

دعہ کر سکتا تھا۔
"یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں ہے۔"
"اس گفتگو کے بعد جانور کی کام سے ملا گیا اور میں اسی کمرے میں
"کے ٹوک نہیں میں بھی۔" بیٹھی رہی۔
"شام تک جانور سے ایک ملاقات اور میری پھر شام کو جب
"وہ آیا تو اس نے آتے ہی کہا کہ میں ملنے کے لئے تیار ہوں۔"
"دو بجی دو جہوں میں ہوئی۔ آگے والی جیب کی لنگی نشست
"پھر صحت میں اور جانور بیٹھے تھے۔ آگے سے نکل کر میں ایک سمت
"میں سرگرم سفر کر رہی تھی۔ اس وقت اندر داخل چکا تھا۔
"بکر؟" جانور نے میری طرف دیکھے بغیر کہا، "بہاڑی پیلے سے
"ایک ڈھنگ میل اور میری جیبیں روک لیں گے اور باقی سفر بیدل ہی
"سے کرنا ہو گا۔"
"تم تہ چلتے ہو کہ انجنوں کی آواز سن کر وہ پڑھتا رہے ہو جائیں؟"
"اں۔"
"ایک ڈھنگ میل کا سفر زیادہ دشاؤ گرا تو نہیں ہے؟"
"زادہ دشاؤ گرا تو ہرگز نہیں ہے لیکن اس کے تین باہر وار
"فرود ہے۔ اچھے۔ مجھے میں ملیں گے اور جہاں بھی بہ کثرت
"ہیں جن سے پنج کر چلتا ہو گا۔"
"میں سر ہلا کر دیتی۔"
"جہوں کی بیڈ لائیں اندر ہے کا سیدہ چوری تھیں اور سفر
"جاری تھا۔ دفعتاً جیب کی بیڈ لائیں بند ہو گئیں۔ فوراً ہی پھلی
"جیب نے بھی اس کا ساتھ دیا اور مجھے یوں لگا جیسے ہاتھ پرانے میری
"پڑا ہو۔"
"یہ کیا ہوا؟" میں جو تک کر بولی، "بیڈ لائیں۔"
"خواب نہیں ہوئی، بھائی تھی ہیں۔" جانور نے میری بات کا تہ نہ
"ہوئے کہا۔" اب ہم ایسے سوخ پر سفر شروع کر رہے ہیں کہ پہاڑی پیلے
"کے ذمے کی طرف سے بیڈ لائیں دیکھی جاسکتی ہیں۔"
"ہوں۔"
"اس کے بعد ہم پھر فلوٹس پر گئے۔"
"جتنی وہ ایک سفوحاری رہا میں پہاڑی پیلے کے بائے میں
"سوچ رہی۔ یہ بات میرے ذہن کی گہرائی میں آتے کی بجائے ذہن کی
"سطح پر ہی چل رہی تھی کہ اس پہاڑی پیلے کی ہستی کے پڑے خان کو
"قید رکھا گیا ہو گا۔ اصل بات یقیناً کچھ اور تھی جس کا اندازہ مجھے حال
"ہی معلوم ہو رہا تھا۔"
"جانور نے جیب کی رفتار کم کرنا شروع کر دی تھی۔ آخر اس نے اسے
"رک ہی دیا۔ پھلی جیب بھی رگ گئی۔
"اب پیدل چلتا ہو گا؟" میں بولی۔
"اں۔" جانور نے آہن بند کر کے تہ نہ ہوا۔

کے جس مددگار بھی تھی تو اسے پوشیدہ رکھا جائے۔
 سب لوگ جیوں سے اڑ کر پل پڑے لیکن اس پیل سفر میں
 بھی میں اور جانوسی آگے آگے تھے۔
 ”کیا اس سفر کے میں اتنیں بھیا راستہ مال نہیں گئے جاسکتے؟“
 میں کچھ سوچ کر بولی۔
 ”ہیں۔“
 ”کیوں؟“

”اے میں نے کہہ چکے ہیں ہوں گے اور ان لوگوں کو شاذوں کی
 آزمائش ہوگی۔ وہ بڑی آسانی سے ہم سب کو جیوں واپس گئے۔ ان سے
 نینے کی واحد ضرورت ہے کہ ہم چپکے چپکے اُس دشت سے ایک چھین اوڑ
 انجیز اندر داخل ہو کر ان پر ٹوٹ پڑیں۔ فائرنگ کی صورت میں یہ بھی غرض
 ہے کہ ہماری پیالے میں ان کے جو سامی ہوں گے وہ بھی وہاں ہیج
 جائیں گے۔ اس طرح بات بڑھ جائے گی اور ہمارے مقصد پورا نہیں ہو
 سکے گا کہ سباز پیالے میں داخل ہو کر وہاں کا جانور لے سکیں۔“
 ”تو اس دُوبدو کے میں نہیں اپنی کامیابی کے امکانات کتنے
 فی نظر آ رہے ہیں۔“

”جہاں بھی مجھے سو فہم۔“
 ”غیب!“ میں مسکرا کر رہ گئی۔

سردی علاقے کا غنہ مجھ سے اتنا مرعوب ہو گیا تھا کہ شاید
 مجھے پُرسن سمجھنے لگا تھا۔ اندر مجھے مزدور بکرا لائی تھی اس عمر کے میں
 شرف و برنامہ سے متکین ہو گیا تھا نہیں۔ اگر وہ مقامی لوگوں سے
 محروم ہوتا تو میں خود اور کرانے کے بل پرانی جیت کو یقینی سمجھ سکتی
 تھی لیکن اس معاملے میں اُن کے اپنے کا ہاتھ ہونے کی وجہ سے اس
 اسکاں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا کہ مگر مقامی لوگوں سے بھی عواذ ہو
 جاتے۔ ان لوگوں میں جو دُور اور کرانے کا کوئی ماہر بھی ہو سکتا تھا جس
 کی وجہ سے دھتسا بھگتا ہوا جانور کے ذہن میں تھا۔ اس نے میرے
 معاملے میں ایک اور آٹھ کا چند ذہن نشین کر لیا تھا۔

پشہ مدت چلتے ہیسنے کے بعد جانور نے دُوبدو سے بولے کہا۔
 ”اب میں اندر سے لپٹ کر چلتے ہوئے آگے بڑھنا ہوگا۔“
 میں نے کہہ کئے کہ یہاں سے سر ملا ہے پر اکتفا کیا۔ جائز بہت
 متاثر رہنا چاہتا تھا اور دُوبدو کی بات بھی نہیں سمجھتی۔
 سب لوگوں نے اندر سے لپٹ کر بھیلوں کی طرح آگے
 بڑھنا شروع کیا۔ سباز پیالے کی اونچی اونچی چٹائیں اب اندر سے میں
 بھی صاف نظر آ رہی تھیں۔ دریا نی فاصلہ پر شکل ایک فرلانگ ہو گیا۔
 دُوبدو ایک آدمی نے سرگوشی کرتے ہوئے جانور کو کارا جانور کے ساتھ ہی
 میں بھی اس آدمی کی طرف متوجہ ہو گئی۔ وہ آدمی ہاتھ سے بائیں جانب
 اشارہ کر رہا تھا میری اور جانور کی نگاہیں اُس جانب اٹھیں۔

”ادو! یہ کون اور ہے؟“ جانور نے
 ایک گاڑی کی بیل لائیں تیری سے
 میرے انڈاز کے مطابق وہ کوئی رک تھا جو
 کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔
 ”یہ قان زادہ نر کی جیب پر کھتی بہت
 نہیں ہے ٹرک ہے۔“ میں نے ہنسہ۔
 ”ٹرک! یہاں کے لیے میں تشریش پد
 کیا کام؟“

”اس کے ہائے میں تو میری کوئی انداز،
 میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔“
 ”تو پھر اس کے ہائے میں جاننے کی کوشش
 کیسے؟“

”اس کا رخ دے دے ہی کی طرف سلام ہوتا
 ہاں۔“
 ”تو جہیں آگے دھڑک دے کے با
 اس سے کیا ہوگا؟ صرف تیریں؟“
 ”دے کے قریب بننے کی دہش
 میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ اس وقت ٹرک کی
 ساتھ آگے بڑھنا مناسب نہیں ہوگا۔“

”اچھا تو میں میں تہا سے ساتھ لگے
 ٹرک جائیں گے۔“
 میں اکیلے ہی آگے بڑھنا ہی تھی کیا
 میں کہہ نہ کچھ وقت ضرور صاف ہو جاتا جب کہ
 چکا تھا۔

جانور نے اپنے ساتھیوں کو دیں لگا
 انداز میں میری جانب دیکھا۔
 ”آؤ!“ میں نے سرگوشی کی اور تیری سے
 شروع کر دیا۔

دے سے قریب ترین میں نے ایک
 وقت موقوف کیا۔ میں ہم آؤں پر راکو
 جب ہم اس نیلے رنگ پیچھے اس کے دریا پر
 دے پر پہنچ کر لگا۔ دے پر آؤں کی لٹا
 کرنے کے لئے موجود تھے۔ میں نے ٹرک
 کو ان میں دو تو قیالی ہی تھے لیکن تیر تیر
 ہے کہ وہ مقامی نہیں ہوگا۔
 ٹرک کی بیل لائیں کچھ نہیں ادراہ
 آئے تھے۔ ٹرک سے دوسرے آئے تھے
 آئے دالوں نے صرف ایک ساتے تھے

میں نے ہنسہ سے کہا: ”دے سے آؤں دُوبدو ہونے کے لیے
 ہم دے سے اطمینان سے گفتگو کر سکتے ہیں۔“
 میرے ترنہ سے یہ الفاظ نکلتا غصہ ہو گیا۔ جانور کے سبب
 ساتھیوں نے بیک وقت رنٹا شروع کر دیا۔ وہ جانور سے یہ پوچھنے لگے
 چاہتے تھے کہ ہم کیا ملزم کر کے رہے تھے۔
 ”خاموش رہو!“ میں غرائی بنا شروع کرنے کی حاکم جہنم میں بھی
 پہنچا سکتی ہے۔

میری اس ڈانٹ پر ان سب کو ساپ سونٹھ گیا۔ وہ سب
 نہیں جانتے تھے مگر انہیں مجھے اپنے میں صوابت ضرور حاصل ہو
 ہوں گی۔
 ”وہ لوگ.....“ جانور نے ساتھیوں کو حقیقت سے آگاہ کرنا نہ
 چاہتا تھا کہ میں اس کا ہاتھ دباؤ دار اور ولی۔

”ان باتوں کو پھر کسی وقت پراختا کر جانو..... میں یہاں
 بس اتنی دیر رنٹا ہے کہ وہ ٹرک واپس چلا جائے۔ ظاہر ہے کہ وہ واپس
 جائے گا۔“
 ”اس کے بعد؟“
 ”بس میری ٹرک میں کی طرف واپس لوٹ ملیں گے۔ بس دیکھنا
 ہے کہ اس ٹرک کو کہاں تھی دیر لگتی ہے۔“
 ”لیکن.....“

”اس پر گرام کو بھول بات نہ کرنا کرتے تھے۔ صورت حال وہ ہرگز
 نہیں ہے جو تم سمجھ رہے تھے۔ یہ کوئی بہت ہی عجیب سا ملزم ہے جو
 ہے۔ اب تو بہت ہی متاثر ہو کر کوئی قدم اٹھانا ہوگا۔“
 جانور بھر کر شاید میری بات پر غور کرنے لگا۔ اس کے سامنے
 بہت بے چارے نظر آئے تھے۔ انہیں یہ بات تیری طرح کھل گئی ہو
 کریں نے جانور کو دے سے روک دیا تھا۔

میں جانتی تھی کہ جانور نے ساتھیوں کو کچھ بھی کہہ نہ سکتا۔
 میں اندیشہ یہ تھا کہ بات پیل جانے گی۔ اگر وہ نیکو ہے تو وہ دُوبدو
 تو ان سے احتیاط کی توقع کی جاسکتی تھی مجھ سے متاثر ہونے کے ان
 قطعی متاثر ہونا۔ بات تیری سے بہت ہی چلتی اور اس طرح
 لوگوں کے بھی کانوں تک پہنچ جاتی جو یہ سارا پراثر مارا کیلئے یہ
 ضرورت تھی۔

ٹرک کی دایسی کا انداز پرانے لگ لگا آدھے ٹرک لپٹ کرنا
 اس کے انہی کی کرفت آؤں میں کوئی کان کھڑے ہوئے تھے۔ جلد
 ہی وہ ہائے سے سامنے سے گزر گیا۔ یہ بات تو سامنے کی تھی کہ وہ ٹرک
 اب اس ٹرک میں پر گزرتی نہیں ہوں گی۔

ٹرک کی جھنسی سرخ درشتاں اندر سے ہم گزرتی تو میں
 جانور سے کہا کہ اب واپس بس کی طرف چلا جائیے۔
 مجھے غرض تھا کہ جانور واپس پر کا دہ نہ ہونے کے لئے بحث نہ
 لپس اس بگ پہنچ گئے جہاں جانور کے باقی ساتھی موجود

میں نے ہنسہ سے کہا: ”دے سے آؤں دُوبدو ہونے کے لیے
 ہم دے سے اطمینان سے گفتگو کر سکتے ہیں۔“
 میرے ترنہ سے یہ الفاظ نکلتا غصہ ہو گیا۔ جانور کے سبب
 ساتھیوں نے بیک وقت رنٹا شروع کر دیا۔ وہ جانور سے یہ پوچھنے لگے
 چاہتے تھے کہ ہم کیا ملزم کر کے رہے تھے۔
 ”خاموش رہو!“ میں غرائی بنا شروع کرنے کی حاکم جہنم میں بھی
 پہنچا سکتی ہے۔
 میری اس ڈانٹ پر ان سب کو ساپ سونٹھ گیا۔ وہ سب
 نہیں جانتے تھے مگر انہیں مجھے اپنے میں صوابت ضرور حاصل ہو
 ہوں گی۔
 ”وہ لوگ.....“ جانور نے ساتھیوں کو حقیقت سے آگاہ کرنا نہ
 چاہتا تھا کہ میں اس کا ہاتھ دباؤ دار اور ولی۔
 ”ان باتوں کو پھر کسی وقت پراختا کر جانو..... میں یہاں
 بس اتنی دیر رنٹا ہے کہ وہ ٹرک واپس چلا جائے۔ ظاہر ہے کہ وہ واپس
 جائے گا۔“
 ”اس کے بعد؟“
 ”بس میری ٹرک میں کی طرف واپس لوٹ ملیں گے۔ بس دیکھنا
 ہے کہ اس ٹرک کو کہاں تھی دیر لگتی ہے۔“
 ”لیکن.....“
 ”اس پر گرام کو بھول بات نہ کرنا کرتے تھے۔ صورت حال وہ ہرگز
 نہیں ہے جو تم سمجھ رہے تھے۔ یہ کوئی بہت ہی عجیب سا ملزم ہے جو
 ہے۔ اب تو بہت ہی متاثر ہو کر کوئی قدم اٹھانا ہوگا۔“
 جانور بھر کر شاید میری بات پر غور کرنے لگا۔ اس کے سامنے
 بہت بے چارے نظر آئے تھے۔ انہیں یہ بات تیری طرح کھل گئی ہو
 کریں نے جانور کو دے سے روک دیا تھا۔
 میں جانتی تھی کہ جانور نے ساتھیوں کو کچھ بھی کہہ نہ سکتا۔
 میں اندیشہ یہ تھا کہ بات پیل جانے گی۔ اگر وہ نیکو ہے تو وہ دُوبدو
 تو ان سے احتیاط کی توقع کی جاسکتی تھی مجھ سے متاثر ہونے کے ان
 قطعی متاثر ہونا۔ بات تیری سے بہت ہی چلتی اور اس طرح
 لوگوں کے بھی کانوں تک پہنچ جاتی جو یہ سارا پراثر مارا کیلئے یہ
 ضرورت تھی۔
 ٹرک کی دایسی کا انداز پرانے لگ لگا آدھے ٹرک لپٹ کرنا
 اس کے انہی کی کرفت آؤں میں کوئی کان کھڑے ہوئے تھے۔ جلد
 ہی وہ ہائے سے سامنے سے گزر گیا۔ یہ بات تو سامنے کی تھی کہ وہ ٹرک
 اب اس ٹرک میں پر گزرتی نہیں ہوں گی۔
 ٹرک کی جھنسی سرخ درشتاں اندر سے ہم گزرتی تو میں
 جانور سے کہا کہ اب واپس بس کی طرف چلا جائیے۔
 مجھے غرض تھا کہ جانور واپس پر کا دہ نہ ہونے کے لئے بحث نہ
 لپس اس بگ پہنچ گئے جہاں جانور کے باقی ساتھی موجود

”جاگتو میں نے ایک طویل سانس لے کر لوٹنا شروع کیا۔ میں نے ایک بار پیٹلہ بھی تھم کو بتایا تھا کہ میں ایک دنیا دیکھا چکا ہوں۔ میں بہت کم عمر ہی لیکن میرا تجربہ بہت زیادہ ہے۔ میں انہی چیزوں کے پُرکھن سکتا ہوں جو آج کل کے بچے سمجھتے ہیں۔ میں نے اسے دیکھا کہ وہ کسی بہت ہی عجیب و غریب ڈرامے کی تیار ہی معلوم ہوتے ہیں۔ یقین ممکن ہے کہ اس علاقے کے فلوٹ کوئی بہت بڑی سازشوں پر تیار دی جا رہی ہو اور جب معاملوں پر تو بہت زیادہ اقتدار کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس قسم کے معاملات سے جذباتی آغاز میں نہیں بننا چاہا سکتا۔ بہت سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا پڑتا ہے۔ ایسے مسئلے ہندوئی سے نہیں بلکہ ذہانت سے حل کئے جاتے ہیں اور اس لئے میرا مشورہ ہے کہ تم جس میں نہ آؤ۔ سب کچھ پر چھوڑ دو۔ میں دو ایک دن میں ہی تمہارا لوں گا کہ یہ کیا معاملہ ہے اور جب ساری معلومات حاصل ہو جائیں گی تو کوئی فیصلہ کن قدم اٹھا کر سازشیں کو قاعدہ تمام کیا جا سکتا ہے۔ جب تک وہ معلومات حاصل نہیں ہو جاتیں، تم اپنے ساتھیوں کو بھی نہ بتاؤ۔ اس طرح بات چیت چل جائے گی اور میں ممکن ہے

راہ میں کسی سے مجھ پر کسی نے نہیں ہوا۔
 کھل آئی، میرے قدم ہنسی تیزی سے ڈاک بٹے
 تھے اور میں سوچ رہی تھی کہ اگر کل بانو کو آلا کا
 مجھے ڈاک بٹے میں داخل ہونے کا موقع مل جائے۔
 کل بانو کو راہ لےنے میں کچھ نہ کھ دقت تو ضرور

ہمیں دور دراز سے تھے۔ میں جانتی تھی کہ وہ اندر سے
میں نے دونوں کو کھیلنے کی کوشش فرور کی۔

سے اترتے دیکھا۔ ان میں سے ایک وکٹر تھا۔ وہ جیب کی ڈرائیونگ
سمٹ برٹن ہو گیا اور اس کا ایک ساتھی محمد اکبر کے کمرے پر رخصت ہوا۔

لے تباہ " جس دن حملہ ہوگا اسی رات کو دشمن اپنے جہاز برداروں کو اس علاقے میں آبادی سے ہٹا دیں گے۔ وہ چھتہ برداروں کی خاص ضرورت رہے۔ ان کی روانگی کو مقرر کیا گیا۔ اور وہ فوراً نکلیں۔ ہائیڈرو پلانے میں جمع کی جا رہی ہیں۔

مجھے اپنے اعصاب پر زور تھا۔ سامعہوں جو قرائن سے پتہ چلتا تھا کہ ان کی زندگی میں یہ اہل علمات درست ہی ہوں گی۔ پاکستان کی فوجوں کے کشمیری حریف پیش قدمی شروع کر رہے تھے۔ اس لیے اس بات کا شدید احتمال تھا کہ بھارت، پاکستان کی سرحدوں پر لینا کر دیتا۔

مقررہ سائیکلوں کو تیز رفتور سے بولے میں خود دیکھ چکی تھی اور اس شاہد کے کی روشنی میں یہ سوچا جاسکتا تھا کہ وہ چھتہ بردار یہاں سے پاکستان کی کچھ اور فوجی تعینات ہر جگہ کرنے کے لئے روانہ ہوتے۔ میں نے فوری طور پر فیصلہ کر لیا کہ اب مجھے کھل کر کوشش کے قابل ہونا چاہئے۔ میں اس سے قطعاً اس لئے بچنے کی کوشش نہ کرنا چاہتی تھی کہ اس پر نظر رکھ کر صفائی کا پتہ چلا دے لیکن اب تو ساری بات سننے کی بجائی تھی۔

ابھی تھا ابھی اس پر وہ دہانہ غیر ضروری ہو چکا تھا۔

بہرے سے فائرنگ کی آواز آتا بند ہو گئی۔ غالباً اس موقع کے

کا کوئی فیصلہ ہو چکا تھا لیکن میں اس بات سے بے خبر تھی کہ فیصلہ کس کے تھی میں ہمارا ہوگا؟ وہ کوشش تھی جس میں اس پر اسرار اور وار کے حق میں جس نے کھڑی کے راستے سے خاک بٹھنے میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی!

"اب ہم ملدی سے نکل جاؤ گے،" خان زید نے جیسے آواز میں بولا۔ "میں بہت تیزی سے کسی سرکاری اسٹریٹک ہینچا ہے۔"

میں نے بڑے خاندان کے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا اور صرفی سرعت کے ساتھ کمرے سے نکل گئی۔ اسی وقت میں نے اپنی آواز کی جیسے کوئی تھپے ہند کی سے کواہر میں نے قیاس کیا کہ وہ کیا اور اسرار نوادہ کی کھڑکی سے خاک بٹھنے میں کواہر کے میں جا چکی تھی کہ یہ خفاہ کے اندر آئے سے پہلے ہی اس کھڑکی تک پہنچ جاؤں اور جیسے ہی وہ اندر آئے اس پر ٹوٹ پڑوں۔ اس طرح میں خفاہ کو سنبھالنے کا موقع نہیں مل پاتا اور میں اسے زبردستی ملکاب اس بات کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔ لہذا میں نے خان زید کی کے کمرے میں سرگرمی اختیار کر کے فیصلہ کیا۔ یہ فیصلہ کر کے میں اپنی ہی تیزی سے واپس مڑی۔ جتنی تیزی سے باہر نکلی تھی۔

مجھے دوبارہ انداز سے دیکھ کر خان زید کے چہرے پر ابھرنے کے آثار نظر آئے اور مجھ سے کچھ کہنے کے لئے کھنکھولایا تھا کہ میں نے ہونٹوں پر اپنی انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اس کے منہ سے کوئی آواز نہ ہوئی۔ نگلی مگر نہ کھنکھولایا۔ میں دروازے کے قریب دیوار سے چپک کر کھڑی ہو گئی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ کوشش ہو

یا کوئی اور اس کمرے میں ضرور کے گا۔

چند لمحوں بعد ہی تھوڑی سی جھپٹ سنا دی۔ وہ کوشش تیزی سے اس طرف آ رہا تھا۔ میرے عضلات تن میں آگے اپنے پتھروں کو اکڑایا۔ میں ایک لمبائی میں کمرے کے لئے ہو گئی۔ مگر وہ کمرے میں اس دروازہ کو موجود تھا لیکن میں اسے کڑنا چاہتی تھی۔ یہ نہ خفاہ کو زندہ رکھنا ضروری تھا۔ اس بہتری مملکت حاصل ہو سکتی تھیں۔

خان زید کا کھنکھولنا ہمارا تو اب بند ہو چکا تھا۔ وہ دروازے کی طرف گئی ہوئی تھی۔

دروازہ کھلا اور وہ شخص اندر داخل ہوا۔ وہ کواہر نے اپنے دائیں ہاتھ میں دیوار پر سنبھال رکھا تھا۔ میرے کی طرف اس کی گلائی پر اس طرح بڑی جیسے برقی گرتی پر اس کی گرفت ختم نہیں ہوئی۔ دیوار اس کے ہاتھ فرسٹ پر آ رہی اور میں نے اسے ٹھکر مار دی۔ ٹھکر کا کار سے جا مل گیا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے وہ کوشش راستہ کرنا پڑی۔ اس نے اپنا ہاتھ بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ میرے جڑے ہی پر پڑتا لیکن میرے بائیں ہاتھ سے کمرے کی وقت ختم کیا جب اس کا ہاتھ میرے جڑے دھڑکا گیا۔ خفاہ خورا ہی میرے دائیں ہاتھ سے بچنے لگا۔ میرے کھنکھولنے کی طرف اس کی گلائی اور بازو اور وہ اس طرح بچھتا تھا جیسے برقی ٹوٹ گئی ہوگی۔

ابا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے اسے سنبھالنے کا موقع دیا۔ بائیں ہاتھ سے ہاتھ پر لگا کر اس کی گلائی میں اس کے ٹیگر مگر اس کی پس کیوں پر آ رہا ہے چونکہ وہ کمرے کے اوپر گرنے لگا تھا اس لئے ٹیگر کو بچنے لگا۔ یہ انتہائی تکلیف دہ اثرات مرتب کئے۔ وہ فحش، جگر سے کی طرح بچھتا تھا اور اس وقت میں نے ایک واٹھی آواز ڈالا۔ ٹیگر کو زنی تکلیف پہنچنے سے بچنے سے تھکے لئے میں نے اسے بچا دیا۔

کمرے کے لئے اس کا بازو بڑھ کر کھینچا تو وہ کھینچ کر کمرے والی ہوں میں نے بڑی آسانی سے اس کی پوری قوت سے فرش پر پھینچ دیا۔ اس کے نگلی جیسے موت کے قریب پہنچ گیا۔

"اوہ۔۔۔ ٹھکرے۔۔۔" خان زید جیسے م کے عالم میں پڑا کر رہ گیا۔

وہ کوشش ختم ہوئی اس شخص کی طرح فرشتہ آ کر ہاتھ کر میں نے اس کے سر پر ٹھکر لگائی اور وہ اس میں نے دوسری ٹھکر اس کی گتائی پر لگائی اور وہ اس

میں ہو گیا۔ لیکن اس کی یہ ٹوٹ لٹا تھی۔ جلدی وہ جسے وہ بائیں ہاتھ سے یقین تھا کہ وہ مرنے نہیں ہوگا صرف بے ہوش ہوا تھا۔ اب نہیں یہاں سے نکال کر لے جایا جاسکتا ہے خان بابا! "

خان زید کے کام اور پھر پھر جھپٹ کر اس کی جیسوں کی خاموشی ہاتھ میرے تجربات نے تائی تھی کہ وہ کوشش ہو گئی تھی۔ تلاش کا تو ضرور کھنکھولنا ہو گا۔ مگر خفاہ کا متعدد حالات اہمیت نہ تھے۔ وہ کوشش کے بارے میں بھی میرے انداز درست تھا۔ اس کی جیب میں تلاش کا تو ضرور تھا اور اب میں اس کی ہتھ خان زید کے جیب میں سے کھنکھولتی تھی۔

فرشتہ میرے ہونٹوں کے۔۔۔ بہت حیرت انگیز ہوئے خان زید نے کہا۔ اب میں اس کے ایک ہاتھ کو پکڑتی تھی کہ تیرے آواز کے خان زید کے اس جھپٹے کا سبب مقرر کرانی کا وہ انداز لہانے کو پھر یہ استعمال کیا تھا۔

مٹانے ایک سرخا شور سنائی دیا جو فوری سناتے میں اس وقت تھا جیسے ہوا کا ایک جھٹکا۔ ابھی اس کا دھڑکنے آوازوں کو اپنے دوش پر اٹھائے ہوئے گزرا۔

خان زید اب آواز ہو چکا تھا۔ اسے جیسے جیسے جھٹکا دھڑکنے میں اس کی ادھر کے کھنکھول کر باہر جھانک گئی، بہت دور آ رہی تھی۔ یہ بہت سی حرکتیں دکھائی دے رہی تھیں۔ اسی معلوم ہو رہا تھا کہ وہ لوگ لائٹیں اٹھائے ہوئے تھیں۔ یہ ان کے کھنکھولنے کی ہتھ آ رہے تھے۔ میرے ذہن نے فوراً اس نتیجے پر آ گیا کہ ان لوگ کی آواز میں میں بھی اسی جی ہو گئی اس لئے کہ انہیں کے لئے اس طرف دروازے پر آ رہے تھے۔

میں نے ہر ایک خطرناک صورت حال کو اپنے سامنے پایا۔ ان کے اندر ضروری تھا۔ میں نے اپنی امان خان زید کو ان لوگوں کے ہاتھ پر اپنی ہتھ دھرا۔ میں نے اس بات کا ذہن تھا کہ اس جرم وہ فریب کے دھن خان زید کے خلاف کوئی خطرناک قدم نہ اٹھے۔ مجھے یقین تھا کہ میں اس جرم میں جی خفاہ کو لکھتی میں اور خان زید کا کامیابی کوں ہے؟ یہ اپنی اپنی ہتھ دھرا رہی تھیں۔ جس کے بارے میں کہا جاسکتا تھا کہ یہ کسی بھی خواہ ہے۔

اسی ہی تیزی سے کام کر رہا تھا لیکن میں فوری طور پر اس کے کھنکھولنے خان زید کو اپنے ساتھ لے کر اس طرف آ رہی تھی۔ اس کی طرف رخ کر گئی تو اس جرم سے اور فحش ہتھ کے ویلے کی طرف جانے میں یہ لمان زادہ فریب کے آدمیوں سے مدد پر تیار نہ ہو جائے۔

ابھی اس کا خیال آیا کہ اس کا کواہر ہے جیسے کے لئے اہم ہو سکتا تھا۔ اس جہنم کی بات صرف یہ جی کر لیا تو

پھر اٹھا کر کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ میں نے اس کی ہتھ دھرا خان زید کے ساتھ ہوں۔ اسی صورت میں وہ بھی ہتھ دھرا جی کوشش تھی لیکن اس خفاہ کے ساتھ ساتھ میرے ذہن میں یہ کھنکھولنا موجود تھا کہ وہ کواہر پر عاقبت ہو چکی ہے۔ کیا وہ اس عشق کا ذرا سا بھگت بھی نہیں رکھتی؟ میرے تجربے کے مطابق تو ایسی عورتیں اپنے اندر کے اس شہد جھپٹے کے ہاتھوں اس سنگ مجبور ہو جاتی ہیں کہ اسے دم و روح و فطرت کو طاقن لیاں کر دیتی ہیں۔

میں کھڑکی میں کھڑی ہوئی۔ یہ سب کچھ سوچ رہی تھی اور میری نظر ان خفاہ کے دھنکوں پر پڑی ہوئی تھی جن کے ساتھ اب اسانی ہوئے بھی ہو سکتے تھے۔

میں نے اپنے عقب میں خان زید کی تیز سانسوں کی آواز سنی تو مجھ کو دیکھا اور بولی وہ میں اس جہنم سے بچنا ہو گا خان بابا! " کیوں؟" وہ حیرت سے بولا۔ یہ سب تو میری ہی ہتھ کے لوگ ہوں گے۔ ان کے کامیاب ہو سکتا ہے۔"

خان زید اس بات سے بے خبر معلوم ہوتا تھا کہ اس کا بیٹا، بسنی میں کیا رنگ بجا چکا ہے۔ میں نے تیزی سے کہا۔

اساں ہتھ کے لوگوں میں اب کچھ لوگ تھکے جانی دشمن کے کچے ہیں لیکن یہ ایسا موقع نہیں ہے کہ میں انہیں ساری تفصیلات بتاؤں۔ میرے ساتھ وہ جلدی کر رہا۔

خان زید میری اس ہمہ باتوں سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکتا۔ مگر اس میں اتنی عقل مند تھی کہ اس نے مجھے اپنے بے درپے میں نہیں اٹھایا۔ ادنیٰ سے میرے ساتھ چلنے لگا۔

لوگ جھپٹے سے نکل کر کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے میں سوچ رہی تھی کہ ان لوگ کی آواز تو کھلے ہاتھوں میں سنی ہو گئی۔ وہ خوفزدہ ہو کر اپنے کواہر سے بھاگ رہی تھی۔

لیکن جب میں نے کواہر کے دروازے پر دھاڑ ڈالا تو پتہ وہ اندر سے بند ہے۔ میں نے اطمینان کی سانس لے کر دروازے پر دستک دی۔ جب اس دستک کا جواب نہیں ملا تو دوسری دستک کے ساتھ میں نے کھنکھولنا کو دھاڑ دی۔

"کون ہے؟" اندر سے کھنکھولنا کی گتائی ہوئی آواز سنائی دی۔

آواز سے سر کی ایک صاف ظاہر ہو رہی تھی۔

میں ہوں آصف۔ جلدی دروازہ کھولو۔ میں نے جوا بسنی کی طرف سے آئے والوں کا شور اب صاف سنائی دیتے تھے۔ وہ اتنے قریب آچکے تھے کہ میں جاہلٹ لہر میں راہ فرار سامنے ہو جاتا تھا۔ میں نے مضطربانہ انداز میں دروازے پر پھر دستک دی اور اپنا نام بتا کر کھنکھولنا کو کھولا۔

خان زید میرے قریب ہی کھڑا ابھی میں سانس لے رہا تھا۔ یقیناً اس وقت اسے وہی اشتیاق مروج حاصل ہو گئی۔ اس کی کواہر

سفر کیا تھا اور یہاں پہنچنے کے بعد مجھے جاتو کے اچھے پرہیزگار خاں
 "یاد" لڑکے! "بوڑھا خاں میر" طراز انداز میں بولا کہ تم
 مجھے ابھی تک اندھیرے میں رکھے ہوئے ہو!
 "ابا! میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی لمبھی سجدی
 سے کہا: تم نے تو راجہ جان پہلیکے کہ تمہارا بیٹا تمہارے غمخو
 ساتھی ہے۔ کیا اس کے بعد کسی وضاحت کی بھی گنجائش باقی ہے؟
 "میں سنا چاہتا ہوں کہ آؤ خان سب بالکل پائین نظر کیا ہے؟
 خان زید نے پہلو بدلی کر کہا۔
 "میرا خیال تھا کہ تم نے میں منظر بھی سمجھ لیا ہوگا۔ اس میں کوئی
 پیچیدہ بات نہیں ہے۔ تمہارا بیٹا جس کی سرداری چاہتا تھا
 سو سو سے تمہارے غمخو کے بعد مل گئی۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ
 تمہیں اغوا کرنے والے تمہارے بیٹے کے دوست ہیں۔ اس کے بعد
 اب کسی وضاحت کی کوئی گنجائش نہیں ہے!
 "بات تو اب بھی سمجھ نہیں آئی کہ مجھے اغوا کرنے کا مقصد
 کیا تھا؟ میرے بیٹے کو سرداری ہی مقصود تھی تو مجھے تم کیوں نہیں
 کر دیا گیا؟
 "اوہ! میں خان زید کی آنکھوں میں دیکھنے لگی اور بھر اہستہ
 سے بولی: "میرا خیال تھا کہ ان لوگوں نے تم سے کسی قسم کی معلومات
 حاصل کرنے کی کوشش کی کہ ہوں گی؟
 "نہیں، میں ابھی کسی قسم کی معلومات فراہم کر سکتا تھا؟۔۔۔
 انہوں نے مجھے قید رکھنے کے دوران میں مجھ سے کسی قسم کی گفتگو نہیں کی!
 "عجب بات ہے! میں بڑا ڈر کر رہ گئی۔
 ہماری اس گفتگو کے دوران میں گل بالو بالکل خاموش رہی
 اور بڑے سہاری طرف دیکھتی رہی۔ میں خان زید کے متعلق سوچنے لگی
 تھی مگر اس وقت میرے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا جب باہر سے مجھ
 آواز سنائی دے۔ ان آوازوں سے یہ اندازہ ہو آسانی لگا یا جانتا
 تھا کہ کچھ لوگ ڈاک بنگلے سے نکل کر گئے تھے۔ خان زادہ فرید نے
 صورت حال کا علم ہوتے ہی اپنے آدمیوں کو چاروں طرف دوڑا
 دیا ہوگا۔

[illegible][illegible]

بیکار کی لڑائی دہری دندہ نور سے اچھلتے لگا کر نہ کہ وہ آواز دہری سے
لئے آج ہی نہیں تھی تنہا کی موجودگی پر حیرت ظاہر کرنے والا چالو تھا۔
چالو جسے لینے کے لئے میں نے نکلے بالو کو بھیجا تھا مگر جو گل بالے کے شوہر
کو لے کر آیا تھا۔
”اے صاحب داد کی سبکی ہوئی آواز سنائی دی؟“ وہ.....
”کماں چلی گی... خنزیر کی بجلی...“
میرے ذہن نے اس وقت بڑی تیزی سے کام کیا اور دو
دو چار کی طرح میں اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ چالو نے میاں ملک آنے
کے لئے صاحب داد کو محض آؤٹ کے طور پر استعمال کیا ہے۔ دراصل
اے میری ہی تلاش ہو گی کہ نہ کہ میں اسے اپنے آدادوں سے باخبر نہ کی
تھی۔ اُس نے مجھ کو اس انداز میں سوچا مگر کجا خطرات سے بچنے کیلئے
میں نے نکلے بالو کے پاس پناہ دے رکھی ہو گی لہذا اب وہ مجھے میاں
سے نکال دے جانے کے لئے آیا تھا۔
”دو چالو خان! میں نے انتظار ہو کر اے بکا دھٹی لیکن اس بات
کا خیال رکھنا تھا کہ آواز زیادہ دُور تک نہ پھیلے پائے۔
بہر چند مجھے کہہ لئے سنا تھا چکا گیا۔ میری آواز کا یہ دُور عملِ خطر
کے عین مطابق تھا چند لمبے بعد صاحب داد کی دُور دُور سی آواز
سنائی دینی۔
”اوہو بوجوہر کیا میرے گھر میں بھگوت گھس گئے ہیں!“
”چالو خان! میں نے بھر پیلے ہی کسی مددگار آواز میں پکارا یہ
میں ہوں اصف“
”اصف... اصف... اصف“ صاحب داد زور بٹھڑانے لگا۔
”بہرے سار کوں لگا ہوا ہے اصف خان! چالو نے سرگوشی میں
پوچھا لیکن وہ سرگوشی اتنی مددگار نہیں تھی کہ میں اُسے نہ سن سکتی۔
”میں نے عمل بالو کو نہ کہ اے گھوڑے جیسے“
”اوہ!“ اے گھوڑے منہ سے اتنی ہی نکل کر دیا صورتِ حال نے
اُسے بھی جھکا کر کرکھ دیا ہو گا۔
صاحب داد کی خوفزدہ اور گھبراہٹی ہوئی غور آواز سنائی دی کہ یہ قلم
کس سے آیا۔ ”بکرے ہو۔۔۔ چالو خان!“ اے بھئی آگئی۔ وہ اتنے
گہرے نشے میں تھا کہ اُسے میری ملاقات بھی انداز میں رہی تھی۔ اگر
ملاقات یاد دہرائی تو میرا نام ہی یاد ہوا۔
”چالو خان! اے میری سرگوشی میں غلط یہ بھی تھا کہ کسی طرح راز
کھولنے کی کوشش کرو“
”میرے پاس چابیوں کا ایک گھٹیا ہے تو میں چالو خان کو بڑبڑایا۔
”ان چابیوں کو راز دا“ میں نے پوچریش انداز میں کیا یہ ممکن
ہے، کوئی چابی لگ جائے۔“
پھر مجھے ایسی کھوکھلائی سنائی دی جیسے چابیوں کا گھٹیا نکالا
گیا ہو صاحب داد اب مجھ کو اس انداز میں بڑبڑاتا تھا کہ الفاظ غریبی کی کچھ

اسٹین گن ہانگ لی تھی کیونکہ بہاؤی پیلے کی بہر میں وہ اس کی نبرد
محسوس کر رہا تھا۔ لڑنے سے تھکے ہوئے چھپا ہٹ کے بعد اسٹین گن
اُسے سے دھکی دیتی۔

تاریک رات میں جیپ تیز رفتاری سے ایک طرف روانہ ہوئی
نیل جیکٹ والے کارڈیونگ بیٹھا انا ایسا ہی تھا جسے میں نے اپنی
پیکل کسی اجنبی کے ہاتھ میں شدہ کیوں نہیں موجودہ حالت میں اس
کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہ تھا۔ میں جو کہ اس علاقے سے ناواقف تھی
اس لئے میں ڈرائیونگ کر کے جب کہ پڑی ایک نہیں دے جا سکتی
تھی میرے برخلاف نیل جیکٹ والا، ڈرائیونگ کرتے ہوئے اتنا
گراحتا تھا جیسے یہاں کے چپے چپے سے واقف ہو۔

تقریباً نصف گھنٹے تک یہ سفر مکمل خاموشی سے جاری رہا۔
نہ اس پورے سفر کے کچھ کا انداز میں اس سے خطاب ہوئی لیکن بالکل
بالآخر یہ سکوت میرے لئے ناقابل برداشت ہو ہی گیا۔
"کیا یہی تمہاری اصل شکل ہے؟" میں پوچھ رہی تھی۔
"کیا مطلب؟" پوچھ رہے تھے جبکہ کرک۔
"میرے خیال سے تمہارے نزدیک آپ میں ہوا۔"
"خیال غلط نہیں ہے۔"
"کیا تمہیں میری حفاظت پر بیگم تراب لکھو نے مامور کیا ہے؟"
"میں نے عرض کیا تھا کہ میں اس شخصیت کا نام زبان پر
نہیں لاسکتا۔"

"ہوں" میں نے ہنرٹ بیچنے لے اور سوچنے لگی کہ بیگم
تراب لکھو کے علاوہ کوئی شخصیت مجھ ایسی نہیں ہے جسے میری حفاظت
کی فکر لاحق ہو سکے۔ اگر پورے کا اقلق سرکاری مشینری سے بڑا تاز
میں سوچ سکتی تھی کہ وہ صدر مملکت کا آدمی ہو گا لیکن وہ نہایت ڈوگ
انڈیز میں کس قدر تھا کہ وہ حکومت کا کارندہ نہیں ہے۔

جب میں کراچی سے واپس ہوئی تھی اس وقت بیگم تراب لکھو
مکے سے باہر تھیں اس لئے میرا یہ شبہ تعویث نہیں پاسکا کہ وہ بیگم
بیگم تراب لکھو ہی کا آدمی ہو گا۔ چونکہ میرے اس شبہ کو تقویت
نہیں مل رہی تھی اس لئے میں مستقل طور پر انھیں کا شمار کر چکی۔

جیپ اوپر نیچے بہاؤی راستوں پر تیز رفتاری سے چل رہی تھی
اور میں اس بات کی کوشش شروع کر دی تھی کہ اپنی آنکھیں گودھن
سے جھٹک کر مستقبل کے بارے میں غور کر سکوں۔ دو دن بعد میرے
ملک کی سرحدوں پر سامنے کی باتھ لہرنے والی تھی اور اس کے زہر
سے صرف اسی طرح بچا جاسکتا تھا کہ میرے سرحدوں کے رکھوالوں
کو بوشیا کر دیا جاتا۔

یہ میری آخری دو دن باقی تھے اور یہ ایک اچھی خاصی مہلت
تھی۔ میں سوچ رہی تھی کہ اگر کوئی بہت بڑی رکاوٹ سامنے نہ آجی
تو میں بارہ گھنٹے کے اندر اندر حد صبر مملکت کو اس سنگین مہلت حال

سے آگاہ کر دوں گی اور اتنا مزہ چھین سکتی ہوں کہ اس
بچنے کی تہہ پاں کر لی جائیں گی۔

یہ سب کچھ سوچتے سوچتے شاید میں اوروں کے
خونگ کاوازے مجھے چونکا دے وہ آواز گولی پلنے کی م
پوچھت چکی تھی۔ میں نے ہلکے ہلکے آواز
سامنے کو سیدھی کر دیکھتے ہوئے دیکھا۔ اس کی پیٹھ
پھیلتا مارا تھا فاسی انجن کی آواز کے باعث میری ذہ
مبذول ہو گئی اور میں نے دیکھا کہ ایک کار جیپ
ہوئی تھی۔ اس کار کا ایک کمرے سے کسی کا ہاتھ
اس ہاتھ میں دے ہوئے رولڈ اسکال ہال جیپ کا
ایک ڈرائیور تھوڑا دیر میں پلنے آگیا۔
پر گرا چکی تھی۔ اگر اس ایسا نہ کرتی تو اس گولی نے
ترسی جتنے کو ضرور جانتا لیا ہوتا۔
میرے چہرے سے کراہت نکلا۔

جیپ کی رفتار میں ایک بڑی تیزی سے
کے ساتھ ہی نیل جیکٹ والا گھرائی ہوئی آواز میں
فوری طور پر میری آنکھیں نہیں آسکا کہ وہ
میں محسوس کر دی تھی کہ میری تیزی سے آواز
لس لہجے سے بتا رہا تھا کہ وہ آخر ہو چکا ہے۔ گولی
سے داخل ہو کر کسی ایسے اندرونی عضو میں پڑا
نے چند لمحوں کے لئے بھی زندگی کا روبرو آٹھا۔
میں نے غصے سے اپنا رولڈ اسکالہ آگ
تیسری گولی چلائی تھی۔ نیل جیکٹ والے نے
سے بچنے کی کوشش کی اور اس کوشش میں آگیا
میں نے اپنا صرف ہاتھ اور پر کے تعاقب کیا۔
جیپ دبے۔ میں نے نہیں دیکھی تھی کہ میری
کس حد تک کا گر ہوئی تھی لیکن انداز سے
جاسکتی تھی کہ کار والوں نے جو کھار کرائی رفتار کم
جیپ کی رفتار میں اضافہ نہ ہو رہا تھا اس لئے غا
فاصلہ بڑھ گیا ہوا۔

"کیا ہوا؟" خیریت تو ہے؟" نیل جیکٹ
کی طرح بیچ آٹھا تھا۔ آپ جواب کیوں نہیں
دے رہا اس کا پاس تھا۔

"مجھے انسوں سے درست! میں آہ
باس ختم ہو چکا ہے۔"
نیل جیکٹ والے کو گویا سکتے ہو گئے۔
لفظ بھی نہیں نکل سکا تھا۔

مکے تھوڑی سی آواز ہوئی اور دوسرے سرگشتار
لہجے میں یہاں خیال درست تھا۔ تعاقب کرنے والی
بہنیں بھی کراس سے جلائی جاتے والی گولیاں
آگیا۔

تاکہ اس وقت بڑا جیکٹ والے کے پاس منتقل
ماہم دھم بجائے میں دیکھا کہ جیکٹ والے کا چہرہ
لہجے میں دھڑکیں ہیں؟ میں نے اس سے پوچھا۔
میں نے وہ عجز کی ہوئی آواز میں بولا۔
میں سے ٹپک پڑی، "میں نے بڑا بڑا لے لے
ہاں سے ہائے تعاقب میں بھی ہوئی ہو۔"
ال تھار کیا۔

انہی دو رنگ چپ کمرے میں ہے؟ میرا مطلب
ال تھوڑے سے میری طرف کا جاسکتا تھا؟
ماہم دھم کا انداز میرے میں نشانہ خط ہوتا ہے
کی آواز بدستور بھرتی ہوئی تھی۔
یہ وہ فونی تو نہیں تھی لیکن میں بھی فوری طور
موجی تھی۔ میں نے ایک بار پھر لیٹ کر
ال کی طرف دیکھا۔ اب سچ کی روٹی کچھ بڑھ
اوس کے ذہن میں کراٹھ اسوا حذر صاف نظر آگیا۔
میں جانتی ہوئی گولیاں بائیں سے کوئی ایک
سے ذہن میں فوراً یہ نکتہ ابھرا کہ گولی کے
مدت میں تو دشمن کو جانی نقصان کا بھی سامنا کرنا
پڑا کہ وہ اپنے جلا کر لائیں ایک ہی آدمی ہے جو فونی
بیم تھوڑے کر رہا تھا اور دوسرا ڈرائیونگ۔
اگر خالی تھی۔ اگر میری گولی نے اسے ہلاک
بیٹ کے نیچے لٹا دیا ہوگی۔
نیل جیکٹ والے کو مسوں کر کے میں اس وقت مسکا
واسے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں اُن
گولیوں سے۔"

اس کے کہنے سے میں اتنا ہی نکلا اور پھر
اس نے کہا "وہ کہتے ہیں؟"
"وہ کیا ہے؟"
میں نے اپنے کوشش کر کہتے ہیں؟
میں جلدی سے بول پڑی نہ لگا ہینے دو
ان انسان نہیں ہے۔ جب شہری حدود قریب
وہ بات نکل چلے گا۔"

جیکٹ والے نے اس سلسلے میں مجھ سے کوئی بحث نہیں کی
اور خاموشی سے جیپ کو گودھن تار رہا۔

تعاقب کرنے والی کار نے دوبارہ قریب آنے کی کوشش
نہیں کی تھی میں نے اس پر ایک آپٹیکل ہیڈ فون لگا دیا اور پھر جیکٹ والے
سے کہا۔

"مجھے تمہارے پاس کی موت کا بعد انسوں ہے؟"
"ہوئی کو کون ٹال سکتا ہے؟" جیکٹ والے نے ایک تھوڑی
سائنس لی۔

"الاش کے سلسلے میں تم نے کیا سوچا ہے؟" میں نے پوچھا۔
"شہری حدود میں داخل ہوتے ہی پہلے پڑنا پڑنا کمرے کی
لے کی ایک سیج ہو چکا ہے۔ آجائے میں، ہر ایک کی نظر لاش پر پڑے گی۔"
"میں اس پر کوئی جیکٹ ڈال دوں گا تا کہ کوئی نہ دکھائی دے۔"
شہری حدود میں داخل ہوتے ہی آپ جیپ کے آگے میری آواز آپ
کی منزل تھا اچھا ہے۔"

"مجھے اب تک یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ تمہارا پاس کون تھا اور تم
کون ہو؟" میں نے اسے ٹوٹنے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔
"تمہارے پاس کے کراچی جی سے یہ تعاقب شروع کر دیتا تھا۔"
"حقیقت یہ ہے کہ میں اس بارے میں تفصیل سے کچھ نہیں جانتا۔"

مجھے تو پاس نے پڑی سے فون پر ہر بات کی تھی کہ کونسا نشانہ ہے
اس جیلے کی ایک خاتون پشاور پہنچ رہی ہیں اور مجھ ان کی نگہانی
کرنا ہے۔ بس پھر میں نے آپ کی نگہانی شروع کر دی اور جب پاس
پشاور پہنچ گئے تھے تو میں نے ان کو روک دیا۔ دی۔ اس کے بعد بھی
میں انہی کی ہدایت کے مطابق آپ کے پیچھے لگا رہا۔"

"رات کو جب میں ٹپک پڑی تھی تو انارنگ۔۔۔۔"

"وہ وہ انارنگ؟" جیکٹ والے نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا "وہ
اور پاس کے درمیان تھی تو پشاور کے پاس کو ٹپک پڑی تھی کہ کون کا
شیشہ توڑتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔"

"تمہارا اقلق کسی شخص سے ہے؟" میں ایک سوال کر رہی تھی۔
"خیر نہیں، وہ بڑا بڑا آپ جاہل تو اسے خیر نہیں سمجھتی ہیں۔"
"تمہارے کیا کیا ہو گئے؟"
"بیکار ہے، بالآخر جیکٹ والے نے دو دن انداز میں کہا۔
"آپ مجھ سے کوئی بات نہیں لگوا سکتی۔"
"ہوں!" میں ایک تھوڑی سائنس کے کرکے چپ ہو گئی۔

تعاقب کرنے والی کار اور جیپ کے درمیان فاصلے میں اب
مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ غالباً کار والے نے اپنی رفتار تیز کر کے کار شروع
کر دی تھی گو بائیں خیال درست ہی ثابت ہوا تھا کہ شہری قوت کو
محسوس کر کے تعاقب کرنے والا غور ہی کرتا جائے گا۔

لیکن اس وقت میرا سارا ایمان انصاف ہو گیا جب کار کے

تھا لیکن اب اس نے جان چٹلانے کے لئے مجھے اس کے سوا کوئی راہ نہیں کو جس میں کھیلنے کا کوئی شہر نہیں کر دوں۔
 یہ تیرہ بار گری رہی اور تھکنے اٹھانے کی فکر نہ کر دی۔
 ”اب میں تمہارے لئے ہر پریشانی دہوں گی۔“ بھولنے سے بھرتی ہوئی آواز میں کہا۔

”پریشانی ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ویسے ہی تم کو فوری ضرورت حال سے آگاہ کر دوں گی۔“
 ”لیکن تم لوہیں آفیسر سے ملنے کے بعد واپس لوٹا سکتی ہو؟“
 ”ضروری نہیں ہے۔ اگر اس لوہیں آفیسر سے مل کر بات نہیں بن سکی تو پھر مجھے فوراً کراچی پہنچنا ہو گا۔“
 ”خدا تم سے مجھے قسمی! بھولنے سے ٹھنڈی سانس لے کر کہا کہ تم اپنے آپ کو عجیب عجیب گرد گردوں میں جھانسنے رکھتی ہو؟“
 پھر وہ اپنے بڑے بچے کے ساتھ، مجھے رکھتے کرتے کیلئے دروازے تک آئی، اس وقت میں اپنی نفل میں ایک بڑا سا پیکٹ بھی دہانے سے تھی جس میں میرا خون آلود لباس بندھا ہوا تھا۔ میں اس لباس کو جو کہ گھر میں نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔

بھولنے سے اس کا ایک بڑا پرس لے کر میں نے دیواروں میں رکھ دیا تھا۔ کارڈوں کی پٹی میں سے تو اس نکال کر وہ بھی پرس میں بھر لئے تھے اور دفعتاً ہی پٹی میں سے ایک ٹمپل اٹھ لی تھی۔
 کچھ دیر تک میں پیدل ہی چلتی رہی۔ مجھے اپنا وجود بالکل ہلکا چمکا محسوس ہو رہا تھا۔ منہ لے کر کھانا کھا کر جانے سے پہلے سے جلا میں جولا لی سی اگلی تھی۔ بھولنے سے ہونے والی دلچسپ گفتگو نے بھی ذہنی متحرک کر دی تھی۔ امداد کے ہنگاموں کا بوجھ دماغ سے ہٹ گیا تھا۔

لیکن ایک بوجھ اب بھی ذہن پر موجود تھا اور وہ اس وقت تک نہ ہٹا جب تک صدر حاکم سے ملاقات نہ ہو جاتی۔
 بازار سے میں نے ایک ایسی کپڑی خرید کر بھول کر کاٹل اس

میں رکھ لیا اور ایک تلے میں بیکھر کر بیٹھ کر بڑے بڑے بھولنے کی طرف روانہ ہو گئی۔ باب تک میں نے یہ اطمینان کر لیا تھا کہ میری غلطی نہیں کی جا رہی تھی۔ دشمن ابھی تک یہ سراسر گنگانے میں کام رہا تھا لیکن یہ بات سننے کے بعد وہ لوگ کتوں کی طرح میری بوسہ کھینچنے پھر رہے ہوئے تھے۔

بھولنے پہنچ کر میں نے ایک فرضی نام سے کہہ حاصل کیا اور سسٹے سے اخبار دیکھا یا تاکہ کک کی تازہ ترین صورت حال سے باخبر ہو سکوں۔

کشمیر کے ماز پور پاکستانی افواج کی پیش قدمی جاری تھی اور خبروں سے یہ ایسا اندازہ ہو رہا تھا جیسے تین چار روز میں ہی مارا

کھیل ختم کر دیا جائے گا۔
 ان حالات میں پاکستان کی سرحد امنگات بہت قری تھے۔
 میں نے اخبار میں کوئی ایسی خبر تلاش ملک کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکتا تھا۔
 دکھائی دی۔ دراصل میں یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ موجود میں یا نہیں۔ اصولاً تو انہیں اپنا چاہئے تھا کیونکہ موجودہ حالات ان کے اخبار ایک طرف ڈال کر میں نے رابطہ قائم کیا اور کافی جھنجھکی بھارت تک درمیان نیند کے گھنگھور بادل اٹھانے لگے تھے۔

کافی لمبی گھنٹے میں کھینچا لال گیا اور میں روتے سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ وہ طرف سے ملنے والا جواب میرے لئے بڑا کے مطابق وقت کسی کام سے کوئی کیا ہوا صورت نہیں رہ گئی تھی کہیں خود ہی صبر نہ میں نے ٹیلیفون پر ایمان صدر کے بھولنے والے جواب سے تو میرے پسینے پھوٹ صدر حاکم آج کی کسی وقت تمہارا کپڑا وہاں سے باورس ہونے کے بعد،
 تاہم کرنے کی کوشش کی مگر کام نہ رہی۔ یہی ذہن جاریہ۔ جب نہاں، سرکار دن رات کے خاموشی اختیار کرنے کو مجھے سمجھنے میں لے پڑے دیا اور فیصلہ کیا کہ میں اسی وقت تمہارا کپڑا چھوڑ کر میں ذہن داخل سے ابھر کر آ جاؤں گی۔ لیکن حالات کی اس وجہ سے میں مبتلا کر دیا تھا اور میرے اندر کی زندگی بھر گئی تھی۔

ایک گھنٹے کے اندر اندر میں پٹنی ہو گئی۔ نتیجہ اعلیٰ کا قریب ترین راستہ یہ ہے کہ ذہنی سے کرائے کی گاڑی حاصل کر لیں اور پورے ہی تھی۔

لے تے پھر تین دن مختلف التور دنیا، مجھے یہ بہت عجیب سا معلوم ہو رہا تھا کہ نتیجہ اعلیٰ چلے گئے تھے۔ یہ زمانہ ایسا تو نہیں اپنی ٹھکن اتارنے کے لئے جو فضا مقامات افواج ایک محاذ پر پیش قدمی کر رہی تھیں کو دارا حکومت ہی میں ہونا چاہئے تھا۔ ویلے

ابھی میرے ہاتھ میں ایک منہ مٹا دی اور کسی خیال میں کھولنے کی کمانی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے لے رہی تھی۔ اس کے دل نواز چہرے پر اداسی کا ایک بڑا سا غبار پھیلا ہوا تھا۔ میں بے اختیار اس کی طرف بڑھتی چلی گئی میرے قدموں کو جیسے کسی منہ مٹا دیس نے کھینچ لیا تھا۔
 وہ مجھے دیکھ کر اس قدر شرم سے چوکی کہ اس کے ہاتھ میں دہلی ہوئی پیالی سے کافی چمک گئی۔

”ہیلو شہانہ! میں اس کے سنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔“
 ”ہیلو! اس نے مردہ سے لہجہ میں کہا۔“
 ”اب مجھے یاد آ رہا ہے کہ کراچی سے منڈی آتے ہوئے جب غم غمائے میں مجھ سے ملی تھیں تو تم نے میری آنکھ کے خیال کا اظہار کیا تھا۔ میں اس بات کو بالکل کھول ہی گئی تھی۔ اب تمہیں یہاں دیکھ کر مجھے تمہاری وہ بات یاد آ رہی ہے۔“
 ”ہوں؟“ شہانہ نے نظریں جھکا لیں اور کافی ہاتھ گھونٹیں۔
 ”ہاں! کچھنا بھرا اب ہمارے مرنے کے قریب آکھڑا ہوا تھا۔ میں نے اسے کھانا لائے کے بارے میں ہدایات دیں مگر پھر شہانہ سے بولی کہ کیا تم اسی بڑل میں مقیم ہو؟“
 ”ہاں! شہانہ کی آواز بدستور جیسی تھی۔

”کس کمرے میں؟“
 ”گیارہ نم۔“ شہانہ ”نمبر“ کہتے کہتے ڈک گئی اور پھر مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ ”آپ کو میرے کمرے کا نمبر معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہے؟“
 ”نمبر دیکھ رہا ہوں؟“ میں اس کا کہہ کر بولی۔ ”میں تمہارے کمرے میں قیام کرنے کا ارادہ قطعی نہیں رکھتی۔ میں کھانا کھا کر یہاں سے فوراً ہی روانہ ہو جاؤں گی مجھے تمہارا کھانا مانا ہے۔“
 ”اس وقت؟ رات میں؟“ شہانہ نے کسی حیثیت کا اظہار کئے بغیر بڑے سادہ سے لہجہ میں کہا۔
 ”ہاں! میں نے جواب دیا۔ ”اتنا اہم ہے کہ مجھے اسی وقت جانا ہو گا۔“

شہانہ نے کام کی اہمیت کے بارے میں کوئی استفسار نہیں کیا اور کافی کا آخری گھونٹ کے کمرے میں رکھ دی۔ اب وہ اپنے نظریں سے نظر آئے گی تھی۔ ایسا انداز تھا جیسے اس کی میز پر کوئی اور موجود نہ ہو۔
 ”اس موسم میں تم مری کیوں آگئیں؟“ میں قدمے توقف سے بولی۔
 ”عجب میز! ذہن بوجھل ہوتا ہے تو میں مری کے دربان گوشوں میں بڑا سکون محسوس کرتی ہوں۔“ شہانہ نے بدستور دھیمی آواز میں جواب دیا۔
 میں پھر کچھ کہنے والی تھی کہ شہانہ دو ایک سیکیورٹی ”کہہ کر کھڑی

اے میں اس وقت صرف دو میز پر آباد نظر آ رہا تھا۔ میرے پیچھے ہونے کا کھانا کھا لیا تھا۔ یہی ایک ہی کمرے کا احساس دہو گیا۔
 میں بھی نہیں تھا کہ یہاں میری ملاقات شہانہ

اور ایک طرف بڑھتی چلی گئی۔ وہ آؤ پر کہے کی طرف جاری تھی۔
 میں ایک شہنشاہی سانس لے کر دھڑکی اس لڑکی کا ذہن اتنا
 پہلے جیدہ تھا کہ مجھے اس کے گھٹنے والی کوئی توقع نہیں تھی۔
 کھانا آیا تو میں اس کی طرف متوجہ ہو گئی لیکن کھانے کے دہان
 میں میرا ذہن شہنشاہی ہی میں الجھا رہا۔ اس کے بدن کی تپتی ہوئی
 دھڑکی میں اس سردیات کا مداوا بڑی آسانی سے ہو سکتا تھا
 لیکن مجھے ایک ایسی کہم دیدی تھی جس میں کسی سے کام لینا
 خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔
 کھانے کے بعد میں نے کافی منگوائی۔ پہلا کپ پینے کے
 بعد میں دوسرا کپ بنارہی تھی کہ ال میں داخل ہونے والے شخص
 کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ میں نے دھڑکے کی طرف بڑھی
 ایک اچھٹی سی نظر ڈالنا چاہی تھی لیکن ہوا کی آدھری دھڑکی نے
 فوس کا ڈاکٹر فنگ کا چائیس امیری طرف دھکا دیا تھا۔
 اسے مہاں دیکھ کر مجھے اپنے اعصاب پر ایک نرک شاک کی کیفیت
 عروس ہوئی تھی۔

”ہیلو!“ وہ میرے قریب آکر بولا۔ ”کیا میں یہاں بیٹھ سکتا
 ہوں؟“
 ”جیہ جیہ جاؤ“ میں نے سردی سے کہا۔
 فوس میرے سامنے دالی کر بیٹھ گیا۔ وہ بوجھدہ نظر آ رہا
 تھا۔ ”میں بیٹھتا ہوں؟“ وہ قدرے وقفے سے بولا۔ ”مجھے ایک تہہ
 تو بے وقوف بنانے کی کوشش کر چکی ہو لیکن اگر دوسری بار چھوٹ
 تھم کی کوئی کوشش کی گئی تو تمہارے حق میں برا ثابت ہو گا۔“
 ”کیا مطلب؟“ میں خشک لہجے میں بولی۔
 ”جہاں کی نظیر ذہن لوگوں کی قدر کرتی ہے۔ میں تم سے اس
 موضوع پر بڑی تفصیل گفتگو کر چکا ہوں۔ میں نے تمہیں اپنے ساتھ
 ملائے کے لئے ایک بڑی پیشکش کی تھی جسے تم نے قبول کر لیا تھا
 لیکن بعد کے حالات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ تم نے مجھے بے وقوف
 بنانے کی کوشش کی تھی۔ تمہاری وجہ سے صوبہ سرحد میں ہمارا ایک
 پلان تباہ ہو چکا ہے۔ اگر تم ایک ایسے دانے سے بھی واقف ہو گئی ہو
 جس کے اندیشے ہمارا ایک پلان متاثر ہو جائے گا۔ مجھے کوئی
 ہی میں اس بات کی اطلاع ملی تھی کہ صوبہ سرحد کا پلان تباہ کرنے والی
 کوئی خدمت ہے اور میں سمجھ گیا تھا کہ وہ تم ہی ہو سکتی ہو۔ میں آج
 تیسرے بار کو راجی سے پہنچا ہوں۔ مجھے یقین تھا کہ تم صوبہ سرحد تک
 پہنچنے کی کوشش کر گئی اور جب مجھے یہ پتہ چلا کہ صوبہ سرحد تک پہنچا
 گئے ہو تو میں سمجھ گیا کہ تم نے بھی آدھری کادھج کیا ہو گا۔ میں
 تیرا زندگی سے اس طرف چل پڑا لیکن راجی سے قبل میں نے کچھ
 دوسرا غفلت بھی کر دی تھی۔ میں ان دوسرے اختلاطات کی

وضاحت نہیں کر دوں گا۔ یہ تمہاری خوش قسمت
 فوس کی مل گئی۔ اب بستر ہوا کہ تم میں
 صوبہ سرحد تک پہنچنے کی کوشش کر گئی آ
 ”نقصان کی وضاحت ضرور دی ہے۔“
 انداز میں بولی۔
 ”موت!“ فوس نے بڑے ڈرامائی
 ”ایسا تو یقیناً ہے کہ ہم ذہن لوگوں کی قدر کر
 ذہانت ہانکے قابو سے باہر ہوئے۔“
 پشادیتے ہیں۔“
 ”میں اس وقت کا انتظار کروں گی۔“
 ”ہاں۔“ میں نے کہا۔ ”میں ناگہن ہے کہ میں اپنے
 ”مجھے تمہاری محنت سے صدمہ ہو گا۔“
 ”میں کوشش کروں گی کہ تمہیں یہ صدمہ
 فوس کی کیفیت کھرا ہو گیا۔ اس نے
 بحث سے کوئی تاثر نہ نہیں۔ وہ تیزی سے
 گیا اور میں شہنشاہی اپنی کر بیٹھیں۔ وہ فوس
 خطرناک ہو چکی تھی۔ اس میں مجھے کوئی
 مجھے ہر قیمت پر بردہ کرنے کی کوشش کو
 میں ناگہی ہو گئی تو مجھے قتل کرنے سے بھی
 میں فوس کے ایک ایسے ہی راز سے واقف
 میں نے کافی کے دوسرے کپ۔
 رہی کہ ان حالات میں تمہارا کپ فوس کا
 دفعتاً مجھے شہنشاہی خیال آیا اور میں
 میں اس سے کوئی مدد لی جاسکتی ہے۔ یا نہیں
 ایک صوبہ سرحد کا صوبہ سرحد کا صوبہ سرحد کا
 سہا سہا کے پہلوؤں کا گھبراہٹ ہو گئی۔
 کافی ختم کرنے کے لئے میں ایک چم
 لیکن اس خصوصیت کا ایک کڑوہ صوبہ سرحد کا
 ہو گا۔ اس مجھے یہ راز مری ہی میں گزرا نا پالی
 گئی کی طرف روانہ ہو سکتی تھی۔ وہ راجی
 عمل میں آئی۔ فوس کو تپتی نہیں جانا کہ میں کپ
 گئی اور میری کامیابی کی واحد صورت یہی تھی کہ
 علم نہ ہو سکے۔ اس وقت تو فوس اور اس کے
 نظر رکھے ہوئے ہوں گے۔ جیسے ہی میں ہوا
 لوگ میرے پیچھے لگ جائے اور موقع نہ دیکھ کر
 کوشش کرتے۔
 میں نے اپنی رواجی صبح کے علا

فوس کی وضاحت نہیں کر دوں گا۔ یہ تمہاری خوش قسمت
 فوس کی مل گئی۔ اب بستر ہوا کہ تم میں
 صوبہ سرحد تک پہنچنے کی کوشش کر گئی آ
 ”نقصان کی وضاحت ضرور دی ہے۔“
 انداز میں بولی۔
 ”موت!“ فوس نے بڑے ڈرامائی
 ”ایسا تو یقیناً ہے کہ ہم ذہن لوگوں کی قدر کر
 ذہانت ہانکے قابو سے باہر ہوئے۔“
 پشادیتے ہیں۔“
 ”میں اس وقت کا انتظار کروں گی۔“
 ”ہاں۔“ میں نے کہا۔ ”میں ناگہن ہے کہ میں اپنے
 ”مجھے تمہاری محنت سے صدمہ ہو گا۔“
 ”میں کوشش کروں گی کہ تمہیں یہ صدمہ
 فوس کی کیفیت کھرا ہو گیا۔ اس نے
 بحث سے کوئی تاثر نہ نہیں۔ وہ تیزی سے
 گیا اور میں شہنشاہی اپنی کر بیٹھیں۔ وہ فوس
 خطرناک ہو چکی تھی۔ اس میں مجھے کوئی
 مجھے ہر قیمت پر بردہ کرنے کی کوشش کو
 میں ناگہی ہو گئی تو مجھے قتل کرنے سے بھی
 میں فوس کے ایک ایسے ہی راز سے واقف
 میں نے کافی کے دوسرے کپ۔
 رہی کہ ان حالات میں تمہارا کپ فوس کا
 دفعتاً مجھے شہنشاہی خیال آیا اور میں
 میں اس سے کوئی مدد لی جاسکتی ہے۔ یا نہیں
 ایک صوبہ سرحد کا صوبہ سرحد کا صوبہ سرحد کا
 سہا سہا کے پہلوؤں کا گھبراہٹ ہو گئی۔
 کافی ختم کرنے کے لئے میں ایک چم
 لیکن اس خصوصیت کا ایک کڑوہ صوبہ سرحد کا
 ہو گا۔ اس مجھے یہ راز مری ہی میں گزرا نا پالی
 گئی کی طرف روانہ ہو سکتی تھی۔ وہ راجی
 عمل میں آئی۔ فوس کو تپتی نہیں جانا کہ میں کپ
 گئی اور میری کامیابی کی واحد صورت یہی تھی کہ
 علم نہ ہو سکے۔ اس وقت تو فوس اور اس کے
 نظر رکھے ہوئے ہوں گے۔ جیسے ہی میں ہوا
 لوگ میرے پیچھے لگ جائے اور موقع نہ دیکھ کر
 کوشش کرتے۔
 میں نے اپنی رواجی صبح کے علا

فوس کی وضاحت نہیں کر دوں گا۔ یہ تمہاری خوش قسمت
 فوس کی مل گئی۔ اب بستر ہوا کہ تم میں
 صوبہ سرحد تک پہنچنے کی کوشش کر گئی آ
 ”نقصان کی وضاحت ضرور دی ہے۔“
 انداز میں بولی۔
 ”موت!“ فوس نے بڑے ڈرامائی
 ”ایسا تو یقیناً ہے کہ ہم ذہن لوگوں کی قدر کر
 ذہانت ہانکے قابو سے باہر ہوئے۔“
 پشادیتے ہیں۔“
 ”میں اس وقت کا انتظار کروں گی۔“
 ”ہاں۔“ میں نے کہا۔ ”میں ناگہن ہے کہ میں اپنے
 ”مجھے تمہاری محنت سے صدمہ ہو گا۔“
 ”میں کوشش کروں گی کہ تمہیں یہ صدمہ
 فوس کی کیفیت کھرا ہو گیا۔ اس نے
 بحث سے کوئی تاثر نہ نہیں۔ وہ تیزی سے
 گیا اور میں شہنشاہی اپنی کر بیٹھیں۔ وہ فوس
 خطرناک ہو چکی تھی۔ اس میں مجھے کوئی
 مجھے ہر قیمت پر بردہ کرنے کی کوشش کو
 میں ناگہی ہو گئی تو مجھے قتل کرنے سے بھی
 میں فوس کے ایک ایسے ہی راز سے واقف
 میں نے کافی کے دوسرے کپ۔
 رہی کہ ان حالات میں تمہارا کپ فوس کا
 دفعتاً مجھے شہنشاہی خیال آیا اور میں
 میں اس سے کوئی مدد لی جاسکتی ہے۔ یا نہیں
 ایک صوبہ سرحد کا صوبہ سرحد کا صوبہ سرحد کا
 سہا سہا کے پہلوؤں کا گھبراہٹ ہو گئی۔
 کافی ختم کرنے کے لئے میں ایک چم
 لیکن اس خصوصیت کا ایک کڑوہ صوبہ سرحد کا
 ہو گا۔ اس مجھے یہ راز مری ہی میں گزرا نا پالی
 گئی کی طرف روانہ ہو سکتی تھی۔ وہ راجی
 عمل میں آئی۔ فوس کو تپتی نہیں جانا کہ میں کپ
 گئی اور میری کامیابی کی واحد صورت یہی تھی کہ
 علم نہ ہو سکے۔ اس وقت تو فوس اور اس کے
 نظر رکھے ہوئے ہوں گے۔ جیسے ہی میں ہوا
 لوگ میرے پیچھے لگ جائے اور موقع نہ دیکھ کر
 کوشش کرتے۔
 میں نے اپنی رواجی صبح کے علا

فوس کی وضاحت نہیں کر دوں گا۔ یہ تمہاری خوش قسمت
 فوس کی مل گئی۔ اب بستر ہوا کہ تم میں
 صوبہ سرحد تک پہنچنے کی کوشش کر گئی آ
 ”نقصان کی وضاحت ضرور دی ہے۔“
 انداز میں بولی۔
 ”موت!“ فوس نے بڑے ڈرامائی
 ”ایسا تو یقیناً ہے کہ ہم ذہن لوگوں کی قدر کر
 ذہانت ہانکے قابو سے باہر ہوئے۔“
 پشادیتے ہیں۔“
 ”میں اس وقت کا انتظار کروں گی۔“
 ”ہاں۔“ میں نے کہا۔ ”میں ناگہن ہے کہ میں اپنے
 ”مجھے تمہاری محنت سے صدمہ ہو گا۔“
 ”میں کوشش کروں گی کہ تمہیں یہ صدمہ
 فوس کی کیفیت کھرا ہو گیا۔ اس نے
 بحث سے کوئی تاثر نہ نہیں۔ وہ تیزی سے
 گیا اور میں شہنشاہی اپنی کر بیٹھیں۔ وہ فوس
 خطرناک ہو چکی تھی۔ اس میں مجھے کوئی
 مجھے ہر قیمت پر بردہ کرنے کی کوشش کو
 میں ناگہی ہو گئی تو مجھے قتل کرنے سے بھی
 میں فوس کے ایک ایسے ہی راز سے واقف
 میں نے کافی کے دوسرے کپ۔
 رہی کہ ان حالات میں تمہارا کپ فوس کا
 دفعتاً مجھے شہنشاہی خیال آیا اور میں
 میں اس سے کوئی مدد لی جاسکتی ہے۔ یا نہیں
 ایک صوبہ سرحد کا صوبہ سرحد کا صوبہ سرحد کا
 سہا سہا کے پہلوؤں کا گھبراہٹ ہو گئی۔
 کافی ختم کرنے کے لئے میں ایک چم
 لیکن اس خصوصیت کا ایک کڑوہ صوبہ سرحد کا
 ہو گا۔ اس مجھے یہ راز مری ہی میں گزرا نا پالی
 گئی کی طرف روانہ ہو سکتی تھی۔ وہ راجی
 عمل میں آئی۔ فوس کو تپتی نہیں جانا کہ میں کپ
 گئی اور میری کامیابی کی واحد صورت یہی تھی کہ
 علم نہ ہو سکے۔ اس وقت تو فوس اور اس کے
 نظر رکھے ہوئے ہوں گے۔ جیسے ہی میں ہوا
 لوگ میرے پیچھے لگ جائے اور موقع نہ دیکھ کر
 کوشش کرتے۔
 میں نے اپنی رواجی صبح کے علا

فوس کی وضاحت نہیں کر دوں گا۔ یہ تمہاری خوش قسمت
 فوس کی مل گئی۔ اب بستر ہوا کہ تم میں
 صوبہ سرحد تک پہنچنے کی کوشش کر گئی آ
 ”نقصان کی وضاحت ضرور دی ہے۔“
 انداز میں بولی۔
 ”موت!“ فوس نے بڑے ڈرامائی
 ”ایسا تو یقیناً ہے کہ ہم ذہن لوگوں کی قدر کر
 ذہانت ہانکے قابو سے باہر ہوئے۔“
 پشادیتے ہیں۔“
 ”میں اس وقت کا انتظار کروں گی۔“
 ”ہاں۔“ میں نے کہا۔ ”میں ناگہن ہے کہ میں اپنے
 ”مجھے تمہاری محنت سے صدمہ ہو گا۔“
 ”میں کوشش کروں گی کہ تمہیں یہ صدمہ
 فوس کی کیفیت کھرا ہو گیا۔ اس نے
 بحث سے کوئی تاثر نہ نہیں۔ وہ تیزی سے
 گیا اور میں شہنشاہی اپنی کر بیٹھیں۔ وہ فوس
 خطرناک ہو چکی تھی۔ اس میں مجھے کوئی
 مجھے ہر قیمت پر بردہ کرنے کی کوشش کو
 میں ناگہی ہو گئی تو مجھے قتل کرنے سے بھی
 میں فوس کے ایک ایسے ہی راز سے واقف
 میں نے کافی کے دوسرے کپ۔
 رہی کہ ان حالات میں تمہارا کپ فوس کا
 دفعتاً مجھے شہنشاہی خیال آیا اور میں
 میں اس سے کوئی مدد لی جاسکتی ہے۔ یا نہیں
 ایک صوبہ سرحد کا صوبہ سرحد کا صوبہ سرحد کا
 سہا سہا کے پہلوؤں کا گھبراہٹ ہو گئی۔
 کافی ختم کرنے کے لئے میں ایک چم
 لیکن اس خصوصیت کا ایک کڑوہ صوبہ سرحد کا
 ہو گا۔ اس مجھے یہ راز مری ہی میں گزرا نا پالی
 گئی کی طرف روانہ ہو سکتی تھی۔ وہ راجی
 عمل میں آئی۔ فوس کو تپتی نہیں جانا کہ میں کپ
 گئی اور میری کامیابی کی واحد صورت یہی تھی کہ
 علم نہ ہو سکے۔ اس وقت تو فوس اور اس کے
 نظر رکھے ہوئے ہوں گے۔ جیسے ہی میں ہوا
 لوگ میرے پیچھے لگ جائے اور موقع نہ دیکھ کر
 کوشش کرتے۔
 میں نے اپنی رواجی صبح کے علا

”فریڈے!“ شہنشاہی کا لہجہ سیات تھا۔
 ”دروازہ بند کرو۔ وہ گھنگھرائی نہیں ہے کہ کھڑے کھڑے
 جا سکے۔“
 شہنشاہی نے کسی احتجاج کے بغیر دروازہ بند کر لیا۔ اس کا
 اہم پتہ کمر بستر کی طرف لے گئی۔ اسے بستر پر بیٹھا اور خود ایک کرسی
 بستر کے قریب گھس گئی۔ اسے بستر پر بیٹھا اور خود ایک کرسی
 کمرے کی دنیا بڑی تسکین بخش ہو گئی تھی۔
 ”شہنشاہ!“ میں نے کسی قہر کے بغیر قہر سے کہا۔ ”شہنشاہ! تمہاری
 میں اس وقت ایک خطرناک صورت حال سے دوچار ہوں۔ میں نے
 تم سے غور نہیں کیا تھا کہ مجھے تمہارا کیا حال ہے۔ کھانا کھانے کے
 بعد میں بستر سے باہر نکل گئی لیکن جب میں نے اپنی کاروائی
 کرنا چاہی تو قہر چلا کہ اس کی کوئی فراہم نہیں ہے۔ یعنی حالات
 کی بنا پر میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ کوئی فراہم نہیں ہوتی بلکہ
 پیدل کی گئی ہے۔ کچھ لوگ نہیں جانتے کہ میں تمہارا کپ پیچ کر لے۔“
 ”مجھے اس جواب کے ایک پہلو نے جٹا دیا۔ اس کا اور وہ ایسی
 ”آپ کو میری کاروائی ہے؟“ شہنشاہی کا لہجہ سیات ہی رہا۔
 ”کچھ ایسی قسم کی بات ہے۔“ میں نے جواب دیا۔ ”اصل
 میں چاہتی ہوں کہ رات تو بھر میں ہی گزار دوں۔ اس طرح وہ لوگ
 میری طرف سے ملنے پر جائیں گے جو میری ناک میں ہیں۔ وہ یہ سمجھ
 لیں گے کہ میں اپنی کاروائی کرنے کے لئے بستر ہی میں بیٹھ
 ہونے کا انتظار کر رہی ہوں لیکن میں ایسا کروں گی کہ عمل بالکل
 سے بھی کچھ پہلے چھٹی چھٹی ہو جائے۔ باہر نکل جاؤں گی۔ میرے
 بعد میں بستر سے نکلنا اور اپنی گاڑی میں بیٹھ اس سے پہلے جانے
 دیاں میں تم سے اسلحہ کی اور تمہاری کار میں تمہاری طرف روانہ
 ہو جاؤں گی۔ اگر تم بھی میرے ساتھ ملنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں
 ہو گا لیکن اگر تم نہ چاہو تو میں امر نہیں کروں گی۔ تمہارا کپ سے میری ناہمی
 شام سے پہلے ہو جائے گی اور میں تمہاری کار واپس کر دوں گی۔“
 شہنشاہی ایسی نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی جیسے میری بالوں
 کے وزن کا اندازہ کرنا چاہتی ہو۔
 ”اچھی شہنشاہ!“ میں نے بڑے سیار سے اس کا اہم تھا کہ
 اور اس کی پشت کو مسلاتی ہوئی بولی۔ ”یقیناً کرو کہ تم سے غور نہیں
 ہوں ہی ہوں میری آنکھوں میں جھلک کر دیکھو۔ کیا تمہیں ان میں شکاری
 کی کوئی جھلک نظر آ رہی ہے؟“
 ”کچھ تو کیوں چاہتے ہیں کہ آپ تمہاری ذمہ داریاں شہنشاہ
 کی آواز بھرنے لگی ہو۔“
 ”یہ ایک قوی نوعیت کا معاملہ ہے شہنشاہ! جہاں سے مدد ملے
 اس وقت تمہاری ہی میں ہیں اور مجھے ایک اہم اطلاع ان تک پہنچانا
 ہے۔ کچھ دن دس دن اس اطلاع کو مدد ملے گا۔ تمہیں پہنچنے دینا
 397

399

کچھ دیر بعد شہانہ نے کہا: "اب ہم دیا گئی سے گھر کر چکے ہیں۔"
 میں سر ہلا کر کہہ گئی۔ وہ اصل میری خواہش تھی کہ شہانہ سے،
 زیادہ باتیں کروں تاکہ وہ پوری طرح ڈھانچہ ہو جی کی طرف متوجہ رہے۔
 جو لوگ میری سے تھی گئی ہم سر کر چکے ہیں وہ میرے احسانات کو
 اچھا طرح سمجھ سکتے ہیں۔ یہ راستے اتنے خطرناک ہیں کہ کار پر چلنے والے عام
 فوجوں کی تو سانسیں بندھ جاتی ہیں۔ ایک جانب بلند و بالا بیاد اور دوسری
 جانب میلوں گہری و دایاں چوہن میں سبز سے دھلی ہوئی نظر آتی ہیں۔
 سرنگ اتنی چوڑی نہیں ہے کہ تین گاڑیاں پار پار چل سکیں۔ اگر سڑک سے
 کوئی گاڑی اچلتے تو کسی ایک گاڑی کو اس سڑک اپنی سانس میں پھنسا
 ہے کہ اگر کسی گھر کے لئے کسی میٹرنگ پر ہاتھ بیک جلتے تو گاڑی میلوں
 گہرے نشیب میں دھوئی چل جاتی ہے۔

موز بھی بہت تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ہیں اور مبادوں
 پہنچ جاتی ہوتی یہ سرنگ بڑھ چکی ہے۔ بلندی پر چلی جاتی ہے۔ موزوں، چٹار
 ہیں اور انتہائی خطرناک ہیں۔ ایسے ہر موڑ پر متنبہ کرنے والے افکار ضرور
 نظر آتے ہیں۔

"آپ اب تک خاموش کیوں ہو گئیں؟" شہانہ بولی۔
 "خاموشی میری بہتر ہے۔ میں نے سنجیدگی سے کہا کہ ان خطرناک
 راستوں پر زیادہ گفتگو نہ کرنا چاہیے۔"

"آپ بہت خائف معلوم ہوتی ہیں۔"
 "میں نے کہا کہ گاڑی ہمارے وقت کے باعث زندگی کچھ زیادہ ہی
 پیاری معلوم ہونے لگی ہے۔ دیکھو! موڑ آ رہا ہے۔"
 کار کی ہیڈ لائٹس اس چٹان پر پڑ رہی تھیں جس پر موڑنے کو
 حروف میں تھا تو اٹھا۔ مارن فے کروڑیے۔ اس عبثیت کے ساتھ
 ہی ٹوڑن کا نشان بنا چڑھا۔

شہانہ نے رد فلیش لکڑی کر کے ہونے ہارن جا جب بھی
 وہ کسی موڑ پر بلند یا گئی تو مجھے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میلوں گہری
 دلیاں پہنچ چکی ہوں۔ سڑک نے اس مارن کی آواز بہت دھڑک چھیلی تھی تو
 بہت خوفناک محسوس ہوتی تھی۔

جواب میں کوئی بات نہیں مٹائی دیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ دوسری
 طرف سے کوئی گاڑی نہیں آ رہی تھی۔ ان راستوں پر عوامیارات کو سفر نہیں
 کیا جاتا۔

موز ٹھرتے ہی میں نے محسوس کیا کہ یہ چڑھائی کچھ زیادہ ہی واضح
 قسم کی تھی۔ صاف معلوم ہوا تھا کہ اس بلندی کی طرف جا رہی تھی۔

دفتستان میں چوک پڑی میری نظروں میں اس وقت نشیب کی طرف
 تھیں۔ اسی نشیب میں وہ سرنگ تھی جس پہلے کہ ہماری کار ایک موڑ ٹھرتے
 کے بعد اس بلندی پر آئی تھی۔ اس سرنگ پر مجھے ایک کار کی ہیڈ لائٹس
 نظر آئیں۔

"مان گاڈ! ہمیں کتنے شکر ہے کہ یہ آ رہی ہے۔"
 "اوہ! شہانہ کبھی میں نے نہیں سنی تھی
 ہم سے یہ متعلق لوگ ہیں۔"
 "آخری رات کو یہ سرنگوں کو کتاب ہے۔"
 "ہم جو کہہ رہے ہیں۔"

"میں تو ایک اہم کام درپیش ہے۔"
 "ان لوگوں کو بھی کوئی اتنا ہی اہم کام،"
 شہانہ کی بات کو قطعاً بے دخل
 میری جھجکی اٹھ اٹھنے والے خطرے سے اس کا
 اب دھڑک تھک ہمارے پیچھے
 وہ اسی موڑ سے مڑتی جہاں سے ہم ٹھرتے
 پیچھے آجاتی لیکن وہ وقت آنے سے پہلے
 فوج چلی گئی۔ اب میں اس کار کی ہیڈ لائٹس
 میرے دل سے اب تیزی سے۔
 سامنے چھیلے ہوئے اندھیرے میں نظر نہ آ رہا
 کار میں تو کئی آدمی تھے اس کے سرخ پینٹ۔
 "ڈرائیو پلٹ شہانہ! میں معذور ہوں، ڈانڈ
 "تھوڑی دیر پہلے تو آپ کہہ رہی تھیں کہ
 ہو گیا ہے۔" شہانہ کبھی میری طرف کی کوئی بات نہ
 "ہاں۔" میں نے پہلو بدلی کر کہا "لیکن ا
 چلی ہے۔"

"کچھ بھی ہو، رفتار نہیں بڑھائی جا سکتی ہیں۔
 میں ایک طے کرتے ہیں جس وقت رفتار ہو۔
 اس بات کا خیال ضرور رکھنا ہے کہ وہ سڑک
 تیار نہ کرنے کا مطلب یہی موت ہو گا۔ اس
 میل کی گھنٹے کی رفتار سے چل رہی ہے اور اس ما
 ہو گئی ہے۔"

میں بے بسی سے ہونٹ پیچھ کر ہونٹ
 ہن راستوں پر تو میں اوقات موت آنے کی
 نہیں کیا ہاں سکا۔

میں پٹلا پھٹ کاٹتی ہوئی بولی بول کر گئی اس
 لوگوں کے چہرے دیکھ لیتی تو یہ بات سے پتہ چلتا
 میں سے ہیں یا تباہ خیال کے مطابق تو میری
 "اس کار کے اندر دو شخص تو شاید ہیں۔"

"لیکن اتنی بلندی سے ان کے ہونے کا
 "میرا خیال ہے کہ وہ زمین سے تو اٹھ چکے ہیں۔"

ہاں میں سے آتی ہیں خواہ کچھ جھٹکائی گئی۔
 میری کٹ گئی ہوئی ہے۔ اس میں دوڑیں بھی ہے
 لے کوئی ہو کر کہا "لیکن پہلے، میرا مطلب ہے کہ
 "خا۔"

میں یہ بات ہی نہیں سمجھتی کہ ان لوگوں کے چہرے
 حد تک جا سکتی ہے "شہانہ نے کہا "خیر! اس قسم
 چلنے کے کہ وہ کار نشیب میں سامنے سے آن
 ہم بلندی پر چلوں گے۔"
 "ہاں۔" میں نے کہا "ہمارا کچھ بچپن سیٹ
 لی کر میں نے اندھا ہاتھ ڈالا اور دوڑیں نکال لی۔
 علاوہ ایک کیمرو اور نہ جلنے کی کیا آلہ بھری ہوئی
 میں نے بہت بچپن سیٹ پر ڈال دی۔ اس میں خیر
 وہ صاب میں الیسا تاؤ پیدا کر دیا تھا کہ ٹھنڈک کے
 "تم۔"

مگر آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہیں۔ "شہانہ بولی۔
 "کل لوگ ہوں گے۔" خور پیچھے ڈھنوں کو آپ کی
 "ماہے؟ ہوں سے پوسٹ آفس تک کس
 "ہاں! کیا یاد آپ بھی جانتی ہیں وہ دافنے سے نکل کر آتی
 "تم درست کہہ رہی ہو لیکن میں اس معاملے میں غفلت
 میں ہوں تو شخص ہے۔ وہ کسی اسلام مذہب سے
 حاصل کر سکتا ہے۔ میں متکبرانہ انداز میں سامنے

لے اس بات کو آگے نہیں بڑھایا اور خاموشی سے
 پریشان تو اس کے چہرے سے بھی ظاہر ہونے
 لگے۔ یہ اور اسٹوٹش نہیں تھی بلکہ اس کی پریشان
 "کے تباہی میں کچھ بھی نہیں ہوگا۔"

بعد ایک ایسا ٹوڑن "اگر دی پتویشن پیا
 "ہاں میں نے جلدی سے دوڑیں نکالیں
 مجھے نشیب میں اس سرنگ کی طرف دیکھنے لگی
 "اگر اوپر آتی تھی، جلد ہی مجھے اس کار کی ہیڈ لائٹس
 "اچھ! نیچے آ رہی تھی۔" اچھی وہ ہماری کال کے عین نیچے
 "میں کہہ رہے تھے کہ ان دونوں آدمیوں کے چہرے
 "پہ پیٹھے ہوتے تھے بیکار لکھے ہیں فوجوں
 "لہذا وہ ایک دھڑکنیں فرموش کر دی ہوں نیز
 "خیر! یہ بیٹھا بیٹھا شخص تو کس کے علاوہ کوئی اور

"شہانہ بولی۔

"ہوں! میں نے دور بین انٹھوں سے ہمارا لایک فوجوں
 سانس لی۔
 "کیا یہ وہی لوگ ہیں؟" شہانہ کا اضطراب ظاہر ہونے لگا۔
 "ہاں۔" میں نے آہستہ سے کہا "وہی لوگ ہیں۔"
 "چھٹی۔" شہانہ کے منہ سے نکلا۔
 "کیا مطلب؟" میں چونک کر بولی۔
 "ظاہر ہے کہ وہ شیطان ہی ہوں گے ورنہ انہیں آپ کی دغا
 کا علم کیسے ہو سکتا تھا؟"

"ہوں۔" میں نے ایک بار پھر دوڑیں انٹھوں سے نکالیں اور
 فوج کی کال کی طرف دیکھنے لگی جواب ہماری کار کے عین نیچے آئے دلی
 تھی۔
 فوج کے برابر میں بیٹھا ہوا آدمی اپنی ہماری کار کی طرف دیکھ
 رہا تھا۔

"لیکن اب کیا ہو گا؟" شہانہ پرتوشتش میں بولی۔
 فوجی طور پر میں اس بات کا کوئی جواب نہیں دے سکتی تھی
 اس نے خاموشی ہی رہی۔ فوج کی کار اب فوجوں سے اوچل ہو چکی
 تھی لیکن اس کے اوچل ہونے یا فوجوں میں بیٹنے سے کوئی فرق نہیں
 پڑتا تھا۔ اصل بات صرف یہ تھی کہ ایک عیاں شخص، ایک خطرہ میرے
 تباہی میں تھا لیکن اس خطرے کی ماہیت میری نظروں میں صرف اس
 لئے تھی کہ میرا نشان نام نہ نہ جاتے۔ موت سے تو میں کبھی نہیں
 ڈری لیکن اس وقت میں اس لئے پریشان تھی کہ اگر میں مدد حکومت
 کو وہ اطلاع نہ دے سکی تو اس کے نتائج کیا ہوں گے؟

سطح زمین سے سزاؤں فک کی بلندی پر ایک خوفناک ڈرامہ
 کھیلنا چاہتا تھا اور اس ڈرامے کے انجام کی خبر کسی کو بھی نہیں تھی۔ پہاڑوں
 میں چھوٹی ہوتی دو کاریں! بلند سے بلند ہوئی چلی جا رہی تھیں۔ ایک کار
 میں صرف وہ عورتیں تھیں اور دوسری کار میں جا رہی۔ میں نے اس کار کی
 پچھل نشست پر بھی دو آدمیوں کو بیٹھے ہوتے دیکھا تھا۔ وہ دونوں مقامی
 ہی تھے لیکن فوج کے برابر میں بیٹھا بیٹھا شخص غیر ملکی تھا۔

میں اپنے ذہن پر دوبارہ چڑھائی گئی تھی کہ لیجا مدیر ہو چکا تھا
 تھی کہ جلد جلد اس خطرے سے بچھڑکا رہا حاصل کروں۔
 مجھے اس بات نے بڑی تقویت پہنچائی تھی کہ شہانہ ایک دلیر لڑکی
 تھی۔ اگر وہ اس صوبہ مال سے خوفزدہ ہو جاتی تو اس کے لئے ڈرائیونگ
 کرنا دوہرہ جوعا۔ اگر اس کے ہاتھ کا پینے تھے تو عین میں تھا کہ گاڑی کسی
 حادثے سے دوچار ہو جاتی۔ وہ اس صوبہ مال سے پریشان تو ہونے لگی
 لیکن خائف ہو کر نہیں تھی۔

دفتستان میں اس سے کہا "اب مجھے چھوڑ دیں کہ میری خوشن کا
 انتھار ہے کہ فوج کی گاڑی نشیب میں سامنے سے آئی نظر آئے۔"
 "میںوں! اب کیا کرنا ہے؟"

ہاں دونوں دم چاڑی ہوں۔

”کیسے؟“ شبانہ چونک کر بولی۔

”یہ اکی وقت دیکھنا۔“

”آپ قتل کریں گی؟“ شبانہ کے لیے یہ پہلی مرتبہ بدھشت کی ایک جگہ کی ہرگز محسوس ہوئی۔

”ہاں۔“ میں نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا۔ ایک اجتماعی جھلائی

ایک بلند مقدمہ کے لئے، ٹھٹھکے شخصوں کو بلا کر کڑا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔“

شبانہ کچھ نہیں بولی۔ اُس کے ایک دوڑا تھا۔ شبانہ نے ہارنے

کر کا ردوئی۔ کچھ دیر بعد وہ اسی پچھ رہ گئی۔ اب سڑک کی دو طرف بام

بلندو بالا بٹھا تھے۔ شبانہ نے کار کی رفتار بڑی تیزی سے اضافہ کیا

کیونکہ اس راستے پر دشمن بھی تیز رفتاری کا مظاہرہ کر کے دھیانی فاصلے

کو کم کر سکتا تھا۔ کوئی پانچ منٹ بعد ایک سبق کے آگے نظر آتے سڑک

کے دائیں بائیں چند گاڑیاں دکھائی دیں جو بند پڑی تھیں۔

”یہ شاید غیر ملکی ہے؟“ میں بولی۔

شبانہ نے جواب دینے کی بجائے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

وہ کار کو اس وقت انجانے رفتار سے روکنے کی کوشش کر رہی تھی اس نے

مزوری تھا کہ وہ اپنی تمام توجہ اس سڑک پر مرکوز کرے۔ جلد ہی ہماری

کار پھر اپنی خوفناک پیچھے راستوں پر پہنچ گئی جہاں زیادہ تیز رفتاری کا مظاہرہ

نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اب ہم غائب ایک تہائی سفر کے رینگتے تھے۔

”میرا خیال ہے کہ اس قسم کی پوریشن عفریہ آئے والی ہے۔“

”میں بڑی بے بسی سے اس کی منتظر ہوں۔“

”میں نے کسی بھی کوئل بچتے نہیں دیکھا۔“ شبانہ نے بھڑائی

ہوئی آواز میں کہا۔

”آج دیکھ لیسنائے۔“ میرا خیال ہے کہ میرے لیے یہ بالائی مسائل

تھی۔

آخر وہ کوئی نہ ہو گیا جس کا مجھے انتظار تھا۔ کار کو کڑا کی مرغ پر چل

پڑی جلد سے ہم آتے تھے۔ میں نے دو درجن آٹھوں سے لگائی اور

کری جی مٹرک کے کنارے پہنچ گئی۔

سڑک کے کنارے چھوٹے بوسے

ان میں سے بعض اتنے بوسے کہ انہیں پتار

قسم کے پتھر بنا دے ہیں بے ٹوٹ ٹوٹ کر سڑک

انہیں رلنے سے بنا کر کنارے کو دیا آہستہ

میں نے ایک ایسے پتھر کا انتخاب کیا

لگتا تھا کہ ہم وہاں پہنچا تھا۔ اس کے اُس کے ٹوٹے

بچے پوری قوت استعمال کر لی تھی۔ شاید یہاں

میں اتنی شقت کبھی نہیں کی تھی۔ پتھر کی پتھر

پڑا تھا کہ میں اس اتنا ہی کر کے ایک ہفتے کی پتھر

کنارے سے جا لگتا تھا اور اب اسے نشیب

لے بہت سہولت طاقت صرف کرنے کی ضرورت

میں نے فوس کی کار کی طرف دیکھا جو

کی رفتار سے بڑھتی تھی۔ اس کی رفتار میں نے نہیں

کو اس پتھر کی آڑ میں اس طرح چھپا دیا تھا کہ

مجھ پر نہیں پڑ سکتی تھی۔

شبانہ اس دوران میں کار سے نہیں اترتی

سے میری حرکات و سکنات دیکھتی ہوئی تھی۔

کار دواڑھ کھلنے کی آواز سنیں۔ میں نے یکدم سر

شبانہ کار سے اترنے والی تھی۔ میں جلدی سے

تم کار سے نہ اترنا۔“

پھر وہ کار سے اُتری تھی اب اس کی

ہیں ہو کر کوئی کچھ فوس کی کار کی طرف نہ

بالکل قریب آتی تھی میرے دونوں ہاتھ پتھر

لے بیگنٹ اپنی پوری طاقت صرف کرنے کے

”جلدی کرو؟“ میں نے کہا۔

”لمذا دہا کہ حرکت میں ہے آئی اور وہاں کیا ہوا؟“

”میں نے دانت تھیں کہ“

”شبانہ کے ٹخنے سے اتنا ہی ٹھٹھکا گیا۔ اس نے کسی قسم

کے اسرار کو کیا تھا جس پر اس کی کچھ ہی بنا سکا

تھوڑا سا چلا ہے۔“

”ہاں، سب سے پہلے میں نے دیکھا کہ کار کے اسپر وینر کی سٹوٹی

کے بند سے پر لڑ رہی تھی۔ دیئے عام حالات میں یہاں

ت زیادہ کی رفتار سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے کی جاتی ہوئی۔

”ہاں آواز شاد کہ رفتار کم کرنا پڑی۔ میں نے سڑک پر دیکھا

”میں نے فوس کی کار کی رفتار میں نے نہیں

”میں نے فوس کی کار کی رفتار میں نے نہیں

”میں نے فوس کی کار کی رفتار میں نے نہیں

”میں نے فوس کی کار کی رفتار میں نے نہیں

”میں نے فوس کی کار کی رفتار میں نے نہیں

”میں نے فوس کی کار کی رفتار میں نے نہیں

”میں نے فوس کی کار کی رفتار میں نے نہیں

”میں نے فوس کی کار کی رفتار میں نے نہیں

”میں نے فوس کی کار کی رفتار میں نے نہیں

”میں نے فوس کی کار کی رفتار میں نے نہیں

”میں نے فوس کی کار کی رفتار میں نے نہیں

”میں نے فوس کی کار کی رفتار میں نے نہیں

”میں نے فوس کی کار کی رفتار میں نے نہیں

”میں نے فوس کی کار کی رفتار میں نے نہیں

”جیسے دھڑکتا ہے پچھ رہ گئی ہو۔“

”ہوں۔“ میں نے سر ہلایا۔

”اگر ہم فوس کر لیں کہ اس کا ڈرائیور ہمارے سے ڈیڑھ گھنٹہ

پہلے کرتا تو یہ سوال پیدا ہو گا کہ اتنا دیر کیا فاصلہ کیا

کیوں تھا؟ وہ تو بڑھا چلا جاتا جیسے تھا ہے اس وقت بڑھا

ہے۔“

”تم بہت دور کی کوڑی لاتی ہو؟“ میں نے پرخیاں انداز میں

اس کی طرف دیکھا۔

”کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہو گا کہ وہ لوگ ہمارے قریب آنا

ہی نہیں چاہتے؟“

”لیکن قریب آتے بغیر وہ مجھے تھکا گیا۔ پینچنے سے کسی طرح

روک سکتے ہیں؟“ میں نے بڑبڑانے والے انداز میں کہا۔ اس

عجیب و غریب بات نے مجھے بڑی طرح اچھا دیا تھا۔

”مکن ہے آپ کو غلط فہمی ہوئی ہو۔“ شبانہ بولی۔

”سہا مطلب؟“

”وہ آپ کو دکھانا چاہتے ہیں۔“

”پھر کیا میری ہمت میں پیچھے پیچھے دوڑنے سے آ رہے ہیں؟“

میں نے ٹخنہ ہٹا کر کہا۔

شبانہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے پاس میرے

بات کا کوئی جواب تھا ہی نہیں لیکن میں بھی اس کی بات

کوئی جواب نہیں دے سکتی تھی کہ وہاں فاصلہ کیا بڑھ گیا؟ شبانہ

دلیل بڑی مضبوط تھی۔ اس کی روشنی میں اس کے سوا کچھ نہیں سوچا

سکتا تھا کہ فوس نے وہاں فاصلہ کیا بڑھ کر دیکھا ہے۔ وہ

کسی وجہ سے قریب ہیں؟ آج بڑھتا تھا میں خود کوئی دیکھ وہ دیکھ

ہو سکتی ہے لیکن کسی نتیجے تک نہیں پہنچ سکی۔ یہ تو میں پہلے ہی جانتی

کہ فوس کا کاٹھا تھا۔ اب اس کی چالاک ایک باہر چھوٹا ہے۔ ہر

وہ کسی ایسی اسکیم پر عمل کر رہا تھا جو شاید میرے ذہن میں آج نہیں

سکتی تھی۔

جب میری کچھ نہ آسکا تو میں فوس پر تڑا کھلنے لگی۔

اس کیجنت کی وجہ سے اس سفر کا جالیا لیا پہلے بڑی طرح غارت ہو گیا

تھا۔ شبانہ کی رفاقت سے میں ذرا بھی لطف اندوز نہیں ہو سکتی تھی۔

کچھ دیر بعد ایک ”لن“ آئی۔ ہماری کار کوئی پانچ منٹ

تھیں اس راستے پہنچتی تھی۔ اس کے بعد ایک مومل سا تھا۔ وہاں

میں نے بٹ کر دیکھا تو گوشت سے پیوستہ پور فوس کی کار کی بیڑی

چمک رہی تھی۔ میرے سامنے اس کے ٹھٹھکانے فاصلہ اتنا ہی تھا جتنا

گڑنے سے قبل تھا۔

پندرہ منٹ بعد ایک اسی قسم کا ڈرائیور آ گیا کہ اس کی نشیب

فوس کی کار کو آتے ہوئے دیکھ سکتی تھی۔ غالباً اب ہمارا دھیانی نام

105

”یہ کیا جڑا ہے بانو“ شبانہ پھر بولی۔ ”مجھ پر یہ محسوس ہو رہا ہے جیسے کوئی بھیاں تک خواب دیکھ رہی ہوں۔“

”شبانی! تیرے گریب میں مجھے سنجیدگی تھی؟ ہم ایک بھیا تک حقیقت سے دھمکا رہیں۔ ہماری منزل اب اس لحاظ سے بہت دور ہو گئی ہے کہ ہم اے کے پاس کوئی سوا رک نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی باعث تشویش ہے کہ میرے دشمن ڈاؤن سے لوٹ جانے کی بجائے آگے بڑھ گئے ہیں اب اگر ہم نے یہ بدل ہی بڑھنا شروع کر دیا تو اس کا اندیشہ ہے کہ آگے کسی جگہ ان لوگوں سے ٹکریں ہو جائیں۔“

”ہوں۔“ شبانہ اس طرح میری طرف دیکھنے لگی جیسے اس مسئلے کا اکل میری ہی زبان سے سُنا چکا ہو۔

”وہ دیکھو! میں نے نشیب میں نظر کرنے والی دستی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ جاڑی لوگوں کی بستی معلوم ہو رہی ہے۔“

شہزادے نے اس طرف دیکھا اور پھر سر ہلاتی ہوئی بول۔
 ”ہاں ہے تو۔“
 ”اور جہاں تک مجھے معلوم ہے، یہ پہاڑی لوگ فخریوں
 پر سفر کرتے ہیں۔“
 ”کیون سب کے پاس فخر نہیں ہوتے۔ یہ پہاڑی لوگ
 بہت عزیب ہیں۔“
 ”پوری سستی میں دو ایک کے پاس تو فخر ہوتے ہی ہوں
 گئے؟“
 ”یہ بات بھی یقین سے نہیں کہی جاسکتی۔“
 ”یقین سے نہ سنی، مگر امکان تو ہے؟“
 ”ماں امکان کو تو مسترد نہیں کیا جاسکتا۔“
 ”تو پھر میں اس امکان کا جائزہ موزوں لوں گی۔ میں نے فیصلہ کر
 لیا۔ میں کبھی کبھار اسل اس سرک پر پیدل چلتا ہوں بہت غلوں
 غلوں سے اور سب مجھے یہی شبہ ہے کہ کونسا ممکن نہیں
 ہو سکتا۔“

”کیا مطلب؟“
”دراصل اسے شاید آخری ٹھونس میں یہ خیال آگیا ہو کہ اس
پھنسنے سے قبل کار سے اتر کر کسی چوڑی چٹکتی ہوں۔ اپنے
خیال کی تعریف کے لئے وہ گے گا کہ اسے جگہ ٹھک گیا ہو گا
کہ ہمارا انتظار کر رہا ہو گا۔“
”ہوں۔“ مشابہ پریشان نظر آنے لگی۔
”ہنذا؟“ میں نے پھر پہلے ہی کے سے فیصلہ کن ایسے میں
”ہم ٹھکر پر آئے گا پھنسنے کی بجائے نشیب میں اتر کر اس
تک پہنچیں گے اور وہاں سے پتھر کے دروازہ بندی کی طرف

نہ لگانا پڑا تھا جہاں چٹائیں عمودی حالت میں تھیں۔
 اس سے بھی الجھنا پڑا تھا۔
 اہ! اگر نہیں تھا اس لئے دھوپ بہت ٹھہری
 لی کہ دوسرے تھنڈک میں مستند بہ کر گئی تھی
 ادھر دکر لپکا کا تہا بی سردیوں میں اس تھنڈک
 آقا۔
 لالچند حاصلہ میں نے کوئی آدھے گھنٹے میں طے
 ۱. ہرگز کر جاتے آستانہ لسنے کی تھی۔

فلت سے احساں تھا کہ بڑا قیاس وقت
یاں کشاں کی حالت دیکھ کر مجھے رونا ہی پڑا۔
مختاروں میں منہ دے کر میٹھ گئی اور میں سر اٹھا
پھر منہ سے نکلا کہ کچھ لوگ جاتے جا رہے ہیں
لہذا ہم کرگشتوں سے سر اٹھا اور اوپر دیکھنے لگی
ایک بس کھڑی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ اسٹاپ آباد کی
ال اس کے سبھی مسافر اپنے اپنے جگہ پر آ گئے تھے اور
میں نے دیکھا کہ ان کی نظریں نشیب میں اُسی طرف
میں شبانہ کی کار کا ڈھانچہ ایک شکل کے مانند
آگے آ رہی ہیں۔ میں بھی کر رہے تھے لیکن خاص رہے
ہم کچھ نہیں پہنچ سکتے تھیں۔ بس ان کی حرکات و
محروم و خوش کا اخبار ہی ملتا تھا۔

اسی طرح ان کی پوزیشن حاصل بھی کر دے لوگ ہیں
 تھے۔ ویسے بھی ان لوگوں کو باہر دھکیل دینے کا
 ارادہ نہ تھا تو یہ کار کے شعلے ہی کی طرف متوجہ ہو
 کر تھا کہ ان کی شخص بھی نشیب میں اترنے کی بہت
 آسانی ہوگی۔ لوگ پھر میں میں بھیجے اور یہی حرکت میں آ
 کر کسی قریب ترین بس ٹرمینل تک پہنچ کر وہاں سے
 لے کر باہر بھیجتے۔
 اس سہولت میں کہاں کہاں اس امدادی پارٹی کی آمد
 ہو جاتی تھی۔ یہ سب جانچا گیا۔ میں شائبہ کا ہاتھ پکڑ لی
 اس بہت کر دیا۔
 ان کو ملتی اور ہم نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر پھر
 مشن شروع کر دیا۔ ایک ایسا سفر تھا کہ ہم نے گئے
 ہیں یہ کچھ ہرے تھے۔ جہاں جگہ جگہ سے چل جاتے۔
 اور غار دار چھائیوں سے ہیں نقصان پہنچانے میں
 عار بھی تھی۔

ابی خانہ میں چھوڑ کر باہر چلا گیا تھا۔

میں نے اسے شہر میں نظر بند کر دیا تھا۔ اب اس کے پاس ہی چھوٹی سی تھی جس میں مجھے سخت مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ موجودہ صورت حال تو میرے لیے تیرا گمراہی کی زندگی میں بھی نہیں آتی تھی اور اسی لیے میرا اضطراب و دغدغہ بند ہو گیا تھا۔ میں اب اس کی طرف سے کوئی خطرہ نہ دیکھ کر تھکا گیا چھوٹے چھوٹے مذاق سے اسے گھبراتا ہوا بہت مہذب تھا۔ اس کے ایک ایک لفظ کی قیمت کوئی مجھ سے لے لیتا۔ وہ میرے دماغ کی تازہ کاری کے لیے بہترین غذا تھی اور اس میں خالصتہً میرے لیے تھی۔ میں دیکھتا تھا کہ اب اس کے ہمارے دراصلہ صدمہ ملک تک پہنچا تھا اور اب اس کے ہمارے گھر کے لیے یہیں اطلاع دینی تھی۔ اب تو وہ بے نیاز بننے کی بہت کم وقت رہ گیا تھا۔ مشکل سے میں سمجھنے لگا تھا۔

میں ان خیالات سے اس وقت جو تھی جب شبانہ نے مجھے بکارا۔

میں نے دیکھا کہ اب ابی خانہ بھی وہیں موجود تھا۔ وہ مجھ سے ملنے کچھ کھانے پینے کی چیزیں لے کر آتا تھا۔ کیا ناشہ!

”اس جگہ دھڑ میں میری جھوک تو خاصی گھل گئی ہے۔“ شبانہ بولی۔

”کام کیا رہا؟“ میں نے اس سے پوچھا۔

”کس کام کا؟“

”مجھ لپٹے۔“

”اتھاؤ۔“ شبانہ یہ کہہ کر ابی خانہ سے مخاطب ہو گئی اور وہ ایک باہر گھر کے لیے بدھ گئے۔ میں نے وہ آنکھیں چوم گئی۔

ابی خانہ اور شبانہ میں کچھ گفتگو کرنے کی تھی لیکن ان کی یہ گفتگو تھا۔ وہ چھپن سال کے گنگ جگت سے مجھے معلوم تھا کہ پاؤں پر بیٹنے والی جوان لسل کی طرف سے نفرت آتی ہے۔ تیرہ چودہ سال کی کی عمر میں لڑکیاں، میری گنگی ہیں اس نے میرے انداز سے کے مطابق اس نے سترہ سال سے زیادہ نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کا جسم کسی کی طرح تھا جو ٹوک کر کسی کی آغوش میں گر جاتا تھا۔

”شبانہ! وہ اب تک بول رہی۔“

میں نے چونک کر دیکھا کہ وہ شبانہ سے ہوا اس سے دو جا رہی ہیں اور پھر مجھ سے بولی۔ اس روک اور یہ لپٹے کی تھی ہے۔ مجھ لپٹے کی طبیعت ظاہر اب یہی ہیں اپنے چھوٹے چھوٹے چھوٹے لپٹے کی۔

مجھے بول محسوس ہوا جیسے شبانہ نے مجھ کو خوش چہرہ آغوش دین روکیوں کی حرکت، رفاقت میری کسی مدد سے رفاقت انگریزیت ہوئی ہے۔ خاص کر رفاقت جن کے بدن کے تو میں پریری دلا ہوں کہ پڑ۔

”لیکن“ مجھے کچھ خیال آیا تو میں نے کہا۔ ”یہ کیسے“

”کیوں؟“ شبانہ کی لپٹا ہون کا سوال مجھ کو کہہ کر میں نے تو بتایا تھا کہ لپٹے کے پاس، ”تو کیا ہوا؟“ اچھا نہیں سمجھتی اب کیا ہوا؟

”اس مطلب سے کہ وہ چھوٹے پر تین افراد کے با ”سیمائل غلط سوچ رہی ہیں؟“

”شبانہ! وہ اب تک بول رہی۔“

میں نے چونک کر دیکھا کہ وہ شبانہ سے ہوا اس سے دو جا رہی ہیں اور پھر مجھ سے بولی۔ اس روک اور یہ لپٹے کی تھی ہے۔ مجھ لپٹے کی طبیعت ظاہر اب یہی ہیں اپنے چھوٹے چھوٹے چھوٹے لپٹے کی۔

مجھے بول محسوس ہوا جیسے شبانہ نے مجھ کو خوش چہرہ آغوش دین روکیوں کی حرکت، رفاقت میری کسی مدد سے رفاقت انگریزیت ہوئی ہے۔ خاص کر رفاقت جن کے بدن کے تو میں پریری دلا ہوں کہ پڑ۔

”لیکن“ مجھے کچھ خیال آیا تو میں نے کہا۔ ”یہ کیسے“

”کیوں؟“ شبانہ کی لپٹا ہون کا سوال مجھ کو کہہ کر میں نے تو بتایا تھا کہ لپٹے کے پاس، ”تو کیا ہوا؟“ اچھا نہیں سمجھتی اب کیا ہوا؟

”اس مطلب سے کہ وہ چھوٹے پر تین افراد کے با ”سیمائل غلط سوچ رہی ہیں؟“

”شبانہ! وہ اب تک بول رہی۔“

میں نے چونک کر دیکھا کہ وہ شبانہ سے ہوا اس سے دو جا رہی ہیں اور پھر مجھ سے بولی۔ اس روک اور یہ لپٹے کی تھی ہے۔ مجھ لپٹے کی طبیعت ظاہر اب یہی ہیں اپنے چھوٹے چھوٹے چھوٹے لپٹے کی۔

مجھے بول محسوس ہوا جیسے شبانہ نے مجھ کو خوش چہرہ آغوش دین روکیوں کی حرکت، رفاقت میری کسی مدد سے رفاقت انگریزیت ہوئی ہے۔ خاص کر رفاقت جن کے بدن کے تو میں پریری دلا ہوں کہ پڑ۔

”لیکن“ مجھے کچھ خیال آیا تو میں نے کہا۔ ”یہ کیسے“

”شبانہ! وہ اب تک بول رہی۔“

میں نے چونک کر دیکھا کہ وہ شبانہ سے ہوا اس سے دو جا رہی ہیں اور پھر مجھ سے بولی۔ اس روک اور یہ لپٹے کی تھی ہے۔ مجھ لپٹے کی طبیعت ظاہر اب یہی ہیں اپنے چھوٹے چھوٹے چھوٹے لپٹے کی۔

مجھے بول محسوس ہوا جیسے شبانہ نے مجھ کو خوش چہرہ آغوش دین روکیوں کی حرکت، رفاقت میری کسی مدد سے رفاقت انگریزیت ہوئی ہے۔ خاص کر رفاقت جن کے بدن کے تو میں پریری دلا ہوں کہ پڑ۔

”لیکن“ مجھے کچھ خیال آیا تو میں نے کہا۔ ”یہ کیسے“

”کیوں؟“ شبانہ کی لپٹا ہون کا سوال مجھ کو کہہ کر میں نے تو بتایا تھا کہ لپٹے کے پاس، ”تو کیا ہوا؟“ اچھا نہیں سمجھتی اب کیا ہوا؟

”اس مطلب سے کہ وہ چھوٹے پر تین افراد کے با ”سیمائل غلط سوچ رہی ہیں؟“

”شبانہ! وہ اب تک بول رہی۔“

میں نے چونک کر دیکھا کہ وہ شبانہ سے ہوا اس سے دو جا رہی ہیں اور پھر مجھ سے بولی۔ اس روک اور یہ لپٹے کی تھی ہے۔ مجھ لپٹے کی طبیعت ظاہر اب یہی ہیں اپنے چھوٹے چھوٹے چھوٹے لپٹے کی۔

مجھے بول محسوس ہوا جیسے شبانہ نے مجھ کو خوش چہرہ آغوش دین روکیوں کی حرکت، رفاقت میری کسی مدد سے رفاقت انگریزیت ہوئی ہے۔ خاص کر رفاقت جن کے بدن کے تو میں پریری دلا ہوں کہ پڑ۔

”لیکن“ مجھے کچھ خیال آیا تو میں نے کہا۔ ”یہ کیسے“

جلد تھما لگی یہ پہنچ کر صدر مملکت سے ملاقات کرنا ہے اور دوسرے
 حصے میں صرف ایسے لذت آنچر خیالات تھے جن کو شاذ و
 سراپا سے عبارت سمجھا جاسکتا تھا۔ میں اپنے تفریق کے چہرے پر
 شاذ و کوشش کے جس طرح دیکھ رہی تھی اور وہ ہنسنے کی
 جذبات کی جہل میں مسلسل غافلہ کر رہا تھا۔
 دفعتاً میں نے شاذ و میں ایک عجیب سی تبدیلی محسوس
 کی۔ وہ تجھ کو اس کے آگے مل رہی تھی اب اس نے اپنا ایک
 پلٹ کر دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے چہرے سے کسی قدر
 پریشانی بھی ظاہر ہونے لگی تھی۔ اس کی کیفیت غائبانہ بھی
 محسوس کر لی اور اپنا ایک پلٹ کر دیکھا۔
 ”اوہ! اس کے منہ سے ایسا قند نکلا تھا۔
 اب میں نے بھی پلٹ کر دیکھا اور شاذ و کی پریشانی کا سبب
 میری کچھ نہیں آگیا۔ ہمارے عقوبت میں جسے زندگی گھٹا اٹھ رہی
 تھی اور اس گھٹا کاٹھ جاری ہی ہوتی تھی۔
 ”شاذ و! شہناہ بلند آواز میں بولی اور میں نے اسے جو کچھ
 بھی کہا وہ میری سمجھ میں نہیں آ سکا۔
 میں تجھ سے نفور ہوں اور اُدھر دیکھنے لگی قرب و جوار
 کی کوئی ایسی چیز نظر نہیں آ رہی تھی جہاں اس کے چادر سکاڑت
 تو جھجک کر مڑ جاتے لیکن گھٹا آواز میں کہیں وہ خفاک انداز میں
 برتن تو خنجر کے ساتھ میں اس سے پتا نہ چل سکتی تھی۔
 ”نئی مصیبت۔“ میں بڑبڑاتی۔
 ”بہت دھواں دھار بارش ہو گی،“ شاذ و نے پرتشویش لہجے
 میں کہا۔
 شاذ و نے تجھ کوں کے تجھ کوں کیسے کرنا شروع کر دی تھی جن
 کی وجہ سے تجھ کوں کی رفتار بڑھ گئی تھی۔ ایسی حالت میں اگر میں ایشاد
 شاذ و کی جگہ جوتے تو تجھ کوں کی اس رفتار کا ساتھ دینا ہلے سے بہت
 مشکل ثابت ہوتا لیکن شاذ و اپنے نیچے راستے پر اس طرح خلا نہیں بھر
 رہی تھی جیسے۔ اس کے معمولات میں شامل ہوں نے بھی محسوس
 کیا تھا کہ اس نے تجھ کوں کے شروع میں دیکھنے میں تبدیلی پیدا کی تھی اور اس
 کا مطلب یہ تھا کہ اب میں تمہارا کسی سمت میں جانے کی بجائے کسی اور
 طرف بڑھ رہی تھی۔
 میں شاذ و کی طرف دیکھتی ہوئی بولی میرا خیال ہے کہ شاذ و
 نے راستہ بدل لیا ہے۔
 ”ہاں۔“ شاذ و نے جواب میں ان اطراف میں کوئی غار دکھاو
 ہے۔ شاذ و اس تک پہنچنے کی کوشش کر رہی ہے تاکہ ہم اس بارش
 سے بچ سکیں۔“
 میں نے پلٹ کر دیکھا۔ گھٹا اب مڑھن پر چھائی تھی اور پھیلتا
 ہوا اندھیرا بڑی تیزی سے ہماری طرف بڑھ رہا تھا۔ جا بھی کیے تیرے

گئی تھی اور اس کی جھنڈی گھٹے اپنی بڑوں لہجے
 لگی تھی میرا جسم بار بار لپکا اٹھتا تھا۔ کچھ بھی ما
 شاید شاذ و پر کسی یہ تبدیلی بالکل راز انداز
 جس کی وجہ سے وہ تھکا ہوا اپنی بازوؤں
 جھنڈی کی عادی تھی دوسرے یہ کہ پیدل
 جسم کچھ گرم ہو گا۔
 ہوا کی تیزی میں بار بار غافلہ ہو رہا تھا
 ادھر میری پریشانی میں غیر معمولی آواز
 بچنے کے خوف سے زادہ اس خیال سے
 پر تھما لگی پہنچ بھی سکوں گی یا نہیں؟...
 خود کرتے ہوئے نیا دل دینے سا لگتا تھا۔ اگر
 ہوا کی تیزی اس ساری جگہ دوڑ پانی بھر جائے
 گھٹا اب میرے سر میں پر بھا جاتی تھی۔ ما
 گیا تھا۔ ایسی دغا جو تھی تھی جیسے شام کو وقت
 میرے چہرے سے بخواس اور بدل اس طرح
 غولی یا بانی پہنچانے لگا ہو میرا دھار
 اس سے پہلے کہ وہ آفت نازل ہوئی تھی
 تھی جس کا خیال شاذ و کو بڑا وقت آتا تھا۔
 غار کا مکمل اندھیرا تھا۔ اس میں صدمہ
 لی گئی تھی۔ کھل فضا میں چوڑھاں کی کیفیت
 غار میں رات کا سا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اس
 اثر غار کے دلہنے پر کھڑے ہو گئے۔ بڑ
 کی واحد صورت یہی تھی۔
 ”بہت بڑے جھنڈے۔“ شاذ و بول
 میں نے زبان سے تو اس سے تنگ
 میں ہر حال میں یہی بات تھی اور یہ سوال میری
 تھا کہ میری اس ہم کا انجام کیا ہو گا۔
 گھٹا اب بار بار جھنڈے کی تھی اور اب
 چپکے چپکے اچھڑا کر میرے پاس تھے۔ ایسا
 باوجود بارش بہت دیر تک جاری رہے گا
 دفعتاً مجھے اپنے عقب میں ہلکی سی
 میرے ساتھ ہی شاذ و بھی تیزی سے نکل
 ایک سوئی کی سوئی جی جلا دی تھی۔ اس کی
 لئے ناکانی ہی ٹکڑی ٹکڑی دھندلے اندھ
 گئی تھی اور میں ایک ڈومر کے ٹکڑے
 ”میرا جی کہاں سے آگئی؟“ میرے
 غائبانہ بات شہناہ نے شاذ و
 کو جواب دیا اور پھر شہناہ مجھ سے بولی۔

اس ٹکڑے کی تیزی میں اپنے ساتھ لپکتے
 ہیں کام میں لایا جاسکے۔“
 ”میرے بچیاں اور ہیں۔“
 ”ہاں! میں آہستہ سے تیس بڑی۔ ذرا دیر
 ان خیالات میں کہ میں سے نکل گئے
 اگر کوئی بچہ کرے خود کوئی تھی۔
 ”ہاں! میں نے نہیں اور پھر ایک میں نے
 ”میرے بچے! پھیلے دیکھ۔ اس کی منتظر نظریں
 ”میرے منظر پر جو کچھ آیا کیا بات؟“
 ”ہاں! میں نے شاذ و نے کچھ فاصلے پر دو
 منہ سے نکلا۔
 ”ہاں! کہنا ہے کہ وہ تھامی آدی نہیں تھی
 ”ہاں! اب اس میں لپکا تھا۔“
 ”شہناہ کی طرف دیکھتی رہی اور پھر قند سے
 ”میرے بچے! میں نے دیکھ لیا تھا؟“
 ”میرے بچے! میں نے نہیں دیکھ لیا تھا۔“
 ”ہاں! پریشان کر دیا تھا اور وہ کسی بچہ کا گاہ کی تلاش
 ”ادھر ادھر دوڑ رہے تھے۔“ شہناہ نے
 ”ہاں! آپ کے دشمنوں میں سے ہو سکتے
 ”ہاں! کہا جاسکتا۔“ میں آہستہ سے بولی۔
 ”وہ! کوئی اور ہی لوگ ہوں گے۔ یہ تو
 ”اب کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں۔“
 ”ہاں! کہا جاسکتا کہ آپ تمام ہو گئیں؟“
 ”میرے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ یہ
 ”ہاں! جاسکتی۔“ فوسس بڑا غبار اور غبار
 ”ہاں! ہر طرف غبار کیا ہو گا کہ میں دھماکے
 ”کار جو بڑھتی ہوئی۔“
 ”ہاں! میری کچھ بولی نہیں۔“
 ”اپنے تجھ کوں کے پاس جا کر ان کے جسم کی
 ”ہاں! میں خیال میں نہیں ہو گا کہ ان کو دھماکوں
 ”ہاں! کوئی پریشانی لاحق ہو گئی ہے۔“
 ”ہاں! ہر طرف غبار کیا ہو گا کہ میں دھماکے
 ”ہاں! اور پھر غبار کا مٹا بلکہ کھنکھاتی
 ”ہاں! ہر طرف غبار کیا ہو گا کہ میں دھماکے
 ”ہاں! ہر طرف غبار کیا ہو گا کہ میں دھماکے

انداز میں سوجھا سوجھا کر دیا تھا کہ ناسا امداد حالات سے مقابلہ کرنے
 کے لئے ہر سکون رہنمائی ضروری ہے خطرات کے نزول سے پہلے
 ہی، پریشانی کو اپنے دامن سے باندھ لیا تھا کہ بنے ہوئے کلاس اسکان
 کو اس سے نہیں کیا جاسکتا کہ خطرے کا سر سے کوئی دھڑک نہ ہو سب
 کچھ اندھے اور دھماکے سے ثابت ہوں۔
 ”شہناہ! بڑھتی ہی جا رہی ہے۔“ میں بڑبڑاتی۔
 ”شہناہ! میرے میری طرف دیکھنے لگی۔ شاذ و یہ سوچے
 ہوئے تھی کہ میں متوقع خطرے کے بارے میں کوئی اظہار خیال
 کروں گی۔
 ”کیوں نہ کچھ دیر آرام ہی کر لیا جائے۔“ میں بھر بولی۔
 ”شہناہ! اب متعجب کچھ اور بڑھ گیا لیکن اس نے اپنی تکیہ
 کا اظہار کرنے کے بجائے لا پرواہانہ انداز میں شہناہ کے اوجڑے ہوئے
 ہی ہوئے میں کچھ بڑھ کر شاذ و کی طرف دیکھنے لگی۔
 شاذ و دوم جی کے قریب جا کر زمین پر لیٹ گئی تھی اور خالی
 خالی نظروں سے ہماری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے بھی زمین پر لیٹ
 جانے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ زمین بھر میں تھی لیکن میں نے کوئی نہیں
 رکھا تھا اس لئے اسکان میں تھا کہ زمین کی تھی، جسم کو تکیہ نہ بنایا۔
 میں شاذ و سے صرف گڑبگرد، اس کے بارے میں میں حالیہ شہناہ نے
 عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا اور پھر مذکورہ دیوار سے ٹیک
 لگا کر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنا رخ غار کے دلہنے کی طرف کر لیا تھا۔
 غار کے باہر طوفان کرتا رہتا تھا اور آہستہ آہستہ میرے دل
 میں بھی خاصی ٹپل پیدا ہو گئی کیونکہ اب یہ اوصاف صرف خاندان کی طرف
 تھا، کسی سرکش نر کی طرح بلکھاتی ہوئی جو ان میں سے جو اس پر پھٹا
 جلی جا رہی تھی۔ میں نے شاذ و کی طرف کروٹی اور اسے اپنی طرف
 دیکھنے پر سکڑا دی۔ ”جانا! وہ بھی سکڑا لے۔“
 ”جے! خدایا! کھڑی! ایک عجیب زبان ہے۔“ میں الاؤں زبان!
 اسے دیکھنے میں نہ تو میں بولا اور نہ پھٹا ہے۔ افریقہ کے تاریک
 گوشوں میں رہنے والے بھی اس زبان کو بولتے ہیں اور ایشیا کے
 پہاڑوں کو بولتے ہیں یہ خوب سمجھ جاتی ہے۔ اس کا کوئی بھید، گھٹا
 نہیں ہوتا۔ یہ ایک صاف تھلا نہ ہے، ایک بے لگ بھڑبھڑ
 ہے۔ سب سے الگ، سب سے جدا، سب سے منفرد!
 میں نے شاذ و کو بول سکڑا لے دیکھا تو اپنا دایاں ہاتھ اس
 کی طرف پھیلا دیا۔ وہ میری اس حرکت کا مطلب سمجھ بولنا نہ تھی ہو
 لیکن اپنا ہاتھ اس نے بھی پھیلا دیا۔ میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ
 میں تھا تو اسے جس سنسنی بھرتی جلی گئی اور وہ جو کی گہرائی
 میں کی جگہ کوئی سا غریب کر رہ گیا۔
 ”شاذ و! میری سرگوشی، جذبات سے بوجھل تھی۔
 وہ پھر سکڑا دی۔ وہ مجھ سے بس یہی زبان بول سکتی تھی۔

”نہیں... نہیں...“ ان میں سے ایک تعجباً جیغ اٹھا۔
 ”تو پھر میرے سوال کا جواب دو۔ یہ مت سمجھا کہ تمہیں یہ پائی
 نہیں ہوئی۔ ستر مارا تعلق فوکس سے ہے۔ تم لوگوں نے کارپن
 میرا تعاقب کیا تھا۔“

وہ دونوں جلدی جلدی اثبات میں سر ہلانے لگے۔
 ”سیدھے ہو کر بیٹھ جاؤ“ میں پھر بولی۔ ”دیوار سے تک
 لگا لو اور اپنے پرانگندہ حواس کو درست کرنے کی کوشش کرو۔“
 ان دونوں نے اٹھنے کی کوشش کی اور قدرے وقت سے
 اٹھنے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے غار کی دیوار سے ٹیک لگالی
 اور بائیں گئے۔ سردی سے انکا سارا جسم تھکھار اٹھا۔ انھیں
 سرخ ہوئی تھیں۔ میں یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکی کہ ان کی کبھی
 لئے مونیے کا حلا ہو سکتا ہے۔ اگر اس بلا کی سردی ہو اور آدمی
 بارش میں بھیگ جائے تو یہ عمل، قیامت کی عمل پذیر سی ہے کہ نہیں ہوتا۔
 ”اب بتاؤ۔“ میں انہیں گھور کر بولی تو فوکس کہاں ہے؟
 ”ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر ہستہ
 آہستہ ان کے سر تک پہنچ گئے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ان پر
 غشی طاری ہوئے والی ہے۔ میں جلدی سے ان کے قریب گئی اور
 ایک کا شانہ پکڑ کر تھپتھپاتی ہوئی بولی۔

”جواب دو ورنہ میں ریلو اور کا نصف چیمبر تمہارے سینے
 میں خالی کر دوں گی۔“

وہ چونکا اور خوفزدہ نظروں سے میرے ریلو اور کی طرف
 دیکھنے لگا۔ میری دھمکی نے اسے یوں لئے پیر جو کر دیا تھا۔ گو کہ سردی
 سے اس کے دانت بچ رہے تھے اور حالت خیر ہوئی تھی جا رہی تھی لیکن
 کسی نہ کسی طرح اس نے وہ سب کچھ بتا دیا جو میں جاننا چاہتی تھی۔
 میرا یہ خیال درست ثابت ہو گیا کہ فوکس، کار کی تباہی سے
 مطمئن نہیں ہوا تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کے سامنے بڑے دونوں
 سے یہ بات کہی تھی کہ میں ہم چھپنے سے پہلے ہی کار سے اتر گئی ہوں گے۔
 کچھ گھنٹے کے جاگڑنے کے بعد روک دی تھی اور ایک آدمی کو کار میں چھوڑ کر
 باقی آدمیوں کے ساتھ کار سے اتر گیا تھا۔ پھر اس آدمی کو ہدایت کی
 تھی کہ وہ ایک موٹا سچا جاگڑے اور منتظر رہے۔ اس ہدایت کے
 بموجب کار کے علی گئی تھی اور فوکس تین آدمیوں کے ساتھ وہیں
 چھپ گیا تھا۔

میرے مشاہدے کے مطابق اُس وقت فوکس کے ساتھ صرف
 دو آدمی ہونے چاہئے تھے لیکن یہ یہ جاگڑا راستہ میں وہ شخص بھی ان
 کی لاپرواہی سے گھٹ گیا تھا جس نے مجھے فوکس کا خدایا پہنچایا تھا۔ دراصل
 اس شخص نے اپنی گاڑی پھیل بستی میں پھنسا رکھی تھی۔
 فوکس ان تین آدمیوں کے ساتھ چھپ گیا اور ریلو پر

نظر رہے رہا۔ اس کا حال تھا کہ اس پر سب بیدا
 منزل کی طرف بڑھوں گی لیکن جب آدمی
 اسے دکھائی نہیں دی تو اسے پریشان لاقی ہو گیا۔
 آیت آباد سے آنے والی بس بھی آدھے گز
 کے فاصلے پر فوکس پھر جانے کا حذر پہنچا۔
 کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر جب اس کی نظر نشیب میں
 سوچنے لگا کہ میں اس کی بجائے کی طرف تو کہیں جا
 تجھے ایک بار پھر فوکس کے تیز ذہن کا کام آ
 سوچ لیا تھا کہ تجھے بستی سے بچنا حاصل ہو سکتے
 ساتھیوں کے ہمراہ نشیب میں اترنا شروع کر
 دو زمین ہوتی تو وہ تجھے اور شانہ کو ضرور
 اس وقت تک میں نے بس میں چھپنا چھوڑا تھا
 بستی میں پہنچ کر فوکس نے ان لوگوں
 بالے میں پوچھ گچھ کی۔ اس پوچھ گچھ کا سارا انداز
 کیونکہ دونوں فریق ایک دوسرے کی زبان پر
 ایک بار پھر فوکس کی فہانت کام آئی اور وہ
 میں یہ علم کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ وہ دو
 تھپا لگی کی طرف روانہ ہوئی ہیں۔

بس پھر فوکس بڑی تیزی سے میرے
 میں چل پڑا۔ یہ سفر اس نے محض اندازے
 اسے پہاڑی راستوں کے بارے میں تھی۔
 اس کو زوری کا احساس اسے خود بھی تھا لہذا
 کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اس تقسیم کا اندازہ
 ایک گروپ غلط راہ پر نکلے تو دوسرا شاہد
 انہی میں سے ایک گروپ وہ تھا جو
 ان دونوں کو بہت دیر تک بارش میں بھیگنا
 کوئی پناہ گاہ نہیں مل سکی تھی۔

جب وقت تجھے یہ ساری باتیں بتانی
 آدمی غشی طاری ہو چکی تھی ریشہ بانہ اور شانہ
 خاموشی سے ہماری طرف دیکھ رہی تھیں۔
 فوکس کے ساتھی کی گفتگو کچھ بھیج رہی ہوگی ملے
 سامنا کر رہا تھا کہ ہو گا۔

مطلوبہ معلومات حاصل کر لینے
 کے دہانے لگی اور بار کا جائزہ لینے لگی
 ٹوٹ چکا تھا لیکن وہ ختم نہیں ہوئی تھی
 پلٹی تو میں نے دیکھا کہ فوکس کے اس سام
 ہو چکی تھی جس نے مجھے مطلوبہ معلومات
 میں شانہ کے قریب جا کر بولی۔

ہائیں سے کیونکہ یہاں انہیں کوئی بھی امداد
 نہیں ان کی موت سے کوئی تکلیف نہیں پہنچ
 لے نہ ہیں ختم کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی
 ہر دو میں کہا ”آپ تو یہ سوچتے کہ ہمیں اب
 لوگ اب رکھنے ہی والی ہے۔“
 کے بعد بھی کم از کم ایک گھنٹہ تک رگنا ہو گا۔“

ماس کے ساتھی ابھی قریب وجوہات میں کہیں
 ”انگڑے جاتے تو یہ اطمینان حاصل ہو جائے گا
 ان سربراہ کر چپ ہو گئی۔

ناز پر نظر ڈالی تو مجھے بہت غور سے دیکھ رہا
 وہاں میں وہ بھی مسکادی۔ اس کے چہرے پر
 ہمت نہیں تھی۔
 ”ہاں ہاں بولی۔ اس ریلو کو تم نے کیا بتایا؟“
 ”شانہ نے پوچھا۔
 ”میں نے متعلق۔“

”ان دونوں جھٹک کر اس طرف نکل آئے ہیں۔“
 ان دونوں پر ریلو اور کا لکھا۔ یہ تو ممکن نہیں
 کوئی نتیجہ اخذ کیا ہو۔“
 ”میں مطمئن کر دیتا تھا کہ وہ دونوں ٹھیرے بھی
 شانہ اور شانہ پر لانا پڑا تھا۔“
 ”کی طرف دیکھا غار کے دہانے پر جا کھڑی
 شانہ شانہ سے کچھ کہا۔ شانہ نے اسے جواب
 لانے پر اکتفا کیا تھا۔

”میں نے پوچھا۔“
 ”میں رگنی ہے۔ شانہ نے جواب دیا۔
 ”انظر ڈالی اور بڑا شکر کرتی تھی اہم بات
 وہ مزید ایک گھنٹہ فہانت ہو گا لیکن احتیاط
 مانتا کیا جائے۔“
 ”اگر بتا دیا تھا کہ ہم ایک گھنٹہ بعد روانہ ہوں
 تو ہم بھی جو ختم ہونے والی تھی۔ اس نے
 مانی اور پھر وہیں ایٹم کے عجیب سے نظروں سے
 ”اگر شانہ میں خود ہو گا تو وہ کی تمام کیفیات
 اس کی خواہش نہیں تھی کہ میں پھر اس کے
 گہمت دکھ کر تجھے بھی چھری ہی آئی اور میں
 ”اگر گے تاخیر نہ ہو جاؤں۔“

ایک گھنٹہ اس طرح گزارا میں بھی پہلے ہی تھی، ابھی مجھے حالی
 تھی اور کبھی غار کے دہانے پر جا کر بار کا جائزہ لینے لگی تھی۔ آخر میں
 نے بہ آواز بلند شانہ سے کہا کہ اب میں روانہ ہو جانا چاہتا ہوں۔ شانہ
 نے یہ بات شانہ سے ہی تو وہ زمین سے اٹھ کر اپنے پیروں کی طرف بڑھ کر
 میں نے فوکس کے دونوں ساتھیوں کے قریب جا کر ایک بعد دیکھ کر
 ان کی لاپرواہی چوکر دیکھی۔ میرا اندیشہ درست ثابت ہوا تھا۔ ان دونوں
 کے جسم تجارت سے بچک رہے تھے اور سانس رگ رگ کر رہی تھی۔ ان
 پر مونیے کا حلا ہو چکا تھا۔

وہ دونوں میرے دھن کے دشمنوں میں سے تھے مگر انہیں اس
 حالت میں یہاں چھوڑ کر جاتے تو میرے میں بڑا عجیب احساس کر رہی
 تھی۔ مجھے ان پر رحم آ رہا تھا۔ میں جانتی تھی کہ وہ اس حالت میں یہاں
 پڑے رہے تو موت کی آغوش میں پہنچ جائیں گے لیکن مشکل یہ تھی کہ
 ان کے لئے کچھ کرنا میرے اختیار میں نہیں تھا۔ نہ تو میں انہیں اپنی امداد
 بہم پہنچا سکتی تھی اور نہ انہیں اپنے ساتھ تھپا لگی لے جایا جا سکتا
 تھا۔ اسی صورت حال کے پیش نظر مجھے اپنے انسانی اہمردی کے
 جذبات پکھلے پڑے۔

جب ہم اس غار سے نکل کر دوبارہ اپنے سفر پر روانہ ہوئے
 تو فضا بالکل بدل چکی تھی۔ آسمان پر اادل کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے
 تیرتے پھر رہے تھے۔ وہ ٹکڑے جب سورج پر آتے تو دھوپ
 غائب ہو جاتی۔ ان ٹکڑوں کی وجہ سے دھوپ چھاؤں کا کھیل
 جاری تھا۔

کچھ دیر تک یہ سفر خاموشی سے جاری رہا، پھر شانہ بولی۔
 ”شانہ مجھے اس آدمیوں کے بارے میں استفسار کر رہی تھی جنہیں
 ہم غار میں چھوڑ گئے ہیں۔“

”پھر تم نے کیا جواب دیا؟“
 ”میں کہ ہم تھپا لگی سے کسی کا وجود بھیجیں گے تاکہ ان دونوں کیسے
 کچھ کیا جائے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں نے سر ہلادیا۔“
 ”میں نے صحیح جواب دیا؟“ شانہ نے پوچھا۔
 ”ظاہر ہے اس کے علاوہ مجھے نہیں کہا جا سکتا تھا۔“
 پھر ہماری گفتگو آگے نہیں بڑھی اور سفر جاری رہا۔ میں
 چونکہ نظروں سے جا رہی تھی دیکھتی جا رہی تھی۔ گو، اگر امکان یہی
 تھا کہ فوکس بہت آگے نکل گیا ہوگا، تاہم ہوشیار رہنا ضروری تھا
 جا رہے کے قریب شانہ نے شاید کوئی بات کہ ہم تھپا لگی کے
 علاقے میں داخل ہو چکے ہیں۔

اب ہمارے گرد بڑے حسین مناظر بکھرے ہوئے تھے۔ برف
 سے ڈھکی ہوئی دھڑلہ زکی پہاڑیاں بالکل سفید نظر آ رہی تھیں اللہ
 ان کے پیش منظر میں منور کے درخت ایک عجیب بہار دے رہے

420

ہی قیمتی وقت ضائع کر رہے ہیں کیٹن!“

جب وہ سپاہی اسٹین گن لے کر آگیا اور سنا

ہمارے یقیناً ہمارے اب ہیں ہے۔ یہ کہیں

427

شہزادہ کچھ نہیں بولی اور میں چوڑھویں سے باہر دیکھنے لگا۔
 اسی وقت وہ عجیب و غریب واقعہ ہوا جس نے مجھے حواس باختہ کر دیا۔
 بائیں جانب نشیب تھا اور اس طرف تدریجی پھیل ہوئی تھی۔
 میں نے اس تدریجی شیبہ کو دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر ہلکا سا زنگاروں
 نے مجھے بتا دیا کہ اس طرف سے تدریجی جادری تھی۔ فائرنگ کی
 تصدیق اس بات سے بھی ہو گئی کہ میں نے اس سے ایک سو سنہ تمام
 گزرتے تھے۔ یہ تھا جس نے اس سے پہلے ہلکا سا زنگار وادہ کھولا تھا۔
 اس کے سینے پر پھیلی ہوئی خون کی مٹھی اس کے ہاتھوں کو بھی پھینک
 میں نے بھی تھی۔
 "مان گاڈ ہیمن اچھل پڑی۔
 اسی وقت ادھر سے مرنے والی کسی کوئی کال نشانہ نہ گیا۔ وہ
 گولی اس کے سر میں گئی تھی اور وہ کچھ بے ہوشی کی طرح ڈھیر ہو
 گیا تھا۔
 "یہ.... یہ کیا ہو رہا ہے؟" شہزادہ نے بھی اس نے بھی
 دوسری کھڑکی سے باہر کا خوبصورت منظر دیکھ لیا تھا۔
 دلیٹ ہاؤس کے دروازے پر کھڑے تھے ستر کی اپنی
 رافٹوں سے گولیاں پڑتے تھے تیزی کے ساتھ آگے بڑھے
 ٹھوڑا ہی امن میں سے بھی ایک کو دائمی اہل کی آواز پر ٹھک کہنا
 پڑا۔ دوسرے نے خود کو ادھکا کر جان پہلنے کی کوشش کی۔
 میں اٹھی اور تیزی سے دروازے کی طرف بھاگی۔ میں اسے
 کھونا چاہتی تھی مگر اسی وقت پہلی لاکھڑا کھینکا لنگہ کہیں اپنا
 توازن برقرار نہ رکھ سکے اور شہزادہ گر گری۔ شہزادہ کے منہ سے پتھر
 نکل گئی۔ پہلی لاکھڑے کے ہچکوں نے مجھے فوری طور پر پھلنے بھی
 نہیں دیا۔ میں اور شہزادہ کئی مرتبہ ادھر سے اُدھر چکے کوئی آدھے
 منٹ بعد جب میں پھلنے اور کھڑے ہونے کا موقع ملا تو میں نے اندازہ
 لگایا تھا کہ پہلی لاکھڑا اس وقت پورے دروازے سے میں جھپٹ کر ایک
 کھڑکی تک گئی اور باہر دیکھنے لگی لیکن اندھیرے میں مجھے کچھ بھی نظر
 نہیں آسکا۔
 پہلی کو پڑنا ایک فضا کو چیرنا ایک طرف بڑھا چلا جا رہا تھا۔
 جس طرح مولاوں میں ریت کے پتھر پھلتے ہیں، اسی طرح
 مسکرتہ زہن میں یہ سوال چکرار سے نکلتے کہ پہلی کو پڑنے کے
 باہر جس ہنگامے سے چلا گیا تھا، اس کی ہیئت کی تھی؟ اس کا خاکہ کیا تھا؟
 وہ گولیاں کس نے چلائیں تھیں اور کیوں چلائیں تھیں؟ میں نے اپنی
 آنکھوں سے پریسٹنٹ ریسٹ ہاؤس کے محافظین کو گولیاں کھانکر
 گرتے ہوئے دیکھا تھا لیکن یہ نہیں دیکھ سکی تھی کہ ان لوگوں نے کس
 پر گولیاں چلائیں تھیں۔ وہ کون تھا جو ریسٹ ہاؤس پر حملہ آور ہوا؟
 کیا وہ فوکس تھا؟

اس سوال کے جواب میں میرے لا
 اشارہ دینے کی کوشش کی۔ اس جملے کا مقصد
 فوکس پر توجہ دینے پر پریسٹنٹ تک پہنچنے
 نے تھی۔ دیکھا وہ گولیاں میں پریسٹنٹ تک
 گئی تو اس نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے تمام
 لیکن یہ حملہ کامیاب نہیں ہو سکا۔
 کہ پہلی کو پڑنے کے بائیں طرف پڑی ہوئی ہلاکت
 جب تک اس خون کی یہ گرم باریک دیکھی تو لام
 ہے اس نے اپنے ہینڈ گان کو گریڈ پر پھینکا
 سے آگاہ کر دیا ہو۔
 جیسا کہ میں نے پہلے کہا، کم سے کم
 رہی تھی کیونکہ میری آنکھوں اور حواس کی
 پردہ پڑا ہوا تھا۔ میں ان معاملات سے
 کے باہر وقوع پزیر ہو چکے تھے۔ میں فوکس کی
 پریسٹنٹ کی طرف تجویز پر راز ہے اور میں کامیاب
 ہوئی جا رہی ہوں۔
 میرے وطن کی سرحدوں پر دشمن
 والا تھا اور میں خود کو ایک پوزیشن میں
 سات گھنٹے پہلے ہی صدر مملکت کو اس کا اظہ
 یہ سب کچھ سوچتے ہوئے میرے اپنے
 اپنی ساتھی کی طرف دیکھا۔
 شہزادہ دم بخود کی میٹھی ہوئی تھی
 لیا تھا ہر چند وہ بڑے عقل اور دلیریت
 تھی لیکن اب ایسا معلوم ہونے لگا تھا کہ
 جواب دے گئی ہو۔ موجودہ صورت حال
 منفی اثرات مرتب کر رہی تھی اور یہ اس کے
 وہ اپنے اعصاب کو ان اثرات سے بچانے
 میں اس کے قریب جا بیٹھی اور فوکس
 کے لئے اسے اپنی آنکھوں میں سمیٹ لیا۔
 گالوں پر رکھ دیے اور روشنی کرنے دا
 اچھی لگی ٹیبلٹ تو اسے یہ کامیاب ساتھ دیا۔
 اب ذرا دیر میں ہم پریسٹنٹ پہنچ جائیں گے اور
 پہنچ جائے گا۔
 "آپ ایک عجیب و غریب عورت ہیں
 آواز میں کہا۔
 "اور نفرت بیکر بھی؟" میں نے ٹھہرا
 شہزادہ چپ رہی۔
 "جواب دے دو؟" میں نے جذباتی

میں ہوں نا؟
 ۱۔
 ۲۔
 ۳۔
 ۴۔
 ۵۔
 ۶۔
 ۷۔
 ۸۔
 ۹۔
 ۱۰۔
 ۱۱۔
 ۱۲۔
 ۱۳۔
 ۱۴۔
 ۱۵۔
 ۱۶۔
 ۱۷۔
 ۱۸۔
 ۱۹۔
 ۲۰۔
 ۲۱۔
 ۲۲۔
 ۲۳۔
 ۲۴۔
 ۲۵۔
 ۲۶۔
 ۲۷۔
 ۲۸۔
 ۲۹۔
 ۳۰۔
 ۳۱۔
 ۳۲۔
 ۳۳۔
 ۳۴۔
 ۳۵۔
 ۳۶۔
 ۳۷۔
 ۳۸۔
 ۳۹۔
 ۴۰۔
 ۴۱۔
 ۴۲۔
 ۴۳۔
 ۴۴۔
 ۴۵۔
 ۴۶۔
 ۴۷۔
 ۴۸۔
 ۴۹۔
 ۵۰۔
 ۵۱۔
 ۵۲۔
 ۵۳۔
 ۵۴۔
 ۵۵۔
 ۵۶۔
 ۵۷۔
 ۵۸۔
 ۵۹۔
 ۶۰۔
 ۶۱۔
 ۶۲۔
 ۶۳۔
 ۶۴۔
 ۶۵۔
 ۶۶۔
 ۶۷۔
 ۶۸۔
 ۶۹۔
 ۷۰۔
 ۷۱۔
 ۷۲۔
 ۷۳۔
 ۷۴۔
 ۷۵۔
 ۷۶۔
 ۷۷۔
 ۷۸۔
 ۷۹۔
 ۸۰۔
 ۸۱۔
 ۸۲۔
 ۸۳۔
 ۸۴۔
 ۸۵۔
 ۸۶۔
 ۸۷۔
 ۸۸۔
 ۸۹۔
 ۹۰۔
 ۹۱۔
 ۹۲۔
 ۹۳۔
 ۹۴۔
 ۹۵۔
 ۹۶۔
 ۹۷۔
 ۹۸۔
 ۹۹۔
 ۱۰۰۔

رنگیں، خرمندہ، نکمیل، ہنسنا۔ پہلی کو پڑنا آجین بند ہو چکا تھا اور میں
 سکوت کی ایک وجہ سے تو کئی تھی۔ بے اختیار میری نظر اس کی ریشم سے پڑی
 گھڑی ہو گئی اور مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ پہلی کو پڑنا ہزار گز سے
 ہوئے ہیں زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔ کم سے کم اتنی دیر میں بت نہ
 نہیں پہچان چکا تھا۔
 پہلی کو پڑنے کے لینڈ کرنے کا احساس شہزادہ کو بھی ہو چکا تھا۔
 اس کے بدن کے نیچے ہونے سے تاریک ہو چکے تھے اور مجھے اس
 کے بازوؤں کے ہیکلے ہوتے تھے اسے آزاد کی طرف تھی۔ میں نے جلدی
 سے اُدھر کھڑکی سے اُدھر لایا لیکن مجھے کچھ بھی دکھائی نہیں دیا۔ جس جگہ
 پہلی کو پڑا تھا، وہاں گھور تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔
 پہلی کو پڑنا کچھلا دروازہ کھلنے کا آواز نہ تھی اس طرف متوجہ
 کیا اور پھر میں ذرا دیر کے لئے شاید سانس لینا ہی چاہتی تھی۔ میرے
 سامان دکان میں بھی نہیں تھا کہ میں یہاں فوکس کو اپنے سامنے پاؤں لگ۔
 پہلی کو پڑنے کے لینڈ کرنے کی اس پر پڑی تھی اور وہ اپنے ہاتھوں میں
 پھیل ہوئی تھی کہ اس کے باعث اس وقت کسی دوسری دنیا کی مخلوق نظر
 آ رہا تھا۔
 "ہیلو!" وہ اپنے ہونٹوں پر طنز پر مسکراہٹ بجاتے ہوئے
 پہلی کو پڑنے کے لینڈ کیا۔
 اسے یوں سامنے پار شہزادہ کو بھی مسکرتہ سا ہو گیا تھا۔
 "تم..." میں جیسے خواب میں بولی تھی۔
 "غیبہ بنیو!" وہ میرے سامنے بیٹھا ہوا ہوا "آج تم نے
 دیکھا کہ غیر متوقع صورت حال سے پیشاب کی فوکس کو خوب آئے۔
 میرے سامان دکان میں بھی نہیں تھا کہ تم ریسٹ ہاؤس کے نکال کر مارنے
 میں کامیاب ہو جاؤ گی اور تمہیں پتہ چلے گا کہ پہلی کو پڑنے کی مل
 جاتے گا۔ بہر حال جب یہ بات میرے سامنے آئی تو میں نے منہ پٹنے میں
 وقت ضائع نہیں کیا اور راست اقدام ہی میں بہتری حالی۔
 "لیکن... تم... کیا...؟" میں اتنی اچھے کئی کئی بات بھی
 پوری نہیں کر سکی۔
 فوکس کچھ اس انداز سے مسکرا جیسے میرے اضطراب و دلشانی
 سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔ شاید تم نے جاننے کے لئے بے چین ہو کر
 پہلی کو پڑنے پر توجہ کی ہے ہو گیا۔ میں نہیں جانتا ہوں۔ پہلی کو پڑنے کے
 ہیکل کے کہیں میں ہیکل کی لاش پڑی ہوئی ہے۔ میرے دوا اور کی
 مولی نے اس کی پٹی کو نشانہ بنایا تھا اور اس کے بعد میں دوا پر پہلی کو پڑنے
 میں پڑھ گیا تھا۔ میرے ساتھیوں کے رپو اور رول سے نکلی ہوئی گولیاں
 محافظوں کو قریب آئے سے روک رہی ہیں اور مجھے پہلی کو پڑنے کے اڑانے کا
 موقع مل گیا۔ پہلی کو پڑنا آجین تو مجھے اشارت ہی ملا تھا۔
 وقتاً ایک سید کی آواز سنا دی اور شہزادہ اچھل پڑی۔ اس نے

"کوئی سار بولا تھا؟ میں نے جواباً کہا اور بھر سوائے نظروں سے
 فوس کی طرف دیکھا۔
 "ہاں؟ فوس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ہم اس وقت ایک جنگل
 میں ہیں۔ غالباً میری کے قریب ہی کوئی وادی ہے۔ میں اس کے لئے
 مجبور تھا کہ وہیں ہوں اگرچہ۔ اگر آبادی کا رُخ کرتا تو پکڑے جانے
 کا خطرہ تھا۔ میں نے سوچا، ایک ایڈوٹورجری کی ایلیاں سے پیدل چل کر
 آبادی تک پہنچا ایک ایڈوٹورجری ہو گا۔
 شبانہ سبیلانی ہوئی آواز میں بولی۔ اگر تم ہتھیار لگی کر تو پھر
 میں ہی کسی جگہ ہیں تو تمہاری مدد بھی کسی دُروند سے بھی ہو سکتی ہے۔
 یہاں چیتے پائے جاتے ہیں۔
 "میرا بتایا کہ ہم اس وقت ہتھیار لگی کے نہیں بلکہ مری کے
 قریب وجوار میں ہیں۔ فوس بولا۔
 میں کچھ ہوش و انتہا میں دبائے ہوئے اپنی اس شکست
 پر تسلیم کر رہی تھی۔ فوس نے مجھے بالآخر صدمہ شملت تنگ سینے سے
 روک ہی دیا تھا۔ میں اگر مری ہوئی تو اس وقت فوس کے سینے
 میں نصف درجن گولیاں اندر دھکی لیکن ریڈیٹ ریڈٹ ریڈٹ ہاؤس
 کے محافظ نے میرا پورا لورے کر لی کو پٹر کے بالٹ کو دوسے دیا تھا
 مجھ سے۔ بات کبھی کبھی کبھی کر منزل پر پہنچنے کے بعد میری طرف سے
 اطمینان حاصل کر کے ریڈو اور مجھے واپس کر دیا جانے کا میں سوچ
 رہی تھی کہ وہ ریڈو اور اب بھی بالٹ کی جیب میں ہو گا۔ فوس نے بتایا
 تھا بالٹ کی لاش کین میں پڑی ہوئی ہے۔ اگر میں کین میں پہنچ کر
 ریڈو اور پھر قہقہہ کرتی تو صورت حال کو ایک بار پھر اپنی موافقت
 میں لایا جا سکتا تھا لیکن بات قابل غور تھی کہ فوس مجھے کین تک
 جانے دے گا یا نہیں؟
 "کیا بات ہے ضعیف بیٹو؟ فوس مسخرانہ انداز میں بولا۔ اتنی
 خاموشی تو کوئی اتنی چیر نہیں۔
 "کچھ ایسی بڑی کچھ نہیں۔
 "میرا خیال ہے کہ میں خندہ پیشانی سے یہ شکست قبول کر لینا
 چاہیے۔
 "اس نے کہہ کر تمہاری خواہش ہے؟
 فوس نے نفی میں سر ہلایا اور بھر بولا۔ "میرا اس لئے کہ وقت
 کا تقاضہ ہے۔
 "میں وقت کے تقاضوں کی پابند رہ کر زندہ نہیں رہنا چاہتا تھا
 وقت کو میرے تقاضے پھر نہیں دے گا۔
 "سوچنے کا یہ انداز، مثالی ہے لیکن ہوا کے رخ کو نہ پہچاننا
 حماقت ہے۔ فوس نے بڑی تنبیہ سے کہا۔ ویسے اب مجھے
 یقین ہو چکا ہے کہ تم کبھی بھی ہماری تنظیم کا پڑھ نہیں بن سکو گے۔

اس یقین کے بعد ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ میں
 شام میری فطرت کا ایک کمزور پہلو ہے کہ۔
 نہیں دیکھ سکتا۔ میں ذہانت کو خدشا دیکھتا ہوں۔
 "تم اب چاہتے کیا ہو؟" میں خڑائی سے
 جنگل میں گزرتا رہا ہے۔
 "اس کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے؟ ظا
 دن کی روشنی ہی میں ملے کر سکیں گے۔
 "پیلی کو پٹر۔۔۔۔۔
 "اس کے استعمال کرنے کا سوال ہی پیدا
 نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ میں پکڑے جا
 سکتا۔
 میں چند لمحے فوس کی آنکھوں میں دیکھ
 سے بولی۔ میں بالٹ کے کین میں جانا چاہتی
 "کیوں؟"
 "کیا واقعی وہاں بالٹ کی لاش پڑی
 "ہاں کیوں؟" فوس کے پیچھے میں۔
 "میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں۔"
 فوس ایک دم نہیں پڑا۔
 "اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟" میں
 "صاف صاف کہو ضعیف بیٹو؟ فوس نے
 دراصل بالٹ کی جیب سے اپنا ریڈو اور لانا
 ریڈٹ ہاؤس کے محافظ نے پہلی کو پٹر کے قریب
 ریڈو اور کے بارے میں جو بات کہی تھی، وہ اس
 یہاں پہنچنے ہی میں نے اس کی جیب سے ریڈو اور ا
 سے ایک طرف پھینک دیا تھا۔ شاید اب وہ صدمہ
 میں پڑ رہے گا۔ اسے ڈھونڈنا محال ہے۔
 "میں ریڈو اور کے بغیر بھی تمہاری گردن د
 نے تمہارا کرنا۔
 فوس کچھ اس انداز میں مشکلا کہ جیسے میں
 کہہ دی ہو، پھر وہ بولا۔ "تمہیں اپنی جو ڈواور کرنا
 پڑا ہے لیکن شاید تمہیں علم نہیں کہ میں جو ڈواور
 لنگ لو کا بھی ماہر ہوں۔ اس طرح مجھے تم پر فو
 ہے۔ ویسے یہ کوئی بھی بات نہیں ہوگی کہ تم مجھ
 ہاتھ پائی برائیاں۔ ہم دونوں ایک دوسرے
 ہیں ضعیف بیٹو۔
 میں فوس کے پیچھے سے اندازہ نہیں کر
 کہتے ہوئے تنبیہ کا میرا مسخرانہ تھا۔

اگلے کے دوران میں خاموش رہی تھی لیکن اس
 بازو پر جما ہوا تھا۔ اس کے چہرے کی بدلی ہوئی
 صاف ظاہر ہو رہی تھی کہ وہ حدود پریشان ہونے
 لگا۔ میرے سر پر بھی ہے۔
 کا دروازہ کھلا ہونے کی وجہ سے اب اندرونی
 لی ہوئی تھی۔
 ہاں کہ آواز ایک بار پھر شنائی دی اور میرے بازو پر
 طرقت ہو گئی۔
 کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ "تم نے ابھی کہا تھا کہ میں
 اپنے لئے پیدل چلنا ہو گا۔"
 کہہ رہے ہو کہ میرے ساتھ ایک لڑکی بھی ہے۔
 لڑے نہیں کر سکتی۔
 "لڑنے کی شہادت کی طرف دیکھا اور پھر متغیر انداز
 "میرا نے اس نکتے پر غور بھی نہیں کیا تھا۔
 لی کہ پٹر کا استعمال ضروری ہے؟ میں بولی۔
 رہی ہو؟ فوس نے اہستہ سے کہا۔ لیکن میرے
 گھر کو تارک ہونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔
 اس کی طرف دیکھتی رہی جیسے اس مسئلے کو کسی
 لی ہوں۔ ویسے اس کا سامنے کا حل یہی تھا کہ فوس
 ہائے اور میں شبانہ کے ساتھ پہلی کو پٹر میں پڑاؤ
 کو پٹر ڈالنا چاہتی ہو؟" فوس نے تدریج سے توقف
 "ناستی ہوں۔
 دل میں مسئلہ نہیں رہا۔ میں پیدل نکل جاؤں گا اور
 میں نکل جاتا۔ فوس نے کہا۔ "میرے لئے میں
 مانے کہ مجھے اس پر سخت بات کو بھی برداشت

دیرانے سے نکل کر کسی آبادی تک پہنچ چکا ہوں گا۔
 میرے دل کی دھڑکنوں میں خفیت کی تیزی آگئی۔ میں اس
 بات پر حیران بھی تھی کہ فوس اتنے بے وقوفانہ انداز میں کیوں سوچ
 رہا ہے۔ خلاصہ کے ذہن میں یہ بات کیوں نہیں آ رہی تھی کہ اس کدو تنگی
 کے بعد میں صبح کا انتظار کیوں کروں گی؟ میں تو بلا تاخیر یہاں سے درواز
 کر جاتی اور آبادی میں پہنچ کر سرکاری مشینری سے رابطہ قائم کر کے
 اس علاقے کا محاصرہ کر دیتی۔
 "کیا تم اس سرکاری کو برداشت کر سکو گے؟" میں نے دھڑکنے
 دل کے ساتھ پوچھا۔
 "تمہاری خاطر کریں توں گا۔ فوس نے ہنس کر کہا۔ اور یہ
 محض عشق کا شہساز ہو گا۔
 "کیا مطلب؟" میں چونک کر اسے گھورنے لگی۔
 "تم غلط سمجھیں۔ مجھے تمہارے جسم سے نہیں، تمہارے ذہن
 سے عشق ہو گیا ہے۔ ذہن لوگ مجھے بہت پیارے ہوتے ہیں۔
 اچھا نواب میں چلتا ہوں۔ فوس کھڑ ہو گیا۔ "تم پہلی کو پٹر کا دروازہ
 اندر سے بند کر لینا تاکہ یہاں ٹھنڈک نہ پڑ سکے۔"
 میرے دل کی دھڑکنیں کچھ اور تیز ہو گئیں۔ فوس جارہا
 تھا اور اس طرح ایک بار پھر۔ امکان پیدا ہو گیا تھا کہ اس صدمہ
 شملت تنگ سینے سکون کی۔ ویسے فوس کی اس حماقت پر میری حیرت
 کا بھی ٹھکانہ نہیں تھا۔ اس کے ذہن میں اب بھی تنگ بات نہیں
 آئی تھی کہ میں اس وقت بھی دروازہ کسکی ہوں۔
 فوس کے پیچھے پیچھے میں بھی پہلی کو پٹر کے دروازے تک گئی۔
 دروازے پر پہنچ کر فوس نے بالٹ کے مشکلاتے ہوئے میری طرف دیکھا
 تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا دل پھٹ کر حلق کی طرف آ رہا ہو۔
 "گڈ بائی ضعیف بیٹو! وہ بولا۔
 "ہائے؟" میں نے دھیرے سے کہا۔
 فوس پہلی کو پٹر سے اتر گیا۔ اس نے پہلی مرتبہ وہاں کے
 ماحول پر نظر ڈالی۔ مطلع برا تو نہ ہونے کی وجہ سے تاریکی اتنی
 گہری تھی کہ کچھ بھی صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں اڑنے آؤں گے
 درختوں کے ہونے، دیووں کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔ یہاں
 کی بلندیاں، اندھیرے کی چادریں مسوہ تھیں۔ اس تاریک وادی
 میں پہلی کو پٹر کو لانا حد درجہ خطرناک ثابت ہو سکتا تھا لیکن میں
 یہ خطہ مول لینے کا فیصلہ کر چکی تھی۔
 ماحول اتنا سرور تھا کہ پہلی کو پٹر کے دروازے پر کھڑے ہی
 سرور کا احساس دو چند ہو گیا تھا۔ میرے جسم پر کچھ لپکا اٹھا۔
 پہلی کو پٹر سے اتر کر فوس نے انودامی انداز میں ہاتھ ہلایا۔
 مجھے یہ سب کچھ طو فیضی فطری معلوم ہو رہا تھا لیکن ہاتھ میں نے بھی

ہلا دیا۔ یہ کتنی عجیب اور شاندار منجھکا چیز بات تھی کہ دو دھڑس ایک دوسرے کو اوداغ کر رہے تھے۔

”بانو! مجھے اپنی پشت سے شانہ کی لپکا پاتی ہوئی آواز سنائی دی۔“

”ہوئی!“ میں نے ٹھکر کر اس کی طرف نہیں دیکھا۔ میری نظرس فکس پر جمی ہوئی تھیں جواب مجھے ایک دھندلے سے سانس کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ جلد ہی وہ تاریکی میں مغمم ہو گیا اور تب میں ایک طویل سانس لے کر شانہ کی طرف مڑی جو میرے بائیں پیچھے کھڑی ہوئی تھی۔

”بانو! شانہ پھر لوٹی۔“ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے کہ آپ نے بتایا تھا کہ یہ شخص بہت چالاک ہے۔“

”ہاں، تو؟“

”مجھے تو یہ بہت ہی بے وقوف معلوم ہو رہا ہے۔“

”وہ کیسے؟“

”کیا ہم اس وقت یہاں سے پرداز نہیں کر سکتے؟“

میں نے ایک طویل سانس لیکر دونوں ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیے اور مسکراتی ہوئی بولی۔ ”تم نے بالکل درجی بات سوچی جو میں سوچ رہی تھی لیکن اس کے بے بات کہی ہے تو میرے ذہن میں دفعتاً ایک اور خیال آیا ہے۔“

”یعنی؟“

”فکس آنا بے وقوف نہیں ہو سکتا۔“

”تو پھر؟“

”شائد اس میں کسی اس کی کوئی چال ہے۔“

”چال؟“

”ہاں!“ میں نے شانہ کے کندھے پر کچھ دباؤ ڈالنے سے پہلے کہا۔ ”مگر فی الحال اندازہ لگانا مشکل ہے کہ وہ چال کیا ہو سکتی ہے۔“

”تو اب آپ کیا کریں گے؟ کیا یہاں سے فوری رونا لٹکی کا اندازہ نہیں ہے؟“

میں ذہنی طور پر اپنی لمبکھی مٹی کی مہلے اس سوال کے جواب میں کچھ بھی نہیں کہا اور دروازے کی طرف مڑتی ہوئی بولی۔ ”آؤ ذرا پالٹ کر کیمین کا جائزہ لے لیں۔“

شانہ میرے ساتھ پہلی کو پٹر کے پچھلے حصے سے اتر آئی اور پہاڑوں کی صفوں کے ہمیں اپنی لپٹ میں لے لیا۔ ہم دونوں کھپانے لگے۔

پالٹ کر کیمین میں نیفیٹ شاد کی لاش موجود تھی اور اس کا چہرہ خون میں ڈوب کر بڑا بھانک نظر آنے لگا تھا۔ اس کے کپڑے بھی خون میں تر تھے اور سرخ جینٹوں سے کیمین کی دیواریں بھی متعش ہو چکی تھیں۔

شانہ نے لاش پر بس ایک اچھٹی سی نظر ڈالی اور پھر

دوسری طرف دیکھنے لگی۔ اس میں اتنی بہت منظر کو درست دیکھتی رہتی۔

میں نے لاش کو گھسٹ کر پہلی کو پٹر کو پالٹ کی نشست کے برابر میں بٹھائی۔ ہاں لئے تیار ہو جاؤ۔“

”اوہ!“ شانہ کے منہ سے اتنا ہی نکل میں نے پالٹ کی نشست سنبھال لی۔

”اب جو کچھ بھی ہو، دیکھا جائے گا۔ میں جی؟“ شانہ سوادہ نظروں سے۔

”اگر فکس نے کوئی چال ہی چلی ہے تو سوچ سوچ کر وقت ضائع کرنا حماقت آدمی اس میں کوئی شبہ نہیں۔“

پہلی کو پٹر ایک دیکھ لاش میں لمبہ ہوتا پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ دفعتاً میں بول کھلا گئی۔

”سے پہلی کو پٹر کو پٹر ذہن پر آکر دیا۔“ دائرہ میں آیا تھا کہ پہلی کو پٹر کو خاصا بھگڑا لگا۔ ایہ پہلی کو پٹر کو پٹر پر پڑنے لگا دیا گیا جو شانہ جیسے نکلی تھی۔

”ماں کا ڈا!“ میں نے ایک طویل کیا کوئی خرابی ہے انجین میں؟“

”نہیں۔“ میں نے ہونٹ پیچھے نہت۔

”تو پھر؟“

”بس کھمت تیلنے والی سوئی ٹوٹی۔“

”سچ میں؟“ اگر فکس اتنے اطمینان سے ہیں کہ خرابی کی وجہ سے رات میں پرداز کرنا ممکن۔

”دن میں پرداز کرنا ممکن نہیں ہے۔“

”سورج سے سمت کا اندازہ کیا جاسا۔“

”ہوئی۔“ شانہ نے ثابت میں سر مٹا لیا۔

”تو اب کیا ہیں رات میں پھر بس کرنا؟“

”کم سے کم فکس تو یہی چاہتا ہے۔“ میں صریح سمت کا انتخاب کے بغیر پرداز کر لیا۔

”دیکھ سکتے ہیں ممکن ہے کہ ہم سب کے برت؟“

”اور یہ بھی ممکن ہے کہ۔۔۔“ بس یہی کہہ سکتے ہیں۔

پہلی کو پٹر کا چنچ بستر پر توجہ دیا رہا تھا۔

بند نہیں کیا تھا کیونکہ میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔

”اگر فکس کو سبب تو بس ایک حماقت ہوگا۔“

میرے اعلان پر زنا سا مہو تھا۔

”کہا ہے تو انجین بند کیجئے؟“ شانہ بھارتی آواز میں۔

”وقف میں ایک خط ناک فیصلہ کر چکی تھی۔ میں اب پھر نفسا میں بند کر کے چلی گئی۔“

”شانہ! بول کھلا کر بولی۔“

”مردت اتنے بڑے خطرے سے دوچار ہے کہ وہ خطہ مول لینے سے دریغ نہیں کرنا چاہتا۔“

”میں مل ایک پیچھے ہی جاؤں۔“

”کے؟“

”کہ تو کہ ایک حب الوطن لوگ ہو۔“

”طلب نہیں تھی۔“

”اپنے وطن پر قربان نہیں کر سکتیں؟“

”شانہ! مجھے ہونٹوں پر سکوت چھا گیا۔“

”پرداز جاری تھی میری نظرس سانسے جی ہوئی۔“

”ہو جاتی تو ماراوش پیش آسکتا تھا۔“

”پہلی کو پٹر ایک رادی میں پرداز کر رہا تھا۔“

”میں جانب گھوم گئی تھی۔“ سانسے ایک پہاڑ لڑا۔

”غیر معمولی نہیں تھی۔“ میں پہلی کو پٹر کو اس کے اب ہم کچھ ایک رادی میں پرداز کر رہے تھے۔

”لو!“ میں نے شانہ سے کہا۔ ”اگر کہیں روشنیال

”اے بہت آہستہ سے کہا تھا۔“

”میں نا معلوم منزل کی طرف بڑھتا رہا۔ تیرہ دن دار آواز سے گونجتی رہی پرداز کرتے ہوئے۔“

”میں نے دیکھ کر اطمینان کی سانس لے کر ہم لہرائے تھے اور پہلی کو پٹر اب مردانہ علاقے بٹھانے کو ابھی تک پیچھے کسی جگہ روشنیال دکھائی۔“

”مردانہ کر لیا تو میں نے ایک ٹھنڈی سانس لے لی اور پہلے میں بڑی سے پیٹھ کی کا ناملہ اتنا زیادہ۔“

”میں تو یہ بڑے اطمینان کی بات ہے کہ پہاڑی ہیں۔“ شانہ نے کہا۔

”میں سر ہلا کر انہی صورت حال زیادہ تشویشناک۔“

”میں کہ ابھی تک کسی جگہ روشنیال دکھائی۔“

نہیں دیں۔“

”غالباً ہم ابھی تک کسی آبادی کے اوپر سے نہیں گزرے۔“

”ذرا دیر خاموش رہی، پھر شانہ بولی۔ یہاں کی فضا خاموشی گرم ہے۔ میں اپنا کوٹ اُٹار کے دیتی ہوئی۔“

”اکارو۔“

”شانہ نے کوٹ اُٹار کر اپنی گود میں رکھ لیا۔“

”کچھ دیر بعد میں نے شانہ سے کہا۔“ اب ہم زیادہ دیر تک پرداز جاری نہیں رکھ سکتے۔“

”کیوں؟“

”ایندھن ختم ہو رہا ہے پہلی کو پٹر کا۔“ میں نے جواب دیا۔

”ہمیں پانچ منٹ کے اندر لینڈ کرنا ہے۔“ میں نے جواب دیتے ہوئے پیچھے نظر دوڑائی۔ ہمارے لینڈ کرنے کے لئے جگہ کا انتخاب کر لیں۔

”وہ قطعہ زمین کچھ سنگلاخ سا تھا جہاں میں نے پہلی کو پٹر اتارا۔“

”یہاں بھی ہر سمت گھومتی رہی پہلی ہوئی تھی۔ میں نے انجین بند کیا اور پٹر شریعت کے ساتھ پہلی کو پٹر سے اتر گئی۔“

”میرے پیچھے شانہ بھی اتر گئی۔“

”خبردار، خبردار کی آواز میں گونجی اور بہت سے فوجوں نے نذرانے لگے اور شانہ کو کھینچ لیا۔“

”ان لوگوں کی لٹکار سننے ہی میں نے اپنے ہاتھ سرکھاپا اٹھائے تھے اور شانہ سے بھی ایسا ہی کرنے کے لئے کہا تھا۔“

”اس کے برخلاف کرنے کی ہمت میں یہیں کھن تھا کہ ہم دونوں کے ہم کو گولوں سے چھلنی کر دیے جاتے۔“

”آپ دونوں کو ہن؟“ ایک مختصر زندقہ کی آواز سنائی دی۔

”بے سے اندازہ ہو کر تھا کہ بولنے والا کوئی دھڑکتا نہیں بلکہ آفیسر رنگ کا آدمی تھا۔“

”آئی رات کے ہم دو دھڑوں کی ایک پہلی کو پٹر سے اتر کے دیکھ کر ان لوگوں کو حیرت تو کونامی جا رہی تھی۔“

”کیا میں پاک فوج کے کسی افسر سے مخاطب ہوں؟“ میں بولی۔

”یقیناً۔“ وہ جواب دیتا ہوا میرے بالکل سامنے ٹھکرا ہوا کیمین اندھلا اترتا تھا کہ ابھی مجھے اس کی شکل دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

”کیا آپ بتائیں گے کہ یہ کون کی جگہ ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”اکی مطلب!“ لیجئے کہ ہر دو چند ہو گئی۔“ آپ یہاں عودی آئی ہیں اور اب کو نہیں معلوم کہ یہ کون کی جگہ ہے۔“

”ہاں، مجھے نہیں معلوم بلکہ میری اس عدم واقفیت کی تشریح میں خاماقت ضائع ہو جائے گا جبکہ۔۔۔۔۔“

”خاتون! وہ میری بات کاٹنا جو اہمیت انداز میں بولا۔“ بہتر ہوگا کہ آپ وقت ضائع نہ کرنے کی پرواہ کے بغیر میرے سوال کا جواب دیں اور اپنی مشتبہ فوڈیشن کو صاف کریں ورنہ میں کوئی سخت تدبیر غنائے۔“

فوس کے ٹھہرنا نہ کر سکتے ہوئے جاگ نکلے یہی کی سوچی ہوگی
 تاکہ فوج کے پاپا یوں نے اس کی خواہش کو روزہ گرد نہ دیا تھا۔
 اسے ہم میں ایک دقت پانچ گویاں پوست ہوئی تھیں اور موت
 اسے ایک لمبی کی جبلت نہ دی تھی۔ اسے یہ بھی ہو سکتا تھو
 لی کہ اس کا تھیںبیرہ تھو، یہی کی وجہ سے اس کو موت کی دلیسر
 پڑی تھی۔
 پاک فوج کے انیسرے فوس کی کش پر تازہ صبح کی روشنی ڈالی
 ہر جگہ کو اس کی بھنی دیکھی۔

کینی ہیڈ کو ارد گرد کی طرف بڑھتے ہوئے
 لے جاتا ہے۔ کینیٹن انوار جو ۳۰ فوٹ ورجنٹ
 یعنی مائل سے متاثر کرنے میں کامیاب ہے

۱۔ بتائیے پوچھا۔ ان قیاسات کی روشنی میں
 کون کون سے حکماء نے کہا کہ تو انشاء اللہ اُسے
 مدد کریں، مگر کارڈ پر پہنچ گئے اور بت میں نے
 بھی جا چکی ہوئی کہ میرے سامنے کوئی دہ شہرت نہ
 والی ہے منٹ جائے، اتنا ہی بہتر ہے۔ آپ یہ
 فرمائیے؟

”وہ بلی کو بڑھ کر کہاں سے آگیا۔ اگر بلی گناہ گار تھا تو آپ کو اس کا ظلم کیسے ہوا؟“

”وہ“ میں سہل کر۔ ”اس سائے حائل کا احاطہ صرف منطق سے ہوتا ہے۔“ میں نے ایک لمبے وقفہ کیا، پھر بلی نے مجھے اس وقت ذہنی کیسوٹ حاصل نہیں ہے اس لیے شاید میں نہیں اس انداز میں نہ بتا سکتوں جس طرح میں نے سوچا تھا اور ایک عجیبے کیسے کیسے کیسے۔ بہر حال میں نہیں سمجھنے کی کوشش کرتی ہوں۔ یہ بات تو سچی ہے کہ کرپوریشن ریسٹ ہاؤس کی طرح جو حکام ہوا تھا اس کی اخلاق کسی نہ کسی طرح میں گڑبگڑا رہے تھے۔

کو ضرور دیکھ لی ہوگی۔ اس کا نتیجہ یہی نکل سکا تھا کہ میرے کوادرٹ سے کسی
بہن کو پشیز کو اس بہن کو پشیز کی تلاش میں روانہ کر دیا جائے۔ یہ بات دُش
نے بھی ہوگی ہوگی اور اسے اپنی کوئی وی کاغذ شرافت کو کیا ہوگا اس لئے کوئی
اُدے لکھنے کی پروا نہ کیے لکھنے کی اُس نے بہن کو پشیز کوادی کی میں اس کا رویا
تھا۔ وہ ان اُس نے ہمارے ساتھ آزاد اختیار کیا وہ غرض ایک دُور لکھتا تھا۔
اُس نے ایک ایک ایسا لکھ لکھ کر یہی کو پشیز لکھنا پڑا ہے اور وہ خود لکھنے
میں چھپ جائے تاکہ اگر کش کرنے سے بہن کو پشیز نہیں پائیں تو وہ غلط
رہے اور موقع دیکھ کر بچے سے نکل جائے۔ غرض یہی ہمیں بھیجی ہو نا؟
”مجھے کوئی کوشش نہ رہی ہوں۔ آپ کہتی رہے۔“
”دُش کا اس مسودہ دینے میں روجا ناچھے ملائے نظری معلوم
ہوا تھا کہ کوئی شخص مجھ کو جانے تو قلب شمالی کے دروازوں میں ہی لالت
بھر چکے سکتے ہیں اگر مجھ کو یہ نہ ہو تو کسی کی کوادی میں بھی جھپکا تھا
ہے۔ میں نے اس انداز میں سوچا تھا کہ اگر اس موقع پر دُش کو کسی کی مجلس خود
ہوئی تو کیا کرتی ہے میرے ذہن نے اس سوال کا یہ جواب دیا کہ میں بہن کو پشیز
کے پچھلے حصے میں چھپ جاتی یا پھر مجھے لیتیں ہوگی کہ دُش کو کسی کے بھی ایسا
کی کیا ہوگا۔“

”یقیناً..... یہی کوئی کڑا کاہہ ان کیوں نہ لانا اور اتنا جو حکمت بتاتا ہے“
 ”ممکن ہے کہ وہ ای دقت نہ لانا جو جب تو کسی نے یہی کوئی کڑا کوادی
 میں آنا اور اتنا دیر کی ممکن ہے کہ اسے تو کسی نے نہ لانا۔ وہ نہیں چاہتا ہوں گا
 کہ میں رات میں پرواز کروں۔ اس آئے کے بغیر رات کے دقت یہ رات میں
 کی جا سکتی، جبکہ دن میں سورج کو دیکھ کر حکمت کا اذکار دیکھا جا سکتا ہے۔“
 ”ان سب باتوں کے باوجود یہ یقین ہے نہیں کہ ابھی اتنا کڑا تو کسی
 یہی کوئی کڑا کے پھل جیسے میں موجود ہوگا۔“ شائن نے ٹوٹ جھاری بھی ”آپ
 نے یقیناً انہی کو یہ بات اس طرح بتائی تھی جیسے آپ تو کسی کو وہاں دیکھ
 چکی ہوں۔“

”ایک طرح سے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ میں نے اُسے دیکھ لیا تھا۔“
”کب؟“ شہانہ نے چونک کر پوچھا۔

”شاید تم نے درہانہ دیا یا کوہ پبل کو پڑھ کر میں رات آتی ہی میں
بڑی تیزی سے بچے اترتی تھی۔ میں تو کس کو موقوف نہیں دینا چاہتی تھی
کہ وہ بچے سے اتر کر کس وقت نکل جائے۔ اگر میں نے یہ سمجھ لیا
تو دکھائی جوتی وہ واقعی نکل جاتا جب میں بچے کو دیتی تو یہی کہ کو پڑ کر بچلا
دروانہ ڈرنا سا کھل چکا تھا۔ تو کس نے وہ دیکھ کر اس کا مزہ نہ کھ لے
بنائی ہوگی۔ مجھے دیکھ کر میں نے جلدی سے دروانے کو پوری طرح بند کر دیا۔
میں نے ٹھیکیدوں سے یہ سوچا تھا کہ دیکھ لی تھی۔ مجھے کچھ تو کس نظر نہیں آیا
تھا کس طرح اس دروانے کو کھولنے اور بند کرنے والا تو کس کے ہوا کوں
ہو سکتا تھا؟“

اس سے پہلے کہ شائبہ بھر کوئی سوال و ابغ دیتی، کیپٹن انوار ہماری

مگر کن راجع حکم نہیں ملا ہے۔

میں نے انٹرنیٹ پر آئے ہوئے ایک آرٹیکل دیکھا۔
 ایک بے کار آپ کے ہاؤس میں رہتے ہوئے راولپنڈی میں بھیج دی
 وہیں سے احکامات ملنے کا انتظار ہے۔“

میں نے خوش ہو کر کہا: ”یہ بہت اچھا ہوا۔ میں بھی جانتی
 ہوں کہ صدر عدالت کی جگہ پر نیچے کی سیٹیں پیدا ہوا ہے۔“

لالہ کے کہہ کر میں نے کوئی آپ کو کہنے کے لئے کہا۔“

لالہ کا جواب تھا۔

لے دیا یہاں سے کہا کہ وہ ایک اسٹریچر اٹھا لیں۔
اسٹریچر پر ایک درخت کے نیچے ڈال دیا گیا اور کپڑے اتار دیے
مگر ایک جندہ موت ہو سکتا تھا۔
بے نقاب ہے۔ "میں نے کہا اور شہناز کو ہدائے کر
اسٹریچر پر لیٹ جاؤ؟
ہاں کے بغیر اسٹریچر پر لیٹ گئی۔

میں نے کہا کہ میں نے اسے دیکھا ہے۔
 وہ کہنے لگا کہ میں نے اسے دیکھا ہے۔
 وہ کہنے لگا کہ میں نے اسے دیکھا ہے۔

ماہانہ کرنے کے دوران میں کمیٹی ان اتوار تے مجھے بتایا کہ
ایسا ہے۔

”کیا بوڑھا کوئی بہت اہم حکم دے گا“ میں نے سوال کیا۔

”پھر اسراہیل کا مطلب ہے؟“
 ”سازے چار بجے ہو کر گھر لوٹ کر یہ اعلان کیا گیا تھا کہ وہ دو
 حلقہ دار قبر نمبر ایک میں دو مہل جو پختہ باشند ہوگی بھی مقفول
 سلطان کو اس واقعہ کے حلقہ دار قبر نمبر ایک کے لئے آج کوئی دوا لنگ نہیں
 ”محب بنیام نہیں“ میں بڑبڑائی۔ ”غالباً... کو دور ٹوڑ
 ”غالب ہے۔“

”اس میں کوساید خاصا دقت لگ جائے گا۔“ میں بڑبڑاؤ
 ”مزوری نہیں ہے۔“ کیٹین انوار نے کہا۔ ”اگر دونوں انفر
 دھانے کر دیا جائے اور وہ بلی کو پتر سے روانہ ہوں تو بہت جلد
 خاتمہ ہو جائے گا۔“

”کون نہ آپ بھی کچھ ذرا آرام کر لیں۔“ کیپٹن انوار کی آواز نہ
میں چونک کر مڑی۔ وہ میرے بالکل عجیبے آکھڑا ہوا تھا۔
”نہیں کیپٹن! شکریہ!“ میں نے مسکاکر کہا۔ ”مجھے اس عالم
تھی۔“

صرف دیکھتے ہوئے کہا۔

غیر اچھا اور بڑے معنی انداز میں مجھ سے باتیں کر رہا تھا لیکن میں دھم سے کہہ بیٹھی کہ اس کے سینے میں اضطراب کا ایک سمندر کڑو میں بدل رہا ہوگا۔ لیکن میں غامضی طو پر ہول سے متاثر نہیں بنی لیکن میرے دل و لہجہ ان جھانکوں کی طرف گئے ہوئے تھے جو کسی وقت بھی مٹانی نہیں سکتے تھے۔ میں جانتی تھی کہ دھلی کی ہون لٹ کا یہ سکوت کسی بھی جگہ پر کھینچنے کے گا اور پاک فوج کے ایک ایک سپاہی کے سر پر ایمان کی گھڑی اکبوتیچہ کے میں اس بات سے بہت خوش اور مطمئن تھی کہ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا تھا۔ پاک فوج کی ہائی کمان کے علم میں یہ بات آچکی تھی کہ عسکارتی لینا کا وقت آج پہنچا ہے۔ تاہم کھانہ اس افلاں کو نظر انداز کیا گیا کہ شادیاں وقت بھر جزل سرسبز زرخاں لاہور کے دفاعی پلان پر مزید غور و خیر کر رہے ہوں گے۔

میں ان خیالات میں کھوئی رہی اور وقت گزرتا رہا۔ رات دھلی کی بے بیج قریب آتی جا رہی تھی۔ وہ صبح جسے پاکستان کی تاریخ میں اُتر جانا تھا۔ وہ فضا کی ہر ہر گھڑی میں کھینچ لی۔ تاہم میں ہندو کوڑے سے دائرہ پر سر پر افلاں کی قہقہہ کی دنیا دھماکا دھمکائی ہے پاکستان کے علاقے میں داخل ہو چکی ہے۔

یہ خبر پڑی تھی میری کہ ایک ایک سپاہی تک پہنچ گئی اور مورچے "نرو" وغیرہ سے گرنے لگے۔ سپاہیوں میں ہلاک ہوش اور دلور پیدا ہو گیا تھا۔

میں نے اپنے دو ہاں ٹخن میں تیزی میں عروس کی اوڑھنیں افلاں سے بڑھا دیں وہ عذاباں سے کئی دور پہلے ہر طرف سے آ رہی تھیں۔ "میں ان سے جھڑپ میں دلور... اس طرف! ایک ایک افلاں نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے ہوش افلاں میں کہہ "خدا کی قسم میں کو خاک میں بنا دوں گا!"

"وہاں میں ہمارے جوانوں کی نعروں گے نا؟"

"کیوں نہیں؟ وہ افلاں ہر گھڑی ہر طرف ہر طرف میں دیا گیا ہے اور ان کی ایذا میں کئی قیادت شایر بھر شفقت و بیج کر رہے ہیں، لیکن اگر سرحد کے کسی حصے میں ہمارے جوان نہیں ہوں گے تو کیا ہے؟ ہمارا خدا تو وہاں ہوگا۔ کہ وہ ہماری حفاظت نہیں کرے گا کیا وہ ہمارے پاکستان کی حفاظت نہیں کرے گا؟"

میں نے غصے سے کہا کہ لیکن افلاں جڑاتی ہوتا جیلا جلا رہا تھا اور فاب میری حالت بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھی۔

ہمارے غازی پیر میں کئی نانا تھا لیکن کسی بھی لمحے اس شائے میں شکاف پر سر نہ تھا۔ لیکن خدا کی عسکارتی لینا کو ایک ہی سمت سے ہوتی۔

دقتا کہیں افلاں زمین ہی پر پڑے ہیں گرگیا اور بڑھانے لگا لیکن اس کی بڑبڑاہٹ اتنی صاف اور واضح تھی کہ میں نے اس کا ایک ایک لفظ سنا۔ وہ کہہ رہا تھا "میرے مالک اب میرے جود ایشاد وہ جہاں کے حصے میں مجھے شہادت کی توفیق عطا فرما!"

"آہیں! میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔"

کیونکہ افلاں کو میرے سے اٹھا اور دوڑتا ہوا ایک مورچوں کی طرف چلا گیا۔ یہ آخری موقع تھا جب میں نے دیکھا کہ ایک فوج کے اس جوشے سپاہی کا سختی شہادت اٹھ بھگت کر رہا تھا۔ یہ سپاہی جیسے ہی کی حفاظت کے بار بار اٹھا تو دشمن کے ایک ایک گولہ اس کے جسم سے شہادت کی عروس کے ہاتھوں میں شرح ہندی رشک کی بنا کر دھن دھن سے، یہ خاک و دھول خدا رحمت کندہ اس عاشقان پاک

●●●

کیونکہ افلاں نے مورچوں کی طرف جھانک کر یہ حالت تھی جیسے فضا میں اڑتی چلی جا رہی ہوں۔ یہ جوں جوں کے کوا جا رہا تھا اٹھ رہا تھا۔ دشمن کے ایک ایک لمحے اپنے دل پر عروس ہوتی تھی اور میرا ہر بڑی دھماکا کہ میں بھی اپنے سپاہیوں کے دھن دھن لڑاں طوفان کا دھڑلے سے لے کر اس آہنی دیوار کی ایک پاک فوج کے ہاتھوں نے سرحدوں پر گھڑی کی ہوئی میں جذبات کے دھانے میں اس طرح بہا

اعتقاد نہ رہا۔ مجھے احساس نہ رہا کہ میں کیا کر رہی، اڑ رہی تھی، شاید میں کسی عورت میں جنگ رہی تھی، ہاں، تھی اور ہر جگہ تھی۔ میں اپنی اس کیفیت کو بیان کرنے اور لفظوں سے میری اس کیفیت سے بنا دت کو میری ناہمیاں اتنے مٹتی افلاں میں حرکت کر میں انٹی چلی جا رہی ہوں مجھے قطعاً احساس نہیں صا تارک فضا میں ذریعے ساف سرسبز رہے ہیں اور اس سے اندازہ ہو چکی ہے۔ وہاں گولیاں مل رہی ہیں اس پر پڑنے جا رہے تھے۔ جنگ ابی ابتدا کر رہی تھی، اس رائی نہیں بھڑکا رہا تھا۔

جب وہ دھمکھڑکا گیا تو اس کی فوٹاں اور میں اُونڈے منہ پر بڑی اور میری کہناں بڑی دھماکے کے دھمکوں کا ایک مرکب تھا۔ مستعد و تھیں۔ اس دھماکے نے میرے ہوش دھماکا کر، اس ہوا میں ہوش دھماکا میں عین خاک کے قریب سے اُٹھی اور اُدھر اُدھر دوڑنے لگی۔ اب صبح طو رہا تھا کہ میں کس سمت سے آئی تھی۔

میرے قدم ایک طرف اُٹھے گئے۔ میں آج بھی لیکن میرے ہوش اور دھولے میں کوئی

نالی سے ہے تھے خود میرے سینے میں بھی ایک عروس ہوتی، اُن کی تان پہاڑ کی طرح چوٹ پڑنا چاہتا تھا۔ میں لاہور کی پوری شہر کو کے لیے اپنے سپاہیوں کے دھن دھن ہر گھڑی تھا کہ میں اپنے سپاہیوں کو لڑتے ہوئے لاہور میں تڑپا ہوا دھمکوں کو۔

مسلحہ گرج رہی تھی اور دھول کے شعلہ صاف نظر آنے

ایر میڈی چوٹ رہی تھی جب میں نے خود کو ایک بستی میں اپنے کے سامنے کلاں پر دیوانی چائی ہوئی تھی۔ یہاں ہر سے سب کچھ جھڑکا رہے تھے چائے تھے اور اس کا دھن دھمک شایر کہ میں نہیں رہا تھا۔

لانگ کے دھولے ملک کا رہنے تھے۔ مجھے بڑی لذت تھی اور جب پینے میں شرا بہ تھا۔

اس کے کسی مکان کی بھٹ پر چڑھ کر عاز پر لڑتے ل کر کہ میری تھی لیکن اس سے پہلے میں نے حق کو تو میرا ماننے پڑے تھے۔ میرا خیال تھا کہ مجھے کسی ل کی لڑی جا رہے گا۔

اس کے بڑھ کر ایک گیس میں مڑی اور میرا ٹھیک کر کے مجھے ہونے دھانے پر ایک لمبی عورت اٹھنے سے سر نہ لائے ایک سمت میں گئے جاری تھی اور دھمکے کے سامنے پیچے ہوئے تھے۔ میں ٹھیک کر کے بڑھی اور اس کے بالکل قریب پہنچ گئی لیکن ان کی لڑی نہ لایا۔ وہ دھمکائی ہمارے بے خبر معلوم ہو

لے لے آہستہ سے نکلا۔

ایک بڑی سے کسی بھڑکا ہوا گولہ سے میری اُپر دھمکے کا ایک لہری اُٹھی اور دھن دھن لہریاں مل گئیں لیکن جب اس کی نظر پڑی تو اس کے اُپر دھمکے اور دھمکے میں مدد ہو گئی۔

ہاں! "تم یہاں کی کیا کر رہی ہو؟"

اُدھمک رہی۔ اس کے ہونٹ کھلے رہے تھے۔

ایک لہری کے ایک گاؤں میں ہوں چاہتے ہیں نے

ایسے تھے اسی اوہ؟"

لہر لہنے لگی۔

والہ کیا لے؟ میں نے پوچھا۔

اس لے آہستہ سے جواب دیا۔

میں نے دھمکائی نہیں؟"

"نہیں۔"

"اُس نے مجھے کھلے کی کرے ہے اُدھمک ہواں دی گرجا جانی دای۔"

مجھے تباہی و بربادی کی ایک خوف ناک کھمک شروع ہون والی ہے میری پتہ نہیں کہوں تھوڑے۔"

"میں انہوں میں ماسکو کیڑے! بڑھی اپنی آنکھوں میں آنسو لاتی ہوئی لوی۔" یہ تین تین تین کے لیے میرا ہوا تھا۔

"جاؤں کو لے؟"

"میرا پتہ؟"

میں بڑھی کا منہ دیکھتی رہ گئی۔ وہ بڑی دھمک معلوم ہو رہی تھی۔ مجھے اُس کے بالے میں سب کچھ جانے کا سختی ہو لیکن شوق کی لہریاں مجھ سے پہلے ہی کی لہریاں شروع ہو چکی تھیں اور کھنک کھنک ہونے لگی تھیں کہ میرا دل اس شکل ہو گیا تھا۔ میں نے بڑھی سے پوچھا۔ "میں زانی کی جانے گا؟ میں بڑی ترائی آں۔"

"اندھ رہا جا کر رہے! میں اتنے ہی آں۔ تو آئے اسی پانی لے۔"

میں گھڑی داخل ہوئی۔ میں میں بھڑکی لہری کی مٹی نظر آئی۔ مٹی پر مٹی کا پانی بھی رکھا ہوا تھا۔ میں نے بھی بھڑکی پانی پانی نہ دھالی کی ہوئی۔ اس وقت مجھے شہر کا خیال آیا۔ میں اسے پہلے اور دھمکائی تھی۔ اب تک وہ لہنا جاگ چکی تھی رادینڈی سے وہ افسر بھی مجھے لینے کے لئے پہنچ چکے ہوں گے اور اب کسی سے ہونے کا علم ہو چکا ہوگا۔ نہ جانے اُن لوگوں کی کیا سوچ ہو، وہ برائیاں تو خود ہونے ہوں گے۔ مجھے ان کی برائیاں سے زیادہ شہادت کی تھی لیکن مجھے یقین تھا کہ اُسے یہ حفاظت اُس کے گھوڑ پوچھا دیا جائے گا۔

میں اٹھ کر دھانے کی طرف چلی۔ وہ بڑھی دھمکائی دھمکائی ہوئی تھی اور میں اس کا فوج چاہتا تھا۔ شاید میں اس کے کسی کام آسکوں۔ یہی سوچ کر میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور آہستہ سے لوی۔

"ہاں ہی! تہاں جا کر رہے کیا ہوا لے؟"

"بڑھ لے! بڑھی عورتی ہوئی آواز میں لہری۔" اُونڈے اور پاجیا دھن دھن لے۔ اوکھ سویرے اُونڈے کی اسی اور آج اُنہوں واپس آئے۔

"بڑھ لے! بڑھی عورتی جواب دیا۔ اُونڈے بڑے زور دی لڑائی ہوئی پئی لے۔"

"تہاںوں کس طرح پتہ لے؟"

جواب میں بڑھانے ہوئے کہ تباہی اس کا لپٹ اب یہ تھا کہ میری دیر تھل پکتی تو میری وہاں پہنچے تھے اور انہوں نے گاؤں کے لوگوں سے کہا تھا کہ وہ خود اپنے گھروں کو خیر باد کہہ کر سرحد سے واپس چلے جائیں۔ عورت یہ تھا کہ کسی وقت بھی یہ گاؤں جنگ کی لپٹ میں آسکے۔ ہاں سپاہیوں نے بتایا تھا کہ ہڈی کے علاقے میں شدید جنگ ہو رہی ہے۔

ان دونوں جاہل سپاہیوں کی آپس کی بات چیت اور دلائل کی کڑی
والی باتوں سے مجھے یہ علم ہو گیا کہ ان دونوں میں سے ایک شخص
مشرعہ تھا اور دوسرے شخص بحیرہ راجہ ریز یعنی !

ہم انھیں نہ دیکھیں اور میری بوجھ میں نہیں آیا کہ میں

جی یہ کتب میں علامہ اس وقت بائبل سمجھ رہے تھے۔

لوئے اور مختلف کسوں کی لکوائیاں، عامل بائیں کی ادارہ و پائل روکن کی طرح منڈولی ہوئی ملتیں اور میں اس سے کسی کی بھی نہیں آسکتی تھی لیکن مجھے اب یہ خطہ کوئی لینا ہی تھا۔

میں نے لڑھی کو کوسٹر پر لٹا کر اسے شیک سے حاور آؤ احوالی اور پھر بیکر کو دیاں سے روانہ ہوئی کہ کمرے تک واپس آ جاؤں گی۔

انسان بعض اوقات بڑے اعتبار سے کوئی بات کہہ دیتا ہے اور اس وقت قدرت اس کی بچہ نہ خوش قسمی پر بے اختیار مسکرا دیتی ہوگی۔ جب میں بیکر سے روانہ ہوئی تو رات کے دس بجے تھے۔ میں دس بجے گھر کے پاس تھی اور میں نے اپنا پرس وہی چھوڑ دیا تھا۔ یہی ایسی کوئی چیز ہے جسے میں نہیں رکھنا چاہتی تھی جو میرے دسمانی ہونے کی نفی کر سکتی صرف غم کی میں نے اب بھی باہر رکھی تھی تاکہ گڑبے سے ہونے وقت کی باتیں مجھے سنائی دیتی رہیں۔ میں نے بس اتنی اصطلاح کی تھی کہ غم کی باتیں سنیں سے جتنا کہنے کا موقع مل سکے۔

جنگ چھڑے ہوئے چالیس گھنٹے سے زیادہ گزر چکے تھے لیکن میں اب تک اس بات سے بے خبر تھی کہ یہ آؤٹ کس کوٹ بچہ رہا ہے۔ میں اس صورت میں واقف نہ تھی کہ مجھے دیکھ لیتے کا موقع مل جاتا۔ میں اس سے بھی بے خبر تھی کہ جنگ کتنے عازروں پر ہو رہی ہے۔ ویسے مجھے یقین ضرور تھا کہ کوئی عازروں پر مرکوز ہو رہا ہوگا۔

میرا یہ کارڈ کاؤں کی طرف بڑھنے کے لئے میں نے سیدھے راستے کا انتخاب نہیں کیا تھا کیونکہ اصرار سے طے میں مجھے یقینی طور پر جنگ کا انداز بننا پڑا۔ میں نے پہلے تو زمین میں ہل چل کر روک کر بار کی اور اس کے بعد مشرق کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ مجھے ایک گاؤں کے قریب سے گزرنا پڑا جس کی آبادی وہاں سے منتقل ہو چکی تھی تین چار میل آگے جا کر میں بائیں جانب گھومتی اور اس طرح چالیس کے قریب پہنچ جاتی۔ میں پسینے میں خراب اور تھکی اور نمازی قریب کے ساتھ ساتھ میرے دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہوتی جا رہی تھیں۔

جب میں نے اپنے قریب و حوا میں فوجی نقل حرکت کو محسوس کیا، زمین پر لگتی ہوئی بڑی برشیاں اور امتداد سے آگے بڑھنے لگی۔ اب مجھے احساس ہو رہا تھا کہ جڑا بے سبب پہنچا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ راستے میں غاصی دور میں اور دشواریاں موجود تھیں۔ ایک نار بھی تھا جسے عبور کرنے میں مجھے مشکلات پیش آئیں۔

اب نشین گنوں کا شور بھی صاف سنائی دینے لگا تھا لیکن اس کا شور میں رائفوں کے دھماکوں کی تیز آسانی سے سکی جاسکتی تھی۔

اب ایک گاؤں کے آٹھ فٹ گز کرنے لگے تھے اور میں بس قیاس کر سکتی تھی کہ میں یہاں گاؤں ہوگا۔ مجھے یہ یقین نہیں تھا کہ اس گاؤں کے پاس زندہ سلامت ہوں لیکن ایک لڑھی میں سے یہ ہوا وعدہ مجھے بخود کر رہا تھا کہ گاؤں میں داخل ہو کر اپنے خیال کی تصدیق کروں۔

میں بند فوج کی نقل و حرکت میں غاصی تیزی نظر آ رہی تھی۔ مرکوز

لے تانت سے مرکوز رہیں، جاری نہیں رہیں گے۔ وہاں ہونا چاہیے کہ میں نے اس کے قریب کی طرف جا رہے تھے۔

میں نے لگتی ہوئی آگے بڑھتی رہی۔ میرے اس حصہ تھا کہ کسی وقت بھی دشمن کی نظر مجھ پر پڑ سکتی تھی۔ اس کی دھڑکنیں کا یہ حال تھا کہ میری پسلیاں پناہ مانگ رہی تھیں کہ بہت قریب پہنچ چکی تھی اس لئے مجھے اندازہ ہوا کہ مسئلہ مکانات بالکل صحیح حالت میں تھے۔ تباہی و بربادہ نظر نہیں آ رہا تھا اور اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ ہمسایہ نے اس طرف کو لہری کرنے سے احتراز کیا تھا۔

وہ نہ بچنے پانے بلکہ سر پر ایک آواز سنائی دنی میں اچھل پڑی اور چند لمحوں کے لئے میرا دل ٹپا ہوا گیا۔ میں نے ایک سیکڑ سپاہی کو دیکھا جو میرے سر کھڑا تھا۔

”تو پندرہوں کسوں نکل آئیں اس پر ہیکہ ظاہر ہے کہ میں اس سوال کا کوئی جواب نہیں اس سوال سے مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ گاؤں کے دھڑکنے۔

”جو اب کیوں نہیں دیکھی؟“ توں گونگی اس پر اس کی آواز میں کترن سپاہی اور آگے گئے میں بہر وہ بھڑا تھا اور اس وقت میرے ہوا گیا۔ اس پر وہ لگے یہ سمجھ رہے تھے کہ میں گاؤں سے نکل آئی ہوں مجھ پر فوجی قسم کے فز سے کہنے لگے اور میرا خون گھول ا ہے کہ میں اپنے فز سے کا اظہار نہیں کر سکتی تھی۔

”تو اس جان دی تو فوج کی؟“ یہ کہ ”جلی نہیں ہیں انہیں اس دنیا ای وچوں نہا دینا“

میرا جسم کھنکھار رہا کہ وہ خود کو موت سے انداز آسان بات نہیں ہے۔ ہر حالت میں ہوتے ہیں کہ اس کے لیے بھی کچھ کرنا ہے۔ لیکن اس سے پہلے کہ میں نوادہ سپاہیوں میں سے ایک نے پہنچ کر کہا کہ ساتھ ہی اس نے سیکڑ سپاہی کی رائفل کے نیچے ہاتھ اٹھا دیا۔

رائفل کا دھماکا ہوا اور مجھے یوں محسوس ہوا کہ اس کا دھماکا توئی نکل گئی ہو رہی ہے۔

”کیا پاگل ہو گئے ہو؟“ وہی سپاہی پھر لگا کہ اس کا حکم نہیں کہ فی الحال گاؤں کے کسی بھی آدمی جلتے گا۔ غاصی طور سے عورتوں کی ضرورت کہ ہر آخر ہم فوج کا جنس کس طرح سنائیں گے؟

”جواب کیوں نہیں دیکھی؟“ سیکڑ سپاہی نے انکار میں کہا۔

”ماں سے؟“ نوادہ سپاہیوں میں سے ایک نے ”تو اپنے ہونے کہا؟ اگر دوسری بار میرا سے لے کر ضرور مار ڈالی جائے گی۔“

اس کے ایک گلیا سے میں گھسی جلی جلی میری پندریا وہ بھی کر میں بیان نہیں کر سکتی۔ مجھے آخر آسانی تھی۔ اس روز مجھے میری برقیقین یا کر ”سردار جی“ کہہ میں۔ مجھے گاؤں کی طرف بڑھتے ہوئے پکڑا ہوا تھا کہ اس گاؤں سے جنگا رہی ہوں۔ تچا ہی لی بعد اس کے تھے وہ در و در و حقیقت کوٹا لیتے۔

”ایک مکان کے دروازے پر مرکوز تھی اور زور لی ہوئے تھی۔ کچھ بعد اندر سے ایک کاجیتی ہوئی کھڑک اٹھی۔“

”دلی ماری؟“ میں نے جواب دیا۔

”کھس پر سنائی دینے لگی جیسے آپس میں ملاں وہ بھتی و دروازہ کھولو!“ میں نے کٹھنی کاٹھڑا

”ٹھیک! آواز سنائی دی اور پھر دروازہ کھل گیا۔

”ہم گئی اور لولی؟“ میں دروازہ بند کر دیا۔

”اگر یہ تھو اس نے عدلی سے دروازہ بند کر لیا۔

”کیا بولتی تھی جو اب اس آدمی کی بیوی ہوگی۔

”تھو ہے؟“ میں نے غصے سے پوچھا۔

”ہاں!“ میں نے عورت سے پوچھا۔

”میں سڑنے لگی تو میں نے اطمینان کی سانس لی۔

”اگ اس میں نے کہا؟“ میںوں ایک گلاس

”ماں ہو رہا ہے۔“

”ان لیے ملے گی۔“

”ماں کی؟“ وہی عورت نے مجھ سے پوچھا۔

”ماں نے سپاہی کو کھلے سے ہرے میں؟“

”ای نظر بچا کے؟“ اسی گئی آن سینوں ایک

”اپنے چاچا گاؤں ملن واسطے برکی کرتوں

”ماں سے او؟“

”ماں سے پندوچ؟“

”ماں پر یا میرے نا؟“

”تھے میں وہ عورت پانی کا بیالے آئی۔ میں نے اس سے پال لے کر ایک ہی سانس میں خالی کر دیا اور پھر دیکھوں گے کہ انداز میں آئیں سے اپنے ہونے شیک کر کے لولی؟“ بیکر کی جلی کے میٹوں جا موڑے چاچا داکھر و خاؤ لولی تھے ماں تارا اسان جاتی۔“

”ایس ویلے سے ایسراں میں ہو سکتا ہے؟“

”کیوں؟“

”اساں لوکاں نوں گھراں چوں نکلنے دی اجازت نہیں لے لیں۔“

”دوہروں اک گھنٹے دے واسطے بار کھڑیا جانوالے۔ پندرہواں ہلیاں دی آؤ سے ویلے کھل دیاں نہیں۔“

”اوہ!“ میرے منہ سے نکلا اور پھر میں کچھ سوچ کر لولی۔

”میرے دوج ساتوں بکڑا دیکھے دا؟“ چپ کر کے نکل چلے آئے۔

”نہیں؟“ عورت نے عدلی سے اپنے شوہر کا بازو پکڑ لیا۔

”تیں ہو سکتا ہے۔“

”پھر مرد بھی بول چلا۔“ او لوک پنڈ وچ گشت کرے داتھے نے۔“ او ان دی نظر چوں جج جانا پڑا آؤ کھا لے۔“

”میں پریشان ہو گئی۔ یہ بینڈ کرنا مشکل ہو گیا کہ مجھے ان حالات میں کیا کرنا چاہیے۔ ویسے اگر جامو ذری طور پر مل جاتا تو مجھے میری پریشانی تو بہتر فرما دیتی۔ جامو کہاں سے نکال لے جاتا تو اس کا کام نہیں تھا۔ میں جوش میں یہاں تک آ گئی تھی کہ اگر اندیشہ دلی کی نظر میں ایلرے اندر شاید درست نہیں ہو سکتا تھا۔

”بہن!“ عورت نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”تو اس رات آیتھے ای گڑا رہے۔ کل دوہرو ویلے میرا ساں تینوں جامو سے چاچا نے گھر بھاڑ دیے تھے۔“

”میرے لیے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا عورت کے منہ سے پھل کر دیں۔ میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”آج کل کوئی تکلیف نہ تھی، دوسرے گے۔“

”عورت نے بھی ایک ٹھنڈی سانس لی۔

”غریب کو رات مجھے اسی گھر میں گزارنا پڑی۔ سونے سے پہلے وہ عورت مجھ سے کچھ دیر تک باتیں کرتی رہی اس نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا تھا کہ میں غصن جامو کی ماں کی خاطر دشمنوں کے ڈرنے میں آ پھنسی تھی۔

”باتیں کر کے جب وہ سو گئی تو میری غیز میری آنکھوں کے کونوں دوڑ تھیں۔ یہاں تو یوں کے دھماکے تو سنائی دے رہے تھے لیکن گولیاں چلنے کی آوازیں نہیں آ رہی تھیں۔ غاصی طور سے گاؤں سے غاصی طور سے فصیح جب میں اچھی تو میری آنکھوں کی جن یہ تباہی تھی کہ میری غیز پوری نہیں ہو سکی تھی۔

اس گھر میں ایک مہمان کی حیثیت سے میری جی پڑی تھی۔
 تھی وہ ہوئی اور وہ بہتر ملک کا وقت بھی باتوں میں کٹ گیا۔ اب میرا
 مہربان مجھے اپنے ساتھ لے کر گھر سے نکلا۔ گاؤں کی گلیوں میں کچھ ماڑ
 رفت شروع ہو گئی تھی لیکن اسے چل بھل پر گز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ دوک
 بے حد پریشان اور سہمے ہوئے تھے۔ آپس میں بائیں کرتے تو بہت دھیمی
 آواز میں لیکن چلنے کے انداز میں بڑی جلدت نظر آرہی تھی۔ ہر ایک یہ
 چاہتا تھا کہ اپنا گھر کے حیدر جلد اپنے گھر لوٹ جائے۔
 ایسی ہی حالت کا ثبوت میرے مہربان نے بھی دیا۔ اس نے مجھے
 ایک گھر کے دروازے پر پھونکا اور واپس چلا گیا۔ میں نے اسے اوروں کے
 کی کوشش بھی نہیں کی۔ میں اس گھر کے دروازے کی کڑی کھڑکھڑانے
 لگی اور جلد ہی اندر سے دروازہ کھول دیا گیا۔ مجھے دس بارہ سال کے
 ایک لڑکے کی صورت نظر آئی جو مجھے بہت سے دیکھ رہا تھا۔ ظاہر
 ہے کہ اس چھوٹے سے گاؤں میں وہ بھی کوئی بچہ نہ ہو گا اس لئے ایک
 اجنبی عورت کو دیکھ کر اسے بہت تہنہائی پہنچانے لگی تھی۔
 ”جامو سے چاچا دا گھر ایسے اے؟“ میں نے لڑکے سے پوچھا۔
 لڑکے نے جلد ہی جلدی اجابت میں سر ہلایا اور پھر ”ہاں، ہاں“
 چہنچہا ہوا انداز میں کہا۔ میں وہیں کھڑی انتظار کرتی رہی لیکن وہ انتظار
 ایک منٹ سے زیادہ طویل نہیں ہو سکا۔
 ”تو کون اب؟“ دروازے پر آنے والے مرد نے مجھے پوچھا۔
 ”میںوں جامو سے چاچا توں ملنا لے۔“
 ”میں ای جامو دا چاچا آں۔“
 ”میں بری چوں آئی آں۔“
 ”بری چوں؟“ وہ اس انداز میں بولا جیسے اسے میری بات
 پر بالکل یقین نہ آیا ہو۔
 ”ہاں۔ میں نے اپنے لیے میں زور پیدا کرتے ہوئے کہا۔
 ”میںوں جامو دی ماں نے سمجھا لے۔“
 جامو کے چاچا کے چہرے سے بے یقینی کی کیفیت تو بخوبی
 ہوئی لیکن اس نے مجھے گھر کے اندر بلا لیا۔ دروازہ اندر سے بند کر لیا گیا۔
 جامو کے چاچا نے اپنے گھر والوں کو بتایا کہ میں بری سے آئی ہوں۔ وہ
 سب مجھے گھر کے ریت پر گئے تھے اور ان میں بھی اس بات پر یقین نہیں آیا تھا کہ
 میں بری سے آئی ہوں تاہم وہ متذنب تھے کیونکہ انہوں نے اپنے گاؤں
 میں مجھے کبھی نہیں دیکھا تھا۔
 ”میتوں جامو مال ملنا لے۔“ میں نے ان سب پر ایک طائرانہ
 نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ جامو کی ماں دا حال بہت خراب لے۔ جیکر
 جامو اوٹے کوں نہ پہنچا تے اوہ سے دسے ناں مر جائے گی۔ غرض
 اودی خاطر میں اپنی جان ناں کھیل کے اتھوں تک پہنچی آں۔
 ”ہر جامو تے ایتھے نہیں لے۔“ وہ جواب دیا گیا۔
 ”لیکن میںوں تے اسے ہی دیا گیا لے۔“ میں نے تیزی سے کہا۔

”ادو ایسے آپسے کی لین ادی تمام لون
 دھوڈی؟ کیوں؟“
 ”اتھو ادی ماہی رندی لے جدی کو
 سی۔ جامو لون میٹھے میٹھے گھر جا چین لگ پیا
 تے ادی کوڑی سلطانہ دا خیال آ گیا سی تے فزا
 گیا سی کہ اگھے دن وہ بہتر ملک واپس آ جاواں گا
 ”اوہ!“ مجھے اپنا دل بیتھنا ہوا لگا۔
 غرضی۔ جان جو کھم میں ڈالنا ہے سو ہی رہتا تھا۔ میں
 دھتوں کئی دھرا لے۔“
 ”دو دھان میل ہونے لگا۔ داوا بلکل سرور
 فوجاں اور ہری آندیاں لے۔“
 ”ہن جیوں اڈھری دا ورغ کرنا ہر
 ”جیکر لون اودھ گئی تے ضروری ماہ
 ڈوڑی گل لے کر توں ایتھے آئیں۔ رشید میں تو
 مجھے جامو کے چاچے کی اس خیال سے اٹھا
 میں آئی تھی تو میں اسے چھل بھی نہ سکتی تھی۔ بس
 پڑا۔ دن کی روشنی میں دشمن کی نظر سے نہیں بچا
 میں نے کیونکہ جامو کی ماں کی خاطر اپنی
 تھی اس لئے اس گھر کے لوگ مجھ سے کچھ نہیں
 اور انہیں مجھ سے بددلی ہو گئی تھی۔ وہ بھی
 میں گھونڈی کا رخ کر کے خود کو ہلاکت میں
 لیکن میں حجب کوئی فیصلہ نہ کرتی
 نہیں ہو سکتی۔
 اب مجھے رات کے ذمیرے کا
 ایک خوفناک واقعہ ظہور میں آ گیا۔ اچانک
 سے شور مچا اور وہ دنگا کی واڑیں اٹھنے لگیں
 فوجوں کے شیطانی قبضے بھی شامل تھے۔
 جامو کے چاچا کا گھر بھی اس ہنگامہ
 بہت سے فوجی دروازہ توڑ کر اندر گئے۔
 بیچ جہج کر کھتا کھتا کسب لوگ باہر نکل
 بچے رونے لگے۔ غرضی چٹخ گیا۔
 درویش کے مصلحت پس دانت پیستے رہ۔
 سارے کس کی ایک نہیں بل سکتی تھی اوز
 وہ لوگ جانتے کیا تھے؟
 پاکستانی توپ خانہ اس عادی پر بالکل
 مجھے اندیشہ اور دوسو سوسے گھر لیا۔
 کی طرف حیدر میں ہی نہیں دیا تھا جس کی وجہ

میں نے غرضی افابا وقت تھا۔ اردان سمر زون کا پراسان بھونکا
 کے آسٹو مارا پھٹا۔ بہر طر گری شری جھلکتی جا رہی تھی۔
 مجھے یوں محسوس ہوئے لگا جیسے بڑی زندگی کی آخری شام پہنچی
 ہو میں نے اپنے دل میں کہا۔ صبر۔ اتنے زندگی میں بھی میری روتی
 برتری کو تسلیم نہیں کیا لہذا اب مرتے وقت بھی تجھے اپنے اس اصول
 پر کار بند رہنا ہے۔
 میں لڑنے مرنے کے لئے پوری طرح آمادہ ہو گئی۔ مجھے اعتماد
 تھا کہ مرنے سے پہلے میں دوچار سپاہیوں کی گز میں تو توڑ ہی دوں گا۔
 جب تمام مردوں کے ہاتھ باندھے جا چکے تو سپاہیوں نے زانے
 انفرکا اشارہ ہاتھ پاتے ہی غور توڑ پر پلٹا کر دی۔ وہ مجھ کے کتوں کی طرح
 لوٹ پڑے تھے۔ دو سپاہیوں نے مجھ پر جھٹکا مارا تھا۔ گلان میں سے
 ایک اپنا پیٹ پکڑ کر دوڑ کر مارا۔ میں نے اس کے پیٹ پر لات
 رسید کی تھی۔ دوسرے نے مجھے دو بج لیا۔ میں نے ڈوڑی اپنی
 انگلیاں اس کی آنکھوں میں گھسیڑ دیں۔ وہ بھلا گیا اور پھر جیسے ہی
 اس کی گرفت ڈھیلی پڑی، میں نے جوڑو کا ایک داؤ آڑمالیا۔
 دوسری غورتوں کی حالت بہت خستہ تھی۔ بہت سوں کے چہرے
 تاننا زور ہو چکے تھے اور سبہ نشان سیاہی کی کڑکڑ کرنے کے لئے
 درندہ بن چکا تھا۔ مزاحمت کرنے والی غورتیں ٹٹا اٹھا کر کچی جا رہی تھیں۔
 لیکن اس سے پہلے کہ دشمن اپنے ہاتھ لڑاویں میں کیا سیاب ہو
 جاتا، خوفناک دھماکوں سے زمین لرزنا لگی۔ پارتانی توپوں کے دبانے
 گھل گئے تھے۔ توپوں کی وہ پہلی باؤں میلان میں میں گڑ گڑی تھی لیکن
 اس طرح کہ خاص اس تھنے میں کوئی ناہنجی نہیں پھیلی۔ جوں جوں دھماکے
 کے بغضب جمع تھے۔
 دشمن ہلک گیا۔ غورتوں کو نا پاک بازوؤں سے نہات ملی اور
 اسی وقت گولوں کی دوسری باروں کو بھی سب توان ”جیا لے سپاہیوں“
 کی دھماکی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ بہت سے سپاہی جھپٹے لگے۔
 ”پاکستانی آہے ہیں۔۔۔ پاکستانی آہے ہیں۔“
 اور پھر وہ سب منتشر ہو کر بھاگنے لگے لیکن گولے تو جیسے
 ان کا نقاب کر رہے تھے۔ وہ جہج جہج جاتے دھماکے ان کا خیر مقدم
 کرتے۔ وہ اپنی سرحد کی طرف بھاگنے لگے لیکن موت بھی ان کے ساتھ
 ساتھ تھی۔ گولے ان کے پیچھے گئے ہوئے تھے۔
 غورتوں نے مردوں کے ہاتھ کھول دیے۔ جس میدان میں آہ دنگا
 کی گونج پھیلی ہوئی تھی وہاں اب سترت مجھے تھپتھپا رہے تھے۔
 بعض دیرانی تو کچھ ڈوڈک بھاگتے ہوئے دشمن کے پیچھے دوڑے
 چلے گئے۔ وہ بیچ بیچ کر مگر رہے تھے۔
 ”کہتے جا رہے ادماراج۔۔۔ خورا گلے تے سٹو ہمارو ادا“
 لیکن ”ہماروں“ کو کبھی بات کا ہوش نہیں رہا تھا۔ گولوں
 کی ہر باروں کے سڑ پڑھٹ رہی تھی۔ زمین سے شعلے اٹھنے لگے تھے

میں نے غرضی افابا وقت تھا۔ اردان سمر زون کا پراسان بھونکا
 کے آسٹو مارا پھٹا۔ بہر طر گری شری جھلکتی جا رہی تھی۔
 مجھے یوں محسوس ہوئے لگا جیسے بڑی زندگی کی آخری شام پہنچی
 ہو میں نے اپنے دل میں کہا۔ صبر۔ اتنے زندگی میں بھی میری روتی
 برتری کو تسلیم نہیں کیا لہذا اب مرتے وقت بھی تجھے اپنے اس اصول
 پر کار بند رہنا ہے۔
 میں لڑنے مرنے کے لئے پوری طرح آمادہ ہو گئی۔ مجھے اعتماد
 تھا کہ مرنے سے پہلے میں دوچار سپاہیوں کی گز میں تو توڑ ہی دوں گا۔
 جب تمام مردوں کے ہاتھ باندھے جا چکے تو سپاہیوں نے زانے
 انفرکا اشارہ ہاتھ پاتے ہی غور توڑ پر پلٹا کر دی۔ وہ مجھ کے کتوں کی طرح
 لوٹ پڑے تھے۔ دو سپاہیوں نے مجھ پر جھٹکا مارا تھا۔ گلان میں سے
 ایک اپنا پیٹ پکڑ کر دوڑ کر مارا۔ میں نے اس کے پیٹ پر لات
 رسید کی تھی۔ دوسرے نے مجھے دو بج لیا۔ میں نے ڈوڑی اپنی
 انگلیاں اس کی آنکھوں میں گھسیڑ دیں۔ وہ بھلا گیا اور پھر جیسے ہی
 اس کی گرفت ڈھیلی پڑی، میں نے جوڑو کا ایک داؤ آڑمالیا۔
 دوسری غورتوں کی حالت بہت خستہ تھی۔ بہت سوں کے چہرے
 تاننا زور ہو چکے تھے اور سبہ نشان سیاہی کی کڑکڑ کرنے کے لئے
 درندہ بن چکا تھا۔ مزاحمت کرنے والی غورتیں ٹٹا اٹھا کر کچی جا رہی تھیں۔
 لیکن اس سے پہلے کہ دشمن اپنے ہاتھ لڑاویں میں کیا سیاب ہو
 جاتا، خوفناک دھماکوں سے زمین لرزنا لگی۔ پارتانی توپوں کے دبانے
 گھل گئے تھے۔ توپوں کی وہ پہلی باؤں میلان میں میں گڑ گڑی تھی لیکن
 اس طرح کہ خاص اس تھنے میں کوئی ناہنجی نہیں پھیلی۔ جوں جوں دھماکے
 کے بغضب جمع تھے۔
 دشمن ہلک گیا۔ غورتوں کو نا پاک بازوؤں سے نہات ملی اور
 اسی وقت گولوں کی دوسری باروں کو بھی سب توان ”جیا لے سپاہیوں“
 کی دھماکی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ بہت سے سپاہی جھپٹے لگے۔
 ”پاکستانی آہے ہیں۔۔۔ پاکستانی آہے ہیں۔“
 اور پھر وہ سب منتشر ہو کر بھاگنے لگے لیکن گولے تو جیسے
 ان کا نقاب کر رہے تھے۔ وہ جہج جہج جاتے دھماکے ان کا خیر مقدم
 کرتے۔ وہ اپنی سرحد کی طرف بھاگنے لگے لیکن موت بھی ان کے ساتھ
 ساتھ تھی۔ گولے ان کے پیچھے گئے ہوئے تھے۔
 غورتوں نے مردوں کے ہاتھ کھول دیے۔ جس میدان میں آہ دنگا
 کی گونج پھیلی ہوئی تھی وہاں اب سترت مجھے تھپتھپا رہے تھے۔
 بعض دیرانی تو کچھ ڈوڈک بھاگتے ہوئے دشمن کے پیچھے دوڑے
 چلے گئے۔ وہ بیچ بیچ کر مگر رہے تھے۔
 ”کہتے جا رہے ادماراج۔۔۔ خورا گلے تے سٹو ہمارو ادا“
 لیکن ”ہماروں“ کو کبھی بات کا ہوش نہیں رہا تھا۔ گولوں
 کی ہر باروں کے سڑ پڑھٹ رہی تھی۔ زمین سے شعلے اٹھنے لگے تھے

کے ایک مکان میں اپنے بیٹے کی منتظر تھیں۔
 کو اس کے سامنے نہیں جاسکتی تھی۔ مجھ پر
 عمل سنا تھا کہ جاسوس چکاپے، اس لئے میں
 کو شام پہنچے مجھ کو بھیجیں۔ ان لوگوں کی خاطر
 گھونڈی کی طرف میں چڑی۔ جاسوس پہا
 لگھونڈی کس سمت میں ہے۔
 دو ایک تھوڑی ہی تھا جو مجھے بیان کیا
 مجھ کو کہ رہا تھا میں ایک گھوڑی ہاں کے
 یہ سکون میں حاصل ہو رہا تھا کہ میں نماز پڑھ
 ہوں، ملاوڑش کی جڑ میں پانچا خون منہ پر
 اندھیر سے میں نظر کریں کھاتی گرتی
 کے سامنے میں آگے بڑھتی ہوئی میں بالآخر ایک
 میری دانست میں وہ گھونڈی ہی رہا تھا ہند
 گھاؤں سے کچھ دور تک میں گھس رہی تھیں۔

کے حالات کا جائزہ لیتے رہی۔ وہاں دشمن
تھا۔ بیٹھوں اور کچتر بند گاؤں کی نقل در
میاں پر دشمن کسی بڑے حملے کی تیاریوں میں
کا ایک قافلہ مغرب کی طرف جا رہا تھا ۱۱
ہو شکاری سے لاکر تھی۔
پنڈہ میں منٹ تک جائزہ لینے
گاؤں کے جنوب میں دشمن کی نقل و حرکت
سمت سے گاؤں میں داخل ہونے کا ایذا
لے کر دیکھنا شروع کیا اس مغلظ سدا
کننا طرا پھر کاٹنا چلا گیا میں اس کو کوئی نہ
کی سرتوں نے مجھے اتنا بتایا کہ وہ کچکر کا
منٹ گئے۔
تقریباً پورے دو گھنٹے تک نہیں ہوا،
لوٹی آسان علی نہیں ہے۔ میرے گھنے ا
سینے میں شزلور ہو گیا تھا اور قبیلوں میں
س گاؤں کے جنوب میں پہنچ گئی اوسا
ئوں میں داخل ہونے سے پہلے میں ۱۲
اسی طرح تاکہ گاؤں میں داخل ہوئے

میرے پیچھے چڑھوں کو معمول پر آسے!
 مدد دے! میں منٹ لگ گئے۔ اب میں دو ہا
 باؤ تھی، گو کہ پیاس نے میرا حلق خشک کیا

علم ہم پر ہوا تھا جیسے کوئی چپ اسی کی طرف اڑن
 نے اور کھڑے دوسرے نذر و نیاز تو مجھے ایک مکان کا
 تھا ہوا نظر آیا۔ میں ایک کراہی مکان میں داخل ہو
 ہوا تڑپ بند کر دیا۔
 انہی کی آواز اب بھی ہی میں گونج رہی تھی۔ میرا نذرہ
 گھڑی اسی گھٹی میں آسکے گی۔
 وہ میں داخل ہوئی تھی اس میں تھیں شام چھایا
 و شام ہوا بھی اس بات کی نہیں تھی کہ اس گھر کے
 درختوں پر کچھ تھے یا... یا ان کا جو کچھ بھی حشر
 مال تھا۔
 اور میں برا جیسے میرا دل اچھل کر حلق میں لگی ہو
 ا لڑکھائی کا نثر اس میں آئے۔
 بعد میں آیا، وہ یہ تیار شامیران لوگوں نے مجھے
 وہ اب میں تھوڑا پیدا ہو گیا اور میں نے دروازے
 ہاں کا کھانے کے اندیشے کی آواز میں کھڑے
 حشر میں جاؤں میں مجھے وہ چپ صاف نظر آئی۔
 اور میں نے کھانے کے لئے تھے کھینچ دیکھ
 اور میں نے کھانے کے لئے کھانے میں داخل
 اب میں نے کھانے کے لئے کھانے میں داخل

ساری بات میری سمجھ میں آئی تو میرا خون ٹھہلا اٹھا لیکن غما ہے کہ میں اپنے لہو کی اس گھون کا مددگار نہیں کر سکتی تھی۔

جب میں دروازے کے قریب کھڑے ہو کر کوشے تک گئی تو وہیں بیچہ کر اپنے جوشِ فروز پر پرتا ہوا بلے کی کوکبش کرنے لگی۔ بھلا اس گاؤں کے مردوں پر فخر کا ہاتھ جہاں بیچوں کو کھن کر بھی پلنے اپنے گھر میں دیکھ کر ہونے لگے۔

جب مکان میں سے کچھ سپاہی باہر نکل آتے تھے تو باہر کوشے ہونے سپاہی اندر پلے جاتے تھے وہ لوگ درنگ اور ہیبت کا یہ میل صبح تک کیلتے رہے۔ میں نے وہ رات آنکھوں پر آنکھوں میں کاٹ دی تھی اور کھڑے کرب کی اتنی منزلوں سے گزرنا پڑا تھا جو میری زندگی میں کبھی نہیں آئی تھیں۔

صبح کا زب کے وقت میں نے جیب کا انجن اسٹارٹ کر ہونے کی دہائی سننے والے مکان سے چیخوں کی آوازیں بھی نہیں سناں سے رہی تھیں۔

گرا دیا گریں سیانہ کرتی تو زمین پر گر کر پڑتی۔ کھڑا رہنا میرے لئے محال ہو گیا تھا۔ میرے جسم میں دوڑتی ہوئی غم و غشت کی لہر نے مجھے بے جان کر دیا تھا۔ غالباً شدید غم و غشت کو دبائے گا نتیجہ قانونی بن جائے۔

میں نے جلدی سے دووانے کی اندرونی کٹڑی لنگائی اور اس طرف ہلکی جھوٹ سے مجھے جواب ملا تھا میں اس کمرے میں داخل ہو کر

[illegible]

۱۰۴۔ "ہم جیل کر لوی۔" تم نے جواب نہیں دیا۔
 لڑائیں سے۔۔۔ تعلق رکھتا ہوں۔" ابرار نے

”مجھے ان معلومات سمیت کل شام ہی کو لپکا جاتا تھا لیکن نہ تو میں پہنچ سکا، نہ وہ معلومات! میری ہے کہ میں یہاں سے روزانہ ہر سکون کیا آپ میرے

پوری رات اس طرح گزرتی۔ صبح پانچ بجے کے قریب کسی مکان کا دروازہ کھلنے کے آواز سنائی دی۔ پھر نزلتِ حق تعالیٰ کی دھمک قریب آتی چلی گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ میں دیکھیں جو دیکھیں ہمارا وطن آ رہا ہے۔

”نہیں“، ”جو انا کہنا گیا۔“
 ”مانیں میری نقول سے ادھل جھٹیں۔“ آنے والا جیپ پر
 چڑھ گیا تھا۔ انہیں اشارت ہو ادا جیپ حرکت میں آگئی۔ وہ مسکے

اوپر سے گزرتے ہوئے جہلی پہلی دُور پہلی پہلی تھی۔
جب میں زمین سے اٹھی تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسا کہ مجھے
میرا جسم اکثر دکھایا گیا ہو۔ میری تیزی سے قدم چڑھا کر اس مکان میں داخل
ہوئی جس کے سامنے اندازے کے مطابق قریبی مکان ہوتا تھا جسے قاضی

کی بہار جیت نے نشاندہی کی تھی۔
 معنی میں مجھے کہ ایسا کاٹھ بھاڑا نظر آگیا جس سے اس بات
 کی تصدیق ہوئی کہ کسی بڑھئی سی کامکان تھا۔ میں تیزی سے قدم
 بڑھا کر اچانک اس کے آگے پہنچا اور یہاں آکر مجھے اپنی غلطی

ابراہیم نے مجھے بتایا کہ مادرِ چرخِ غلے میں جو مٹی کا گولہ

یہ باب اس انداز میں لکھا گیا ہے کہ اس میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔
 باوجودی خانہ چھوڑا تھا اس سے میری بہیم جلد ہی غور و خوض کیا
 سے بہانہ کر گئی تھی جو اہل اسلام پھر قتل اور پھر کائنات لکھ گئے۔

کاپی ساز کے چار کاغذ تھے اور برابر ایک سیڑھی لکڑیوں سے بنی تھی۔
 نے وہ کاغذات تہہ کے لئے گریبان میں رکھے اور باورچی خانے
 سے نکل آئی۔
 جب میں مکان سے نکلی تو میں یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ آج کا دن

جس اسی گھاؤں میں گزار دیں گی۔ اب اتنا وقت نہیں رہا تھا کہ میں اس گھاؤں سے نکل سکتی۔ کچھ ہی دیر میں مشرقی افق سے ابالا پھوٹ پڑا جبکہ مجھے اس علاقے سے نکلنے کے لئے اندھیدیا کے کی ضرورت تھی۔

تھا لیکن چلتے چلتے میں نے اسی مکان میں جھانک لینے میں کوئی قیامت نہ سمجھی جہاں ایک دسمن فوجی نمے یہ رات گزار رہی تھی اور مجھے اس کی حیرت کے نیچے غوراً کرنا پڑا تھا۔

ہی ملیں گی لیکن انہ قدم رکھتے ہی مجھے سسکیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ کوئی لڑکی رہ رہی تھی۔ میرے قدم کمرے کے دروازے کی طرف

پرنظر پڑی۔ لائیں کے بعد میں نے وہ بستر نکھا جس پر کوئی لوگ اندر نہ
 بیٹھ ہوئی سسک سسک کر رہی تھی۔
 میں نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کیا تو اس کی مدد سے چڑھ لپٹ
 لئے لوگ کو چڑھا دیا۔ اس نے سرگمرا کر پچھے دیکھا اور پھر پرنظر پڑنے ہی
 جلدی سے میری طرف بڑھی۔ مجھے دیکھ کر وہ اس طرح جھپکی اور حیران ہوئی
 تھی کہ رونا ہی بھول گئی تھی۔
 میں نے اسے دیکھا تو دیکھتی ہی رہ گئی۔ وہ دیہات کے راستے
 حسن کی ناقابل تردید مثال تھی۔ اگر میں نے اسے عام حالات میں دیکھا ہوتا
 تو اس کے جگمگ جگمگ نقش نگار کے بارے میں میں ان گنت
 استعارے اور تشبیہات میرے ذہن میں جھلکنا آتیں مگر اس ماحول
 میں وہ حسن مفہوم میرے دل کے صوفیوں کو چھوڑ کر رکھا تھا
 صرف ہر درد و اندھنات تڑپتے ہی۔ اس کے غامضوں پر آنسوؤں کی
 ٹپکیں اتنی تیز دھوا تھیں کہ میرے دل پر گھاڑے سے جتنے پلے گئے اور
 میں اس احساس سے ٹکرا کر گئی کہ یہ نرم و گداز لوگ کی ہیئت کے
 پار تھے پس بچی ہے۔
 ”تم یہاں اکیلے ہو؟“ میں نے آہستہ سے پوچھا۔
 ”ہاں“ وہ ٹوڑھی ہوئی سی آواز میں بولی ”تم تو رن ہو؟ وہ آؤ
 ہی بولی تھی مگر اس کے لیے میں اب بچا بک کر رہ گیا ہوں۔
 ”میں ہر کسی سے آتی ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔ ”مجھے کسی کی تلاش
 تھی مگر یہاں اگر میرے چلا کر سارا گاؤں ختم ہو چکا ہے۔“
 ”تم مجھے ملنے کے لیے تو نہیں معلوم ہو؟“
 ”تہہ دار خیال درست ہے۔ میں نے یہ پاس نہیں اس لیے نہیں لکھا
 ہے کہ اگر میں مجھے دیکھ لے تو یہیں کا باشندہ سمجھے۔“
 ”تم نے یہاں اگر غلط کی ہے۔ تم ایک جہنم میں آگئی ہو۔“ لوگ
 نے بڑی یاسیت سے کہا۔ اس کے لیے میں نے درج کل رہا تھا۔
 ”تمہارا نام کیا ہے؟“ اچھی طرح اس نے ہر دلی سے پوچھا۔
 ”سلطانہ۔“
 ”کیا؟“ میں چونک کر پڑی۔ ”تم... تم کوئی سلطانہ ہو جس کی شادی
 جاوے ہو؟“
 وہ مجھے استغناء نظر دے دیکھنے لگی اور پھر بولی ”تم جاو کر
 کیسے جانتی ہو؟“
 ”میں اس کی تلاش میں یہاں آئی ہوں۔ اس کی سال اس
 کے لئے تڑپ رہی ہے۔“
 ”اب اسے زندگی بھر پناپڑے گا۔“ سلطانہ کی آنکھوں میں ٹپکے
 ہوتے آنسوؤں کو پھر راند لیا۔ ”جاو مارا جا چکا ہے۔ اس گاؤں کے

چاچی میں جو جوان نہیں تھیں بس ہر
 ہماری جوانیاں جاوے سے رن گئی
 ”میں جانتی ہوں کہ اس گاؤں کی
 میں نے مفہوم ایسے میں کہا دے میں اب
 دیکھا تھا۔“
 ”وہ... وہ کیا ہے؟“ سلطانہ
 ”مجھ کو یہ وہ ساری رات نہیں رہا تھا۔ اس
 ہے کہ مجھے کوئی اور نہ چھوئے۔ وہ مجھ
 پھر کرتے گا۔ وہ بھی میرا تھا کہ جنگ
 لے جائے گا اور ساری زندگی اپنے ساتھ
 آخر میں اسی جہنم میں کہ ایک ملک ملتی ہوں گی
 ”بس آج رات تک۔“ میں نے
 سلطانہ میری بات نہیں سمجھ سکی اور
 میری طرف دیکھنے لگی۔
 ”ہاں۔“ میں نے دوڑ کر انداز میں
 اس جہنم سے نکال لے جا دی گئی۔
 ”یہ ناممکن ہے۔ یہاں سے کوئی
 بھڑائی ہوئی آؤ اور میں کہا۔
 میں اسے جواب دینے کی بجائے
 ذہن میں اچانک جو خیال آتا تھا میں اس
 خود کر رہی تھی۔ دو خیال یہ تھا کہ رات
 تو میں اسے خاموشی سے ہلاک کروں،
 پٹا جاتے جو بیچے پاس ہر دے رہا ہو گا
 میں بیچ کر یہاں سے فرار ہو سکتی تھیں۔
 پناہ دیتی کہ خود اس سپاہی کی وردی میں
 میں دس کے سپاہی سے نہ دیکھ پاتے کہ ان
 جب میں خودیں جا رہی ہوں۔ وہ یہی س
 طرف جا رہے۔
 خود کرنے کے بعد میں
 سے آگاہ کیا تو وہ میرا مذمتی رہ گئی۔
 سب کچھ رکھوں گی۔ اس نے اپنی اس
 ”تم ان کو مار سکو گی؟“
 ”ہاں، کیوں نہیں؟“ میں نے
 لیکن سلطانہ کے جسے برب
 نے اسے یقین دلانے کی کوشش میں
 دیکھ لیں کہ اس کی کیا کشتی ہوں۔

لہا میرے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔
 ”بہرہ کی نہ بولی تو بھی میں یہیں رہی
 تھا۔ اس کا تقاضا یہ تھا کہ میں اب یہاں
 ۱ ہماروں۔
 میری آنکھیں ملنے لگی تھیں اور میرے
 دھڑکنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ میں
 بیڑہ پر پوری کرسی چلیے تاکہ رات کو
 ہم نے جہاں تکان کا احساس نہ ہو۔
 انہ سے بند کر لیا اور سلطانہ کے ساتھ
 کے باعث میرے جسم میں پھر پھری سی
 کی فکرت کو بل لیا اور اپنے جذبات
 کی فکرت کو بل لیا اور اپنے بیچ لگی۔
 وہ رنک سے تھے۔ سلطانہ نے مجھے پہلے
 میں رن لے بولی، خلائی گھوڑی تھی۔
 آہستہ آہستہ سے پکارا تو وہ چونک پڑی۔
 میں تمہاری سہاں ہوں۔ میں مسکرائی۔
 ”زور نہ چاہیے کہ میرے بیٹ میں جو ہے
 لے اپنے لیے میں یہ سوچتی تھیں اس لیے پیدا
 کی اس قدر میں در پڑ کر کے۔
 دامن و قیل نہیں ہوا میں نے اس کے
 اٹایا گیا اور دونوں نے ساتھ بیٹھ کر کھایا۔
 ”میں ہوں سلطانہ۔“ میں نے کہانے کے بعد بولی۔
 ”وہ بھڑائی ہوئی آؤ اور میں بولی، اگر میں
 وہ کہاں ہاؤں گی، کس کے سہارے چلوں گی؟
 ہر لمحہ میری وجہ سے ہم دونوں ایک دوسرے کا
 ملاہ تھے وہ دے عزیز بھی زندہ ہیں جو بڑا ہے
 ملنے کی سانس لے کر چپ ہو گئی۔
 لہ کر میں نے اس سے پوچھا: ”وہ فوجی انفرسٹ
 میں کیا کیسے ہوں۔ وہ کسی وقت بھی آ سکتا
 لہ کر میں نے کئی اور میں میں پڑا ایک موٹا
 ملنے میں ہی دیکھ لیا تھا۔
 لہ کر میں نے اپنی کشتی میں لے لی تھی۔
 ۱ میں بار اپنی کھڑی پرنظر پڑ رہی۔ باؤنچ

”ممکن ہے وہ آج نہ آ سکے؟“ سلطانہ نے بولنے والے انداز
 میں کہا۔ میں نے تشریف لے کر اس کی طرف دیکھ کر کہی۔
 جب وہ دیکھے تو سلطانہ اوجھلے میں کئی آنکھوں میں نیند
 کا بہت دور تک پہنچا تھا۔
 جب تین بج گئے تو میں نے عین ہو کر کرسی پر بیٹھنے لگی اور جب
 چار بجے تو پھر میرا بوسے نے لغار کر دی۔ میں نے سلطانہ کی طرف دیکھا
 جو اوجھلے اوجھلے بستر پر لڑھک کر سو رہی تھی۔
 پانچ بجے دروازے پر دستک ہوئی اور میں اچھل پڑی میرا
 دوران خون تیز ہو گیا میں نے جلدی سے سلطانہ کو بچھوڑ ڈالا اور
 سرگرمی میں بولی ”وہ آ گیا ہے۔“
 سلطانہ بھڑک کر اٹھ بیٹھی اور اس طرح میری طرف دیکھنے لگی جیسے
 مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ وہ بیڑہ پر جانے کے باوجود پنی
 طوٹے توڑی طرح بیدار نہیں ہوئی تھی۔ میں نے اس کے گال تھپتھپاتے
 اور بولی ”وہ آ گیا ہے سلطانہ! وہ زندہ اس کی موت اسے کھینچ لائی
 ہے۔“
 سلطانہ بستر سے اتر آئی لیکن اس کے چہرے سے گھبراہٹ
 ظاہر ہونے لگی تھی۔
 ”جائو؟“ میں نے سلطانہ کو روانے کی طرف دیکھتے ہوئے سرگرمی
 کی وجہ سے وہ تباہی کے ساتھ اس کمرے میں آئے گا تو موت اس کا استقبال
 کرے گی۔“
 سلطانہ کو صدمہ میں ڈھیل کر میں نے ڈنڈا اٹھا دیا اور کمرے کے
 دروازے کے قریب دیوار سے چپ کر کھڑی ہو گئی۔ میں نے دونوں ہاتھ
 پیٹے پٹے ہوتے تھے۔ میں نے سر ہونے دروازہ کھلنے کی آواز سننے اور پھر دونوں
 جوتوں کی دھک محسوس کی۔
 ”بہت گہری نیند سو رہی تھیں جان میں؟“ ایک حرکت آواز آئی۔
 ظاہر ہے کہ سلطانہ نے جواب میں کچھ نہیں کہا ہو گا۔
 ”آج میں نہ آتا لیکن آقا میں سے تو بڑے مل میں؟“ اس حرکت آواز
 کے ساتھ قدموں کی چاپ درملنے کی طرف آتی تھی۔
 میں نے دانت پر دانت جلیے اور پوری طرح تیار ہو گئی۔
 دروازہ کھلا اور وہ دیو قامت فوجی انداز گیا میری طرف اس
 کی پشت تھی اور سلطانہ کو اس نے اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر رکھا تھا۔
 میں نے پوری قوت سے اس کی کھڑکی پر مار دیا۔ اس مزب
 سے وہ ٹپک گیا اور سلطانہ اس کے ہاتھوں سے بھڑک کر زمین پر گر گئی۔
 اس کے ٹپکے سے ایک مدد میں صدمہ میں نکل گئی تھی۔
 دیو قامت فوجی میں زمین پر گرا اور بے بس و حرکت ہو گیا میں نے

جو کہ جسے جھانڈی چوٹی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

”اب نہیں اس سپاہی کو بھی اندازہ ہے۔“ میں نے سلطانہ سے کہا۔

”وہ کیسے؟“ سلطانہ نے گہر کر پوچھا۔

”وہ دماغ سے بیمار ہو کر اسے کچان صاحب اندر بلا رہے ہیں۔“ میں نے سلطانہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا اور اسے لئے جوتے میں سے نکلی چلی گئی۔ میرے دوسرے ہاتھ میں ڈنڈا تھا۔ سلطانہ بہت گھبراہٹ تھی لیکن میں نے اسے لے جا کر دروازے پر کھڑ کر دیا۔ میں خود سامنے سے ہٹ گئی تھی۔ سلطانہ نے کانپتے ہاتھوں سے دروازہ کھولا اور جب اس نے باہر کھڑے ہوتے فوجی کو مخاطب کیا تو اس کی آواز میں بھی رنج تھی۔

”تمہیں کیا مان صاحب بلا رہے ہیں۔“ اس نے کہا تھا۔

”کیوں؟“ ابھرے آواز آئی۔

”سلطانہ سے کوئی جواب نہ آیا۔ میں سپاہی کے ذنی جوتوں کی دھک کو قریب آنا چاہتا ہوں کہ وہ جوتی تھی۔ سلطانہ اس طرح ایک طرف ہٹ گئی جیسے سپاہی کو اندر آنے کے لیے راستہ دینا چاہتی ہو۔ اور جب سپاہی نے اندر قدم رکھ دیا تو اس کا بھی وہی شہزادہ جو اس کے انصر کا بوجھ تھا۔ اسے بے ہوش کرنے کے لئے بھی ڈنڈے کی ایک ہی ضرب کافی ہوئی تھی۔ اب میں نے ڈنڈا ایک طرف پھینک کر حلی سے دروازہ بند سے بند بندہ۔ دو بے ہوش سپاہی کو گھسیٹتی ہوئی کمرے میں لائی۔

”اب ہمیں جلدی جلدی ان کا بال بال آکر خود پھینا ہے۔“ میں نے سلطانہ سے کہا۔

ان دونوں فوجیوں کی بے ہوشی، سلطانہ کے نزدیک بہت بڑی کامیابی تھی۔ غالباً اسی لیے اب اس کے اندر اسے جوش و خروش ظاہر کرنے لگا تھا۔ وہ جسے ساتھ سرگرم ہو گئی، ہم نے دونوں فوجیوں کے پورے اٹکے اور خود پہن لیے۔

دونوں فوجیوں نے ہوش نہ ہوئے تھے اور کسی دقت بھی ہوش میں نہ آکر کوئی بگاڑ نہ کر سکتے تھے۔ اسی لیے میں نے سپاہی کی رافٹل میں لٹکے ہوئے ہونٹ سے ان دونوں کے مٹ پھاڑ ڈالے۔ سلطانہ نے متفرک دیکھ کر کانپ اٹھی تھی اور اس نے گہر کر دوسری طرف مٹ پھیرا تھا۔

”بس اب آؤ۔“ میں نے کہا اور سلطانہ کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکلی چلی گئی۔

جیپ کی دو آؤنگ سیٹ میں نے منبھالی اور سلطانہ کو اپنے برابر میں بٹھالیا۔ انجن اشارت کر کے میں جیپ کو حرکت میں لے آئی۔ میں اسی طرف جا رہی تھی جہاں ایک گھڑ سہری ملاقات ابرا سے

تھا۔ جیپ کی چوڑی کے باعث یہ بات ناممکن کر لی۔ کیا بڑا چہرہ؟

”کچھ نہیں، تم بھڑکیں ابھی آتی ہو۔“

ہوئی اس مکان میں کئی۔ ابراہیم سر پر چڑھنا چاہا۔ میں نے اسے ہٹا دیا۔ غصہ میں طاری تھی۔ میں نے اسے پکارا تھا اور اس کی آواز میں نکل کر وہ کئی تھیں اور مجھے ہر دم پڑا تھا۔

انکاؤں کی طرح دھبہ ہوئی آنکھ پھر بند ہو گئیں۔

”بس... میں... جیسے... وہ...“

”علیے سر ابراہیم جیپ کے کال بنلوں کے نیچے سے ہاتھ ڈال کر اسے اٹھا۔ یہ میرے لیے بڑا مشکل مرحلہ تھا۔ زارعی وادیاں کے لئے ایک قدم اٹھانا بھی بے ہزار دقت باہر لے جاسکتی اور اسے صاف دیا۔ سلطانہ نے سب کچھ دیکھ کر خاموشی الجھ کر رکھی۔ یہ کون ہے؟“

میں نے جیپ کا انجن اشارت کر کے پاکستانی فوجی۔

”یہ....“ سلطانہ کوئی اور سوال کرنے کی کوشش نہیں کی جیپ کی رفتار میں بڑی تیزی شاید اس رفتار سے گھبرا گئی ہوگی، پھر اس کی طرف چلا گیا جو گاؤں کے سامنے سے اب ہمیں اندھیرے کی وجہ سے مجھے اپنے باہر میں فوجی کی معلوم ہو رہی تھی اس لیے مجھے ابھی پہچان سکے گا اور کچھ نشست پر رہے۔ قریب آتے فوجی نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

دو منٹ میں جیپ، گاؤں کی سڑک پر ایک طرف کچھ ٹرک کھڑے ہوئے دیکھ سپاہی سوار ہو رہے تھے۔ غالباً انہیں گاؤں کی کسی جگہ کچھ گاڑیاں بھی اور دھڑلے نظر آئے۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ جیپ کو چلی گئی۔ ظاہر ہے کہ بہت سوں نے ہیں، انہما ہم ان کی نظروں میں مشتبہ نہیں ہو سکے تھے

میں طرف کی طرف بڑھتی رہی میرے دو این ہاتھ میں ہائیڈرو گن تھی اور میں جلدی کر رہی تھی۔

اگر وہ اب نہیں آئے تو کب آئے؟ میں نے اسے ہٹا دیا۔ غصہ میں طاری تھی۔ میں نے اسے پکارا تھا اور اس کی آواز میں نکل کر وہ کئی تھیں اور مجھے ہر دم پڑا تھا۔

انکاؤں کی طرح دھبہ ہوئی آنکھ پھر بند ہو گئیں۔

”یہ....“ سلطانہ کوئی اور سوال کرنے کی کوشش نہیں کی جیپ کی رفتار میں بڑی تیزی شاید اس رفتار سے گھبرا گئی ہوگی، پھر اس کی طرف چلا گیا جو گاؤں کے سامنے سے اب ہمیں اندھیرے کی وجہ سے مجھے اپنے باہر میں فوجی کی معلوم ہو رہی تھی اس لیے مجھے ابھی پہچان سکے گا اور کچھ نشست پر رہے۔ قریب آتے فوجی نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

دو منٹ میں جیپ، گاؤں کی سڑک پر ایک طرف کچھ ٹرک کھڑے ہوئے دیکھ سپاہی سوار ہو رہے تھے۔ غالباً انہیں گاؤں کی کسی جگہ کچھ گاڑیاں بھی اور دھڑلے نظر آئے۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ جیپ کو چلی گئی۔ ظاہر ہے کہ بہت سوں نے ہیں، انہما ہم ان کی نظروں میں مشتبہ نہیں ہو سکے تھے

میں طرف کی طرف بڑھتی رہی میرے دو این ہاتھ میں ہائیڈرو گن تھی اور میں جلدی کر رہی تھی۔

میں خیال آیا تھا کہ میرے تعاقب میں دو ڈنڈے تھے۔ اب مجھے فکر میں اضافہ کرنا پڑا تاکہ وہ لوگ میرے قریب نہ پہنچ سکیں۔

ناہموار زمین میں تیز رفتاری کے نتیجے میں بہت سست چلنے لگا۔ میں نے اور ایک جھٹکا تو لیا۔ لگا کچھ نشست پر چلا ہوا ابراہیم بانیان کی جگہ کر رہا۔ اس وقت اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی جو کچھ دشمن میرے تعاقب میں لگ چکا تھا میری تمام تر توجہ ڈنڈوں کی طرف تھی۔ جیسے ہی پتیل کی گردش کے ساتھ توڑوں کے دھکے قریب آتے جا رہے تھے۔ دقتا میرے عقب میں بھی دو دھکے ہوتے لیکن وہ توڑوں کے نہیں، رافٹوں کے تھے۔ تعاقب میں تھنے والی جیپ کی طرف سے گویاں ملانی لگی تھیں لیکن اس ناہموار راستے پر دونوں ہی جیپوں کو اتنے جھٹکے لگ رہے تھے کہ وسیع نشاندہ لگنا بہت مشکل تھا۔

سلطانہ زیر لب بڑبڑاتے تھے میرے خیال تھا کہ وہ قرآنی آیات کا ورد کر رہی تھی۔

دقتاً ایک نسبتاً زوردار دھک ٹھرا۔ وہ گولہ ہماری جیپ کی دائیں جانب کوئی دو ڈھائی فٹ لگاتے کے فاصلے پر بیٹھا تھا۔ فوجی دوسرے دو کوئی ایک فٹ لگاتے کے فاصلے پر۔ دوسرے جگہ سے میری جیپ کو گزرتے ہوئے شاید ایک منٹ بڑا ہو گا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ دھوئیں اور آگ میں مجھے وہ جیپ نظر نہیں آتی جو تعاقب کر رہی تھی۔

دھکے بائیں جانب بڑھتے چلے گئے۔

اب ہماری جیپ میدان کارزار کے ایک ایسے حصے سے گزر رہی تھی جہاں جگہ جگہ کے فوجیوں کی لاشیں بکھری ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ بعض ملے ہوئے گاڑیوں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ ایک ٹریک بھی بے حرکت کھڑا نظر آیا۔ غالباً وہ بے کار ہو چکا تھا۔

مجھ کے دھبے دھبے سے اچالے میں ہر گاؤں کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ اب میں نے ایک باجی پڑھ کر دیکھا تو بے اختیار ایک حیل سانس لے کر دھکی۔ وہ جیپ اب بھی تعاقب میں لگی ہوئی تھی میرے عقب میں چھٹنے والے گولے کی تباہ کاری نے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔

میں نے دونوں جیپوں کا دھبائی فاصلہ نسبتاً بڑھ کر لیا۔ ہر کی گاؤں جب بہت قریب آگئی تو میں نے دیکھا کہ یہاں بے شمار لاشیں بکھری ہوئی تھیں اور گولہ باری نے زمین باطل سیاہ کر دی تھی۔ بہت بڑے بڑے گڑھ بن گئے تھے۔ ان میں سے ایک گڑھ میں دشمن کے دو ٹریک دھکے ہوئے نظر آئے۔ کئی بہتر شدہ گاڑیوں سے دھواں اٹھ رہا تھا اور ایک آدھ گاڑی، میں کچھ شعلوں میں گھری ہوئی تھی۔ فضا میں سڑتی ہوئی لاشیں کا تھن پھلا ہوا تھا۔ گولہ اور کتنے ان لاشوں کو بھونچ رہے تھے۔

یہ ساری چیزیں ایسی تھیں جن سے یہ چلنا تھا کہ شہر و ایک وزین یہاں بہت بڑی جنگ لڑی ہوئی تھی۔ جہاز نے بے رکی پھرتے کے لیے اتری چوٹی کا زور لگایا تھا۔

اس خونخوار منظر نے سلطانہ کے دماغ پر اتنا بڑا اثر ڈالا کہ وہ بالکل
کی طرح چیخ اٹھی۔ بند کردیہ جنگ! بند کردیہ جنگ! ” اور پھر وہ مسلسل
یہی نفرت بھری ربی۔ اس پر بس سڑا کا درد رہ گیا تھا۔
میں نے دیکھا کہ تمام قبل آنے والی جیپ اب واپس جا رہی
تھی۔ اس نے آگے آئے جس خطہ محسوس کیا کہ گارڈ اس بات سے میں
نے اندازہ لگایا کہ برک پر جھلڑی قبضہ نہیں ہو سکتا تھا۔
میلے سے بریک لگاتے ہیں اپنی منزل پر پہنچ کر تھی لیکن اسی منزل
پر جہاں خاک لڑی تھی۔ جاو کا کھر مے کا ڈھیر بنا لیا تھا۔ برک کے لوہے کی
سکان بھی گرنے لگی کہ زوئیں اگر تباہ ہو چکے تھے۔
” بند کردیہ جنگ! بند کردیہ جنگ! ” سلطانہ ملن پھاڑ پھاڑ کر کہنے
جا رہی تھی۔

لوہ پر سود و زیال کے الفاظ غلط قرار پاتے ہیں۔

لیکن فی الحال میں خود کے آئین سے پوری طرح باہر نہیں نکلنے پائی تھی اور اس لیے مجھے یہ احساس ہو گیا تھا کہ کوئی کے لیے میں استقامت کیفیت نہیں تھی۔ اس لیے جب یہ کہا تھا کہ وہ مجھے گولی مار دے گی تو اس کی آنکھیں اس کی اس بات کی نفی کر رہی تھیں۔ ان جتنی ہوئی آنکھوں میں گھبراہٹ صاف نظر آتی تھی اور اس سے ثابت ہو گیا تھا کہ وہ صحت و صفا کو معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اسے یہ ہدایت نہیں لی ہو گی کہ وہ مجھے گولی مار دے۔

دو ایک گولوں کے لیے ہر ایک کے لیے چھراں کی طرف قدم بڑھایا۔ ”میں کہتی ہوں“ اگلے صحت بڑھو“ نوئی کی آواز کانپ گئی۔ لیکن میں اس کے لیے نہ بڑھی بلکہ دوسرے کھینے کا فیصلہ کر چکی تھی میری نظر میں ابھی شباب کے ان جڑیوں میں جھٹک رہی تھیں جو تنفس کے گرداب بلاتیر میں جھکے لے کھڑے تھے۔ میں اس کے قریب پہنچی اور اسے مجھے جھٹکنے کے لیے مجھ پر مل گئی۔ میں نے اس کا استقبال جھینے کی قطعا کوشش نہیں کی اور میرے ہاتھ اس کے ترسے ہوئے گولوں کے دھڑبھڑکنے پر جم گئے۔ میں ایک جھٹکے کے ساتھ اسے اپنے سینے پر بچھ لیا پانی تھی لیکن اس نے اس نے سہولت کا اثر بڑھادیا۔ پستوں سے گولی کی بجائے روت کا سا سفید غبار نکل کر میرے چہرے سے ٹکرا اور مجھ کوں محسوس ہوا جیسے غلب شمال دھنڑی کی ساری تھنڈی نے میرے چہرے پر لٹھا کر دی ہو۔ اس تھنڈک سے میرا چہرہ بھی نہیں بلکہ دماغ تک شل ہو گیا اور وہ تکیاں میرا مقصود بن گئیں جہاں احساس کی ہر شمع بجھ جاتی ہے۔

دوسرا حصہ

اولین بڑی سے باتوں کے بارے میں ٹیڈا پر اس کی ایسیری جو حالت ہوئی اسے کچھ بھی جانتا ہوں۔ ان کی طویل زندگی نے مجھے دکان کے کچھ دھاتھلے دھڑے سے بچنے سے لے کر ان میں ہر ایک کی فکر و توجہ پر پھر دیا تھا۔ جہاں اس کے مننے کے امکانات تھے لیکن نہ دے نہ لگا میں نے مجھے نہ حال کر دیا تھا۔ اس عالم میں وہ ٹیڈا کی سرے لیے غصے سے بیٹھے پانی کے اس پتے کی مانند تھا جو گولہ لڑیں جھٹکے ہوئے ہر گولہ کو ایک نظر بٹائے۔ میں نے اس ٹیڈا کو ان کی گت بار بار دیکھا اور بڑی بے بسی سے اس وقت کا انتظار کرنے لگا جب ناؤ کی ٹرین کو کوئی پہنچتا تھا۔ یہ انتظار بھی بڑھاوا گسل ثابت ہو کر رہی تھی لیکن گھڑی گھڑی پر نظر آتی تھی تو پتہ چلتا تھا کہ کبھی صرف آدھا گھنٹہ گزرا ہے۔ وقت کسی طرح کاٹے نہیں گت رہا تھا بلکہ شاید وقت ہی مجھے کاٹ کاٹ کاٹا رہا تھا۔ جھنجھوڑ جھنجھوڑ ڈال رہا تھا۔ آخر یہ

کجنت! مرد و کس طرح دفنان ہوا تو میں بس کونٹ اینٹیں کی طرف آؤا جھلکا گیا۔ جب میں ٹرین کی آمد صرف پندرہ منٹ باقی رہ گئے۔ دماغ کا جو بعض واقعات دھوکے پر ہے جانا بھول گیا تھا۔ آخر صندلاری بھی تو کوئی تجربہ ہے! پاکستان کا پتہ بچہ جانتا ہے۔ ہماری ریل گاڑی تیار کو تو اپنا جتن سمجھتی ہیں اور اس سے زائد کے ٹوڈ پر منحصر ہوتی ہے۔

تو صاحبان! قدر دان! اگر میں بچہ نہ ہوتا تو اس کی بارے کا کوئی تھنڈی نہیں ہے۔ میں نے اپنی گھوڑی میں اسٹانڈ ملے کیوں! بھول جاتا ہے۔ مجھے اپنی گھوڑی میں کیپڑا معمول سے کئے کو بھی نہ دھڑکن نہیں کرتا۔

باتوں کی طرف بچہ کی طرف لیٹ کے سو کوئی راستہ نہیں تھا کہ میں لیٹ نام و صبر کیوں۔ لیٹ نام پر مجھ جیسے شہر کا ایک میں کسی سے مجھ کی سہانہ تھا کہ۔۔۔ اعزب! لیکن میں نے وہ وزاری کرنے کی بجائے فکر قصیدے کہ ڈولے گا گروا ساعت پذیر ہو جا پولیس قرار پا جائے گا۔ اس میں تدریج کے دوران میں پڑی ہو یا نکل ایک تھک اس طرح ناراض نا بجا کر دینے ان کی عمر کی کے اندر ہوا ہو کر اس نسل میں اندر سے خلع سے ہٹنے ہو کر وہ یہ اعتبار وضع قطع و دھڑکن بے اختیار کو کوں کی نظر میں ان کی طرف تھی ہوئی ان کی طرف کی بار بار بچہ نہ جانے کیوں! وہ مجھ پر بھر جھکٹوؤں کا انداز مجھے کچھ نتیجہ نہ سامانے معلوم ہوتے ہیں مگر ان دونوں میکشوں اس کے خلاف وہ بہت ترانت معلوم ہوا۔ اس قسم کو کوئی تاخر نہیں تھا جو دنیا میں انہیں دیکھ کر مجھے کچھ بے بسی کی محسوس، عجیب سا خیال تھا کہ کہیں یہ بندہ دوسری ما گھر اس نے ملنے کے حالات کو بھی دیکھ کر زیادہ عجیب نہیں معلوم ہو گا۔ وہ بھارت میں کیا نہ خود کی جنگ چوری ہوئی بھارت نے جتنا بے دربار جاسوسوں کو لپکا

کے مسئلے ہیں! اہل کراچی نے جس جوش و خروش اڈوں میں جو درجہ چھپ واقعات پیش آئے تھے! لیکن ہمیشہ ڈوں کو اس زلزلے سے دیکھا تو کچھ ہی حالت معلوم ہوئی تھی کہ اتنی تیزی میں کیوں تمام ان کی ایک میکشوں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے انگڑیاں اٹھا جیسے اس نے جا ہی لی ہو۔ پھر فوڈی ہم بھی حرکت کی۔ ایک وقت دونوں کو جا ہی آنا کوئی انہیں جب دوبارہ اور سہارہ ایسا ہوتا ہے کیا اس کو ایک وقت جا ہی آنا ایک آدھ بار تو کھن لیں ہو سکتا۔

اور ایسا ہوا تو میں ان کی طرف بہت غور سے دیکھ کر اس کا وہ دونوں اس طرح ایک دوسرے سے کچھ سے نہ کو جپانے کا مقصد بھی ہو سکتا تھا کہ دونوں دردم کے۔ وہ اپنی گھٹنوں کو پورے شہر دیکھنا چاہتے تھے ہاں اور میرے کان ذمہ کرتے ہوئے بلکہ شاید

اس مہر میں کی آمد کا اعلان ہو رہا تھا۔ اس اعلان کو دیکھ کر مجھ میں بھی نہیں آتا تھا کہ ان پر ہراس دیا یا لا کا استقبال کروں۔ ایک وقت دونوں اس آواز میں میں آنا وقت کر دیکھا کہ ٹرین لیٹ رہے۔ دھڑکے تو بچہ میں وہ دونوں میکشوں کو گئے۔ اب میرے پاس سوچا بچا کے لیے باگ ان وہاں صوف دونوں میکشوں کے ماس کا آخری ہاتھ میں تیری سے ایک کرڈیشنڈ کوپے کی طرف لپکا لی کہ آمد داخل ہو گیا۔

مجھ کی عمر میں میرے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئیں۔ یہاں کوں کوں کیشت وکیل کرڈا دیر کے لیے آگئی تھی لیکن اس وقت میری بالائی کی کوئی حد نہ ملنے کوپے کو خالی دیکھا۔ گلابدہ کو پاکٹ مائیک کے لیے بھی میری نظر سے اس لیے بات نہیں ہو جی جاسکتی تھی کہ باؤنڈری ہو گئی۔ لکھا ہوا یا اگر تو کہیں ہاتھ دوم میں نہ ہوں! اور میرے ہاتھ اس میں ہاتھ دوم کے دروازے پر تھا میرا ہاتھ ہاتھ سے لکھا کرڈا دیر کھولنے کی کوشش کی۔ میں نے ہمت نہ ہو کر تھا کہ اگر وہ واڑہ اندر سے بند نہ ہو گا کہ باؤنڈ دوم میں ہیں۔

لیکن واڑہ اندر سے بند نہیں تھا۔ میں نے تھوڑا اندر داخل ہو گیا اور دیکھا کہ میں اس جھولی میں جھک کا جائزہ اس طرح لینے لگا، جیسے باؤنڈ بات پر قادر ہوں کہ جاوے کے زور سے دوش بین کے پائپ میں گھس کر کھچ جاتا ہوں۔

ہاتھ دوم کے باہر سے ایسی آواز آئی جیسے کوئی شخص کہے میں داخل ہوا ہو۔ میں فوراً ہاتھ دوم سے نکل آیا اور جب کوپے میں داخل ہونے والی تھی پھر نظر پڑی تو بہت ہو کر دیکھا۔ وہ ایک لڑکی تھی!

لیکن اگر صرف لڑکی ہوتی تو کوئی مضائقہ نہ ہوتا۔ وہ ایک ایسی لڑکی تھی جس کے نقش و نگار میں بانو کے نقش و نگار کھل چکے تھے۔ فوری طور پر مجھے کچھ لڑکیوں گمان ہو جیسے باؤنڈری کوں ہوں کے کیپٹنگ ٹنگ کر اپنے عہد پر جوانی کی پہنچ گئی ہوں۔ نہ آنکھوں میں فرق تھا۔ نہ ہونٹوں میں۔ بس ناک میں بہت خفیف اضافہ تھا اور غریب بانو سے دس پندرہ سال کم معلوم ہو رہی تھی۔ اس نے سخت شلوار سوٹ پہن رکھا تھا اور سر پر سرخ رنگ کا اسکرٹ باندھے ہوئے تھی۔

وہ مجھے دیکھ کر چوکی لیکن پھر نظر انداز کر کے کوپے کا جائزہ لینے لگی۔ میں خود کھڑا اور میری نظر اس کے سر پر پڑی۔ لیکن وہ ایک ایسا ہی تھا کہ نگاہیں بے اختیار اس کے بھید تلاش کرنے لگیں۔ مجھے اپنے کردار پر تازہ ہوا میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں، انسانی جسموں سے کھینچا جن کا مشق ہوتا ہے لیکن خواہ صورت چہرے سے ان پر نہ ہونا ایک غیر فطری بات ہے۔ یہ غیر فطری بات مجھ میں بھی نہیں رہی تھی کہیں بھی ہو کسی رنگ میں بھی ہو مجھے تھوڑا مزور کرتا ہے۔ گلاب کے پھول مجھے بہت پسند ہیں لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں نے کوئی گلاب توڑ کر اپنے کالرس بنالیا ہو۔ مجھے لوگوں کے اس عمل میں ذمگی کی حاکم آتی ہے۔ شاید میں اس معاملے میں اتنا پسند ہوں۔

ہاں! تو دیکھ اس لڑکی کا تھا جس نے بانو کے نقش و نگار چرا لیے تھے کوپے کا جائزہ لینے کے بعد اس کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔

”وہ کہاں میں؟“ اس نے پوچھا کیا ہاتھ دوم میں ہیں؟“

میں اس کے سوال کا جواب نہیں دے سکا۔ میں اس کی کھٹکتی ہوئی آواز کے زور پر نہیں بچکے کھلنے لگا تھا۔ اس معاملے میں وہ لڑکی باؤنڈ کو اتنی کھٹکتی تھی۔ باؤنڈ آوازیں ایسی جھلار ایسا ترکم ایسی دلکشی اور ایسا غار نہیں ہے۔

جب اسے میرا عجیب سا توجہ خود ہی ہاتھ دوم کے دروازہ کی طرف پھٹا اور اس کی وقت گاڑی کے انجن نے سٹی دی۔

وہ ہاتھ دوم میں داخل ہوئی اور اندک کا جائزہ کے بہت جلد باہر نکل آئی۔ دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کا چہرہ سوا لہ نشان بنا ہوا تھا اور وہ کچھ پریشان بھی نظر آنے لگی تھی۔

کیا کہ لڑکی چھٹ کو میرے سر پر بیچ چکی ہے اس کا
 کو دو دن اچھوں سے سنا شروع کر دے گی اس
 مجی میں نے اپنی بگو سے جیش نہیں کی بدستور سر ہم
 رویتے سے لڑکی شاید کھجائی گی۔ وہ ایک قدم دھچکا
 جیتی چلی۔ اے اتم میری طرف کیوں نہیں دیکھ رہے؟
 اس میں سے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا
 دنیا یہ مجھے نہ اسے خاک سے دوڑ گئے رہا ہے
 لڑکی نے پنا چلے بوٹ و اتزل میں دایا
 پھر ایک دم اسی افسانہ میں زبان میں بکھرنوں
 مجھے اس لڑکی کی شخصیت سے بہت کچھ
 رات سے مجھ کو یاد ہے۔

۱۰۔ ایک نوجوان نے ایک عورت کو دیکھا تو اس نے کہا کہ میں نے اسے پہلے دیکھا تھا۔
 ۱۱۔ ایک نوجوان نے ایک عورت کو دیکھا تو اس نے کہا کہ میں نے اسے پہلے دیکھا تھا۔
 ۱۲۔ ایک نوجوان نے ایک عورت کو دیکھا تو اس نے کہا کہ میں نے اسے پہلے دیکھا تھا۔
 ۱۳۔ ایک نوجوان نے ایک عورت کو دیکھا تو اس نے کہا کہ میں نے اسے پہلے دیکھا تھا۔
 ۱۴۔ ایک نوجوان نے ایک عورت کو دیکھا تو اس نے کہا کہ میں نے اسے پہلے دیکھا تھا۔
 ۱۵۔ ایک نوجوان نے ایک عورت کو دیکھا تو اس نے کہا کہ میں نے اسے پہلے دیکھا تھا۔

کے باعث اس کے جسے کے تاثرات میں وہ نہ
 فعال کے ایک کرنے پر کچھ کرکھا ہوا تھا
 واور سے تھیک طرح نہیں دیکھ سکا۔
 "ایک" وہ لڑکی بڑھائی۔
 اس سے میں نے پتہ چکا کہ وہ حال کے کوئے
 ہا،

میں نے خودی طور سے اس بات پر دھجیاں
سوال میں اٹھنے لگا تھا کہ بانو کہاں گئیں؟ روز،
میری کو بے بسی ملتا جیسے تھوڑے اُن کی بکلاں ہا
ایک ایک ہوا ہوا لڑکے

[illegible]

ہد میں گئے لاش کر رہے تھے، "لو کی فوج مجھے مار کر مارا،" ہذا مقدس مندرالہ یارو کی کہ "ا" اے نے بڑے محل کا شہوت دیتے ہوئے کہا۔ "منزلہ" میں تمہیں کے سے انداز میں بولا۔

اما نادر دین اختیار میں کرنا چاہیے۔ میں بالآخر دوسرے
دوسروں سے ان کی تلاش ہے۔ اسی جستجو میں
میں کے باپ سے یہ معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ آ

الہ تہوں کے خیال میں کھوئے تھے؟“
 ایک دلدوز آہ بھر کر کہا: یہ میری زندگی
 بال بال اچھا بننا کہتے جا توڑ ٹوٹ گیا ہے اور
 اب یہ میرا سانس گیارہ بجوں کا باب ہیں۔
 اگر ایک بج ہی مل کے پیت ہی میں.....
 کیا بیوی کو کھڑی ہو گئی اور اس کا چہرہ مسخ
 نہ سر لائے ہو کہ ملے۔ ماں کے پیت میں
 اب کچھ نہ بچے گا۔

وہ لوگ ان دونوں بھائیوں سے تعلق ہو کر آئی، ابھی رہاں
میں گفتگو کرنے لگی جو میری کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ میں ان دونوں کی طرح اُن
کے ساتھ نکلتا رہا۔ اس کے علاوہ کوئی مشغلہ اُس وقت میری دسترس میں
نہیں تھا۔

خبریں ایک ایک سے دھچکے کے ساتھ رک جی اور لڑکی دروازے کے
طرف نکلی۔ اس کے بعد وہ دونوں بیکٹھ بھی بیٹھ گئے اور ان کے پیچھے
بھی پلیٹ نام پر لایا گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ دونوں بیکٹھ کھانا کھا رہے
وہ دروازے کی طرف بڑھ گئے لیکن وہ لڑکی پلیٹ نام پر پر کسی
کو تلاش کرنے لگی۔ میں سامنے کی طرح اس کے پیچھے لگ گیا۔ میں جانتا
چاہتا تھا کہ وہ کس تلاش کر رہی ہے۔ جلد ہی مجھے اس کا پتہ چل گیا۔ میں

سے رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے۔
 لوہی نے جو سچا، پھر سچا، کام لکھ کر ادا کیا اور اس کے لیے
 ایک طرف جتنی چل چلی، گھوڑا دوسری طرف مڑ گیا۔
 میں سوچنے لگا کہ مجھے اس لوہی کا تھابہ جاری رکھنا چاہیے یا نہ
 اس سوال پر غور کرتا ہوں، میں اس لوہی کے پیچھے اسٹیشن کے عمارت
 تک آیا۔ دونوں کھینچے ہوئے ایک ٹھیکے کی بڑی کڑی تھی۔ لوہی کو دیکھتے ہی اس نے

[illegible]

"اوپر ہی ہو کر میں نے اس کا نشانہ بنچنے ہوئے کہا۔ بس اب
 جلدی کرو ورنہ وہ نکل جائے گی۔"
 "ہم سے نکل کر کہاں جائے گی صاحب! دانش واقعی زور دار ہے۔"
 "دراغور مجھے ایک خاص طرح کا خیال ہے۔ وہ لڑکی بجا
 گئی تھی اور وہ اس کے تعاقب میں لگ گئی تھی۔"
 "میں نے بھی ضروری نہیں سمجھا کہ اس کے خیال کی تردید کروں گا۔
 اس کی کوشش کرتا بھی تو شاید وہ دل سے میری اس بات کو تسلیم نہیں
 کرتا کہ میں ایک جوان صاحب ہوں۔"
 "میری بیسی اس پُر سر لڑکی کی بیسی کا تعاقب کرتی رہی ہیں سوچ
 رہا تھا کہ اور کس طرح ہونے کے بعد میں سب سے پہلے ہانکے گھر فون کر لگاؤں۔
 پہنچ کر وہ لڑکی اور دونوں مجھ کو میسج سے آگے گئے تھے۔ میں نے نہیں
 اس طرف ہرستے دیکھا کہ کس لڑکی ہوئی تھیں۔ ان میں ایک سینئر
 نئی کار بھی تھی۔ وہ تینوں اسی میں جا بیٹھے۔ دریاؤں تک سیٹ خود اس لڑکی
 نے منبھال تھی۔ دونوں بکھو پہلے نشست پر بیٹھے تھے۔
 اب مجھے یاد آیا کہ میری مورٹرائیکل بھی تو میں لڑکی ہوئی ہے!
 میں نے مددی سے ٹیکے کی ڈور پور کے ہاتھ میں بندھ کر وہیے لگا کے اور
 ان کو اس طرف چھٹا جہاں میری مورٹرائیکل لڑکی ہوئی تھی۔
 یہ گویا تعاقب کا دوسرا مرحلہ تھا۔ میری مورٹرائیکل اس سینئر کا
 کے پیچھے لگی ہوئی تھی اور اس کی ڈور ٹریک کے نیچے دیکھ کر پریشان ہوا
 جا رہا تھا۔ برق رفتاری سے وہی برق رفتاری معلوم ہوتا تھا جسے آنکھیں پل
 رہی ہو۔ میں نے نئی بائیسویں کی گیس اب ہوا ایکسٹنڈ اگراہ میں
 کسی ٹریک مارچ جس سے سڑک پر میری مورٹرائیکل لڑکی کا پلان منور ہوتا۔
 تعاقب کا اختتام اس کی "ایسی ایسی" آہٹوں کے ایک جیسے ہوا۔
 کار اس کے معاملے میں چلی گئی اور اس کے عمل و تفرق کو ذہن نشین کرتا
 ہوا آگے نکلا جاتا۔ میری خواہش تو یہ تھی کہ وہاں وہ لڑکی اس پاس کے
 لوگوں سے اس لڑکی اور اس کے ساتھ بکھڑوں کے ہاتھ میں معلومات
 حاصل کروں لیکن مجھے بالوں کی طرف سے شدید ٹکرائی تھی۔ میں کسی تاخیر کے
 بغیر ان کے گھر میں بیٹھ کر اپنا ہاتھ تھا۔ میں نے اپنی مورٹرائیکل ضروری کی
 ایکٹ پر سے جا کر لڑکی اور ایک شاسا کے بیڈنگل اسٹور سے بالوں کے
 گھر فون کیا۔
 "میں نہیں! وہ تو ابھی تک گھر میں نہیں! بالوں کی لازمہ سے میرے محل
 کے جواب میں کہا۔ پھر شاید وہ خود بھی کوئی سوال کر رہی تھی اس لیے میں نے
 جلدی سے ریسپونڈ کر دیا اور اپنے شاسا کا شکریہ ادا کر کے میڈیکل کور
 سے نکل آیا۔
 "ابن کی اہمیت!
 میں طائف روڈ کے ایک ریسٹورنٹ میں جا بیٹھا اور گرم گرم کافی
 کی چیکر کے ساتھ گریٹ کا دھواں اڑانے لگا۔ میرے دماغ میں خیال

کا ایک غمور سماج و متحدہ ایسی میری خیالات کی کہ
 پر کچھ سوچ ہی نہیں یاد تھا۔ یہ ہزار وقت میں اس
 حاصل کر سکا کہ بالوں کا منہ؟
 پرنسٹن ڈنٹ ڈنٹ کے ٹیکہ لگ کر میں دوسرے
 روٹ یا کوئی شخص مجھے ایسا دیکھ کر ہلکا کرے گا۔
 گاؤں کی باتوں سے بھی اس بات کی تصدیق ہو گئی تھی
 عورت نے سوا کا تھا۔ خانا میرے کہ وہ عورت بالوں
 آخر وہ لڑکی ایک شخص تک پہنچنے کا نام تھا۔
 کہیں سے ایک نیا مال تھا جس پر حرف ۱۰
 گویا اس دور مال کی مالک تو ایسی عورت تھی جس کے
 تھا۔ خانا میرے کہ وہ عورت بالوں میں ہو سکتی تھیں
 اس کو پہلے میں بالوں کے ساتھ کوئی اور عورت تھی
 وہ اس کو پہلے میں کچھ دیر کے لیے کئی عورت تھی
 مجھے بالوں کی شکل لڑکی کی ایک بات ۱۱
 مونگھ کر بڑبڑاتی تھی کہ خوشنور مشرقی لہری
 ہیں۔ جب مجھے یہ بات یاد آئی تو ایک شخص میرے
 گئی میرے تصور میں نئی کار اس پر چڑھا تھا۔ وہ ڈرا
 میں اس وقت نفوذ آئی تھی جب میں بالوں کے ساتھ
 نے نئی کے باب خیر میرے کے ساتھ شری کی
 شیر مار ڈیٹ نام کا شری تھا اور ذی کی
 تھی جی شیر مار کے بارے میں بالوں کا خیال تھا کہ
 ایجنٹ ہے۔ اس کی بیٹی نئی کے نام کا پہلا
 دیٹ نام مشرقی لہری میں شری کا جائے
 میرا جسم سنسناتا تھا۔ کیا بالوں دشمنوں کے
 میں نے اختیار کر کے سے کھڑا ہو گیا۔ مجھے
 دیر لگنا ہوا قریب آگیا اور بڑے دست بولا
 "آں... آں... میں نے جو کچھ کہا
 کر کے سے کھڑا ہونا میری انتظار کی حرکت تھی
 دیر میں سے آیا۔ میں نے اس کی ادائیگی
 اٹھا نہیں۔ دوسرا لڑکی فیصل میں کی یاد تھا کہ کچھ
 بالوں کی شکل ایک باغیر میرے ذہن میں
 تھی بھی نہیں کہ اسے آسانی سے فراموش کیا جا سکا
 میں سامنے آئی تھی! وہ انداز میرے ذہن پر آئے
 اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا میرے
 لیکن میں یہ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ اگر
 بالوں کا پتہ چلائے گا تو مجھے نہ ملے گی کیا کیا
 میں نے اس ریسٹورنٹ میں اوجھار کیا

ہمارا کچھ نئی ملک پہنچنے کی کوشش کرنا چاہیے۔
 ملک پہنچنے سے قبل میں ایک بار میرا اس جگہ کے سامنے
 ان کی شکل کو جانتے دیکھا تھا۔ اس مرتبہ میں نے
 پہلے اس جگہ کا تجربہ ذہن نشین کر لیا۔
 اور ان کی ریس روڈ کی طرف فوٹے پھری تھی۔ اپنے
 اٹھن منبھال میں راؤ لہری سے رابطہ قائم کر کے
 گھر گھر کرنا چاہتا تھا لیکن مجھے اپنی اس کوشش
 اہل ماس میں ہو سکی۔ میں نے اس کا نام خود ہی
 "میں کیا اور غزال سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش
 کی کہ وہ رول کو میں سے ایک نئی اور جبے باز
 ہوا پریشان تھی۔ اس نے بالوں کا پتہ چلائے گئے
 تھا لیکن اور مجھے خود ہی پریشانی لاحق تھی کہ ان
 میں میں نے اس سے بیٹھوں پر رابطہ قائم کر کے
 نہ لایا ہے تو شاید اچھل ہی پڑی۔
 ۱۱ اور ۱۲ میں میں تھی زور سے جی تھی کہ میرا
 "میں تو تفصیل سے گفتگو ہو"
 لڑکی نے ہالی سے پوچھا۔
 اس کے ریسٹورنٹ میں بالوں گھر ڈاکو مناسب
 ۱۱ ہے ہیں۔ اس نے پوچھا۔
 ال! ہوں۔ آپ پتہ بتائیے؟
 میں نے استعمال ہیہ میں کہا۔
 ۱۱ ہوں۔
 کہا "اس ع!"
 اسٹارٹ اور پھر کہا کہ اچھا بات ہے! آباؤ
 اس نے کہا۔
 "میں نے اس سے کہہ کر ریسٹورنٹ میں کہا۔
 "اس گھر پر ہی سلائے گا۔ اس پر واپس آؤں گے
 "میں ہوں کہ تا کیے منتقل کا خیال منور
 "میں نے ویش تھا۔ اس کے لیے ایسی ہی
 "میں اس کے ذہن سے نئی کو جیک کرنا چاہتا
 "میں نے اس کے ذہن سے اس کی فراموش کیا۔
 "میں نے اس کے ذہن سے اس کی فراموش کیا۔
 "میں نے اس کے ذہن سے اس کی فراموش کیا۔

جاکے گا۔ میں اس میں سوچ سکا تھا کہ ذی کو کس طرح ذریعہ بنایا جا سکتا ہے۔
 غزال کو آگے بڑھنے کے بعد میرے گھر پہنچا تھا میں نے اس وقت
 کورسٹ انڈیا میں خانا کو مناسب نہیں سمجھا اور ایک بار خود بیٹھیں فیصل
 کیا جب کہ وہ واقعی اپنے گھر پہنچ چکی ہوں۔ اس کے ذہن میں گرائیں چھلاوا
 کہتے ہیں تو غلط نہیں سمجھتے۔ وہ جی میں ہاں ہوتی ہیں تو میں وہاں!
 سمجھتے سمجھتے میں جو کچھ بڑا کھراس لڑکی کی ٹیکسٹ کیٹ پیش
 کی طرف جانے والے راستے پر مڑ گئی تھی۔ میری کچھ میں نہیں! اس کا کہہ دیا
 کیٹ اسٹیشن کار پر کیوں کر رہی ہے کیا اس کے دماغ میں یہ خیال آئی
 ہے کہ وہاں وہ بالوں کو اپنے میں لپیٹ کر بولے گی؟
 لیکن بات کچھ اور تھی جس کا نظریہ مجھے رولر بولر کیٹ اسٹیشن
 یاد آیا۔ میں بیکر پڑا جب کہ وہ رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ
 بیرون ملک سے تیار جنگ بندی واپس آئی تھیں اور ان کا شمار ان کی ہی
 دکان میں ہوتا تھا جو بالوں کے لاپتہ ہوجانے سے پریشان تھے۔
 بیکر پڑا کہ وہ سے بنی شری شری میں تو بہت بدلتا رہا لیکن
 بعد میں غصہ ہو گیا تھا۔
 دوسری طرف سے بیکر پڑا کہ اس کے کیرئیر نے ریسپونڈ کیا تھا۔
 میں نے اسے پناہ دینا اور بیکر پڑا کہ اس کے بات کرنے کی خواہش
 ظاہر کی۔
 "بیکر صاحب! اس وقت بہت مصروف میں۔ کیرئیر نے ہی لہجے
 میں کہا جو بڑے آڑیوں کے سکریٹریں کا نشانہ بنو تاتے۔
 "میں بھی کچھ کچھ عدم فضا میں ہوں۔ میں نے تنگ لہجے میں کہا۔
 "آپ براہ کرم بیکر صاحب کو یہ اطلاع دے دیجئے گا کہ مجھے بالوں کے بارے میں
 کچھ اور اطلاعات موصول ہوئی ہیں۔ پھر میرے سکریٹری کے جواب کا انتظار
 کیے بغیر اچھلائے۔ وہ انداز میں ریسپونڈ کر کے پڑ پڑ دیا۔
 بڑے آڑیوں کے مسئلے میں جن رسمیات سے دوچار ہوا پڑتا
 ہے! وہ مجھے عیشی کو فٹ میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ ریسٹورنٹ میں کرتے وقت
 میں نے سوچا کہ اگر بیکر پڑا کہ اس معاملے سے لہجے ہوگی تو
 وہ خود ہی مجھ سے رابطہ قائم کرے گی۔
 میرا اندازہ درست ثابت تھا۔ ذی کو اس منٹ بعد ہی بیٹھوں کی گفتگو
 پہنچ گئی میں نے ریسپونڈ کیا کہ اس کا وہ میں میں کہا۔ "بیٹھو! اسٹیشن!
 "بڑا کیجئے! بیکر صاحب! آپ بات کریں گی۔ دوسری طرف سے
 بیکر پڑا کہ اس کے سکریٹری بول۔ آتا۔
 میں ایک باغیر اس کا نشانہ بنا کر دیا۔ اگر خود بیکر صاحب ذی
 کرتیں تو کیا ان کی انٹی نوٹ جانی؟
 "جیلو! اسٹیشن! ریسپونڈ میں بیکر پڑا کہ اس کا وہ اسٹیشن کی
 "جی بیکر صاحب! میں نے اپنے لیے میں بھی کو دے جانے کی کوشش
 کرتے ہوئے کہا! بیکر آپ کو کچھ فضا میں ہو تو میں آپ کو بتاؤں گا کہ

”وہ کہاں ہے؟“ بیگم پر تاب گڑھ نے بتائی ہے پوچھا۔
 ”یہ تو مجھے نہیں معلوم بابو کہاں ہیں لیکن میں انھیں ضرور لگا سکتا ہوں۔ وہ کہاں ہوں گی۔ دراصل وہ ہندی سے کراچی کے لیے روانہ ہوئی تھیں لیکن ٹرین کے کراچی اسٹیشن پہنچنے سے قبل ہی کسی نے اُن کو اغوا کر لیا۔“
 ”کیا اب بیگم کو وہ قفر پر بھیج دیا؟“ اسی نے کہا۔
 ”نہیں گوگل نے جن کے خلاف وہ مرکز کارہی ہیں۔“

”ادو! ادو! ہسٹریزن! یہ کنگو فون پر نہیں ہو سکتی۔ آپ میرے گھر آجلیے!“ اس کے لیے میں خفیہ سا حکم تھا جو اس کی عادت ہی کا خستہ ہو گیا لیکن مجھے وہ بہت بری طرح کھل گیا کہ بالواسطہ نہ تو تو میں اپنا رد عمل ظاہر کیے بغیر نہیں رہتا۔ میں جانتا تھا کہ بانو کی تلاش میں بیگم پر تاب گڑھ کا اثر و سحر بہت کام آسکتا ہے اس لیے میں نے اپنے سو کوئی خزانے کو بہر جان درپیش کر لیا۔

”میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔“ وہ پھر بولی۔
 ”لیکن میں فوراً نہیں آسکتی۔ میں کسی کا انتظار کر رہا ہوں۔“
 ”مجھے آدھا گھنٹہ تو لگ ہی جائے گا۔ میں نے گزری پندرہ گھنٹے سے کہہ دیا۔“
 ”آئی دیر! آپ کو فوراً آنا چاہیے ہسٹریزن!“
 ”میں مجبوراً جلد گئے کی کوشش کروں گا۔“ میں نے مزید تیار کرنا

ادھر جواب سے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔
 اس کے دس منٹ بعد غرا لیسے گھر پہنچ گئی۔ میں نے اُسے نشست کے کمرے میں بھیجا۔ وہ خاصی پریشان نظر آ رہی تھی اس نے آتے ہی بازو کے بائیں میں سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

”سبر! سبر! میں نے جواباً دو فون اٹھا تھا۔ کہا کہ تو جتنی فکر نہ کر۔“
 ”جو اس سے زیادہ پریشان میں خود ہوں۔ ذرا پرسکون بننے کی کوشش کرو۔ میں تمہیں سب کچھ تفصیل سے بتا دوں گا۔“
 غرا لیسے کے چہرے سے غصہ اب تو کم نہیں ہو سکا لیکن وہ لظاہر اس طرح پہنچتی جیسے ممکن سے میری باتوں کو کٹے کٹے آدھے چوڑھی جو۔ جس نے کسے بتایا کہ میرے انداز کے مطابق بانو کو اغوا کر لیا گیا ہے۔

”وہ راولپنڈی سے کراچی آ رہی تھیں۔ میں نے کہا کہ کراچی اور حیدرآباد کے بیچ میں کبھی بیگم نہیں غائب کر دیا گیا۔ مجھے اُن کے دہشت میں صرف ایک دھماکا پڑا جو اٹھتا تھا۔ اس دھماکے کے بعد کوئٹہ پر این کرنا ہوا تھا اور اس میں جو خوشبو تھی وہ صرف مشرقی لیبیہ کی طرفوں میں پسند کی جاتی ہے۔“
 میں نے مصلحتاً بانو کی ہینکل لڑکی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ واصل

اس سے غرا لیسے کی طرح الجھ جاتی اور میں چاہتا تھا۔
 ”میں نے گھڑت نہ لگاتے ہوئے لڑکی پر نظر نہیں پڑا۔ جس کے نام کا پہلا ح پرنسز اس لئے ہے کہ بانو اس کے پاس بیٹھی تھیں۔ بانو کو وہ غافل تھا۔“
 ”تسے صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم اس لڑکی کو“
 ”میں اپنے دانتوں سے کٹے کی کٹ لیا ہشتل ہوتے ہوئے کہا۔“

”اس کا گوشت سے مدد لینا چاہیے۔“
 ”میں اس اتنا چاہتا ہوں کہ تم اسے چیک کرو۔“
 ”چیک کرنے سے آپ کی کیا مراد؟“
 ”میں فوری طور پر اس سوال کا کوئی بر بات ابھی نہیں دے سکتی۔ میں بھی صاف قدم اٹھا رہا ہوں۔“

”میرا خیال ہے کہ تم اس سے ادھر سکا۔ لیکن ہے اس طرح کوئی کام کرنا۔“
 ”غرا لیسے پر میں پڑھی۔ چہرہ تڑپا۔“
 ”وہ لڑکی دینی کہاں ہے اور اس کا نام؟“
 ”اس کا نام نوبی ہے اور وہ شیر پور۔“
 ”لیکن ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ“
 ”میں غلط نہیں کہہ رہا تھا۔ میں نے اسے ادھر پھر کسے تفصیل سے بتا دیا۔“
 ”سب کچھ جان لینے کے بعد غرا لیسے میں نے اپنی آخری پندرہ منٹ ڈال دی وہ پندرہ منٹ میں؟“

”ہاں۔“ میں نے جواب دیا۔ لڑکی ہستی سے ملنے کے لیے جا رہی تھی۔
 ”تو پھر آپ بالکل دیر نہ کیجئے۔“ غرا لیسے میں کسی کام میں بھی دیر نہ لگا رہا۔ پندرہ منٹ گزر چکے تھے۔

”دو میرے ساتھ ہی ساتھ بہرنگ۔“
 ”گرداں سے روانہ ہوئی اور میں کوئٹہ پہنچا۔“
 ”کی کوئی کی طرف روانہ ہوا۔“
 ”بیگم پر تاب گڑھ کو ڈیڑھ بجے پہنچنے سے پہلے اسے علی شان ڈیڑھ بجے میں پکڑا۔“
 ”نہیں ہوئی اور میں اسے تفصیل سے بتا دیا۔“

”ابھی ہم پر مشیمہ نہیں کر سکتے جو غرا لیسے لڑکی کے ذکر سے پرہیز کرتی ہیں۔“
 ”ماہ اس کی آنکھوں سے ابھرنے بھی جانتے تھے۔“

”اور جانتی ہیں؟“ میں پوچھ بیٹھا۔
 ”نہیں۔“ وہ کچھ کہنے کے لیے جک گئی۔
 ”ماہ سے پوچھا۔“
 ”ماہ کی؟“

”ماہ کی لڑکی بیگم پر تاب گڑھ نے بات بنا دی۔“
 ”میں جاس کی زبان پر آئے آتے رہی۔“
 ”مگر وہ دھماکا پڑا۔“ وہ پھر بولی۔

”تو اس میں ہے؟“
 ”میں نے اسے اس حالت میں کیا کہ ناچا رہی ہے۔“
 ”اور یہ شہینہ کی حرکت میں آنا چاہیے۔“
 ”یہ کہہ کر کرتے ہوئے اس پکڑ میں پھنسی

لہ کر کہہ دیا۔“
 ”میں نے ذاتی طور سے بانو کو

”طقت ہی سے“
 ”وہ بلا تا تم کرنے کی کوشش کیجئے۔“
 ”وہ یہ سامان تو نہیں پڑا لیکن بہر حال میں“
 ”ابھی اسے فیکس کیا نام بتایا جس نے آپ کو

”ماہ؟“

”میں نے اسے پندرہ منٹ ڈال دی۔“
 ”میں نے اسے پندرہ منٹ ڈال دی۔“
 ”میں نے اسے پندرہ منٹ ڈال دی۔“
 ”میں نے اسے پندرہ منٹ ڈال دی۔“

”میں نے اسے پندرہ منٹ ڈال دی۔“
 ”میں نے اسے پندرہ منٹ ڈال دی۔“
 ”میں نے اسے پندرہ منٹ ڈال دی۔“
 ”میں نے اسے پندرہ منٹ ڈال دی۔“

”ابھی ہم پر مشیمہ نہیں کر سکتے جو غرا لیسے لڑکی کے ذکر سے پرہیز کرتی ہیں۔“
 ”ماہ اس کی آنکھوں سے ابھرنے بھی جانتے تھے۔“
 ”اپنے سے فون پر بات کرنے کے فوراً بعد کاٹ دیا۔“
 ”وہ موجود ہے۔“

”بیگم پر تاب گڑھ نے کما حقہ کوڈ رنگ ڈھم میں لڑا لیا اور اسے نہ صرف حال سے آگاہ کر کے بلکہ بیگم پر تاب گڑھ کے ساتھ جاؤ اور آپس میں مشورہ کر کے یہ بات کہ بانو کو کسی ملزوم قرار دیا جاتا ہے۔“

”بہت بہتر۔“ کما حقہ نے اسے کہا۔
 ”میں فوراً کھڑا ہو گیا اور بیگم پر تاب گڑھ سے اجازت چاہی۔“
 ”کوئی سے ملنے کی بات نہ کرو۔“
 ”میں فوراً کھڑا ہو گیا اور بیگم پر تاب گڑھ سے اجازت چاہی۔“

”میں اب مناسب نہیں۔“
 ”ذرا دیر بعد میں نے کوئٹہ میں ملزوم قرار دیا۔“
 ”میں نے اسے پندرہ منٹ ڈال دی۔“
 ”میں نے اسے پندرہ منٹ ڈال دی۔“

”میں نے اسے پندرہ منٹ ڈال دی۔“
 ”میں نے اسے پندرہ منٹ ڈال دی۔“
 ”میں نے اسے پندرہ منٹ ڈال دی۔“
 ”میں نے اسے پندرہ منٹ ڈال دی۔“

”میں نے اسے پندرہ منٹ ڈال دی۔“
 ”میں نے اسے پندرہ منٹ ڈال دی۔“
 ”میں نے اسے پندرہ منٹ ڈال دی۔“
 ”میں نے اسے پندرہ منٹ ڈال دی۔“

”میں نے اسے پندرہ منٹ ڈال دی۔“
 ”میں نے اسے پندرہ منٹ ڈال دی۔“
 ”میں نے اسے پندرہ منٹ ڈال دی۔“
 ”میں نے اسے پندرہ منٹ ڈال دی۔“

وہ بالائی ہتھکن کے باہر میں کوئی نظارہ خیال کرنے کو نہ چھپ رہی تھی اور اب میں اس خفاشاہ میں مبتلا تھی کہ خروہ کی بات ہو سکتی ہے جو بیک پر تاب گراؤ نہ چھپائی لیکن وہ کوئی بہت ہی اہم بات تھی۔

کمانڈر صاحب واپس آکر کڑی سر پیچھا اور اسی وقت وید کا کافی لے آیا۔ کافی پینے کے دوران میں کمانڈر صاحب نے کہا کہ بالائی ہتھکن کے بلے میں سادہ ملامت دھنسنے کے انداز اندر حاصل ہو جائی گی۔

”بڑا قیمتی وقت گزرا جا رہا ہے۔ نہ ہلنے والوں کا عالم میں ہیں۔ ان کی ذات سے ان لوگوں کو کتنے چمکے ہیں کہ وہ تجھ کو نہیں گئے۔“

ڈاکٹر فیمک تو ان لوگوں کا بہت اہم آدمی تھا۔“

”ہاں اس آدمی کے بارے میں یہی معلومات حاصل کرنا ہوں گی جو
ڈاکٹر فرنگس کی مگر پر آجاتا۔“
”فوکس؟ میں نے کیا؟“ وہ کراچی میں نہیں ہے۔ جب بازخانہ
برائو تھیں، یعنی اس کے ہاتھ بندے دون پہلے توہین نے اسے چمک کرنے
کی کوشش کی تھی لیکن وہ نہیں مل سکا۔ وہ نہ توہین نے فرجنا تھا ہے اور نہ
اپنے گھر پر ہے۔“

”تو گویا بالوں کی تلاش میں بہت کچھ سہاوردگی کی طرف رخ کر رہا ہوگا؟“
 ”بظاہر تو کوئی اور صوفت سامنے نہیں ہے۔“

کمانڈر قوت نے کچھ سوچنے پر ہنسنے پر لایا اور پھر لولا لے کر باغیچہ
 شیر سہاوردگی کے گھر میں قید کیا گیا ہے تو میں آج ہی رات کو تیرے چلاؤں گا۔
 ”کیسے؟“

”میں جیون چھپے شیروں کے گھر میں داخل ہوں گا اور وہاں کے ایک ایک گوشے کی تلاشی کے لئے لوگوں کا۔“

”میں اور آپ ساتھ ہی چلیں گے۔“

”نہیں“ کا ذکر حق نے بھری تجویز کو بڑی سختی سے رد کر دیا اور بولا۔ ”بالے کا مونہ تیسرے بھاڑ کے نقصان و فسادات ہوتی جیسے اس قسم کی مہمت تو ہرگز ہی ناممکنی سے سر کی جاتی ہیں۔“

”اگر آپ بھی وہاں جھنسن گئے تو ہمارے۔“

”بیشک کے باہر سیر سے آدمی موجود ہوں گے۔ اگر میں ایک گھنٹے کے اندر اندر جھگے سے نہ نکلا تو وہ شیر سہارہ کے خلاف ڈائریکٹ ایکشن لیں گے۔“

”جوں“ میں نے فرمایا عیب پھر ٹھیک ہے۔“
 ”آپ نے فی کے سلسلے میں جو قسم لیا ہے، اُسے کسی اعتبار سے
 بھی مناسب نہیں کہنا سکتا، کیا نام پڑتا تھا آپ نے اس لوگ کا؟ غزالہ؟
 وہ ان خطرناک لوگوں سے کیونکر بچ سکے گی؟“
 ”دوست تیرا راز رکھنے سے۔“

”مگر قسم کی تیز و طرار لڑائیاں جب اس قسم کے لوگوں سے لڑائی
میں تو۔۔۔ ساری تیز و طرار ہی دھنست ہو جاتی ہے۔“

ماہر تیز گوش ہوں :-
 اکی کا نام دینا ہے۔ جگہ چھپنے سے ایک دُور قبل :-
 وہ ہلڑا زیل سے یہاں آئی ہے۔ پی۔ ای۔ ایم ایک :-
 اس نے کڑے پر حاصل کیا تھا۔ فی الحال یہ نہیں مددگار ہو :-
 ٹھوکر ن ہیں اور مان کہ اس لڑکی کے ساتھ نہ کیا مضنی

اے ہے !
کہ اسے میں مزید تفصیلات کل تک معلوم ہو جائیں گی ۔

ہم نے ایک بڑے سائنس دان کی پھر بھی مدد کی سے غلام کے
 سہمی کی دھات کا کدو دوسری طرف سے رسیوں رکھ رکھ دی گئی۔
 مہر پہلے لگا تھا جس نے لائن ان کرنے سے قبل لاکھوں
 حاجت کو رہنے کا روضہ کی ایک کن بھی بھی ہر ماہ کے
 ہ ایک ڈاک کے تھانے کو توڑنے کے لئے ہی بڑے تھے
 میاں کی بھی غفلت رہتا تھا تو غصے کے لئے کھر پڑتا تھا
 اس دن بلاتے ہیں تو میں بڑا سا مسخو کرنا میں

• یہاں کیا تھا اور اب آنتوں کے مطالبات میں خاموشی تھی۔
 لہذا فیروز بکٹر سے انڈے نکال کر فرائی کیے اور ڈبل لہو

مگر تاجِ جزا آتے ہوئے خود میں نے دیکھ لیا ہے۔ اللہ
 ظہرہ کہاٹے ویسے ابھی تک یہ بات طے نہیں پاسکی
 مگر بس پسند اپنی اپنی خیال اپنا اپنا ایل اپنا
 ۱۱۰۰۔

الہدی محمد مہمان صاحب! "ریسیور می آواز آئی۔"

میں نے ایک ایسی مائنسٹی اور کوئی سوال کرنے کی وجہ سے تھکا کر دیا۔
پھر بولی: میں سیدھی اس کے گھروں میں جاتی تھی لیکن ملازم نے بتایا کہ وہ
موجود نہیں ہے اور میں کل صبح یہاں سے ملاقات کر سکوں گی۔ اس کے
بعد میرے لیے اس کے کواکھی چارہ نہیں تھا کہ اپنے گھر کو تباہی
اب ملے اس کے کل کی دل کوں گی۔

یہاں سے کہیں کہیں ایک ایک گھر کے چھوٹے چھوٹے دروازے کھلے ہوئے تھے۔

”ہاں تم فون کر لینا۔ خود کوئی قدم اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔“

جتنی دیر میں ہو گئی اپنے اختتام کو پہنچی، میں ایک بار فیصلہ کر چکی گیا۔ میرا یہ فیصلہ یہ تھا کہ اس طرح آج رات کا طریقہ نہ شہیرہ سادہ کے گھر میں کھنے کا فیصلہ کرنا تھا۔ اسی طرح میں اس بڑی رضیہ کے بچے میں جا گھسوں۔ یہ نامکن نہیں تھا کہ مجھے وہاں سے کوئی عمر بھر غل مل جاتا۔

نشد چھا جاتا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر مجھ پر وہ نشہ نہ چھایا تو میں کم از کم دو سالے دیوان تو آگ میں ڈال دوں گا جو میری کتابوں کی الماری میں جملہ افروز رہتے ہیں۔

باعث ابھی سے آدھی رات معلوم ہونے لگی تھی، بلکہ یہ شکر گراچی تو آدھی رات کو بھی آتا رہا، ایک اور ویران میں جہاں جہاں دنوں ابتداء سے شبہ ہی میں سو جاتا تھا۔

یہاں اس کی تاریخ ایس کے علاقے میں مہینہ نومبر نے اپنی

دروازے پر بڑھا ہوا ہمدہ اُس کے گھٹنے میں قدمیں
لے آئے بس اتنا ہی کھول کر دوسری طرف نکل سکے
یہ ایک چھوٹی سی راہگاری تھی جس میں ایک
میں نے آہستگی سے دروازہ بند کیا اور ہمدہ
بڑھا ہی تھا کہ میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی

وادہاری میں داخل جانب دروازے سے
 ہوا تھا۔ اسی گھلے ہوئے دروازے میں سے ایک
 وہ بائیں جانب تھا اور میرے قریب کوئی ایسی جگہ نہ
 کر سکتا۔ ایسی قسمت ہی، جیسی علی کی شخص کی نظر
 راصل دروازے سے نکلنے ہوئے اس کا رخ میری
 تھا۔ وہ اپنے ہاتھ میں چائے کی ایک پیالی سنبھا
 لے بڑھ کر بائیں طرف نظر کرنے والے ایک درہ
 اس وقت میرے دل کی دھڑکنوں کا یہ
 اس دھمک کی ہونے کی جیسا میرے ستاروں
 پہلے ہی میرے میں سارا اکیل گرجا جاتا تھا۔
 سے حرکت میں آ جانا چاہئے اس سے پہلے کہ پھر
 کے کسی میسٹر پویش میں پہنچ جانا چاہئے تھا۔
 میری داخل جانب گھلا ہوا دروازہ ۱۸

لگے، ایک دیواریں ایک اور دروازہ تھا جو باہر
 سے آئے کھول کر دیکھنے کی زحمت نہیں کی۔
 وہ اُس دروازے پر پہنچ گیا جہاں سے وہ
 دروازے پر پہنچے پر پہنچے ہوئے تھے اور وہ
 مجھے وہاں کوئی نظر نہیں آیا۔ وہ لاٹوکی تھا
 لاٹوکی چشمہ زردی ہوئی تھیں۔

لاذبح مست بڑا تھا اداس میں کئی گھنٹوں
 سے دھواڑ لگلا ہوا تھا اور اس کے کچھ آوازوں
 پر رہی تھیں۔ میں پکٹا ہوا اس دروازے کے
 تالین پر بجا ہوا تھا اس لیے میرے قدموں کے
 دروازے کے قریب پہنچنے میں ہی ملے اور
 دھڑکنے لگا۔ وہ بڑے پریم انداز میں کسی سے کہہ رہی تھی
 کہ کھلی تو میں تھا جسے جسم کے ایک پہنچنے سے
 دل کی بات ہو۔

میں نے جہانگیر کو دوسری طرف دیکھا۔ وہ
ایک پرچی جو دیوار سے لگا ہوا کھڑا تھا اس
میں ایک منظر آدمی جس کی منظر نویسی کی طرف
میں ایک گوشے کی میز پر کھڑی تھی جس میں
تھا اور دوسرے ہاتھ میں چائے کی پیالی تھی

دیکھ کر مجھے خاصا تعجب ہوا۔ لیتھیا وہ آدمی شیر مبارک
 کا، اس کا مطلب یہ تھا کہ رضیہ آدمی کا سرخ نکلنے
 والی اور بھروسے کی طرح شیر مبارک کے ایک آدمی
 کا حامی ہے جس نے نتیجہ میں آؤں گا کہ ایک پیش پر باز
 کی ہٹان کوئی ڈراما نہیں تھی۔ وہ واقعی، ہڈی تلاش
 والے؛ رضیہ بھر لیلی۔ وہ انگریزی میں بہت کڑی
 انڈس کچھ سنا کر تھا۔

۱۰۔ کہ وہ دینی کے قریب پہنچ گئی۔
۱۱۔ میں ہندوستان کی اسٹنٹ ٹرولوں کا تصور ابھرا۔
۱۲۔ اے لڑ بھتیجی!
۱۳۔ لہذا یہی پرچاکہ برسرِ اشرع کو بیہ ادویشی و ذبح

ایک چاروس میں اُن کے بعد انسان کے ذہن میں پہلا
 لوگوں ہے؛ دوسرے ذہن میں بھی یہی خیال ابھرا میری
 اور اُن کی، دیکھا ہوا تھا لیکن اس پر پڑے پڑے
 جسم میں دوسری طرف کا سفر دیکھنے سے قاصر تھا میں نے
 لالہ و ہرمن جیابا انگریزی دتہ دروازے کی طرف سے

"دل کی بہت بڑی ہولی ہے، یہیں کے ہمتی ساس کے کہنا
 "دل کی بجی، مجھے کہتے ہیں،" اس نے خشک ہنس میں پوچھا۔
 "خانا بہ مشق کے غصوں میں مبتلا ہے۔"
 "تو تھیں مجھ سے عشق ہو گیا ہے؟"
 "ہاں، یہیں خشک دل لہو، ہم جی رہے ہیں اگر تم میرے دو چار بچپن

سوچتے سمجھتے مزید مملکت حاصل کرنے کے خیال سے یہی مملکت
 باوجود ہمیں ہمارے دخل کرنے کے نام پر کوئی امداد نہیں تھا کیونکہ میرے پاس
 تبدیل کرنے کے لیے کپڑے ہی نہیں تھا اور جب تک کپڑے تبدیل نہ
 کیے جائیں مجھے نہانا بہ سوا ملامت نہ ہوتا ہے۔ ایسے وقتوں میں صرف
 مذہب سے پرکاشنا کرتا ہوں جانچتا ہوں وقت بھی میں نے ایسا ہی کیا
 مذہب دھوئے تو پتے سے منکھ ہاتھ خشک کرنے اور واش میں
 کے اوپر کے ہونے آئیے میں دیکھ کر ال دست کہنے میں میں نے ہزار
 مرتب صرف کوشش اور کراہی اور ان میں مصروف تھا کہ کچھ نہ کر سکتا تھا

یسا الطینان ظاہر کر رہا تھا جیسے وہ لڑکی میری میزبان محض اور میں نے بہ بزرگو

دو طرفوں کے درمیان اور غالباً اس پہلے سے چیدلی سے آپ کو نامہ میں پہنچ سکتا ہے۔

”آپ کو یہ اطلاع دی گئی ہے؟“

”یہ آپ کو نہیں بتایا جاسکتا ہے۔“

”تو پھر پتہ تو کچھ آپ میرا اور اپنا وقت ضائع نہ کریں۔“ رضیہ نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

”آپ قانون سے کہنے کی کوشش کر رہی ہیں؟“ رضیہ نے روت بولا۔

”آپ ہمیشہ حقوق کو پالنے کی کوشش کر رہے ہیں؟“ رضیہ نے روت سے بھی زیادہ جارحانہ انداز میں کہا۔ ”اور آپ کے ٹھکانے بے پرواہی سے جاری رکھیں تو میں اپنے سفارت خانے سے رابطہ قائم کرنے پر مجبور ہوجاؤں گی۔“

”بھروسہ یہیں جارہا ہے۔“ رضیہ بھی میرے ٹھکانے کا کوئی فرد اپنے رابطہ کو نہیں کرے گا لیکن جانتے جانتے میں ضرور کہہ دینا چاہتا ہوں کہ قانون کے ماتھے پر ہاتھ رکھتے ہیں اور کوئی بات بھی زیادہ غصے تک قانون کی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہو سکتی۔ خدا حافظ۔“

”میں نے ڈراما ٹیگ دوام میں جھانکا۔“ رضیہ نے لیے دنگ بھرتا ہوا بیرونی دروازے کی طرف جارہا تھا۔

اب مجھے وہاں گھسنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میں تیزی سے مڑا اور لیے پاؤں دوڑتا ہوا اسی کمرے میں کٹ گیل میں نے بیٹا پاٹ اٹھا اور اپنے سامنے رکھی ہوئی بیلانی میں چائے انڈیلنے لگا۔

کوئی مین منٹ بعد جب رضیہ کمرے میں آئی تو میں کسی کی کت سے ڈکا ہوا پائے کے ٹھونٹ سے رے رے ہوا رضیہ سوچ میں ڈوبی ہوئی میرے سامنے آجی ادھر میری آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

”کیا یہ اطلاع تمہارے ذہن سے اس تک پہنچی تھی؟“

”کوئی سی اطلاع؟“ کسی کی بات کر رہی ہو؟“

”جے۔“ رضیہ نے نہ کی کوشش مت کرو۔“ رضیہ نے منہ بنا کر کہا۔ ”تم دوڑنا پھر سے ہو کر ساری باتیں سن چکے ہو۔“

میں جھپٹ گیا اور پھر آہستہ سے بولا۔ ”کیا تمہارے سر کے پچھلے حصے میں بھی آنکھیں ہیں؟“

”میرے سر میں صرف دماغ ہے جو سوچنا جانتا ہے۔ میں نے تمہاری غلط کوشش حد تک سمجھ لی۔ اس کی روشنی میں میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ اس وقت تم پہنچے نہیں۔“ رضیہ نے منہ سے سیرا اندازہ ہی تھا کہ تم میرے پیچھے پیچھے دوڑاؤنگ دوام تک پہنچے ہو گے اور تمہارا اس سوال سے میرے اندازے کو سبب مل چکا ہے۔“

”خدا کی پناہ۔“ میں آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ”کیا برازیل کا وہ پرندہ سا بیڑی زمین میں ہوتا ہے؟“

”ہاں کا ذہن۔“ وہ میرے انداز پر مسکرا اٹھی۔

”مجھے یقین کیا ہے۔“ میں نے سر ہلا کر کہا۔

”لیکن تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔“

”روت کو تمہارے بارے میں دیگر تراب گروہ۔“

”کیونکہ میں نے تمہارا ذکر صرف بیگ پر کتاب گروہ۔“

”میں۔“ رضیہ اس طرح سر ہلانے لگی جیسے واقف ہو۔

”لیکن روت کے ساتھ تمہارا دو بیڑی بھی ہیں۔“

”ہاں۔“

”ظاہر ہے کہ روت کو باؤ کا دشمن تو نہیں ہو۔“

”تم اپنا حلیف بنائیں تو باؤ کی تلاش میں کچھ آسانی میں سرگواہی آجیوں سے دور رہی رہنا چاہیے۔“

”وہ جہ۔“

”وہ لوگ مجھ سے یقین ایسی باتیں معلوم کر گئے جو میں کی قیمت پر بھی نہیں بتانا چاہتی اور نہ بتا کر ہوا کچھ نہیں ہے کہ باؤ ان باتوں کو پوشیدہ کرتے ہیں۔“

”تم نے یہ غلطی کر کے تو میرے ذہن میں باؤ کی تشکیل پائی ہے۔“

”اس میں تو کوئی شہ نہیں کہ باؤ نے اپنے اپنی شخصیت کو بے حد بڑا کرنا شروع کیا ہے۔“

”میں نے جانتے جانتے باؤ کی غرضی گھونٹ کے کھنا میں رکھ دی۔“ پھر غرضی پر غور کیا۔ ”بڑا بڑا۔“ مجھے پر ہونا چاہیے تھا۔

”کیوں؟“

”میں نے باؤ کی تلاش کے سلسلے میں کچھ ممکن ہے اب تک ان کا کچھ نہ مل سکا۔“

”ذہن میں صرف یہ بات تھی کہ رات کو کمانڈر حق داخل ہوا تو گاؤں میں کھن بے کس اس نے کوئی ہو۔“

”میں تم سے باؤ کی رہی کے سلسلے میں مدد تمہیں اس سلسلے میں کسی نتیجے کا پتہ چلنے والا تمہنے کیا قدم اٹھایا تھا؟“

”یہ میں بعد میں یقیناً سے بتاؤں گا۔“

”بوسے کا۔“

”میں کچھ ہے تو پھر کچھ ملے ہو؟“

”کیا اس گھر میں یلیفون ہے؟“ میں نے اسے

”ہاں ہے۔“

”مجھے اس کمرے سے دو میں موقع ملے۔“

”اب مجھے یہی پتہ چل گیا ہے کہ باؤ کی تلاش میں کچھ ممکن ہے اب تک ان کا کچھ نہ مل سکا۔“

”ذہن میں صرف یہ بات تھی کہ رات کو کمانڈر حق داخل ہوا تو گاؤں میں کھن بے کس اس نے کوئی ہو۔“

”میں تم سے باؤ کی رہی کے سلسلے میں مدد تمہیں اس سلسلے میں کسی نتیجے کا پتہ چلنے والا تمہنے کیا قدم اٹھایا تھا؟“

”یہ میں بعد میں یقیناً سے بتاؤں گا۔“

”بوسے کا۔“

”میں کچھ ہے تو پھر کچھ ملے ہو؟“

”کیا اس گھر میں یلیفون ہے؟“ میں نے اسے

”ہاں ہے۔“

”مجھے اس کمرے سے دو میں موقع ملے۔“

”اب مجھے یہی پتہ چل گیا ہے کہ باؤ کی تلاش میں کچھ ممکن ہے اب تک ان کا کچھ نہ مل سکا۔“

”ذہن میں صرف یہ بات تھی کہ رات کو کمانڈر حق داخل ہوا تو گاؤں میں کھن بے کس اس نے کوئی ہو۔“

”میں تم سے باؤ کی رہی کے سلسلے میں مدد تمہیں اس سلسلے میں کسی نتیجے کا پتہ چلنے والا تمہنے کیا قدم اٹھایا تھا؟“

”یہ میں بعد میں یقیناً سے بتاؤں گا۔“

”بوسے کا۔“

”میں کچھ ہے تو پھر کچھ ملے ہو؟“

”کیا اس گھر میں یلیفون ہے؟“ میں نے اسے

”ہاں ہے۔“

”مجھے اس کمرے سے دو میں موقع ملے۔“

”فضول باتیں مت سوچو!“ میں نے اپنے لہجے میں نرمی پیدا ہوئے

۱۔ اہل حق و عین کو جیسو ماننے کے بارے میں کچھ نہ کہہ دو

نہ لگتا گمبایا۔ اب آپ سے کیا پیدہ؟ میں

دو دنوں کا گردن کا مقابلہ کرنا اچھا لے بس کی بات نہیں اور اب اگر فلم شروع ہوئی تو وہ میں خود شروع کروں گا۔ میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ میرے

یہ دونوں شاکر اور امیر متحارب کریں تو ایک منٹ بھی اپنے پیروں پر کھڑے نہ رہ سکیں۔
 وہاں گاؤں میں نے اپنے دل میں کہا یہ کیا فتح میری بڑیوں کیلئے
 کا سارا جغزیہ خیر نہ رہا بلکہ کوسرے گاؤں
 جتنی نے کمرے میں لگے ہوئے دو لاکھ لاکھ پر نظر ڈالا اور پھر
 مجھ سے کہنے لگا میں تمہیں سوچنے کے لیے پانچ منٹ دیتا ہوں۔ چھٹے
 منٹ پر تم نے اگر میرے والوں کے جواب دینے پر کافی نہ ظاہر کی تو میں
 فلم شروع کروں گا
 اب دو لاکھ لاکھ کی "بم بم بم" میرے اعصاب دستلا ہو گئی
 دراصل میں غصوں کو ہاتھ کرکے مجھ سے مزین بانی کے کندھے نے نہ
 جلتے، اور اگر میں نہ جانتا تو شاید مجھے بعد میں اپنے فالوئرز مزہ جات کی
 تلاش بھی کرنا پڑتی مگر انہیں نہیں معلوم تھا کہ اب تو اس وقت کہاں میں کہیں
 مسئلہ یہ تھا کہ جو کچھ بازو کے بلے میں بی جاتا ہوں، وہ بھی ان یقینوں کو
 بتانا مناسب ہو گا یا نہیں؟
 ایک منٹ گزرا۔۔۔ دوسرا منٹ گزرا۔۔۔ تیسرا منٹ گزرا۔۔
 میرے اعصاب پر باؤ بڑھ چلا جا رہا تھا۔
 چوتھا منٹ گزرا۔۔۔
 اب سب کچھ فیصلے پر نہیں پہنچ سکا تھا
 "اب میں سیکڑہ کئے ہیں" ادھیٹر غزنی کی آواز کمرے میں
 گونجی۔

۱۰۔
 فیک کے ملازم غدر وارتہ بند کرنا چاہا لیکن
 ہو گیا۔ اس سرپرستہ رشید نے کوئی دوسری
 کی جو بھی وہ بھی نہیں کسی شاید وہ زبان
 اپنے لئے سرکردہ بانہ جنبش دی اور
 کے لئے۔
 کے گھوڑے سے انداز میں دھڑکنے لڑت دیکھتی
 مری طرف سرگرمیاں میری پشت کو لائی دیکھ
 ہر گز اس جیسے لڑنے لگتی۔ پھر وہ دوسرے
 کسی اور نہ دیکھ سکا کہ بننے لگی۔ وہ ہستی ہوئی
 "اے ہمارے بھائی مارا۔"
 حالت "وہ میری طرف ہلکی آٹھا کر
 وہوں نے تو نہ ہی بہت بری گت بنا ڈالی
 لے کے پھر میں مارا گیا۔ میں نے مڑنے نہ اتے
 لہا۔ آگے زانے ادب۔۔۔"
 نہ پھر گویا "میں نے بھی اس کی کھاٹ
 انداز میں کہا۔
 دست کو تو اطمینان سے سر پیٹ کر
 میں نے سر پٹنے ہوئے کہا۔
 میں ان گنت سوال میرے ذہن میں
 ہا جا کر گھنگو سے تل میں اپنا طیلہ درست
 اڑتھ کیا اور کپڑوں کی الماری سے
 دم میں جا بھلا۔
 اہانت کیسے الیہ نشان کی ہر کیر سے
 لیا تھی۔ ان بیتوں والے معاہدے کے
 وہ لڑا سرسبز ہو گیا تھا۔ وہ بیوی تھی بڑے
 رشید کی آواز حسن کران کی یہ حالت ہو
 وقت کے قہور کی آہٹ حسن کی بور۔
 اسی کا شمس تھی۔
 ۱۱۔
 تبدیل کر کے اپنے بالوں میں گنگا
 ہا جان رشید صوفے کی پشت پر عیبت
 لہا کہ سوچ رہی تھی میری آہٹ
 میں ذکر بھیتیں ہوئی مسکرائی۔
 اہل حال ہوتا؟ وہ لولی۔

”لیکن تم آئیے غریب“
”جب تم میرے گھر سے رخصت ہوئے تھے تو میرے آدھے ہونے
مجھے اطلاع دی تھی کہ راجا ایک آدمی کو میرے گھر کی نگرانی کر رہا تھا۔
تم اسے تعاقب میں جا گیا ہے۔ بس میری سہولت کے لیے ایک آدمی کو اس
کے تعاقب میں دوڑا دیا۔ بعد میں میرے اس آدمی نے اطلاع دی کہ
راجا کے آدمی نے تمہارے گھر تک تمہارا تعاقب کیا تھا اور میری ایک مکان
سے غائب راجا کو فون کیا تھا۔ فوراً ہی راجا اپنے ایک آدمی کو سنے کر
پہنچ گیا اور وہ تنہا تمہارے غلط میں داخل ہو گئے۔ مجھے جب یہ
اطلاع ملی تو میں نے میں نے رنگے رنگیں گھنٹی بجنے کے باوجود ریسور
نہیں اٹھایا گیا۔ اس کے بعد جس کی کشتی تھی کہ خود ہی لاکھڑوڑ پڑیوں
میں اپنے اس طائر کو بھی ساتھ لے لی تھی وہ نہ صرف اردو زبان بولتا ہے
بلکہ دنیا کی کئی اور زبانیں بھی اہل زبان کی طرح بول سکتا ہے۔ میں
نے اس سے کہا کہ وہ دودھ والے کا پیٹ اٹا کر کئے میں یہ ڈرامہ کھیل
کر دو روزہ کھلوانا چاہتی تھی لیکن جب اس طرح بات میں جی تو مجھے
خود ہی کھل کر سامنے آ جانا پڑا۔“
رضیہ نے اپنی تفصیل سے ساری کہانی سنائی تھی کہ مجھے کسی
بات کی آخری جانب کی ضرورت نہیں رہی۔
”آخر یہ کیا ہے کیا ہوا؟“ میں نے پوچھا۔
”دوسروں کے لیے تو وہ ہلا ہی ہے لیکن تم نے دیکھ ہی کیا کہ
میرے سامنے وہ کسی بھی جی کی بیگناہ تھا۔“
”لہذا یہ سوال پیدا بھیج کر تم کیا کیا ہو؟“ میں نے اسے
گھومتے ہوئے کہا۔
”میں بات میرے سلسلے میں بھی ہے کہ میں دوسروں کے لیے تو کیا
ہوں مگر تمہارے لیے، وہ ہنسی کے ساتھ لے کر کہیں نہیں ہوں۔“
”میرے لیے کیا کیوں نہیں ہو؟“
”تم مجھے بہت باپ سے بارے از معلوم ہوئے ہو،“
”میں خود کو باکل اڑا کر چھا محسوس کرنے لگا ہوں۔“ میں نے
ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔
”یہ تمہاری ناخلفی ہے کہ تم اپنے والد کی شان میں گستاخی کر
ہے ہو۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
میں چند لمبے تنہا کے لیے اس کی طرف دیکھتا رہا اور اس کے بعد
غالباً دوسری بار ٹھنڈی سانس لے کر اپنے پیٹ پر ہاتھ بٹھاتا ہوا کہ ان
انجمنوں میں مجھے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ وہ کچھ لکھا تھا ابھی تک مختار نہیں
ملے۔
”تھوڑے لمحے میں ایک دہی ہے کیا کچھ بندوبست نہیں ہو سکتا؟“
”معدر میں پڑے گا۔“
”میرا تو کہیں جلنے کا توڑ بالکل نہیں ہے۔“
”تو پھر زرخش تلے جا سکتے ہیں۔“

کہنے میں افسوس ہے مجھے سخت ناپسندیں کیا قرب و جوار میں
کوئی ایسا بڑا نہیں ہے جہاں سے کھانا آ سکے؟
یہ علاقہ تو صرف ہماری یاد رکھا جب کے لیے مشہور ہے
کہ اب کھانے جاسکتے ہیں۔
"اس کے لیے مجھے خود جانا پڑے گا۔"
"زولا سے منگوائیے ہیں۔"
"زولا کون؟"
"میرا ملازم۔"
"وہ کہاں ہے؟ اسے تو قمر نے شاید واپس بھیج دیا۔"
"ہنیں، وہ بلاؤنگ کے نیچے کھڑا ہوا میرا انتظار کر رہا ہوگا۔"
غرض یہ کہ زولا سے کباب اور دو میاں منگوائی گئیں جن سے
ہم نے اپنے لیے پریٹ کاغذ پر کباب، رضیہ تیز چروں کی عادی نہیں تھی
اس لیے کھانے کے دوران میں اس کے آئینہ میں جیسے دسواں درپہن
گلاس کے اوپر اس نے خوب ڈوٹ کر رکھا تھا۔
کھانے کے بعد ہم نے چائے پی کر جو میں نے خود بنائی تھی
اور پائے پیئے وقت مجھے خیال آیا کہ میں اور رضیہ ایک حصے سے
اس طرح گھل گئی ہیں جیسے برسوں کی یادداشت ہو۔
"خاصی دیر ہو چکی ہے۔" میں بڑبڑایا۔
"کیا مطلب؟"
"اب تو یاد دکریر رہا۔۔۔۔۔"

"مجھے افسوس ہے رضوان، اس نے میری بات کھٹے ہوئے
سجھنے سے کہا۔" اگر میں کچھ باتوں کی تو باقی کا راز افشا ہو جائے گا۔
جو کچھ معلوم کرنا ہے وہ باقی سے معلوم کرنا۔ میں بس آسانی تاکتی ہوں کہ دوبا
کو بھی باقی کی تلاش سے اور میں دوسرا سے پہلے باقی تک پہنچنا چاہتی ہوں۔
اگر وہ کچھ برسر وقت نہ کیا تو بہت گڑبڑ ہو جائے گی۔ تم میرے غم سے
یہ کہہ کر بیٹے تھے کہ تم نے باقی کی تلاش کے سلسلے میں کوئی قدم اٹھا لیا ہے
اور انیس اپنے غم پر سوچ کر اس کا نتیجہ معلوم ہو گا۔ پھر کیا نتیجہ معلوم ہو گا؟
"ہائیں ہائیں ہائیں۔"

"یعنی؟"
"کل رات میرا ایک ساتھی شیر بہادور کے گھر میں گھسنا تھا۔ وہ وہاں
کا ایک ایک کوٹا بچہ چکا ہے۔ باؤواں قندیں ہیں۔
"تم مجھے باقی کی ان تمام سرگرمیوں کے بارے میں بتاؤ جو انہوں نے
گزشتہ دنوں جاری رکھی ہیں۔ مگر اسے کہ وہ معلومات حاصل کرنے کے
بعد میں ان کی تلاش میں کوئی بہتر قدم اٹھا سکوں۔"
"ٹھیک ہے۔" رضیہ نے سر ہلایا۔

میں نے باقی سرگرمیوں کی لمائی کا اندازہ فرغ کے واقعے سے
کیا اور بڑی تفصیل سے ایک ایک بات بتاتا چلا گیا۔ پچ بیچ میں رضیہ

کوئی نہ کوئی سوال کر رہی تھی اور جسے
اس طرح ہر سوال کے عملی استخراج کوئی بھی
جب یہ ساری لمائی ختم ہوئی تو وہ
رضیہ کی گہری سوتھ میں ڈوب گئی۔
یہ لگا تھا۔

"کما حد حق۔" رضیہ بڑبڑاتی۔ "ما
کتاب ہے۔"
"انوار پر ہمیشہ اعتماد کرتی رہی۔"
"گو یا شیر بہادور کے مکان کی شکل
"یقیناً۔"

"یہ بنیم پتا بگڑا کدو کھانے پر
"ہاں، اس کی بہت گہری
اپنے غصے کے بارے میں میں کچھ نہ کہہ سکتی
دو دو گھنٹے کی تھیں۔ غالباً وہ تمام
رضیہ نے لاپرواہی سے شا
بعد بولی "میں ان سے ایک ملاقات کر
بیسے بارے میں کیا کچھ جانتی ہیں۔"

بات چیت میں کچھ ہوئی تھی
"کون کیا کیا؟" میں نے بڑبڑایا۔
"وہ نہیں۔"

"سوال ہی نہیں بدلو۔ سو۔۔۔"
جب تک میں اسے نہیں بلاؤں گی۔
"تو پھر میرا کوئی وقت باقی
پہلی جاؤ۔ وہ جو بھی ہے میں آؤں۔
کروں گا۔"

رضیہ نے سر ہلایا اور اندر
میں دو دانے کی طرف ہر
کھول دیا۔

مجھے تو حق تو یہ کہ پھر خند نہ
اُسے دو دانے پر بچو کر مجھے دیکھ کر
مجھ کو کھانا تھا کہ غلیظ میں رہنے
ایک بل میں بہت سی تہذیب
تدبیر بھی ہو سکتی۔

"اتحاد پشتر خند نہ روٹ
مسترت کا انہار کیا کہ اندوئی کہ
کہنا کہ صورت حال کا سامنا
"ہلو! زوٹ سکر لیا۔"

ہمک آئے؟ میں نے دو دانہ بند کر کے ہوئے
ایک لائیں، میں ہلکی سے ایک طرف ہنستا
ہا ہائے انداز قدرت ہے۔
آپ کی دیکھ لیتے لیکن میں بعض معاملات
لٹاؤں نے اندر داخل ہوتے ہوئے

ہا آہا۔۔۔
"اسے میری بات کاتے ہوئے کہا۔" کل رات ان
بولی تھی۔
"میں نے صوفی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
میں نے اس کے سامنے والے صوفے کا انتخاب کیا اور
میں لطف دیکھنے کا مجھے اب اس کی کچھ باتوں سے

ملکی اطلاع صدر ملک کو بھی پہنچ گئی ہے۔ زوٹ
پھر بدینت کہ ہے کہ باؤواں تلاش کرنے میں کوئی
میں گراویں، پھر پھر سب سے پہلے پھر برباب گڈھ
میں نے اس کی ایک اور رضیہ سے ملاقات کی تھی جس کے
آپ کا گڈھ کو تانا تھا جس اُسے دیکھ کر میرا دل گڈھ
میں ہے کہ باؤواں کی جوانی کے نسلے میں باہل لسی

میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا اور پھر بڑی
اس سے کچھ معلوم ہوا۔
ناتال کے بارے میں انداز میں کہا۔ "وہ جو فیاضی تم
ماری کا لفظ مجھے بہت پسند آیا لیکن میں زوٹ
ہر کا۔"

"ہائیں، ابھی فیصلہ نہیں کر سکا ہوں کہ اس لڑکی کے
اٹھاؤں یا نہ اٹھاؤں۔"
"اٹھ کر کہو؟" میں اپنی اداکارانہ صلاحیتوں کو اٹھا

مدی گنگو نہ ہونے لگا جو مجھ میں چھب کر چکا تھا۔
مجھے مڑی تو میرے ایک ایک لفظ میں رہا ہوں۔ وہ
میرا نے زوٹ کو زیادہ وقت نہیں لگا اور پھر
میں نے کہا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس لڑکی کو تالیف
میں تدبیر سوچنا پڑے گی۔ وہ آسانی سے سیدھی راہ

پر آئے والی نہیں معلوم ہوتی۔"
"اگر میں اس سلسلے میں آپ کے کسی کام آسکوں تو حاضر ہوں۔"
"تب سے ملاقات کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ کچھ کام آئیں۔"
زوٹ نے سسکا کر کہا۔ "لیکن فی الحال میں آپ سے صرف یہ معلوم کرنا چاہتا
ہوں کہ کوئی میں باؤواں کے گریبان میں تھیں۔"
"میں آپ کو تفصیل سے بتائے دیتا ہوں۔"
"میں میری خواہش ہے۔"

جو کچھ میں نے رضیہ کو بتایا تھا، وہی زوٹ کے سامنے بھی قمر بولا۔
اس مکان میں مختار اور کمار مدین کا ذکر بھی لگا تھا۔ جب میں سب کچھ
بیان کر چکا تو زوٹ اپنے آپ میں تمباکو بھرتا ہوا، غالباً ان سب باتوں
کے تمام پہلوؤں پر غور کرتے لگا۔
"میرا خیال ہے کہ آپ چلنے یا سفر پر نکل کر گئے ہیں۔ اس لیے کہ
"اگر آسانی سے مل جائے تو کیا آسانی ہے مجھے بہت دیر سے
چلنے نہیں ملی۔"

چلنے کے جو بہت سے پہلو سے ڈرائنگ روم میں موجود تھے وہ مجھ
کر میں باؤواں چلنے کی طرف جانے لگا۔
"کیا آپ تمنا نہیں ہیں؟" زوٹ نے پوچھا۔
"ماں کو نہیں۔" میں نے سر جھکا کر مسکراتے ہوئے کہا اور ڈرائنگ روم
سے نکل گیا۔

جب میں باؤواں چلنے میں چلے گا ہوا تھا تو ٹیلیفون کی گھنٹی
بجنے کی آواز آئی۔ میں نے جلدی سے ٹھکر کا ڈبہ اٹھتے سے رکھا اور
باؤواں چلنے سے نکلا۔ جب میں نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا تو یہ
دیکھ کر میری جان نکل گئی کہ زوٹ اندرون میں دھڑک رہی تھی۔
میری آہٹ پر اس نے صرف سر مڑ کر دیکھا اور بولا "مٹا
کیجئے گا میں نے سوچا کہ آپ باؤواں چلنے میں مصروف ہیں اس لیے
میں ہی فون وصول کر لیں۔"

"ٹھیک۔ کوئی بات نہیں۔" میں ہلکا گیا اور پکڑ کر کمرے میں داخل
ہوتا ہوا زوٹ سے آگے نکل گیا۔
رضیہ کمرے میں موجود نہیں تھی میں نے اطمینان کی سانس لی
میں کچھ گپا تھا کہ وہ ابھی زوٹ میں جا چکی ہوگی۔
فون مسلسل جینے رہا تھا۔ میں نے جلدی سے اس کا لیبیو اٹھایا
اور آؤ تھا میں میں بولا "رضوان اسپیکنگ۔"

"کما حد حق۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میں آپ کو اس
وقت تک تشویش تک خبر پہنچا رہا ہوں۔"
"دیکھا ہوا؟" میں نے گھبرا کر پوچھا۔
"غور کرنا غور کرنا کیا ہے؟"
"ارے! کیسے؟" میں اتھریا۔ "جو جھٹکا تھا۔"

”ابھی کوئی ایک کھٹے نیل غزال اور دو کی طاعت بچ کر بڑی میں ہوئی تھی سنا زار تار بانٹا کہ وہ طاعات ایک طے شدہ پروگرام کے تحت ہوتی تھی۔ وہاں انہوں نے کسی قسم کے مشروب سے بچے تھے اور مشروب کا لاس ختم کرنے ہی غزال کا سر چکالنے لگا تھا۔ اس کی حالت ایسی ہو چکی تھی جسے اس نے بہت زیادہ شراب لی لی ہو۔ نوی نے سپر وائر سے کہا کہ اس کی دوست کی طبیعت کچھ زب زب ہو گئی ہے پھر وہ سپر وائر کی مدد سے غزال کو سارا سر کے بار بارانی اوڑھ اپنی گاڑی کی پچھلی نشست پر بٹھا دیا۔ میرا خیال ہے اس وقت تک غزال مکمل طور پر بے ہوش ہو چکی تھی۔ نوی نے اپنی گاڑی کی ڈرائنگ سیرٹ بٹھا لی اور وہاں سے روانہ ہو گئی۔ میں اس کا تعاقب کرتا ہوا فردوس کا کوئی ایک مکان تک پہنچا ہوں اور اب سب کو اٹھانے دے رہا ہوں مجھے دہشتہ کیوں یہ شبہ ہے کہ بالابھی اسی مکان میں قید ہوں گی۔“

”اوہ اوہ! میں نے بے چینی اور پریشانی میں پہلو دلا۔“
 ”کیا میں اب خود کوئی قدم اٹھاؤں یا آپ کوئی مشورہ دے سکتے ہیں؟“ کاٹھڑی نے پوچھا۔
 ”میں خود وہاں آ رہا ہوں مجھے کس جگہ پہنچنا چاہیے؟“
 ”آپ... میرا خیال ہے... وہ ٹرک کو لڑا۔ آپ کو گیارہ کی ٹرک پر ٹھیک اس جگہ آجلیئے جہاں سے رضویہ امام باڑے کی طرف راستہ جانیے۔ میں آپ کو منتظر طوں گا۔“
 ”ٹھیک ہے۔ میں آ رہا ہوں۔“ میں نے مسلسل منقطع کر دیا۔
 ”نوٹ! ڈرائیگ دوم اور بیٹہ دوم کے درمیان فاصلے پر کھڑا رہت ہوئے میری طرف دیکھ رہا تھا۔
 ”کیا ہوا؟“ اس نے آہستہ سے پوچھا۔
 ”نوی نے غزال کو اٹھا کر لیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس نے غزال کے مشروب میں کوئی چیز ملا دی ہوگی۔“
 ”مشروب کیسا؟“ وہ استہزیائہ انداز میں بولا۔
 ”اوہ! میں آپ کو راستے میں تفصیلات بنا دوں گی۔“
 ”میں ممکن ہے کہ زبان باؤم میں لی جائیں۔ میں فردوس کا کوئی پہنچا ہے۔“
 ”کاٹھڑی نے دہشتہ سے فون کیا تھا۔“
 ”جاکم میں خود کو نو سو محسوس کرنے لگا۔ مجھے یہ خیال آ گیا تھا کہ اب رضیہ کا کیا ہوگا؟ اگر میں فلیٹ کو ابھر سے منتقل کرنا تو روت کو حیرت ہوتی نہ صرف حیرت ہوتی بلکہ مجھ سے سوال بھی کر بیٹھا کہ میں فلیٹ کو کھلا ہوا چھوڑ کر کیوں جا رہا ہوں۔“
 ”اتفاق سے مجھے جلد ہی ایک تہہ میری جگہ کی اور میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ میں اور روت باہر نکلے میں نے دروازے میں ٹالا گا یا پور روت کے ساتھ جلدی جلدی زیستہ اترے لگا۔ نیچے نکلے ہاتھ پر پہنچ کر

میں یگانہ ٹرک گیا اور اپنی پریشانی پر ہاتھ مار کر خانے میں چو لھا تو کھلا چھوڑ آیا ہوں نہیں آگ گئیں۔ میں ابھی آ رہا ہوں۔“
 پھر میں اس کے کچھ لوٹنے کا انتظار کیا اور پھر جتا چلا گیا میں نے تھقل کھولا اور میر کماندر داخل ہوا رضیہ سے ٹکر ہو گئی۔ وہ وہ تھی۔
 ”اوہ! اس کے منہ سے نکلا۔“ میں ہنس کر تھقل کھولا ہوا۔
 ”بس اب جلدی سے باہر نکل کر نیچے“
 ”نہ کما اور پھر کیٹنا ہوا باؤم جی خانے میں پہنچا چو لھا کھلا چھوڑ گیا تھا میں اسے بند کر کے تار کے باہر کھڑی ہوئی تھی اور اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا۔“

”مگر نے میری اور روت کی گفتگو کو سن کر؟“
 ”دروازے میں تھقل نکلے ہوئے کما۔“
 ”ہاں! میں نے پوری صورت حال سمجھا۔“
 ”میں نے روت کو کھانا کھانا ہوا ہے۔“
 ”ہوتی تھی۔ روت اس کی کھڑکی سے سر باہر ہوا۔“
 ”میں اس کی طرف لپکا سا اس نے دروازہ کھول کر دروازہ بند کر لیا۔ روت انہیں اشارت حرکت میں سے کیا اور بہت جلد ہم طوفانی فضا آڑے پہلے جا رہے تھے۔“



میں نے راستے میں روت کو کیا جو مجھے ٹیلیفون پر کاٹھڑی وہ سب کچھ سمجھنے کے بعد۔“
 ”انداز میں اپنے سر کو قبضہ دے رہی تھی۔ میں نے کہا کہ وہ کہہ ہوں کہ اس جگہ سیتھیا کی کوئی قہقہہ نہیں چوٹی چوٹی باتیں نہیں سے کیسے کسی سہا سہوشت کو کہاں کے سے انداز میں مجھے کام فخر سے بھنٹا رہتے ہیں دیر سے اترے عرصے بعد۔“
 ”کی بات سر کھانے کے بعد کی تھی اور کون سا فائدہ لیا تھا۔ بس بات پر تھوڑا انداز میں سر کو قبضہ کر لیا۔“
 ”غیر تیز انداز میں باتوں کا لپکا لپکا اور لپکا لپکا

”ایسی بات بھولوں گا تو میں کے ساتھ“ کاٹھڑی۔“
 ”اگر کسی وقت میں ایسا نہ کروں تو یہ سوچ کر کومان میں بھٹکا چلا گیا ہوں۔“
 ”تا۔ روت کے متفقہ انداز میں سر ہلانے کا! یہ کتنی تہہ سر ہلایا تھا۔ بہر حال اس شغل سے اس نے کہا یہ بات مجھ میں نہیں آتی کہ غزالہ کو دے دے۔“

”میں نے یہ سوچ کر ناچا یا جس گے کہ اسے نوی کے“
 ”لانے سے مجھے سمجھ سکتے ہیں کہ اس کو کون کر سکتا ہے۔“
 ”میں ہاں بے لگے خواہش انسان فطرت ہے۔“
 ”مات ایک بار پھر سر ہلا کر دیا۔ اس کے سر ہلانے میں مجھ سے اس کا وہ میرے خیال سے متفق ہو جاتا تھا۔“
 ”ات کم وقت صرف کر کے کوئی مارے گا۔ روت کو رضویہ وال کاٹھڑی میں اسے متفق تھا۔ میں نے اس کے ال۔ میرے اضطراب کا یہ عالم تھا کہ گاڑی کے گاڑی طرف کا دروازہ کھول چکا تھا۔ گاڑی کے گاڑی میں قدم کے فاصلے سے ایک کر سیرے میں ہوتی تھی۔ انہیں بند کر کے گاڑی سے ایک کر کو کھڑکی سے قریب آ کر ہاتھ لگا کر اس کا ہاتھ روت کی نظر ڈالی اور پھر سرائیہ انداز میں میری طرف

”مات روت ہیں۔ فرام آئیں جنس۔“ میں نے ہلہ چینی سے پوچھا۔ وہ عمارت کہاں ہے؟
 ”نئی۔ دفتر لگ ڈور ہے۔ پیدل چلنا پڑے گا۔“
 ”نات نے اٹھ اٹھا کہ کہا میں نے کچھ لوگوں کو ہی ہوں گے۔ ہم اس عمارت کو چاروں طرف گھومنا داخل ہوں گے۔“
 ”نہا ہے؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔
 ”مے آؤں کو جو رو اوروں سے سب ہوں گے۔“
 ”اٹھ گیا کیسے؟“ میری حیرت میں تھقل ہوئی تھی۔
 ”اٹھ گیا کیسے؟“ جب آپ مجھے نیچے چھوڑ دے تھے تو میں نے روت پر میرے ہاتھ کو دیر سے دے دی تھیں۔“

”اس جواب نے میری حیرت روت کی اور میں مطمئن ہو گیا۔“
 ”کاٹھڑی وہ لوگ آ رہے تھے۔ روت بولا۔ اس کی نظر تیزی سے قریب آتی ہوئی ایک اسٹیشن دیگن پر جمی ہوئی تھی۔“
 ”اس دوران میں کاٹھڑی روت مضطرب انداز میں پہلو بدل بدل کر میری طرف دیکھتا رہا شاید میری طرف دیکھ دیکھ کر پہلو بدلتا رہا۔“
 ”مجھے شک ہے یا نہیں۔“
 ”دیگن قریب، اگر ڈک اور اس میں سے دس آدمی اتر آتے۔ روت انہیں ہدایت دینے لگا۔ کاٹھڑی نے میری طرف جھجک کر آہستہ سے کہا کیا روت ادا نام مناسب ہے گا؟“

”نام مناسب بھی نہیں ہے۔“
 ”اس جواب کے بعد اس بات کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی کہ کاٹھڑی مزید کچھ کہتا۔“
 ”میں نے صرف پارک اور فردوس کا کوئی کے علاقے میں داخل ہوئے۔ کاٹھڑی روت اور میں ترسناہی تھے لیکن روت کے آدی ہانے سے پیچھے اس طرح منتشر ہو گئے تھے کہ جتنا زن سکے۔“
 ”جسے دل کی دھڑکنیں تیز ہو چکی تھیں۔ میری زندگی کا پلا موق تھا کہ میں اس قسم کے ایک آپریشن میں شریک ہوتا تھا۔ اس سسٹمی خیر شرکت کے ساتھ ہی ساتھ مجھے بانو کی بھی پڑھنی تھی۔ انہیں اس عمارت کی قید سے نکال لانا میرے لیے خاصا بڑا مشرت ثابت ہوا۔“

”میں نے تیزی سے مل کر وہ دو فرام لگ کا فاصلہ گریا ایک جھپٹے میں ملے لیا۔ کاٹھڑی ایک جگہ رکا تو ہانے سے ہم بھی ٹرک نکلے۔“
 ”یہ عمارت ہے؟“ کاٹھڑی نے اشارے سے بتایا۔
 ”وہ سری عمارتوں کی طرح وہ عمارت بھی اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ہر طرف ستارے کا راج تھا۔ کبھی کبھی کسی کے تے کہ جھونکنے کی آواز مانی فانی جاتی تھی۔“
 ”اندھیرے میں سے ایک سایہ نکل کر ہماری طرف بٹھا تو میں اور روت چونکا ہوئے۔ لیکن کاٹھڑی قریب آ رہی ہوں پڑا یہ میرا آدی ہے؟“
 ”اوہ! روت کے منہ سے نکلا تھا اور شاید اس نے ایک طویل سانس بھی لی تھی۔“
 ”وہ آدی کاٹھڑی سے باتیں کرنے لگا۔ ان باتوں سے اندازہ ہوا کہ کاٹھڑی نے اسے وہاں چھوڑ کر میں لینے کے لیے رضویہ کے کوڑ پر گیا تھا۔ اس کی عدم موجودگی میں میں کوئی خاص بات روت نہیں ہوئی تھی۔ نہ تو کوئی اس بٹھے میں جیسا تھا اور نہ کوئی باہر نکلا تھا۔ روت کے اشارے پر اس کے دس آدمی اس بٹھے کے گرد پھیل گئے۔ اب یہ ممکن نہیں رہا تھا کہ کوئی اس بٹھے سے نکل کر فرار ہو سکتا۔ کاٹھڑی نے بھی اپنے آدی کو ایک جگہ متعین کر دیا۔ اس

کے بعد وقت بچے اور کمانڈر جن کو اپنے ساتھ لے کر ننگے کی طرف بڑھا۔ اب تیس سال کی دھڑکنیں کھڑاؤ تیز ہو گئیں۔ بین میں کھسکا تھا کہ آنے والے حالت کیا فعل صادر کریں گے۔

دروازے پر پہنچ کر وقت نے کال بیل کے جمن پر ابھی رکھ دی۔ ٹپکے کے کسی دور آقا وہ حصے سے ٹھنسی بخنے کی آواز سنائی دی۔ وقت نے جن سے اٹھ بیٹھا۔ اسی وقت کہیں قریب ہی سے سٹی بخنے کی آواز سنائی دی۔ غالباً کسی گھر سے دھڑکن کی ایک آواز کرن بائیں طرف کی دیواروں میں کی باندی کرنے والا کوئی اسکاؤٹ ٹروپ اس مکان پر چڑھ دوڑا ہو گا۔ یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ ۱۹۵۷ء کی جنگ میں کلائی کا ندول کی بجائے خود عوامی بلیک آؤٹ کی پانڈیاں کرنے کی فتنے داری سے عہدہ برہم ہوتے تھے۔

وقت کو دوسری مرتبہ کال بیل بجانے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ جلد ہی دروازے کی دوسری طرف قدموں کی چاپ سنائی دے گئی تھی۔ وہ چاب دروازے کے قریب آ کر اُٹھ کر کسی بوڑھے مرد نے کھڑکھرائی ہوئی سی آواز میں پوچھا: "کون ہے؟" "اے گھر سے دشمن باہر آ رہی ہے؟" وقت جیسے بولا۔ "اے" "آواز سے جبریت ظاہر ہوئی تھی اور پھر دروازے کا ہلٹ کرنے کی آواز سنائی دی۔

میں نے اندھیرے کے باوجود دیکھ لیا کہ وقت نے اپنی جیسے کوئی چیز نکال کر ہاتھ میں لے لی تھی اور وہ چیر رہا اور ہی جوسنی تھی۔

دروازہ کھلا تو کھولنے والے کے پس منظر میں بھی تاریکی ہی نظر آئی۔ اسی تاریکی کے باعث اس آدمی کی وضع قطع اور تعلید بھی دکھائی نہیں دے سکا۔ وہ اندھیرے ہی کا ایک حصہ معلوم ہو رہا تھا۔

وقت اس آدمی کو دھکا دیتا پڑا اندر داخل ہو گیا اور پھر اندر اس نے سرگوشی میں کہا: "اگر چھیننے کی کوشش کی تو گولی مار دوں گا۔"

وقت کے پیچھے پیچھے میں اور کمانڈر جن بھی چھپٹ کر اندر داخل ہو گئے تھے۔ کمانڈر جن نے جلدی سے دروازہ بھی بند کر دیا۔ بائیں دھڑکنیں چل گئی۔ میں نے چونک کر دیکھا کہ کمانڈر جن کے ہاتھ میں پانچ دہائی ہوئی تھی اور اس کا ورخ دروازہ کھولنے والے آدمی کی طرف تھا۔

وٹھے کی وضع قطع اُسے ملازم ثابت کر رہی تھی۔ وہ چھٹی چھٹی سی آنکھوں سے وقت کے یو لور کی طرف دیکھ رہا تھا۔ "اس گھر کے میس کمال ہیں؟" وقت نے پوچھے سے

اتنی مدد سرگوشی میں پوچھا کہ اس کی زبان الفاظ سے کالوں میں کب بھی پرنسپل کی تہن جواب میں پوڑھے کے لب تر سے تھی۔ وہ مدد سرگوشی میں پوچھا تھا۔

میں نے اس قلیل سے وقت میں وہ ایک وسیع و عریض ڈائینگ اینڈ ڈرائیو دال اور دال کی طرف کی دیواروں میں ان میں سے ایک میں کھلا پڑا نہیں تھا۔ وقت پوڑھے ملازم کے سر پر ہاتھ کی کھڑکی سے لگا دی پھر پوڑھے جواب میں دد گئے۔

وٹھے کے منہ سے آواز تو اب بھی اس طرح اُٹھ گیا کہ شہادت کی آنکھیں سلنے کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ وقت نے پہلے ہی طرف دیکھا۔ متوجہ ہو کر بہت دھیمی آواز میں بولا: "آپ پال نہیں؟"

میں اس وقت اتنا پڑھ کر رہ گیا تھا کہ دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا جس کی طرف کیا تھا۔ دروازے کے قریب جا کر میں نے آواز دوسری طرف کی کوئی متوقع آواز سن کر میری یہ کوشش ناکام نہیں ہوئی تھی۔ "اے! لیکن الفاظ سمجھ میں نہیں آئے۔ اسنے میں پوچھ گیا۔ اس نے روالہ اب بھی اپنے ہاتھ میں سے آواز دیکھ کر بغیر دروازے کو دھکا دیا، آواز کے ساتھ کھل گئے۔

دوسری طرف تیز دھڑکنیں موجود تھیں اور موجود تھا جیسے وہ کسی ڈاکٹر کی معائنہ گاہ میں جو لوگ اس کمرے میں موجود تھے۔ آواز نے جو کمانڈر جن کی طرف منہ منہ سے آواز دیکھ کر کمانڈر جن نے اپنے گھر میں اسے "آپ... آپ کو... کون میں روک کر پوچھا۔ اس کی آواز میں ہلکا سا ارتعاش کی وجہ وقت کا یو لور ہی ہو گئی تھی۔

"پولیس! وقت نے اسے گھومتے کی طرف دیکھا پڑا کھڑکی میں پڑا ہوا تھا۔ ایک مین غم کیلے۔"

میں نے بولی: "آپ کس لوگ کی بات کر رہے ہیں؟"

میں نے کہا: "یہ آپ کے کس نے کہا ہے؟"

میں نے کہا: "یہ آپ کے کس نے کہا ہے؟"

میں نے کہا: "یہ آپ کے کس نے کہا ہے؟"

روپ دھارنا چاہتی ہو مگر نومی اسے سرکش سے روکے ہوئے۔ ادھر کی سوچ رہا تھا کہ نومی نے بڑی چالاکی سے "ان لوگوں" کا پتہ چلا لیا جنہوں نے غزالہ کو اس کے پیچھے لگایا تھا۔

"میں معافی چاہتا ہوں ڈاکٹر! وقت نے آہستہ سے کہا۔ "غالباً مجھے غلط افکار دی گئی تھی یا یوں کہہ لیجئے کہ خود میرے آؤٹ کو غلط فہمی ہو گئی تھی۔"

"یقیناً آپ کو غلط افکار سے نوازا گیا تھا؟ غزالہ نے منہ بنا کر کہا اور پھر نومی کی طرف دیکھتی ہوئی بولی: "غالباً ہمیں تواب میاں سے چل دینا چاہیے۔"

"اگر اعلیٰ حکام اجازت دیں؟" نومی نے وقت کی طرف دیکھتے ہوئے خفیت سے طنز یہ لہجہ میں کہا۔

"آپ جاسکتی ہیں؟" وقت نے آہستہ سے کہا۔ وہ بے حد شکست خوردہ نظر آنے لگا تھا۔ اچانک وہ میرا ہاتھ پکڑ کر خود ہی دروازے کی طرف ٹوٹ گیا۔

ادھر میں سوچ رہا تھا کہ یہ غزالہ واقعی امت کی پڑکال ہے لیکن کیا وہ نومی کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بے وقوف بنانے میں کامیاب ہو جلتے گی؟ اس کا اندازہ لگانا ہی الحال تو مشکل ہی تھا۔ میں اور وقت بڑی تیزی سے داخل ہوئے تو وہ ملازم ایک طرف بے حس حرکت پڑا نظر آیا۔ کمانڈر جن دہلے ہوئے نہیں تھا جبکہ ہم اسے دہلے چھوڑ کر گئے تھے۔ میں نے اندر وقت نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر اس سے پہلے کہ ہم دونوں میں سے کوئی اس صورت حال پر تبصرہ کرنا، دوسرا دروازہ کھلا اور کمانڈر جن باہر نکل آیا۔ غالباً ایسے وقتوں پر اطمینان کی سانس لینے اور وقت نے بھی اس پر عمل کیا۔ چھتریں دیریں ہم اطمینان کی سانس لے کر خارج ہوئے۔ کمانڈر جن تیزی سے ہمارے قریب آ گیا۔

"باؤا! مکان میں نہیں ہو سکتیں! اس نے مدد میری سرگوشی کی اور مجھے وہ ایک شخص یاد آ گیا جس کے خیال میں سرگوشی کے ساتھ "مدد" کا استعمال ناجائز ہے۔ چوتھیں اس شریف آدمی کو یہ بات کس "عالم مطلق" نے بتائی ہے۔

تو جب کمانڈر جن مدد میری سرگوشی کو پکڑ کر وقت نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا اور ہم تینوں اس مکان سے نکل آئے۔ کمانڈر جن مجھ سے غزالہ کے بارے میں استفسار کر رہا تھا لیکن میں نے اسے ہاتھ کے اشارے سے چپ کر دیا۔

انٹیلی جنس کے جوائی مکان کے گرد پھیلے ہوئے تھے، انھیں وقت نے منتشر ہو جانے کا اشارہ کیا۔ وہیں کمانڈر جن کا آدمی بھی موجود تھا۔ کمانڈر نے اس سے کہا کہ وہ کارے کے کمرے چلا جاتے۔ خود کمانڈر میرے ساتھ در وقت کے ساتھ رہا۔ ہم تینوں رمنوہ کے موڑ پر پہنچے جہاں وقت کی کار موجود تھی۔ اب واپسی کا

485

سفر شروع ہوا۔ ناکامی و ناخوشی کے باعث ہمارے تھوڑے لٹکے ہوئے تھے۔

”مجھے اپنی زندگی میں کبھی اس طرح شرمندہ نہیں ہوا اور وقت نے کہا۔ مجھے یاد نہیں کہ وقت نے یہ بات کہنے کوئی حتمی سانس لی تھی یا طویل سانس لی تھی یا میرے سانس ہی نہیں لی تھی۔

کمانڈر جن سواریہ قزاقوں سے میری طرف دیکھنے لگا تو میں نے اسے بیاہک والی کامو صرت حال پیش آنی تھی۔

”یہ غزالہ! کمانڈر جن بڑبڑایا۔ بڑی عجیب و غریب لڑکی ہے۔“

”اور فوکی کی بھاری میں بھی کوئی کلام نہیں۔ اسے شبہ تھا۔“

غزالہ کو اس کے پیچھے لگایا گیا ہے لہذا اس نے یہ ڈرامہ کھیلنا۔

”سیاہہ ڈاکٹر میں اس ڈکے میں اس کا شریک ہو گا۔“

”میں کے پاس میں یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا، تاہم اس پر نظر تو رکھنا چاہیے۔“

”اس کا نام نظامی ہے، ڈاکٹر نظامی۔“

”میں کیسے معلوم؟“ یہ پوچھتے ہوئے میرے لیے میں استعجابی کیفیت ضرور رہی ہوگی۔

”پیشاب پر ابھرے ہوئے مردوں کی نیم پلٹ گئی ہوتی ہے میں نے اس پر ہاتھ پیر کر دیکھا لیا تھا۔“ کمانڈر جن نے جواب دیا۔

”برلی؟“

”جی ہاں! مجھے کسی زمانے میں اس کا شوق پڑا تھا اور میں نے کچھ دن تک اس کی تربیت حاصل کی تھی۔“

مگر اگر کمانڈر جن باتوں میں معروف تھے لیکن روت کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے ان باتوں سے قطعاً دلچسپی نہیں تھی۔ وہ کسی ادنیٰ دنیا میں گم مسلم ہو رہا تھا۔ غالباً اسے صرف بانو کی ملاقات تھی۔

”جیسے میرے پاس میں بھی یہ نہیں سمجھا جاسکتا کہ میں بانو کی طرف سے بے فکر تھا۔ یہ پریشانی تو مجھے بھی تھی کہ باؤ کو کمال ڈھونڈا جاتے؟ اور اس مرض میں گرفتار ہونے والوں کی تعداد ب خاص طرح بڑھتی تھی۔

”رضیہ کو بھی اپنی بڑی بہن کی تلاش میں دھکے کھانا پڑے تھے اور کچھ اور کچھ بستیوں کو بھی بانو کی تلاش تھی۔ ان بستیوں میں سے اوچر عمر تھی کا ناگڑا تھا اور وہ ایک خطرناک آدمی تھا، لیکن کیا واقعی اسے خطرناک سمجھا جاسکتا تھا؟ رضیہ کی آواز سن کر تو اس کے چہرے پر ہواشیاں اُٹنے لگی تھیں لیکن میرا دل یہ ماننے کو تیار نہیں تھا کہ رضیہ عیسوی دکن موت اتنی خطرناک بھی ہو سکتی ہے۔

”ایسے چہرے اور ایسے بدن تو بچپنوں کے کنبے سے مشابہ ہوتے ہیں۔“

میں اپنے خیالات کے ان بگڑوں سے اس وقت باہر نکلا جب گاڑی ایک ہلکے سے دھچکے کے ساتھ ٹکی۔ میں نے خود کو اپنی بلڈنگ کے سامنے پایا۔

”اچھا مسٹر منون! رات ہوا۔“

ملوں گا۔ پھر اس نے کمانڈر جن سے ہا ہے؟“

کمانڈر جن نے سوالیہ انداز میں میرے مجھ سے پوچھنا چاہتا تھا کہ مجھے اس ہے؟“

”کلی ہی اسے کبھی ملاقات ہوگی سمجھ کر کہا۔“

پھر وہ قزاق کے ساتھ چلا گیا اور کراچی بلڈنگ میں قدم رکھا۔

جب میں بستر پر لیٹا تو مجھے غزالہ نہیں آ رہا تھا کہ وہ واقعی رات تک میرے پاس میں اپنے باپے کیا بارہ کرے گی۔

اس کے پاس میں سوچتے ہوئے تھا میں پہنچ گیا۔ دوسری صبح میری آنکھیں بند تھیں۔

”کلی میں نے اٹھ کر کال ریسیو کی۔ وہ بی تھی۔ اس نے میری بھرائی ہوئی آواز میں سوچی ہے میں ہے۔“

میں نے گھڑی پر نظر ڈالا۔ دس باقی تھے۔

”ہاؤس! میں نے حتمی سانس دیا۔“

میرے خرواروں پر بدن لگنا چاہتی ہو؟“

”رات کا ایڈیٹر کیسا رہا؟“

”یہ ثابت ہو چکا ہے کہ تمہاری ہڈی“

”کیا بات ہوئی؟“

”اتنی ٹریکس پہنچنے کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔“

”اوہ؟“ وہ پھر جینے لگی۔

”اگر تم میرے گھر آ جاؤ تو اطمینان ہو؟“

”ا تو سستی ہوں محدود گھنٹے بعد غزالہ تمہارا وقت پاسپس سے بول رہی ہوں

ایڈیٹر میں پرہیزوں کی آنکھوں کا آپ ”ٹھیک ہے۔“ میں نے پوچھا تھا۔

”دو گھنٹے بعد ہی۔ میں انتظار کروں گا۔“

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر میں ہاتھ دھو میں جا گھسا اور غسل

اس کے بعد باورچی خانے میں جا گھسا اور

لے میں کیا کیا کرتا رہا تھا کال بلی بجنے لگی میری

کلی طرف تھی۔ غزالہ کا فون آئے ہوئے ابھی

اسے تھے اور اس نے دو گھنٹے بعد آنے کے

وقت کون آیا؟

”یہ کمانڈر جن؟“

”نہیں! میری تین نام ابھر چکے تھے۔ میں ان

مرتبہ ہوا درد آنے کی طرف بڑھا۔ پھر اچانک

لے تینا جنوں نے کل ہی میرے گھر میں گھس کر

۔ زما اور اس کے وہ خط ہاں ماسٹی

لے کر گھر سے گئے تھے لہذا احتیاطاً میں نے

وہ اپنے پرکون ہے۔ میں نے بول کر لے

میں کہا۔ فرماتے ہیں۔“

”اؤں! پلے ورداہ کھو لو!“ باہر سے

ہاتھ لگا کر دروازہ کھول دیا اور رضیہ اندر آ گئی۔

مہ رات سے بہت دیر ہو چکی تھی۔ وہ ہنس

پہننے کی بجائے اس کے سر پر لپٹ گیا۔ وہ

میں میں لبوس تھی اور وہ اتنا چست تھا کہ

لوہی میں آسکتی تھی۔ وہ آدھ کمر ٹوٹ تھا

اس میں اس رنگ کی چھوٹ اس طرح پڑتی

تھی۔ دیکھتے ہوئے انگاروں پر راکھ کی بہت خفیت

لی ہو وہ ایسے انگارے تھے کہ بے اختیار

پہننے کو ہی چاہیے۔

”ہاں تو میں اس لیے آئی تھی کہ تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے معروف

تو نہیں ہو؟“

”ماہر شد کرنے جا رہا تھا۔“

”ایک کپ چائے میں بھی پی لوں گی۔ اس کے بعد ہم روانہ

ہو جاتیں گے۔“

”جانا کہاں ہے؟“

”بہتر میں۔ وہ مسکراتی۔“

”تمہارے ساتھ تو میں ہر جگہ جا سکتا ہوں۔ آؤ پھر ناشتہ کر

لیں۔“

وہ میرے ساتھ صوفوں کی طرف بڑھی۔ چست لباس میں

اس کے بدن کی تجلیاں لبوس تھیں کہ میں پھر پھر کی لے کر رہ گیا۔

”میرا خیال ہے کہ تم کل رات کی تعمیل جاننے کے لیے

بلے چلے ہو گی۔“ میں نے پتھرتے ہوئے کہا۔

”تمہاری مراد فردوس کا فون کے مکان والے معاملے کی

طرف ہے؟“

”کلیا ہے۔“

”غلط خیال ہے تمہاری؟ رضیہ نے کہا۔ میں اس کے بلے

میں تم سے کوئی بات نہیں معلوم کرنا چاہتی تھی۔ مجھے سب کچھ معلوم ہے۔“

”کیسے؟“ مجھے حیرت ہوئی تھی۔

”جب تم لوگ اس مکان میں داخل ہوئے تھے تو میں بھی تم

لوگوں کے قریب ہی تھی۔“

”نا ممکن۔“

”سامیری کے لیے سب کچھ ممکن ہے مانی ویر مسٹر منون! رضیہ

نے اپنے لیے میں زور پیدا کرتے ہوئے کہا۔ میں بھی تم نے مجھے پہچانا

نہیں ہے۔“

”کیا تم کوئی چیز ہو؟“ میں نے مزید باکر کہا۔

”جگ چگ۔“ وہ مسکراتی۔

”میرا خیال ہے کہ مجھے پہلے آشد کر لیا جائے۔“ میں نے

انہوں کی پلٹ کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ڈوبے کہم سے

برگوب ہو کر میں ناشکرناہ بھول جاؤں!“

رضیہ جینے لگی۔ وہی کھنگھاتی ہوئی، جس جویرے دل

میں گڑبگڑ کر رہی تھی۔ میں سر جھکا کر ناشتے میں مصروف ہو گیا۔

رضیہ نے اپنے لیے خودی چائے بنالی اور صوفے کی پشت سے

بگ بگ چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگی۔

ناشر شد کرنے کے بعد میں نے سرگیت سلاگائی اور پھر

کچھ کمنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ وہ بول پڑی۔ ”بس اب میں روانہ

ہو جاتا چاہیے۔“

”لیکن...“ مجھے غزالہ کا خیال آ گیا۔

487

”مالی ٹوٹ! تمہیں کراچی کے مقامات اور راستے بھی معلوم ہیں؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم پہلے بھی کراچی آچکی ہو۔“
”تھیں نہیں۔“
”پھر تمہیں یہاں کے راستے کیسے معلوم ہوئے؟“
”میں نے کراچی کا نقشہ دیکھ کر سب کچھ ذہن نشین کر لیا ہے۔ میری یادداشت بہت تیز ہے۔“
”ویریں خوب!“ میں نے ایک ”یا“ مانس لے کر مٹاشاید کئی طویل سانسیں لے کر کہا! اس کا مطلب ہے کہ تم بانو کی بھی گنجی ہو۔“
”چھوٹی سن،“ رضیہ نے تعجب کرنے والے انداز میں کہا۔
”لیکن عمر تیس تو چھوٹی سن کی ہی نہیں ہیں۔“
”ابھی تم نے میری وہ عمر کہیں تو دیکھی ہی نہیں جو تمہیں شجست بدندان کر دیں گی۔“
”وہ بھی دکھا دو!“
”دھیر، دھیر،“ تم بہت کچھ دیکھو گے۔“
”میر کی آخری آرزو تو بس یہ ہے کہ بانو کے سر سے کی ٹاپیاں دیکھ لوں۔ ویسے، کیا وہ فیات اب بھی تعاقب میں ہے؟“
”اگر وہ نہ ہو تو میں نے کار کا نرخ بدل دیا ہوتا۔ مجھے اس وقت صدمہ جانا تھا۔“
”کار اب پہلی چورنگی سے گزر چکی تھی۔ یہاں سے رضیہ نے ارک رفاہ میں خاصا انداز کر دیا۔“
”ایک بات واضح کر دوں، میں بولا۔ میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔“
”وہ تو میرے پاس بھی نہیں ہے۔“
”پھر توہیں سسنان جگہ کی طرف نفع نہیں کرنا چاہیے۔“
”کیوں!“
”اگر وہ ان ہم خطرے میں پڑ گئے تو کیا کریں گے؟“
”تم اپنا، میں گاؤں کی، وہ ہنس پڑی۔
”ادہ ہوگ ہم دونوں کے سروں پر بٹلہ بجا رکھ دوں گے۔ میں نے غصہ کر کہا۔“
”میرا خیال ہے کہ تم اپنے آپ کو اودر اسٹی میٹ کر رہی“
”وقت آنے پر دیکھ ہی لو گے!“ اس نے لاڈلاہی سے کہا۔
”کار میسے میسے بل ریا کے قریب ہوتی جا رہی تھی،“
”پریشانی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ رضیہ کے جسم پر نقل آنے کی خود اعتمادی بھی میری اس پریشانی کو کم نہیں کر سکی۔ اس نے مجھے ہاتھ کر فیات میں چلا آئی تھی ادھ ہانکے مقابلہ پر یہ کوئی قسم

تعداد نہیں بتی میری کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ر
 پنشنے کی کوشش کرے گی۔
 کچھ ہی دیر بعد کارل ایسا میں داخل
 ساتھ ہی میز پر بیٹھیں میں اضافہ ہو گیا۔ جو کہ کم
 ہونے میں اب دیر میں تھی۔ میلانا ریشہ در
 نے انجن میں فوراً ہی بند کر دیا تھا۔
 ”کیا ارادہ ہے؟“ میں پوچھا۔
 رضیہ نے فوراً جواب نہیں دیا۔ اس کی
 پر تھی۔ وہ آہستہ سے بولی ”کارا قریب آرہی
 ”چہرہ کیا ارادہ ہے؟“ میں نے پوچھا
 رضیہ نے کوئی جواب نہیں دیا اور گا
 لیے دروازہ کھولنے لگی۔ اب مجھ بھی اس
 کہ دروازہ کھول کر اتر پڑی۔
 یہ ایک اتنا ہی سناں مقام تھا
 کو تھی۔ ادھر سے نہ تو کڑیاں گزر رہی تھیں
 خاصے خالصہ پر ایک بل کے سامنے پان لہ
 دو تین مزدور نظر آئے تھے۔
 فیاٹ بہت تیزی سے قریب آ ل
 ملاز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ گ
 تھے مگر انہیں روکنا پڑا۔ رضیہ ہی نے انہیں
 اشارہ کیا تھا۔ فیاٹ کے برک بہت ز
 وہ رضیہ کی گاڑی سے چند گز آگے نکل کر
 میں نے ایک ہی نظر میں ان جاہاں ا
 کار میں بیٹھ جوتے تھے۔ ان کی شکل صم
 بدعاش ظاہر کر رہی تھی۔ ان میں سے ایک
 وہ سید منزل کے علق کا دادا سمجھا جاتا تھا
 رضیہ فیاٹ کی طرف جرحی جس
 کروہ چاروں باہر نکل رہے تھے۔
 معاف کیجیے گا؟“ رضیہ بلند آواز میں
 کچھ غرابی ہوئی ہے۔ کیا آپ لوگ گھ
 ان جاہاں نے ایک دوسرے ک
 ہی آکھوں میں کچھ اشارے سے ہوتے اور م
 پھٹے جیسے اس کو دو بچہ کر اٹھائے جانا پ
 ”خزوار! خزار!“ میں اٹھل نا
 لیے پکا لیکن وہاں تو میرے قریب
 شہر فرع ہو چکا تھا۔
 رضیہ برقی سرعت سے غوطہ کھا

اس طرح ٹانگ چلائی کہ ان میں سے
رضیہ ان کی زد سے نکل کر تیزی سے کوئی
لمحہ کا جڑو بن گئے دوسرے کی کمر پر لات
میں اتنی تیز تھیں جیسے پہلی چمک رہی ہو۔
کہاواڑہ گیا۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی
میں نے جوتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ چاروں
تھے اور اب ان کے منہ سے گندی گندی
لفظیں۔
لفظ رضیہ اس طرح جسے جاری تھی جسے
راگ اور سے وہ مزدور ہماری طرف
ان لوگوں کے کہیں پرکھتے ہوئے تھے
چاروں کی ذراگت اتنی تیزی سے بنا
میں جھاک نکلنے کے سوا کچھ نہیں سوچا۔
کی مزاج پرسی میں مصروف تھی، اس
کریٹ میں جا بیٹھے۔ پٹنے والے نے
ہانہ پانا تھا لیکن رضیہ نے اس کی ٹانگ
ال۔
اتم کو تو میں اپنے کلیجے سے لگا کر رکھوں
اشاف ہر چکا تھا۔ وہ حرکت میں آئی
کہ رہتا رہا میں اضافہ ہوتا گیا۔ قریب
سنہ اس کا راستہ روکنے کی کوشش کی
میں۔ انہیں خود ہی پھل کر اگ بٹ بنا
پاتی ہوئی گزر جاتی۔
میں ہمارا کار گریاں پر دوڑا تھا اور اُسے
ال۔ اس بد نصیب میں اب مزاحمت
میں تھی۔ اُس کے ہونٹ بیٹھ گئے
لیں اور بائیں آنکھ بھی مٹو گئی تھی۔
ہم آگئے اور صورت حال کے بارے میں،
انہیں ہے، رضیہ نے انہیں جواب
ان انڈیاں کا شور ہے لیکن مجھے ان
الحرب ملے ہے۔
ہاں ہمارا بیان پڑھتے تھے۔ اُس نے
ال کھیل نشست کا دروازہ کھولا اور
کھیل کر مزدوروں سے بولی۔ میں اسے

پلیس اسٹیشن لے جاؤں گی۔ پلیس نکلے اسے مار مار کر اس کے ساتھ قتل کرنا مہم معلوم کر لیں گے؟

مزبور بس سر ہلا کر رہ گئے۔ وہ تھم تھم سے ہوتے تھے میری طرح انہوں نے بھی ایسی مٹو فانی لوگی، کبھی نہیں دیکھی ہوگی۔

”کھڑے مٹہ کیا تک ہے ہو؟“ رضیہ مجھ سے بولی ”تم پیچھے ہی پیچھے جاؤ تاکہ یہ لوگ اچھا پڑنے سے نکل سکیں؟“

”آں!... ہاں،“ میں نے جواب دیا۔

رضیہ ڈرائیونگ سیٹ کا ڈاڑھ کھولنے لگی۔ لیٹنے پچھلی نشست پر بیٹھ کر دروازہ بند کر لیا۔ وہ کھنڈھاب بھی بڑی طرح ٹانپ رہا تھا اس کے کس کس بل اس طرح نکلے تھے کہ شاید اب وہ پڑنے پڑنے نہ ملنے کے بلے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

رضیہ کار کو حرکت میں لائی اور اُسے گھما کر اس کا رخ پلیس شہر کی طرف کر دیا۔

”رضوان!،“ رضیہ مجھ سے بولی ”اگر یہ لوگ اچھا لوٹ کر نے کی کوشش کرے تو تم اپنا رول اور نیکال لینا“

میں نے بس سر ہلادیا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ رضیہ اس غنڈے کو دھمکا رہا ہے یہی تھی ورنہ اُسے معلوم ہی تھا کہ میرے پاس رول اور نہیں ہے۔

”کیوں بے؟“ میں نے اس کا گریبان پکڑ کر جھونٹتے ہوئے کہا ”یہ کی حرکت تھی؟ تم لوگ ایسی طرح سائے شہر کی عورتوں کو پریشان کرتے ہو؟“

”غلط سوال مرث کر رضوان!“ رضیہ نے مجھے ٹوکا ”تمہیں یہ معلوم کرنا چاہیے کہ ان لوگوں کو کہاں سے پیچھے کس نے لپکا تھا؟“

میں نے دلچسپ کر رضیہ کی اس بات پر غنڈے کے چہرے کی رنگت بدل گئی تھی ”گویا رضیہ کا خیال ٹھیک ہی تھا۔“

”کلم... کسی نے... نہیں... وہ بھلا گیا۔“

”دیکھو!“ میں نے اُسے سمجھانے والے انداز میں کہا ”تمہاری بہن سی ایسی ہی ہے کہ جھوٹ نہ بولو۔ یہ خانوان بڑی خطا ناک ہے۔ ان کا شیخو نسب برا راست ناڈا ہے جاسلم ہے۔ اگر تم حقیقت اُٹکل دو تو میں ان کی طرف سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں پلیس کے حوالے نہیں کیا جائے گا“

”ٹھیک ہے رضوان!“ رضیہ بھی بول پڑی ”میں تمہارے اظافا پاپاس کروں گی“

”کیا واقعی تم لوگ مجھے چھوڑ دو گے؟“ غنڈے نے آستین سے اپنے خون آلود ہونٹ صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

”تمہیں میرے اظافا پر یقین کرنا چاہیے!“ رضیہ بول پڑی۔

”میں نے اپنے ساتھ کے الفاظ کا پاس کرنے کا عہد کیا ہے۔“
 ”تو پھر...“ غنڈے نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ”یقیناً مجھے معلوم ہے، وہ تو میں تو گول کو تباہی دوں گا۔“
 ”اب تباہی کیجئے، رضیہ نے شاید غنڈہ بنا کر کہا تھا۔“
 ”ہیں اس کام کے لیے کوہلے تیار کیا تھا۔“
 ”کوہلے؟“ میں نے سوالیہ انداز میں کہا۔
 ”ہاں،“ غنڈے نے سر ہلایا، ”میں نے ان تین ساتھیوں میں سے ایک کو برا بھلا۔ لہذا دی کے علاقے میں تو بچہ پچھو کوہلے کے نام سے واقف ہے کہ کراچی پولیس کی بلیک لسٹ میں بھی اس کا یہی نام درج ہے۔“
 ”ٹھیک ہے،“ میں سر ہلا کر بولا۔ ”میں نے بھی یہ نام سن رکھا ہے۔“
 ”کوہلے کو اس کام کے لیے بارہ ہزار روپے ملتے تھے۔“
 ”میں کام کے لیے؟“
 ”ان کے اخوا کے لیے،“ غنڈے نے رضیہ کی طرف اشارہ کیا۔
 ”مجھے اخوا کے تم کو کس کہاں لے جاتے؟“ رضیہ نے پوچھا۔
 ”کوہلے کے گھر۔“
 ”وہاں لے جانے کا مقصد؟“
 ”ایک ہفتے تک قید رکھنا۔“
 ”بس؟“
 ”کوہلے ہیں اتنا ہی بتایا تھا۔“
 ”مجھے یوں محسوس ہوا جیسے غنڈہ کوئی بات کہتے کہتے رول گیا ہو۔“
 ”تم کوئی بات چھپا بھی رہے ہو؟“ میں اسے گھومتا ہوا بولا۔
 ”نہیں... نہیں تو؟“
 ”جھوٹ مت بولو!،“ میں نے ایک بار پھر اس کا گریبان پیکر کھینچوڑ دیا۔
 ”دراصل...“ وہ ہچکچاتا ہوا بولا۔ ”وہ کوئی ایسی اہم بات نہیں ہے جس کا بتانا ضروری ہو۔“
 ”غیر ضروری باتیں سننا ہماری دلی ہے، تم اس کی پروا مت کرو۔“
 ”وہ... وہ... دراصل...“
 ”ہاں، ہاں! کوہلے! شاباش!“ میں نے اسے پتوں کی طرح پکڑا۔
 ”ہم گول کو تو کوہلے صرف دو دو ہزار روپے دینے کا وعدہ کیا تھا اور یہ بات بھی صاف بتادی تھی کہ وہ خود چھ ہزار رکھے گا۔ ہم لوگ دو دو ہزار کی خاطر یہ کام کرنے پر ہرگز آمادہ

نہ ہوتے لیکن...“ وہ چھ خاموش ہو گیا۔
 ”بوسے رہو،“ میں عزت دیا۔
 ”دراصل... دراصل... ہم لوگوں کو کر... یہ ایک ہفتے تک ہمارے جسم کو دم پر رکھا تھا کہ وہ ان پر ایسا قابض نہیں رہے گا۔“
 ”ویری گشت!“ میں نے چمک کر رضیہ نے ”۔“
 ”سن لیا،“ وہ غنڈہ بنا کر بولی۔
 ”لیکن تم نے ایک اہم بات تو بتائی؟“
 غنڈے کی طرف متوجہ ہو گیا اور وہ سوالیہ انداز دیکھنے لگا۔ میں نے اس سے پوچھا: ”کوہلے کو اس ہزار روپے کس سے ملے تھے؟“
 ”ابھی تو تم چھ ہزار ملے تھے۔ پھر بعد آج رات کو ملنا تھے۔“
 ”مگر کس سے؟“
 ”یہ بات کوہلے نے یہی نہیں بتائی تھی۔“
 ”یہی تو اہم ترین بات ہے۔“
 ”مجھے جو کچھ معلوم تھا، وہ میں نے بتا۔“
 ”کیا خیال ہے؟“ میں نے رضیہ کی طرف دیکھا۔
 ”رضیہ مجھے کچھ کہنے کی بجائے۔“
 ”کوہلے کو ابھی چھ ہزار آج رات کو کس وقت؟“
 ”جس آدمی نے کوہلے کو اس کام کے لیے وہ خود ہی آج رات کو ساٹھ آٹھ سو روپے دیے۔“
 ”تمہیں یقین ہے؟“
 ”کوہلے نے ہم کو یہی بتایا تھا۔“
 ”کوہلے؟“ میں غنڈہ بنا کر بولا۔ ”سادری کے سرے؟“
 ”ٹھیک ہے۔ اتنی معلومات بھی نے مطمئن انداز میں سر ملاتے ہوئے کہا۔
 ”کوہلے کا دیر لید کا دوسرا سٹی کے اس رضیہ کا قیام تھا۔ کا جب برائے کے سامنے جھکنا نکلے۔ غنڈے نے پریشان لہلا۔
 اور پھر لہلہ بفرزدہ سکا۔
 ”یہ تم لوگ مجھے کہاں لے آتے؟“
 ”اپنے گھر۔“ رضیہ نے انہی بند کتہ۔
 ”تمہیں اب مجھ کے کی ضرورت نہیں۔ تمہارا اختیاریں کیا جانے لگا۔“
 میں اپنی طرف کا دروازہ کھول کر

”سے لڑا۔“ جواب تم ہی آؤ میری جان!“
 بار بار تاملین نے اسے کاہے تو غنڈہ ہی پڑا۔ میں نے اس کی کلائی تھام لی کہ وہ کہیں جھگ نہ نکلے۔ میں تو جلی ہی رکھی تھی لیکن اس کے لیے پوری حیرت تیار ہلکے سے کلائی پکڑ کر جھگ نکلنے کی کوشش کر رہا۔
 ”اے۔“
 ”اے۔“ میں نے داخل ہوتے غنڈہ بہت پریشان نظر لگا۔ جاگ نکلنے کی راہ میں لی۔ دونوں جھکنا بھی نہ نظر آ رہے تھے۔ شاید رضیہ نے انہیں کچھ اشارہ کیا۔
 ”میں رضیہ نے نتیجہ زبان میں جھکنا سے کچھ کہا ادا۔“
 ”ہاں! یہ دونوں تو کوہلے کے یہی پتہ دیں گے۔“
 ”مگر آپ کے کہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے پاتے۔“
 ”ہم ایک تم یہاں ہمارا رہو گے۔ اس کے بعد تم کو ہاتھ لگا۔“
 ”اے۔“
 ”میں کوئی گناہ نہیں ہے، رضیہ اس کی بات کاٹتی اٹلے جھکنا سے کچھ کہا۔
 ”جھکنا غنڈے کے دائیں بائیں پہنچ گئے۔“
 ”اے سے کچھ بہتری اس میں ہے کہ تم مزاحمت اس گھر کے جھکنا میں ہیں جو لڑائی جھگڑائی سے بہت متعلق پاتے گے۔“
 ”ان ثابت ہوں گے۔“
 ”ات نہیں ہوا نہ تھیں لیکن میری ہنسی کے جواب میں وہ کچھ ادا پھر ڈانگ ڈم سے جھگڑا۔
 ”میں نے اپنے اس دس پندرہ منٹ صرف کچھ کی گزرتی ہے کہ پانی رکھ رہا تھا تو رضیہ سکرانی اٹھ اٹھ وقت ایک خوبصورت فرار اور شعلہ ہلکے ہی تھی میری نظروں کے سامنے آئی۔“
 ”اے۔“
 ”اے۔“ میں نے غنڈے کے بازو پکڑ لیے لیکن گرفت نہ کی تھی۔ وہ دونوں اسے لے کر اندر چلے گئے۔
 ”میں رضیہ نے مجھ سے کہا میرے کپڑے ہلکے کر دوں۔“
 ”مگر وہ ڈھیر ہو گیا اور وہ اندر چل گئی۔“

اس غنڈے کو کہاں لانے کا سبب مجھنا میرے لیے مشکل نہیں تھا۔ یہ باطل سائنس کی بات تھی کہ رضیہ نے کیا سوچا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ آج رات کوہلے کے گھر جا کر اس شخص کا پتہ چلائے جس نے ان چاروں کو اس کے اخوا کے لیے ہرگز کیا تھا۔ اب اگر اس غنڈے کو چھوڑ دیا جاتا تو وہ جا کر کوہلے کے ہرگز کیا کر دیتا۔
 میں سوچ رہا تھا کہ رضیہ کا ملازم خصوصی ذولا اندر آیا۔ وہ میرے لیے چائے لایا تھا۔
 ”تم چائے پنانے کے اسپیشلسٹ معلوم ہوتے ہو؟“ میں نے ”کیا دیکھ رہے ہو؟“ وہ جس کو بولی۔
 ”کچھ نہیں۔“ میں نے جیسے چونک کر کہا۔ لیکن اس وقت میرا دل چاہ رہا ہے کہ کہیں مجھ کو اس نے کچھ ناچنا شروع کر دوں۔
 ”بس؟ صرف اتنا ہی؟“ اس نے عجیب سی نظروں سے یہ طرف دیکھا۔
 ”کیا مطلب؟“ میں اچھوڑ کر اسے گھومنے لگا۔
 ”مطلب یہ کہ صرف اتنی ہی بات کہنے کے لیے اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟“ اس نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر ”فیئر“ چھوڑ دیا اس ذکر کو۔ آداب چاہیں کہ وہ یہ رول دروازے کی طرف مڑی۔
 ”براہن پستور اچھا رہا۔“ رضیہ کی وہ عجیب سی نظریں میرے لیے ایک غنڈہ بن کر رہ گئی تھیں۔ مجھے ایک پل کے لیے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی نگاہوں نے مجھے بہت کچھ کرنا کی دعوت دی ہو۔ نہ چلائے وہ میرا وہم تھا یا حقیقت؟ میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکا۔
 ”کار میں رضیہ کے ساتھ سفر کرتے ہوئے ہیں اچھا ہی رہا۔“
 ”کہاں کھوتے ہوئے ہو؟“ رضیہ بولی۔
 ”میں اپنے خیالات سے چونکا اور پھر جلدی سے کہا: ”مخرباب ہم کہاں جاتے ہیں؟“
 ”جہاں جانے کے لیے تھکے گھر سے راند ہوئے تھے لیکن بیچ میں عرصہ بڑھ گئی۔“
 ”یعنی صدر؟“
 ”ہاں۔“
 ”میں آج رات کو تم کوہلے کے گھر دھوا دھائیں بولوں گی؟“
 ”یقیناً بولوں گی۔“
 ”تو پھر تمہیں اس وقت یہ معلوم کرنے کی فکر ہو جائیے تھی کہ کوہلے کا گھر کہاں ہے۔“
 ”وہ مجھے معلوم ہو جائے گا۔“
 ”کیسے؟“
 ”میں نے یہ کام اپنے آدمیوں کے سپرد کر دیا ہے۔ جب میں

لینے گھر کو لوں گی تو مجھے کو برا کا پتہ مل جائے گا۔
 "اوہ!" میں نے شاید تھنڈی سانس لے کر کہا۔ میں اس
 غلط فہمی کا شکار ہو گیا تھا کہ تمہیں اس سلسلے میں میرا تعاون درکار
 ہوگا۔
 "چوتھے چوتھے مسائل میں کسی کا تعاون حاصل کرنا کچھ بھی
 سہی گوارا نہیں ہوتا۔ اسی وقت بھی میں نہیں کسی جگہ سے جا رہی ہوں
 تو میں اس خیال سے کہ تمہاری رفاقت مجھے اچھی لگتی ہے۔
 "نہیں نصیب!"
 "کیا نہیں میری رفاقت اچھی نہیں لگتی؟"
 مجھے ایک بار پھر چوتھا پڑا۔ میں نے فوراً اس کے چہرے
 کی طرف دیکھا لیکن اس کی تکی کیفیت کا اندازہ نہیں کر سکا۔ اس
 کا ہر نصف ہر وہیم سے ملتے جلتا تھا کہ اس کی نظر سامنے سرک
 پر جمی ہوئی تھی۔
 "جواب نہیں دیتا ہے؟" رضیہ تیسرے وقت سے بدلی۔
 اس نے یہ سوال بھی میری طرف دیکھ کر بغیر کیا تھا۔
 "رضیہ!" میں نے بچکے پاتے ہوئے کہا۔ "تم مجھے غلط فہم
 نہیں کیلئے دے رہی ہو۔"
 "کیوں!" شاید وہ مسکرائی تھی۔
 "بظاہر تو تمہاری باتیں بڑی سرسری سی ہیں لیکن تمہارا لہجہ
 بڑے عجیب سی پنہاں ہے۔"
 "تو تم ان بیانی کو سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟"
 "رس۔۔۔ رسو!"۔۔۔ یہ سب جسم میں کسنا سناٹ پھیل گئی۔
 "تمہارے منہ سے... رسو سمجھتا تھا لگا۔" اس نے اب بھی
 میری طرف نہیں دیکھا تھا۔
 میں ٹنگ ہو کر رہ گیا۔ رضیہ کی باتوں کے معانی بڑی وضاحت
 سے سامنے آگئے تھے مگر نہ جانے کیوں میرا ذہن اس وضاحت کو
 قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ یہ بات مجھے بڑی عجیب معلوم ہو رہی
 تھی کہ رضیہ مجھے پسند کرنے کی کوشش دے رہی ہے۔ یہ احساس تھا جیسا شوکارا
 دل و دماغ پر غارتخاری کرنے کی قوت بھی اس میں! رضیہ کا شمار
 دنیا کی حسین ترین لڑکیوں میں کیا جاسکتا تھا اور جب کوئی ایسی لڑکی
 سامنے آئے تو قلب پر کیا گورنہ ہے؟ یہ پچھلے دل ہی جان
 سکتے ہیں۔
 کار جب تک ملتی رہی، میں دنیا و مافیہا سے بے خبر رہا۔
 شاید اس دوران میں میرا ذہن سفر ایک ایسے شعبہ سال کی طرف
 جاری تھا جہاں رنگ و حکمت کی عمارتیں تھیں۔
 کار جب وہ لڑکی تو میں خیالات کے عجولوں سے ٹکرا اور میں
 نے دیکھا کہ یہ صدمہ کا وہ اندرونی علاوہ تھا جہاں اینگلو انڈین لوگوں
 کی رشتہ ہے۔

"آؤ!" رضیہ نے گاڑی سے اترتے
 میں حیرت زدگی کے عالم میں کہا۔
 ہی کھڑکیوں کے شیشے چڑھاتے اور وہ اس
 پھر وہ مجھے لینے چلتے تھے ابھی میں داخل ہوا
 تھا۔ لیا تھا۔ اس کے کس میں ایسی پرسش تھی
 ہوا محسوس ہونے لگا۔
 "اے!" اچانک رضیہ منہ کر لولی۔ اب
 سوچ گیا۔
 "کیوں سوچ گیا! اس کا تو میسر ہے
 لیکن اتنا مزہ دے جاتا ہوں کہ تم نے میرے سا
 سوچا۔
 رضیہ کھلکھلا کر ہنس پڑی، پھر اس
 تمہاری بذلتی آنی نظری ہوتی ہے کہ جی ہاں!
 "وں!"
 "اتنا غضب مت ڈھانا۔ میں پہلے
 میری آواز شاید جذبات سے بوجھل تھی۔
 سامنے سے ایک اینگلو انڈین جوڑا
 رضیہ کی غیب سے ہو گئی۔
 "آخر ہم کہاں جا رہے ہیں، اب تو ہمارا
 منزل قریب لگتی ہے۔" رضیہ نے چہرے
 میں چپ ہو گیا۔ ہمارا یہ پیدل سفر گرا
 جاری رہا۔ مختلف گلیوں سے گزرتے ہوئے بالآخر
 داخل ہوئی۔ بظاہر وہ عمارت، راتھی ہوا
 جب ایک خوبیل راہداری سے گزرتی رہی
 دروازے کے اندر قدم رکھا تو حیران رہ گیا
 وہ کسی ریسٹورنٹ کا ایک دیکھش مال
 قریب سے لگی ہوئی تھیں اور سفید میز پر
 چڑے چلے معلوم ہو رہے تھے۔ دیواروں پر
 تھیں۔ لوگ میزوں پر بیٹھے ہوتے کھا کھا
 پی رہے تھے۔ میں نے یہ بات ایک ہی لڑکا
 دیاں بھیجی ہوئی عورتیں اور مرد، بھی اینگلو
 دیاں (اینگلو انڈین) آتے ہی نہ ہوں اور
 بیٹھے تھے تو لوگوں نے میں بڑی عجیب سی
 میں دیکھا بلکہ آپس میں بھی نہایت مہم
 "آؤ، ڈوسری طرف نکل چلیں، رضیہ!
 کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔ اس کا انداز
 اکثر اسی جانی بوجھ کا ہے، ایسا
 اچانک کراچی آئے دن ہی کہتے ہوئے تھے

میں اپنی نیکل اس کے ہاتھ میں دے رہی تھی لہذا
 ہم بڑھا رہے۔ دیسے یہ میری کچھ میں نہیں آسکتا
 ہاتھ سے رضیہ کی ہمارا کھینچی۔ یہ مجھے اسی وقت معلوم
 ہوا کہ ڈوسری طرف ہے۔
 امارت کی تیسری تھی۔ یہاں بھی میز پر لگی ہوئی تھیں
 میز پر آدھ تھیں۔ اٹا کو میزوں پر نوجوان جوڑے
 ان کے سامنے شرب کے جام رکھے ہوئے تھے۔
 میں بھی باری طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی۔
 اتے اپنی ذات میں گم!
 مگر میں منظر میں جذباتی عمارتوں کے اوپر ہی تھے
 اس وقت شاید شرج پر ابھر چکا تھا کیونکہ
 ہند کی اسی ہو گئی تھی۔
 لہذا کہ ایک ایسی میز پر ابھی جویس کے سرے
 پر ہی ہم بیٹھے کوٹ پہنے اور "و" نکاتے
 اچھے قریب آگیا۔
 "آؤ!" رضیہ نے دیکھ کر کہا۔
 متہما ہو کر کھانا یا لیکن رضیہ نے ہاتھ اٹھا کر
 ہاں پر جب دیکھا گیا تو مجھ سے بولی ہو گیا تھا
 "ا"
 امارت میں ہوں!"
 "پچھلے پڑا!"
 ہم اتفاقاً ٹوہا ہے لیکن میں بہتر سمجھتا ہوں کہ
 کھانے کی جاتے۔
 امارت میں وہ مسکرائی۔
 میں نے ہتھیار ڈال دیے۔
 "ہے؟" رضیہ نے ادھر ادھر نظر دوڑاتے ہوئے
 ان ہوں میرا خیال تھا کہ میں شہر کے سارے اچھے
 واقعات ہوں۔ عجیب بات ہے کہ اتنا اچھا
 اٹنے کی جگہ پر بنانے کی بجائے اتنا انداز بنایا گیا
 اور وہی نہیں ہو سکتی۔
 امارت میں۔ یہاں صرف اینگلو انڈین آتے ہیں
 مگر یہ مقامی لوگ لاکھ کڑے کر رہے۔ اسی لیے
 انہیں وہی نہیں سمجھا گیا ہے تاہم کچھ بھی جار کوئی
 امارت میں آئی جاتا ہے۔
 ایسا کیوں چاہتے ہیں کہ یہاں مقامی لوگ نہ
 کھائیں وہ جہے تو جہاں کا علم نہیں۔ بظاہر

تو اس کا سبب ٹنگ نظری اور تعجب ہے۔ اگر یہ لوگ کھل کر
 مقامی لوگوں پر پابندی عاید کریں تو ان کے خلاف محاذ قائم ہو جائے
 گا اور یہ لوگ دیار میں رہ کر مگر کچھ سے نہیں۔ کھانا چاہتے ہوں
 گے۔ دیسے مجھے یہ شبہ ضرور ہے کہ شاید اینگلو انڈین لوگوں کے کسی
 خاص گروہ نے کوئی خفیہ کام کر رکھا ہو اور اس جگہ کو انہوں نے اپنی
 سرگرمیوں کا مرکز بنایا ہو۔
 "فری میسن؟" میں نے بڑے سے بڑے ساتھ نکلا۔
 "اس کے بارے میں تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ بس ایک شبہ ہے مجھے
 جو غلط لگتا ہے وہی ہے۔"
 "لیکن ہم لوگ یہاں کیوں آتے ہیں؟ اب تو جادو!"
 "دوہر کو ایک خاص وقت پر ایک شخص یہاں آیا کرتا ہے
 اور بیچ میں بیٹھتا ہے۔ وہ ایک ڈاکٹر ہے اور لہذا اینگلو انڈین ہی
 ہے۔ اس کی آمد میں ابھی دن کھٹ رہا ہے۔ اتنی دیر میں ہم نہیں
 ہا ایک ایک گلاس پی لیں گے اور پھر ڈانٹنگ مال میں باکر کھالے
 کا آؤ دیں گے۔ اسی آٹھیں وہ بھی یہاں پہنچ جائے گا۔"
 "اس کے بعد؟"
 "اس کے بعد میں یہ دیکھوں گی کہ مجھے یہاں دیکھ کر کس کے
 چہرے پر کس قسم کے تاثرات پیدا ہوتے ہیں۔"
 "حسن کو دیکھ کر تو ایک خاص ہی تاثر پیدا ہو رہا ہے۔"
 "میں اس تاثر کے علاوہ کچھ دیکھنا چاہتی ہوں۔"
 ذرا دیر کے لیے ہماری گفتگو کا سلسلہ دیک گیا کیونکہ
 وہ ایک خوبصورت شہر میں نہ نہیں کے گلاس رکھتے ہوئے ہمارے
 پاس آگیا تھا۔ اس نے بڑے سلیقے سے گلاس ہمارے سامنے رکھے
 اور چلا گیا۔
 شب میں بڑی عمدہ تھی۔ وہی گھونٹ لے کر میں اپنے
 بل میں چھپ کر عورتوں کے لگاؤ میں جو تھا ان گلاس پینے کے بعد
 میرا جی چاہنے لگا کہ دنیا کی ساری کثیف باتوں کو بھول کر صرف
 رضیہ کے اسرار و موزا کو دیکھنے لگی۔ میں نے بہت عرصے بعد
 شراب کو منہ نکھایا تھا۔ اس لیے سپین کی اس قلیل بقدار نے بھی
 مجھے محو کر دیا۔ مجھے ہوں محسوس ہونے لگا جیسے میرے سامنے
 رضیہ نہیں تھی بلکہ آسمان سے کوئی ایسا آواز آتی تھی۔
 "رضو!" میں نے کانپتا ہوا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔
 اس نے اپنی گھنٹی پر پکلیں اٹھا کر کچھ ایسی بھی نظروں سے
 میری طرف دیکھا کہ میں بے قابو ہو گیا۔ میں نے جذبات کی روت
 بہ کر اس کے ہاتھ کو اتنی زور سے دیا کہ اس کے منہ سے کسکا
 نکلی گئی لیکن اس کے ہونٹوں سے کوئی ایسا لفظ نہیں نکلیا اور استہوار
 کی نمازی کر رہا۔ کسکری لینے کے بعد وہ مسکرا کر کہتی تھی۔

”ہمت جلد ثابت بھی ہو جائے گا کہ میرا لفظ غلط نہیں تھا۔“
یہ باتیں کرتے ہوئے ہم دونوں، کارنگ پہنچ گئے جسکی بات
رضیہ نے ڈرامائی گھٹن سے سمجھ لی اور میں اس کے برابر میں
بیٹھ گیا۔ انہیں اشارت بڑا کار حرکت میں آئی اور اس کی رفتار
میں تیزی سے اضافہ ہوتا چلا گیا۔

”آج کی رات بڑی اہم ہوگئی ہے، رضیہ نے بڑھانے والے
انڈاز میں کہا۔
”وہ کیسے؟“

”کوہرا کے گھر پہنچ دھاوا لوانے اور شہر ہمارے گھر پہنچے؟“
مجھے یہ بات بڑی مضحکہ خیز معلوم ہو رہی تھی کہ محض ڈاکٹر دوس
کے چوکنے سے رضیہ نے شہر ہمارے گھر میں بانو کی موجودگی کا
یقین کر لیا تھا لیکن میں نے رضیہ کے اس انداز فکر پر بڑی کوئی تبصرہ
کرنے سے گریز کیا۔

”کوہرا کے گھر پر فوجی رہی پھر رضیہ نے کہا۔“ اب اس گھر کا رزم
کروں گی تاکہ رات کی دونوں میں سر کرنے کے لیے تازہ دم ہو
جائوں اور صبح کو تو ابھی سے کوئی لاکھ عمل مرتب کروں۔“

”تو میرے میں تازہ دم ہیں کیسی کر کے گھر چلا جاؤں گا۔“
ممکن ہے کسی سلسلے میں روت یا کانڈر ترقی مجھے سے رابطہ قائم کریں۔
وہ لوگ بھی تو اب بھی کی تلاش میں ہیں۔ شاید انہیں کوئی خاص بات
معلوم ہوگئی ہو۔“

”ہاں، ہو تو سکتا ہے، لیکن جیسی کی کیا ضرورت ہے، یہ ہیں
تمہارے گھر پر چھوڑ کر چلے جاؤں گی۔“

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ رضیہ مجھے برس ڈھچھوڑ کر چلی گئی۔
میں نے اپنے فلیٹ کا قتل کھولنے سے پہلے لمبے بس لکھا

لیکن آج کوئی خط نہیں آیا تھا۔ میں کپڑے تبدیل کر کے اپنے بستر
پر ڈھیر ہو گیا۔ مجھے کچھ شک نہیں ہوگئی تھی۔ اس کے علاوہ میں یہ بھی
جانتا تھا کہ آرام سے لیٹ کر آج کے تمام حالات کا جائزہ لوں۔
آج کے حالات، دو قسم کے تھے۔ علم جانوں وغیرہ خداں!

رضیہ کے اعلانِ محبت نے مجھے کسی مددگار نہ کر رہا تھا۔
مجھے یہ یقین کرنے میں اتار رہا تھا کہ وہ مجھ سے محبت کرنے لگی تھی
لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میرے جذبات پوری طرح تسلط دینے
لگے تھے۔ رضیہ میرے حواس پر پھانسی تھی اور میں حیران تھا کہ کیا ایک
یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟

رضیہ! رضیہ!
میرے تھوڑے دنوں اس کے علاوہ کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ میں
کوشش کے باوجود اس کے خیال کو اپنے ذہن سے جھٹک کر دوسری
باتوں پر غور نہیں کر سکا۔

رضیہ کا تھوڑا سا ناخوابگیاں تھا کہ
وجود رنگارنگ سبوتوں میں ڈوبا تھا۔
گھنٹی کی آواز سے میری آنکھ کھل

کی طرف بڑھا لیکن پسند آگئے تھے
کہ وہ ٹیلیفون کی گھنٹی میں تھی بلکہ کوئی کلام
میں غنودگی کے سے عالم میں آگیا

دروازہ کھول دیا میرے سامنے رضیہ کھڑی تھی
”تم؟“ میرے منہ سے یہ سادہ
”کیوں؟“ وہ مسکراتی ہوئی اندر آئی

ناگوار گزری ہے؟“
”ہیں، دراصل اس وقت تمہارے آ
تھی۔ تم نے کہا تھا کہ شام تک اپنے گھر میں
”ہیں آدھم کر رہی نہیں سکتی۔“

”کیوں؟“
رضیہ نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا
مومن کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جب وہ باطن

پر جا بیٹھا اور استغناء میں نظروں سے اس کی
”رضوان؟“ وہ بڑے جذباتی سے،
ہوئی بولی۔ اب میں تمہارے خیر ایک بندہ

میں لگتا ہو کر اس کی طرف دیکھتا۔
میں خیر و نیسا کی لہریں دوڑنے لگی تھیں
دیکھیں میں سے ایک دیکھو کہ یہ کہہ

خیر ایک بندہ بھی نہیں ہو سکتی۔
”رضوان؟“ میں نے جراتی ہوئی آواز
کے تم مجھے پاگل کر دو گی۔“

”پاگل کر دینے والی حقیقت کو تو
رضوان! اس نے معلوم سے مجھے میں کہا
نہیں ہے۔“

”کس کا علم نہیں ہے؟“
”اس کرب کا جس سے میں گزرتی
مجھے باتو رضوان؟“ میں نے بڑے دا

کا ہاتھ تمام کیا۔ میں تمہارے دکھ بانٹنے
”رضوان؟“ وہ وہولی۔ ”مجھے باقی کی تو
میں کراچی سے نہیں جا سکتی لیکن تم تو ما۔“

”کیا مطلب؟“
”تم کچھ عرصے کے لیے کراچی سے ہا
ملک ہوا چھوڑ دو۔“

”رحم دوں ایک دوسرے کو بھول جاتی۔“
”ہاں، ہاں! میں نے اس کے شالوں پر ہاتھ
”ا۔“

”ہاں حق میں ہی بہتر ہے۔“
”ہاں میں آئیں زکرو۔“
”کہہ ہے رضوان! ہمارا مطلب ممکن نہیں۔“

”ات نامکن نہیں۔“
”بلکہ بول گئے ہو۔ یہ دنیا تو ناممکنات سے
مطلب اس لیے نہیں ہو سکتا کہ تم ایک انسان

ہاں ایک... میں...“
”میں نے جنوں کے عالم میں اسے جھنجھوڑ ڈالا۔
”نہیں ہوں۔“

”میں اسے گھونے لگا۔“
”میں راز کی کارڈ اپنی پرندہ سائیر کی جو بھی
”ہر آجاتا ہے۔“

”میں تفصیل آواز میں بولا۔“ میں خواہ مخواہ
”میں تم مجھے بے وقت بنانے آئی ہو۔“
”وقت بنانے نہیں آئی ہوں رضوان! میں

معد کرد۔“ اچھا خاصہ زامانی ٹیوڈ چوپٹ کر
”میں رضوان! وہ اضطراب میں پہلو بدل کر
”ابھی سا میری ہیں۔“ یہی لئے وہ مردوں کی

میری طرح وہ بھی شادی نہیں کر سکتیں۔“
”مجھ زیادہ بدمعاش کرد۔“ میں نے یہی دکر
”میں کوشش کر رہی ہوں رضوان! میں جو کچھ بھی کہہ

”الاف حقیقت پر لگتی ہے۔ میں صرف
”ہمت بڑھانا ہی ہوں جسے باقی نے
”کہا ہے۔“

”میں تمہارا کام کر بیٹھ گیا۔ میری کچھ چیزیں
”میں ان کا محبت کیوں سوار ہو گیا تھا۔
”اد وہ وہ خیرہ ہوئے پر آمادہ نہیں تھی۔“

”سنا ہی پڑے گی رضوان! رضیہ
”ہاں، معاملہ کیا ہے۔ میرے ساتھ جو
”ا۔“ بہت کے بعض حصوں میں بننے

”میں رضوان! رضیہ! رضیہ!
”میں رضوان! رضیہ! رضیہ!
”میں رضوان! رضیہ! رضیہ!“

”وہی لوگ بھی سا میری کو ایک غلطی دی کی حیثیت سے تسلیم
کرتے ہیں لیکن دنیا کے دوسرے علاقوں میں بسنے والے بعض
بڑے لوگوں کی طرح بہت جلد بھی میرے لوگ مل جاتے ہیں
جو غلطیوں کو اپنے قابو میں کرنے کے لیے چلے کھینچتے ہیں یا
جادو دیکھتے ہیں۔ دنیا کا شمار بھی انہی بڑے قوتوں میں کیا جاسکتا
ہے۔ اس نے باقی کو قابو میں کرنے کا منتر کیا ہے۔“

”میں سرخسے ہوئے تو بیٹھا ہی تھا اب نہ کہنے اپنے
دونوں کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔ اس طرح میں رضیہ کو
یہ بات کرنا چاہتا تھا کہ وہ مجھ پر ان باتوں سے بے وقوف نہیں بنا
سکتی۔“

”تمہیں میری کمائی تو سننا ہی پڑے گی رضوان! رضیہ نے
اتنی زور سے بولنا شروع کر دیا کہ کانوں میں انگلیاں
ٹھونس کے باوجود اس کی آواز مجھے صاف سنائی دیتی رہی۔

”دیکھا، اپنا منتر پورا کر چکا ہے۔“ وہ کہہ رہی تھی ”اب میں
اتنی کسرہ گئی ہے کہ باقی اس کے سامنے ہوں تو وہ اُن پر بھیج
مارے۔ یہ اس کے منتر کا آخری مرحلہ ہوگا۔ اس کے طے ہوتے
ہی باقی اس کے قابو میں چلی جائیں گی اور وہ جب تک زندہ ہے
گا۔ اس کی کینز بنی رہیں گی۔“

”بس اب تو چپ ہو جاؤ وضو! میں اپنے کانوں سے
انگلیاں نکال کر بھیک مانگنے والے انداز میں گھٹکھٹکایا۔ کہیں ایسا
نہ ہو کہ میری اس طرح بانگ دینے لگاں۔ اگر میرا تعلق فردوس سے
ہو تو تمہاری یہ کمائی ضرور شائع کروا دیتا لیکن...“

”کیا تم کسی طرح بھی میری بات کا یقین نہیں کر سکتے؟“
رضیہ نے ایسے انداز میں کہا جیسے بڑی بے بسی محسوس کر رہی ہو۔
”اگر تم یقین کر لیتے تو مجھے بہت کام آ سکتے تھے۔“ بانو شدید غصے
میں ہیں۔ مشکل ہے کہ اگر کوئی شخص ہمیں قابو میں کرنے کے لیے
منتر شروع کرے تو اسے ہماری وہ طاقت بھی نقصان نہیں پہنچا
سکتی جسے تمام فوق الفطرت کہتے ہیں۔ اب اس سے بچنے کا واحد
ذریعہ صرف یہی ہو سکتا ہے کہ کوئی انسان ہماری مدد کرے اور
”دیکھا، اپنا منتر پورا کر چکا ہے۔“

”اب اس کا وقت گزر چکا ہے سا میری! ایک گونہ
”اد میں کر میں اور رضیہ اچھل پڑے۔
”دیکھا، اپنا منتر پورا کر چکا ہے۔“

”میں رضوان! رضیہ! رضیہ!
”میں رضوان! رضیہ! رضیہ!
”میں رضوان! رضیہ! رضیہ!“

”میں رضوان! رضیہ! رضیہ!
”میں رضوان! رضیہ! رضیہ!
”میں رضوان! رضیہ! رضیہ!“

”میں رضوان! رضیہ! رضیہ!
”میں رضوان! رضیہ! رضیہ!
”میں رضوان! رضیہ! رضیہ!“

”میں رضوان! رضیہ! رضیہ!
”میں رضوان! رضیہ! رضیہ!
”میں رضوان! رضیہ! رضیہ!“

”میں رضوان! رضیہ! رضیہ!
”میں رضوان! رضیہ! رضیہ!
”میں رضوان! رضیہ! رضیہ!“

”میں رضوان! رضیہ! رضیہ!“

پرنڈے نے اپنے سر کو عریضے ادا
 طون دیکھا اور اس کے پر کھل گئے۔ وہ دیکھا
 تیر کی طرح ہری طون آیا۔ میں گھر کے کمرے میں
 چہرے کے سامنے کر لیے۔ میں نے اپنے ہاتھوں
 دینا چاہا تھا کیونکہ مجھے اپنی اس سرکشی
 پرنڈے کی تیز چوڑی میری دائیں آنکھ میں
 سے میری جینٹل نظر
 جینٹل کے ساتھ ہی میری آنکھ بھی کھل

خواب تھا، جو کچھ بھی دیکھا، ام

ہاں! میں نے سچے مہموں کو
 ہے۔ اگر آپ پر بھی ہے تو میں معذرت
 لیکن یہ مذاق، محض ایک مذاق نہیں
 اسی دیکھا تھا اور بالکل اسی طرح دیکھا
 ہے۔ دراصل وہ سب میرے اپنے خیال
 اور رشتہ کے اندر سے نکلا ہے۔

خیالات میرے ذہن میں پکارتے رہتے
ایک مافوق الفطرت دنیا تشکیل پانے

ہو، انہیں سمجھانے کے لیے کئی بار کہا گیا کہ

نواب کا اعزاز کان میں سے ہوا تھا۔ ا
نواب نہیں ہیں۔

میں سرگزناتھیں۔ کوبرا کے گھر پر دھاوا

میں نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ پانچ

یہ سوچا تھا۔ یہ بستر سے اٹھا اور پہنچا
 بے میں سوچتا ہوا غسل خانے میں جا کھڑا

جب میں غسل کر کے نکلا تو ”

”ج“

”تو میں آؤں!“

”وہی ہے جو ایک دیر سے

”ایک ڈاکو دلیس تو میرا دوست بھی ہے،“ میں اپنے چچے کو
 صاحب چھپانے کے لیے بلاؤں گا اس کے بائیں کمال پر بڑا مسابہ؟
 ”تم نے اسے دیکھا ہی کب ہوگا؟“
 ”میں نے اسے دیکھا تھا۔ جب میں وہاں سے لوٹ رہی تھی
 تو وہ وہاں پہنچا تھا۔ اس کے کمال پر کوئی مسابہ نہیں ہے۔“
 ”تو کبھرو کوئی اور ہوگا؟“
 ”بائی، تلاش میں تو تم لوگ بھی غامض سرگرم ہو! تیس
 کوئی مزارغ بلا؟“

”نہیں“
اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔

”کون ہے؟“ میں نے سوئے سے اٹھ کر بغیر ہنسنے اور دل پر ہتھیار کیا۔

فلیٹ میں رہتا تھا اور بلڈ پریشر کا سب سے شرارتی پیچھے بھاگتا تھا۔

ہی میں نے دروازہ کھولا، بچے نے ایک لفافہ میری طرف بڑھادیا۔

جواب میں بچے نے جو کچھ بتایا وہ خاما خاما سنسنی خیز تھا۔ اس

کارائیں کے قریب آکر رکے۔ اُسے ایک عورت چلا رہی تھی۔ اس

کہ یہ دوسری منزل پر پہنچنے والے رفوان صاحب کو پہنچا دو۔

علم ہو گیا ہوگا اس لیے اس نے بذریعہ خط کوئی اہم پیغام مجھے

”اچھا بیٹے! بہت بہت شکریہ!“ میں نے بچے کا کال

غزالہ بے قدموں میرے قریب آکھڑی ہوئی تھی۔

”میرا ایک پرائیویٹ خط ہے۔“ میں نے لاپرواہی سے کہا

”یہ اتھوٹ خط!“ غزالہ نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

لعلے کو چاک کرتا ہوا اندرونی کمرے میں چلا آیا۔

جب میں نے خط کھول کر دیکھا تو میرے اعصاب پر جیسے ایک بم

صیبی بانو کا خط، رضوان کے نام! اس میں کتنا تھا۔
 ”رضوان! ہر چہ کچھ کہ تم لوگ میری تلاش میں مگرمول نہ رہو۔
 میں جہاں بھی ہوں، نصیب سے تمہیں بعض خطرات کی
 وجہ سے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ میں دلپوش ہو جاؤں۔ غالباً
 ایک ہفتے کے اندر اندر میں حالات کو اس حد تک اپنے
 قابو میں کر لوں گی کہ پھر دلپوش رہنے کی ضرورت باقی نہیں
 رہے گی۔ اچھا! خدا حافظ! رضیہ کو پیار!



میں ہرگز یہ نہیں کہوں گا کہ بانو کا خط دیکھ کر میری
 جو کیفیت ہوئی اُسے بیان کرنے کے لیے کچھ
 پاس الفاظ نہیں! اس کے برعکس میرے پاس
 بہت سے الفاظ ہیں جو میں ابھی تک نہیں لگا۔

جب بھی میں افانوں اور کامیوں میں مصنفین کی بے بسی
 کا یہ اظہار پڑھتا ہوں تو مجھے بے حد غصہ آتا ہے۔ مگر
 ایک کیفیت کو بیان کرنے کے لیے بھی تمہارے پاس الفاظ نہیں
 ہیں تو جا کر دبی پڑے کی دوکان لگاؤ، یہیں پور کرنے کے لیے
 قلم کار کیوں کیے ہیں۔ ہر چند کہ میں قلم کار نہیں ہوں لیکن میں
 اپنی ہر کیفیت کو بیان کرنے پر نہایت تسلی بخش طوطا پر قادی ہوں۔
 بانو کا وہ خط دیکھ کر دادر کے لیے مجھے کتنے ہنساں آئے۔
 کتنے کی اس کیفیت میں تین دن کی کمی کے ساتھ میرے دل کی دھڑکن
 میں تبدیلی اضافہ ہوئی۔ وہ اضافی دھڑکنیں خوشی کا رد عمل تھیں۔
 بانو کسی کی قید میں نہیں ہیں اور ہمیشہ کی طرح فعال ہیں
 یہ احساس میرے لیے اتنا طاقتور نہیں تھا کہ کسی حیم کی قدرتی
 گولیاں بھی اتنی مقوی نہیں ہوں گی۔ میرے بدن میں شہرے سے
 لینے لگے تھے۔ اہ... اہ... اہ... قاری! مجھے اجازت دیجیے کہ ذرا
 سی شاعری کروں۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے شوق کے رنگ
 کچھ اور گہرے ہوئے ہوں اور ہار کی کبڈی کھیلتی ہوئی میرے گھر کے
 آئینے میں درآتی ہوں۔ اَلَا مَاشَا اللہ!

میں بانو کے خط کو اپنی جیب میں ڈالتا ہوا تیزی سے بڑنی
 کرے میں آج اچانک غزالہ صوفے پر بیٹھی ہوئی اپنے اچھے جھلمٹرو
 بگاڑ رہی تھی۔

”ہاں پڑھ لیا، میں نے جواب دیا۔ اور
 بانو کو تلاش کرنے کی قسم ترک کر دو۔“
 ”کیوں؟“
 ”اس لیے کہ بانو نہ صرف خود غریبیت سے
 کی غریبیت بھی نیک مطلوب ہے۔ رہ گیا دیگر
 ایک ہفتے بعد تمہارے گھر۔“

”کیا ان باتوں کا کوئی سروکار ہے؟“
 ”سری سرتیڑی پتیر۔ یہی بات میں کتنی تھا
 میں اتنا خوش ہوں کہ اگر میرے دل کھٹے ہونے کی
 میرے پیرول کو اس بات کی جسامت ہو گئی۔“
 ”یا اللہ!۔“ غزالہ دونوں ہاتھوں سے
 اس خط میں کوئی طلسمی تحریر تھی جو آپ کے دماغ
 میں نے جواباً کچھ نہیں کہا۔ دراصل میں
 دکھانا چاہتا تھا میں وہ خط غزالہ کو ضرور دکھا
 گا نہ کہ وہ نہ پڑا۔ رضیہ کی شخصیت ابھی تک
 ہوتی تھی اور میں رضیہ کے انداز سے سمجھتا
 رہتا تھا کہ اس کا کیا ہے۔

ادھر میں رضیہ سے ملنے کے لیے
 غزالہ کی موجودگی کھٹنے لگی تھی۔ رضیہ نے
 آتے کی گیندیں اسے بانو کا خط دکھانے
 اس تک پہنچایا چاہتا تھا۔ اگر میں غزالہ کو
 کرنا تو یہ بد اخلاقی ہوتی۔ خوش قسمتی سے وہ
 ”اوٹ پٹنگ“ باتوں سے پور ہر خودی
 جاتے ہی میں اپنی موٹر سائیکل منیجنگ کر
 رضیہ کے بارے میں سوچتے تھے
 یاد آیا تو میں موٹر سائیکل چلاتے ہوئے
 کہ جب میں وہ خواب رضیہ کو سنانا لگا تو
 بہر حال اب ایک غمور سا جذبہ
 لے چکا تھا۔ بلکہ خرم ہو گیا کہ میں ان
 ہم تو محبت کرے گا
 دُعا سے نہیں ڈنکے گا
 رضیہ جیسی لڑکی سے محبت نہ کرنا
 عشق اختیار کرنے کی ہی اب مجھے اپنی
 توں بانو سے بھی کرنا تھا اور اب میں
 اور ختم عقیدت ہے۔ اس قسم کی کہ نہ
 سے جانتے ہیں لیکن رضیہ نے مجھ
 کی جے کہ اگر شدت اختیار کر لے اس

میں سے جانتے ہیں۔
 ”رضیہ کے گھر پہنچا تو وہ مجھے دیکھ کر حیرت سے
 ”کیوں؟“
 ”اس لیے کہ بانو نہ صرف خود غریبیت سے
 کی غریبیت بھی نیک مطلوب ہے۔ رہ گیا دیگر
 ایک ہفتے بعد تمہارے گھر۔“

”کیا ان باتوں کا کوئی سروکار ہے؟“
 ”سری سرتیڑی پتیر۔ یہی بات میں کتنی تھا
 میں اتنا خوش ہوں کہ اگر میرے دل کھٹے ہونے کی
 میرے پیرول کو اس بات کی جسامت ہو گئی۔“
 ”یا اللہ!۔“ غزالہ دونوں ہاتھوں سے
 اس خط میں کوئی طلسمی تحریر تھی جو آپ کے دماغ
 میں نے جواباً کچھ نہیں کہا۔ دراصل میں
 دکھانا چاہتا تھا میں وہ خط غزالہ کو ضرور دکھا
 گا نہ کہ وہ نہ پڑا۔ رضیہ کی شخصیت ابھی تک
 ہوتی تھی اور میں رضیہ کے انداز سے سمجھتا
 رہتا تھا کہ اس کا کیا ہے۔

ادھر میں رضیہ سے ملنے کے لیے
 غزالہ کی موجودگی کھٹنے لگی تھی۔ رضیہ نے
 آتے کی گیندیں اسے بانو کا خط دکھانے
 اس تک پہنچایا چاہتا تھا۔ اگر میں غزالہ کو
 کرنا تو یہ بد اخلاقی ہوتی۔ خوش قسمتی سے وہ
 ”اوٹ پٹنگ“ باتوں سے پور ہر خودی
 جاتے ہی میں اپنی موٹر سائیکل منیجنگ کر
 رضیہ کے بارے میں سوچتے تھے
 یاد آیا تو میں موٹر سائیکل چلاتے ہوئے
 کہ جب میں وہ خواب رضیہ کو سنانا لگا تو
 بہر حال اب ایک غمور سا جذبہ
 لے چکا تھا۔ بلکہ خرم ہو گیا کہ میں ان
 ہم تو محبت کرے گا
 دُعا سے نہیں ڈنکے گا
 رضیہ جیسی لڑکی سے محبت نہ کرنا
 عشق اختیار کرنے کی ہی اب مجھے اپنی
 توں بانو سے بھی کرنا تھا اور اب میں
 اور ختم عقیدت ہے۔ اس قسم کی کہ نہ
 سے جانتے ہیں لیکن رضیہ نے مجھ
 کی جے کہ اگر شدت اختیار کر لے اس

”دو اپیل پڑی“
 ”اے ایک پتے کے ساتھ پھر آنا تھا۔“
 ”اے ایک پتے کے ساتھ پھر آنا تھا۔“
 ”اے ایک پتے کے ساتھ پھر آنا تھا۔“
 ”اے ایک پتے کے ساتھ پھر آنا تھا۔“

”اے ایک پتے کے ساتھ پھر آنا تھا۔“
 ”اے ایک پتے کے ساتھ پھر آنا تھا۔“
 ”اے ایک پتے کے ساتھ پھر آنا تھا۔“
 ”اے ایک پتے کے ساتھ پھر آنا تھا۔“

”اے ایک پتے کے ساتھ پھر آنا تھا۔“
 ”اے ایک پتے کے ساتھ پھر آنا تھا۔“
 ”اے ایک پتے کے ساتھ پھر آنا تھا۔“
 ”اے ایک پتے کے ساتھ پھر آنا تھا۔“

”اے ایک پتے کے ساتھ پھر آنا تھا۔“
 ”اے ایک پتے کے ساتھ پھر آنا تھا۔“
 ”اے ایک پتے کے ساتھ پھر آنا تھا۔“
 ”اے ایک پتے کے ساتھ پھر آنا تھا۔“

”اے ایک پتے کے ساتھ پھر آنا تھا۔“
 ”اے ایک پتے کے ساتھ پھر آنا تھا۔“
 ”اے ایک پتے کے ساتھ پھر آنا تھا۔“
 ”اے ایک پتے کے ساتھ پھر آنا تھا۔“

”دیں اور پھر آہستہ سے بولی“
 ”پھر تمہیں اس الجھاؤ کیوں پیدا کر رہی ہو؟“
 ”الجھاؤ تو پہلے ہی سے موجود ہے“
 ”مجھے تو نظر نہیں آتا“

”میں کتنی ہوں کہ جب باجی کو دلچسپی ہی رہنا تھا تو پھر
 انہوں نے یہ خط ڈاک سے کیوں نہیں بھیجا؟“
 ”وہ جانتی ہوں گی کہ ان کی یہ ہدایت جلد از جلد ہم تک
 پہنچ جاتے۔“

”لیکن جب وہ تمہاری بلاؤں تک پہنچ گئیں تو دلچسپی
 کہاں برقرار رہی؟“
 ”آخر تم کتنا کیا چاہتی ہو؟“
 ”میری کہ مجھے اس خط پر شبہ ہے“

اب میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹ ڈالا اور
 بولا: ”اے یہ تو بتاؤ کہ شبہ کیا ہے؟“
 ”مجھے اس خط سے غریب کی پو آ رہی ہے“
 ”یعنی اب بانو بھی ہم سے غریب کیوں گئی؟“
 ”میں نے یہ تو نہیں کہا“

”یہ بھی نہیں کہا“ وہ بھی نہیں کہا، تو پھر آخر کیا ہے؟“
 ”یہ میں خود بھی نہیں جانتی کہ مجھے کیا محسوس ہو رہا ہے۔“
 رضیہ نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔
 ”اب میں اس کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتا کہ تمہاری داخلی حالت
 پر شبہ کروں۔“

”مجھے سکون کی ضرورت ہے“ رضیہ بڑبڑاتی اس خط نے
 میرے ذہن میں انتشار پیدا کر دیا ہے اور یہ انتشار قوری طور پر
 صحت شراب ہی سے ختم ہو سکتا ہے۔ وہ اچانک کھڑی ہو گئی۔
 ”آؤ۔“

”کہاں آؤ؟“ یہ پوچھتے ہوئے ہی مجھے کھڑا تو ہو ہی گیا تھا۔
 ”میرے کمرے میں“ وہ بولی۔
 ”مگ... کمرے... میں... میری آواز ملتی میں لگنے
 تھی۔“

اس نے بڑی بے تعلقی سے میرا ہاتھ پٹا اور اندر دلی روتی
 کی طرف منو گئی۔ اس کے گزرتا ہوا قدم اس کے پاس اس طرح منسا
 اٹھا جیسے نکالوں پر پانی کا پھینسا پڑ گیا ہو۔ اس کے ہاتھوں نے جان
 ہو کر رہ گیا اور اس کے ساتھ کچھ پٹا چلا گیا۔

خواب گاہ میں پہنچ کر رضیہ نے مجھے ایک رنگ گلاب جیسے پتھر
 اور خود کپ پور ڈھول کر اس میں سے شراب کی بوتلی نکالنے
 لگی۔ جب میں نے اسے دو گلاس نکالتے دیکھا تو بولے بغیر نہ رکھا۔

”اے ایک پتے کے ساتھ پھر آنا تھا۔“
 ”اے ایک پتے کے ساتھ پھر آنا تھا۔“
 ”اے ایک پتے کے ساتھ پھر آنا تھا۔“
 ”اے ایک پتے کے ساتھ پھر آنا تھا۔“

”رہو!“

”ہوں!“ اس نے سرگھبراہری طرہ دیکھا۔
”مجھے مت پلاؤ!“ میں نے جھڑپائی ہوئی آواز میں کہا۔

”کیوں؟“

”ڈرنا ہے؟“

”شراب سے؟“

”اپنے آپ سے؟“

”ارے!“ اس کی ہنسی کھٹک اٹھی۔ ”جھلا کوئی اپنے آپ سے بھی ڈرتا ہے؟“

”جیسے جیسے قریب جاتی ہے تو اپنے آپ سے بھی ڈرتا پایا ہے؟“
”جست؟“ اس نے ایک ادا سے اپنا سر جھٹکا اور گلاس میں شراب اٹھٹینے لگی۔

میں چپ رہ گیا۔ رضیہ کی کسی بات کو سختی سے رد کرنا میرے اختیار سے باہر تھا۔ وہ شراب میں سوٹا ملا کر دونوں گلاس اٹھا لائی اور میرے قریب ہی دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔ جب اس نے ایک گلاس میری طرف بڑھایا تو اس کے انداز میں ایسا محکم تھا کہ میں سرزلی کی حرکت نہیں کر سکا۔ میں نے گلاس لے لیا لیکن لینے وقت میرے ہاتھ میں خفیت سی لڑتی تھی۔

”تمہاری بہت کے نام“ اس نے اپنا گلاس میرے گلاس سے ٹکراتے ہوئے کہا اور اپنے سر ہونٹوں سے لگا لیا۔

اس ماحول میں بالوں کے خط کا خیال اب میرے ذہن سے نکل گیا کیونکہ اب میرے اعصاب دھواں پر رضیہ چھا چکی تھی۔

پہلے گلاس کے بعد دوسرے گلاس کی باری بھی آئی۔ اس وقت مجھے اپنا وہ عجیب و غریب خواب یاد آیا اور میں جس پر ا۔

”غیریت؟“ رضیہ بولی۔

”ماہیری!“ میں اس کی طرف شرارت سے دیکھتا ہوا بولا۔
”تمہیں نہ مانے اپنے جھٹنے میں کر لیا ہے؟“

”کہا وہی پیگ میں، کہنے لگے جو؟“ وہ مسکرائی۔
”مجھے اپنا ایک خواب یاد آ رہا ہے؟“

”کیا ہے؟“ ہی دیکھتے بیٹھے خواب میں؟“

”اب تمہارے علاوہ کسی کو اتنی بہت نہیں ہو سکتی کہ میرے خوابوں میں قدم رکھے؟“ میں نے رضیہ کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا خواب دیکھا تھا؟“ اس نے پوچھا۔
”میں نے اسے خواب میں ہی یاد آ رہا تو وہ بہت ہنسی یعنی میں نے تمہاری ایک آنکھ میں کھال لی!“

”آہ! کانا رضوان!“ میں نے ایک دلہنہ آہ بھری۔

رضیہ کو اتنی زور سے ہنسی آئی کہ اچھٹکا آسرا لگئے۔ پڑی مشکل سے وہ خود پر قابو رہا۔
”اپنی آنکھیں نہ بچھینے لگی۔“

”معلوم ہو سکتا ہے، تم نے یہ خواب جگر پر نہ نہیں رتو!“ میں نے پھر یہی خواب دیکھا۔

”اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم نے وہ نہ کھا لیا تھا۔ ایسے بے جہنم خواب بد نہیں ہا۔“

”مگر ان تو بولی اور دونوں خالی گلاس اٹھا چلی گئی۔“

دو کے بعد اب تیسرا گلاس؟ مجھے گم چونکوا دی نہیں تھا اس لیے وہ پیگ لہ پھٹنے لگا تھا۔ تیسرے پیگ کے بعد تو شاہ،

”میں خائف تھا۔“

”لیکن“ ”میں جانال“ کو رد کرنے کی؟
”نہ وہ تیسرا گلاس بھی خالی کر دیا اور اس تھا میری سیدی کی پوری طرح کے قدم ڈگلا

کی ڈنٹا میں رضیہ اس طرح بے نقاب ہو میں بچوں پر گئی۔ میری نظروں اس کے جوتوں پر آادی کے ایک گیت کے ہمراہ ہونے لگی۔

..... جیسے ترکوں کی فوج
..... جیسے کٹر انار

..... جیسے
اور نہ جانے کیا کیا، میرے تیش

اتنا جوش تھا کہ میرے گلاس پر میرے ہاتھ کی گئی۔ اگر وہ گلاس معمولی شیشے کا ہوتا تو

رضیہ نے مسکراہری طرہ دیکھا۔
”کرکڑی میں جا کر میری پوتی جو بیٹلے کے،“

”وہ اب ختم ہو رہا تھا۔ کیا کی؟“

”میں دھندلا چھل چکا تھا لیکن میرے طرہ سے ہوئے تھے میری آنکھیں نہ ہمتی تھیں۔“

”رض... رض!“ میں نے ڈاکھ ا۔

”اس نے اپنے مخصوص انداز میں دیکھا مسکرائی اور کوئی جواب نہ دیا۔“

”میں نے گلاس پتائی پر ڈالا۔“

ما۔ اس نے میرے قدموں کی آہٹیں مڑھنی ہوں
”میری طرف نہیں مڑھی۔ میں اس کی پشت
اب میرے دونوں ہاتھ اس کے شانوں پر جم گئے۔

”میں نے پھر ایسے پکارا۔“
”بہستور باہر دیکھتی رہی۔“

”تاہم“ ”میں نے اپنے ہونٹ اس کے بدن کی ایک میری مشابہاں

”میں نے بھی اپنا اس طرح پیچھے ہٹایا میرے ہاتھ میری حالت ہو چکی تھی جیسے آفتاب خود

”میرا ہاتھ پھر میری دسری میں ہوا۔“

”میں نے اپنے ہاتھ اڑا دیوں۔“

”اگت میرے یوں مسوں ہوا میرے سر کے ذہن
”میں ان میں اتنا ہی غرت ہے تو میرا؟“

”میں نے اپنے ہاتھ پر آمادہ ہو گیا؟“

”میں نے اپنے ہاتھ پر آمادہ ہو گیا؟“

”میں نے اپنے ہاتھ پر آمادہ ہو گیا؟“

”میں نے اپنے ہاتھ پر آمادہ ہو گیا؟“

”میں نے اپنے ہاتھ پر آمادہ ہو گیا؟“

”میں نے اپنے ہاتھ پر آمادہ ہو گیا؟“

”میں نے اپنے ہاتھ پر آمادہ ہو گیا؟“

”میں نے اپنے ہاتھ پر آمادہ ہو گیا؟“

”میں نے اپنے ہاتھ پر آمادہ ہو گیا؟“

”میں نے اپنے ہاتھ پر آمادہ ہو گیا؟“

جب میری آنکھ کھلی تو میں تیز دھن سے چنہا گیا۔ آنکھیں
”چہرہ بند ہو گئیں۔ مجھے احساس ہو گیا تھا کہ صبح ہو چکی ہے۔ اچانک
جس طرح کوئی ایکٹا ہے، مجھے سادی باتیں بھی یاد آئیں اور میں
بوکھلا کر بستر سے اٹھ گیا۔“

”کھلی ہوئی کھڑکی سے نورج کی تیز روشنی اندر آ رہی تھی۔ دیوار پر
”میں نے اپنے ہاتھ پر آمادہ ہو گیا؟“

”میں نے اپنے ہاتھ پر آمادہ ہو گیا؟“

”میں نے اپنے ہاتھ پر آمادہ ہو گیا؟“

”میں نے اپنے ہاتھ پر آمادہ ہو گیا؟“

”میں نے اپنے ہاتھ پر آمادہ ہو گیا؟“

”میں نے اپنے ہاتھ پر آمادہ ہو گیا؟“

”میں نے اپنے ہاتھ پر آمادہ ہو گیا؟“

”میں نے اپنے ہاتھ پر آمادہ ہو گیا؟“

”میں نے اپنے ہاتھ پر آمادہ ہو گیا؟“

”میں نے اپنے ہاتھ پر آمادہ ہو گیا؟“

”میں نے اپنے ہاتھ پر آمادہ ہو گیا؟“

”میں نے اپنے ہاتھ پر آمادہ ہو گیا؟“

”میں نے اپنے ہاتھ پر آمادہ ہو گیا؟“

”میں نے اپنے ہاتھ پر آمادہ ہو گیا؟“

”میں نے اپنے ہاتھ پر آمادہ ہو گیا؟“

”میں نے اپنے ہاتھ پر آمادہ ہو گیا؟“

”رات کو بون بے ہو کر اس کے گھر سے نکلے تو نہیں اور اس کے
لبہ جو کہ گھر سے نکلے لیکن نہیں تھا لہذا گھر سے نکلے تو
دیکھی تھی۔ پھر صبح ساڑھے چھ بجے سے پھر اس گھر کی گھڑی کی
جاری ہے اور اس وقت سے اب تک برس نہیں گویا سات نکلتے
بچے نہیں دیکھا گیا۔“

”رضیہ رات کو ایک بچے ہی گھر سے چلی گئی تھی اور اس کے بہ
تہ اب تک نہیں کوئی۔“ میں نے جواب دیا۔
دو فٹ مجھے ایسی نظروں سے دیکھنے لگا جسے اُسے میری
بات پر یقین نہ آیا ہو۔

”میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔“ میں پھر بولا۔ ”رضیہ رات
ہی سے غائب ہے اور ابھی میں آپ کی کے پاس آنے کا ارادہ کر رہا
تھا میں نے محسوس کیا تھا کہ اس منزل پر آپ سے کوئی بات پوشیدہ
دکھانا سب نہیں ہو سکتی۔“

”تو کن کی منزل؟“ روف نے بے تابی سے پوچھا۔
”مہ دو دن کی یہ تنگنا گھری رہی ہے میں پوری تھی لیکن لاخورد
نے دخل اندازی نہیں کی، خاموشی سے ہماری باتیں سن رہا۔“

”داخل میں میں نے روف کو بتا کر شروع کیا۔ بعض وجوہات
کی بنا پر رضیہ کو یقین ہو گیا تھا کہ اب کو شیر بہادر نے اپنے گھر میں قید کر
رکھا ہے اس لیے کہ رات اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ چوروں کی طرح
شیر بہادر کے گھر میں داخل ہوگی اور وہاں کی خاموشی۔ میں خود

بھی اس کے ساتھ چانا چاہتا تھا اور کئی شام اسی لیے یہاں آیا تھا کہ
اُس کے ساتھ میری ہی اس قسم میں شریک رہوں گا لیکن صوفیہ پر
لیٹے لیٹے مجھے نیند آگئی اور پھر جب میری آنکھ کھلی تو صبح ہو چکی تھی۔“

آخری کھلا میں نے گھر کو رستہ دیا تھا کہ کوثر شرب والی بات کسی
قیمت پر بھی نہیں بتائی جاسکتی تھی۔ ماسی نے کریم دوبارہ بولا۔
”رضیہ مجھے اس قسم میں اپنے ساتھ نہیں لکھنا چاہتی تھی۔ اسی لیے
جب میں ہو گیا تو اس نے موقع قیمت جانا اور مجھے سے نکل گئی۔“

”شیر بہادر کے گھر؟“ روف کے لیے میری تائید تھی۔
”ہاں۔“ میں نے کہا۔ ”اور ایک اور پھر یقین دلا تا ہوں کہ میں
جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔“

روف متفکرانہ انداز میں کھلموڑ کی طرف دیکھنے لگا۔
کھلموڑ بولا۔ ”اب مزید دھیل نہیں دی جاسکتی مشروطاً“
”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ روف نے کہا۔

”شیر بہادر کے گھر پر یہ کیجیے؟“
”کیا ابھی؟“

”بلاتاخیر۔“ کھلموڑ نے دوسرے کہا اور پھر لہجہ میں ”سرج
دارت حاصل کرنے میں کتنی دیر لگے گی؟“

”یہ تو پتہ نہ ملے گا کہ اسے لیکن تلاش کا
یہ سوچنا آپ کا کام ہے۔“
”سوچنا تو بڑے گناہ کا روف بڑبڑایا۔
”ہے اور فیکٹوں کے معاملے میں محتاط رہنا ضروری
سطح پر بھروسہ پیدا ہو سکتا ہے۔“

”آپ کوئی متوازن راہ صوبہ میں اور یہ
خود ہی کھڑا ہو گیا۔
”جیو روف کو بھی کھڑا ہونا پڑا اور اس
اٹھ گیا۔“

”مجھے آپ سے کچھ اور سوالات بھی کرنا
ان سوالوں کو پھر کسی وقت کے لیے اٹھا رکھا ہے
”میں اب آپ سے مکمل تعاون کروں گا۔“
سے کہا۔

روف نے ٹوٹوں پر خنجر کی سکا ہٹ
بات کا تھا کہ اب اس سے تعاون کرنا میری ہمت
میں ان دونوں کو جھوٹے کہنے پر۔
روف نے اپنی گاڑی میں بیٹھنے سے
دو گھنٹے بعد کہاں ہوں گے۔“

”میں اپنے گھر پر ملوں گا۔“
میں نے روف کو یہ جواب دے دیا۔
ارادہ گھر پر رہنے کا نہیں تھا میں فیصلہ کر چکا تھا
کے گھر پر دیکھا جائے گا تو میں بھی وہیں ہوں گا۔

کا پتہ چلنے کی فکر تو تھی لیکن اب اس میں روف
کھلموڑ اور روف کے جانے کے
اس سے کہا۔ ”میں جا رہا ہوں۔ وہ جہمیشہ کر
”وہ عموماً اپنے کمرے میں ہی بہتے ہیں۔“

میں نے ہکا بکاٹے چلتے آئے سے مل کر
کسی قسم کی سبکی نظر نہیں آئی لہذا میں بغیر
موٹر سائیکل کو تیزی سے برس ردف کی طرف
کے گھر کا رخ کرنے سے پہلے اپنے گھر کا کمرہ

تھا۔ رات کو سوئے میں میرے کمرے کے کھلموڑ
کاہر میں مبتلا وقت لگتا، آنا ہی وقت روف ک
کرنے میں لگتا۔

موٹر سائیکل چلائے مجھے بھی بیڑا ہو۔
ایک طرف رضیہ کی فکر لاحق تھی اور دوسری
سے باؤ کیوں مزید پراسرار ہو چکا تھا۔
ذہن سے نکل چکا تھا کہ باؤ کسی خطرہ پر۔

اٹھا کہ وہ صرف درویش ہیں۔ رضیہ بلاوجہ
جہت میں چھٹا بیٹھی تھی۔
”میرے تبدیل کیے اور اسی دوران میں یہ
مگر کیا مانے تو کوئی حرج نہیں۔ روف
لے کے بند پڑی تھیں بھی تو کرنا ہوگی۔“

”میرے کے بعد میں تیزی سے شیر بہادر کے
گھر آیاں پھر تیسرے مقامی نگر آیا ہوں
میں نے ایک موٹر پر جا کر موٹر سائیکل
پر گیا جیسے کسی کا انتظار ہو۔“

”میرے انتظار کرنا پڑا اور پھر میں نے دیکھا
کہ وہ گاڑیوں کے شیر بہادر کے گھر کے سامنے
اور سائیکل اشارت کی اور اسے دوڑ کر
گھر کی طرف بڑھا۔“

”میرے ہڈی تیزی سے شیر بہادر کے گھر
پہنچیں کہ چار بج چکے ہیں داخل ہو رہی
آپ کو کوار کے پیچھے پیچھے چلا گیا۔
جان تھا کہ روف کو میری آمد پر کوئی

”اب کے ملازمین میں انفرقاری کی پوری
کے ساتھ جا کر کوئی تو خود شیر بہادر
گھر سے پراپن کے آگے تھے لیکن
بہا تھا۔“

”روف اور پولیس کے جذباتی آتے۔
”جب میں نے موٹر سائیکل روکی تو
میں نے ان کو روف تیزی سے برآمدے

”میرے فاصلے کے باوجود روف کو
آپ ہماری آمد سے پریشان تو تھے
مگر ایک اپنے شہر کی کیفیت سے

”میرے فاصلے کے باوجود روف کو
آپ ہماری آمد سے پریشان تو تھے
مگر ایک اپنے شہر کی کیفیت سے

”میرے فاصلے کے باوجود روف کو
آپ ہماری آمد سے پریشان تو تھے
مگر ایک اپنے شہر کی کیفیت سے

”میرے فاصلے کے باوجود روف کو
آپ ہماری آمد سے پریشان تو تھے
مگر ایک اپنے شہر کی کیفیت سے

”میرے فاصلے کے باوجود روف کو
آپ ہماری آمد سے پریشان تو تھے
مگر ایک اپنے شہر کی کیفیت سے

”یہ کیسے ممکن ہے؟“
”چلیز میں اندھا داخل ہونے کی اجازت دیکھی، اس کو صرف
اس کے اظہار استعجاب کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا کہ یہ فیصلہ کرنے
تفاتی کی گھڑیوں موجودگی آپ کے گھر کے کسی فرد کے لیے بھی اٹھان کو
ثابت ہو سکتی ہے۔“

”میں دل میں منہ پٹا کی ذہانت کو دوا دیے بغیر نہ رہ سکا۔
اُس نے شیر بہادر کے گھر کی تلاش کرنے کے لیے بڑا اچھا ہمارا ترش تھا۔
اب اگر مقصد کے حصول میں ناکامی ہو جاتی تو شیر بہادر کو پولیس کے
خلاف کوئی ایکشن لینے کا جواز نہیں ملتا۔“

”یہ صورت حال ایسی تھی کہ شیر بہادر پولیس کو اپنے گھر میں داخل
ہونے کی اجازت دینے پر مجبور ہو گیا۔
”کیا پکیر ہے فیصلہ؟“ میں قریب پہنچ کر روف سے بولا۔
”میں نے پولیس کی گاڑیوں کو کہاں رکھتے دیکھا۔۔۔“

”تو خود بھی رک گیا۔“ روف نے منہ بنا کر میری بات پوری
کر دی اور پھر ترش لب میں بولا۔ ”کیا یہ ضروری ہے کہ انہی کے
ہر وقت پولیس کے پیچھے تہنگے رہیں؟“

”بالکل ضروری ہے۔“ ”میں نے سکا کہ انہی کو تہا
فرق میں داخل ہے۔“

”ان کھلموڑ۔۔۔ میں نے اور روف نے شیر بہادر کو یہ بار
کولنے کی کوشش کی تھی کہ میں یہاں آنا تھا پتہ چل گیا ہوں۔
”میں آپ سے ایک درخواست کروں گا۔“ شیر بہادر نے
روف سے کہا۔ ”زیادہ شور وغل نہ ہونے پائے میری بیٹی کی طبیعت

بہت خراب ہے۔“
”آپ اطمینان رکھیں۔“ روف نے کہا اور پھر اپنے آدمیوں
کو ہدایت دیتے لگا۔

”میں مضطرب تھا کہ دیکھیں اب پردہ غیب کے یہ کھلموڑ کیا
ہے۔“ ”یہ شیر بہادر کے پریشان نہ ہونے سے مجھے بہت حیران کر چکا
تھا کہ راجہ نام سے گا لیکن ایک اسکان یہ بھی تھا کہ شیر بہادر ایک اچھا
اداکار تھا اور اس نے اپنی پریشان کو چھپا لیا ہو۔“

”شیر بہادر کے گھر کی تلاش شروع ہو گئی۔
”جس کمرے میں کوئی کوثر شرب دیا جا رہا تھا، پولیس والے
وہاں بھی گئے۔ میں بھی شیر بہادر کی نظر بچا کر اندر داخل ہونے میں
کا ایاب ہو گیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ کوئی کی حالت واقعی بہت اتر

”میں نے اسے آگے میں اور گھوم کر دیا جا رہا تھا۔ کمرے میں اس وقت
صرف دو نہیں تھیں ڈاکٹر کوئی نہیں تھا۔
”تلاشی لینے میں کوئی وقیعہ نہیں اٹھا کر گیا لیکن ہوا وہی
جس کا مجھے اندیشہ ہو گیا تھا۔ تلاشی ناکام رہی تھی۔

”جہت ہے۔“ روف نے شیر بہادر کے سامنے بڑبڑایا۔ ”تو قاتل

465

میں نے ایک سرگٹ نکال کر سگلا کیا تاکہ ذہن پر چھائی ہوئی وحشت
خفت جائے۔ اب میں جاگتا تھا تو مجھ پر وہ خیالات ذہن میں چلنے
لگے تھے۔ روتے نہایت تک مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش
نہیں کی تھی۔ اگر وہ فون کرتا تو گھنٹی کی آواز بجے ضرور چکا ہوتی۔
غدار کا بھی فون نہیں آیا تھا حالانکہ وہ تیر و طرز آواز کی بجلی نہیں
بیچہ سستی تھی اس کے علاوہ کمانڈر حق نے بھی مجھ سے رابطہ قائم
نہیں کیا تھا۔ گو باسی لوگ مجھے سمجھتے بیٹھے تھے۔

دو بجے میں میرے نکال اور ایک بار پھر ریلوے کی طرف
روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر یہ پہلا کہانہ تھیوں کا اب تک کوئی پتہ
نہیں تھا۔ ان کے اس طرح لاپتہ ہوجانے سے مجھے تشویش ہونے
لگی۔ میں اس انداز میں سوچنے لگا کہ وہ کہیں زندہ کیونے تباہ نہیں کرنے
کے بعد اسے لے کر کوئی سے چلے تو نہیں گئے؟

میں نے شہر و دیہات میں کھانا کھایا اور ساڑھے گیارہ بجے
تک ان لوگوں کا انتظار کرتا رہا۔ آخر بالکل پالیس ہو کر وہاں سے نکلتا۔
اب میں پھر لے گھوڑی طرف واپس جا رہا تھا۔ اس کے علاوہ جانا بھی
کہاں؟ مجھے کوئی راہ نہیں سمجھ رہی تھی۔ ذہن میری طرح الجھ کر
رہ گیا تھا اور اب قلب پر میری گھبراہٹ طاری ہونے لگی تھی۔ رضیہ
نہ جلتے نہ حال میں ہوگی؟ یہ سوال سو اُن دنوں بٹاتا رہا تھا۔

میں خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ ذہن نے طے کر کے اپنے فلیٹ کے
دروازے پر پہنچا اور پھر یہاں تک میرا جسم سنسا اٹھا۔ دروازے کی لکڑی
میں سے نکل غائب تھا اور قفل کی عدم موجودگی اس بات کا ثبوت تھی کہ
میرا عدم موجودگی میں کوئی میرے گھر میں داخل ہوا تھا۔ اب یہ بات
تصدیق طلب تھی کہ وہ نامعلوم شخص ابھی تک اندر ہی موجود تھا یا
جا چکا تھا؟

میں نے ہستہ سے دروازے پر ہوا ڈھکالا تو وہ کھٹکا ہوا گیا۔

"تم... تم کہاں... کہاں... یہاں... کیسے؟"
"دروازے سے" اس نے کہا۔
"لیکن تازہ..."
"تم نے کھانا میرے باپ کا کھا؟"
"لیکن تم تعین کہاں؟"
"اب ہم نے ایک نامہ لے لیا۔"
"تم نے کچھ پھینکان سے بیٹھنے کی؟"
"دو بجے ہوئے تھے اب تک گھر پر نہ ہو گیا"
"اوہ!" اب مجھے تو ذہن کا دنیا
پھوڑو یا۔ اتنی دیر بعد مجھے یہ احساس ہوا
کیا صورت نکلائی تھی۔

"م... معاف کرنا ضرور تھیں ا
نہیں رہ گیا تھا؟"
"اب آج اب دروازہ بند کر دو"
"لیکن تم دروازہ کھولنے کو..."
"نہیں، میں نے تمہاری آہٹیں اس
کے بعد پھر صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔"
میں نے ایک کمر دروازہ بند کر
تربیب پہنچ گیا اس کے قریب ہی بیٹھا
تو میرا دل ہلا کر تھا۔ آخر کہاں؟

تاکہ تم نے میرا انتظار نہیں کیا
"اس میں تو یہ کچھ تھا کہ تم
میں وہیں تھی تھی؟"
"اور اس کے بعد؟"
"میں کے بعد میں سیدھی میں
"کیا مطلب؟" میں بہت
"میں راست سے اب تک
"کیا کہہ رہی ہو؟" میں تیز
"یقین کرنا کہ میں غلط نہیں
"تو کیا تم قلب تک اس کی؟"
"میں جانتی تھی وہ نہیں؟"
"خدا کے لیے پوری بات
"تم ذرا سکون کا نظارہ کر
پر تو وحشت سوا ہے۔"
"وحشت تو اس لیے ہو
نہیں ہوں گا۔ تم ملتی ہو شرنما
"میں رات کو روپے خیر..."

ان کی کوئی ایک گھنٹہ بعد وہاں کسی نے میری
سے لینا پڑا کا شور ہوا اور ایک ایک جگہ کی
میں نے اپنے قریب ہی قدموں کی آہٹیں نہیں
ہلے سے اندر داخل ہوئی۔ میری وہ حرکت خطی
نہیں تھی۔ یہاں تک کہ دوسری طرف سے نکل
لے ہوئے کے بعد یہ جگہ کہ وہاں سے نکلائی کا
ہے۔ دراصل وہ اندر تھا اور اسٹور میں دو
گاہ میں وہیں پھنس گئی کیونکہ وہاں دھاری میں روشنی
میرے آگے دروازے پھر رہے تھے۔ اگر میں
وہاں پہنچ جاتی۔

نہیں کی طرف دیکھتا ہوا اس کی آہستہ سہی نہ تھا۔
"اوہ! کوئی نہیں سوچ رہا کہ اسٹور میں ہیں کہیں چپ
تحت کے بعد پھر لوٹ کر شروع کیا وہ اسٹور
"میں نے جگہ نہیں تھی مجھے وہاں گئے کا ایک
آخر قریب تو میں نے اسے کھول کر دیکھا۔ اس
لے نہ ہوئے پھر مجھے تھے۔ میں اس کی طرف سے
آگے بڑھی تو اس نے اندر دو پیرے اپنے اوپر
مجھے سانس لینا دو پھر ہو گیا تھا لیکن میرا
بدھم و حرکت بھی رہی کچھ دیر بعد اسٹور کا
احول کی آواز سنائی دی۔ غائب کسی نے اندر
لگے ہی پراکتا کیا تھا۔ گویا میرے ستارے
انہوں نے جھانکے کی آواز میں سستی رہی اور اسی
اے ہونے کے بعد ہی ان لوگوں نے مجھے تلاش

چھوڑنے سے نکلا۔ تم اتنی دیر تک اس ڈبے
"میں نے کہا کہ وہاں سے نہیں پھٹ گیا؟"
"اگر میں اس بڑی عادی ہوئی چلی گئی تھی؟"
"میں نے کہا کہ وہاں سے نہیں پھٹ گیا؟"
"اگر میں اس بڑی عادی ہوئی چلی گئی تھی؟"
"میں نے کہا کہ وہاں سے نہیں پھٹ گیا؟"
"اگر میں اس بڑی عادی ہوئی چلی گئی تھی؟"
"میں نے کہا کہ وہاں سے نہیں پھٹ گیا؟"
"اگر میں اس بڑی عادی ہوئی چلی گئی تھی؟"
"میں نے کہا کہ وہاں سے نہیں پھٹ گیا؟"
"اگر میں اس بڑی عادی ہوئی چلی گئی تھی؟"
"میں نے کہا کہ وہاں سے نہیں پھٹ گیا؟"
"اگر میں اس بڑی عادی ہوئی چلی گئی تھی؟"

"میں نے کہا کہ وہاں سے نہیں پھٹ گیا؟"
"اگر میں اس بڑی عادی ہوئی چلی گئی تھی؟"
"میں نے کہا کہ وہاں سے نہیں پھٹ گیا؟"
"اگر میں اس بڑی عادی ہوئی چلی گئی تھی؟"
"میں نے کہا کہ وہاں سے نہیں پھٹ گیا؟"
"اگر میں اس بڑی عادی ہوئی چلی گئی تھی؟"
"میں نے کہا کہ وہاں سے نہیں پھٹ گیا؟"
"اگر میں اس بڑی عادی ہوئی چلی گئی تھی؟"
"میں نے کہا کہ وہاں سے نہیں پھٹ گیا؟"
"اگر میں اس بڑی عادی ہوئی چلی گئی تھی؟"
"میں نے کہا کہ وہاں سے نہیں پھٹ گیا؟"
"اگر میں اس بڑی عادی ہوئی چلی گئی تھی؟"

"میں نے کہا کہ وہاں سے نہیں پھٹ گیا؟"
"اگر میں اس بڑی عادی ہوئی چلی گئی تھی؟"
"میں نے کہا کہ وہاں سے نہیں پھٹ گیا؟"
"اگر میں اس بڑی عادی ہوئی چلی گئی تھی؟"
"میں نے کہا کہ وہاں سے نہیں پھٹ گیا؟"
"اگر میں اس بڑی عادی ہوئی چلی گئی تھی؟"
"میں نے کہا کہ وہاں سے نہیں پھٹ گیا؟"
"اگر میں اس بڑی عادی ہوئی چلی گئی تھی؟"
"میں نے کہا کہ وہاں سے نہیں پھٹ گیا؟"
"اگر میں اس بڑی عادی ہوئی چلی گئی تھی؟"
"میں نے کہا کہ وہاں سے نہیں پھٹ گیا؟"
"اگر میں اس بڑی عادی ہوئی چلی گئی تھی؟"

"میں نے کہا کہ وہاں سے نہیں پھٹ گیا؟"
"اگر میں اس بڑی عادی ہوئی چلی گئی تھی؟"
"میں نے کہا کہ وہاں سے نہیں پھٹ گیا؟"
"اگر میں اس بڑی عادی ہوئی چلی گئی تھی؟"
"میں نے کہا کہ وہاں سے نہیں پھٹ گیا؟"
"اگر میں اس بڑی عادی ہوئی چلی گئی تھی؟"
"میں نے کہا کہ وہاں سے نہیں پھٹ گیا؟"
"اگر میں اس بڑی عادی ہوئی چلی گئی تھی؟"
"میں نے کہا کہ وہاں سے نہیں پھٹ گیا؟"
"اگر میں اس بڑی عادی ہوئی چلی گئی تھی؟"
"میں نے کہا کہ وہاں سے نہیں پھٹ گیا؟"
"اگر میں اس بڑی عادی ہوئی چلی گئی تھی؟"

سے کیجھا۔

”ہاں، یقین کرو۔“

”خیر چھوڑو اس ذکر کو۔ آئندہ کے لیے کیا پروگرام ہے؟“

”باجی کی تلاش کے سوا کچھ نہیں۔“

”آخر تمہیں یہ شبہ کیوں ہے کہ وہ خطا بانے اپنی خوشی سے

نہیں لکھا ہوگا؟“

”وقت آنے پر یہ بات ثابت بھی ہو جائے گی کہ میرا شبہ غلط نہیں تھا۔“

”جو گئی۔“

”کیا اب جاؤ گی؟“

”ہاں۔“ رضیہ نے جواب دیا اور پھر کہا ”تم اپنے باورچی خانے میں کھانے پینے کی چیزیں تلاش نہ کرنا۔ وہ سب میں صاف کچری ہوں۔“

”جاؤ گی کیسے؟ کیا تم اسے پاس کھاڑی ہے؟“

”نہیں، نیسی کروں گی۔“

”چلوں نہیں چھوڑ آتا ہوں۔“

”فواز سن، رضیہ مسکرائی۔“

”آئیے۔“ فواز نے سنا۔ ”جسٹ سیکل پر بیٹھا اس کی قیادہ گاہ کی طرف روانہ ہوگا۔ راستے میں میں نے اسے بتایا کہ اس کے لاپتہ ہونے سے میرے دل پر کیا زنگی تھی۔“

”وہ میری بیاہی سن کر ہنسی رہی۔“

”نہ نہیں بیچارہ، نا اذان زمانے والوں میں نے شرارت سے ایک دلدادہ بھر کر رکھا۔“

”اس پر وہ اور زیادہ ہنسی۔“

”اُسے چھوڑ کر میں اپنے گھر کو آتا تو آنکھوں پر نیند کا داؤ بہت شدید ہو چکا تھا۔“

”دوسری صبح میں اپنے آپ کو تارک پھلکا محسوس کر رہا تھا

کہ ناشتے کے بعد بہت دیر تک اخبار پڑھ کر رہا۔ اس زمانے میں اخبار کا بیشتر حصہ جنگی خبروں سے بھرا ہوا ہوتا تھا۔“

”آئندہ ایک مہینہ اس طرح گزار دیا اور پھر ایک مہینے پہ چلا کر جنگ بندی ہو گئی ہے۔“

”اس ایک ہفتے میں رضیہ سے میری ملاقاتیں ہوتی رہیں۔“

”روٹ بھی اس سے دوسرے دن مل چکا تھا اور رضیہ اسے بھی لہی دے گئی تھی۔“

”کی حقیقت بتا چکی تھی۔“

”میں تو بالواسطہ طرف سے بڑی حد تک مطمئن ہو گیا تھا لیکن رضیہ پریشان ہوتی تھی اور اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ بالواسطہ تلاش میں کہاں چلتی ہو گی؟“

”زبیا اور اس کے ساتھی پرستور ناٹھ تھے۔“

”اس نے بیخبرانہ سچی دوسرے مجھ سے مل چکی تھی جس روز

جنگ بندی ہوئی، اس روز وہ مجھ سے یہ سہا گھر پر آئی تھی اور اسے بتی کہ اس نے ایک ”نوی مگر“

”نوی مگر“

”کیا؟“

”میں ابھی اس کے گھر سے آ رہی ہوں۔“

”مگر اس کے گھر سے اس نے ایک چھوڑ دیا تھا۔“

”خیر سارے دھاتوں کا دار کردار تھا۔“

”میں غزالہ کا منہ کھتا رہ گیا۔“

”ایک خوبصورت عورت کے دل کے درجہ کی موت کی خبر نے میرے قلب و ذہن پر

غور کے وقت اتنے ہی جتنے جتنے دلائل آ کر اترے۔“

”اے نو مگر، کیا تم نے خبر میرے ذہن میں کچھ نہیں

”کیوں؟ وہ بیچارہ تو سچی“

”لیکن اتنے دن تک علاج کے

”بچا کے۔“

”بعض لوگوں اس سے کہیں

”پریشان کرتے ہیں اور پھر دنیا سے

”تم بھی جھٹک کر دی ہو لیکن مجھے فوری کی موت کے بارے میں

”لوگوں نے تو نہیں کتنا جانتا تھا

”شاید۔“

”اس کی تصدیق تو آسانی سے

”میں سب اس پر ہر

”کوئی خاص پروگرام تو نہیں؟“

”نہیں، کیوں؟“

”اس لیے تو پھر لاکر مجھے

”سیدھا تمہاری طرف آؤں گا۔“

”میں گھر پر ہی ہوں۔ اگر کبھی

”کہاں جا رہی ہوں۔“

”جھٹک ہے؟“

”میں نے

”سلسلہ منقطع کر دیا۔“

”اُس روز میں بے

”آؤں میں نے ملاقات کی جو

”میں جس کی شہرت پر کوئی روک تھام

”مگر پتہ نہیں چلتی، یہی میں نے کھانے کی فراہم

”مگر کبھی کسی رضیہ نے بھی کھانا

”اس نے بھی میرا ساتھ دیا۔ اسی دوران میں

”میں کے سلسلے میں مجھے کوئی خاص بات

”دن کے بعد میں نے بھی اس پر غور کیا تھا۔“

”اے اے اور اس کے بعد میرے دل میں بھی

”اگر مجھے اس میں نے اس سلسلے میں

”تھا لیکن اس سے گفتگو بھی کسی نتیجے تک

”مجبورم دونوں چلنے کی بجائے تھے تو

”اے اے اس خطا کے بارے میں تمہارا

”میں؟“

”اب نہیں دے سکا۔“

”الحالہ کار وہ ایک ہفتے میں اپنی

”میں؟“

”مجھے ہے۔“

”باجی کو اب سارے آجائے

”میں ماری ہی چھٹی جس حق پر جانب

”میں؟“

”میں؟“

”میں؟“

”میں؟“

”میں؟“

”میں؟“

”میں؟“

”میں؟“

”میں؟“

”میں؟“

”میں؟“

”میں؟“

”میں؟“

”میں؟“

”جسب رضیہ نے مجھے اس سے آگاہ نہیں کر

”میں نے منہ بنا کر کہا۔“

”ظاہر ہے۔“

”نہیں بتا سکتی۔“

”اور۔۔۔“

”میری بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ

”میں اگر بتا دیا کہ رضیہ کا خون آبلے۔“

”جسب رضیہ نے مجھ سے معذرت کر کے

”جسب رضیہ نے مجھ سے معذرت کر کے

”جسب رضیہ نے مجھ سے معذرت کر کے

”جسب رضیہ نے مجھ سے معذرت کر کے

”جسب رضیہ نے مجھ سے معذرت کر کے

”جسب رضیہ نے مجھ سے معذرت کر کے

”جسب رضیہ نے مجھ سے معذرت کر کے

”جسب رضیہ نے مجھ سے معذرت کر کے

”جسب رضیہ نے مجھ سے معذرت کر کے

”جسب رضیہ نے مجھ سے معذرت کر کے

”جسب رضیہ نے مجھ سے معذرت کر کے

”جسب رضیہ نے مجھ سے معذرت کر کے

”جسب رضیہ نے مجھ سے معذرت کر کے

”جسب رضیہ نے مجھ سے معذرت کر کے

”جسب رضیہ نے مجھ سے معذرت کر کے

”جسب رضیہ نے مجھ سے معذرت کر کے

”جسب رضیہ نے مجھ سے معذرت کر کے

”جسب رضیہ نے مجھ سے معذرت کر کے

”جسب رضیہ نے مجھ سے معذرت کر کے

”جسب رضیہ نے مجھ سے معذرت کر کے

”جسب رضیہ نے مجھ سے معذرت کر کے

”جسب رضیہ نے مجھ سے معذرت کر کے

”جسب رضیہ نے مجھ سے معذرت کر کے

”جسب رضیہ نے مجھ سے معذرت کر کے

”جسب رضیہ نے مجھ سے معذرت کر کے

میں نے بے دھڑک مومر سائیکل کو کھلے ہوئے چھانک
میں داخل کیا اور پیرج میں لے جا کر روک دیا۔ یہاں دو کاروں اور
دو اسٹیشن دیکھیں کھڑی ہوئی تھیں۔ برآمدے میں کئی آدمی کھڑے
تھے اور ان میں سے شہر بھاد بھی موجود تھا۔ اس نے جنم کمری
طرف دیکھا اور جب میں موٹر سائیکل کھڑی کی کہ برآمدے میں پہنچا
تو میرا خیال تھا کہ مجھ سے اس کا رویہ بہت سخت ہوگا۔
”صاف کیجئے گا؟“ میں نے اس سے کہا۔ ”دراصل مجھے فخری
سٹیپر پر ہدایت ملی تھی کہ آپ کی روائی کے منظر کو میرے قید
کروں۔ آپ کی روائی کے بارے میں جو بر شائع ہوئی اس کے
ساتھ تصویر بھی چھاپی جائے گی۔“
میری توقع کے خلاف شہر بھاد نے دیر بھی سڑھری کا
منظاہر نہیں کیا، بس اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔ وہ بہت منوم
نظر آ رہا تھا۔
”تسے میں کھلے ہوئے اندر دئی دروازے سے کچھ آدمی نکلے
جو ایک تابوت اٹھاتے ہوئے تھے۔ میں نے جلدی سے اپنا کمرہ
سنبھالا اور اس منظر کی تصویریں لینے لگا۔
شہر بھاد اب عورتوں کی طرح اسٹور ہارڈ تھا اور اس
کے دافٹ کار سے تسلی دروازے سے بے تحاشہ
تابوت آگے کھڑی ہوئی دیکھیں میں رکھ گیا۔ پچھل دین
میں شاید سالانہ رکھ لیا ہو گا۔
میکے بدل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں میں اس
تماشے کا منتظر تھا جس کی ”بشارت“ رونق نہ دی تھی۔ میری
بے چین نگاہیں ہر جانب گردش کر رہی تھیں کہ نہ جلنے کھر سے
کیا ہو جائے!
مکان کے دروازے میں قفل لگا کر جا ہی ایک آدمی کو دے
دی گئی اور اس کے بعد شہر بھاد اسی دین میں سوار ہونے لگا جس
میں تابوت رکھا ہوا تھا۔ میکے کمرے کی آنکھ نے اس منظر کو
بھی جذب کر لیا۔
شہر بھاد کے دینامی ملازمین کو دوسری دین میں سوار ہوتے
اور دافٹ نکالنے لے پہنچی اپنی کار کی طرف مدد کیا۔
پلے دھپے کئی گاڑیوں کے انجن اشارت ہوتے تو ایک
شور مچا گیا اور پھر وہ گاڑیاں حرکت میں آئیں۔ اب تک کوئی
تماشا نہیں ہوا تھا۔ میں مالت سا ہو کر اپنی موٹر سائیکل پر جا بیٹھا
اور ان اشارت کرنے کے لیے کھل نکلی۔
دیکھو! اور کاروں کا وہ چھوٹا سا قاف انڈیا چانک سے
باہر نکل رہا تھا۔ ان کے پیچھے میری موٹر سائیکل بھی نکل اور
اُس وقت وہ واقعہ ہوا جو غالباً اس تماشے کی ابتداء تھی جس کا
میں منتظر تھا۔

پولیس کی گاڑیاں دو دستوں
اور اگر اس طرح کوئیں کو کھانڈو کا پٹہ
وجہ سے قافلے کی سرگڑی کو روک کر جا
میں سے مسلح سپاہی کو ڈوڈ کر اترے۔ ا
پوزیشن نے اسی سے میدان جنگ میں
میں بھی اُن لوگوں کے نوٹ
اطراف و جانب میں نظر دوڑائی کرنا
ہو۔ وہ مجھے دکھائی تو نہیں دی کہ میں کچھ
ہی موجود ہو سکی۔
”خبردار!“ رونق کی گرجتی ہوں ا
میں کار سے اترا تو اُسے مومن ڈالا
کاروں کے دروازے کھلے،
اگلی اسٹیشن دین کا پھلا
کی چیخیں ہوتی آواز سنائی دی یہ سب
”یہ وہی جو رہا ہے جو ہونا چا
یعنی یہ اسٹیشن دین کا
شہر بھاد اسٹیشن دین سے
تھا۔ میں نے دیکھا کہ رونق کے ساتھ
سنبھلے ہوئے اگلی اسٹیشن دین کی
شہر بھاد ایک باجھو مومر کا
کوئی طرح بے عزت کیا جاتا ہے؟
رونق نے اُسے بڑے سرد
انہی غیر مکیوں کو بے عزت کرتے ہی
پر حوت آتا ہوا
”آفر تم لوگ چاہتے ہو؟“
جس کا اسے جواب نہیں ملا تھا۔
”ہیں اسٹیشن دین کی تلاش
”کیوں؟“ آفر کیوں؟“ شہر
کے ساتھ ساتھ بے چینی بھی ظاہر ہوئی
”تم ہماری یہاں کی معزز خاتون
ہو؟“ رونق نے کہا۔
”کیا تجھ سے؟“ میں اس میں
جا رہی ہوں۔
”ہم تابوت دیکھنا چاہتے ہیں
کی طرف قدم بڑھایا۔
”نہیں“ شہر بھاد اس کا
بات کی اجازت نہ دے گا
بے فحاشی کر دے۔

اُن نے بڑے سخت لہجے میں کہا: ”اگر تم
کی پیشکش کرو گے تو قانون اپنے اس
میں اندھ کر ایک طرف ڈال دے
کھانا نے تم لوگوں کی
”اگر تاہم اس وقت میں وہ کرنے
اُن طرف بڑھا۔ اس مرتبہ شہر بھاد نے
اُن کی پیشکش میں کی تھی۔
اپنی موٹر سائیکل کھڑی کر دی اور پھر
کا ہاتھ تھا کہ ایک سپاہی نے مجھے نیہرہ
آگے بڑھنے کی پیشکش مت کرو
اُن نے پیچھے دیکھا اور پھر سپاہی
”ا
”اگر رونق کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ رونق
اسٹیشن دین میں داخل ہو رہا تھا۔ اس
اپنا کمرہ سنبھال لیا۔ میں ہر دکان کا منظر
دہرایا جاتا تھا۔
”میں دین میں گھسنا چاہتا لیکن اس
”اگر غالباً رونق ہی نے اشارہ کیا
میں سر پر مسلط ہو گئے تھے۔
”اُن پستہ کا۔“ گلاس فورڈ اس طرح بڑھتا
”میں دین میں داخل ہونے کا موقع نہیں مل
”اگر اندر جا جاؤ گے رہا تھا اور دور
”اگر اندر رہا تھا۔
”اُن کی اس تابوت کا ڈھکنا کھولنے لگے۔
”اگر خاص وقت ہوتی تھی میں کیرہ
”اگر ساتھ اس تابوت میں بانو کو دیکھنے
”میں نے کیرے کاٹن دبا دیا۔ فلیش گن
”اگر میں نوکی کی لاشیں کی تھیں۔ تابوت
”اگر مہانت کو دیکھتے جوتے یہ تکیاس
”اگر اُن اور اُن پر نوکی کا میک اپ کیا
”اگر میں دین میں ان کی سیماں اجازت کی
”اگر اُن کے لیے استعمال کیے جاتے۔“

”اگر؟“ رونق کی آواز میں شدید مالتی تھی۔
”دیکھ لیا؟ دیکھ لیا؟“ باہر سے شہر بھاد چنچا۔ یہ میری بیٹی کی
”اگر؟“ رونق نے غور سے
”شہر بھاد؟“ رونق پٹ پٹ کر لگا۔
”اگر فورڈ اس تابوت کو ادھر ادھر سے ٹٹل رہا تھا۔ آفر وہ
”اگر بڑھتا؟“ یہ دہرایا تابوت معلوم ہوتا ہے؟
”اگر؟“ رونق نے چونک کر کہا۔
”اگر میں اُن کو فورڈ نے کہا؟“ اب ہم اس تھے کہ لوگ کریں گے
”جس پر نوکی کی لاش رکھی ہوئی ہے۔“ مجھے یقین ہے کہ اس تھے کہ
”نیچے ایک اور غلام ہوگی۔“
”یہ کام تو آسان نہیں ہوگا؟“ رونق نے کہا۔
”دو ایک سپاہیوں کی مدد لینا ہوگی۔“
”یہ یاس شہر بھاد نے بھی کئی تھیں اور میں نے اس کا رنگ
”متغیر ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔“ اب تک اس نے اپنی جیب میں ہاتھ
”ڈال کر دہر نکال دیا لیکن یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ وہ دو ڈون سپاہی
”بہت ہوشیار تھے جنہیں رونق نے اس کے سر پر مسلط کیا تھا۔
”ان میں سے ایک نے اپنی رائفل کی بٹ۔ شہر بھاد نے اُن پر ماری
”اور دوسرے نے سر ہی پر رسید کر دی۔ شہر بھاد ایک ہلکی سی کراہ کے
”ساتھ شہر بھاد پر دھڑک گیا۔
”رونق نے اسودہ نظروں سے یہ سب دیکھا اور پھر
”گلاس فورڈ سے بولا: ”آپ کا خیال درست معلوم ہوتا ہے ورنہ یہ اس
”موقع پر اس حد تک آپ سے باہر نہیں ہوتا۔“
”میں اس ڈرامے میں ایک خاموش تماشا بن رہا تھا اور
”بے معنی، میکے اعصاب پر مسلط ہوتی جا رہی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ
”جو کچھ بھی ہے“ وہ جلد از جلد اُٹھ کر چلا جاتا تھا۔
”اب چھ بچے والے تھے لیکن اندھرا کم نہیں ہوا تھا۔
”رونق نے دو سپاہیوں کو اسٹیشن دین میں بلایا کہ اُن
”کی مدد سے تابوت کے مہرے ہٹنے کا پتہ چلایا جائے۔
”شہر بھاد کے تمام ساتھی اپنی اپنی گاڑیوں میں دم بخود بیٹھے
”تھے۔ پولیس کی دھڑکن کے بعد ان میں سے کوئی بھی باہر نکلنے کی
”ہمت نہیں کر سکا تھا۔
”جفاکش سپاہیوں نے بہت جلد اس تابوت کے مہرے ہٹنے
”کا حکم کھول دیا۔ لاش کا تختہ پٹلے ہی وہ خلا نظر آگئی جو اس
”کے نیچے تھی۔
”شہر بھاد کی دیکھا پٹ بھے یقین دلائی تھی کہ اُس غلام
”باز ہی ہوں گی لیکن جب وہ خلا سامنے آنے لگا فورڈ کے مہرے
”کا بھی رنگ پھیکا پڑ گیا اور یہ دیکھ کر میرا دل بھی ڈوب گیا کہ باہر اس
”خلا میں بھی نہیں تھیں۔

میں خاموش رہا اور نوٹر سائیکل فرارے جبرقی رہی۔
 رضیہ کے گھر پہنچ کر میں نے نوٹر سائیکل روک لی۔ رضیہ اتر گئی۔
 میں نے انہیں بند نہیں کیا تھا۔ رضیہ بولی ”کیا ارادہ ہے؟“ روک

محب ہو گیا تھا کہ اس کے پاس
 رکھ نہیں پا رہا تھا۔ وہ بس یہاں

۷۔ اے اپنے میں تو ایسا پیار جھکوئے

ہولہ: ”یہ تو تمہارے کرشمے نے آپ کو کہاں پایا اور آپ کو یہاں کیسے لے

”میں شیر ہمارے گھریں قید تھی۔“
 ”کس جگہ؟“ رضوان حیرت سے بولا۔ یہ کماؤں میں تو رہا کی لکڑی بھی لے چکا تھا۔“

”کماؤں میں اور رضیہ میں بڑا فرق ہے۔ میں نے جواب دیا۔ رضیہ کی کم عمری اور اس کے گھرانے میں پر نہ جاؤ۔ کماؤں میں اس کے ملنے کوئی حیثیت ہی نہیں دکھائی۔“

رضوان کے چہرے پر ہلکی سی سرفہرشی اور عدم ہمواری۔ ایسا معلوم ہوا جیسے اس نے نہ صرف سوچ کر ایک بات کی مسرت پہلی ہو۔
 ”لیکن رضوان بولا۔ رضیہ نے آپ کو وہاں سے نکالا کیسے؟“
 ”مجھے وہاں سے نکلنے کا فرض رضیہ نے خود نہیں انجام دیا۔ اس کے لیے اسے اپنے آئندہوں سے کام لینا پڑا تھا۔“
 ”یعنی ان بھکشوؤں سے؟“

”ہاں۔“ میں نے جواب دیا۔ ”مجھے اس تابوت کے پچھلے حصے میں اوراد پر ہی تھے۔ میں نے وہی کال دیکھ کر تابوت ایک کمرے میں بند کر دیا گیا تھا۔ رضیہ کے بھکشو مجھ سے نہ نکال کر لائے۔ میں میری جگہ خوں نے جس جھڑپی اور جس کا خیال رضیہ کے ذہن کی پیداوار تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ شیر ہمارا داس کے آدمیوں کو چرس کی اسٹنگل کے جرم میں گرفتار کیا جاسکے۔ میں قہر سے توقف سے بولی۔ میں تمہیں وہ بائیں باری ہوں جو مجھے رضیہ سے ملے معلوم ہوتی ہیں۔ درمیان میں تو وہ عرصہ بے ہوشی کے عالم میں گزارا تھا۔ مجھے کچھ نہیں معلوم کچھ پراس دُور میں کیا کچھ بڑی رہی تھی۔“

”اگر رضیہ نے آپ کو وہاں سے نہ نکالا ہوتا تو اس سے کئی فرق تو نہ پڑتا۔ رُوف اوراد کا غصہ آپ کو برا نہ کر رہی ہے۔ کیا اس صورت میں آپ کے لیے کوئی مشکل کھڑی ہو سکتی تھی؟“

”عقلی نہیں۔ میں نے جواب دیا۔ ”بہتر صورت دی ہوئی کہ شیر ہمارے کو چرس کی اسٹنگل کی بجائے میرے غوا کے جرم میں گرفتار کیا جاتا۔“

”تو گو یا رضیہ نے حماقت کی کی؟“

”بعض اوقات احتیاط پسندی حماقت کے بھی شیع ہو جاتی ہے۔“

رضیہ کو غصہ تھا کہ شاید میرا اس طرح برا نہ ہو سیرے کیسے کی پریشانی کا سبب بن جائے۔“

”خوش ہو میں جسکے تپتی تھی کہ زولا؟“ رضیہ دھکیلا ہوا کمرے میں لایا۔ رضیہ بھی اس کے ساتھ تھی۔ رضوان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بڑا سائنس بن کر کہا۔ ”آپ کی حماقت مایوں کا ذکر ہو رہا ہے۔“

”کسی حماقت کا؟“ رضیہ نے اسے گھور کر دیکھا۔

”اگر تم حالات کو میرے علم میں لے آئیں تو میں نہیں یہ مشورہ دے گا۔“

نہ دیتا کہ بانو کو وہاں سے نکال لیا جائے۔
 ”خیر آپ کے مشوروں کی حاجت اب ہو سکتی ہے۔“

”میں اس کا جواب تو لے سکتا ہوں۔“

کوئی فائدہ نہیں۔“

”مصلح پسندی کا شکر۔“ رضیہ منہ طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ”یاجی! آپ اب ہمیں باطلات میں کوئی تبدیلی کیجیے۔“

”نہیں چند! میری کوئی عادت کبھی نہ ہو سکتی کہ ایک عادت تو بدل ہی نہ ہو سکتی۔“

”مگر تم نے اسے انداز میں کیا۔“

”جو تم نے! میں نے اسے گھور کر کہہ دیا کہ چھوڑا جاتا ہے۔ لیکن میں رضیہ بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔“

”بہتر رضیہ میری نفس نہ ست۔“

کو بہتر مشورہ نہ تھا تھا۔ وہ اس وقت بھی ہر وہ کافی کی ڈال کر اپنے قریب کر کے تھی۔ زولا کمرے سے جا چکا تھا۔

”رضوان نے بھی اس وقت اپنی ماہ یعنی مجھے تنگ کرنے کی کوشش نہیں کی؟“

”کیا شے میں؟“

”وہ برطانیہ کی ایک بہتر شخصیت۔“

”ذات کئی ہوگی؟“

”برطانیہ کو آپ سے کیا دلچسپی؟“

”مجھے تو نہ جانے کس کس کو ملے۔“

”مت بولا کرو۔“

”کلا مشورہ۔۔۔“

”میں نے کہا کہ تم اپنے دماغ کو۔“

”یعنی آپ بات نہیں چاہتیں؟“

”کچھ ایسی ہی بات ہے۔“

”رضیہ نے کافی تنگ ایک بیالہ لے پالی اس نے خود منجھالی ادا کر کے کہہ دیا۔“

”کہاں ملیں؟“

”ابھی تو میں یاجی! ادھر سے کہا۔“

”بات نہ آؤں۔“

”جب رضیہ جانگزی تو رضوان نے لمبہ کر دیا نظر رہی ہیں!“

”نہا! کلاس ہے کہ تھے غصے مکے تھے صرف۔“

”انہی بھائی جانی رہی ہوگی انڈیکس کے ذیلے لکھوال انداز میں قاتلوں میں ہوئی کھسکتی کو۔“

”مسلحہ بڑا چر امرار ہے۔“

”مگر وہ تھے تھیں۔“

”میں نے اس کا جواب تو لے سکتا ہوں۔“

”مصلح پسندی کا شکر۔“ رضیہ منہ طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ”یاجی! آپ اب ہمیں باطلات میں کوئی تبدیلی کیجیے۔“

”نہیں چند! میری کوئی عادت کبھی نہ ہو سکتی کہ ایک عادت تو بدل ہی نہ ہو سکتی۔“

”مگر تم نے اسے انداز میں کیا۔“

”جو تم نے! میں نے اسے گھور کر کہہ دیا کہ چھوڑا جاتا ہے۔ لیکن میں رضیہ بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔“

”بہتر رضیہ میری نفس نہ ست۔“

کو بہتر مشورہ نہ تھا تھا۔ وہ اس وقت بھی ہر وہ کافی کی ڈال کر اپنے قریب کر کے تھی۔ زولا کمرے سے جا چکا تھا۔

”رضوان نے بھی اس وقت اپنی ماہ یعنی مجھے تنگ کرنے کی کوشش نہیں کی؟“

”کیا شے میں؟“

”وہ برطانیہ کی ایک بہتر شخصیت۔“

”ذات کئی ہوگی؟“

”برطانیہ کو آپ سے کیا دلچسپی؟“

”مجھے تو نہ جانے کس کس کو ملے۔“

”مت بولا کرو۔“

”کلا مشورہ۔۔۔“

”میں نے کہا کہ تم اپنے دماغ کو۔“

”یعنی آپ بات نہیں چاہتیں؟“

”کچھ ایسی ہی بات ہے۔“

”رضیہ نے کافی تنگ ایک بیالہ لے پالی اس نے خود منجھالی ادا کر کے کہہ دیا۔“

”کہاں ملیں؟“

”ابھی تو میں یاجی! ادھر سے کہا۔“

”بات نہ آؤں۔“

”جب رضیہ جانگزی تو رضوان نے لمبہ کر دیا نظر رہی ہیں!“

”میں ان لوگوں کی حیدر بہت دن سے آرام ہی تو رہی تھی۔“

”میں نے نہیں کر سکتا۔“

”وہ دوسری بات تھی۔ اگر آپ کو نیند نہیں آ رہی ہے تو کبھی آپ انہیں بند کر کے لیٹ چلیجیے۔“

”اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔“

”یہی غلطی بات ہوگی۔“

”اگر میرا دماغ ان حالات سے قطعاً تعلق کرے۔ میں خالی الذہن نہیں ہو سکتی اور اس کے بغیر آرام کا تصور ہی بحث ہے۔“

”رضیہ نے شکست مان لینے والے انداز میں ایک طویل سانس لی اور رانگ چیر چیر چلی گئی۔ پھر بولی۔ ”آخر آپ کیا سوچ رہی ہیں؟ کیا آپ ریمائی کی وجہ سے نکل رہی ہیں؟“

”نہیں؟“ میں نے بڑی حماقت سے کہا۔ ”کیا اس کی وجہ سے مجھ کو زندہ بچا جاسکتا ہے؟ کیا اس میں اتنی ہمت ہے کہ وہ یہ سامنا کر سکے؟“

”سامنا تو خیر وہ بیل بھی نہیں کر سکتا لیکن وہ چھپ کر دار ضرور کرے گا۔ اسے یہاں بھیجا ہی اس لیے گیا ہے کہ وہ آپ کو بہر قیمت پر صفر ہستی سے مٹائے۔“

”اور میں بہت جانوں گی؟“ میں نہیں بڑی۔

”سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“ رضیہ جلدی سے بولی۔ ”اگر کبھی۔“

”میں صرف اس لیے زندہ ہوں کہ میں ملانے جلد تبت پہنچا ہے۔“

”میں نے رضیہ کی بات کانتے ہوئے کہا۔ ”اگر آپ کا منہ جگ کی وجہ سے صورت حال ایسی ہو جاتی ہے کہ ہم ہندوستان کے راستے سے تبت نہیں جا سکتے۔“

”میں یہاں سے چین جانا ہو گا اور وہاں سے۔۔۔“

”کیا جس چین میں داخلے کی اجازت مل جائے گی؟“

”کیوں نہیں ملے گی؟“

”نام لوگوں میں یہ خیال پایا جا رہا ہے کہ باگ و ہند جگ بندی سے چین خوش نہیں ہوا ہے۔ ان حالات میں۔۔۔“

”قرآن سب باتوں کی نگرہ کر دے۔ میں ابھی چینی میسرے بھی دل لوں گی اور پاکستانی حکام سے بھی۔ ہم زیادہ سے زیادہ پورے یہاں سے راز نہ ہو جائیں گے۔ تم سفر کی تیاریاں شروع کر دو۔“

”لیکن آپ کو آرام۔۔۔“

”مفضل باتیں نہ کرو۔“ میں چوڑی ہوئی۔ ”زولا سے کہو کہ گاڑی نکلے اور میرے ساتھ چلے میں فوراً ہو گیا۔“

”میرے اس ہود کو دیکھ کر رضیہ میں اتنی ہمت نہیں رہ گئی کہ وہ بحث جاری رکھے۔ وہ چپ چاپ، کمرے سے چلی گئی اور میں بستر سے اٹھ کر کمرے تبدیل کرنے لگی۔ اس وقت مجھے کلا مشورہ کا خیال آیا۔ اس سے بھی ملاقات نہ کرنا ضروری تھا۔ میں نے رضیہ کو بلا کر اس سے پوچھا۔

”رُوف سے کس طرح رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے؟“

”شاید رضوان کے پاس کوئی ٹیلیفون نمبر ہے۔“

بولی یہ غیر راس پر بعد میں گفتگو ہوگی۔ تم نہیں سمجھو، رفیعہ ابھی آتی ہے۔
میں نے رفیعہ کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے ساتھ تقریباً گھسیٹے لیے چلی گئی۔
میں دانستہ ان دونوں کو تماشاً موقوف دینا چاہتی تھی کہ وہ کوئی معتول بہانہ
نکڑھ لیں۔

رفیعہ آخری ٹوکریں بولتی تھی کہ کچھ سے کوئی استفسار بھی نہیں
کر سکی۔ میں نے اسے ڈرائنگ روم میں لے جا کر رؤف کے سامنے
کھڑا کر دیا اور بولی: "یہ میری چھٹی بہن ہے، رفیعہ۔"
رؤف کھڑا ہوتا ہوا اسکا راس اور رفیعہ کی طرف دیکھ کر اپنے سر
کو زبردستی جنبش دی اور بولا: "میں آپ کو بتا چکا ہوں باوجود ان سے
میری طمانت تو جو بھی ہے۔"

"رفیعہ! میں بولی: "رؤف صاحب نے وعدہ کیا ہے کہ یہ
ہماری سفر کی ابتدائی کاغذی تیاریاں مکمل کروا دیں گے۔ تم اپنے
پاپورٹ وغیرہ ابھی سے دو۔"

"بہت بہتر بات! لیکن وہ سب تو میرے کسے میں ہیں، رفیعہ
اپنی حواس باختہ پرسی حذک نا تو پا چکی تھی۔
"تو جا کر اسے آؤ۔"

"بہتر۔"
جب وہ چلی گئی تو رؤف نے مسکراتے ہوئے کہا: "یقین نہیں آتا
یہ وہی رفیعہ ہیں جن سے میں لپکا ہوں!۔"

"کیوں؟ میں نے پوچھا۔"
"خوابی آپ کی موگوگی میں رہ اپنے آپ کو بہت ڈبا ہوا محسوس
ہو رہی تھی۔ جب میں ان سے پہلی بار ملا تھا تو یہ حد درجہ پر اعتماد
رہی تھیں اور میرے ساتھ ان کا رویہ مٹرا شادی بلکہ انتہائی جارحانہ
تھا۔"

میں جنبش گئی۔ رفیعہ کے بارے میں رؤف کا یہ تصور سن کر میں نے
گہرے محسوس کی تھی۔ میں نے منہ سے بولے کہا: "دراصل وہ میرا
بہت کڑی ہے۔ دنا چھتے چھوٹے کان کنڈرو اس کے پاس ہاتھ
ہلے۔ یہ تو لیکن ہے کہ میں کسی وقت کی خطرناک جو شخص دیکھ کر
اڑن میں اسے لوگوں نے ہمیشہ سیر پلائی ہوئی دیوار کی طرح مضبوط
ہے۔"

"آئی تم میری میں ان کے یہ تو میری تو آپ کی عمریں چرخ کر لیں
گا۔"

"اُن وقت وہ میرا سہارا ہوگی۔ میں نے ہنس کر کہا: "میں تو
تک تک بڑھی ہوئی ہوں گی! وہ کیا کہنے ہیں اُسے کہ منہ میں
نہایت میں انت! اپنی زندگی کا وہ دور میں اسی کے بہانے
رہا ہوں گی۔"

ان کا مدبرہ مہلے ہوئے اب کے مجھے میں ہلاکا بیاہ آمند
آتا ہے۔ رؤف نے مسکرا کر کہا: "اور اگر آپ مجھے سے تکلف کی اجازت
دیں تو میں پیار کی بجائے تم کا لفظ استعمال کروں گا۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ دراصل اس کی پرورش میں نے ہی
کی ہے۔ وہ صرف دو سال کی تھی جب ہماری ماں کا انتقال ہو گیا تھا۔
میں یہ کہتے کہتے شاید کچھ اداں ہوئی ہو مجھ کو کسی کی پرچھاؤں سے
میرے دماغ پر غلبہ پایا تھا۔ میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا: "میں
نے اسے تقریباً ماں بن کر پالا تھا اور اسی لیے وہ میرا اتنا ادب
کرتی ہے۔"

تندوں کی اہم شائی دی تو میں نے پلٹ کر دوہانے کی
طرف دیکھا۔ وہ رفیعہ ہی تھی اور پاپورٹ وغیرہ آئی تھی۔ میں نے
وہ سب پھر اس سے لے کر رؤف کے چولے لے کر اور بولی: "اگر میرا پاپورٹ
آپ چند گھنٹے بعد لے لیں تو کوئی توجہ ہے؟"

"جیسا آپ مناسب سمجھیں۔ میں اس سلسلے میں کارروائی تو ابھی
شروع کیے دیتا ہوں۔"

میں نے رفیعہ سے پوچھا: "رضوان ابھی گئی تو نہیں؟"
"جی نہیں۔"

"اسے روکنا مجھے کچھ کام ہے۔"
"بہتر! رفیعہ جانے لگی۔"

"دراصل میں نے رؤف کی طرف متوجہ ہو کر کہا: "میرا
پاپورٹ میرے گھر ہے۔ اب میں دہاں جاؤں گی، تبھی تو لاؤں گی۔"
"کوئی توجہ نہیں۔ تو میں دو گھنٹے بعد آپ سے کہاں لوں؟"

"دو گھنٹے نہیں! کہیں گھنٹے بعد! میں نے جواب دیا: "میں
آجائے گا۔ دوپہر کو کھانا آپ یہ سب ساتھ ہی کھائے۔"

"اس تکلف کی کوئی ضرورت تو نہیں تھی۔"
"کوئی توجہ بھی نہیں ہے۔ میں نے مسکرا کر کہا: "میں آپ کو
جنت کی ایک مخصوص ڈش کھلاؤں گی۔ مجھے امید ہے کہ آپ پسند کریں
گے۔"

"بہتر ہے۔ تو اب میں اجازت چاہوں گا۔"

میں اسے چھوڑنے کے لیے بروا کرے تک گئی اور اسے رخصت
کرنے کے بعد پھر ڈرائنگ روم میں آئی۔ میں نے رؤف اور رفیعہ
کی کے کمرے میں ہوگا اور ان دونوں میں بڑے زور شور سے کچھ مٹی
پک رہی ہوگی کہ اب مجھے سنانے کے لیے کسی شرم کی داستان کو بھی جائے۔

میں ٹکریٹ مسکرا کر اس کے کش لینے لگی۔ میری بھڑک نہیں
آ رہا تھا کہ اگر ان لوگوں کو ہو کہ جاتا ہے کسی خوبصورت مرد کی
خیریت ملے گی جس کی مانند بچیلی چلی جاتی ہیں اور اس کے بعد یہ تو
گویا لالہ مر ہے کہ زندگی بھر کے لیے اُس کی تیز رفتاری کی کوشش
کریں!

مرد کی بڑی کو میں نے بھی سہم میں کیا میں دوسری
لوگوں کو اس ڈگر پر لانے کی کوشش میں تھی، ہمیشہ بے بسی کا شکار
ہونا پڑتا ہے۔ یہ کچھ دنوں کی میری باتوں کو سمجھتی ہی نہیں یا شاید
مجھے کی کوشش نہیں کریں کیونکہ انہیں افزائش مثل کی شین بننے ہی
میں لطف حاصل ہوتا ہے۔

بے دہانے کا کامیون کے بعد اب میں فیصلہ کر چکی تھی کہ آئندہ
کبھی کسی لڑکی کے خیالات کو اپنے نظریات سے ہم آہنگ کرنے
کی سعی نہیں کروں گی۔ پھر رفیعہ تو میری چھٹی بہن تھی اس سے تو میں
ماں کو خوب برباد کر ہی نہیں سکتی تھی۔

مگر یہ ختم کرنے کے بعد میں نے رفیعہ اور رضوان کو درانگ
دوم میں بلایا اور رضوان کو کھوڑتی ہوئی بولی: "ہاں، اب بناؤ! ہم اس
وقت نہ جانے کیا کہہ رہے تھے۔"

"یہ آپ کی چھٹی بہن صاحبہ آپ سے بھی چار ہاتھ اگے
ہیں! رضوان نے منہ بنا کر کہا۔"

"کی مطلب؟"
"آپ کی شخصیت میرے لیے ہمیشہ ایک راز رہی ہے۔
رضوان نے مجھے گھومستے ہوئے کہا: "اور میں اس راز پر سے پردہ اٹھانا
چاہتا ہوں۔"

"تم بات بڑی کے بغیر خروٹ نہ ہو۔"

"میں نے اس وقت آپ کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھانے
کی کوشش کی تھی۔ یہاں سے اپنے گھر جا کر مجھے خیال آیا کہ آپ سے
ایک بات پوچھنا بھول گیا۔ میں نے ٹیبلون کی تو تیر چلا کر آپ کہیں
گئی ہوئی ہیں۔ میں نے سوچا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھاؤں چنانچہ
پھر یہاں دوڑا پھلا آیا۔ یہاں ان کو میں نے آپ کی گواہی خود دو سال کو
اپنی باتوں کے حال میں چھپانے اور آپ کے بارے میں اُن کی زبان
سے کچھ کھولنے کی کوشش کی لیکن۔۔۔ آپ سے بھی زیادہ حرفوں
کی کمی ہوئی ہیں۔ بہر حال میں اپنی کوششیں جاری رکھتے ہوئے تھا کہ آپ
چمک پڑیں۔"

"خوب! میں نے دسے تو توقف کیا اور پھر کھڑی ہوئی ہوئی
بولی: "اچھا اب ذرا میرے ساتھ چلو۔"

"کہاں؟ رضوان نے حیرت سے پوچھا۔
رفیعہ نے اپنی جگہ پرے پھنی سے پکڑ لیا۔

"میں نے اسے بتاؤں گی! میں نے کہا: "پھر رفیعہ سے بولی
"میں نے دوبارے کہا نے پرفٹ کو بھی مدعو کر لیا ہے۔ خیال رکھنا۔
کوئی جتنی دوش ضرورت پڑا کر لینا۔"

"بہت اچھا! رفیعہ نے اہستہ سے کہا: "میں نے کچھ دیر تک
بدلی ہوئی تھی۔"

ہر چند یہ کوئی پریشان کن بات نہیں تھی کہ میں رضوان کو اپنے

ساتھ سے جا لے گی میں وہاں پر دو برس نہ رہے۔۔۔
گھر سے بولے تھے۔

میں دروازے کی طرف رجعتی ہوئی بولی: "اؤ رضوان!"
میں اپنے عقب میں نہیں دیکھ سکتی تھی لیکن مجھے یقین تھا کہ اس
وقت رفیعہ اور رضوان نے بڑی سے ایک دوسرے کی طرف
دیکھا ہوگا، انھوں ہی انھوں میں اشارے ہوئے ہوں گے کہ کوئی غور
تو نہیں ہو گئی؟

جب میں برآمدے کی سیڑھیاں اُتر رہی تھی تو میں نے پلٹ
کر دیکھا۔ رفیعہ اور رضوان آپس میں کچھ کھسکھس کر رہے تھے باہر
آئے تھے۔ انہوں نے مجھے پٹنے دیکھا تو ٹھیکٹے خاموش ہو گئے میں
ایسی گئی جی کہ کوئی خاص بات نہ ہو۔

"رضوان! راتوں رات یہی کہہ گئے! میں نے کہا۔
دوا۔۔۔ فری لے سکتی ہیں نہ رفیعہ کو مضطرب کیا۔

"کہاں چلنا ہے خاتون! رضوان نے عجزاً بولی اؤ تو میں اُتر
وقت پوچھا جب وہ کاد کو شرمک رہے آیا تھا۔

"میرے گھر چلو! میں نے کہا۔
"ٹھیک ہے!"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے! کیا یہ گھر ٹھیکس کے علاوہ
بھی کہیں ہے؟"

"آپ کی شخصیت اسرار کی بولی سے کہیں۔ میں نے سو
شاید آپ کا کوئی اور گھر بھی ہو جس میں بے خبر ہوں۔"
میں دھیرے سے ہنس کر چپ ہو گئی اور کھڑکی سے باہر
دوڑانے لگی۔ کچھ دیر خاموشی رہی، پھر رضوان بولا: "آپ
اس وقت اسے گھر کو لے جا رہی ہیں؟"

"اس کا ایک سبب تو یہ ہے کہ میں اس وقت ڈراؤنگ
کرنا چاہتی تھی اور دوسرے یہ کہ مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں
ہیں۔"

"ضروری باتیں؟ رضوان نے اُلجھ کر کہا۔
"ہاں! میں نے جواب دیا: "شاید تمہیں یہ جان کر تم

ہو کہ میں دو ایک روز میں تبت جاری ہوں گی۔
"اچھا! رضوان نے اس طرح حیرت ظاہر کی جیسے
کے لیے ایک نئی اطلاع ہو۔

"اب باقی باتیں گھر چل کر ہوں گی! میں نے کہا۔
"آخر آپ تبت کیوں جاری ہیں؟"

"میں نے کہا کہ باقی باتیں گھر چل کر ہوں گی۔
رضوان ایک ٹھنڈی سانس لے کر چپ ہو گیا۔
کچھ دیر بعد گاڑی میرے گھر کے احاطے میں داخل
میں خاصے عرصے کے بعد کوئی تھی اس لیے تمام ملازمین

"کچھ ہو"

"آپ یقین کریں ۔۔۔"

"میں نہیں سمجھتا چاہتا" میں نے کہا اور کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔ بس یہی ایک طریقہ تھا اس سے اپنی ہنسی چھپانے کا۔
"پس رفیقہ کے تھوڑے بچے ہیں اس نے کہا" ڈاکٹر نے لب یا جاؤ گئے؟"

"بس اب جاؤں گا۔" رفیقہ سے میری آنکھیں جل رہی ہیں۔"

رفوان نے ہنسنے کوئی آواز نہیں کہا۔

"اب دوپہر کھا چکا کسی حالت میں نے رؤف کو بھی مدعو کیا ہے"
"نہیں بس اب میں جا کر دو جانا چاہتا ہوں" رفوان نے موٹر سائیکل سٹھلے ہوئے کہا۔

"کیا رفیقہ سے مل کر نہیں جاؤ گے؟" میں نے بڑی سادگی سے پوچھا۔

"اب میں بس سوئے کے علاوہ کچھ نہیں کرنا چاہتا" رفوان نے ہلکے لگاتے ہوئے کہا اور موٹر سائیکل اسٹارٹ ہو گئی۔

"آپنا اخلاص حافظہ میں نے ہاتھ ملایا۔"

خواب میں شاید رفوان نے بھی "خدا حافظ" کہا تو تھا لیکن اس کی آواز بونیر سائیکل کے شور میں دب گئی تھی۔ وہ فریٹے بھرتی ہوئی نکل گئی اور میں نے بتادے کا رخ کیا۔ میں اپنی ہنسی کو دبا کر اس سطح پر آئے اپنی جہاں وہ صرف مسکراہٹ رہ جاتی ہے۔

رفیقہ کو میرا انتظار ہی تھا۔ وہ فونلا سامنے آئی اس نے مجھے تہہ دل کھیا لیکن رفوان کے پاس میں کوئی سوال کرنے کی ہمت نہ کر سکی۔ "نہیں اتنا کہا۔" آپ انکس باجی،

"ہاں اب میں کچھ آرام کروں گی۔" ٹھکن ہو گئی ہے۔
"میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ۔۔۔"

"کام اتنے ضروری تھے کہ جانے بغیر بات نہیں ہی سکتی تھی۔ اچھا سوچو جب رؤف اُسے تو مجھے اٹھا لینا۔"

"بہتر ہے۔"

اس وقت بارہ بجے تھے۔ میں نے کوئی ایک گھنٹہ آرام کیا۔ مجھے یقین تھا کہ اس دوران میں رفیقہ نے رفوان سے ملینے۔ بات کرنی ہوگی اور "صورت حال" سے واقف ہو کر اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے ہوں گے۔

رؤف ایک بچہ کر دس منٹ پر آیا۔ رفیقہ نے اکر مجھے اطلاع دی تو میں بستر سے اٹھی۔

کھانے کی میز فوراً لگا دی گئی اور تم میزوں کھا کھا کھانے بیٹھے۔ کھانے کے دوران میں رؤف نے بتایا کہ سب کام اٹھانے سے کہا

بخش طوطہ پر ہوجاتے گا۔ کھانے کے بعد میں کا پاس چورٹ بھی اُس کے حوالے کر دیا۔ دتر دیکھ کر رؤف کو حیرت ہوئی تھی۔ اُس نے اکر ڈالے لیکن میرے کسی جواب سے اُس کی تڑپ سے جواب اتنے ہمہ تنھے کہ اُن سے کسی کی تھی۔ آخر رؤف اس موضوع سے ہٹ کر لگا۔ وہ کوئی ایک گھنٹہ تک رکا اور پھر یہ کہہ کر آئے گا۔

اس کے جانے کے بعد میں بستر پر جا لیٹی جس حد تک بھی ممکن تھا میں آرام کر لینا چاہتی تھی۔ دونوں کے پاس میں مجھے علم تھا کہ وہ بڑے تنہا شام کو کلاس فورڈ کا ٹیلیفون آیا۔

"میں گیا وہ بچے کی فلائٹ سے جا رہا، دی۔"

"خدا آپ کا سفر بخیر کرے۔" میں نے

"آپ نے کچھ سوچا؟"

"کس پاس میں؟"

میری اس بات پر کلاس فورڈ بکری مرے لیے اُس کے کمرے سے ایک لفظ بھی نہیں نکل "ہیلو! میں ہوں۔"

"جی۔ کلاس فورڈ کی آواز بھڑائی ہوئی

اس درخواست کی طرف سے جو میں آج آ "بیرا فیصلہ لے رہی تھی کلاس فورڈ نے

میرا کام اتنے ضروری ہے جسے چھوڑ کر میں کر سکتی اور ازل مجھے آپ سے ایک بات ہی نہیں رہا تھا۔"

"فریٹے جا۔"

"دراصل مجھے ایک شبہ ہے جس کی

ہوں۔"

"ہاں ہاں، بوجھے!"

"میرا استغنیٰ ملنے کے بعد مر کر ملے

تھی؟"

میرا یہ سوال سن کر کلاس فورڈ کی جیسے

"جواب دیکھیں مگر کلاس فورڈ نے میں

پھر بولی "پچھلے دنوں مجھے ایک کام کے علاقوں میں جانا پڑا تھا۔ ایک بوتل نے شروع کی تھی اور بعد میں اُس کے ساتھ ایک "بار" کلاس فورڈ نے بولیں سانس لے

اپنا تعداد آپ کی تجویز نہیں بلکہ حفاظت کرنا تھا۔ مرکز لیں کو کیفیت خطرات کو گوں سے تصادم کی وجہ سے طے میں سے۔ مرکز آپ کو غور کرنا چاہتا تھا لہذا کے لیے اس مقامی آدمیوں کو متروک کیا گیا تھا۔ بعد ازل کے پاس میں کوئی اطلاع نہیں لی تھی۔ کیا آپ

دونوں۔۔۔"

جسے دشمنوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے تھے "میں نے

اس بات کو یاد رکھیں مگر کلاس فورڈ اس پر پلندہ نہیں

آگاہ بھی میرے سلسلے میں اس قسم کا کوئی اقدام

لا کر اس کے پاس میں بتا دوں گا"

"اور کوئی بات؟"

نہیں، میں نے بس یہ بتانے کے لیے آپ کو فون کیا تھا

ہلکے فلائٹ سے واپس جا رہا ہوں"

آج وہ دیکھنے کے بعد میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

میں نے کھانے کی میز پر نہیں دیکھا پوچھا "رفوان

میں نے رفیقہ سے جواب دیا۔

کھانے کھا کھا کر دی۔ رفیقہ یوں ظاہر کرنے کی کوشش

میں نے بعد سے اب تک رفوان سے اُس کا رابطہ

میں میں ٹوٹے سے کہہ سکتی تھی کہ ٹیلیفون پر اُن دونوں

میں میں ہے۔ رفیقہ کھا کھا کھانے اُس طرح

میں میں ہے چاہے میرے سر پر کوئی ناخوشہ بھی ہو

کی طرف متوجہ ہوئی تھی تو اس کی نظریں فونلا جھک

کہا میں نے رفیقہ سے کہا "کانی میں کوسے میں بستر

کیا ہے؟"
"کسی خاص وجہ سے؟" رفیقہ نے بے اعتدالی میں بڑبڑاتا ہوا سوال کیا۔

"ہاں اس کی ایک خاص وجہ ہے۔" میں نے ابھی اُس کی طرف نہیں دیکھا۔ میں اُسے یہ تاثر دینا چاہتی تھی کہ دل میں چور کھنے کی وجہ سے میں اُس سے نظریں نہیں ملا رہی ہوں۔

"وہ وجہ کیا ہے باجی؟" رفیقہ نے پوچھا۔

"وہ۔۔۔ دراصل۔۔۔" میں اس طرح چپ ہو گئی جیسے

الفاظ میرے حلق میں ایک گتے ہوں۔ مجھے اپنی اس ادا کا کئی پر ہنسی آنے لگی تھی جسے میں نے خفیف سی مسکراہٹ کا سہارا

لے کر مالا اور بولی۔ "وہ ایک ایسی وجہ ہے جس میں تہمت

کی قسم کے خاتمے پر بتاؤں گی"

"جیسا آپ مناسب سمجھیں۔" رفیقہ نے اُس سے کہا اور کان

کی پیالی بوتلوں سے لگائی۔

"میں نے رفوان کا پائلوٹ بھی رؤف کو کھنے پاسے۔

چینی میز پر بھی ملاقات کر چکی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ میں کسی ٹوکڑ کا سامنا نہیں کرنا چاہے گا اور ہم بچوں کو دانا بوجھائیں گے۔"

"ضرورت کے تحت یہ تجارت غلط تو نہیں لیکن میں آپ کی صحت کی طرف سے فکر مند ہوں۔"

"اسے نہیں بھگتی، میں اتنی کمزور نہیں ہوں۔" بڑوں تک

کمزوری بھی باقی نہیں رہے گی میں نے کان کا آخری ٹھونٹ لے کر پیالی دکھادی۔

رفیقہ بھی اپنی کان کا آخری ٹھونٹ لے گئی۔ میں نے زولا کو آواز دے کر

بلیا اور اس سے فریٹے لے جانے کے لیے کہا پھر مجھے سے بولی

باجی! اب آپ آرام کریں۔"

طاہری دوا کر دی۔ مجھے سوئے ہوئے پانچ گھنٹے
 ”جواب دے کر آیا“ وغیرہ دانت پستی،
 نرپا نے سچٹ شہانے جوئے ہاتھ کی دکھا
 اس کے دفتہ بڑی پھجری سے اپنی جیب میں !
 لیا۔
 میں دلی دل میں اُسے ”بے وقوف“ کہنے لگا
 اسے یہ حقائق کہے وغیرہ کہنے سے منع کیا۔

اُدھر اُن کی حیب سے رہا اور نکل ادا
 رہی نہ ہوئے کوشے نے جن میں کہ۔ رضیہ کی
 جیسے کا جو کچھ ہو۔ شاہین کی اُداسی سے کہ
 نہ تھی کہ جو کہ رہا اور کہ نہ تھی کہ جو کہ
 کہہ کر اس کے ہاتھ پر اس طرح پڑا تھا
 اچانک ہل کر کہ اپنے شکار کو دس لیا ہوا۔
 ناکار اُنک لگتی اور رہا اور کادی ہتھ رہا
 کہتا تھا۔

”ابرا“ رضیہ کا پورا جسم غصے سے کا
 اُنک میں پہنچ سکتی ہے کہ کوسا یہی پر رہا
 رہا ہے کہ پر السی سفیدی چھا

کس کا ہنہ رو۔
 ”بے نیکی تجھے سزا دے گی“ بغیر نہیں چھوڑا
 تپ پیتے ہوئے اُن کی طرف ایک قدم نہ
 ”دھرم سابیری“ اورچہ ”اُڑسا ہو کر گولا مارا
 ”دھرم کی آغوش کوئے خود ہی شرم کر لیں
 ”تجھے بے گولہ گولہ مارا جو دھرم کی پیٹھ پر پڑا
 ملتی اور وہ تپ کر سیدھا ہوا۔ گولہ نہ
 بھاس کے سینے پر پڑی اور وہ گولہ مارا۔

”نہیں! میری دلتا ہے۔“
 ”تو ہی! دشتیانہ انداز میں زہرا پر گونڈ
 ”میری! میں میرا جال کا بڑا زہرا“
 ”تجھے کڑی جانا چاہیے“ زہرا نے
 ”زہرا کی آواز دیکھ کر گونڈوں نے
 ”یاد دہ دوازے پر جمع ہو چکے تھے
 ”ناؤ! ناؤ! ڈولا دروازہ کھلے گا“

”ابھی باہری مٹھرو! دھیسے، بابا“

اس کی آواز سننے ہی باہر سنا ماچھا
تائی کوئی تھی۔ کوڑے کی شاخیں

ہر اک اُسے اپنے سینے سے لگا لیا اور اس وقت کہیں میں ٹوٹنے سے پہلے کہنے کے لیے انداز
۱ جلتا اتنی بیاری سی بن، حسد کی آگ میں
ان پہنچا سکتی ہے یہ تو گویا ایسا ہوتا جیسے
کی کہا ہے لوہے پختے تھے۔
۲ ابھی کہنا تھا اپنے سینے سے آگ کیا الہ
اصبت کر بولی "اب تو باتھ کر دم میں جا کر اپنا

[illegible]

اچھا اچھا۔ یہ اس کا دل چاہتا تھا۔ ایسا ہی ہے یہ

لیکن ایسا کرنے میں بھی تھک چکا تھا۔ ایک گھنٹہ صرف ہو گیا۔
رضیہ کو سٹار اور رضوان کو روٹ کے ساتھ روانہ کرنے کے بعد
جب تک اپنی خواہگاہ میں داخل ہوئی تو غزالہ منہ چھلے سے تھی۔
”جان احسان کرنا“ کچھ دیر ہو گئی۔

”ظاہر ہے آپ کو کسی کا کیا پردا ہو سکتی ہے!“ غزالہ نے غصہ بھرا لہجہ سے بڑے پتیلے انداز میں کہا اور بھیڑی ہوئی ہوئی بولی یہ میں بھی مال
کی گھر سے مرث ویرہہ گھنٹہ کی اجازت لے کر آئی تھی۔
اُس نے دم بڑھا دیا۔ میں اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔ وہ دوازے تک
جلنے کے لیے غزالہ کو لازمی طور پر میرے برابر سے گزرنے پڑا۔ یہیں پیدائشی
غزالہ سے اُس کی طرف دیکھتی رہی جبکہ دوسری طرف میں دیکھ رہی تھی۔

اُس کے بڑھتے ہوئے تھوڑے تھوڑے انفراتھ کے جب وہ میرے قریب
سے گزرنے لگی تو میں نے اُسے کھینچ کر اپنی آغوش میں لے لیا۔

”بس جلنے دیج۔۔۔۔۔“ وہ بات پوری نہیں کر سکی میرے غور و خوض
نے اُس کے غور و خوض سے وہ سارے حروف چاک لیے جو لفظوں میں مشکل ہو
کر اُس کی زبان سے ادا ہونے والے تھے۔ وہ اظہارِ ناراضگی کے طور پر
بست کسمائی بہت عجیب لیکن اُس کی کوششیں بار آور نہیں ہو سکیں۔
اُس کے برعکس میری آغوش کی تنگ دامن آتی بڑھی کر اُس کی کمر کی موٹی
مانسوں نے اُس کا گلوگیا کیسے جذبات اتنے برا لگتے تھے جو کچھ بھٹکے
سائے ہیں کہ رکھ دینا چاہتی تھی۔ میری دشت کا اندازہ اس سے ہو
سکتا ہے کہ میں ایک ہی گھڑی میں ساغر کی پلٹ تنگ پنی جانا چاہتی تھی۔
یہ غزالہ کے حوصلہ کا امتحان تھا جس میں وہ پوری تھی۔ اس کی
آنکھوں میں شوقِ آرائی اور گلاب پر انگاروں کی چھوٹ پڑنے لگی سیلے
موسے مٹ گئے، سارا رنگ جاتا رہا۔ چپا چپ سے گلا گت کی طرف سفر
میں ہوا اور سفر سے حضور تک کے لئے اس طرح گزرنے کے کہ ہم نے ان
رنگ کے رنگ ایک سے کب انساں پایا۔

درواچی اور دفرانگی کے میں نہیں وہ ایک عجیب سی دنیا ہوتی ہے۔
ان انگارے بھی چھتے ہیں اور بھی خشک تھیں انداز میں وہی احسان
تو بہر حال کانگ انگ، فساد نہ تھے اور پھر وہ سب فساد، ہر فک کی
یہ سمجھ بھی ہو جاتے ہیں۔ وہ دنیا ایک ایسی خرابانگ وادی ہے۔
ان بچان انچھنی خوشبو میں چھلکی ہیں اور نفس کے انتشار سے
بہ دور مدنی فضا میں گھول جاتی ہے۔

میں اور غزالہ جب اس وادی سے نکلے تو دنیا بڑی عجیب سی
رہی تھی، یہی دنیا ہے جس میں ہم نے اپنی زندگی بسر کی ہے۔
”ابا“ جو اب پچھلے دھوپ بڑی جلی گلاب رہی تھی۔
”بازو“ غزالہ دھیرے سے بولی کہ جب آپ پہلی جائیں گی تو
”میں نے اپنی زندگی میں“ میں نے ہنس کر کہا۔
”بازو“ غزالہ دھیرے سے بولی کہ جب آپ پہلی جائیں گی تو
”میں نے اپنی زندگی میں“ میں نے ہنس کر کہا۔

”میں نے اپنی زندگی میں“ میں نے ہنس کر کہا۔
”بازو“ غزالہ دھیرے سے بولی کہ جب آپ پہلی جائیں گی تو
”میں نے اپنی زندگی میں“ میں نے ہنس کر کہا۔

”میں نے اپنی زندگی میں“ میں نے ہنس کر کہا۔
”بازو“ غزالہ دھیرے سے بولی کہ جب آپ پہلی جائیں گی تو
”میں نے اپنی زندگی میں“ میں نے ہنس کر کہا۔

”میں نے اپنی زندگی میں“ میں نے ہنس کر کہا۔
”بازو“ غزالہ دھیرے سے بولی کہ جب آپ پہلی جائیں گی تو
”میں نے اپنی زندگی میں“ میں نے ہنس کر کہا۔

”میں نے اپنی زندگی میں“ میں نے ہنس کر کہا۔
”بازو“ غزالہ دھیرے سے بولی کہ جب آپ پہلی جائیں گی تو
”میں نے اپنی زندگی میں“ میں نے ہنس کر کہا۔

”میں نے اپنی زندگی میں“ میں نے ہنس کر کہا۔
”بازو“ غزالہ دھیرے سے بولی کہ جب آپ پہلی جائیں گی تو
”میں نے اپنی زندگی میں“ میں نے ہنس کر کہا۔

دفعہ سے خدمت چاہی لیکن میں نے اسے بار بار دیکھ لیا۔ جب وہ بول گیا تو میں نے رضیہ سے رضوان کے بارے میں پوچھا۔ رضیہ نے جواب دیا کہ وہ تو تھوڑی دیر بیٹھ کر چلے گئے تھے۔ اس کے ٹیلیفون کر دیا کہ وہ کل دوپہر کو روانگی کے لیے بالکل تیار ہے۔

”بہتر ہے۔“

”یا شہزاد تم پہننے والیں خود ہی فون کروں گی؟“

”جیسا آپ چاہیں۔“

کھانے کے بعد میں نے اور رضیہ نے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر چائے پی اور لوگ انھیں گھنٹے بعد میرا اپنے کمرے کا دروازہ کھار۔ رضیہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ میں نے ٹیلیفون اٹھا کر رضوان سے رابطہ کر لیا۔

دوسری طرف سے رضوان نے میری آواز پہچان کر بڑی سنجیدگی سے کہا کہ فریڈ ہے۔

”میں کل ایک نیکے دوڑ ہو رہے ہیں۔ تیار رہنا۔“

”کیا وہی ہے؟“

”آخر تم نے مجھے بھیجے سے کون ہو رضوان؟“

”نہیں کہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔“

”شاید تمہیں یہ یقین کرنے میں تاخیر ہے کہ تم میری محبت کو جیت لیتے میں کیا سب ہو گئے۔“

”میں نے یہ کہتے ہوئے کہیں سیدھی کو انکھ مار دی۔“

”جائو! رضوان کے لیے شہید رہے لی جھاک رہی تھی۔“

”ہاں ڈرائنگ! میں نے بڑے پیار سے یہ بھی لیا۔“

”آپ...“

”ہاں ہاں، کم از کم کریں گئے۔“

”کچھ نہیں! رضوان نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔“

میں نے مسکرا کر ریسپورڈ کیا اور لباس اتار کر شہ خوانی کا گاؤں بنے جی۔ اب ایک اس ٹیلیفون کا زبردستی گلا جو میرے ہسٹل کے سائیکل پائیس جانب رکھا ہوا تھا۔ میں ٹیلیفون کا حلقہ دراصل اس ٹیلیفون سے اچھڑنے کے لیے رکھا ہوا تھا۔ جب دینے کے لیے ٹیلیفون منقطع ہو گیا تو اس ٹیلیفون میں لگا ہوا بزنس اٹھتا تھا۔ میں خود ٹیلیفون کو کسی نہیں استعمال کرتی تھی اور کسی کو اس کا فائدہ بھی تھا۔

بہتر رضیہ کے ٹیلیفون پر رکھا ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ میں نے اس ٹیلیفون پر دہنے والا تھا۔ اس کے برعکس ایک فرضی فون ڈیال تھا۔ یہ فون نہ تو میں اس لیے کر دیتی تھی کہ اگر میں کبھی کسی کو اپنے گھر میں ٹھکانے کے لیے ٹیلیفون پر کسی سے گفتگو کرے تو میں ضرورت کے وقت کی گفتگو میں مبتلا رہوں۔

جب بڑبڑانے لگا تو میرے ذہن میں پہلا خیال یہ آیا کہ فون رضیہ سے رابطہ قائم کیا ہوگا۔ بڑبڑاہے خاموش ہو چکا تھا اور

اس کا مطلب یہ تھا کہ رضیہ اپنے کمرے میں ٹیلیفون کا پلک تھی۔

میں اپنے گاؤں کی ڈوری کو کرکس کرکس کر رہی تھی کہ قریب گئی اور اس کا ریسپانڈ آیا۔ ابھی سے اٹھا ہوا اٹھنے کا کھٹکا، رضوان یا رضیہ کو کھانا خدے کے۔

میں نے سوچا تھا کہ میں پر ہاتھ رکھ کر ریسپورڈ کران مجھے رضوان کی آواز سنائی دینے لگی۔ وہ کمرہ تھا ۱۲ بجے ۱ بجے ہیں۔ وہ بتا رہی تھیں کہ کل دوپہر کو روانگی ہے۔

”ہاں! رضیہ کی آواز آئی وہ پہلے تو انھوں نے تمہیں فون کر دیا لیکن پھر انھوں نے مجھے سوچا کہ پھر رضیہ! رضوان مجھ پر فون کرنا نہیں چاہتا! وہاں! پھر کہنے لگی۔“

”میں تو نہیں سمجھ کر ایسی کوئی بات ہو! رضیہ ٹھیک ہے کہ میں تم سے اور تم کو بہت محبت کرنے لگا۔ محبت ختم تو نہیں ہو رہی ہے اگر تم باقی سے شادی کرنا رضیہ! رضوان اتنی دیر سے بیٹھا تھا کہ انہاں میں ممتہ بنانے لگی۔“

”آہستہ بولو! رضیہ نے کہا کہ کیا ٹیلیفون کی فون کیا اب رہی ہو رضیہ! رضوان نے پرسہ۔“

”محبت تم سے ہے اور شادی باتوں سے کہوں؟“

”کیا فون پڑا ہے! رضیہ نے آہستہ سے کہا، دوسرے سے محبت کرتے ہیں تو یہ کیا ضروری ہے! جو محبت کی ملاحجہ جسماں طلب تو نہیں ہے! اب باقی سے شادی کرنے کے لیے ہم اخلاقی طور پر اس کو ایک دوسرے سے محبت بھی رہی تھی۔“

”میں نے اس سے بھی کوئی فون نہیں پڑا! اگر وہ انداز کریں تو بھی دل شاد! اب یہ دہا ہے۔ ایک تو بے گلی لیکن اس کو سب سے زیادہ تعلق ہے۔“

”اب بند کر دیو کیو اس! رضوان دانت! یہ نہیں کھلی ہو!۔“

”رضوان! رضوان! رضیہ کالٹی ہی رہ گئی۔“

”رضوان! رضوان! رضیہ کالٹی ہی رہ گئی۔“

”رضوان! رضوان! رضیہ کالٹی ہی رہ گئی۔“

میں نے مسکرا کر ریسپورڈ کیا اور لباس اتار کر شہ خوانی کا گاؤں بنے جی۔ اب ایک اس ٹیلیفون کا زبردستی گلا جو میرے ہسٹل کے سائیکل پائیس جانب رکھا ہوا تھا۔ میں ٹیلیفون کا حلقہ دراصل اس ٹیلیفون سے اچھڑنے کے لیے رکھا ہوا تھا۔ جب دینے کے لیے ٹیلیفون منقطع ہو گیا تو اس ٹیلیفون میں لگا ہوا بزنس اٹھتا تھا۔ میں خود ٹیلیفون کو کسی نہیں استعمال کرتی تھی اور کسی کو اس کا فائدہ بھی تھا۔

بہتر رضیہ کے ٹیلیفون پر رکھا ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ میں نے اس ٹیلیفون پر دہنے والا تھا۔ اس کے برعکس ایک فرضی فون ڈیال تھا۔ یہ فون نہ تو میں اس لیے کر دیتی تھی کہ اگر میں کبھی کسی کو اپنے گھر میں ٹھکانے کے لیے ٹیلیفون پر کسی سے گفتگو کرے تو میں ضرورت کے وقت کی گفتگو میں مبتلا رہوں۔

جب بڑبڑانے لگا تو میرے ذہن میں پہلا خیال یہ آیا کہ فون رضیہ سے رابطہ قائم کیا ہوگا۔ بڑبڑاہے خاموش ہو چکا تھا اور

ہاں میری ہینڈل وارڈ سے ٹوٹی ہوئی جینز کے بندے میں نے وقت دیکھا۔ دوسری چلے گئے۔ میں نے مسکرا کر اٹھ بڑھایا میں سمجھ رہی تھی کہ آج رات رضوان کو ل اور اب بے یقین ہو کر اس نے ایک بار پھر رضیہ سے

”ہاں! رضیہ نے کہا کہ کیا ٹیلیفون کی فون کیا اب رہی ہو رضیہ! رضوان نے پرسہ۔“

”محبت تم سے ہے اور شادی باتوں سے کہوں؟“

”کیا فون پڑا ہے! رضیہ نے آہستہ سے کہا، دوسرے سے محبت کرتے ہیں تو یہ کیا ضروری ہے! جو محبت کی ملاحجہ جسماں طلب تو نہیں ہے! اب باقی سے شادی کرنے کے لیے ہم اخلاقی طور پر اس کو ایک دوسرے سے محبت بھی رہی تھی۔“

”میں نے اس سے بھی کوئی فون نہیں پڑا! اگر وہ انداز کریں تو بھی دل شاد! اب یہ دہا ہے۔ ایک تو بے گلی لیکن اس کو سب سے زیادہ تعلق ہے۔“

”اب بند کر دیو کیو اس! رضوان دانت! یہ نہیں کھلی ہو!۔“

”رضوان! رضوان! رضیہ کالٹی ہی رہ گئی۔“

”رضوان! رضوان! رضیہ کالٹی ہی رہ گئی۔“

”رضوان! رضوان! رضیہ کالٹی ہی رہ گئی۔“

میں نے مسکرا کر ریسپورڈ کیا اور لباس اتار کر شہ خوانی کا گاؤں بنے جی۔ اب ایک اس ٹیلیفون کا زبردستی گلا جو میرے ہسٹل کے سائیکل پائیس جانب رکھا ہوا تھا۔ میں ٹیلیفون کا حلقہ دراصل اس ٹیلیفون سے اچھڑنے کے لیے رکھا ہوا تھا۔ جب دینے کے لیے ٹیلیفون منقطع ہو گیا تو اس ٹیلیفون میں لگا ہوا بزنس اٹھتا تھا۔ میں خود ٹیلیفون کو کسی نہیں استعمال کرتی تھی اور کسی کو اس کا فائدہ بھی تھا۔

بہتر رضیہ کے ٹیلیفون پر رکھا ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ میں نے اس ٹیلیفون پر دہنے والا تھا۔ اس کے برعکس ایک فرضی فون ڈیال تھا۔ یہ فون نہ تو میں اس لیے کر دیتی تھی کہ اگر میں کبھی کسی کو اپنے گھر میں ٹھکانے کے لیے ٹیلیفون پر کسی سے گفتگو کرے تو میں ضرورت کے وقت کی گفتگو میں مبتلا رہوں۔

جب بڑبڑانے لگا تو میرے ذہن میں پہلا خیال یہ آیا کہ فون رضیہ سے رابطہ قائم کیا ہوگا۔ بڑبڑاہے خاموش ہو چکا تھا اور

”رضوان! رضوان! رضیہ کالٹی ہی رہ گئی۔“

”رضوان! رضوان! رضیہ کالٹی ہی رہ گئی۔“

”رضوان! رضوان! رضیہ کالٹی ہی رہ گئی۔“

میں نے مسکرا کر ریسپورڈ کیا اور لباس اتار کر شہ خوانی کا گاؤں بنے جی۔ اب ایک اس ٹیلیفون کا زبردستی گلا جو میرے ہسٹل کے سائیکل پائیس جانب رکھا ہوا تھا۔ میں ٹیلیفون کا حلقہ دراصل اس ٹیلیفون سے اچھڑنے کے لیے رکھا ہوا تھا۔ جب دینے کے لیے ٹیلیفون منقطع ہو گیا تو اس ٹیلیفون میں لگا ہوا بزنس اٹھتا تھا۔ میں خود ٹیلیفون کو کسی نہیں استعمال کرتی تھی اور کسی کو اس کا فائدہ بھی تھا۔

بہتر رضیہ کے ٹیلیفون پر رکھا ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ میں نے اس ٹیلیفون پر دہنے والا تھا۔ اس کے برعکس ایک فرضی فون ڈیال تھا۔ یہ فون نہ تو میں اس لیے کر دیتی تھی کہ اگر میں کبھی کسی کو اپنے گھر میں ٹھکانے کے لیے ٹیلیفون پر کسی سے گفتگو کرے تو میں ضرورت کے وقت کی گفتگو میں مبتلا رہوں۔

جب بڑبڑانے لگا تو میرے ذہن میں پہلا خیال یہ آیا کہ فون رضیہ سے رابطہ قائم کیا ہوگا۔ بڑبڑاہے خاموش ہو چکا تھا اور

”رضوان! رضوان! رضیہ کالٹی ہی رہ گئی۔“

”رضوان! رضوان! رضیہ کالٹی ہی رہ گئی۔“

”رضوان! رضوان! رضیہ کالٹی ہی رہ گئی۔“

میں نے مسکرا کر ریسپورڈ کیا اور لباس اتار کر شہ خوانی کا گاؤں بنے جی۔ اب ایک اس ٹیلیفون کا زبردستی گلا جو میرے ہسٹل کے سائیکل پائیس جانب رکھا ہوا تھا۔ میں ٹیلیفون کا حلقہ دراصل اس ٹیلیفون سے اچھڑنے کے لیے رکھا ہوا تھا۔ جب دینے کے لیے ٹیلیفون منقطع ہو گیا تو اس ٹیلیفون میں لگا ہوا بزنس اٹھتا تھا۔ میں خود ٹیلیفون کو کسی نہیں استعمال کرتی تھی اور کسی کو اس کا فائدہ بھی تھا۔

بہتر رضیہ کے ٹیلیفون پر رکھا ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ میں نے اس ٹیلیفون پر دہنے والا تھا۔ اس کے برعکس ایک فرضی فون ڈیال تھا۔ یہ فون نہ تو میں اس لیے کر دیتی تھی کہ اگر میں کبھی کسی کو اپنے گھر میں ٹھکانے کے لیے ٹیلیفون پر کسی سے گفتگو کرے تو میں ضرورت کے وقت کی گفتگو میں مبتلا رہوں۔

جب بڑبڑانے لگا تو میرے ذہن میں پہلا خیال یہ آیا کہ فون رضیہ سے رابطہ قائم کیا ہوگا۔ بڑبڑاہے خاموش ہو چکا تھا اور

”رضوان! رضوان! رضیہ کالٹی ہی رہ گئی۔“

”رضوان! رضوان! رضیہ کالٹی ہی رہ گئی۔“

”رضوان! رضوان! رضیہ کالٹی ہی رہ گئی۔“

جواب: "نہیں آتا کہ زمینیا کو ہاں سے نکالے بغیر آگ کیوں ٹھکانی تھی؟"

”اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی“
 ب دیا جو رون کو دے چکی تھی۔

۱۰۰ کے ساتھ۔ یہ ایک نیا سبب ہے۔

میرا یہ بہتر نہیں تھا لیکن وہاں سردی سے بچاؤ کا خاصا معقول انتظام تھا۔
میرا سہ نیمے سہی کمز کے آٹھ لٹروں میں آگ دس گدی گئی۔ ہم نے چار کمرے

"لیکن اسے تو رہاں بھیجا جانا چاہیے تھا؟"

"اسے اس لیے چنگر تو بھیجا گیا ہے کہ جب آپ وہاں نہیں تو وہ لاسر تک کے فخر کی تمام تیریاں نکال کر بھیج دے گا۔"

"جس نے مذکورہ گت عرصے سے نہیں دیکھا۔ چار سال میں تو وہ خامی تبدیل ہو چکی ہوگی؟"

"آپ اسے پہلے سے زبان بھر لورہ پائیں گی تو فی تاہنگ کے ہونٹوں پر مچنی خیر مسکراہٹ کی پھر اس نے کہا کہ وہ بھی آپ کو اکثر یاد کرتی رہتی ہے۔ اس کے پاس کاروبار ہوتا ہے۔ اس نے اپنا سنا یا تھا کہ اب وہ اپنے آپ کو کسی نام سے مخاطب کرنا پسند کرتی ہے۔ ابتدا میں دلگ سہوڑے اس کے اصل نام سے پکارا جھٹکتے تھے تو وہ گڑبڑاتی تھی نتیجہ یہ کہ اب بھی کسی سہوڑے نام سے پکارتے ہیں اور اس کے سننے جاننے والے تو اس کے اصل نام سے بلے جبری ہیں؟"

میں ہنسنے لگی۔

"فی تاہنگ بھر لورہ لڑائی بلاتے سے اندازہ کر لیجیے کہ وہ آپ سے کتنی محبت کرتی ہے۔ آپ کے عطا کردہ نام کو اس نے اپنی شخصیت پر پرنسپل بن کر لیا ہے۔"

"وہ منت جذباتی لڑکی ہے؟"

میں اور فی تاہنگ باتوں میں مصروف تھے کہ رضیہ آگئی وہ دن تاہنگ کو دیکھ کر چوڑی مسکرائی اور پھر لولی کا کمرہ ایسے آپسے وعدہ کیا تھا کہ ان کا باجی کو کسے دہری آؤں گی؟

"آخراپ مسیحا باجی کی تو بہن ہیں؟ فی تاہنگ مسکرایا۔

میں نے رضیہ سے پوچھا یہ کونٹ لے آئیں؟"

"جی ہاں۔ وہ پھر کا کھانا کھا کر میں ایشیہ پہنچتی ہے؟"

"مجھے آپ اجازت دیجیے؟ فی تاہنگ کھڑا ہوتا ہوا لولاہ میں ایشیہ پر آپ سے ملنے آؤں گا؟"

رضیہ کا ہار پڑ کر ہونٹ کے دروازے تک چھوڑ ڈالا میں نے کلمہ "وہ چچا باجی؟" رضیہ نے کہا اور فی تاہنگ کو کسے کہہ کر سے پہلے گئی۔

"میں اس سرزمین پر وہ کہہ کر ضرور جاگل ہوجاؤں گا؟ رضوان دوڑوں ہاتھوں سے سرعام نہر لولا۔

"یہ خیال کہاں سے وہ بھگیا؟" میں قہقہے سے لولی۔

"یہ چینی زبان کسی فیضان زبان سے کہہ نہیں جس کا ایک لفظ بھی میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اسی صورت میں میں کہیں پاگل نہ ہوجاؤں۔ ایک مہرہ ہر گاہ۔ یہ شخص جڑا بھی میاں سے وٹے ہو رہا ہے۔ کیا واقعی کوئی بڑا اسٹر ہے؟"

"یقیناً؟"

"بھری بھی انگریزی نہیں جانتا؟"

"انگریزی تو یہ خوب جانتا ہے؟"

"کیا؟" رضوان نے اعتراف کی طرح سر ہلایا۔

"ہاں میں اس کی حالت سے غفلت نہ کروں اس وقت تک نہیں ہے جب تک ناگزیر نہ ہو کہ اسے تو یہ کوئی تکیہ خیز سر نہیں ہے۔ ہاں۔"

بلے بھر کے روکتے ہیں؟ ہیں بہت چوڑی ہنڈا

بلے لاسر پہنچنے سے روکنے کے لیے بڑی زور دیا۔

"اگر مجھے ایڑی چوڑی کی جتنی بھی یاد نہیں ہے۔"

نے غصہ کی سانس کے کرکڑا کر خوارا لیجے اب۔

فغان میں کون سا فساد رہ پائے گا؟ والہ ہے؟

"ابھی نہیں؟ میں نے سکر کر کہا تو



دانت اپنے ابتدائی مرحلے میں ہی جب ہم ایشیہ پر اترے۔ یہ ایک چڑا سا ایشیہ تھا۔ روشنی میں سارا مازیل اور گھٹا ہوا ماسوس ہوا۔ شعلوں کے باوجود وہ شعلوں کا نام پر کچھ نہ بچا تھا۔ کھلوان کی تھوڑے سے بھی کچھ نہ

"وہ پوٹیل نام پر پوچھو گئے۔ وہ بھیرہ آگئی اور بے حاشیہ سے لپٹ گئی اس وقت میرے وجود پر بدبو پڑتی ہو جانا چاہتی ہو۔" پوٹی کو لاسر میں تاہنگ کے بیان کی تصدیق ہو کر بہت زیادہ بھر پور ہو گئی تھی۔ اس کے کہہ جان پر وجود پر چمکنے کے لیے بے قرار معلوم ہو رہی تھی۔

"موتو؟" میں نے اس کے کان میں رہا اور لوگ بھی ہیں؟

موتو عادی سے مجھے الگ ہو گئی یہاں متوجہ ہونے کی بجائے مجھے ہی لولی نے آپسے

کا زور ہے۔ ہم لوگ غلامانہ ذہنیت رکھتے ہیں؟

لیے تو باقیات خیر ہو سکتا ہے لیکن ذہن تو ہم باعزت رنگ دلا دیتی ہیں؟

"اے تو کیا اس وقت انگریزی بولنا؟"

"کیوں؟ اس وقت ناگزیر کیوں تھا؟"

"چینی زبان میری سمجھ میں نہیں آتی تھی مگر فی تاہنگ کی صحت پر اس کا کیا اثر؟"

وہ کوئی ضروری بات نہ کرنا چاہتا تھا مگر گریز اور لاشے میں رضیہ فائیں آگئی اور لولی نے ہاں بول دی۔

کی جارہی ہو؟

یہ خیال نظر سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ اگر لایا

"ناراض تھی۔ سو چاہتا رہا۔ آپ آئیں گی تو آپ کے ہاتھ کیسے بے آپ سانسے آئی ہیں تو فیصلہ نہ ہوا

اس کی اس کا شہرہ بھلا اور لولی وہیں تھا۔ اس کے

اس کی

اگر بنا ہوا تھا کہ وہ موتو بھی چینی زبان بول رہی تھی۔

وہ موتو؟" رضیہ بولی۔

اس کے اس کی طرف دیکھا اور پھر بڑی گرم جوشی کے

میں نے غصہ کی زبان میں کہا۔ موتو میرے ساتھ ہی رضوان

ان میں سے کتنے میں سے درخواست کروں گی کہ جب

انگریزی میں بات نہ کرنا۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو

مجھے یہ سن کر ڈالیں گے؟"

ای۔ جی جی جی رضوان؟" موتو نے ہنس کر لکڑی

انگریزی بولنا پسند نہیں کرتے لیکن بانو کو قتل کرنے

بھلا۔ انگریزی بولنے کے لیے تیار ہوں۔ بانو مجھے

ای۔ جی رضوان نے سر ہلاتے ہوئے آپ کی حریف میں

لی۔ تاہنہ یہ بہت رکھتی ہے؟"

میں رضیہ نے رضوان کو دھوکا دیا۔

ان میں لولی کا یہ مناسب نہ ہو گا کہ ہم مل جل کر

ہائیں؟" وہ اس لیے اذیت دے رہا کہ اگر ہم اس

کے لیے رہے تو مجھے پہلے تو یہی ہو جائے گا؟"

دلچسپ آؤں معلوم ہوتے ہیں؟ موتو نے ہنس کر کہا۔

لولی کی ذہن میں یہ کہ فی تاہنگ کے سامنے لپٹی ہو

میں لالہ خوار کے لیے یہاں سے پہلے؟ رضوان

کہہ کر ان کا زور دیا کہ روٹی کی بجائے مانگ لیا ہو

"

ان میں سے کسی جڑا ایشیہ کے قریب ہی تھا۔

وہ دوسرے دنے کا لالہ تھا لیکن اس میں کمرے

کے قریب سے راستہ کیا گیا تھا۔ ہر کمرے میں

ان اہل پہنچتے ہیں ایک آئینہ پر جبکہ دوسرے

ان کے گرم کرکڑوں؟ رضوان ناگہم ہی بولا تھا۔

"ہاں؟ وہ ہے جیسے میرے چہرے پر ہونٹ کی

یہ کہنے والے انداز میں ہنس کر لولی نے تعادری

الوگ تو نہیں ہے کہ اسے ٹوٹی جاکے؟"

موتو نے گلی اور پھر لولی نے اچھا لوگ بائیں میں کچھ نہیں

جا کر کہا ناگزیر کلاؤں؟"

"چلوں بھی جاتی ہوں؟ میں نے کہا۔

موتو مجھے باہر ہی چلنے میں لے گئی اور دم دوڑوں نے مل کر کہا

موتو کیا۔ اسی دوران میں موتو نے بتایا کہ اس نے غریب تیار ہواں چھو کر

کرکڑوں میں اور ہم لکڑی ہی یہاں سے روانہ ہو سکے ہیں۔

کھانے سے نالغ ہونے کے بعد موتو نے سب کو ایک ایک کمرے

میں پہنچا دیا اور وہ خود میرے ساتھ کمرے میں مقید ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں

شہرے سے نالغ ہے تھے۔



اگلے صبح ہم وہاں سے روانہ ہوئے۔ ہم غریبوں پر سوار تھے اور ہمارا

سامان۔

ایک بہت کاغذ کاغذ ہوا۔ اس ملک کے لوگ کہتے ہیں کہ اگر

ایک بہتر تو بہت بھی نہ ہوتا۔ اس قول میں مبالغہ سی لیکن اس میں شک

نہیں کہ بہت کی زندگی میں اس جانور بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ایک کے

بغیر رابل بہت کم کر دھ نہیں مل سکتا اور وہ دھ کے بغیر کھن نا کھن چائے

ناکھن! کھینٹ باڑی میں بھی یہی جانور کام آتا ہے۔ اس کے بغیر باہر وادی

نہیں ہو سکتی اور باہر وادی کے بغیر تجارت ہو سکتی ہے نہ زرباد و لکڑیا

جاسکتا ہے۔ ایک ہی سے ان حاصل ہوتا ہے۔ ہر ٹھیکہ ایک بہت کی

زندگی کا جزو لا ینفک ہے۔

بھینس کی طرح موتو یا زندگی جانور بہت اہم ہے۔ آہستہ آہستہ چلتا ہے اور

اس کے بال اتنے لمبے ہوتے ہیں کہ زمین کو چھوتے ہیں۔ ایک سب کچھ

کرکڑا ہے مگر بھلی نہیں کر سکتا۔

رضوان نے یہ جانور اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھا تھا اور دل سے

بڑا مضحکہ خیز معلوم ہوا تھا۔ اتنا مضحکہ خیز کہ اسے ہنسی آگئی تھی لیکن میں

یقین سے نہیں کہہ سکتی کہ وہ ہنسی ہی تھی یا مسروری کے باعث رضوان

کے منہ سے کچھ بے ہنگم سی آوازیں نکل کر رہ گئی تھیں۔

ہم سب نہایت گرم کپڑوں میں ملبوس تھے لیکن مسروری مزاج لڑچھے

لے رہی تھی۔ میں نے رضوان کی بہت بندھانے کے لیے کہا وہ دوا لک

رہی تھی کہ اس فضا کے عادی ہو جاؤ گے؟"

"اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ میں اس سے پہلے ہی بخیر ہو کر

اس دار فانی سے کوچ نہیں کر جاؤں گا؟" رضوان نے دانت کھٹکاتے

ہوئے کہا۔

"ا۔ جی تو تعادری زندگی کی ضمانت ہے گا؟" میں اسے باہر ہی

نہیں سے دیکھتے ہوئی بولی کہ جب میں دیکھوں گی کہ اس مسروری سے واقعی

تعادری جان پر جی باہر ہی ہے تو میں تمہیں اپنی گرم غریب میں گھپا لوں گی؟

میں نے یہ سب کچھ کہہ کر رضوان کو سناپ سو گھٹ گیا۔ جب میں

میں اس سے کہنے یا بھری بات کرتی تھی تو اس پر سرکرت ہر گ کی سی

”میں جہانی فاضل کو قتلِ کامل میں جھنجھتی۔ ہمارے دلِ حب میں ایک دُور سے کیسے دھڑکتے ہیں اور ہماری نگاہیں جب تک ایک دُور سے پراپیڈا پر نہ چلیں اور نہ تریں، کبھی کوئی اس وقت تک کوئی قتلِ کامل نہیں ہے۔ محنت کی دُنیائیں فاضل کی تعریف بدل جاتی ہے رضوان! اچھے وہ لوگ جسے سخرے معلوم ہوتے ہیں جو اپنے محبوب کا قتل نہیں حاصل کر پاتے تو انہیں سب سے اچھے ہیں۔ وہ حال تو یہ ہے کہ محبوب دل میں بیٹھا ہے۔۔۔ میں سب سے بڑی... کہ ایک پوئلہ رضوانِ طاعت میں کمر لالہ۔

”در مختلف الاماکن میں جو بھی قیامت ہے۔ لوگ کرکے سمجھتے گئے ہیں۔“ دُشیر نے ہنسنے کوئے کہا۔
 ”آپ سمجھ لو کہ میں ہی بہت بڑا کرکے ہوں۔“
 ”مجھے یقین ہے۔“ دُشیر نے جسے غلو سے کہا۔
 ”ہر پوری بات سنو! دُشیر غواں فرمایا۔

”نہو! راضی نہیں۔“
 ”میں بالوں کی شادی کسی بچی کے چچے سے کرادوں گا تاکہ انہیں میرا
 بھائی خرب جامل نہ ہوئے۔ ورنہ مجھ سے نفرت کرتی رہیں۔“

”اب ہم پاگلوں کی سی باتیں کرنے لگے ہو۔“
”مگر تم دونوں بہنوں کا یہ ڈرامہ جلدی رہا تو لیک نہ ایک روز نپاگل خانے
بھی پہنچ جاؤں گا۔“

”لیکن میں باقی سے تمہاری شادی ضرور کروں گی، خواہ مجھے تمہارا علاج کرائے کے لیے پاگل خانے کے بستر پر ڈاکٹروں کا تعاون حاصل کرنا پڑے۔“
غیبہ نے شفیق سے کہا۔

”در اصل میں یہ چاہتی ہوں کہ زندگی مجھ سے کوئی مذاق نہ کر سکے۔“

”اب اس جیل میں بڑا کرب معلوم ہو رہا ہے۔ اکیسے تو میں کہتا ہوں کہ تم دونوں نے اپنے چہرے پر غول پڑھا رکھے ہیں۔ کبھی کبھی کچھ کچھ“

”اس وقت تو تمہاری بی بی کی باتوں نے میرے جہنم میں گر ماری
جبرودی سے“

”نشش... چپ! اچانک رقصیے زنون کو خاموش
راہ میرے کان بھی کھڑے ہو چکے تھے۔“

موس ہو رہی تھی۔ اگر میں اپنی بوئی نہ ہوتی تو اس دھک کا احساس نہیں ہوتا۔
غیر نے بھی وہ دھک اسی لیے فوراً محسوس کرتی تھی کہ وہ زمین پر اپنی بوئی تھی۔
وہ دھک ایسی تھی جسے زمین پر بے شمار تھوڑے سے رول سے سول۔

میں سر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ مجھے پھر اندازہ ہوگئی تھی۔ میں زمین پر گر پڑی، کوئی تیزی سے آگے بڑھ کر مجھے اٹھا لیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک مسافر تھا۔ وہ مسافر نے رعبیہ اور درخشان کے سامنے دیکھ کر آگے بڑھ کر کہا کہ ایک سمت میں رعبیہ نظر آ رہی ہے۔

جملہ ہی دھکم کا راز نہ کھل کر رہا
گھر سواروں کو دیکھ لیا تو تعداد میں ہندو
میں رافیلین تھیں۔ گھوڑوں کی ٹالوں کا شور ۱۱

کی وجہ میری سمجھ میں فوراً آگئی تھی۔ ٹیمپوڑوں
گیا تھا۔ اردو ننگ قبیلے کے یہ رہزن اس طرح
خاص جگہ ان لوگوں کا وطن نہیں ہے۔ رنڈ

ان کا قلع قمع کرنے میں اب تک ناکام رہا ہے
میں نے اپنی رائفل سپرہ کی لیکن

نہی رہتا ہے۔ نقل کا دھماکا کس دم کے، اور
نہی رہتا ہے۔ نقل داغ دی۔ یکے بعد دیگرے
سگرے اور سرد والے اور کمرے اور کمرے اور کمرے

سے لڑنے اور کڑے دھڑوں سے کامیوں
سے لڑنے اور کڑے دھڑوں سے کامیوں
سے لڑنے اور کڑے دھڑوں سے کامیوں

۱۔ خونخوئیوں سے بندھے ہوئے تھے نہیں ایک۔

میں نے غصوں کیا کہ اب ایک تھوڑا
 بہن تیں اور اس کا مطلب یہ تھا کہ مونوں نام

اور تک جیسے کے رہزن بال ناکہ
بھاگ نکلے اور اپنے قحب میں چھ ساتھیوں
فلوں کی گویاں اُن کا تعاقب کر رہی تھیں

اب سناٹے میں صرف جتنی مزدور اہل
ہوں جو بلند آواز سے اونگھتے ہیں کہ لوگ

بیس اب بیدار ہو کر پھر لڑا
دو مزووروں نے الاؤ میں کڑیاں ڈال کر
سنگ کڑی تھی۔ جب میں چھو لڑائیوں سے

”یا نوا آپ لوگ باہر ہی تھے؟“

سے جواب دیا اور پھر روضیہ سے پوچھا: "تم
 کیسے ہوئے تھے؟"
 "میں ہونیکا ہے۔" روضیہ نے جواب دیا "مجھے اندیشہ
 ہو سکتی ہے۔"

مجھے بھی باہر نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔“
 ہنڈی سانس لے کر بولا: ”اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ
 کی لڑائی رہیں گی!“

میں ایک نظر ڈالیں، میں نے رفیع سے کہہ
 دیا میں ایسی بن گئی تھی جیسے ان کی کچائی کو ذرا بھی

”میں نے زبان میں موم سے کہا: ”تم خدا ان مزدوروں
 کی جی آتے ہیں۔“
 ”موم نے بوجھا۔“

یہی کہ آدمی ہوں گے۔ ہمارے دشمن سے اُن کا

میں نے ساتھ اُس طرف بڑھی جہاں تھوڑے تھوڑے
 بڑے بڑے ہوئی تھیں۔ یہاں سے مجھے مجھے رضوان بھی
 لڑکے سے بہت پریشان تھا لیکن تجس کی لہر

مگر وہ کہتا تھا کہ یہ سب تو بڑی عمدہ بات ہے۔

میری کیا جھگڑا ہو گی لاں لاں پر دیکھ کر سرک
 پر جو مٹی لاں کسی فتی کی نہیں بلکہ چینی کی تھی میری
 کراہیں، پھر ہم دونوں کے منہ سے ایک وقت
 قندام رینگنے آئے۔ ترہا، کراہ کر دونوں کو

تو بے لعل لبّ میں بولا: "آپ دونوں کو ہنستا ہوا دیکھ کر میں

... زانہ زوارۃ متحہ رہے

۶۱

۸۔ مت مژدی لگ رہی ہے۔ میں نے سنس کر کہا

میں نے کہا: "اگر آپ لوگوں کو

یہی اسی طرح ان برسے میں رکھتا تو اس ضرورت پائی کہ ہوجاؤں گا۔ آخر مجھے بتانے میں آپ لوگوں کی طرح ہے، مجھے اس فساد کا سبب معلوم ہوا ہے۔ یہاں سے اور کبھی جانا جاتا ہوا کہ ان کی جی اٹھوں میں ایک بی بی کی لاش دیکھ کر آپ دونوں بہنوں نے کیا نتیجہ اخذ کیا ہے؟

رضوان نے اردو جگہ قیام کے اندر ہزاروں کے ہائے سہولت کو
 استفسار نہیں کیا تھا لہذا اس سبب بھی کہ رضیہ اسے اُن کے ہائے میں
 تباہی لگتی۔

”ایک کاغذ ہے جو کچھ اہم معجزہ ہے۔ اس پر معین زبان

میں کچھ لکھا جواب ہے : ” رفیعہ سیدھی کھڑی ہوتی ہوئی بولی میٹازح فدا
 قریب لائیے تو اسے پھریں :“
 ہم رفیعہ کے قریب ہو گئی اور ڈانٹا کی روشنی اس کے ہاتھ میں

جیسے ہوئے کاغذ پر ڈالتی ہوئی اُسے پڑھنے کے لیے خود بھی تھکی۔
چینی زبان میں ایک مختصر سی عبارت لکھی ہوئی تھی۔ خط کا سا انداز
تھا۔

”تم اوونگ قبیلے کے رہزنیوں کو اپنی ہتھیاریں لینے کی ہر ممکن کوشش کرو۔ یہ خط لے کر چین تیزی کے پاس ملے جانا۔ وہ یہیں آتی رہے گا کہ ان رہزنیوں کو لے لے گی۔“

خطہ کے شروع یا آخر میں کوئی نام نہیں لکھا تھا کیوں میری نظر کے سامنے جو تحریر تھی اُن کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اُن کے گواہ

یہ بات صاف ہوگئی تھی کہ اسے مقابل ہوڈن ہے، وہ بین اسی سے تعلق رکھتا ہے۔ اب اسے پتہ چل گیا کہ اس بات کا بھی علم نہیں تھا۔ دوسری بات یہ کہ یہیں ہوڈنوں کے ایک آدمی کا نام علم ہوگا تھا۔ جن راز کے وہی لوگوں کو علم ہو

ابہیت حاصل تھی کہ اگر احباب امت کیسے ہتھ سے ہوتے تھے۔
 میں نے اور فیض نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا لیکن زبان سے کوئی
 تبصرہ نہیں کیا۔

رہنما نے ٹھنڈی سانس لی اور بولا: ”یعنی اب میرے سامنے گفتگو سے بھی احتراز کیا جائے گا!“

میرے یہاں ایک اور شخص بھی تھا جس کا نام بھی "آخرا" ہی تھا۔ یہ شخص بھی میری طرح فریڈکس کو بھی یہ نہیں لگتا تھا کہ وہ ایک خطا پر کیا تبصرہ کرے۔
 "آخرا! میں کیا لکھا ہے؟"
 میں نے مارچ، مئی، اگست اور دسمبر کے چھ لکچر کے ناموں کی طرف ہنسی بھری

برہنہ غالباً یہ خیال کرنے والے ہی کے نام ہو گا۔ اس میں اسے ہدایت کی گئی تھی کہ وہ جن ڈی ڈی نامی کتے دمی سے مل کر سب دل غراہ و فتنہ حاصل کرے اور ان سے ہونے والی ہمتوں سے اپنے لیے کوشش کرے۔“

ان بہکروں کو پی سی بی کے لیے

ایک محض ہے۔ وہ تبت کے معاشرے پر ایک کتاب لکھتا ہے جس کے
اسے یہاں کی زبان میں آتی اس لیے وہ لکھے اندھیری سن کو بھی لے آیا
ہے۔ ہمیں جو تیسری لڑکی ہے وہ ایک عورت ہے اور محض مینوت کے
شوق میں ہمارے ساتھ آگئی ہے۔
”ہم ایک سب کی بی بی چھوڑ لوں میں خوش آمدید کہے میرے لڑکی کے لہلہ
وہ پہلی تیرہ بجلی تھی اس کی ٹانگیں ہوتی آواز میں سے بڑی یکساں اپیل
عسری تھی۔ میں نے اس کی طرف غصے سے دیکھا۔ اس کے نقش و نگار
میں تبت کی چھلکیاں موجود تھیں لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے
خون میں جو غریبی خون خرابی ہوئی تھی اس کی وجہ سے اس کے نقش و نگار
بڑے تھے اور وہ لڑکی جو گئے تھے بلکہ اُسے تقریباً دلیا پایا جیسی لڑکی
تھی۔ یہ سارا کی بی بی!
”تو جے جے میں نے مسکرا کر اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ میں رات
کے کھانے کے بعد بھرآن سے ملنے آؤں گی۔
”یہ پڑاؤ بھی آپ کی کا ہے۔ ایک لاسٹے گا۔
میں نے مسکرا کر ہاتھ دیا اور اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ آئی بھڑان
رضیہ اور بوجڑی جے جے سے میرے منتظر تھے لیکن میں انہیں راتوں میں ملنے
دا لے ان انہیں کے ہاتھ میں کوئی خوشی بخش جواب نہیں دی۔ ابھی مجھے
خود ہی نہیں معلوم ہو سکا تھا اور اتنے کم وقت میں اندازے لگانے جا سکتے
تھے۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ وہ لاسٹ میں اور لاسٹ ہی جا رہے ہیں
مگر ان کے ساتھ ایک لڑکی کی موجودگی میرے لیے حیرت انگیز ہے۔
”لو کہیں سے آپ کا لڑکا ضرور ہوتا ہے یہ بھڑان تو بنا کر لڑا۔
میں ہنس کر رہ گئی۔
مزدوروں نے لاؤنگ ڈاکا دیا تھا۔ ہر چاروں اُس کے قریب جا بیٹھے۔
اس رشتہ میں لاؤسے بڑی غمازی کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔
جب ہم لوگ کھانا کھانے بیٹھے تو اندھیرا چھل چکا تھا۔ قریب دوپہر
پڑاؤ میں ایک ایک لڑکی کھڑی پہلی تھی اور وہ دونوں لاسٹ لڑکی کے
ملنے لاؤنگ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔
”ہائی۔“ رضیہ نے کھانے کے دوران میں مجھ سے کہا۔ ”بب سب کی
بلکہ میں نے چلی جاؤں ان سے ملنے؟“
”تم چلی جاؤ کیا فرق پڑتا ہے؟“
”ہمیں بہت زیادہ چوکتا رہنے کی ضرورت ہے۔“ وہ مودودے کر
بولی۔ ”مجھے تو یہ عقلی لاسٹ معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے ایسے لاسٹیں دیکھے جو
اپنے ساتھ لڑکیوں کو لیے گھر گئے دیتے ہیں۔“
”ہاں یہ تو میں بھی کہہ چکی ہوں کہ ان لاؤنگ کے ساتھ ایک لڑکی کی
موجودگی میرے لیے حیرت انگیز ہے۔“
”یہ لڑکی درحقیقت لاسٹ کی معلوم ہوتی ہے۔“ رضیہ نے تھوکیا۔
”یہ لڑکی جی خیال ہے۔ اس کے ماں باپ میں سے کسی ایک ضرور

غیر برقی ہوگا۔ میں نے کہا۔
”کھانے کے بعد جب رضیہ ان در
رضوان بھی کھڑی ہو گئی۔
”تم کھانے چلے۔“ میں نے اُسے کہا۔
”میں چھوڑ دیتی ہوں جا رہی ہوں۔
ڈیوٹی صبح چار بجے سے سات بجے تک ہے۔
”ماں اور ایک بچے سے چار بچے
بچھا کر سونے گی۔“
مجھے اور رضوان کو باتیں کرتا بھرہ کی
چلی گئی تھی۔ اُس کے بعد رضوان چھوڑ دیتی
پاس۔ میں نے دیکھا میں نے سو سے کہا
”تم بھی گھر پر آکر کام کرو۔ اس کے
”میں ایک بچے کی سوئی گئی پر گھر
نے جواب دیا اور چھوڑا کرتا تیرہ بجے میں
ہے وہ آپ کو پھنسا دیتی ہیں۔“
”چھوڑو تو آجیسا ہے۔ میں نے ہم
”تو پھر کیا خیال ہے اس سے۔“
”اپنے لیے؟“
”آپ کے لیے۔“ وہ بوجڑی۔
”میری فکر نہ کرو۔ مجھے تو وہ دہشت
لگا ہی رہی تھی ہوں۔“
”یہ تو خیر مجھے بھی معلوم ہے کہ ان
نظروں سے نہیں دیکھ سکتی۔“
”یہ نہ کہو۔ کراچی میں ایک لڑکی
ہو سکتی ہے۔ میں نے شائد گویا دیکھ کر
”تو پھر وہ لڑکی جی جیانی جس سے
سے کہا۔
”یہ بات نہیں۔ دراصل وہ لڑکی
پڑھ نہیں آتا۔“
”کیا وہ اتنی ہی خصوصیت ہے؟“
”اگر میں کچھ کہوں گی تو تم خود کاؤ کا
پھر کہیں سے لاؤنگ کے پڑاؤ کی طرف
ساتھ لاؤنگ کے قریب بیٹھی پہلی بائیں کی لڑکی
رضیہ کی دلچسپی کوئی آدھ لکھتا ہے۔
ان لوگوں کے ہاتھ میں نامی معلومات وہ
”وہ معلومات تم نے انہی لوگوں
”فہم ہے۔“

مگر وہ معلومات درست بھی ہیں۔ خیر نہ مانو کیا
”میں متعلق کیچوری کی درگاہ سے ہے۔ درگاہ
ہم کو بھیجا تھا کہ یہ سارہ کوہاں سے لے آئیں۔
”ہم کو یہاں سے لے آئیں اس کا پتہ بتائی ہی تھا
”انتہا حاصل تھی لیکن وہ پھر بھی میں اسے شیطان
اور کا ایک اور بیٹا کھانے کے بعد بھڑان کی لڑکی ہوا تھا
لڑکی کرنا۔ اس کی عورت بھی اُس کی روحان حالات
میں اور ان دونوں کی شادی ہو گئی تھی۔ اس کی شادی
میں حال بھرہ جب سر سے عشق کا بھرتہ تھوڑا
واحد اس ہوا۔ ایک عورت کے حسن و جمال نے
درافت پر اپنی پھرہ پڑا تھا لیکن اب ملو
تھی۔ وہ اس نہیں بھارت دینے لگی تھی اس سے
ماہ کو پھرہ کرنا سے چلی گئی۔ اس کے سر سے
اس میں کتنا تھکنا تھا لیکن شرمیلے نہ ہو کر اس کے
اس کی بڑی نالائقی تھی اس لیے سارہ نظری
مگر یہ۔ جب سارہ جوان ہو گئی تو اس کی بڑی
کہ اس کے بعد سارہ کے باپ نے اپنی بیٹی کو
کی کوشش کی۔ وہ اپنی ان کوششوں میں
ان کا نام نہ ہو کہ سارہ کے دل میں اپنے باپ کا
میں نے اُسے اپنے باپ کو پھرہ کر دیا تھا سارے
اُسے نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن بیٹی کے اصرار سے
اُس نے دیکھ کر اپنے باپ کی طبیعت بہت زیادہ
دانت کھانے کا شوق نہ سرفرے نہیں کر سکتا تھا اور
”ماں پھرہ کا حق یہ میری اس کی جان لے کر ہی
اپنی بیٹی کو اپنے وطن میں اپنے عزیزوں کے
اُس نے اپنے ایک تھک اور دھار لازم کھلا
لہلہ لار کے پاس بیٹھا۔
”مجھ سے سو سے میرے پر کچھ عجیب سے
”ہم کی بلی تھی۔ یہ تو کسی دلچسپ ناول کا
”وہ نقل کر رہی ہوں۔ اب یہ کسی ناول کا پلاٹ
”میں نے یہی کہانی سن کر۔“ مجھے لولہ پڑا۔
”لو تو یہ سانس لے کر کھانے لیکن مجھے اس پر
”مجھ پر حیران نہیں رہا اور لولہ نے سارہ کے

کے باپ نے اس کی نظر میں اپنے کھانے سے توجہ نہ کی اور بڑے لاسٹ سے
مساکی کا خواستگار ہوا تھا۔ اُس نے خط میں اپنی شادی کے بعد سے اب
تک کے حالات بھی رقم کر دیے تھے اور درخواست کی تھی کہ وہ دی جنگ کو بھیج
دے۔ بائیں ہاتھ کو وہ اس کی بیٹی کو لاسٹ سے چھوڑ دے۔ درگاہ کا بڑا
لاسٹ اس خط میں لکھے ہوئے فقروں کے گلاز سے بہت متاثر ہوا اس کی
نے درگاہ کے دو لاؤنگ کو جنگ کو بھیج دیا۔
”موجودہ لولہ پڑی۔“ اور جب وہ دونوں لاسٹ چھوڑے تو سارہ
کا باپ ہرچکا تھا۔
”میں نے رضیہ کے کماؤ خود سارہ کا بیان یہ ہے کہ اس کا باپ
لاؤنگ کی آمد کے دوران بھرہ تھا اور سارہ سے وہ دن قبل اس نے
سارہ کو نکال دیا تھی کہ وہ ان لاؤنگ کے ساتھ لاسٹ چلے جانے خود
سارہ بھی اپنے باپ کے عزیزوں میں بیٹھنے کی خواہش نہ تھی کیونکہ اس
کے خیالی افراد میں سے کوئی بھی زندہ نہیں تھا۔ سارہ نے مانا تھا کہ
تو اسے دنیا میں باکل تنہا زندگی گزارنا پڑی۔ باپ کی موت کے بعد
اُس نے ایک ہفتہ تو سوگ میں گزارا اور پھر دونوں لاؤنگ کے ساتھ سارہ
کی طرف چلی پڑی۔“
”اور بھڑان چل رہی ہے۔“ وہ سو نے تقریباً۔
”اور چل رہی ہے۔“ رضیہ نے جیسے چوکر کہا۔ ”آخر ہم اس طرح
مذاقی کریں اگر آپ کو جیسے یہ کہانی خود میں نے گلاہ کرنا پڑی ہو۔“
”مجھے خود ان لاؤنگ بڑا متھکا تھا۔ سارہ کا ہے۔ تم نے یہ کہانی تھی
سجیل سے سنائی ہے جیسے تمہیں اس کے ایک ایک لفظ پر یقین ہو کر
”یقین کرنے کا بھی کوئی ہوا نہیں ہے۔“ رضیہ نے مجھ کو کہا۔
”رضیہ تھیک کہہ رہی ہے۔“ مجھے وہی انداز کرنا پڑی۔ جب
تک کہانی ٹھیک نہ ہو کہی بات کہیے تو کیا جا سکتا ہے؟“
”یعنی آپ بھی اس خرافات پر یقین کر رہی ہیں؟“
”مجھے تو یہ کوئی بہت زیادہ عجیب کہانی نہیں معلوم ہوتی۔ میں نے
دنیا میں اس سے کہیں زیادہ عجیب و غریب واقعات دیکھے ہیں۔“
”اچھی بات ہے۔ آپ دیکھ لیں گے کہ میری اندازہ درست ثابت ہوگا۔“
”میں کہہ رہی ہوں کہ سارہ اندازہ درست نہیں ثابت ہو سکتا تیرا
کہنا تو یہ ہے کہ موت کے بعد بھی بات کو دیکھا جا سکتا ہے نہ قبول کیا جا
سکتا ہے۔ صورت حال کی وضاحت سے پہلے میں کسی ایک جانب نہیں
ہونا چاہیے۔“
”موجودہ چل رہی۔“
رضیہ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا رضوان ہوگا؟“
”سو ہی گیا ہوگا۔ جب تمام لوگوں کی طرف گئی تھیں تو وہ اپنی چھوڑا
میں چلا گیا تھا۔“
”اس وقت جاگنے کی ڈیوٹی تو میری ہے نا؟“

”ہاں لیکن بہتر ہوگا کہ تم اور مودوں ہی جا کر جو اوجھلے ملک
 بجیسے پہلے نیند میں آسکتی اور ایک لمحے میری ڈھیل کا وقت ہو جائے
 گا لڑنا میں آج چار کیے تک جاگتی رہی ہوں گی“
 ”کیا واقعی؟“ رضیہ نے جاہلی سے کہہ کر مابھی نے نیند تو اڑی ہے
 ”ہاں تو جا کر اطمینان سے سو جاؤ“
 ”اب تو مجھے بھی نیند آگے ہے“ سو موبولی۔
 ”تو سو جاؤ“ ”میں نے نہیں کر سکا“ ”انی اللہ میں بھی اپنی چھوڑی
 میں چل جاتی ہوں۔ جب لانا چھوڑا پڑ جائے گا، تبھی یا بنظر نکلے گی تاکہ ہارا
 پڑی گروپ مجھے پرواہ نہ ہوئے نہ دیکھ سکے“
 مورا رضیہ اور میں چھوڑ لڑائی کی طرف بڑھے تھکے ماندے نہ زبرد
 اس وقت تک سوچے تھے۔ میں نے اپنی چھوڑ لڑی میں داخل ہو کر باہر بستر
 دوسرے قریب گھسٹ لیا اور اس پر لیٹ کر باہر کا جائزہ لیتی رہی تو کوئی ایک
 ڈھیر گھنٹے بعد جب لانا سر پوچھا تو میں بھی اور اپنی داخل مینسل کر
 دیکھتی ہوں چھوڑ لڑی سے نکل رہی۔
 لانا کے چڑاؤ کی آگ میں گھنڈی ہر مٹی اور اب ہر طرف گھرا
 انھیں چھایا ہوا تھا۔ دونوں پڑاؤں کے موزوں کھلے آسمان کے نیچے سفید
 ذرات کے گستر پر چڑے اطمینان سے سو رہے تھے۔ میں دیکھتی ہوں کہ
 دور ایک جینٹیلے کنگھی اور دوں گویا چار کیے تک کے لیے ڈھیر ڈال دیا۔
 اس جگہ سے اطراف و جانب پر نظر رکھنا بہت آسان تھا۔
 وقت گزرتی گئی یہی ہم اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتی تھی کہ مارا
 کی اس کی پٹی پر غور کرو جو اس نے رضیہ کو سنائی تھی۔ وہ افقات قبل
 موزوں تھے تو ڈھانچا لیکن لاتے غیر فطری مرکز نہیں تھے کہ انھیں بلا توقف
 روک دیا جاتا۔
 ان افقات پر غور کرتے ہوئے سارہ کا چہرہ میرے تصور میں موجود
 تھا اور میں اپنے دل میں ایک میٹھی میٹھی جھجھک محسوس کرنے لگی تھی چھوچ
 اپنے عقلمند کی مدد سے مجھے چہرے کے ہر ایک منظر تک رسائی حاصل ہوتی تو
 میری نگ ذرا ناؤ پیدا ہونے لگا۔ ایک جذبہ بے حد جوش کی لگائی میں
 انگھڑیوں کو دیکھ کر اٹھا اور اس شعلہ بدن کی آرزو سے انگلیاں کی پیش
 اتنی بڑھی کہ میرے دل کو جھلنے لگی۔ میں اب سب کچھ بھولی کھنٹ یہ
 سوچ رہی تھی کہ کوئی بوستان میں ایسے ترپتے ہوئے بازو سارہ کو کس
 طرح غصہ کر سکتے ہیں؟
 اس سوال کی مسلسل گردش سے بے پروا ہونا ناگرم ہو گیا کونسا کی غور کی
 بھی اس کے آگے بڑھنے لگی۔ میں اندر ہی اندر سکتی رہی اور وقت گزرتا رہا۔
 یہاں تک کہ بارہ بج گئے لیکن فن خیالوں میں محو رہنے کے باوجود میں لاشوں کی
 طو پر اطراف و جانب کا جائزہ لیتی رہی تھی۔ یہی سب تھا کہ جب میری
 بصارت پر ایک انسان سامنے کا عکس پر تو خیر بے حد واضح عکس تک پہنچا اور
 پھر جیسے خطرے کا الہام ہی تھا۔ میں چونک پڑی۔ تمام خیالات میرے
 دل سے نکل گئے اور میں اس لمحے کی طرف دیکھنے لگی جو بہت اہمیت

سے جاتا میرا میری چھوڑ لڑی کے دو کنگ پڑے۔
 میں یہ اندازہ نہ کر سکی تھی کہ وہ لانا کے چڑاؤ کی
 آسے اپنی چھوڑ لڑی میں داخل ہوتے ہوئے کنگ
 تیزی سے دیکھتی ہوں چھوڑ لڑی تک پہنچ کر
 تو وہ اپنی آنکھوں کی بنا پر ایک بار اعتبار سے آ
 سانپ کی مٹی تھی۔ میں بلا توقف چھوڑ لڑی میں
 کرتے ہوئے اپنی داخل کا رخ اس ہی کی
 ارادے سے میری چھوڑ لڑی میں داخل ہوتی تھی
 ”ماہی کی دھنکی کا اور دل ہوتے ہی
 اور اس کا چہرہ دیکھ کر میں نے ایک لباساں
 وہ سارہ تھی!
 ”ماہی بھائی کیجیے“ اس کی آواز
 ”کیوں؟“ میں نے بے اختیار کہا
 ”میں غلطی مولے کہ آپ کی ہر اہل
 چاہتی تھی کہ کسی کہلری اس طائفات کا مال
 گھنگو کر سکتے ہیں؟
 ”مجھے نہیں معلوم کہ تم سارہ
 میں تمھاری طرف سے غلط محسوس کی؟
 اچانک وارکر دیا تو مجھے پتہ نہیں چل سکا
 ”میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں
 ”میں کیسے یقین کر لوں؟“
 ”آپ جلدی سے میری تلاش میں
 کیا جاسکے؟“ وہ غور سے انداز کر لیا۔
 میں نے صمت خود سے اس کے
 ہوا تھا کہ وہ مجھ سے نہیں بولی رہی ہے۔
 پر اعتبار کر لوں۔ میری واحد کڑوری شاید
 اعتبار کر سکتی ہوں اور کبھی مجھے اپنی اس
 میں نے مایوس بھاری اور بے ہوش
 کہ مجھے بھی تمھاری تلاش سے ملتی ہوں
 وہ اصل بات موت ہی تھی کہ مجھے
 چھوڑ لڑی کی مثال میں کہ اپنے سامنے
 تھی۔ میں تلاشی لینے کے بارے میں سوچ
 ظلم اپنے اوپر اٹھا کر لانا چاہتی تھی۔
 میری بات سن کر وہ دھڑ
 ”کیا جاتی ہو؟“ میں چونک کر ال
 میری آپ میری تلاش میں کیا لانا
 نہیں ہے۔ تب مجھے اپنی جھجھکیوں کی
 سکتی ہوں“

ہاں انہوں نے غلہ کر دیا کہ وہ میرے جذبات و احساسات
 تھی۔ میں نے کھل پھوٹی کر کہیں سے میری جلد چھوٹی پھوٹی تھی۔
 ”وہ چھوڑ لڑی میری تلاش میں کیجیے“
 ”میں نے نہیں نہیں کر سکا اور آگے بڑھ کر اس کے
 ہوش کے کھوسوں پر ہاتھ رکھتی ہوں تو وہ جتنا زور کم
 لپک کر مجھ سے ملنے لگی ہوں؟“
 ”کیا ایک خطرے سے آگاہ کرنے آتی ہوں؟“
 ”آپ لوگوں کی دھنٹ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اس مسئلے
 کے تھیں آپ ان کی بات سن کر نہ مایوس ہو گا۔ وہ لوگ آپ کو
 مایوس نہیں ہیں؟
 ”میں نے پیشہ نہ لایا۔
 ”انت زیادہ تفصیلات میں نہیں جانا چاہتی۔ مجھے ملازمین
 مایوس کیجیے کہیں مایوس نہ ہو کہ میری عدم موجودگی سے
 ہوتے تفصیلی گفتگو کے لیے کوئی مناسب موقع تلاش
 مایوس ہیں؟
 ”ان کی مخالفت کیوں ہوگی جو؟“
 ”ماہی نہیں ہیں؟“
 ”آپ کو تم کبھی مناسب موقع پر سناؤں گی۔ سب آپ
 اس کا منظر بڑھتا جا رہا تھا
 ”میں بھی ہوں کہ تم مجھے غصے سے آگاہ کرنے کی
 بات سے کہتے ہوئی آواز میں کہا اور اس کے
 مایوس ہو گئی۔
 ”آپ مجھے بہت اچھی لگی ہیں؟“
 ”میں آواز میں غرض میں تبدیل ہو گئی۔
 ”ماہی قریب کر لیا اور اپنے ہونٹوں کی جگہ اس کے
 ”ہاں؟“ وہ مجھ سے جدا ہوتی ہوئی بولی وہ کل صبح دھانگی
 ”ماہی؟“ وہ درجن خانہ ایک دوسرے سے ٹک رہی
 ”ماہی تفصیلی گفتگو کرنے کا موقع مل سکے گا؟“
 ”شاید جواب دینے کی بجائے اس کے گال پر
 ہمارے سے نکل گئی۔ میں دیر پھر ہی ملے جلتے
 ”ماہی؟“ وہ نہایت سادہ ایک اپنے ہونٹوں
 ”ادنیٰ پہلے سے زیادہ گرم ہو چکا تھا۔
 ”ماہی؟“ وہ نہایت سادہ ایک اپنے ہونٹوں
 ”ماہی؟“ وہ نہایت سادہ ایک اپنے ہونٹوں
 ”ماہی؟“ وہ نہایت سادہ ایک اپنے ہونٹوں

کاپی منظر سننا ممکن نہیں تھا۔ وہ مجھے لانا کے خندانگ اور اسے
 باخبر کنگھی تھی اور اس نے یہ عجیب و غریب انتخاب کیا تھا کہ وہ اس
 کے ساتھ نہیں تھے۔ وہ ان کے ساتھ گرم گرم سرخ مٹی مگر انھیں اپنا تھی سلم
 نہیں کر رہی تھی۔ آخر اس کا مطلب کیا تھا۔
 چار سے ایک میرا ذہن اطمینان اور میری مژدوں کو ہر پڑی کے
 لیے جگہ کر رہی تھی۔ صبح جب سب لوگ اٹھ گئے اور ناشتہ کرنے بیٹھے تو میں
 نے ان پر یہ سنسنی خیز کشش کیا کہ رات کو سارہ اپنے ساتھیوں سے
 چھپ کر مجھ سے ملنے آتی تھی۔
 ”پیس وقت کی بات ہے؟“ رضیہ میرے مزید بولنے کا انتظار
 نہ کر سکا اور سوال کر بیٹھا۔
 میں نے رات کی ساری باتیں بیان کر ڈالیں مگر اس لطیف ہلو کو
 چھپا کر کئی جن کا تعلق صرف میری اور سارہ کی رات سے تھا۔
 رضیہ رضوان اور موزوں نے اس واقعے کو بھروسہ کا نشان بنالیا لیکن
 میں تب اس کے غور سے دھار لینے تک کہ تھک کر کیجیے نہ سوچ رہی
 تھی کہ آج کسی دیکھی طرح سارہ سے تفصیلی گفتگو کرنے کا موقع وہ صبح بخیر
 ہے اور اسی گفتگو سے یہ اچھا دے ختم ہو سکیں گے۔
 جب ہلکے مژدوں چھوڑ لڑی ان کا آگاہ کر یا کوں پر باز کر رہے
 تھے تو میں نے ایک لاد کو اپنی طرف سے دیکھا اور پوری طرح اس کی طرف
 متوجہ ہو گئی۔ وہ قریب آیا اور دیکھ کر مٹی جھلنے کے بعد لولا جب
 ہماری منزل ایک ہے تو کوں نے ساتھ ساتھ چلے گئے۔
 ”ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟“ میں نے مسکرا کر کہا۔
 میں دل میں بھی خوش تھی کہ گھنٹے ملنے کا موقع خود دشمن ہی نے
 فراہم کر دیا تھا۔
 جب دونوں تھکے روانہ ہوئے تو ایک خانہ بن گئے۔ جب
 اس طرح دھانچے عمل میں آئی تو ایک دوسرے سے گفتگو کرنے کا موقع
 مل گیا۔ رضیہ اور موزوں دونوں لانا کے بے حد متوجہ پگھل گئے۔
 انھیں ایسا کرنے کی ہدایت میں نے ہی دہائی تھی کہ سارہ سے گفتگو
 کرنے کا موقع مل سکے میں اپنے چرخ رنڈا کر تدریج میں کنگھی میں تاک
 ان سے پہلے وہ جاؤں میری اس حرکت کو سارہ نے بھی تائید اور
 وہ بھی اپنے چرخ رنڈا کر کنگھی دی۔ آخر موزوں دوسرے لوگوں سے
 اتنے پہلے ہو گئے کہ اب ان کی آوازیں ہمارے کانون تک نہیں پہنچ
 سکتی تھیں۔
 ”آپ مجھ سے باتیں کرنے کے لیے بہت بے نیام ہیں؟“ وہ مسکرا
 کر لہا۔
 ”ہاں رات کو تم مجھے ایک شدید محسوس ہوتا کنگھی تھیں؟“ میں نے
 کہا وہ تمھاری آواز سے میں اب تک کوئی تجربہ نہیں کر سکی ہوں؟
 ”لیکن آپ کے چہرے سے مجھے یہ اندازہ ہوا ہے کہ آپ نے کچھ
 پر اعتبار کر لیا ہے؟“

کی عادی ہوں۔ سب تکملہ کے میری ماری آج نہیں کر رہی کہ وہ سب نے
 یہ کہیں کا تھا کہ یہ لڑا تھا۔ ساقی نہیں ہیں۔
 "میں نے اس لیے کہا تھا کہ یہ واقعی میرے ساقی نہیں ہیں۔"
 "اس عجیب و غریب بات کی وضاحت ضروری ہے۔"
 "یہ وہ دونوں لارنس ہیں جو مجھے لینے کے لیے پکڑی کی درگاہ
 سے چنگ لڑھپنے تھے۔"
 "چھر؟" میں حیرت سے بولی۔
 "وہ پہلے تو اب اس کو دنیا میں نہیں سامارہ تھے مگر وہی سامارے
 کہ کماؤ پر دوسرا رات کو مجھے پڑاؤ پر ہرگز نہیں ملے گا۔ اور وہ دونوں
 ان ہرگز نہیں کے ہاتھوں ہونگے تھے۔ وہ ہائے پڑاؤ کو گھٹ کر چلے
 بنے لیکن میں نے ایک مگر ٹیپ کر ان سے جان پکائی تھی۔ جب وہ
 پیسے لئے تو میں نے خود کو اس سرور پر لینے میں تنہا پایا۔ بے کسی کے
 شہرہ احساس سے میں رو پڑی میری کچھ نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں۔
 اس وقت ان دونوں لاماؤں کو میں نے اپنی طرف آتے دیکھا تو مجھے
 یوں محسوس ہو جیسے خدائے میری مدد کے لیے فرشتوں کو بھیج رہا ہو۔
 لیکن جب وہ بالکل قریب آ گئے تو میں نے ان کے کچھ میں جیسے مجھے
 شیطانوں کو پہچان لیا۔
 "کیسے پہچان لیا؟" میں تعجب سے بولی۔
 "میں اب آپ کو نہیں بتاؤں گی۔ پہلے اس بات کی وضاحت کر
 دوں گی کہ وہ دونوں لارنس میرے ساقی نہیں ہیں۔ اس لئے کہ یہ تو میں
 بتا رہی تھی کہ وہ دونوں بیکر قریب آئے۔ انھوں نے مجھ سے ہمدردانہ
 باتیں کیں اور مجھ سے پوچھنے لگے کہ کچھ پر کیا پتا پڑی ہے۔ میں نے ان
 پر غصہ کرنا مناسب نہیں سمجھا کہ میں ان کی شیطانت سے آگاہ ہو چکی
 ہوں۔ میں نے بے کم و کاست اپنی دواؤں وغیرہ اپنی سب کچھ میں
 لینے کے بعد انھوں نے مجھ سے اور زیادہ ہمدردانہ باتیں کیں اور کہا کہ اتفاق
 سے وہ لارنس ہی جا رہے ہیں۔ اس لیے مجھے میرے عزیزوں تک
 پہنچا دیں گے۔ میں نے غصہ کر کے کہا کہ مجھے ان کے خلوس پتھن آگیا ہے
 حالت ایسے تھے کہ میں ان سے گشتنگ کا اظہار نہیں کر سکتی تھی۔ میں
 نے سوچا تھا کہ ان سے نجات حاصل کرنے کے لیے مجھے کسی مناسب
 موقع کا انتظار کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ میں یہ بھی جاننا چاہتی تھی کہ
 وہ لوگ مجھے آکارنا کر جس صورت کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ وہ
 عورت کتنے ہے۔"
 "تم بڑی عجیب و غریب باتیں کہہ رہی ہو۔" میں نے لہجہ کر کہا۔
 "آخر تمہیں ان کے دل کی باتیں کیسے معلوم ہو گئیں؟"
 "میں آپ کے دل کی ہر بات سمجھتا ہوں۔ یہ وہ ممکن۔"
 "یہ کیسے ممکن ہے؟" میں حیرت سے بولی۔

"میری حد تک تو یہ ممکن ہے۔" وہ بولی۔
 "میں نے ان کو جو ایک عام انسان آج نہیں دیکھا، ان
 طاقت ور آدمیوں سے بھی ان چیزوں کو جاننے
 میں اپنے لہجہ کی عیروں کی طرح وضاحت
 مجھے بتاتے، کیا آپ انسان کا پر تو دیکھ سکتی
 "نہیں۔" میرے منہ سے بے اختیار
 آپ کو بے وقوف محسوس کر رہی تھی۔
 سارا مسکرائی اور بولی تھیں وہ بھی،
 کا باطن میں کس طرح دیکھ سکتی ہوں۔
 چیز دیکھ سکتی ہیں۔
 "عزیز کیسے؟" میں ابھی ہوئی نظروں
 دیکھتی رہی۔
 اب سارا کچھ سنجیدہ نظر آنے لگی۔ اس
 سے کہنا شروع کیا کہ تمہیں والدہ اللہ رحمت
 تھے۔ انھوں نے مجھے عیسائی مذہب سے
 نہیں کی لیکن میری اس کے مرنے کے بعد
 ان کا گواہ وہ بذات خود مجھے تسلیم نہیں
 انھوں نے مجھے بھڑمت سے پوری طرف
 ایک مجھے دھماکی دے دیتے ہیں۔ وہ
 اس کی عقل کو میں نے ان میں بہت زیادہ
 بعد میں والدہ اللہ بڑی سرخوشی کے عالم
 ان سے جو کچھ حاصل کیا ہے، اسے حاصل
 سال تک لگے تھے۔ انھوں نے مجھ
 میری روحانی آنکھ کھلی جا سکتی تھی اور اس
 تھا کہ میں اپنی اس طاقت کے نشے میں
 پہنچانے لگی تھی۔
 سارا کی زبان پر "روحانی آنکھ" کا
 یاد آگئی جو میں نے چند سال پہلے اس لفظ
 نے اپنے والد کے ساتھ ایک طویل عمر
 اس روایت کے مطابق بابت کی سب سے
 کے بڑے لارنس نے کچھ ایسی چیزیں بتائیں، وہ
 تیار کردہ معلول انسان کی روحانی آنکھیں
 عمل صورت یہ بتائی جان تھی کہ کلاؤں کی
 معلول میں دو دن تک جھگڑنے کے بعد
 سے دماغ کے اگلے حصے کے ذریعہ
 انسان وہ سب کچھ دیکھنے پر قادر ہو جاتا
 نہیں دیکھ سکتی لیکن یہ عمل کسی ایسے ہی

لیکچر میں ہوا ہے اور یہ انداز میں نہ سب سے
 سے کوئی نقصان پہنچانے کا۔
 نے یہ روایت سنی تھی تو اسے کبھی قسم کی روایات
 ہا تھا جو اکثر مذہب میں شہرت پامانی بن کر مان
 ہوئی اور لوگ محض عقیدے کے جوش میں اس
 ہیں لیکن آج میرے سامنے کھڑی ہوئی ایک لڑکی یہ
 کہ وہ اس حیرت انگیز عمل سے گزرتی ہے اور سب
 ہے۔
 سارا نے اسے کہا کہ آپ کو اس وقت جو روایت
 والدہ اللہ حقیقت پر مبنی ہے۔
 لارنس تھی۔ سارا نے میرے دل کی بات تیار ثابت
 اپنی انسان کا باطن دیکھ سکتی ہے۔
 والدہ اللہ خود بہت بڑے عالم تھے۔ سارا بولی۔
 کہ میں سے گزرا نہیں تھا کہ انھوں نے بھی
 امانت کر لی تھی جو انسانی دماغ کے ایک
 کھلے سکتی ہیں۔ انھوں نے اس معلول کا تجربہ
 کیا اور کہا کہ ان کا خیال سے اتنے خوش ہوئے کہ
 اسی انسان کو اتنا خوش نہیں دیکھا۔ آپ میرے
 سامنے نشان دیکھ رہی ہیں؟ یہ اسی چوٹی کی
 والدہ نے اپنے ہاتھ سے ٹھوکر ماری تھی۔
 لڑکی نے اس کی پیشانی کی طرف دیکھا اور سر ہلا
 کی پیشانی پر موجود وہ سیاہ نشان ایک پراسرار
 کر رہا تھا۔
 وہ تو یہ وجہ ہے کہ میں ان جمل لاماؤں کی
 قوت ہو گئی۔ میں یہ بھی جان چکی ہوں کہ وہ ایک
 لارنس کا بھائی ہوئے ہیں۔ بہت میں اس طاقت
 افسوس کیا ہے۔ یہ وہ دونوں بھی نہیں جانتے
 میں ہاں میں۔ مجھے صرف وہ سب کچھ معلوم ہو گیا
 امان میں موجود تھا۔ میں یہ بھی جان چکی ہوں کہ
 کچھ قلیل کے لوگوں کو اپنا ساقی بنالیا ہے۔ انہی
 والدہ قلیل کے رہزموں نے میرے پڑاؤ پر حملہ
 اس باطن لاماؤں کو ہلاک کر دیا تھا اور مجھے
 ہو چکا تھا۔ یہ تو میری خوش قسمتی تھی کہ میں
 لارنس رہ گئی ہوں۔ وہ لوگ تو چاہتے ہی تھے
 اور وہ اپنے آپ کو لارنس بناتے۔
 میں نے پوچھا
 میری موجودگی کی ان کے لیے کافی ہے۔

"وہ آپ کی فطرت سے بخوبی واقف ہیں۔" سارا نے میری غیبت
 مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "ان کا خیال تھا کہ میری وجہ سے آپ ان
 سے کھٹنے ملے گی۔ کوشش کریں گی اور انہیں آپ کو ہلاک کرنے کا
 موقع مل جائے گا۔ وہ لوگ آپ سے کچھ خوف بھی ہیں۔"
 خیال ہے کہ آپ کو دھوکے سے قویا کرنا چاہتا ہے کیڑا ہی نہیں ہے۔
 حملہ کر کے نہیں مارا جاسکتا۔ غالباً کچھ دنوں انھوں نے اس لڑکی
 کے دھوکے سے آپ پر حملہ بھی کر دیا تھا اور ان کا کام ہو گیا
 "ہاں۔" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "میں نے کچھ ہے۔"
 آدمیوں کو ہلاک کر ڈالا تھا اور وہ جاگ نکلتے تھے۔
 والوں میں پانچ تو اور تھے۔ لیکن حملہ کوئی پیشی تھا کہ بعد
 "ٹھیک ہے۔" سارا نے سر ہلا کر کہا۔ "یہ بتی ان چیزوں
 ہی کے آئے کار ہیں مگر خدا ان کا یہ خیال ہے کہ چینی بھی کسی اور
 کا آئے کار ہیں۔"
 "کیا یہ دونوں کسی چن کر نام کے چینی کو جانتے ہیں؟"
 "ابھی تک نہیں۔ انے ان لوگوں کے باطن میں یہ نام نہیں
 پڑھا۔" سارا نے جواب دیا اور بھولی۔ "یہ چن کر نام ہے؟"
 "جو چینی شخص ہمارے ہاتھوں ہلاک پڑا تھا اس کی..."
 "بس اب بڑے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔" سارا نے میری
 بات کاٹ دی۔
 "کیوں؟" میں تعجب سے بولی۔
 "جب آپ نے اس کی ہلاکت کا ذکر شروع کیا تو اس سے
 متعلق سارے واقعات آج کے ذہن میں ابھر آئے اور وہ بھار
 میری باطن آنکھوں نے چھ لیا ہے؟" سارا نے مسکراتے ہوئے کہا۔
 میں اس وقت یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکتی کہ مذہب دنیا
 کے لیے تو یہ لڑکی ایک عجوبہ ہی ثابت ہوگی۔
 "ہاں یہ تو ہے۔" سارا ہنس کر بولی۔ "لیکن میں دیکھتا ہوں
 گی کہ یہ کیوں کہ مجھ میں یہ وقعت ہے۔ آپ پر تو نہ جلتے کیوں اعتماد
 کرنے کو ہی چاہتا تھا اس لیے تا بھیجیں۔"
 "تم بہت خطرناک ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اب تو مجھے
 باسے میں کچھ سوچنے دے۔" سارا نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔
 "آپ سمجھ رہے ہیں کبھی کوئی غلط بات سوچ رہی ہیں؟"
 "میں نے سمجھا کہ ایک بات تو ضرور سوچوں گی۔"
 "تو وہ کوئی غلط بات کب ہے؟" سارا نے آہنی بے باکی
 سے کہا کہ میں اس کا منہ نہ کھولتی تھی۔
 سارا منہ پھیر کر مسکرا دی۔
 میں دیکھ رہی تھی کہ رمضان تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد لپٹ
 کر ہماری طرف ضرور دیکھتا تھا۔ میں اچانک اس کے باسے میں سارے

”آپ کا سوال وضاحت طلب ہے“
 ”کیا تمہاری زبانی آنکھ نے اس کا باطن نہیں دیکھا؟“
 ”میں آپ کیوں کہتے ہوں کہ اس کا باطن نہیں دیکھا؟“
 ”تو صاف ہے۔ اُسے آپ نے محبت میں دیکھا ہے لیکن وہ اُن کی تم
 نہیں ہے جسے ہم... جسے ہم...“ سارا اس طرح چُپ
 سے جگمگاتے ہوئے مناسب لفظ نہ مل رہا ہو۔
 ”میں سمجھتی ہوں کہ کیا چاہتی ہو؟ میں نے کہا: وہ واقعی مجھے
 ”وہ محبت نہیں کرتا۔ وہ محبت تو اسے دینی ہے؟“
 ”کہاں؟“ وہ رضیہ کو بہت ٹوٹ کر چاہتا ہے لیکن اپنے
 اس کے ساتھ جی نہیں دے رہا۔ وہ محبت تو شروع کر رہی ہے۔
 سارا لہجہ زبان میں بات کرتے کرتے ایک انگریزی لفظ بھی
 ”تو تم اس کی محبت سے بھی واقف ہو چکی ہو؟“ میں مسکرائی۔
 ”میں نے کہا کہ میں آپ کو گول کے باطن کو پوری طرح
 معلوم نہیں ہوں۔“

”رضوان کے پاس میں کچھ اور بتاؤ؟“
 ”یہ شخص صرف ایک معاملے میں دوسروں کو دھوکا دیتا
 رہتا ہے۔“
 ”کس معاملے میں؟“ میں نے چونک کر پوچھا۔
 ”اپنی اصل شخصیت کو چھپاتا ہے۔“
 ”دراکھل بات کرنا؟“

”یہ بہت مضبوط اعصاب اور قوی دل و دماغ کا آدمی ہے
 لیکن ظاہر کرتا ہے کہ خطرناک معاملات سے نمٹنا اس کے بس کی
 بات نہیں ہے۔ اس وقت بھی اس کے چہرے پر ایسے تاثرات
 ہیں جیسے وہ اس سفر سے پریشان اور گھبراہٹا ہے لیکن حقیقتاً
 ایسی کوئی بات نہیں۔ وہ اس خطرناک سفر کی غایت سمجھنے کے
 لیے بے قرار ہے اور تمام حالات کا بڑے انماک سے جائزہ
 لے رہا ہے۔ کسی بھی معاملے میں عدم اطمینان کا شکار نہیں ہے۔
 آپ دونوں کے لیے وہ بہت چمکتا ہے۔ یہ اس کا مطلب ہے کہ وہ
 آپ دونوں کو آپ کے دشمنوں سے نقصان پہنچنے سے روکنے میں
 دیکھ سکتا۔ اگر کبھی کوئی ایسا امکان نظر نہ لگتا تو وہ آپ دونوں
 کو کچلنے کے لیے اپنی جان پر کھیل جاتے گا۔“

رضوان کے بارے میں یہ سب کچھ جان کر مجھے اس پر
 بے تحاشا پیار لگنے لگا۔ اس کی شخصیت کے بارے میں مجھے کچھ
 اندازہ تو تھا لیکن سارے ان اندازوں کی مدد صرف توہین کر رہی
 تھی بلکہ رضوان کو میرے سامنے اسل غریب کر دیا تھا۔
 ”میرا خیال ہے کہ اب ہمیں زیادہ دیر تک باقی لوگوں سے

جسلی لاواؤں کو گھبراہٹ ہو جائے۔“
 ”تم نے ان لاواؤں کے سامنے رضیہ کو
 لٹائی تھی یعنی یہ چھپا گئی تھی کہ تمہارے اصل
 ہاتھوں ہلاک ہو چکے ہیں۔ آخر تم نے ایسا کرنے
 نے پوچھا۔
 ”لاواؤں ہی نے مجھے تاکید کی تھی کہ اس
 ”انھوں نے اس کا سبب کیا بتایا تھا
 ”بس اتنا کہا تھا کہ اجنبیوں پر بھروسہ نہ
 وہ کس قسم کے لوگ ہوں؟“
 ”یہ کوئی اتنی مضبوط بات نہیں تھی کہ
 واقعہ جیسے ہوتے دیکھیں! انھیں
 تم ان کا رد انشا کر سکتی ہو؟“
 ”دراصل انھوں نے یہ منصوبہ بہت
 انھیں اتنی مہلت نہیں ملی تھی کہ وہ تمام ہوا
 سکتے۔“

”لیکن اب تو انھیں فحش ہونا چاہیے
 ”اس لیے تو کہہ رہی ہوں کہ ہمیں اس
 نہیں رہنا چاہیے۔ انھیں کوئی شہ نہ ہو تو
 ”ٹھیک ہے، تم اپنا حق آگے بڑھا
 سارے اپنے حق پر کھینچ رہی ہو۔
 لے گئی۔ اس کے بعد میں نے بھی اپنے حق
 بڑھایا۔ اُدھر سے رضوان نے اپنی رفتار کم
 برابر رہا۔ چلتے تھے۔

”ہو چکے راز و نیاز؟“ رضوان نے
 ”ہوں؟“ میں مسکرائی۔
 ”میرا خیال ہے کہ یہ جڑ یا آسانی سے
 کے لیے کاٹ لیا اندازاً قائم رہا۔“
 ”وہ تمہاری بہت تعریف کر رہی تھی
 ”مجھے جیسے ہے بائبل پسند نہیں آ
 ”میرا چہرہ تو تمہیں پسند ہے؟“
 ”غیبت ہے؟“ رضوان نے مزید
 ”بعض مردوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ
 ”کہا۔“ پیلے تو عورت کے پیچھے دم ہلاتے
 عورت پیچ جاتی ہے تو خیر دیکھنے لگے۔
 ”میں بہ حال ان لوگوں میں سے نہیں،
 ”یعنی ہمیشہ ہی دم ہلاتے رہتے ہوں
 ”آپ بات گول مت کیجیے! یہ ماہ

”تھے؟“
 رضوان نے جھنجھلا کر کہا۔
 ”میرے سے ہے اور تمہاری خیریت فساد و کفر
 ہے۔ دیر حوالہ وہ تمہیں کسی وقت تنہائی میں
 گی طرف سے اجازت ہے؟“ رضوان چمکا۔
 ”کی؟“
 ”تنہائی میں...؟“ رضوان نے باتیں

”دیکھ کر حرج نہیں؟“ میں نے مسکرا کر کہا۔
 ”میں تم دونوں ہی کو قتل کر دوں گی۔ تمہارے
 اُف غلط ہو چکے ہیں۔“
 ”لہذا ہمت ہے؟“ رضوان اپنا سر پیٹ کر بولا۔
 ”لو کہ وہ کھلتے رہو گے تو پھر زبردستی ہی کرنا
 اور مجھے گھور مارا اور پھر عیبے انداز میں مسکرا
 ”کہا۔“ میں نے جلدی سے کہا۔
 ”میں نے بہت مایوس ہو کر کہا۔“
 ”آپ نے مجھے پریشان کرنے کے لیے بڑا در

”آگے سے رضیہ نے نکالا اور جب میں اس
 ”کہہ بولی ہر فردی کے آثار نظر آتے ہیں؟“
 ”ہاں؟“ میں نے آسان کا حاتہ لیتے ہوئے
 ”اُمحہ اس کے قریب پہنچ گئی ہو تو جس اس
 ”اُل لاد سے آگے آگے جا رہے تھے۔

”لہذا وہ نہیں رہا ہے؟“ موبو بولی۔ ”اگر میری فریاد
 ”اُمحہ جائیں تو چاہتا ہے؟“
 ”ہاں میں ایک نصیحت ہے کہ یوں کی رفتار
 ”ملاؤں کیا کیا جا سکتا؟“
 ”اُمحہ ہے کہ ہمیں چلتے رہنا چاہیے؟“ رضیہ نے بتایا۔
 ”میں ہے۔ اگر گاؤں تک پہنچ گئے تو کسی مکان
 ”اُمحہ جانے گا؟“ میں نے کہا اور پھر پوری فہم دونوں
 ”اُمحہ اب نہیں؟“
 ”اُمحہ گھٹو گھٹو کا جنون تو ہوتا ہی ہے نہیں
 ”اُمحہ کی تھی۔ آخر میں وہ کہنے لگے کہ رات کا کھانا

”اُمحہ؟“ میں نے ایک طویل سانس لے کر آخراً کہی کہ پتہ
 کی تصدیق ہوئی تھی... پھر تم لوگوں نے کیا جواب دیا؟“
 ”میں یہ کہہ کر ٹال گئی کہ اس تعلیق کی ضرورت نہیں! ماسہ
 ”پہنچ کر دیکھا جاتے گا۔ پھر ان لوگوں نے زیادہ اصرار بھی نہیں کیا۔“
 ”اُمحہ تو اس لیے نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے دل میں تھے؟“
 ”خوب؟“ رضوان خشک لہجے میں بولا۔ ”تو آپ کو اس نرکی
 کی باتوں پر پوری طرح یقین بھی آچکا ہے؟“
 ”رات تک تو پوری طرح نہیں آیا تھا لیکن اب آچکا ہے۔“
 ”کیوں؟“ اب کیا بات ہو گئی؟“
 ”ابھی میں اس سے تفصیل گفتگو کر چکی ہوں اور اس کے بعد
 اس بات کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ میں اس پر اعتبار نہ کروں؟“
 ”کیا اس سے کوئی خاص شکوک ہو رہا ہے؟“ رضیہ نے بڑے
 اشتیاق سے پوچھا۔
 ”ہاں؟“ میں نے کہا اور پھر مسکرا کر موبو کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔
 ”میں نے موبو تو اس کا کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ اس کا پلاٹ مجھے لگی۔“
 ”اب کیا کہا ہے؟“ رضیہ کا اشتیاق بڑھا۔
 ”ابھی نہیں! ان باتوں پر گفتگو کرنے کے لیے اطمینان سے
 کہیں بیٹھنا ضروری ہے۔ میں نے کہا کہ گاؤں کے آثار تو نظر نہ
 گئے ہیں؟“ چہر میں سر اٹھا کر آسان کا جائزہ لینے لگی۔

”کچھ دیر بعد جب فضا میں برف کے سفید ذرات نمودار ہوئے۔
 تو ہم گاؤں میں پہنچ گئے۔ وہاں کے لوگوں نے ہمیں فوراً انھوں
 لیا۔ ان کی وضع قطع سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ کسی قوم کے لوگوں کا
 سکاوں تھا۔ یہ لوگ بڑے مختصر قد کے ہوتے ہیں اور سر پہ جوتی پہنتے
 ہیں جس میں ایک موٹی سی گرہ لگائی جاتی ہے۔ اس کے خول میں
 ایک خنجر ہر مرد کی عمر سے لٹکا رہتا ہے اور یہ مرنے والوں کی ہاتھ
 ہیں۔ اور یہی ہم پر ہند رہتا ہے، البتہ عورتیں ایک مختصر سائیند بند
 باندھتی ہیں لیکن میں آٹا کہتے کی برف پوش داؤلوں میں کوئی
 اس طرح بھی رہ سکتا ہے۔

”جب تک کہ دوسرے قبائل کی طرح یہ لوگ بھی نہایت
 مہمان نواز ثابت نہ کئے اور گاؤں کے کھانے ہماری شب بھری
 کے لیے اس مکان میں بندوبست کر دیا جو صرف سماؤں ہی کے لیے
 خالی رہتا تھا۔
 ”جب تک کہ عام مکافوں کی طرح وہ مکان بھی چوکور ہی تھا
 جس کے پچھلے حصے میں کھانے کا خانہ نہایت ہی راسخ تھی اور
 اور یہ منزل پر ہم کو کھانا لایا گیا تھا۔ وہ منزل چار گھنٹوں پر مسٹ
 تھی اور ہر گز میں چار چار آتش دان تھے کھانے کے دو طرزوں
 نے وہ آتش دان دھکا دیے اور دھاسی دیر میں کمرے اتنے گرم ہو گئے

” یہاں بیت الخلا نظر نہیں آ رہا ہے۔“ رضوان تعجب ہوا۔
 ”تبت کے کلاڑیوں بیت الخلا نہیں ہوتے ہیں نے ہنس کر کہا۔
 ”میاں کے دوگ کھیتیں پھاڑوں اور جھاڑوں کا رخ کرتے ہیں۔“
 ”صبر“ وانا تبت۔ اب کوئی اس برفباری میں کیا کرے؟
 رضوان نڈنا کر رہ گیا۔ اس کے سوا کچھ بھی کیا سکتا تھا!
 رضیہ شروع لے لی بولی ”کیا بہت زیادہ بے قراری ہے؟“
 ”نہیں۔“ رضوان نے خشک لہجے میں کہا ”لیکن میں بھی کوچ
 رہا تھا کہ جب بے قراری ہوگی تو کیا ہو گا؟“
 اچھے میں گھسیا کا ملازم اندھا آیا اور پچھنے لگا کہ ہم کوگ
 کتنی دیر میں کھانا کھانے لڑکی گئے۔ میں نے اس سے کہہ دیا کہ ہم
 ہیں، تلفظ بھی اٹھا کر کیا اس لیے بیکار تھا کہ میں تبتیوں کی جبری
 کی مہمان نوازی سے واقف تھیں۔
 کچھ دیر بعد ہم کوگ کھانا کھانے بیٹھے۔ رضوان یہ دیکھ کر
 حیران ہوتے بغیر نہ سما کہ وہ کھانا چاندی کے برتنوں میں آیا
 تھا۔ میں نے اس کی حیرت دور کرنے کے لیے کہا ”گاؤں کے
 کھانیاں عموماً امیر آدمی ہوتے ہیں اور اپنے معافوں کو ہمیشہ چاندی
 کے برتنوں میں کھانا کھلاتے ہیں۔“
 ”میں تو سمجھتا تھا کہ یہاں عزت ہی عزت ہوگی!“
 ”نامناسب تو عزت ہی کا زیادہ ہے۔“
 ”یہ ہے کیا؟“ رضوان نے کھانے کے برتنوں کی طرف اشارہ
 کرتے ہوئے پوچھا۔
 ”پچھلی، آؤ اور دیکھا۔“ میں نے بتایا۔ ”یہ باں کا خاص کھانا ہے۔
 عام طور پر تو لوگ سمبھا اور سوکھا گوشت کھاتے ہیں۔“
 ”سب کیا؟“
 ”میاں کے لوگ جو کسے آٹے کو سمبا کہتے ہیں۔“
 رضوان نے اس روت پہلی مرتبہ تبت کے مخصوص کھانے
 کھاتے ہوئے بائیں پس نہیں اتے لیکن پیٹ کا جہنم تو پر نہ رہا
 تھا۔
 ”ہاں تو آئیے وہ پرامر نار دل نہیں سنایا، مومو مسکرا کر بولی۔
 ”کون سا ناول؟“
 ”جو آپ سارہ سے کچھ ہیں۔“
 ”اوہ!“ میں مسکرائی اور جھرو بھی آوازیں بولی ”میاں وہ غنچو
 مناسب نہیں ہوگی کیونکہ وہ ہنس بھی جاسکتی ہے۔“
 اس کمرے میں پھاڑوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا لیکن اگر کوئی
 دروازے کے قریب کھڑا ہوتا تو اسے ہماری آوازیں سنائی دے
 جاتیں۔ اس حد سے کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ لامہ چھپ

کرہاں بائیں سے تو کس
 ”کیوں نہ ہم مندی میں بائیں
 مندی ہی میں کہا۔
 ”لیکن مومو اور رضیہ نے کچھ نہیں
 ”اُنھیں آپ بعد میں کھانی۔“
 ناول کئی ہی دن۔“
 ”مسٹر رضوان؟“ اچانک مومو
 کس ننان میں بائیں شروع کر دی؟
 کروں تو احتجاج نہ کیجئے گا۔“
 ”دیکھا۔“ میں ہنس کر اعتراف
 یہ مناسب نہیں ہو گا۔ یہ دونوں
 لوگوں کو اس وقت سناؤں گی جب ہم
 ”آج تو رانگی کا سامان لنگر
 ”ہاں آج کی رات تو میں گھرا
 میرا خیال درست ثابت ہوا
 تھی۔ اب اگر ہم سفر کی تیاری شروع کر
 ہو جاتی۔
 رات کو بھی میں گھسیا ہی کی ملا۔
 بعد ہم کوگ سونے کے لیے بیٹ گئے۔
 مملے سے ایک ایک ہم تینوں عورتیں
 رضوان تھا۔ اسی طرح باقی دونوں کو
 کے حصے میں آیا تھا اور دوسرا سا کو باقا
 کرے تھے گرم تھے غفلت،
 نیند آتی تھی۔ کمرے کے اپنے اپنے
 گھومے بچ کوئی لیکن نیند آنے
 باسے میں سوچتی رہی۔
 صبح طبیعت بہت ہشاش
 تیاہاں شروع تھیں۔ ہمارے مزدوروں
 اور اپنے گھوڑوں کو کوش گئے گاؤں
 اور ہم نے اپنا سفر شروع کیا۔
 اب حق نظر کیم سفید سفید رہا
 تھا۔ رضوان نے مسرور کیا اسی ٹوپی پہن لی
 لیتی ہے اور صحت اُنھیں کھل رہا ہائی
 ”تم نے تو ہم عورتوں کو بھی مات کر،
 سے بولی۔
 ”عورتوں کو تو خود نمائی کا شوق ہے،
 کہا۔ امریکہ اور یورپ کی عورتیں بھی مسرور

اپنی خوبصورت پنڈلیاں دکھائی پھرتی
 اہم دیا ہے تم نے۔“ میں ہنس کر بولی۔
 ”لیکن تم جلدی بات خاصی دہلی ہے۔“
 ”آؤ جو کچھ کہیے۔“ رضوان نے سر ہلا
 است نہیں کرتا۔“
 ”مجھے یہ سب کیا؟ آپ کے وہ پرامر نار دل
 مذاق بھی اڑا رہی ہو اور منہ کے لیے
 عاشق کسے نہیں ہوتا۔“
 ”جب میں نے یہ کہا تو مومو کے علاوہ
 لون متوجہ ہو گئے۔ ”مہر جاؤ!“ میں چہرے
 ”اگر کھانا دیکھنے کی جو اپنے بچہ کی وقتاً
 بہت قریب ہو گیا تھا۔ غلغلہ کیا ہے
 ہمارے چلنے گئے۔
 ”ہم تینوں لے میں بولا۔“ میں اور میرا ساتھی
 ”تھے کہ آپ تینوں بڑی باہمت ہیں۔
 نہیں معلوم ہو رہا ہے کہ آپ یہاں کی سڑکی

کماں جاتے گی۔“
 وہ کوئی جواب دینے کے لیے منہ کھول چکا تھا کہ عقب
 سے کچھ مزدوروں کی چیخ بکھار سنائی دی۔ ہم نے ایک دم پلٹ
 کر دیکھا اور جھرجھادی سے اپنے پتھر روک دیے۔
 ہمارا ایک ایک ایک بون سے پتھر گھر میں پھینک گیا تھا
 اور دھنستا ہی چلا جا رہا تھا۔ اس کے منہ سے غلغلہ اٹھ رہی تھیں
 لیکن وہ لاکھ بھن کر کے بھی اس نصیبت سے نجات حاصل نہیں
 کر سکتا تھا۔ مزدور اسے کھانے کی سرزد کو کوشش کر رہے تھے مگر
 انھیں بھی کامیابی ہوئی نظر نہیں آ رہی تھی۔ ہماری ہر کمرہ جسم کے
 کے باعث وہ ایک بڑی تیزی سے دھنستا چلا جا رہا تھا۔ ہلکے
 ساتھ جو ایک تھے، وہ ان سے زیادہ ہماری ہر کمرہ تھا۔
 ”اے اس پر ہماری چھو لدا یاں ہیں۔“ اچانک رضیہ چیخی۔
 ”اور اب اُنھیں دفن ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔“ میں
 ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔
 ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے وہ باگ گر گئے ہیں غائب ہو گیا
 اور ادھر ادھر سے بون کے ذرات کا ڈھیر اس کی طرف گرا کہ
 اس کی تہ بیکر گئی۔ اس کے ساتھ ہی ہماری چھو لدا یاں بھی دفن
 ہو گئی تھیں۔
 مومو مزدوروں پر برس پڑی کیونکہ یہ حادثہ محض اُن کی غفلت
 سے ہوا تھا۔ انہیں چاہیے تھا کہ وہ یا کوں پر کڑی نظر رکھتے مگر وہ
 آپس میں گپ شپ کرنے لگے تھے۔
 میں نے اس موقع پر لامہ کی آنکھوں میں چمک دیکھی اور
 سمجھ گئی کہ وہ چھو لدا یوں کے ضیاع سے خوش ہو رہا تھا۔
 ”ہم اب کہاں سر ٹھپا پائیں گے؟ رضیہ ہاتھ ملتی ہوئی بولی۔
 ”آپ اپنی پریشان کیوں ہیں خاتون!“ لامہ بول بڑا آخر
 ہمارے پاس بھی تو چھو لدا یاں ہیں۔ مزدور تو ہیں کہ ایک چھو لدا ری
 میں ایک ہی آدمی ہوتے۔ ہم سب مل کر مل کر گواہ لگائیں گے۔
 اتنے میں لامہ کا ساتھی اور سارہ بھی ہمارے قریب آ گئے۔
 اُنھوں نے ایک کو گڑھے میں دفن ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔
 قافلے کے باقی سب جانور اور مزدور بھی رک گئے تھے۔
 پہلے لامہ نے دوسرے لامہ سے کہا ”اُس ایک کے ساتھ
 ان لوگوں کی چھو لدا یاں بھی دفن ہو گئیں لیکن میں انھیں
 سمجھا رہی ہوں کہ اس میں زیادہ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ آخر
 ہمارے ساتھ بھی تو چھو لدا یاں ہیں۔ ایک چھو لدا ری میں دفن ہو گئی
 سوکتے ہیں۔ ہلکے پاس چار چھو لدا یاں ہیں نا؟“
 ”ہاں۔“ دوسرے لامہ نے سر ہلا کر کہا۔
 اور اس حادثے کے باعث یہ بات طے ہو گئی۔ اب میں

کھجے کی کرنا ہے۔ اب راست اقدام کا وقت آگیا تھا۔
 چاروں میں سے تین الاڑیے تھے جن کے قریب مزدوروں نے ڈیرا
 ال رکھا تھا۔ جو تھے لاف کے قریب ہم سب راست افراد تھے۔ کھانا غور
 ان لاماروں نے نکالا اور ہمارے سامنے رکھا۔ میں نے دیکھ کر کہا کہ انہوں
 نے کھانے میں کچھ سیلا تھا یا نہیں لیکن جب میں نے سادہ پر نظر ڈالی تو
 اس نے اپنے سر کو بہت خجیف کی پیش دی۔ گویا لاماروں نے وہ کام
 ٹری صفائی سے کیا تھا اور انہیں الہا کرنا بھی چاہیے تھا۔
 کھانا شروع کرنے سے پہلے میں اپنا تک لولی "مخمر لامر..."
 کے ساتھ دھارے دس کی ایک دھارے کے ساتھ دھارے کو اسرار رکھنا
 کے وقت پیشیں بدل لیتے ہیں۔ اس کے بعد کہ آپ ہماری
 حرکت کو نا پسندیدہ نظر دے نہیں دیکھیں گے۔
 لاماروں کا جواب ملنے سے پہلے میں نے پیشوں کی تبدیلی کا عمل
 شروع کر دیا تھا اور لاماروں کے چروں کی رنگت بدل گئی تھی۔ زہر دار
 کو دوسرے میں خیر انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور وہ انہیں اتنا
 مستعد نظر نہ لگا جیسے ایک جھپٹے میں ان لاماروں پر ٹوٹ پڑے گا۔
 پیشیں تبدیل کر کے میں نے بڑے اطمینان سے ایک تقریر اور
 پھر لاماروں کی طرف دیکھ کر لولی "آپ لوگ بھی کیا ہیں نا؟"
 "نہیں" ایک لامر نے بھرا ہوا ہوا آواز میں کہا "ہم یہ نہیں کھا
 سکتے"
 "کیوں؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔
 "ہمارے ہاں سے بد شگونی بچھا جائے۔"
 "خوب؟" میں نے طنز پر لے کر کہا "اور زہر دار کو نا اچھا شگون
 ہے؟"
 دونوں لامر اچھل پڑے اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ وہاں سے
 بھاگ نکلتا چاہتے ہوں۔
 "نہیں" زہر دار نے ہوا کی کھڑی ہو گئی "جھگڑنے کی کوشش بے ثمر
 ہوگی۔ سادہ سیر سے بچ کر کوئی نہیں بھاگ سکتا۔"
 "اور" میں نے تفرقہ کیا "اس بات کا بھی خیال رکھنا کہ اگر تم
 لوگوں کی طرف سے کوئی خطرہ حرکت ہوئی تو ہمیں اس کا خیال نہ بھی بھٹکتا پڑے
 گا۔ اگر تھوڑے پاکی کی قسم کے ہتھیار ہوں تو وہ ہمارے حوالے کر دو۔"
 "نہیں" سادہ لولی "ہاں کے پاکی کوئی اختیار نہیں ہے۔"
 لاماروں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
 "ہاں شیطان! اسرار نے کیلئے مجھے میں کہا۔ تمہارا راز میں نے
 ہی ناں کیا ہے۔ میں خوب جانتی ہوں کہ تم دونوں کیا ہو؟"
 لامر اب ذہنت زدہ نظر آنے لگے تھے وہ ان کے ہاتھوں میں
 اپنی عجیب نظر نہی تھی جیسے وہ کچھ کچھ کچھ چاہتے ہوں مگر آواز نہ نکل
 رہی ہو۔
 "یہ زہر دار کھا نا چھوٹا دو" میں نے ان کے گے گے کئی ہوئی

پیشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حکم دیا "اپنے لیے"
 اور کھا ڈا۔ کھانے کے بعد میں نے تفصیل بات ہو گئی۔
 مگر لامر اپنی جگہ سے جنبش نہ کر کے معلوم ہوا تھا
 کہ بت نہ گئے ہوں۔
 "کی قسم کے نہیں مٹا؟" زہر دار لولی "تسلیم کر دو"
 ہاتھ سے قیل کر اڑا دی۔ زہر دار نے اپنے میں کوڑے کی
 تھی جس نے لاماروں کو ترک میں آئے پر مجبور کر دیا
 کا پتہ ہاتھوں سے زہر دار کھا نا چھوٹا اور اپنے لیے
 مردود رہے آتی دودھ تھے تھے کہ انہیں اس
 ہی نہیں ہو سکی اور میں چاہتی بھی تھی کہ انہیں کسی کو
 ہونے پائے۔
 زہر دار نے زہر دار گھوڑے ہوئے گھریزی میں کہا
 بھی نہیں کر سکتا تھا کہ یہ دونوں اٹو کے تھے تھے
 گے۔ ایسا معلوم ہوا کہ اے، جیسے یہاں والوں کے
 کا نام ہو۔
 "ہاں" زہر دار نے نہ کر جواب دیا "مگر ان کو
 طاری ہے وہ صرف میری ہی نہیں بلکہ باقی بھی ہے"
 "حیرت ہے" زہر دار نے سر جھٹک کر بولا "ہاں"
 زہر دار نے کئی کئی مرتبہ کیے کہ "ہاں"
 زہر دار نے جواب میں کہا کہ ہاتھ میں نہیں لیں
 اپنے ساتھ لے کر ان لاماروں کی بھول لاری کی طرف ہوا
 "میں وہ سادہ سیر لاش کرنا چاہتی ہوں"
 "ان کے پاس ایک چڑی تھی لے کر آئے ہیں"
 میں نے
 "ہاں" انشاء ہی کے بعد زہر دار نے
 گے۔ وہ چڑی تھی لاری فرار کی نظر آگیا تھا۔
 اس کا جائزہ لیا۔ میں اس کی ساخت سے اندازہ
 ملک کا بنا ہوا ہے۔ میں اسے دیکھ کر کئی کئی کراہ
 ساتھ آپ کی سسک کر رہی گی؟
 "اچھا تک میں نے اس کے پاس سے
 سے معلومات ہی حاصل کرنے کی کوشش کر دی
 "میں نے جہاں تک ان کے پاس کو رہنا
 ہے کہ یہ دونوں کچھ زیادہ میں جانتے تھے۔
 کسی طاقت کے احکام کی قیل کرنے پر زہر دار کو
 معلوم ہوا کہ کچھ کر رہے ہیں۔ میں نے
 "پروا نہیں" میں نے سر ہل کر کہا
 نہیں ہوتی تو وہ ہوں۔ یہ بھی لائی ہے کہ ان کو
 گیا لیکن ہے کہ اس کی وجہ سے کوئی کام

مادر نے سر ہلا دیا لیکن وہ ان حالات سے بہت الجھی ہوئی
 اچھی تھی۔ ان چیزوں کا عادی ہونے میں اسے کچھ ذہنت تو لگتا۔
 میں نے زہر دار کو دوسرے تھیلے میں رکھا اور تھیلے کو ہاتھ میں لے کر
 ہمدردی سے نکل آئی۔ سادہ سیر سا مٹا تھا۔
 حالات میں لاماروں سے جو کچھ زہر دار کا سامنا تھا وہ کر
 لیکن ان کے قریب جا کر لولی تو تھیں جن شے سے زیادہ
 "ہاں"
 "ہاں" انہوں نے کہا کہ ان کے سامان و گمان میں بھی ہاتھ میں
 لائی ہے۔ واقع ہو سکتی ہوں۔ انہوں نے ایک دوسرے
 اچھا اور غور نگاہ کر رہے تھے۔ اس کے لئے تو اسے کوئی آواز
 لگتی۔
 "ہاں" زہر دار نے لائی تھیں کہ ہاتھوں سے چٹا پاتے ہوئے
 ایک لامر نے سر ہلا دیا کہ "ہاں" میں نے چڑی شے ہی
 لگتی۔
 "ہاں" میں نے بھی "ہاں" میں نے پوچھا۔
 اس سے تم کس وقت راپٹا قائم کرتے ہو؟
 "ہاں" زہر دار نے نہیں کرتے، وہ خود ہی میں غائب کرتے
 آف میں غائب کر لیتا ہے یا کوئی خاص وقت تو میرے
 لے کر ایک دو گھنٹہ بعد کا وقت ہے لیکن ایک
 "ہاں" زہر دار نے راپٹا قائم کر لیا ہے۔
 "ہاں" لاری پر نظر ڈالی اور کہا "کچھ دیر میں دیکھ کر
 ال ہے؟"
 "ہاں" میں نے بہت سے چھین کر گاتم لوگوں سے میں
 "میں نے سر ہلا کر کہا۔ چنانچہ جب اس کی کمال
 کے تھیں کاسیانی حاصل ہو چکی ہے اور اس
 ہمدردی میں موجود ہیں سمجھ گئے؟"
 "ہاں" سادہ بات میں سر ہلائے۔
 "ہاں" سوال کیا۔ چن شے ہم لوگوں کی لائیں لینے
 "ہاں"
 "ہاں" آواز بھرا ہوا ہوئی تھی۔
 "ہاں" سادہ بات میں سر ہلائے۔
 "ہاں" اس کے پاس میں شہنشاہ کیا جائے گا۔
 "ہاں" میں نے کہا کہ آپ نے بہت اچھی تھی۔
 "ہاں" میں نے خاص معلومات حاصل ہو
 "ہاں" میں نے کہا۔

چھیننے کا مکان تو خاصا قوی ہے؟
 ہم چھینے ہوئے چن شے کے ہاں میں باتیں کر رہے تھے کہ چڑی
 تھیلے سے "ہاں" آپ... میں آپ کی مدد سے آواز میں سنائی دی۔ ان
 آوازوں کو سننے ہی لاماروں کے چھین کر لگ کر کہا کہ "ہاں" میں نے چڑی
 تھیلے ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا کہ بات کر دو۔ تھیلے میں کچھ کچھ
 ہویں تم کو بتا چکی ہوں۔ مگر اس کے خلاف ہوا تو تھیلے کے جسم کو دم چل
 چار حصوں میں منقسم ہونے کے بعد ہی اس ہفت میں دن ہوں گے۔
 لاماروں نے کہا کہ تو کچھ نہیں کھا کر ان کے چھین سے صاف
 ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ سترانی کی بہت نہیں کریں گے۔
 ایک لامر نے زہر دار کو سوچا کہ ان کی آواز سے ایک آواز بھرا
 لگی "جواب دو" میں نے چڑی بول رہا ہوں... جواب دو"
 "ہاں" کا جواب ہو چکا ہے۔ لامر نے زہر دار میں کہا۔
 "واقعی؟" چن شے خوش ہو کر بولا۔
 "ہاں" لامر نے جواب دیا کہ ان چاروں کی لائیں ایک چھوڑ دی
 میں چڑی ہوئی ہیں۔
 "ہاں" میں نے دیکھنے کے لیے سر ہلا دیا "چن شے نے چڑی خوش
 ہو کر کہا۔
 "ہاں" چن شے نے
 "تھیلے کے آواز میں اتنی مٹوئی کیوں ہے؟" چن شے نے زہر دار کو
 "تھیلے میں کچھ کمزور ہونے کی وجہ سے لامر کی آواز میں
 زہر دار نے کہا۔
 "ہاں" میں نے طبیعت... کچھ خواب ہے۔ لامر نے کہا۔
 میں نے غلام ہونٹ دھرتوں میں دیا لیا۔ اب یہ غلام پیدا ہو چلا
 تھا کہ چن شے نے جھنگ کے بجائے نیسے کرنا تھی چن شے نے سادہ سیر
 اور ان کی تھیں اس لامر پر بھی ہوئی تھیں چن شے نے غلام کر رہا تھا
 "طبیعت کیسے خواب ہو گئی؟" چن شے نے پوچھا۔
 "ہاں" میں نے کہا کہ "ہاں" میں نے سترانی... آواز میں
 جواب دیا۔
 "ہاں" میں نے سترانی... آواز میں
 لگا ہوا ہے... ہاں... لامر نے جیسے پشیم کر کہا۔
 "ہاں" میں نے سترانی... آواز میں
 ایسا ہے کہ ان کی لائیں میں دہاں پہنچ سکوں گا جیسے ایک ضروری کام
 آگیا ہے۔
 چن شے کا یہ جواب سن کر میں جھنجھلا گئی گئی۔ کہنت ہو کر
 گیا تھا اب مجھے جہاں کی ڈوری کھینچنے کی حسرت یہ رہ جاتی۔
 "ہاں" میں نے سترانی... آواز میں
 آرام کر رہی تھی کہ ایک میل پیچھے آجانا۔ گھائی کے شمال میں چن شے

پہنچا تھا اور جب وہاں پہنچا تو وہاں سے کہہ کر آیا!

مگر اسے اس عمل میں تین سال گزارنے تھے اور اس کی زلزلے میں ہاں کے جاننا نہ تھی۔ جیسے تھے، عمل کے پیچھے کی چٹانیں کاٹ کر تھکنے بنائے تھے جسے جہاں مقدس درجہ کے زور محفوظ رہا۔ وہیں دلائی لاما گوتم بدھ سے ہم کو ہم کرنا تھا۔ والد اعظم العوالب!

اب یہ تین سال بعد دوبارہ اس عمل میں داخل ہونے والی تھی جہاں دلائی لاما کی جگہ چین لاما دربتلہ سے چوبیسویں حکومت کا دفنا دار ہے کتنے کو تو بددیانتی کا مکران ہے لیکن اصل فیصلے چین کی کیو لونگٹ پارٹی کرتی ہے اور جب سے چین نے یہاں کی باگ ڈور سنبھالی ہے، ہمارے لوگ بہت آسودہ اور آرام دہ زندگی گزارنے لگے ہیں۔

جب ہمارا قافلہ پٹانامٹھ کے قریب پہنچا تو بہت سے لوگ نیزکی سے جہاں ٹرٹ آئے۔ وہ ہمارا استقبال کرنے آئے تھے اور میں غور سے دیکھنے لگی تھی کہ ان میں میرا کوئی ششاسا جہرہ بھی ہے یا نہیں؟



مجھے ان میں ایک بھی ششاسا جہرہ نظر نہیں آیا۔ میں اپنے چہرہ کو اجنبی نگاہوں کا ہدف پار ہی تھی۔ ان آنکھوں میں ایسے سوال چمک رہے تھے جن کا تعلق میری ذات سے معلوم ہوتا تھا۔ وہ مجھے بہت عجیب لگتے تھے جیسے کسی دوسری دنیا کی زندگی ہو رہی ہو۔ وہ میرے صورت کی ششاسا نہیں تھے لیکن ششاسا میرے بے باک کچھ زیادہ ہی بڑھا چڑھا کر بنایا گیا تھا اور اس وقت ہر ایک ایسی صورت کو دیکھ رہے تھے جس کی تخلیق کے لیے اورانی عنصر کا غیر تیار کیا گیا تھا۔

آنکھوں نے پرجوش انداز میں ہمارا استقبال کیا اور جس طرح وہ رضیہ سے پیش آئے اس سے بے شمار ہو گیا کہ رضیہ ان کے لیے جہاں بھی نہیں تھی۔ وہ ہم سب کو اپنے جہاز میں لے کر کھانا کھاتے اور داخل ہوئے۔ رضیہ نے انھیں ان دونوں باتوں کے بارے میں بتا دیا جو ہماری قید میں تھے چنانچہ ہماروں کی کمی لوگوں نے اپنی تحویل میں لے لیا۔

پوچھا تو اٹھ مار دو گریز میں داخل ہونے کے بعد رضوان آنکھیں پھل پھل کر دو ہاں کے ماحول کو دیکھ رہا تھا۔ سارے کے لیے بھی وہ سب چیزیں اجنبی تھیں۔ اس لیے اس کی آنکھیں بھی دلچسپی کے تاثر سے عادی نہیں تھیں۔ اس کے کچھ سے صاف ظاہر ہوا تھا کہ وہ وہاں کے مشنوں اور باغات کو دیکھ کر ایک خوشگوار تاثر سے ہلکا رہا تھا۔ وہ اپنے بچے جن سے لے کر تین عرصہ کے نہیں لگے تھے۔

مگر اسے وہاں کے، حوالے میں بہت خفیت کی تبدیلی محسوس کی۔ سب بظہور اور ساری خامیاں بھی چھوڑ گئی تھیں۔

”موجودہ تو یہاں کیسے نہیں آئی ہوگی؟“ میں بولی۔

”میں آئی ہوں بلکہ اب صرف ایک تہہ افاق ہوا تھا لیکن آج پوچھنا میں پہلی بار جھاڑوں کی۔

پوچھا مکمل کے دروازے پر جو لوگ ہمارا استقبال کرنے کے لیے جوتے تھے ان میں مجھے اپنے جملے پہلے سے چہرے دکھائی دیے۔ انہیں

بچپن لاما بھی تھا کسی کے استقبال کے لیے عمل کے، آنا ایک اعزاز تھا جو چین کی حکومت کے نمائندوں کے ہر آہن ہوتا تھا۔ اس نے بہت سے دینی انداز میں بے غل ”بانڈو“ میں اعلیٰ تھیں اور تھکے ساتویں گز آرام کے کو بیارات کے کھانے کے بعد اوقات تفصیل گفتگو کے لایا کیا خیال ہے؟“

”آپ تھک کر رہے ہیں۔“ میں نے مسکرا کر کہا اس کے بعد عمل کے چند غامض اور پیچیدہ جہاز سے جو ہمارے لیے غرض کے چاکھے تھے اور جہاں آرام و سکون تھی۔ ہمیں وہاں پہنچنا کر عمل کے کئی دپس پلے جاتے تھے۔ غرضت جہاز پر تھے جیسے کسی غیر مذہب کے آشنان میں دیکھی ہوئی آگ کی بے گورہ کے پینے کی جگہ پر اپنے ذہنی گزروں سے بہت مالا لہاں میں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ گئے۔

”آپ تو تیار کیجئے۔“ رضوان نے غمزدگی سے کہا۔

”یہی کر رہا ہوں اس وقت بہت ہی کم ہونگے۔“

”تھک مارنے سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔“ میں تو یہاں ایک مہینہ قیام کر چکی تھی۔

”آپ اس میں اس شخصیت میں ترمیم کرنا؟“

”میرا خیال ہے کہ تم سے کہیں زیادہ دلائی لاما۔“

”کیوں؟“ رضوان ایک جھجکے لہجے میں بولی۔

”اسی وقت وہ کوئی ہو گئی اور دلائی لاما کچھ دیر آرام کرو گے۔“

رضیہ بولی نے خیال انا مناسب ہے کہ میں ہم کروں گی۔“

”تو پھر میں نے مسکرا کر سارے کے کہا۔“

کیوں وہی ہوئی

رضیہ اور موجودہ اس کے طرف بہت ہی مہم سادہ نے مجھ سے کہا۔ میں اپنے باپ چاہتی ہوں کیا آپ اس کا بندوبست نہیں کرنا؟

”مگر میں نہیں جانتی۔“ میں نے کہا۔

”میں شگ ہوگی تو میں اس سے تھکے بلے میں ہم تھکے گھر والوں سے تھکنا اور اہل خانہ کو اس سے آرام کر دو۔“

میں اس وقت تنہا بیٹھ رہی تھی۔ تھک کا موقع ملے۔ اس لیے میں سارے کو بھی وہاں معنی خیز انداز میں مسکرائی۔ غالباً وہ اپنی باؤلی

اور ان کی ہر جگہ وہ کھڑی ہوتی ہوئی بولی تھی۔ بات ہے، لی ہوں۔ جب آپ سناغ ہو جائیں تو میرے پاس آئیے۔“

”سناغ؟“ میرے کچھ زور دیا تھا۔

”سناغ؟“ وہ دن میں ایک گھنٹہ تک گلی تھی اور کسی کی آواز نہ تھی۔ مذکر کی تھیں۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے

”اس کی باتوں سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔“

”اس کی باتوں سے اسے پکارا۔ کیا سمجھتے؟“

”آپ انھیں کھول دیں اور یہاں بیٹھ جائیں گے۔“

”میں اسے پیش دلائی لاما کا نام دوں گا۔“

”میں اسے کیونکر اس سے زیادہ بہتر نام تھکے دماغ

”کیا ہے؟“

”اسے ایک نیا نام دے دو۔“

”ایک قدم اور اسے اسے تھک رہے ہیں۔“

”میں پڑھ سکتا۔“

”اسلامت فرسودہ ہیں۔“

”اسے ایک نیا نام دے دو۔“

”ایک قدم اور اسے اسے تھک رہے ہیں۔“

”میں پڑھ سکتا۔“

”اسلامت فرسودہ ہیں۔“

”اسے ایک نیا نام دے دو۔“

”ایک قدم اور اسے اسے تھک رہے ہیں۔“

”میں پڑھ سکتا۔“

”اسلامت فرسودہ ہیں۔“

”اسے ایک نیا نام دے دو۔“

”ایک قدم اور اسے اسے تھک رہے ہیں۔“

”میں پڑھ سکتا۔“

”اسلامت فرسودہ ہیں۔“

”اسے ایک نیا نام دے دو۔“

”ایک قدم اور اسے اسے تھک رہے ہیں۔“

”میں پڑھ سکتا۔“

”اسلامت فرسودہ ہیں۔“

”اسے ایک نیا نام دے دو۔“

”ایک قدم اور اسے اسے تھک رہے ہیں۔“

”میں پڑھ سکتا۔“

”اسلامت فرسودہ ہیں۔“

”اسے ایک نیا نام دے دو۔“

”ایک قدم اور اسے اسے تھک رہے ہیں۔“

”میں پڑھ سکتا۔“

”اسلامت فرسودہ ہیں۔“

”اسے ایک نیا نام دے دو۔“

”ایک قدم اور اسے اسے تھک رہے ہیں۔“

”میں پڑھ سکتا۔“

”اسلامت فرسودہ ہیں۔“

”اسے ایک نیا نام دے دو۔“

”ایک قدم اور اسے اسے تھک رہے ہیں۔“

”میں پڑھ سکتا۔“

”اسلامت فرسودہ ہیں۔“

”اسے ایک نیا نام دے دو۔“

”ایک قدم اور اسے اسے تھک رہے ہیں۔“

”میں پڑھ سکتا۔“

”اسلامت فرسودہ ہیں۔“

”اسے ایک نیا نام دے دو۔“

”ایک قدم اور اسے اسے تھک رہے ہیں۔“

”میں پڑھ سکتا۔“

”اسلامت فرسودہ ہیں۔“

”اسے ایک نیا نام دے دو۔“

”ایک قدم اور اسے اسے تھک رہے ہیں۔“

”میں پڑھ سکتا۔“

”اسلامت فرسودہ ہیں۔“

”اب آپ کا ارادہ خطرناک ہو رہا ہے جس سے جان بچنے کے لئے وضو نہ کرنا
گھبر کر اکرنا اور جلوس سے گھبرا کر گھبرا گیا۔
”کہاں چلے؟“ میں بولی۔
”چھوٹے سے کوئی۔ عین وقت پر نہ ملے تو دوشماری ہو گی۔“
”خیر نہ کرو۔ برجیٹرز بلاؤں گے۔“ میں نے ہنس کر کہا اور ایک
کوڑاں کا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں نے جانتی تھی کہ وہ بھاگ نکلے۔
”ہائے! خدا! ہاتھ تو چھوڑ دے! کوئی دیکھ لے گا۔“ وضو نہ
کسی توجیز کوئی کی طرح پکڑ کر لیا۔
”آخر تو اس مسئلے پر غصہ کیوں نہیں دیتے؟“ میں نے گویا
جھنجھلا کر کہا۔ ”نہیں! اس طرح میرے جذبات کی توہمیں نہیں کرنا چاہیے۔“
”میرے غصے کی کیا کرنا چاہیے باز؟“ وضو نے ٹھنڈی سانس لے
کر کہا۔

”جبرانی محبت“
 ”لیکن میں کسی اور سے محبت کرتا ہوں۔“
 ”تم جو ٹھٹ لہل ہے ہو تمہیں صرف مجھ سے محبت ہے۔“

مظلومان کے لیے ایک نیا دھندلا ہوا سورج نظر آیا۔ ان میں سے کسی سے بھی
محبت نہ کرتا ہوں اور یہ آپ نے جانتی تھی کہ جو محبت انہیں نہیں جاتی بلکہ بر
جاتی ہے اور محبت جو ملنے کا احساس بھی اپنا چھوڑ کر ہٹا رہا ہے مجھے بھی
اس احساس اپنا چھوڑ کر ہٹا رہا ہوں اس لیے مجھے ہٹا کر پھیلے ہوئے خدا میں اپنے
خوش فروخ نہیں کر سکتا، اگر وہ مجھے خوش کر دے تو مجھ میں اسے نہیں چھوڑ
سکتا۔ جب وہ بخیر نہیں ہو گا تو ہم جب چاہیں اسے ختم کر دیں اگر
وہ کسی اور کو چاہے تو مجھ کے تو بھی میں اسے چاہتا ہوں گا۔ یہی طرح آپ
بھی مجھے محبت کرتی رہیں لیکن مجھے یہ محبت کے طریقہ کار نہ بتائے کہ
میں میرے ساتھ تیار نہیں ہے۔ دلیے مجھے بڑی حد تک یقین ہے کہ آپ کو
مجھے یہ محبت نہیں۔ آپ مجھے بھی عہد پریشان کرنے کے لیے یہ ڈرامہ
بھیل رہی ہیں کہ رضوان بہت زیادہ جذباتی ہو گا تھا۔

میں نے مسکرا کر کہا: ”اگر مجھے یقین ہے کہ تم غصہ مجھے پہنچانے کے لیے پہلے بگاڑ رہے ہو، تو درحقیقت تمہیں مجھ سے ہی فبت ہے۔“

متز بڑگا کا تب اپنا مکمل غم کروا دیا اور مجھ سے بیان دانا شروع کر دیا۔

”آپ سے؟“ رضوان ہرگز ہینچ کر مجھے گھورنے لگا۔

”ہوں! میں نے مسکرا کر نیلی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔
 اس کا ہنسا بھی تک میرے ہاتھ میں تھا کیونکہ میں اُسے جگانے کا موقع
 میں دینا چاہتی تھی۔“

”اچھ طرح سوچ لیجیے! رفنوان نے مجھے عجیب سی نظر سے دیکھتے ہوئے کہا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں آپ کو پھینکا مار پڑے!“

”پچھتانے کا کیا سوال؟ یہاں تو سہ عالم ہے کہ... بے خطر گورو پڑا
شر نرو دیں عشق“
”تجارت و تیرجری بھی گورو ہی پڑنا جولا“ رضوان نے ٹھنڈی سانس

یہ ہے پر محسوس کر رہی تھی۔
 اے اپنی واپس ناگ لاکھنا اوپر اٹھانے ہوئے
 اور تسمہ رمضان کے روزِ رفتہ نہ صرف ختم ہو گیا

کے ساتھ فرشتے پر جا کر ادا کر میں لمبی لمبی سانسیں
 کھتے پڑھیں گے۔ میری ہڈیاں بڑی طرح سنسنی
 لگیں شاید پہلی مرتبہ اتنی زور سے ہوئی تھی۔

مجاہدوں کا ہر گھڑا، ہر اٹھ، ہر عمل، ہر اور بڑی جہاد کے لیے ایک ایسا نمونہ بن گیا۔ آپ کی شہادت پسند نامی ہے، گلا کیا نیال ہے؟“ وہ پھر میری

ہم نے یہ سب سے لبرل آپ اپنا کام کیسی غیر وطنی
گھپ جبر سے شادی کرنے کی سامی بھر چکی ہیں اور کسی

اے مہر ہے اس طرح پس میں ابا چاہیے
 اہمیر بانو کا شوہر پیدا ہو بسا اور نہ پیدا ہو گا
 اہمیر بچیس سال حزر رکھے ہیں، رضوان نے

ہاں میں مسکرایا یہ تو آپ کو اس کا عظیم ہوجک ہے۔

۴۴ ہم پریشان کر کے پری ہوئی ہیں
۴۵ حاشا تو کر لیا۔ اب کھیل ختم ہو چکا تھا لہذا کھیل
۴۶ مہلت نہیں تھی۔
۴۷ ہم گیتا تھا، رضوان تھقہ، بھاکر بولہ لاد اور اسی
۴۸

۶۱ میں ہنس پڑی۔
 ۶۲ منہ مجھے جھک کر ادب کیا اور پھر خوارقی بے
 ۶۳ را گیا۔ میں آپ کے ہنسن کی خوشبو کو نہیں

ما موش را بچراغ
محلایان کز خوشتر بخورم ز آن

”میں نے شہادت آئسن لیمبرگ کو دیا۔ اگر لیمبرگ

”اے مستحق غرض ہر جا کہ تیرے افتخار کے دن چلے ہوئے“
 دراز شخص نے استراحت کر لیا اور لولا نے بڑے لاسرا میں آپ کا
 ٹھکانہ کر لیا۔ اب آپ میری بہن کو بھی تیار کریں گے دن سے یہاں اس
 کا انتظار کر رہا ہوں اور مجھے پلہ دلو سے یہاں آئے ہوئے گئے دن کو بھی
 یہاں لایا اور دراز دروست کی بہت بڑا وہ چلم ڈھری سے آیا تھا اور
 اس کا تعلق کھانپیلے سے تھا وہ اس حالت میں آیا کہ ایک روز تھا جو
 دلائل لاسرا کا طرفدار تھا اور جہن حکومت کے خلاف لاکر رہا تھا۔ یہ سوچ کر
 میرا ذہن کچھ سا گھبرا گیا۔ سارے کے سامنے میں یلوزن نہ جانا ہے کہیں یہ قبول
 کرنے پر آمادہ نہیں تھا کہ اس کا کوئی تعلق صف دشمنان سے ہوگا۔ سارہ
 کو دراز نے شخص نے اپنی ہن کا لکھا اور اس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ اس
 کا باپ بھی کھانپیلے سے تھا۔ مجھے اپنے اضطراب پر قابو پانا مشکل ہو رہا
 تھا۔ اس لیے میرا دل بڑا بے پروا ہو گیا۔

اس سے پہلے کہ بات مزید آجے برصغریٰ میں دو مہینوں میں ہوا تھا۔
 میں نے بڑے لاسرا کو مخاطب کیا تھا۔ ”محترم لاسرا! ہر تو یہ تھا کہ آپ خود غلط
 کی رسم لپیڑ کر دیتے تاکہ اس جہت کی انتہا ہو جائے مگر غریب سہی، یہ کہہ کر
 میں نے دراز شخص کی طرف دیکھا اور بول۔ ”میں نے ان کی ادب کی
 گفتگو سے اندازہ لگا لیا کہ یہ سارہ کے جانی ہیں اور سارہ کا غلط چلم ڈھری
 سے آئے ہیں لیکن مجھے سارہ نے اپنے پاسے میں جو کچھ بتایا ہے، وہ وہ مختلف
 ہے۔ کیا سارہ کے والد نے دراز کی باتیں کہیں یا کیا یہ سارہ کے سوتیلے جانی ہیں؟
 ”میں نے بڑے لاسرا سے جواب دیا۔ ”مگر وضاحت کی یہ سارہ کے باپ
 انکو مرنے پر تہمت میں لگائی شادی نہیں کی تھی۔ مستحق انکو مرنے کے مجھ سے یہاں کا
 بیٹا ہے۔ میں ذاتی طور پر انکو اور اس کے اہل خاندان سے کبھی ملوث واقف ہونا
 اسی لیے انکو مرنے مجھے غلط لگا تھا۔ جب مجھے انکو مرنے کا لکھا تھا تو میں نے اس کی
 وقت چلم ڈھری سے مستحق کو کڑوا لیا تھا تاکہ یہ سارہ کو یہاں سے اپنے ساتھ چلا کر
 لے جائے۔ مستحق اسی وقت سے یہاں سارہ کا انتظار کر رہا تھا۔“
 جب جڑا لاسرا یہ وضاحت کر رہا تھا تو میں نے بار بار کی سارہ اور
 مستحق کے چہرے کا جائزہ لیا تھا۔ ان دونوں میں کسی کے چہرے سے شرت کا اظہار نہ
 رہا تھا۔ تو کیا سارہ کے باپ کا تعلق کھانپیلے سے تھا!

بڑا سا مہینہ بات ختم کر چکا تھا۔ اب اس کے انداز و اطوار سے یہاں
 رہا تھا جیسے وہ جا رہا تھا۔ مجھے اس کی شخصیت نے لکھا دیا تھا کھانپیلے کے
 افراد سے اس کی رسم و رواج میرے لیے نئے تھے۔ میں اس سے غفلت میں گفتگو
 کر کے اس کے سامنے اس کی کوئی لگنے کا فائدہ نہ پہنچا تھا۔ اس لیے اس کے سامنے
 سے بل ہی میں نے لکھا۔ میں نے سارہ کے اس درگاہ میں کچھ نہیں دیکھا۔
 آپ مجھے ان کی زبانتی نہیں کرنا میں نے مختصر سارہ۔“
 ”کہہ دیں! میں تم کو یہ کہہ دوں کہ وہ دراز ضرور دکان کا مگر غلط ملان ہو گا
 کچھ دکاندار کو تو ترس رہا ہے۔ لولا اور لاسرا نے سارہ کے خلاف کے کڑوں
 میں اب تک تم کو اس کا سامان پہنچا دیا ہو گا۔ میں جا کر کھانا کھاؤں اور انھیں
 تھکے پاس بھیجتا ہوں کہ وہ سامان خلعے تک غلطی رہنا ہی کریں!“ وہ

آٹھتا ہر لولا
 میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور پھر وہ
 گیا۔ میں نے چکر دیکھ کر اس کے درگاہ کے نوادر کا ذکر
 دیکھنے کا کوئی اشتیاق نہیں تھا۔ مجھے جس قدر لولا
 رہی۔ میں نے تو قلعہ بڑے لاسرا سے غفلت میں لکھا
 وہ بھی کہ دراز کا تھا اور میرا مقصد فرقت ہو گیا۔
 بڑے لاسرا کے جاتے ہی سارا دروستی کا
 گئے تھے۔ وہ دراز بستی زبان میں ہی بات کر
 انداز و اطوار سے مذہب دکھائی دیتا تھا لیکن اس کا
 میل نہیں کھا تھا۔ وہ چرواہے کا مذہب نہیں کھاتے۔
 غور سے اس کے چہرے کا جائزہ دے رہی تھی۔ اس
 بات کو محسوس کر لیا اور وہ سارہ سے گفتگو کر

”میں آپ کے لئے مہینوں میں آپ کو
 میں مدد کی تلاش کے لیے میری شانتی ملتی تھی۔“
 ”یہ میرا اسانی فرض تھا جو میرے ہاں کیا۔“
 بات نہیں۔ میں نے جواب دیا۔ ”مجھے یہ کہہ کر
 سارہ میں ہیچ خوش ہے۔ اور بڑی دلچسپی سے
 گفتگو کر رہی ہے۔ بہت آجاس کہ آپ کا ہاں
 پہنچنے کی اس نے آرزو کی تھی۔“

میری بات ختم ہوتے ہی وہ دانستہ سے
 اور انھوں نے انکو دیکھا۔ لاسرا ان کو دیکھا اور
 ہوئے۔ میں نے بڑی غفلت دیکھا۔ وہ غور سے
 چہرے سے گفتگو کر رہا تھا۔ اور پھر جواب
 کی طرف چل پڑا۔ راستے میں مستحق نے سارہ کو بتایا۔
 ایک کہہ کر میں غصہ کر رہا تھا اور اس کی خواہش نہ
 سارہ نے اس کی بات میں اتنی سارہ کا مستحق
 میری کچھ نہیں نہ سکا۔ اس نے میرے وجود کو کچھ
 بات سے کچھ بے تعلقی ختم تھی۔

خاندان نے سب کا سامان لگا لگا کر
 کہنے پر اس کا سامان مستحق کے گھر میں منتقل کر
 اجازت کے مستحق کے ساتھ چل گئی۔ میں اس کے
 میرا سامان رکھا تھا۔ میرا سامان اپنے گھر میں
 ساتھ تھی۔ سکرا ڈرامہ اور وہ میری سہیلی
 میں میری طرف بڑی دوسروں نے کہا
 ”دھرم کی۔“
 ”تو میرا انتظار کر لیا ہے۔ اور وہ بند کر
 دانستہ اپنا تھکا و سورا چھوڑ دیا اور میری دروازہ پر
 مونس نے دروازہ بند کر دیا اور میرے

یہ آیا۔ مونس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”میں نہیں آیا۔ اگر آئے تب مجھے کی کوشش تھی ہے۔ میں
 اس کے وقت ان باتوں کا نہیں جہم ٹوٹ رہا ہے۔“
 اس کوئی چیز ہے۔ میں لکھا۔
 لولا نے غصہ کا قرب میرے چہرے اور کیا چاہیے۔ جب
 لاسرا نے مجھ کو بڑے لاسرا کی طرف میں غور سے
 لولا ایک شانتی کے سبب کو سبب کر دیا چاہتے ہیں
 گم و غشوہ کی ان اشتباہوں میں غلطیوں میں غلطیوں میں
 اپنا ہے اور اس میں غلطیوں میں غلطیوں میں غلطیوں میں
 وقت اور ایک نکل گئے تھے۔ ان کے دور کہ جہاں سے وہ
 جو یہ تھا کہ پہلے تو مجھے کس کے کہنا سے پر
 ایک کہہ کر اسی وقت کوئی غور سے وہ دل پر نہیں
 غلبہ اور حقیقت کا فرق ظاہر کیا تو مجھے سخت غصہ
 ہو رہا اور سارہ دینا بھی نہ محسوس کیا۔ وہ جو دراز کی گوت
 گم دینے والے کی حیثیت میں میری غلطیوں میں غلطیوں میں
 چھٹنے والوں کا حساب لینے آیا۔ ہر کہہ کر کیف و نشاط
 چھٹا۔ ان کا حساب دیا۔ اور مجھے تھا اور مقصود تھے وہ
 سارہ صاحب میں ایک کہہ کر میں باقی نہیں۔ دیکھیں سب
 کہ تین۔ دروشتی کے سرفراز پر منزل سے

و کھلا تو آئے۔ والا تھک کر کڑک گیا۔ وہ جڑا لاسرا
 وقت غفلت پر قریب تھی۔
 اور اس وقت لاسرا نے اس میں بے غفلت خود پر تپا رہا تھا
 کہہ کر میں۔ وہ میرا چکر دیکھ کر اس کے درگاہ کا بڑا لگا تھا۔
 میں تھا کہ لاسرا میں غفلت انداز ہونا۔ وہ آگے بڑھتا
 وقت اور اپنا بار۔ یہ تھیں۔ وہ۔ وہ۔ وہ۔
 لکھا دوں جنہیں دیکھنے کا نام نے اشتیاق کا

حرفان ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھ کو بول رہا ہے۔
 میں کہہ کر میں جانتا تھا اور اس نے یوں ہی بات
 لکھا اس سے غفلت میں گفتگو کا موقع مل سکا تھا۔
 ”یہ لکھا کہ وہ میرے غصہ کا لامہ کہ آپ نے میری
 لاسرا نے لاسرا میں آپ کے ساتھ میری رہی۔
 خاص اور دوسروں کو غلبہ کیا۔ یہ سارہ کا نام لکھا
 وہ اور دیکھ لیں۔ میں مختصر لاسرا کے ساتھ جا
 رہا ہوں۔ ان میں کچھ ختم ہو کر رہی ہیں۔
 مایہ پل جائیں!“ مونس نے میری آئینہ کی وہ

نابا میلہ تھا کچھ گئی تھی۔
 میں بڑے لاسرا کے ملا مختلف راہروں سے غور کر رہی تھی۔
 ایک کہہ کر کے سامنے وہ گئی۔ جو قلعہ تھا اس نے قلعہ کھلا اور کسے
 میں داخل ہو کر مجھے اندر آئے کا اشارہ کیا۔
 وہ ایک جہاں اسامات متحرک تھا جس میں دلوں کے ساتھ ساتھ
 کچھ شکر میں تھے۔ یہاں کو شکر میں تھے۔ غفلت اور زبانت
 ہوئے تھے۔ یہ سارہ جو جہاں کا تھی اور ابیت کے حامل تھیں۔ میرے
 لیے اس وقت بڑا لاسرا یاد رہا۔ وہ تھا جس سے غفلت میں گفتگو کا موقع مل
 گیا تھا۔ میں اس میں ایک شکر میں رہی۔ جس کے چکر میں لولا کو کھجک کر
 دیکھنے لگی۔ میں سوچ رہی تھی کہ کس طرح گفتگو کا آغاز کروں کہ سارہ بڑے لاسرا
 نے میری مشکل حل کر دی۔ اس نے بڑے عیب سے لے لی۔ مجھے
 کہہ کر مخاطب کیا تھا۔

میں نے اس کی طرف متحرک کر دیا۔ وہ لولا نے ہر جہاں کہ یہ سب لولا
 واقعی قابل دیدہ کی گئی۔ مجھ میں اس وقت تھیں۔ سب کچھ کھلنے
 نہیں لایا۔

”مجھے معلوم ہے۔“
 میری بات میں اس کے چہرے پر حیرت کا اثر تھا اور اس نے
 کہا کہ کیا تھیں پہلے سے علم ہے کہ میں نہیں یہاں اس شخص سے لایا ہوں۔“
 ”نہیں! میں نے اس وقت کیا دیکھا کہ آپ کے لیے اس وقت
 میں نے یہ اندازہ ضرور لگایا تھا کہ اہل بات وہ نہیں جو آپ نے لکھا تھا۔“
 ”مجھے تم سے تنہا میں ایک بہت بات کرنا چاہی۔ اس لیے میں یہاں
 لے آیا۔ یہ سوچ کر گیا تھا کہ تم اپنے گھر میں تمہاری لاسرا میں بات ہو
 جائے گی۔“

”میں اسی لیے اس لاسرا کے سامنے تھا۔ میں نے لاسرا کو غفلت میں
 کھل کر بات کر سکی۔ میں نے دانستہ ایسا کیا کہ اس سے بڑے لاسرا کو
 گفتگو کے لیے تحریک مل سکے۔“
 ”ہاں میں کھل کر ہی بات کر رہا تھا۔“ وہ مزید یہ کہہ کر بول گیا
 پھر لولا۔ ”میں جانتا ہوں کہ تم بہت سے دلچسپ بات جانتا۔“
 ”مگر میں اندر سے لے۔“ میں نے بڑے لاسرا کی طرف حیرت سے
 دیکھتے ہوئے کہا۔ ”آج آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں؟“
 ”میں تمہاری زندگی ختم ہے۔ میں مجھے علم ہے کہ تم بہت کس غرض
 سے اور کس کے ایمان پائی ہو۔“
 ”تو یہ بھی میری فکر کے مقصد سے واقف ہے۔ میں نے سوچا۔ اس کا
 لاسرا نے نہ مت غلط نہ تھا۔ میں نے یہ کہہ کر وہ میری کوئی کھلی کھلی دیا۔
 اس لیے میں نے بہت غلط انداز میں انداز میں بات شروع کی۔ مجھے نہیں معلوم
 کہ آپ نے میری یہاں اس کے کیا بوجھ اندک لکھا ہے۔ آپ کے علم میں کیا ہے
 کہ انہیں اب لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں بہت میں اس وقت تک بہر حال رہوں
 گی جب تک رہنا چاہوں گی۔“

”میں نے تمہاری گھنٹوں سے اندازہ لگایا ہے کہ شاید تمہیں علم نہیں آتا
اس کا بدلہ چکا ہے۔“ اس کے کہہ کر وہ نے سر جوڑا پھر بولا، ”اگر تمہارے والد کے
مجھ پر کچھ ذاتی احساسات نہ ہوتے تو شاید میں تمہیں تربت سے واپس چلا جانے
کا مشورہ نہ دیتا۔“

”میں آپ کی بات پوری طرح سمجھ نہیں پاتی محترم لارڈ اوراد صاحب
کر دیجئے!“ میں نے بولی۔
”میں تمہیں بتاتا ہوں!“ بلالارہا تھا کہ بولا، ”یہی اہر حقیقت ہے کہ
تمہارے والد کے احساسات ہی کے طفیل آج میں چکپوری کا درگاہ کا پڑلاؤ
ہوں تو میری حقیقت بھی ایک معمولی لارڈ جیسی ہوتی۔ سب میں تمہیں اس لیے
بتاتا ہوں کہ تمہارے ذہن میں کوئی کہل ہلکا سا شائبہ نہ پڑے اور تم کو کوئی تمہیں یہاں
سے واپس جانے کا مشورہ نہ کرے۔ وہاں امان تیریں یہ کہہ رہا تھا کہ
تمہارے والد میرے حسن تھے۔ میں ان سے محبت کرتا تھا۔ ان محبت اور
تھی ہی ایسے کہ لگتا کہ ان سے محبت کر کے لوگوں کے برتنہ میں جاں سانس کے
پرستاروں میں سے ایک بن کر بھی ہول تو اب تمہیں کو دیکھ کر اس آواز کے بیان
کیا رشتہ تھا! اسی رشتے کے ناطے میں نے اپنی دانست میں تمہیں بہتر شرو
دیا ہے۔“

مجھے اس بات سے کہ میں اس سے چٹائی کی خوشبو آ رہی تھی میں نے پہلے
اُسے غلط سمجھا تھا اور اب میرا ذہن صحیح خطوط پر کام کر رہا تھا۔
”آپ نے یہ نہیں بتایا اقسام لارڈ کہ وہ کیا حالات میں جن کے
پیش نظر آپ مجھے واپس کا مشورہ دے رہے ہیں؟“ میں نے کہا۔
”اگر تمہیں اس بارو سے کہ بات میں غلطی اور چٹائی کی جھلک نظر آنے
تو یہی اہر نامیں چل جانا کہ اس میں سلاسی ہے۔ میں نے بھی کچھ دیر پہلے
کہا تھا کہ تمہیں علم نہیں تربت اب کتا بول چکا ہے یہ حقیقت ہے کہ
تربت بدل رہا ہے، یہاں کے لوگ بدل رہے ہیں، لوگوں کے عادات بدل
بدل رہے ہیں۔ اب وہ بات نہیں جو تمہارے والد کے زمانے میں تھی۔
اب احسان تو خوشی خوشی شروع ہو گئی ہے اور مجھے وہ ہے کہ کہیں تم ہی اس
احسان خوشی کا شکار نہ ہو جاؤ!“

”مگر میں ہے آپ کے خوشحالات درست ہوں محترم لارڈ! لیکن سب
کے ساتھ ایک سے حالات پیش نہیں کرتے۔ میں نے نااہل پرستی کی۔
لوگوں کا شاید فیصلہ کر چکا تھا کہ تربت پر مجھ سے اپنی بات نہوا
کے لیے ہے۔ اب وہ کہہ رہا تھا کہ اب کوئی شخص نہیں رہی ہے اب تربت
میں جو بھی باہر سے آتا ہے اس سے کہاں سلوک کیا جاتا ہے۔ یا تو اسے
فلا دیا کہ توڑا دیا جاتا ہے۔ یا..... قتل کر دیا جاتا ہے۔“

”مگر میں باہر سے آنے والوں میں ایک ہوں! میرے والد کی خاک
یہاں دفن ہے۔ میں اس سرزمین کے لیے کس طرح اجنبی ہو سکتی ہوں! میں
نے بڑے لارڈ کو بھیجا۔
”تم شاید مسئلے کی تربت اور نوعیت کو نظر انداز کر رہی ہو۔ میں تم نے
جو کہہ گا وہ ٹھیک ہے۔ مگر ایک خاص مقصد کے یہاں آئی ہو اور اس

مقصود سے یہاں آنے والے ہوں کہ کوئی جانے
لوٹے۔ لارڈ کا فقرہ ابھی ختم ہی ہوا تھا کہ
کی چاپ گونجی۔ میں نے لارڈ سے ایک ساتھ
دیکھا۔ اُس نے میرے بار لارڈ کے لیے اجنبی نہیں
سارہ داخل ہوئے تھے۔ میں سارہ کی طرف دیکھ کر
پرکھ سکا۔ اُس نے جھلک کر منہ منہی، بڑے لارڈ کی
فحش کی کہ منہ منہی کو وہاں دیکھ کر لوٹے۔ لارڈ سے
گیا ہے۔

”آؤ آؤ! تم لوگ اچھے وقت آ گئے! میں ما
لیا تھا بڑے لارڈ سے منہ منہی اور سارہ کی طرف،
ایک شخص کی جانب بلالارہا جو بولا، ”مگر
وہ قلعی نو سب سے تربت کی قدر کیا کرنا ہے
سارہ اور منہ منہی کب تک رہیں گے اس کا
”اے بڑے لارڈ! منہ منہی بڑے لارڈ
ایک ساتھ تربت کی آوازوں کا بول بھلا کر رہا تھا،
”کس گیا۔“

”ادب ہانی پدے ہم،“ ادب ہانی پدے ہم
رہا تھا اور ہم نے استراٹھی میں انتظار کیا تھا۔ دو
میں نرا نہ گئے تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ کرنے کے
میں شمار ہونے۔ منہ منہی بھی غایا اس لیے غامض
کہیں قریب ہی سے آ رہی تھیں شاید اس
تھے جو لارڈ اور فریڈ کے کمرے سے نکلے تھے۔
بڑا لارڈ اور منہ منہی سر جھانکے نہ سکتے
قریب کوئی سارہ کا اچھا ہے۔ اچھے میں نے لارڈ
میں نے اس کی سہیلی سے اس کا اچھا دیا۔ اس نے
اسے آنکھوں کی آنکھوں میں اشارہ کیا سارہ
پھر ہم دونوں ایک شخص کے قریب جا کر کھ
تھے۔ میں خود بھی اس طرح جھک رہی تھی۔
سارہ نے بھی میری نظریں کی۔

مجھے علم تھا کہ سارہ نے میرا ذہن بڑا دیا
میں کیا جا رہی ہوں! اس بات کا تربت یہ تھا کہ
کر رہی تھی۔
سارہ اہم منہ منہی سے بل کر خوش ہو رہی
زیرکات کو دیکھتے ہوئے اپنے ذہن میں سوچا
میں نے دیکھا کہ سارہ کا چہرہ کھل گیا
پسند آیا تھا۔ ایک سوال نے ذہن سے
رہ گیا۔ سارہ نے اپنی اندازوں کی ایک بار
خوش تھی۔

اور یہ پڑھ کر سوچو؟ میں نے اپنے ذہن میں
اہر تربت اشا دھیا میرا سکوت ہی میرا اندازہ
مانا جا رہی تھی کہ منہ منہی کو کچھ بڑا لارڈ
سارہ میں منہ منہی کی طرف سے بھی ملنے کرنا
کہتے کہ اس کا کوئی تعلق نہیں! میرے خیال
ہاں! بڑے لارڈ کو اس بات پر مجبور کیا گیا کہ
وہ کہہ سانی کی حیثیت سے متعارف کرنے میں
اے لارڈ سولات کے جواب پانے کے لیے
اچھا! میرا لارڈ یہ تھا کہ اس کو دونوں کا تعلق
میں سارہ ان کے ہاتھ کو دیکھ کر میری
میں اچھی طرح میں تبدیل کر دیا کہ سارہ میرے
اچھا ہر موقع ملنے پر مجھے ان دونوں کے ہاتھ

لیا مانتا میں پکلیں جھپکایں۔ گویا وہ آمادہ
کر گیا۔
”اے لارڈ! ہم کو سوچ کی تربت آخری بوسہ
میں کھڑی کی کھڑی میں کھڑی ڈوبتے سوچ کا
میں کچھ بوسہ کر رہی تھی۔ چند منٹ بعد ہی اس کی
”کمان۔ وہ کہہ رہی تھی یہ بانو! لوگ تو جھپٹتے
ہم کو کپ ڈوبتے سوچ کو کیوں دیکھ رہی ہیں؟
”گھپ لگا اور اس کی طرف سر جوڑ کر بولی۔
”اگر ہے۔ ڈوبتے سوچ میں بھی ایک سکن
ہو گیا۔“

”آپ بھی عجیب باتیں کرتی ہیں بانو!“ سوچو
”میں نے کہا کہ وہ دروازے پر دستک ہوئی۔
”اگر کوئی بھی اگلے میں نے باؤ اور کھنڈ
”لارڈ! وہ ہے۔“
”مگر لارڈ! اندر داخل ہوا اور اس نے بڑے
”مگر لارڈ! وہ ہے۔“
”میں اس کی خاموشی میں وہاں تک

”اگر لارڈ! وہ ہے۔“
”میں اس کی خاموشی میں وہاں تک
”اگر لارڈ! وہ ہے۔“
”میں اس کی خاموشی میں وہاں تک
”اگر لارڈ! وہ ہے۔“
”میں اس کی خاموشی میں وہاں تک

ہاتھ پہنچے ہی کہا اچھا جانے لگا۔ میں سارہ کو دیکھ کر سکرانی آؤ
”اس کے سامنے والی کرسی بچانے کی۔ خادم کہا لارڈ کہہ رہے تھے۔
”بانو! تربت کی روانی تقریروں والا کہا ہے۔ بڑے ہاتھ
میں بڑے کھلے ایک فٹ کی طرف اٹھتے ہوئے لگا۔ ادب کی مہربت
تمہاری آدمی خوشی کے اظہار میں پیش کیا گیا ہے وہ نہرہ کہا کا موعا سال کے
پہلے دن خوشی کی تقریبات کے لیے مخصوص ہے۔“

”میں آپ کی شکر گزار ہوں لے قسم لارڈ! آپ نے میری تربت
افزائی کی۔“ میں نے کہا کہ اور فٹ کی طرف دیکھا۔ اس فٹ میں
چاند اور سبھا (جو کا آٹا کھن کے رنگ پر لگی کیوں کے ساتھ کھلا
اس کے علاوہ کچھ سبز پھٹی کھلے بھی نظر آئے جو اب غالباً آہستہ آہستہ
تربت میں دھل جاتے رہے تھے۔
”کھانے کے دوران میں دیکھ کر خوش ہو رہی تھی میں بھی جھپٹے
رہا تھا لیکن میں نے اس کی گھنٹوں کے دوران میں بھی ایک خاص بات محسوس
کی۔ میں نے بھی خفیہ طور پر شغیت کا مالک نظر آیا۔ اُسے بات کرنے کا بہتر
آکا تھا۔ سارہ! اس سے کچھ زیادہ ہی متاثر نظر آ رہی تھی۔

”کھانے کے بعد مشروبات کا دور چلا۔ پہلے چائے پین کی گئی۔ گرم
گرم چائے پر کھن کی ڈلیاں تیر رہی تھیں۔ جب وہ چائے میں مل کر ہو گئیں تو
میں نے بانی اٹھا کر ہونٹوں سے لگائی۔ مجھے علم تھا کہ چائے میں چینی لگائے
مصلح استعمال کیے گئے ہوں گے! اس لیے چائے کا گھونٹ بھر کے کھٹے
کوئی تربت نہ ہوئی۔

”چائے کے بعد خدا کو نے میرا سر اور منہ میا جائے۔ چانگ اور
آرا دونوں تپتی شامیں تھیں۔ میں صرف اسرار استعمال کرتے تھے۔
”دور ساغر چلا تو میں نے سارہ کو غائب کیا۔“ اب تمہارا ارادہ
”ہے؟“ چام ڈیو کب جا رہی ہو؟“
”فی الحال ارادہ بدل گیا ہے بانو! اب میں چام ڈیو نہیں جا رہی
بلکہ چند دن بیس رہوں گی۔“ سارہ نے جواب دیا۔
”کیوں! ارادہ کیوں بدل گیا ہے؟“ میں نے تربت سے سوال کیا۔

”اس کا سبب یہ ہیں۔“ اس نے منہ منہی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
”انہوں نے بتایا ہے کہ کئی کئی برس کچھ اور عزیز میرا پہنچنے والے ہیں۔ میں
ان سب سے بیس لے لوں گی۔“
”اس کے بعد؟“ میں نے اسے منہ منہی سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
”وہ کھلائی۔ شاید اس نے میرا ذہن پڑھ لیا تھا۔ اس نے کہا: ”اس
کے بعد جواب کہیں بانو!“

”میں نے اسے کہہ کر کچھ دن میرے ساتھ بھی رہا۔ میں بھی
اب تمہارے لیے کوئی خیر تو نہیں ہوں۔“ میں نے کہا اور دیکھا کہ منہ منہی ہادی
”میں نے اسے کہہ کر کچھ دن میرے ساتھ بھی رہا۔ میں بھی
اب تمہارے لیے کوئی خیر تو نہیں ہوں۔“ میں نے کہا اور دیکھا کہ منہ منہی ہادی
”میں نے اسے کہہ کر کچھ دن میرے ساتھ بھی رہا۔ میں بھی
اب تمہارے لیے کوئی خیر تو نہیں ہوں۔“ میں نے کہا اور دیکھا کہ منہ منہی ہادی

"بالکل! میں نے جواب دیا۔ میرا دل وہی دلائی کا ہے۔"
 "یہ کیا کہی ہو تو مجھے بڑے لاسے اپنا گلاس میرے ہاتھ سے گھسے گا۔" تم میری جلدی نہیں جا سکتیں۔ کچھ دن تو صبر کرواں!"
 "اے لاغر مزاج! اگر میرے گلاس میں ہوتا تو ضرور دھیر تو رہتی! میں آپ سے درخواست کروں گی کہ مجھے وہاں کی اجازت دے دیں۔" میں نے کمد "تجسین! امان! ایک شرط پر اجازت مل سکتی ہے کہ تم قسمت نکال کر جلدی ادا کر دو گی۔" بلاواسطہ شفقت! ملازمین ہنسنا لگے کہ وہ "منظور ہے؟" میں نے بھی اسے ہنسنا شروع کیا۔ "جیسا کہ وہ کہتا ہے، تو پھر میرے بڑے سارے کمر ہمارا ادبی ہوا۔"
 سارے مانتے پھری اور اس وقت مجھے ایک ادنیٰ اور ادا کا سبب سارے سے یہ کہیں لگاؤ تھا۔ سارہ کوں چھوڑ دی میں تنہا بیٹھ چھوڑنا چاہتی تھی۔ میں نے ذرا غصہ کیا کہیں سارہ کے ساتھ کوئی چھوڑ دی میں چھوڑ جاؤں گی۔ اس فیصلے کی وجہ یہی تھی کہ میں نے جتنی بڑی جتنی بھلنے کے لیے سارہ کا استعمال کیا تھا اور ناکام رہا تھا۔ وہ یقیناً میری طرف سے غافل نہیں رہا ہو گا اور جان چکا ہو گا کہ سارہ اب میری دولت بنی ہوئی ہے۔ اس مومن میں سارہ بھی میری وجہ سے غصے سے بڑھ کر غصتی تھی اور اس کی حفاظت بہر حال میرا فرض تھا۔ ایک تو اس لیے کہ سارہ نے مجھے ہی شادی کے تانہ دے جانے سے بچا لیا تھا، دوسرے اس لیے کہ وہ میری محبوب نظر تھی۔
 میں ابھی تک ہی شادی کو ذرا دلچسپی نہ لے رہی تھی۔ اس طرف سے مجھے اور دوسرے ساتھیوں کو مستقل طور پر خطرے کا سامنا تھا۔ اس لیے اور بھی کر میں نے اسے دیکھا کہ میں نے یہ تھا۔ وہ اندھیرے کا تیر تھا تو کہیں بھی اپنا کھنڈر ہو کر ڈاکر نہ تھا۔
 دوسرا بھی چلتا رہا اور باتیں بھی ہوتی رہیں۔ اس کے علاوہ میرا ذہن بھی سوچنے کے عمل میں مصروف رہا۔ ابھی تک مجھے یہ یقین نہیں مل سکا تھا کہ میں سارہ سے تنہائی میں بات کہنے کے بڑے لاسہ اور ہمتی کے بارے میں کچھ دریافت کر سکتی۔ سارا یقیناً ان کے ذہن پر چھٹی تھی۔
 لاسہ واپس مانتے سے پہلے میں بہر حال یہ موقع حاصل کر لینا چاہتی تھی اور اس وقت میرا ذہن بھی سوچنے میں مصروف تھا۔
 معائنہ سارہ کی آواز تھی۔ وہ مجھے سے مخاطب تھی۔ "بانو! میرے پاس یہ تو بولیں کہ ایک بار تھا جو میری ماں کی نشانی ہے۔ سامان میں مجھے وہ ڈراموں میں دیکھا ہے۔ لیکن ان کے شاید وہ آپ کے سامان میں ہو سکیں کہ سفر کے دوران میں، ہمارا سامان ایک ساتھ تھا۔"
 سارہ نے میری شکل محل کر دی تھی۔ میں اس کا اشارہ مجھے گئی اور فوراً بولی۔ "اسی کہ ہے کہ ایسا ہی ہو۔ تم یہاں سے آگے میرے ساتھ چلتا! بلکہ ابھی چلو دیکھ لیتے ہیں۔ وہ ہمارا اس لیے بھی گئی ہے کہ تمہاری والدہ کی نشانی ہے۔ تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

میری بات میں کمر سادہ ایک دم سا دھوا
 ہوا ابھی دیکھ لیتے ہیں۔ دراصل مجھے بھی ماں
 بسم ہوا۔ "یہ کہہ کر اس نے منہ کی طرف
 میں نے فوراً اٹھ کر سارہ کے پاس پہنچا
 لکے۔ مومن کو جو دگی میں ایسا ممکن نہیں
 سارہ سادہ کے ساتھ طعام کا وہ بھل گئی۔
 مجھے اس کا ساتھ سارہ سے منگوانے
 نہ طعام کا وہ بھل گئی ہی دھر دھر دھر دھر دھر
 طعام کو بھل گئی تھی۔ "اُن کے علاوہ رات
 ملنے کچھ فاصلے کرتے ہی کنگھڑو شروع کر
 "اُن سارہ آپ نے منہ کی طرف کیا کیا؟
 بہت اچھا! سارہ نے جواب دیا۔
 کہیں زیادہ اچھا ہے۔ وہ تو ان کی طرح
 دیکھتے ہیں۔ چاہتا تھا اور مجھے بھی اس نے
 "چینیوں کے بارے میں اس کے کیا
 سے دوسرا سوال کر دیا کہ یہ تفصیل اور کثرت
 "چینیوں سے اسے کوئی تعجب نہ
 کے ایک وقت کو تبت کے حق میں بہتر مرکز کرنا
 "چین لاسہ اور دلائی لاسے کے بارے
 ملنے دریافت کیا۔
 "اس کے دلی میں نہیں لاسے کے
 کے ساتھ وہ دلائی لاسہ کا بھی متفقہ نہیں لگے۔
 ہوتا اور مجھ نہیں سمجھتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہ
 سب بہت بہت خون میں دھوب جانے اور
 تشدد کا قائل ہے۔"
 "کیا تمہیں یقین ہے کہ تم نے منہ
 ہے؟" میں نے ایک دوسری بار دہرایا۔
 "ہاں بالکل اچھی طرح باؤں میں ملے
 کی طرح پڑھا ہے۔" سارہ نے جواب دیا۔
 "بڑے لاسے کے بارے میں بتاؤ؟"
 میرے سوال کا جواب سارہ نے
 چہرے کی طرف دیکھا تو میرے ہاتھوں کے آگے
 پہنچا دیا۔ مجھ کو بھی مجھے وہ خود بھی ہوا۔
 اس بار دہرائی میں داخل ہو چکے تھے میں
 وہ کہے ہاتھوں کے لیے مخصوص تھے۔
 میں ہاتھ کر دی ہو تو میرے کیڑا کرنا زیادہ
 مارہ میرے ہاتھوں کے میں داخل۔

وہ کہے کے بارے میں کچھ جانتے ہوئے بھی کچھ کیوں
 ان "دو آگے بڑھ کر مومن پر بیٹھتی ہوئی بولی۔
 ہمارا ذہن اچھا ہوا ہے۔ وہ فاضل پریشان
 پہلے لے آئے دوسرے کہ اگر آپ ملے سے
 "میں نے... تو آپ کو قتل کر دیا جائے گا۔"
 سارہ کچھ بھی کہتی تھی۔ شاید میرے قتل ہونے
 اور وہ ثابت ہوا ہو گا۔
 سے ہے؟ یہ سوال کرتے ہوئے میرے ذہن
 ملے اس کا نام نہیں لیتا۔
 "میرے خیالات خود بھی اس کے ذہن میں دفع
 لکھیں ایک نام کئی بار اچھا تھا اور وہ پہلے ہی
 "ہم مانتے آپ کچھ ہے۔"
 ابھی میں خیال آیا۔
 سارہ نے فوراً کہا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ سارہ
 ابھی پر مرکوز تھی۔
 مجھ میں بڑے لاسہ کو یہ معلوم ہوا کہ اس کے
 "آپ؟" میں نے حیرت کے ساتھ معلوم کیا۔
 ابھی میں مزید کوئی تفصیل نہیں لے اس کے ذہن میں
 دھول میں ملنے کا نہیں تھا۔ سارہ نے میرے
 دیکھا تھا۔ اس کا وقت تقریباً پورا ہو چکا تھا۔ ایک
 سے زیادہ وقت نہیں لگتا چاہے قتل یہ موت
 "اے! سارہ! اب بولو! آنا کتا ہے۔ اگر
 اس وقت اور پڑا اور دونوں ہی ہادی طرف سے
 "اے! وہ تم سے جو بار کیا تھا اس کے بارے
 ہنگامہ کر کے بانو! سارہ ہمتی ہوئی اٹھی اور پٹا
 "گھما!۔" ہاتھ جانتے ہوئے میں نے یہ بات
 "ماں کی نشانی ہے تمہیں اسے گلے میں
 "اے! میں تاکہ زیادہ محفوظ رہے۔"
 میں نے اسے بہت باتیں منظور سے دیکھا پھر
 "کی طرف بڑھتے ہوئے مجھے ایک خیال آیا۔
 "مگر میں وہ کوئی نہیں سمجھتا جو جانوں تاکہ تم
 "الہامہ جاؤ۔"
 پ الہامیوں جانتی ہیں؟" وہ ہنگامہ کر گئی اور
 "مگر کے بارے میں نہیں سمجھتی۔
 اور دازہ لگایا اور اس کے ہاتھ طعام کا ک

جانب چلتی ہوئی بولی۔ "کیا سمجھتی ہیں؟"
 "آپ کو کچھ شادی کی طرف سے خطرہ ہے کہ کہیں وہ مجھے آپ
 کی ساتھی سمجھ کر کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ آپ کو کوئی شادی کے
 لیے چھوڑنا چاہتی ہیں۔"
 "جیسے اس پر کوئی اعتراض ہے؟" میں نے پوچھا۔
 "نہیں بالکل نہیں! مومن تو مجھے بہت پسند ہے۔ سارہ نے
 جلدی سے کہا۔
 "اس اعتبار سے؟" میں نے تشریحاً سوال کیا۔
 "اس اعتبار سے نہیں جس اعتبار سے آپ سمجھ رہی ہیں۔ وہ
 میری ضرورت ہے۔ چاہے گئی اور اس کا چہرہ ٹھنڈا ہو گیا۔
 میں نے تیر تیر قدم اٹھاتے ہوئے، اسے بھی جلدی ملنے کے
 لیے کچھ چھوڑا۔ مگر وہ کچھ چھیننے سے کچھ پہلے بولی۔ "اب مجھے تو اچھا لگا
 کے دروازے پر غماض کر رہے ہوئے نظر آئے گئے ہیں اور وہ ہانسی اور
 "میں کہتے ہیں۔"
 "چین لاسہ کے کوئی غماض ہوتا اٹھ سے ساتھ کھٹے تھے میں اب
 اُنہی کے ہاتھ واپس جا رہی تھی۔ میں نے رات ہی کو مومن سے کہہ دیا تھا کہ
 اسے سارہ کے ساتھ نہ لگے اور وہ ایک دن بعد اسے کہہ لاسہ
 آتا ہے۔ مومن نے سب خیال سے اتفاق کیا تھا کہ سارہ کو کوئی خطہ
 پیش آسکتا ہے اور اس کی حفاظت ضروری ہے۔ مومن بھی یہی کر رہا
 منہ کی طرف سے مطمئن نہیں تھی۔ ہر چند کہ سارہ کے ہاں کی دشمنی
 میں منہ کی طرف سے دیکھ کر اسے کہہ لاسہ کا کوئی جواز نہیں تھا مگر مجھے میرے
 دل میں ایک کھٹک تھی۔ میں نے سارہ سے تشدد کے بعد دلی طور
 پر مطمئن کا خیال اپنے ذہن سے جنگ دیا تھا۔ کیونکہ اصل میں اس شادی
 کا تھا۔ چنانچہ شادی جس کا نام بڑے لاسہ کے ذہن میں بھی محفوظ تھا۔ چنانچہ شادی
 آئندہ کچھ عرصے کے طور پر اور ہونے والا تھا۔ اس سے میں بالکل مطمئن رہاں
 متوقع عمل کا مقام، وقت اور نوعیت مجھے کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔
 اس کے عمل کا انتظار کرنے کے سوا۔ میں اور میری کیا سکتی تھی۔ سو
 میں نے یہ کیا۔
 میں پوتا لاسہ بھی تو سوچ اپنا نصف سفر طے کر چکا تھا اور
 فضا میں سکون بخش تمازت تھی۔ عمل میں پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ میرا اور
 رضوان اپنے اپنے کمروں میں ہیں۔ میں نے سارا کوں سے میرا ہفتہ سا سفر
 سامان اگر سب کے میں ملے دیکھ دیا۔ عمل میں میری حیثیت چنانچہ لاسہ
 کے ہاں کی تھی۔ وہ چنانچہ لاسہ جو بہت میں چینی حکومت کی سیاست کے
 فرائض انجام دے رہا تھا اور جس نے ایک اعتبار سے دلائی لاسہ کی جگہ
 سنبھال لی تھی۔ میں دیکھتی کہ میں میں داخل ہوئی اور غماض مستند نظر
 آئے گئے۔
 میں نے سہری پر دروازے ہونے سے قبل خادموں کو کچھ بار کہہ دیا۔
 اور رضوان کو تاش کر کے اُنھیں میری آمد سے مطلع کریں۔ مجھے معلوم

تھا کہ وہ دونوں کو لانا اٹھتے سے باہر نہیں گئے ہوں گے میں ناب کچھ دیر سوچا چاہتی تھی کیونکہ گزشتہ رات بچھوری میں اس کو سگے قریب نے مری آکھوں نے بید کیا تھی اودھیر بچے فسر کی کان کان تھی مری اودھیروں کو کھانسی لگانے کا مقصد اس کے سوا کچھ اودھیر نہیں تھا کہ اس نے کچھ دیر فکرت کرنے کے بعد آرام سے سو سکوں، وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ دونوں باخ کے کسی کچے میں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے مصداق یہ رکالے لول ہے ہوں گے۔ میں رضوان کے عرس سے دستبردار ہو چکی تھی اودھاب اُن دونوں کے درمیان کوئی دلیارہاں نہیں تھی۔

کے کم افراد ہوں تو میں اپنا فرض ادا کرنے میں آسانی ہوگی۔
 میں نے اُس کی تائید کی۔ اور پھر کمرے سے سب کو نکال دیا گیا۔
 رضوان اور رضیکہ بھی اپنے والد سے رخصت کر دیا گھر کا ہر سبکدوش
 ہو کر چھوڑ کر گئے جاکسی حق!

کچھ دیر بعد طبی مشیر نے مجھے بتایا کہ مومو کے جسم میں چار گولیوں
 پیوست ہیں جن میں سے تین گولیاں تو نکال جا سکتی ہیں مگر چوتھی گولی
 نکلنے کے لیے بڑے آپریشن کی ضرورت پیش آئے گی۔ طبی مشیر نے
 اذازہ لگا یا تھا کہ چوتھی گولی جسم کے اندر کہیں دل کے قریب پیوست ہوئی
 ہے اور شاید اگلے پچھلے پتے کو لگا دیا ہو۔ مومو کو جس زور کے
 آپریشن کی ضرورت تھی وہ پیچیدگی ہی میں ممکن تھا۔ یہ آپریشن بتات ہی
 ممکن نہیں تھا۔ معاملہ سوچ کر دل پر لکھا نہ تو بچہ اپنے باپ کا حق لیے طبی
 مشیر نے اس زور کے آپریشن کی ذمہ داری لینے پر آمادہ نہ تھا۔ اُس کا کہنا تھا کہ
 اس آپریشن کے لیے اُس کے پاس مکمل انتظام نہیں حالانکہ اس حالت
 میں مومو کے لیے طویل سسٹم فراہم نہیں تھا مگر اس صورت میں
 زندگی بچ جانے کے زیادہ امکانات تھے۔ مومو کی حالت ٹھیک نہیں
 تھی مگر فی الحال اس کی زندگی کو کھڑا رکھ دینا تھا۔ طبی مشیر سے یہ
 جان کر میرے دل کو یوں کھنکھایا۔

مستی کھنکھانے کی مسلسل کوشش کے بعد آخر مومو کو ہوش آ ہی
 گیا۔ میں نے طبی مشیر سے کہا تھا کہ مومو کا ہوش میں آنا بہت ضروری ہے
 تاکہ وہ اپنی لوگوں کی نشان دہی کر سکے جنہوں نے اُسے قتل کرنا چاہا تھا۔
 پہلے مومو کے ہوشوں کو حرکت دینا چاہیے۔ مومو نے اُسے آہستہ آہستہ
 آنکھیں کھول دیں۔ میں اُس کی پریکٹکس کرتا تھا اور اُسے آہستہ سے پکارا
 تقریباً آدھے گھنٹے میں مومو نے ہلکے ہلکے آواز میں کہا کہ
 واقعہ بتایا ہے جس نے اُسے قتل کیا۔ اُس کے تھوڑی دیر بعد
 ہی وہ پھر ہوش ہو گئی تھی۔

”آپ اب آرام کیجیے، تمام انتظامات ہو جاتی گئے۔ مومو کے
 پریکٹس ہونے میں طبی مشیر نے مجھے مدد کی۔ میں نے اُسے سوائے
 کچھ سے دیکھا تو وہ دوسرا جسم سے انفرنگ کے ایک جہاز میں پیچیدگی
 لے جائیں گے بشرطیکہ اگلے چند گھنٹوں میں موسم خوشگوار رہے۔“
 ”میں اپنی بہن کو بھی اس کے ساتھ بھیجنا چاہتی ہوں تاکہ وہ پیچیدگی
 میں اس کی شہادت کر سکے۔ میں نے آپ کو یہ بتا دیا کہ وہ پیچیدگی
 ”ہم دعا کریں کہ قتل آپ کو مل کر رہے۔“ طبی مشیر نے جواب دیا۔
 میں کوئی مشیر کی بات سے مطمئن نہ ہو گئی۔ یوں جب ایک میرا دل
 میں ان فاضلوں ہی تھا جو کہ نہ تھا، ان کی گول کو نہ تھا اور مجھے رضیکہ کو
 بلکہ میری بی بی جانا تھا کہ وہ پیچیدگی جانے کے لیے تیار ہو جائے۔ طبی مشیر
 مشیر کو ایک دلچسپ مومو کی طرف توجہ دیا کہ وہ اس سے پہلے دی۔
 میں سامان خانے میں واپس پہنچی تو رضوان اور رضیکہ کبے مومو

سے اپنا منتظر پایا۔ وہ دو گھر حریف
 ہوئی کہ رضوان اس موقع پر ضلالت میں
 آئے دونوں کو مومو کی کیفیت سے آگاہ کیا
 مومو نے ہوش میں آنے کے بعد مجھے بتایا
 اُس کی دشمنی میں میں نے فیصلہ کیا تھا
 یہ کہہ کر میں نے مختصرہ و واقعہ بیان کر دیا
 واقعہ یہ تھا کہ مومو اور سارہ ہمارا
 کے ہمراہ پھوڑی سے ملے تھے لیکن اگلے
 تھا کہ انہیں کچھ مسئلہ گولوں نے اپنے
 سے ترزاں رکھا تھا۔ وہ راز دار
 چہرے کے راز داروں سے بچتا ہے ہر
 ایک دروازہ قند نہیں تھا اور وہی اُن کا سر دروازہ
 پر ڈال کر قندوں سے سارہ کو تباہ کر دیا
 وہ دونوں سارہ کو لے کر ماسک کی سمٹ
 کہیں اور چلی گئی۔ سارہ کی ڈانٹ کے بعد
 شروع کر دی تھی۔ اُس کے اہل گھر میں
 فادموں اور مومو پر غیاب کر دیتے تھے۔
 دال پیٹنے، انھوں نے ایک خادم اور مومو
 دال چڑا دیکھا۔ اُن دونوں کے علاوہ
 یہ لاشیں اُن پاؤں میں سے تن خاڑیوں کی
 اور سارہ کے ساتھ تھے۔

میں نے تمام واقعہ بیان کرنے کے
 کوئی اذازہ لگا سکتی ہو کہ وہ پستہ قد مشہور
 ”چن ڈی“ رضیکہ اور رضوان
 ”میرا بھی یہی خیال ہے۔“ میں نے
 کے باشندے جیسا شریف ہوتے ہیں۔ اگر
 یقیناً وہ قتل کر گزرتے ہیں لیکن کسی کو
 کو سنا تھا کہ انہیں چھوڑنے اور اسی جگہ
 کرتے۔“

”مگر سارہ کے اغوا اور مومو کو قتل کرنے کی
 کیا مقصد ہو سکتا ہے؟“ رضیکہ نے پوچھا۔
 ”مجھے مریعہ کرنے کے برابر ہے۔“
 جھجھکا ہٹ کے عالم میں کوئی غلط فہم تھا
 ”اس کا مطلب تو یہ ہے کہ مومو کو قتل
 واقعہ میں اس بار رضوان بولا۔
 اور جھجھکا ہٹ عام آدمیوں کی طرح اذازہ لگایا
 خطرناک بناتے ہیں۔“



مراغرا اذازہ کرتے ہوئے کہا اور سوچ میں گم
 کہ میں نے سارہ کی غیر سیاسی کے بارے میں
 مارا میرے علاوہ اس کا کسی کو بھی علم نہیں
 گواہیں، اگر ایسا ہوتا تو وہ اپنے اُن دونوں
 سے ہوشیار کر دیتا جن کے ذمے اُس نے مجھے
 دلائی۔ جواب اُن لاکھ کے قید خانے میں
 اہل تھے۔ دی گئی گھر سے مومو کی طرح قتل
 لگا گیا، میں نے سوچا۔ کیا کسی کو سارہ کی زندگی
 میں ایک بار پھر مسمی کا خیال ہی تھا مومو نے
 واضح الفاظ استعمال کیے تھے۔ اُس پر شہر کرنے
 مار سے ایک بار پھر لافات کرنا ہو گی
 کہ ایک جانب دیکھتے ہوئے تھا۔

”سہ باجی! لیکن میں ایک بات سوچ رہی
 کہ سوچ کر کہہ
 ال۔“
 ”کی ہوں کہ اگر میں مومو کے ساتھ پیچیدگی چلی گئی
 ہاں میں؟“ رضوان بھی قریب سے ساتھ ہو گیا
 میں ایک جانب سوالیہ نگاہ سے دیکھا۔
 ”مومو کے ساتھ جانا ضروری ہے۔“ رضوان

”میں چاہتا ہوں کہ مجھے خطروں، چن ڈی یا اس
 کو کرشنا اُسے ہلاک کرنا چاہیں گے۔“
 ”مجھے کوئی فکر نہیں ہے گی۔“ میں نے اپنی
 لگا۔ رضیکہ نے کچھ کہنا یا انہوں نے اُسے
 ہاں بھی تھا کہ اُس مجھے جہاں تک لانا تھا
 اُسے ہی کہہ کر میں چلا ہوا رضوان کو بھی اپنے
 ہاں کے معاملات میں تنہا نہ چھوڑاں گا۔“

”اذازہ میں سے کوئی مجھے نہ چھوڑے گا۔ زیادہ نہ
 واقعہ جانے سے انکار کر دیا اور رضیکہ نے ساتھ
 ”دو دونوں! اُس وقت میرے کمرے میں تھے۔ رضیکہ
 ہالے کی تیار کر رہی تھی۔ اُسے دھانپنے کو
 میں کہہ کر تنہا رہ گئے۔“
 میں بھی کہہ کر سارہ کی بات نہ کی۔ رضوان
 کہیں میری دانست میں خطرناک ہوتا جا رہا ہے۔

”میرزا جی! میں نے تمہیں بتا چکی ہیں کہ ہماری یہاں آمد کا مقصد کیا
 ہے!“ میں نے سنجیدگی سے کہا۔
 ”لیکن اب تک یہ نہیں بتا کر اس مسئلے میں اپنے کس حد تک
 ذمہ داری قبول کی ہے؟“ رضوان نے وضاحت چاہی۔
 ”کئی اور وقت تھا تو شاید میں رضوان کو دل دیتی مگر اس وقت میں
 ایسا نہ کر سکی۔ اس کی وجہ یہ کہ رضوان بھی تنہا تھا اور میں بھی، ہم دونوں ہی
 پر مومو کو پیش آنے والے واقعہ کا اثر تھا۔ اس لیے میں نے بہت میں
 اپنی احمک پوری وضاحت کر دی۔“
 ”میرزا اصل مقصد یہ تھا کہ میں سرجھٹانے والے کھانا پیلے کھانا ہے۔“
 میں بولی۔ اس کے علاوہ مجھے یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ دلالی لارہ بت رہی
 آچکا ہے یا نہیں۔ اور اگر وہ نہیں آتا تو کیا ایسے امکانات میں کردہ واپس
 آجائے اس کے سوا میرا اور لکھی مقصد نہیں کھانا پیلے یا دیگر باغی
 قیدیوں کی سرکوبی کرنا میرے مقصد میں شامل نہیں۔ مختصر یہ کہ میں مجھے
 صرف یہ بتانا چاہتا تھا کہ یہاں لارہ کے اشاریہ یا نہیں اس کے بعد
 میرا کام ختم ہو جائے گا۔ میری فکر یہ کہ وہ صحت مند ہی کی روشنی میں
 حکومت کوئی قدم اٹھانا چاہتی ہے۔“

میری بات آخر ہی ہوئی تھی کہ دلالہ سے ہر دستہ ہوئی۔ رضوان
 نے صوفے سے اٹھ کر دلالہ کو بل دیا۔ اُسے دالے کو میں نے فوراً پہچان لیا۔
 وہ بچپن لارہ کے خاں خادموں میں سے ایک تھا۔ اُس نے مجھے بچپن لارہ
 کا زبانی پیغام دیا اور رخصت ہو گیا۔ مومو کے ہاں میں بچپن لارہ کو بھی علم
 ہو گیا تھا۔ اُس نے مجھ سے سکول یا کھانا کی نقل لینے پر انکار کیا۔ وہ تمام
 انتظامات کرانے کا میں تجویز کر مومو کے مسئلے میں بچپن لارہ نے ذلتی دلچسپی
 کیوں لی ہے۔ اور وہیں اور وہیں میں گئی تھی۔ مومو کا دیکھنا ساتھ ہمارا اس بات
 کی دلیل تھا کہ وہ چینی حکومت کے ایسا ہی بہت آتی ہے۔
 بچپن لارہ کا خادم رخصت ہو گیا تو میں نے اپنے کمرے کے دروازے
 پر موجود دو خادموں میں سے ایک کو گاڑو دم یا گاڑو مسمیٰ حیرت معلوم کرنے
 بھیج دیا اور دوبارہ رضوان کے سامنے دالے صوفے پر بیٹھی۔
 ”میرے بیٹھے ہیں رضوان! کھانا کھاؤ اور دلالہ میں یہ کہہ کر تباہیوں
 کر رضیکہ کو تباہ کرنے میں کتنی دیر ہے؟“ رضیکہ نے کئی گھنٹے کی بات
 اُسے پہلے سے تیار رہنا چاہیے۔“
 ”ہاں جاؤ! اور اس سے کہہ کر جلدی تیار ہو جائے۔“ میں نے اُسے
 اپنے کمرے سے بلانے کی اجازت نہ دی۔
 میں رضوان کا مقصد اچھی طرح سمجھتی تھی اور یہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ
 پہلے دالے وقت رخصت عملت میں ایک دوسرے سے نہ لیں رضوان
 کے ساتھ ہی میرا زہن پھر جلالت کے بیچ دشمنی کو لگا دیا۔ میں جس مقصد سے
 بہت آتی تھی۔ اُس کے حصول میں کچھ معلوم تو میں حال ہی میں نہیں قدم

کیا وہ نہ کہ تریاق نہیں ہو سکا ہے؟“ میں نے اُن کی طرف دُکھ کر سنجیدگی سے کہا دیر کی بات تُو نہ کر رہو ناں کے چہرے کا لہجہ بدل گیا۔
 ”تو... تو اُن کا مطلب ہے... ہے کہ... کہ ہم کچھ دیر کے سہان ہیں... کچھ دیر کے؟“

”ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا، لیکن ہے کہ ایسا نہ ہو اور ایسا ہو بھی سکتا ہے۔ میں نے مجھے سے نکل کر گھوڑے کے پشت پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ بعض نہ رہے ایسے بھی ہوئے ہیں جو دیر سے اتر گئے ہیں، اور یہ بھی نہ بھولو کہ ان کا توڑ بھی ہوتا ہے۔“

رضوان بھی گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ مسئلہ زندگی اور موت کا تھا۔
ملا ایک ایک ٹمٹمستی تھا، اس لیے دوسرا ٹک پہنچنے میں ہم سے بہت
دیر لگا۔

[illegible]

وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا اور اندر لڑائی میرے ساتھ آؤ!۔
 جڑا لڑا رہیں درگاہ کی ایک ایک کوٹھری کے لیے۔ گلیہ! اُس کوٹھری
 میں موجود ایک کھجور کی امانی کے کھول کر اُس کے کوئی ڈبہ نکالا۔ ڈبے نے
 وہ ہلانے پر سہ پہلے اُس کے ڈبے کو دھلا دیا جس میں کوئی کشتی میں
 تھیں۔ ڈبوں کو اُس نے اپنے سامنے چڑھا، پھر اُن ڈبوں کو بھی
 دھوا کر اُس نے اُن میں دھکی کر ناند کی ڈبیاں نکالیں۔ جڑا لڑا اس ایک
 ہنر اسفون تھا جس میں سے اُس نے کچھ معفون ڈبے کے کھٹے
 سے پکا کر اگ الگ ڈال دیے۔

[illegible]

کچھ دیر بعد ہی سفوت کی آخری ڈھیری سے رمال کا ایک نیا
سُں ہوا اور اس بار پٹے لاکھ روڈال پرانگل جھیرنے کی ضرورت
پڑی۔ رمال کا وہ حقد جہاں سفوت لگاتھا، تیزی سے سیاہ
دارا چھڑا۔ آہستہ آہستہ رمال سے سفید سفید دھواں سا اٹھنے
لگا۔ لاکھ روڈال ہاتھ سے چھوڑ دیا اور اس بُرا کو اٹھا لیا،
جس سے سفوت کی آخری ڈھیری بنائی تھی۔ اُس بُرا کا کاغذ
سیدھا دھواں پیدا ہو رہا۔ کافور بخندے ہوئے بخندے ہوئے لاکھ
ٹھری میں روشن ہو رہی، لمبے پائے جاگروہ خربڑ پٹھیں، چھڑ پٹھیں

ہم نے سوجا۔ گمراہی زندگی کے لیے آخری جدوجہد
 ہمیں ہر تہہ میٹھا تھا اور میں اس کے چہرے کے
 مہک کی کیفیت کا ناز و نگاہ سے قاصر تھی۔



۱۔ ماننے والے کو کھرا جانا نہ صبر بانو نے سیکھا
۲۔ صبر بانو قنوت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال
۳۔ رمضان تو زندگی کی شورش و شعلہ حقیقتوں کی
۴۔ دلوں کو کیا ہو گیا تھا؟ یقیناً یہ سب اُسی
۵۔ اللہ ربّ کے درگزر و مہربانی کا تھا۔

۱۔ سو جا کر رضوان بھی اب اُس کمزور لمحے کی

مہمان کی آپ سے ملاقات اور اُس نے درگاہ
میں آکر اُن سے آپ کے اور اُس کے درمیان

۲۱. انا تامل در یک سمت چھوٹی سی
۲۲. کہ اس بستی کا ذکر آیا تھا "بڑا لامبیہ
۲۳. پرک کر دہ دوبارہ بولا "یقیناً اس

بستی کا ذکر اسی سلسلے میں آیا تھا۔ اس کے علاوہ ایب اور دلچسپ بات یہ کہ جب منتہی یہاں سے رخصت ہوا تھا تو اس نے بھی وہاں جانے کا اللہ ظاہر کیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اس کا کوئی دوست وہاں رہتا ہے۔

سکون اور غمراہ تھا۔
 ”مستم اللہ کیا آپ ہمیں جس سختی تک جانے والے راستے
 کی تفصیلات سے آگاہ کرتے ہیں؟“ میں نے بڑے لالچ سے کہا۔
 ”جیسے لالچ نے انبات میں سر ملایا اور اولیاءِ حق میں محمودی
 دور تک چاؤ دیو جانے والی شاہراہ پر سفر کرنا ہوگا۔“ میں کے

آبادی ایک نہ پہنچ جاؤ۔ اس طرح تم اس بستی تک پہنچ جاؤ گے جس کا ذکر کرنا ہی نیکہ تھا۔ یہ جھوٹی سی پھڈی سی مروت چاہ گھروں پر مشتمل ہے۔ ویسے میں تمہارے ساتھ اپنے ایک خادم کو بھی بھیج دوں گا جو گرد و نواح سے بخوبی واقف ہے، اے
طاہر! اُس بستی، کرسٹوفر کولمبس کے نام پر نکالنا شروع ہو گیا۔

ابھی ہم نے کچھ نامعلوم ہی ملے تھے، لیکن اب تو گڑھا گڑھا کے خاتمہ کے خاتمہ نے اپنے گھوڑے کی باتیں کیج کر لیں اور ہمیں بھی کر کے کا اشارہ کیا کہ کاشانہ کی روک لیں۔

93

ملکتی ہوئی کسی مالک محسوس ہوئی۔ میں نے اسے خود سے دیکھا اور
 پہچان لیا۔ وہ کشتی تھی، لذت ہی لذت، خواب ہی خواب، رنگ
 ہی رنگ، شانہ اود گریز، باشاہانہ اود اعلیٰ ناز شانہ کہیں کے تصور
 ہی سے انفس میں خوشبوئیں جاتے، انکھوں میں رنگ لڑنے لگیں۔
 ہاں وہ کشتی باشاہانہ کی آرزو کی جاتے اور وہاں آرزو میں ساری کشتی جاتا
 دی جاتے۔ ہاں وہی شانہ، زینہ زینہ سر سے وجود میں آتی، چلی جادی
 تھی۔ نہ جانے ہم کہیں تک ایک دوسرے میں گم رہے اور چہرہ جلتے
 کب ایک دوسرے سے لپٹ کر سو گئے۔
 کسی بچے کے رونے کی آواز سے میری آنکھ کھلی اور میں نے
 حیرت سے اسے اور دیکھا کہ جازنہ لایک لایک کماں ہوں، وہ نہ دیکھ
 تھے نہ خوشبو، نہ شانہ، خواب تھا کہ چوہہ کو دیکھا جو سنا افسانہ تھا۔ میں
 نے خود کو ایک تالین پر پڑے پایا۔
 سامنے ہی چہرے سے آتش لہان میں لگ رہی تھی، تیش لہان کے
 پاس ہی میری طرف رخ کیے وہ لپٹے قدم چھٹی لڑکی تھی۔ افسس کا
 پتہ گود میں لپٹا ہوا دودھ لہ رہا تھا اور وہ سرخ کتاب کو پڑے
 حوصلے سے پڑھ رہی تھی۔ اس کی داخل اس وقت بھی اس کے کشتی
 سے ملک رہی تھی۔ حاسمی شکل و صورت کی وہ چھٹی لڑکی اپنے
 بچے کو سینے سے چماتے تھے بہت جلدی تھی۔
 ”پانی“ میں نے مذہم ہی آواز میں کہا۔ مجھے اپنا کٹا شک
 محسوس ہوا تھا۔
 لڑکی میری آواز میں کچھ نہ کہی۔ اس نے میری طرف دیکھا
 اور عجیب سے انداز میں مسکرائی۔ اس کی مسکراہٹ میں خیر تھی مگر اس
 وقت میں اسے کوئی معنی نہ مل سکا۔ وہ مجھے نہیں دیکھ کے اپنے
 بچے کو سینے سے لگائے ہوئے کمرے سے باہر چلی گئی تھی۔
 میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔ بیٹھتے ہی میری نظر رضوان پر پڑی۔ وہ مجھ
 سے ذرا دھڑکی تالین پر بود تھا۔ رضوان کے چہرے پر افسس
 ہونے والے غاب ہو جوش میں تھے البتہ ان کے کچھ نشانات سے
 پانی تھے۔ میں نے رضوان کا چہرہ دیکھ کر خود اپنے چہرے پر ہاتھ
 پھیرا۔ مجھے اپنے چہرے پر پچی داؤلوں کے اچھا محسوس نہ ہوئے۔
 ہاتھ اور جسم کے دوسرے کھلے ہوئے جھول کا جائزہ لینے سے چٹا
 چلا کر دل سے تمام جسم پر نکلے ہوئے گئے۔
 ”نکھر کر میں یہ نشانات بھی جاتے رہیں گے“ لڑکی کی آواز
 سنائی دی اور میں چونک پڑی۔
 میں اپنے جسم کا جائزہ لینے میں اتنی منہمک تھی کہ مجھے لڑکی کے
 کمرے میں داخل ہونے کی خبر ہی نہ ہو سکی تھی۔ اس نے پانی سے
 پھر ہوا پانی لایر طرف بڑھا دیا۔ میں تنہا لالینے ہوئے
 اس کے چہرے اور جسم سے چہرے کو دیکھا، پھر میری نگاہ نے

ایک ہی لمحے میں اس کے سر پر پا کا جائزہ لے لیا
 ہوئی سرخ کتاب اس کے عقدے کی کچھ لکھی ۱۱
 سینے سے چماتا، اونچا اس کی بھر پور محبت کا
 سے لگتی ہوئی خود کار و افعال میری سمجھتا ہا۔
 کو کس جذبے کی ملامت سمجھا جاتا، محنت کا،
 کی شخصیت سے منسلک نہیں کھانا تھا مجھے ا۔
 مجھے اور رضوان کو دیکھتے ہی کشتی چمک رہی تھی
 سمجھنا ہی تھی! وہ فیضانِ افسس اور دل کے استعمال
 اور تربیت یافتہ تھی میں نے ایک نچرنا دیکھا
 ہتھیا کو کوشا نے سے نکالنے کو کھانا ۱۱
 کے کچھ وحشی خروید میں جسے جبراً آنا ہونے
 اپنے پاں داخل کرتی ہے۔
 اس لڑکی کے شعلی سر سے ذہنی حسد،
 رہے تھے مگر میں نے سب سے پہلے زہر کے
 ”تم نے مجھے کس طرح پچایا؟“ میں نے اس
 میں نہیں تھی زبان میں کیا تھا اور تھی زبان
 مقصد تھا۔ میں جانتا تھا کہ تھی کہ وہ تھی ۱۱
 نہیں اور اگر واقف نہیں تو چہرے کا ۱۱
 میں خود وار رہے۔
 ۔ جڑی خوش قسمت خاتون ہیں، ۱۲
 اندر میں جواب دیا جواب دینے کے لیے نہیں
 کی تھی چہنچہنے توقت کے لہجہ وہ چل رہی تھی
 وقت رہتا ہے جس کا شمار آپ اور آپ کا کام
 ”لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوگا کہ میں اس
 میں نے پوچھا۔
 ”آپ دونوں کے چہروں پر اس غم
 بہت کم محسوس کے پاس جاتا نہیں اس کے
 میں نے آپ کے چہرے پر پھر سے ہاتھ
 آپ کو نہ ہر دایک لپے اور کو نہ سنا رہا
 ”اود“ میں نے اپنے چہرے پر ا
 ”اب آپ کے چہرے پر کئی داد
 بہت نشانات رہ گئے ہیں وہ بھی ختم ہا
 ”تو وہ تریاق تھے تم نے بلایا تھا؟
 لیتے ہوئے کہا۔
 ”جی ہاں آپ اس وقت ہوش ا
 تمہیں“ لڑکی نے جواب دیا
 میں لڑکی کا جواب نہ کر سکتا تھا

جی، اودس خواب و حقیقت میں صرف اتنا فرق تھا
 ۱۱ میں نے لڑکی میں! میں نے سوچا کہ یادیں بھی کتنی ظالم
 ۱۱ وہ کس کے بدن میں جوڑتی ہیں۔ یہ سب کچھ یاد آنے
 کی، میں خیر سرکشت کا مطلب بھی سمجھتی ہو گیا وہ لڑکی
 میں کمزوری ہوئی تھی۔ چاہے ناہانستی کی ہی میں تھی مگر
 انکھوں میں مثال ہو گئی تھی جن کے سر پر سرے لپٹا رہا
 لہجہ درجوب رہا کہ اسے پھر غلبہ کیا یہ بتاؤ کہ کھائے
 ہر گز تریاق کیوں رہتا ہے، کیا تم نے کسی دشمن کی
 ہر گز وہ کبھی دھوکا دے نہ ہو کھائے گا؟
 ہاتھ سے تریاق اپنے لیے نہیں دیکھا مگر اسے اپنے
 گالہ ہے۔ یہ کہتے ہوئے لڑکی کی آواز میں بھی کئی لڑکی
 کی انکھوں میں کئی کماں حساس ہوا۔
 لہجہ میں اودس تالیق بات تھی۔ دشمن کے لیے
 ۱۱ محمود تریاق کیوں لے لے پھر تھی؟ میں نے سوچا اور
 ۱۱ ہملا دیتی تھی ناخاکہ کا روبرو دھار لیا۔ میں لڑکی۔
 ۱۱ یہ نہیں دوسروں کے لیے رکھا جائے کہ تو دوست
 ۱۱ اگر کشتی میں نہیں گریں؟“
 ۱۱ دوست ہو کر نہیں۔ وہ میرا دشمن ہے۔ لڑکی نے
 ۱۱ ہاتھ بڑھا دیں۔ اے میرے لیے تو نے یہ لیے ہیں اس
 ۱۱ تمہیں شاید اندازہ نہیں ہو کہ اگر تم نے یہ بات
 ۱۱ اب تمہیں جو تریاق ہے تو میں وصاحت چاہوں
 ۱۱ لڑکی کھنے کا مطلب کیا ہے؟“
 ۱۱ اب تمہیں میں کچھ نہیں سنا لگتی ۱۱ وہ غمناک سا سننے لے
 ۱۱ انما کہیں کو میرا اور آپ کا دشمن ایک ہے۔ یہ
 ۱۱ ہر گز رکھا جائے۔ مجھے علم ہے کہ وہ تبت ایا ہا
 ۱۱ اس کے جو اس کے پاس وہ نہ رہیں جس کا شمار
 ۱۱ نہ تو ہے۔ بے اختیار نکلا یہ کیا تم ہی کا ذکر کر
 ۱۱ لڑکی نے کہتے ہوئے دانت سے پھر
 ۱۱ میں نے اس کی تلاش میں درد کی نظر کی کشتی
 ۱۱ لڑکی نے اسے دھوڑا لیا ہے۔ مگر آپ کی
 ۱۱ آؤں یا اب تک نہیں اس کے پاس پہنچنے کی ہوتی
 ۱۱ اندازہ نہ لگا سکیں کہ تبتے ہوئے آپ کو
 ۱۱ نہیں نے کیسے مبر کیا کیسے اپنے دل کا کھانا

کو کشتی۔ انسان مجھ پر آپ دونوں کی زندگی بھانا فرض ہے! میں نے
 اپنا فرض انجام دیا کیونکہ آپ دونوں کو میری ذریعہ توجہ کی ضرورت تھی ۱۱
 لڑکی نے جذبات سے کہنے میں اپنی بات ختم کی۔
 ۱۱ میں۔ میں تھوڑی شکرگزار ہوں، میں نے متاثر جیسے میں کہا۔
 ۱۱ اگر تمہیں نہ ملی ہو تو دیکھو کہ میری کتنی شانہ ہے بہتر ہو جاتے
 کبھی کبھی اتفاقات زندگی پچھلے ہیں۔ یہ اتفاق ہی تو ہے کہ تم سے
 ملاقات ہو گئی ۱۱
 ۱۱ یہ محض آپ کا خیال ہے کہ میری اور آپ کی ملاقات اتفاق سے
 ہو گئی۔ ایسا نہیں ہے بازو صاحب ۱۱
 ۱۱ میں اس بات سے اپنا نام کس کریں نہ لگی۔ وہ مجھ سے واقف
 تھی مگر کس طرح؟
 لڑکی نے مجھے حیرت زدہ دیکھا تو اس کے ہاتھوں پر سرکشت آ
 گئی، پھر وہ میرے کہنے سے پہلے ہی ہلائی گئی۔ ۱۱ آپ نے میری ملاقات
 اس کی دل میں ہو گئی تھی جس دن میں میں سرخ چین کے ٹکڑے حاسمی کا ایک
 خط پڑھا تھا۔ اس خط میں جن ٹکڑے کا مطلع اعلیٰ لے گئے تھے کہ وہ
 آپ کو قتل کرے۔ میں نے آپ کے لیے میں معلومات حاصل کیں تو
 اندازہ ہوا کہ آپ بڑے دل گزے کی خاتون ہیں۔ میں نے کسی دن رات کر
 لیا تھا کہ آپ سے ضرور ملوں گی۔ مجھے یقین تھا کہ جہاں آپ ہیں وہیں
 چن زری بھی ہوگا مگر وہ آپ پہلے آدہ ہو سکے۔ میں آپ کو چن ڈوٹی کے
 ارادوں سے گا کر ناچا ہوا تھی اور اس کے ساتھ مجھے یہ آئینہ بھی تھا کہ
 آپ کے اوسط سے میں چن ڈوٹی بھی پتہ چاؤں گی۔
 ۱۱ اور میں تمہیں بلی بھی تو کس حال میں! میں اس کے خاموش
 ہوتے ہی لڑکی۔
 ۱۱ ان مجھے آپ سننے میں تھوڑی دیر ہو گئی ۱۱ اس نے کہہ میں کل
 صبح ملاستی تھی۔ مجھے وہاں آپ کے بلنے میں معلوم ہوا کہ آپ بکدوری
 گئی ہوئی ہیں میں بکدوری کی دھواں دہنی اور بڑے لارے سے ملے۔ بڑے
 لارے نے مجھے آپ کے ہاتھ میں تعلیمات سے آگاہ کیا۔ یہ میں کو کڑی
 آپ کو تیرے چکے اور آپ اس کی تلاش میں وہ لڑکی میں اس فوراً اٹھ
 کھڑی ہوئی میں غفلان ہی کے دروازے میں وہاں سے روانہ ہو گئی۔ بڑے
 لارے نے میرے ہوا ایک خادم کی بھیج دیا تھا کہ میں باہر آؤں اس بات تک
 پہنچ سکوں اور راہ نہ ہو سکوں مگر شاید آپ راستہ میں کئی تھیں ۱۱ میں کی
 لیے آپ سے پہلے یہاں پہنچ گئی ۱۱
 ۱۱ مگر تمہیں یہ کیسے معلوم ہوگا کہ میں اس تک نہیں پہنچ سکی اور میرا کعبہ
 تم تبت کے لیے اچھی بکڑی تھی زبان کیسے جاتی ہو؟ میں نے ایک
 ساتھ دو سوال کر لیے۔
 ۱۱ آپ کے پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ بستی میں گنتی کے صرف چند
 ملاقات ہیں۔ میں نے اور بڑے لارے سے خاتمے ان ملاقاتوں کے اور گز

معلوم کر پڑا یا نہ ہو لیا۔ یہی ہر طرف ممکن کے آثار نظر کے، بھر میں
چھوٹے سے گھر میں چلے آئے۔ یہ گھر ایک مقامی باشندہ کا ہے۔ جو
بڑے لارہ کے خادم کا ذات کا ہے۔ یہ لڑکی نے ضحاک کی، پھر میر
دوسرے سوال کا جواب دیا۔ میں نے پوچھا کہ کیا ایک عرصے قبل جنتی
زبان کی کچھ لڑکیاں ایسے ہی زبان سیکھنے والا خود گھر میں تھا؟
”ہلے لارہ کا خادم اردو بولتا تھا یا نہ تھا؟ میں نے کہا، ”میں نے پہلے
”وہ دو دونوں باہر میں نے لڑکی کے تیرا ہی چن کر ہی جن سماعت میں
نظر ہوا ہے وہ دونوں اس سماعت کی نگاہ کر رہے ہیں۔ آپ اب مجھے
بھی اجازت دیجیے، میں چل رہی ہوں۔“
وہاں سے میں نے چھک کر کہا۔

لی ہو جس نے تم کو اس طرح پھینک کر دیو کیا؟ اس کا شہر کون سا
 ہے جس میں لوگوں سے متعلق مختلف سوالات اٹھاتے رہے
 ہو؟ کیا اس نے کبھی یہ سوچ کر لوگوں کی زندگی سے کیا کام لیا ہو؟ کیا
 اس نے کبھی اس کا نام یاد رکھا ہے؟

یہ ایک عجیب سا شہر تھا۔ اس نے اس کے لیے ایک عجیب سی چیزیں
 دی تھیں۔ وہ
 ایک عجیب سی چیز تھی۔ اس نے اس کے لیے ایک عجیب سی چیزیں
 دی تھیں۔ وہ
 ایک عجیب سی چیز تھی۔ اس نے اس کے لیے ایک عجیب سی چیزیں
 دی تھیں۔ وہ

[illegible]

میں دوبارہ کھڑی ہوئی تو جی میں سر ہلکایا مگر آنکھوں کے سامنے اندھیرا نہیں آیا۔ اس سوس وقت بھی بکرا یا خنجاہ میں باور دی خانے سے دودھ لینے گئی تھی لیکن چند لمحوں کی سی حالت اقبال پر حاوی تھی۔ یہی کوئی کرم یا کھڑکھڑی سی اور ہرچیز سے خود کو جاقی و جوہر بن عروس کیل۔ رشتوں میں میرے ساتھ چلنے کے لیے آئی تھا حالانکہ شہر کے منہ کیل تھا۔ تہہ بہ تہہ ہمارا کدوہ میرے ساتھ زیادہ دیر کھڑا نہ سکا اور اسے مجھ سے بیٹھنا چاہا۔

”یہ کرم کیوں بکرا رہا ہے؟“ دودھ لینے ہی بڑا دیا تھا۔ کیا دیر کے اثرات اب بھی باقی ہیں؟“

یہی کا حذر کیا چھپنے کے لئے کیا حکمیں اس کے باوجود محوئے غافلے کی چیزیں اس کے واضح طور پر نظر نہیں آرہی تھیں۔ ہر چیز ایک سلسلے کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ چمچاؤی و صند کے گرد بھی دو آدمین سارے حرکت کرتے نظر آئے۔ ان کا وزن پتھر کی عمارت کی کی جانب تھا۔ میں بھی اسی عمارت کی طرف چلے گئے۔ دو سالے اپنی انداز رفتار سے مجھے تھمتھاتے تھے۔ ہشتندوں کی حرکات میں طعناؤں ہوتے تھے۔ وہ ہر کام کو بہت آہستہ آہستہ کرنے کے عادی ہوتے ہیں جیسے صحت کا بل ہوں۔ غالباً یہی سبب تھا کہ سستی کے ہشتندوں نے گولی پٹنے کی آواز میں سن کر کوئی فوری رد عمل ظاہر نہیں کیا تھا۔ گولیں پٹنے سے یہی آواز کے دل میں تجسس پیدا ہوا کہ ہر گھٹنہ تحقیق حال جاننے کی زیادہ دیریں معلوم نہیں ہوتی تھی۔ غالباً اسی لیے میں نے انھیں جانگتے ہوئے نہیں دیکھ سکا۔ بڑے اطمینان سے اس عمارت کی طرف بڑھ رہے تھے لیکن میں اس عمارت کی طرف دوڑ لگا رہی تھی۔

کوئی نہیں ہے جس نے اپنے بچے کو وقت اپنے ساتھ نہ لے لیا ہو؟
 "جی نہیں! آخری عمر کو کوئی نہیں ہے۔ ہاں بد دوست ہیں جو
 میں اپنے بچے کو ان کے پاس نہیں چھوڑتا ہوں۔ چینی لڑکی کے خوب دیا
 چھوڑنے سے نہ لے لیں۔ بڑی لڑکی میری مائیں ان کو کسی طرح بیٹے سے
 چھٹانے کے عظیم مانگے تنگ کے ساتھ برسوں الفلاب کے بد چھوڑیں شریک
 رہی تھیں۔ وہ اپنے متعدد میں کامیاب رہیں تھیں اور مجھے بہت سے کس
 بھی کام میں نہیں بولیں گی۔ ان کا مقصد عظیم تھا۔ سو آج میں حکمت بلی مجھے
 علم ہے کہ کسی عظیم مقصد کے لیے چند جدوجہد میں کئی عظیم باتوں کا عرق
 عظیم قیام دے کے لیے چند جدوجہد کی جاتی ہے! کیا انسان اپنے سینے میں
 دیکھنے والا بھلے کے لیے چند جدوجہد نہیں کر سکتا؟
 "کیوں نہیں؟" میں نے اسے دلاسا دیا۔ "میں تو ان کیوں نہیں سوچتی کہ
 ایک سانپ کو مار دیا بھی اجتماعی مفاد ہے۔ اگر وہ سانپ دوسروں کو نہ
 ڈس سکے۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ شاید ہم جن ڈی سے اپنے شوہر کا
 انتقام لینا چاہتی ہوں!"
 "آپ کا اندازہ قطعی درست ہے یا تو! جن ڈی نے میرے شوہر کو ہر
 لینے دیا تھا۔ ممکن تھا کہ میں موت اپنا پاس کا بیچا نہ کرتی اور اپنے بچے
 کا خیال کر کے غامض بیچتا ہوں؟ شوہر کے بڑی سفاکی کا مظاہرہ کیا تھا۔
 میں نے قسم کھائی تھی کہ اس سے انتقام لینے بغیر نہیں رہتی۔ میں بیٹوں کی یہ
 "چاہے خود بخود ہی اور کھائے سے بچے کی زندگی ہی خطرے میں کیوں
 نہ چڑھ جائے!" میں نے اسے سرگرا کر دیکھتے ہوئے کہا۔
 "جو انعام میرا ہو گا وہ میرے بچے کا ہو گا۔ چینی لڑکی کے لیے سے
 علوم کا اظہار ہو رہا تھا۔ چینی ڈی بدی کی علامت ہے بلکہ بہتر بدی ہے۔
 اگر اس سے قسم کرنے کی کوشش میں ہلاک بھی ہو جاؤں تو یہ نیکی ہوگی، اور
 اگر میں نے بدی پر فتح پائی تو میں بھولوں گی کہ میں نے سب کچھ پایا۔
 میری خواہش تھی کہ وہ چینی لڑکی اپنے اور میں ڈی کے لیے اسے میں
 مزید کچھ بتائے۔ شریک تفصیل گفتگو کے لیے میرے پاس وقت نہیں تھا۔
 میں نے اسی لیے بڑی کوئی سوال نہیں کیا۔
 "یا تو! چینی ڈی کا وہ ساتھی یقیناً کوئی شریک، انفس آدمی تھا۔
 ساتھی لڑکی نے ایک ایسی بات کہہ دی کہ میں چونک اٹھی۔ مارہ کے
 بعد وہ دوسری لڑکی تھی جو ہستی کے جن میں بول رہی تھی۔
 "کیا کہہ رہی ہو؟" اس نے تم کو بولی چلائی تھی! میں نے چند لمبے
 توقف کے بعد کہا۔
 "محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہے یا تو! وہ ایک طویل
 ساتھی کے کہنے پر میرا میں جانا تو شاید میں اسے زندہ چھوڑتی کہیں
 گولی لگنے اور گرنے کے بعد غصے میں نہ رہا کہ اس نے کسی بھی میرے
 گھر سے جی جن ڈی نے اپنا ریل اور نکال کر مجھے نشانہ بنایا تھا۔ مگر
 اس کے ساتھی نے اسے ایسا کرنے سے روک دیا اور چینی ڈی کو

نور افروز ہو جائے گا۔ منورہ دیا۔
 "تو کیا میں ڈی سے اس کی بات
 سہرا نہ نکلا۔
 "جی ہاں! پہلے چینی ڈی مجھے گولی
 اس کے ساتھی نے مجھے سختی سے نشانہ
 مجبور ہو گیا۔ چینی لڑکی نے بتایا۔
 "میری کچھ میں ایک بات نہیں! ان
 میں کیا میں جب راجہ کو بڑی حق کو
 برا تھا۔ اس کا ساتھی بدیوں کو کہہ
 بیان کی روشنی میں یہ کیسے ممکن ہے؟
 "میں نے احتیاطاً چینی ڈی کو
 میرے کچھ ساتھیوں نے مجھے علامت
 حرکت دست تھی کہ وہ گلا کاٹنے
 کی دھمکی دے رہے تھے۔ تاکہ کوئی
 باخبر نہ ہو۔ چینی لڑکی اپنے
 توجہ سے اس کی بات سنتی رہی۔
 میں میرے ساتھیوں سے لفظ
 کی تلاش میں روانہ ہو گیا۔ ناہار
 ٹوکرا ڈھونڈا اور وہ آپ کو کہلا
 مجھے چینی لڑکی کی دشا
 نے مجھ سے بتایا تھا کہ چینی ڈی
 چینی ڈی اور ہستی اس کا انتظار
 گئی اس وقت علامت میں
 میں نہیں جانتا کہ جس میں چینی
 ڈی، مہلی کو ان کے خود ہوا
 رہا تھا۔ میں واقعات کو کہ
 جب چینی ڈی کو کہہ لیں کہ
 لڑکی ڈی پر مڑی تھی۔ منشی
 لیے وہ خود گھوڑوں کی لاہ
 ساتھی کو گھوڑے سے لے لیا
 کا بندوبست کر کے کہہ لیا
 ساتھی کو کہنے کے لیے ہوا
 اور چینی ڈی
 میں سوچ رہا
 سازشوں کا کڑوا
 پہنچ کر کہ شخصیت
 سیاسی شخصیت

ہاں کہ وہ علامت نسبتاً زیادہ محفوظ اور آرام دہ ہے۔
 میں تم کو کہنا چاہتا ہوں۔ فی الحال میں آرام کرنے کی
 مجھے نے رضوان کو کچھ ایسی علامت میں بلانے کے
 کو گردان کر دیا۔
 "ہاں! یہ بات تو کچھ خامی روشنی پھیل چکی تھی۔ ایک
 وقت اور کچھ مہینوں میں رات گزر چکی تھی۔ رضوان
 ہم کی نسبت بہت بستر تھیں کہ اس کا وجود
 آرام کی ضرورت تھی۔ میں نے چینی ڈی اور مارہ بڑے
 مارہ خادم کو ان کی طرف روانہ کر دیا۔ اس کے بعد
 نومان سوئے کے لیے لیٹ گئے۔
 "راجہ کو گردانہ۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں
 اندازاً دیکھا کہ میرے ساتھ ہی رضوان اور چینی لڑکی
 تھے۔ میں بڑے اس کی فیت سے بہت حائر
 اور وہ ہماری تلاش میں نکل کھڑا تھا۔ لڑکے
 ہمارا غیریت سے مطلع کر دیا تھا۔ لیکن مطمئن ہو
 ہاں! گردانہ میں کیا اور ہمارے پاس پہنچ گیا۔
 محلہ میرا بھی نہیں کیا اور ہمارے خود ہی آٹھ
 اس کی محبت کا ثبوت تھا۔
 "میں نے تمام واقعات کی تفصیل سن لی۔ اس دوران
 "انف رنگ آتے جاتے تھے۔ اس سے تفصیل
 "اگر کوئی کہہ دیکھا پھر خود اپنے ہاتھ سے
 "جی بڑے لامب نے میری اور رضوان کی جان
 "کہہ دیا کیا اور لڑکی کو دعا دی کہ وہ اپنے
 "اب بڑے لامب کی آمد میں کچھ عجیب تھا کہ اس کی
 "اللہ ان کو کس حیرت کے میں! اور وہ ہماری
 "وہ شک میں اور ہمارے دار چلنے لے
 "لے بولا۔ یہ میرے لیے بڑی عزت کی
 "ہاں ہیں۔ آپ جب کہ بھی جائیں یاں
 "وہ!۔
 "مگر وقت آئینہ از میں مسکرایا اور نرم
 "میں کی تدبیر کرتا ہوں! مگر یہ تمہارے میں
 "اپنے ساتھ چھوڑیے جانے کا
 "ہاں! لڑکی کی طرف دیکھا اور میں چینی لڑکی
 "اب ہم نے شک میں رہوں تو بہتر ہے

میں کی بی بی کی رسی کے جب اس میں رسی کے پورے
 کر سکیں۔ چینی لڑکی نے کہا۔
 "دروغہ کے خلاف کامیابی یافتہ کا بڑی وہیں موجود تھا۔ وہ بولا۔
 "اس صورت میں! ان کی یادیں ان کے بچے کی دیکھ جال میں گزریں گی۔
 "اور میں ان کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں۔ علامت کے مالک
 نے مجھ کو
 "تو چھوٹا شک ہے۔ بڑے لامب نے فضا کو سنا دیا۔ پھر میری طرف
 دیکھ کر بولا۔ لیکن تم اور تمہارا ساتھی چھوڑیے چلیں گے۔
 چینی ڈی وہاں سے فراری ہو چکا تھا۔ ادب میرا وہاں رہنا افضل
 ہی تھا! اس لیے میں نے بڑے لامب کی بات مان لی۔
 روانگی سے قبل بڑے لامب نے اپنے اس خادم کو بھی دیکھ کر
 دیا ہوا اس کے گرد کچھ پوری سے آیا تھا۔ رضوان کو اس نے اپنے گھوڑے
 پر سوار کر لیا اور خادم کا گھوڑا میرے حوالے کیا۔ لیکن ہم اس جی سے
 رخصت ہوئے۔ ہم شام کو نے سے پہلے ہی جی سے روانہ ہو گئے
 تھے۔
 "موتور ٹھیکو تھا! اس لیے میں چھوڑیے بیٹے میں کس وقت و
 دشواری کا سامنا نہیں ہوا۔ چھوڑیے بیٹے بیٹے رات ہو چکی تھی۔ ہمارے
 گھوڑے چھوڑیے کی درگاہ سے قریب ہوئے جا رہے تھے۔
 "موتور گلا کے بڑے دروازے پر پہنچ کر گھوڑوں سے اترے۔
 میں نے رضوان کو دیکھ کر مسکرایا کہ وہ سفر کے سبب نہ حال نہ حال سا
 دکھان دے رہا ہے۔ ذہن شاید اس پر کچھ زیادہ ہی اثر کیا تھا کہ چند
 میل کے سفر میں تھک گیا تھا۔
 "دروغہ کے دروازے پر ایک خانہ بڑے لامب کا منتظر تھا۔
 وہ بڑے لامب کو دیکھ کر تیزی سے آگے بڑھا اور مجھے اپنے بل کے کچھ
 بتایا۔ جلا لامب اس کی بات نہ کر سکا۔ اس کی طرف مڑا تو اس کا چہرہ خوشی سے
 نکلا ہوا تھا۔
 "یا تو! چینی ڈی میرے سے رہا ہے گا۔ بڑے لامب نے ہنسنے
 ہوئی آواز میں کہا۔
 "میں چونک چڑی ہو گیا کہ اس کا وہاں کو کون سے کچھلے سے نکل کر
 درگاہ پہنچ گئی؟" میری آواز میں حیرت تھی۔
 "ہاں! یا تو! چینی ڈی! بڑے لامب نے چھوڑیے میں جوب دیا اور
 آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ "آؤ!"
 "میں اور رضوان اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ رضوان کے چہرے
 سے بھی حیرت کا اظہار ہو رہا تھا۔ مارہ وہ غامض تھا اور میرا یہ سوچ
 رہا تھا کہ ایسا کیسے ممکن ہوا؟ میرے کسی بھی کی علامت کے مالک نے جو کچھ بتایا
 تھا کیا تھا اس نے کیا تھا کہ مارہ کو ہمارے وہاں پہنچنے سے چند گھنٹے
 قبل چینی ڈی کے ساتھی کو کئی غلام منزل کی طرف سے روانہ ہو گئے تھے۔

تو کیا وہ منزل پر پوری درگاہ کا ہی؟ مگر یہ یہ سن سنا ہی نہیں دے رہی تھی۔
 بلیئر کسی مقصد کے تو سارا کوافر نہیں کیا مگر گناہ چھوڑنا اپنا مقصد حاصل کیے
 بلیئر سارا کو کس طرح چھوڑ دے گی؟ درگاہ پہنچاؤ اس کا تھا؟

چون نثری سے سارہ کوکس لیے، نواکیا تھا اس سے میں نہ طاقت
تھی۔ پہلی بار اس نے مجھے پھانسنے کے لیے سارہ کا استعمال کیا تھا۔
اُسے بتایا گیا ہوگا یا اُس نے خود میرے بلے میں یہ معلومت حاصل کی
ہوں گی کہ وہ بصورت لوکیں یا میری نگرانی ہیں۔ میں اس لیے چون نثری
کے حملے سے بچنا چکی تھی کہ سارہ نے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا۔ اُس نے
اُن لافوں کے ذہن پر چڑھتے ہوئے جو مجھے زہر دینا چاہتے تھے اور جو
چون نثری کے آدے تھے۔ اس گراں وقت سارہ مجھے چوکنی نگرانی تو شاید
چون نثری سے اپنی پہلی ہی چال میں شکست دے چکا ہوتا۔ اس سارہ غیر
معمولی صلاحیتوں کی مالک۔ نہایت تو کھجیا میرا چرچا حال ہی تھا۔ چون نثری کا
سارہ کو انوکھا کرنا۔ یہ سارہ کو ہر گز تھا کہ وہ سارہ سے کوئی اور مقصد حاصل کرنا
چاہتا تھا۔ نواکیا وہ مقصد سارہ کو چھوڑ دینا تھا کہ وہ حاصل ہو گیا۔ میں
نے سچا۔ آخر وہ مقصد کیا تھا؟ اور میں نے انگریزوں کو جواب دے گیا۔
میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

مجھے سارہ کے غریبیت دلایا، آج آنے پر یہ حال خوشی اور میری
اُس سے فوری ملاقات کے لیے بے چین ہو گئی۔
مجھے سارہ کے نائب نے درگاہ کے کمانوں کو حمان خانے میں
ٹھہرا دیا تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ سارہ حمان خانے میں تنہا ہیں۔
میرے دل میں یہ جاننے کا بھی اشتیاق تھا کہ آخر اُس کے ساتھ اور کون
آئی ہے!

مضنون کے چہرے سے انتہائی ممکن کا اظہار بدور باحساس ایسے
میں نے پہلے سے سمجھنے والے کے ایک کسے میں چھوڑا ہوا ایک خادم
کی رہنمائی میں اس کسے کی جانب چل دی جاں سارہ شہری ہوئی تھی۔
مضنون نے سارہ سے ملنے کی بجائے آرام کو ترجیح دی تھی۔
خادم نے اس کسے تک پہنچا کر ٹوٹ گیا اور میرے ہی ہاں
کسے کا راز دھوا کھل کر دھوا، اعلیٰ ہوئی تھک کر روک گئی۔ میں منتہی
اچانک اپنے سانسے کے پھر کو بچا کر روک گئی تھی۔ ایک لمحے کو میرے ذہن میں یہ
خیال آیا کہ اگر بن ڈی کو گھر پر سے پر جھاکرے جانے والا منتہی میں کوئی ادا
تھا مگر جیسے ہی میری نظر اس کے بازو پر پڑی ہوئی پٹی پر پڑی، میں
نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ وہ گولی جو میں نے اس پر چلائی تھی،
خالی نہیں رہی تھی۔

”مکھئے، آئیے بازو آپ دو کیوں نہیں؟“ سارہ کی آواز سن کر میں
چڑکی اڑا گئے۔ جیسا سارہ میری طرف دیکھتے ہوئے پھر بولی، ”میرے
کزن کے بازو پر یہ رقم اُس وقت لگا تھا جب یہ مجھے پہنانے کے لیے
ٹھکانوں سے پھر گئے تھے۔“

سدا کہ معنی خیز آواز نہ تیرے کہہ آیا
ہم نے دلے خیالات کو بڑھ رہی ہے اور مجھ کو
کر رہی ہوں مٹاؤں نے تینا دھڑلے کو زور
کی تھی۔

چند منے توقف کے بعد وہ ہر جہلے لہجہ سے
پچھلے سے نکلتے کہے گا لوگوں کی مجلس پر
کرتے تو شاید میں اب بھی اسی ڈاکوؤں کے،
مستی کی جانب دیکھتے ہوں بات ختم کی۔
میں آن دووں کے سامنے بڑے ہنسہٹ،
ہائے صوفیہ پروردہ دونوں بیٹھے تھے۔ مہنگی
مقام تو غیریت سے بڑے ضمیمہ کے مسکرا
"ہاں! " اس نے جواب دیا "ہر جہلے
سارے کے اس سوال پر میری آنکھوں میں
یا اللہ بڑی کڑی کے خلاف میرا تفتہ تازہ ہو کر
مجھے افسوس ہے کہ تو کو کوئی دوسرے
سے بولی میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ زور و
رج زخمی کر سکتا ہے "۔

”موم پر جو کچھ گزری، اُسے جزدِ غم کی
نین کہ سارہ کہیں بیہ قرضِ خسرو و مولیٰ کر
و دہلتے ہوئے کہا۔

سارہ نے میری طرف غور سے دیکھا۔
 اے سکندر! نظر آ رہی تھی اور کچھ بدلی ہل م
 پڑ نہ سمجھ سکے۔
 ”آخر یہ حق تری آپ کا دشمن کیسے؟“
 میں نے سوال کیا۔

اس سے پہلے کہ میں سارہ کے کمرالی
سارہ! ایسے خدائے بڑے لاسرے سے ملنا
جائوں گا۔ مجمع ملاقات سے پہلے یہ کہہ کر
فرار ہوتا ہوا مسکایا اور دلالت آپ تو اچھا
سنے بات بھی نہیں کی کہ اس کے لیے
میں بھی اعلان سکرائی اور کمانا تو اس
بابائے میں ہے۔“

منشی نہیں! ایسی کوئی بات نہیں۔۔۔
 حال تو آپ مارے گھٹنگو کیجے۔
 منشی کے دہاں سے چلے جانے پر ہمیں
 رو سے گھل کر بات کر گئی تھی۔

۴۱
 اے مغل! میں تمہیں بتاؤں گا کہ تمہاری ساری زندگی صرف ایک لمحہ کی طرح گزرے گی۔
 اے مغل! میں تمہیں بتاؤں گا کہ تمہاری ساری زندگی صرف ایک لمحہ کی طرح گزرے گی۔

کہا ہے؟ 'مارا نے جیسے ہوئے نہیں تو بھلا
 کس طرح یہ لڑی سمجھ نہیں آتا تھا کہ آخر مارا
 ۴۰ اگر اس سلسلے میں وہ صرف اپنا تفسر دے
 اسے حاصل کر لیا جی بھی تھی تو دوسری اور مناسب
 نہ تھی۔ یہ تو ایک دوسرے کے شیریں پلو چھنے
 ۴۱ جاتی رہتی تھیں۔ کھانا اور ایک دوسرے کے راجہ کی
 ماگے لیے سے تو کچھ انداز ہی چاہل رہا تھا۔ اس
 کی ایک تھی سیدہ جو مجھے سے کثرتِ غافل ہو۔ مارا
 ۴۲ کہنے والا صرف ایک ہی شخص ہو سکتا تھا'

لہات بے نیلویں بانو! معاً سارہ کی آواز مہجری۔
 لہات کا سلسلہ ٹوٹ گیا اور میں چونک پڑی۔
 جیت کھل کر وہ ذہن پرچہ سستی ہے اور مجھے
 اگر سارہ میرے خلاف ہو جائے تو انتہائی خطرناک

اس قدر ہی جی؟ سارا بولی اس کے لیے جی چھین
کی بہت کر کہیں پر آپ کے اور میرے درمیان
مگر اگر آپ میں غلط فہمی پیدا ہو جائے تو دوزخ
گم ہائی و فتن بن جاتے ہیں۔“

[illegible]

ہم تھیں۔ میں نے بے بسی سے اُس کی طرف دیکھ کر
 کہیں ہوں! سارے کچے لہجے میں ہمدردی سے

”میں صرف آپ کو کھانا پاتی ہوں، آخر آپ کیوں اتنی معیبتیں اٹھا کر جنت آ آ رہی ہیں؟ آپ کی یہاں آمد کا مقصد کیا ہے؟“

سادہ سوال کا گورنر عقل جواب دینے کے لیے جس نے اپنے ذہن کو ٹھوس انداز کے ساتھ تہتہ آنے کا مقصد میرے ذہن میں دہرایا۔ میں نے بہت صبر کر سارا کوئی طلب کیا۔ یہی تہتہ والوں کی مدد کرنا چاہتی ہوں۔

”فلط!“ اور سوار ہو کر آپ مبینی حکومت کے ایامہ بیان کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ کا مشن تینتہا مبینی حکومت کے خلاف اصرار ہوتی بنامت کا پتا لگانا ہے۔ آپ متجی عوام کے دلوں سے دلائل نام کی جست نہیں کھڑے کر سکتے۔ متجی عوام کو بھلائی کیسے سمجھایا جاسکتا ہے کہ مبینی حکومت ان کی دوست ہے!“

چونکہ حکومتِ بیت کے لیے بہت کچھ کر رہی ہے۔ وہ اگر دوست نہ ہو تو ایسا کیسے کرے گا! (میں نے سوچا۔)

”بانو! آپ بہت بھولتی ہیں، ہمارے بانی کا ایسے تو ہم کے جذبات کو دلانے کی غرض سے بظاہر اس کی بھلائی کے لیے بھی کچھ کام کیے جاتے ہیں۔ آپ سمجھتی ہیں؟ تاکہ اگر آپ دلائلِ امر کے بارے میں کیا جانتی ہیں؟“

”جیسے دلائلِ امر کے بارے میں کچھ ناؤدھولیات نہیں تھیں۔ سمجھیں؟“

”نا معلوم تھا کہ دلائلِ امر، عیالیت میں کسی جگہ دلائل کی زندگی گزار رہا میں سارے میں کم زمانہ بننے کے آئیں کہ اسے میں پہنچ گئی تھی میرے لیے مخصوص کیا گیا تھا جس پر وہاں پہنچنے کے بعد مجھ کو سونے میں زیادہ دیر نہ ملے گی۔“

دوسرے دن سارا اہم مکتبہ سے بھر دو ملاقات ہوئی۔ میں نے سارا کے سر دھری بطور خاص محسوس کی۔ میں اب بچپن کا نام سے ملنا چاہتی تھی اور اس کے لیے میرا لپٹا کا لاشعوبہ حاضر و غائب تھا۔ میں اس سے مل کر کام چاہ رہا تھا۔ اس کے لیے تیار ہونا چاہتا تھا۔ اب چاہا تو ڈیو جانے بغیر ہیلت آگئے تھے۔

میں نے ہمارے درویشی سے قبل سارے سے سبھی ساتھ چلنے کے لیے
 کہا مگر وہ آمادہ نہ ہوئے، یہ کہہ کر اُسے ہستی کے ہمراہ پکڑیں ہی میں مرد جو اپنے
 کچھ عزیزوں سے ملا تھا۔
 رشوان اب بالکل بچاؤن چڑھ چکا تھا اور حسب معمول لنگے لگنا
 تاکہ کسی سے ٹکرائے تاکہ کسی کا سفر خوشگوار کرے۔

پورا کام پتھن کر کے خیرین لارامہ سے ملے۔ پہلی ملاقات سرکاری پاسی
 رہی۔ وہ میری خیریت پوچھا اور اس دوران میں مجھ پر جو گڑبڑ تھی کسی خیرین
 میں کام ڈوب روانہ ہونے سے قبل نوازہ کو جانا چاہتی تھی اس لیے پوچھے
 تھا امد اس کے حامی میں نسبت واپس لانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔
 مددہیپ کو دلائی لارامہ کے ہائے میں زیادہ معلوم تھا کہ ہیں اسرار
 میرے جواب دینے سے پہلے ہی بولی ڈلائی لارامہ کے ہائے میں خود میرے

کیسے جا چکے ہیں۔

”اب آپ پوری طرح ہمارے قبضے میں ہیں بانو!“ منتہی نے مسکرا کر کہا۔

”میں نے سارہ کی طرف دیکھا جو نظر چڑا کر کھڑی تھی۔“
”تو میرے دونوں سے مل گئیں!“ میں نے سارہ کی طرف دیکھتے ہوئے سہاٹ لیے۔

سارہ نے نظر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور مجھے اس کی آنکھیں پیلے ہی کی طرح معلوم دکھائی دیں۔ نہ ان آنکھوں میں دامت تھی نہ غصہ۔ مجھے تعین نہیں کہ اچانک سارہ میری طرف ہونٹیں کھینچ کر سارہ جو غیر معمولی صلاحیتوں کی مالک تھی، دشمن کی حیثیت سے بہت خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ آخر اس پر کیا جاوے گی کیا تھا کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے دونوں سے مل گئی تھی!

”آپ غلام سرور کی ہیں بانو!“ میری سماعت سے سارہ کی آواز ٹکرائی۔ ”مجھ پر کوئی گناہ نہیں کیا گیا!“ اس نے یہ کہتے ہوئے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں، پھر دسے وقت کے بعد بولی۔ ”بانو! آپ یہ خیال اپنے ذہن سے نکال دیں کہ میں آپ کی دشمن ہو گئی ہوں۔ دشمنی میری سرشت میں داخل نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مجھے اپنے آبائی وطن کے باشندوں سے ہمدردی ہے۔ میں ان کے دکھ میں برابر شریک ہوں۔ جتنی باشندے میرے خیال میں مظلوم ہیں اور مظلوموں کی حمایت انصافیت ہے۔ اس دوران میں مجھے بہت کچھ معلوم ہوا ہے اور میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ محترم دلالی لامہ کی تبت داپسی ضروری ہے۔ اسی میں تبت اور آبائی تبت کی تبت کی تبت کی تبت کی تبت کی شخصیت نے مجھے اتنا متاثر کیا ہے کہ اب تبت کے باشندوں کی طرح میری بھی یہی دلی آرزو ہے، محترم دلالی لامہ تبت داپس آکر اپنے چاہنے والوں کے دلوں پر حکومت کریں۔ اسی طرح جس طرح وہ پہلے لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے تھے، اسی دلوں کے ساتھ، محبت و غلوں کی فضائیں اور بدولتی مداخلت سے آزاد رہتے ہوئے۔“

”مگر سارہ چند دن پہلے تو تمہارے یہ خیالات نہیں تھے!“ میں نے اپنی طرف تکی ہوئی اور غلوں کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑے سکون سے بولے۔

”بانو! چند دن پہلے میں تبت میں ایک ایسی لڑکی تھی جسے تبت اور ابلی تبت کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا،“ سارہ ایک طویل سانس لے رہی تھی۔ ”چند دن پہلے تک میرے صرف یہ احاسات تھے کہ تبت میرے والد کا وطن ہے، لیکن اب مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میرا گھر بھی

اسی وطن سے اٹھا ہے۔ تبت جہ جہوڑ کر ہے، اب مجھے اس پہنچانے کی اہمیت والہ کو اپنے آقا محترم دلالی لامہ سے میں انھوں نے اپنے بھائی کو ایک خاندان کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ خطیر ہے، جانانی والد کا خطا بڑھ کر میں نے یہ جاننا کہ محترم طرح میں جیسے پہلی بے پانی کے ان میں خواہش کا صاف صاف اظہار کیا تھا کہ کوام میں لائے ہوئے محترم دلالی لامہ پوری کوشش کروں۔ یہ میرے والد کا احترام مجھ پر فرض ہے،“ آخری جملہ شدت جذبات سے بھرا لگئی۔

”کیا تمہیں یقین ہے سارہ کہ وہ ۱۰۰ تھا؟“ میں نے منتہی کو شک دینے کے لیے کہا۔ ”میں اپنے والد کا طرز تحریر پہچان

میں تھی تھی۔“
”کسی کے طرز تحریر میں جملی فرق سارہ! میں نے تیری سے کہا۔“ میں نے مسکرائی ہوں جسے دیکھ کر تیرا رخ ہوا ہے نقل نہیں۔ تم ایک نظر مجھے اپنے پھر میں جو بہو دیکھی کی تحریر تمہیں نہیں حقیقت ہے۔“

سارہ میری بات سن کر غلابانہ بالوں پر جب آپ وہ جملی تحریر میری طرف میں کیا ہو گا؟ آپ یہ کیوں بھول جاتے کہ پکھنے کے کچھ اور مصلحتیں رکھتے، اس کا اشارہ ذہن پڑھنے کے اور جیسی ہوئی نگاہ سے منتہی کو گھومنے کے ہونٹوں پر بکھری ہوئی مسکراہٹ سارہ کے سامنے میری بے بسی کا نشانہ۔

”منتہی!“ میں نے اسے دشت میں تھا کہ میرے سارہ کو نکال اس کی لڑکی کو دھکا دے رہے ہوئے۔
منتہی کی بجائے سارہ بل آئی

اہاں! معصوم ہے، سارہ کے لیے میں ہاں سارہ بعض ایک جملی تحریر سے دھوکا کھا گیا جواب دیا۔

”نہ اس قریب نہیں کچھ اور بھی ہے۔“
”مگر شہ جتہ دن میں سے جن لوگوں میں نے مجھے بہت اہم معلومات فراہم ہو چکا پڑی۔“

”الہ! اگر تبت کے وہ معمولی باشندے امت سے تنگ جاتے ہیں۔ وہ چھوٹی امی گولناں بن سکتے ہیں۔ حصول زر کے لالچ میں مگر نہ وہ گناہ کا ہے میں یا قارب! ان حکم پر ان کو کیا تھا، اور چن نوزی میں حکومت

مالام لہ! وہ سرخ جین سے تعلق رکھتا ہے حکمران اور بدامنی پھیلاتا ہے۔ وہ بغاوت کرتا ہے۔ بغاوت جس میں تبت کے بھولے بغاوت جو تبت کا مستقبل تباہ کر دے۔“
”اور اس نے کہا؟ بانو! شاید آپ بھول گئے، یا یقین نہیں کرتی، کیونکہ میں جانتی ہوں کہ میں نے ان ڈاکوؤں کے ذہن میں ایک کتاب کی کوپین حکومت کے ایجنٹ ہی کی حیثیت

گہمت کا ایجنٹ سمجھتی ہوں، میں نے برجستہ لڑی میرا ساتھی ہوا۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر

”اے! اس لیے ہاں بھیجا تھا کہ آپ معلوم کریں،“ میں نے اس بات پر اشارہ کیا کہ سارہ نے متفق نہ پہنچے ہوں تو آپ کے لیے یہ بات ہمیں۔ آپ ایسے حالات پیدا کریں کہ محترم اہل بل چھوڑ دیں، مگر شاید آپ کو یہ معلوم سائن بورڈ کی طرح ہے، اور اصل آدمی

جین نوزی ہے۔“
”اور پھر چن نوزی کے قاتلانہ حملے؟ انھیں تم کس خطنے میں رکھو گی؟“
”وہ وہ خط بعض آپ کو اُلجھا دے رکھے گا ایک بہانہ ہیں،“ سارہ نے جواب دیا۔

”موسم پر حملہ بعض کوئی بہانہ نہیں ہو سکتا جبکہ وہ چینی حکومت وہی کی فائدہ دیتی ہے،“ میں نے ذہل سے سارہ کی تردید کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا، تاکہ اس کا رد عمل جان سکوں۔

سارہ کے چہرے سے کسی قسم کی اچھنی کا اظہار نہ ہوا۔ وہ پرسکون آواز میں بولی۔ ”باقی! کسی ہنسے مقصد کے حصول کی خاطر موسمی کسی لوگوں قربان کی جاسکتی ہیں۔“

”تو تمہارے کہنے کا مقصد ہے سارہ کہ میں حکومت کا بھیجا ہوا اصل آدمی چن نوزی ہے اور میری حیثیت بتا کر وہ لوگ میرے پیچھے لگ جائیں جو چینی حکومت کے خلاف ہیں۔ اس طرح چن نوزی باسانی حصول مقصد کے لیے کوشش کرے؟“ میں نے وضاحت چاہی۔

”ہاں بانو! حقیقت یہی ہے جس کا علم غالباً آپ کو نہیں تھا،“ سارہ نے تاکید کی۔

”چند لمحے کو میں سناٹے میں آ گئی۔ یہ بات میرے ذہن میں جھانک چکی تھی کہ سارہ کو کیوں اغوا کیا گیا تھا، اسے اغوا کر کے یہ یقین دلا دیا گیا تھا کہ چن نوزی، چینی حکومت کا ایجنٹ ہے۔ اغوا کرنے والوں کے ذہن بڑھ کر سارہ کا چینی حکومت کے خلاف ہوجانا سمجھ میں آتا تھا، ان کا ارادہ میرے ذہن میں واضح ہو گیا۔ منتہی نے سارہ کو کسی لیے ان ڈاکوؤں سے چھڑا دیا تھا کہ وہ چینی خط پڑھوئے جسے اس کے باپ کا خط بتایا گیا تھا۔ اس طرح وہ سارہ کو دھکا دے کر میرا مخالف بنایا تھا تھا، اور وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا تھا۔ سارہ میرے مخالفوں کی دوست بن چکی تھی۔“

”میں دھوکا نہیں کھا سکتی بانو! آپ پھر غلط فہمی پر سوس رہی ہیں،“ سارہ کی آواز سے میرے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا، اور میں کچھ جھنجھلا مسی گئی۔ وہ کہہ رہی تھی کہ آپ چن نوزی کو سرخ چن کا باشندہ سمجھ کر خود دھوکا کھا رہی ہیں۔“

سارہ ٹھیک ہی کہہ رہی ہے۔ میں نے دانستہ ایک غلط بات سوچی، مگر زبان سے کچھ اور ہی کہہ دی تھی۔ میں تمہارے خیالات سے

متفق نہیں ہوں سارہ“

”جب کہ آپ کا ذہن میرے خیالات کو تسلیم کر رہا ہے بالآخر اس نے شکر اکریری کی آنکھوں میں دیکھا۔“

”میں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے سوال کیا۔ سارہ! کیا جن ڈی تھو اسے سامنے آیا تھا؟“

”نہیں“ اس نے جواب دیا۔ وہ بعض اُس وقت چند لمحوں کے لیے میرے سامنے آیا تھا جب مجھے ان کا کیا جارہا تھا۔ اُس کے بعد میں نے اُسے نہیں دیکھا۔ ہاں اُس کے ساتھیوں کے ذہن پڑھ کر مجھے غور پناہ مل جاتا تھا کہ وہ اس پاس ہی منڈلا رہا ہے۔“

اس کا مطلب یہ تھا کہ جن ذہنی کو کسی طرح سارہ کی غیر معمولی صلاحیتوں کا علم ہو گیا تھا، اسی لیے وہ سارہ سے دُور دور رہتا تھا۔ میں نے ہنسی کی جانب دیکھا جس کے ہونٹوں پر اب بھی مسکراہٹ تھی۔ میرے خیال میں یہ سارا کھیل وہی کھیل رہا تھا۔

”آزاد آپ میرے بھائی کے پیچھے کیوں بڑگئی ہیں؟ یقین کیجیے کہ وہ بالکل بے قصور اور معصوم ہے۔ سارہ نے اس بار انگریزی میں لکھ لکھا کہ ”معمود تم ہوسارہ جو ذہن پر کبھی دھوکا کھادری ہو۔ کیا تم بتا سکتی ہو کہ جن ڈی نے اُسے نہیں کس لیے انوار کیا تھا؟“ میں نے بھی انگریزی زبان کا سہارا لیا۔

مجھے بھئی بار سارہ کے چہرے پر الجھنے کے آثار نظر آئے، پھر اُس نے کہا: چہی شادی شاید مجھے پیچھے چھوڑے۔ میں نے دیکھا تھا کہ کسی مرحلے پر میں اس کے منصوبے کی سادہ میں مائل نہ ہو سکوں۔“

سارہ کا خیال درست ہے۔ میں نے ایک بار پھر داندہ غلط سوچا اور زبان سے اپنے خیال کی تردید کی۔ مجھے اس کھیل میں لطف آئے لگا تھا۔ میں نے کہا: سارہ! یہ محض تمہارا معروضہ ہے۔“

”بالآخر آپ یہ جان کر بھی کہ میں ذہن پڑھنے کی صلاحیت رکھتی ہوں، مجھے کون غلط بات کرنی ہیں؟ آپ کا ذہن میری بات کی تائید کرتا ہے، مگر زبان سے آپ اختلاف کرتی ہیں!“

”خیر اس ذکر کو چھوڑ دو اور یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے یہاں لاکر کیوں پھنسا دیا ہے؟“ میں نے اُس کی بات کو اہمیت نہ دیتے ہوئے دوسری بات چھوڑ دی: اور اپنے ذہن کو دوسرے مسئلے میں الجھا لیا تاکہ سارہ اُس کھیل کو نہ سمجھ سکے جو میں اُس سے کھیل رہی تھی۔ وہ کھیل جو ذہانت اور ذہنی اراد کی کا کھیل تھا۔

”آپ کا خیال غلط ہے بالآخر، میں اُس کی آواز سن کر چونک پڑی؟“

کلیں وہ حقیقت تو نہیں جان گئی کہ میں منکر ایسا نہیں تھا۔ اُس کا مقصد کچھ اور اُس کے اگلا جھل سے ہو گئی وہ کمرہ کی صحن لاکر پھنسا دیا، میں بالآخر دیکھ لیا کہ اُس کا اس حال شاید آپ کو میری اس بات پر یقین آئے کہ آپ کی اتنی ہی عزت و وقعت ہے جتنی تجلہ سامان کے کہ جن کی طرف دروازہ بند تھا۔ چند ساتھیوں کی رہنمائی میں اُس کا تالہ لگ کر ہوجائیں گی۔“

”اور رضوان؟“ میرے منہ سے یہ ماہرہ آواز اُس کی طرف سے مایوس ہر کر گئی۔

چاہیں تو اُسے کسی طرح آپ کے پاس بھی بھجرت چین پہنچ سکتی ہیں؟ سارہ نے ہم کو یقین دلایا کہ ”اگر یقیناً تمہارے ذہن میری ہمدرد ہو گیوں اٹھی ہوئی ہیں؟“ میں نے حیرت پر ”اس لیے بالآخر میں بھی آپ کی کچھ بھائی ہنسی بھی جان چکا ہے کہ آپ کو راز پر آمادہ نہیں کیا جاسکتا، اُس نے منہ کر

”لیکن یہ نہیو دوسرا کہ مجھے دو بار لگے گی۔ میں نے مضبوطی اور پرامنہ لہجے میں ”مجھے حلوم ہے بالآخر، مگر میں یہ بھی جان

لگ جائے گی کہ تمہارے پر سے چینی اقتدار لاکر کو ان کا جائز مقام مل جائے، سارہ، ممکن تھا کہ میں سارہ سے کبھی ادا ہو

گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ میں ہلکا ہلکا ہونے قدموں کی قریب ہوئی اور آواز گولی، ہم میں داخل ہوا۔“

”کہا جاتا ہے؟“ ہنسی نے اُس سے ”چون لاکر کے آدمیوں نے ہمیں گرا پھوڑے ہوئے ساتھیوں کے درمیان بتایا۔“

ماور تھا، اُنھوں نے اُسے بھی تم کو یاد دہانتی کے چہرے سے بدحواسی ادا

”میری سمجھ میں نہیں آیا کہ ایسے ہا

ای اتنی جلدی یہاں پہنچ جائیں؟“ سارہ ہنسی کو ہر لگئیں؟“ میں نے سارہ کی طرف دیکھتے

”میں کا نام رضوان ہے، اُسے نہیں سمجھ سکتیں

ا بات میں دھوکا کھائی، مگر رضوان مطمئن نہیں

ہا میرا القاب کیا ہوگا اور کچھ لو کہ وہ بردقت

مے باہر رضوان کی آواز گونجی: ”سارو اپنے

ا یہ ایک دیں۔ ان کے فرار ہونے کا صرف

ا ہلکے قبضے میں ہے۔“

ا کی بات کی تھی ان سارہ اُس کی بات سمجھ

ا کی جواب دینے کی بجائے ہنسی سے بولی۔

ا کیا جانتے؟“

نے اپنے الفاظ انگریزی اور ہندی زبانوں میں دوہرائے۔

میں اُن لوگوں کے گھر سے میں کمرے سے نکلی تو دوسرا کمرہ خالی

لا۔ رضوان یقیناً سارہ کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے عمارت سے باہر

نکل گیا تھا، اور اپنے آدھے چہرے کے آدمیوں کو بھی لے گیا تھا۔

وہ غالباً اچھی طرح جانتا تھا کہ ایسے خطرناک حالات میں دھمکانا بڑی

نہیں ہوتی۔ اُس نے عمارت سے باہر نکل کر کھجور کی پتی کا فوٹ

دیا تھا۔

میں آہستہ آہستہ رافٹوں کے گھر سے میں مختلف کمرے سے

گورتی ہوئی عمارت کے مضبوط دروازے تک پہنچ گئی۔

عمارت کے دروازے پر رضوان موجود تھا، اور چہرے لالہ کے

مسلمہ فوجیوں کا ایک دستہ جا ہوا تھا۔ فوجیوں کی رافٹیں دروازے

کی جانب اٹھی ہوئی تھیں، اور قریب ہی اُن کے گھوڑے کھڑے تھے۔

”تم لوگ دروازے سے ایک طرف ہٹ جاؤ!“ سارہ نے ہنسی

زبان میں فوجیوں کو مخاطب کیا، پھر انگریزی میں رضوان سے مخاطب

ہوئی: ”رضوان! تم یقیناً یہ نہیں چاہو گے کہ وطن سے سینکڑوں

میل دُور بالا خون ہے، اس لیے پیچھے ہٹ جاؤ! تم دروازے

سے الگ، ایک طرف ہو جاؤ۔“

مجھے رضوان کے چہرے پر الجھنے اور بے بسی کے آثار نظر آئے

اور اُسی وقت اُن کے فوجیوں کے سالار نے رضوان سے کچھ کہہ دیا۔

غالباً انگریزی بولنا اور سمجھنا جانتا تھا۔ رضوان نے اُٹھتے میں سر ہلادیا۔

فوجیوں کے افسر نے اُنھیں حکم دیا کہ وہ دروازے کی دہلیزیں

جان بوجہ میں، پھر وہ خود بھی رضوان کو ساتھ لیے پیچھے ہٹ گیا۔

فوجیوں نے اپنے گھوڑوں کو بھی ایک طرف کر لیا تھا۔

فوجیوں کے دروازے سے ہٹتے ہی مجھے سے آگے بڑھنے کے

لیے کہا گیا۔ میں نے قدم اٹھایا۔ ہنسی اور سارہ میرے پیچھے پیچھے تھے

اور اب حلقے نے نیم دائرے کی صورت اختیار کر لی تھی۔ اب میرے

آگے ہنسی کا کوئی مسلح آدمی نہیں چل رہا تھا بلکہ وہ میرے دائیں بائیں

ہو گئے تھے۔ ہنسی اب بھی میری پشت پر رافٹوں کی نال رکھے ہوئے

تھا، اور اُس کے مسلح ساتھی بھی میری ہی جانب رافٹیں اتارنے

ہوئے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ ضرورت پڑنے پر ہنسی مجھے بے دریغ گولی

مار سکتا تھا، اس لیے میں غیر ضروری جہاد سے اجتناب کر رہی تھی۔

مجھے کسی ایسے موقع کی تلاش تھی کہ رضوان اور چہرے لالہ کے ساتھیوں

کو کچھ کرنے کا وقت مل جائے، مگر ابھی تک مجھے کوئی ایسا موقع

مل رہا تھا۔ سارہ بھڑکی، اور اس بار بھی اُس

617

منی اور سارہ اپنے مسلح ساتھیوں کے ہمراہ مجھے لیے عمارت سے باہر نکل آئے اور فرسٹ گئے۔

”سارہ! ان کے پاس گھوڑے بھی ہیں اور وہ ہمارا تعاقب بھی کر سکتے ہیں۔ میں نے منی کی آواز سنی۔“

چندنے کی خاموشی کے بعد سارہ کی آواز اُبھری۔ ”اوہیں بھی یہاں سے فرار ہونے کے لیے گھوڑے چاہئیں۔ میرے خیال میں ایک تیرے دو شکلیے جاسکتے ہیں۔“

”میں محتاط مطلب نہیں سمجھا۔ منی کے لیے میں حیرت شال بھی۔“

”یہ اسی لیے نہ کہتی ہوں کہ تم بہت سبوتے اور معصوم ہو، مگر باوقیفین ہی نہیں کرتیں۔ سارہ کی آواز میں شوقی تھی تھوڑی سمجھ میں آتی تھی کہ بات نہیں آتی کہ ہم فوجیوں سے گھوڑوں کا مطلب بھی کر سکتے ہیں؟“

اور پھر سارہ نے ذہنی کیا جو کہا تھا۔ مجبوراً رضوان کو اس کا یہ مطالبہ بھی پورا کر دینا پڑا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ مطالبہ پورا کرنے کے باوجود بھی فوجیوں کے پاس گھوڑے بچے تھے، کیونکہ ان کی تعداد منی اور اس کے ساتھیوں سے زیادہ تھی۔ رضوان نے بھی شاید یہ سوچ کر سارہ کا مطالبہ مان لیا تھا۔

منی اور اس کے ساتھیوں نے پوریشاری کے ساتھ گھوڑوں کی لگائی تھیں اور اس دوران میں بھی مجھے یا رضوان کو کچھ کرنے کا موقع نہیں دیا تھا۔

”سارہ! آخر تم کیا چاہتی ہو؟“ رضوان کی بلند آواز سنائی دی۔ وہ زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔

”میں چاہتی ہوں کہ تم اور اونیٹ سے چلے جاؤ، اور ہمیں اپنے جھگڑے خود نٹنے دو، سارہ نے بھی بلند آواز میں جواب دیا۔ ”تو پھر بالو کو چھوڑ دو، ہم واپس چلے جائیں گے، رضوان کی آواز پھر سنائی دی۔“

سارہ ایک قدم آگے بڑھ کر میری دائیں جانب آگئی۔ اب میں اس کے چہرے پر پھر بے دالے تاثرات کا جائزہ لے سکتی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور وہ رضوان کی جانب دیکھ کر کدری تھی۔ رضوان! تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔ میں نہیں اور بالو کو اچھی طرح جھجکا ہوں۔ تم سے بخوشی کوئی ایسی بات نہیں

سوائی جاسکتی جو تم دونوں کی مرضی کے، نصحت کرنے کا احتیاط خود ہم نے کیا ہے ہمیں کی جس طرح ہم چاہیں گے۔“

رضوان، سارہ کی جانب سے باز رہا۔ ”بالو! آپ ٹھیک تو ہیں؟“

”ابھی تک تو ٹھیک ہی ہوں،“

جواب دیا۔

”اور آئندہ بھی ٹھیک ہی رہیں گی۔“

تم اپنے ذہن سے یہ خیال نکال دو کہ تمہیں ہر موقع ملے گا۔“

اس وقت منی نے اپنے ساتھیوں اور میں نے دیکھا کہ وہ چشم زدن میں اپنے سوار ہو گئے۔ سارہ، منی اور میں اگلے،

منی کے گھوڑے سوار ساتھیوں کی رائفلوں اور اس نے اپنی رائفل میرے سینے کی،

سوار ساتھیوں نے ایک بار پھر نرم انداز میں میری ہی جانب متوجہ تھی کہ ان پر فوجیوں کی طرف سے حملہ کی طرف سے قطعی لا پر داخل نظر آئے تھے۔

سارہ متوجہ تھی۔

میرے دیکھتے ہی دیکھتے منی اور

ہو گئے۔ میں پہلے ہی اس گھوڑے پر

منی نے تھما لی تھی۔ میرے گھوڑے

مکمل دائرے میں تبدیل ہو گیا تھا۔

نے آگے بڑھ کر وہ دھم دھم کر دی تھی

سکتا۔ اب میرے دائیں بائیں منی اور

چاروں طرف منی کے مسلح ساتھیوں کے

منی اور اس کے ساتھیوں کی ایک لمحے کو بھی ان کی توجہ میری طرف مجھے اگر کوئی اطمینان تھا اور

کرنا چاہتے تو اب تک میں زندہ نہ ہوتا۔

نشانے پر تھی۔ میرا خیال تھا کہ شاید سارہ نے

سماں تھا کہ مجھے ہلاک نہ کیا جائے اور نہ ہونے

اے۔“

نہاں اس وقت وہ لوگ رضوان اور فوجیوں

لی کر تے تھے، لیکن جب وہ رضوان اور فوجیوں

کے ذہنی اطمینان پر جانیں گے۔ اس کے بعد غالباً

اے۔“

اے۔“

اے۔“

اے۔“

اے۔“

اے۔“

اے۔“

اے۔“

اے۔“

اے۔“

اے۔“

مجموعی کے ساتھیوں نے پھر ہوائی فائرنگ کر کے انھیں آگے بڑھنے سے روک دیا۔

وہ چوڑی گلی زیادہ لمبی نہیں تھی۔ بہت جلد اس گلی سے

نکل کر گھوڑے ایک چھوٹی سی سڑک پر آگئے۔ اب ان کی رفتار

بڑھ چکی تھی۔

ایک دوڑے پر پہنچ کر تمام گھوڑے رگ گئے۔ پھر وہ دو

گروہوں میں بٹ گئے۔ منی ایک گروہ کا سربراہ بن گیا اور سارہ

دوسرے گروہ کے ساتھ ہو گئی۔

”تم ہمارے لیے لہجہ عام ادنیٰ کی طرف روانہ ہو جاؤ!“

منی نے سارہ کو مخاطب کیا۔ ”میں بالو کو قافلہ والوں کے خوالے کر کے تم سے

آلوں گا۔“

سارہ نے اثبات میں سر ہلایا، پھر مجھے بولی۔ ”بالو آپ کے

خلوص اور ایک منی نے مجھے بہت شاکر کیا ہے۔ آپ یقین کریں کہ

میں آپ کی دشمن نہیں۔ آپ اپنی دلاست میں تبت کی جھلانی کے

لیے جو کچھ کرنی ہیں وہ تبت اور اہل تبت کے حق میں نہیں۔ مگر پھر

کبھی میں آپ کے خلوص پر شبہ نہیں کرتی۔ کاش آپ اہل تبت

کے مسائل کو سمجھ سکتیں اور عین حکمت کا ساتھ چھوڑ کر ہماری صفوں

میں آجائیں۔ یہ کہہ کر وہ لمحے پھر کوئی پھر بولی۔ ”بالو کیا خیر آپ

زندگی کے کسی موڑ پر آپ سے ملاقات پر تیار ہیں؟ اس لیے اگر میری

مل جاتی تیرے ان اطلاعات سے ہیں زیر دست نالگہ ہوا
ہے۔ ہم نے بہت تصور طے کرے میں اپنے خباثت کو کھینچ جا رہا ہوں
اور عین کے حلیف مقامی باشندوں سے وفات کر دیا ہے۔
منفی تفصیلات سے آگاہ کرنا ہاں اور میں یہ سوچتی رہی
کہ اگر اس کی زبان کھلوانے کا فیصلہ کرنے کی بجائے، پہلے ہیں
اس پر عملدرستی تو کتنے کھائے میں رہتی! ایسی صورت میں مجھے
بہت سی اہم باتیں معلوم نہ ہو پاتیں۔
منفی نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے کہا: ”جہن نری سے
میری پہل ملانا تمہارا میں ہوئی ہوتی ہے۔“

”تو دلائی لاما کو واپس لانے کی تمام
 ”ابھی نہیں، لیکن ہم بہت جلد تیار
 ب صرف آخری مرحلہ رہ گیا، لیکن، یا نہ،
 وضاحت نہیں کروں گا۔“ وہ میری ۱۸،
 سکر اگر بولا۔

کے حق میں نہیں، اور میں بھی ذاتی طور پر کسی
عالمی لیگ میں آسانا کافی ہے کہ آپ کو یہاں سے
موتی نے کسی تانے کے ساتھ آپ کو جین بھیجے
ہاںہہ اُس کے دوسرا تھی آپ کے ہمراہ جائیں
میں سے نوٹ کر: آجائیں جین سے آپ کا ہے
ہم اب تہمت داریں: آپ کیا رہو گا، کیونکہ اس
میں، اگر کیے ہوں گے“

وہ جن نثری کتھا۔ میرے اور اُس کے درمیان صرف چند گز کا فاصلہ تھا۔ جن نثری کی دسترس میں چلے جانے کا مطلب ایک یقینی موت تھا جسے شاید کوئی نہیں ٹال سکتا تھا۔

وہمکنی کارگر ثابت ہوئی تھی۔

منشی کے چاروں ساتھی اپنے گھوڑے دوڑاتے دوڑ چلے گئے، اور کچھ فاصلے پر جا کر رک گئے۔ چند ہی لمحوں میں صورت حال میرے قابو میں آگئی تھی، لیکن جن زبانی ہم تک اپنے مسلح ساتھیوں سمیت نہیں موجود تھا۔ وہ پہچان نہیں ہوا تھا۔

”پن تری!“ میں نے اُسے براہِ راست مخاطب کیا ”تم بھی اپنے ساتھیوں کو لے کر چھپے ہوٹ جاؤ ورنہ میں....“

میرا جملہ احوال یہ رہ گیا، کیونکہ میری زندگی نے ایک دھڑیان
تغیر کر رکھا تھا، پھر اس نے منتی کو مخاطب کیا کہ منتی! تجھاری
زندگی یقیناً قیمتی ہے مگر اس سے بھی زیادہ قیمتی اس عورت
کی لاش ہوگی۔ تھیں خوفزدہ ہونے کی ضرورت تھیں۔ اگر تم
مارے بھی کئے تو تجھاری تحریک ختم نہیں ہوگی۔ دلائی لامہ پرستم

”خاموش! چن ٹری کا حملہ اور حورا ہی ہو گیا، اور منشی نے بھٹل میں ہرگز تھیں اس کی اجازت نہیں دلا گا کہ تم بالو کا ہاگ کرنا“ جب کہ اس عورت نے تمھارے سر پر لاشعل رکھ دی ہے“

”ہاں، اگر باکو کو قتل کر دیا گیا تو سارہ ہم سے برگشتہ ہو جائے گی۔“ منتی نے نرم نرم لہجے میں جواب دیا۔

”سامہ کے بغیر بھی تو تحریک چل ہی رہی تھی!“ چنڑی نے
لپیش کی۔

” لیکن اب سارہ کی غیر معمولی صلاحیتوں نے تحریک میں نڈال دی ہے، اور ہماری منزل بہت قریب آگئی ہے۔“ منشی کما۔

منہتی کا جملہ پورا ہوا ہی اٹھا کر میں نے اچانک اُس کے سر
پر رائفل چما کر جن شری کے سینے کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا، لیکن
میں نے منہتی کی بجلی کی طرح توبہ کر ڈالا اور اُس نے رائفل کی نال پر
وول دیا۔ رائفل کی نال کا رخ بائیں طرف ہو گیا۔

وہ مجھ تک پہنچ سکتا تھا۔

ایک لمحے کے ہزاروں حقے میں مل گیا !
 ہڑی تھیلی منٹی کے بازو پر پڑی۔ میں
 چاکر دار کیا تھا اور نہ میری ضرب اُس کی گرا
 نہ نہ رہتا۔

تجربہ میری قوتِ شعور کے عین مطابق نکلا
گرفتارِ ختم ہو گئی، اور میں نے ایک جھیل
مٹھے لاشعل کی نالِ جگر منتقلی کے سر سے جا مل
رائی، "منتقلی" میں تمھاری گردن کی پٹی پس
مے البصارت اس لیے نہیں کیا کہ تم کس
میں نہیں ہو۔ اب اگر تم نے کوئی حرکت ک
رس توں گی۔"

منستی آہستہ آہستہ کرا رہا تھا۔ اس
پہلے یقیناً معمولی نہیں تھی، مگر مجھے علم تھا کہ
ٹوٹی، کیونکہ میں نے ضرب لگاتے ہوئے
سمجھا۔

جن ترے اب سبھل چکا تھا، اور میری
دیکھ رہا تھا۔ اُسے غالباً سچے میں
کی کانشانہ لیا تھا، اور اگر درمیان میں
دیا تو وہ جہنم رسید ہو جاتا۔

”جین رژی سے کوکو کوکہ اور اُس کے سر
میں اور گھوڑوں کی باگیں چھوڑیں!۔
کیا، کیونکہ یہ یقین تھا کہ جین رژی میرا
آپ اپنے حق میں اچھا نہیں کر رہا ہے
یہ کچھ اچھا نہیں ہوگا کہ متبت
نہا جائے“

میں والدہ گھر ٹراموٹر فرما رہی تھیں
 یہ ممکن تھا کہ میں ایک ہاتھ سے گھر
 کے دروازے سے باہر نکلتی ہوں
 اور باقی کچھ ناملے لے کر
 جا سکتی تھا، لیکن مجھے اس خطرہ
 کی بنا دیا کہ بغیر چھپے سے مجھے اپنی گواہی
 دینے نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا

یہ رہنمائی۔

۱۔ زمکی کا انشا ہی شروع ہوا تھا۔ اب وہ میری بات
 تھا۔ وہ کہہ رہا تھا: بانو! میں چین تری سے
 مگروں کا جو آپ کھلوانا چاہتی ہیں۔ یہ معاملہ
 ہے۔ میں درمیان میں نہیں آنا چاہتا۔“

الفاظ گویا جن تڑکی کرے، ایک اشارہ تھے
 مگر وہ جو چاہے کرے شاید منتی ہے مجھ پر کھٹاکہ
 کر دی گی، کیونکہ اُسے ہلاک کرنے کا مطلب
 ہے کہ پرآمادہ ہوں۔ درجن بھر سے زیادہ مٹے
 لے کر اور کبھی مچو سکتے تھے!

میں معاشرہ کی نگاہ میں چھٹی کی طرف توجہ دیتی اور
 گھر میں کے اچھے میں ایک تری لایا چندا نظر آ رہا
 پہلی طرف بیٹھنے والا تھا۔ مجھے اس کا مقصد
 وہ ہے۔ دوستی کو گھوڑے سے لگا کر موقع سے
 ہاتھ میں گھوڑے کی پشت سے لگا کر سنبھل
 لگا رہتا۔

۱۔ ایک خط ناک فیصلہ کیا اور دوسرے
۲۔ دو کامب منتی کے گھوڑے کی پشت پر
۳۔ اور ایک تھا۔
۴۔ پھیل گھوڑے کی پشت پر گھڑی بنی تھی
۵۔ میں متھیل رائس میجر کی چوٹی چٹان پر رکت و
۶۔ دھول رائس کے ساتھ گھوڑوں پر سوار کیا

۱۔ افسوس! یہ بھنگ چکا تھا، اور اس نے بھنگ سے
 لہو لے کر پیچھے چل رہا تھا۔ منتی کا گھوڑا اُس کے
 تھما۔ پھر منتی کا گھوڑا جیسے ہمارے سڑک کے
 زکامیوں نے چٹان کے اوپر سے پھلنگڑ
 لے مہرہ گھوڑا چڑھایا اور اس کے ساتھ

۱۱۱
۱۱۲
۱۱۳
۱۱۴
۱۱۵
۱۱۶
۱۱۷
۱۱۸
۱۱۹
۱۲۰
۱۲۱
۱۲۲
۱۲۳
۱۲۴
۱۲۵
۱۲۶
۱۲۷
۱۲۸
۱۲۹
۱۳۰
۱۳۱
۱۳۲
۱۳۳
۱۳۴
۱۳۵
۱۳۶
۱۳۷
۱۳۸
۱۳۹
۱۴۰
۱۴۱
۱۴۲
۱۴۳
۱۴۴
۱۴۵
۱۴۶
۱۴۷
۱۴۸
۱۴۹
۱۵۰
۱۵۱
۱۵۲
۱۵۳
۱۵۴
۱۵۵
۱۵۶
۱۵۷
۱۵۸
۱۵۹
۱۶۰
۱۶۱
۱۶۲
۱۶۳
۱۶۴
۱۶۵
۱۶۶
۱۶۷
۱۶۸
۱۶۹
۱۷۰
۱۷۱
۱۷۲
۱۷۳
۱۷۴
۱۷۵
۱۷۶
۱۷۷
۱۷۸
۱۷۹
۱۸۰
۱۸۱
۱۸۲
۱۸۳
۱۸۴
۱۸۵
۱۸۶
۱۸۷
۱۸۸
۱۸۹
۱۹۰
۱۹۱
۱۹۲
۱۹۳
۱۹۴
۱۹۵
۱۹۶
۱۹۷
۱۹۸
۱۹۹
۲۰۰
۲۰۱
۲۰۲
۲۰۳
۲۰۴
۲۰۵
۲۰۶
۲۰۷
۲۰۸
۲۰۹
۲۱۰
۲۱۱
۲۱۲
۲۱۳
۲۱۴
۲۱۵
۲۱۶
۲۱۷
۲۱۸
۲۱۹
۲۲۰
۲۲۱
۲۲۲
۲۲۳
۲۲۴
۲۲۵
۲۲۶
۲۲۷
۲۲۸
۲۲۹
۲۳۰
۲۳۱
۲۳۲
۲۳۳
۲۳۴
۲۳۵
۲۳۶
۲۳۷
۲۳۸
۲۳۹
۲۴۰
۲۴۱
۲۴۲
۲۴۳
۲۴۴
۲۴۵
۲۴۶
۲۴۷
۲۴۸
۲۴۹
۲۵۰
۲۵۱
۲۵۲
۲۵۳
۲۵۴
۲۵۵
۲۵۶
۲۵۷
۲۵۸
۲۵۹
۲۶۰
۲۶۱
۲۶۲
۲۶۳
۲۶۴
۲۶۵
۲۶۶
۲۶۷
۲۶۸
۲۶۹
۲۷۰
۲۷۱
۲۷۲
۲۷۳
۲۷۴
۲۷۵
۲۷۶
۲۷۷
۲۷۸
۲۷۹
۲۸۰
۲۸۱
۲۸۲
۲۸۳
۲۸۴
۲۸۵
۲۸۶
۲۸۷
۲۸۸
۲۸۹
۲۹۰
۲۹۱
۲۹۲
۲۹۳
۲۹۴
۲۹۵
۲۹۶
۲۹۷
۲۹۸
۲۹۹
۳۰۰
۳۰۱
۳۰۲
۳۰۳
۳۰۴
۳۰۵
۳۰۶
۳۰۷
۳۰۸
۳۰۹
۳۱۰
۳۱۱
۳۱۲
۳۱۳
۳۱۴
۳۱۵
۳۱۶
۳۱۷
۳۱۸
۳۱۹
۳۲۰
۳۲۱
۳۲۲
۳۲۳
۳۲۴
۳۲۵
۳۲۶
۳۲۷
۳۲۸
۳۲۹
۳۳۰
۳۳۱
۳۳۲
۳۳۳
۳۳۴
۳۳۵
۳۳۶
۳۳۷
۳۳۸
۳۳۹
۳۴۰
۳۴۱
۳۴۲
۳۴۳
۳۴۴
۳۴۵
۳۴۶
۳۴۷
۳۴۸
۳۴۹
۳۵۰
۳۵۱
۳۵۲
۳۵۳
۳۵۴
۳۵۵
۳۵۶
۳۵۷
۳۵۸
۳۵۹
۳۶۰
۳۶۱
۳۶۲
۳۶۳
۳۶۴
۳۶۵
۳۶۶
۳۶۷
۳۶۸
۳۶۹
۳۷۰
۳۷۱
۳۷۲
۳۷۳
۳۷۴
۳۷۵
۳۷۶
۳۷۷
۳۷۸
۳۷۹
۳۸۰
۳۸۱
۳۸۲
۳۸۳
۳۸۴
۳۸۵
۳۸۶
۳۸۷
۳۸۸
۳۸۹
۳۹۰
۳۹۱
۳۹۲
۳۹۳
۳۹۴
۳۹۵
۳۹۶
۳۹۷
۳۹۸
۳۹۹
۴۰۰
۴۰۱
۴۰۲
۴۰۳
۴۰۴
۴۰۵
۴۰۶
۴۰۷
۴۰۸
۴۰۹
۴۱۰
۴۱۱
۴۱۲
۴۱۳
۴۱۴
۴۱۵
۴۱۶
۴۱۷
۴۱۸
۴۱۹
۴۲۰
۴۲۱
۴۲۲
۴۲۳
۴۲۴
۴۲۵
۴۲۶
۴۲۷
۴۲۸
۴۲۹
۴۳۰
۴۳۱
۴۳۲
۴۳۳
۴۳۴
۴۳۵
۴۳۶
۴۳۷
۴۳۸
۴۳۹
۴۴۰
۴۴۱
۴۴۲
۴۴۳
۴۴۴
۴۴۵
۴۴۶
۴۴۷
۴۴۸
۴۴۹
۴۵۰
۴۵۱
۴۵۲
۴۵۳
۴۵۴
۴۵۵
۴۵۶
۴۵۷
۴۵۸
۴۵۹
۴۶۰
۴۶۱
۴۶۲
۴۶۳
۴۶۴
۴۶۵
۴۶۶
۴۶۷
۴۶۸
۴۶۹
۴۷۰
۴۷۱
۴۷۲
۴۷۳
۴۷۴
۴۷۵
۴۷۶
۴۷۷
۴۷۸
۴۷۹
۴۸۰
۴۸۱
۴۸۲
۴۸۳
۴۸۴
۴۸۵
۴۸۶
۴۸۷
۴۸۸
۴۸۹
۴۹۰
۴۹۱
۴۹۲
۴۹۳
۴۹۴
۴۹۵
۴۹۶
۴۹۷
۴۹۸
۴۹۹
۵۰۰
۵۰۱
۵۰۲
۵۰۳
۵۰۴
۵۰۵
۵۰۶
۵۰۷
۵۰۸
۵۰۹
۵۱۰
۵۱۱
۵۱۲
۵۱۳
۵۱۴
۵۱۵
۵۱۶
۵۱۷
۵۱۸
۵۱۹
۵۲۰
۵۲۱
۵۲۲
۵۲۳
۵۲۴
۵۲۵
۵۲۶
۵۲۷
۵۲۸
۵۲۹
۵۳۰
۵۳۱
۵۳۲
۵۳۳
۵۳۴
۵۳۵
۵۳۶
۵۳۷
۵۳۸
۵۳۹
۵۴۰
۵۴۱
۵۴۲
۵۴۳
۵۴۴
۵۴۵
۵۴۶
۵۴۷
۵۴۸
۵۴۹
۵۵۰
۵۵۱
۵۵۲
۵۵۳
۵۵۴
۵۵۵
۵۵۶
۵۵۷
۵۵۸
۵۵۹
۵۶۰
۵۶۱
۵۶۲
۵۶۳
۵۶۴
۵۶۵
۵۶۶
۵۶۷
۵۶۸
۵۶۹
۵۷۰
۵۷۱
۵۷۲
۵۷۳
۵۷۴
۵۷۵
۵۷۶
۵۷۷
۵۷۸
۵۷۹
۵۸۰
۵۸۱
۵۸۲
۵۸۳
۵۸۴
۵۸۵
۵۸۶
۵۸۷
۵۸۸
۵۸۹
۵۹۰
۵۹۱
۵۹۲
۵۹۳
۵۹۴
۵۹۵
۵۹۶
۵۹۷
۵۹۸
۵۹۹
۶۰۰
۶۰۱
۶۰۲
۶۰۳
۶۰۴
۶۰۵
۶۰۶
۶۰۷
۶۰۸
۶۰۹
۶۱۰
۶۱۱
۶۱۲
۶۱۳
۶۱۴
۶۱۵
۶۱۶
۶۱۷
۶۱۸
۶۱۹
۶۲۰
۶۲۱
۶۲۲

میں نے گھوڑے کی پشت پر کودتے ہوئے جن نرکی کے
آخری الفاظ سنے تھے۔ اُس نے جیغ اُٹاپنے سے ساتھیوں سے کہا
تھا: وہ چٹان پر چڑھ چکی ہے، چٹان پر چڑھو! ”
میں فوراً گھوڑے کی پشت سے چبٹی ہوئی تھی، کیونکہ گھوڑا
استوائی تیز رفتاری سے دوڑ رہا تھا۔ میں نے گھوڑے کے بعد فوراً
دیکھا تو کانِ فاضل پر کچھ گھوڑوں کو اپنے تعاقب میں آتے دیکھا
وہ اتنی دُور تھے کہ قطعوں کی طرح نظر آ رہے تھے۔ جن نرکی کو قلعہ
میر سے فزاکا علیہ ہو گیا تھا، اور اب قلعہ میر اور تعاقب کر رہا تھا
میں جا بجا تو گھوڑے کو تاروں میں کرسکتی تھی، مگر میں نے
ایسا نہیں کیا۔ میں گھوڑے کی پشت سے فائدہ اٹھانا چاہتی تھی
معاذ مجھ پر بھیجے سے فائرنگ شروع ہو گئی۔ رائفل کی گولیوں
کے لیے وہ فاصلہ کچھ نہیں تھا جو میرے اور جن نرکی کے
درمیان تھا۔ رائفل کی گولیاں میرے ارد گرد سنسنے لگیں
فاصلہ زیادہ ہونے کے سبب صوبے نشانہ لینا بہر حال ممکن نہیں
تھا، لیکن کوئی بھی بھڑکی جھلکی کوئی میرے جیسے جس اتر سکتی
اندھا دھند فائرنگ سے فضا کو گنج رہی تھی اور میں یہ
رہی تھی کہ شیدان کی آنت کی طرح وہ لمبی سرک کب اور ک

آخری طرح میں اُس دور ہے تک پہنچنے کی
سے سارہ جلا ہوئی تھی۔ میں نے گھوڑے کو تابوین کر
ایک جانب موڑا جا یا، مگر ناکام رہی۔ گھوڑا دورا ہے کہ
سرنگ برآمد بلکہ دوسری طرف بھاگتا چلا گیا۔ میں اس
نکرت پیچھے سے وہ سرنگ لاسہ کی طرف نہیں جاتی تھی، نہ
سرنگ پر گرنے سے یہ ناگمہ ضرور ہوا کہ میں پچھنے سے کہ جا
والی فائرنگ کی زد سے باہر ہو گئی۔ اب فائرنگ بھی لگے کہ
اب وحشت زدہ گھوڑے کو تابوین کرنا بہت ضرور
گیا تھا۔ میں نے پوری قوت سے اُس کی آگیں کھینچ لیں
بھاگتے بھاگتے ٹکر کرافت ہو گیا۔ کچھ دیر کی جلد جلد
میں نے گھوڑے پر تابوایا۔

پھر جب میں گھوڑے کو موڑ کر اسے جانے دیا تو اس کی طرف پلٹی تو ایک بار پھر نفا دھماکوں سے گونج اٹھا۔ دھماکے کو بیاں چلنے ہی کہتے ہیں۔ میں نے اپنا گھوڑا روک دیا۔ گولیاں چلنے کی آوازیں اُسی سمت سے آرہی تھیں۔

میں جا رہی تھی میں نے بہت جلد یہ بات محسوس کرنی کہ نائریگ دو طرف سے کی جا رہی ہے۔ دھماکوں کی آواز میں بھی پہلے کی نسبت زیادہ جھٹکے۔ ایسا معلوم ہوا ہاتھ جیسے دھتکے گروہ ایک دوسرے پر نائریگ کر رہے تھے پھر معاً خاموشی چھا گئی۔ کچھ دیر میں دہیں کھڑی ہوئی دوبارہ نائریگ شروع ہونے کی منتظر رہی مگر اب کئی خاموشی تھی۔ میں نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا لی۔ اب آگے بڑھنے میں کوئی خطرہ نہیں تھا۔

میں نے دور اپنے پر پہنچ کر دیکھا کچھ گھوڑے سوار اُس سمت تیزی سے دوڑتے چلے جا رہے ہیں جدھر سے میں آئی تھی۔ وہ گھوڑے سوار کافی دُور نکل گئے تھے، لیکن اتنی دُور بھی نہیں کہ میں ان کے حصوں پر موجود فوجی درو یاں بھی نہ دیکھ سکتی۔ میرا ذہن بہت جلد حقیقت تک پہنچ گیا۔ رضوان کو بہر حال خاموش نہیں بیٹھا چاہیے تھا، اور نہ ہی بچین لام کو میری طرف سے بے نگہ ہو جانا چاہیے تھا۔ میں نے سوچا کہ یقیناً بچین لام کے سپاہی مختلف ٹکڑوں میں بٹ کر مجھے لاس میں اور لاس سے باہر جانے والی شاہراہوں پر ڈھونڈتے پھر رہے ہوں گے۔ غالباً انہی ٹکڑوں میں سے کوئی ٹکڑی ادھر تکلی ہو گئی، اور اُس نے نائریگ کی آواز سن کر ہی ادھر کا رخ کیا ہوگا، پھر اُس ٹکڑی کا چن ٹی سے ٹکراؤ ہو گیا ہوگا چن ٹی اپنے مقابلے پر فوجیوں کو دیکھ کر کھجاک کھڑا ہوا ہوگا، اور اب فوجی اُس کے تعاقب میں گئے ہوتے۔

میں چن ٹی کی طرف سے مطمئن ہو کر لاس جانے والی شاہراہ پر تیز رفتاری سے گھوڑا دوڑانے لگی۔ میں اب جلد سے جلد پہنچنا چاہتا تھا، تاکہ رضوان اور بچین لام میری طرف سے مزید نگراند نہ ہوں۔

ہنگامے ہی ہنگامے میں صبح سے دہر ہو چکی تھی۔ میں بوتلا مضبوطی لگائی، اور اپنا گھوٹا میں نے سرخ محل کے دروازے ہی پر جا کر روکا جہاں ایک فوجی دستہ رواجی کے لیے تیار کھڑا تھا، اور خود وہ بچین لام اُس دستے کے فوجی افسر کو کچھ ہدایات دے رہا تھا۔

مجھے آتے دیکھ کر بچین لام اٹھ کھڑا تھا۔ اُس کے چہرے پر انتہائی حیرت اور فکر مندی کے آثار تھے۔ وہ میرے سلسلے میں اس تندہ پریشان اور بدحواس ہو گیا تھا کہ خود اپنی نگرانی اور ہدایات

میں، فوجی دستوں کو میری تلاش میں بھیجتے۔ حیرت کی زیادتی کے سبب کچھ دیر گھوڑے سے اُتر کر اس کے قریب گئی اور مخاطب ہوئی۔ "ختم، بچین لام! میں ہوں۔ اب اپنے فوجی دستوں کو حکم جاری ختم کر دی جاوے۔"

"مگر... مگر کھیں... کھیں تو وہ..." آئے اندر پہلے! "میں نے اس کی آپ کو تفصیلات سے آگاہ کر دیاں گی۔" بچین لام میرے ہمراہ محل میں داخل ہوا اب بھی حیرت کے آثار تھے۔ اس حیرت کا ہونے کی وجہ سے میرے انگوٹے بارے میں کیا رضوان میری تماشیاں میں۔ "ہاں میں نے انھیں روکنا چاہا تھا مگر بچین لام نے میری بات پوری ہونے سے ایک فوجی دستے کے ہمراہ ہوا ڈیو جانے والی بچین لام میرے ہمراہ ممان خانے ساتھ اُس کمرے میں داخل ہوا جو میرے میں نے اُسے تفصیلات سے آگاہ کر بارے میں یہ جان کر حیرت ہوئی کہ وہ با فدا مگر میں نے اُسے سارہ کی غیر ضروری مصالحتیں میرے انگوٹے اور فرار کی تفصیلات کے بعد بچین لام بولا میں دوام اس ٹکڑے تھا کہ ابھی چند گھنٹے قبل پیننگ سے ہوئی ہے۔"

"وہ کیا؟" میں دوام میں ہی میں بولی، "پیننگ سے؟" اطلاع ملے کہ وہ لالہ کے ادا سے وہ بلی پہنچ چکا ہے۔ دوام، سے مل کر جلدی تہمت کے لیے روانہ ہوا۔ تہمت میں بغاوت کی آگ بجھانے کے لیے ۱۱۰ مدد کر رہی ہے۔ بچین لام نے مجھے موصول با خبر کیا۔ "ختم، بچین لام! اب میرا جام ڈیو ما،

مگر تہمت پہنچنے سے پہلے ہی کچھ کیا جاسکے۔ آپ لہا کے درجیجے میں کل صبح ہی جام ڈیو روانہ لے مستحکم لیجے میں گما، پھر مجھے شہزادہ قوشو لہا لاس سے کہا۔ آپ مجھے شہزادہ قوشو کے نام لے دینیے!"

اصل جلتے گا، اور بقیہ اختلاطات بھی کر دیے اسے نہ لگا۔ "مگر رضوان بھی جائیں گے" میں بولی، اور قوشو "درازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ اُس نے لہا اپنا نام سن لیا تھا۔

اسے میں کی مکمل افشانی فرمائی جا رہی ہے؟" وہ لہا نے میں بولا، ہم تو مختصر کو ڈھونڈتے دہ گئے، اور مختصر یہاں بیٹھی چن کی بھنسی بجا ہوا وہ قریب صوفے پر آکر بیٹھ گیا۔

میں اب بچوں گا، بچین لام اٹھ کھڑا ہوا۔ انا اُٹھی اور رضوان بھی! اُس کے چہرے پر تو ن سے جو الفاظ ادا ہو رہے تھے، انھیں سن کر ہر رونا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا: "لو، ٹکڑے میاں! حکمت سے غفلت میں ملے دو!" یہ الفاظ وہ اکر رہا تھا، ادا داری کی کا انداز ایسا تھا جیسے ڈاکہ رہا ہو۔

اگر آپ صوفے پر بیٹھے ہوئے بولی۔ اگر لہا بولتا ہے اُس کے لیے ادا کیے تھے تو انھیں نظر آتا ہے۔ اُن نے بیٹھ بیٹھ لپٹے نہیں کر سکتا تھا؟ وہ شروع ایک دم خفیہ ہو گیا۔

ہاں میں جد اُجدا میں جو آپ کے چہرے پر ہوا وہی نام اپنے چہرے پر فکس کرنا پڑے گا؟ ادا میں بولا، پھر کہا: "وہیے بائی دی سے کیا آپ اس گل کہ میں اور آپ کی محبوب سارہ نے آپ کو ہانتہ؟"

"بھومت!" میں اُس کی بات سن کر جھنجھلائی کیونکہ اُس کا لہجہ طنزیہ تھا، خصوصاً سارہ کا نام لیتے ہوئے اُس کی آنکھوں سے شرارت جھلک رہی تھی۔

پھر رضوان نے تفصیلات ممان کی دم لیا۔ میں کیونکہ کچھ دیر قبل ہی بچین لام کو ساری باتیں تفصیل سے بتا چکی تھی! اس لیے دوبارہ وہی تفصیلات بتاتے ہوئے لہر ہورہی تھی۔

تفصیلات سننے کے بعد رضوان بولا: "میں نے چن ٹی اور اُس کے ساتھیوں کا تعاقب کیا تھا، لیکن وہ فرار نہ ہوئے میں کامیاب ہو گئے۔ اُن کا رخ جام ڈیو کی طرف تھا، اور غالباً منتی بھی وہیں گیا ہوگا۔"

"اور اب میں بھی وہیں چلتا ہے؟" میں نے مسکرا کر رضوان کی طرف دیکھا: "اور تم بھی میرے ساتھ چلتا ہے؟" "نہیں بالو! میں تو دہاں نہیں جاؤں گا، رضوان نے فخر وہ ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا: "آپ کا کیا ہے؟ آپ تو خود جان بوجھ کر موت کے منہ میں کر دیا جی، مگر ظاہر ہے کہ میں ایسا نہیں کر سکتا۔"

"کیوں؟" میں نے مصغری غصے کے ساتھ پوچھا۔ "اس لیے کہ مجھے آپ کی بہن اور اپنی کچھ ہونے والی کا مستقبل عزیز ہے۔" رضوان نے جواب دیا۔

"اور تم بھی میرے مستقبل سے کوئی دلچسپی نہیں؟" "کبھی تھی، مگر آپ نے خود وہ دلچسپی ختم کر دی، وہ ٹھنڈا سانس لے کر بولا۔

"کہیں کیا ابھی دل میں کچھ ارمان باقی ہیں؟" میں نے اُسے پھر پل۔ "اُس نے پھر ایک لمبا سانس لیا، اور بولا: وہ دل ہی کیا جس میں کوئی ارمان نہ ہو؟"

"خیر ان فضول باتوں کو چھوڑو، اور جا کر اپنے کمرے میں آرام کرو! ہمیں کل ایک طویل سفر پر جانا ہے۔ بہتر ہے کہ تم تانہ دکا ہوں۔" میں نے تنجید گ سے کہا۔

"آپ کہتی ہیں تو چلا جاتا ہوں؟" وہ اٹھا ہوا بولا: "وہیے ایک بار پھر سوچ لیجیے کہ چن ٹی کسی جڑ کھائے ہوئے سانپ کی طرح بلی کھا رہا ہو گا! یقیناً جام ڈیو میں ہمارا شاندار استقبال کرنے کے لیے تیار ہوگا۔"

”مجھے بھی معلوم ہے، لیکن اب معاملہ آخری مرحلے میں داخل ہو چکا ہے۔ یہ کہہ کر میں نے اُسے اس اطلاع سے بھی باخبر کر دیا جو پبلک سے پہلے لاکھ کو موصول ہوئی تھی۔ رضوان دوبارہ صوفے پر بیٹھ گیا۔

کچھ دیر رضوان اُس اطلاع کی روشنی میں گفتگو کرتا رہا پھر اٹھ کر چلا گیا۔ مجھے اُس کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ وہ معاملات میں پوری دلچسپی لے رہا تھا، لیکن ہنسی سارہ اور چن تزی کی طرف سے فخر مند تھا۔ میں نے اُس کی تسلی کے لیے شہزادہ تو شہزادہ کرجی کر دیا تھا کہ چام ڈو میں وہ ہمارے لیے مدعو گاہک ثابت ہو سکتا تھا۔ شہزادہ تو شو کے بارے میں جان کر رضوان کسی قدر مطمئن نظر کرنے لگا تھا۔ گویا چام ڈو میں قدم چلنے کی گنجائش تھی۔

میں اپنے کمرے میں تنہا رہی تو حالات کا از سر نو جائزہ لینے لگی۔ تمام اچھی ہوئی اٹھیاں ایک ایک کر کے سلجھ گئی تھیں اور اب میں کوئی صحیح فیصلہ کر سکتی تھی۔

سوئی اور اُس کے گرد کا واضح مقصد دلائی لاکھ کو تبت والیس لانا تھا، اور شرح چین اس سلسلے میں مدد کر رہا تھا۔ شرح چین کا باجنٹ چن ڈی اور اُس کے ساتھی تبت میں تھے جو یونگا ہر منشی کے ہمراہ دکھائی دیتے تھے، لیکن میں اس ہمراہی کو شک کی نگاہ سے دیکھ رہی تھی۔ میری نظر میں شرح چین کا مقصد محض یہی نہیں تھا کہ دلائی لامہ تبت واپس آجائے بلکہ وہ ان حالات سے فائدہ اٹھا کر چینی حکومت کے خلاف تبت میں عام بغاوت چاہتا تھا۔ میرے خیال میں چن ڈی منشی کو بھی ہمراہی کی آوا میں دھوکا دے رہا تھا۔ چن ڈی شاید کسی ایسے سوچنے کی تلاش میں تھا کہ تبت میں بغاوت کی آگ بجھلا سکے۔

میرے سامنے دو اہم مسئلے تھے۔ پہلا مسئلہ تو یہ کہ کسی طرح سارہ کو یہ یقین دلا سکوں کہ منشی نے اُسے کس طرح دھوکا دیا ہے! اور سارہ کو یہ علم ہو جائے کہ چن ڈی شرح چین کا باجنٹ ہے۔ اس طرح میں سارہ کو اپنے حق میں ہموار کر کے فائدہ اٹھا سکتی تھی۔ سارہ کو میرا ذہن اب تک دشمن کی حیثیت سے قبول نہ کر سکا تھا اور وہ میری دشمنی بھی نہیں۔

دوسرا اہم مسئلہ چن ڈی کا تھا۔ اگر کسی طرح سارہ اُس کا ذہن پھیلے تو تمام مسئلہ حل ہو سکتا تھا۔ اس طرح چن ڈی اور منشی کا گھٹ جوڑ ختم ہو سکتا تھا۔ اگر میرا یہ شبہ درست تھا کہ درپردہ چن ڈی

کے کچھ اور مقاصد ہیں تو وہ مقاصد سامنے تبت میں بے شمار رہ جائے۔ منشی اُس کی اُسی وقت تک چن تزی کی ڈھال بنا رہا کہ اس کے عزائم کا علم نہیں ہو جائے۔

میرے چام ڈو کے سردار کا سیالی کا تھا۔ مجھے سارہ کو ان باتوں کا یقین دلانا تھا، لیکن ایسا اسی صورت میں ممکن تھا کہ کر دیا جاسکے کہ وہ چن ڈی کے غیر معمولی صلاحیتوں کی دھوکا دیا جاسکتا ہے۔ اس عملی تجربے کی میں اپنے اندر موجود قوت ارادی کا تجربہ کر رہی تھی۔ میں نے سارہ سے گفتگو کرتے ہوئے۔

سوچیں تھیں جن پر مجھے یقین نہیں تھا اور تھا اُس وقت میرے ذہن میں اُس سبب سارہ دھوکا کھا گئی تھی۔ وہ میری قوت تھا، لیکن اگر میں اپنی تمام تر ذہنی صلاحیتیں قوت ارادی سے کام لے سکوں تو شاید سارہ وہی خیال پر ٹھہر سکے جو میں چاہوں۔

میں انہی خطوط پر دیر تک سوچ رہی تھی کہ یہ سارہ کھل قوت ارادی کا ہے۔ مجھے تھا کہ میں مضبوط قوت ارادی کی مالک ہوں۔ میری زندگی تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید یہاں میں آنکھیں ڈال کر بھی زندہ نہ بچتی۔

سوچتے سوچتے میرے ذہن میں اگر شعور پر ارادے کی گرفت کمزور پڑ جائے، خیالات پر تالیفیں رہ سکتی ہیں۔ یہ سارہ مجھے ایک نیا رخ دکھائی۔ نئے کے عالم آدمی کے شعور پر لاشعور حاوی ہو جاتا۔ وہ اپنی قوت ارادی سے شعور کی سطح پر نہیں آجائے تھی۔ اس خیال نے ایک بڑا مسئلہ میں اٹھ کر بیٹھ گیا، پھر کرے میں

طور پر چن لامرے ملنے کا فیصلہ کیا۔ میں کمرے سے باہر نکل کر اُن ایک ما پر معلوم ہوا کہ چن لامرے اُس وقت محل کے

اچھی تھی، اور رضوانیں خنکی بڑھ گئی تھی۔ میں چلتی ہوئی لپ بڑھ گئی۔

میں لامرے محل کے باغ میں اپنے کچھ میزوں کے ہمراہ موجود رہا۔ میں نے اپنے خادموں اور محافظوں کو میرے بارے میں بتا دیا۔ میں جس وقت اُس سے ملنا چاہوں ملنے دیا جائے۔ تاکہ اُس کی محافظوں نے مجھے باغ میں جانے کی اجازت دے گی۔ باہر سے دو کتا کھڑے ہوئے تھے۔

میں نے ایک قطعے پر اکام کہہ کر سیاں بھیجی ہوئی تھیں۔ میں پر چن لامرے بیٹھا تھا۔ مجھے یہ خیال ہی نہیں رہا تھا کہ وہ یہ نہانا ملے۔

میں نے دیکھ کر وہ کچھ بات کرتے کرتے رنک گیا۔ اُس کے ہلچل نظر آئی۔ پھر وہ مسکرا دیا۔

اُس کے قریب ہی ایک خالی کرسی پر بیٹھ گئی پھر اُس نے بولن مذہم لیے میں بولی نہ مجھے علم نہیں تھا کہ آپ یہاں آئے۔ مجھے آپ سے غلط میں کچھ بات کرنی تھی، وہ بڑے خاموش رہا، پھر اپنے میزوں سے غائب ہوا۔

میں نے اچھی آواز دیا، یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

اُس کے ہمراہ محل کے ایک کمرے میں آگئی۔ وہاں کو کیا بات ہے؟ وہ ایک صوفے پر بیٹھنے پر مجھے بولا۔

میں اُس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی اور بولی مجھے

میں معلوم ہوا تھا کہ آپ کے پاس بھی مختلف ذہنوں کا بہت

ہے۔

پھر میں کوئی نہہر چاہیے؟ وہ جرت سے بولا۔

میں نے ہر تینوں، لیکن کوئی ایسا صوفہ یا ایسی دوا موجود

میں نہ تھا کہ انہی کا استعمال کیا جاسکے۔ میں نے کہا کہ پھر وہ صوفے

نہی ایسی دوا یا صوفے جن کا استعمال ذہن پر مگر سے نئے

میں کرے۔ ایسی کیفیت جو کثرت شراب نوشی

والت ہے۔

میں نے پاس ایک ایسا صوفہ ہے تو کمرے اُس کا اصرار کیا۔

لیکن لامرے کچھ سوچ کر بولا۔

میں نے کہا کہ تو اثر رہا ہی ہوگا؟ میں نے معلوم کیا۔

میں نے کہا کہ ایک گھنٹے اور زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے،

میں اُس صوفہ کا کیا کر دوں؟ چن لامرے نے پوچھا۔

”آپ کو علم ہے کہ میں کل صبح چام ڈو روانہ ہوئی تھی۔ میں وہاں چن ڈی سے زیادہ سے زیادہ تیاروں کے ساتھ جاؤں تو میرے پاس ممکن ہے کہ کسی مرحلے پر مجھے اس صوفہ کی ضرورت بھی پڑ جائے، میں نے اُسے تفصیل نہ بتا کر گول سول جواب دیا۔

”ہاں ہاں بالکل،“ چن لامرے نے تائید کی، اگر چاہو تو

میں تمہیں کوئی دو دائرہ ہر تیسے دوں!

”نہیں محترم لامرے! اس کی ضرورت نہیں پڑے گی،“ میں

نے کہا۔

”تھک ہے، تم اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو! میں ابھی جا

کر اپنے دفترے میں وہ صوفہ تلاش کر کے تمہیں بھیجے دیتا ہوں،“

چن لامرے بولا۔

مجھے اُس کا یہ غیر عطا انداز پسند نہ آیا اور بولی ”محترم لامرے!

میں نہیں چاہتی کہ میرے اور آپ کے علاوہ یہ بات کسی کے علم میں

آئے۔ اگر آپ کو ناگوار خاطر نہ ہو تو میں خود آپ کے ساتھ چلوں؟“

وہ میری بات سن کر مسکرائی اور بولا۔ بالآخر واقعی بہت

عطا اور ذہین ہو۔ میں اپنے خاص خادم سے یہ کام لیتا، لیکن

بہتر یہ ہے کہ تمہی ساتھ چلوں!

پھر وہ مجھے اپنے ساتھ اپنی خواہنگاہ میں لے گیا، اور جب

میں وہاں سے لوٹی تو میرے پاس وہ صوفہ کی پڑیا موجود

تھی جو اُس منصوبے میں ایک اہم کردار ادا کرنے والی تھی جسے

میرے ذہن نے تشکیل دیا تھا۔

میں اپنے کمرے میں لوٹ آئی۔ رات کا کھانا میں نے اور

رضوان نے ساتھ ساتھ کھایا، اور کھانے کے دوران میں گفتگو

تینوں رضوان سے کرتی رہی، مگر میرا ذہن چن ڈی، سارہ اور

ہی میں اٹھا رہا۔ رضوان نے بھی بہت جلد اس بات کو محسوس کر

کر لیا کہ میرا ذہن کچھ سوچنے میں مصروف ہے۔ وہ جلد ہی مجھے تنہا چھوڑ

پلنے کرے میں چلا گیا۔

اُس شب کا بڑا حشر تھا۔ ایک طرح کی ذہنی مشق کے

ہوئے گزارا۔ مجھے یہ جان کر عجیب کی خوشی ہوئی کہ میں بڑی

سبک اپنے ذہن کو اپنے خیالات کا طالع رکھنے پر قادر ہوں۔ اور

میں مجھے خود اپنی اس ذہنی قوت و صلاحیت کا علم نہیں تھا۔

مختلف خیالات کو ذہن سے جھٹک کر صرف کسی ایک خیال پر

ماری تو جتنی صرف کر دیتی، اور پھر محض وہی خیال میرے صوفے

پر

پر رہ جاتا۔ کئی بار میں نے پیش بھی کی کہ میرے ذہن میں جس سے کوئی خیال ہی نہ ہو اور میں اس کو کش میں بھی کامیاب رہی۔ مجھے اس ذہنی مشق میں عجیب سا لطف محسوس ہو۔ لڑکا زور اور قوت ارادہ کا بیکھلے مجھے براہ کمال محسوس ہوا۔ میں نے سوچا کہ شاید منشی کو بھی اس بیکھل سے ایسا ہی لطف آتا ہوگا۔ ذہن پر خند کا غلبہ ہونے سے پہلے میں یہ بھی سمجھتی تھی کہ مجھے اپنی کوشش میں کامیابی ہو چکی ہے۔

میں رات کو دیر تک جاگتی رہی تھی اس لیے صبح خود بیدار نہ ہوئی۔ مجھے صحنان نے بیدار کیا۔ وہ دروانے پر دستیں دے رہا تھا۔

میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ سفر کے لیے پوری طرح تیار ہو چکا تھا۔

صحنان نے مجھے بتا کر کہ صحنان لارے سے سفر کی تمام تیاریاں مکمل کر دی ہیں اور تجربہ کار فوجیوں کا ایک دستہ عمل کے باہر چلا منتظر ہے جو جام ڈلوٹنگ ساتھ چلے گا۔

روایتی سے قبل میرا بچن لارے سے ملنا بھی ضروری تھا، تاکہ میں اس سے شہزادہ قوشو کے نام تعارفی خط حاصل کر لوں۔ میں جلدی جلدی تیار ہوئی اور صحنان کو وہیں چھوڑ کر بچن لارے سے ملنے روانہ ہو گئی۔

وہ اپنی نشست گاؤں میرا ہی منتظر تھا۔ اس نے شہزادہ قوشو کے نام لکھا ہوا خط میرے حوالے کر دیا اور لڑکا جو فوجی دستہ تھا اسے ساتھ جا رہا ہے، اس میں موجود فوجیوں کو کچھ علم نہیں کہ تمہارے سفر کا کیا مقصد ہے، ان کے سپرد صرف تعارفی اور تمہارے سامنے کی حفاظت ہے۔ مجھ اس دستے کے فوجی افسر کو حالات سے آگاہ کیا گیا ہے، پھر اس نے مجھے بتا کر فوجی دستہ ایک تجارتی قافلے کی صورت میں میرے ہمراہ جام ڈلوٹنگ جائے گا۔

مجھے یہ بات بھی عزیز تھا اور عزیز ضروری معلوم ہوئی کہ اس فوجی دستے کے افسر کو میرے مقصد سے آگاہ کیا گیا، لیکن میں نے اس سلسلے میں بچن لارے سے کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔ کیونکہ اب کچھ لانا حاصل ہی تھا۔

میں بچن لارے سے رخصت ہو کر دوبارہ اپنے کمرے میں پہنچی۔ اس وقت صحنان خادموں کے ذریعے میرا اور اپنا تمام سامان باہر چھوڑا تھا۔

میں صحنان کے ہمراہ محل سے باہر نکلے۔ میں جاڑو لیا اور فوجی افسر سے بھی مل کر جو انگریزی میں افسر نے مجھے اپنا نام چانگ بتایا تھا۔ فوجی افسر نے بھی پہچانی تھی جنھیں تہمت میں رہتے ہوئے انہاں وہ تین زبان بھی روانی سے بول سکتے تھے۔ وہ باشندوں میں بڑی کرتب بازی ہی نظر آتے۔ ان کے دروایاں نہیں تھیں، منگو وہ پوری طرح مسلح تھے کچھ دیر بعد ہی صحنان اور میں گھوڑوں دستے کے ہمراہ پوتا لاسٹھ سے روانہ ہو گئے۔

اس وقت تک لاسٹھ سے جام ڈلوٹنگ سفر کی جاتی تھی۔ یہ سفر چینی فوج نے بنائی تھی میں آسانی ہو گئی تھی۔ چینی فوج اس قسم کی سفر چھوڑے شہروں کو ایک دو دستہ سے ملتا رہی تھی۔ یہ ترقی کی طرف پہلا قدم تھا، کیونکہ اس کا کی زیادہ سے زیادہ ترسیل کی صورت میں ملا۔

لاسٹھ سے براہ راست جام ڈلوٹ جانے والا سے ہیں سفر میں بہت آسانی تھی۔ مشکلات کے سبب پیش آئیں، ہمیں کئی بار برف کے واسطے پڑا جس کی وجہ سے ہمیں کئی جگہ ٹھہرنا پڑا۔

ہم نے اپنا سفر پوری تیز رفتاری سے اس کے باوجود ہم اسی دن رات ہونے نما رات کو تیس بجے تک جام ڈلوٹ کے ذات نے فیصلہ کیا کہ ہمیں رات کے وقت جام ڈلوٹ کو خود پر شک کرنے کا موقع نہیں دینا چاہیے وہ شب ہم نے جام ڈلوٹ سے تقریباً میدان میں بسر کی۔ فوجی افسر نے یہ ارکان تھا، اس لیے تمام ضروری سامان جو تھا فوجیوں نے میدان میں کئی چھوٹے چھوٹے اس شب منصوبے کے مطابق میں نے فوجی کارواں کی شکل میں دی۔

صبح ہوئی تو اسے کبھی کامیابی کے ساتھ چھپا دیا گیا۔ ہمارے پاس کافی ایسا سامان ہر معاہدے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔

اہل القریہ ہی جام ڈلوٹ کے لیے روانہ ہو گئے۔ اب ہمیں تہمتی قافلے سے زیادہ اہمیت نہیں دی جا سکتی تھی۔ میں دوسری سے جام ڈلوٹ شری قدیم علامتیں نظر آنے لگیں کہ کس کس بھی جو ان قدیم علامتوں سے بھی زیادہ قدیم مانا دے رہے تھے۔ یہی وہ شہر تھا جہاں سے اب تک ہمارے بچ کر رہیں گیا تھا اور یہی وہ جگہ تھی جو بقاوت میں رہی ہے۔ اسے تہمت میں بقاوت کے شہر بھی کہتے ہیں۔ اس میں منشی بھی تھا، اساتھ بھی اور میرا دشمن جاں گئی۔ یہ سوچتے ہوئے میرے اعصاب تن گئے کہیں بھی طرح سے چینی حکومت کی اینجنٹ بن کر ہی جا رہی ہیں۔ میں حقیقت کس حد تک تھی۔ یہ صرف مجھے علم تھا لیکن ہم تو یہیں معلوم تھا۔

جام ڈلوٹ شری داخل ہونے سے پہلے ہی علامت کا جام ڈلوٹ کی خبر کے بعد تجارتی قافلے وہاں کے باشندوں کی نظر سے گزری۔ اہمیت کے حامل نہیں ہوتے تھے۔ مقامی اہل تانوں سے گرم مصالحہ اور چائے وغیرہ خریدنے کے اس فوجی دستے کو میرے ہمراہ بھیجے گا اچھا سامان

جام ڈلوٹ مرکزی علاقہ تھا جہاں ہم نے قیام کیا۔ یہ وہ جگہ لانا قافلہ ٹھہر کرتے تھے۔ وہ ایک بڑا سا کچا میدان کی طرف چاروں طرف کھینچی ہوئی تھی۔ اس چاندی لاری چانگ کے ہوئے تھے جو عوام کے لیے تھے۔ اس دن آبادی تھی اور قریب ہی ایک منگھ بھی دکھائی

منگھ بھی وہاں ایک قافلہ خیمے ڈالے ہوئے تھا۔ یہ منگھ پہلے لاسٹھ آیا تھا۔ یہ معلومات ہمیں کچھ دیر بعد ان میں خیمے لگانے کی کسی سے بات آمدہ اجازت تھی۔ اس نے ضرور تھا کہ وہاں خیمے ڈالنے کے بعد لاسٹھ کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ رقم بطور چنہ دینی

انہی رقمیں لے کر میں فوجی افسر چانگ نے بتادی کہ یہ بات سن کر تعجب ہوا تھا کہ وہ ایک بار پہلے

بھی ایک قافلے کے ساتھ جام ڈلوٹ پہنچ کر وہاں کا پورا جائزہ لے چکا تھا، پھر وہ لاسٹھ لوٹ گیا تھا۔ کسی چینی فوجی افسر کا اس طرح جام ڈلوٹ آکر زندہ سلامت لوٹ جانا میرے لیے واقعی عجیب بات تھی، چاہے وہ سادہ لباس ہی میں کیوں نہ آیا ہو۔ جام ڈلوٹ کے باسے میں میری معلومات تو یہ تھیں کہ وہاں پہنچ کر کوئی چینی جاسوس زندہ نہیں لوٹ پھر چانگ اپنے مقصد میں کیسے کامیاب ہو گیا تھا؟ میں نے سوچا ضرور کہ اس باسے میں چانگ سے کوئی پلوٹو کچھ نہیں کی۔

چانگ کے ساتھ ہونے سے مجھے فائدہ ہی ہوا تھا۔ وہ شہزادہ قوشو کی رہائش گاہ سے بھی واقف تھا۔ میں نے سوچا کہ بچن لارے سے سوچ بھر کر ہی چانگ کو ہمارے ساتھ بھیجا تھا۔

میدان میں خیمے نصب ہو گئے تو میں صحنان کو اپنے ساتھ لے کر قریبی منگھ کی طرف روانہ ہو گئی تاکہ اس منگھ کے لاسٹھ سے مل کر اسے منگھ کے لیے چندے سے سکون دے کر لانا دیا گیا تھا۔ راستے میں مجھے کئی مقامی باشندے ملے جو میدان کی طرف جا رہے تھے۔ غالباً انھیں وہاں کسی نئے قافلے کی آمد کا علم ہو گیا تھا، اور وہ اس قافلے سے ضروری سامان خریدنا چاہتے تھے۔

منگھ ایک بلند سے چوڑے پر بنا ہوا تھا جس تک پہنچنے کے لیے چھوٹی چھوٹی سیڑھیاں ہی بنی ہوئی تھیں۔ میں نے ان سیڑھوں سے لوگوں کو اترتے چڑھتے دیکھا۔ ان میں عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی، لیکن میں یہ محسوس کیے بغیر نہ رہی کہ ان کے چھوڑوں پر ایک عجیب سا کھنچاؤ تھا۔ ان کے چہرے پر بھڑک بھڑک آسانی اظہار لگا جاسکتا تھا کہ وہ جو زندگی بسر کر رہے ہیں اس سے مطمئن نہیں اور یہ بھی کہ ان کے اند کوئی لاوا سا ایک رتبے سے جو کسی بھی سے ان کے وجود کو جلا کر خاک میں تبدیل کر سکتا ہے۔

میں نے منگھ کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا اور اسی وقت میرا نظر ایک فوجی شہاب پر پڑا۔ وہ میرے پیروں سے اتر کر اپنے ری تھی۔ اس کے ہمراہ ایک مرد بھی تھا جس نے مجھے تر بھی لگا دیکھا اور لڑکی کے ساتھ قریب سے گزر گیا۔

مجھے اور صحنان کو ایک جھکٹو نے منگھ کے دروازے پر روک دیا۔ وہ جھکٹو لاسٹھ اور دوبارہ وہاں سے گئے ہوئے تھے۔ ہم زندہ نہیں کرنے آئے ہیں۔ میں نے جھکٹو سے بتی میں کہا۔

”تم لوگ عظیم بدھ کے پیر و نظر نہیں آتے! اس لیے محترم لام تم سے میں نذناذ وصول کرے گا۔ تم مکھ کے اندر داخل نہیں ہو سکتے۔ جھکشتو اپنی تیز چمکی آنکھوں سے جاری طرف دیکھتے ہوئے کہا، پھر لولا! تم لوگ میں کو اس محترم لام کو نظر کرنا ہوں!“ میں اور رضوان، مکھ کے دندانے ہی پر ٹوک گئے اور جھکشتو اندر چلا گیا۔ مکھ کے اندر سے جھن گانے کی صدا میں سنائی دے رہی تھیں۔ عظیم گوتم بدھ کے پیر و اس کی حمد و ثنا میں مصروف تھے۔ لوگ مکھ کے دندانے سے آتے جاتے، ہمیں دیکھتے ہوئے گزر رہے تھے۔ میں نے ان کی آنکھوں میں پسندیدگی کے تاثرات نہیں دیکھے۔ شاید وہ انہیں کو پسند نہیں کرتے تھے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ لوگ اپنے خول میں بند رہنا چاہتے ہوں اور خول سے باہر نکلنے کی ان میں ہمت نہ ہو۔ یہ اثر شاید اس تحریک کا تھا کہ دلائی لام کو دوبارہ تبت واپس لانے کے لیے کام کر رہی تھی اور جس تحریک کو مہنتی چلا رہا تھا۔

بکھ دیو لیدی مکھ کا لام دروازے پر نمودار ہوا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی شفیق و مہربان مسکراہٹ تھی۔

”میرے بچو! مجھے دکھ ہے کہ تمہیں ہاں ڈک کر میرا انتظار کرنا پڑا! اس کی آواز میں نرمی اور محبت تھی۔

”کوئی بات نہیں محترم لام! میں نے بھی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا، پھر کچھ رقم حبیب سے نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی، ”یہ میری نذناذ قبول کیجیے!“

اس نے ہاتھ بٹھا کر رقم لے لی، پھر بڑھاپے میں پوچھل ”تم لوگ تبت کے باشندے نہیں لگتے۔ کیا تمہارا تعلق بھارت سے ہے؟“ میں نے محترم لام! ہم پاکستانی ہیں، میری زبان سے بے اختیار نکل گیا۔ نہ جب نے کیوں اس مہربان و شفیق بوڑھے سے میں جھوٹ نہ بول سکی۔

”تو پھر تم پاکستانی سامان تجارت لے کر یہاں آئے ہو گے؟“ بوڑھے لام نے کہا۔

میں اب اس کی پوچھ گچھ سے کچھ الجھ میں پڑ گئی تھی اور جلدی سے جان چھڑا لیتا جا رہی تھی۔ میں نے اس لیے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا اور بولی، ”ایجاباً ہیں اجازت دیں!“ پھر اس سے بے لکڑا لام کچھ اذیتا میں رضوان کا ہاتھ تھامے بیڑھوں کی طرف بڑھ گئی۔

”بالو! مجھے یہ لام کچھ گڑبڑ معلوم ہوا، دوسرا سے اڑ کر مجھے مخاطب کیا، اتنے سیٹھ لوگ اندر ہوتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ آپ کی اور اس کی اس کے لئے اور انداز و احوال سے میں نے یہی اندازہ کیا“ ”تم بھی تو بڑے سیٹھے ہو، میں نے رضوان اڑا دی۔

ہم میدان میں پہنچ کر ان فیوں کی طرف جانب نصب کیے گئے تھے۔ بائیں جانب دوسرے غیسے تھے۔

اب اس میدان میں کافی مقامی باشندے میں نے اپنے فیوں کے قریب بھی کئی انڈیا کو بکھا گھنگٹو کر رکھا تھا۔

”لودہ لوگ نذناذ دے کر آ رہے گئے،“ سپاہم دیکھتے ہوئے مقامی باشندوں سے تہی زبان تیار قریب پہنچ کر معلوم ہو ا کہ وہ مقامی باشند خریدنا چاہتے تھے، کیونکہ دوسرے قافلے والوں ذخیرہ وضع ہو چکا تھا۔

میں نے دانستہ جانے کے بہت زیادہ ان لوگوں سے جان چھڑا نا تھا۔ ان میں سے وہ اتنے منگے داسوں چائے خریدی۔ چند گھنٹے بہت اور گزرنے کیونکہ مقامی کرتے رہے۔ اس وقت کے زیاں سے مرعہ جلدی بات مشہور ہو گئی کہ کیم اپنا مال بہت اچھا بیوں اور یہ بھی کہ ہم بہت بددعا غنیمت ملی گئی۔

میں چانگ اور رضوان کو ساتھ لے کر لے کے لیے جانا جا رہی تھی۔ میں ابھی یہ سوچا میری نظر شیخے کے دکان کی طرف اٹھ گئی۔ ایسا سے گزرا تھا۔ میں تو تک کہ ایک دم اٹھی اور لپکی۔ شاید کوئی شخص چھپ کر بھلی باتیں تھا۔ مجھے پہلے بھی ایک بار شبہ سا ہوا تھا، اب ہو گئی تھی۔

میں نے غیسے کے دو پر پہنچ کر باہر جھانکا۔

مست لگا کر اٹھا جسے میں نے مکھ کے دروازے پر دھکا دیا۔

”میں نے اس سے تہی زبان میں یہ حال امت تھا۔

”اور میں بھیجا ہے“ وہ بغیر گھرائے بولا۔

”میرے لیے کی سختی برقرار رکھی۔

”ان میں رضوان اور چانگ بھی غیسے سے باہر لانے مجھے تمہارے پاس چائے لینے بھیجا ہے“

اب وہا۔

”لام کی خدمت میں نذناذ پیش کر رہی ہوں،“ میں نے میں یہاں تجارت کرنے آئی ہوں مفت چائے

”محترم لام کے حضور گستاخی کر رہی ہوں،“ جھکشتو اٹھا پھر اپنے لمبے میں ہاتھ ڈال کر کئی بڑے

”لو چائے کس بھادو دی؟“

”میں نے مجھے پکڑا دیا۔ میں نے اس سے سخت کہ غلطی کی تھی اور مجھے اس غلطی کا ذرا احساس نہ تھا۔ میں نے اپنے میں جھکشتو سے کہا، ”میں نے عظیم بدھ کے فراموش ہے کہ میں نے تمہیں غلط سمجھا۔ مجھے رقم نہیں

”لام کی خدمت میں چلے گا محض نذناذ ضرور پیش

”میرے بدلے ہوئے دوتے پر حیرت زدہ رہ گیا۔ میں گڑبڑ میں مخاطب کیا، اس سے جان چھڑانے کا بھی کہہ کر اپنے چائے دے کر یہاں سے رخصت کر دیا جائے“

”میں نے کہا، ”چانگ سے جواب دیا اور اس نے مجھے میں سامان کا ذخیرہ تھا۔

”لام نے کہا، ”میں نے جواب دیا، پھر مختصراً گھر واپس ہونے والی گھنگٹو سے اسے آگاہ کیا۔

”لام اور رضوان کو آپس میں گھنگٹو کر دیکھتا ہوں

”لو پکدار آنکھوں سے نمایاں طور پر لعنت کا اظہار ہو

رہتا تھا۔

چانگ ایک چائے کی پتلی لے کر کونسا ہو میں نے اپنے ہاتھ سے جھکشتو کو پیش کیا۔

”جھکشتو نے چائے کی پتلی لے کر اسے کھولا اور اس میں سے چائے نکال کر سو گئی۔ مجھے اس کی یہ حرکت عجیب سی معلوم ہوئی۔

”مما جھکشتو کے ہونٹوں کو دھک بھائی، وہ دھند بڑا ہوا، یہ چائے تو جین کی معلوم ہوتی ہے۔ یہ پاکستانی چائے تو نہیں“

”میں اس کی بڑبڑاہٹ سن کر چونک پڑی، اور میرا بھائی ناش غلطی کا احساس ہو گیا، لیکن نہ کیا ہو سکتا تھا! کامن سے تیر نکل چکا تھا۔ مجھے آدایا کہ میں نے مکھ کے لارے کا تھا کہ میں پاکستانی ہوں اور جب اس نے یہ پوچھا تھا کہ کیا پاکستانی سامان تجارت لے کر آئی ہوں تو میں نے اثبات میں سر ہل دیا تھا۔

”میں ابھی جھکشتو کی بڑبڑاہٹ کا کوئی جواب نہ دے پائی تھی کہ اس نے چائے کی پتلی پر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا، ”یہ چائے نہیں چاہیے۔ محترم لام کو پاکستانی چائے پسند ہے“

”میں نے اس سے پتلی واپس لے لی اور پتلی دینے ہی جھکشتو بغیر کچھ کہے بیٹے وہاں سے چل دیں۔ میں نے غصے سے کہنے کے لیے فریاد کیا، ”ایک بات ہے، وہ چائے نہیں واپس کر گیا،“ رضوان نے سوال کیا۔

”غیسے کے اندر داخل ہو کر میں نے مختصر رضوان کو اس جھکشتو اور مکھ کے لارے سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کر دیا۔

”مجھے تو وہ پہلے ہی ڈنڈا نظر آیا تھا،“ رضوان بولا، ”بالو! یہ کوئی بکر معلوم ہوتا ہے آپ سے اس کی پوچھ گچھ، ہم پاکستانی چائے منگوانا یہاں خالی کزائیت نہیں۔ وہ لام کہیں اس طرح آنے جانے والے تعلق کی جاسوسی تو نہیں کرتا؟“

”رضوان کی بات میں وزن تھا۔ میں نے تائید کہ ”میرا بھی کچھ ایسا ہی خیال ہے،“ پھر طولی سانس لے کر بولی، ”فیر اس مسئلے پر کچھ بھی نہیں گڑا، فی الحال میں تمہیں اور چانگ کو ساتھ لے کر شہزادہ کو شوشے ملنے جانا چاہتی ہوں۔ چانگ کو شہزادہ کو شوشے کا رشتہ جگہ جگہ ملے گا۔

”یہ شہزادہ کو شوشہ صاحب کیا ہے؟“ رضوان نے اپنے مخصوص لہجے میں سوال کیا۔

”مجھے بہت یاد ہے کہ میں نے اس سے یہ سوال نہیں کیا تھا۔

”فی الحال معاملہ کے لیے صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ چانگ کیو میں

”یہ شخص نے قریب بیسپنچے ہی مجھ سے سوال کیا اُس نے ،
میں دوا کیا تھا لیکن اُس کے چہرے سے پتا چل رہا تھا کہ ..
”یہ میں عمر محمد شہزاد سے ہی کو بتا سکتی ہوں۔“ میں

”مگر... مگر خاتون!... وہ تو شریف نہیں۔
 شخص کچھ ڈک ڈک کر لو لہا، بھج کر کہا۔ ویسے آپ مجھ پر مہم
 میں اُن کا پرائیویٹ سیکرٹری ہوں۔“
 میں سمجھ گئی کہ انگریز خن لاءہ کا اتارنی خطہ دکھا

میں نے وہ لغافز حبیب سے نکال لیا جس پر تہمتی پہنچا
 لکھا ہوا تھا، پھر بولی ”مجھے پرنس تک یہ خط پہنچانا
 آپ یہ خط مجھے دے دیں۔ میں اُن تک پہنچاؤں۔“
 کے سیکریٹری نے کہا، اُس کے لیے میں شام تک تھی۔

میں نے ایک لمحے کو سوچا پھر لغاتہ اس کا مطلب
 "ما" بہتر ہوگا میں خود اپنے ہاتھ سے یہ ضبط انہیں
 بے کمر پرس موجود نہیں ہیں سب فوراً یہ خط انہیں
 کو دیکھ کر شخص نے مجھ سے لغاتہ لے لیا اور "لغاتہ"

”اگر آپ کو زہر نہ ہو تو چند گلاس پانی پینے سے زہر ادر میں ادر میرٹ اور اسل ۱۸
 کے آگے ہیں اور ہمیں پاس بلگ دیکھ ہے۔“
 ”ہتہ سے“ اور طبع کے طبع سے زہر کے طبع سے

ایرہ میرا تقدیر کج کیا تھا۔
مجھے یقین تھا کہ شہزادہ کو شہزادت میں ملے گا۔
دیر اس کے بہانے میں نہ پاتا جاتی تھی میں غم نہ
کر رہا تھا شہزادہ کو شہزادہ کی بیٹی کے لئے لیا تھا۔

مجھے اس وقت دم آگیا تیس یا دو بی تیس م۔
وہ کہلے میں بتائی تھیں۔ سخی لا مار نے مجھ پر
پیش نظر شہزادہ ملاقات سے اجتناب کرنے کا،

ظہر میں مشکبہ بنائیں چاہے کچھ پہرے والی ادا
 نانا نہ لگایا تاکہ شہزادہ کو خوشامبیں سے لگنا
 خانی خنط سے مجھے کچھ تید بندہ چلی گئی۔
 بلکہ مجھ سے مرزو ملے گا۔ پھر ملاقات ہوئے

نے سوچا، اور میرے ذہن میں ایک نام گونجا۔ وہ خط مجھے سارہ بھیج سکتی تھی، لیکن کیوں، اُسے خط لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا اُسے علم ہوگا کہ میں پاس ٹیوٹوریل بیچ رہی ہوں، اور وہ چاہتی ہے کہ میں حامی ڈور سے ٹوٹ جاؤں؟

میں ہی سوچتی ہوئی غصے میں داخل ہوئی اور لفافہ کھول لیا۔
 رضوان بھی میرے ہاتھ میں وہ لفافہ دیکھ کر قریب آ گیا۔ مجھے میرے ہی
 نے لفافہ کھولا، چونک پڑی۔ وہ خط مجھے ساونے نہیں شہزادہ کو
 نے لکھا تھا۔ رسم الخط انگریزی تھا۔ ایک سفید کاغذ پر مرنے چند جملے

محمود میرے دو عمارت کے آئینوں میں اس کا منہ میں اٹھا تھا۔
 ”مٹھاؤں میں اس وقت سے ملاقات نہ کر سکا۔ اگر ممکن ہو تو
 مجھ سے ملنے کی کوشش نہ کرو لیکن اگر ملاقات ناگزیر ہے تو آج رات
 ٹھیک آٹھ بجے میری چھانک کی بجائے عقیقہ دروازے پر پہنچ جاؤ“

”ہاں!“ میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا کہ اس خط کو کھڑا دے۔
 ”ابو غالب! یہ خط ابھی کوئی آپ کو دے کر گیا ہے،“ رضوان نے

”آیا تھا؟“
 ”نہیں!“ میں نے جواب دیا۔ ”خطوطِ مجبشر نے کر گیا ہے جو
 صبحِ لہر کے لیے چائے لینے آیا تھا۔“
 ”کرا“۔ ”خدا! رحمتِ خود و لعلِ ہلال۔“

”میکوں کیا بچا؟“ میں نے پوچھا۔
 ”بانو! یہ کوئی فرد نہیں ہو سکتا ہے۔“ عبداللہ نے کہا۔ شہزادہ روڈ
 کی رٹش گاڑی تک ہمارا تعاقب کیا گیا تھا، اور تعاقب کرنے والے
 شاہد ملک دوست نہیں تھے۔“

”اِس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے تائید کی سچیر
بولی۔ یہ بات تو طے ہے کہ وہ بیکشس کی کسی کالڈ کار ہے۔ خواہ ہلے
دھمکلے کار خواہ ٹرلڈر ٹرلڈر شو کا!“

”قلعہ!“ رضوان نے بھی میری بات کی تائید میں کہا۔ ”ہمیں اپنا

”مجھے تمہاری رائے سے اتفاق ہے، لیکن میں دو دن ضرورتاً اگلا قدم اٹھانے سے پہلے سوچ سمجھ لیتا ہوں۔“



تھک آتھ مجھے میں رضوان اور جانگ کے ہر لڑخند و توشہ کی رائٹس گاہ کے قریب دروازے تک پہنچ چکی تھی۔ اس بار بھی ہلاتا تاقب کیا گیا تھا اور تاقب کرنے والے بدلتے رہے تھے میں کسی بھی قسم کے جنگاے سے نمٹنے کے لیے پوری طرح تیار تھی، لیکن کوئی جنگا نہ نہیں ہوا۔

عمارت کا مقبلی حصہ نیم سائیک تھا۔ ہم جیسے ہی آگے بڑھے، عصبی دروازے سے ایک سایہ باز نرگلا پھر ایک جانی پہچانی آواز نکل دی خوش آمدید! ہمنوازہ تو شو کے سمانو!

وہ سایہ باز قریب آکر رک گیا۔ میں نے اُسے پہچان لیا۔ وہ شہزادے کا اڈھیر ٹیکر ٹیکر تھا! اور اس وقت بھی وہ سوٹ پہنے ہوئے تھا۔

وہ ہیں عمارت کے عصبی دروازے سے لے کر اندر داخل ہوا اور اندر داخل ہوتے ہی اُس نے دروازہ بند کر دیا۔ ایک طرف ہلکی سی روشنی نظر آرہی تھی۔ وہ ہیں ساتھ ہی اُس طرف بڑھا۔

وہ ایک ذیہ تھا جس میں کمالات کا سلب روشن تھا اور اُس کی روشنی باہر تک آ رہی تھی۔ ہم اُس کے پیچھے پیچھے ٹھہر چکے تھے۔ اڈھیر ٹیکر ٹیکر کی ذیہ چڑھ کر ایک راہداری میں مڑا جس کی دونوں اطراف کونوں کے دروازے نظر آ رہے تھے۔ وہ ہیں لے کر ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔

کمرہ خالی تھا اور نشست فرشی! کمرے میں دیر تا لیں بچا ہوا تھا اور جگہ جگہ ٹیک لگانے کے لیے سیخے لٹکے ہوئے تھے۔

ہم نے کمرے کے دروازے پر جوتے اتارے اور اڈھیر ٹیکر شخص میں دامن چھوڑ کر چلا گیا۔

ہمیں کمرے میں پہنچنے پر ایک دو منٹ ہوئے مگر کمرے کے دروازے سے ایک شرف و سفید رنگت والا دروازہ قد شخص اندر داخل ہوا۔ میں استراٹا اٹھ کھڑی ہوئی۔ چانگ اور رضوان نے بھی میرا ساتھ دیا۔

وہ جوتے اتار کر اندر داخل ہوا اور شستہ انگریزی میں بولا "بیٹھے بیٹھے!"

میں نے اُس کے چہرے کا جائزہ لیا۔ اُس کی آنکھوں سے جذبات اور بڑا باریک جھک رہی تھی۔ اُس کے جسم پر پتھری کیس کا بہترین

سوٹ تھا اور ہنٹوں میں موٹا سا کاپلے میسے ذہن سے یہ بات نکل گئی کہ ایک مختصر ترقی سے ملنے آئی ہوں کہ پورے تین مقرر کی طرح نظر آ رہا تھا۔

وہ ایک سیخے سے ٹیک ٹیک ہمارے پھر میں نے ہی گفتگو کا آغاز کیا۔ سا ملنا ناگزیر نہ ہوتا تو میں آپ کو کبھی نہ "میں سمجھتا ہوں، سمجھتا ہوں..."

اپنی بھاری آواز میں بولا "مختصر نہیں! تفصیل سے سمجھنا ہے۔ یہی سبب ہے کہ چوگیا ورنہ میں انجینیئریوں سے نہیں ملتا "لیکن جہاز کیسٹینس انجینیئریوں ضرور بیٹے ہیں میں نے مسکرا کر معنی

میری بات سن کر اُس کے ہاتھوں بولا "آج کل تبت کے حالات ہی رہنا پڑا ہے شہرہ بدلتے بدلتے"

کی طرف سوالیہ نگاہ سے دیکھنے لگا تھا اس سے پہلے کہ وہ اُن دونوں

بول اٹھی "جہاز کیسٹینس! یہ دونوں پاکستانی ساتھی رضوان ہیں! میں لے

چانگ کی طرف دیکھی ہوئی بولی: "اد فوج کے ایک فٹے دارانہ راہیں آپ

کو پہلے ہی بہت کچھ بتا چکی ہوں! چانگ کے تعارف پر شہزادہ

وہ کر بولا "تھیں میرے باپسے کی شان کے بعد میں شائستگی تھی۔ وہ انگریز

کچھ عرصے تبت سے باہر بھی رہا جو دیکھی ہے! اس لیے مجھے تبت کی

بھی اپنے اہل وطن کی طرح محترم، ال کی تبت واپس کا خوبشمنہ ہوں کہ

احساس ہے کہ اُن کی تبت واپس ملنا کا نرم دلیہ مجھے دیکھی کا عزیز بن گیا ہے کہ وہ چینی حکومت سے تعادل

ہم کہہ رہا تھا اُس میں خلوص اور پائی کی مملے! آزاد و نکر اور صحت کوئی نے مجھے عام آدمیوں میں سے مجھے افسانہ کی۔

مگر کس لینے کے بعد وہ پھر بولا۔ جو کہ میں تمھارے والد نواب شہزادہ تبت کے لیے اُن کے خیالات بھی کی تھے

۴۶ کے خیالات یقیناً قابل تدر ہیں، لیکن حکام میں آباد مختلف تباہی کے کیا خیالات! ان دنوں کیس گئے؟" میں نے کہا۔

اپنے کلام کے سامنے ان خیالات کا ہاتھ نہیں کہ وہ میرے نقطہ نظر کو نہیں

دلے جواب دیا "وہ محترم دلائی لامہ سے لڑ کر اُن کی واپس کے سوا کوئی اور بات

میں نہیں سن کا لیتا ہے۔ اُن کو گول کا اتنا اُن کی مخالفت کر کہ ہے تو وہ بے دریغ

ہا ہے۔ اُن کی نیکلی جیس اتنی تیز ہے کہ میں اُردھ رکھنے کے بعد جو کچھ سمجھنے سے

وہ ایک تازیک کو کھڑی میں ڈال دیا! گت! اُتھ دھو بیٹھا ہے۔ مجھے تمھاری

ہے۔ یہی سوجھ کر میں نے کھیں یہاں ہیر رنگ کی بٹی ہوا اس لیے مجھے تم سے

اُہام ڈیو سے علی ماؤ! دیگر کوئی احوال نہیں۔ تم داد جو نے کبھی میں میرے

اُتھ یہاں سے نکلنے کی پوری کوشش میں آئیں مگر مجھے تعجب ہو رہا ہے

الٹھلے سے کہا۔ اُتھ نہیں! "وہ بولا۔ "مجھے صرف تمھاری

ہم اُتھ طریق پر ہر خطرہ مول لینے پر آمادہ ہوں کہ تبت چاہے کچھ بھی نکلے میں

اب عوام کے درمیان اپنے خیالات کا اظہار ضرور کروں گا کہ اسی میں تبت کی نجات و بہتری ہے!"

"نہیں جہاز کیسٹینس! میرا خیال ہے کہ آپ دیر و درگاہت کچھ کر سکیں گے۔ میں کچھ سوجھ سمجھ کر یہاں آئی ہوں۔ اگر میں اپنے مقاصد میں کامیاب ہوگئی تو بغیر کسی جھگڑے فساد کے ہی سارا مسئلہ حل ہو جائے گا!"

میری بات سن کر شہزادہ تو شہزادے انکار میں سر ملایا، پھر بولا "انوار! تھیں حالات کا صحیح اندازہ نہیں بختم دلائی گام کی تبت واپس خون خرابے کا باعث ثابت ہوگی اور انھیں تبت آنے سے روکنا بھی خون خرابے کے بغیر ممکن نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ میں پورے صوبہ کھام میں تنہا شخص نہیں جو یہ خیالات رکھتا ہوں۔ میرے ہمنوا اور بھی ہیں، مگر اکثریت اُنہی کو گول کی ہے جو سوچے سمجھے بغیر ہستی اور اُس کی باہلی کے اشتاؤں پر ناپاچ ہے ہیں۔ ان لوگوں کو بغیر خون خرابے کے روکنا نا ممکن ہے!"

"مجھے بھی اس بات کا علم ہے جہاز کیسٹینس! لیکن میں یہ بھی سمجھتی ہوں کہ اگر میں اپنے مقاصد میں کامیاب ہوگئی تو خون خرابے کی فوج نہیں آئے گی۔ مجھے کسی طرح منتی اور اُس کے ساتھیوں کو یہ سمجھانا ہے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں خود اُن کے حق میں بہترین ہیں! میں نے پُر زور الفاظ میں کہا۔

"لیکن! شہزادہ تو شہزادے بھی پھر جوں بچے میں بولا "آسمان سے اُسے توڑ کر لانا ممکن ہے لیکن منتی کو یہ سمجھانا کہ وہ غلطی پر ہے ممکن نہیں۔ پھر بھی اگر تم ایسا سمجھتی ہو تو میں کس مسئلے میں تمھاری ہر دگر کرنے کو تیار ہوں!"

"مجھے آپ سے صرف اتنی مدد درکار ہے کہ آپ حالات کے پیش نظر مجھے اور میرے ساتھیوں کو اپنے یہاں پناہ دیں! اور منتی سے میری ملاقات کا بندوبست کر دیں یا معلوم کر کے بتا دیں کہ وہ مجھے کہاں لے گئے گا!" میں نے اُسے اپنے مقصد سے قریب آتے دیکھ کر جلدی سے کہا۔

"تم اُن کو کھڑا کرنا ہی کھڑے ہو! شہزادہ تو شو کے لیے ہی اپنا تبت تھی۔" مجھے تمھارے اور تمھارے ساتھیوں کے یہاں قیام پر کوئی اعتراض نہیں، لیکن میرے خیال میں تمھارا منتی سے ملنا قطعی مناسب نہیں! وہ تمھیں زندہ تو دشمنے سے لے گا!"

میں ابھی کچھ کھانا ہی چاہتی تھی کہ میری ساعت سے کچھ ایسی

641

644

”آپ شاید چنڑی کی طرف اشارہ کر رہی ہیں!“ منتی لولا۔
 ”ہاں!“ میں نے کہا، پھر بولی۔ ”اب ایسی تانہ دانی کئے لو!
 مجھے یقین ہے کہ میرے ادیر سے ساتھی کے ساتھ جو کچھ ہوا، اس میں بخلا
 ہاتھ نہیں تھا۔ لیکن چنڑی کی جال تھی۔ اس کے آدمیوں
 نے لوگوں کو کھڑا کر شہزادہ کو توشہ کے عمل تک بھیجا ہوا تھا۔“
 ”مگر آپ کا خیال درست ہو،“ منتی نے میرے خیال کی
 تائید میں کہا، کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ جام ڈالوٹا آپ کی اندکے باپے
 میں جان کر رہنے صرف اتنا زور تھا کہ آپ کی نگرانی شروع کرادی تھی
 مگر اس کے علاوہ میں نے کچھ اور نہیں کیا۔“
 ”تو کیا پتھری نظر میں یہ خطرناک بات نہیں کہ چنڑی نے میری
 اور رضوان کی زندگی کے علاوہ شہزادہ کو توشہ کی زندگی کو بھی خطرے میں
 ڈال دیا تھا؟“ میں نے کہا۔
 ”جہاں تک شہزادہ کو توشہ سوال ہے تو مجھے اس سے کوئی پتہ نہ
 نہیں!“ منتی خشک لہجے میں بولا۔ ”وہ آپ کا مسئلہ تو ہر حال میں ہی
 بھی رہ جاتا ہے کہ میں ہاں جام ڈالوں آپ کی موجودگی پسند نہیں
 کرتا۔ اگر اس نے اپنے طور پر آپ کو یہاں سے نکال دینے کے سامان کیے
 تو کوئی زیادہ بے جا نہیں کیا۔“
 ”میں یہ کہہ رہا ہوں کہ میں یہاں سے نکلنے کے سامان
 نہیں کیے بلکہ ہمارے سامان کیے تھے۔ یہ کہہ کر میں نے اسے مشتعل
 ہو کر کے باپے میں اتھیلیات سے اٹھا لیا۔“
 ”اگر آپ کی باتوں کو درست مان لیا جائے کہ واقعی سب کچھ چنڑی
 ہی کے اشارے پر ہوا تھا تو اس نے یقیناً ایسے انتظامات بھی کیے ہوں گے
 کہ آپ لوگوں کی زندگی پر بے رحمی سے بھاری خود چنڑی سے واضح طور
 پر کہہ چکا ہوں کہ ہمارا مقصد آپ کو ہلاک کرنا نہیں صرف جتن سے نکال
 دینا ہے۔“ منتی نے میری بات کے جواب میں کہا۔
 ”میری سمجھ میں نہیں آتا منتی کہ تم اس پر اتنا اعتماد کیوں کرتے
 ہو مجھے یقین ہے کہ وہ تھا کہ ابھی دوست نہیں اور وقت یہ ثابت کرے
 گا۔“ منتی نے منہ پر ہاتھ میں کیا۔
 ”دیکھ وہ ہمارا چنڑی نہیں کہہ کر سے کیا تانہ اٹھا سکتا ہے، ہاں؟“ منتی
 نے سوال کیا۔
 ”وہ چنڑی کا دشمن ہے اور جانتا ہے کہ جس طرح ممکن ہو چنڑی کو ہلاک
 پہنچائے۔ میں بولی ہو کہ پہنچانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہوتا ہے کہ دشمن
 کو پریشان کیا جائے، اس کے لیے ختم نہ ہونے والے کھڑے کے جالیں تاکہ
 وہ ان میں آجھائے اور وہ اپنی ترقی کے لیے جدوجہد کرے۔ اس
 طرح بھی دشمن کی توجہ راحت کو کر دیا جاسکتا ہے۔“
 ”آپ شاید یہ کہنا چاہتی ہیں کہ چنڑی ہماری مدد اس لیے کر رہا
 ہے کہ ہم چنڑی کے خلاف بغاوت کرنا چاہتے ہیں!“ منتی نے غریب صاف
 نہیں ہے۔ تم آخر میری بات سمجھنے کی کوشش

نے کرنا ہے ہماری بغاوت سے چین کے لیے
 گا۔ میں خشک ہی کہہ رہا ہوں کیا؟“
 ”ہاں کچھ ایسی ہی بات ہے۔“ میں نے
 کہا۔ ”مگر خشک سے ادیر سے اندازہ نہیں ہو سکتا۔“
 ابھی خود مجھ پر بھی پوری طرح واضح نہیں
 سے ہونے والی اپنی آخری گفتگو یاد کر کے
 منتی مجھے اس طرح خاموشی سے اور
 سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔
 ”چنڑی نے مجھے کہا تھا کہ جس دن
 رکھے گا اس دن تبت میں ایسی آگ بجے گی کہ
 کی بات بھی نہیں ہوگی۔“ منتی نے چنڑی کی کسی
 تمنا کے لیے کہ ایسا کس طرح ممکن ہے؟“
 ”ایسا صرف ایک صورت میں ممکن ہے۔“
 ”اگر چنڑی حکومت قزم دلائی لادروں کو ہلاک
 کی کوشش کرے تو بدست ہمارا کھڑا ہوگا۔“
 ”جہاں تک میرے علم میں ہے چنڑی نے
 کوئی قدم اٹھانے کا ارادہ نہیں کیا ہے۔ میں ا
 نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ چنڑی کے ذہن
 جنم لے چکا ہو۔“
 ”چینی حکومت کی داخل اندازی
 اگر آپ کے مفروضے کو تسلیم بھی کیا جائے تو
 کامیاب نہیں ہو سکے گا۔“ منتی فیصلہ کرنا
 نہیں آپ یہ یقین لاس۔ کہ میں ہوں کہ
 سے برگشتہ ہو جاؤں؟“
 ”مکن ہے تھا خیال ہی درست؟“
 میری باتوں پر منتی یقین نہ کر سکا، اور میں
 حقیقت خود بخود اسے سامنے آجائے گی، مج
 خطرناک منصوبے جنم لے رہے ہوں گے، ان
 منتی نے ایک لمحے لیے غور کیا کہ
 سارا پتہ لایا لیے ملایا ہے کہ کسی طرح سارا
 سارہ چنڑی کا دشمن بن چکا ہے اور چنڑی
 بارے میں بھی ساری حقیقت کا علم ہوا
 جلتے! میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے چنڑی
 کہا ہے، اس کا مقصد غصہ میرے دل میں
 کرنا ہے۔“
 ”میں نے چنڑی کے بارے میں
 نہیں ہے۔ تم آخر میری بات سمجھنے کی کوشش

کہنا تھا کہ ہم چنڑی کے قوت سے بولی۔
 چنڑی نے دے گئے؟“
 ”منتی نے جواب دیا: سارہ کیونکہ آپ کی طرف
 لایا ہے آپ کو بھی میں آپ کی سوچ اس پر
 بہر حال چنڑی کو دشمن کرنا۔ میں اور سارہ کو یہی
 دیکھا تھا کہ وہ زبان دلائی لادروں کے مسئلے پر
 ہمیں کمر میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ مجھے اس کی باتوں
 سے مجھے سارہ سے بھی نہیں ملنے دے گا۔ اگر ایسا
 لادروں سے بھی چوٹ ہو جائے گی تو میرا شہر بے نیاز
 ہو جائے گا۔“
 ”کچھ دیر بعد ہی میں نے
 اطمینان میں ہے،“ منتی نے بتایا: اسے آپ کے
 لادروں سے دوڑی ہوئی چلی۔ ہاں آپ نے اسے
 میں ہلاک سے بولی۔
 ”مگر اب یہ کہہ کر منتی اٹھ کھڑا ہوا۔
 اور میں سوچنے لگی کہ نہ کیوں اس کھڑی کوئی
 لادروں سے مسئلہ میرے دلوں کے عجیب تک
 لادروں سے میری عزت کے باہر رہتے تھے۔
 ہاتھ گھڑی ملازم نہیں رہے گئے۔ اس کا مقصد
 حاکم دواں جو بھی کھنگھڑا اس سے کوئی غیر متعلق
 لادروں کی ہوں کہ یہ خام بھی ساتھ ہے۔“ رضوان کی
 باتوں سے
 ”ہاں! انا حقیقت رضوان کے لیے مستقل طور پر دروزر
 تھا کہ منتی کا حاصل رضوان سے بیان کر دیا۔
 لادروں کی جیت لایا رضوان میرے خاص کوشش
 سے کہ تیار کر دیا۔ میں دیتا۔ ہاں وہ آپ نے
 لادروں کے بارے میں تو اب تک کچھ نہیں۔“
 ”اے اے! ہم دواں کی تھا کہ میں نے قریب ہوتے تھوڑے
 لادروں کے بارے میں دیکھا۔ سارہ اسے متعلق
 اور داخل ہو رہے تھے۔
 ”اے! میری نگاہ میں وہ اب میرے بالکل قریب آگئی
 ہے کہ پہلی نظر لائے ہی محسوس کر لیا تھا کہ وہ
 لادروں سے میرے قریب آکر رہنے پر مجبور تھی۔ اب

میری ایک جانب رضوان تھا اور دوسری جانب سارہ۔ منتی سانس لے
 مرسے ہی پر دوبارہ آکر بیٹھ گیا تھا۔
 ”ہاں!“ سارہ نے مجھے غائب کیا دکان اب منتی اس
 کے آدمیوں کو دھوکا دے کر یہاں آئیں۔“ سارہ کے لیے میرا شہر تھوڑے
 سارہ نے جلد آکر ترقی میں ادا کیا تھا اس لیے رضوان بھی اس کی بات
 سمجھا اور میرے کچھ کہنے سے پہلے لولا: ”تھیں معلوم ہیں کہ سارہ کو تم سے
 رخصت ہونے کے بعد بالور پر کیا ہوگا؟“
 ”یہ بات کرنے سے کوئی فائدہ نہیں رضوان!“ میں نے رضوان سے
 کہا، ”میرا سارہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی سارہ میری کسی بات پر متنب نہیں
 کرے گی۔“
 سارہ نے غصے سے رضوان کو دیکھا، پھر ہنس پڑی۔ ”یہ تم کس الجھن میں
 پڑ گئے؟“ اس نے رضوان سے کہا، ”میں قطعی ایک مسئلہ لایا ہوں۔ مجھ میں
 کوئی غیر معمولی صلاحیت نہیں پس دل مجھے دھوکا دینا مشکل ہے۔“
 رضوان نے الجھن میں اسے میری طرف دیکھا، پھر سارہ کو دیکھتے
 ہوئے اس نے کچھ کہنا ہی جایا تھا کہ سارہ نے اٹھ اٹھا اسے برتنے سے
 روک دیا۔
 ”مجھ سے کچھ کہنے کے لیے تمہیں اپنی زبان کو روک لینے کی ضرورت
 نہیں۔“ سارہ نے صدمہ سے بڑا آگے کی طرف کھینچے ہوئے کہا، ”رضوان
 اور اس کے درمیان میں بھی سارہ کبھی تھی، مجھے معلوم ہے کہ تم کیا
 کہنا چاہتے ہو۔“
 رضوان کے چہرے پر شدید حیرت کے نشانات نظر آ رہے تھے۔
 ”تم سوچ رہے ہو کہ مجھے کیا باطل ماننے کا ارادہ کیا ہو جا رہا ہے؟“
 سارہ نے دوبارہ رضوان کو مخاطب کیا اور سارہ کے بولنے میں صرف
 انسان کے نظا ہر کی کوئیں بلکہ اس کے باطن کو بھی دیکھنے کی اہل ہوں۔ مجھے
 تحارے باطن کے بارے میں بھی علم ملے اور دل پر ہمارے خیالات
 بھی مجھ سے چھپے نہیں رہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تمہارے بارے میں
 کیا کیا سوچتے رہے ہوں۔“
 رضوان کے چہرے پر عجب حیرت کے نشانات نظر آ رہے تھے۔ وہ سارہ
 سے نظر اٹھانے لگا۔
 ”میں ہوں!“ میں نے خشک ہی کہا تھا، ”اگر کچھ باتوں کا معلوم نہ ہوتا ہی تو
 ہوتا ہے۔“ میں نے رضوان کو دیکھا، وہ مجھے عجیب سی نگاہ سے دیکھنے لگا
 گزربان سے پھر نہ بولا۔ اس وقت اس کی ضرورت نہ ہو گئی تھی۔
 میں سارہ سے مطلب کی بات سمجھنے کے لیے تیار تھی میں
 نے زبان سے کچھ کہنے کی بجائے اپنے ذہن میں سوچا۔ سارہ! کیا کچھ دیر
 کے لیے منتی سے چٹکا ملاسل نہیں ہو سکتا؟
 سارہ نے جواب میں مجھے شبہ کی نظر سے گھبراہٹ میں منتی سے غلبہ
 ہونے دیکھا، تم سارہ کے لیے کھلنے کا بندوبست نہیں کر دے گے؟“

سلہ نے مجھ پر نگاہ کاڑ دی۔ وہ غالباً میرا زہن پڑھ رہی تھی۔

سارو نے ایک نظریہ کی جانب دیکھا

”ماں میں... بائیں نہیں بتاؤں گا... بائیں!“ وہ شرابیوں کی طرح انگلی پکڑ کر بولا۔

لشے کی کیفیت نے منشی کو لیس کر دیا تھا اسے رات بھر پیش نہیں رہا کہ وہ زبان پر نہ کہتا تھا پہلے پتھن پکس طرح بدو کو مال سکا! میں صدمہ کو دیکھی تھی کہ سارہ کسی کھلی کتب کی طرح اس کا ذہن پر چڑھ رہی تھی۔ میں نے منشی سے کہہ دیا کہ جرن ٹری کے بارے میں سوالات کیے میرا مقصد یہ تھا کہ اگر وہ لشے کی رنگ میں زبان پر طوری صبح جواب دوسے کے تو کم از کم اس کے ذہن میں جن ٹری سے متعلق اصل خیالات ابھریں گی۔

”سارہ! ذہنیات چوڑے۔“

مجھ پر دلخیزاں دریا ہی کے اثر سے منشی ادھمکے لگا، پھر اس کا جسم ایک طرف دوڑ گیا۔ سارہ نے اسے نبھال لیا۔ میں نے اور رضوان نے اسے کرسی سے اٹھایا۔ اور میرے خدا قاصد پر بچے ہونے کا قاین پر ڈال دیا۔

”یہ کیا ہوا؟“ سارہ کی طرف دیکھتے ہوئے گھر کر لولی۔

”کچھ نہیں!“ میں نے کہا یہ یہ سفوف کا اثر ہو گا۔ تم کمرہ کروا۔ یہ سفوف مجھے جتن لادہ سے ملا تھا۔ جب منشی کو ہوش آئے گا تو میرا خیال ہے کہ وہ نابل ہو گا۔“

سارہ تشویش آمیز نگاہ سے منشی کو دیکھتی رہی پھر میری طرف مڑ کر بولی۔ ”میرا خیال بہت بھادراور سیدھا آدی ہے۔“

میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”ہو سکتا ہے کہ جن ٹری جی آدی ہو مگر مجھے یقین ہے کہ وہ بہت کے لیے دوستی کے جذبات کے منشی کے پاس آیا ہو گا اور ہی نے منشی سے اس پر محروم کر دیا ہو گا۔ سارہ نے کہا۔ جس کے لیے میں سنجیدگی سے اوروں کو کہہ رہی تھی یہ ہم ختم دلائی لہ کو ان کا جائز مقصد دلانے کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہمارے مسئلے میں کسی کی بھی مدد لینے سے انکار نہیں کر سکتے۔“

”میں بھی تم لوگوں کی مدد کرنا چاہتی ہوں۔“ میں بولی یہ کیا تم میرے ساتھ جی تھان کر رہی؟“

”آپ کی مدد مشکوک ہے بالآخر!“ اس نے بغیر جھجکا کہا۔ ”اس صاف گوئی کے لیے معذرت خواہ ہوں لیکن میں نے وہی کہا ہے جو میرے دل میں ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ آپ خواہ مخواہ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوں یا اس لیے میں واضح طور پر آپ کو ایک بات بتا دینا چاہتی ہوں۔ یہ جاننے کے باوجود بھی کہ منشی جھوکا ہے۔ دانتا میں اب بھی پوری طرح اس کے ساتھ چل رہی ہوں۔“

منشی نیچے قایل پر دوڑا تھا اور ہم دونوں کھڑے ہوئے تھے۔ سارہ نے اپنی بات پوری کر کے مجھے اور رضوان کو قایل پر بیٹھنے کا اشارہ کیا، پھر وہ منشی کے بار بار پوچھتی۔ رضوان اور میں بھی سارہ کے قریب ہی بیٹھ گئے۔

میں نے جھٹکنے کے بعد سارہ کے چہرے کو غور سے دیکھا تاکہ اس

کی ذہنی کیفیات کا اندازہ لگا سکوں۔ میں نے تھا، وہ غلوں پر ہی جیتی تھا۔ میں نے ایک ایک سارہ، باہم بولوں میں بھائی دانتی سمجھ۔

”کون کی کو میں دانتی میں اس میں کتنا نہ رہا۔“

”یقیناً سے وابستہ ہیں سارہ دلائی لہ کی۔“

”ہو سکتے تو ہیں خود بخود تھری ٹریک میں ایک۔“

”ہو سکتی اور اس پر غور بھی محسوس کرتی مگر۔“

”میں کبھی جن ٹری جیسے دوست کا دشمن نہیں۔“

”تم یہ سمجھتی ہو کہ میری وجہ سے تمہاری تحریک ہے تو میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ میں اسے نہیں اٹھاؤں گی۔ میں دلائی لہ کی پہلی وطن لکھ جاؤں گی۔ اگر اس دوران میں تم غفلت و غنیمت کی ضرورت میں پیش آؤ۔“

”یہ ساری غفلت پیش کر دوں گی۔“

”وعدہ؟“ میرے خاکوٹس پر ہنس دیکھتے ہوئے کہا۔

”وعدہ!“ میں جواب دہ بولی۔

”مسلانے جانا پتا آگے چلایا۔“

”یہ گریاؤ دیکھتی کی تجدید تھی۔ وہ دوستی جو غلطی وقت نے غلط بنا دیا۔“

”میں غلطی پر استوار ہوتی تھی۔ اس“

”میں غلطی تھی۔ معمولی غلطیوں کی بنیاد پر اس“

”نہیں تھا۔“

”سارہ کا پتا ابھی تک میرے ہاتھ“

”حسین ہاتھ کا کس میرے درجہ میں نہ نہ نہ“

”ہاتھ کو آہستہ آہستہ مسلانے لگی اور اس“

”میں نے جذبات کی آدھی اس بات کو نوا“

”موجود ہے۔ میں نے جھجکا کہ اس کا کہہ۔“

”ہاتھ چھوڑ دیا۔“

”کلیک میں ہڈی!“ رضوان نے

”بکومت!“ میں اس پر غور کرتی

”کیا ہوا بالآخر!“ آپ! ان پکیوں کا نام

”سکرتے ہوئے مجھ سے کہا۔“

”اس سے پہلے کہ میں کچھ کس رضوان“

”کس کی غلطی کا سنا ہوا! بالآخر خواہ مخواہ گزرا“

”مخاکو کر زیادہ ہو گئی تو پھر کوئی رشتہ نہیں“

”سارہ اس کی بات سن کر نہیں ہوا“

”کافی ہو گئی ہے۔“

”میں کل کراہتی ہو رہے ہوں۔“ میں نے دانت

”میں کی کہہ دیا بالآخر میں آپ کا کچھ طرح

”ن شادی کرنے لگیں۔“ رضوان نے سندھی

”اور سارہ جیسے دوسری حسین لڑکیاں موجود ہیں“

”انت ہے!“

”وہاں ذہن میں ہی پڑ سکتی ہے۔“ میں نے بھی

”اب کی طرف دیکھ رہی تھی میں نے اس کے

”میں کراہتی تھی کہ اس نے یقیناً رضوان کے ذہن

”اللب! آمیزہ چہرہ اس لیے مجھے بہت اچھا لگا

”اب کے کہہ کر پریشان ہوا۔“ اب اس کی نگاہ کی

”بہر زیادہ حسین نظر آ رہی تھی۔“

”کہہ کر کوئی کچھ کہتا، میری نگاہ دعا منشی پر پڑی

”لہذا تھا۔“ مجھے منشی کی طرف متوجہ دیکھ کر

”طی!“

”خو کر پڑ گیا اور لہو اب مجھے... مجھے کیا لگتا ہے

”خا؟“ وہ سارہ سے مخاطب تھا۔

”حاصلے کمانے میں ایک نشہ آور اور ملائی تھی۔“

”وہ ہم کمانے۔“

”اچھا لہو کو دیکھو دانتا سارہ نے مسکرا کر کہا۔“

”اگر ان باتوں نے پوری بات نہیں بتائی کیوں

”ایا جانا؟“ سارہ میری طرف متوجہ۔

”لہو! خفا نہ نہیں۔“ میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

”جھوٹ؟“ منشی ابھی ہوئے لیے میں لہو۔

”کمانے میں نشہ آور دو دیکھو ملائی تھی؟“

”ا“ سارہ نے لہو کر کہا۔

”ا“ حقت لیے میں دلا۔

”حاصلے سمجھ خیالات جان سکوں۔“ سارہ نے

”قصاصے بارے میں سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔“

”لی جانب تھوڑا تھوڑا سے دیکھا۔“

”میں ضرورت نہیں۔“ سارہ نے سنجیدگی کے

”میں سمجھ جانے کے باوجود قصاصے کا تھوڑا

”لی جانب سارہ کی طرف دیکھا۔“

”یہ منشی ابھی نہ لہو۔“

”ایا آپ نے... آپ نے مجھے میری بہن کی نظر

کر رہا ہوں، منشی کی آواز شدت جذبات سے کاپ دہی تھی۔

”نہیں ایسے کوئی بات نہیں۔“ سارہ نے اسے یقین دلایا۔

”اب بھی میرے دل میں کھلے اور تمہاری تحریک کے لیے ہی جذبات

”میں جو پہلے تھے تبھی شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ بعض اوقات

”حالت انسان کو جھوٹا بنانے پر غور کر دیتے ہیں۔“

”میں... مجھے... مجھے صاف کدو سارہ...“ صاف کدو

”سارہ کہیں نے تھیں دھو کا دیا، منشی نے سارہ کی طرف دیکھتے ہوئے

”رقت آئینہ لیے کہا۔“

”یہ منشی کی فزوح دلی کا ثبوت تھا کہ اس نے سارہ سے معافی مانگ

”لہو! میں اس کی شرافت نفس سے پہلے ہی آگاہ تھی۔“

”اپنی بہن کو دھوکا دینے پر عوامی رائے میرے خلاف طاعت کرتا تھا۔“

”میری بہن یقیناً فزوح دل ہے۔“ وہ مجھے صاف کدو لگاتے منشی دوبارہ

”بولا۔ اس کے لیے میں اب بھی رقت تھی۔“

”میں تو تجھیں پہلے صاف کدو لگتی ہوں۔“ یہ کہہ کر سارہ نے مجھ

”سے ہونے والی کشمکش دہائی اور منشی کو میرے وعدے کے بارے

”میں بنایا۔“

”اب بتاؤ منشی کہ تم سارہ کو جن ٹری سے کب ملو رہے ہو؟“

”میں نے منشی سے پوچھا۔“

”میں اب خود بخود ہی چاہتا ہوں کہ سارہ جن ٹری سے ملے۔“

”منشی نے جواب دیا۔ ممکن ہے کہ واقعی وہ ہیں دھوکا دے رہا ہو۔“

”وہ ہیں تو دھوکا دے سکتے ہیں مگر لہو کہہ دینا اس کے لیے ممکن

”نہیں ہو گا۔ اب تو مجھے میں اس کی ریت پر شبہ ہونے لگا ہے۔“

”تجھیں اس کے ٹھکانے کا تو علم ہی ہو گا!“ میں بولی۔

”لو! منشی نے کہا۔ یہ بیان چاہم تو یوں اس کے کچھ جاننے

”دے ہیں“ وہ اس کے ساتھ ٹھہر چکا ہے۔ میں یہاں بھی اسے ٹھہرا

”سکتا تھا مگر میں نے سارہ کی وجہ سے ایسا نہیں کیا تھا۔“

”اگر میرا حسب غلط نہیں ہے تو پھر میں اس وقت دلائی لہو

”تبت پہنچ رہے ہیں۔“ میں نے کہا۔ جن ٹری سے سارہ کی ملاقات

”دلائی لہو کے یہاں آنے سے پہلے ہوئی تھی۔“ مجھے یقین ہے کہ

”جن ٹری کے ذہن میں کوئی خطر کی منصوبہ ضرور ہو گا۔ میرا مقصد ہے کہ

”سارہ کے ذہن میں اس کے منصوبے سے قبل از وقت آگاہ ہو جائیں

”اور اس کا کوئی تدارک کر سکیں۔“

”ان حالات میں وقت ضائع کرنا انتہائی غیر فائدہ مند فعل ہو گا۔“

”سارہ نے کہا۔“

”قلبی!“ میں نے اس کی تائید میں کہا۔

”تو پھر کج ہی رات چن ٹری سے نہیں مل لیا جائے؟“ سارہ

”اس کا مطلب یہ کہ اب فیصلہ کر
نے خیال آ رہا ہے۔“
”ہاں ممکن ہے کہ آج ہی بات سامانہ
نے جواب دیا ہو لیکن اس بات کا انحصار سارہ
ہے۔ اس امکان کو بھی ہر حال نظر انداز
وہاں سے سارا فرما دیتا اور کچھ چاہو؟“
”مکن بالآخر واقعی آپ کے انداز
میں وقت تک میں رہنا چاہیے جب تک کہ
تشریف نہیں لے آئے۔“ سارہ نے بھی گہرے
”فرار سے میری مراد یہ نہیں تھی کہ وہ
فرار ہو جائے گا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ وہ
میں سے اپنی بات کی وضاحت کر لیں۔“

میں سارا درویشانِ مہر دیدہ
کرتے ہیں۔ رمضان کا خیال یہ
ایسا کھانا نہیں چھوڑا ہوا کہ میں مذہب
تھا کہ حالات کے پیش نظر جن کی کاپ
ہونا چاہیے۔
ہماری گفتگو کسی نتیجے پر نہیں
”گھوڑے تیار ہیں۔“ اُس نے
کھڑے ہوئے۔

”ہستی! میرا خیال ہے کہ اسے مانگا
اُسکے بڑھتے ہوئے کہا۔
”مجھے اس بات کا احساس تھا“
پاس روپا نور موجود ہے؟
”اور سارے کے پاس؟“ میں !
”میں بھی خالی نہیں رہتی باز!“
پتلے سارے نے بتایا۔

”خیر غلط ناک تو اب بھی نہیں ہے
جیسے عام ڈیوڈ کی بوسہ لیا وہاں
”کیوں؟“ میں نے ”مسنی کے وہم
”اپنے بھائی کے امر پر“ ”مدا
”تقی کی طرف متلاسلہ لے کر خیال آوا
”نہیں؟“
”ظاہر ہے کہ اگر مسیح بھوتہ نہ
”ہو کہ رولی“ ”سدا پہلے تو تم کھانا“

میں نے وہ دھاک کے ساتھ ادا کر کے ہٹے ہوئے قدم ایک دم رگ
سے اصاب بھیننا اٹھے اور آگے بڑھے ہوئے قدم ایک دم رگ
نہیں۔ وہ دھاک کے زیادہ فاصلے پر نہیں ہوئے تھے۔
”اب احتیاط بیکار ہے“ میں نے کہا اور تیزی سے گھوڑے کی
مشت پر بچھڑ گئی۔
رضوان بھی صورتِ حال کو سمجھ چکا تھا۔ اُس نے بھی گھوڑے پر
بیٹھے میں دیر میں کی تھی۔
کو فاصلے تکا پر مجھے منتی اور سارہ کے ہونے نظر آئے تھے۔
جواب غیر متوقع تھے۔ میں اور رضوان بہت جلد اپنے گھوڑے دوڑنے
آگے کے قریب پہنچ گئے۔
”تم نے دھاکوں کی سمت کچھ اندازہ لگایا؟ میں نے قریب پہنچے
ہی گھوڑا روک کر منتی سے پوچھا۔
”میرا اندازہ ہے کہ دھاک اُسی طرف سے سستانی دیئے تھے جہاں

چن تری عطا ہوا ہے،" منتی نے جواب دیا اور اچانک اس کی بات سن کر ہنس پڑی تھی کہ ایک دھماکا اور ہوا۔
 "مہلکی کرو دھنستی؟" میں نے تیزی کے ساتھ کہا، یہ کہیں وہ مکمل نہ جھلے؟"
 "منتی اور سلاو اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے تھے کہ میری سماعت سے ایسی آواز یں نکلاں جیسے کہیں دھور دھور گھوڑے ایک دوسرے کے آگے پیچھے دوڑ رہے ہوں۔
 میں نے اپنے گھوڑے کو آڑ لگانا، اور اُن آوازوں کی بہت

پکی۔ میرے ساتھ ہی رمضان نے اپنا گھوڑا بڑھایا تھا۔ سارے اندر کسی کے گھوڑے اب بھی آسے تھے۔

میں جس مشرک پر گھوڑا دوڑا رہی تھی، اُس کی بائیں جانب چٹانی سلسلہ تھا، اونچے فاصلے پر وہ مشرک بائیں جانب ہی تھا، لیکن مورے گھوڑے میں ہی نے دُور دوڑنے کی تگناہ دوڑائی مگر مجھے کچھ نظر نہ آ سکا۔ چند گز دور دلائیں جانب مجھے ایک کچی مشرک خنزیر دکھائی دے رہی تھی۔ اُسی وقت پھر ایک دھماکا ہوا۔ اس بار میں

تھی! میں نے اپنا گھڑا بھی سڑک پر روڑ دبا دھاکے کی آواز کی سی سمیٹے سے آئی تھی۔ اب میں یہ بھی سمجھ چکی تھی کہ وہاں کاسی رائلنگ کے کنارے ہوا کا تھا۔ میرے گھوڑے کی زین پر اب اتنی تیز تھی کہ رضوان کا گھوڑا بھی اس کے پیچھے رو گیا تھا۔ کچھ فاصلہ عبور کرتے ہی میں نے اس کی سڑک پر روڑ کرکس میں ساڑھا محسوس کیا۔ کوئی بیٹنا مجھے آگے آگے گھوڑا دوڑاتا جا رہا تھا۔ جارہا تھا۔ میں نے ایک ہاتھ سے گھوڑے کی بائیں سنبھالے ہوئے دوسرا ہاتھ جب میں ڈالا اور دایا اور نال ڈالا۔ میرے آگے آگے

میں ہوا دیکھا میں اس کو سوار کے لئے قریب پہنچ چکی تھی کہ اس کا نشانہ نہ سکوں۔ مجھے اب اس کا ہر بلا دافع طور پر نظر نہ لگتا۔ اُسے بھی شاید اپنے نائب کا احساس ہو چکا تھا میں نے دیکھا کہ اُس نے گھوڑا دوڑاتے ہوئے ہی اپنے ہاتھ میں موجود رافٹل کاغذ پیچھے کی جانب کیا۔ اب کسی بھی لمحے میری جانب گولی آ سکتی تھی۔

”بھڑ جاؤ!“ میں نے دوسرے چہرے پر تم میری زبردستی۔ ”مگر جاؤ درمیں گولی مار دوں یہ یہ اتفاق دوسرے بتی۔ ہاں میں ادا کیے تھے میں نے محسوس کیا کہ رافٹل کاغذ میری طرف سے بھی لپٹا گیا اور اُسی لمحے میں نے ایک تیز آواز سنی۔ ”مجھے نہروں میں باؤ اور زدہ نکل جائے گا“

وہ آواز تھکی کر ایک محسوس میں کچھ دیر کے لیے بے اثر ہو کر رہ گئی۔ وہ آواز وہ آشنا آواز لیٹا اُس کی چینی لڑکی کی تھی تو چن ڈی سے انتقام لینے کی خاطر تھی۔ وہ لڑکی وہاں کیسے پہنچ گئی؟ اُسے تو میں چام ڈیل سے سب سے پہلے جھوٹ کر آئی تھی، پچھوڑ لڑکی ایک چھوٹی سی مضامانی آبادی میں کیا اُس کی زبان کا ترجمہ بھر گیا وہ محض کے قابل ہو گئی؟ مختلف سوالات نے میرے ذہن پر پرورش کر دی اور ایک دوران میں میرا گھوڑا تیزی سے دوڑتا ہوا اُس کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے دیکھا کہ اُس کا بچہ اُس کے سینے سے چپا ہوا رافٹل ”میں دوسرے شخص پہچان نہ کی تھی اسی لیے میں نے انھیں ہلکا چاہا تھا“ میں نے اُس سے کہا ”پھر جلدی سے بولی“ کیا چن ڈی اسی لئے پر آگے گلی ہے؟

”ہاں!“ اُس نے جواب دیا۔ ”میں نے اُس کے ہونے کو بائیں جانب کچھ غلط پر موجود چٹانی سلسلے کی طرف مڑتے دیکھا تھا“ ہمارے گھوڑے کو کمر کا ٹیڑھ دوڑ رہے تھے اس لیے ہیں بات کرنے میں قیاحت محسوس ہو رہی تھی اور ہم زور سے بول رہے تھے۔ جب تک میں اوردہ چینی لڑکی چٹانی سلسلے تک پہنچے، رضوان بھی تیزی سے اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا ہمارے قریب پہنچ چکا تھا۔ میں رضوان اوردہ چینی لڑکی کا ٹیڑھ دیکھ کر اُس چٹانی سلسلے کی بجول حلیوں میں جکڑنے لے رہے مگر سب سے پہلے چکا تھا ادا ب لہر مینا لا حاصل تھا۔ اس کا احساس ہمیں جلد ہی ہو گیا۔

پہلے رضوان بولا لا، لا، لا، لا، میرا خیال ہے کہ ہم وقت ضائع کر رہے ہیں۔ اب میں چن ڈی کی پوچھائیں بھی نہ مل سکے گی“ ”تم ٹھیک ہی کہتے ہو“ میں نے اُسے ٹھیک سے لیے میں نے کہا ”پھر مجھے مارا اور منتی کا خیال آیا اور بولی“ نہ چلنے مارا اور منتی ہمارے تلاش میں کہاں بیٹھتے پھر رہے ہوں گے“ اب تک میں نے چینی لڑکی سے کچھ نہیں پوچھا تھا کہ وہ چام

نے اس بات کو ترجیح دی کہ ہم اُس چٹانی سلسلے پر نکل جائیں۔ ہم نے اُس طرف جانے، تھا کہ راستہ یاد رکھیں، کیونکہ ہماری تمام تر توجہ ہمیں کچھ دیر بعد ہی احساس ہو گیا کہ ہم راستہ تینوں ہی کے لیے وہ ملاؤ شاہراہ اجنبی تھا

کافی دیر تک جھنگل کے گہرے کیم پڑے تھیں ممکن نہیں تھا اُس لیے ہم اندر لستے ”کہیں ہم چام ڈیل کو جانے کی بجائے اُ جا رہے“ سب سے پہلے رضوان نے غصہ ”ممکن ہے کہ ایسا ہو اور ممکن ہے“

”ہاں!“ اُس نے اس لڑکی سے یہ کہنے لگی؟ ”رضوان نے کہا میرا خیال چن ڈی تک نہ پہنچ جاتی تو شاید وہ فرار ”خیر اب جو ہونا تھا“ وہ تو ہر ہی لپٹا چینی لڑکی کی طرف متوجہ ہو گئی جس کا وہ ہمارا ہی تھی۔

میری دائیں جانب رضوان کا گھر چینی لڑکی کا گھوڑا، میرا گھوڑا درمیان میں ”کتی عجیب بات ہے کہ میں نے ا پوچھا ادا لکھ تم پہلے بھی مل چکے ہیں“ میں نے میرا مقصد سلسلہ لگھوڑی شروع کرنا تھا۔ ”مگر پے پوچھا ہی نہیں باز!“ اُس سے چپکے ہوئے کہا۔

”اور تم نے بتایا نہیں“ میں بولی ”میرا نام جنگ کی ہے“ اُس نے ہمارے گھوڑے کی جھک خراب سے ہمیں لگھوڑے کرنے میں کوئی دقت پیش نہ ”پہلے تو یہ بتاؤ جنگ کی کون سی جگہ ہا پہنچ گئیں؟“ میں نے سوال کیا۔

”میں یہاں برسوں ایک تجارتی ٹاپل جھنگری کا قافلہ چھوڑ دی ہے چام ڈیل کے لیے بتایا۔

”تمہاری دان کا ترجمہ ٹھیک ہما“ ”میں لا، لا!“ اُس نے جواب دیا۔ ”بالکل ٹھیک نہیں ہوا“ ”تو پھر تمہیں اس حالت میں“

”اُجھائے دم سے مائے حق سے ہیں۔ میں۔“ ”اب میں ہیں بالو! اِن کے بھرنے سے کوئی گن جوڑ تم میرے سینے کے اندر ہیں“ وہ میرے اس میں اور میں اُنہی زخموں کا مادہ کرنے یہاں آئی ہا بات سے بے لعل آواز میں بولی۔

”میرے ہوا کچن ڈی“ چام ڈیل نے کہا؟ اُس کے ”میں نے ایک ہی سال“

”ہاں!“ ”یاد نہیں رکھ کر میں نے گزشتہ ملاقات میں بھی آپ مایوس ہے کہ میں نے تفصیل کو اُس وقت نظر انداز کر دیا ہوں کہ میں نے ستر چہن کے ملوے جا سوسی بھی بتا تھا کہ میں ستر چہن کے ملوے جا سوسی کا ایک اہل بگوتی تھی۔ یہ خط ہی تھا جس میں چن ڈی کو وہ آپ کو ہلاک کرے۔ اُسی خط سے مجھے کچھ یاد آواں لگ چکی تھی تفصیلات سے آگاہ کر رہی تھی“ ”جی ہاں“ ”ات یہ بھی کچن ڈی کو چام ڈیل میں موجود ستر چہن ہاں سے بھی رابطہ قائم کرنا ہے۔ اُس خط میں اُن نے اور دیگر کو کٹ بھی درج تھے۔ میں نے وہ تاکا اور

میں غصہ کر لیے تھے۔ وہ صرف تین افراد کے نام ادا کو میں نے گزشتہ شب تلاش کر لیا لیکن مجھے لگتا تھا۔ تین آئے سے قبل میں نے یہاں کی سیاسی دہلی بہت اگلی حاصل کر لی تھی۔ مجھے علم تھا کہ چام ڈیل فاف انفاوت کے بیچ بڑے چاچے ہیں۔ جن ڈی نے کام کرنا تھا اُس لیے میرا قیاس تھا کہ متوجہ ہو کر کوئی تعلق ضرور ہوگا۔ موجودہ حالات کے ہا چام ڈیل میں ہونا ضروری تھا۔ میں یہی سوچ کر ہا ہاں ضرور لے گا۔ گزشتہ شب میں نے اُن کو میں ڈی کا پتہ لگا لیا چاچے کے نام اور پتے میرے ہا۔ آج آخر کار میں نے میرے شخص کے پتے پر ہر گز یہی ادا مگر ادا میں کوئی لگایا حالانکہ میں ہا ہاں کی حالت میں دی تھی“ یہ کہہ کر جنگ چھی ادا اور ناخوش ہو گئی۔

”اے کہ وقت اُس کا گھر کیسے تلاش کر لیا؟“ میں ”اے میں ہی میں کوئی نہیں“ اُس نے جواب دیا۔ ”رات اگھوڑہ تھا کہ میں اُسے خبری میں چھاپا ہوں“

”اے میں ہی میں کوئی نہیں“ اُس نے جواب دیا۔ ”رات اگھوڑہ تھا کہ میں اُسے خبری میں چھاپا ہوں“

”یہ کہہ کر وہ چند لمحے چلی پھر میری تفصیلات جانے سی۔“ ”جس کہہ میں۔“ ”ہاں!“ ”اُس کی کھڑکی کے کوڑا اندر آ گیا تھا۔

”اے میری بد قسمتی کہیں یا کچھ اور کہ اُس وقت میرا بچہ دے گا۔“ ”بچے کی آواز میں کہہ رہا ہو گیا تھا اور ایک دم اچھل کر بھاگا تھا کہ میں نے یہ کہہ کر ادا میں میری توجہ کیڑا ملائی اُس کی جگہ سناٹا ڈی تو

میں نے سوچا کہ میرا مقصد ہونا ہو گیا ہے مگر اُسی وقت میں نے کمرے کی کھڑکی کھلتے، اور پھر کسی کے بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز سنی۔ میں نے دوسرا فائر کیا مگر بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز نہ لگئی۔ میں کھڑکی سے کوڑا وہاں پہنچا تو دیکھا کہ وہ ایک گھوڑے پر بیٹھ کر فرار ہو چکا تھا۔ مجھے صرف گھوڑے کی دودھو کی آواز سناٹا

”اے میں ہی میں کوئی نہیں“ اُس نے جواب دیا۔ ”رات اگھوڑہ تھا کہ میں اُسے خبری میں چھاپا ہوں“

”اے میں ہی میں کوئی نہیں“ اُس نے جواب دیا۔ ”رات اگھوڑہ تھا کہ میں اُسے خبری میں چھاپا ہوں“

”اے میں ہی میں کوئی نہیں“ اُس نے جواب دیا۔ ”رات اگھوڑہ تھا کہ میں اُسے خبری میں چھاپا ہوں“

ہی کے جہول پر حیرت کے آنا نظر آئے تھے انہیں اتنے دیکھ کر رضوان
سم آگئے تھے انہیں سمجھنے سے پہلے کہ منہ کھاتا تھا۔

۵۔ جس کا سے سے ایں میں دو بپ پورے پر

ایک ایسا کہ کہ اگر کسی نے مہنتی، سارا، فیلان

10

جیسے وجود ہیئت اور عالم پر خوش ہونا کہ
 یہ کیا ہوگا، یا آواز کی کسی تہیں
 "ہاں نکل کر دیکھنا ہے" گا یہ م
 ہونے لگا اور آکھ کر ہی ہوئی۔
 سداہ میں مگر کے کا دروازہ کہ
 میری نظر منتی پر پڑی جس کے ہاتھ میں
 اس کے قریب ہی موجود تھا اور اس کے
 وہ منتی سے نہ کچھ لوجہ سکا تھا اس
 چند قدم پیچھے تھے۔ تنگی کی دکھائی دی۔
 بچہ سینے سے لپٹا ہوا تھا۔
 اس سے پہلے کہ میں منتی سے کہ
 خوش آواز میں بولا: "نرس! آؤ شاپ لیں
 اسے مزہ کھاؤں گا۔" منتی کے چنداں
 اتنی! کہ کر منتی اگلے بڑھنے لگا۔
 معاملے کی تہ تک پہنچنے کے
 "عذر" ہمیں نے منتی کے
 کسی رعایت سے نہیں دیا ہوگا۔
 دوسرے بعد میان کی بات طے ہوئی تھی
 ان صبح کے میں اس کے پاس نہ پہنچی
 شش کے گا۔
 میری بات کے چلپ میں منتی
 تو خوش چینی حکومت کا ایجنٹ
 "یہ قطعی غلط بات ہے۔ ہم
 مزاحہ تو شو ایک جہاں دیوہ آدمی ہے
 صرف انتہا پسند ہیں ہے وہ اس
 کہ نہیں ہے۔"
 "تو میرے برائے طرح علما
 نے تشویش تازہ نہیں کی کہ
 کیا کوئی بھی شریف اور فدا
 ان چھوڑ کر آرام سے بیٹھ سکا ہے
 وہ تو کوئی مہمان بھی اور مجھے زہر
 لگاؤ آواز میں سارہ کی بات کا جواب
 سادہ اور منتی کی سمجھ میں میری
 چلپ کیا کیا جائے انوجہ
 ہے میں۔"

پہنچ کر مجھے صورت حال کا اندازہ ہوا۔ منتہی
کی نئی لڑکیوں کا جواب دے رہے تھے
وہ دھڑکی دھڑکی دھڑکی سے آن پرانگ
نارنگ اور اس کے آدمی ملکر کی دوسری جانب
نارنگ میں مصروف تھے۔
"ہیں نے منتہی سے کہا۔
"ہاں گریلاں پلائی جا رہی ہیں۔ منتہی نے الجھن
مال گئی ہے۔ چاہے پہلے دھڑے ہو کر دھڑ
نہ لگتے۔ بے لگ کر اگر تیرا وہ توڑ کر یقین مل
اتی ہے۔ تیرے ہیں تو وہ بھی نارنگ روک لے گا
امان میں پس طرح کھیں ہے؟" سادہ بولی۔
نارنگ کو لے کے یہ کہہ رہی ہوں۔ میں نے
مہربانیاں مان لی۔ اب گھروں کا جواب گروں
گھر پر پہلے نارنگ برقی پھر دوسری جانب
نارنگ توڑ کر تیرا دار سنا دی۔ منتہی تو مجھے
کھنکھناتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ سلسل نارنگ میں
اس میں کوئی وجہ ہے۔ میں اتنا بوقت نہیں
اٹھا آتا ہوں۔ صبر کرو اور اس کے ساتھ کو چھوڑ
لے کے تمہارے گھر کو تیرا بنادوں گا۔
"وہ آدمی الفاظ ختم ہوتے ہی میں پیچ پڑی۔ ہنر کیلپی
انڈیا پرست۔
"پہلے پھر انکل کو کہہ دو کہ تم سے کھانا جاسکتی
ہے میں چاہتا ہوں۔
"اے میں نے غلطی کر دی اس ساتھ باہر کہے ہیں۔
"وہ ان کا ہاتھ تھام کر دروازے سے باہر نکلی جو
صلی ہو چکا تھا۔
"وہ ان کے ہنر تیر قدم اٹھا لے پھر ہم مل کر عید
ہوئے۔ ہنر تیر کے پیچھے ہیں ہنر تیرا وہ توڑ
رہے ہیں۔ اے میں نے ان لوگوں کو اپنے
مالوں کو جو میرے ہنر کا نالے کی شکل میں اٹھا
وہ توڑ کے شاید انھیں بھی ہنر سے بارے میں

میں نے شہزادہ قوشو کو دیکھا جس نے زیادہ وقت نہ بھولی کہ مسیحی سے میری دوستی پر تکیہ ہے۔

اس دوران میں مسیحی اور ملکہ بھی غلامت سے باہر نکلے تھے۔

غیس ناخابا، اندازہ ہو چکا تھا کہ میں نے صورت حال کو بہت حال کیا ہے۔

میں نے شہزادہ قوشو سے بات کرنے کے لئے مکرر دیکھا تھا تو میری نظر ان دونوں پر پڑی تھی۔ میں نے ان دونوں کو ہاتھ کا اشارہ کر کے قریب آنے کو کہا۔

سادہ اور مستی قریب پہنچ گئے اور پھر میری فراموشی پر ترغیب پر شہزادہ قوشو اور مسیحی نے ہاتھ ملایے۔

”مستمر دلائی لاما کے آگے آئے، شہزادہ قوشو نے احترام قیدت سے پوچھا، اس کا مخاطب مسیحی تھا۔

”کل شام وہ ہمارے ساتھ رہا، کیا تمہاری مسیحی نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

اسی دوران میں مجھے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ صرف غلامت ہی کی بنا پر ناگزیر کی عزت آگئی تھی۔ ہوا میں تھا کہ مسیحی کے سامنے آدھریں نے شہزادہ قوشو اور اس کے سامنے آدھریں کو دوسرے آتے دیکھ کر ہی لوگ جلنے کے لیے کہا تھا مگر شہزادہ قوشو اور اس کے آدھی نہیں رکے تھے۔ مسیحی کے آدھریوں نے اسے بغیر خوفزدہ کرنے اور لوگ دینے کے لیے ہوائی فائر کیے تھے۔ بس اسی کے بعد ناخابا، جہن کی تھی کہ کہ ۱۰۰۰ فوٹ سے زائد کی فائرنگ کی گئی تھی اس لیے جانی نقصان نہیں ہوا تھا۔

کچھ دیر بعد جب شہزادہ قوشو اپنے آدھریوں کے ساتھ لوٹے، لگا تو میں نے رضوان کو بھی اس کے ساتھ کر دیا۔ میں مصلحتاً رضوان کو تانے والوں کے ساتھ رکھنا چاہتی تھی۔ رضوان نے میرے ساتھ رہنے پر راضی کیا تھا مگر جب میں نے انھیں نکال دیں تو اسے میری بات ماننی ہی پڑی تھی۔ چانگ کے بارے میں مجھے شہزادہ سے بتایا تھا کہ وہ بہت حسرت کے ساتھ قاتلہ میں جا ملتا تھا۔

دو مہینوں میں میں نے دو مہینے قبل منہج میں رضوان سے گھر گئی کی تھی۔ یہ اپنی انھیں نکلی رکھنا اور جن کی طرف سے عطا رہنا۔

”لیکن گزشتہ آجائے تو وہ اس نے حسب معمول شراکت کی تھی۔ رضوان کو مزید شراکت سے باز رکھنے کا یہی طریقہ تھا جس کا میں نے ہر جاتی اور اس وقت میں نے یہ کیا۔ مجھے علم تھا کہ رضوان میں نہ اس قسم کی باتوں کو منہج میں لانا کے آگاہ ہے۔

شہزادہ قوشو کی دعا میں میں مسیحی اور ملکہ کے ہوا وکالت میں دایاں مگنی رلات بھیجے گئے کہ سبب میرے ذہن پر نیند کا شدید غلبہ تھا۔ میں نے دیکھا کہ ملکہ کی انھیں بھی اوجھل اور جھل سی تھیں۔



ابھی سیکرٹری نے مکرے سے نکلا ہی تھا کہ شہزادہ تو شر کا ایک اور خادم
 رہے میں داخل ہوا۔ اُس نے مسرتی اور سارہ کے آنے کی اطلاع دی۔ بہنتی
 سارہ اُسی خادم کے ساتھ جس حالت میں تھے، اُسی حالت میں اُٹھ کر

پھر لڑی بار کا لکھا ہی گیا۔ تنزداد کو
 تنقادات مکمل ہونے کے اطلاق دی۔
 میں اور رضوان احمد کھڑے ہوئے م

”معاذِ اہلِ تبت سے کوئی شکایت نہیں“ میں نے فرمایا۔
 ”جی، اگر کچھ ہوا ہے میں بھولی ہوئی ہوں اس قدر مجموعہ
 اتنے۔“ اہل کوئی ناروا سلوک نہیں ہوا بلکہ میں تم لوگوں کا

کے لیے اپنی خواہ گاہ میں جا چکا ہے کیونکہ یہ احکامات خود اسی کے تھے۔

میری آجوتے اسے فوراً مطلع کیا جائے اس لیے خادم نے بے جبک
خوابگاہ کا دروازہ کھٹکھٹا دیا۔

بچپن لاسر نے میں اپنی خوابگاہ ہی میں بولایا۔ میں اندر گئے دیکھ
کر وہ اٹھ بھاڑا اس کی سہری کے قریب ہی صوفے پر سے تھے میں اور
رضوان اُن صوفوں پر بیٹھ گئے۔

”محترم بچپن لاسر! میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے پیکنگ
سے موصول ہونے والا پیغام فوراً بھجوا دیا، میں نے گنگو کا آغا دیکھا۔

”یہ تو میرا فرزند تھا باپا؟“ وہ بولا تب مجھے تمہاری ہنسی کی چابک جڑت
کبریت دیکھتے اور میں تھکے دیکھ میں ہلر کا شریک ہوں!

میں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا: ”محترم بچپن لاسر
کیا اس پیغام کے بعد پیکنگ سے کٹنے اور اطلاع موصول نہیں ہوئی؟“

”نہیں! بچپن لاسر نے جواب دیا: اس کے بعد کوئی اطلاع نہیں
ملی۔ میں نے اس سلسلے میں تفصیلات جاننا چاہی تھیں لیکن کوئی جواب
موصول نہیں ہوا۔“

”میں فوراً پیکنگ جانا چاہتی ہوں۔ آپ کتنی دیر میں انتظام کر سکتے
ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”مجھے یقین تھا کہ تم یہی خوش کرو گی اسی لیے میں نے پہلے ہی سے
تمام انتظامات کر لیے تھے۔ ایک فوجی طیارہ دو سو تھک پہنچے کامنٹر پر۔

مجھے اُمید ہے کہ چند گھنٹوں کے اندر اندر تم پیکنگ کے لیے روانہ ہواؤ گے
”شکر یہ محترم بچپن لاسر! میں نے کہا۔

”اُس کے بعد بچپن لاسر نے مجھے سے جام ڈیو میں پیش آنے والے
واقعات کے بارے میں پوچھا۔ میں نے مختصر الفاظ میں اسے تمام واقعات

سے آگاہ کیا جہاں اُسے یہ جان رنجش ہوئی کہ حکام قبائل کی توقع بقاوت
امن ملنے پر خوش ہو گئے وہیں سے اس بات سے دیکھ بھانج کر چینی فوج کا ایک

فوجی دستہ دشمنوں کے ہاتھ پر چکا تھا۔

”میں شرف چینی کی جاسوسی سرگرمیوں کو سختی سے چکنا چوکا۔ بچپن لاسر
پُر جوش نہیں ہو سکا۔ اس کے لیے سے غصے کا اخبار میں پورا تھا۔

”چابک جیسے استین کے سپاہیوں کو بھی چن چن کر ختم کیا جانا ضروری
ہے۔ میں نے بچپن لاسر کی تائید میں کہا۔

”کچھ دیگر گنگو کے بعد میں اور رضوان اُس کے پاس سے اٹھ کر چلائے۔
رضوان نے: ”نومرکا اور چن چن“ کہنے لگے۔ میں سب کچھ پوچھ

لیا کہ میرا اور بچپن لاسر کے درمیان کیا گفتگو ہوئی تھی!

ابھی مجھے اور رضوان کو گمان غلطی میں پینچے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ
بچپن لاسر کے ایک خادم نے اس کا اطلاع دی کہ مجارے اعراض میں الوداعی
تقریب منعقد ہو رہی ہے جس میں میں جلد سے جلد پہنچنا ہے اور ہم تیار

ہم کیم کی جائے۔“

”تائید کر۔“

جب فتم ہونے کا اعلان کر دیا گیا اور دہل موجود

ہے بڑے رتبے پر پہنچا ہوا تھا اور اُس کی حدود میں
جی تھا۔ غالباً یہ رپورٹ بہت سی مصلحتوں

تھا۔ غالباً یہ رپورٹ بہت سی مصلحتوں
تھا۔ غالباً یہ رپورٹ بہت سی مصلحتوں

تھا۔ غالباً یہ رپورٹ بہت سی مصلحتوں
تھا۔ غالباً یہ رپورٹ بہت سی مصلحتوں

تھا۔ غالباً یہ رپورٹ بہت سی مصلحتوں
تھا۔ غالباً یہ رپورٹ بہت سی مصلحتوں

تھا۔ غالباً یہ رپورٹ بہت سی مصلحتوں
تھا۔ غالباً یہ رپورٹ بہت سی مصلحتوں

تھا۔ غالباً یہ رپورٹ بہت سی مصلحتوں
تھا۔ غالباً یہ رپورٹ بہت سی مصلحتوں

تھا۔ غالباً یہ رپورٹ بہت سی مصلحتوں
تھا۔ غالباً یہ رپورٹ بہت سی مصلحتوں

تھا۔ غالباً یہ رپورٹ بہت سی مصلحتوں
تھا۔ غالباً یہ رپورٹ بہت سی مصلحتوں

تھا۔ غالباً یہ رپورٹ بہت سی مصلحتوں
تھا۔ غالباً یہ رپورٹ بہت سی مصلحتوں

تھا۔ غالباً یہ رپورٹ بہت سی مصلحتوں
تھا۔ غالباً یہ رپورٹ بہت سی مصلحتوں

تھا۔ غالباً یہ رپورٹ بہت سی مصلحتوں
تھا۔ غالباً یہ رپورٹ بہت سی مصلحتوں

تھا۔ غالباً یہ رپورٹ بہت سی مصلحتوں
تھا۔ غالباً یہ رپورٹ بہت سی مصلحتوں

تھا۔ غالباً یہ رپورٹ بہت سی مصلحتوں
تھا۔ غالباً یہ رپورٹ بہت سی مصلحتوں

تھا۔ غالباً یہ رپورٹ بہت سی مصلحتوں
تھا۔ غالباً یہ رپورٹ بہت سی مصلحتوں

تھا۔ غالباً یہ رپورٹ بہت سی مصلحتوں
تھا۔ غالباً یہ رپورٹ بہت سی مصلحتوں

تھا۔ غالباً یہ رپورٹ بہت سی مصلحتوں
تھا۔ غالباً یہ رپورٹ بہت سی مصلحتوں

سی یادی اور خوش گوار لمحے سپٹ کر لے جا رہی تھی۔ تبت جو کچھ
پہلے بھی عزیز تھا اور اب بھی عزیز ہے کبھی میرے لیے اجنبی
نہیں رہا۔

طیارہ پرواز کرتا ہوا تبت کی سرزمین کو کچھ چھو کر آگے بڑھ گیا
اور میں طیارے میں بیٹھ کر اِن بات کا احساس ہی نہ ہوا۔ رضوان

اور میں خاموش خاموش سے تھے۔ سفر کے دوران میں ہم دونوں نے
بہت کم گفتگو کی میری ہی طرح غالباً رضوان کا ذہن بھی اُنے والے

لمحات میں ٹپٹپٹ ہوئے دوسروں اور خوشنکاح انڈینوں میں الجھا ہوا تھا۔
میں صبح دی تھی کہ اگر میری بہن رضیہ کا ذرا بھی بال بیکسا ہو تو اس

دشمنوں کی زندگی جہنم بنا دوں گی۔
فوجی طیارہ چین کے ایک فوجی مستقر پر ہی اترا۔ ہوائی اڈے

پر اترنے سے پہلے اگلٹ نے ہوائی اڈے کے حکام کو آگاہ کر
دیا تھا کہ وہ کن مسافروں کو لے کر آ رہا ہے۔ اہمے اہمے کال سے

چلا ہے؟
ہمارا استقبال کرنے والوں میں مینی فضاٹیک کے دو بڑے

فوجی افسر تھے۔ انھوں نے غالباً چینی حکام سے ہاتھ باندھے ہیں
بدایات حاصل کر لی تھیں کیونکہ میں نے اُن کے روتیے میں مگر خوشی

اور غصوں دیکھا۔
میں ایک بذ فوجی وین میں ہوائی اڈے سے سرکاری

تحریک ہاؤس میں پہنچا دیا گیا۔ مہمان خانے کے دروازے ہی پر ایک
سرکاری افسر نے ہمارا استقبال کیا۔ وہ شاید افسر مہمان داری تھا۔

اُس کے ہمراہ دو نائب بھی تھے۔
میں تحریک ہاؤس کے دو کمروں میں ٹھہرا دیا گیا۔ وہ کمرے

میں سامان آرائش سے بھرے تھے لیکن میں نے ایک۔
نظر خاص کمرے کی کہ آرائش میں ایک طرح کی سادگی اور شہن

تھا۔ مجھے افسر مہمان داری اور اُس کے دونوں نمائندوں سے مل کر بھی
خوشی ہوئی۔ وہ دو بڑے بااخلاق اور خوش مزاج تھے۔

اُن تینوں کے ہمسر پر تقریباً ایک جیسا لباس تھا۔ مجھے افسر و راتوں
میں کوئی زیادہ فرق محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ دونوں کمروں میں ٹیلیفون

بھی لگے ہوئے تھے اور دو خودی ب ملازمین بھی موجود تھے۔
رضوان میرے ساتھ ہی میرے کمرے میں موجود تھا اور میں

افسر مہمان داری سے گفتگو کر رہی تھی جو سامنے صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔
اُس کے دونوں نائب قریب ہی ایک دوسرے صوفے پر خاموش

بیٹھے ہوئے تھے۔
”محترم وزیر یا جہ کو آپ کی آمد سے مطلع کیا جا چکا ہے۔“

افسرِ مہمان داری:۔۔۔ تھا۔

”اُن سے میری ملاقات کب ہو سکے گی“ میں نے سوال کیا۔
”جب آپ فرمائیں ملاقات کا بندوبست کر دیا جائے گا“

نے جواب دیا۔
”میں اُن سے آج ہی اور جلد از جلد ملاقات کرنا چاہتی ہوں“ میں بولی۔

”میں ابھی ٹیلیفون پر اُن کے سیکرٹری سے رابطہ قائم کرتا ہوں“ افسرِ مہمان داری صوفے سے اٹھتے ہوئے بولا۔ اُن کے احکامات بھی یہی ہیں کہ آپ جب بھی اُن سے ملنا چاہیں فوری طور پر انھیں ملنے کیاجائے، یہ کہہ کر وہ اُس تپان کی طرف بڑھا جس پر ٹیلیفون رکھا تھا۔

کچھ دیر ہی میں وہ رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ اُس کی گفتگو۔۔۔ مجھے تیار کیا کہ وزیر خارجہ اپنے دفتر سے آگے نکلے ہیں اور اب اُن کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے۔ افسرِ مہمان داری نے دوسرے غیر ملکی اور سلسلہ مل جانے پر مقرب بے میں بات کرنے لگا۔ غالباً وہ وزیر خارجہ سے بات کر رہا تھا۔

میں دراصل فوری طور پر وزیر خارجہ سے اُس لیے ملنا چاہتی تھی کہ رضیہ کو تلاش کر سکوں اور اُس شخص میں جو واقعہ گزرا ہے اُس کی پوری تفصیل سے آگاہ ہو سکوں۔ یہ اُسی وقت ممکن تھا کہ چینی حکومت کے متعلقہ افسران مجھ سے بھی روپہ تعداد کرتے۔ اُس

مطلب میں وزیر خارجہ ایک شائدانی تھے۔ مجھے چین میں۔۔۔ چینی حکومت کے تعاون حاصل تھا اور میں اُس تعاون کو کا اُمید لانا چاہتی تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ میرے ساتھ ہر ممکن تعاون کیا جائے گا۔ افسرِ مہمان داری نے ٹیلیفون پر مختصر سی گفتگو کی پھر ریسپونڈ کر ڈیل پر دیکھ کر مجھ سے مخاطب ہوا۔ ”مخبرم وزیر خارجہ اپنی قیام گاہ پر آپ سے ملنے کے منتظر ہیں۔ آپ کتنی دیر بعد تشریف لے

چلیں گی؟“

”بائبل ابھی“ میں نے جلدی سے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

میں نے بالائی تبدیل کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔

افسرِ مہمان داری نے اپنے ناموں میں سے ایک کو اشارہ کیا اور وہ اٹھ کر باہر چلا گیا۔

اُسی وقت رضوان نے مجھے سوالیہ نگاہ سے دیکھا جو اب تک خاموش بیٹھا رہا تھا۔

”میں مخبرم وزیر خارجہ سے ملاقات کرنے اُن کی قیام گاہ پر جاری ہوں۔ تم جاہلو ہو چکے ہیں میرا خیال ہے کہ چینی زبان سے

مواضعیت سے مدد بھی کر سکتے ہو؟“

جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

رضوان کو اُس فوری ملاقات کا

حق۔ وہ اتنا اچھی سمجھتا تھا کہ میں کہا جا

”ٹھیک ہے میں میں رہتا ہوں

گوشش کیجیے گا“ رضوان بولا۔ غالباً وہ

ساتھ جانے سہی ہے۔

کیسٹ ہاؤس کے پارکنگ میں

منتظر تھی۔ غالباً افسرِ مہمان داری کے ایک

جاگرواؤں کو بتا دیا تھا کہ ہم اُن سے

کیسٹ ہاؤس میں مل کر گئے اور صاف

ہمراہ کا رہا تھا۔

پینک کی گنگناہٹ جاگتی تھی۔

اپنے خیالوں میں گم خاموش بیٹھی رہ

کار مختلف شاہراہوں سے گز

مجھے وزیر خارجہ کی قیام گاہ دیکھ کر کھ

سامکان تھا۔ نہ کوئی زیب و زینت

دہلی میں نہ کیسٹ پر پیرے دروازے

ماریت کے صدر دروازے پر

کار دوڑنے پر بیچ کر گزرتی

افسرِ مہمان داری نے کار کے دروازے

کیا اور اُس سے جھانک کھولنے کے

کھول دیا اور ایک طرف ہٹ کر

مخبرم وزیر خارجہ عمارت کے

اُن دیکھ کر غصاٹا مسکرایا اور احتراماً ذرا سا

کے باوجود جاتی و چونک کر کھڑا

مہلیں اُنے والے حادثے کی تصدیقات اپنی

نے مجھے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے

پہلے اُمین نواریاں بلا لیا ہے تاکہ آپ حالات

سکھیں۔ یہ کہہ کر وزیر خارجہ صوفے پر بیٹھ گئے۔

میں اور ایک باہر چلی شینگ کی جانب دیکھا۔

اُس کی چمک اور شائے کی روشنی تھی، اُس

نوع بھی جو طولی تجربے سے حاصل ہوئی ہے۔

لکھنؤ کی ہوئی مسرتی شینگ اُمین نے

ہمراہ کا رہا تھا۔

ہمراہ کا رہا تھا۔

ہمراہ کا رہا تھا۔

ہمراہ کا رہا تھا۔

ہمراہ کا رہا تھا۔

ہمراہ کا رہا تھا۔

ہمراہ کا رہا تھا۔

ہمراہ کا رہا تھا۔

ہمراہ کا رہا تھا۔

ہمراہ کا رہا تھا۔

ہمراہ کا رہا تھا۔

ہمراہ کا رہا تھا۔

ہمراہ کا رہا تھا۔

ہمراہ کا رہا تھا۔

طوت دیکھا۔ غالباً اُن کا مقصد یہ تھا کہ میرے سوال کا جواب لی شینگ

کو دینا چاہیے۔

”میں ہاں ہوں“ لی شینگ فوراً بولا۔ اب مخبرم وزیر خارجہ سے

ضروری گفتگو کر لیں، اُس کے بعد آپ فرمائیں گی کہ میں اور

اگر محرم دیں گی تو آپ کے ہمراہ کیسٹ ہاؤس چلی کر آپ کو تمام

تفصیلات واقعات سے آگاہ کر دوں گا“

میں نے سوچا کہ دہلی گفتگو کر کے وزیر خارجہ کا وقت برابر

کرنے کے لیے جو حاصل نہیں اس لیے یہی بہتر ہے کہ میں لی شینگ کو

اپنے ہمراہ کیسٹ ہاؤس لے جاؤں اور وہیں تفصیل کے ساتھ

گفتگو کروں۔ یوں بھی وزیر خارجہ سے ملاقات کا مقصد حاصل ہو

چکا تھا۔ یہی سوچ کر میں بولی ”بہتر ہے یہ کہ آپ میرے ہمراہ نہیں“

”میں نے لی شینگ کو محکمہ سے دیا ہے کہ وہ آپ کے ساتھ

مکمل تعاون کریں“ وزیر خارجہ نے کہا۔

اُسی دوران میں ایک ملازم چائے کی ٹرالی لے آیا۔ افسرِ مہمان داری

نے چائے پانی اور سب کو پیش کی۔

چائے پینے کے بعد میں نے وزیر خارجہ سے رخصت کی اجازت

چاہی۔

”آپ جس وقت چاہیں مجھ سے دفتر یا گھر پر رابطہ قائم کر سکتے

ہیں“ وزیر خارجہ نے مجھے رخصت کرتے ہوئے کہا۔

میں افسرِ مہمان داری اور لی شینگ کے ہمراہ دوبارہ کار میں

اگر بیٹھ گئی۔ اُس وقت رات کے ساڑھے نو بجے تھے۔ یہ تھے ہمارے دوبارہ

کیسٹ ہاؤس کی طرف روانہ ہو گئی۔

گھیسٹ ہاؤس پہنچ کر میں نے اور رضوان نے افسرِ مہمان داری

کے۔۔۔ یہ پہلے ہی کہنا تھا ”مجھے چاہیے کہ اپنے گھر گفتگو کر سکتے

ہوئی۔ میں کھانے کے دوران ہی میں رضوان کو مالات سے آگاہ

کر چکی تھی اور اب وہ تفصیلات جاننے کے لیے بے چین تھا۔

افسرِ مہمان داری گفتگو شروع ہونے سے قبل ہی اجازت لے

کر رخصت ہو چکا تھا اور اب میرے اور رضوان کے علاوہ کمرے

میں صرف لی شینگ ہی تھا۔

”اُس حادثے کی نوعیت کیا تھی جو رضیہ کو پھینک دیا؟“ میں نے

لی شینگ سے سوال کیا۔

لی شینگ نے چند لمحوں کا سوچا، پھر جواب دیا ”اُن کی تحویل میں

ایک سرکاری کار تھی۔ وہ اکثر گود و نواح کی سیر کرنے کی کار میں جایا

کرتی تھیں۔ عام طور سے کوئی نہ کوئی اُن کے ساتھ ہوتا تھا لیکن کبھی

کبھی وہ تنہا بھی ہوتی تھیں۔ ایسے ہی ایک موقع پر اُن کی کار کو

اک لکھ کی گنگناہٹ موجود ہے؟“ میں

میں وزیر خارجہ نے لی شینگ کی

سے آزاد کیا گیا۔ غالباً اُن کی عدم موجودگی میں کوئی شخص کار کے
بجائے میں ناظم کو رکھ گیا تھا جس کے پھٹنے سے ڈرائیور کی بیدار
اگر کسی اور قانون ڈرائیور کے پٹے اُٹھ گئے؟
”خاتون ڈرائیور؟“ میں نے چونک کر کہا کیا وہ رضیہ نہیں
تھی؟“

”غالباً وہ آپ کی بہن ہی تھیں۔ لی شینگ بولا یہ کیکر لاش
سب سے پہلی تھی اُس لیے اُس کی شناخت پہنچے کچھ مال اور جسم پر
موجود دوسری آرائشی چیزوں کی مدد سے ہر کسی کو مرنے تصدیق کی
کر لاش کی انگلی میں دی انگوٹھی تھی جو مختصر رضیہ یا مینا کرتی تھیں۔
گھڑی کا کایک بھی مجمع تھا اور پڑے ہی دی تھے جو انھیں پہننے
پوئے پہلے ہی بیکھ گیا تھا۔ یہ تمام اشیاء آپ بھی دیکھ سکتی ہیں۔“
”عام حالات میں یہ اشیاء ثابت کے لیے کافی ہوتی ہیں۔“
میں نے قدر سے مایوسی سے کہا۔ ”لیکن یہاں سازش کا امکان
ہو دیاں ہر بات پر دھیان دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ یہ باتیں کہ
لاش کس حد تک مست جو بھی ہے؟ کیا جسم کا کوئی حقیقہ جلنے سے
نہیں بچ سکا؟“

”کچھ حتمی نہیں ہیں۔ لی شینگ نے جواب دیا۔ وہ کاشاں
تھا اور کار کے ساتھ ہی لاش کے بھی برچھے اُٹھ گئے تھے۔ لاش کے اُٹنے
دالے تھے جلنے سے بچ گئے تھے۔ اُنہی میں بالیاں ہاتھ ہے۔ اُنسی
ہاتھ کی ایک انگلی میں انگوٹھی تھی اسی ہاتھ پر قیصر کا کچھ حصہ بھی چرنا
رہ گیا تھا۔“

”میں اُن چیزوں کو ایک نظر دیکھنا چاہتی ہوں۔“ میں نے
لی شینگ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ضرور! وہ بولا۔ جب آپ چاہیں یہ ممکن ہے۔ اگر سفر کی
تفصیل نہ ہو تو آپ ابھی مل سکتی ہیں۔“

اُس میں کوئی شک نہیں کہ مجھے واقعی سفر کی تفصیل تھی چاہو
سے پکینگ آئے نہ کہ مجھے مریک سیدھی کرنے کا موقع نہیں ملا
تھا لیکن رضیہ کی سلامتی مجھے بے حد عزیز تھی۔ اُس کی طرف سے مطمئن
ہوئے بغیر میں بھلا کیسے سکون کا سانس لے سکتی تھی! میں نے رضوان
کی جانب دیکھا۔ اُس کے چہرے پر گہری کسبجیدگی تھی اور جب سے
اخبار ہو رہا تھا کہ وہ سب کچھ جاننے کے لیے مضطرب ہے۔ میرے
اور لی شینگ کے درمیان چینی زبان میں گفتگو ہو رہی تھی۔ مجھے علم
نہیں کہ لی شینگ کوئی اور زبان بھی جانتا تھا یا نہیں۔ لیکن میں
نے اُس سے پہلے ہی ضروری نہیں سمجھا تھا۔ چینی زبان میں رضوان
کے لیے انہی تھی اُن لیے اُسے حالات سے آگاہ کرنا ضروری تھا۔

میں نے ہی سوچ کر لی شینگ سے منہ
ساتھ کو بھی حالات سے باخبر کر دیا کہ کیکر
جانتے۔ یہ بھی وہی وہی کے لیے اتنے ہی فکر مند
میں نے اب تک رضوان سے لی شینگ کا
”کہیں“ کا نام سنا تھا۔

انگریزی بولنے کی کہا اور میں چونک کر
”لیکن آپ انھیں کیسے جانتے ہیں
انگریزی زبان میں پوچھا کہ وہ انگریزی بول
”پہلی انٹیلی جنس کو آپ کے اور آ
تمام ضروری معلومات حاصل ہیں۔ لی شینگ
دیا۔“ اُنہی حال میں ہی آپ کے سفر پر
رضوان کا آگیا تھا۔ کیکر کو بھی اُنہی
معلومات پر جمع ہیں تو یہ مختصر رضیہ باز
لی شینگ واقعی ایک اہل
بھری دیکھنے کے لیے دیکھا اور بولی۔ ”اگر
انگریزی بھی جانتے ہیں تو میں آپ
تا کہ میرے ساتھ کوئی گرفت نہ ہو۔“
”چینی زبان کے علاوہ ہاتھ
لازمی ہے کہ وہ زبان کو دیکھ سکا
نے۔“ میں نے اُس کی طرف اشارہ کیا۔
”طویل عرصے کے بعد کسی غیر ملکی
ہی ہوئی۔“

رضوان بھی یہ جان کر کسی
کی دوبارہ اب ہمارے درمیان مارا
سے جس زبان میں جانتے گفتگو
سب کچھ بتا دیا اور آخر میں بولی
کے ساتھ چل کر وہ تمام چیزیں
ہے۔“

رضوان کو کچھ کیا اعتراض
تو گئی ہوئی تھی اور دل کی گئی
میں اور رضوان دونوں
پر تیار ہو گئے حالانکہ اُس کا
ہم گیسٹ ہاؤس سے
ہمارے لیے ہی مخصوص کر دی گئی
دیکھ کر مستعد ہو گیا اور اُس

فرمان کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے اور لی شینگ
والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ لی شینگ بیٹھتے ہی ڈرائیور
کار روانہ ہو گئی۔

میں سیٹ بعد کار ایک عمارت کے احاطے
اور عمارت تھی جہاں پینس دیواروں کا شمار
لاہل کر سیٹ مارڈم کے لیے محفوظ رکھی تھی۔
اگر مرنے والے کی طرف بڑھے عمارت صاف تھری
لی شینگ اُس کے آگے تھا۔ میں اور رضوان اُس کے
انچھال ایک چھوٹے سے صاف تھرے کرے

میں مرنے والے کے کمرال کی رہنمائی میں ایک
میں گئے۔ کمرال ہیں اُس جگہ تک لے گیا جہاں
میں نے دیکھا تھے جنھیں میری بہن کی لاش کا ٹکا

کہاں بھی حقدار حالت میں نہیں تھا جس سے
میں ہوتی۔ نہیں یہ تسلیم کر سکتی تھی کہ وہ رضیہ کی
دیکھ سکتی تھی کہ حقدار کا شکار ہونے والی میسری
ن ایک ہاتھ جمع سلامت تھا۔

میں نے دیکھا کہ لیے ایک قدم آگے بڑھی اور
میں نے دیکھا کہ میری آنکھوں میں آنسو آگئے تھے
میں نے دیکھا کہ میں یقین سے کہہ سکتی تھی کہ وہ

میں نے دیکھا کہ اُس کی بے نصیبی کی تھی۔
میں نے دیکھا کہ اُس کا ہاتھ ایک انگلی میں دی
میں نے دیکھا کہ اُس کی ہاتھ کے کچھ دھجیاں
میں نے دیکھا کہ اُس کی ہاتھ کے لیے قلعی اچھی تھا۔
میں نے دیکھا کہ اُس کی ہاتھ کے لیے قلعی اچھی تھا۔

میں نے دیکھا کہ اُس کی ہاتھ کے لیے قلعی اچھی تھا۔
میں نے دیکھا کہ اُس کی ہاتھ کے لیے قلعی اچھی تھا۔
میں نے دیکھا کہ اُس کی ہاتھ کے لیے قلعی اچھی تھا۔
میں نے دیکھا کہ اُس کی ہاتھ کے لیے قلعی اچھی تھا۔

اور مجھ کو سخت مزاحیہ جلنے کی دینے کیا آپ بے پنے سین کا
سبب بتا سکتے ہیں؟“
”دہائیں ہیں۔“ میں نے جوابا کہا۔ ”ہاتھ پر جوٹ کا نشان ہے“

یہ اس بات کو حاکم کرنا ہے کہ ہاتھ کسی چیز کے لیے دب کر ٹوٹا ہے
ایسا اُنسی صورت میں ممکن تھا کہ گرتے وقت ہاتھ جسم سے جدا ہوتا
کیونکہ کسی صورت میں ہاتھ مرنے کو جسم کے نیچے اٹکنا تھا اور جسم کے بوجھ
سے ٹوٹ کر اس طرح مڑ سکتا تھا جیسا نظر آ رہا ہے۔“

لی شینگ نے غور سے لاش کے بائیں ہاتھ کو دیکھا۔ پھر سر
ڈالا ہوا بولا۔ ”آپ کا شاہد دست معلوم ہوتا ہے۔ مرنے کی کتنی ہی شہید
ہو لیکن ہاتھ اس طرح صاف دیکھ کر ہی مڑ سکتا ہے۔ غالباً یہ کیکر
چاہتی ہیں کہ کیکر کا دھماکا ہونے سے قبل ہی ہاتھ ٹوٹ چکا تھا۔ اگر
یہ فرض کر لیا جائے تو اور بہت سے نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں۔ مثلاً
میں نے دیکھا کہ اُس کے ہاتھ کے اُٹنے والی شخصیت پہلے ہی شدید زخمی
تھی یا۔۔۔“ لی شینگ کچھ کہتے کہتے دیکھ کر سوچنے لگا۔
”یاد رہے تھی۔“ میں نے اُس کا جلد پر کر دیا۔

”لیکن اس سے یہ بات تو ظاہر نہیں ہوتی کہ یہ ہاتھ آپ کی بہن
کا نہیں۔“ لی شینگ بولا۔

”میں نے ابھی دو باتوں میں سے ایک کا اظہار کیا تھا۔ میں
مسکرا کر بولی۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ میری بہن کے جسم پر سنہری
بال نہیں تھے بلکہ اُن میں واضح طور پر سیاہی بھکتی تھی۔ اس ہاتھ
پر سنہری رُوں ہے اور اُن میں سیاہی قلعی تھیں جھلک رہی۔“
”آپ کو یقین ہے؟“ لی شینگ نے مزید تصدیق چاہی۔

”یہ بات تو مجھے بھی خود محسوس ہوئی تھی۔ میری بہن کے خوں
بول اٹھا میں اور لی شینگ کیونکہ انگریزی زبان ہی میں گفتگو کر
ہے تھے اس لیے رضوان ہلادی باتیں اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔
”میں کو تو میں نے لباس کا ٹکڑا اور انگوٹھی ہی لے جا کر دکھائی
تھی وہ لیکن ہے وہ بھی یہ بات محسوس کر لیتی کہ مرنے والی آپ
کی بہن نہیں ہے اور آپ کو غلط خبر سے جو مدد پہنچا جوگا، وہ نہ پہنچتا۔“

لی شینگ مذمت آمیز لہجے میں بولا۔
”میں کو اب کیسی حالت ہے؟“ میں نے دیکھا کہ اُس نے پوچھا۔
”وہ تیزی سے صحت یاب ہو رہی ہے۔“ لی شینگ نے بتایا۔
”اب تو اُس نے ملنا چھڑنا بھی شروع کر دیا ہے لیکن چند دنوں
ابھی نہیں کھائے۔“ اُنہی کے کہنے پر میں نے جو زخم آگیا تھا، شاید وہ
کچھ گیا تھا۔ اُس کے بعد لی شینگ نے تفصیل سے مرنے والے کا حال

ہے کہ اب یہاں سے چلا جائیے۔
 میں نے بھی اُس کی تائید میں کہا کہ اب یہاں ٹھہرنا افضل ہے۔
 ہم حملت سے باہر نکلے۔ میں نے گھڑی میں وقت دیکھا تو معلوم ہوا نصف شب گورنگی ہے۔ یہ جاننے کے بعد کہ وہ لاش رضیہ کی نہیں تھی مجھے بڑی حد تک اطمینان ہو گیا تھا مگر اس کے باوجود مجھے رضیہ کی طرف سے قتل کی کوئی کہانیاں اور اس حال میں ہے! ہم سب کار میں بیٹھ کر نکلے گئے اور کار گیسٹ ہاؤس کی طرف روانہ ہو گئی۔ رضوان اور میں پچھلی نشستوں پر بیٹھے تھے۔ لی شینگ ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر آگے بٹھا تھا۔
 ”در اصل بنیادی فطرتی پولس سے ہوئی لی شینگ اپنی نشست سے نکلے ہوئے میری طرف دیکھ کر بلا وجہ پولس نے یہ اعلان کیا کہ حادثہ کا شکار ہونے والی رضیہ بازو ہیں تو حکومت کو اس مسئلے میں دخل دینا پڑا، کیونکہ وہ بین حکومت کی مہمان تھیں اسی لیے حادثے کی اطلاع فوری طور پر آپ کو دینی پڑی۔ میں اس مسئلے میں اپنی حکومت کی طرف سے معذرت خواہ ہوں۔“
 لی شینگ کچھ زیادہ ہی شرمندہ ہوا تھا۔ میں نے اُس کی تسلی کے لیے کہا کہ کوئی بات نہیں! مجھے تو ایک کچھ بھی یقین نہیں آیا تھا کہ کیری بن ہول ہلاک کی جا سکتی ہے۔ اب مجھے اپنے اندازوں اور یقین پر غور ہو رہی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اس مسئلے میں اب تک آپ نے جو معلومات حاصل کی ہوں ان سے مجھے آگاہ کر دیں۔“
 لی شینگ نے ایک طویل سانس لیا، پھر بولا، ”آپ بہت مہربان قانون ہیں۔ مجھے اندازہ تھا کہ آپ تفصیلات جاننا چاہیں گی، اسی لیے میں نے اب تک حاصل ہونے والی تمام معلومات ایک رپورٹ کی صورت میں مرتب کر کے رکھ لی تھیں۔ میں آپ کو اور رضوان صاحب کو اس رپورٹ کی ایک ایک نقل دے دیتا ہوں۔ اگر اس کے مطالعے سے بھی کچھ شکی باتیں باقی رہیں تو میں آپ کے سوالوں کا جواب دینے کی کوشش کروں گا۔ کل صبح میں دوبارہ آپ سے ملنے آئی تھی۔ جو کتاب ہے کہ اُس وقت میں آپ کو کوئی اچھی خبرنا سکوں۔ اگر آپ کو فوری طور پر میری ضرورت ہو تو اس نمبر پر ہونگ کر لیں گے گا جو رپورٹ کے پہلے صفحے پر تحریر ہے۔“
 اس دوران میں کار گیسٹ ہاؤس کے احاطے میں نہ ہو گئی۔ لی شینگ میرے اور رضوان کے ہمراہ کار سے اتر کر

گیسٹ ہاؤس کی عمارت کے دروازے
 رخصت ہونے سے قبل انبارت کیس کہ
 ایک ایک نال تھادی۔ ان نالوں میں
 نقل تھی جو اُس نے رضیہ کے بارے میں
 رضوان اور میں کی شینگ کی رہائی
 داخل ہونے کے بعد ہم اپنے کمروں کے
 اور مستند پایا۔ میں نے ایک ملازم کو بلانے
 رضوان کو ساتھ لیے اُس کمرے میں داخل
 تھا۔
 رضوان اور میں صرف پریم دروازے
 چڑھنے کی جتنی بے چینی تھی وہاں
 پریم دروازے پر اُس نے بھی میری طرف
 پڑھنا شروع کر دیا تھا۔
 رپورٹ کے پہلے ہی صفحے پر لی شینگ
 نمبر درج کیا تھا جس پر اس سے رابطہ قائم
 رپورٹ کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ رپورٹ کا
 پینکٹ میں وارد ہونے کے بعد کئی
 طرف سے فکرمند رہی۔ اُس نے اپنا بازو
 غمراہ ہو کر حالت سنبھلنے کی کوشش
 پینکٹ کے سر شروع کر دی۔ اُس کی دھڑ
 اُس کے لیے ایک چھوٹی کار کا انتخاب کر دیا۔
 کوئی حقہ ممبر کے پاس گزار دی تھی اور اس نام
 دیکھنے چلی جاتی تھی۔ حفاظت کے خیال
 پولس پولس افسر رضیہ کی نگہانی پر لگا دینے
 تھی درجہ رضیہ کی پینکٹ میں کوئی فخرہ دل تھا
 باری رضیہ کی عزت کرتے تھے۔ جب تک
 کمرے میں نہیں جلی جاتی تھی، ان پولس افسروں
 کی طرح اُس کے ساتھ لگا رہتا تھا کیونکہ اُن
 تھی اس لیے پولس افسر کی قسم کی رپورٹ
 رضیہ کی نقل حرکت بہ نظر رکھنا ان کا مقصد
 تھ کہ سکتے تھے کہ رضیہ کی خاص دلچسپی
 کس طرح وقت گزارا، جب حادثے کے
 کوئی کوئی کہ رضیہ کی فوج میں تودہ موت
 دونوں میں رضیہ، یوگوسلاویہ کے ایک

میں نے طائفے کی ایک رکن سے
 طائفے کی اُس لڑکی کو اپنے ساتھ گیسٹ ہاؤس
 میں لے گئے اُس لڑکی کے ساتھ گزارے۔
 بعد یوگوسلاویہ سے وارد ہونے والے اُس طائفے
 (چاپا) کا ایک دن پہلے رضیہ کی وہ سہیلی
 اُس لڑکی نے اپنے چوٹی کی کھڑکی سے کود کر
 اُس کی وجہ سے فریڈ سے کشیدگی ظاہر کی گئی
 گیسٹ میں ایک ممبر وہ خط ملا تھا جس میں
 وہ لگا رہا تھا اور خود طائفے کا سبب لکھا تھا۔ مرنے
 کے بعد طائفے کے سربراہ نے تصدیق کی تھی کہ وہ
 ایک تھی۔
 ہم آفریں جانے کی تفصیل تھی۔
 طائفے اُس دن رضیہ نے ممبر سے ملاقات
 ایک اور چوٹی کی تھی۔ چوٹی کے استقبالیہ
 کے دوران میں بتایا کہ رضیہ نے اُس چوٹی میں
 اُن دن کے بارے میں پوچھا تھا۔ اُس دن
 وہ اپنے طریق کی طرف سے غصے میں تھی اس
 سے مایوس ہو رہا تھا۔
 اُس دن کے بارے میں مرنے اپنا پتا چلا تھا
 رول کی نظیر بنانے سے متعلق تھا۔
 اُن دن کے بارے میں یہ مختصر سا حوالہ ہی میرے
 ہر دروازے کے لیے کافی تھا۔ اگر معاملہ فلسطینی
 تھا تو دنیا میری بہن کسی لیے جیکب کی پرگنی
 تھی طرح جاتی تھی کہ عرب اسرائیل جنگ اب
 عرب علاقوں تک محدود نہیں رہی تھی بلکہ
 کہ صورت میں دو دروازے تک پھیل چکی
 تھی۔ یہ دو دروازے کو وسیع کرنے کا تھا اور اس
 طرح سے عربوں پر۔ اسرائیل کو ممبر
 (ممبر) حیات حاصل تھی۔ اسے جس چیز کی ضرورت
 تھی وہاں میری جاتی تھی مگر عربوں کے پاس
 ہونے کے باوجود اس کو بارود حاصل کرنے کے
 امان تھے۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ اسرائیلی
 اُن تھی۔ عرب اہل کے تفرقوں کو فرو کرنے
 وہ جلیا کے متعلق تھے۔ اگر کچھ کچھ ایسی کوئی

کوشش کی بھی جاتی تھی تو اسرائیلی کسی نہ کسی طرح کوئی نہ کوئی نیا
 مسئلہ کھڑا کر دیتے تھے اور عرب اتحاد کو کمزور چاہتا تھا۔ اسرائیل سے
 نبر آزما ہونے کے لیے جو کچھ تھوڑی بہت بڑا جہد میں وہ ملاٹھن
 فلسطینیوں کے ذمے سے تھی مگر وہ خلیفہ بن الاواکی صیہونی تنظیم
 کے مقابلے میں بہت کمزور تھی اسی لیے اُسے قدم قدم پر بڑا اٹھائی
 پڑتی تھی۔
 میں نے رپورٹ کا البقیہ حصہ پڑھا۔
 رپورٹ میں لکھا تھا کہ رضیہ فلسطینی وفد سے ملاقات نہ
 ہونے پر گیسٹ ہاؤس کوئی تھی۔ گیسٹ ہاؤس پر چڑھ کر اُس
 نے یوگوسلاوی ثقافتی طائفے سے سیلفیون پر رابطہ قائم کیا تھا۔ ممبر
 کیونکہ گیسٹ ہاؤس کے سیلفیون آپریشن نہ دیا تھا اس لیے اس
 بات کی تصدیق ہو گئی تھی۔ رضیہ نے غالباً سیلفیون پر ملنے
 کے کسی رکن سے بات کی تھی اور اُس سے رضیہ کو اپنی سہیلی کے
 انتقال کی اطلاع ملی تھی۔ یہ محض اندازہ تھا کیونکہ سیلفیون پر گفتگو
 کرنے کے بعد رضیہ گیسٹ ہاؤس سے نکلی تھی اور اپنی کار میں بیٹھ
 کر اُس چوٹی کی طرف روانہ ہو گئی تھی جہاں یوگوسلاوی طائفہ ٹھہرا
 ہوا تھا۔ اُس نے طائفے کے سربراہ سے مل کر کوشش کی تھی کہ وہ
 اپنی سہیلی کی لاش دیکھ سکے لیکن لاش پوسٹ مارٹم کے بعد طائفے
 میں موجود ڈاکٹر کے حوالے کر دی گئی تھی۔ ڈاکٹر کے ذمے یہ کام تھا
 کہ لاش کو منظر کرے تاکہ وہ ہوائی سفر کے لائق بنائی جا سکے۔ مرنے
 والی کی لاش یوگوسلاویہ میں اُس کے رشتے داروں تک پہنچائی جانے
 والی تھی۔
 اُسی چوٹی سے دیکھی میں رضیہ کو حادثہ پیش آ گیا تھا۔
 رپورٹ کے ساتھ اُس پولس افسر کا بیان منسلک تھا جو
 اُس وقت رضیہ کی نگہانی کر رہا تھا۔ میں نے وہ بیان پڑھنا شروع
 کر دیا۔
 ”میں محترمہ رضیہ بازو کا انتخاب کر رہا تھا جو کسی سے ملنے چوٹی
 میں گئی تھیں۔ میں نے اطمینان کر لیا تھا کہ اُن کی کار چوٹی کے احاطے
 میں ایک جگہ کھڑی ہوئی تھی۔ میں خود چوٹی سے باہر ہوا تھا اور اپنی
 موٹر سائیکل کو صاف کر رہا تھا جو گھر آ کر وہ چوٹی تھی۔ تھوڑی تھوڑی
 دیر بعد میں چوٹی کی طرف دیکھ لیتا تھا۔ مجھے بس اپنا تک یہ محترمہ
 رضیہ بانو کی کار حرکت میں نظر آئی جو آندھ طوفان کی طرح چوٹی کے
 گیسٹ سے نکلی تھی۔ میں نے گھبرا کر اپنی موٹر سائیکل شارٹ کٹ کر
 تیزی سے کار کا پیچھا کیا۔ کار طوفانی رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ رفتار

تیز کر کے میں نے کار کے قریب پہنچا یا ہوا۔ ملاحظہ ہوئے لگا لکین
میں کار کے قریب نہیں پہنچ سکا۔ سر نہیں سناں تھیں۔ کار کا
رُخ شہر سے باہر کی طرف تھا اور وہ بڑی شاہراہوں کا چھوڑتی
ہوئی چھوٹی سڑکوں کے گزرتی تھی۔ ایک موٹر بوائے کی
کامیوٹی نظر سے اوجھل ہو گئی۔ جینڈرول بعد میں موٹر بوائے کو پیچھے
کار نظر آئی۔ اب اس کی رفتار کم ہو چکی تھی۔ معاً ایک ڈریسٹ
دھماکا ہوا اور کار کے پیچھے اڑ گئے۔ میں کار کے قریب پہنچ چکا
تھا اس لیے دھماکا مجھ پر بھی اثر انداز ہوا اور میں موٹر سائیکل سے
گھر چڑھا۔ پھر بیس ہوش ہو گیا تھا۔

پورٹ سے معلوم ہوا کہ اس پولس اسٹرک کوئی چوریں آتی تھیں
اور دو بکن ہسپتال میں رہتا تھا۔ اس بیان کا اس نے کار سے کسی
کو کوڑے نہیں دیکھا تھا۔ ڈاکٹر کی اس نے شخص ایک جھٹک دیکھی
تھی۔ وہ یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ ڈاکٹر کیوں کر والی رضیہ ہی
تھی یا کوئی اور تھا۔

پورٹ کے آخر میں ایک مختصر سی تحریر تھی جس میں یہ اطلاع تھی
کہ ناشے والے دن کسی نے ٹیکسٹ ڈاؤس کے اس نمبر کے کتا بھیجی
لی تھی جہاں رضیہ کا قیام تھا۔ یہ بات رضیہ کا سامان دیکھ کر بتا چکی تھی۔ یقین
سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ کتا بھیجے والا یا لے جانے والی چیز اپنے ساتھ
لے بھی گئے تھے یا نہیں!

رپورٹ کے ساتھ ہی کچھ اور تفصیلات بھی تھیں۔ ان میں ڈاکٹر کی
طائفے کے بارے میں کئی معلومات لازم کی گئی تھیں۔ طائفے کے تمام
ارکان کے نام، مختصر سوانح اور طائفے کے آئینہ تمام ڈاکٹر کی پوری تفصیل
موجود تھی۔ اس کی تمام تفصیلات ڈاکٹر کے بارے میں بھی تھیں۔

جب میں رپورٹ کا جائزہ لے رہی تو مرنان کی جانب دیکھا اور
مجھ سے پہلے ہی رپورٹ پر چڑھ چکا تھا اور اب یوں ہی رپورٹ کے
مضمون اٹھ اٹھ کر دیکھ رہا تھا۔ شاید اس لیے کہ میں بھی رپورٹ پر چڑھ
لوں تو کوئی بات کرے۔ میں نے اس کی جانب سوائے نگاہ سے دیکھا۔
"کیا خیال ہے تمہارا بابت میں نے کیا۔"

"رضیہ نے شاید چھوڑنے کے جھٹے میں اندھ ڈال دیا ہے۔ اس کے
لیجے میں تلوٹیں تھیں۔"

"سوچنا ہے کہ اس وقت وہ کہاں ہوگی؟" میں بولی۔
"اور یہ بھی سوچنا ہے کہ اسے انکار کرنے کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟"

مرنن نے بات کسمے کرے۔
"میرا خیال ہے کہ رضیہ نے ڈاکٹر کی طائفے میں بلا سبب دلچسپی
نہیں لی ہوگی یا تو اس نے ڈاکٹر کی لڑکی کے اسے دوست بنایا ہو گیا

وہ پہلے سے دوست ہیں گی۔"
"میکار رضیہ بھی ڈاکٹر کی لڑکی ہے؟"
"شاید نہیں، لیکن نے جواب دیا۔
"مگر اسے ممکن ہے وہ اس کے لڑکی کی بہن
ایک میں لڑکی شہر ہے۔ وہاں ہرگز کے۔
"وہ اتنے جانتے ہی رہتے ہیں؟"
"واقعات کا سلسلہ کچھ یوں ثابت ہے کہ
دفعہ سے رابطہ پیدا کرنے کے لیے رضیہ کی
آرائی کی۔"

"ناباؤہ لڑکی ڈاکٹر کی لڑکی کے لیے اس
ذریعہ کو اپنی اہم بینا ڈاکٹر کی طرف سے
کے بہرہ کرنا چاہتی تھی مگر اسے شہرہ ہوا
وہ شاید ان افراد کی نظر میں آئی تھی جس کے
اس نے محسوس کیا ہوا کہ ڈاکٹر کی لڑکی کے
صورت میں اسے ختم کر دیا جائے گا اس
چاہا۔ میں نے مرنان کے خیال کی مدد کی۔
"اسی لیے پہلے اس کی کو ختم کر دیا
مطلوبہ شے بہرہ کرنا ہوئی تو وہ لوگ
میری بات کھل کر دی۔"

"مجھے یقین ہے کہ ایسی صورت نہیں
کیا ہوگا کہ صرف ان لوگوں کو ہرگز وہ لوگ
کے بارے میں معلوم کریں گے جو انہیں ملے
سمجھتے ہو؟ میں نے مرنان کی جانب اس
میں سر ہلایا تو میں پھر بولی۔ "میں سمجھتی ہوں کہ
رضیہ کو زیادہ دن نہیں چھپا سکیں گے۔ اس کے
میں ایک امکان ہے کہ وہ کہہ کر وہ نہ کرے
ان افراد کی نشاندہی نہ کرے۔ ان حالات
تلاش کرنا چاہیے۔"

"لیکن یہ کام صبح سے پہلے ممکن نہیں
کے دو بج رہے ہیں۔"

"ہاں یہ مجھوری ہسپتال ہے۔ میں
تو پھر یہ اپنے کام کا آغاز ہی
آؤ کھڑا ہوا۔"

مرنن تو ہلایا مگر شے کافی دیر نہ
میں جاگ بھاڑا ہوا! میں نے سر ہار دیا

میں نے کہا کہ پہلے نہ گئی۔
"میں بیدار ہو گئی۔ میں نے اور مرنان نے ناشہ کر کے
میں میں لگائی تھی۔
"پہلے احساس تھا کہ لڑکی شہر سے ملنے آئے گا
لے لے گا تاکہ میں اس کا انتظار نہیں کر سکتی تھی۔
کی مرنان کا کا شہرہ کر دینا تھا۔
رات سوئے سے قبل ہی کہ لڑکی کا مجھے سب سے
لے لے کر رہا اور ڈاکٹر سے ملاقات کرنے کے لیے لڑکی
ہاں کام موجود تھا۔ وہ طائفہ مرنان ہوا تھا۔

میں نے اسے وہ کام جو وہ چاہتی ہو جیسی حکومت نے
لے لے کر کوئی تھی۔ میں نے ناشے کے دوران ہی
درا، اس کا کہ مجھے بار بار ہے تاکہ ڈاکٹر تیار ہے۔
مگر قریب قریب موجود تھا۔ میں نے اسے بولی کا
لے لے کر مرنان کے بہرہ کر دیا کہ چھل شہر سے پہنچی۔
"جہاں بولی کا نام اسلاید وہ نہیں تھا۔ ہم اسے گھنٹے

ماہ بے بولی میں داخل ہوئی۔ میرا رخ استقبال کی
ہیں سلی ٹینگ نظر آ گیا اور میں چونک پڑی۔ وہ
پہلا ٹھکر کر رہا تھا۔

"امی نے اس کے قریب پہنچ کر اسے مخاطب کیا۔
"اس کے کہہ سہرہ میرے کتاترت تھے۔ وہ
"اما، آپ شہر سے ہیں اور پھر وہ پڑیں؟"
"میں آئے گا وہ کیا تھا اور یہاں نظر آ رہے ہیں؟"

میں نے بزرگ ٹڈی ہی پھینچا۔ میں پھر اس کا
میں نے لڑکی ٹینگ بولا۔ آپ نابالغ لڑکی کے ڈاکٹر
ماہ کی بات کے جواب میں بولی۔
"میں ہاں ہے لیکن یقین کیجیے کہ وہ نابالغ دیر چھپانے

میں نے سختی سے میرا خیال ہے کہ اس کی شرارت میں
میں نے لڑکی ٹینگ بولا۔ آپ نابالغ لڑکی کے ڈاکٹر
ماہ کی بات کے جواب میں بولی۔
"میں ہاں ہے لیکن یقین کیجیے کہ وہ نابالغ دیر چھپانے

میں نے سختی سے میرا خیال ہے کہ اس کی شرارت میں
میں نے لڑکی ٹینگ بولا۔ آپ نابالغ لڑکی کے ڈاکٹر
ماہ کی بات کے جواب میں بولی۔
"میں ہاں ہے لیکن یقین کیجیے کہ وہ نابالغ دیر چھپانے

میں نے کہا کہ پہلے نہ گئی۔
"میں بیدار ہو گئی۔ میں نے اور مرنان نے ناشہ کر کے
میں میں لگائی تھی۔
"پہلے احساس تھا کہ لڑکی شہر سے ملنے آئے گا
لے لے گا تاکہ میں اس کا انتظار نہیں کر سکتی تھی۔
کی مرنان کا کا شہرہ کر دینا تھا۔
رات سوئے سے قبل ہی کہ لڑکی کا مجھے سب سے
لے لے کر رہا اور ڈاکٹر سے ملاقات کرنے کے لیے لڑکی
ہاں کام موجود تھا۔ وہ طائفہ مرنان ہوا تھا۔

میں نے اسے وہ کام جو وہ چاہتی ہو جیسی حکومت نے
لے لے کر کوئی تھی۔ میں نے ناشے کے دوران ہی
درا، اس کا کہ مجھے بار بار ہے تاکہ ڈاکٹر تیار ہے۔
مگر قریب قریب موجود تھا۔ میں نے اسے بولی کا
لے لے کر مرنان کے بہرہ کر دیا کہ چھل شہر سے پہنچی۔
"جہاں بولی کا نام اسلاید وہ نہیں تھا۔ ہم اسے گھنٹے
ماہ بے بولی میں داخل ہوئی۔ میرا رخ استقبال کی
ہیں سلی ٹینگ نظر آ گیا اور میں چونک پڑی۔ وہ
پہلا ٹھکر کر رہا تھا۔

"امی نے اس کے قریب پہنچ کر اسے مخاطب کیا۔
"اس کے کہہ سہرہ میرے کتاترت تھے۔ وہ
"اما، آپ شہر سے ہیں اور پھر وہ پڑیں؟"
"میں آئے گا وہ کیا تھا اور یہاں نظر آ رہے ہیں؟"

میں نے بزرگ ٹڈی ہی پھینچا۔ میں پھر اس کا
میں نے لڑکی ٹینگ بولا۔ آپ نابالغ لڑکی کے ڈاکٹر
ماہ کی بات کے جواب میں بولی۔
"میں ہاں ہے لیکن یقین کیجیے کہ وہ نابالغ دیر چھپانے

میں نے سختی سے میرا خیال ہے کہ اس کی شرارت میں
میں نے لڑکی ٹینگ بولا۔ آپ نابالغ لڑکی کے ڈاکٹر
ماہ کی بات کے جواب میں بولی۔
"میں ہاں ہے لیکن یقین کیجیے کہ وہ نابالغ دیر چھپانے

میں نے سختی سے میرا خیال ہے کہ اس کی شرارت میں
میں نے لڑکی ٹینگ بولا۔ آپ نابالغ لڑکی کے ڈاکٹر
ماہ کی بات کے جواب میں بولی۔
"میں ہاں ہے لیکن یقین کیجیے کہ وہ نابالغ دیر چھپانے

بر سرِ سر۔ جیسا ہے۔ دروازے کے بلکہ جسے میں کہا اور میں نے تاجدار کی۔
 علیا آپ نے ملنے کے سرواڑے ہستی کی تھی؟ میں نے لی شینگ
 کی طرف مڑا کر کہا۔

”میں نے اس سے گفتگو کی تھی مگر کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ لی شینگ نے
 جواب دیا۔ اس نے اپنے شاندار سے بیٹا ہر ایک تھا کہ وہ پیش آنے والے
 واقعات پر خود بہت زور دے۔ وہ ایک دیکھی ہوئی جیسا اور حقیقت
 بھی دیکھتی تھی۔ لی شینگ نے کہا کہ میں اب لوں ہے کہ کھانے کے ایک ایک
 دکن کو نظر میں رکھتا ہوں۔ اگر کوئی دکن سے غور و قرار سے کرم کا ٹکڑیہ
 بیٹھ کر اور دی پر نظر کرنے کے لیے دے دیا ہے اس کے علاوہ اخباروں
 میں بھی اس کے غصے کی اشاعت کا بندوبست کر دیا ہے۔ وہ جہاں کہیں
 بھی ہو گا زیادہ عرصے نہ چھپ سکے گا۔ چین بے یورپ نہیں جہاں چند
 ملکوں کے لیے چھپے چھپے برسوں کو پناہ دے دی جاتی ہے۔“

”یہ بھی تو ممکن ہے کہ کرم ایک سے زیادہ ہوں۔ میں نے خیال کیا کہ
 کیڑا اگر کوئی کڑی نذرہ لے کر آئے گا تو کیا اس طرح اس کے دوسرے
 ساتھی محفوظ نہیں ہو جائیں گے؟“

لی شینگ نے چند لمبے لمبے بات پر غور کیا۔ پھر ہر بار ہوا بولا۔ میں
 ممکن ہے۔ جو کرم چھانے کے لیے ایک اور قتل کوئی نئی بات نہیں ہوگی۔
 ”اب ڈاکو کا ملنا ملنا میری نظر میں ہے۔“ اس نے کہا۔ میں کچھ
 سوچتے ہوئے بولی کہ ایسا بندوبست ہو سکتا ہے کہ میں اور رضوان فوری
 توجہ دے کر اس کو پایا۔“

لی شینگ نے مجھے غور سے دیکھا۔ پھر بولا۔ ”کیوں نہیں آپ مجھے
 اپنا اور رضوان کو کا پورہ دے دیں۔ میں تمام انتظامات کر کے آپ کو
 مطلع کر دوں گا۔ اگر خیال ہے کہ شاید یوگوسلاویہ کے لیے فوری جہاز مل
 سکے۔ میں اس سے پہلے اپنے انسان اعلیٰ سے بات کروں گا۔ شاید وہ حکومت
 کے کسی مخصوص طبقے سے آپ کو یوگوسلاویہ بھیجے گا۔ انتظام کر دیں۔ اگر ایسا ہو گیا
 تو جیسا زیادہ سے زیادہ مل سکے آپ یوگوسلاویہ روانہ ہو جائیں گی۔“

”تو چھپ کر انتظامات کریں۔ میں نے طے کر لیا۔“ لی شینگ نے بھی گیا
 تو اس نے صرف اپنا ہی مقدم ہونے کا وعدہ کیا۔ لی شینگ نے اس کی شکر
 کے لیے رو دیا۔ کیا تھا؟

”یہ معلومات بغیر واکٹر کے بھی حاصل ہو جائیں گی۔ لی شینگ نے کہا۔

”میں نے کہیں اس کا رشتہ کا جبرائیل حردو ہوا ہو گا۔ یہ جبرائیل وکیل پانے
 والے کے نام اور پتے کے بغیر مگر کوئی نہیں ہو سکتا۔“

”یہ زنجیریں دیکھا۔ میں نے زنجیریں دیکھا۔“

لی شینگ نے کہا۔ ”میں نے لی شینگ
 بزرگ کیسٹ اڈس پہنچوں گی۔ آپ تعزیراً
 تاکہ اس کو رضوان اور ساپا پاس پڑے
 کا پتا چاہیے۔“

لی شینگ نے پتہ بتایا۔ پھر کہا۔ ”آ
 ہو چکی ہے۔“ لی شینگ نے کہا۔ ”میں شاید اسے ہائی
 میں اور جیٹے سنگوٹا ہوں۔“

”میں اب میں چلوں گی۔ میں ہا۔
 بھی میری تقلید کر۔“

لی شینگ کو ہم وہیں پر چڑھ کر چل
 میں نے اس میں بیٹھ کر ڈاکو کر
 اسٹاپ کر دی۔

پندرہ منٹ بعد کہ ایک اسپتال کے
 استقبال سے ہم نے مومو کو کمرہ
 سو رہی ہے۔ باہر ہر پوچھی ہے کہ ہم کہاں
 معلوم ہوا کہ مومو بیلار ہو چکی ہے۔

ہم بیٹھنے کے لیے پہلے چل پڑے
 زیادہ وقت نہ ہوئی کچھ کچھ کچھ
 مومو مجھے اور رضوان کو دیکھ کر خوش
 سے اُٹھ آیا۔ ہمیں نے اسے اس کا کوئی
 کے قریب پہنچ گئی۔ اس نے مجھے اپنے
 لیے اس نے اسے سنا۔ سنا۔ سنا۔

”میں نے اسے سنا۔ سنا۔ سنا۔“
 قریب دیکھی ہوئی ڈاکو میں سے ایک
 جب مومو کے دل کا تڑپنا لگا تو
 ہو چکی۔ رضوان نے اسے دیکھ کر اس کی ہانک
 برداروں کے برابر بیٹھ گئی۔

”کیا؟“ وہ جھجھکی پڑی۔ ”آپ... آپ...
 ہیں باؤ؟“ اس کے لیے مجھے یہ یقینی تھی۔

”میں میں پہلے کہی ہوں۔ میں نے کہ
 میں نے رضوان کی جانب سوال کیا۔

”جی! آج، اس نے کیسٹ اڈس کے ایک
 کو اسے سمجھا۔ اس نے اسے سمجھا۔
 کہ اس نے اسے سمجھا۔“

”میں نے جو تک کر لیا ہے وہی جیسا
 رہند نہیں کی تھی۔ میرے خیال میں وہ مومو
 کھی تھی لیکن گلدستہ بھیجنا میری سمجھ میں نہیں

”مجھے کے نیچے سے ٹپٹل کر پناہ پر اس کا پناہ
 ہاں کہ میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے مومو سے وہ
 کھی تھی۔ تحریر رضوان کی تھی۔ اس نے لکھا تھا
 سے لکھا۔ اس نے لکھا تھا۔“

”میں نے مومو کو تیس
 ہاں پھر کچھ نہیں۔“

”اگر اس طرح رضوان کی باہرانی ممکن ہو تو
 اس کو دن کے رضوان کی فوری حفاظت کے
 میں لیکن جب تک یہ انتظامات ہوتے
 ان کے لیے کچھ دیر بعد ہی اس کے انتقال کی خبر

”ہے؟ کیا تم نے اسے میسج دیا؟
 اس کے ساتھ آنے والے گلدستہ کو بھیج سکتی
 اس نے ایک جانب رکھی ہوئی اچھی کی طرف

”اس کی اچھی کی طرف ہے۔“
 لی شینگ نے اس کی طرف سے
 اس کا ایک گلدستہ رکھا۔ اس نے اسے
 بہروں کے نیچے میری توقع کے میں مطابق کچھ

”میں نے اسے سنا۔ سنا۔ سنا۔“
 لہذا اس نے اسے سنا۔ سنا۔ سنا۔

”میں نے اسے سنا۔ سنا۔ سنا۔“
 لی شینگ نے اس کی طرف سے
 لی شینگ نے اس کی طرف سے

”اب تحریر تو ہے مگر کسی غلطی میں لکھی گئی ہے۔ میں نے چاہا
 وہاں میں کو کوشش کروں تو شاید اس کو کچھ سمجھیں۔ میں کامیاب ہو جاؤں
 مگر اس سے فائدہ بھی کیا ہے؟ یہ جس کے کاغذات ہیں انہی کے لیے
 مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔“

”پھر کیا ارادہ ہے؟ کیا آپ فلسطینیوں کے حالات کے
 بارے میں سوچ رہی ہیں؟“ رضوان نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے کہا
 اور میں اچھی بزرگ کے اٹھ کھڑی ہوئی

”ہر مسئلہ کے لیے کاغذات فلسطینیوں کے حوالے کرنے سے فائدہ
 کو ان کا کرنے والے ممبر کا نہیں اور وہ رضوان کو قتل کر دیں۔ یہ بھی ممکن
 ہے کہ ان کاغذات کے بدلے رضوان کو واپس لینے کی کوشش
 کامیاب رہے۔“

”یعنی آپ کاغذات ان لوگوں کے سپرد کر دیتے ہیں؟
 جنہوں نے رضوان کو ان کا کیا ہے؟“ رضوان نے کہا۔ اس کے لیے میں
 حیرت تھی۔

”اگر اس طرح رضوان کی باہرانی ممکن ہو تو
 اس کو دن کے رضوان کی فوری حفاظت کے
 میں لیکن جب تک یہ انتظامات ہوتے

”لیکن... لیکن باؤ... یہ تو کوئی مناسب بات نہیں ہے۔“
 رضوان میری بات سن کر کچھ گڑبڑا سا کیا۔ غالباً اسے مجھ سے ایسا امید
 نہیں تھی۔ وہ نہ رہا تھا۔ رضوان کو ان کا کرنے والے کاغذات اس کی جھٹ
 ہیں پانے کے آکر کار ہیں۔ دونوں صورتوں میں یہ کاغذات اسرائیل
 سے متعلق ہوں گے اور چنانچہ اسے اس کاغذات ہیں جن کے
 لیے ایک قتل ہو چکا ہے۔

”اس سے زیادہ ایک قتل کی تیاری ممکن ہو چکی ہیں۔ میں نے رضوان
 کی بات پوری ہونے سے پہلے کہا۔ مجھے یقین ہے کہ کھانے کا ڈاکٹر
 یا تو اس وقت تک مارا جا چکا ہو گا یا مارا جائے والا ہو گا۔“
 ”کیوں؟“ ڈاکٹر کو وہ لوگ کیوں ختم کرنے گئے؟ وہ تو خود ان کا
 ساتھی ہے۔ رضوان بولا۔

”ڈاکٹر کو چھپ کر یوگوسلاویہ لے جاؤ۔ لیکن نہیں ہے۔ ڈاکٹر کے سامنے
 آنے کی صورت میں باقی لوگوں کو اپنی جان بچا مشکل ہو جائے گا۔
 تمام ساتھیوں کو خطرے میں ڈالنے کی بجائے ایک ساتھی کی قربانی کوئی
 نئی بات نہیں ہے۔ میں نے رضوان کو سمجھا۔

”بہر حال ان باتوں سے کاغذات کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔
 یہ کاغذات فلسطینیوں کے لیے یقینی اہمیت۔ اہم اور دیرمند ہوں گے۔
 انہیں فلسطینیوں کے حوالے کرنا ہمارا فوری اور مذہبی فریضہ ہے۔ رضوان
 نے پوچھنا شروع کیا۔

کے تو میں سمجھوں کہ اسی دن کا ماہ نامی

۱۔ عربی نثر اور معلوم ہوتی ہو۔ کما تجرأت علیہ

کہ ان کے پاس مہری امانت کبھی محفوظ ہوگی۔“

جیسے میں کہا، دیکھو میں انھیں کاغذات میں لکھتا ہوں، اب مجھے میرا انعام دلو! " میری آواز میں جذبات کی لرزش تھی۔

"آپ جو کچھ کہیں گے، وہ میں سہا کر دوں گی۔ ہمارے پاس خندکی کی نہیں۔ آپ نے ہمیں جو چیز دی ہے وہ انمول ہے، لیکن سنے پر خوش رہیں گے۔"

"مجھے دوسرے کی ضرورت نہیں بلکہ مجھے بھی ایک انمول چیز چاہیے، میری آواز شدت جذبات سے بھاری ہو گئی۔

"انمول چیز؟" وہ حیرت سے بولی، "دیکھا انمول چیز ہے؟"

"وہ... وہ تم ہو، لیکن جانی تم! " مجھے اپنے جذبات پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا، مجھے تمھاری ضرورت ہے۔"

"میری ضرورت؟" اس کے لیے کی جراتی برقرار تھی۔ وہ اب بھی میرا مدعا نہ سمجھ کر تھی "آپ... آپ میرا کیا کریں گی بانو؟" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

"میں تم پر اپنی زندگی دار دوں گی، میں اس کے قریب ہو گئی اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور مجھے یوں لگا جیسے میں نے دکھا ہوا انکا کلا چھو لیا جو میرے سامنے بدن میں اس کے جسمانی لمس سے پہلی سی دھڑکنی میری ہے، تو آواز انگلیاں اس کی ہڈی پر اترنا، اور انھوں کو سہلا کر پیچیدہ جوزبان نہ کہ میری میری انگلیوں کے لمس نے کہہ دیا۔ میں نے دیکھا کہ اس نے شرم کا لہر غریب کر لی اور اس کا چہرہ جیسے سرخ ہو گیا۔ مجھے یقین آ گیا کہ اس نے میرا ہاتھ چھو لیا ہے، میں نے اس کی ٹھوڑی پر اتر کر اٹھاتے ہوئے لڑتی ہوئی آواز میں پوچھا، "کیوں لیلیٰ جانی! کیا تمھیں میری طلب پوری کرنے سے انکار ہے؟"

لیلیٰ نے نگاہ اٹھائی، بیچانے دا ہوئے، اور بھرہ شرمیلے لیے میں بولی "ہیں... میں آپ کا مطلب نہیں سمجھتی۔"

"میرے غریب تو آؤ! اسب کچھ کچھ جاؤ گی، میں نے بھڑائی ہوئی آواز میں کہا، لیلیٰ کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی انگوٹھ میں سمیٹ لیا۔

بہار میں میری انگوٹھ میں انگوٹھ جن کی خوشبو سے میرے جسم و جان منک اٹھے، میں بھولوں سے قریب ہو گئی، کنوارے بچوں کی خوشبو شاید مجھے سے کسی نے نہیں سونچھی تھی، میں اس خوشبو کی لہریں اس کے بڑھی، بھول چلے تھے بات ہر تھے میں نے کم کم باور داراں کی سی کیفیت محسوس کی۔ اس کی خوشبو کو خوشبو حسن کے قریب نے اور بھڑک لایا۔

ایک نجان خوشبو موزون رنگ دا رنگ سے بھنکنا ہونے کے لیے مجھ اٹھی، ایک بار لیلیٰ کے قریب، باز لیلیٰ کے آگے لیلیوں میں لذت و خوشی کے جام کیت آگے سے تیار ہونے کی خاطر اب واکیے، بھول کر ان میں قطرہ قطرہ جذبات کی شبنم برسی، کسی قریب نہ لکی کے کھلنے کی صدا



کے سنے نے آگے چند لمحے میری وہ نیچے لگی میں م لڑت دیکھ کر خفگی انداز میں ہاتھ لاری تھی۔ اٹھ کے اشارے سے اسے رخصت کیا۔ وہ ٹھوکر کے طرف چل دی۔

اسے اچھل ہو گئی تو میں نے کھڑکی بند کی، "کریے فلاں فلاں بھرتی پر دروازہ ہو گئی، وہ بارہ سو نے پڑیں لگی تھی۔

فلان کی کھنٹی مٹی تو آگے کھل گئی، ٹیلیفون مسری کچھوٹی سی تپائی پر رکھا ہوا تھا۔ میں نے بیٹے لہو مارا تھا۔

نب کی شینگ تھا۔ اس نے تپا یا کہ یوگوسلاویہ کے اندر دوسرے ہو گیا ہے، صرف کچھ شکر باقی ہے۔ وہ لون کرے گا۔ مجھے تیار ہو جانا چاہیے۔

طی ہوئی۔ اپنے کمرے سے نکل کر میں نے رضوان کو گھسیٹا، وہ جاگ بھاگ تھا۔ میں نے اسے شینگ لایا، کیا اور بولی، "تم لے آؤ سامان ہاتھو میں ہمارے ہیں بانو؟" اس نے پوچھا۔

لہاں کی آمد میں کرنے میں نے جواب دیا۔

"کر لیجیے!"

میں نے تم ناشتہ کرو، میں انکراشتے سے

کو ہو کر آپ کہاں جا رہی ہیں، وہ بھی اتنی

وان ہوا۔

فلان تک جانا چاہتی ہوں جہاں یوگوسلاوی طائفہ میں نے بتایا۔ اب اس سے آگے کچھ نہ پوچھنا،

فلان کے ملے کی آہیں گاہا کہ میں نے شینگ آجائے،

کے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے میں آئی اور

اور فلان کو کہتا دے، میں آ رہی ہوں۔ اس

فلان کھس گئی۔

فلان ہو کر میں نے کپڑے پہنے اور بارہ نکلتے ہیں

فلان کا نام بتا کر میں نے تیزی سے چلنے کے لیے

لے مجھے بہت جلد اس ہوٹل تک پہنچا دیا

یوگوسلاوی طائفہ بھڑا ہوا تھا۔

میں نے استقبال سے یوگوسلاوی طائفے کے منیجر کا کمرہ نمبر معلوم کیا۔ پہلی منزل پر مجھے ملو بکرو میلا۔

میں نے کمرے کے دروازے پر کڑی دنگیں دس تو دروازہ کھلا۔ دروازہ کھولنے والا طائفے کا منیجر تھا اور مجھے اس سے ملنا بھی تھا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر شخص تھا مگر اس کی صحبت اچھی تھی۔ اس کے چہرے سے مزاح کی کراخی کا اظہار ہوتا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کے چہرے پر ہریت کے آثار نظر آئے۔

"میں رضیہ کی بہن ہوں، میں نے جرمن زبان میں کہا۔ یوگوسلاوی زبان، جرمن زبان سے ملتی جلتی ہے اس لیے وہاں کے باشندے جرمن زبان سمجھ لیتے ہیں میں نے اسی لیے جرمن زبان کا سہارا لیا تھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید کہا، "میں اس لڑکی کی بہن ہوں جسے تم نے اغوا کر کے یوگوسلاویہ بھیج دیا ہے۔"

اوجھڑ عمر منیجر کے چہرے پر ہریت کے آثار گہرے ہو گئے، پھر چند لمحے بعد وہ بولا، میں آپ کی بات سمجھنے سے قاصر ہوں آپ کو یقین آگئی غلط فہمی ہو گئی ہے۔"

"میرا نام صیبر بانو ہے اور مجھے آسانی سے غلط فہمی نہیں ہوتی، سمجھ! میں نے سخت لہجے میں کہا۔

"اگر آپ اندر شریف نے آئیں تو زیادہ مناسب ہو گا۔ منیجر نے نہایت شائستگی سے کہا۔ وہ اچھا اور ادا معلوم ہوتا تھا۔ لی شینگ نے اپنی رپورٹ میں اس کے متعلق جو کچھ لکھا تھا، وہ غلط نہیں تھا۔ وہ مجھے کہیں سے داخل ہونے کے لیے راستہ دینے کی خاطر ایک طرف ہو گیا۔

میں کمرے میں داخل ہو گئی، اس کمرے سے ملحق ایک اور کمرہ بھی نظر آ رہا تھا جو غالباً بطور انکاء استعمال ہوتا تھا۔ میں جس کمرے میں داخل ہوئی اس کی حیثیت زشت گاہ کی تھی۔

وہ کمرہ سادہ مگر آرام دہ فرنیچر سے آراستہ تھا۔

منیجر کمرے کا دروازہ بند کر کے میری طرف مڑا۔ اسی وقت میں نے اپنا پرس کھول کر رد کیے ہوئے کاغذات نکالے اور انھیں منیجر کی طرف لے دیا۔

"یہ کاغذات اس بات کا ثبوت ہیں کہ مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی، میں نے تیز لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

منیجر کی نگاہ جیسے کاغذات سے چپک کر رہ گئی تھی۔ وہ ان کاغذات کو حریفانہ نظر سے دیکھے جا رہا تھا۔

”منیہ میں گھسنے بھی بند ہو،
 بھیجا گیا ہے۔ اگر تھیں کاغذات
 اندر بھیجے تو گول مار کا وہ پتہ نہ تھا
 رضیہ مل سکے۔ میں فیہر کن ہوئے،
 وہ چند لمحے خاموش رہا، ہم
 پتہ نہ بتاؤں تو بے“
 ”تو تھیں کاغذات سے غور،

”رہ کیسے؟“ اس نے پوچھا۔

لے دروازے کی جانب قدم بڑھا،

ساتھ اُس نے تہ نیکے اندام

میری جانب اٹھی ہونی تھی۔

رہی تھی کہ کیا میں نے وہاں کچھ علم حاصل کیا ہے؟

ہوں، کاغذات کھٹنگ دوورنہ میں

نعم نے اس سے پہلے کاغذات :-

اس نے لستی شروع کر دی ۱۱

یہ سبھی کی زندگی کا عدل کا سلسلہ
 ہے دروغ نہیں کہے گا۔

“...and the

گوں میں ہر ایک کو نصیب ہوا۔

میش آیتھا، و غیر متوقع نہیں

۱۔ اچھے کینہ تو زنگار سے دیکھا، ایک نظر کمرے میں پھیلے

کہ لڑائی مجالت اور اعتراف تسلیم کی عمارت تھی۔

مکہ اور مکہ تبار و جمہل رضیہ کو بھیجا گیا ہے، اس زمانہ

۴۔ جب رفیق مجھے مل جائے گا غذائات صحت پتہ بتانے

ات مجاہدوں کے وہ ایک طویل سلسلے کے بولایے آپ

اپنے بچے کو اپنی طرف سے لے کر آیا۔

.....

۱۰۰ بیایید من اندازیں سہرا دی۔ دس سو حصہ دلا

۱۱۔ اُس نے مجھے دیکھتے ہی سوال کیا۔

کہ لکھنؤ میں پارٹی میں آمادہ ہو گئی ہے کہ کمانڈر

و ان گویا در این کتاب که از حضرت علی علیه السلام است

1

ملی ہے۔ ابھی لاش کا لوٹ مار تم تو نہیں کھا گے لیکن لاش دکھا

گیلے۔ اس کی جیب زہر کے دو کیپسول بھی ملے ہیں اس۔

آپ کی طرف سے جو کچھ فرمایا ہے، اس پر عمل کرنا چاہیے۔

ہوئے اُن سے آنے کے لیے کہ آیا تھا۔

رضوان کے کمرے کا سامان بھی اٹھایا گیا اور مہم عمارت سے باہر

لی شینگ ڈراموں کے راسخروالی نشست پر مٹھکا تھا۔

رخصت ہونا ضروری سمجھا۔ اسے اطلاع بھی نہیں تھی کہ میں اپنا

لو اسپان کی جاب نمونہ لیا۔

اور رضوان اسپتال کی عمارت میں داخل ہو گئے۔

در پی ہوں۔

”خیر امانت ضروری ہے میری جتنی گڑبگڑ ہے“

دوا وغیرہ بہت ہے۔ یہی اسی کی بازیابی کے لیے جاری ہیں۔
 ”سچ!“ وہ کھل کھلی اور اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔
 ”ہاں! میں نے کہا، جو کچھ سے تفصیل بتاتے تھے وہ کچھ گئی اور
 یہ وقت کہ سب اب اجازت دو!“
 اس کے بعد رضوان نے بھی دو دو سے چند جہلوں کا تیار کر لیا اور آخر
 بولا کہ زندگی بڑی مومنو تو میری زندگی کے کسی موڑ پر بلا فات ہوگی۔
 بل میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ عموماً ایسے موقعوں پر لوگ ایسے ہی جواباتی
 دے کھتے ہیں۔
 ”ورنہ حقیقتاً آپ کے خیالات نہیں؟“ مومنو نے اپنی آنکھوں
 آٹے ہوئے خوشی کے آنسو پر پختہ ہوئے کہا۔ رضوان کی موجودگی کے
 سب مومنو نے مجھے انگریزی زبان میں بھی گفتگو کی تھی اور رضوان سے
 انگریزی ہی میں بات کر رہی تھی۔
 مولوی بات کے جواب میں رضوان نے عجیب سا منہ بنایا اور بلکہ
 میرے ذہن خیالات کیا ہیں؟ انھیں آج تک کوئی نہیں جان سکا
 وغیرہ مومنو!۔
 ”اور کسی کی جاننے کی ضرورت ہے؟ میں نے درمیان میں مداخلت
 کر رضوان کی زبان نہ چل سکے۔ وقت دیے بھی کہہ رہی تھی۔ اس بات
 سنا شاید رضوان کو بھی تھا ورنہ وہ جواب میں ضرور کچھ کہتا۔
 زحمت ہونے سے قبل ایک بار میرے مومنو سے ملے سے لگ گئی۔
 ”بازار انداز یہ خیال ہے کہ مومنو کے غم بھی تازہ ہیں، کہیں ملے گئے
 بات کی دوسری دوسرے نہ بھیج دیجئے گا؟“ رضوان نے مومنو سے
 وہ اٹھا کر غور و جست کیا اور مومنو شرمائی۔
 میں نے رضوان کو گھور کر دیکھا اور وہ اس طرح دوسری طرف دیکھنے
 میرے برابر غائب وہ نہیں کوئی اور ہو۔
 میں مومنو سے زحمت ہو کر اس بات کو عمارت سے رضوان کے ہاں
 آگئی۔ اگر رضوان کا معاملہ نہ ہوتا تو میں واقعی اتنی جلدی نہیں کئے ورنہ
 لیتی۔

میں اور رضوان کا یہی مجھے گھٹنے تو کار ایک بار پھر ایرپورٹ کی جانب
 نہ ہو گئی۔ راستے میں مجھے لی ٹینگ نے تو گوسلاویہ میں اپنے ایک
 نہ والے کا تیر بتایا۔
 ”بلوار میں شخص قابل اعتماد ہے۔ میں نے اسے اطلاع سے
 ہے۔ وہ ایرپورٹ پر آپ کر لیتے ہیں آئے گا؟“ لی ٹینگ بولا کہ آپ
 باتیں دیکھ کر کاہنہ دست بھی دیکھ گئے۔ اگر آپ کی بہن رضوان کا
 دہیں ہیں تو شہر سے انھیں دھمکے میں پوری پوری مدد کرے
 ”شہر سے اس شخص کا نام خاص کا پتہ لی ٹینگ نے دیا تھا اور جس
 کے بارے میں بتا رہا تھا میں شہر سے پہلے میں اس سے
 لیتا رہا ہوں۔ اس نے مجھے کہا کہ میں اس سے نہیں کیا اس لیے
 پورا اعتماد رکھتا ہوں۔ یہ کہہ کر لی ٹینگ نے اپنی جیب
 نکال کر میری جانب بڑھایا یہ اس کا کارڈ ہے۔
 دھمکی لی ٹینگ! میں نے اس سے کارڈ لیتے
 کارڈ کو احتیاط سے اندون جیب میں اپنے پاس پھونک کے۔
 ایرپورٹ پر ایک شخص مومنو کا نام نامی تھا۔
 حکومت کی جانب سے میرا اور رضوان کا شکریہ ادا کیا اور
 نیک خواہشات کا اظہار کیا، پھر ہماری طرف سے جوابی
 کے وہ زحمت ہو گیا میں نے لی ٹینگ کی کھلی غصا میں
 لیے اور رضوان کے ساتھ جہاز پر سوار ہو گئی۔
 ہماری اگلی منزل نرارت ایرپورٹ تھا جس کے
 پہلے ہی سے علم تھا میں ایرپورٹ ہی پر چینی منہ
 ڈنٹے دارا فرانسس ہسپتال کے لیے موجود تھا۔ ہر اس کے
 گئے جہاں گھنٹے میں نہاد خاتون کے مکان میں
 میں ہمارے پاس ایرپورٹ پر تو گوسلاویہ کا ویزا حاصل کیا
 ضروری کارڈ ویزا میں مل گئی، ایک البانوی۔
 جہاز میں بلوار کے لیے دو فرسٹ کلاس نہیں کہ
 ٹکٹ حاصل کر لیے گئے۔ یہی نہاد خاتون
 لیے یہ نہاد خاتون کی کارڈ ویزا میں مل کر آتے رہے۔
 قیمت جانتے ہوئے آرام کرنا مناسب سمجھا۔
 چند گھنٹے بعد ہی ہم ایک بار پھر جہاز میں برا
 سے زیادہ دو تین تھا ایک کے کہہ رہیں مومنو
 اچھی ہم سوار ہوئے تھے اور اچھی ملزوم پہنچ گئے
 بلوار کے ایرپورٹ پر ہم شہر سے فارار
 آویڑ غم غم تیزی سے ہماری جانب بڑھا۔
 ”مجھے شہر سے کہتے ہیں شہر میں اپنا بھائی
 بڑھاتے ہوئے گا۔
 ”لیکن تم نے مجھے کیسے پہچانا شہر؟“ میں
 مومنو جہاز سے اترنے والے صرف آپ
 میں شہر میں اس نے مسکرا کر جواب دیا۔
 ”مجھے تم سے مل کر خوشی ہوئی!“ میں نے
 ہاتھ ملا دیا پھر رضوان سے بھی اس کا ہاتھ مل کر
 بات کر رہا تھا اس لیے رضوان کو کوئی قیامت
 ”میں نے آپ کی محفلت کی باتیں کاہنہ

اسے ماتہ کہہ کر بڑھتے ہوئے تیار اور خواہ مخواہ ہنس دیا۔ اس
 ان پھول سی تھی اس پر مجھے قہقہہ ہوا۔
 کہہ کر بعد ہی مجھے احساس ہو گیا کہ شہر سے دلچسپ شخصیت کا
 وہ باتیں بہت کر رہا تھا چھوٹی چھوٹی سی باتوں پر ہنس دیتا
 اور مردوں کو بھی ہنسانے کی کوشش کرتا تھا۔
 میں نے اسے شہر سے دیکھا۔ بظاہر اس کی شخصیت بھاری بھر کم
 بنی نظر میں وہ ایک بے وقوف سا بڑھا نظر آتا تھا۔ ہاں اس کی
 میں بڑی گہری تھی جو اس کی اصل شخصیت کا اظہار تھیں۔
 اگرچہ ٹکٹ کی حالت کے باوجود ایک کارڈ جو تھی جسے خود شہر سے
 آگیا۔ میں اور رضوان پہلی نشستوں پر بیٹھ گئے تھے۔
 وہ شام کا وقت تھا اور کارڈ ہفت روزہ کے ہمارے پرے باز رو سے
 اچھی شہر کی زبان مسلسل چل رہی تھی۔ وہ ہیں اپنے ملک
 میں ضروری اور غیر ضروری معلومات سے آگاہ کر رہا تھا۔
 دو یا نصف گھنٹے سفر کے بعد شہر نے ایک تین منٹ پر تو مل
 اور کارڈ کی کچھ پر بعد ہی ہم دوسری منزل کے ایک دو گھنٹوں
 میں پہنچ چکے تھے کہ آرم وہ اب جدید سامان آرائش
 تھے۔ ہم مومنو پر بیٹھ گئے۔
 میں سے پہلے کہ شہر کی زبان پھر تین ہی طرح چلتی تھی، یہی
 وہ نہاد ضرورت حال سے آگاہ کیا اور جب وہ تمام بات اچھی طرح
 وہ نہاد خاتون کے مومنو سے حاصل کیا ہوا پتہ آتا تھا اور
 اچھے کے اندر اندر جو کچھ معلوم کر سکو مجھے بتاؤ۔ میں دو گھنٹے
 اس جگہ جا رہی ہوں۔
 اگر آپ کی بہن اس پتے پر موجود ہوئیں تو دو گھنٹے کے اندر اندر
 گھاس پھاس میں جائیں گی۔ آپ اطمینان سے آرام کریں شہر سے
 وہ ان کے جواب دیا۔
 میں نے اسے کہہ کر فوراً دیکھا۔ میرا خیال غلط نہیں تھا۔ وہ
 اطمینان کا ایک تھا۔ اس وقت وہ جبکہ نظر رہا تھا اس لیے یہ
 اطمینان نہیں تھا۔
 میں نے سوچ سمجھ کر کہا کہ ہمارا واسطہ خطوں کی لوگوں سے
 ہم اپنی بہن رضوان کی زندگی خطرے میں ڈالنا پسند نہیں کریں گی۔
 مجھ پر ہے میں ان کے کہہ کر کہنے پر آمادہ ہوں۔
 بات میں شہر سے کہہ کر کہیں تو دن پسندیدگی کے آثار
 لگے۔ وہ غالباً اس طرح کہنے پر خوش نہیں تھا۔ اس کے باوجود
 کہہ کر بولا۔ ”یہ آپ کی مرضی اچھے کوئی اعتراض نہیں۔“
 وہ آٹھ گھنٹہ ہوا۔

”بازو ایک آپ واقعی دو گھنٹے بعد وہاں جانے کا ارادہ کرتی ہیں
 شہر کے کہتا ہے رضوان نے مجھے غائب کیا۔
 ”کیوں تھا راکش شہر ہے؟ کہہ میں وہاں نہیں جانا چاہیے؟
 ”میرے خیال میں تو آپ یہ دو گھنٹے میں بیکار ہی مٹا کر رہی
 رضوان نے کہا۔ ”میں خود فوری طور پر وہاں پہنچنا چاہیے تھا۔“
 ”بلوار ہمارے لیے قطعی اچھا نہیں شہر سے رضوان!“ میں نے جواب
 دیا یہ ضروری معلومات کے بغیر کوئی حرکت کرنا مجھے لیے نقصان دہ
 ثابت ہو سکتا ہے۔ میرے خیال میں شہر سے دو گھنٹے کے اندر اپنی
 ضرور حاصل کرے گا کہ مطلوبہ پتے پر ہمارا واسطہ کرے لوگوں سے
 گا۔“ میں نے بھانسنے والے انداز میں بات کر دی۔
 میں اور رضوان رات کا کھانا کھا کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ شہر
 آگیا وہ بے حد سنجیدہ نظر آ رہا تھا اور پھر سے پریشانی جہاں
 ”کیا بات ہے؟“ میں نے اس سے پوچھا۔
 ”مسلما بڑا پھلر ہو گیا ہے؟“ میں نے تشویش آمیز لہجے میں
 دیا یہ دو گھنٹے کے دوران میں میرے بہن بہن بہن بہن بہن بہن بہن
 گئے۔ ان میں سے دو کی تو لاشیں لی گئی ہیں اور تیسرے کی تین
 میں جیسے کسی نے اسے ذبح کر دیا ہو۔
 میں اس کی بات سن کر چونک گئی، پھر بولی نہ مگر شہر سے
 تو ہمیں کوئی قدم اٹھانے سے منہ کی تھا۔
 شہر نے میری طرف دیکھا، پھر شہر کا رومیسے لیے میں
 ”لی ٹینگ کی ہدایت نہیں کر اگر آپ کی بہن تو گوسلاویہ میں ہوں
 انھیں جلد از جلد درحاشوں کے پیچھے سے نکال کر آپ کے حوالے
 ”انھیں لی ٹینگ کی نہیں بلکہ میری بات سننی چاہیے تھی۔
 کسی قدر تیز لہجے میں کہا۔ ”لی ٹینگ کی بات محض ایک خواہش کا
 دکھتی ہے جبکہ میں نے ایک ایسی بات کہی تھی جو حقیقت پر مبنی
 اگر میری بات سنتے تو اپنے آؤں سے بھی ہاتھ نہ دھوتے اور
 بے بھی شکلات کھڑی نہ ہوتیں۔“
 شہر نے میری طرف نگاہ اٹھائی تو میں نے اس کی آنکھوں
 اپنے لیے عزت کا جذبہ پایا۔ وہ بے حد شرمندہ نظر آنے لگا تھا۔
 ”آپ شک کرتی ہیں؟“ اس نے کہے ہوئے سے لہجے میں
 ”خیر جو ہوگا، اس پر شک کا خالہ میں نہیں لہجے میں بولی
 زرا تفصیل سے یہ بتاؤ کہ تم نے کیا معلومات حاصل کیں اور تمہارا
 کس طرح مارے گئے؟“
 میرے سوال کرنے پر رضوان بھی پوری طرح چونکا ہو کر
 وہ بھی شہر سے تفصیلات جاننے کے لیے بے چین تھا۔

میں نے تار پر کئی روشنی دیوار پر ڈالی۔ دیوار اسٹارٹ اور سٹاپ کی طرف
 بٹا ہوا غور سے دیکھنے پر دیوار میں کھانپنے نظر آئے جہاں دیوار کا کچھ حصہ
 پتھروں کے لیے خنجر پھینکنے والی شیشوں کے سامنے سے ہٹ جاتا ہوا تھا۔
 میں نے سوچا کہ فرش کے کسی مخصوص حصے پر پاؤں کا دباؤ پڑنے سے
 شیشوں حرکت میں آتی ہوگی لیکن یہ سب میرے قیاسات تھے۔
 میں نے اپنے قیاسات کو یقین میں بدلنے کے لیے ایک غلط مول
 لینے کا فیصلہ کیا۔ میں ایک بار پھر اسی خطرے سے دوچار ہونا چاہتی تھی۔
 میں تجھ سے کئی غلط دواہ دروازے کے پاس گئی۔ میں جھڑنے والی کھڑکی
 پر میرے اس بات کا غماخ خیال رکھتا تھا کہ میں اس جگہ آتی مدت
 سے کم کھڑکی دہل جاتی دو پہلے غور رہی تھی۔ اس کے بعد میں تیزی
 سے ایک طرف ہٹ کر کھڑکی پر گئی اور ڈانچا کی روشنی میں خود سے دیوار
 کے اس حصے کو دیکھنے لگی جہاں کھانپنے بنے ہوئے تھے۔ ماما دیوار کا وہ
 حصہ بغیر دروازے بھی آواز پیدا کیے ہوئے حرکت میں آگیا۔ میں نے اسے رضوان
 کے خنجر پھینکنے والی شیشوں کی ایک جھلک دیکھی۔ رضوان کے منہ سے جیڑہ
 کی آواز نکل۔ اسی وقت خنجر باطل اس طرح شیشوں سے نکلا جیسے
 کان سے تیز نکلتا ہے اور تیزی سے نغما میں اترتا ہوا سامنے والی
 دیوار میں دھنسن گیا۔ اس کے بعد وہ دیوار تیزی سے برابر ہونے لگی جس میں
 "دروازے کے سامنے والی دیوار میں دونوں جانب شیشوں جھانکی گئی
 ہے تاکہ وہ دیوار دروازے کے کسی جانب بھی پناہ لے نہ سکا کہ شکار ہوئے
 بغیر نہ دھکے شیشوں نے لگا۔
 "حیرت آگئے۔" یہ کہتے ہوئے رضوان نے کہا کہ میں سانس لایا
 پھر لولا۔ لیکن یہ بات مجھ میں نہیں آتی کہ اس دربار عمارت میں ان
 سلسلے کے اختلاطات کا کیا مقصد ہے؟
 "کیا تم یہ بھول گئے کہ اس عمارت کا پتہ دینے والے کے علم میں
 بات تھی کہ یہاں ضرورتاً شیشوں گئے۔" میں نے رضوان کی بات کے جواب
 میں کہا۔
 "تو کیا یہ سارے اختلاطات ہیں ختم کرنے ہی کے لیے کیے گئے ہیں؟
 رضوان کا لہجہ سوالیہ تھا۔ چنانچہ اس نے خود ہی اپنے خیال کی تردید میں کہا۔
 "لیکن ان اختلاطات سے تو ایسا پتا چلتا ہے کہ یہاں یہ سب کچھ پہلے
 سے موجود تھا۔
 "ہاں میں بھی یہی خیال ہے۔" میں نے رضوان کی تائید میں کہا۔
 "یہ لیے مجھے اس عمارت کا پتہ دیا گیا تھا۔" میں نے کہہ کر جھنڈے خاموش
 رہی پھر بولی یہ کوئی بہت سے بالکل اس طرح کھیل رہا ہے جیسے تائی چہ
 لو شکار کرنے سے پہلے اس سے کیلتی ہے۔"

سپر سب کیا کرنا چاہئے؟" رضوان نے پوچھا۔
 میں نے چند لمحوں سوچا۔ پھر کہا کہ تم ہماری ما
 "میں نے یہ کھانا کھانا ہوا شکار گرا رہا ہے۔ م
 دیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا رہا ہے جیسے کسی نے پی
 چھیل کر رکھ دیا ہے۔
 "ہر سکتا ہے کہ خنجر سے تھی یہی ضرب نہیں ہوتی۔
 میں تجھیں آرام کی ضرورت ہے۔
 "میرا خیال ہے کہ یہ بعض وقتی کیفیت ہے۔"
 پر ضرب نہیں پہنچی ورنہ تکلیف زیادہ ہوتی اور میں کہ
 ابھی کچھ دیر میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔ ان ہی تھکنے لگا
 رضیہ واقعی اس عمارت کے کسی حصے میں ہوگئی۔
 مجھے اس بارے میں شبہ تھا حالانکہ شیشے
 میں ایک لڑکی کو دیکھا تھا مگر قریب سے رضوان
 نہیں کیا اور بولی یہ عمارت کا چھوٹا کچھ پناہ
 رضیہ میں ہو۔ ویسے یہ بھی ممکن ہے کہ عمارت کا
 "لیکن شیشے کے سامنے تو عمارت میں
 رضوان جو۔۔۔
 اس وقت میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ
 نہ ہو مگر قبل از وقت کچھ کھانا خالی
 اس خیال کا اظہار رضوان سے نہیں کیا اور مل
 کو تلاش کرنے کے لیے اس عمارت کا پتہ چھوڑ
 پہلے تھیں باہر پہنچا نامزدی ہے۔
 "کیوں؟" رضوان نے سوال کیا۔
 "دیکھ کر تم ترخمی ہو؟" میں نے جواب
 "لیکن میری حالت اب پہلے سے بہت
 عمارت سے باہر نہیں جاؤں گا؟" رضوان
 میں جھجھکتا گئی بعض اوقات رضوان
 اس وقت بھی وہ کچھ ایسی ہی حرکت کر، ا
 "اتھیں بات ہے، تو بھراؤ؟" میں
 دروازے کی جانب بڑھ گئی۔
 دروازے سے گزر کر میں چھٹی سی
 اس راہداری میں مجھے دو کمرے کے دروازے
 دروازے کے قریب پہنچی۔ وہ دروازے
 کے لیے زور آزمائی کر رہی تھی کہ ماما
 میں کوئی عورت چرخ و تاب تھی۔ ایسا ماما

ابزار وہ تکلیف دہ وقت سے چھیننے لگی ہو۔ میں ایک
 کمرے کے دروازے پر پہنچی۔ میرا ارادہ دروازہ کھول کر
 کمرے جانے کا تھا تاکہ اندر موجود دھماکوں کو سنبھلنے
 لے سکے مگر اسی وقت میری پھٹی جس بیڈ پر گئی جس نے
 اچھا سا دیا تھا میں ٹھٹھک کر رہ گئی۔
 "ذہن میں یہ خیال آیا تھا کہ جس طرح اندرونی کا پ
 دھلی یہ نہیں بھی دھوا کہ ثابت ہو سکتی تھیں صوفی ہوا کا
 اعلیٰ کمرے میں موجود تھے تو اندر روشنی لاندی تھی اور
 (کی وہ جو کہ میں نقل کے سوراخ سے اندھا کا جائزہ لینا ممکن
 کر میں سے نقل کے سوراخ سے آگے نکلا ہوا۔
 یہ اس طرف ایک حصہ زیادہ روشن نظر آیا وہاں تیز روشنی
 روشنی میں کوئی فرش پر پڑا ہوا ہاتھ پاؤں مارا تھا۔
 ہنسے ہوئے جسم کا صرف ایک حصہ نظر آ رہا تھا۔ پھر میری
 اٹھ کھڑکی میں تھا کہ وہ سورج شمع رنگ کے اسکرٹ میں
 لبت تھی۔
 منہ دروازے پر ہاتھ کا دباؤ ڈالا۔ دروازہ بند نہیں تھا
 مہرے دھیرے کھلنے لگا۔ مجھے ایک بار پھر یہ خیال آیا کہ
 لحد میں داخل ہو جاؤں مگر میرے قدم ٹپک گئے اور
 "الہ درویشی بن گئی جس پر پہلے میں نے اپنے ہی طرح غور
 کرے میں بہت تیز روشنی تھی۔ نامور پرانی تیز روشنی
 میں متان نہیں مٹی گریا وہ تیز روشنی اس لیے تھی کہ
 کا غور دیکھنے والے کا کبھی ہی نظروں سے گزرے گا۔
 اس کا مقصد صرف یہی ہو سکتا تھا کہ میں ایک دم کمرے
 ہاں اور اس طرح کسی نا دیدہ حال میں پہنچ جاؤں۔
 "اہستہ بوا دروازہ کھول دیا۔ پھر عطا انداز میں اندر
 اعلیٰ کمرے کا کمرے کا دی حصہ تیز روشنی کی ذریعہ
 "عزت فرش پر پڑی ہوئی ہاتھ پاؤں مار کر چیخ مچی تھی۔
 "بڑبڑاتا رہی میں تھا میں نے غور سے کمرے کے
 ہر کونہ جان لیا۔ مجھے کمرے میں اس عورت کے سوا کسی اور
 ہی نہیں ہوئی۔
 ک پشت میری طرف تھی۔ وہ ایک ہی انداز میں اب
 "ہاں یہ تھی۔ اس کے اعضاء اور پسوں کی حرکات میں
 "اس کی حرکات میں غور کی کیا تھی۔ مجھے یقین ہو
 "اس میں کدھن نشینی ڈھانچہ تھی جسے پرے پھینکا
 "ان کو یوں کی طرح جو مخصوص انداز میں حرکت کر سکتی

ہیں اور گھٹنے جتنے الفاظ بول سکتی ہیں۔
 میں نے تاریخ روشن کی کر کے احساس ہوا کہ رضوان بھی میرے
 پیچھے آکر کھڑا ہو گیا ہے مگر میں نے اس کی طرف متوجہ نہیں دیکھا۔
 میں نے مارچ کا دروازہ کے سامنے فرش پر ڈالا۔ چوکھٹ
 کے پاس سے زبردست درنگ فرش غائب تھا۔ نیچے گھرے گڑھے
 میں بس ڈھکڑا کاٹنے نما، اسی کیس میں پڑی ہوئی تھیں۔ چار کانٹوں والی
 وہ کیس اس خصوصیت کی حامل تھیں کہ ان میں کسی طرح بھی پھینکا جاتا۔
 ان کی ایک ٹوک ادھر کی طرف رہتی اور باقی تین کاٹنے مضبوط روک کا
 کام ہوتے۔ ان پر گرنے کا مطلب یقینی موت ہی ہوتا تھا تکلیف وہ
 موت کیونکہ گرنے والا واقعی ہو کر ان میں پھنسا رہا جاتا ہوا خاصہ
 تڑپ تڑپ کر بان دے دیتا۔ گڑھے کی سطح کیوں سے ڈھکی
 ہوتی تھی۔
 میں نے غصے سے ہنٹ پیٹنے لگے۔ رضوان سے میں نے
 غلط نہیں کیا تھا۔ کوئی واقعی ہاتھ ساتھ ہی اور چہرے کا کھیل کھیل
 رہا تھا۔ مجھے چوہا بننا پسند نہیں تھا مگر میں کھیل جاری رکھنے پر مجبور
 تھی۔ رضیہ کی بازیابی کے لیے مجھے ہر سطرے سے گزرنے منظور تھا۔
 میں نے رضوان کو مخاطب کیے بغیر دوبارہ کمرے کے اندرونی
 منظر پر توجہ دی جہاں ابھی تک ذریعہ عورت نشینی انداز میں اٹھتی
 پھینک رہی تھی مگر اب اس کی حرکات میں کسسی آگئی تھی۔ بالکل
 گھٹا تھا جیسے جانی سے پہلے والے کسی کھلونے کی چابی ختم ہو۔
 "ہو۔ اس کی آواز بھی کمرے پر پڑے ہوئے اب برائے نام ہو گئی تھی۔
 ویسے چیخوں کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ دم ٹپک رہا ہو اور آخری فرخ
 مٹنا ہی ہے دی ہو۔
 میں نے چھانک کر فرش کے خلا کو پار کیا اور اس کھلو۔
 کے پاس پہنچ گئی جس کی حرکات اب پوری طرح ٹپک چکی تھیں۔
 نے میں نے یہی غلط کیا۔
 "یہ سب آخر کیا ہے؟" رضوان میرے قریب آکر دلی دہ
 زبان میں بولا۔
 "کھیل جسے ہم آخر تک کھیلنے پر مجبور ہیں؟" میں نے دانت پٹ
 ہونے کہا۔
 "لیکن میں یہ کھیل کھیلنے پر مجبور کون کر رہا ہے؟ ہمارا مقصد
 کون ہے؟"
 "کوئی اذیت پسند مفرد شخصیت؟" میں نے رضوان کے سوا
 کا جواب دیا۔ شاید کھیل کے خاتمے پر اس سے ملاقات ہو جائے۔
 یہ کہہ کر میں نے ایک نظر عورت نما کھلونے پر ڈالی۔

دور درگاہ کی گڑبادی ثابت ہوئی۔ اس کے پاس ہی ایک ٹیپ
 دیکھا اور دیکھا جو پورا تھا جس پر دروازے سے نظر نہیں پڑ سکتی تھی
 کیونکہ وہ گڑبادی آٹھویں تھا۔

رضوان نے بھی جھک کر ٹیپ دیکھا اور کہا "میں نے یہاں
 "سوال ہے کہ اس ٹیپ دیکھا اور کہا کہ اس نے کیا؟ جب اس
 کمرے میں کوئی موجود نہیں تھا تو یہ خود کس طرح چل پڑا؟"
 "یقیناً سے کچھ نہیں کہا جاسکتا میں کچھ سوچتا ہوں۔"
 "ہو سکتا ہے کوئی آدمی یہاں کچھ دیر پہلے موجود ہو یا کسی قسم کا
 خود کا نظام ان چیزوں کو ان آٹھ کر رہا ہو۔"
 "ایسا ممکن نظر نہیں آتا" رضوان نے کہا۔ "ٹیپ دیکھا اور
 اور اس عورت کی ڈیڑھیں بظاہر کوئی رابطہ نہیں ہے۔ پھر بھی درزیں
 چیزوں کی حرکت ایک ساتھ ہوتی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟"
 "آج کل دنیا میں کوئی بات ناممکن نہیں۔ کیا تم بھول گئے کہ ناسا
 کی دیباہی میں بیٹھے ہوئے سائنس دان کی مٹی کھٹکانا سکتے ہیں۔
 اب اس مسئلہ کو منظور کا نظام سے مدد سے حل کرنا دیا گیا ہے۔
 "مگر اس طرح کے نظام کا استعمال تو بہت مشکل ہوتا ہے۔"
 "میں نے تو سوچا ہے کہ ایسے بھی لوگ ہیں جو ایک ویسٹ کی
 پیٹنگ کی خرید پر کروڑوں روپیہ خرچ کر دیتے ہیں۔ تو پھر میں نے سوچا
 ہرگز ایک معنی "میں نے کہا۔"

رضوان خاموش ہو گیا۔ اسی وقت اس کمرے میں موجود دوسرے
 دروازے کی طرف سے ایسی آواز سنائی دی۔ جیسے کوئی اس کے
 پیچھے آکر کھڑا ہو۔ وہ دروازہ بھی یقیناً کسی کمرے ہی میں کھٹکا ہو گا۔ میں
 نے سمجھا اب وہ آواز اس مزید واضح ہو گئی تھیں۔ یوں محسوس ہوا کہ
 کھانا جسے کسی کے قدموں سے فرش کی کڑی چرچا اٹھتی ہو۔
 رضوان نے میری طرف دیکھا اور میں نے دروازے کی جانب
 نگاہ اٹھائی۔ پھر مضمون میں بولی۔ یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ اب
 ہمیں کھیل کے اگلے نمونہ کی طرف حرکت کرنا چاہیے۔
 "جہاں ایک نئے انداز کی موت ہماری منتظر ہوگی۔ رضوان
 کے لیے یہی خوشی ہو گئی۔"

شاید تجویز تجس سے بھرپور اس کھیل کی دہلیزی میں رضوان
 اپنی تکلیف بھول گیا تھا کیونکہ اس کا بھرہ ذبے دے ہوئی سے
 روشن سا ہو گیا تھا۔

"دوسرے کمرے میں قدم رکھنے سے پہلے میں اپنی طرح غور
 کر لیتا ہوں کہ اس بات کو اس کا طریقہ استعمال کیا گیا ہو گا؟"
 میں نے رضوان سے کہا۔

خطرات کے بارے میں کچھ اہم موت کے
 جو رہی تھی اور یہی کیفیت غالباً رضوان کی تھی۔
 میں شریک ہوں اور ہر ممکن طریقے پر اس مسئلہ کو
 "میرا اشارہ کھٹکا ہے کہ اس بار غور سے آؤ۔"
 آگے لی جا کر میں بلا تادم رکھنے پر اور یہی
 میں سے کسی کو نہیں کرنے چاہئیں۔ رضوان
 میں کہا۔

"تمہارے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہر
 کردار "میں بولی۔

"میں میرا مقصد یہ نہیں تھا بلکہ میں
 پہلے کوئی پر دروازہ کھولے۔ رضوان نے
 "مگر وہ دوا کے علاوہ یہاں اور کچھ
 رضوان کی بات کو بے معنی سمجھتا ہے۔
 "کیا آپ کو یہ سیر اور کوئی نظر نہیں آ رہا؟
 کی ڈی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کبھی کبھی آدمی بالکل سامنے کی باتوں
 میں رضوان کی بات کا مقصد سمجھتے ہوئے
 پھر ایک طرف سے اس عورت کی
 "میری جانب سے اسے رضوان نے اٹھا
 کے مین صفائی ڈی کی ڈی ڈی تھی۔ یہ نہ ہی
 سے دروازے کی جانب اچھا لیا۔ دیکھنا
 دروازہ ڈی کی طرف سے ڈی گئی
 سے ڈی دوسرے کمرے کے فرش پر
 ڈی پر گریوں کی پھجور گئی اور ڈی گریوں
 میں نے پوزیشن ل اور انداز سے
 سے ڈی پر گریاں برساتی تھیں۔ نوڈائی
 کوئی دوسرے فرس پر آ رہا۔
 رضوان تیزی سے اپنا راہروں میں
 کر دوسرے کمرے میں داخل ہوا اور اصل
 ہوا دروازے کے سامنے سے ہٹ گئی۔
 رضوان کی یہ حرکت محض احتیاط
 اور کسی کے فرس پر گرنے کی آواز
 والا محض غلط فہمی ہونے کی ہے کہ
 طرح رضوان کی حرکت ممکن ہے کہ تو

مال نہیں گیا تھا۔ یہ ایک بات ہے کہ میری گولی کا
 لی ڈی روح نہیں تھا۔ وہ بھی محض ایک مٹی کی
 "موت میں نہیں گئی کیونکہ وہ اپنے کی حرکت
 اور اس کے منہ سے ہوتے کھانے پر کھانے کے علاوہ
 میں نہیں تھی۔

بھانپا کہ وہ والی مٹی میں رور ڈی کو پھنسا
 رضوان کی جانب مڑی ہوئی تھی کہ اسے بھانپا تھا۔
 ہاں تھا۔ رضوان چند لمحوں کے بعد بولا۔
 "میں نے چونک کر پوچھا۔

مے اپنے پاؤں کے پاس پڑے ہوئے ایک تار کی
 میں پر رور پڑھا ہوا تھا۔ وہ تار دروازے تک تھا۔
 سے تار بچے پر رور پڑی ہوئی نظر آئی جس سے دو
 مے ہاں پڑے ہوئے تار کا نظر آ رہے تھے۔ ان
 پر پاشاٹ نہیں تھی اور وہ غفلت کے چند لمحوں سے

"میں نے اسے سامنے بولی۔
 رضوان نے کہا۔ یہ کبھی آخر کی موت کی حیرت
 ہاں سے دروازہ کھولنے کے لیے کوئی کھٹکا گاتے
 سے باہر نہ ہو سکتے۔

میں کب ختم ہو گا؟ میں پڑائی۔ کھیل میں دلچسپی لینے
 ہر حال ختم کرنا تھا اور میں اس کی طرف سے
 اس کا کوئی پتا نہ چل سکا تھا۔

مالی کو بے اشارہ آخری کھیل؟ رضوان نے
 اور دروازے ہوتے کہا۔ اس کمرے میں داخل دروازے
 اور دروازہ نظر نہیں آ رہا تھا البتہ کھیلوں اور حیرتیں۔
 "آخری کمرہ جو ہے" میں نے تاکید کی۔
 میں نے روشنی ہو رہی تھی، بالکل ایسی جس طرح میں
 میں ہے دروازات کے بل کی روشنی اکبر کے
 پڑی ہوئی تھی جس کے ساتھ کسی بھی تھی۔ اس
 ہاں پہنچا ہوا ہوئی ایک اور ڈی رکھی ہوئی تھی۔

وہ ایک کمرہ ہے جس کی کھل ہوئی کھل کے خیرے کے
 لی ہاں سے ہونے ایک عورت کو کسی کمرے پر دیکھنے
 اور اس کے کھل کھول دی جا سکتی تھی۔
 "ہاں، میں ہر گز جیسے واقعی کوئی مشرقی عورت کی پڑائی

ہوئی ہے۔ رضوان نے کہا۔
 رضوان کی بات میں کھل نے من رور دیکھا کہ بات اپنی
 واضح تھی کہ اس پر مزید کسی تبصرے کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔
 دینے میں میری آواز کے اس کو نے کی طرف تھی جہاں ایک
 تیلی پڑناٹ کی مٹی میں رکھی ہوئی تھی۔

اچانک مٹی کا ٹاپ رور دیکھنے لگا۔ اس کی حروف وال
 کھیلوں میں حرکت کرنے نہیں دیکھیں۔ کوئی نادر، ہاتھ ٹاپ کرنے
 لگا ہو ٹاپ رور کے در پر چڑھا ہوا کاغذ تیری سے
 کرنے لگا اور کاغذ پر رور رکھنا کی دیکھنے لگی جس میں ہر نئے اضافہ
 ہوا تھا۔

"یہ تحریر یقیناً ہمارے لیے ہو گی" میں نے مٹی کی طرف
 بڑھتے ہوئے کہا۔

میرا خیال غلط نہیں تھا۔ وہ تحریر میرے ہی لیے تھی۔ مٹی
 تحریر پوری کر کے دلی تو میں نے کاغذ دروازے کھلایا اور اس پر
 لکھی ہوئی تحریر کو بند کر دیا۔ جسے چھنے کی ہمارا رضوان بھی س لے۔ تحریر
 انگریزی میں تھی۔

"یہاں ایک حیرت سے پہنچنے کی ہمارا قبول کیجیے! یہ
 ایک ایسا کا نام ہے جس پر ہر طور سے غور کیا جاسکتا ہے۔ اس
 سے پہلے دنیا کے ہندو میں قرن انجینوں کو اس کسلی پر آنا یا گیا
 لیکن وہ نقد یہاں ہار گئے۔ اس کا سامنا ہی ہر کسی کے آپ کو خوش
 آمد کہتا ہے۔ اب اگر مظلوم کاغذات پر مٹی کے ساتھ لکھی۔ ڈی ڈی
 ضابطہ کرنے والی مٹی میں ڈال دیے جائیں تو پتہ نہ تیا جاسکے
 گا جہاں سے اس کے ملاقات ممکن ہے۔ اپنی امانت آپ
 ہی کے لیے تو متسلط ہو سکتی ہیں۔"

میں نے تحریر پڑھ کر رضوان کی طرف دیکھا۔ رضوان پر نظر
 کے ساتھ ہی ہوئی اس مٹی کی طرف نظر جس کا حوالہ تحریر تھا۔
 "یہ تو شہر ہے۔ رضوان نے تشریف آفرینے میں کہا۔
 "تحریر کی دیکھا بنانے والی مٹی؟"

وہ مٹی میرے لیے ہی نہیں تھی۔ میں نے مغربی ممالک
 کی اکثر بڑی فرمیں میں اس مٹی کا استعمال دیکھا تھا۔ وہ مٹی رور
 کو اس طرح ضابطہ کر دیتی تھی کہ اس پر دروازہ تو کھول دیا جاسکے
 میرے لیے اب اس کے ہوا کوئی اور راہ نہیں تھی کہ میں
 پر نظر ہر موصول ہونے والے ملک کی تشریف کر۔ "میرے کاروبار میں
 سب سے بہتر تھی۔ یوں بھی وہ کاغذات میرے کس کام کے تھے۔
 جن لوگوں کے لیے وہ سود مند ثابت ہو سکتے تھے، ان ملک کاغذات

ہاں اپنے بوش کھوتے ہوئے میں سے وہ کوکو خود بھی محسوس کیا تھا اس کا نام رضوان لے لیا تھا۔ میں رضوان کو دشمنوں کے پھیلنے سے نفاظ سکی تھی۔

دوبارہ بوش آیا تو میں نے خود کو نرم بستر پر پایا۔ مجھے پوری طرح بوش آنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ مجھے بوش میں آتے ہی یہ اندازہ لگانا زیادہ دشوار ثابت نہ ہوا تھا کہ وہ بستر جس پر میں دروازہ تھی، ایسے کمرے میں محتاج غلبہ کسی ایسے اسپتال کا ہی ایک حصہ تھا۔ میں نے آنکھیں کھول دی تھیں اور اطراف کا جائزہ لے رہی تھ۔ میں اُس کمرے میں تنہا تھی ابھی مجھے بوش میں آنے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ میں نے ایک نرس کو اُس کمرے کے دروازے سے داخل ہوتے دیکھا۔

وہ مجھے بوش میں دیکھ کر تیزی سے قریب آگئی اور بولی بے شک ہے کہ آپ بیلڈر ہوئیں۔ اب آپ کیسا محسوس کر رہی ہیں؟

”ٹھیک ہوں“ میں نے جواب دیا، پھر بولی، ”مجھے یہاں کون لے لکایا تھا؟“

”سٹرٹریبل“ نرس نے جواب دیا۔

”کیا میرے ساتھ کوئی اور بھی تھا؟“ میں نے رضوان کا خیال کر کے پوچھا۔

”جی ہاں،“ نرس بولی، ”آپ کے ساتھی برابر بولے کمرے میں ہیں؟“

”جی نہیں بوش میں۔“

”رضوان رضوان،“ میں نے خود پر توجہ دے کر بات کی، ”اُس نے اُس کوئی؟“

”اُس کی زندگی کو کوئی خطرہ تو نہیں؟“ میں نے بے چینی سے سوال کیا۔

”جی نہیں! وہ خطرے کی حدود سے باہر ہیں،“ نرس نے مسکرا کر بتایا، پھر بولی، ”وہ غالباً آپ کے شوہر ہیں؟“ یہ کہہ کر وہ بغل دیکھنے لگی۔

”میں نرس کی بات سن کر مسکرا دی میری بے چینی نے اُسے غلطی میں مبتلا کر دیا۔

”جی کوئی بات نہ ہے۔“ میں نے کہہ کر وہ اپنے کمرے سے لوٹی پھوٹی، اگر میری بات کر رہی تھی تو کسی لیے میں جی، غریبی جی میں بات کر رہی تھی۔

”اچھا تو بھی،“ وہ مٹی خیز انداز میں مسکرائی، ”وہ آپ کے منگیتر ہوں گے؟“

”میرے نہیں میری بہن کے منگیتر،“ میں نے نرس کی غلط فہمی دور کرنے ضروری سمجھا۔

اس دوران میں نرس نے میری بغل اور بیلڈر بستر وغیرہ دیکھا اور سر ہانے رکھے ہوئے بیلڈر پر لکھ دیا، پھر وہ مسکرائی ہوئی کمرے سے

چلی گئی۔ تھی وہ خوبصورت اگر درست سے کچھ عرصے اُس اسپتال میں رہنا ضروری ہو۔

ابھی میری آنکھوں میں مٹی نہیں کسی کے قدموں کی چاپ مٹی کی پڑی تھیں شہر کے کمرے میں داخل ہو رہا تھا، اُس مسکرا ہوا چائنگ کے قریب مٹی کی ہاں، ”ابھی مجھے نرس سے معلوم ہو کہ اُس نے مسکراتے ہوئے کہا، اب آپ کہہ، ”اب میں قطعی ٹھیک ہوں،“ میں جاننے کے لیے بے چینی ہوں۔ آخر تم نے اُس جتنی گڑبڑ سے نہ لگایا؟“

”یہ کلانہ میں نے نہیں بلکہ فاروہ کہہ کر شہر لے مجھے تفصیلات سے آگاہ کرے ہوئی گھڑی میں وقت دیکھنے لگی، دس سے دن کی روشنی اندر آ رہی تھی، گو، رضوان، کسی کے کی تقریر صبح کے لیے تفصیلات کے مطابق جب میں، عمارت سے باہر نکلے تو شہر کے تارک عمارت میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا، شہر دوسرے کمرے سے آگے نہ جاسکا گی میں داخل ہونے کا دروازہ بند تھا۔ کی اور اسی دوران میں اُس نے کمرے کو روکنا نہیں ہو، شہر نے اُس کے اُتار دیا، تھیں تیز چوٹی کے شہر نے اپنے دشمنی گریگور بیلڈر جب اُس نے اپنے ہوتا دیکھا۔ اُسے خطے کا احساس عمارت سے نکل گیا۔

شہر نے ابھی عمارت سے باہر اس دوران میں شہر نے کوئی مٹی فرار ہو چکا تھا۔ شہر نے تقریباً دو وہاں سے اس نے ناز مرگ کی گام مٹی ہوئی عمارت کے سامنے جسی نامر گرگید کے حملے نہ، منہم ہو چکی تھی اور میرے کہہ گئے کو بتایا کہ اُس کے دو فریق

لہذا انتہائی تیزی دکھائی اور وہ گڑا حاد ریافت ہوئیں پڑے تھے۔

نام کا نام ملے تھے ان کا غزات کا خیال آیا تو یہ کہہ سکتے تھے۔ میں نے گھر کر اپنے جسم پر ہلکے ڈھیلے ڈھالے پڑے تھے۔

وہ لڑائی تھلا تھے، شہر نے اپنی جیب اُس کا ہاتھ جیب سے باہر کیا تو اُس میں دی گیل میں کامیابی پر طور انعام ہاتھ آئے تھے۔

میں پلٹے سے تشریف دے دیا گیا تھا۔

”جی، میں نے وہ کاغذات شہر لے سے ہاں دیا،“ (نرس) ان سے وہ کاغذات بھی شامل دے لے گئے تھے۔

”وہ دوسرا سامان اور کئی وغیرہ بھی،“ رضوان کی جیبوں سے برآمد ہوئی تھی۔

”مال ہے؟“ وہ میرے خیال سے لندن کا ہونا سیکے ہوئے، میں نے اُسے لکھن تھیر زگاہ میں گھسی تھیں میں اُس کے مالک سے ملنا چاہتا تھا کوئی اُس کی مرضی کے بغیر اُس سے وہ اس بات سے اجدا میں انکار کرتا، ”ماں جن سے کسی کی زبان بآسانی نکلائی گئی، اگلے دینہ وہ پوری ثمارت جو اُس نے ایک خادی تھی، کرانے دار اُس عمارت کو کسی مال کر رہا تھا۔ اُس نے اسل کرانے دار کا نام

”میرا“ میں نے سوال کیا۔

”میری نام کی تھی عمارت میں تیار نہیں رہتے تھے اور ان کی شناخت کسی کے لاکھ کا دینہ لنگ کا رڈ لے کر آتے تھے، شہر نے اُس کے علاوہ نام کی تھی عمارت کا ایک کمرہ اُنجا ہاں اُس کوئی نہ کوئی آدمی ہمیشہ مقیم ہو گیا۔

”معلوم ہوتا ہے کہ تھی عمارت کے اُس کمرے سے بڑا تجارت میں موجود شیون کو کھول لیا جاتا ہوگا،“ میں نے خیال آرائی کی تھی تم نے اس سلسلے میں نام کے مالک سے پوچھا؟

”جی ہاں،“ شہر نے بڑے جوش میں جواب دیا، ”اُس نے بتایا تھا کہ نام کی تھی عمارت کے اُس کمرے میں اُس نے عجب دغریب تھیں دیکھی تھیں۔ وہ اُس شفا طور پر وہاں اُن کی موجودگی سے آگاہ ہو گیا تھا کہ وہاں کے کاغذات اُس وقت تک وہاں سے نہیں جاتا تھا جب تک کہ دوسرا اُس کی جگہ نہ آ جاتا تھا مگر صرف ایک بار ایسا ہوا کہ، ”ایک ایک نمائندہ نے نمائندہ کے آنے سے قبل ہی وہاں سے پڑا،“ یہ نمائندہ دوسرے دن پہنچا تھا۔ اس دوران میں نام کے مالک، ”مکہ دیکھ لیا تھا کہ وہ عمارت کے کمرے کے بارے میں تحقیق رہنا تھا کہ، ”ایک ایک سے اجدا میں وہاں کلائی کے بڑے بڑے بند کس پہنچانے گئے تھے اور ان محسوس میں لیا تھا، اُس کے بارے میں نہیں بتایا گیا تھا۔ نام کا مالک کسی کے دیکھتے غمانوں سے محروم تھا مگر کسی نے اُس کے کہے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا کلائی، ”وہ لڑائی کی صورت میں براہ راست کرانے دار سے مل کر ہوتا تھا۔ اسی لیے اُس نے یہ مانا کہ اُس کا لڑے دار کسی کے لندن میں رہتا ہے، ”یہ خیال ہے کہ اُس سے ایک بار پھر ملنا پڑے گا،“ میں نے شہر لے کی پوری بات سن کر کہا، ”نکن سے کہہ دو کہ کوئی اور کا کی بات بتا سکے،“

”ہاں کا کی بات پر لایا کہ اُس نے ایک بات اور بتائی،“ شہر نے جلدی سے بولا، ”اُس نے بتایا تھا کہ ان دونوں کسی کے کا تو نمائندہ ہو گیا ہے میں متعجب تھا، ان کے عداہ اُس کی جیب میں بھی تھی، اُس نمائندہ کا نام اُس نے فوکر اور اُس کی جیب کا نام ڈیزری بتایا تھا، فوکر اصرہری، نام کی تھی عمارت کے کسی کمرے میں رہتے تھے۔ میں فوکر اُن دونوں کی تلاش میں اُس کمرے تک پہنچا۔ وہاں مجھے فوکر تو یہ مل گیا، ”میں فوکر ڈیزری نے ڈیزری نے اس بات سے لاعلمی کا اظہار کیا کہ فوکر کہاں سے اُس پر تھو بھی کیا گیا مگر وہ کچھ نہ بتا سکی۔ یہ خیال ہے کہ شاید اُسے کچھ معلوم ہیں؟“

”وہ وہ کی کہا ہے؟“ میں نے بے چینی سے پوچھا۔

”میرے آدمیوں کی فوکر میں ہے،“ شہر نے جواب دیا۔

”ادفا نام کا مالک؟“ میں نے دوسرا سوال کیا۔

”اُس سے اب آپ مل سکیں گی کیونکہ اُس نے سورج کی پہلی کرن نکلنے سے پہلے فوکر کسی کے اپنے گناہوں کا کافہ ادا کر دیا ہے،“ شہر نے کسی قدر اُس سے مجھے میں بولا۔

شہر کے لکھ میں کچھ ایسی ہی بات تھی کہ میں چوٹے بغیر نہ سکی۔

میں نے چھینے ہوئے لکھ میں کہا، ”اس فوکر میں تمہارا لٹا ہوا ہے؟“

”میرا ہر شے چڑھتا میں نے تو اسے مرنے کو ڈھکی ڈھکایا ہوا
دیکھا میرے چند ساتھیوں نے اس سے مزید لہرائی تو اس نے جھلک اڑی
اُن کی بات مٹا کر۔ بیچ اس کی لکڑی باندھی جانے سے علی جوانر سے بند
تھا اور اُن میں چولے سے نکلتی ہوئی گیس بھری ہوئی تھی۔“ بھرے نے
بڑی مسکونیت سے بتایا۔

گویا بھرے نے اپنے ساتھیوں کی موت کا انتقام لے لیا تھا مگر میرے
خیال میں اس نے جلد باری سے کام لیا تھا۔ یقیناً قدام کے ماک کو کچھ اور کام
کی باتیں بھی یاد ہیں گے۔ معاذ جے یاد آکر بھرے نے کسی کی تکرار سے روک دیا
کاڈر کیا تھا۔

”تم ازم کی آگے کاڈر جنگ کاڈر تو نام کے ماک سے لے لیتے
اُس پر یقیناً ساسی کے کاڈر رہے ہوں گا۔“ میں نے کہا۔

بھرے نے سر ہلایا، پھر لولا کہ وہ کاڈر شخص ایک طرح کی علامت تھا
کاڈر چرند خاک سے ہوتے تھے۔ دلیسا ایک کاڈر ان کاغذات میں بھی موجود
ہے جو تین نے آپ کو دیے ہیں۔ میں نے نام کے ماک سے پتے کے بارے
میں پوچھا تھا تو اس نے بتایا تھا کہ ان کاڈر پر پتہ نہیں ہوتا تھا اور وہ کاڈر

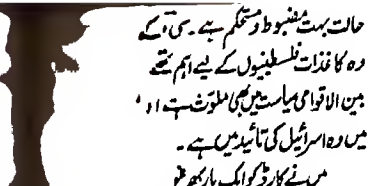
دیکھا کہ وہ اس بھی لیے جاتے تھے۔ اُس نے کاڈر پر موجود خالوں کے بارے
میں جو کچھ بتا دیا تھا۔ دلیسا ایک کاڈر ان کاغذات میں موجود ہے
میں نے جلدی جلدی کاغذات کا جائزہ لیا مگر وہ ٹینک کاڈر
نظر نہ آیا۔ ہاں کاغذات میں ایک بھری رنگ کاغذ موجود تھا جس
پر یوگوسلاویہ کا ایک پتہ لکھا ہوا تھا۔ شاید اس پتے کی کتب میں نے
وہ کاغذ کاغذات میں دیکھ دیا۔ میں نے لٹاؤ کھول کر دیکھا تو اس

کے اندر ایک سفید کاڈر نظر آیا۔ میں نے وہ کاڈر نکال لیا۔
میں نے کاڈر کو اٹھ پٹ کر دیکھا۔ غالباً بھرے نے اسی کاڈر
کا حوالہ دیا تھا کیونکہ اُس کاڈر کے درمیان میں کچھ خاک سے بے
ہوئے تھے۔ میں نے وہ کاڈر بھرے کی جانب بڑھا دیا تاکہ وہ تصدیق
کر سکے۔ اُس نے میرے خیال کی تصدیق کر دی۔

کاڈر پر بے ہوئے خالوں کو میں نے غور سے دیکھا۔ بھرے کی
بات صحیح ثابت ہو گئی تھی کہ وہ کاڈر اُس کے کی علامت ہی رہا ہو۔
میرے ذہن میں سی اس کے کی شخصیت ایک نیم پاگل یا کسی شبلی
پروفیسر کی طرح تھی۔ میرے خیال میں وہ کوئی ایسا شخص تھا جو لفظانہ

حد تک احساس برتری کا شکار تھا۔ وہ دوسروں کو اُن میں ڈال کر
خوش ہوتا تھا۔ میری نظر میں وہ اذیت رساں بھی تھا، سفاک بھی
اور بے حد زہن بھی، اچل کر خاک ہو جانے والی عمارت میں جس قسم
کا سامان نظر آیا تھا، وہ کافی قیمتی تھا، کیونکہ اُس سامان کو بہر حال

تباہ ہونا ہی تھا، اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ کسی کے کی اقتصاد
حالت بہت مضبوط و محکم ہے۔ سی اس کے
وہ کاغذات فلسفینوں کے لیے اہم تھے
بین الاقوامی سیاست میں اسی کاغذات سے
میں وہ اسٹرٹل کی تائید میں ہے۔
میں نے کاڈر کو ایک بار پھر دیکھا
میں آگیا۔ یہ ایک گھٹا گھٹا خاک کاغذ تھا۔ باطل
کو میں اچھی طرح جانتا تھا، اندرون میں دائمی
ٹاور اس میں مشورہ گھڑی لگ گئی تھی۔ ہر
کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ بالکل اس کا
علامت ہے۔
ابھی میں کاڈر کا جائزہ دے رہا
”آپ کے ساتھی کو پوچھ لیں۔“
کہہ رہے ہیں۔ میں نے قریب سے دیکھا
”کیا اس کی حالت اس قابل ہے کہ
میں نے پوچھا۔
”میرے خیال میں ابھی نہیں۔“
اور کوئی خاص بات نہیں، صرف مول
”نکلیا، مگر میں اس کا بدلہ
کاٹی بڑا ہے اور یہاں قریب آسانی
تو رہتے بڑے کمرے میں چار چار میز
”بہتر ہے، میں ان کا انتظام کروں
جواب دیا اور کرکے اس کے کمرے
گڑھا بڑا اُسے دیکھ کر میرے دل کے
ناخن تم دلائی طرح مسکائی
نے گستاخا اور بھرے کی موجودگی
کے جھوٹے کی طرح محسوس سے ہل گئی
”اسپتال میں اس کی موت ہو
کی بیماری اور کوئی روہ جاتی ہے
آدھڑے عشرے میں میری اس
اسی وقت مجھے بھیس لڑکی
دہلنے وہ کیسی ہوگی، وہ مجھ کو
نمائندہ اُسے اپنی دیکھیں ہانا
اگر حالت کا ثبوت دیا تھا تو اس
کا ثبوت دیا تھا وہ کسی کے
کے ذریعے ہی کے کے ہوتا تھا



میں ایک رسائی ممکن تھی۔ میں سوچنے لگی کہ اگر
لوگوں کا پتہ بتا دوں تو شاید اُسے بھی زندہ
میں لڑکی نے بھی سمجھ لی تھی کہ اگر اس نے زبان کھول
ہائے۔ میرے خیال میں شاید وہ کے اور دو لڑکیوں
میں رہتا ہے۔ اپنے محبوب کا پتہ نہ معلوم میں نہا چاہیے
اپنی بھری نگاہ کاڈر پر لگاؤ۔

ہندو نے ایک اور شخص پر توجہ دی۔ وہ یقیناً ایک تاج
میں میری نظر اسے اس لیے پڑی تھی کہ اس کے
میں لکیروں کا حال اس تھا۔ میں اُس تاج کو بھی
دیکھ رہی تھی۔ اُس تاج کو ان لکیروں کے حال سے
ان لکیروں کے حال پر توجہ دی تو وہ بھی کچھ کہیں
”کمرے میں رضوان کا بیڈ آگیا۔ میری توجہ اُس

پر پڑی۔ نئی زندگی مبارک ہو یا تو!“
مرمت مسکرا کر رہ گئی۔ اُس کا بیڈ کر کے کی دھڑکی
دہلایا۔
اصل ٹینک ہوں۔ اسپتال والے خود بخود
”ہیں۔“ رضوان، نرس اور کپاؤنڈرز کے جلتے
دہلے۔

لہجہ بڑا۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا: ”ایک نام
اس وقت تجھاری مداخلت مناسب نہیں ہے،
دہلیفیلو جاننے کے لیے کبھی سوالات نہیں کرو

”رضوان اس طرح کہہ کر بستر پر دھم سے لڑکے
”ہنس رہی ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے دو کس مسند
”کی تھی۔ ہے اس لیے اہمال خاموشی اختیار کرو!“
”اتنے بڑے کسی قدر سخت ہے میں کہا اور اپنے ہاتھ
کاڈر کو دیکھنے لگی۔

مداخلت کرنے کے بعد وہ لکیروں کا حال میرے لیے
”میں کہہ دیتا ہوں کہ وہ ایک جید کپڑا کاغذ تھا۔
الامت لاک ٹاور تاج اور کپڑا مشورہ میں لڑکیوں
میں مالک کے کمرے کاڈر انٹرنل لندن سے ملتا تھا۔ اس
کے لندن میں ہے۔ لاک ٹاور شاید اسی کی طرف

”پکڑو اور تاج!“ میں بڑی لڑائی اور بھرپور ٹک پڑی۔
کپڑا پہلا انگریزی حوت“ سی اس کے کاڈر پر غالباً ایسے
کپڑا پر لایا گیا تھا مگر تاج، اور بھرپور سی اس کے کاغذات میں
ایک تھا۔ تاج، بادشاہ کی علامت ہے یعنی انگریزی میں لنگ!
اور لنگ کا پہلا انگریزی حوت“ کے ہے، سی اس کے!
میں نے ایک طویل سانس لیا۔ میں نے اچھی ہوئی کھینچ لی
لیا تھا لیکن جہاں سے کھینچا وہ شریعت کا تھا، پھر وہیں پہنچ گئی تھی۔
سی اس کے اب بھی ہر وہ لازم تھا۔ اُس کے بارے میں۔ بات تو بھرے
سے حاصل شدہ معلومات کے بعد ہی معلوم ہو گئی تھی کہ وہ لندن میں
ہے۔ کاڈر سے مزید کوئی نئی بات پتہ نہ چل سکی تھی، سو اُس کے
کاڈر اُس کے ہی کا ہے۔
”کیا آپ کسی نتیجے پر پہنچ گئیں؟“ بھرے نے مجھے اُس وقت
مخاطب کیا جب میں نے وہ کاڈر اپنے سرانے رکھ دیا۔
”نہیں!“ میں نے جواب دیا۔ ”کسی نتیجے تک پہنچنے کے لیے اُس
لڑکی سے ملنا بہت ضروری ہے جو تجھاری قید میں ہے۔“
”لیکن وہ تو نہ سہی کے کے بارے میں کچھ جانتی ہے اور اُن
یہ خبر ہے کہ اُس کا عاشق فوکر نے ہوتا تھا اور پھر مگر اہم کام چلا گیا
شرعے بولا۔
”ایک بات بتاؤ بھرے! اگر وہ لڑکی تھیں تو کس کا پتہ بتا دیتی
تو تم اُس کے ساتھ کیا سلوک کرتے؟“ میں نے یہ سوال کر کے اُس
کی طرف دیکھا۔
”میں... میں اُسے... اُسے آزاد کر دیتا۔“ بھرے نے غلط فہمی سے بولا۔
”تم جھوٹ بول رہے ہو بھرے!“ میں نے پھبتے ہوئے لہجے میں کہا۔
”تم اور بھرے، ساتھی اُس لڑکی کو کبھی خودکشی کرنے پر مجبور کرتے؟“
”بھرے نے سر جھٹک لیا، پھر پوچھ کر ہی ہوئی آواز میں بولا۔ مجھے اپنے
ساتھیوں کی موت کا بہت دکھ ہے اور ابھی میں نے پورا انتقام نہیں لیا۔
اگر اب بھی اُس لڑکی سے کچھ معلوم نہ کر سکیں تو میں آپ سے درخواست کروں
گا کہ اُسے میرے دھم دھم پر پھینک دوں۔“
”صاف صاف یوں کیوں نہیں کہتے کہ میں تمھیں اُس لڑکی کو قتل
کرنے کی اجازت دے دوں!“ میں نے کہا اور بھرے خاموش رہا۔
اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کی جانتا تھا۔ میں اُسے خاموش دیکھ کر بھروسہ
”مجھے اس پر اعتراض نہیں کہ تم نے ساتھیوں کا انتقام کیوں نہ رہے
ہو لیکن کہتا ہے کہ اس طرح میں اصل مقصد فوت نہ ہو جائے۔“
”میں سمجھتا ہوں۔“ بھرے نے تائیدی انداز میں سر ہلایا اور بولا۔

اشارہ کرتا تھا۔
”پکڑو اور تاج!“ میں بڑی لڑائی اور بھرپور ٹک پڑی۔
کپڑا پہلا انگریزی حوت“ سی اس کے کاڈر پر غالباً ایسے
کپڑا پر لایا گیا تھا مگر تاج، اور بھرپور سی اس کے کاغذات میں
ایک تھا۔ تاج، بادشاہ کی علامت ہے یعنی انگریزی میں لنگ!
اور لنگ کا پہلا انگریزی حوت“ کے ہے، سی اس کے!
میں نے ایک طویل سانس لیا۔ میں نے اچھی ہوئی کھینچ لی
لیا تھا لیکن جہاں سے کھینچا وہ شریعت کا تھا، پھر وہیں پہنچ گئی تھی۔
سی اس کے اب بھی ہر وہ لازم تھا۔ اُس کے بارے میں۔ بات تو بھرے
سے حاصل شدہ معلومات کے بعد ہی معلوم ہو گئی تھی کہ وہ لندن میں
ہے۔ کاڈر سے مزید کوئی نئی بات پتہ نہ چل سکی تھی، سو اُس کے
کاڈر اُس کے ہی کا ہے۔
”کیا آپ کسی نتیجے پر پہنچ گئیں؟“ بھرے نے مجھے اُس وقت
مخاطب کیا جب میں نے وہ کاڈر اپنے سرانے رکھ دیا۔
”نہیں!“ میں نے جواب دیا۔ ”کسی نتیجے تک پہنچنے کے لیے اُس
لڑکی سے ملنا بہت ضروری ہے جو تجھاری قید میں ہے۔“
”لیکن وہ تو نہ سہی کے کے بارے میں کچھ جانتی ہے اور اُن
یہ خبر ہے کہ اُس کا عاشق فوکر نے ہوتا تھا اور پھر مگر اہم کام چلا گیا
شرعے بولا۔
”ایک بات بتاؤ بھرے! اگر وہ لڑکی تھیں تو کس کا پتہ بتا دیتی
تو تم اُس کے ساتھ کیا سلوک کرتے؟“ میں نے یہ سوال کر کے اُس
کی طرف دیکھا۔
”میں... میں اُسے... اُسے آزاد کر دیتا۔“ بھرے نے غلط فہمی سے بولا۔
”تم جھوٹ بول رہے ہو بھرے!“ میں نے پھبتے ہوئے لہجے میں کہا۔
”تم اور بھرے، ساتھی اُس لڑکی کو کبھی خودکشی کرنے پر مجبور کرتے؟“
”بھرے نے سر جھٹک لیا، پھر پوچھ کر ہی ہوئی آواز میں بولا۔ مجھے اپنے
ساتھیوں کی موت کا بہت دکھ ہے اور ابھی میں نے پورا انتقام نہیں لیا۔
اگر اب بھی اُس لڑکی سے کچھ معلوم نہ کر سکیں تو میں آپ سے درخواست کروں
گا کہ اُسے میرے دھم دھم پر پھینک دوں۔“
”صاف صاف یوں کیوں نہیں کہتے کہ میں تمھیں اُس لڑکی کو قتل
کرنے کی اجازت دے دوں!“ میں نے کہا اور بھرے خاموش رہا۔
اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کی جانتا تھا۔ میں اُسے خاموش دیکھ کر بھروسہ
”مجھے اس پر اعتراض نہیں کہ تم نے ساتھیوں کا انتقام کیوں نہ رہے
ہو لیکن کہتا ہے کہ اس طرح میں اصل مقصد فوت نہ ہو جائے۔“
”میں سمجھتا ہوں۔“ بھرے نے تائیدی انداز میں سر ہلایا اور بولا۔

”اے میرے توبہ نہ کر، ایک اُس لڑکی کو ہلاک نہیں کیا۔“
 ”نیرضیاں بہ، تو کہ آپ کافی دیر راز و نیاز کر چکی ہیں۔ معذرتوں کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اب اگر میری زبان بندی ختم کر دی جائے تو بڑی عنایت ہو۔“

رضوان نے کچھ اس انداز میں کہا کہ مجھے اس پر دم لگایا یوں بھی اب کوئی ایسا مسئلہ باقی نہیں رہا تھا جس کے لیے کسی کو ذہنی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ بولی زبان بندی صرف ایک شرط پر ختم کی جاسکتی ہے کہ میرا زیادہ دماغ نہیں چالے گا۔ یہ کہہ کر میں نے خود ہی اُسے مختصر تمام حالات سے آگاہ کیا پھر آخر میں بولی درخشاں میں آرام کروا میں شہرے کے ساتھ جا کر اُس لڑکی سے مل آتی ہوں۔

”تا کہ میں کتاب میں پڑھی زبان سکوں!“ رضوان نے جرحہ کیا۔
 ”مختصر سچی آرام کی ضرورت ہے۔“ میں نے کہا۔ ”اُس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولی پھر شہرے سے گمان غالباً یہاں سے چلی مل سکتی ہے۔“
 ”لیکن جب تک ڈاکٹر آجائے کس طرح ممکن ہے!“ شہرے بولا۔ پھر خود ہی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ ”وہ دیر نہ پڑے گا۔“

ساتھ دس بجے والے ہیں۔
 ”بھلا ڈاکٹر کی آمد تک کچھ اسپتال ہی میں رہنا پڑا۔ وہ اگر وہ بیکے کے قریب آیا۔ اس نے مجھے تو تو پکارا کر دیا مگر رضوان کو مزید شام تک آرام کرنے کے لیے کہا۔“
 ”بس اب تو آپ کو چین لگایا!“ ڈاکٹر کے جاتے ہی رضوان لڑاکا عورتوں کی طرح بولا۔

میں اُس کی طرف کچھ سرکرائی اور سستے آہستہ آہستہ شہرے سے مخاطب ہوئی۔ ”تو تمہارے پاس کار تو ہوگی؟“ اُس نے انبات میں سر ہلایا تو میں نے کہا۔ ”یہاں سے گنتی دوڑ کا سفر ہوگا۔“
 ”بشکل پندرہ بیس منٹ کا!“ شہرے نے جواب دیا۔

اسپتال کے اسٹور میں جا کر میں نے اپنا لباس تبدیل کیا پھر رضوان کو خاصا فضا کے شہرے کے ہمراہ روانہ ہوئی۔
 ڈرائیونگ شہرے ہی کر رہا تھا۔ میں اُس کے برابر والی نشست پر بیٹھ گئی۔

شہر کا مرکزی علاقہ تھا۔ بظاہر وہ عمارت رہائشی معلوم نہیں آتی تھی مگر شہر نے بتایا کہ عمارت کی باغیچوں میں منزل رہائشی ہے۔ وہ مجھے غلط کے ذریعے لے کر باغیچوں میں منزل پہنچا۔ رہائشی میں دکھانے والا دروازہ آدھرا آدھرا تھا دکھائی دے رہے تھے۔ شہرے نے غلط کے دروازے تک پہنچ کر گاؤں کے اندر غصوں انداز میں چار بنگ دی۔

دروازہ فوراً ہی کھل گیا۔ دروازے کے ایک لڑکی جس کے چہرے پر شہوانیت وہ دروازہ کھول کر ایک جانب ہٹ گئی اور میں داخل ہو گیا۔ لڑکی نے ہمارے داخل ہونے پر بند کر دیا۔

وہ دروازہ بند کئے پکڑ کر شہرے نے زبان کھولی۔
 ”نہیں!“ لڑکی نے جواب دیا۔ اُس کی آواز کھٹکتی تھی۔

وہ لڑکی اور شہرے اپنی مادری زبان بولتا تھا، جو بڑی حد تک جرم زبان سے ملتی جاتی تھی۔ اور بنگلہ زبان ایک دوسرے کے بہت قریب تھی۔ اچھی طرح بول کر کچھ لیتی تھی اس لیے ان دونوں والی گفتگو اگر لفظ بہ لفظ نہیں تو غنوم کی رہی تھی۔

اُس لڑکی نے بتایا کہ شہرے کا کوئی ساتھی اب گھول لڑکی کو کوشش کر رہا تھا۔ وہ کہہ نہ سکتا تھا اور ڈھیری اندر دے کر سے بیٹھتے۔
 شہرے نے مجھے بلے ہوئے اندر دے کر سے کی طرف اشارہ کر دیا کہ ہم منظور کرے میں بیٹھ گئے۔

شہرے سے ایسی درندگی کی توقع ہرگز نہیں تھی۔ وہ لڑکی شہرے نے ڈھیری بتایا تھا بھت سے آئی تھی بولی تھی اور بے لباس تھا۔ لڑکی کے قریب ہی ایک پستہ تھی۔
 کھڑا ہوا تھا۔ اُس شخص کے ہاتھ میں ایک بلاسٹک چڑھا ہوا کے آگے سر پر بلاسٹک نہیں تھا جس سے آہستہ آہستہ نکلے ہوئے تھے۔ اُس تار کے دوسرے سر پر ایک پانکھ سو بچ پور میں لگا ہوا تھا۔

ہم کمرے میں داخل ہو گئے مگر وہ شخص دستور لے کر معذور رہا۔ جب اُس نے مرے تار کا حق لڑکی کے جسم اور لڑکی کے جسم کو چھوا تو مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ خود شہرے ہی ہے۔ لڑکی کے جسم پر تو جھٹکے لگ رہے تھے۔
 ”تو کئی گونہ اُس کے فٹ میں غائب ملک کے شہر تھا۔“
 ”یہ لڑکی کا لڑکا تھا۔ لڑکی کے چہرے سے امتیاز کی بات کا اندازہ۔“
 ”شہرے! کیا درندگی ہے! بند کرنا دیکھیں!“ میں نے کہا۔

میں کہا۔ ”مجھے کے باوجود میری نگاہ لڑکی کے ہونے تھی۔ بڑا انتساب اور دلچسپ جسم تھا۔ ایسے اُن آئے ہیں۔ جیسے تان پور سے کے سارے“

شہرے نے ایک اپنے ساتھی کو حکم دیا کہ وہ لڑکی کے تار سے اور ایک اُس کے ساتھی نے شہرے کی کوئی دیر نہ سے آزاد کیا! میں تو اس وقت جسم لباس کی قید میں جلا گیا۔ لڑکی کے منہ پر ایک تھا اور اب اُس کی ہلکی ہلکی سیکیاں کی سنائی

اُس میں جیسے اُس شہرے نے خود کو زبردستی قید کی قیامت کو دیکھتی ہی رہ گئی۔

مادہ اُس کمرے میں کثرت چہرے والی لڑکی اور یہی تھا مگر لڑکی اب صرف میری جانب عجیب سی نظر اُس نگاہ میں احساس شکر گزار ہی تھی تھا اور

مجھے بھی! لیکن ہے کہ تم کچھ دیر کے لیے مجھے اس فلیٹ میں مہمان ہو دو۔“ معا میں نے شہرے کو مخاطب کیا۔
 ”اگر یہ کیوں نہیں!“ شہرے جلدی سے بولا۔
 ”اُس دن گھنٹے سے قبل نہیں ہونی چاہیے!“ میں نے کہا۔

لے انبات میں سر ہلایا اور اپنے ساتھی سے مخاطب ہو گیا۔
 ”وہ دروازے تک اُن کے ساتھ گئی۔ شہرے نے ہٹ کر کہہ کر سے کہا۔“ غالباً آپ دوسرا حرجہ استعمال کرنا“
 ”مزہ؟“ میں نے کہا۔

”اے! یہ ہے کہ آپ اُس سے جلدوری جتا کر اُس کی زبان پر لیں لیکن وہ وعدہ یاد رکھیے گا جو آپ نے مجھ سے کیا“
 ”بھلا۔“

”مجھے یاد ہے میں نے اُسے وعدے سے جلد ہٹانے کی عرض سے کہا۔
 ”مجھے اپنے ساتھیوں سمیت فلیٹ سے نکل گیا تو میں نے دروازہ پر ٹوٹ کر اُس کمرے میں پہنچی جہاں لڑکی کو چھوٹا تھا۔ وہ اُس کمرے میں بھی ہوئی مگر میری پیشانی پر ہی اُس کے ہاتھ لگے۔“
 ”مجھے دوبارہ کمرے میں داخل ہونے پر پتہ چلا کہ اُس نے اپنی بڑی بڑی ٹیبل رکھیں اور پر لٹا دیں۔“

میں اُس کے قریب ہی مہر کی پریچھ گئی اور میاں سے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولی۔ ”ڈھیری ڈارنگ! مجھے افسوس ہے کہ ان لوگوں نے تمہارے ساتھ ایسا سلوک کیا۔“ میری زبان سے اپنا نام سُن کر وہ چوکی مگر بولی کچھ نہیں۔ میں آہستہ آہستہ اُس کا زہر و ناز۔ ہاتھ ملا کر اپنی جینٹلے توقف کے بعد میں نے اُسے پھر مخاطب کیا۔ ”بہر حال جو ہوا سو ہوا لیکن مجھے خوشی ہے کہ تم نے زبان نہیں کھولی۔ تم ذہنی لڑکی معلوم ہوتی ہو۔ اگر تم انھیں تو کڑا پتہ بتا دیتے تو شاید وہ تمہیں زندہ نہ چھوڑتے۔“

”تو... تو کیا آپ اُن کی ساتھی نہیں ہیں؟“ میں نے امتیازی حیرت سے سوال کیا۔ اُس کی آواز میں بھی اُن کی طرح حسین تھی۔

”دیکھا تم مجھے اُن کا ساتھی سمجھتی ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں تمہیں اُن کے شکل سے نکالنا چاہتی ہوں۔“ یہ کہتے ہوئے میں اُس سے قریب ہو گئی۔ اب اُس کے جسمانی لمس سے میرے جسم میں سنسناہٹ ہونے لگی تھی۔

”مگر... آپ کو مجھ سے... مجھ سے کیا جھڑپی ہے اور آپ مجھے کیسے جانتی ہیں؟“ اُس نے کہا۔ اُس کے جسم میں معصومانہ حیرت تھی۔
 ”ان باتوں کو بھلا دو۔ میں تو تمہیں یہ کیا تو کمرے کے پاس کھینچ جاتی ہوں۔ بولنے میں میرا ہاتھ ہے لیکن اُس کے ہاتھ تو گول اور ہلکے پھلے ہوئے ہیں۔ میں دراصل تمہیں ایک بات سے آگاہ کرنا چاہتی تھی جس سے شاید تم ناواقف رہی ہو۔“
 ”اہم بات؟“

”تمہاری بیٹی عمر کی لڑکیاں خصوصاً محبت کے معاملے میں جذباتی ہوتی ہیں۔ وہ کہیں بھی بہت بے پرواہ ہو کر کھوٹا نہیں چاہتی ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ تم بھی اُنہی لڑکیوں میں سے ہو۔ اگر اپنے محبوب، فوٹو کی زندگی بچانے کے لیے تمہیں خود اپنی زندگی داؤ پر لگا دینا پڑے تو شاید تم گڑبگدیں کر لو گی۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟“ یہ کہتے ہوئے میں نے لڑکی کے متغیر ہونے پر سے کھو کر سے دیکھا اور غصوں کیا کہ میرا دروازہ نہیں لگا۔

”تو کیا... کیا تو کمرے کی زندگی خطرے میں ہے؟“ وہ بچانے کی لہجہ میں بولی پھر خود کلائی کے سے انداز میں بڑبڑائی۔ ”مگر اُس کے کمرے کی طرف سے خطرہ ہو سکتا ہے۔“
 میں سکرائی اور بولی۔ ”ان سوالوں کے جواب تم سے زیادہ فوٹو کے لیے جانا ضروری ہیں اور ان کے علاوہ بھی بہت سی اچھ باتیں!“

ڈھیری کے چہرے سے اُلجھن کا اظہار ہونے لگا، پھر اُس کا

موسم میں ڈوب گیا جیسے وہ کسی فیصلے تک پہنچا جا رہی ہو۔
 میں نے کہا کہ تم دیکھ کر ایک اور ضرب لگائی یہ فزری! دنیا میں
 ہر شے کی قیمت ہے اور میں بھی تمہارے محبوب کی زندگی بچانے کا معاوضہ
 چاہتی ہوں لیکن معاوضہ فوکر نہیں، تمہیں ادا کرنا ہو گا۔
 مجھے یہ کہیں میرے پاس تو فوکر نہ کی صورت میں کچھ نہیں ہے۔
 فزری نے اپنی ہلکی آنکھیں میری طرف اٹھائیں۔
 میں نے اس کا ہاتھ چھو ڈیا اور اس کی ٹھٹھکی پر کمر اس کی نیلی
 آنکھوں میں بھجکا، پھر بولی، کون کتنا ہے کہ تم ہی دامن ہو تمہارے
 پاس تو فزری دولت ہے کہ زندگی بھر بھی خرچ کرو تو ختم نہ ہو۔ یہ الفاظ
 ادا کرتے ہوئے جذبات کی شدت سے میرا لہو بھاری ہوتا چلا گیا اور
 مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا سارا وجود ان نیلی آنکھوں میں ڈوبتا
 جا رہا ہو۔
 مجھے یہ دیکھ کر ایک خوشگوار حیرت سی ہوئی کہ میں نے پس الفاظ
 جو کچھ کہا تھا، اس نے پوری مومنیت کے ساتھ سمجھ لیا۔ رُو عمل کا آثار
 اس نے فوراً ہی کیا تھا، اس کی شاخیں گل جیسے ہاتھیں میری طرف اٹھ
 جاتی تھیں میں نے ان ہاتھوں کو تھام لیا۔ مجھے یہ اندازہ لگا نہیں دیر
 نہیں گئی تھی کہ فزری ان راہوں سے آستخفا جبر میں اسے بے باک
 چاہتی تھی۔

میں نے اس کی غمائی کو ابتدائی مرحلے ہی میں محسوس کر لیا۔
 میرے لیے بڑا دلچسپ تجربہ تھا، میں بہت دلوں بعد کی روزناتے
 کیفیت دھال سے بھرا ہوا ہوتی تھی۔ مجھے اپنے مزے و شوق مہربانوں کے ساتھ
 گزارے ہوئے خوبصورت لمحے یاد آ رہے۔
 نیلی آنکھوں میں پڑے ہوئے سرخ سرخ ڈورے آہستہ
 خود فزری کی دل کی آنکھ سے ادا کرنے کے رنگ مجھ سے باتیں کرنے
 لگے۔ دیر چلے کسی خوشبو نے دستک دی اور میرا دھوپ چھٹا مارے
 دروازے کھول دیا ایسے مہمان روز روز بک آتے ہیں، کوئی میرے
 اندر تیر تیر نہ آتے نہ لگا۔ گنگنا تے ہوئے آتشباروں کی طرح میں نے
 اس کے تپوں کی صدا سنی اور اس صدمہ کے سوچیں کھو گئی بند تبا
 عقدہ کشائی جاتا ہے تھے، وہ عقدہ کشائی کی گئی مگر عقدہ کشائی کرنے
 والا کون تھا، نہ مجھے خبر تھی نہ اسے! خبر و ہوش کی منزلیں تو بہت چھپے
 ہو گئیں۔ ہاں، ان بے خبری کے لمحوں میں بھی مجھے اتنی خبر تھی کہ
 حصول مقصد کچھ اور بھی ہے۔

فزری نے میرے غیب کے پتے سے توافقت ہونا نہ مجھے
 میں معلوم میں نے یہ چند الفاظ اس طرح ادا کیے!
 "ہاں میں اس کا پتہ جانتی ہوں" اس نے بے ترتیب مساتوں

کے درمیان کہا۔ اس کی آواز جیسے کہیں
 رہی تھی۔ میں... میں آپ کو... میں اس کے پاس
 آپ....
 شاید اس کے بعد ہی فزری نے کہا کہ اٹھا
 تمہا لیں مجھے جو سننے کی آرزو تھی وہ بھری ہوئی، ہم
 ملے ملے تھے جہاں تک ملنا چاہے۔

سفر کے دوران گیارہ گیارہ فزری نے
 چل رہی تھی۔ کبھی کبھی اس کی تیز رفتاری بڑھ جاتی اور
 تمام قیمتی سامان کو تو فرسید ہے، منزل پر تو
 جو لذت بھٹکتی ہے جس سے وہ منزل پر پہنچ جاتے ہیں کہ
 شاید اس سفر سے سنا تھی۔ وہ بھی میرے ساتھ ہو گیا
 دو دو بلہاں بیاں محبت محبت کے تعلق میں آگے بڑھتے۔
 تھا کہ گلا کر رہی جس پر رشک کر رہی تھیں جذبات کی وہ
 احساس کی بھانوں! کہیں اترتا تھا تو کہیں کھشت
 روش غار میں ان کو کہیں قدم قدم لگا دلا، کہیں سنا
 کہیں گلاب ہی گلاب، ادا ہل بھٹکتے میں بڑی لذت ملی
 محو کے قدمے قدمے کو خوشنودی ٹھنڈی چاند نے ادا
 لے لیا۔ صواریں کھلتے ہوئے گلابوں پر شبنم کی چھوڑ دی
 شبنم میں نہ گئے اور ان کے چہرے دھکتے لگے۔ ان کی
 تیز رفتاری میری آنکھیں فیرو ہو گئیں اور میں نے آنکھیں
 ان گلابوں کی خوشبو میرے انفاس میں آتری تو میں
 کی سرحدوں کو چھو لیا۔

رنگ چھپنے، خوابوں کی دھندلک ہوئی تو مجھے
 کھل چہرہ نظر آیا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی آسودہ مسکرا
 ہم دونوں نے اپنے اپنے بچے ہوئے وجود کو دیکھ لیا۔
 میں نے گھڑی میں وقت دیکھا تو شہر کے کونے
 ایک گھنٹہ گزر چکا تھا اور اس کی دہائی میں ابھی ایک گھا
 اس ایک کھٹنے سے میں پورا فائدہ اٹھا جا رہی تھی۔ اس پورے
 نازک جسم کو بھی موت سے بھینکنا نہیں ہوتا چاہیے تھا۔
 دہائی کا مطلب فزری کی موت ہوتا جو ہر حال میں نہیں ہا
 "ہو جلیں" ماما میں نے فزری کا ہاتھ تھامتے ہوئے
 ادا... کھڑی ہوئی۔

فلٹ کی چابی دھوڑنے میں زیادہ وقت نہیں لگا
 کو فوشٹ کے ایک کالرس پر رکھی مل گئی تھی میں فزری کی
 فلٹ سے نکلی فلٹ کا لا لگا اور چابی جیب میں ڈال کر لالٹ

کے نیچے شہر کے کابوڑ چھینے تھے۔
 دھوڑنے لگا، دوڑائی۔ کچھ دیر بعد ہی
 میں نے ان کی دکان دی مجھ سے پہلے فزری
 اور اندر گیا۔ کسی ہمارے قریب آ کر رک
 اٹھتے ہوئے ڈرائیور کو کسی جگہ کا پتہ بتایا۔

زیادہ کثابت نہیں ہوا تھا کسی ایک
 مگر کبھی جس کی پیشانی پر کسی دردناک
 میں نے کسی کا گرا یا ادا کیا، کسی سے آری
 منزل عمارت کی طرف دھڑکی۔
 ایک نوکر میرے؟ میں نے ان کے بڑے ہوئے

لے داب دیا، یہ فرم کو فزری کے ایک تھانے
 نوکر نہیں ہوگا۔ بغیر ادا میں اس کے علاوہ
 میں...
 ہے کہ نوکر واقعی اس رات تھیں فام کی

ہو کر چلا گیا تھا، "میں نہ کہنا۔"

میں نے مجھے اس نے کچھ نہیں بتایا تھا فزری بولی
 کہ پورا پہلی منزل پہنچی۔ اس منزل پر بھی دفاتر
 اسی منتظر کروں کے سامنے سے فزری ہوئی
 اسے بڑھ کر گئی۔ دروازے پر ایک باوردی ملاز
 اور کو دیکھ کر وہ استقبال انداز میں مسکرایا اور پھر
 اس نے دروازہ کھول دیا۔ اس کا مطلب
 ملازم کے لیے اسی نہیں تھی۔

ان کے براہ جیسے ہی کمرے میں قدم رکھا ایک
 از سنائی دی۔ "آئیے صبح بانو! میں آپ کی کا
 از کی سمت دیکھا، اس بڑے سے کمرے کے آخری
 کمرے میں ایک تونڈنٹس گھومتے والی سی بڑھئی
 اس سے بڑھ کر کسی کمرے میں نہ بولا۔ "جی، آئیے"
 ی کے ذریعے کچھ کہنے میں کیا اب بوجا میں گی
 نہ نہ تو قہقہہ کیا پھر کہا "لو گو سلا دیں میں ہی کے
 آپ خوش آمدید کہنا ہے۔
 مہمان کی آستین میں کرو گے؟" میں نے مجھے ہوئے

لیے ہیں کہا! اس پر سے کچھ کون چھپا ہوا ہے؟
 "کی آپ کو کسی کے کارڈنگ کارڈ نہیں ملا؟"
 "کارڈ مل گیا ہے مگر میں اس کا پتہ جانتا جا رہی ہوں۔ میں نے
 ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"ہر چند کہ آپ یہی ذہن خاتون کے لیے وہ کارڈ ہی کافی تھا
 لیکن میں آپ کو کسی کے کا پتہ بھی بتا دوں گا۔ آئیے تشریف لے جائے؟"
 اس نے میری دوسری جانب رکھی ہوئی کرسیوں کی طرف اشارہ
 کرتے ہوئے کہا۔

میں آگے دھکی مگر فزری اسی جگہ حیران پر نشان سی کھڑی
 رہی۔ وہ شاید معاملے کی تہ تک نہیں پہنچی تھی۔ اس سے پہلے کہ میں
 میرے سامنے کھٹی ہوئی کرسیوں تک پہنچی کر کھا ایک سٹوائپ پیسٹ
 بلند ہوئی پھر میں نے فوکر کو سید پلا کر کرسی سے اٹھکھٹ دیکھا۔
 میں تیزی سے پہنچی۔ دروازے کے قریب ہی شہرے ریاوار لے کھڑا ہوا
 تھا اور اس سے چند فٹ کے فاصلے پر فزری کا جسم ٹرپ رہا تھا۔
 میں نے دیکھا کہ شہرے کے ریاوار پر سائیکس لگا ہوا تھا۔ شہرے
 درجائے کتب دروازہ کھول کر اسٹیج سے کمرے میں داخل ہو گیا تھا
 اور دروازے کے باہر کھڑے ہوئے باوردی ملازم نے آتے نہ
 جانے کیوں نہیں روکا تھا!

حیرت کے چند لمحوں کے بعد میں کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ
 شہرے بول اٹھا، مجھے افسوس ہے کہ آپ نے اپنا وعدہ وفا نہیں کیا
 لیکن مجھے اس کی توقع تھی اسی لیے میں سامنے کی طرح آپ کے پیچھے
 لگا رہا۔

شہرے نے "میں تقریباً چھ بڑی آرتھو مار... لگاڑیاں
 اپنے آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ یہاں سے فوراً
 اٹھ جائیں۔ یہاں کسی بھی لمحے کوئی آسکنا ہے اور آپ کی حفاظت
 بہر حال۔" فزری نے۔

مجھے بھی صحت حال کی نزاکت کا فوراً احساس ہو گیا تھا۔ اب
 وہاں ٹرک لے سکتی تھی تھا اور شہرے سے مزید کثرت بھی گھول سکتی تھی
 جو کہ کہنا تھا اگر گزر رہا تھا اس نے اپنے ساتھیوں کا احترام نہ لیا تھا۔
 مجھے آگے اس کے تعاقب کا ذرا بھی احساس ہوا تھا تو شاید یہ صورت
 پیش نہ آتی۔

فزری کا جسم اب ٹرپ ٹرپ کر ساکت ہو چکا تھا اور ہم کے
 ارد گرد خون پھیلا ہوا تھا جو دیر تا لیں میں جذب ہوتا جا رہا تھا فوکر
 اپنی کرسی سے اٹھ کر غائب ہو گئی تھی میرے کمرے کے دم توڑ چکا تھا۔
 چلو! میں نے شہرے کی طرف دیکھ کر پٹا سے لیے میں کہا

اور قدم آگے بڑھا تھا۔

شاہد بڑھنے کے سرکش داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر دیا تھا۔ اس نے روبرو اور حجب میں لٹکھا اور مڑ کر آہستگی سے ٹھوٹا اور دروازہ کھولا۔ پھر باہر جھانکے ہوئے سرگوشی کی لہجے میں آئینے راسخ صاف ہے۔ کیا تم نے ملازم کو بھی طعنے لگے گا یا نہیں لے آگے بڑھتے تھے مہم لیے میں کہا۔

”اُس کی مہمزد نہیں تھی۔ اُسے یہاں سے پٹا دینا ہی کافی تھا۔ اُس نے جواب دیا اور کمرے سے نکل گیا۔

”میں نے بھی اُس کی تقلید میں دروازہ عبور کیا اور باہر اُن کی پہنچ گئی۔ بڑھنے جیسے چند قدم آگے تیز تر چلتا ہوا زینے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

عملت کے نیچے بڑھنے کی کار موجود تھی۔ وہ کار میں بیٹھا اور دوسری سمت کا دروازہ میرے لیے کھول دیا۔ میں کالہ کے سلسلے سے گزر کر دوسری سمت پہنچی اور تیزی سے کار میں بیٹھ گئی۔ میرے بیٹھنے ہی کا ایک جھٹکے سے آگے بڑھی۔

بڑھنے جیسے کار میں کوئی فلیٹ میں پہنچ گیا جہاں سے میں ڈبیزی کے ساتھ روانہ ہوئی تھی۔ میں نے فلیٹ کی چابی اُس کے حوالے کر دی تھی۔

نوکر کی موت نے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ اب اس کے برہم میرے پاس کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں لندن روانہ ہو جاؤں جو ہو چکا تھا۔ اس سلسلے میں بڑھنے سے مزید بحث و مکر اور غول ہی ثابت ہوئی۔ یہی سوچ کر میں نے اس مسئلہ پر خاموشی اختیار کر لی۔

بڑھنے اور میں کمرۂ نشست میں ایک دوسرے کے مقابل تھا تو بیٹھے ہوئے تھے۔ معائنہ نے بڑھنے کو غلط کیا یہ بڑھنے اتم یہاں سے میری لندن روانگی کا بندوبست کتنی دیر میں کر سکتے ہوئے؟

”اس کا انحصار لندن جانے والی فلائٹ پر ہے۔ اس سلسلے میں معلومات حاصل کرنا ہوں گی۔ بڑھنے نے جواب دیا۔

”میری مزاد مزدوری خانہ تیزی سے بھرتی ہو رہی ہے۔ میں نے کہا۔

”اُس میں زیادہ دیر نہیں ملے گی۔ ممکن ہے کہ میں آج ہی کام کر دوں۔“

”توجہ! توجہ!“ میں نے اٹھتے ہوئے کہا مجھے ہوٹل چھوڑ دو اور رضوان کو بھی اسپتال سے ڈسچارج کر کے ہوٹل پہنچا دو۔ اگر کسی صورت میں آج ہی لندن کے لیے روانہ ہو جائیں تو بہت بڑھتے ہیں۔ میں

ہوٹل پہنچ کر کچھ رضوان کا دارانا تھا۔ تمہارے لیے لندن کا دروازہ اسامہ کل میں نے بڑھنے کے ہمراہ ہوٹل پہنچا۔ کیسے۔ بڑھنے باہر سے آئے اور کچھ دیر کے بعد آئے۔ بڑھنے کو دانا کر کسی بھی وقت روانگی ممکن ہو۔ رضوان کی آمد سے قبل ادا کر دیتے تھے۔

رضوان کو ہوٹل پہنچنے میں ایک گھنٹہ بڑھنے اسے ہوٹل کے دروازے پر ہی مہم رضوان کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی اسے تمام باتیں اس نے بہت بخور و خوشی سے سنا۔

”باناؤ! کسی کے سے کیسورنگ لگ گئی تو بنتا لندن میں کیسورنگ لگاتا ہوا دانا اس پہنچ کر میرے خیال میں کسی ایسے شخص کی طرف نہیں ہوگی۔“

رضوان کی قیاس آرائی نے فکر کی نئی نالی واقعی ممکن تھا۔ اس سلسلے میں انہیں پہنچ کر ملنا معادن ثابت ہو سکتی تھی۔ ڈسٹرکٹ میں اس کا کرنا زیادہ دشوار نہ ہو گا جو کیسورنگ لگاتا ہو گا۔ فزنا اور اسے گنتے جیسے ہی ہو سکتے تھے۔ میں نے خیال سے اتفاق کیا۔

میں اور رضوان اس وقت تک اس سلسلے میں جب تک کہ بڑھنے نہ ٹوٹ آیا۔ مجھے یہ دیکھ کر کامیاب لگتا تھا۔ اس نے نہ صرف مزدوری خانا

میں شام اندن جانے والی فلائٹ کے ٹوکیٹ ہم اس وقت شام کے ساتھ چارے پر گئے۔

فلائٹ روانہ ہوئی تھی اس لیے ہم فوراً ہی ہوٹل کے لیے روانہ ہو گئے۔

رخصت ہوتے وقت بڑھنے نے ایک ہارم اور میں نے فراغت سے مشکلاتے ہوئے اس کی اعزاء اس نے بہر حال اپنی دانست میں مجھے سے بھرپور

جہاز نے پرواز کی تو میری آنکھوں میں لگا۔ یوگوسلاویہ کی ایک یاد بہر حال میں اپنے ساتھ

لندن ایرپورٹ پر میں رضوان کی ہمراہ گئے ایرپورٹ کی عمارت سے نکلی تو ایک بالی بارش ہو رہی

نہا مہم میں نے ایک کسی کی اور کے لیے کہا۔ وہ ایک متوسط درجے میں نے سوچ کر کہا کہ میرے پاس جم۔ یہ ہوٹل آکسفورڈ اسٹریٹ ہالڈنگ میں اس کے بارے میں ماربل آرچ اور ڈیو

مل کر میں نے مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں کیا۔ ڈبلا سوٹ مل گیا تھا۔

ان کے کھنے کے بعد میں نے پہلا کام ہی کیا کہ وہاں ہائیڈروجن ٹرانسکریپشن اور تیزی سے دیکھ کر میرے پیچھے کی کھڑا تھا اور اس کی نگاہ

لی تھی۔ دیکھ کر کچھ ٹری۔ مجھے اس قدر جلد کھانا

باندی سے پتہ چھا، ۳۴، ۳۴، ۳۴ میں نے نیچے نظر ڈالی۔ شینگ ڈاکٹر اور

ایک نام لکھا تھا، چارلس ٹیلی! میں ایک بار کا پہلا انگریزی حوت مہم، کھانا اور کھانا

میں لاہور میں کرنا تھا۔ یقیناً چارلس کی ہی نے مکر رضوان کی طرف دیکھا۔ اس کے

رنگ کا اندازہ ہو رہا تھا۔

لاہور معلوم ہوتا ہے۔ رضوان نے کہا اور میں بہت نقش ہو چکا تھا اس لیے میں نے ڈاکٹر کی

مدد سے بولی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک ہیں۔

یہ بات میں کراشات میں سر ہلایا۔

وہ نیت جانو اور جی بھر کر اہم کر لو کیا خبر کل

دو چار ہوتا پڑے۔

میرے خیال سے اتفاق کیا۔ اس کے بعد میں اری باری غسل کیا، کھانا منگو کر کھایا اور اپنے

الہ ہو گئے۔

تھا۔ میں بچوں کے بل چلتی ہوئی دروازے تک پہنچی اور دروازہ کھولتے ہی ایک دم دروازے کی آڑ میں ہو گئی۔ اسی وقت کوئی قسم سے اندر گزرا۔ میں آگے نکل کر تیزی سے اس کے قریب پہنچی۔ نیلے لب کی ہلکی روشنی میں بھی میں نے اسے خود بخود پہچان لیا۔ میں تقریباً بیچ بڑی۔ نیلی کمال!

نیلے کمال کو اس حالت میں دیکھ کر میں وقتی طور پر گھبرا گئی لیکن جب میں نے اس کے زخموں کا جائزہ لیا تو میری کھل پٹ ڈھیر ہو گئی۔ اس کی زندگی کو کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا۔ مگر غصہ خون بہہ جانے اور اسی حالت میں میرے کمرے تک پہنچنے کے سبب نہ حال ہو کر نفس

کہا گئی تھی۔ اس کا سانس چھوٹا ہوا تھا۔ اسے اندازہ ہوا تھا کہ وہ غالباً ڈھکی ہوئی دکان تک پہنچی تھی۔ مگر اسے کھول کے رہا تھا۔ اس کا سانس درست ہوتا جا رہا تھا۔

میں نے جب تک کہ اسے بازوؤں سے اٹھایا اور اس کے سر کو کھینچا

کراڑے جانے لگی۔ اس سے پہلے ہی کہہ کے دروازہ بند کرنا نہیں ہوئی تھی۔ ابھی میں نے چند قدم کا ناملا ہی تھا کہ تھکا مڑوں سلیٹ کا خون کی

بلیٹ باندھتا ہوا تیزی کے ساتھ اپنے کمرے سے نکلا اور میری طرف بڑھا۔ اس کے چہرے پر انتہائی حیرت کے اثرات تھے جیسے وہ کوئی غلاب دیکھ رہا ہو۔

”باناؤ... یہ رول... زخمی لڑکی کون...“

”کوئی سوال بعد میں کرنا۔ میں نے رضوان کی بات کاٹتے ہوئے

کہا۔“ پہلے اسے میرے بستر تک پہنچانے میں مدد کر دیا۔

رضوان نے میرے کہنے پر اپنی کوکب طرف سے متوجہ کیا میں نے احتیاطاً اس بات کا خیال رکھا تھا کہ میرے کپڑوں پر اپنی آغوش نہ لگے۔

جب میں نے رضوان کو بھی یہی احتیاط پرستہ دیکھا تو مجھے خوشی ہوئی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ پوری طرح چھوٹا تھا۔

میں رضوان کی مدد سے لیٹا تو اپنی خواب گاہ میں نے آئی اور بستر پر

رہ دیا۔ پھر رضوان سے غلط ہوئی۔ دیکھو غصہ نے میں جاکر گھر کی پانی

لے آؤ! اور اس دہیں دو آؤں کا چھوٹا سا کینٹ بھی میں نے دیکھا تھا۔ اس کینٹ میں یقیناً کوئی جراثیم کش دوا ہوگی، وہ بھی ایسے کتا۔

رضوان بغیر کچھ کہنے غصہ نے اس کی طرف بڑھ کر اس کی نیلی کمال کی طرف متوجہ ہو گئی۔ مجھے اس کی لندن میں موجودگی حیرت انگیز معلوم ہوئی۔ ابھی تک رخصت ہی تو میں اس سے پیکیگ میں ملی تھی میں نے اسے اُن کا مذاق کی نقل دی تھی جو اس کے کمرے سے زبردستی



مائل کر کے فتح کر لے جسے تنظیم آزادی تنظیموں کے افراد کا دل لندن میں موجود ہونا میرے لیے باعث برکت نہیں تھا لیکن یہی کام کچھ ٹھیک سے دیا جاتی بلدی کی بیچ جانا ضرور توجب خیر تھا۔ میں رضوان کی لاپٹی نگاہی خیالوں میں مگر یہی۔

جس تک ممکن تھا میں نے اپنی کمال کے دشمن کی ڈریگ کر دی، پھر مجھے اس کے غرق کو دیکھ کر دل کا خیال آیا۔

”رضوان! تم اپنے سر سے تھکاؤ کو گھوڑیں اس کے کپڑے بدلنا چاہتی ہوں؟ یہ کہتے ہوئے میں اس طرف بڑھی مگر کپڑوں کی لاپٹی تھی مگر رضوان وہیں کھڑا رہا۔ میں نے اس کی طرف پلٹ کر دیکھا تو اس کی آنکھوں میں سواکتا چلنے دیکھے۔

”مجھے یہ خیال صرف اتنا بتا دیجیے کہ آپ اس لڑکی کو پہلے سے جانتی ہیں؟“ رضوان میری سوالیہ نگاہ کے جواب میں جلدی سے بولا۔

”ان! میں نے تیزی سے کہا۔ لیکن بقیہ باتیں میں بعد میں بتاؤں گی۔ اب تم یہاں سے چلے جاؤ ورنہ ستر ہے۔“

میں اس میں بیٹھ بیٹھ موز کو نہیں کھڑا ہو سکتا؟“ رضوان کے لہجے میں شرارت موز کوئی۔

”نہیں! میں نے سخت لہجے میں کہا۔ اگر تم نے مزید مذکر تو یقین کر لو کہ میں تمہیں اس لڑکی کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گی، سمجھے!“

”دراصل آپ کو کسی ضرورت لڑکی کے ساتھ تھا جھوڑتے جوئے فراڈ پر ہی لگتا ہے مگر میں کچھ دیر بعد آنے کے لیے چلا جاتا ہوں۔“ رضوان نے کہا، پھر اس سے پہلے کہ میں مزید کہہ سکتی وہ دھڑکنے سے نکل گیا۔ وہ غالباً سمجھ چکا تھا کہ اس نے مزید شرارت کی تو واقعی میں اسے پہلے کے بارے میں کچھ بتا کر ضرورت تک کروں گی ورنہ ہر سبک وہ نہیں چاہتا ہوگا۔

رضوان کے جاتے ہی میں نے کپڑوں کی لاپٹی کو کھول کر اپنا ایک گاؤں نکالا اور سڑکی طرف بڑھی۔ یہی لاپٹی اب تک بیٹھ تھی۔ میں نے اس کا غلاف اُٹا دیا اور اندر اس کے جسم کو گاؤں میں پلٹ دیا، پھر اس کے لباس کو دھوئے میں نے جا کر سیٹھیل پڑوں کے کینڈٹ میں ڈال دیا۔

میں ابھی غلاف سے سے نکلی ہی تھی کہ اچانک بڑی۔ مجھے پونی دروازے پر دستک دینی دیتی تھی۔ یہی لاپٹی کی وہاں موجودگی میں مجھے بے حد عجب و طبع بنا تھا۔ ممکن تھا کہ مجھ سے پہلے رضوان اپنے کمرے سے نکل کر یہی دروازہ کھول دیتا اس لیے میرا دل ان فوجی بیچ خنجروری تھا۔ میں نے اپنی کمال کی طرف دیکھا۔ وہ میرے سر پر مڑی ہوئی تھی بے جیسے اس نے میری جھٹی میرے اندر سے کے مطابق اسے جسے ہوش آنے سے روک دیا تھا۔

اس ڈبل ٹوٹ میں دو ذرا لگا میں تھیں اور ایک ڈرائیگ روم! داخلے ہوا ستر ڈرائیگ روم میں سے تھا اس لیے میں تیزی کے ساتھ

ڈرائیگ روم میں پہنچی۔ توقع کے مطابق۔

”تھانکس اُنس نے دروازہ کھولنے میں مدد کی“

کوہ کچھ کہتا تھا، میں نے اپنے ہونٹوں پر ہانکھا۔

”کاشاںہ! پھر بیٹھو گیل کے بل پلٹی ہوئی“

پسینہ گئی۔

”دروازہ کھٹکھٹانے والا کوئی شخص مگر گوشی کی“ تم اپنے کمرے میں جاؤ اور دروازہ صورت حال سے نمٹنا اُنس ہونگا۔“

رضوان موقع کی نزاکت کو محسوس کر کے دروازہ کھولا اور دروازہ کھیر لیا اب میرا دل بار بار تھا۔

میں نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے چلا کر کہا ”کون ہے؟“

دروازہ کھولتے ہوئے بھی میں اس کا نام ناوقت اُٹھانے جانے پر میں جھنجھلائی ہوں

”کیا ہے؟ میں نے دروازہ کھولتے ہی

دلہاری بدوش تھی اور میں اُن میں اس کو کم اپنے لباس کی وضع قطع سے عام شہری ہی دکھائی اُن کے انداز اور انداز میں جیسے نہیں تھے۔ اُن میں شخصیت کا ایک تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر نمایاں طور پر تھا کہ میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔ میں نے اسے اس کے دو مجھے تعجباً پہچانتا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کا کپڑا تھا کہ مجھے دیکھ کر اسے حیرت ہوئی تھی۔

میرے سوال کے جواب میں اس نے ہنسنے کہا۔

ایک خطرناک لڑکی اس بڑوں میں گھس گئی ہے۔ ہم پھر رہے ہیں۔ جہاں تعلق پیشہ لوگ سے ہے۔“

”نہوڑم تھا مگر ایک عجیب سی کھٹک لٹا اسے الفاؤں کو لڑا بنا دیا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے جھک بھی تھی جیسے وہ تمام غلامکات ہی دیتا رہا ہمارا کرنے کا عادی ہو۔ اگر وہ واقعی پولیس ہی کے قلم کوئی بڑا افسر ہو یا ہوگا کہ اسے اس قدر بات گئے۔“

”نہیں شیتے پھر تیرے کام کو اُن کے جسمی اہمیتوں کا ہر میں نے انھیں لے کر جوئے فری مصروفیت سے تو میں بھی ہوں مگر میں نے یہ کہہ کر اسے پرنا ہے۔ یہاں سے سی سے چھپ کر نہیں گھسی ہوں۔“

میں ہمارا جرم حقیقت رکھنے کے لیے رو بھلا جاتا ہوا۔ پھر کون آواز میں بولا۔ ”مجھے آپ کی باتیں بھرا کچھ نہیں تھیں۔“

”اُس سے کہوں کہ وہ جانتا تو مجھے بھی ہے۔“

”سہ! یہاں کوئی دشمنی لڑکی نہیں آئی۔“

”آئے دیں؟“

”ہاں کہ یہاں کوئی دشمنی لڑکی نہیں تو سچ ہوگا۔ یہ لڑکی بات پر یقین نہیں؟“ میں نے جھنجھلاہٹ کہا۔

”نہت والے نے مجھے تشریف آمیز نگاہ سے دیکھا۔ میں اس کا ہاتھ کر کے اسے ابھی غلابا اُس نے لڑکھایا۔ وہ مجھ سے بولا۔ ”وہ لڑکی غریبی ہے اور تم سے کہنے والے غریب ہی نے بڑوں کے بانی کی ہے۔ اگر آپ غور سے دیکھیں تو انہیں پر آپ غریب کا وجہ نظر آئے گا۔ یہ نہ ہوئے۔“ دروازے کے سامنے کچھ ہوتا تھا

”کہا میری ماں تالین کے اُس حصے پر واقعی ہمارا ہوتا تھا۔ اُس حصے کی رنگت کتنی ہوتی جا غریب تھا کہ وہاں خون ہی گرا تھا۔“

”ہاں ایک نظر اپنے منہ کا ہاتھ لینے دیں۔“

”میں نے تیزی سے کہا۔ میں دروازہ اندر سے بند سامی دیوگ پر میں نے خود دروازہ کھولا تھا یہاں میں آیا۔ میرا بوجھ لڑکی تھا۔ میں نے اپنی بات پوری نہ کرنا چاہا مگر میری جھٹی میری شخصیت والے نے۔ میں ان کے مجھے ایسا کرنے سے روک دیا۔

”اے! میں اسے نہ کر رہا ہوں۔“

”میں نے جیب سے روٹ لیا اور کال لیا۔“

”میں نے جیب سے اپنے دیکھ کر کہا۔ ”یہ مشہور لڑکی کوہ ٹنگ لندن کی پولیس سے ہرگز تعلق نہیں۔“

”میں نے اپنی اجازت لیے لاپٹی کو اٹھا لیا۔“

”اے! یہی تھی مگر وہی طور پر نہیں دیکھنے کی تھی۔“

”میں نے اپنی اجازت لیے نہیں تھے کہ میں اُن کی جھٹی کو انداز کر دیتی۔“

”راستہ سے دیا میرا خیال تھا کہ شاید اندر اسے ہوسے۔“

”یہی ہو جائے۔“

”اگر کوئی ایسا موقع نہ تو میں یقیناً ہر گام پر ہر قدم پر اس کے علاوہ میں رضوان کو بھی نہیں بھولی تھی چاہے مجھے کمرے میں موجود کسی موقع کی تلاش میں ہوگا مگر وہ لوگ اپنے کام میں بہت ہوشیار تھے کہ انھوں نے مجھے ایسا کوئی موقع نہیں دیا اب اُن جی کے انتہوں میں رہا ہوتا تھا۔“

”پہلے متاثر شخصیت والا اندر داخل ہوا پھر میرے کمرے کے اندر سے دروازے اندر آئے۔ اُن سبھی کے دل اور میری طرف اُٹھے ہوئے تھے۔“

”اب دائیں جانب والے کمرے میں موجود اپنے ساتھی سے کہیں کہ وہ بہر کھائے۔“

”میں نے مجھے منہ لپٹ کیا۔ اس سے کہیں کہ وہ کوئی حقارت نہ کرے دروازے کی زبردستی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ اُسے بتائیں کہ اگر اُس کا ہاتھ میں روٹ لیا جھٹی ہے تو وہ ایک وقت میں صرف ایک آدمی کو لگا لگا کر کھانا بناتا ہے لیکن تقریر داد کے ریلوے میں لپٹی ہوئی گولیاں آپ کو مضطر آخرت پر روانہ کر سکتی ہیں۔“

”اب اب آپ یہ مطلب اچھی طرح سمجھ جی ہوئی۔“

”اُس شخص نے جو کچھ کہا تھا، غلط نہیں تھا۔ اس صورت حال میں میرے لیے اس کے ہوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں اس کے کہنے پر عمل کرتی چند لمحوں کے بعد میں نے باواؤں کے بلکہ کماؤں رضوان! باہر آ جاؤ!“

”یہ تو میری جھٹی تھی کہ وہ شخص مجھے پہچانتا ہے۔ اس صورت میں اُس کا رضوان سے آگاہ ہونا بھی تعجب نہیں تھا۔ اور پھر وہ دل ٹوٹ تھا۔ وہاں میرے علاوہ اس کو کو بھی ہونا چاہیے تھا۔ وہ شخص اتنا احمق تو سبیل نہیں تھا کہ اس سامنے کی بات کو نظر انداز کر جاتا۔“

”چند لمحوں کے بعد ہی رضوان اپنے کمرے سے باہر آ گیا۔ اُس کے جسم پر حسب سابق سیلنگ کا ڈون تھا۔ اُس کے دونوں ہاتھ گاؤں کی جیبوں میں تھے۔“

”اے! پھر یہ کمال جیسے جناب۔“

”میں نے رضوان کو منہ لپٹ کیا۔“

”مجھے علم ہے کہ آپ کے گاؤں کی جیب میں ریلوے ہوا گا، وہ جیب نہایت فراوان۔“

”مگر کون کی تلاش لینے کے بعد آپ کا ریلوے والوں کو دیں گے۔“

”رضوان نے میری جانب سوالیہ نگاہ سے دیکھا اور میں نے اپنی اجازت میں سر ہلا دیا۔ رضوان نے اپنے گاؤں کی جیب سے ریلوے والوں کو کال کر

متا شخصیت والے کی طرف اجمال دیا جسے اُس نے بائیں ہاتھ سے لپک لیا۔

ہم دو تھے اور وہ تین عکس می لکھے تھے فاشی کے دوران میں ہم ان کی کسی غلطی سے فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ یہی سوچ کر میں نے ابھی تک کوئی مزاحمت نہیں کی تھی اور حقیقت تو یہ تھی کہ مجھے ابھی اس کام میں بھی نہیں ملتا تھا۔

”جاؤ دونوں مردوں کی تلاش کرنا“ متا شخصیت والے نے اپنے دونوں ساتھیوں کو حکم دیا اور اُس کے ساتھی حکم سننے ہی میں سے کوسرے کی طرف بڑھ گئے۔

اُس کے دونوں ساتھیوں میں ریلوار تھے۔ وہ مجھے اور رضوان کو کور کیے بہت چکنا انازمیں کھڑا تھا میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ میں خاموشی سے لیٹی کو ان لوگوں کے والے کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ شاید یہ دو ریلواروں کو نظر انداز کر کے اُن سے جھڑپائی ہو گیا یا میں کسی وقت کی جب کوئی اور چارہ نہ رہتا۔ فی الحال مجھے اُمید تھی کہ لیٹی کی موجودگی میں شاید ان لوگوں کی توجہ چند لمحوں کے لیے میری طرف سے مبٹ جائے گی اور میں اُن لمحوں سے فائدہ اٹھاؤں گی لیکن ایسا نہیں ہوا۔

مجھے اس وقت ابھی سماعت پر یقین نہیں آیا جب میری خواب گاہ میں گھسنے والوں نے باہر کمر متا شخصیت والے کو اطلاع دی کہ کاندہ کوئی نہیں تھا شاید متا شخصیت والے کو کبھی حیرت ہوئی تھی کہ میں نے چند لمحوں کے لیے مجھے اُلجھن آمیز نگاہ سے دیکھا تھا۔ پھر اُس نے اپنے ساتھیوں کو رضوان کی خواب گاہ میں گھسنے کا اشارہ کیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ لوگ رضوان کی خواب گاہ سے بھی نکالی آتے تھے وہیں ہوئے۔ ان کی اطلاع کے مطابق وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ اب متا شخصیت والے کے چہرے پر مزید حیرت نظر آئی لیکن صرف چند لمحوں کو پھر اُس کے ہنڈوں پر مسکراہٹ ہو کر رہ گئی تھی۔

مجھے خوشی ہے کہ کبھی نہیں بنا اس نے مطمئن انداز میں مڑا لٹے ہوئے کہا۔ وہ اصل مجھے بہت شکر اکرے کہ ہم کو پناہ دینے کی غرض سے فاشی کی حرکت کر رہی ہیں۔ میں زحمت دینے کے لیے دعا ہی چاہتا ہوں۔ اُمید ہے کہ آئندہ آپ کے دست در فحاشیاں ملاقات ہوگی۔

میری سمجھ میں اُس کی یہ بات نہیں آئی کیونکہ میرا ذہن اس گتھی کو الجھانے میں لگا ہوا تھا کہ لیٹی کمال کمال گئی ہے تو میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ لیٹی کے دشمن خواب گاہ اور دشمنی نے کاجھی طرح جانزور لیے لیجے جیسے آئے ہوں گے۔ مجھے یقین تھا کہ اُنھوں نے ایک ایک کونے کاجھی طرح جانزور کیا ہوگا کہ میرے نیچے اسی جگہ نہیں تھی کہ وہاں

کوئی چھپ سکتا اور چھپوں کی المدی کی کہ میں سمجھا رہی تھی جسے ہوتے تھے۔ اُنہیں گھٹائش تھی مگر ان جالاک لوگوں سے اس کی جاکستی تھی کہ اُنھوں نے پردوں کے منہ متا شخصیت والے نے اپنا پلا رہا۔

کار لو اور اُسے سے دیا پھر دوبارہ محبت خاموشی سے اپنے ساتھیوں کو لے کر کمرے ٹوٹ میں لے کر تیزی سے آگے بڑھ کر دو دکانوں سے دوڑتی ہوئی اپنی خواب گاہ کی طرف بڑھی۔ ۱۹۴۰ء بھی یقیناً لیٹی کے غائب ہوجانے پر حیرت ۱۹۴۰ء میں خواب گاہ میں پہنچ کر تو دیکھا کہ وہاں غلطی نے کارواز سے بھی لٹکھڑا تھا اور وہاں ایک طرف سے ہوتے تھے۔ یقیناً کمرے کا کھنڈہ لیٹی کمال کا کھنڈہ بیٹا نہیں تھا۔ مجھے دکان کی آواز کراس کی طرف گئی۔ اس دوران میں رضوان بھی کمرے کی کھنڈہ ہوئی تھی۔ میں نے اُس کے کھول دیے اور باہر کی طرف جھانک دوں طرف لگا چلا گیا تھا۔ ان کے نیچے ایک منڈیر نظر آئی تھی جو پر دو اور سے باہر لٹکے ہوئے ستون تھے۔ منڈیر متا شخصیت والے کی تھی۔

منڈیر پر چار کسٹون تک جانا ممکن تھا مگر تھا اور یوں بھی لیٹی کی حالت میں مگر کی کہہ کی صورت میں اُس کا منڈیر سے کر جانا ممکن تھا، لیٹی کے غائب ہونے کا کوئی اور راستہ بھی نہیں تھا۔ ”لیٹی! ایس نے آہستہ سے اسے پکارا اور وہ کی طرف غور سے دیکھا۔ اُس کی لمحے وہاں کی جانب والے ہاتھ نکلا جو کاتب رہا تھا اور ستون کو مضبوطی سے اپنا لگا تھا۔ وہ ستون زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ ستون، رضوان کے سر قریب تھا۔

وہ کاٹیا ہوا آئینہ لیٹی کے سوا اور کس کا ہو سکتا تھا دشمنوں کی گرت سے بچنے کے لیے وہی راستہ اختیار کیا خطر نہ تھا۔ اب ایک کمرے کی فحاشی کی زندگی کے ثابت سکتا تھا۔ اُس کا لپٹا ہوا ہاتھ تھکا ہوا تھا وہ اپنی تھی اور کاجھی لمحے وہ منڈیر سے نیچے گر سکتی تھی۔ مجھے اس کا ہی نہ ہو پلا تھا کہ رضوان کب میرے سر

ہاتھ تو بڑا ہی طرف می۔ اس سے پہلے لطف مجھے تھی رضوان پہل کر کچھ تھا اُس نے اکت کو لوری طرح سمجھ لیا تھا اور مجھ سے زور پڑا تھا کہ لیٹی کو اُس کی کمرے کی بلن تھا۔ مجھے اُس کی موجودگی کا احساس اُس کی کے ساتھ کمرے سے چلا تھا۔

یہ میں پہنچی تو وہ کمرے سے نیچے جھکا ہوا لیٹی اور باہر گیا۔ رضوان ستون کی طرف دھانچہ کھڑے میں کامیاب ہو چکا تھا اور دارا بھٹی کے ساتھ ستون کی آڑ سے نکل گیا۔ کاساس یا لیٹی کی زندگی کی تھی۔ اُسے صدمہ سمجھا کہ اُسے بالآخر کمرے میں کی کاسا عالم طاری تھا اور چہرہ پلا پڑا ہوا تھا۔ بہتر پلا دیا۔ لیٹی نے خوف سی آواز میں بانی اسے کہانی پلا دیا اور پھر اُس نے بہتر پر دراز کر لیں۔ مجھے یہ سمجھنے میں زیادہ دیر نہیں لگی اُس کے تھے ہوئے عصاب ڈھیلے ہو چکے ہیں۔ دوش ہو چکا ہے۔

ان دنوں طولی ماس لیتے ہوئے بولا۔ وہ بھی لیٹی ہوش ہو گئی ہے۔ اب ذرا جلدی سے یہ بتا ہمیں کسے بہتر پر پاؤں پھا کر اُس کا غصہ لیٹی کے قریب بڑے ہوئے صوفے پر بیٹھ کر بولا۔ یہ بہتر تھی، اور پھر میں نے رضوان کو لیٹی کمال کے اپنا اپنی بات ختم کرتے ہوئے میں نے کہا کہ میرا ان دونوں سے بائیں کرتے ہوئے میں نے کمرے کی ادنیٰ لڑکی سے اس لیے اُس نے فوراً صورت سمجھ لیا ہوگا کہ اُسے کسی طرح کمرہ چھوڑ دینا چاہیے۔ اس پر عمل کرنے کے لیے بڑے دل گردے کی ایک ہمارا دڑی ہے یہ کہتے ہوئے میں نے بہتر اور محنت کی نگاہ سے دیکھا۔

ہم کس طرح پہنچ گئی؟ رضوان نے اُلجھن آمیز میں نہ نہ پہنچا ابھی حرف چند گھنٹے ہوئے ہیں اور یہاں اب میں خود بھی ظلم میں تھا کہ ان دنوں کا یہ کہہ کہ میں درست تھی کہ لیٹی کو ہمارے لندن پہنچنے کا

”جسم سے ہوا۔“ ”تھوڑے سوال کا جواب صرف لیٹی دے سکتی ہے۔“ میں نے کہا۔ ”اور وہ فی الحال بیہوش ہے۔“ رضوان طویل سانس لیتے ہوئے بولا۔

”خیر اسے ہوش تو آج جائے گا لیکن اصل مسئلہ اسے فوری چھ لادڑ پہنچانے کا ہے۔“

”لیکن اسے تلاش کرنے والے یقین طور پر ہوٹل کی نگہانی کر رہے ہوں گے۔“ رضوان بولا۔ وہ اسے استیلا تک نہیں پہنچنے دیں گے۔ ”ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارے ہوٹل کی بھی نگہانی کر رہے ہوں۔“ میں نے کہا۔ ”یہ ممکن ہے کہ اُنھوں نے لیٹی کو ہوٹل کے کمرے میں تلاش کرنے کا کام ادا دیا ہو اور وہاں جو اس وقت تمام ہوٹل کے کلینروں کو اٹھا اٹھا کر روک دیا کہ اُنھوں نے کسی خارجی لڑکی کو نوپنا نہیں دے رکھی بہت مشکل کام ہے۔ پھر یہ کہ وہ پولیس کے چمکے سے بھی تعلق نہیں رکھتے۔“ اُنھیں اپنے چھپنے کا خیال بھی تو ہوگا۔ پولیس والے بھی ایسی حرکت کرنے سے پہلے دیر باسوچتے۔ یہ لندن ہے۔ یہاں شہری حقوق اس آسانی کے ساتھ سلب نہیں کیے جاسکتے۔ غرض ثبوت ہونے کی صورت میں ہی سوتے ہوئے خیروں کو اٹھا کر ان کے گرد کی تلاش لی جاسکتی ہے۔“

”لیکن وہ سامان تو گھس ہی آئے تھے۔“ رضوان نے کہا۔ ”اس کی جہت؟“ اُنھیں یوں ہو گئی کہ اُنھیں یقین تھا کہ لیٹی اُنھیں یہاں مل جائے گی۔ ہمارے سوٹ کے دروازے پر خون کا دھبہ ان کے اس یقین کا سبب رہا ہوگا۔“

میرے دلائل میں وزن تھا اس لیے رضوان خاموش ہو گیا اور اُسی وقت لیٹی کے کراہنے کی آواز سنائی دی۔ اُسے ہوش آ گیا تھا۔

میں اُٹھ کر اُس کے قریب پہنچ گئی۔ رضوان صوفے پر ہی پر بیٹھا رہا۔ اُس نے آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا، پھر اطراف کا جائزہ لیا اور رضوان کی جانب دیکھ کر میری طرف سراسیمہ نگاہ اٹھائی۔ ”لیٹی! یہ میرا ساتھی ہے تجھیں علم ہی ہوگا۔ اس پر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ تم کو ماننا چاہو کہ سکتی ہو۔“ میں نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔

لیٹی کے ہنڈوں پر مسکراہٹ آگئی۔ ”اب کیسی طبیعت ہے؟“ میں نے کہا۔ ”فکر ہے۔“ اُنھیں میرے اس اور تکلیف دے رہے ہیں۔ دیکھنے پر کوئی بات نہیں، یہ تکلیف میرے لینا قابلِ برداشت نہیں ہے۔“

یعنی کمال نے جواب دیا۔

”اگر فری طور تحقیق مناسب جاتی مالدنر ملی تو خرم بھر سکتے ہیں۔“
میں نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

”یہ شاید ممکن نہ ہو کہ میرے دین میں بھی ایسی باتوں سے زندگی نہیں نکلتی۔ ویں گئے ایسی باتیں کہ ان پر تو مسکراتے ہوئے کہا۔

ایسی کی مسکراہٹ مجھے غیر فطری سی لگی، اور یہ غیر فطری حرکت کی کوئی نہ کوئی معقول وجہ ہوتی ہے۔ ایسا بہادر تھی۔ اُسے بے شک اپنے دل میں جو کچھ کہتا تھا، وہی کہتا تھا۔ اسے غیبی جبر کی علامت ہوتی ہے۔ پھر لطف اندوزی کی ایسی غیر سنجیدہ نہیں تھی۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ دوسری بات درست تھی۔

”تمھاری سکاٹھ سے پتھرتا ہے کہ تم نے اپنے ذہن میں کوئی ایسی راہ متعین کر لی ہے جو تمھارے دشمنوں کے دانت کھینچ کر پڑے گی۔“

مجھے مبرا کہو لیکن کہ جس پر حضرت کے انکار ابھی سے مگر خدا ہی اس کے کہلوں پر دوبارہ مسکراہٹ اٹھنی، میں نہ سکا اتے ہوئے گا، مجھے ابھی کچھ ایسا احساس ہوا جیسے آپ نے میرا دین چڑھو لیا ہوا بلحاظ حقیقت یہی ہے کہ میں دشمنوں کے دانت کھسکے کرنے کے موڑ میں ہوں، مجھ پر چافوکے دلوں کرنے والا جب تک اپنے خون میں نہیں ہنڈائے گا مجھے مرنے نہیں آئے گا۔

دو تم نے آخر سوچا کیا ہے؟ مجھے بھی تو بتاؤ! میں نے لیلیٰ کو شوش
آئینہ نگاہ سے دیکھتے ہوئے لوجھا۔

”بادریہ پہلے جب مجھے خوش آیا تھا تو میں نے ایک کوسمی سے باتیں کرتے رہا تھا۔ میں نے خواجہ کاہر و لڑکے ذرا سا داکر کے جھانکا تو فوراً اُس بدبخت کو پہچان لیا جو مجھے کچھ دیر پہلے قتل کر دینا چاہتا تھا۔ لیلیٰ نے تلملا۔

”وہ آخر ہے کون؟“ میں نے سوال کیا۔

”اسلامی سیکرٹریز مرس مومدا کا ایک ارکان میں بن یعقوب نے پہلی
 نے طویل ماساں لیتے ہوئے جواب دیا، پھر بولی ”بطنانی میں اسلامی
 مفاد کی جھگڑا شدت کرنے کا کام بن یعقوب کے ذمے ہے۔ آپ
 نے مجھ کو جگہ عزت دی ہے، اُن میں بن یعقوب کا نام بھی تھا۔
 جس اہم منصوبے پر آج کل اسلامی انیشی ایٹو جس کی تمام تر توجہ ہے،
 وہ بن یعقوب ہی کی نگرانی میں ہے۔ اُس منصوبے کی تکمیل کا شوق
 یہاں کی ایک خرم ہے۔ ہم اپنے ذرائع سے معلوم ہوا ہے
 کہ وہ منصوبے کے علاوہ فوجی نوعیت کا ہے لیکن فی الحال کسی سبب
 اُس منصوبے کی تکمیل میں کوئی رکاوٹ پیدا ہوگئی ہے۔ میں یہاں

اسی لیے آئی جوں کا برس سلسلے میں ملا
منصوبے کی تمام اہمیتات کا علم میں رہا
جی بھیجے یہاں لیا اور میں نے تعجب نہ
ہو بلکہ سبھی یہاں آئی جوں اور اس لیے آئی
تین جی جوں۔ اور بارہو مجھے تمہیں کہ
میں میں اس لیے آئی جنس کی آئیں کہوں میں
”تم نہ کہ نہیں آئیں نے پوچھا
”آپ کے یہاں پہنچنے سے مراد
نے جواب دیا۔

”گو یا تم نے مجھ سے پہلے پیکنگ میری
”جی ہاں! اسی شب جب میں آپ
امی شب کا خاندان دیکھ کر طے پا گیا تھا کہ
آکر اسرائیل کے اہم منصوبے کو کامیاب بنا سکتے
اللہ تعالیٰ نے تحقیق کر کے کامیاب ہو گیا تو اسرائیل
میری پیکنگ سے زوری رواں چلی کا سبب بن
میں آمد کو چھپا گیا تھا مگر موصد ہمت اٹھایا
نصف مہینے کے بارے میں علم ہو گیا کہ انہیں
مجھ کو لیا، اگر آپ نے جو میں تو شاید میرا اس وقت
تھکا تھکا ہوا ہوتا دیکھتے ہوئے اپنی بات
”میں تو شاید کچھ بھی نہ کر سکتی، جتنا سنا
آئی۔“ رنجی حالت میں کھڑی کے راستے میں غریبوں
فقیں کر سکتی تھیں۔“ میں نے اصرار کیا۔

”کیا کرتی مجبوری تھی، کوئی اور صورت
 ”مگر تم مجھ تک کس طرح پہنچ گئیں،
 گھنٹے بھرے ہیں؟ تمہاری گفتگو سے مجھ پر
 سیری آمد سے واقف تھیں۔“

”میں یہاں آکسی نہیں ہوں، بائبل نے فرمے ہوئے گناہ ظالمین کی ایک چھٹی سی ہمارے کہہ کر دے چند لمحے کو کس گئی جیسے کچھ سوچے نہ کہ گئے۔
 ”ابن ربیعہ میرے علم میں بھی ہے۔ یہ بیانات، اگر گنہگار۔
 چند لمحے اس کے جسے برتند مذہب۔
 اس کے کہ کوئی ”مجھے یہاں آتے ہی معلوم
 ہے کہ ہم نے کوئی اہم شخصیت انڈیا پہنچ رہی ہے
 ہے ہمارا ایروپوسٹ پہنچ گئی۔ میرا ارادہ ہے کہ

لے والی شخصیت کو دیکھ کر میرے تمام مضامین پڑھنے والے آدمیوں کو ہاتھ لڑکنے کا اشارہ دیکر ناپاک پڑھنے لگے۔

”ہائیں“

میں۔ جس بھی کر لیں کچھ کہتے کہتے کیوں روک رہا ہو سوچ رہی تھی کہ مجھے یہ بات بتائے کہ بتائے بتائے کا میں فیصلہ کیا کہ وہ کلکٹر اسٹریٹ میں کسی پتے پر میرا تعلق ہے میں نے سوچا اور پھر ہی سوال

رہنمائی ہوئی۔ یہ تو مجھے آپ ہی بتائیں گے کہ اس سرسبز
 پہاڑ کیونکہ میرے آجسوں کی رپورٹ غلط نہیں
 تھی اقلہ عرصہ دیکھی کہ اس اہم شخصیت کو کون سا
 لادے اسے غلطی میں صرف آپ ہی تھے
 کیا ہو کہ رپورٹ جس سے آپ کی گرفتاری ہوئی تھی
 بات غلاب تو کچھ کہیں میری نگرانی کی
 نے اس طرف کوئی دھیان نہیں دیا نہ لڑائی کرنے
 پہ ہوں گے ورنہ عام طور پر میں اپنی آنکھیں کھلی
 رکھتا۔

رضوان میں خاموشی سے میرے اور سلی کمال کے
 خٹکوسن رہا تھا۔ غالباً درمیان میں اس لیے
 کہ سلی کوئی بات بتاتے ہوئے بھول نہ جائے ویسے
 خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا تھا۔ میں رضوان کی
 طرف متوجہ ہو گئی۔

یہی ”بالقوا سو عند کے تربیت یافتہ ایجنٹ تیزی ہوئے
 مل تک آپ کا تعاقب کرنے والوں نے کم از کم چھ کارڈیال
 مت منظم میں۔“

بیکوں کیا گیا، بقول تمہارے تو میں انہی کی
 بآپ کی حفاظت کے لیے ہوئی، لیکن نے جواب
 دیا کہ میں ہی تجو اندر کسی جوں کا بھیدہ مست
 تھا۔ ایر پورٹ پر ان کے لائی آؤی موجود تھے
 ان کے کئی آدمی موجود ہیں۔ خود بن یعقوب کو
 کی شخصیت کو اب ہم سے اہم تر مانتا ہے۔
 میں ان کے لیے کیا کر سکتی ہوں؟
 پی بی بٹر جان سکتی ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ نے ان کا
 کام کی حامی بھر لی ہو، لیکن نے قیاس آرائی کی ہے۔

باراؤں کے لہجے میں ڈکھ سا تھا۔

”میں سمجھتی تھی کہ تم پر مضمون تنظیم کے لیے کام نہیں کر سکتی۔“
فیصلہ کن نتیجہ یہی ہوا۔
”مجھے خود بخود یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایسا ممکن ہے۔“ لیٹی کے لیے کمر کا
گولہ ختم ہو گیا۔
”اگر تمہیں یقین آتا تو شاید تم رابرٹ پرانے آدمیوں کو
جھپٹتی کرتے سے ہرگز نہ دیکھتیں اور میرا کوئی خیال نہ کرتیں۔“ میں نے
مسکراتے ہوئے کہا۔
”ظاہر ہے۔“ لیٹی نے غر بھرتے ہوئے اعتراف کیا۔ ”میں آپ
سے ملنے اور آپ کے سلسلے میں آگے قدم اٹھانے کا تعین کرنے کے
لیے اس ہوشیار آدمی کی بھی مگر لفٹ والی دانی میں مجھے بن یعقوب نے
اپنے دو آدمیوں کے ساتھ گھیر لیا۔ میری امتیازی حق یہ تھی کہ میں نے جافو کے
درا یک دار کاٹنے کے بعد لفٹ میں جڑ پھینے اور اُنھیں لفٹ میں داخل
ہونے سے روک دیا اور ذاتی فائدہ ختم یقین تھا۔“
”مگر بن یعقوب تمھارے پیچھے پیچھے آیا ہو گا۔ اُسے فوج تک پہنچنے
میں دیر کیسے ہو گی؟“ میں نے سوال کیا۔
”یہ کارنامہ میرے کام میں نہ لے سکے گا۔“ لیٹی نے مسکراتے ہوئے
جواب دیا۔ ”میں پہلے لفٹ کو چھپے فلوریٹ کے کچھ پھروا دی ہوں۔ فلوریٹ کے جڑ
دبا دیے۔ لفٹ ہر فلوریٹ پر لڑتی ہوئی گئی ہے۔ لیٹی ہو گی اور اُنھیں بتانا
چل سکا ہو گا کہ میں اس فلوریٹ پر لفٹ سے اُترتی ہوں۔“
میں نے ایک بار پھر لیٹی کو تعریفی نگاہ سے دیکھا۔ وہ واقعی
بڑی تیز رو کی تھی۔ اگر لیٹی میں سرزنش نہ تھی اور ایسی ہی بیٹیاں پیدا کر دیں
تو پھر فلسطین پر سیمو دیوں کا قبضہ عمارتیں بنات ہو گا۔ میں نے سوچا
پھر ہوا۔ ”بن یعقوب مجھے دیکھ کر چونکا تھا۔ اگر میرا کمرہ مجھ پر معلوم
تھا تو اُسے بھی معلوم ہو گا، پھر اس کے چونکنے کا سبب کیا ہو سکتا ہے،
جندے لیٹی فافوساں رہ کر ہوا۔ ”ظاہر ہے آپ کے کمرے
نہ معلوم کیسے ہیں۔ آپ سے ملنے ہرگز نہ آتے۔ میرے آدمیوں نے نیچے اُتار
دے دی تھی کہ آپ کہاں ٹھہری ہیں اور آپ کا کمرہ کہاں ہے۔ آپ
کے کمرے کا نمبر بن یعقوب کو بھی معلوم ہو گا مگر اُس وقت وہ میری
تلاش میں تھا۔ اچھا ہوا تھا۔ اُسے یہ اُس نے کمرے کے نمبر کو اہمیت نہیں
دی ہو گی ورنہ وہ آپ کو دیکھ کر چونکا۔“
ایک لمحے کے سوا اب تمام اچھیں ختم ہو گئیں۔ تمام باتیں
ہو چکی تھیں۔ میں نے ایک بار دیکھ کر اس سرنیوں کے لیے میں اس
سبھی قیمت پر کام نہیں کر لی۔ اگر وہ مجھ سے واقف ہو تو اُنھیں
اس بات کا بخوبی علم ہو گا۔“

روحان سے ہماری معلوماتیں کسی بار ملا جلتی۔ وہ بولا ہر شخص کی کوئی کوئی قیمت ضرور ہوتی ہے، بانو! ہر شخص کو خریدنا چاہتا ہے۔ ہاں قیمتوں میں ضرور کم بہت زیادہ کا فرق ہو سکتا ہے، لیکن کم کر انھیں یقین ہو کہ وہ آپ کو ضرور خرید سکیں گے۔

”مجھے تمہارے خیال سے قطعی اتفاق نہیں، ہر شخص نہیں بکتا، انھیں یقیناً غلط فہمی ہوگی، صبر بانو کہنے کے لیے نہیں ہے۔“

”ہو سکتا ہے بانو کہ آپ بک ہی جائیں۔ وہ یقیناً آپ کی منہ مانگی قیمت ادا کر سکتے ہیں۔“ رضوان نے ایسے لہجہ میں کہا جیسے مجھے چڑھا رہا ہو۔

کالزام تھا۔ وہ لوگ فلسطینیوں کے حق میں کھڑے تھے، انہیں فلسطینیوں کے لیے کتنا اہتمام بندوں کو بچھڑا کر کسی اس بات کے کہ کی باہمی فائدہ سے زیادہ نقصان کا اور دائمی تبدیل کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی رکھتے ہوئے لیکن کمال کو مخاطب کیا یہ بن ۱۰ میں تمہاری اس تجویز سے قطعی متفق نہیں، کن تھا۔

”شاید آپ کو یقین نہیں کہ ہم بن ۱۰ پر حاوی ہو سکتے ہیں۔“

”ہاں یقین طور پر نہیں، آرزو تو کم ہے، فرض بھی کیا جائے تو کیا حاصل؟“ میں بولہ۔

”اور جیسے بھی کیا یہ لیکن نہ حیرت کا انداز اس مذہب سے دہشت جہل ہمارے کی۔“

”اس دہشت گردی کا سارا الزام فلسطینیوں پر عائد گا۔ اس ملک کا بڑا پس عروبن سے ہمہ روزانہ ہندو بھی علم ہوگا۔ جو چند افسندہ خیر ماہانہ ہیں، وہم سے مختلف نقطہ نظر کے حامل ہو جائیں گے اللہ حق میں نہیں ہوگا۔ بن یعقوب کی موت ہمارے ہے ہوگی، معنی نقصان کا باعث بنے گی، ہمیں ہر حال اس میں یعقوب کی موت سرکاری منصوبہ کے خلاف یہ منصوبہ اپنی اہمیت کا حامل معلوم ہوتا ہے کہ قزوقی عوض یہ سودا مہنگا نہیں رہے گا۔“ لیکن اپنی جہنم کے یہ معنی تھا اور خیال ہے کہ صرف بن یعقوب کا، منصوبہ جو قائم ہے گا۔ اس کی اہمیت منقولوں کی دانا انفرادی اہمیت پر نہیں رکھتے، مجھے یقین ہے کہ بن ۱۰ ایسے اسرائیلی کے پاس دس افراد اور موجود ہوں گے، میری بات سن کر لیلی کا غاموش ہوگی، ہرچہ کہ آواز میں بولیں، پھر آپ کے خیال میں کیا کیا جائے، ہرچہ کہ آئیوں کی مدد حاصل کرنا ضروری ہے۔ دو مجھے ہائی کی کوشش کریں گے، تو بن یعقوب کے گے ضرور مدد ان سے جو یقین ہے۔“

”تمہاری شکلات کا کوئی ذوق نہیں ضرور نکلے طویل سانس لیتے ہوئے کہا، ”تم مجھے کچھ چوہنے کے لیے میں کوئی حل تلاش کر کے جلد انتظامات کے بعد تم

مذاہمتی اس حالت میں زیادہ جتنا بچہ را۔ رضوان معاً بول اٹھا، اس کے لیجین شکی تھی۔ ہم رہے، تم اس پر آسانی ہو سکتے ہو۔ میں نے انا بھرا کھڑی ہوئی۔ اپنے کمرے میں کسی سلاخیں تھی لیکن نہ جانے کیوں بکولن اس بات میرے لاشوں میں تھی ضرور میں دیکھ رہا تھا، نہ اسے اپنے کمرے تک سلاخ کے دل میں تھا۔

”والی خوارگاہ سے نکل کر اپنی خوارگاہ میں آگئی اور وہاں وہ صورت حال برقرار کرنے لگی۔ رات کا کچھ بکیر لاکھوں سے لڑکی تھی، لیکن کمال کو ہوٹل سے نکالنا صواب دس ملے کمال کو دھونڈنے کے لئے واری میں وقت بھی کم تھا، لیکن کو جلد سے جلد مناسب طبی امداد

نہ ہونے کے برابر تھے کہ مر بانو مجھے ہی جان مگر کچھ نہ کچھ معلومات حاصل ہونے کی امید ضرور تھی۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ منتظر کرنے لگی، مجھے انتظار میں کوئی نہ ہوئی کہ مر بانو کی دانتے مجھے ان لمحات کے عسوسات سے بکنا کر دیا جو اس کے قرب میں گزرے تھے۔ میرے ذہن میں تازہ احساسات جاگنے لگے۔

میں اس وقت تک مر بانو کے عقو میں کھڑی رہی جب تک ٹیلیفون کی گھنٹی نے مجھے نہ جوتا دیا۔ میں فوراً دروازہ سامنے سے کھلا، دنگار زمانہ حال میں پہنچ گئی جہاں سخت حقیقتوں سے واسطہ تھا۔

میں نے یہ سب دیکھا تھا تو پھر میری آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ”نی آئی اے کی فلاٹ آج لیٹ ہو چکی تھی، اس کا فلاٹنگ شان ابھی کچھ درپیش ہو چکا ہے۔“ دنگار نے ہوش آئی تو میں گولان میں مر بانو نام کی کوئی نہیں اللہ ایک گھنٹا رام کی خاتون ضرور ہیں۔ اگر آپ کہیں تو ان کا نمبر بتا دوں۔“

”شکر۔ آپ بڑا بہ میں بولی۔“ ہر چند کہ گھنٹا میری سیل نہیں مگر یہ ضرور بتا سکے گا کہ میری سیل اس فلاٹ پر کیوں نہیں آئی؟“

آپ بڑے مجھے ایک خبر بتا کر کہہ کہ آپ یہ نمبر دیکھ کر یہی گویا گھنٹا سے بلوہ راست سلسلہ جلتے گا۔ گڈ ٹاٹ مادام۔“

”گڈ ٹاٹ۔“ میں نے جواب دیا، آپ بڑے سلسلہ منقطع کی منتظر رہی۔

لاٹین منقطع ہونے کی ہلکی سی کلک سنائی دی تو میں تین خبر دیکھ کر کیے جو آپ بڑے بتاتے تھے۔ لندن کے فون نمبر اعلیٰ منتقل ہوتے ہیں لیکن وہ فون میں ایک کمرے سے دوسرے میں بات کرنے کے لیے الگ کمرے ہوتے ہیں جو عام طور پر کچھ ملاقات رکھتے ہیں سلسلہ ملاو دوسری طرف منتقلی ہوتی ہے۔ بعد یہ سب دیکھا گیا۔ شاید گھنٹا سے مل چکی تھی۔

”ہیلو! ایک سر ملی، آواز سنائی دی جیسے جلتی تھی۔“

ہوں میں اس کی آواز سے اس کے حسن کا اندازہ لگانے لگی۔ بڑی ریچ میں یہ سب دیکھا گیا، میں نے کہا۔

”معاذ کچھ کا، میں ذرا شاد رہے کہ کسی نے گھنٹا پریش کی۔“

”دراصل میری ایک سیل میں مر بانو میری پی آئی اے ہے مجھے اس سے ایک ضروری کام تھا لیکن وہ اس وقت نہیں ہے، میرا خیال ہے کہ اس کی غیر موجودگی میں یہ کام آپ انجام دے سکتی ہیں۔“ میں فوراً طلب کی بات پر لگی۔

اد آ کر میں جس ہوٹل میں موجود تھا وہاں پی آئی اے کا ہاتھ لگے، لیکن اسے کسی ایسے ہوٹل میں کاتھون مل گیا۔ وہ بڑے سے لفظ کا مسئلہ بھی بجائے حل ہو سکا تھا۔ مدہ بن نے انتہائی تیزی سے ایک منصوبہ کے تانے بانے کر دیے۔ کچھ دیر بعد میں میں منصوبہ کے تمام جزئیات پر اس ہوٹل کرنے کے لیے تیار ہو چکی تھی۔ سب سے پہلے مجھے حاکم ہوٹل میں اس وقت کوئی ایئر ہوٹل قائم پرزیر بھی

دول کے ہر کمرے میں ٹیلیفون کی سہولت موجود تھی۔ میں نے یہ کمرے میں پر گئے ہوئے ٹیلیفون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

”اے اے اے! ایک سر ملی، آواز سنائی دی جیسے جلتی تھی۔“

ہوں میں اس کی آواز سے اس کے حسن کا اندازہ لگانے لگی۔ بڑی ریچ میں یہ سب دیکھا گیا، میں نے کہا۔

”معاذ کچھ کا، میں ذرا شاد رہے کہ کسی نے گھنٹا پریش کی۔“

”دراصل میری ایک سیل میں مر بانو میری پی آئی اے ہے مجھے اس سے ایک ضروری کام تھا لیکن وہ اس وقت نہیں ہے، میرا خیال ہے کہ اس کی غیر موجودگی میں یہ کام آپ انجام دے سکتی ہیں۔“ میں فوراً طلب کی بات پر لگی۔

دول کے ہر کمرے میں ٹیلیفون کی سہولت موجود تھی۔ میں نے یہ کمرے میں پر گئے ہوئے ٹیلیفون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

”اے اے اے! ایک سر ملی، آواز سنائی دی جیسے جلتی تھی۔“

ہوں میں اس کی آواز سے اس کے حسن کا اندازہ لگانے لگی۔ بڑی ریچ میں یہ سب دیکھا گیا، میں نے کہا۔

”معاذ کچھ کا، میں ذرا شاد رہے کہ کسی نے گھنٹا پریش کی۔“

”دراصل میری ایک سیل میں مر بانو میری پی آئی اے ہے مجھے اس سے ایک ضروری کام تھا لیکن وہ اس وقت نہیں ہے، میرا خیال ہے کہ اس کی غیر موجودگی میں یہ کام آپ انجام دے سکتی ہیں۔“ میں فوراً طلب کی بات پر لگی۔

دول کے ہر کمرے میں ٹیلیفون کی سہولت موجود تھی۔ میں نے یہ کمرے میں پر گئے ہوئے ٹیلیفون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

”اے اے اے! ایک سر ملی، آواز سنائی دی جیسے جلتی تھی۔“

ہوں میں اس کی آواز سے اس کے حسن کا اندازہ لگانے لگی۔ بڑی ریچ میں یہ سب دیکھا گیا، میں نے کہا۔

”معاذ کچھ کا، میں ذرا شاد رہے کہ کسی نے گھنٹا پریش کی۔“

”دراصل میری ایک سیل میں مر بانو میری پی آئی اے ہے مجھے اس سے ایک ضروری کام تھا لیکن وہ اس وقت نہیں ہے، میرا خیال ہے کہ اس کی غیر موجودگی میں یہ کام آپ انجام دے سکتی ہیں۔“ میں فوراً طلب کی بات پر لگی۔

دول کے ہر کمرے میں ٹیلیفون کی سہولت موجود تھی۔ میں نے یہ کمرے میں پر گئے ہوئے ٹیلیفون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

”اے اے اے! ایک سر ملی، آواز سنائی دی جیسے جلتی تھی۔“

ہوں میں اس کی آواز سے اس کے حسن کا اندازہ لگانے لگی۔ بڑی ریچ میں یہ سب دیکھا گیا، میں نے کہا۔

”معاذ کچھ کا، میں ذرا شاد رہے کہ کسی نے گھنٹا پریش کی۔“

”دراصل میری ایک سیل میں مر بانو میری پی آئی اے ہے مجھے اس سے ایک ضروری کام تھا لیکن وہ اس وقت نہیں ہے، میرا خیال ہے کہ اس کی غیر موجودگی میں یہ کام آپ انجام دے سکتی ہیں۔“ میں فوراً طلب کی بات پر لگی۔

دول کے ہر کمرے میں ٹیلیفون کی سہولت موجود تھی۔ میں نے یہ کمرے میں پر گئے ہوئے ٹیلیفون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

”اے اے اے! ایک سر ملی، آواز سنائی دی جیسے جلتی تھی۔“

ہوں میں اس کی آواز سے اس کے حسن کا اندازہ لگانے لگی۔ بڑی ریچ میں یہ سب دیکھا گیا، میں نے کہا۔

”معاذ کچھ کا، میں ذرا شاد رہے کہ کسی نے گھنٹا پریش کی۔“

”دراصل میری ایک سیل میں مر بانو میری پی آئی اے ہے مجھے اس سے ایک ضروری کام تھا لیکن وہ اس وقت نہیں ہے، میرا خیال ہے کہ اس کی غیر موجودگی میں یہ کام آپ انجام دے سکتی ہیں۔“ میں فوراً طلب کی بات پر لگی۔

دول کے ہر کمرے میں ٹیلیفون کی سہولت موجود تھی۔ میں نے یہ کمرے میں پر گئے ہوئے ٹیلیفون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

”اے اے اے! ایک سر ملی، آواز سنائی دی جیسے جلتی تھی۔“

ہوں میں اس کی آواز سے اس کے حسن کا اندازہ لگانے لگی۔ بڑی ریچ میں یہ سب دیکھا گیا، میں نے کہا۔

”معاذ کچھ کا، میں ذرا شاد رہے کہ کسی نے گھنٹا پریش کی۔“

”دراصل میری ایک سیل میں مر بانو میری پی آئی اے ہے مجھے اس سے ایک ضروری کام تھا لیکن وہ اس وقت نہیں ہے، میرا خیال ہے کہ اس کی غیر موجودگی میں یہ کام آپ انجام دے سکتی ہیں۔“ میں فوراً طلب کی بات پر لگی۔

دول کے ہر کمرے میں ٹیلیفون کی سہولت موجود تھی۔ میں نے یہ کمرے میں پر گئے ہوئے ٹیلیفون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

”اے اے اے! ایک سر ملی، آواز سنائی دی جیسے جلتی تھی۔“

ہوں میں اس کی آواز سے اس کے حسن کا اندازہ لگانے لگی۔ بڑی ریچ میں یہ سب دیکھا گیا، میں نے کہا۔

”معاذ کچھ کا، میں ذرا شاد رہے کہ کسی نے گھنٹا پریش کی۔“

”دراصل میری ایک سیل میں مر بانو میری پی آئی اے ہے مجھے اس سے ایک ضروری کام تھا لیکن وہ اس وقت نہیں ہے، میرا خیال ہے کہ اس کی غیر موجودگی میں یہ کام آپ انجام دے سکتی ہیں۔“ میں فوراً طلب کی بات پر لگی۔

دول کے ہر کمرے میں ٹیلیفون کی سہولت موجود تھی۔ میں نے یہ کمرے میں پر گئے ہوئے ٹیلیفون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

”اے اے اے! ایک سر ملی، آواز سنائی دی جیسے جلتی تھی۔“

ہوں میں اس کی آواز سے اس کے حسن کا اندازہ لگانے لگی۔ بڑی ریچ میں یہ سب دیکھا گیا، میں نے کہا۔

”معاذ کچھ کا، میں ذرا شاد رہے کہ کسی نے گھنٹا پریش کی۔“

”دراصل میری ایک سیل میں مر بانو میری پی آئی اے ہے مجھے اس سے ایک ضروری کام تھا لیکن وہ اس وقت نہیں ہے، میرا خیال ہے کہ اس کی غیر موجودگی میں یہ کام آپ انجام دے سکتی ہیں۔“ میں فوراً طلب کی بات پر لگی۔

دول کے ہر کمرے میں ٹیلیفون کی سہولت موجود تھی۔ میں نے یہ کمرے میں پر گئے ہوئے ٹیلیفون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

”اے اے اے! ایک سر ملی، آواز سنائی دی جیسے جلتی تھی۔“

ہوں میں اس کی آواز سے اس کے حسن کا اندازہ لگانے لگی۔ بڑی ریچ میں یہ سب دیکھا گیا، میں نے کہا۔

”معاذ کچھ کا، میں ذرا شاد رہے کہ کسی نے گھنٹا پریش کی۔“

”دراصل میری ایک سیل میں مر بانو میری پی آئی اے ہے مجھے اس سے ایک ضروری کام تھا لیکن وہ اس وقت نہیں ہے، میرا خیال ہے کہ اس کی غیر موجودگی میں یہ کام آپ انجام دے سکتی ہیں۔“ میں فوراً طلب کی بات پر لگی۔

دول کے ہر کمرے میں ٹیلیفون کی سہولت موجود تھی۔ میں نے یہ کمرے میں پر گئے ہوئے ٹیلیفون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

”اے اے اے! ایک سر ملی، آواز سنائی دی جیسے جلتی تھی۔“

ہوں میں اس کی آواز سے اس کے حسن کا اندازہ لگانے لگی۔ بڑی ریچ میں یہ سب دیکھا گیا، میں نے کہا۔

”معاذ کچھ کا، میں ذرا شاد رہے کہ کسی نے گھنٹا پریش کی۔“

”دراصل میری ایک سیل میں مر بانو میری پی آئی اے ہے مجھے اس سے ایک ضروری کام تھا لیکن وہ اس وقت نہیں ہے، میرا خیال ہے کہ اس کی غیر موجودگی میں یہ کام آپ انجام دے سکتی ہیں۔“ میں فوراً طلب کی بات پر لگی۔

دول کے ہر کمرے میں ٹیلیفون کی سہولت موجود تھی۔ میں نے یہ کمرے میں پر گئے ہوئے ٹیلیفون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

”اے اے اے! ایک سر ملی، آواز سنائی دی جیسے جلتی تھی۔“

ہوں میں اس کی آواز سے اس کے حسن کا اندازہ لگانے لگی۔ بڑی ریچ میں یہ سب دیکھا گیا، میں نے کہا۔

”معاذ کچھ کا، میں ذرا شاد رہے کہ کسی نے گھنٹا پریش کی۔“

”دراصل میری ایک سیل میں مر بانو میری پی آئی اے ہے مجھے اس سے ایک ضروری کام تھا لیکن وہ اس وقت نہیں ہے، میرا خیال ہے کہ اس کی غیر موجودگی میں یہ کام آپ انجام دے سکتی ہیں۔“ میں فوراً طلب کی بات پر لگی۔

ایک انٹرویو لینا ہے۔ اگر آپ تیار ہوں تو میں آپ کا انٹرویو لینے لوں گا۔
 "اس وقت تو میں تھکی ہوئی ہوں یہ اس نے کہا۔
 "مجھے احساس ہے مگر صبح میں یہ ہوش چھوڑ دوں گی۔ میری خاطر
 ذرا سی زحمت اٹھائیں۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ یہاں آپ کو کوئی
 بے آرامی نہیں ہوگی۔"
 "مگر..."

"دیکھیے میرا روبرو ہے مجھے پیسے دینا ہے۔ میں نے اس کی بات
 کاٹنے ہوئے کہا کہ میں آپ کو نوڑی طور پر روکوں گے۔ اور کہوں گی اور
 انٹرویو لینا ہے۔ پھر شامت کے بعد جہاز پار سو پانچ چیک کی صورت
 میں مل سکیں گے۔"

دوسری طرف خاموش رہی۔ یقین تھا کہ گنارامہ ہوجائے
 گی۔ سو پانچ کا مطلب تھا دو اسی ہزار روپے جو نقد مل رہے تھے اور اس
 ہزار روپے ملنے کی امید تھی۔ بھلا یہ موقع کون چھوڑتا ہے!
 "اچھا تو آپ میرے سر سے ہیں آجائیں!" کچھ دیر بعد گنارامہ کا آواز
 سنا ڈیڑھ۔
 "شکل ہے ڈیرہ" میں نے بے تکلفی کے انداز میں کہا۔ انٹرویو
 کے ساتھ مجھے آپ کی تصاویر بھی بنانی ہوں گی میں اپنا تمام ساز و سامان
 لے کر آپ کے گھر سے میں پہنچوں، کیا اس سے بہتر یہ نہ ہوگا کہ آپ
 ہنگام میں گھر سے سر سے ہیں آجائیں!"

"لیکن..." وہ کچھ کہنے کے لئے ٹکڑھائی۔
 "بھئی کیا آپ ڈر رہی ہیں؟ میں بھی آپ کی طرح عورت ہوں۔
 مجھے جب آپ یہاں آئیں گی تو میں آپ کو اٹھنے کروں گی
 آپ کے تعداد کی بنا پر میرا فرض ہے۔ بلکہ آپ یونیفارم میں
 میں میں دم مرسس کو فون کرنے کو اسے مشروب منگوائی ہوں۔
 میں نے فقط مشروب پر کافی زور دیا تھا۔ میں کام کے ساتھ
 کی بھی تامل ہوں۔ گنارامہ نے مشروب پر کوئی احتجاج نہ کیا تو
 دن ہو گیا کہ مزاج میں کچھ نہ کچھ گھٹن مقرر ہو گئی ہے۔ اس نے
 گھر سے پہنچنے کا وعدہ کر لیا تھا۔ میں نے اسے مکہ خیریتا

لے کر کے اسے اپنے بندرہ میں منٹ ضرور لگتے۔ یہ سوچ کر میں
 دس کو فون کیا اور ٹیمپل کی قوت بھیجے کے لیے کہا۔ کچھ دیر
 یا سیرا آؤ گے۔ کیا اس کے چند منٹ بعد گنارامہ پہنچے گی؟
 لان میں اپنا کمرہ نکال کر میز پر رکھ دیا تھا۔

دیکھ کر حلقے نظر آئے تھے۔ رہی کسی کمرہ کی
 پوری کر دی۔ وہ بے تکلف ہوئی تو میں نے طے
 لگانا ہر بات کو اس طرح حسین تو نہیں تھی مگر
 تھی یا پھر مجھے قیامت معلوم ہو رہی تھی۔ میں نے
 اور گلاسے ٹوٹ دینے کو گویا اسے خرید لیا۔

میں نے انٹرویو لینے کے بعد اس کی تصاویر
 چند تصاویر اُڑانے کے بعد میں نے گنارامہ سے کہا۔
 "انارود تاکہ میں چند غیر رسمی تصاویر بھی اُڑا دوں۔"
 کے کچھ کہنے سے پہلے ہی میں بول پڑی۔ "جو تو نیکو
 سوٹ پہن لو۔ اس کے بعد وہ میز پر پڑا ہوا رسالہ
 پڑھنے لگو جیسے تھک کر نہ ہوں سکون کے لیے مطالعہ کر
 میں تمہاری ایسی تصویریں بنانا چاہتی ہوں جو حقیقت
 ہوں۔"

وہ آمادہ ہوئی اور میرا سلینگ سوٹ لے کر
 داخل ہوئی۔ کچھ دیر بعد وہ باہر آئی۔ یونیفارم اس
 سے ہاتھ درم میں ہی چھوڑ دی تھی کہ دوبارہ وہ
 کے۔ وہ میرے کہنے کے مطابق کرسی پر بیٹھ کر
 کرنے لگی۔ میں نے اس کی کئی تصویریں کھینچیں۔ آخر
 کے سامنے بال کھولتے ہوئے ایک تصویر بنا کر
 ختم ہونے کا اعلان کیا۔

"تو پھر میں چلوں؟" وہ اٹھتی ہوئی بولی۔
 "بھئی کام ختم ہوا ہے تفریح تو نہیں؟" میں نے
 دوبارہ کرسی پر بیٹھا دیا۔
 میں دو جام بنالائی مگر اس کے جام میں خوب آؤ
 ملا نا نہ بھولی کوئی اور وقت ہو تا تو میں اپنی نشہ نما
 کو ضرور سرب کر کرتی مگر یہ وقت مختلف تھا۔ مجھے جلد
 لیلی کو اسے ہوش سے نکالنا تھا۔

میری توقع کے مطابق نصف جام پیتے ہی وہ ادا
 لگی۔ میں نے اسے سرسری پریشنے کے لیے کہا اور خود دسمار دسمار
 اٹھایا۔ وہ لوٹھکھٹاتے ہوئے قدموں سے سرسری تک پہنچی اور
 بستر پر دلاڑ ہوئے ہی غافل ہو گئی۔
 میں فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنی خواہ گاہ سے نکل کر منور
 کی خواہ گاہ کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ اندر سے بند
 نہیں تھا۔ میں کوئی جواب ملنے سے پہلے دروازہ کھول کر اندر چل

ایک لیل جاب کر رہی تھی۔ میں نے اس سے
 کا وہ ایک بچہ لیا کہ سوسا داسے کوئی خوش گاہ
 انا مام موجود ہے تم جا کر نہیں لو۔ میں نے

میں سولہ ادا اور گنارامہ کے طرف بڑھ گئی۔
 ہانڈل میں نہیں تھی۔ وہ قیدنا بڑی بہت
 اس دوران میں لیسٹن سے فون پر رابطہ قائم
 پانچ ٹیکس منگوانے کے لیے کہا۔ میں اس کی درخواست
 کی کی روشنیوں دیکھتے ہوئے ہمارے تھے۔ لندن
 لندن ٹیکس حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس تقابلاً پر
 وہ کہہ کر اجازت کے اندر گھس گیا۔
 مہینہ کر گنارامہ نے سے لکھی تو میں نے پوچھا۔
 "اتو نہیں جاؤ گی؟"

وہ رہے ہیں مگر میں کوشش کروں گی کہ میری جال
 اے۔
 "مگر اسے ضروری ہے۔ مجھ پر اس کے گھر میں
 ہے۔ کچھ میں ہا نہیں ملے۔ گنارامہ نے ہونے نکلیں گے۔"
 ایشی کی۔
 نے میری بات سے اتفاق کیا میں نے اپنا ریسٹ اٹھایا
 ہے۔ میں اس کے کندھے پر ہڑال دیا۔ کچھ دیر کے بعد
 اس کے چہرے پر کچھ روپے۔ اس کے بعد میں نے
 سے نکال دیا۔

میں نے بہت سی اطمینان سے چلنا۔ میں نے آخری دلاڑ
 ہا۔ یعقوب یا اس کے آؤ نہیں یہاں بھی میں تو فکر نہ
 کی وجہ سے وہ کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔ کیونکہ بقول اٹھائے
 کے لیے بہت اہم شخصیت ہوں۔
 ان کے کھینے والے انداز میں سولہ ادا اور لوٹھکھٹاتی آؤ میں
 فریڈی وین گنارامہ لگی میں نے بھی اس کی آؤ میں آؤ
 ہوں میں اپنی خواہ گاہ سے نکلی۔

منوان ڈر ٹانگ روم میں موجود تھا۔ اس نے ہم دونوں کو
 حالت میں دیکھ کر قہر چست کیا۔ یا تو آپ اور لیلی اس وقت
 ملا رہی ہیں جیسے جگہ کے ڈپاٹ! "
 میں اس کی تشبیہ کر گئی۔ "جنوبیت بڑھ کر رہے ہوئے
 مذہب یہ وقت فقرہ ٹال چلے گا تھا اور میں نے ایسا ہی کیا۔

دروازہ بند کر لیا۔ دغا ہم ہرگز سے نیاز مند ہو کر اسے
 لوٹھکھٹاتے اور گنارامہ کے ہونے ہمارے تھے۔ لیکن حقیقت میں نے اپنی
 انھیں کھلی رکھی تھیں۔ میری نگاہ اطراف کا جائزہ دیتی رہی تھی اور
 میں جسم ضرورت پڑنے پر لیلی کے گیسے سپر ہوئے کو ہم وقت
 تیار رہا تھا۔

لیلی کا چہرہ بالوں سے کافی چھب چکا تھا۔ یہ خیال سے اسے
 بھیانا مشکل تھا۔ ہم اس عالم میں نیچے نیچے
 استقبال پر موجود شخص سے ٹیکس کے بارے میں پوچھا تو اس نے
 انبات میں سر ہلاتے ہوئے ڈور میں کو اشارہ کیا۔ ڈور میں ہماری
 سہائی کے لیے آگے بڑھا۔
 ٹیکس میں سلاڑ ہوتے ہی میں نے شکر کر دیکھا تھا کہ کوئی ہمارا تعاقب
 تو نہیں کر رہا۔ میرا خیال تھا کہ میں نے بن یعقوب اور اس کے گروں کو
 کامیاب دھوکا دے دیا تھا۔ بن یعقوب مجھے کہیں نظر نہیں آیا تھا
 درخت شاخیں اتنی آسانی سے لیاں تو نکالنے میں کامیاب نہ ہوں۔
 "بکا ڈی! میں نے ٹیکس ڈر ٹور سے کاما ڈر ٹیکس چل چکی۔

بکا ڈی ہمارے ہوش سے زیادہ ڈور میں تھی۔ صرف ایک بوڑ
 مگر کلاڑی ریجنٹ اسٹریٹ میں داخل ہو گئی۔ ریجنٹ اسٹریٹ ختم
 ہوتے ہی ہم بکا ڈی پہنچ گئے۔ لندن کا یہ حقدار کے وقت بھی دن
 کی طرح روشن رہتا ہے۔ بلکہ رات کو دہاں کچھ زیادہ ہی روشن ہوتی ہے
 ہم نے ٹیکس چھوڑ دی اور چند لمحے وہیں ٹک کر اطمینان کیا کہ
 تعاقب نہیں کیا گیا تھا۔
 "بانو! آپ بہت تیز ہیں۔ لیلی نے ایک طویل سانس لیتے ہو۔

کہا جس سے اس کے عینان کا اظہار ہو رہا تھا۔
 "اب ہم جدی سے ٹیلیفون کے اسے کسی ساتھی کو بلاؤ! تعاقب
 فوٹو امداد کی ضرورت ہے۔" میں اس کی بات کو فخر انداز کر
 ہوئے بولی۔
 کچھ ناسے برا ٹیلیفون بوتھ موجود تھا۔ لیلی فون کرنے
 لیے اس کی طرف بڑھ گئی اور میں چورے کے وسط میں نقد
 مجھے کو دیکھنے لگی جس کی تصویریں وہ نیکے ہر گوشے میں دیکھ
 لیلی فون کر کے بوتھ سے باہر آئی تو مسکراتے ہوئے بولی۔
 منٹ میں میرے دو ساتھی یہاں پہنچے جاؤں گے۔ اُن میں
 ڈاکٹر ہے۔

اب ہم ذرا حلدی سے اپنے پڑے بہن کو کوٹھکھے
 دپس چاہیے۔

پڑے اور اندر ہی جی جی رہے تھے۔ میں باہر بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد بیلی باہر آئی۔ وہ کپڑے تبدیل کر چکی تھی۔ تقریباً پانچ منٹ بعد بیلی کے ساتھ بیٹھ گئے۔ ان کی بات بات ہمارے قریب آ کر مڑی۔ بیلی کا بچہ پانی پیتا تھا۔ بیلی کے ساتھ ہی ہمارے نکلے اور بیلی کو اپنے بیروں پر کھڑا ہوا دیکھ کر ان کے چہرہ پر مسرت نظر آنے لگی۔ بیلی نے ان دونوں سے صبر و تحمل کرا یا۔ وہ دونوں نے میرا شکریہ ادا کیا۔ پھر میرے کہنے پر بیلی کو کے فوراً روانہ ہو گئے۔ میں بیلی سے اس کا پتہ اور اپنا نمبر واپس لینا نہیں چاہتی تھی جس میں گلزار کی پونیا خاندان واپسی کے لیے میں نے فیکسی نہیں لی بلکہ پیدل ہی ہوئی کی طرف چل دی۔

گلزار کے شخصیت ہوسٹ
فارم جو کچھ تھا وہ کہنے کی بات نہیں
نہیں نہیں ان کی ذرا دیر کچھ ضحکہ کھا لیا
اور اس حال میں ہو گئی
”ضربہ ہم سے دوزخ و بہشت مگر
رضوان کو ایمان دلایا میں اس بات کا
پاس نہیں بھڑوں گی“
”ہمیں فوری طور پر ہی، کونسی مہارسی
رضوان نے کہا۔

ان کا مطالعہ کر رہی تھی۔
ایک خاص دست انجام دے سکتی ہوں یہاں
میرے ہو کر بڑے شائستہ لہجے میں کہا۔
سلانہ میں نے اسے غور دیکھتے
عد کے لیے وقت لے لی ہیں؟
لی ہیں بھی یقین ہے کہ تم ہمارا نام لو گی تو
انہیں ہمارا انتظار ہو گا۔“ میرے لہجے

جان اینڈریو ہوں تاکہ اسے اپنا اعتراف دلاؤ، جہود اور جلا۔
آپ دونوں سے واقف ہوں۔ مسٹر کی آپ سے بہت متاثر ہیں
جیسا کہ آپ کو ان سے مل کر محسوس ہو گا۔ میں آپ سے عرض کر دوں
کہ عام طور پر میرے پاس عورت کو کسی قابل نہیں سمجھتے۔ یہی وجہ ہے
کہ انہوں نے ہمارے ڈور سے ہٹ کر مجھے اپنا سیکرٹری بنایا ہے۔ یہ کہہ
کر وہ ہماری زبان پر کرنے لگا۔ میں اور رضوان اس کے پیچھے چلے گئے۔
میرے ذہن میں چارلس کی کلی شخصیت کا عجیب سا خاکہ بن رہا
تھا۔ وہ تقریباً تیراوی راہو گا جس کا ثبوت اس کی ظاہری شان و شوکت
تھی۔ وہ درحقیقت ذہنیت کا مالک، معلم ہوتا تھا کیونکہ پڑی سے آواز آتا
آوی ہی اس طرح کا تھیل کیل سکتا ہے جیسا اس نے میرے ساتھ
ہو کر سلاویہ میں کیا تھا۔ عورتوں سے ناپسندیدگی کا اظہار عورتوں میں
مقبولیت نہ پانے کے سبب بھی ہوتا ہے۔ ایسا اسی صورت میں ہو
سکتا تھا کہ اس کی شکل و صورت اور شخصیت متاثر نہ ہو۔ کہتہ
گفتی طبیعت والے آدمی عموماً عورتوں میں مقبولیت نہیں پاتے۔
چارلس کی کاپی پر سلیکٹر کی زبان اینڈریو ہیں لے کر اس کے
دفتر میں پہنچ گیا۔ دروازہ کھول کر سیکرٹری جان اینڈریو نے اندر قدم
رکھا تھا جیسا اس نے مقررہ انداز میں کیا تھا۔ ہوں کا اعلان کیا تھا۔
اُس کے بعد وہ ہماری طرف مڑ کر ڈرامائی انداز میں بولا۔
”چارلس کیلی!“
ہم دروازے میں داخل ہو گئے۔ جان اینڈریو نے ہمارے اندر
آتے ہی باہر کمرعہ کیا اور اسی کے ساتھ دروازہ بند ہو گیا۔

رات کا اندھیرا چھیننے لگا تھا اور دن کا علی الجاہل چھیننے لگا تھا۔
میں ہوٹل پہنچ کر لفٹ کے ذریعے تیسری منزل پر گئی۔ اپنے
سوٹ کے دروازے پر پہنچ کر مجھے دست دینے کے بعد زیادہ دیر
انتظار نہیں کرنا پڑا۔ رضوان نے جلد ہی دروازہ کھول دیا تھا۔
میرا جسم تھک کر چور ہو رہا تھا۔ میں نے اپنی خواہش کا اظہار
کر گلزار کو دیکھا۔ وہ اب تک بے خبر سو رہی تھی۔ میں نے اس کی
یونیفارم بیگ سے نکالی اور گلزار نے میں نے بیٹھا دی، پھر میں گلزار
ہی کے قریب دروازہ ہوئی۔ میں اتنی تھکی ہوئی تھی کہ مجھے لیٹنے ہی
نہیں پڑی۔
مجھ سے پہلے گلزار کی کچھ گلی ادا کی نے مجھے بیدار
کیا۔

”ناشتے کے بعد بی بی چلیں گے۔“
میں سوچ رہی ہوں یہ کہ کریں خستہ لے گا
بول۔ ”نہ ٹھٹھون کے ہاتھ منگو اور ایں اسکا
میں غسل کر کے نکلی تو ناشتہ کچھ کھا
ناشتہ کیا، پھر ہوٹل سے نکلنے میں دیر نہیں لے گیا
رضیہ میں دھنوں کے ساتھ چڑھ گئی وہ چلے گا
نہیں تھے جن کے اہل ہوٹل میری بہن کی کفرت
معاملہ ختم ہونے کے بعد بے کسی باسی جاسوسی
کرنے کا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس میں بات ابھی ہمارا
وہ ضحکہ کو تکلیف دے کر گا۔ شے ختم کر کے اپنا نام
نکالے گا۔

”لوں رہی ہیں پوری۔“ آپ تشریف نہ کیجیے۔
”سیکی لے آئے ہیں۔“ میں نے انہیں وہ گھبراہٹ
دیکھ کر نہیں سہتے۔
میں نے تمہیں کچھ کہہ ان سے وقت
کہا۔
”الو! نے کہا۔
”لاش کے پناہ ایک ایسا ڈینگ کا ڈونگا لا
ہمارے گہوارے پر نہیں تھا میرے پاس ایسے
نہیں کا پتہ تحریر تھا اور ایسے کارڈ بھی تھے
میں تحریر تھے۔ یہ کارڈ وقت ضرورت کام
میرے ساتھ رہتے تھے۔ میں نے صرف نام

کمرے میں قدم روضی تھی اور درویشی در و دیوار سے چوٹی
محسوس ہو رہی تھی۔ غریب پر دینے والیں تھے جو ایک دیوار سے دھری
دیوار تک پیچھے ہوئے تھے۔ ایک طرف ٹری سی میز تھی اور اس میز
کے پیچھے گھومنے والی کرسی پر وہ عجیب شخصیت بیٹھی ہوئی تھی جس
سے فی الحال میرا معاملہ تھا۔ اس شخصیت میری موجودہ مشکلات کا باعث
تھی اور جس کے فیصلے میں میری بہن رضیہ تھی۔ کمرے میں داخل ہوتے
وقت میں نے اسے دیوار کی طرف مڑنے کے دیکھا تھا۔ جان ہمارے
ہاتھ کا کر جا گیا تو وہ بڑے ڈرامائی انداز میں ہماری طرف مڑا۔ پھر میں
دیکھ کر جیسے اس کا چہرہ موت سے کھل اٹھا۔ وہ بڑی تباہی کے ساتھ
اپنی کرسی سے اٹھا اور میرے پیچھے سے گھوم کر کمرے کے وسط
میں آ گیا۔ وہ دونوں ساتھ پیلا کر ٹری گرجو تھی سے ہماری طرف چلا۔
اُس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ ہمیں گلے سے لگائے گا مگر اُس
نے فعلیات کا علم نہ پراکتھا کیا میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ مجھے خودوں
سے گلے لگنے کا کوئی شوق نہیں۔

”تم نے شاید رات کو کچھ زیادہ ہی لگا لی تھی۔“ میں نے اٹھ
کر بیٹھتے ہوئے کہا میں نے یہ بات دانستلی تھی تاکہ وہ یہی کچھ
کے کسی قسم کا شہدہ نہ ہو۔
”میں ایسی تو کوئی بات نہیں کہ اس نے انکار ہی لیتے ہوئے
ایسا ہیوں پہلے اس سے زیادہ ہی سہی ہوں۔ کل سات بجے
ہوں کچھ زیادہ ہی چڑھ گئی تھی۔ میں آپ سے معذرت خواہ ہوں کہ میری
سے آپ کو نہ مت آٹھا نا پڑی۔“
”کبھی بھی ایسا ہو جاتا ہے۔“ کہی خاص بات نہیں میں نے
گلزار کے ہم رباب کہ میرا سلیپنگ سوٹ تھا۔ وہ اپنی
خود پہنے سٹائل میں جا رہی تھی۔ جب وہ یونیفارم پہن کر باہر
ہو مجھ سے شخصیت کی اجازت چاہی۔ میں خود ہی جاتی تھی کہ وہ
سے جلوسیاں سے رخصت ہو جائے تاکہ میں رضوان کے ہمراہ
بلی سے ملے جا سوں۔ یہ سوچ کر میں نے اسے فوراً جانے

ہم ہوٹل سے نکل کر آکسفورڈ اسٹریٹ میں پہنچ گیا
ڈکانیں اور ڈیپارٹمنٹل سٹور کھل چکے تھے اور بازار کی گلیاں
چڑھتی۔ آکسفورڈ اسٹریٹ کے وسط میں بیچ کر کمزور دیکھنا
کی طرف مڑ گئے۔ ریکینٹ اسٹریٹ آکسفورڈ اسٹریٹ
سے گزرتی ہے۔ ایک طرف بی بی کے سٹوڈیو ہیں۔
طرف پکا ڈال! ہم نے پکا ڈال کا گھر کیا تھا کیونکہ ہمیں کوئی
کی ضرورت تھی وہاں ہی سمت تھے۔
پہننے لگا میں تھیں اور اوپر دفاتر دفین جانے کا اسکا
سمت سے تھا اس لیے ہم ایک ٹریسٹر کی دروازے
اندر گئے۔ اُس کے بعد میں کیونکہ گھر کے دفاتر میں داخل ہو
کا راستہ بدل لیا کیونکہ وہاں کی طرف میں تھریشہ ایک بولڈ نا
رہنما کی کے لیے دروازے پر موجود تھا۔
دھڑلے دل کے ساتھ ہم نے نہ بننے ملے کیے۔ اُس
ایک کمرے میں جا رہا تھا ایک خاتون استقبال کر کے ہمارا

میں دیر آرا آمدہ ہونے پڑے ہوئے تھے۔ ہم
وہ کمرہ پڑے غماشی انداز میں سجایا گیا تھا۔
کو دیکھ کر لاپرواہی اور اتنا ہی ادا رہا۔
میں کیلی کے پاس میں میرا یہ اندازہ غلط نہیں
ہو گا۔
ڈائری کا ہاتھ لے رہی تھی، پھر اس نے ڈائری
دین کا سپور اٹھا لیا اور کسی کے خبر خواہ کیے۔
لے ابد اس نے سپور دیا، پھر گھوم کر میرے
میں سے قریب آ کر بڑے ڈرامائی انداز میں بولی۔
”بائڈر کر گئے۔“
میں اور رضوان بھی اٹھا۔ اسی لمحے ایک دروازہ
سے ایک اور شخص برآمد ہوا۔ اُس نے
آواز اٹھائی۔ میں مسٹر کی کاپی پر سلیکٹر کی

کمرے میں قدم روضی تھی اور درویشی در و دیوار سے چوٹی
محسوس ہو رہی تھی۔ غریب پر دینے والیں تھے جو ایک دیوار سے دھری
دیوار تک پیچھے ہوئے تھے۔ ایک طرف ٹری سی میز تھی اور اس میز
کے پیچھے گھومنے والی کرسی پر وہ عجیب شخصیت بیٹھی ہوئی تھی جس
سے فی الحال میرا معاملہ تھا۔ اس شخصیت میری موجودہ مشکلات کا باعث
تھی اور جس کے فیصلے میں میری بہن رضیہ تھی۔ کمرے میں داخل ہوتے
وقت میں نے اسے دیوار کی طرف مڑنے کے دیکھا تھا۔ جان ہمارے
ہاتھ کا کر جا گیا تو وہ بڑے ڈرامائی انداز میں ہماری طرف مڑا۔ پھر میں
دیکھ کر جیسے اس کا چہرہ موت سے کھل اٹھا۔ وہ بڑی تباہی کے ساتھ
اپنی کرسی سے اٹھا اور میرے پیچھے سے گھوم کر کمرے کے وسط
میں آ گیا۔ وہ دونوں ساتھ پیلا کر ٹری گرجو تھی سے ہماری طرف چلا۔
اُس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ ہمیں گلے سے لگائے گا مگر اُس
نے فعلیات کا علم نہ پراکتھا کیا میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ مجھے خودوں
سے گلے لگنے کا کوئی شوق نہیں۔

724

تو مجھے یوں بھی کوئی بات نہیں کرنی۔

میں مڑوان کی بے غرضی کیسے برداشت کر سکتی؟ اس لیے میں نے چارلس کیلہ پر جوابی ایک حکمرانی کی ایک بجز تھی یہ میرے علم نہیں تھا۔ اگر آپ معاملے کی بات نہیں کرنا چاہتے تو ذکر میں میری باتوں کو کسی کی ممتا میں نہیں رہی۔ میں ہر حال اپنی بہن کو موڈنگ کاٹوں گی، چاہے آپ اسے رات پر دوں میں چھپا لیں۔

میں نے مڑوان کا ہاتھ پکڑا اور اسے گھڑی ہوئی، پھر دوڑنے کی جانب بڑھی۔

”مرد دوڑنے تک پہنچتے تھے چارلس کیلہ کی آواز سنائی دی۔

”شہر دا“

میں نے فرار کر لیا، اس کے چہرے پر لمبی لمبی کے آثار تھے نیلا

اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کرے، یہ یقیناً ہمیں روکن نہیں چاہتا تھا لیکن شاید اسے جو کہ اور پیش متادہ ارتقا ہم تھا کہ اسے اپنی

آوازوں کے کہیں روکنا پڑا۔

”تاہر لوگوں کو مجھے اپنا صاحب گھر دکھانے کا کوئی شوق نہیں۔

وہ خبر وہ لمبے میں بولا اس بات کو اپنے ذہن سے نکال دو کہ میری کوئی غرض تم سے الٹی ہوئی ہے۔ آؤ میں تمہیں تمہاری بہن سے

ملاؤں۔“

مڑوان کا چہرہ کھل اٹھا لیکن نہ جانے کیوں میرا دل خوشی سے

نہیں دھڑکا میرا دل کی جھنجھکی جس پر میری جھنجھکی شاید رضیے ملنا آتا

آسان نہیں تھا چارلس کیلہ کی نالی اسے مانے میں جس حال میں چھلانے

لے جا رہا تھا مگر اس کے باوجود اس کا ساتھ دینے پر مجبور تھے اس

لیے اس کے پیچھے چلے گئے۔

چارلس کیلہ نے دویل کے ایک حصے کی طرف رخ کیا اور لوگوں

چلنے لگانے کیسے اس طرف بھاگنے کا راستہ ہو۔ وہ دویل کے پاس پہنچی

سے جس کے پیچھے تین ہوئی ہے۔ وہ اٹھ

دویل کے قریب ہی پڑے ہوئے مڑوان کی طرف

میں نے اس کے ہونے کو کھلے

مڑوان پر بیٹھے، یہی ممتا پر بھی ہو گئی۔

پر بیٹھا تھا۔ میں نے اس کے ہونے کو کھلے

دیکھا پھیلی دویل پر ہونے والے خلا سے

سفر پر پڑی۔ اسی وقت چارلس کیلہ

قید کرنے کا شوق بھی ہے، اسی کا نتیجہ نامہ

کے لیے نہیں بنائی گئی تھی حالانکہ تمہیں اس

مشکل ہے۔“

روشن پڑے پر ایک منظر دکھائی دیا وہ اسی

کا آواز ابھی یہ آواز شاید پہلے ہی دیکھ چکی ہوئی

قریب بیٹھا چارلس کیلہ کا موش تھا۔

”کیلنگ سے روکا گیا ہوا تابوت مڑوان

مطابقت سے چارلس کیلہ کی آواز سنائی دے رہی تھی

اسکھوں میں دھولک جھوک کر ایک اہم شخصیت کو

میں بند کر کے لایا ہے میرے آؤ کی تابوت کو

اہم واقعہ ہے میرے بازو کیلنگ تک دراز ہو گئے

پڑے پر نظر آ رہا تھا کہ آؤ کی تابوت کو

انہوں نے تابوت سے ایک لاش نکالی۔ وہ لاش پڑ

پڑی ہوئی تھی۔ اس لاش کا صرف چہرہ دیکھ کر ہوا تھا

لے جو مذہبی۔ اسے جو روادی گئی تھی، وہ بہت

اسی رواد کا وہ بھی استعمال کیا جائے گا۔

مڑوان لایا۔ مڑوان میں منظر میں چارلس کیلہ کے ساتھ

اس کیلہ رضیہ کو کھتی ہے رات کا کیلنگ سے اسے اس

اہم تھا۔ وہ اسے چوبیس کے شکار خود ہی بنی کیلنگ اس

کیلہ کے ساتھ لایا کا مڑوان کو چارلس کیلہ کے

ساتھ ایک شخص کے ساتھ پہلی کو پڑھ رہی تھی

ساتھ ہی چارلس کیلہ کی آواز پھر سنائی دینے لگی تھی

مڑوان ہے۔ اس کی بہن دنیا کی چند ترک ترین

ہاکی ہے۔ اس کا ٹیٹ لایا جانے کا گروگلو

مت آتی تو اس صورت سے مڑوان خود ہی ہوگا ویسے

گروا ویسے اچھا لہوٹ آئے۔ وہ بہن ترین ہاکیوں

ہے۔ میں نہیں ہاکیوں کا کبھی باؤلیک صورت ہونے

انہیں کو کھتی ہے مڑوان کا نام کبھی پڑے دیا ہے اور

مڑوان کیلہ اب لندن کی ہوائی ٹیکر کر رہی ہے اور

وٹ آؤ کی مڑوان کے تھلے۔۔۔ چارلس کیلہ کا قصہ

میں کی آواز اب بند ہو گئی۔

ہاکی کیلہ اب لندن کے منظر نظر کرتے رہے جو فضا سے

بہت خوب صورت تھے۔ ایک گروا ٹیٹ میں ہی کو پڑھ

الے نے رہی تھی۔ کبھی کبھی رضیہ کی آواز بھی سنائی دے

۔ مڑوان کا کہہ میری کبھی لے رہی ہے۔ وہ

جزیرہ چند ایکڑ زمین پر پھیلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ جزیرے کے وسط میں

چند عمارتیں بھی ہوئی تھیں۔ مڑوان جزیرہ پر سبز تاول تھا۔ شمالی حصہ پر ہاکی

تھا جس میں کہیں کہیں چشمے بہہ رہے تھے۔ جنوبی حصہ غالباً دلدلی تھا

لیکن نقشہ سے نہیں کہا جاسکتا تھا کہ یہ جزیرہ سبز تھا کہ اس

کہیں کہیں ہی زمین کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔

”مڑوان تو بہت اچھی ہے۔ یہاں بہت سے والا کوئی لارڈ ہی ہوگا۔“

رضیہ کی آواز آئی۔

”نہیں! وہ کوئی اریکی ہے۔ پائلٹ نے جواب دیا، پھر بولا۔

”یہاں چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم کسی شکل میں چھن جائیں!“

”کیسی مشکل؟“ رضیہ نے پوچھا۔

”وہ بہت عجیب آدمی ہے۔ اس کا کوئی بھروسہ نہیں کہ اسے

کیا بات مانگا کر دے۔“ پائلٹ نے تیار ہو کر جزیرے پر گزرتی ہوئی

ہیں۔ کبھی تو حکومت کی طرف سے چھوٹ ٹی ہوئی ہے۔“

”یہ برطانیہ ہے، یہاں دھاندلی تو نہیں چل سکتی!“ رضیہ کی

آواز آئی۔

”اس بات کا شمار دھاندلی میں نہیں کیا جاسکتا۔ اس شخص کو پکڑو

کی طرف سے مراعات ٹی ہوئی ہیں۔ اسے حق حاصل ہے کہ اسے خود

مداخلت کرنے والے کو مناسب سزا دے سکے۔“ پائلٹ نے مذمت کی۔

”یہی کو پڑھنے والی ہے کے لیے بڑے مڑوان اور اس کے لیے جزیرے کے

ایک حصے سے دھواں سا اٹھا، پھر ایک شعلہ سا پہلی کو پکڑ

طرف لپکا۔

”اے! کبھی نے گروا بار بار مڑوان کو دے۔“ پائلٹ کی تشویش

آئینہ آواز آئی۔ وہ شاید ہمیں خوفزدہ کر کے بھگا دینا چاہتا ہے۔“

”دو تین گولے غالی گئے، پھر ایک گولہ لگا۔“

”کہا کہ دیکھنے سے یہی محسوس ہوا۔“

”مڑوان کا منظر بہت اچھا ہے۔“

”مڑوان کا کہہ کر ایک زبردست دھماکے کی آواز کے ساتھ پورے

غائب ہو گیا اور چند لمحوں کے لیے تاریکی چھا گئی، پھر پردہ روشن ہو گیا

”مڑوان تو بہت اچھی ہے۔“

”مڑوان تو بہت اچھی ہے۔“

”مڑوان تو بہت اچھی ہے۔“

”مڑوان تو بہت اچھی ہے۔“

”مڑوان تو بہت اچھی ہے۔“

”مڑوان تو بہت اچھی ہے۔“

”مڑوان تو بہت اچھی ہے۔“

”مڑوان تو بہت اچھی ہے۔“

”مڑوان تو بہت اچھی ہے۔“

”مڑوان تو بہت اچھی ہے۔“

”مڑوان تو بہت اچھی ہے۔“

”مڑوان تو بہت اچھی ہے۔“

”مڑوان تو بہت اچھی ہے۔“

”مڑوان تو بہت اچھی ہے۔“

میں رضیہ بھی تھی۔ اُسے دلدادہ می کہتے تھے۔ رضیہ کو ادھر قریب
 لا گیا۔ مرنے لگا دیکھا کہ رضیہ کا ہر جوار اُتر آتا تھا اور وہ کچھ کھڑی نظر
 آ رہی تھی مگر زیادہ تر شیش کی کوئی بات نہیں تھی۔ اُسے بخیریت دیکھ
 کر مجھے اطمینان ہوا۔

پھر شاید رضیہ کی نظر پٹر کے فوٹو دین پر پڑ گئی۔ وہ فوراً چھینٹی۔
 "رضوان، باجی!"

پیشتر نے فرما ہی ریسوربر پر ماتحت کو دیا اور رضی کی آواز معدودہ بار گئی لیکن ہم اسے دیکھ سکتے تھے۔ وہ خود کو چھلانے کی کوشش کر رہی تھی مگر اسے کپڑے والے کافی طاقتور آدمی تھے۔ ان کی گرفت مضبوط تھی۔ رضی کسی چڑیا کی طرح ہنسنے پھڑک رہی تھی مگر خود کو چھلانے سے انہی وقت جارجس کیلی نے ریسوربر کو فوٹو وزن پر رکھ دیا۔ سلسلہ فوراً منقطع ہو گیا۔ جارجس کیلی نے میری طرف مسکرا دیکھا، صبر کولا۔
”تم نے اب تو اپنی بہن کو بجز ریت دیکھ لیا اب تو تجھیں اس کی طرف سے ٹھکرو نہیں ہونا چاہیے“
”نہیں“ میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ ”مجھے اس کی دلچسپی کے لیے اپنی شرائط بتاؤ!“

جواب میں اُس نے زوردار تعقید لگایا، پھر سمجھنے کے لئے بولا۔
 ”مجھے یقین تھا کہ تم میری کسی شرط کو قبول نہیں کرو گی اس لیے میں نے
 معاملے کو اپنے ہاتھ میں نہیں رکھا۔ رضیہ ایٹال ٹومس پطرس کے پاس
 ہے۔ تم اسے حاصل کرنا چاہتی ہو تو گواڈ ایٹال ڈونو فوج کروا کر گلاب
 رائیں توڑ دینا کہ لوگوں در سنوٹ تو جرتی ہے، کل نہیں تو آج ہی!“
 میں خاموش رہی۔ غصہ باریک و بولچل ماسکوت طاری ہو گیا۔
 میرا درمیان کوئی فزنگ نہ تھا۔ ہوسے چار سے کسی کو دیکھتے ہے جسے جوڑے
 شیطانی انداز میں مسکراتا تھا۔ میں سوچ رہی تھی کہ کیا واقعی مجھے وہی
 کرنا پڑے گا جو وہ شیطانی جہاں تھا یا کوئی اور راہ بھی ہے ؟
 رضیہ کو حاصل کرنے کی کوئی اور راہ بھی نظر نہیں آتی تھی۔ یہ
 سوچ کر میرا دل ڈبسنے لگا اس طرح میں دو پرہیز اسرائیل کے ہر دور کا
 گی۔ میں کبھی کبھار اس کھیل کو سمجھنے لگتی تھی۔ اسرائیل کی ہر دور کا مطلب ظلم
 فلسطینوں کا لگا کھوٹنا تھا۔

”اے میرے خدا! بے ساختہ میرے مُنہ سے نکلا اور میں نے
بڑے کرب سے آنکھیں بند کر لیں :

میں نے انھیں کھولیں تو میری نظر چار سی کیلبر پریس کے

جنوبوں پر بڑی شیطانی مسکراہٹ تھی اور وہ بولے ا
 اُس کے انداز میں فتح مندی کا احساں جو تکہ اُنسا
 پس دیکھ کر غرضی محسوس کر رہا تھا۔ گراں کی لٹ
 یہ حقیقت پر مبنی تھی کہ میں دنیا کی ذہین ترین
 ہوں تو چونکہ میں کچھ عوامی تھی، مجھ کو ذہین ترین
 یوں پس بے ہوش ہے!

میرا ذوق موجود صورت حال سے نہیں ہے
 سوچنے میں مصروف تھا۔ بہت جلد اس پر
 مجھے بالکل یقین ہو گیا ہے کہ یہ یقیناً اہم اور مشکل
 کوئی نہ کوئی مسئلہ حل ضرور تھا جس سے ذرا کم
 پڑتی ہے۔ یقیناً کوئی ایسی راہ ضرور نکلتی ہے کہ
 اور لاطینی بھی نہ توڑے۔ مطلب یہ کہ میں فکر وغیرہ
 دشمنوں کے چنگل سے بھی چھڑاؤں اور جس کی
 تعبیر نہ ہوں۔ اس کی خوش آؤ دھوری ہی ثابت
 یہ تو قطعاً کسی بھی قیمت پر رد نہ کیا
 نہایت دلانے کے لیے اس راہ کی آکر کہ نہایت

میں اپنی زندگی کو ادا پر رگڑ رہنے کو بچانے کی کوشش
 تھی لیکن فلسطینیوں کے مستقبل کو تاریک کرنے
 نہیں پہنچتا تھا۔
 میں جو کچھ نوجوانی میں تھی اس کا کچھ نہ کچھ ادا
 چسپے سے بھی پورا ادا تھا کیونکہ میں نے محسوس کیا کہ
 انا نواز اب بدل گیا تھا۔ اُس کے چہرے پر اب
 کراہ تھا۔

”مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تم کوئی فیصلہ کر رہی ہو۔
چارلس کیل کی آواز آنسوؤں اور پسینے کے خیالات کے
مجموعہ - وہ کہہ رہا تھا: ”تم نے یقیناً کوئی ایسا فیصلہ کیا ہے۔
یہ قابل قبول ہے جسے قبول کرنے میں تمہیں کوئی
نئے نازہ نہ لگا جائے کہ تم رضیہ کو میری قید سے آزاد
کچھ چھو“

”غلام ہے؟“ میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ ”ماں کے لیے بے چینی ہوئی؟“ چارلس کی کلی کا چہرہ کیل اُٹھا۔ وہ بھی مسکرا اور کہنے لگا۔ ”جیسے میں بولا۔“ عقلمندی کا تقاضا یہی تھا کہ تم یہی ذمہ تمہیں اپنی طرف سے پورا یقین دلاتا ہوں کہ بغیر کے غلام ہو کہیں مہر کر دوں گا۔ ذہن تم استعمال کر لو گی اور ذہن کے

میں کہا ہوا یعنی یہ ہے۔ تمہیں تمہاری بہن مل جائے
 چاہے کہ سکون کا یقین نہ کرو کہ اسی میں ہم دونوں کا مشترک
 دل تھا۔ حیرت بھری نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ اُسے
 یاد آئے۔ غصہ نہیں ہوئی تھی۔ حسی کرشمہ کی خاطر چارلس کیلی
 ہال میں دانستہ چھپنے لگی ہیں۔ مثالاً ہی سبب تھا
 وہاں میں ہوتے ہی وہ لوگ اٹھنا۔ تو اب کیا آپ واقف
 ہو؟ ماماں چاہتا ہے؟ اس نے یہ سوال اردو میں کیا
 کہ کہ بات نہ سمجھ سکے۔

مل کرنے کے لیے کچھ کچھ لو کرنا ہوئے گا یہ میں نے
 لیے کیا رہ اختیار کرنا ہوئی، اس کو فوجی مجھے خود بھی
 لہو دو گوی کہ سامنے زیادہ دیر بسے پس محسوس کرنے
 بہ بات تم بھی اچھی طرح جانتے ہو مرنوالن!“
 ہنگامت سن کر ڈر، ہی اچھی سمجھا، رنوالن نے طویل مہاسی

ان کو آپس میں بات کرتے دیکھ کر اور اسے نہ سمجھ کر
 یہ غیبتیں نظر آ رہی تھیں وہ ہماری طرف سے
 ہر دور و درخوارانہ چپ ہوتے ہی بولا: تمہارا
 منہ اب ہے؟
 اُس کے لیے فکر مند ہے لیکن بے ملامت خیال باتیں
 ان فریڈت میں ہیں نے فریڈت سکون کبھی میں جرب
 ۲۷

۱۔ بہن اس کی نیکی سنتی ہے، اہلبہت بہت خوب !
ہوئے لولا۔

۲۔ ہمارش نظر پر آتا تھا۔ وہ چہرہ ہماری خاطر تواضع کرنے
اس نے میں نے برکتی اپنے ساتھ کھایا۔ اس کا انداز
اپنے عزیز ترین دوستوں کی تواضع کرنا ہو۔

۳۔ ہمارے لیے خاطر پر ایک پاکستانی جو مل سے
میں میں اب جو بگ بگ پاکستانی اور ہندوستانی کھانوں
میں جو تھوڑے سے فرق کے ساتھ ہر صنف کے مخصوص

۴۔ بہن فرق صرف اتنا جو تباہے کہ صرف اوپر مہمانوں
میں کسی کی کھاتی ہے تاکہ انگریز بھی کھانوں سے
میں۔ یہ جوشی عام طور سے مجھے پڑتے ہیں اس
۵۔ ہندوستانیوں سے زیادہ انگریز لڑکے کی سرپرستی

کرتے ہیں۔

کسانے سے فرانت پکڑیں نے اور رضوان نے چارلس کیلئے رخصت چاہی۔

رخصت ہوتے وقت چارلس کیلئے میرے اچھے ایک نائل ستھادی اور کمانڈر بانو ایمپائل ٹوکے بسے میں تمام ضروری مہولہات اس نائل سے متعلق حاصل ہو جائیں گی مگر اس نائل کا مطالعہ کرنے کا بارود بھی تم مطمئن نہ ہو سکو اور تمہیں ضروری کی بات معلوم کرنی ہو تو مجھے فون کرو یا۔ میں اپنے بیکٹری ایڈیٹر کو فوراً اچھا ہے یا بیچ دوں گا۔ وہ بہت تیز آدمی ہے اور مہولہات حاصل کرنے میں تو وہ دھڑلے ہے۔ اگر تم ایمپائل ٹوکی سفر کے لیے کوئی راہ عمل طے کر لو اور مناسب سمجھو تو اُس سے مجھے بھی آگاہ کرو۔ دنیا میں متعلقہ ایک دھڑلے میں دلا تا ہوں کہ تمہیں جو شے بھی دیکر ہوگی، وہ فوراً تمہیں کر دی جائے گی۔ میری مراد اس کو اور اس ملے کو استعمال کرنے والے مانتوں سے ہے۔

”شکر ہے میں نے جواب میں کہا کہ مجھے کسی چیز کی واقعی ضرورت پیش نہ آئی تو میں تمہیں ضرور مطلع کروں گی۔“

”میری خواہش ہے بانو کہ تم اور ستھادی اس مانتی لندن کے بہترین ہوٹل سیدار سے میں قیام کریں۔ بہن کی تمام اخراجات میں ادا کروں گا۔ چارلس کیلئے نے پیشینگی۔“

”نہیں! میں ہولی میں دانستہ رائل میں ٹھہری ہوں ورنہ چاہتی تو میرے میں بھی ٹھہر سکتی تھی۔“

”متحدہ مرضی“ وہ خوش اخلاقی سے بولا۔ ”میں رائل میں قیام کا سبب نہیں پوچھوں گا۔“

چارلس کیلئے رخصت ہو کر اپنے ہوٹل پہنچ گئے۔

”اب کیا رائے ہیں بانو؟“ رضوان نے کمرہ نشست میں موجود ایک مونس پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

”فی الحال تو میں اس نائل کا مطالعہ کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے اپنے اچھے میں موجود نائل کو اور پڑھتا ہوں مجھے جواب دیا۔ اسے دوسرا میں تم پر کوشش کرو کہ کسی طرح ایمپائل ٹو پر موجود چیز سے بات کی جا سکے۔ میں اُس سے رضی کہ خبریت معلوم کرنا چاہتی ہوں اور اس سے یہ بھی پوچھنا چاہتی ہوں کہ کیا چاہتا ہے اور رضی کو اپنے ساتھ جزیرے پر کیوں رکھے ہوئے ہے۔ البتہ کہہ دیں مجھے رضوان کے قریب جوئے پر بیٹھ کر نائل کی دور گردانی کرنے لگی۔“

”ہوسکتا ہے اس نائل میں پیٹر کا فون نمبر درج ہو یا؟“

رضوان نے کہا۔

”ممکن ہے۔“ میں ہولی ”مگر مجھے اس کی آہ نہیں ہے۔ میں

میں نے اس لیے سوچ رکھا کہ رضوان کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ میری گفتگو کو ہی تو جسے سن رہا تھا اس لیے فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

فاسی طلب کرنے میں درگت اس لیے نہیں نے پیدل چلنے کو ترجیح دی۔ ریجنٹ اسٹریٹ تک پہنچنے میں پندرہ منٹ سے زیادہ وقت نہیں لگا۔

میں نے اپنی خواہ گاہ میں جا کر جلدی جلدی کپڑے تبدیل کیے۔ میں خواہ گاہ سے باہر آئی تو رضوان میرا منتظر تھا۔

ہم تقریباً پندرہ منٹ ہی میں چارلس کیلی کے دفتر پہنچ گئے مگر وہ ہم سے کبھی پہلے وہاں پہنچ چکا تھا۔ ہمارا استقبال اس کے پرسنل سیکرٹری جان اینڈریو نے کیا۔ اینڈریو نے ہمیں فوراً اپنی چارلس کیلی تک پہنچا دیا۔ وہ اسی کمرے میں تھا جہاں اس نے پہلے فلوئڈزن پر رضیہ کو ہنس دیکھا تھا اور پھر سے بات کی تھی۔ وہ اس وقت فلوئڈزن پر بیڑے سے رابطہ قائم کر رہا تھا۔

اس نے کمرے میں ہماری موجودگی کو محسوس کر کے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور نہ سے سے فلوئڈزن کے ڈائل کو گھمانے لگا۔

اس مرتبہ سلسلہ طویل گیا اور روشن امکرن بریڈ کے کمرے کی تصویر اُبھر آئی۔ پھر فلوئڈزن کے پاس ہی کرسی ڈالے بیٹھا ہوا کسی رالے کا مطالعہ کر رہا تھا۔

ہیلو پیٹر! چارلس کیلی نے تیرا زمر میں پھر کو مخاطب کیا۔ پیٹر نے نظر اٹھا کر ہماری طرف دیکھا، بھرجا بھرجا ہلکا ہوا۔

”یہ تم نے پیٹر کو ہنس دیا؟“ اس کا ہنسنے کا انداز تھا۔ اس نے ہمیں دیکھا۔

”تو کیا میں نے غلط کہا تھا؟“ پیٹر نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

”یہ نہ بھولو کہ رضیہ کو تمہارے ساتھ یہ خاتون خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہیں!“

”تو رضوان خاتون نے میری بات کا یقین کیوں کر لیا کہ رضیہ میرے پاس نہیں؟“ پیٹر کا انداز چیلنے کا سا تھا۔

”دیکھو پیٹر! رضیہ کو تیرے گھسنے سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔“ چارلس کیلی بولا۔

”تمہیں اُسے یہاں بھیج کر کیا فائدہ ہوگا؟“

”تمہارا کیا خیال ہے؟ مجھے الیا کرنے سے کیا فائدہ ہوگا؟“

لو جھٹ سے باہر میں کیسے علم ہوا؟

الیا کی کہی رہی ہیں اُس کے تبصرے میں ہے۔

کیلی فورنیا میں یہ سوچ رہا تھا کہ پیٹر کو نہ ہی میں کبھی یہ علم نہیں ہو سکتا کہ کتنا

لمحہ کن لہجے میں بولی۔ بہر حال یہ پیٹر نے

ہوئی؟“ میں یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ

بہر حال آگیا تھا۔ شاید اس نے اپنے

ادنیٰ سے انکار کرتا ہے۔ میں نے

میں دیکھنا چاہتا تھی کبھی۔“ غافل

کے بغیر سوال کیا۔ ”تم نے یقیناً پیٹر کی

کی جھگڑا تھی۔ میں نے کہا۔

انہیں باتوں ہی باتوں میں یوں قوف بنانے

سے میرے ذہن میں ٹھک پڑ گئے ہیں۔“

”اُس نے کہا۔“

جہاں تک ہم راورت رضیہ سے میری بات

ہی ہو کر رضیہ کی تعریف میں نہیں بلکہ پیٹر کی

ماں میں صرف کوشش کر سکتا ہوں لیکن آئندہ

لی جھگڑا نہیں ہوگا۔ یہ کہنا ہے۔

ٹیلیفون کی طرف اٹھ کر چلا۔

چارلس کیلی اس وقت اپنا

کامپلٹ سیکرٹری جان اینڈریو کو

نے وہ خبر ملائے۔ گھر پر جا کر کھانا

پر ریسیور پر طرف بڑھا دیا۔

”دوسری طرف چارلس کیلی؟“

اتھارڈ کر دیا۔

میں نے رضوان کے ہاتھ سے

میں بولی۔ ”ہیلو!“

”ہاں!“ دوسری جانب سے ہاربر کا

میں تجسس تھا۔

”میں! باؤ ہی ہوں؟“ میں نے قہر

ہو گئی۔

”تم نے مجھے گھر پر فون کیا؟“

سکتا ہوں کہ یقیناً کوئی نہ کوئی غامض بات

خاموش رہ کر بولا۔

”ظاہر ہے!“ میں یہ کہہ کر مچھل

سے واقف نہیں ہو۔ تمہیں غالباً چارلس کیلی نے نہیں بتایا کہ تیرے بہترین

امریکائی ایجنٹ ایٹل ٹوکی دلدلوں کی موت کی خبر سونچنے میں اور

جودو سن ہمارے سے بچ کر نکلے میں کا مابا ہوئے ہیں ان کے

حاصل آج تک درست نہیں ہوئے۔ وہ اپنا ذہنی توازن کھینچے ہیں۔

”مہر پیٹر!“ میں اُس کے خاموش ہوتے ہی جلدی سے بولی۔

”مجھے امریکائی ایجنٹوں سے کوئی خبر دی نہیں، نہ میں نے چارلس کیلی کی

پیشکش اب تک قبول کی ہے اور یہ بھی درست نہیں کہ میں آپ کے

خلاف ہوں۔ میں صرف اپنی بہن کی تلاش میں لندن آئی ہوں۔ آپ

رضیہ کو براہ کرم، میں اس جھگڑے میں نہیں پڑوں گی اور فوراً اپنے

ملک واپس چلا جائی گی۔“

”بولی! میں جھوٹ نہیں بولتا۔ پیٹر بزم ہوگا۔“ میں تمہاری بہن

سے قطعی واقف نہیں مگر اس زمانے سے مجھ سے ملنا ہی ہوتا تو بڑا

رکھ کر میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ میں تمہاری جالوں میں نہیں آؤں گا اور

تمہیں ایٹل ٹو پر ہرگز قدم نہیں رکھنے دوں گا۔ اگر تم نے ایٹل ٹو تک

پہنچنا چاہا تو اپنی موت کی ذمہ دار خود ہوگی چارلس کیلی سے کہو کہ وہ

اپنی حرکتوں سے باز آجائے۔“

اس سے پہلے کہ میں کچھ اور کہہ سکتی، پیٹر نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

میں نے بھی ریسیور کو ٹھل پر رکھ دیا۔

کیا ہوا؟“ رضوان نے تیرا پیسے بوجھا۔

”پیٹر نے رضیہ کے بارے میں اپنی مکمل لاطینی کا اظہار کیا ہے۔“

میں نے جواب دیا۔

”وہ جھوٹ بولی رہا ہے۔“ رضوان طیش کے عالم میں بولا۔

”لگتا تو ایسا ہی ہے مگر اُس کے جھوٹ بولنے کی کوئی شک مجھ

میں نہیں آتی۔“

”مگر تم نے خود اپنی آنکھوں سے رضیہ کو پیٹر کے ساتھ دیکھا ہے۔“

”امکان یہ بھی تو ہے کہ چارلس کیلی نے ہمیں کسی طرح دھوکا دینا

چاہا ہو۔ یہ نہ بھولو کہ چارلس کیلی ایک شیطان ذہن کا مالک ہے اور اس

بات کو بھی ذہن میں رکھو کہ آج کی دنیا میں عورتی و نظری دھوکے دینا بہت

آسان ہو گیا ہے۔ میں نے کہا۔

”تو پھر دوبارہ چارلس کیلی سے کیوں نہ چلا جائے؟“ رضوان نے تجربرز

پیش کی۔

”ایسا کیا جاسکتا ہے۔“ میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”ایٹل ٹو پر

رضیہ کی موجودگی کو کوئی واضح ثبوت حاصل کیے بغیر میں وہاں جانے کے

لیے تیار نہیں ہوں۔“

”ٹھیک ہے۔ میں چارلس کیلی کا فون نہ کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر رضوان نے

سنا کہ خاطرِ راضع کی جائے اور اُسے اپنا لڑکی بیکرا کے تھامے پاس بھیج دیا جائے! پھر کچھ سمجھنا نہ تھا۔

معاذیں! سنا ہے کہ کلباؤں پر بیکرا لنگھو میں مزلت کی دوسرا ٹپا! کیا تم رضیے میری بات کرا سکتے ہو؟

چڑھنے کے سواوش کہ غالباً میری بات پر غور کرنا نہ بھرا لکری انا! میں سر پہ تابو لانا بہتر نہیں! لیکن ہے کہ اس طرح مجھے کھانا نقصان پہنچ جائے۔

اُس سے کیا کہنا جو گلگدہ دیوں ایک دم
میں سے دھڑکتے ہوئے دل اس
اور جو جی تھی اور اس کے ہر سر پر
”کیا تم میری آواز سن سکتی ہو؟“
جواب میں رضیہ کے ہونٹ پڑے
میں سے اندازہ لگایا کہ اُس نے ثابت
”رضیہ! میں تمہاری آواز نہیں سنا“
”تم میری بات کا جواب نہ دے کر اٹھتے
رہی ہو۔“ کیا تم میری آواز سن سکتی ہو؟
رضیہ نے انابت میں سر ہلایا۔ اہ
آواز سن رہی تھی۔

[illegible]

کچھ سوچتے ہوئے کہہ۔
 ”اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم ایٹیاں تو اُس سے ملنے جاؤ گی، چاہر کی
 بولہ بولہ حقیقت کے کچھ چٹیکے مرضی کے خلاف ایٹیاں ٹوکنا شروع کرنا واقعی
 خطرناک کام ہے لیکن میں نے سنا ہے کہ تعین خطرات سے عشق ہے۔“
 ”تم نے غلط فہمیں سنا!“ یہ کہہ کر میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ رطوان نے
 مٹی مٹی ہنسی نقل دی۔

سیت کیا تھا جسے میں مختار میں ایک بار پیر کرنا چاہتا تھا۔
 سمجھانے میں کامیاب ہو گئی تو وہ ذریعہ میرے حوالے کرنے پر آمادہ
 ہو جائے گا۔

میرے ذہن میں یہ خیال چڑھ چکا تھا کہ میرے ایک چارلس کی یا
 اس کے چارلس کی رمانی امریکن کے لئے نفعت بخش اور فلسفینوں کے
 لئے موت کا پیغام ثابت ہو سکتی تھی۔ فلسفینوں کو نقصان پہنچا دینے
 کے لئے قتل نہیں تھا لیکن یہ بھی یقینی امر تھا کہ خود میرے لئے یہ بڑے
 رمانی عامل کا بہت ضروری تھا میرے لئے یہ کہ اگر لازمی تھا تو میرے
 یہ کام بڑے ہی زیادہ نامیاتی تھی کہ چارلس کی اور اس کے چارلی دیکھتے ہی
 رہ جائیں اور میں اپنا کام کر جاؤں۔

اگلے دن صبح میں نے رضوان کو ساتھ لیا اور گرین بس پر چڑھ کر
 ساؤتھ انڈی طرف روانہ ہو گئی۔ ایٹل ٹو کے قریب واحد وی فوج گاہ
 واقع تھی۔ وہاں سے لایچ کے ذریعہ ایٹل ٹو تک پہنچنا ممکن تھا۔
 ایٹل ٹو پر موجود ملازمین اور محافظین وہیں سے ضروری سامان خریدتے
 تھے۔ ضروریات زندگی کی اشیاء وہیں سے ایٹل ٹو پر جاتی تھیں۔
 سائن کی خریداری کے لیے جو ضروریات ایٹل ٹو سے وہاں آتی تھیں،
 ان کے نام چارلس کی کی دی ہوئی فائل سے معلوم ہو گئے تھے۔ ساؤتھ انڈ
 پر چڑھ کر مجھے اس وقت تک انتظار کرنا تھا جب تک کہ وہ ایٹل ٹو
 سے کوئی کوئی فریٹ لایچ پہنچے۔ میرے ذہن میں ایک منصوبے کے
 دھندلے دھندلے سے خاکے تھے۔ اس منصوبے پر عمل کر کے میں شاید
 ایٹل ٹو تک پہنچ سکتی تھی۔ یہ منصوبہ کوئی مختصر دورے کے ذہن میں پوری طرح
 واضح نہیں تھا اس لیے بھی میں نے رضوان کو مجھ پر بتایا تھا۔ میں
 نے اس سے انحال صرف اتنا کہا تھا کہ میں ایٹل ٹو سے قریب ترین
 جگہ تک پہنچنا چاہتی ہوں۔ پھر اس کے بعد ہی کوئی فیصلہ کر دیا۔

ایٹل ٹو پر ملازمت اختیار کرنے والوں میں دو دوسری بھی شامل
 تھیں۔ میں ان میں سے کسی ایک عورت کی جگہ نہ جانتی تھی۔ میں نے
 سوچا تھا کہ ان دونوں میں سے جو بھی آمادہ آگاہی کے لیے پرتا ہو گا ایٹل ٹو
 تک جا پہنچوں۔ اس عورت کے ساتھ جو مرد ہوا اس کی جگہ رضوان لے
 سکتا تھا۔ اس طرح میں اور رضوان جڑے سے اس کے حصے تک تو کرنا
 پہنچ جی جلتے جہاں ان دونوں کی ڈیوٹی ہوتی۔ عورتیں کو کوکچر کی ذاتی
 خادماؤں کی حیثیت دیتی تھیں اس لیے بڑے بڑے پنجنے کا مجھے بھی امکان
 طریقہ نظر آیا تھا لیکن تاہم یہ کہ اگر اس میں تھا اور مجھے اس کا پوری
 طرح احاطہ تھا کسی عورت یا مرد کو اس طرح تاہر یا باجاس کے گھر
 اس کے بعد کیا قدمی طور پر آگاہی پڑے گا۔ اس کے باوجود میں
 قبل از وقت کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا اس لیے وہ منصوبہ فیصلہ کن

میں سے بنائے ہوئے منصوبے کے مطابق
 تھی۔ پہلی بات تو یہی تھی کہ ایٹل ٹو سے وہاں
 لایچ تک وہاں پہنچنے کی اس کے پاس کچھ
 گھنٹے بھی ہو سکتے تھے اور چند دن بھی اس کے پاس
 والوں پر قابو پانے کا مسئلہ تھا اس کے بعد ان کے
 متعلقہ لینڈنگ کی حالت میں اس کا جاسکتا تھا۔ اس کا
 حاصل کرنا بہت آسان تھا۔ اس کے بعد میں نے
 رضوان ایٹل ٹو پر دیا کہ کہہ سکتے تھے۔
 ہم بارہ بجے کے بعد آمادہ ہوئے۔ اس
 آسان حاف تھا اور سوچ جگہ پر تھا۔ ایٹل ٹو
 کے گرد وفاق میں جو تھے اس لیے ساؤتھ انڈ پر
 پورا لایچ سمندر میں نہانے والوں سے بھر گیا تھا۔
 اگر میرے سر پر ضروری کو بھرانے کی دھم نہ
 گرم دھوپ سے لطف اندوز ہوتی۔ وہاں بھی
 بھی آسانی مل سکتے تھے اور میں زندگی سے بے
 جو سکتی تھی مگر اس وقت وہ موسم اور وہ نقطہ
 تھے۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ غالباً کچھ ایسی ہی
 بھی دھجارتھا۔

جب وقت آگیا تھا کہ میں رضوان کو اپنے منہ
 یہ سوچ کر میں نے ایک رستہ ان کا رخ کیا۔ یوں میں
 کا وقت ہو گیا تھا۔

میں نے رستوں میں پہنچ کر ایک کونے کی
 بھر کرنا کہا تھا۔ جو میں رضوان کو اپنے منصوبے سے
 رضوان نے میرے منصوبے سے پورا اتفاق کیا
 انتظار کرنے کی بجائے اس نے ایک اور تجویز پیش کی۔ ا
 کہ پہلے ایک لایچ کرانے پر حاصل کی جائے اور اس
 کا ایک بکڑ لگایا جائے۔ اس کی تجویز بڑی تیز تھی اس
 اسے ان لایچ۔

ساؤتھ انڈ کے باج کب کی تمام موٹر لائچیز اور دوسری
 حاصل کچھ تھے اس لیے میں نے پراپرٹی لایچ والوں
 عام طور پر لائچیز لٹے دو گھنٹے کے لیے کرانے پر دی جاتی
 کیونکہ لائچیز لگنا تھا اور اس کے لیے زیادہ وقت درکار تھا
 میں نے یہ فیصلہ دو وقت کے لیے کیا۔ ایک لایچ والا
 پر آمادہ ہو گیا مگر اس کی کچھ دیر بات نہ کی تو میں فری ہو

میں نے اسے اطمینان دینے کی خاطر
 مزید ہے۔ میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں اس
 ہے۔ لیکن جب کہ مجھے اور میرے ساتھی کو
 میں نے فرمایا۔

میں نے رضوان کو ایک آمیز نگاہ سے دیکھا۔ پھر
 مگر وہ جڑے نہیں ہے۔ آپ کسی بھی ایٹل
 ۱۔ اور فریٹ ہاؤس سے میں جلدی سے بولی۔
 میں نے شاید اس کا ذکر نہیں ہو گا۔ میرا لڑ بھائی
 اس کے پاس سے علم ہوتا ہے کہ کوئی نہ تھا
 پہلے آدی دیکھائی دیتے۔ جو تم نے تو گرد وفاق کو

مگر وہ جڑے وہاں سے کتنی دور ہے؟ لایچ والے
 ہاؤس کو بکچھ بکچھ میں نے لگایا تھا جس کا
 شکل تھا۔

میں نے جواب دیا۔ یہاں سے اس جڑے
 لی ہو گا۔ یہ کہ میں نے اس کے پاس سے جڑے کو جڑا دیا۔
 جڑے سے واقف نہیں۔ لایچ والے کا بوجھ بھل
 کے لیے پانچ لایچ کسی کو نہیں دیتا۔

میں نے اس کا لایچ لگایا ہے۔ وہ لایچ کو لپٹنے والا تھا
 ۱۔ لیکن جڑے کو کوئی نہیں لٹھنے میں لوٹ آئی گے۔

۱۔ تین گھنٹے کے لیے بھی لایچ نہیں دے سکتا۔

مگر تمہاری لایچ کرانے پر نہیں دینا چاہتے تو نہ دو
 اس کی ہر بات میں نے پورا اعتماد بھیجے میں کہ اور رضوان
 کی ہوئی تھی۔

۱۔ تم ہی چلے ہوں گے کہ لایچ والے کی آواز سنائی

۱۔ لگے۔ اور پھر اس کے نزدیک دوڑے پہنچ گئے۔
 لایچ والے نے کہا۔
 میں نے نوکری چھوڑی۔
 نے اپنے ایک آدمی کو اشارہ کیا جو قریب ہی موجود تھا۔
 ۱۔ والا اس سے مخاطب ہوا۔ تمہاری لایچ تک

۱۔ چھوڑ دینی صرف سوچ رہا تھا۔ میں ایک شخص
 ۱۔ پانچ پر بھیجا ہوں مگر وہ دناواح سے کوئی واقعہ ہے۔ اگر اطمینان
 واقعی کوئی چیز ہے تو وہ بک کو وہاں تک لے جائے گا
 میں کچھ نہ بولی اور ناموشی سے لایچ والے کے ساتھ کو گھر گئے
 ۱۔ اشارہ کیا۔ رضوان میرے ساتھ ساتھ ہی اس سڑے ہاؤس والے کو جڑے
 کے پیچھے پیچھے چلنے لگا جسے لایچ والے نے ہلے ساتھ لٹکا تھا۔
 "لایچ والے کا سہلک کچھ مشکوک لگ رہا ہے۔ رضوان آگے بڑھتے
 ہوئے مدد ہم لے میں بولا۔ یہ جلد اس نے اردو میں ادا کیا تھا کہ
 ہاؤس والا اس کی بات نہ سمجھ سکے۔

"یہ بات میں نے بھی محسوس کی تھی۔ میں نے بھی اردو میں جواب دیا۔
 "ایٹل ٹو کے ذریعہ کچھ میں نے سنا تھا۔ لگتا تھا کہ بکڑ لٹھنے
 اپنی حفاظت کے خیال سے کچھ افراد یا ساؤتھ انڈ پر بھی چھوڑ دیے ہوں
 تاکہ وہ لوگوں پر نظر نہ کریں۔ لایچ والا اس کا آدمی بھی ہو سکتا ہے۔"

میں نے اس سے لایچ کرانے پر کے کٹھنی تو نہیں؟ رضوان
 کے لیے میں تشویش تھی۔
 "نہیں کہا جاسکتا ہے؟ میں لاپرواہی سے بولی۔ خطرہ تو ہر قدم پر
 پیش آ سکتا ہے۔"

لایچ کے ذریعہ سے میں کسی قسم کا خطرہ نہیں تھا کیونکہ ہم دو
 تھے اور وہ تھا۔ وہ میں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔

لایچ نئی کار کی بڑی تھی۔ میں لایچ تک پہنچنے یا وہ دینے میں ہوئی
 تھی کہ اس کا ڈرائیور بھی آگاہ اس کی عمر یا اس سے زیادہ نہیں تھی اور
 چھوڑنے سے پہلے اس کا آدمی معلوم نہیں ہوتا تھا۔

۱۔ جلد ہی ہماری لایچ روانہ ہو گئی اور کسی وقت میں
 ایک پہلی کوڑے کو فضا میں بکڑ لٹھنے ہوئے دیکھا۔ رضوان کی نگاہ بھی
 آسمان کی طرف اٹھ گئی۔

"یہ پہلی کو بکڑ کافی دیر سے بکڑ لٹھنے ہے۔ رضوان نے آسمان کی
 طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔ یہ قریب آئے تو بک ڈر اس پر دھج
 حریف پر غور کیجئے گا۔ یہ لایچال ہے کہ وہاں سے پہلے میں ایک پہلی کو بکڑ
 پر ہی حریف دیکھ چکے ہیں۔"

میں نے رضوان کی بات کو اس کی پہلی کو بکڑ سے دیکھا۔ پہلی کو
 پہلی پر لاؤ کرنا تھا۔ ایک مرتبہ وہ قریب آیا تو میں نے اس پر بڑھنے ہوئے
 سفید حریف اور بندے چڑھے۔ وہ مجھے بھی آگاہ کیا۔ لگے اور پھر
 مجھے نو آواز کی کہ پہلے کہاں ایسے حریف و بندے کا بھٹے
 کیجئے۔ سفید حریف اور بندہ دی سے ہوا میں پہلی کو بکڑ سے تھوڑا سا
 نہیں ایک فلم میں دیکھا تھا۔ اس فلم میں سفید حریف پہلی کو بکڑ

موادہ شخص دم آخر چغیرا ہو۔

”جینے والا غالباً کوئی فلسطینی ہے؟“ کہو،
لو مخاطب کیا۔

”یہاں لانے کی بجائے کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

”جب تک تم لوگ یہاں ہو چھینس مسائی نہیں ہو سکتے۔“

میں نے پہلے خود بھی ان کے بیانات پر یقین میں آیا تھا اور میں نے
یہی سمجھا تھا کہ وہ زمین کو ان کو بھی دینے میں ملگرمیرے آدمی بہت تجربے کار
اور تربیت یافتہ تھے۔ وہ ان کو فوجیوں سے لڑنے میں جو اس طرح
ملاک نہیں ہو سکتے تھے۔ ان کا واسطہ دنیا کی کسی نہ کی غیر معمولی قوت سے
سوا تھا۔ جو بین الاقوامی جہزیرے سے زندہ لوگ تھے وہ اپنے ایک مقامی
کی لاشیں بھی ساتھ لائے تھے۔ اس لاش کے کمانڈے سے بتایا کہ
میرے والد کو کھنڈے سے ہی مارا تھا اس کو جو کچھ میری قسم کہہ کر ان میں
پایا گیا۔ میرے کتے کی بات یہ ہے کہ اس کی زبان پر کئی انگلیوں کے دبائے
سے کوئی نشان نہیں رہا تھا۔ ان کو لگا کھونٹے جانے کی صورت میں
ایسا ہونا لازمی نہ ہوگا۔ بقول نبی تعالیٰ ہے۔

جبر سے کافضلانی مارتو لینے کے بعد جب کی کچھ کالج سادھا ناڈ
 کی طرف ہو گیا۔
 بن یعقوب نے مارتو ناڈ میں کچھ دنوں رکھا تھا۔ کچھ کوئٹہ فخر
 ایک مینشن اس نے کرتے ہوئے رکھا تھا جو ایک سی ڈی والی کے
 ہوا تھا۔ اس مینشن کے بعد گرد گرد سبز و شاداب گھاس کے میدان تھے۔
 کیل کچھ کچھ ہرے جیسے میدان بنی میں اس وقت جو مینشن کے پائین باغ
 ہی کا حق معلوم ہو رہا تھا۔

اس عمارت میں داخل ہوتے ہی ایک دردناک خیمہ منکریں چونک
 اٹھی۔ بالکل یوں معلوم ہوا تھا جیسے کسی شخص کے گھر پر چھری پھیرا جا رہی

پہاڑ اور سب سے پہلے والے کمرے میں گھس
 لے کے چھپ گئے اور بنایقوب کا دوسرا سا
 سین گھومتا جس کی چاروں دیواروں پر بھاری
 - مین پڑوں کے سبب کمرے میں مکمل تاریکی
 کے قریب ہی موجود سوچ آن کے بنایقوب
 اب اتنا - روشنی ہونے کے بعد مجھے بتا چلا کہ وہ
 ہیٹ سے استعمال ہوتا تھا کیونکہ مجھے ایک
 لہر اب اتنا جس کے سامنے کمرے کے وسط میں دو
 تختے ہوئے تھے جن میں سے ایک ستروا ایم ایم فلیم
 لمناٹز کے لیے اچھے اور رفون کو بنایقوب
 دیوں پر بٹھا دیا۔

نے جزیرے کے ایک غافل خلیفہ جملہ "ایذا چاہا جو کہ
 اس کا مایہ ہو گیا تھا۔ وہ گو دوسری ملک متبع مسلمانوں
 کے ساتھ ایک ساتھ بھی تھا چاہے ساتھ تصویر کر کے
 لے کر گیا تھا۔ اب آپ اُس کے بننے ہوئے مسلمان
 ہمیں کمر بستہ اُس آدمی کی کیا گت بنی جو زانی میں

سور
ر
=

مسلمانوں پر جو حکمران کے ساتھ ٹیپ بھی منسک بھاجو ایشیل نو پیر
روکاو روگ کوئی آواز اول اورین یعقوب کے تبصرے نشر کر رہا تھا۔ اعلیٰ
مسلمان میں بن یعقوب کے ساتھی کو لڑنے سے انکار کو کسی کی طرف جاتے
ہوئے دکھایا گیا تھا۔ دوسرا مسلمان دیکھائی دیا تو اس کے ساتھ بن یعقوب
کی ٹیپ میں موجود آواز بھی اٹھ کر تھی میرے ساتھی نے جس خافذ کو
جگرتی تھی اس سے ٹرن کے بارے میں پوری معلومات حاصل کی تھیں۔
یہ چند مسلمانوں کی سلسلے کے تھے۔

”ایسا دلور کا ٹھکانہ ہے۔ یہاں داخل ہونے والے غیر لوگوں کی صورت میں معاف نہیں کیے جاسکتے، گو تعذبات آواز برابر سنائی دے رہی تھی مگر قدم پر وارنگ کے پینہ مدت دیکھ جانے کے باوجود جزیروں پر قدم رکھنے کی کوشش معاف کی بھی نہیں جاتی چاہیے کیونکہ ایسی کوئی بھی کوشش بدنیاتی ہی کی ظہر ہو سکتی ہے۔“ میں پوری آواز سے اس آواز کو سننے لگی اور غور سے سہلانے لگی۔

بہند ہو چکی تھی اور سہلانہ بھی بدل چکی تھی۔

چوتھی سہلانہ شریاں پر سر ہونے والا اس کے کمر پر کھینچا ہوا دکھائی دیا۔ اس کے ساتھ ہی وہی بھڑائی ہوئی گو تعذبات آواز دوا دوا سنائی دینے لگی۔ مگر ازل پر صرف وہی لوگ مقرر کئے ہیں جو اس کے لیے کی اجازت حاصل کر چکے ہوں۔ شریاں کمپیوٹر سے ملتی ہے اور کمپیوٹر ان تمام لوگوں کو پہچانتا ہے۔ ان میں سے ان میں سے ان کی اجازت سے غیر لوگوں کے لیے شریاں جہنم بن جاتی ہے جس سے مقرر ممکن نہیں۔ شریاں کا دھڑ

گلے ملنے کے لیے آگے نہیں بڑھی۔

کمرے میں موجود چادر کریں ایک جانب رکھ دی گئیں۔ میں ڈھونڈا اور فلسطینی ان کو سرسور پر بیٹھ گئے۔ باقی تمام افراد ہمارے سامنے قائلین پر بیٹھ گئے، اور یوں وہ حالت گئی کہ سامنے میری اور عثمان کی حیثیت بڑھ کر مل گئی تھی۔ اس بات کا اندازہ مجھے کچھ دیر ہی میں ہو گیا تھا۔

سب سے پہلے علی نے کمرے سے ہرگز غرضی تفریق کی جس میں اس نے میرے اور عثمان کا تعارف کر لیا۔ پھر بولی: "آج ہم نے جو کامیابی حاصل کی ہے اس میں محترم بانو کا بھی ہاتھ ہے۔ انھوں نے ہی مجھے یہ بات سمجھائی تھی کہ اگر نہ خوشی سے کام لیں تو ہمارے کام میں ہرگز کوئی ضرورت نہیں۔ یہ تحریک بد طرح سے کامیاب رہی۔ انٹرنیشنل رولڈز ہولڈر ہے لیکن اس سے دشمن چرکتا نہیں ہوتا ہے اور بد وقت اپنے سوا کسی نڈر نہیں کرتا ہے۔ آج ہمارے دشمن کو ہمارے حملے کا علم ہوا، ہم آجی جنگ جیت چکے۔ اس کے۔۔۔"

"یہی بات میرے قریب بیٹھے ہوئے مسٹر فلسطینی نے بھی کہا تھا کہ اس کی طرف سے یہ بات صحیح تھی لیکن اب اس کے لیے ضرورت اسطرح ہے: یہی میری طرف دیکھتے ہوئے کہا: "ہمارے جو دوست یہاں بیٹھے ہوئے ہیں ان پر دشمن کی حالت کا الزام ہے۔ میں ان سے بدولت کروں گا، وہ خود اپنی صفائی پیش کریں۔"

اس کے بعد علی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ مجھے اس کے چہرے پر شدید بے چینی محسوس ہوتی رہتی تھی۔ غلام وہ میرے اور عثمان کے لیے ہی نکل رہی تھی۔ میں نے کہا: "اس کی شوقین کا سبب مجھ پر بھی ہے۔ اس کے ساتھیوں کی نظروں پر عثمان اور میں بزم تھے۔ وہ کسی کارروائی یا دنیا دہی کے اصرار ہی پر ترتیب دی گئی تھی۔ اس بات کا امکان ہی تھا کہ ان لوگوں میں علی کے بہن بھائی ہوں مگر شہزادہ ہمارے خلاف ہی نظر آ رہی تھی۔ ایسی صورت میں علی کو ہنگامہ بنانا غلط نہیں تھا۔ اسے یہ خیال ہو گا کہ ہم اپنے موقف کو صحیح طرح پیش کر کے اس کے ساتھیوں کو مطمئن کر کے توفیق حاصل کرنا ہوا۔ فیصلہ ہمارے خلاف ہونے کا سبب اس کا مطلب ہمارا حقوت ہی ہوتا۔

میں علی کے بیٹھے ہی اپنی کسی سے آواز نہ کر رہی تھی۔ میں نے ایک نظر اٹھانے سے پہلے ہمارے افراد کو دیکھا جن کے چہروں سے ان کی جرأت کا اندازہ لگا جاسکتا تھا۔ میں نے سلیس عربی زبان میں انھیں مخاطب کیا۔ "میرے ساتھی نے بن یعقوب کی چیز کو وہ کافی پیسے سے الٹا کر دیا تھا۔ انھوں نے کافی کی پالی میرے ہاتھ سے اس وقت لی جب میں نے انھیں یقین دلادیا کہ مال غنیمت ہے۔"

فلسطینیوں کے چہرے خوشی سے دمک اٹھے۔ میرا عربی بولنا اور

بن یعقوب کی کافی کو مال غنیمت کہنا انھیں اب بھی شک کی دشمنیات نظر آ رہے تھے۔ میں نے چند لمحے توقف کے بعد ہر امان دشمنوں کو قبضے میں لے لیا۔ مجھے بتایا گیا کہ وہ ہے۔ اگر میں اسے چھوڑا تو اپنی جان میں ہرگز خطر ہو گا۔ ہمارے دشمنوں کی ہزاروں انتہائی مشرق و غربت کی نظام کو بیکار کر کے ہم مجبور کروں۔ دشمن بے تحاشہ کہ اگر ہرگز تمام کامیابی کے انھوں نے نام و نامی تو نیت کاٹنا چاہتے ہیں کہ ہم کو شہر سے الٹا کر دے۔

"پھر آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے؟ کیا آپ بین سلطان کا کام کریں گی یا اپنی بہن کو ممبر کر لیں گی؟ سوال کیا۔

"محترم! اگر آپ میری جگہ ہوتے تو کیا کمرے کی طرف مڑ کر دیکھتا۔ مجھے علم تھا کہ وہ کیا ہو گا۔ محض اپنی اعلیٰ بات میں میں ہرگز ہارنے کے لیے نہیں اپنے دو جوان بیٹھے فلسطینیوں کو مارا ہوں۔ میں ایک بیٹی کو بھی ممبر کر لیتا۔ مگر نہ ہا۔ لیکن میں نے فیصلہ کیا ہے کہ دشمن کی آواز میں ہرگز کے خود کو نظام کو ناکارہ ثابت کر کے ہم ہتھیاروں کی میں نے کہا۔

میرے سامنے بیٹھے ہوئے چند چہرے اور انھوں نے "خدا کی عطا کردہ کون سے کام میں اپنی جگہ کھڑی ہوئی ان کے خفاش ہونے کا اندازہ مجھ سے پہلے مسٹر فلسطینی ریڈر نے فخر ادا کیا تھا۔

ماقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک وہ ان ہمارے گھر میں اس سے دخل تو دشمن اس تک نہ دیکھ جائیں گے۔ آخر کوئی نہ کوئی ان کی شکل کو مارا نہیں ہے کہ میں اس کام کا انجام دوں۔ مجھے یہ مسئلہ میں کامیاب رہی تو اسے بھی اسی طرح کا نظام ترتیب دیا ہے۔ اسے خود ہی ہتھکڑی کر کے وہ نظام غلط ہاتھوں میں پہنچ جائے گا۔ اگر میں اپنے ہی تو وہ ہر ایک طرح بنانے کے بعد وہ اپنے ہمارے گھر آپ مجھ پر اعتبار کر سکیں تو یقین کریں کہ میں وہ آپ کی مرضی آپ کو فیصلہ کریں گے۔

اول ہو گا۔ میں ہر طرح آپ کی خدمت کے لیے سے یا میرے ساتھی کے بارے میں یہ فیصلہ بھی کر کے فائز کے جسم میں قتل کر دیا جائے تو میں بھول ہو گا۔ یہ کہہ کر میں اپنی کمری پر بیٹھ گئی۔

تک مکمل خاموشی رہی۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا: "یہ کہہ کر میرے دو سبب تائیاں بچ گئے۔ خدا وہ مجھے تو یقینی شکاوت دیکھ رہی تھی۔"

"اٹھ لینے کی ضرورت بھی نہیں تھی اور فیصلہ اس کے سامنے سے نکلا اور دشمن کو اپنا دوست تسلیم کرنا پڑا تھا۔

اپنی کمری سے ساتھی اور ان کا شکریہ ادا کرنے کے بعد میرے ساتھی رضوان نے بن یعقوب کو آہنی ہتھکڑی کر کے وہ میرے قلعے قلعوں کو چکا ہے اور قلعوں پر مجھے ہر حال پیش کے جزیرے تک پہنچنے کی خاطر گنبد کے کتب لوگ میرے ساتھ بھیجے ہوئے تھے۔

تھے انھیں دشمن قرار ہونے سے قبل شہید گئے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک ماہر مہینے کے میں شہید ہوا ہے۔ اگر پولیس کو یہاں لائیں میں تو وہ تحقیقات کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔ اس میں میں کو ہر قسم کی کڑواہٹ کے اور اپنے شہیدوں کی لائیں ساتھ ساتھ جائیں گے تاکہ انھیں عزت و احترام سے ان کی آخری آرامگاہ تک پہنچایا جاسکے۔ اگر ہم نے اس میں کوئی غلطی نہیں کی لائیں دشمنوں کو تو ہمارے لیے کوئی غلطی نہیں ہو گی۔ مجھے یقین ہے کہ بن یعقوب خود پولیس کو اس معاملے میں ہرگز نہیں گھٹے ہو گا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ میرے دل میں اس کی یاد دہانی اور یہاں ان کے ساتھ بے انتہائی شوق و ہوش سے تھے جس طرح ہم میں سے چند یہاں آئے ہیں۔

اس کے بعد سبھی آٹھ کھڑے ہوئے۔ میں اور رضوان بھی ان کے ساتھ ہی کمرے سے نکلے۔

ان لوگوں نے منظم طریقے پر لائیں کی تدفین شروع کر دی۔ لیکن کمال اور مسٹر لیڈر میرے اور رضوان کے ساتھ کھڑے رہے۔

"بن یعقوب کیسے پہنچ کر نکل گیا؟" میں نے علی سے پوچھا۔

"اس نے اپنی جان بچانے کی خاطر یہ بہت سے ساتھیوں کو قربانی کا قربان کر دیا۔ لیکن اس کے لیے میں نفرت و حسدات تھی مگر میں خدا کا سامنے نہ آنڈر ہوا کہ وہ اپنی کوششیں پیچ کر قرار ہو جائے گا تو ہم پہلے ہی اپنی کوششوں کا کارہ نوا دیتے۔"

مخبر وہ تم لوگوں سے کب تک پہنچے گا؟ میں نے مسکرا کر کہا۔

"یقیناً! لیکن اس کے لیے میں عزم تھا پھر صبراً اسے کچھ خیال آگیا اور بولی: "بالا کیا وہ جزیرہ واقعی آستانہ یا ناقابل تخریب جیسا کہ آپ کی گفتگو سے بتا چکا ہے؟"

"ہاں! میں نے جواب دیا اس کے بعد میں اپنی کوششوں کے متعلق ان معلومات سے آگاہ کر رہی تھی جو مجھے حاصل ہوئی تھیں۔ وہ جزیرہ تو واقعی کوئی ناقابل تخریب معلوم ہوا ہے۔ مسٹر لیڈر نے میری گفتگو کو تبصرہ کیا۔ وہ میری باتوں کو بڑی توجہ سے سن رہا تھا۔ مجھے بالائی صلاحیتوں پر پولیڈر اور دوسرے۔ انھیں ضرور کامیابی ہو گی۔ لیکن کمال نے فرما دیا۔

"انشاء اللہ! مسٹر لیڈر بولا، پھر کہا: "میرا خیال ہے کہ تمہاری بہن کو اس میں ایکشن ہونے سے اس لیے اس جزیرے پر پہنچا دیتے تاکہ وہیں جزیرے تک پہنچ جائے۔"

"آپ کا خیال قطعی درست ہے محترم! میں بولی: "میں دشمنوں کے اس کھیل کو بھی طرح طرح سمجھ چکی ہوں لیکن میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کے

۱۔ "میرا بلکہ مجھے تمہارا جلنے دے گا۔"
 ۲۔ "تمہارے بغیر وہاں کیا خاک کھٹ آئے گا؟"
 ۳۔ "مجھ آپ لوگوں کے لیے لایا جاؤ گا۔"
 ۴۔ "گیا، معمر لیڈر نے ہماری جانب مڑتے ہوئے
 ۵۔ "شکر ہے، مختصر" میں نے کہا اور پتہ اگل
 ۶۔ میں بھی نہیں تھا کہ ایساں ڈکے سلسلے میں مجھے نا
 ۷۔ حاصل ہو جائے گی۔ میں یہ بات اچھی طرح سمجھ کر
 ۸۔ کیلی سے میری ایساں فوکی جانب روانہ کی نہیں تھی
 ۹۔ نے راز داری کو فروری نہیں سمجھا۔
 ۱۰۔ یال نے مجھے اور فریڈ کو ساؤتھ وائٹ کے
 ۱۱۔ دوا۔ سلسلے۔ کو۔ فریڈ۔ کو۔ فریڈ۔ کو۔ فریڈ۔ کو۔

وہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ وہی تھی گریں
ماتی تھی۔ وہ اصل میں مکمل ذہنی اور جسمانی آرام کی
تھی تو بلی کی قدرت میں ممکن نہیں تھا۔ ایلی کا کہنا
جاگنے پر بھی ٹکسا سکتا تھا۔

کما ہوا ہاتھ آج آپ نے جس بڑے ہنری کر ٹوالی؟
میں نے بھی ان کے سے انڈوئس جلوب ہا!
تم غلط نظر کیا کرتے تھے میں نے آج بڑے ہنری میں

سبب یہ کہ آج کل رات میں مکمل آرام کرنا سہل نہ ہو سکیں۔ تعویض علمی ہے کہ ہماری منہم غلبہ ہند
وضوں آس کے بعد بخیرہ ہو گیا۔ ہم بول میں
لے حاصل کرنا دشوار ثابت نہ ہوا۔ ہم نے مختصر سا کہ
سوں کے لیے اپنے اپنے کدوں میں طے کئے۔ جہاں

نہجی۔ گوئی پر ایک مانجھ ہاری منظر خرمی۔ لینی کایک
ہے ہاما انتظار کر رہا تھا۔ ہم مانجھ میں سوار ہو گئے تو اس
کیل سنبھال لیا۔ میں نے اس کے سر پر کبوتر کا تانہ لگا دیا۔

قریباً پورن گھنٹے سفر کے بعد میں جزیرے کے آگے
 جانے لایا۔ تھوڑا سا تبدیلی کرنا۔ جب محض

ہم نے اپنے کپڑوں کے نیچے نہانے کے لباس
 لانے اپنے کپڑے تیار کر ڈاکٹر پر ہونے بیگ
 لیتے ہاں سے اول لایع کے ڈرائیو کو کو وہیں
 پہنچ کر کے پانی میں کود گئے۔

قدم رکھتے ہوئے مجھے عجیب سا احساس ہوا۔
 کے بارے میں مشورہ تھا کہ وہاں قدم رکھنے والا
 وہاں قدم رکھ کر کبھی تھی۔ کچھ دیر میں ادرنوں
 ملتے رہے۔ صبح کی ہلکی دھوپ بھی ٹھنڈے
 ہلکے لگ رہی تھی۔

اٹ سے نکلی تو رضوان بھی لباس تبدیل کر چکا
پر موجود دیگر اسرار مبرجھوتوں سے نمٹنے کے لیے

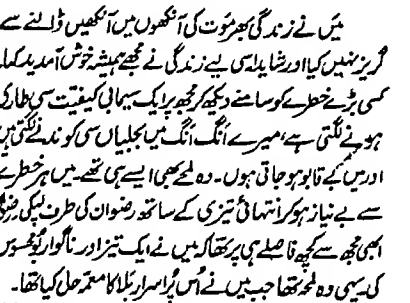
ہے۔
میں نے رضوان سے کہا ”یہ ریت بس
بچہ پیدا ہوئی ہے“

بہت میں سرسولہ اور ہم نے اس کے بڑھاس میں کیا۔
 بدخوش اور لیکن کھنکھاس سے دھکا ہوا
 اگلی۔ والدی علاقوں میں کثرت سے سنا نہیں
 یہ سچے سچے نظر آتا ہے مگر کافی دور چلنے کے باوجود
 سے ہمارا واسطہ نہیں پڑا۔ باں گزرنے کے جوئے وقت
 میں منور و اضافہ ہونا جا رہا تھا اور وہ علاقہ
 رہا تھا۔

مندوبہ بھی اسی طرف سے جزیرے پر تپنے کا فیصلہ
 ال بڑی ٹھہریاں مزدور ساتھ لائیں گے،“ رضوان

میں سیدی کھڑی ہوئی جی جی کر کچھے رضوان کی پیچ سنانی دی
اندھیرے اعصاب بجھنا اٹھے۔ رضوان مجھ سے ہندوڑ دور لوں
جھول رہا تھا جیسے اپنے حواس کو میٹھا ہو۔ ایک بھڑنگ کی ٹھنڈ
آہستہ آہستہ بل کمانی ہوئی اس کے ارد گرد پھیل رہی تھی بالکل اِلا
لگا تھا جیسے کوئی پُر لار و دھو بھڑنگ کی صورت اختیار کر کے
رضوان کو اپنے گھر سے ملے رہا ہو۔

تہنجدار سرورِ وجود ایہ دیہی ہو سکتے ہیں۔ میں نے سوچا اور کہیے
جسم میں منشی ہی دور تر تھی۔ رشتوں کی جانِ خطبے میں تھی اور کتے بچانے
کے لیے فوری کارروائی ضروری تھی مگر کیا کیا جا سکتا تھا؟ اُس سبز لڑکے
سے بچاؤ کی کیا صورت ممکن تھی؟ آخر وہ چڑا سر بل تھی کیا؟ چند
لمحوں کے لیے راز میں چھو کر دے گا۔



میں نے فوراً اپنا سانس روک لیا اور ایک ہی حست میں ہزاروں
کے قریب پہنچ گئی۔ اُس لمحے رضوان کا جسم زمین پر گرے جی والا انتقام
میں نے اُس کے گرتے ہوئے جسم کو اپنے بازوؤں پر سنبھال لیا، او او او
پھر دوسرے ہی لمحے اسے جسم کا سار لٹو جھجھیرے کا ندھے پر بٹھا کر
میں نے اُسے کا ندھے پر ڈال لیا۔ رضوان کو اپنے کا ندھے پر
ڈالنے ہی اتنی تیزی سے اپنی کشادہ زندگی میں کبھی اتنی سیز رفتار
کا مشاہدہ نہ کیا ہو گا۔

رضوان کو کاندھ پر اٹھائے ہوئے اس خطرناک جلدی علاقے میں دوڑتا ہنس کھیل نہیں تھا۔ میرا ایک غلط قدم بھی کسی دلدل میں پھنسا کر ذہنی ناک موت کا باعث ہو سکتا تھا۔ گلاس وقت میں موت سے قطعاً خوفزدہ نہیں تھی۔ تجھ میں نہ جانے کہاں سے اتنی طاقت آگئی تھی کہ تجھے رضوان کے جسم کا پوچھنے غصوں نہیں ہو رہا تھا۔ میرا کوئی قدم غلط نہیں پڑا۔ میں مدیگر کے اس جھنڈے سے نکلنے میں کامیاب ہو گئی۔

اب میرے پیروں کے نیچے نرم ریت تھی۔ میں نے رضوان کو اٹھائی سے ریت پر ڈال دیا، پھر خود بھی اس کے قریب ہی دوڑا ہو گئی۔ کالی تیرنٹھ کے سبب میرا سانس بڑی طرح پھولا ہوا تھا اور میرا دل بھی تنفس کی تاہم ہوا کے سبب اتنا تیز دھڑک رہا تھا جیسے پسلیاں توڑ کر باہر کھائے گئے۔ یہ کیفیت دس منٹ برقرار رہی۔ اس کے بعد میرے دل کی دھڑکن معمول پراگئی اور سانس بھی ہموار ہو گیا۔ میرا جسم بیٹے میں نہا گیا تھا اس لیے مجھے سردی کا لاشی احساس نہیں رہا تھا۔

میں نے رضوان کی کراہی تو اس کی طرف دیکھا۔ اس کے جسم میں حرکت بھی محسوس ہوئی اس کے جسم کو حرکت کرتے دیکھ کر مجھے مسرت ہوئی۔ میں اسے اٹھا تو لائی تھی مگر مجھے امید نہیں تھی کہ وہ اتنی جلدی حرکت کرنے کے قابل ہو سکے گا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کی زندگی سے بھی پوری طرح مطمئن نہیں تھا۔ رضوان کے جسم کی حرکت سے مجھے اطمینان ہوا کہ موت کا حملہ ناکام رہا ہے۔ اگر مجھے اس تک پہنچنے میں چند لمحوں کی تاخیر ہو جاتی تو شاید وہ زندہ نہ رہ پاتا۔ میں نے جیسے ہی وہ ناگوار بو محسوس کی تھی، انتہائی سرعت کا ثبوت دیا تھا۔ وہ بو محسوس کرتے ہی میرے ذہن میں سائنسی معلومات تازہ ہو گئی تھیں اور اس کا ایک حقیقت مجھ پر واضح ہو گئی تھی، پھر خطرے کی کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے میرے جسم نے جیسے ہی کسی پھرنی کا مشاہدہ کیا تھا۔ میں نے دیکھے ہی مجھے کہ میری فکر رضوان نے اب آنکھیں بھی کھولی دی ہیں۔ وہ عجیب سے انداز میں آسمان کو گھور رہا تھا۔ مجھے یہ محسوس کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی کہ اس کا ذہن اب ایک اعتدال پر نہیں آیا۔ اس سے قطعاً نظر اس کے تنفس میں بھی اب ایک مدتی نہیں لگتی تھی۔

”رضوان! میں نے اس پر چبکے ہوئے رہا۔“
دوسری بار پکارنے پر مجھے اس کی بے جان سی آنکھوں میں زندگی کی جگہ نظر آئی۔ اس کے بعد رضوان کی حالت تیزی سے

سنبھلنے لگی کچھ دیر بعد بھی اٹھ کر بیٹھ گیا۔
”ہاں... مجھے... مجھے کیا ہو گیا تھا؟“
رہا تھا اور اس کا مجھ کو کھو یا کھو یا سا تھا چکر رہا ہے۔“
”تم سے ایک سبز بنا پٹ مٹی تھی۔“
”سبز بنا؟“ رضوان نے دم سے لہجے میں آوا
یا داشت کوٹھ آئی اداس کے ساتھ ہی اس
سی نظر آئے لگی۔ اس کے بعد وہ کسی تہ پہنچا
ہوا۔ ہاں... وہ... وہ سبز بنا آؤ گئی مگر

میں سنجیدہ ہو گئی اور بولی، ”رضوان! میں داخل ہو کر کوٹھ آئے ہو۔ اگر تم مزید وہاں تو وہ گیس تھا کام تمام کر چکی ہوتی۔“
”کیس؟“ رضوان میری بات سن کر کم انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا، ”ہاں وہ گیس نے اپنے پاؤں کے نیچے ایسی ہی سنسنی مٹائی تھی۔“
”کیس خاندان ہونے کے سبب ہی پیدا ہو سکتی زمین کی طرف دیکھا تھا تو مجھے سبزی مائل دھن اٹھتی دکھائی دیتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی مجھے ایسا جیسے کوئی میرا لگا گھونٹ رہا ہوئے رضوان نے کی تفصیل بتائی جس سے وہ دوچار ہوا تھا۔

”ہوا سے بھاری، سبزی مائل پیلے رنگ کا دباؤ کے تحت غارت ہو کر اڑ رہی تھی ہے اور چند ہی کو موت کی نیند سلا دیتی ہے۔“ رضوان خاموش رہا۔ سائنسی معلومات دہرا کر، ”اس خطرناک گیس کا لالہ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس کا شمار ہونے والا، محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی اس کا لالہ گھونٹ رہا ہو۔“
”تو پھر اس گیس کا نام کون ہے جو کتا ہے۔“ رضوان نے خیال کا اظہار کیا جس سے میں نے اندازہ لگا دیا کہ اب اس طرح بیدار ہو چکا ہے۔

”ہاں!“ میں تاثر میں بولی، ”کلورین بائس سے ملتی ٹم رکھنے والی کوئی نئی دریافت! تمہارا اندازہ درست ہے۔“
”حیرت ہے کہ اس کیلکولیشن کی ذرا سی بات نہیں کہ رضوان نے کہا۔“
”ممکن ہے کہ جو کالکولیشن گیس کا شمار ہوئے مرنے سے پہلے اس کی حقیقت سمجھ چکے ہوں لیکن وقت گزرا

”ہوں۔ رہے وہ افراد جنہوں نے اس کی حقیقت سمجھ کر نہ سکے ہوں۔“
”ہاں! تم جیسے کوئی سبز بنا کم سے چٹا ہوا۔“
”ہاں! میں بولی میں نے جس خیال کا اظہار کیا تھا۔ رضوان نے بھی میرے خیال

اس بولنے لگی تھی میں نے سمندر کی جانب سے ایک لائی نظر کی تھی اور وہ لائی یقیناً اس کو ایک پہنچے تھے۔ اس یقین کا سبب یہ زیادہ دور نہیں تھی۔

”ہاں! اور بات یہ کہ لائی کو قریب آنے کا وقت تک بات یہ تھی کہ لائی کی جانب تک لائی کا

گاہ چل بار ایک میلی کو پڑ پڑی جو دفعتاً ہوائیں وہ پہلی کو پڑ پڑ سے وہیں موجود ہوش نہیں تھا تو اس کی طرف کیا دھیان دیتا لی وہ پڑ پڑ بھی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس کا تھا، اندازہ لگانا میرے لیے زیادہ ڈرار مایل جیسا شخص میری نگاہ میں کس طرح دکھائی ہوئی کے اشارے پر بن یعقوب کے آدمی۔ کام اتنے کتنے تھے بلکہ انجام دے رہے تھے۔ اگر وہ اس کیلکولیشن میں بن یعقوب بھی موجود ہے یہ کوئی تعجب چیز بات نہیں تھی۔ وہ معاملہ مائل تھا کہ ان لوگوں کو میرے قریب ہی ہونا ہے کہ اس میں تو مجھے پہلے بھی تجرہ ہو چکا تھا تھا ہوا ہے۔ وہ وقتی طور پر فیلڈوں کے ہاتھوں ہو گیا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ اس کے باوجود مائل نہیں رہا ہو گا اور مجھ سے زیادہ دور نہیں

میں ہمارا لائی اس حد تک قریب آگئی جس حد مٹنے کا خطرہ مول لینے بغیر آسکتی تھی۔ میں اور تھے وہاں سے سمندر زون تک تھا۔ میں نے اپنے بڑا اور آل جہاں جاتے ہوئے رضوان کو بھی اپنی لگایا۔ اس کے بعد میں نے رضوان سے پھر پوچھا۔ میں کوئی تباہی تو نہیں ہو گی؟ کیا تم اپنے تئوں

پھر لائی تک پہنچ سکے گے؟“
”سریکر ہاں ہے مگر میرا خیال ہے کہ میں لائی تک پہنچے ہی جاؤں گا۔ رضوان نے جواب دیا۔“
”تو پھر چلو! میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور آگے بڑھی۔

رضوان چند قدم تو ڈرا لڑکھڑایا مگر پھر سنبھل گیا اور میرے سہارے کے بغیر چلنے لگا۔ ہم کنارے تک جا کر لائی میں سوار ہونے کی غرض سے پانی میں آ گئے۔ ہمیں کچھ دور تک تیرنا بھی پڑا تھا۔ اس کے بعد لائی کے ڈرائیور نے ہمارے ہاتھ پکڑ کر ہمیں اُپر کھینچ لیا۔

جب ہم لائی پر پہنچے گئے تو لائی ڈرائیور نے ہمیں تشویش آمیز انداز میں دیکھا، پھر سوال کیا، ”کیا ہوا؟ آپ لوگ اتنی جلدی کیوں لوٹ آئے؟“

”میرے ساتھی پر ایک پراسرار سبز بنا نے حملہ کر دیا تھا۔ میں بمشکل انہیں بچا کر لائی ہوں۔ میں نے لائی ڈرائیور کو حقیقت سے آگاہ کرنا ضروری نہ سمجھا تھا۔“

لائی ڈرائیور نے میری بات سن کر حیرت کا اظہار کیا۔ اس کے چہرے سے بے یقینی کا جتا جلتا تھا۔ میں نے اس سلسلے میں مزید کچھ نہیں کہا، اس کے یقین کرنے کے لئے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ ”میں سر دی لگ رہی ہے۔ لائی کو تیزی سے ساؤتھ کی طرف چلو۔“ میں نے لائی ڈرائیور سے کہا۔ یہ حقیقت بھی تھی۔ رضوان کا ہم بھی کا نینا دکھائی دے رہا تھا۔

لائی ڈرائیور نے بغیر کچھ کہے لائی کا رخ موڑا اور پوری رفتار سے ساؤتھ کی طرف روانہ ہو گیا جہاں سے ہم روانہ ہوئے تھے۔

راستے میں رضوان اور میں نے راستہ گفتگو سے اجتناب کیا۔ ہم موجودہ صورت حال پر گفتگو کر سکتے تھے اور اس گفتگو کے دوران میں لائی ڈرائیور کی مداخلت نہیں کھلی سکتی تھی۔

لائی ڈرائیور کی تو میں اور رضوان، لائی ڈرائیور کو کھانا افراط کر رہا تھا۔ لائی ڈرائیور نے اس لئے ہی میں نے ارد گرد کا جائزہ لیا۔ میرا مقصد یہ تھا کہ اس دیکھ سکوں کہ میں کوئی میری نقل و حرکت کی نگاہ تو نہیں کر رہا مگر مجھے اس بات کو ایسا بھروسہ نہیں آیا۔ اس اطمینان کے بعد میں، رضوان کے ہمراہ اس ہوٹل کی جانب روانہ ہو گئی جہاں گزشتہ دن میں نے عارضی طور پر رنڈ کمرے حاصل کر لیے تھے۔

ہوٹل میں پہنچ کر رضوان میرے ہی کمرے میں آ گیا تو میں نے

اُسے سوالیہ نگاہ سے دیکھتے ہوئے کہا: "کیا اتنی زبردست جھگڑو کے بعد تمہیں آرام کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہو رہی؟"

"ضرورت تو محسوس ہو رہی ہے لیکن اُس سے پہلے یہ جاننا ضرور پڑتا ہے کہ اب آپ کو کیا ارادہ ہے؟" رضوان نے کہا۔

"یہ خیال ہے کہ اب میں لندن واپس چلنا چاہیے" میں نے جواب دیا۔

"کیوں؟" اُس نے یہ جواب سن کر حیرت کا اظہار کیا، پھر بولا: "اب تو جزیہ سے پر قدم جانے کی ایک راہ نظر آئی ہے اور آپ واپس کی بات کر رہے ہیں۔ میں اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہوں۔" میں نے اس کے عجیب گڑبڑی ہوئے کلمات پر

"کون سی راہ؟" میں نے دانستہ تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔

"یہ بات تو اب میں بتا چکا ہوں ہے کہ جزیہ سے اُس شخصے پر گیس پھیلانے کے لیے پائپ بجھے ہوئے ہیں۔ اُس شخصے کے لیے تو وہ زہریلی گیس جان لیوا ثابت ہو سکتی ہے جو وہاں اُس کی موجودگی سے ناواقف ہو سیکن ہم تو اس راز سے واقف ہو چکے ہیں۔ ایسی صورت میں ہمارے لیے اُس ملک گیس سے بچاؤ کو ایسا مشکل کام تو نہیں؟" رضوان بدستور پر جوش میں بولا۔

"شاید اٹھنا اشارہ گیس ماسک کی طرف ہے۔" میں نے کہا۔

"مگر گیس ماسک بھی ہمیں لندن ہی سے لینے پڑیں گے۔"

"کوشش کرنے میں کیا تباہت ہے! ممکن ہے گیس ماسک ہمیں انیس سو اٹھ انڈیج میں مل جائیں؟" رضوان نے رائے دی۔

"اڈل تو یہاں گیس ماسک ملنا مشکل ہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر یہاں مل بھی جائیں تو میں یہاں سے خریدنا پسند نہیں کروں گی۔" میں بولی۔

"دیر؟" رضوان نے سوال کیا۔

"کیا تم یہ قبول کئے کہ یہاں پر بڑے آدمی بھی موجود ہیں؟"

میری بات سن کر رضوان کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا اور اُس نے ایک طویل سانس لیا۔

وہ خاموش رہا تو میں نے مزید کہا: "اس کے علاوہ یہ بھی نہ بھولو کہ جزیہ سے اُس شخصے پر تحفظ کے لیے صرف گیس ہی استعمال کی گئی ہوگی اور گیس سے بچاؤ کرنے کے بعد ہماری راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ لیکن ہے کہ ہم گیس ماسک نہیں کر اُس دلدلی حقتے کو عبور کریں مگر اُس سے گزر کر جزیہ سے کے وسط تک پہنچنا اُس سے کمین زیادہ مشکل ثابت ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ دلدلی حقتے کے بوجھ کی تمام رکاوٹیں ہوں گی۔ اسی کاوش نہیں دھڑکا شل کی انسان کے لیے ممکن نہ ہو، خواہ وہ مصیبت فانی کیوں نہ ہو۔"

"اس کا مطلب تو یہی ہوا کہ ہم نے مایوس نہیں کیے۔"

"نہیں! میں نے مفہوم لیا۔" میں نے غصہ سے شکست نہیں کھانسی کہ کیا کوئی مشین اُسے بنا سکتا ہے تو یہ کبھی کر سکتا ہے۔

گی مگر وہ راہ اتنی آسان بہر حال نہیں ہے۔

میں کہ: "یہ کسی کے تخیل پر ہے۔"

چونکہ یہ مشینیں بنانا میرا کام ہے، میں نے سوچنا ہوگا کہ جزیہ سے کس راہ سے بعد میں وہ راہ تلاش کرنا ہوگی جو آئی

ہو کہ انسانی ذہن اُس ناقص تو بھی بڑے کم اُس میں پیش آنے والے تمام ممکنہ خطرات ہو گا کہ اُن خطرات سے بچنے کی تدبیر ہے۔

طرح جیسے ہم نے گیس سے بچنے کے لیے گیس بار سے سوچ لیا۔" میں نے رضوان کو دیکھ کر آگاہ کر دیا کہ وہ بھی صحیح خطوط پر سوچ رہا ہے۔

"بالکل اچھے آپ کی تمام باتوں سے اتفاق کیے بغیر پیش آنے والے خطرات کا اندازہ ہم کچھ میری بات کے جواب میں بولا۔

"ہاں بھلا مگر حل راستہ کا انتخاب ہی ہے۔"

سانس لیا، پھر مجھے بعد بولی یہ راستہ کا انتخاب پھر اُس ناگوار کام کا اندازہ کرنا پڑے گا جو چار میں کب یہ کر میں پھر کر۔

میرے خاموش ہوتے ہی رضوان بول اٹھا

چوٹی میں ہے اس لیے یہ پاپا کہیں فوری طرح چاہیے کہ کوئی نہ کہنے والی باتیں آپ؟"

رضوان کے لیے میں نے خود ہی حیرت کے میں

یہی کہنے والی تھی مگر یہ سوچ کر مجھ پر ہونے لگی کہ ضرورت محسوس کر رہا ہو میں نے اُس کی طرف منہ کر دیا۔

اور بولی: "اگر تمہارا پیشہ صحافت نہ ہوتا تو تم رقیق خاک میں اندر آپ کی حق تلفی کر دیتے، یہ بھلا کیسے ہوگا شوخ لیجی میں بولا۔

میرا مقصد یہی ہے کہ اُس کی شوخی کو اٹھالے۔

لیے ہی میں حالات کے انچھاوے سے ذہن آزاد ہوا

کافی دیر تک۔" چلا کو میں نے کہا: "اتھابا یہ بتاؤ چلنے کا خیال ہے یا کچھ دیر آرام کرو گے؟"

مجھے آرام کا خیال تو میں نے اُس دن

اپنے ہرگز کراچی سے چلا تھا؟ رضوان

میں پر میرے غور میں نہیں کیا تھا؟

رضوان میرے مزید کچھ کہنے سے پہلے

ہماری طرف سے ٹکرائے ہوئے ہوئے گئے۔

میں نے اُسے کہہ کر اپنی جلدی بارداں کر گئے۔ میں نے کہا۔

"رضوان میری تاکید میں بولا، پھر میں نے چکی بجائی اور کہا: "کمال ہے آپ کی بات کے ذہن میں کیوں نہیں آتی! عام سمجھوتہ کر جاسکتے ہیں۔"

میں کی بات سنی جو اُس وقت میرے ذہن

ایسا اس کی وجہ یہ تھی کہ میری تمام تر ذہنی مدد لیل کے لیے ایک مختصر سہائیہ عام ہوئی

رضوان کو ساتھ لے کر وہاں سے نکل گئی۔

خواب میں پہنچے تھے اُس طرح جس کے ذریعہ لندن

پہنچے میں شام کے چار بج گئے ہوئے ہیں

اٹھا نا کھانا، پھر کافی پینے کے دوران میں ہی

آؤٹی ناگلی نکال لائی جس میں ایشیا ٹو سے

ملا۔ ات کے علاوہ ایشیا ٹو کا نقشہ بھی تھا۔ میں

ہاتھ میں نے کافی کا ایک گھونٹ لے کر چالی

مال کھول لی۔

بلبر ہی مسموئے پڑیٹھا ہوا تھا۔ وہ میرے

مہکتے آگیا۔ میں نے ٹائل کے ورق اٹھ

اڑا دیا۔

میں نے یہ کہنے سے کہ مختلف حقتوں

ال کو دیکھ کر پڑا ہوا تھا کہ اگیا ہے؟ میں نے

لہجہ بڑے رضوان کو مخاطب کیا، پھر نقشہ پر ایک

میں دیکھو جزیہ کے کاشانی حقتے جو نامہ چار

لوہار گزار ہے لیکن نقشہ میں اس حقتے کو بھی

اگیا۔ یہ وہی حقت ہے جس کے بارے میں میں

میں یعقوب نے بھی بتایا تھا، اُس وقت جب وہ ہیں، اپنے بکلیا کر

میں ہٹا کر جزیہ کے کی طرف نے گیا تھا اور ہم نے جزیہ سے کافنا

سے جائزہ لیا تھا۔ یاد آیا تمہیں؟"

"ہاں! رضوان نے سر ہلایا: "وہ بہت سبب

طرف چٹانیں بالکل سیدھی اور ایک طرف لمبے ہوئی ملی گئیں، پھر

کی جانب سے اُس پہاڑی سلسلے کی تخیل نامکین ہی نظر آئی تھی کہ کچھ ٹپاٹیاں

آتی لمبے حقتوں کے ان پر کند ڈال کر چڑھنا بھی ممکن نہیں تھا۔"

"تمہیں یہ بھی یاد ہوگا کہ میں یعقوب نے اس سمت سے بھی جزیہ

پر چڑھنے کے بارے میں بتایا تھا۔ میں نے بات مزید کر دیا کہ پڑھا،

پھر رضوان کے بولنے سے پہلے ہی اپنی بات جاری رکھی۔ میں یعقوب

نے اس طرف سے پہلی کو بڑے ذریعے اپنے آدمیوں کو جزیہ سے پر

بھیجا دیا تھا مگر طیارہ شکن توپوں کے گولوں نے اُس پہلی کو بڑے

مار گزرا۔ اس سے تیز تر نکلا ہے کہ جیسے ہی کوئی پہلی کو بڑے یا جہاز

پہاڑی سلسلے سے گزرتا ہے، وہ رڈار پر نظر آتا ہے۔ کوئی ٹرکٹی

رڈار اس حقتے کا مستقل طور پر جائزہ لیتا رہتا ہوگا اور یہی رڈار اس

پہلی کو بڑے یا جہاز کو سنٹرل کنٹرول کے سامنے پیش کر دیتا ہوگا۔ سنٹرل

کنٹرول فوراً ہی طیارہ شکن توپوں کو بروئے کار لانا ہوگا کہ یہ کدو سارا

کام کسب و کار کے سر پر ہے اس لیے قیادہ شکن توپوں کا نشانہ خطا نہیں

ہوتا۔ یہ خیال ہے کہ جزیہ سے تنگ پہنچنے کے لیے ہمیں ہی ان اختیار

کرنی چاہیے۔" میں نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے رضوان کی باتیں

رضوان نے مجھ اس طرح دیکھی جیسے میں نے کوئی احمقانہ بات

کہ دی ہو۔ میں نے مسکرا کر دیکھی کہ میں نے زبان کھولی ہوئی

کیا آپ سنجیدہ ہیں؟" اُس کے لیے میں حیرت تھی۔

"ہاں، ہاں کیوں؟ کیا میں نے کوئی ناممکن بات کہہ دی ہے؟"

"میرے خیال میں تو یہ ناممکن بات ہی ہے۔" رضوان نے بولا

"اگر اُس حقتے میں اتنا موثر دفاعی نظام ہے تو کھلا اس طرف سے

کس طرح جزیہ سے میں داخل ہوا جاسکتا ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ اس طرف سے داخل ہونا ناممکن ہے۔" میں نے

کہا، پھر مجھانے والے انداز میں بولی: "یہ حقت پہاڑی اور ڈھلوان

ہے۔ اس پر قدم رکھنے کے لیے ایک ہی ذریعہ ممکن ہے کہ کسی اٹلنے

والی ٹیٹے کا سامنا لیا جائے۔ اس کا اندازہ طیارہ شکن توپوں کی

صورت میں کر دیا گیا ہے۔ غالباً اُس کے سروا اُس سمت سے جزیہ

میں داخل ہونے کا کوئی طریقہ استعمال نہیں کیا گیا ہوگا۔ تو اگر طیارہ شکن

توپوں سے بچاؤ کا حل سوچ لیا جائے تو یہ حقت جزیہ سے میں داخل

ہوئے۔"

رضوان نے کچھ دیر میری بات پر غور کیا، پھر سر ہلاتے ہوئے بولا۔

”آپ کا انداز دست ہے لیکن طیارہ جسک توپوں سے بھراؤ لگا لڑنے پر کہا؟“
 ”مگر طیارے میں مشینیں ہیں! کیا جانے تو طیارہ بھڑکنے تو بہت جیت
 میں نہیں آئیں گی؟ میں نے فوراً جواب دیا۔“
 ”لیکن ان بندوقوں پر کندھاؤں کو چڑھنا بھی تو ناممکن ہے۔“
 رضوان کچھ سوچ کر بولا۔
 ”میں نے یہ کہہ کر کہہ ڈالا کہ چڑھیں گے! میں تو صرف
 یہ کہہ رہی ہوں کہ ان بندوقوں کو چڑھ کر نہ کے لیے کوئی اڑنے والی
 مشین ضروری نہیں۔“
 ”تو کیا پھر رینگا کر ڈیں گی؟“ رضوان ہنسی لگا۔
 ”یہی کہی ہو۔“ میں نے اطمینان سے کہا ”سمندر کی حرکت کچھ تو کام
 آئے گی۔“

”اے! رضوان ایک دم چونک پڑا۔ آپ شاید گلائیڈر کے بارے
 میں سوچ رہی ہیں جسے لانچ کرنا پڑے گا۔“
 ”ہاں!“ میں نے جواب دیا۔ لیکن ہم جس گلائیڈر کے ذریعے اڑیں
 گے وہ تھوڑا سا مختلف ہوگا۔ ایک بار نقصانیں بلند ہو کر اُسے لانچ کی ضرورت
 سے الگ کیا جاتا، لیکن ہوگا اور وہ کئی ہونے چنگ کی طرح ڈولت ہوا
 نہیں گوسے گا۔ اُس کے اڑنے کی رفتار اور سمت برپڑی حد تک ہمارا
 قابو ہوگا۔“
 ”ترکیب تو چچی ہے۔“ رضوان نے جوشیلا انداز میں کہا۔
 ”زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر ترکیب کامیاب رہی
 تو ہم جزیرے کے شمالی भाڑی حصے میں اتریں گے مگر ہمیں ہر حال
 جزیرے کے وسط تک پہنچنا ہے تو ظاہر ہے کہ اسان ثابت نہیں ہوگا۔
 میں خاموش ہوئی تو رضوان جھک کر نقشہ دیکھنے لگا، پھر کچھ دیر
 بعد نقشہ پر ایک جگہ نشان چسے ہوئے بولا۔ ”بھاڑی حصے سے یہ شاید
 کوئی چھتہ نکلتا ہے۔“

”اے! چھتہ یہ ہے۔“ میں نے ٹائیکل ”تھوڑی دُور چل کر چھتہ
 ایک مصنوعی جھیل میں تبدیل ہو جاتا ہے جو کہ کھائی ہوئے جزیرے کے
 وسط تک جاتی ہے۔ یہ جھیل کافی گہری ہے۔ اگر ہم اس جھیل تک پہنچے
 میں کامیاب ہو گئے تو پھر اسی کے ذریعے مرکزی عمارت تک پہنچ جائیں
 گے۔ خشکی کی نسبت پانی میں سفر کرنا کافی کم خطرناک ثابت ہوگا۔“
 ”خطرہ تو تو یہ کہ ہوگا ہاں یہ ممکن ہے کہ اُس کی نوعیت بدل جائے
 رضوان نے کہا۔“

”پانی میں پیش آنے والے خطرات کی نسبت مشینیں گن اور
 دُوردار رائفل کی گولیاں ہر حال زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتی ہیں۔
 سے بڑا دھشتہ شکل ہے۔ پھر یہ کہ پانی میں سفر کرنے کی ضرورت
 ملکہ خطرات ہیں، اُن کا حل دھونڈنا آسان رہے گا۔“ میں نے ہمت

بڑھانے والے انداز میں بولی
 ”چلیے کچھ مکمل ڈھونڈ لیا نا
 پانی سے نکلتا ہے کہ اُس وقت کا
 میں نے نقشہ پر ایک جگہ اٹکل
 رضوان نے فوراً سے نقشہ دیکھا
 ہے کیا آپ گندے پانی کے بائیں
 میں نے اثبات میں سر ہلایا
 ”مگر ضروری تو نہیں کہ پانی
 گورسکیں۔“ رضوان نے اعتراض کیا
 ”میرا خیال ہے کہ یہ بائیں
 پھر رنگ ہو سکتے ہیں۔“ میں نے جواب دیا
 راہ اختیار کرنے کی صورت میں کیا کیا
 اُن کا کیا توڑ ہو سکتا ہے! اگر ہم نے
 ہی غور و خوض نہ کرنا اور اُس سے بچنا
 شاید کچھ نہ کر سکیں گے۔ یہ بات طے نہ
 اور صرف ایک یقینی موت ہے۔“

انکے دو گھنٹے میں نے اور رضوان
 میں گزارے۔ دو گھنٹے سے مسلسل سوچ رہا
 طویل فہرست کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ہم
 ایک دوسرے سے ملائی۔ اُس کے بعد اُس
 بحث ہوئی پھر کچھ سے کم سامان کی ایک
 تمام سامان خطرات سے نبرد آزما ہونے کے
 اُس فہرست کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ کچھ سامان
 کا فیصلہ کیا۔ فہرست کے دوسرے حصے میں
 سے حاصل کیا جانا تجویز ہوا۔ فہرست کے تیسرے
 بیشتر اشیاء تھیں جو ہم نے لیلی کمال کے ذمے ڈال
 دو لائیں کچھ تھیں۔

سامان کی فہرست کو تین حصوں میں تقسیم
 یہ تھا کہ چار سبیل اور بن یعقوب ہمارے مقصد
 آگاہ نہ ہو سکیں۔ اُن سے مکمل رازداری ممکن نہیں
 لیے اُن سے اپنی نقد و حرکت کو پوشیدہ رکھنا
 ان کے علاوہ یہ کہ ایٹال فورینر ملکہ بھی ساؤتھ
 سے اٹھا اُس لیے چار سبیل یا بن یعقوب
 کی نوعیت سے کس طرح بے خبر ہو سکتے تھے اُن کے
 پہلی کو بیٹیں سوار ہو کر ساؤتھ پر چکراتے رہتے

ابراہیم کا گزرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا۔
 اہل تاحم کرنا تو ہر آسان تھا مگر لیلی کے
 میں تھا۔ وہ جب تک خود ہی جھجھکے سے رابطہ قائم
 نہیں مل سکتی تھی لیکن جب میں اور رضوان
 اگلے ہوئے تو یہ مشکل حل ہو گئی۔
 لیلی تو میں نے ریسور اٹھا لیا۔
 ہا ہوں، فرمائیے! میں نے کہا۔
 ”میری ہانہ سے لیلی کمال کی آواز سنائی دی۔
 میں نے لیلی کو آپ بخیریت رائل ہو مل پہنچے تھیں
 امانطا دیا۔“

”سنو تو لیلی!“ میں جلدی سے بولی۔
 اطمینان کروں گی!“ اُس نے ہنس کر کہا۔
 سال آنے کا ارادہ رکھتی ہو؟“ میں نے بے جہتی
 ”اے ارادہ تھا!“ اُس نے جواب دیا۔
 ل ہے کہ یہ قطعی مناسب نہیں ہوگا۔ ہم پہلے بھی یہاں
 نے واپس آنا جملہ اوصاف چھوڑ دیا کیونکہ ٹیلیفون
 میں بات نہیں کیا جاتا ہے۔

پہلے میں بولی: ”اُس نے چسکوں آواز میں کہا: اہج
 لی صوبی آنکھوں اور سنہرے بالوں والی انگریز لڑکی
 آئے تو آپ اُس سے اجنبیت کا اظہار نہ کریں۔ اب
 آپ سے زیادہ دُور نہیں ہے۔“
 اُس کی بات سن کر طویل سانس لیا۔ سیدھی سی بات
 دھشتہ ملنے کے لیے ایک آپ کا سامرا لانا جاتی تھی۔
 اسندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ”پھر کبھی احتیاط رکھا۔“
 ”اے! یہ کہہ اُس نے ٹیلیفون کا سلسلہ قطع کر دیا۔
 ان میرے قریب ہی تھا اور اُس کے چہرے سے غور کندی
 رہا تھا میں نے جیسے ہی ریسور کو کرڈل پر رکھا، وہ
 لب ہوا۔ لیلی کا ایمان نا خطرات ثابت ہو سکتا ہے۔
 سے یہاں آنے کی اجازت کیوں دے دی؟ بن یعقوب
 ہم پر ہر وقت نظر رکھتے ہیں۔ لیلی اُن کی نظروں سے کس
 کے گی؟“

”اے! تو خود لیلی کی فطرت بھی بچھا۔“ میں نے مسکرتے
 لایا۔ پھر یہ کہ ہمارا اُس سے ملنا بھی تو ضرور ہے یہ تاکہ اسے
 اہل فہرست دی جاسکے۔“
 لیکن یہ تو دائرہ خطرے کو دُور دینا ہوا۔“

رضوان بولا۔

”گھر ڈھٹ! وہ ایک آپ ہیں آ رہی ہے اور ایک آپ یقیناً
 گھٹیا نہیں ہوگا۔“ میں نے رضوان کی تسلی کے لیے اسے بتایا پھر بولی۔
 ”تھیں یا رہے کر لیلی آنکھوں کا رنگ کیا ہے؟“
 ”سیاہ!“ اُس نے جواب دیا۔

”اور بالوں کا رنگ؟“ میں نے پوچھا۔
 ”وہ بھی سیاہ!“
 ”تو سنو کہ جوڑی کچھ سے ملنے آ رہی ہے اُس کی آنکھوں کا
 رنگ کھوڑا اور بال سنہری ہیں۔“

”سبحان اللہ!“ رضوان موٹھ میں آگیا۔ پھر تو اُس کی بانجور
 انگلیاں کھینچیں اور سر کو کھانچیں میں ہو گا وہ واقعی قابل دیدہ شے
 بن کر آئے گی۔“
 ”کیوں، تمھاری لالہ کیوں ٹپکنے لگی؟“ میں نے بھی اُسے چھیڑا۔
 ”میری رال آتی نا تو میں نہیں کہ ایک پریشانی پھر ہے۔“ وہ دُور

بن کر بولا۔
 ”گو یا تمھاری رال ابھی چٹکتی ضرور ہے۔“ میں نے ہنس کر کہا۔
 ”مجھے خدشہ ہے کہ اُس پر میری رال کے غم میں خود دل بدلتا ہے۔
 ”تم تاہم بھی بن کر شہر کے اندیشے میں ڈبے نہ ہو، تمھاری صحت
 پہلے ہی خراب ہے۔“
 ”صحت خراب ہو تو ہو مگر نہایت خراب نہ ہو۔“ اُس نے پھر بولی۔
 ”جیسی تم آتی دیر سے لیلی کے غم میں مبتلا تھے۔“
 ”وہ تو محض آپ کی وجہ سے فکر مند تھا کہ اُس کی لیلی اسل
 دکاتی ہوئی بہت بیباں نہ چلی جائیں اور بار بار اہلی گیت نہ لگائے
 لگیں، لیلی، لیلی بکا رول میں بن جائیں!“

جب تک دروازے پر دستک سنائی نہ دی اُس کی رضوان
 میں مجھے چھیڑتا رہا۔ دستک سنتے ہی اُس اپنی جگہ سے
 ”یہی سے دروازے تک پہنچی۔ یہ یقیناً ہونے کے
 باوجود ہی کہنے والی لیلی ہی ہوگی، میں نے احتیاط پر ترقی
 میں دروازہ کھولتے ہی تیزی سے ایک طرف ہٹ گئی تھی
 دروازے سے اندر آنے والی لڑکی بالکل یوں جیسی معلوم
 دیکھتی تھی۔ وہ مسکرتے ہوئے تھی، اُس کے شانہ بے
 بکھرے ہوئے تھے۔ اگر لیلی مجھے اپنے ایک آپ سے آگاہ کر دیتی تو
 شاید میں اسے پہچان سکتی۔ ایک آپ واقعی قابلِ داد تھا۔
 بدلنے کے لیے یقیناً کوئی شک نہیں استعمال کیے گئے تھے۔ وہ
 میں واقعی قیامت لگ دی تھی۔
 اُس کے اندازِ خرم سے میں نے یقین کر لیا تھا کہ وہ لیلی ہی تھی۔

ایسے ہیں جو داندے کی کشتے نکل کر مٹانے لگی ہیں جس میں سے دروازہ بند کرنے میں دیر نہیں لگتی تھی یہ دروازہ بند کر کے پٹنی تو وہ میری طرف دیکھ کر سرگرداں تھی۔

”تمہارا ایک آپ واقعی شاندار ہے لیکن!“ میں تعریفی انداز میں کہتی ہوئی اُس کی طرف بڑی میں اُس نے سنی زبان میں بھی گفتگو کر سکتی تھی مگر آپ کبھی اس کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی اس لیے میں نے اُس وقت بھی مگر بڑی میں ہی بات کی تھی۔

”کون سی بات؟“ میرا آواز دھچکا ہے، وہ شستہ مگر بڑی میں بولی۔

”جواب میں ایک عجیبی آواز سن کر مجھ کو کچھ چونک چڑی۔ وہ آواز لیکن کی نہیں تھی مجھ میں سے وہ جس بڑی آواز سننے ہوئے ہی بولی، بہت خوب آواز آواز بدلنے پر بھی قادر ہو۔ بس صرف ایک کی وہ تھی دروازہ کوئی تعجب لیکن کی حیثیت سے شناخت نہ کر پاتا تھا۔“

”وہ کیا بات؟“ اچانک وہ اپنی اصل آواز میں بولی پڑی۔

”پہلی کی تو یہی کہ تم نے اپنی جلدی تیار کرال دیے اور دوسری کی تمہارا اندر خرا!“

”مجھے اعتراض ہے کہ میں نے اس طرف توجہ نہیں دی تھی۔ آپ کا بہت بہت شکریہ، بات کو آپ نے کی مگر اس کے مجھے اس سے آگاہ کیا۔ پہلی بات کی کا مسئلہ تو میں آپ کو زیادہ دیر پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی، یہ کہ وہ آگے بڑھتی ہوئی بولی، اچھا اب دیکھیے! چال میں کوئی فرق پیدا ہوا؟“

”اُس خفیہ سا!“ میں نے جواب دیا، اگر تم اپنی دائیں ٹانگ پر دیکھا سادو آؤ گے کہ کھڑے تو تمہاری چال بالکل بدل جائے گی، میں نے آگے بڑھتے ہوئے اپنی بات ختم کی۔

”اُس نے میری تعجب پر ہلکیا اور آگے بڑھتے ہوئے بولی وہ واقعی اب بہت زیادہ ہی نمایاں فرق محسوس کر رہی ہوں لیکن اس طرح یہ معلوم ہوتا ہے کہ کیزین چال میں بگلا ہٹ ہے!“

”اُس نے یہ بات نہ پتا ہے! اہ! یہ ضرور ہے کہ اس سے تمہارے ایک آپ کا حسن ضرور متاثر ہوئے۔ ویسے ایک بات اور بتاؤں کہ بھی ایسا ایک آپ نہیں کرنا چاہیے جو لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جائے تمہارے چہرے پر پتہ نہیں آتا اور پیش یک آپ ہے کہ توجہ خواہی آدمی تمہاری طرف دیکھنے پر مجبور ہو جائے۔ یہ ایک آپ کی خوبی نہیں خرابی کہلاتی ہے!“

”میری بات میں کوئی نہ سکتا ہے۔ مجھے کماؤ میں آئندہ ان باتوں کا خیال نہ رکھوں گی، ایک بار پھر میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔“

میں اور لیکن ابھی تک نشست گاہ میں تھے۔ جب یہی کرنا چاہنے ساتھ سے کہنے میں مجھے دیر لگی تو رضوان مجھے میرے کمرے میں تھا ہار

”کیا مجھے یہ یاد دلانا پڑے گا کہ میں کون مجھے مخاطب تھا۔“

”اُوہ میں نشست گاہ میں بیٹھ تھا۔“

”کروڑوں کی طرف بڑھتی ہوئی رضوان سے ناراض میں اور لیکن قریب قریب صوفے پر بیٹھ گیا۔“

”الا صوفہ نہ بنالیا۔“

”ہاں اب بتائیے باؤ ساؤ تھ اندشتہ فرامیہ کیوں آنا پڑ گیا؟“ لیکن نے پوچھا۔

”میں نے اُسے جواب میں ساری بات بتا،“

”کے منصوبے سے اُسے مختصر آگاہ کیا اور آخر میں اُس کے متعلق بتایا۔“

”باؤ! آپ کو ذرا سی دیر بھی ہو جاتی تو نہ!“

”کام سے آپ نے واقعی بہت تیزی کا ثبوت دیا۔“

”لیجے میں کما۔“

”مجھے دواؤں میں دیر لگی کہ میں یہ دوشی کے باہر آگئی کے کندھے پر جا چڑھا!“ رضوان شخصہ لیجے میں لیکن اُس کا انداز نہ سمجھتی تھی۔

”ہاں تو ہے۔“ لیکن نے ہنسی کر کہا، ”آپ بھی دروازہ کھول کر اُس قدمہ قدمی کا مظاہرہ کر سکتا ہے!“

”اور کیا!“ رضوان خوشانی سے بولا۔

”اپنے زمانہ کی خاطر اُس شخص کو گئے!“ میں رضوان بخیر، مجھے نہ بولا یہ بدلنے کا لیا۔

”دانت دینا جلد اور آواز چھوڑ دیا۔“

”کچھ نہیں!“ لیکن ابھی تھا کہ رولی نے میرا ہاتھ سلام کی حرکت سے دیکھی۔“

”چل جانا، ایسی ہی جلدی ہے!“ میں نے کہا۔

”خیر جلدی تو کوئی نہیں مگر میں آپ لوگوں کے آواز نہیں جانتی۔“ ویلے تو میں اپنے ساتھیوں سے کہہ کر آتی تھی۔

”اب بات بھی نہ کرنا چاہیے نہ توڑوں تو وہ میری طرف نہیں ہوں گے۔“ لیکن بولی۔

”اُس کی بات کا مرکز مجھے نہیں سمجھے دیر نہیں لگی اور میرا دل خوشی سے اُٹھنے لگا جو کچھ اُس کے دل میں تھا پورا آتی تھی، اُس کی زبان پر آتی تھا میں بھلا یہ حسین ٹوٹی کتنی تھی! میں نے اُس کے خاموش ہوتے ہی کہا تو پھر نہ کہ قریب شب میں رگ جاؤ! کچھ اور تفصیل بتائیں! اطمینان سے“

”اُوہ رضوان کے چہرے کی طرف اٹھی، اُس کے گلاب تھی۔ اُس سے پہلے کہ لیکن کچھ کتنی رضوان یا کوئی چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگی۔“

”نکرتہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے میں نے میں عربی سانس لینے کی بیماری ہے۔“

”ہاں یا کا کمرہ کچھ گپے تو انھیں یہ بھی بتا دیکھے کہ اُس قدر خوف محسوس ہوئے گئے کہ اُس نے اُس مکان میں رضوان بولا۔ اُس کے لیے میں اُس کو کمال کے چہرے پر حیرت نظر کرنے لگی۔“

”ہاں کبھی یقیناً حیرت ہوئی لیکن اُن کا خوف بھی اور جو آتا ہے۔ بس جب انھیں خوف محسوس ہوتا ہے، میں اور دو جن بار اپنا سر دلوار سے دینا یہ بڑی عجیب سی بات ہے کہ اُن کا خوف میں بھی پوری ہولید کے ساتھ رضوان کو گھسنے لگی۔“

”ات پر کاٹی تو کیا تو ایک تیسے تک پہنچ سکتی۔“ وہ دیکھ کر نے کہ سبب ان کا دروازہ خون تیز ہو جاتا ہے اور غالب آ جاتا ہے۔“

”صاحب، مجھے آپ سے بد روی ہے، لیکن کے لیے مجھے کما جانے والی نگاہ سے دیکھ رہا تھا مگر میں نے اُس کی برقرار رکھی، میں نے ایک طرح سے اُسے اپنی دانست دیا تھا کہ وہ اپنی آسانی سے اپنے دروازے والا کہ تھا، اُس نے صاف سے شرع کے مگر اُس سے اُس طرح واقف ہوا کہ جو کچھ چیز باخدا میں نے اُس سے جان پھرانے سے دیکھا اور نہ ہی اُس کے کرنے کا مشورہ دے کر نے جوئے صوفے سے اٹھ گئی۔“

”اب اگر قریب دلوار سے نہ کہ کچھ میرے مرض میں انا تو میں آپ کے کمرے کا دروازہ کھٹکنا دوں گا اُس نے وہ کہا۔“

”اُس کی بات میں اُن کی گڑبگڑ مجھے علم تھا، وہ ایسا بگڑا شہوت کے اور وہ ایک حصے آگے نہیں بڑھتا تھا۔“

”لی کو ساتھ لیجے اپنے کمرے میں داخل ہو گئی اور اندر پہنچنے کے بعد وہ ایک مڑیل عرصے بعد اصل محبوب کی ساتھیوں میں میں اُس لیے میرے دل کی دھڑکن سے تالیاں تھیں۔“

”ہی بہتر تھا کہ مجھے لیکن کے لیے دوسرے بہتر کی فکر ہو، مگر وہ شب صوفے کے لیے تھی ہی کب! اُن کے صوفے پر بیٹھا

ساتھ ہوتا پھر کس کا فوری کرنا سکتی ہے! وہ لیکن کا دروازہ کھٹکنا تھا، اسے وہ کچھ جھکی ہوئی تھی۔ اُس جواب دلا، دیر سے میری دروازگی کو کچھ اور کراہتا تھا میں نے لیے مجھے سہری تک پہنچ گئی، میں نے اُس سے ابھی تک نہیں مدعا نہیں کیا تھا لیکن کبھی میں ابھی کچھ کے بھی کچھ بولتا تھا اب اور مجھے پورا یقین تھا کہ لیکن سے کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ جذبات کی کوئی زبان نہیں ہوتی، انھیں صرف محسوس کیا جا سکتا ہے اور لیکن کے قلب حساس سے میں آشنا تھی۔ اُسے حین دیکھ اب میں دیکھ کر مجھے احساس ہوا تھا جیسے میں پہلی بار کسی نئی مہار کی خوشبو سے بھگتا ہونے والی ہوں۔“

”لیکن! انھیں دوسری بار خود کو میرے ساتھ تیار دیکھ کر کیا محسوس ہوا ہے؟“ میں نے اُس کے قریب بیٹھ کر اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا، ”انھیں پہلے کی وہ دانت تو بادی ہو رہی جب تم میرے کمرے میں چھوڑ چکے تھے، اُنھی تھیں اور پھر۔“ میں نے فائز اپنا جملہ اور حور چھوڑ دیا۔

”ہاؤ! اُس کے منہ کا پنے اور اُس رات کے ذکر پر وہ ہلکی سی گئی، آپ... آپ بہت... بہت وہ ہیں۔“

”اُس کا انداز کچھ ایسا ہی تھا کہ کیسے لیے خود پر تیار ہو کر کھانا کھا رہا تھا، اُس نے اپنی خوش سیٹ لیا، پھر میرے لبوں کی تشنگی نے میری کی منہ کی دھونڈی۔“

”وہ کسائی اور نہ میرے میں بولی، اگر رضوان صاحب نے دروازہ کھٹکنا دیا تو؟“

”میں نے اور رضوان نے ایسی ہی بھیندگی سے ایک دوسرے کو گھسیٹا تھا کہ لیکن دھوکا لگاتی تھی۔ اُس کی بات میں کچھ بڑا لطف آیا۔ اُس کا انداز بالکل اتنے لوگوں جیسا تھا۔ میں منہ پڑی اور اُس کی منہ کی زلفوں سے کھینچتی ہوئی بولی، ”میرے ساتھی کو نہیں جانتیں، اُسے کوئی خوف دوت نہیں آتا۔ وہ باتیں ملتی ہیں۔“

”مگر آپ بھی تو بخیر تھیں؟“ وہ مجھ سے بولی۔

”وہ بھی مذاق تھا، میں نے اُسے یقین دلایا۔“

”آپ لوگ آپس میں مجھے خوشی کا مذاق کرتے ہیں۔“ وہ بھی مسکرا دی۔

”لیکن! آخر مجھے اُسی آواز میں گفتگو کر دوسں نے آتے ہی بات کی تھی میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ انھیں آواز کے زیر و بم پر کس حد تک قدرت حاصل ہے!“ میں نے اُس سے کہا لیکن حقیقت یہ نہیں تھی کہ میں اُس کی آواز کا زیر و بم دیکھنا چاہتی تھی بلکہ میرا ارادہ خود فزنی

کا تھا۔ میں ذہنی طور پر یہ محسوس کرنا چاہتی تھی کہ مجھے ایک نئی لڑکی کا
 قرب حاصل ہے۔
 ”میرے ہاں!“ لیل نایاں طور پر بدلی ہوئی آواز میں بولی۔
 ”ڈور تھی ڈور لنگ!“ میں نے اسے اسی نام سے مخاطب کیا جو
 پہلے اس نے بتایا تھا۔
 ”جی سوٹ باؤ!“ اس نے بھی تڑکی بڑکی جواب دیا۔
 ”تو بہت حسین ہو، ڈور تھی!“ میں نے اسے بار بار نئے نام سے
 مخاطب کر کے اپنے ذہن کو دھوکا دینا چاہا۔
 ”آپ بھی تو کم حسین نہیں ہیں باؤ!“ یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی
 ہاتھیں میرے گلے میں ڈال دیں۔
 ”جی!“ میں اس پر ہچکچاتی اور میری آنکھیں اس کی پشت
 سہلا رہی تھیں۔
 اور اپنی رنگ و رو دو ماں کش دل تھے۔ بس کی زبان نئی لڑکیوں
 کا ذائقہ محسوس کرنے کی تھی۔ لوگوں کو حارث اپنا خراج وصول کرنے
 پر آمادہ تھی۔ جن لوگوں کی سرکشیاں میری رو دا رہی تھیں۔ وصالِ خواب
 کی ہیکاری جرات آزمائی کی طالب تھی۔ نشاط اور وح کی گھوڑیوں میں
 ہل چکی تھی، اضطراب تھا، طوفان تھا۔ ایک خوشبو دوسری خوشبو میں اتر
 جانے کے لیے بے چین تھیں۔ ایک فہم دوسرے فہم کے لیے میں
 اپنا وجود کھود دینا چاہتا تھا۔ دہلی کھلنے لگی تھی۔ دیس میں ٹھیک کیسا
 اور قراں کساں! ایسا بے صفت آرزوؤں نے بڑھ کر دو طوفانی لہروں کو
 اپنی آغوش میں لے لیا۔ لہروں کی شناخت کھو گئی۔ وہ ایک دوسرے
 سے بول رہی تھیں کہ ایک ہو گئیں۔
 افغان لنگھانے لگی۔ دنگ بڑھنے لگے۔ درد پر دھمک دنگ
 خواب و سکین کے کراچی تہذیب سے طلب کرنے لگے۔ کیفیت اچھی لگتی تھی
 سے بھی بوائے کی تنگ میں بیٹے خود کی حد تک پہنچنے کے سرور
 منزل آستانہ تیرے تیر تر ہو گیا۔ برساتی مڑتی تھی۔ آبلہ پانیانیت
 اپنے انہاس کی نامہوری سے بے خبر منزل کی مہم میں تیز قدم ہوتے
 گئے، اور میرے وہ ایک ایسی سرسبز اور شاداب وادی میں پہنچ گئے جہاں
 ایک جانب سرکش چٹانیں تھیں تو دوسری جانب کششِ ناگہیہ گلزار
 انھوں نے پیسے سرکش چٹانوں کو تسخیر کیا، اور پھر گھوڑیوں میں متحرک
 ان دیکھے خزانے تلاش کرنے لگے۔ اسی وقت جہاں مکی پھوار چڑنے
 جی اور وہ جھلک گئے۔ پھوار چڑنے کے سبب دھرتی سے ایسی
 سوزنی سوزنی خوشبو اٹھ چلی جس نے انھیں اپنی لپیٹ میں لے لیا
 اور وہ سب کچھ محسوس گئے۔ اس خوشبو میں وہ کھو گئے اور بہت دیر
 کھوئے رہے۔

میں ایک خواب خود فراموش ہے: ۱
 پایا۔ وہ ابھی تک خوابوں کی دنیا سے نہیں نکل سکی تھی۔
 اور اس نے آدھ کھلی آنکھوں سے مجھے دیکھا
 محسوس ہوا جیسے اسی جیسے آنکھوں کی نرم غراں
 سیکھا ہو۔
 کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک ملک کی
 اس شب بھی میری ہوا۔ طبیعت پر فخر نہ اندازہ حال
 اور میرے تمام شب فخر پر فخر نہ اندازہ حال
 لیل کی کوئیں نے صبح دم کی رخصت کی ایک
 میں میرے لیے ہونا، لیکن نہیں تھا لیکن میں
 سالان کی فہرست دینا نہیں چھوٹی تھی۔ اس کے علاوہ
 بار بار اپنے تمام منصوبے سے آگاہ کر دیتا تھا اور کہا
 ملے میں کیا کرنا کہنا ہے۔ لیل صبح دم کی رخصت
 لگ رہی تھی ایک ایسا غلاب جس پر لٹ کر ہوا
 لیل کو رخصت کرتے ہی میں ہونے لگی تھی۔
 دیر نہیں ہو سکی۔ مشکل دو تین گھنٹے سو پانی ہونے
 کے دروازے پر دستک دی۔
 ”نہ نے مشکل طور پر دروازہ کھولا۔
 ”اے کچا پڑا لڑکی!“ وہ کہہ کر میں داخل ہوا
 ”کہیں نہ کرو!“ میں نے جھنجھلا کر بولی تو آتی ہوئی
 ضرورت تھی۔ ”میں سہری کی طرف بڑھنے لگی۔
 ”خام کو تو واقعی ایسی کی جلدی نہیں تھی مگر وہ آہ
 اور ضروری بات کرنا چاہتا ہے۔“ رضوان نے ناگہان
 ”کوئی جیتا؟ کہاں کی ایک ہے؟“ میں نے
 ہوئے کہا۔
 ”وہی چارلس کیل!“ رضوان نے جواب دیا۔ ”وہ
 جو ہے بہت اذیت دینے والا۔“
 چارلس کیل کا ہمیں کریم ایک دم آٹھ کھڑی ہوا
 سے نکال کر شست گاہ میں پہنچ گئی جہاں بیٹھوں کا
 پر دکھا ہوا تھا۔ رضوان بھی یہی پیچھے پیچھے وہیں آ گیا تھا
 میں نے صدمے پر پیچ کر رسیوں آٹھایا۔ ”باؤ!“
 ”صاف کرنا کہ میں نے انھیں صبح صبح زنت دی
 جانب سے چارلس کیل کی آواز سنائی دی۔ دراصل میں
 اطلاع دینا چاہتا تھا کہ کیا تم مجھ سے فوراً ملاقات کر سکتی
 وہ مجھے ایک اجماع اطلاع دینا چاہتا تھا اس سے

تے سامان کی فراہمی کے بارے میں بات
 اٹھانے ملنے کی حاجی بھولی۔
 ”لاڑی بیچ رہا ہوں؟“ اس نے کہا۔
 ”اے کہ کوئی نہیں ہوں۔“ خود ہی نہ آ جاؤ!
 ۱۔ بھولی۔
 اے کے لیے میں حیرت اور بے یقینی تھی۔ وہ غالباً
 کے دینے کا تعلق نہیں ہو سکتا تھا۔
 وہ لوگ اپنی کمال میں صحت سے تھے ہیں جب تک
 حل۔ ان کے چنگی کو کافی نہیں لیتے۔ میرا خیال ہے کہ
 ۱۔ میں نہیں اٹھی ہوئی تھی میں نے تجویز لے لی کہ
 منہ سے دھوٹی دے رہی ہوں۔ مسئلہ منقطع ہو گیا۔
 رات میں نے پر تھیا ہوا میری ہی جانب دیکھ رہا تھا۔
 ”مگر وہ مخاطب ہوا کہ وہ آنے پر راضی ہو گیا ہے۔“
 ”میں کا اٹھنا تو نہیں کیا کرتی تھی۔“ میں نے بولی۔ وہ
 نے جواب دیا۔
 ”امانت نہیں ہوا تو تقریباً پندرہ منٹ بعد ہی چارلس کیل
 پر وارد ہوا۔
 ”ابا میں!“ میں دروازہ کھول کر ایک جانب مٹی
 ماور کے کا جائزہ لینے لگا۔ اس کا انداز ایسا ہی تھا
 ”ایا میں گیا ہوا اور حیرت ہو کر اس جگہ نہاں میں کھنڈ
 اصرار ہی تھا اس لیے آگیا۔“ اس نے صومے پر بیٹھے
 ”ابا میں متب نے یہاں ٹو پر کوئی اور ناکارہ کڑی کڑی
 بہانہ نہ تھا۔
 ”میں میری بات سن کر چونک گیا تھا اور اس نے ہر کھس کے
 انفرادی پھر وہ لولا کی تھیں مگر تھا کہ اب متب نے
 ”ابا ہے۔“ اس کے لیے میں حیرت کا عنصر نمایاں تھا۔
 ”میں نے جواب دیا کہ میں کوئی ناظم نہیں تھا کہ وہ ایسا
 ہدایت دینے کے باوجود مجھے یقین تھا کہ وہ میرا
 سے ناگہان اٹھنے کی کوشش نہ کرے گا اور اس
 نڈ کی کھلے گا۔ مجھے علم ہے کہ اس نے مجھ سے پریشانی
 کت کو نظروں سے دیکھا تھا اس سے باز نہ لگنے میں وقت
 ۱۔ ہو گیا کہ پھر مگر بڑا لگے کہ پڑے میں کیا ہے۔“
 ”میرے بہت تیز آؤں ہے۔“ چارلس کیل نے صدمے میں بولا۔

مگر خیال ٹوٹ کے مسئلے میں وہ کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو گیا ہے۔
 جذبات عقل پر برودال دیتے ہیں۔ بے چارے کا کیا یوں بھی
 انسان کی ذہنی صلاحیتوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔
 ”تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں متب نے گیسے ماسک ہینو کر
 جو پارٹی روانہ کی تھی وہ وہی علاقے میں آگے نہیں بڑھ سکی۔“ میں
 نے اپنے خیال کی تصدیق چاہی۔
 ”ہاں!“ چارلس کیل نے بتایا۔ ”میرا خیال تھا کہ تم مارا اٹھا قدم
 بھیڑی ہو گا اس لیے فوراً تم سے ملاقات کرنا ضروری تھا۔ دراصل
 میں تمہاری صلاحیتوں کا اس حد تک متروک ہو چکا ہوں کہ انھیں کسی
 گڑھے میں گرفت ہوا نہیں دیکھ سکتا۔“
 ”شکر۔“ میں تمہارے غلوں کی تذکرہ کرتی ہوں۔ میں نے رسمی
 ملازمین کہا۔
 ”مجھے یہ بھی اعتراف ہے کہ میں ابھی تک تمہاری تیزی اور ذہانت
 کا پوری طرح اندازہ نہیں لگا پایا۔ کبھی میرے ذہن میں یہ خیال آتا
 ہے کہ شاید تم یہاں تو کی تسخیر میں کامیاب ہو جاؤ گے۔“
 ”اس لیے چارلس کیل کے لیے میں غلوں تھا جیسے اس نے وہ
 بات دل سے کہی ہو۔ رضوان نے بھی شاید اس بات کو محسوس کیا تھا۔
 وہ اسی لیے غریبہ کے لیے میں بولا تھا مجھے یقین ہے کہ بہت جلد یہاں ٹو
 کو ہاتھ کے تہہ پہنچے۔“
 ”میری پھر غلوں کے غلامیں تم لوگوں کے ساتھ ہیں۔“ چارلس کیل نے
 اپنا غرض خالصتاً اس کے لیے کہا۔ ”میں نے پیچھے ہٹنے کے
 خطر کو میں نے محسوس کیا۔“
 چارلس کیل اپنے خول میں دایں ہو چکا تھا۔ جڑ غلوں چند غلوں
 کے لیے اس کی گھنگھو سے ظاہر ہوا تھا اب ختم ہو چکا تھا اور اس
 کی جگہ دھوٹی لپٹا دی گئی تھی۔ میں نے رضوان سے ہاتھ پرست
 لانے کے لیے کہا جو چارلس کیل کو دیتی تھی۔
 رضوان سلمان کی فہرست نے آؤ تو وہ میں نے چارلس کیل کی طرف
 بولا۔ ”میں اس فہرست میں چند ایسی چیزیں بھی تھیں جو مجھے آسانی نہ
 نہیں ہو سکتی تھیں۔ مگر وہ چیزیں خود حاصل کرنا چاہتی تھیں۔“ اس میں
 کافی وقت گزرا جیسے اسے پاس وقت تھا۔
 ”اس فہرست میں جو سامان درج ہے وہ مجھے کل مل جانا چاہیے
 میں نے چارلس کیل کو مخاطب کیا جو فہرست کا مطالعہ کر رہا تھا۔
 ”تو کیا تم یہاں ٹو پر چلنے کے لیے کوئی ماہر متب کی کچھ چیزیں
 چارلس کیل نے فہرست سے نگاہ اٹھا کر حیرت سے میری جانب دیکھتے
 ہوئے کہا۔
 ”تمہارے آؤں متعلق طور پر میری نو دہیں لگے رہتے ہیں اس لیے

میں نے کھلنے سے باز رہا۔
باری کھول کر اُن کا جانو دیا۔ سب چہینا،
اُس سے کہیں زیادہ تھی جتنی میں نے پاس
میں نے وہ کیش دو بار دو اچھ طرح بنا کر۔

مومن راجہ۔ مضمون: کن کن خیال میں ملے
ساتھ دیکھ لو جو ہم نے اپنے لیے بنائی تھی!!
مضامین کے اشتات میں سرسرایا اوسا چلا
تا کہ فرست لے آئے۔
کچھ دیر بعد ہی ہم جوں سے نکل کر پیدل ہو،
کی طرف مارے تھے۔ ہم نے وہاں تک نہ مارا۔

دوبارہ پوئل کی طرف چل دیے۔
 اُس شب ہم ملدی جی ہو گئے تھے کہ ایک
 سکیں۔ چاروں کیلی سے جہاں ماں ماسل کی تھانہ
 اُس سے پہلے کچھ ایسے جو سٹہ ہم بھی بنانے تھے
 پرگے ہوئے سوئچس کو روکتے ہی رحلے کے تہ
 انداز سے کمرے کا آواز دھکا آتا تھا ضرور ہوا

جاتے، تاہم غامی تباہی مچلاتے۔ بچے اُن برسوں کو گھبراہٹ میں بھی نانا تھا۔

اگلے دن صبح دم ہی میں خود بخود مہاراز بولنے لگا۔

خواب تھا میں نے اسے بھی جگایا، غسل دیا۔

پستے میں بیٹھ کر کھانے کے پکے ہوئے کھانے

کچھ دیر بعد میں اس کا کام سے ناراض ہو کر

کو دوڑتے بڑے بڑے قیلوں میں ہنک کر گیا۔ دو تھپتھپاتے جاکتے تھے۔ یہ تھپتھاتے تھے جو عوام خانہ بدوش تھے کہتے ہیں۔ فرق صرف یہ تھا کہ ان قیلوں کو میسر ہی نہ تھا کہ وہ اپنے گھر پر پوت بنایا گیا تھا۔

ہم بچہ کرنے کے لہذا پوری طرح تیار ہو گئے تھے۔

کالہ دھڑوں کے کہنے پر ان کے ہفتے مخصوص انداز میں انداز

کو ہاتھوں سے نہ اٹھا رہے اور ہائے ہاتھ آزاد
میں اور زنان عجیب تھکوں میں بٹول سے
پرغنا بدوش سیاحوں کیسے لباس تھک گزرنی میں
آتے رہتے ہیں جو دور دراز سفر کے لیے صبر و ہمت کی
پرکھ رہے ہیں۔ ایسے سیاح عام طور سے بسوں میں
کلا اور کچلے والوں سے لطف لے کر کہہ کر شہرے

میں۔ یہی سبب تھا کہ ہم پر کسی نے بھی توجہ نہیں دی۔
سادتھ اندھنپن کے لیے ہم نے اس کو ہی ذرا

کو ہم سے بھلا جھوٹ بولنے کی ضرورت تھی! ”
 مگر رضی نے خود تباہ کیا کہ وہ جبرے کے لیے رضوان نے کہا۔
 ”ہاں! ایک نرس نے ایصال کو پور موجود ہونے کی حالی نہیں مہر جی۔
 وہ بہت ترلا کر ہے۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ اس نے جبرے

کے نکاح سے اس جزیرے کا نام سرحد پر چھوڑ دیا گیا۔
 "یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ جزیرے کا نام لپچا ہو مگر اسے نہ
 بتایا گیا ہو،" رضوان نے خیال ظاہر کیا۔
 "اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسے جزیرے کا نام بتایا گیا ہو مگر اس نے
 یقین نہ کیا ہو کہ اسے جو نام بتایا گیا ہے وہ درست ہے۔"
 "مگر آپ کا اندازہ وہ درست ہے تو اس کا یہ سادہ سا مطلب یہ تو

کہ چارلس کیل ہیں رضیہ کے بدلے اپنے مقصد سے استعمال کر رہا ہے۔
رضوان تقریباً اسی تاج تک پہنچے گا جن پر جس کے بعد علی بیگ بھی
”اور یہ بھی کہ چارلس کیل نے شمس ٹورنٹون پر زمینیں پھیر کر
جیتنے سے منسوب کرایا تھا“ وہ اس کا بھی کوئی آدمی ہو سکتا ہے؟
میں نے مزید کام سمجھ لو لیکن ان تمام باتوں کی حیثیت ابھی نامرات
کے بہتر طور پر آرا وقت تک نہیں کہنا کا حکمت حسبِ کمثال اور

پر نہ بیخ چائیں۔ فی الحال چائیں کی کو بھیڑ ناجیجے بسود ہی ہے گا۔
 جم ایٹاں لوئی مسم کر نہ کرے کہ بعد ہی چائیں کیلے سے نہیں ہے
 رضوں کچھ دے کے لیے یہی بات سن کر کسی سوچ میں مگمگایا
 پتر شورش آئیں سے بس لولاں بازو ایک بات اب تک سمجھ نہیں
 آسکی۔ رضیہ اتنی تیز لڑکی ہونے کے باوجود اب تک چائیں کیلے یا
 شہ کی مسم کر نہ کرے۔ سوچا کہ روز راز کے لہر کش نہ کہیں

”ہاں بالکل میرا ہی ملامت ہو رہی تھی، یہ رضوان نے فکرمند لیے میرا

میں نے آئندہ روز صبح سویرے اٹھنا تھا تاکہ کرب میں ایشال ٹکی کو ہم کا اہانہ
 کروں تو روز نماز و محال میں ہوں اس کے لیے اسے صبح سویرے ہی اٹھا دیا۔
 بے سوچے کر وضو کر لی تاکہ کاشورہ دیا اور خود بھی اسی غرض سے اپنے
 کمرے کے کھڑکی پر بیٹھ گیا۔
 کچھ دیر بعد وہی روضاں شاید رضیہ کے خیال
 میں دروازہ کھول کر آئی تاکہ اس کے لیے سوئے ہوئے کمرے میں جا کر اس وقت

صبح کے ساتھ چارنگ رہے تھے۔
میں بشکل پندہ بیس منٹ میں ناشتہ سے فارغ ہو کر رضوان بہتہ

ہوئی سے لکل بچی تھی۔ اس دقت شدید سروری تھی لیکن اس سے بچاؤ کا
 بندوبست میں نے پہلے ہی کر لیا تھا۔
 ساڑھواڑی گودی تک پہنچنے میں مزید کس پندہ منٹ لگے۔
 وہاں فلسطینی لارچ ڈرائیور اپنی لارچ سمیت پہلے ہی سے موجود تھا اور لیٹ
 بھی اس کے ساتھ تھی جو چہرے سے ٹکڑے منظر کو دیکھتی تھی۔
 ”کیا بات ہے لیٹ! وہم کہہ پریشان پریشان سی دکھائی دے رہی ہو؟“
 میں نے لیٹ سے کہا۔
 ”اوتو... آپ... ایک بخیریت تو لوٹ آئیں گی نا؟“ اس
 نے دلگ دک کر کہا جس سے اسی آواز میں اپنا جملہ ادا کیا۔
 ”ہاں ہاں ضرور! میں اس ٹکڑے منظر ہونے کی کیا بات ہے!“ میں
 نے بڑے اعتماد سے کہا۔
 ”ہاں ایسا نہیں۔ میں آپ کے ساتھ نہیں چلی گئی؟“ وہ عجیب سے
 لیٹے میں لیٹا۔
 ”نہیں لیٹ! میں نے جواب دیا وہ میرے ساتھ کافی ہیں میں
 نے رضوان کی طرف اشارہ کیا۔
 ”اگر آپ کا ایشیا تو جانا انتہائی ضروری نہ ہوتا تو میں وہاں آپ
 کو ہرگز نہ جلتے دیتی؟“
 ”میں ہرگز کے کہنا یہاں ہوتا تو میں کیوں خواہ مخواہ وہاں جاتی؟“
 اس کے بعد میں نے لیٹ کی قسق کے لیے اسے مزید کھانیا لگائیں
 کی تنویر کم نہ ہو سکی۔ میں اسے جھلنے کے بعد اس کو دیکھ کر میں کیا سکتی تھی
 اب مزید وقت ضائع کرنا مناسب نہیں تھا اس لیے میں نے اس
 سامان کا جائزہ لیا جو لیٹ پر لٹا ہوا تھا۔ میں نے تمام سامان فہرست
 کے مطابق ہی پایا۔
 ”کیا دوسری لارچ متروکہ جگہ پہنچ گئی؟“ میں نے سلمان کا جائزہ
 لینے کے بعد لیٹ سے پوچھا۔
 ”ہاں وہ لارچ متروکہ جگہ پہنچ چکا ہے لیٹ نے فوراً جواب دیا۔
 ”آپ کو ہوا میں اڑانے والے گلائیڈ ڈیجی وہاں میں لگے میز خیل ہے کہ
 ہاں اب تک تمام تیار ہیں کل میں ہوں گی اور آپ کا انتظار کیا جا رہا
 ہے۔“
 ”اچھا تو چمر اجازت دو یا وہاں تک تو کم از کم تہی ساتھ چلو جاؤں
 دوسری لارچ کھڑی ہے؟“ میں نے کہا۔
 لیٹ نے ساتھ چلنے کے لیے رضوان کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے
 لارچ ڈرائیور کو کہنے کا اشارہ کیا اور لارچ چل پڑی۔ میں نے ہوا کی تازہ
 وند کو گود میں رکھتے ہوئے پہلے ہی اس جگہ کا انتخاب کر لیا تھا
 اس سے ہم کا آغاز کیا جاتا تھا۔ میں نے لیٹ سے اس متروکہ جگہ
 دوسری لارچ پہنچانے کے لیے کہا تھا۔ وہ جگہ جزیرے کی شمالی سمت میں

جزیرے سے ذرا بہت دور تھی۔ میں نے اس
 نقطہ آغاز پر دوسری لارچ موجود تھی
 بڑے بڑے تختے ڈال کر ایک عارضی گودی بنا
 سے ہم کا آغاز ہوتا تھا۔
 دوسری لارچ میں دس متر فلسطینی بٹالیا
 میز اختراع تھا جو ایک بار پہلے میں نے مل چکا تھا
 فلسطینی جاہلوں نے بن بٹریب کے ٹھکانے میں اس کا
 تمام کام اپنی نگرانی میں کر لیا تھا بڑے بڑے
 انجینئر تارک کے دو سے جوڑنا اس کے بعد اس کے
 لنگر انداز کرنا وقت طلب کام تھا مگر یہ کام
 بوڑھے فلسطینی نے گزشتہ سے ہمارا انتہائی
 میں نے اور رضوان نے باری باری انجینئر ڈیو
 کیے۔ مختصر سے زیر جاعوں پر ہم نے غوطہ کھینچا
 لیا تھا۔ وہ لباس اور جیسے کسی پیشکش سے بنا ہوا تھا
 اسی لباس کے ساتھ درجہ کے جوئے بھی تھے جس کے
 بچوں کی طرح پھیلے ہوئے تھے۔ ہم نے کبھی نہ
 پشت سے باندھ لیے تھے۔ ہماری آنکھوں پر ٹھکانا
 درجہ کے پٹے تھے جو اس لباس کا لازمی حصہ تھے
 لندن سے اپنے ہمراہ لائے تھے انجینئر بھی نہ تھے نہ
 ”نا۔“ ہماری گلیڈیوں میں لیے تھے وہاں ۱۰
 تین گانے اڑے ہوئے تھے جو اپنی جگہ بند ہونے کا
 گھرے پانی میں غوطہ خوری کے یہ لباس میں نے لیٹ
 لیٹ کی کے سپر ویزوفنا لہ بچوں کی فراہمی اندر سے
 تھی۔ میں نے لیٹ کو یہ بھی سمجھا دیا تھا کہ ان مخصوص گلائیڈ
 کس طرح جوڑنا تھا۔ لیٹ نے میری تمام ہدایات پر عمل
 کیا۔ یہ خوب بہتر تھی۔ لیٹ کے ساتھ ہونے
 پیشکش کرنے میں میری مدد کی۔ اب پیشکش کے ذریعہ گلائیڈ
 کرتے باندھ لیا گیا تھا۔ پھر ہر ایک اچھا خاصا لوہے پر لگا تھا
 لیے کا ہونا۔ اس شکل تھا مگر وہ تکلیف داری تھی۔ میں سمجھتی تھی
 بارہا میں بلند ہونے کے بعد وہ سارا بوجھ گلائیڈ پر منتقل
 گلائیڈ کو کنٹرول کرنے والے حصے ہلا گیا کہ جب تک کہ ہم
 رضوان اور لیٹ سے رخصت چاہی۔ انھوں نے مجھے خدا کا
 فلسطینیوں نے میرے دونوں پاؤں میں وہ خاص قسم کے
 پہنانے چاہے جن کی مدد سے مجھے کچھ دیر پانی پر چل سکتا تھا
 جوتوں کو اسکی کام آتا ہے۔ وہ جوئے چڑھنے میں انجینئر
 ہوئی تو مجھے درجہ غوطہ خوری والے جوئے اٹارنے سے

انی پچاس میں اڑوس دیا گیا۔
 ہنہ کی ڈور کا ایک ڈال دیا گیا جو میرے
 ابرو کا تھا۔ ایک میری ہلاکت کی پر
 ڈالنا ہوا پاؤں سے گزرنے کے دوران میں دور
 چلتے تھے لیکن میں انھیں جس طرح
 میں اس طرح پہلے بھی استعمال نہیں
 میں نے فوراً لارچ کی رسی کے ایک کڑا کر کے لے لیا اور ہر ہاتھ مارا۔
 لیور کے حرکت کرتے ہی ایک اپنی جگہ سے کھسک گیا اور تیزی سے نیچے
 گرنے لگا۔ ایک کے چڑھنے سے میرے جسم کو جھٹکا لگا۔ میں نے اس
 سے منھل کر ڈور سے لیور کو غصوں کی حرکت دی۔ یہ لیور کھینچنے کی اڑان
 کو کنٹرول کرنے کے لیے تھا اس سے گلائیڈ کو ایک اور جھٹکا لگا پھر
 وہ تیزی سے پاؤں کی طرف گڑ گیا۔
 سرخھی پاؤں کی چوٹیاں تیزی سے میری طرف بڑھنے لگیں۔ چند
 لمحوں کے لیے مجھ یوں لگا جیسے میں کسی پاؤں سے محراباؤں کی مگر
 میں ان کے اوپر سے غور قی ہوئی۔
 اب میرے نیچے جزیرہ جیلا ہوا تھا۔ میں پاؤں کے درمیان
 کسی مناسب جگہ کو تلاش کرنے لگی تھی جہاں میں ٹھکانہ رکھ سکتی۔ اتر سکو
 چند لمحوں کے بعد ہی میری نگاہ ایک صاف تھری ہوا چوٹی پر پڑی۔ وہ جگہ
 مجھے پسند آئی اور میں نے اپنے گلائیڈ کو رخ اس طرف کر دیا۔
 اترنے والا لیور تھوڑا سا دایا گلائیڈ بل کی کارٹر کی طرح میرے منتخب
 کیے ہوئے مقام کی طرف پٹکا میں اس وقت جب میں وہاں اترنے
 کے لیے اپنے پاؤں پیسے کر رہی تھی مجھے جزیرے کے دفاعی نظام کا
 خیال آ گیا۔ میرا یہ خیال درست ثابت ہوا کہ گلائیڈ پر لیٹا رہ سکتی
 تو میں گرے نہیں برساؤں گی۔ رڈار کے سامنے یہ کمپیوٹر کو جو معلومات
 ہم پہنچاتی ہیں ہوں گی وہ کمپیوٹر کے لیے انجین کا سبب بنی ہوئی ہوں گی
 اور وہ ابھڑ گزرنے کی حرکت میں لانے سے باز رہا۔
 میں صحن اس وجہ سے کا خیال رہی تھی کہ میں نے ایک عجیب
 طریقے کو آزمایا تھا۔ ایک ایسا طریقہ جو فلسطینی ڈال کی رڈ سے عمدہ نہیں
 تھا اور جس کے لیے کمپیوٹر کے ذریعے یہی کافی معلومات نہیں رہی
 ہوں گی۔ اس کے باوجود میں جس جگہ تھک چکی تھی وہ جگہ میں
 نے قتل ڈالنے سے منتخب کی تھی ایسی میرے ذہن میں یہ خیال نہیں کی
 طرح کو۔ اگر کمپیوٹر نے فیصلہ اس جگہ کے لیے کچھ کچھ انتظام کر رکھا
 ہو گا۔ یہ خیال آتے ہی میں نے تیزی سے اپنے پاؤں سکڑا دیے۔ مجھے
 ڈرا سی ہی ہو رہا تھا تو میرے پاؤں ہوا سے لگ چکے تھے اور میرا

میں نے فوراً لارچ کی رسی کے ایک کڑا کر کے لے لیا اور ہر ہاتھ مارا۔
 لیور کے حرکت کرتے ہی ایک اپنی جگہ سے کھسک گیا اور تیزی سے نیچے
 گرنے لگا۔ ایک کے چڑھنے سے میرے جسم کو جھٹکا لگا۔ میں نے اس
 سے منھل کر ڈور سے لیور کو غصوں کی حرکت دی۔ یہ لیور کھینچنے کی اڑان
 کو کنٹرول کرنے کے لیے تھا اس سے گلائیڈ کو ایک اور جھٹکا لگا پھر
 وہ تیزی سے پاؤں کی طرف گڑ گیا۔
 سرخھی پاؤں کی چوٹیاں تیزی سے میری طرف بڑھنے لگیں۔ چند
 لمحوں کے لیے مجھ یوں لگا جیسے میں کسی پاؤں سے محراباؤں کی مگر
 میں ان کے اوپر سے غور قی ہوئی۔
 اب میرے نیچے جزیرہ جیلا ہوا تھا۔ میں پاؤں کے درمیان
 کسی مناسب جگہ کو تلاش کرنے لگی تھی جہاں میں ٹھکانہ رکھ سکتی۔ اتر سکو
 چند لمحوں کے بعد ہی میری نگاہ ایک صاف تھری ہوا چوٹی پر پڑی۔ وہ جگہ
 مجھے پسند آئی اور میں نے اپنے گلائیڈ کو رخ اس طرف کر دیا۔
 اترنے والا لیور تھوڑا سا دایا گلائیڈ بل کی کارٹر کی طرح میرے منتخب
 کیے ہوئے مقام کی طرف پٹکا میں اس وقت جب میں وہاں اترنے
 کے لیے اپنے پاؤں پیسے کر رہی تھی مجھے جزیرے کے دفاعی نظام کا
 خیال آ گیا۔ میرا یہ خیال درست ثابت ہوا کہ گلائیڈ پر لیٹا رہ سکتی
 تو میں گرے نہیں برساؤں گی۔ رڈار کے سامنے یہ کمپیوٹر کو جو معلومات
 ہم پہنچاتی ہیں ہوں گی وہ کمپیوٹر کے لیے انجین کا سبب بنی ہوئی ہوں گی
 اور وہ ابھڑ گزرنے کی حرکت میں لانے سے باز رہا۔
 میں صحن اس وجہ سے کا خیال رہی تھی کہ میں نے ایک عجیب
 طریقے کو آزمایا تھا۔ ایک ایسا طریقہ جو فلسطینی ڈال کی رڈ سے عمدہ نہیں
 تھا اور جس کے لیے کمپیوٹر کے ذریعے یہی کافی معلومات نہیں رہی
 ہوں گی۔ اس کے باوجود میں جس جگہ تھک چکی تھی وہ جگہ میں
 نے قتل ڈالنے سے منتخب کی تھی ایسی میرے ذہن میں یہ خیال نہیں کی
 طرح کو۔ اگر کمپیوٹر نے فیصلہ اس جگہ کے لیے کچھ کچھ انتظام کر رکھا
 ہو گا۔ یہ خیال آتے ہی میں نے تیزی سے اپنے پاؤں سکڑا دیے۔ مجھے
 ڈرا سی ہی ہو رہا تھا تو میرے پاؤں ہوا سے لگ چکے تھے اور میرا

کمر میں نے بعد میں دیکھا یہ قدم میرے لیے خطرناک ثابت ہوا۔
میرا رخ ہمارے رخ کی طرف تھا اور اس نے اسے شکل دیا تو اس نے
اور ہری ہوں گی اسی لیے مجھے داں پہنچے ہوئے وہ ارنجھنے کی کوئی
مشعل نہیں بتائی جو ایک جال کی صورت میں ہر اس جگہ پھیلے ہوئے
تھے جہاں قدم رکھنا ممکن تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ان پر ہندوؤں کی ہر
دور ہری ہوگی۔ ظاہر تھا کہ داں اترنے کی صورت میں میرا کیا انجام
ہوتا!

گلائیڈ اب تیزی سے نیچے اتر رہا تھا۔ میں نے بھی تیزی کے
ساتھ اس علاقے کا حوالہ دیا۔ نیچے وہی پہاڑی چیز مصنوعی جھیل میں گر
رہا تھا جو میں نے غصے میں دیکھا تھا۔ اگر تین چکراتی ہوئی اس جگہ
گلائیڈ اترنے میں کامیاب ہو جاتی تو بہت اچھا رہتا مگر راولپ
پانی میں اترا۔ اظہار تھا۔ جو گلائیڈ راب ملک میرے لیے نائنہ ہند
ثابت رہا تھا۔ پانی میں اترنے پر وہی میرے لیے موت کا سبب بن
جاتا۔ جب ملک میں خود کو اس کی بندشوں سے آزاد کرتی اس کا دھن
مجھے لے ڈرتا۔ اس صورت حال میں ہی ضروری تھا کہ پہلے میں کسی
خٹک جگہ اترتی جس میں ایک ممکن ہوتا پانچ دن کم کرتی پھر نیچے پانی
ملک پہنچنے کی کوشش کرتی۔

میں نے یہ فیصلہ کرنے کے بعد اترنے کی خاطر ایک مقام منتخب
کیا اور گلائیڈ کا رخ اس طرف کر دیا۔ ایک جگہ اترنا آسان نہیں تھا۔ اور اس
میں میری جیت تھی۔ کیپٹن کوڑا منطقی ذہن پرگز اس جگہ کے بارے میں یہ
نیز کوئی نہ تھا کہ داں کوئی شخص جان بوجھ کر کہہ سکتے تھے۔ اے اسی لیے
یقین تھا کہ وہ مقام اور اس کے ارد گرد کاانی دور تک پھیلا ہوا جھنڈ
میرے لیے قطعی محفوظ تھا۔

میں نے گلائیڈ کی زبردستی پر تالو پانا یا انا گھر وقت اس قدر
مقرر تھا اور وہ جگہ جس کی کوئی کھنک مجھے پوری طرح مہلت نہیں ملی۔
گلائیڈ کو ڈھکا پڑھتی تو ت کے ساتھ چٹان سے ٹکرایا۔ وہ جھٹکا اترتا
شریدھا کہ مجھے سنبھلنے میں چند لمحوں کی دیر ہوگئی۔ میں اسی لیے منتخب
کیے تھے کہ مقام پر قدم رکھنے کے بعد جو اپنا جہان تو ازل برقرار رکھ
سکی اور نیچے گرنے لگی۔ مجھے یوں لگا جیسے میں اسی طرح اڑھکتی ہوئی
نیچے پل جاؤں گی مگر چند چھوٹوں سے ٹکرانے کے بعد میرے اٹھ ایک
اٹھیرے ہوئے پتھر پر جم گئے۔ وہ پتھر باہر کے مرنے نکلے ہوئی ایک چٹان
کا تھا جس سے میں ٹک رہی تھی۔

دراستہ سنبھل کر میں نے اپنے ہاتھوں پر زور دیا اور اٹھنا۔
نا کام رہی۔ میری قوت تو ختم ہوئی تھی مگر جسم نہیں اٹھ رہا تھا چند
لمحوں کے بعد اس کی وجہ میری کچھ نہیں لگتی۔ میرے جسم سے بندھے ہوئے

گلائیڈ کا کوئی جھنڈا اور کسی جگہ
تھی تو وہ جھنڈے مجھے اپنے ذہن سے
نیچے کی طرف دیکھا کیونکہ ہاتھوں کے
میرے ہاتھ ڈھکنے لگے تھے۔ مجھے یہ
وہ پتھر میرے اٹھ سے چھوٹا تھا
میرے ٹھیکے کا اسکان ہوتا۔ میں نے
اوپر بٹھا ہوا تھا تو زرا ہند کی پسے
پاؤں کا سیرے اور انھیں دراز میں رکھا
سے تھے تو میں نے اپنے جسم کا کمر
میرے ہاتھوں کو کچھ آرام ملا۔ چند لم
اینا ایک ہاتھ پتھر سے بنا۔ وہ بندھ
میں گلائیڈ سے ٹکی ہوئی تھی مگر وہ
نہ کر اپنی کوشش جاری تھی۔ میں اسی
کر رہی تھی۔ دوسرے ہاتھ سے میں پتھر کا
ٹھیکیں۔ آخری بندش دھیل دینے میں موافق
ہوئی تھی چلنے لگا۔ مجھے تھکے کموں پر
میں نیچے چل جاؤں۔ میں نے گم کر
پتھر کو پکڑ دیا۔ ایک آخری جھٹکے کے بعد
جسم سے جدا ہو گیا اور وہ پتھروں سے
وہ ایک جگہ کے ساتھ پانی میں گر
تیسرے جگہ اسی انجام پر پہنچا۔ ہوسکتا تھا کہ
کے بعد شاید میرے جسم کی ایک ہڈی
کمر میرے جسم کی کسی ایک تیز اور دو
میں سے ذرا سا ستلنے کے بعد
قوت طرف کی اور اس میں تیز میری کوشش کا
چلا گیا پھر میں نے اپنا جسم سکڑا اور پاؤں اٹھا
میں ذرا اس کوشش کرنے کے بعد چٹان پر
ہوگئی۔ میں چٹان پر چڑھ گئی۔ وہ جگہ ہوا
آسانی کھڑی ہو سکتی تھی۔

اپنی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد میرے ہنر
ہوئی۔ اُسے بھی میرے پیچھے پیچھے ہی آنا تھا اور اسی
داں آتی تھی۔ مجھے یہ
اعتقاد سے کام لے لے کے جو میں نے برقی قوت
وہ اترنے کے لیے کسی ایسی جگہ کا انتخاب نہ کر
برہنہ آ رہے تھے ہوں!

روٹی۔ جہاں ملک میری نگاہ پہنچ رہی
میں آ رہا تھا۔ میں نے گلائیڈ کو
بھران کا گلائیڈ ہر ہاٹوں سے زیادہ
میں ہوا تھا کہ کچھ دیر بعد میری کچھ فوٹوں
وہ کافی ہندی رہتا تھا اور پتھر نگار
مہلے کے لیے کسی جگہ کا انتخاب کر لیا
نیچے اترنے لگا تھا۔
مروڑی دور موجود ایک وسیع دھرا سطح
کے لیے مناسب محسوس ہوئی تھی اور
کافی تھی۔
ار سے جتنے اٹھیں تاکہ اُسے ایک یقینی خطرے

لی نہیں کیا۔ شاید اس ملک میری آواز میں
ان کے پاؤں چٹان پر پھرنے کے لیے
اب ہر جگہ پر چڑھ گئی۔
ایک جگہ پہنچتی تھی جو اس کی سماعت سے گزرتی
میری طرف گھڑیا صرف لمحے بھر کے لیے
گرتی ہوئی اس چٹان کی طرف مبدل
تھا۔ اُسے دیر ہو چکی تھی۔
میں نے جانب متوجہ ہو کر دوبارہ چٹان کی
ہاتھوں سے والا تھا۔ میرا دل ان خون آلود
وہ ایک یقینی موت کی طرف بڑھ رہا تھا۔
لی نہیں ہوئی تھی اور دل تیزی سے جھڑک
اس دل میں سانس لیا جب رضوان کو اچانک
یقیناً چٹان پر پھیلے ہوئے مجھے کے پاؤں
میں اب تیسرے جگہ پر گرا تھا جسے دیکھا
ہاتھوں کی کوشش نہیں کی ثابت ہوئی۔
اسے آگاہ ہو جانے کے بعد رضوان اب

اوپر پتھر لگاتے دیکھا۔ پھر وہ میرے ہی قریب
م رہ گیا۔ میں نے تھوڑی دیر انتظار کیا کہ شاید وہ
نہ ہوا۔ اب میں اس کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتی
ان اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ اپنی

کہ وہ پانی کا ضروری سامان میرے ساتھ تھا۔ اس میں کوہ پانی
سے متعلق تمام ہی ضروری اشیائیں ہیں۔ دو تین لمبی رستیاں
تھیلے سے نکالیں اور انھیں مضبوطی کے ساتھ ایک دوسرے سے
باندھ دیا۔ چٹان کے ایک سرے پر پھیلنے والی گرہ لگادی اور اس
گروہ چٹان کے بائیں سرے ہوئے جسے میں چھنایا۔ اس کے بعد میں نے
رستی کا ڈوسرا سرا براہیے پھیک دیا۔ رستی کافی تھی لیکن پھر بھی اس کا سرا
جھیل کی سطح سے پچاس ساؤنڈ اوپر ہی نکلا رہتا تھا۔

میں دانستہ براہ راست پانی میں ہی کودنا چاہتی تھی کیونکہ جھیل کا
کنا میری نظریں محفوظ دیکھتا تھا۔ چٹانوں کے وہ حصے جہاں انسانی قدم
پہنچنے کے امکان تھے وہ فانی نظام نے نظر انداز نہیں کیے تھے تو پھر
میں یہ کیسے سوچ سکتی تھی کہ مصنوعی جھیل کے آس پاس کا علاقہ نظر انداز
کر دیا گیا ہوگا۔ مجھے یقین تھا کہ وہاں بھی یقیناً کوئی نہ کوئی ایسا اتفاق کیا
گیا ہوگا کہ انسانی قدم ٹپنے کی بجائے کے علم میں آ جائے اور قدم رکھنے
والے کو وہیں رک دیا جائے۔ رکھنے کے لیے شفقت مرحمتی تھا۔
کے پاسکتے تھے۔ ممکن تھا کہ داں باندھ دیا ہو مگر وہ جس نظر سے داتے
والے معمولی سے پن کے ذریعے پر چھکے اسے اوجاں تو جس کے ساتھ ہی
زیریں پر قدم رکھنے والے کے پرچے اڑ جاتے ہوں۔ یہ بھی امکان تھا کہ
داں کسی قسم کا خود کار نظام موجود ہو جو کسی کی موجودگی کو محسوس کرے یہی
حرکت کر آ جائے اور کسی مقام سے مسلسل غائب کرنے والی شین گن
جھیل کے کنارے قدم رکھنے والے کو بھون کر رکھ دے۔

ان تمام خطرات کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے سوچا تھا کہ
براہ راست جھیل میں ہی کودوں گی مگر اس امکان کو بھی پیچھے نہ رہنے
رکھا ہوگا تو پھر کچھ بھی ممکن نہیں تھا کہ میں اس کا کوئی توڑ نہیں سوچ
سکتی تھی اور نہ ہی اس کا کوئی توڑ ممکن تھا۔ جھیل میں بچے بچے کو کیسے
بچھ گدیے گئے ہوں تو بھلا اوپر سے گرنے والا ان سے کیا بچاؤ کر
سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک خطرہ اور بھی تھا کہ جس جگہ میں کودوں
داں پانی کی گہرائی کم نہ ہو۔ پانی کم ہونے کی صورت میں بھی میری زندگی
میں خطرہ تھا۔ میں اس صورت میں سیدھا میری طرف جاتی اور میرا سر
سے ٹکرا جاتا۔ آتی شدت میری موت کی باعث ہو سکتی تھی پانی میں نہ
ماظہ صرف اسی صورت میں تھا کہ چارلس کی کفر ہم کو وہ معلومات
غلط ثابت ہوں۔ میں نے اس کی دی ہوئی ناک میں پڑھا تھا کہ مصنوعی
جھیل کی کم سے کم گہرائی بارہ فٹ تھی۔ بارہ فٹ پانی کولنے کے لیے
کم نہیں تھا۔

میں آہستہ آہستہ رستی کے سہارے چٹان سے اترنے لگی اور پھر
میں رستی کے دوسرے سرے تک پہنچ گئی۔ اب میرے سامنے ایک

اوپر سے مجھے بھی کسی مسموم ہوا تھا کہ جیسے رسی کا ڈوسرا سر امرونی جھیل پر لٹکا رہا تھا لیکن میرے قریب پہنچ کر تپا چلا کہ جھیل ڈرا ایک فوٹ تک کہ نہ نہ تھی۔ اگر میں یہ سب سمجھ سکتے تھے تو ایک دم رسی چھوڑ دیتی اور نیچے نہ دیکھیں تو یقیناً جھیل کے کنارے ہی گر جاتا جیسے اندازے کے مطابق موت میری منتظر تھی۔

اس صورت حال سے نئے کالموں تک ایک ہی بل تھا جس پر میں نے فوری طور سے غل کیا میں نے رسی کو مضبوطی سے پکڑا لیکن ٹھوڑی دالی تھوڑی کہ اوتھوں میں دایا اور پاؤں سکڑ کر چٹان سے لگا دیے پھر میں پاؤں کا زور لگا کر چٹان سے اٹھیں۔ میں کچھ دور جا کر دوبار چٹان کی طرف پلٹی اور اپنے جسم کا تمام وزن پاؤں پر ڈال کر پھر اٹھیں۔ اس بار میں پہلے کی نسبت ڈوڑھ فٹ آگے آئے تک گئی۔ میں نے چٹان سے انتہائی ڈوڑھ پری پہنچ کر تھوڑی دالی سے چھوڑ دی۔

دو دھریں چٹان تک پہنچی اور دوسرے تھوڑی کے نیچے گرنے کی آواز سنائی دی۔ وہ آواز مجھے ہر کی پہلی معلوم ہوئی کیونکہ وہ آواز تھوڑی کے کسی پتھر سے ٹکرانے کی تھی لیکن پانی کی گرنے کی آواز تھی گریا میرا اندازہ قطع درست ثابت ہوا تھا۔ اب ایک ہی پتھر کو گرنے کے لیے پوری طرح تیار تھی مگر اس سے پہلے بھی کچھ کرنا تھا۔

میں نے ایک ہاتھ سے رسی کو پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے جھیل میں جو وہاں چیز ہو سکتی تھی شرف کیا میں کا قلع کو کہ چٹان سے تھا اور میں اب نہ موت نہ شرف تھی۔ میں جہاں تک وزن کم کر سکتی تھی کیا پھر پھیلے کو زپ کھینچ کر بند کیا۔

جھیل میں گرنے سے پہلے میں نے پتھر میں اسے دھکے دے کر بے پتے بنا کر دے ایک ایک کر کے کھالے اور انھیں پیڑوں میں چڑھا دیا۔ میں نے ایسا کرنے کے لیے باری باری اپنے دونوں ہاتھ استعمال کیے کیونکہ میں اپنے صوف ایک بات پر دے جسم کا وزن میں سہارا سکتی تھی کام آسان نہیں تھا۔ صوف ایک ہاتھ پر دے جسم کا وزن سہارا ہی آسان کام نہیں تھا پھر پاؤں سکڑ کر جوتے پہنا تو دوسری شکل مرحلہ تھا لیکن میں نے یہ مرحلہ کسی نہ کسی طرح طے کر لیا۔ میں جب اس شکل کا کام ناسا ہوئی تو مجھے یوں لگا جیسے اب میرا اس طرح لگے دنیا میرے لیے ممکن نہیں ہوگا میرے دونوں ہاتھوں کی رسیں پوری طرح کھینچ کر دوسری تھیں اور ان میں شہید سلطیت مسموم ہو رہی تھی کسی بھی لمحے اس سلطیت کی شدت سے رسی میری گرفت کمزور ہو سکتی تھی اور پھر انجام ظاہر تھا۔ میں پہلے ہی چٹانوں سے ٹکر کر نیچے لوٹ سکتی تھی۔

کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور پھر پتھر دیا۔ ایک ایک کر کے دھکے دے کر تپا پتھر اٹھیں پھر جب پہلے اندازے کے مطابق پتھر میں نے رسی کا زور چھوڑا۔ میں نے غصے سے اس لمحے کی منتظر تھی جب ایک ایک جھاکے سے پانی میں جاؤں گا۔ آخر کا میرے پاؤں نے پانی کی کائنات سے مجھے ڈال دیا۔ رسی کے نیچے گئے۔ پھر تیر کی تیزی سے اٹھی اور پتھر اب اس میں گریے گریے سانس لے رہی تھی۔ معاً اس وقت مجھے ایک لمبی لم کے کر کوئی طرف سے بلند ہو رہی تھی۔ شاید جہنم کے مایوں کو میرے جھیل تک پہنچا رہی تھی تیزی سے جہیز سے گئے۔ دالیں کچھ دور جا کر ہی میں رسی کی آواز میں نے پناہ دی۔ میری پانی سے ابھر رہا تھا دیکھنے لگی۔

میری نگاہ رضوان کو تلاش کر رہی تھی تھا۔ مجھے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ مجھے نیا خبر نظر آگیا۔ اس نے اپنے پتھر کی آواز بجنے تھے۔ وہ چٹان میں بیٹھ ہوئے کسی اور پتھر کا ہوا تھا۔ غالباً اس کا لانا پتھروں کسی اجہرے پتھر میں چسپاں گیا تھا اور جاتا۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ میرے ایک شاید اس جگہ پاؤں جھانے میں کامیاب ہوگا۔ مشکل میں تھا کہ اس نے بندھ کر ٹھوڑا کر رضوان کی موجودہ حالت کا کیا فہم اگ کے سہانے بخروڈی دھلان کا سہارا لیے اس تھوڑی سے رخ پر غریب لگانے کے پتھر تھا۔ ذرا سامنے جھٹکا لیکن کی صورت تک لگا تھا اور وہ چٹان سے لڑا جھک کر رہا لگا تھا۔

اب میرے لیے رضوان کا انتظار نہ رہا۔ یہ احساس بھی تھا کہ وقت بہت دور ناویہ دیر معلوم خطرے کو قریب سے آکر

کا تھا۔ نہ جانے جہیز سے کے مایوں نے ہم مایہ جو شاید کوئی عزیز نہ تھا مگر ٹھوڑی دالی پر ان میں سے ایک مایہ اور دوسری راہ میں کوئی کسی وجہ سے دور کرنا چاہے لیے ممکن نہ ہو۔ اسی پانی میں میں ٹھہر سکتے تھے اور پانی سے باہر بہت ہوتا۔

بہت دور بندھ کر لیے جو تھیل کو مجھے سے چٹان سے الگ ہو کر تکی طرف بیٹھنے کا لیکن سے پکڑ لیا۔ پانی سے اب اس قلعے کو ایک ہاتھ ممکن نہ تھا مگر پانی میں ہونے کے سبب مایہ میں نے دوسرے ہاتھ سے تھیل کی زپ کھلی دیکھا تھا۔ اگلے مایہ اور شرف تھا۔ اس قلعے میں وہ میں سے گیس مایہ بھی نکال لیا جو پتھروں کے میں جاؤ اور دوسرا مایہ ملو بھی تھا مگر میں ۱۔۔۔ مایہ سامان قلعے سے پھیل کی تہ میں پتھر ایک پھر رضوان کی طرف توجہ دینی۔ وہ وہ دوران کی اس میں رسی کو لکڑی کی مٹھریوں کا اندازہ لگا

تسمی کے سہانے نیچے آئے گا۔ جھیل سے اس کا ڈوسرا سر ابر جھیل کی سطح سے بہت بلند تھا جہاں رضوان کے لیے اس کے سر کا کوئی پارہ نہیں تھا کہ وہ نہ طرقت کا قلعہ کو کہ جس کا مجھے خیال آیا تھا اور سمجھ رہی تھی مگر ایسا نہیں ہوا۔ تو رضوان کو ایک ایسی دراڑ ملی تھی جس کے سہانے جھیل کی طرف میں لگا تھا۔ میں نے پہلے سے اسی ہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ دراڑ کے خاتمے پر اے نیچے کرنا چاہیے۔ میں نے دیکھا کہ اس دراڑ کے خاتمے اور دراڑ تھی جو رضوان کو ابھی چٹان تک پہنچا سکتی یہ وہ آسانی جھیل میں چھلانگ لگا سکتا تھا۔

دراڑ سے چند فٹ کے فاصلے پر پتھر کی سطح سے جھیل سے دراڑ کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اچانک مجھے کا وہ فاصلہ طے کرنے کی ایک ترکیب ہو سکتی تھی۔ میں پل کر سامنے تھا جس طرح رضوان نے اوپر لی تھی۔ اس طرح وہ ایک رخ اور ٹھوڑا لگا تھا۔ رخ ہاتھوں کا سہارا لے کر پتھر چھوٹا ہوا دوسری دراڑ وہ دراڑ کافی کشادہ تھی اور اس کا پتھر جھیل سے باہر کی

طرف پھیلا ہوا تھا۔ اس لیے اس پر پاؤں بٹھا کر بہت خطرناک تھا۔ مجھے آہستہ آہستہ اس میں نہیں جتا۔ پھر کچھ نیچے آنے کی صورت میں وہ خطرے بھی تھے جہاز زما پیش آتے۔ رضوان بھی شاید میری ہی طرح سوچ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ دراڑ کی طرف ٹھہر گئے لگاؤ خطرناک حد تک ٹھیک لگا، پھر اس نے ہاتھ اٹھائے اور اس حد تک اٹھیں پھیلا، ممکن تھا ڈال تک اٹھ لے جا کر بیٹھ کر شروع کر دی۔ مجھے یوں مسموم ہوا جیسے وہ مینے نہ ٹھہر گئے کا اندازہ تھا۔ اسے گا۔ میلا دل بہت زور سے دھکا۔ رضوان میری آنکھوں کے سامنے موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھا اور میں اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی۔ اس لمحے میری سماعت سے ایک مائوس کی آواز آئی۔ میں نے اپنے بازو بڑھا کر اس سمت دیکھنے کی جا کر صوف آواز سنائی دی تھی۔ وہ آواز غریب سماعت نہیں تھی۔ مجھے کافی فاصلے پر ایک ٹھوڑی دالی پر کسی صفحے کی طرف حرکت کرتی دیکھ کر انتظار نہ رہی۔ محمد میں نے سوچا کہ وہ چند ہی منٹ میں سر پہنچ جائے گی اور پھر یاتو ہم کچھ جاس گے یا تو ٹھوڑے سے برساں جانے والی گریوں کا شکار ہو جائیں گے۔ یہ خیال آتے ہی میں نے ایک باہر رضوان کی طرف مڑ کر دیکھا۔

رضوان مین ٹھہر گئے میں کامیاب ہو چکا تھا اور اب اُسے ہاتھ سے پکڑ کر اس کے سہانے جھولنے دی دھلا تھا۔ یہ ضروری تھا کہ رضوان اپنی پہلی ہی کوشش میں کامیاب ہو جائے کیونکہ اسے کوشش کرنے کے لیے دوسرے موقع پر گزر نہ ملے۔ وہ جس جگہ پکڑا ہوا تھا، دلوں دوباہ پاؤں جہاں میرے خیال سے ممکن نہیں تھا۔

رضوان نے مین کے گرد حرکت کی اور اس کے پاؤں دوسری دروازہ کی طرف بڑھے۔ مجھے ایسا ہی لگا جیسے وہ اپنا جانی توازن پر تیار نہ کر کے پاس لگا اور گریے مایہ اور بہت ثابت ہوا۔ رضوان کا ایک پاؤں دروازہ تک پہنچ گیا تھا مگر اب اس کے لیے یہ مسئلہ تھا کہ وہ اپنے باقی جسم کو ایک پاؤں کے سہانے میں طرح سیدھا کرے یا اپنے جھول کر مڑے گا۔

رضوان کا کمری جسم جتنا شک کی بہت ہی مضائقہ نہ تھا تھا مگر تباہ کسی جراثیم نے اس کی خطرناک حالت کی قریب نہ دھکے دیے ہوں گے۔ چند لمحوں بعد رضوان اپنے جسم کو سیدھا کر کے لگا اور وہ چند لمحوں کے بعد رضوان کی طرف طویل تھے۔ میں ہر گز سے بے نیاز دوم صاف رضوان کو دیکھ رہی تھی۔ وہ بڑے سستی غیر فطرت سے ایسے فطرت جب واقعی دل کی دھڑکن کوئی مسموم ہو۔ رضوان نے شاید دھتھوں سے رخ پر زور دے کر جھٹکے کے ساتھ اپنا جسم اٹھایا۔ اس کا جسم کسی ٹھوڑی کی سوئی کی کی طرف گھوما اور پھر میرے گرد لگا

میں سے پاس رہا جو سو یا سو روضوں میں کراں
نے دوسرا پاؤں دراز میں جھکا کر اپنے جسم کو سنبھال لیا اور دو بار چٹان
کی پتھریلے سے نیچے کی طرح چپک گیا۔ اس کے چند لمحے بعد ہی وہ
تیزی سے چٹان کی طرف گھٹکے لگا۔ جیسے جیسے دراز کا ڈوڑھ بڑھتا رہا
روضان کے لیے کھسکا آسان ہوتا جا رہا تھا۔ دراز کا آخری حقد تو
اس نے دونوں پیروں سے چل کے طے کیا تھا۔ اور پھر چٹان پر بیٹھ گیا تھا۔
”روضان“ جلدی کر رہا، ”میں نے پوری قوت سے پیچ کر کہا۔
ننانہ نے تیزی سے آواز سن کر کہنے پر توجہ دینا چاہا مگر غصے
نے مجھے ٹھہرنے کا اشارہ کیا اور تیزی سے اپنے کندھے پر بندھا ہوا تھیلہ
کھولنے لگا۔
لاٹخاب کافی قریب آچکا تھا اور مجھے صاف نظر آنے لگی تھی۔
میں نے اپنے پیروں کی ربر کے نیچے پہن رہا تھا۔ اس
سے میری طرف سے ایک ساک اور بارہ کا تھیلہ کا تھیلہ لے لیا۔ اس کے
خدیجہ نے چٹان سے پھیل کر تھیلہ لگا دی۔ پڑا تھیلہ اور بات
سامان اس نے میں چٹان پر چھوڑ دیا تھا۔
وہ مجھے کچھ فاصلے پر پانی میں گرہا تھا۔ وہ پانی ہی میں اندازہ
تیرا ہوا میرے قریب پہنچا اور پانی سے سڑکلا۔
لاٹخاب کے قریب آنے کے سبب اب مجھے پانی کی لہریں اپنے
جسم سے ٹکرائیں گئیں جو ہری تھیں۔
”روضان“ جلدی سے اپنا آئینہ ٹینک درست کر رہا تھا۔ اس نے گرافٹ
لگا اسے تین تیرت تیرتی رہی۔
پھر میں نے سانس لینے کی کئی کئی کڑے لگائی جو ایک سو بیس ٹیک سے
تک پہنچی تھی۔ ہاتھ ٹپست پر سے جا کر میں نے گیس کھول کر آنکھوں کا
غلاب سر سے نیچے سر کا کر آنکھوں پر درست کیا اور پانی میں ڈوبی لگا
دی۔ اسی وقت میں نے گیس کے ٹھوس آواز سنائی دی۔ مجھے اپنے
قریب پانی میں گریاں کرتی دکھائی دیں جس سے پانی کے پھینٹنے آتے
سموس ہوئے۔ چنانچہ روضان میری میری تیزی کا مظاہرہ کر رہا تھا
تھیلہ میں اس نے کچھ دیر بعد ہی کی طرف جاتے ہوئے ٹھوکر پیچھے دیکھا اور
یہ دیکھ کر مجھے سکون ہوا کہ روضان کا ہیرو لایر میرے پیچھے پیچھے حرکت
کر رہا تھا۔
پھیل کا پانی کافی عرصہ صاف تھا۔ میں کیڑے تک صاف دیکھ
سکتی تھی۔ جس کے بعد پانی کی رگت بہزی مائل ہوتی چلی گئی تھی۔
مناجھے احساں ہو گیا کہ اوپر لایچ کا ہیرو لایر حرکت کر رہا ہے۔ اسی
کے ساتھ مجھے اپنی آنکھوں میں سنائی دی تھی۔ پانی کی آواز سنائی تھی۔
ایک ہیرو لایر جھٹکے کھانے لگا اور اسی وقت تیزی سے لگا۔ ایک گول
سے مشابہ شے جو پڑی جو لایچ کے گزرتے دیکھے ہوئے سے

تھیلہ ہرگز ہم سے کچھ فاصلے پر نہ کی
سکتی ہے؟ میں نے سوچا۔
مجھے کا خیال آیا اور میرا جسم جھٹکا
روضان! جس دوزخ میں
ہاتھ لاکر تیزی سے دھکے کا اشارہ کیا
ساتھ تھیرنے لگی۔
میرا فزڈ بے جا نہیں تھا کہ یہ
سا آگیا۔ دھکے کی آواز تو مجھ تک
شدید جھٹکا میرے جسم سے آتی شذرت
ساتھ ہلے جانے لگا۔ غالباً روضان بھی اسی کا
کیونکہ وہ مجھ سے دور نہیں تھا۔
روضان ہر طرح سے تیار ہو کر آیا تھا
میں پانی میں پھینٹنے والا ہوں تھے جو پانی گرائی
اس پاس تیری ہوئی چیزوں کو تباہ کر دیتے ہیں
وہ ہم کی پھیل کا خیال کر کے بنائے گئے ہیں
کے مطابق ان کی آتی قوت نہیں تھی جو کسی آواز
مزدور ہوئی ہے مگر کسی آوی یا پھر نہ کوئی نہ
وہ قوت ہم کی کافی تھی۔
میں اور روضان تیزی کے ساتھ تیرتے تھے
مناجھے کھٹکے تھے کیونکہ اب پانی با
ما ہو گیا تھا۔ مجھے ایک سمت تیری کی نظر آئی اور اسی
ذہن کی کسی فکر کا خیال آیا۔
روضان میرے پیچھے پیچھے ہی تھا۔ وہ مجھ
نہیں پڑ رہا تھا۔ لایچ شاید دوبارہ ہماری طرف پلٹ آ
ایک بار پھر پانی میں ارتعاش سموس ہو رہا تھا اور ان کی
رشتائی نے رسی تھی۔ دشمن یقیناً ابھی کچھ اور کم استعمال
میں نے تاریکی کی سمت تیرنے کی پوری تیزی دکھائی
مجھے پتھر کی دیوار کی قربت سموس تھنے لگی۔ میرا خیال غما
تھا۔ وہ ایک غباری تھا جس میں پانی بھرا ہوا تھا۔ میں نے
تو چند لمحے بعد ہی میرا سر پانی سے نکل کر غار کی پتھری چھو
گیا مگر قریب شدید نہیں تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک نار
پانی بھرا ہوا تھا ”صرف چند راج کا گول فلا ایسا تھا جو پانی سے
سکا تھا۔
مناجھے قریب ہی روضان نے پانی سے سڑکلا۔ میں
جیسے کا ہیرو بند کیا اور تھیلہ چڑھا ہوا سانس لینے والا جمعہ
میں نے دیکھا۔ پاؤں کی کئی حرکت میرے جسم کو اوپر لے

نے میں بہت کام ہے ہے
اب بھی اپنے ٹھنڈے سے سانس لینے
انہی غلب کیا۔ ”جیسے پھینچے!“
میں میں روضان تیری تائیدیں بولا۔
وہ نہیں ختم کرنے کے لیے ہم استعمال
مناجھے اور نہ ہم کے دھماکوں سے بچنا ہوا ہے
الکر کا۔
ن کا رخ ایسے کیا تھا جسے آپ نے دوسری سے
ن نے میرے کا اظہار کیا۔
روضان نہیں تھا کہ اندازہ درست ہی ثابت ہو
پہلے سے سمجھانے کی پالی میں جہاں تک کہ
میں لڑھا یا غار ہی تو اب جس تک روشنی میں
ت بات ہی کر رہی تھی کہ اچانک جیسے غار
اور وہی پڑ گیا۔ اسی کے ساتھ دھماکے کی آواز بھی
بعد دیکھے کئی دھماکوں کی آوازیں آئیں جیسے
آوازوں میں ٹھنڈے کھولا اور بولی۔ میں کچھ عرصے ہی
میں دایہ کا نظارہ کر رہا تھا
مناجھے۔ ”روضان نے تیری تائید کی پھر دھماکے
اپنے اس چٹان پر پھیلے ہوئے ٹھنڈے طرح دیکھ
میں اتارنے والا تھا جو کیا آپ کا واسطہ ہے کسی سی
پا تھا۔“
میں نے جواب دیا۔
میں ہر امکان کو نظر میں رکھا ہے۔ ”روضان بولا۔
”میں نے اعتراض کیا کہ اگر ایسا ہی ہوتا تو ہم
میں رہتے۔“
میں ایک ہی امکان کو نظر انداز کر گیا ہے۔ شاید کچھ پتھر کو
میں میں تیار کیا گیا۔ روضان کے لیے اس فخر کی جھلک تھی۔
وقت ایک بار پھر میوں کے دھماکے سنائی دیے۔ غار کا
مناجھے۔ ”میں نے سانس لینے کا
بعد سکوت چھا گیا اور پانی بھی کچھ دیر بعد اتر گیا۔
میں تک تک مسلسل جاری ہے گا۔“ روضان بڑبڑایا۔
افعال سے یہ آخری ہتھیار تھا۔ اب تک انھیں مرکز سے بلے
ای فلاح مل گئی ہوگی۔ میں نے پڑا ہوا دیکھے ہیں کہا۔

”لوں!“ میں نے جواب دیا۔ ”ان کے سونے کی پور کو اظہار
نے دی ہوگی کہ ہم پھیل کے پانی میں نہیں ہیں جس کا مطلب یہی ہو
کتا ہے کہ بات پر مجھے اڑچکے ہیں۔“
روضان نے سوز کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔ یقیناً وہ اس
سے اچھی طرح واقف ہو گا۔ سوز پانی میں کام کرنے والا دروازہ ہے۔
یہ مسلسل آواز کی لہریں خارج کر رہا تھا۔ یہ لہریں جب تک تھیں تھیں
سے عراقی میں تو لٹ کر خراج تک پہنچی ہیں۔ کوئی بھی آواز دراز
پر نقطے کی طرح ظاہر ہو جاتی ہے۔ یہ دراز عام طور پر دھات سے بنی
ہوتی چیزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ آواز دیکھنے کے لیے بہت کام
کا آواز ہے۔ آواز کی راہ میں مائل ہونے والی چیزوں کو اس کے ذریعے
پا یا آواز ہے۔ عراقی میں انسانی جسم کی رگوں کی ظاہر کرنے کے
لیے انھیں پہلے استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ یقیناً یہ انسانی جسم آواز
کی لہروں کو دھکیں کرنا بلکہ جذب کرنا ہے۔
روضان نے اپنے خیال کا
اظہار کیا۔ ”میں نے آپ کا خیال درست ہوا۔ سوز ہی سے سٹاپا
کوئی آلہ استعمال کیا گیا ہو۔“
میں نے اثبات میں سر ہلادیا۔
”لیکن اسی صورت میں جب ہم دوبارہ اس غار سے نکل کر پھیل
کے پانی میں نہیں گئے اور جڑے کی مرکزی عمارت کا رخ کریں گے
تو میں کو پھر اظہار ہو جائے گی۔ لایچ دوبارہ بھی تو مجھے ماسکتی ہے۔“
روضان نے متوجہ خطرے کا احساس دلایا۔
”یقیناً دشمن دوبارہ بھی جائے جائے میں باخبر ہو جائے گا مگر
اب لایچ نہیں بھیجے جائے گی۔ ایک حریف جو نام کام ہو چکا ہے اسے ڈرنا
بجائے مجھے تائید نہیں۔ وہ اب ہلے لیے کوئی اور حربہ استعمال کریں
گے۔ میں نے روضان کی بات کا جواب دیا۔
میں نے کچھ پلے کی تمام ممکنہ خطرات پر بحث کر کے تھے اس لیے
روضان نے مزید بحث نہیں کی۔
”جس سے نکلے ہیں۔“ میں نے کچھ دیر غماش میں
بعد کہا۔
روضان نے اثبات میں سر ہلادیا۔ میں نے تھنڈا دھماکے پر سانس
لینے والی کئی چیزوں اور ان میں ٹینک کا دوا کھول دیا۔ پھر پانی میں ڈوب
لگا۔ روضان نے میری تائید کی۔
غارت سے نکل کر میں نے مرکزی عمارت کا رخ کیا اور
تیزی سے تیرنے لگا۔ مجھے اندازہ لگانے کے لیے کہ میں سمجھتی
ہے میں تھوٹے تھوٹے فاصلے پر سر کو پانی سے نکال کر دیکھنے لے

سے باب کا وہ دور و در تک پائیں تھا۔ یہ دیکھ کر میں نے سمجھا
 کا وہ لہجہ کیا اور انکی منہ سے جیسا کہ اب میں پانی کی طرح پڑی تھی
 رضوان نے بھی ایسا ہی کیا۔ انکس کو خواہ مخواہ خانے کو لانا حاصل تھا۔
 میں کافی دیر تک تھکا اور میرے ہاتھ بھی سے دھکے لگے تھے بار بار
 جسم ہی در در کا رہا تھا مگر میرے پاس اس کے سر کوئی چارہ نہ تھا کہ
 مسلسل خیرتی رہوں اور میں حال رضوان کا تھا۔
 جو برس کے مرکزی غارت اب اس پر چلے ہم سے قریب ہوئی جا
 رہی تھی۔ میں تیرے لیے کئی دیر ہو چکی تھی کہ اچانک ہم پر نیا چھوڑا
 ایک وہ عجیب جسم کی گڑبگڑاٹ سٹائی دی۔ ہم فوراً ہی ٹک گئے
 اور اس گڑبگڑاٹ کا سبب جاننے کے لیے چاروں طرف دیکھنے لگے
 لیکن کچھ نظر نہ آیا۔ وہ گڑبگڑاٹ پانی کی تہ سے ابھرتی مسکری ہوئی
 تھی اس لیے حقیقت حال جاننے کے لیے ہم نے کسبجی کی ٹنگیاں اٹھ
 سے لگا کر پانی میں غوطہ کھایا۔ پہلے تو میں کچھ نظر آیا اور جب پانی میں
 دیکھنے کے قابل نہ رہا تو دیر ہو چکی تھی۔
 پہلے اور غارت کے درمیان آہنی سلاخوں سے بنی ہوئی
 ایک دیواری حامل ہو چکی تھی جو دونوں طرف ڈونک چلی گئی تھی۔
 اگر ہم گڑبگڑاٹ کی آواز سنتے ہی تیرنے کی رفتار بڑھاتے تو شاید
 اس سلاخوں دار آہنی دیوار کے اوپر آنے سے پہلے ہی اسے پار کر
 جاتے۔ ہم اندر میرا انداز وہی تھا کہ ایسا کھنقا خضر ہم نے ہر سال
 ایسا ہی کیا تھا اور اب ایسا کرنا میں بھی نہیں تھا۔ وہ سلاخوں دار
 دیوار تیرے شرف پر جو کہ پانی کے باہر تک بلند ہو چکی تھی۔
 ہم سب آج پر آئے اور انکس کی ٹنگیاں نکال دیں پھر ان
 سلاخوں کو کھینچا جو پانی سے باہر نکل ہوئی تھیں۔ پانی سے باہر ان کی
 لمبائی تقریباً ایک فٹ تھی ادا ان کے سرے نوکیلے تھے۔
 ”اب کیا کیا جائے؟“ رضوان نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔
 ”ان سلاخوں کو تیر کر پار کرنا تو ممکن نہیں۔“
 ”سلاخوں کا ادھر ہی حصہ چلے حصے سے بڑا نظر آتا ہے اور
 دونوں حصوں کے درمیان ٹوٹی استعمال کی گئی ہے کیا کوئی کی
 جگہ کو استعمال نہیں کیا جاسکتا تھا؟“ میں سوچتے ہوئے پوچھی۔
 میری بات سن کر رضوان بھی سوچ میں پڑ گیا۔ نابادہ میری بات
 کا مطلب سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ چھوڑو بات کہ یہ تک پہنچ
 گیا اور بولا۔ ”سلاخوں کے اوپر ہی حصے میں غالباً ہوتی روڈ ڈرائی گئی
 ہے۔“ درمیان میں بھڑکی اس لیے دی گئی ہے کہ پہلے حصے میں پہلی
 پہنچنے پانی کی موجودگی پہلے حصے کو ثمارت سرکٹ کر سکتی ہے۔
 اسی وقت میں نے غور کو کھل سمت میں دیکھا پھر زبرد

پولی میں چاروں طرف سے عجیب ہا
 زیر زمین موجود تھا وہاں اسے کہیں
 رضوان نے بھی پھر کر دیکھا۔
 گویا ہم گہرے گہرے گہرے گہرے گہرے
 ”ہو سکتا ہے کہ وہ میں پڑا ہوں
 سے کہا۔ ”نڈا سوچو کہ اس جگہ میں گہرا
 غلوں میں چھوڑ دی جائے تو بار بار کیا
 ”مثلاً شاکر لچھیاں یا غر کہہ۔“
 میں غور میں تھا۔
 اگر زرخیز حقیقت بننے والا تھا
 اس کے لیے کامیاب نہ کیا جاتا۔ میں نے یہ
 کوئی چارہ نہ تھا۔ میری تیزی سے نہ پڑھیں کی طرح
 نیک کا یہ رکھول دیا۔ پھر پانی میں غوطہ دار
 نے کرکری پٹی میں اس پانی کی بندوبست کی۔
 بھی اچھی طرف ٹٹ کر دیا تھا۔
 میں نے یہ کی طرف چلے جئے پھر کر دیکھا
 تقلید کرے۔ پانا۔ میں اور بارہا طرف دیکھنے
 اپنے ہوا پانی میں کوئی اور شے حرکت کرتی نظر نہ آئی
 میں مطمئن ہو کر سمجھنے لگا کہ کسی کی آواز
 کہ جس کی چوڑی جانے لگا۔ میں نے کہیں اس کو
 راستہ ہو گیا پھر تیری ہی کوئی غارت کھلے گا جس سے
 کو ہم پر چھوٹ پڑے گی۔
 اگر مجھے ہاں ہو کہ وقت تھا تو اس سے ما
 تھا۔ معافی سے ذہن میں ایک غمزدہ خیال آیا تھا جس
 کرنا چاہتی تھی۔ میں نے اپنے جھیلے میں ہاتھ ڈال کر وہ
 سے جھیلے کی طرف پڑھی اور اس کی وقت رضوان نے
 میں نے اپنے ٹوکریاں کیا تو اسے ایک سمت اشارہ کرتے
 اس سمت غمزدہ ڈونک کو حرکت کرتے ہوئے دیکھا
 طوطے پہنے ہوئی ایسا منتظر دیکھنے کے لیے تیار تھی اس
 اثر نہ ہوا۔
 مجھے بڑی سفید شاکر پھیلوں کا ایک ذول انوار
 کھلے ہوئے منہ سے تیز تر کیلے دانت نے خوفناک انداز میں
 تھے۔ وہ دنیا کی خطرناک آہنی غلوں سفید شاکر تھی جو غروں کی
 پاگل ہو جاتا ہے اور پانی میں حرکت کرنے والی برشتہ ہوا
 ہے۔ جس نے پٹ کر جھٹکا کا رخ کیا۔ رضوان میرے پیچھے

میں کا غول بھی جانے پاس پہنچ
 مہرے اور رضوان کے ارد گرد چکر لگا
 ہندو کو اتارنے شاکر پھیلوں پر حملہ
 نے اٹھائے سے رک دیا خون
 پر کھتا تھا چھوڑو ہم پر ٹوٹ پڑیں اور
 ہلبلیوں کی اس عادت سے تیزی سے
 و انکس پاگل ہوئے۔ کچھ کے خون کی ہڈیوں
 بنیں تھا کہ انھوں نے اس جگہ کی خون
 انہا لبت خور کیا جو گائیں شاید انھیں
 پہلے اپنے تھکا کا خون شاکر کرنا چاہتے
 اور بعد کرنا چاہتے تھے۔
 انھوں نے میرے قریب پڑا تھا اور
 پانی میں ہم جھیلے کے ایک حصے سے باہر
 کر رہا تھا ہوتی ہوئی جتنی دیر ہو سکتی تھی ہو
 ان کا تھکا کہ تھی۔ اب میں اپنی بیانی کے لیے
 کے لیے اسلحہ تیار تھی۔
 مجھے نوک و دانتوں اس کی طرف توجہ ہو سکی۔
 میں نے پھیلوں کے درمیان حرکت کرتی ہوئی
 اس کی کھلی ہی سے شاہد تھی مگر اس کا انداز
 اچھا بڑا رہا تھا۔ اس کھلنے کی کہیں سوراخ
 ل ایک ہی کھلی ہی سے خارج ہو رہی تھی۔
 ان میں گونگا۔
 پہلے کی نسبت تیزی سے حرکت کر رہی تھیں۔ ان
 دیکھا تھا۔ ماما پھیل خون خارج کرتے ہوئے
 اپنے داخل سے ٹوٹے ہوئے کر دیا پھیر
 دھار سے خون پھیل گیا۔
 انکس لہجہ تھا کہ جب میں نے اس خطرناک آہنی
 دیکھا۔ ان کا غول ایک دشت کے عالم میں کئی
 خون کی طرف چھٹ پڑا۔
 میری آنکھیں اتنی خطرناک تھیں۔ مجھے اس وقت لگا کہ کوئی
 کہ میں پانی میں تیزی سے تھیں میں داخل ہو کر ہموں یا



کچل کے ماروں تک نہ پہنچا اور میں تیزی سے رہا۔
 میں برقی روڈ گزرتی تو دیکھتا تھا کہ کام کرنا اور ہم دونوں شاکر پھیلوں کی
 خوراک بننے کے لیے وہیں لگاں آہنی چمبے میں رہا تے۔
 میں نے دھوکے جوئے دل کے ساتھ خود کو مار کر دھوکے ہوئے
 سوچ کر دیا ہوا۔ دھوکے کا احساس آواز سے زیادہ پانی کے اڑنے سے ہوا۔
 میری توقع کے میں مطمئن دھوکا ہوئے ہی پھیلوں گھل کر ہم سے دور
 ہو گئیں لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ دھوکا دھری جس کا غول تھا۔ چند لمحوں بعد وہ
 دوبارہ ہمارے قریب آجاتا اور اس بار ان کا حملہ شدید ہوتا۔
 میں نے پانی کے پڑھوں جوئے کا انتظار بھی نہیں کیا۔ رضوان کو اپنے
 پیچھے آنے کا اشارہ کر کے میں تیزی سے آہنی چمبے کے اس حصے کی
 طرف بڑھی جہاں کچھ دیر پہلے میں نے کہا تھا۔
 میں تیزی سے تیزی سے آہنی چمبے کے اس حصے تک پہنچ گئی۔
 پھر کے ایک حصہ دھوکا کے ساتھ ہوا تھا۔ دھوکے سلاخوں ٹوٹ کر
 اڑھ کر پڑ گئی تھیں اور اس راستہ میں گیا تھا کہ اس کا رضوان باری باری
 اس سے گزر سکیں۔
 میں وقت ضائع کیے بغیر سوراخ کی طرف بڑھی اور فوراً اس سے گزر
 کر آہنی چمبے سے نکل گئی۔ میں نے اس کا تے ہوئے غور دھوکے کا نظارہ
 نہیں کیا تھا۔ میں رضوان کی نسبت اس سوراخ سے قریب تھا اور رضوان
 کی اسی طرف مدد کر رہی تھی کہ انکس کے ساتھ اس سوراخ سے گزر کر رضوان کے
 لیے راستہ صاف کر دوں۔ اگر وقت کا یہ تقاضا نہ ہوتا تو میں یہاں تک نہیں پہنچتا۔
 اس چمبے سے نکلنے کا موقع دیتا۔
 رضوان میرے پیچھے پیچھے ہی آ رہا تھا مگر مجھے یہ دیر ہو چکی تھی۔
 پاگل اور غمزدہ پھیلوں کا غول منہ کھولے اس پر چھٹ پڑا تھا۔ دیکھتے ہی
 میں نے طاری سے اپنی آہنی ہڈی کا رخ اس پھیل کی طرف کر دیا اور رضوان کے
 بہت قریب پہنچ گئی تھی۔ میں نے تیر کر پھیل کی سلاخوں سے نکال کر لہجی
 دبا دی۔ لہجہ آہنی تیر کر پھیل کے ساتھ غمزدہ کی غمزدہ کی نکلے گا
 انتہائی تیزی سے پانی کو کھانا ہوا حال اور شاکر کے کھلے ہوئے منہ میں
 پیوست ہو گیا۔
 تیر گئے ہی پھیل بڑے زور سے لڑائی میں نے اپنا کھانا ہوائے نیکرنا
 جا اٹھو۔ اپنی کوشش میں پھیلوں کا دھوکا نہیں ہو سکی کہ پانی تیزی سے اس
 کے دھوکے میں پیوست ہو چکا تھا۔ پھیل کے آدھے کھلے منہ سے غمزدہ خون
 بہہ کر تیزی کے ساتھ ارد گرد پھیلنے لگا۔
 اس وقت درہری پھیلوں رضوان پر حملہ کے آسانی اسے اپنی خوراک
 بہا سکی تھی۔ وہ رضوان کے کھلے پھیل پر ٹوٹ پڑا اور اس طرح رضوان
 کو موقع مل گیا کہ وہ بھی تیزی سے اس کو تے چمبے سے باہر آجائے۔
 اگر رضوان اس خطرناک منظر کو دیکھ کر ان کو اس کے کھلے قریب آ

لونی ہوئی لوسی ملاوٹ سے خود کو بچانے کے لئے کڑے بددولت بانی میں جا پڑے۔ جو لکے کے سب سلاخوں کا کھنڈر ٹکڑا لگا کر ہر ایک محتاج کی حق سے غلبہ کیا تھا اور پھر بھی بھولی تو کھلی کھلی میں تبدیل ہو گیا تھا۔ تو کھلیوں سے کھانا شادمانا ملاوٹ میں ہمارے لیے ممکن نہ ہوتا تھا۔ دقت ہمارے جسموں پر نمودار کرنا تھی کہ لباس جسے جو نہ تو ان لوگوں کیلئے سے اچھے اور نہ ہی چھتے۔ مجھے کیوں کی چھین خوش ضرور تھی مگر کوئی غم یا خزاں نہیں ملتی تھی البتہ گزشتی کا احساس انتہائی ناگوار تھا۔ بدولت سے حمار چلنا ہمارا تھا۔

میں نے بڑے بچنے کے لیے گیس ماسک چڑھالیا اور گندے پانی سے بچنے کے لیے منہ میں رومال ٹھوس لپا ہوا اس کے کندھوں پر شفاف شیشے والے گھونگر لگائے۔ روضان نے بھی خود اپنی نظارہ کی تھی۔ وہ باپ، آنا اور آقا کیس اور روضان کیس میں آسانی رکھتے ہوئے آگے بڑھ سکتے تھے۔ ہم اپنے سرورں کو بھی پانی سے باہر رکھ سکتے تھے۔ پانی کا مادیاتی تیز تھا اور ہم ہوا کی خلاف سمت میں جا سکتے تھے۔ پانی ہمارے جسموں سے ٹکرا کر جھینٹے اڑا رہا تھا۔

جب تک ان پٹ کا پہلا موڑ نہیں آگیا مجھے یہ خوف رہا کہ کوئی پانی میں نہیں گرنے والا کہ میں چھین نہ ڈالے لیکن یہ خطرہ پیش نہیں آیا۔ اس کی وجہ غالباً یہی رہی ہوگی کہ ہمارے لیے دشمن نے کوئی اور خطرہ ناک حربہ سوچ رکھا ہوگا جس سے ہمیں براؤڈ مارچ ہونا تھا جس میں ذہنی طور پر ہر موقع خربے سے نمٹنے کے لیے آمادہ تھی۔

مجھے بھی ہم کوڑے کڑے ہیزی مال، دھندلائی یہ دھند میرے اور روضان کے لیے اب کوئی نئی چیز نہیں رہی تھی اور اس حالت میں ہمارے بچے خطرے کا باعث بھی نہیں تھی کیونکہ ہمارے چہروں پر عرصہ کے گیس ماسک چڑھے ہوئے تھے جو ہمیں اس ذہنی گیس سے محفوظ رکھنے کے لیے کافی تھے۔

میں اور روضان آہستہ آہستہ روضی سے آگے بڑھتے رہے کچھ دیر بعد ہیزی مال دھند چھٹ گئی مگر اب ہم پٹ کے اس حصے میں پہنچ گئے تھے جو بڑا تنگ قاریک تھا۔ ہمارے لیے اب بڑا گھمبیرا خطرہ تھا۔ دھند اور ہوا کا ایسے ہمدلی رفتار سے کم ہو گئی تھی۔ خود ہی دھند چھٹ چلی کر شاید پانی اب بھی تنگ ہوتا تھا۔ مجھے ایسا ہی محسوس ہوتا تھا جیسے اس پانی کی بناوٹ خردمی ہو اور ہم غم و غم کے انتہائی نقطہ کی طرف جا رہے ہوں۔ میرا لڑوہ یہ تھا کہ اس پانی میں جہاں تک آگے بڑھا ممکن نہ ہو جانا چاہئے پھر مہارت میں داخل ہونے کا راستہ بنانا چاہئے۔ مجھے بہر حال یہ اندازہ نہیں تھا کہ ہم مہارت کس کس حصے میں نکلیں گے اور وہاں پہنچ کر کس قسم کے خطرات سے نمبر آؤں گے ہر گز کا میرے ایمینان کی اگر کوئی بات تھی تو صرف یہ کہ مجھے امید تھی جو ہر گز کا دماغی تفکا مہارت سے باہر رہی

عمل پر زور ہوگا مہارت کس افلاک انڈازے کے ملایں عمارت پر کھیریں گی کی تکیہ تھی۔ تادیہ خطرات سے نمٹنے کی کہ آسان تھا۔ وہ ہر حال انسان سے کم تر تھا خطرات ترین انسانوں سے نمٹنے کا ہے اور بروئے کار ہوایا جاسکتا تھا۔

کچھ زیادہ ملاحظہ کرنے کے بعد ہم ۲۱ کی صورت آگے بڑھنا ممکن نہیں رہا۔ ہمیں اور جب وہ گنا تو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا کرتے تھے۔ مجھے اب جو کہ کرنا تھا اس کے تھی۔ مجھے اب ڈانٹا مانت استعمال کا خاتمہ نہیں تھی۔ ڈانٹا مانت استعمال کرنے کی کھرب تھا کہ راستہ نکلے کی بجائے اور سرد درجہ ہوا اس کی ہند جگہ میں ہونے والا دھماکا میری کون ہوتا اور ہم مٹھ میں دب جاتے۔ میں ابرا ہی کافی خود روئی تھی مگر مجھے تو بہر حال دل ہی سے جھکا ہوا تھا جو میری مثال کو ٹارگٹ میں لے لے بھی ڈانٹا مانت نکالنے کے لیے تھا کہ ماسک عجیب سی گولڈا مٹھ میں کرکٹ گولڈا سانی سے رہی تھی اور اس میں کچھ بگڑا تھا۔ میں اس گولڈا مٹھ کا مطلب سمجھ گئی اور اس کے جج کر ملاحظہ کیا۔ روضان اپنے چہرے کے گھٹنے ڈھک کر لوہا کرکٹ میں اپنے چہرے کو دھڑکا مٹھ آفت کا انتظار کرنے لگی۔

مہارت آئی اور گزرتی۔ وہ کوئی ہولناکی تھا۔ گھمبیرا قسم کے لباس میں ہوتے تو ہمارے جسم اس کو ٹھوتے جو وہ جانتے مگر ایک باجمہ ہمارے جسموں پر موجود رہتا تھا۔ لباس میں نہیں کیا تھا پھر بھی مجھے چہرے کے گھٹنے سخت مزاح اور غلبہ محسوس ہوتی تھی اور بالائی ہی کیفیت میں اور وہ بالکل ایک جیسے حالات کا شکار تھے۔ میں نے کی تھی کہ میرے چہرے کا کوئی حصہ گولڈا مٹھ میں گولڈا مٹھ میں پہنچ جائے۔ میرے سر اور روضان کے ماتحت بدستہ تھے جنہوں نے نہ صرف ہمارے ماتحت کو بچنے سے پرہیز کیا تھا۔ دوسرے ہمارے چہرے بھی جھلنے سے بچ گئے تھے۔ میرے چہروں سے کوئی ہولناکی براہ راست نہیں ٹکرا سکتا تھا۔

مہارت سے۔ ہمارے سر کا ہم اس کے ساتھ کچھ دھڑکا ہوا ڈانڈا زور دھڑکوں کے بعد تین بار ہم کسی اذیت میں مبتلا نہ ہو سکے۔ ان بچنے کے لیے دہلے دیکھنا پڑا جہاں تک جان نہ کچھ دھڑکا کرنا ضروری سمجھا۔ مجھے خبر آگھر سے مگر اب کچھ نہیں ہوا تو میں نے سے کھلیں روضان میں نے ہی ہم کی شکل ڈانڈا مانت تھا اس لیے میں نے خالی ہوا ہوا پٹ کی کڑی طرح ڈانڈا مانت لگائے۔ یہ میں نے بلاشبہ استعمال کیا تھا تو میں

میں نے مجھے کھنا شروت کیا۔ روضان میرے اونی ملنے تھی میں اس جگہ سے دور ہو گئی پھر

ہم کوڑے دل کے ساتھ ہر ایک کھانے کی طرف دھڑکا ہوا گولڈا مٹھ سے لڑتے نظر کرنا تھا چند دن کو گھمبیرا تھا کہ کچھ دیر بعد ہی میں اور ہمارے آنے والا دھند بھی کھنڈر میں نہ رہا۔ وقت میں زیادہ دقت پیش آئی تھی اور روضان وقت بہتر بن گیا تھا کہ میرا دھند روضان باری باری

میں نے مجھے کچھ کڑوں سے نکلنے کی کوئی بھی خطو ہی خطرے کا سامنا کرنا پڑا تھی۔ دھماکے سے وہ گزرتی تھی میں نے اس میں کچھ سے ہر گز متاثر نہیں ہوا۔

روضان نے مجھے اپنی گزرتی میں لے لیا اور اس سے گزرتے سے گزرتے کے لیے جو توجہ دینی پڑی۔ مجھے یہ یاد آئی کہ میں نے اپنے ہم کرکٹ جھکا دیا اور اپنی گزرتی کی ہو گئی۔ گت کرنا ایک ہولناکی اور سانی دی ہو کر تھی۔

دو چار افراد تھے اور ان چاروں کے اسٹیشن میں خود کار رھیل میں جن کی ہاں میری طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

”اپنے اسٹیشن سے کوئی دھڑکے سے نکل آئے۔ وہ ہم سے بچ کر نہیں جھاگ سکتا۔ ان چاروں میں سے پھر وہی جگہ آواز دلا دھمکے سے طالب ہوا۔

”ہم بھاگنے کے لیے یہاں نہیں آئے ہیں نہ کوئی بچے میں کیا۔ حالات بگڑا ہوا ایک قالیہ سے باہر ہو گئے تھے تین میں سے تین ان میں تھی۔ جو کچھ پیش کرنا تھا وہ میرے اندازوں کے مطابق ہی تھا پھر گھبرانے سے کیا حاصل تھا!

”بالو! میں باہر آ کر ہوں! ذرا سنبھلیں! معاف روضان کی آواز گڑھے کے اندر سے سنائی دی۔ روضان کا جھڑپ کر سکا۔ وہی گارڈز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی تھی مگر وہ میں آئے دے حالات سے بے خبر تھے اور ان کی مسکراہٹ کو بے فہمی ہی سے تعبیر کیا جاسکتا تھا۔ غلطی ان کی بھی نہیں تھی۔ وہ بھولے روضان سے رابطہ ہی کیا تھے جو اس کی بات کا اصل غم سمجھ سکتے۔ ان حالات میں کوئی نام آدمی ہتھیار ڈالنے ہی کا فیصلہ کرنا مگر روضان کا آدمی کب تھا کہ اس کی غلطی کا مگرک ہوتا اس نے لیک ہم اس کی بات کر کر مجھے ہر شے کا اندازہ کر دیا تھا جس کا مطلب میں تو ابھی طرح سمجھتی تھی مگر یہی گارڈز مکمل طور پر دھماکا کئے تھے۔

گڑھے سے اچھل کر جو چیز باہر آئی تھی اسے میں نے فوراً ہی سمجھا لیا تھا مگر کڑی گارڈز سے بھاگنے میں ناکام رہے تھے۔ جب ان میں سے ایک ہو قوف نے جھک کر اس کا ہاتھ دیا تو مجھے اس پر غرور آگیا۔ میں نے اس سے ہڈیوں پر آواز سن کر کہا: ”یہ قیوف اب ڈانڈا مٹھ سے جو کسی بھی لمحے پھٹ سکتا ہے۔

جھلنے والا کڑی گارڈ، میری آواز سن کر ہی جھک کر کڑک گیا پھر وہ جیتھا ہوا پیچھے جھانکا اس کے دوسرے ہاتھ بھی موقع کی نزاکت کا اندازہ لگا چکے تھے۔ ہوا کی طرف ہی صورت میں کچھ دھڑکے ہلے۔ ہلے میں پر لیٹ جاتے۔ اس سلسلے میں میرے سر اوپر سے ہوا میں نے بھولے پٹ کا مظاہرہ کیا۔ میں نے ایمینان سے دور ہٹتے ہوئے معاف جھانک لگائی اور چلا کر روضان سے کہا: ”ٹھیک ہے“

روضان یقیناً میری ہی آواز کا منتظر تھا کہ میرے جب تک میں یہ یقین والی نہ کر لیتی کہ میں ڈانڈا مٹھ سے دور ہوں اور سوچ نہ دیا۔ میری آواز سن کر کسی ان نے سوچی بیلا ہوگا جس میں زمین پر لٹی ہوئی تھی کہ ڈانڈا مٹھ ایک دھماکے سے پھٹ گیا تھا۔ غرض کارہ تھا جہاں ڈانڈا مٹھ سے پھٹا تھا۔ ایک اور گڑھے کی مورت میں بدل گیا تھا۔ دھماکے سے اڑنے والے ٹکڑوں اور پتھروں میں اتنی قوت تھی کہ جس کے لگے تھے اسے بھی

کر گئے تھے۔

زمین سے اٹھنے والوں میں انتہائی تیزی کا ثبوت میں نے ہی دیا تھا کہ میں پہلے ہی اس موقع سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ یہ توبہ نہ ہو سکتی تھی۔ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا اس سے راضی چھیننے میں مجھے کوئی وقت نہیں آتی تھی۔

ایک اور لحاظ سے فہلہ سے کھڑے ہو کر چپ رہا راضی تھا تا جابھی تھی مگر میں نے جیہتی ہوئی راضی کی جلیبی دبا کر اس کی کوشش نہ کرنا بنا دی تھی۔ راضی اس کے ہاتھ سے چوٹ کر زمین پر گر گئی تھی اور وہ اپنے زخمی ہاتھ کو دھرتے ہاتھ سے کھڑے ہوتے زمین پر بیٹھ گیا تھا جہاں جوں بعد ہی اس کے ہاتھ پر زخم دے دے تو مار دھونے لگے۔ گولی نے اس کی کلائی کو شدید زخمی کر دیا تھا۔

”اپنی اپنی انگلیں زمین پر پھینک دو! تمہیں نے انہیں لٹکا کر وہ لحاظ جس کے ہاتھ میں راضی تھی اپنی راضی پھینک کر رکھا تھا اور جوگی، جانفوں میں سے دو جو ڈونڈاٹ کے قریب تھے پہلے ہی زخمی ہو چکے تھے اور کیف سے کرا رہے تھے۔

”سب ٹھیک ہے رفوان! اب ہمارا ڈاؤن میں نے لہذا آواز میں رفوان کو غائب کیا۔

چند لمبے بعد ہی رفوان کے ہاتھ گڑھے سے نکلے دکھائی دیے۔ میں نے اس لحاظ کا اشارہ کیا جو زخمی نہیں تھا۔ اس نے گڑھے کے قریب پہنچ کر رفوان کو سہارا دیا اور گڑھے سے باہر آئے۔ میں مدد دی۔

”اب کیا کرنا ہے؟“ رفوان نے پوچھا۔ میں نے جواب دیا۔

میں نے رفوان کے نال کا کوئی جواب نہیں دیا اور رفوان کی طرف مڑ کر اس لحاظ سے مخاطب ہوئی جس نے رفوان کو گڑھے سے نکلنے میں مدد دی تھی۔ یہ وہی تھا جس کی آواز بھاری تھی اور جو پہلے ہاتھوں کا افسر معلوم ہوا تھا۔ مجھے تاؤ اور سر پڑنے سے کہاں لانا تھا تو ہنسی ہے؟

”وہ کٹر دل آدمی میں میں نے لحاظ سے فوراً جواب دیا۔ میرا ذوق وقت سے بولا۔ اگر اسٹون نے تم سے ملنا چاہا تو ان سے ملنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

اسی لمحے فضا میں ایک بھڑائی ہوئی آواز ابھری۔ ”تم انھیں کھیل دم میں لے آؤ۔“ ڈیوڈن نے کہا۔

دیکھ کر اور دو این کوئی ایک مسکرا کر رہا۔

”مگر کون؟“ ڈیوڈن کی آواز سنائی۔

”میں نے یہ بات جانتی ہوں۔“ ڈیوڈن نے کہا۔

”آپ بہت ڈین ہیں۔“ ڈیوڈن نے کہا۔

”آپ بہت ڈین ہیں۔“ ڈیوڈن نے کہا۔

”آپ بہت ڈین ہیں۔“ ڈیوڈن نے کہا۔

”آپ بہت ڈین ہیں۔“ ڈیوڈن نے کہا۔

”آپ بہت ڈین ہیں۔“ ڈیوڈن نے کہا۔

مگر وہ اسے کب پہنچے اور وہ خود بخود ہوا۔

”میں نے یہ بات جانتی ہوں۔“ ڈیوڈن نے کہا۔

”آپ بہت ڈین ہیں۔“ ڈیوڈن نے کہا۔

”آپ بہت ڈین ہیں۔“ ڈیوڈن نے کہا۔

”آپ بہت ڈین ہیں۔“ ڈیوڈن نے کہا۔

”آپ بہت ڈین ہیں۔“ ڈیوڈن نے کہا۔

”آپ بہت ڈین ہیں۔“ ڈیوڈن نے کہا۔

”آپ بہت ڈین ہیں۔“ ڈیوڈن نے کہا۔

”آپ بہت ڈین ہیں۔“ ڈیوڈن نے کہا۔

”میں نے یہ بات جانتی ہوں۔“ ڈیوڈن نے کہا۔

”آپ بہت ڈین ہیں۔“ ڈیوڈن نے کہا۔

”آپ بہت ڈین ہیں۔“ ڈیوڈن نے کہا۔

”آپ بہت ڈین ہیں۔“ ڈیوڈن نے کہا۔

”آپ بہت ڈین ہیں۔“ ڈیوڈن نے کہا۔

”آپ بہت ڈین ہیں۔“ ڈیوڈن نے کہا۔

”آپ بہت ڈین ہیں۔“ ڈیوڈن نے کہا۔

”آپ بہت ڈین ہیں۔“ ڈیوڈن نے کہا۔

”آپ بہت ڈین ہیں۔“ ڈیوڈن نے کہا۔

ظہور اس لئے کر لیا۔ انھیں شاید یہ نام نہیں کہیں گے کہ اور بھی اختلاف کر گئے ہیں۔ اور کوئی مجھے قتل بھی کر دے تو مجھے وہی دفاعی نظام اس کے ہاتھ نہیں مل سکتا لیکن یہ حقیقت ہے کہ ابھی کچھ دیر پہلے ملک میں اپنے دفاعی نظام سے جس قدر دشمن تھا اب نہیں ہوں۔ تم نے ہاں تک پہنچ کر میرے مفروضات کو شکست دے دی ہے۔ میں تمھاری خوشخبری کو دیکھ کر نالزہ ہو گیا ہوں کہ ایک اعلیٰ تر ذہن انسانی کیا کچھ کر سکتا ہے! میں سمجھ چکا ہوں کہ انسانی ہمت پر فتح نہیں پاسکتی۔ وہ ہر حال دشمن ہے اور انسانی ذہن کی تخلیق ہے اس لیے انسانی ذہن اسے شکست دے سکتا ہے۔

”اگر آپ اس نتیجے تک پہنچ چکے ہیں تو پھر اس نظام کو تیار کیوں نہیں کر دیتے؟“

”یہ میری زندگی کا حاصل ہے۔ اس نظام کو ترتیب دینے کی خاطر میں نے اپنی زندگی کے دہانے کتنے قیمتی روز و شب خرچ کیے ہیں۔ میں نے اس کی تخلیق میں اپنا موصوف کیا ہے۔ میں۔۔۔ میں اسے بھلا اپنے ہاتھوں۔۔۔ جو اپنے ہاتھوں سے کس طرح تیار کر سکتا ہوں؟“

”لیکن انسانیت کی نلاج کے لیے ایسا کار نامہ کر رہے ہیں۔ میں نے جلدی سے کہا کہ اگر یہ نظام کائنات کے ہاتھ لگ گیا تو پھر کے ہودوں پر کے ہوئے مظالم مائید پر جائیں گے۔ جو لوگ ہٹلر سے نکل اٹھا چکے ہیں وہ خود بخود مل جل جائیں گے اور اور ہر چیز مرآت تنگ کر دی گئے۔“

”پھر میری بات سن کر خاموش رہا پھر اس کا منہ کھٹکا جلا گیا۔ کچھ دیر بعد جب اس نے پھر اٹھ کھڑا تو اسے اس کی آنکھوں میں خوشی ہوئی۔ جب وہ بولا تو اس کی آواز میں لرزش تھی۔ تم۔۔۔ تم۔۔۔ میرے جذبات سے نہ گھبراؤ انھیں شاید علم نہ ہو کہ مراد بہت بڑا ہے۔ بہت!“

”برف پڑ رہی تھی اور اسے درج حرارت کی ضرورت تھی۔ یہ عکس کرتے ہی میں پھر جذباتی لہجے میں بول اٹھی۔“ بے پروا ماناں نے ٹھہر کر بے درن لوگوں کا تصور کیسے پھر پڑا۔ اس نے کانٹوں میں پھنسنے کا تصور ہے جو پڑا ہوتے ہی اس کو اپنی ظلم و ستم کے کھیل میں پھنس جاتے ہیں؟ ان بے رحم مخلوقوں کے ہاتھ میں سوچیے جن کی عصمتیں محفوظ نہیں ان محروم اور دن کا خیال کیسے بے زور رہ سکتے پھر سنے ہیں اور اپنی زندگی بچانے کی جدوجہد میں ہموک سے تڑپ تڑپ کر مان دے دیتے ہیں اور ان مانوں کی حالت پر غور کیسے ہیں کے بیٹے۔۔۔“

”چپ ہو جاؤ خاموش ہو جاؤ۔“ پھر پھر پھر پھر پھر۔۔۔ میں اب ایک لفظ بھی نہیں سن سکتا۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے۔

”میں نے تجھ کو اس لئے نہیں آئے تھے۔ اس نہیں تھا کہ میں نے اسے انسانی بہانہ کچھ دے کر خود اس کی شکست دے دے۔“

”اب اس پھر میرے طویل ماسیایا۔“

”سوچ رہا ہوں کہ اس سے اس سلسلے میں بات سے کہ دشمن مجھے کب تک کیلے پھرنے جس منہ سے اٹھا رہا تھا۔“

”تھا کہ یہ تعجب نہیں تو اسے ایک اور دیکھ کر بار بار وہ پوری قوت سے جھٹک رہا تھا۔“

”کیا آپ دفاعی نظام کو ایک ماحول میں چاہتے ہیں؟“

”اب اس نے جواب دیا۔ میں اس دفاعی نظام کی بنیاد ایک کمپیوٹر ہے۔ میں اس میں بنیادی تبدیلیاں کرنا چاہتا ہوں کہ کاموں میں استعمال ہو سکے اور کسی کے

”اب اس کا خیال تھی درست سب غم کی طرف سے۔“

”چند لمحے خاموشی رہی پھر وضو کر کے چپ کرنا غائب کر کے کیا صاف کیسے کا مشہور تھا۔ جب آپ چاروں کیلے کے شریک کا تھے اس کی طرف اور سلائی کا کام کرتے تھے تو یہ ایک کام کا کہہ ہو گئے۔ آپ اس وقت سے دفاعی نظام کی فوج کر رہے تھے پھر آپ ایک دم اس کو خستہ کر دیا۔“

”اب اس نے جواب دیا۔ میں اس دفاعی نظام کی بنیاد ایک کمپیوٹر ہے۔ میں اس میں بنیادی تبدیلیاں کرنا چاہتا ہوں کہ کاموں میں استعمال ہو سکے اور کسی کے

”اب اس کا خیال تھی درست سب غم کی طرف سے۔“

”چند لمحے خاموشی رہی پھر وضو کر کے چپ کرنا غائب کر کے کیا صاف کیسے کا مشہور تھا۔ جب آپ چاروں کیلے کے شریک کا تھے اس کی طرف اور سلائی کا کام کرتے تھے تو یہ ایک کام کا کہہ ہو گئے۔ آپ اس وقت سے دفاعی نظام کی فوج کر رہے تھے پھر آپ ایک دم اس کو خستہ کر دیا۔“

”اب اس کا خیال تھی درست سب غم کی طرف سے۔“

”چند لمحے خاموشی رہی پھر وضو کر کے چپ کرنا غائب کر کے کیا صاف کیسے کا مشہور تھا۔ جب آپ چاروں کیلے کے شریک کا تھے اس کی طرف اور سلائی کا کام کرتے تھے تو یہ ایک کام کا کہہ ہو گئے۔ آپ اس وقت سے دفاعی نظام کی فوج کر رہے تھے پھر آپ ایک دم اس کو خستہ کر دیا۔“

”اب اس کا خیال تھی درست سب غم کی طرف سے۔“

”چند لمحے خاموشی رہی پھر وضو کر کے چپ کرنا غائب کر کے کیا صاف کیسے کا مشہور تھا۔ جب آپ چاروں کیلے کے شریک کا تھے اس کی طرف اور سلائی کا کام کرتے تھے تو یہ ایک کام کا کہہ ہو گئے۔ آپ اس وقت سے دفاعی نظام کی فوج کر رہے تھے پھر آپ ایک دم اس کو خستہ کر دیا۔“

”اب اس کا خیال تھی درست سب غم کی طرف سے۔“

”اب اس کا خیال تھی درست سب غم کی طرف سے۔“

”چند لمحے خاموشی رہی پھر وضو کر کے چپ کرنا غائب کر کے کیا صاف کیسے کا مشہور تھا۔ جب آپ چاروں کیلے کے شریک کا تھے اس کی طرف اور سلائی کا کام کرتے تھے تو یہ ایک کام کا کہہ ہو گئے۔ آپ اس وقت سے دفاعی نظام کی فوج کر رہے تھے پھر آپ ایک دم اس کو خستہ کر دیا۔“

”اب اس کا خیال تھی درست سب غم کی طرف سے۔“

”چند لمحے خاموشی رہی پھر وضو کر کے چپ کرنا غائب کر کے کیا صاف کیسے کا مشہور تھا۔ جب آپ چاروں کیلے کے شریک کا تھے اس کی طرف اور سلائی کا کام کرتے تھے تو یہ ایک کام کا کہہ ہو گئے۔ آپ اس وقت سے دفاعی نظام کی فوج کر رہے تھے پھر آپ ایک دم اس کو خستہ کر دیا۔“

”اب اس کا خیال تھی درست سب غم کی طرف سے۔“

”چند لمحے خاموشی رہی پھر وضو کر کے چپ کرنا غائب کر کے کیا صاف کیسے کا مشہور تھا۔ جب آپ چاروں کیلے کے شریک کا تھے اس کی طرف اور سلائی کا کام کرتے تھے تو یہ ایک کام کا کہہ ہو گئے۔ آپ اس وقت سے دفاعی نظام کی فوج کر رہے تھے پھر آپ ایک دم اس کو خستہ کر دیا۔“

”اب اس کا خیال تھی درست سب غم کی طرف سے۔“

”چند لمحے خاموشی رہی پھر وضو کر کے چپ کرنا غائب کر کے کیا صاف کیسے کا مشہور تھا۔ جب آپ چاروں کیلے کے شریک کا تھے اس کی طرف اور سلائی کا کام کرتے تھے تو یہ ایک کام کا کہہ ہو گئے۔ آپ اس وقت سے دفاعی نظام کی فوج کر رہے تھے پھر آپ ایک دم اس کو خستہ کر دیا۔“

سجل کی جس نے کسی کو لیا میں میں جس نے اسے اپنے اہل
اتر میں اور ادا اور اپنی خطرناک ترین قسم کے باسے میں تفصیل تک
سے گزریا۔

میں نے مارتھا کی باتوں سے اندازہ لگایا کہ جو مجھے پرہیز
دلنے میں نکل ہو رہی ہے وہ دفاعی نظام سے آگاہ نہیں ہیں۔ میں
صرف اپنے گئے بندے فرائض کا علم تھا اور یہ جڑ سے کہن
علاقوں میں ان کا جانا منور ہے! انہیں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ فلائی نڈ
کرنے والے اپنے نقصان کے خورد فائدہ پر دل کرے۔ ان میں صرف
ڈوڈن ایک ایک انصاف تھا جسے دوسروں کی نسبت کچھ زیادہ معلومات
تھیں مگر وہ اپنے بے تعلقت مانتھیں سے بھی بیخود رہی بائیں کرنے
سے گھر کرنا تھا۔ اس سے قطع نظر یہ کہ جڑ سے پرہیز دلے بھی اپنے
معمولات کے عادی پر یکے کے اور اپنے کام سے کام لےنے کی
میں عافیت سمجھتے تھے۔

ان حالات میں چارلس کیل اور بن یعقوب کو ایسی ہونی ہی
چاہیے تھی جب ہیرے کو کسی کو مکمل تفصیلات کا علم ہی نہیں تھا تو
انہیں کسی کا فائدہ لینے ساتھ ساتھ مار کر یا فائدہ ہو سکتا تھا!
مارتا بھی کبھی غفلت جڑ سے کہنے میں صرف خیر فرائض
معلومات حاصل کر سکتی تھی میرے اندازے کے مطابق چارلس کیل
نے مجھے جو حال دی تھی وہ مارتھا ہی کی حاصل کردہ معلومات پر
مشتمل تھی۔

شام کے قریب جب میرے کمرے میں دو چور ٹھیکر کی گئی
تھی تو میں نے سوچا کہ شاید میٹر پر سے بات کرنا چاہتا ہو گا میں نے
بسیور اٹھایا تو دوسری جانب میٹر پر بول رہا تھا مگر اس نے بہت
منہ پرست بلیت کی کہ نہ انداز سے چارلس کیل مجھے گستاخ کرنا چاہتا ہے
”ہیلو“ میں نے لندن سے راجہ قائم ہونے کے بعد کہا۔

”ہیلو“ چارلس کیل کی جانب پہچانی آواز سنانی دی، بارک
جو اس نے وہ کارنامہ انجام دیا ہے جس کے بارے میں سوچا بھی
نہیں جا سکتا تھا“

”جوت نہ بولا“ میں نے فوراً کہا میں تمہارے سوتے کچھ منہ پر
کے تحت مالا آئی ہوں۔ تم پہلے منہ پر سے کیلیاں بولنے والے
پر مجھے کوئی تعجب نہیں کیونکہ بعض اوقات مولیٰ ذہن کے لوگ بھی
اتفاق سے کامیاب ہوجاتے ہیں“

”خیر خیر مزید اس مہم میں ہی“ چارلس کیل خشک بولے بولا۔
”تم اب تک جان پچی ہوگی کہ تمہاری بہن رضیہ ایٹال نے پرہیز ہے
میں اس سلسلے میں تمہیں مدد فرما رہی ہوں۔ دوسروں میں یہ دھوکا دینے
بغیر نہیں ایٹال کوئی تئیر پر زیادہ نہیں کر سکتا تھا۔ یہ ضروری تھا کہ

ایٹال کو یہ قدم چھانے کی کوئی راہ مل
”خیر اور یہ نظر رکھ کر تم سے وہ راہ
”ہاں! مجھے معلوم ہے کہ تم وہاں
ابھی جو تک میں پہنچیں مگر ان کے لیے مجھے
پہلے گاہیں ایک خاص رپورٹ کا منتظر
”تمہیں ملاؤ گی ہوگی یہ رپورٹ ہر سہ ماہی
ایٹال کچھ زیادہ تفصیلی رپورٹ دینی چاہیے
نہیں بتایا“

”کیسا ایٹال؟“ چارلس کیل کے لیے
بات پر دوڑنا تھا میں نے اس کی آواز میں
طور پر محسوس کی تھی۔ وہ اپنی بات جاری کے
میں بولا تھا کہ یہ ہوم کے ناما کرتی ہیں ہر
ہر طرف میرے ایٹال نے غرائز کی گئی“

”خیر یہ بتاؤ کہ میری بہن کا کیا حال ہے
دیا ہے کیا اب تم رضیہ کو نہیں چھوڑنے والے“

”تم نے ابھی میری کوئی کام نہیں کیا“ چارلس
کہا ”تم اگر رضیہ کی خیریت جانیں تو تو یہ کہو آؤ،
نظام کا سہارا کرے۔ اگر تم نے اسے آواز نہ کرنا
کو آواز کر دوں گا کہ تم لوگوں کے منہ سے نہ پڑے
”واقعہ“ میں نے جھپٹتے ہوئے بولے کہ
مجھے کچھ مصلحت دو! مجھے یقین ہے کہ میں میٹر کا فائدہ
لوں گی یہ کہہ کر میں نے میٹر کو بھڑکائی اور
میں بچانے کے بعد تمہیں پیش کر دوں گی“

چند دنوں میں چارلس کیل کی طرف سے
مجھے دینے پر غور کر رہا تھا مگر اس کی خشک آواز
بھجوا کر رضیہ میرے رحم کو کم کرے۔ اگر تم نے کوئی
تو تمہیں پھینکا جائے گا۔ تم رضیہ یہ نہیں چاہو گی کہ تم
کی نیند سلا دیا جائے“

”مجھے دیکھو کہ تم کا مقصد حاصل نہ کر سکے
پھر سکون لیے گی کیا سنو! مجھے رضیہ کی اب کوئی فکر
وقت تک مگر نہ تھی جب تک میں نے اسے خود
دیکھا تھا“

”تو پھر جان تھیں پر کہہ کر ایٹال کو کیوں گئی تھیں
”پہلے میری ملاقات ضروری تھی“
چارلس کیل رضیہ کی بات میں سمجھ رہا تھا اس
تھا۔ وہ جب دوبار بولا تو اس کے ہونے سے ابھن کا

پہنچا تھا؟
”میں نے ابھی یہ رپورٹ چارلس کیل کی تمہاری
”ذہنی بات نہ کہتے۔ رضیہ مضبوطی کا
میں سوچ کر کھل کر کہتی ہوں، وہ میرے
دن پر رون کر کے تو دیکھو کہ وہ ابھی تک
صحت ہو گئی“

”میں نے اس بات پر غور کیا۔ اس کے فوراً بعد ہی
لاہور میں کھٹکوں کے ساتھ اسے بازو کرنے
لے گیا۔ اس کے حسن و چمک میں دیکھا بلکہ وہاں
ماں ہے“

”میں نے اپنی بہن کے بارے میں غلط نہیں کہا۔
اسی ہے وہ اب میں چارلس کیل نے اسے
دیا ہے وہ مجھے بولیں زیادہ ذہین معلوم

”میں نے ابھی میری کوئی کام نہیں کیا“ چارلس
کہا ”تم اگر رضیہ کی خیریت جانیں تو تو یہ کہو آؤ،
نظام کا سہارا کرے۔ اگر تم نے اسے آواز نہ کرنا
کو آواز کر دوں گا کہ تم لوگوں کے منہ سے نہ پڑے
”واقعہ“ میں نے جھپٹتے ہوئے بولے کہ
مجھے کچھ مصلحت دو! مجھے یقین ہے کہ میں میٹر کا فائدہ
لوں گی یہ کہہ کر میں نے میٹر کو بھڑکائی اور
میں بچانے کے بعد تمہیں پیش کر دوں گی“

چند دنوں میں چارلس کیل کی طرف سے
مجھے دینے پر غور کر رہا تھا مگر اس کی خشک آواز
بھجوا کر رضیہ میرے رحم کو کم کرے۔ اگر تم نے کوئی
تو تمہیں پھینکا جائے گا۔ تم رضیہ یہ نہیں چاہو گی کہ تم
کی نیند سلا دیا جائے“

”مجھے دیکھو کہ تم کا مقصد حاصل نہ کر سکے
پھر سکون لیے گی کیا سنو! مجھے رضیہ کی اب کوئی فکر
وقت تک مگر نہ تھی جب تک میں نے اسے خود
دیکھا تھا“

”تو پھر جان تھیں پر کہہ کر ایٹال کو کیوں گئی تھیں
”پہلے میری ملاقات ضروری تھی“
چارلس کیل رضیہ کی بات میں سمجھ رہا تھا اس
تھا۔ وہ جب دوبار بولا تو اس کے ہونے سے ابھن کا

”میں نے ابھی یہ رپورٹ چارلس کیل کی تمہاری
”ذہنی بات نہ کہتے۔ رضیہ مضبوطی کا
میں سوچ کر کھل کر کہتی ہوں، وہ میرے
دن پر رون کر کے تو دیکھو کہ وہ ابھی تک
صحت ہو گئی“

خیال لکھا تھا کہ میرے سے وہاں کا ہر ایک
بھی نہ ہو سکے۔ ڈوڈن مجھ سے بہت قریب ہے مجھے بھی نہیں
مکمل معلومات فراہم نہیں کیں۔ مارتھا کی معلومات تو سب سے کم تھیں
کیونکہ ڈوڈن کے سبب دفاعی نظام سے اس کا کوئی تعلق نہیں
تھا، چارلس نے تفصیلی جواب دیا۔

پہلے ان معلومات کی تصدیق کر دی تھی جو کہ نے اتوں باتوں
میں لکھا تھا حاصل کی تھیں۔ میں نے میٹر کے خاموش ہونے ہی اپنا
خیال ظاہر کرنا چاہا۔ مارتھا نے اس پر چارلس کیل کو میرے زیرِ باب
سفر کے بارے میں بتا کر ہی ہوگی!“

پہلے مجھے غور سے دیکھا، پھر بولا ”ہاں! اسی کے یہ معلوم کرنا
چاہتا تھا کہ میں زیرِ باب سفر کے دوران میں کن خطرات کا سامنا
کرنا پڑا!“

”میرے خیال میں ڈوڈن پر چارلس کیل کو ڈوڈن چھوڑ دیتے ہوئے
مارتا کا پھڑکا جانا کوئی اتفاق نہیں رہا ہو گا میں نے مسکرا کر کہا۔
”کیا آپ نے اس سلسلے میں کبھی غور سے دیکھا ہے؟“

چند لمحوں کے لیے میٹر کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آئے
پھر بولا ”تمہاری ذہانت اور تیزی میرے لیے مستقل طور پر حیرت کا سبب
ہی ہوئی ہے۔ تمہارے قیامات بڑی حد تک درست ثابت ہوتے ہیں۔
تم نے اس وقت بھی بالکل درست اندازہ لگایا ہے۔ تمہاری اور
چارلس کیل کی باتیں میں نے قیاس کیا تھا کہ کوئی یہاں سے رپورٹ
نے گا اور وہ رپورٹ ڈوڈن پر چارلس کیل کی تھی۔ میں نے اس
لیے کبھی غور سے اندازہ قائم کر کے نہ دیا کہ اگر چارلس میرے سے کوئی
ڈوڈن پر چارلس کیل کیل کے دفتر میں دانی گفتگو کی فیکٹس ایک
اسکرین پر ظاہر ہو جائے جب یہ فیکٹس اسکرین پر ظاہر ہوتی تو میں نے
ایک سینیٹرک ریٹ کو ٹون کر لیا۔ اس کے بعد بس چند لمحوں ہی کی
ظاہر ہو گیا کہ کون بول رہا تھا اور کیا بات کر رہا تھا!“

”ابھی کے بعد آپ نے ڈوڈن کو مارتھا کی طرف بھیجا اور اس
نے مارتھا کو کچھ باتوں پر پکڑا، بہت خوب“ رضوان نے
تعریفی انداز میں کہا۔

”میں جس کرے میں کہا تھا کہ اسے تھے، وہاں کسی کے سامنے ایک
تصویر بنی ہوئی تھی۔ اس عمارت میں مجھے وہ واحد تصویر نظر آئی تھی وہ
ڈوڈن کے لیے ہر جگہ اعلیٰ درجے کی پیشگوئی ہی استعمال کی گئی تھیں
وہ تصویر ایک نوجوان کی تھی جس کے خدوخال بڑی حد تک
پہلے سے ملتے تھے۔ میں نے تصویر کو دیکھ کر میٹر کے چہرے کا جائزہ لیا
میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ میٹر رضوان سے کچھ کہنے ہی دلا تھا کہ
میں بول تھی“ میٹر بولا ”کیا آپ کے بیٹے کی تصویر ہے؟“

تبت نے جو یادگار قائم کی تھی وہ اب جہان چھو چکی ہے پیڑ

لیا اور اُنکی جزیے میں قید ہو گیا۔ چار سال کیلئے۔ لیکن حق کی کوئیکر اسلام کی تجارت اُنہی نے شروع کی تھی نافع دیکھ کر خاموش ہو گیا تھا۔ لایع نے اُنکی آنکھیں کھلیں اور اُسے تھے ہزاروں لاکھوں افراد اُنکی گرفتار ہو کر رہ گئے۔

عبداللہؑ نے اپنے اہل بیتؑ کو دعا کی کہ:

اے اللہ! میری اہلی و عیال کو ایسا ہی بنا کہ جس طرح میں نے اپنے رب سے دعا کی ہے، اسی طرح وہ بھی اپنے رب سے دعا کریں۔

”سنو! اسی کے اردین یعقوب کے آدمی جزیہ سے عی داخل ہو چکے

میں سے دو دینا انھوں سے جو اب اس کے لئے پڑے تھے
 جسے ایک نیک کردار کیا۔

ساتھ دلی دیوار پر ایک اسکرین روشن ہو گیا۔ یہ جزیرے کی
 مثالی سمت میں مہادی سلے کا منظر تھا۔ فضا میں متعدد گلابیڈر لہرا
 رہے تھے۔ چترنے مزید مہینے دبانے۔ اسی کے ساتھ دو تین اسکرین
 اور روشن ہو گئے۔ ایک اسکرین پر وہ چٹان نظر آ رہی تھی جس پر برقی
 تاروں کا جال بچا ہوا تھا۔ ایک گلابیڈر اسی چٹان کی طرف بڑھ رہا
 تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے گلابیڈر پر اس شخص نے اس چٹان پر پاؤں
 ٹپکانے بہت لمبے جھروکے اس شخص کے پاؤں چٹان پر نظر آئے، اور پھر
 دوسرے ہی لمحے وہ غیر فطری انداز میں اچھلا چھوٹا میڈریت پگھلا
 چھوٹا چلا گیا۔

”اب ہم کسی حملہ آور دلی کا ہر چکاسے، پیڑ کی آواز اُبھری
 معزودہ تعداد بہت ہیں۔ ان میں سے کچھ کچھ یقیناً جھیل تک
 پہنچنے کی کھلیا ہو جائی گے۔“
 ”اور کون کونسا شاکر کھیلنا ہے؟“
 ”صرف ڈیڑھ چار چار کا سامنا کرنا ہے۔“
 ”تین اسکرین پر برقی تاروں کی لکڑی لگائی گئی ہے۔ وہ
 وہ جو پورے چھوٹے کی تیاروں میں معروف ہیں اس لیے حملہ آوروں کو
 روکنے کے لیے لایچ نہیں جائے گی۔ بل شاکر کھیلنا واپس نہیں
 طالب میں جا چکی ہیں جہاں سے وہ مناسب وقت پر باہر لائی جا
 سکتی ہیں۔“

”میں نے اپنی قبر سے کی راہ میں جو رکاوٹ کھڑی کر دی تھی
 کیا وہ دُور کر دی گئی؟“ میں نے پوچھا۔
 ”ہاں رات ہی کو جھیل صاف کر دی گئی تھی اور پھر سے کا جو
 حصہ تم نے ڈال دیا تھا اسے بھی دوبارہ درست کیا جا چکا ہے۔“
 نے بتایا۔

”اُسی وقت میری نگاہیں اسکرین پر پڑی جو ہمارے
 کا منظر پیش کر رہا تھا۔ میں نے ایک گلابیڈر کو اس چٹان کی طرف بڑھتے
 دیکھا تھا جس پر برقی تار چلے ہوئے تھے۔ گلابیڈر پر اس شخص نے
 بھی غالباً اتارنے کے لیے کسی چٹان کو مقب کیا تھا جو کچھ وہ پہلوئوں
 سے قریب ہوتا جا رہا تھا۔ اس گلابیڈر کو کنٹرول کرنے والے نے
 میں اس وقت اپنے دونوں پاؤں سکڑ لیے جب اس کے پاؤں چٹان کو
 چھونے والے تھے۔ وہ بائیں وضوں کی طرح بال بال جاتا تھا اور اس
 وقت مجھے اس کی ایک جھلک نظر آ رہی تھی مگر اس کے باوجود بھی میں
 یقین سے نہیں کر سکتی تھی کہ وہ بن یعقوب ہی تھا۔
 ”بن یعقوب خود اسی میں شریک ہے۔“ میں نے اعلان کیا۔

”اُسے ایک نظر دیکھنے کی ترغیب
 اُس کا بہت ڈر تھا۔“ میں نے غیب
 نے غلبہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔
 دیکھو جس کی خاطر یہ سارا ہنگامہ ہو رہا ہے
 میں نے کن انھوں سے ارتقا کیا،
 سے میڑ کی بات سن کر ہی میرے خیال میں
 نظر انداز نہیں کرنی چاہیے تھی کیونکہ اب یہ
 دشمن کی آلا کا ہے۔ یہ سب کریں گے۔
 کیا معزودہ یا تو میرے شانے کو سمجھیں یا لا
 پیڑنے اس کی امتداد کی دیکھتے ہوئے
 سے چھٹی ڈیوار میں ایک غلابیڈر ہوا گا اور
 جس کے فضول کی خاطر متعدد افراد اپنی زندگی
 میں نہیں باقی دوڑ چکا اور لیں۔“

میں نے پھر کچھ کرنا چاہا مگر میرے ہاتھ
 رہی۔ وضوں نے بھی غالباً صورت حال کا اندازہ
 بھی کچھ کئے کے لیے بے یقین نظر آ رہا تھا کہ میں
 دیا اور وہ اپنا اشارہ کچھ خاموش رہا۔ مگر میں
 ارتقا کی موجودگی کا احساس تھا۔ اس کے باوجود بھی
 نے غیر غلطی نہ کرتے ہوئے اشارہ کر رہا تھا تو اس کا کوئی
 معاذ پیرنے اس کی بات دیا اور میں نے
 میں واقعی ایک غلابیڈر ہوا تھا۔ میں اس کی طرف
 تھی کہ دوسرے ہی لمحے اس نے خالص ایک تھوڑا سا
 ہوا باہر نکال دیا۔ اس شخص پر شیشے کے گیس میں غمناک
 پلندہ رکھا ہوا تھا۔

”میں نے دفاعی نظام کی تفصیلات معزودہ
 ارتقا کیا تھا۔“ میں نے کہا۔ میرا خیال تھا کہ یہ انتظام
 ہوگا۔ لیکن میرا یقین متزلزل ہو چکا ہے۔ اب ان
 مخالفت کو مٹانا پڑا۔ یہ کہہ کر پیرنے پھر میں دبا دیا۔
 تختہ میں بیٹے میں دوبارہ غلابیڈر چلا گیا۔ پھر وہ
 برابر ہو گیا۔ اب اس دیوار کو دیکھ کر کوئی نہیں کر سکتا
 کوئی غلابیڈر اور اس خلا میں کسی چیز کو کنٹرول کیا گیا ہے۔
 کا وہ مل جانے کے لیے اس کی طرف دیکھا۔ وہ بھی پہلی
 سے سب کچھ دیکھ رہی تھی اور مضطرب نظر آنے لگی تھی۔
 پیڑنے ایک اور مہین دیا۔ اسی کے ساتھ ایک
 گنا جس کی آواز پہلے ساؤن سے بھی تر تھی۔
 ”میرے دوست! اب تم بھی جاؤ۔“ معاذ پیرنے

مناظر ہوا تھا اسے ساتھ میں دوسرے
 کر لایا۔ میں نے اپنے پاس گئے۔ پندرہ منٹ کے
 اندر کے لیے رفاہ ہوا۔
 اس دن کو ڈیڑھ منٹ کے چہرے پر جھجک کے آثار
 شاید پھر اس حالت میں چھوڑ کر نہیں جانا

بعد پھر ارتقا سے مخاطب ہوا۔ ڈاکٹر کا
 کی کوئی آواز ہے؟ جو صبح صبح بتانا بغیر کسی جھجک
 کے! میں ہلکتے سننے کے لیے آواز دہرائی
 یہ غلابیڈر انداز میں میری اور وضوں کی جانب دیکھا
 انداز میں سر ہلاتی ہوئی بولی۔ ”مجھے انھوں سے مشر

ت نہیں ڈاکٹر،“ پیڑنے کی بات کاٹ کر بولا۔ میں پہلے
 سننے کے لیے تیار تھا۔ اب کوئی بھی سانس آخری ثابت
 اس لیے دیر نہ کرو۔ دیکھو کسی کے اور بن یعقوب کے
 ہاں پہنچے ہیں۔ ان کے پاس آبی ندیں بھی ہیں
 ان میں سے چند یقیناً شاکر کھیلوں سے پہنچیں
 میں ہے دیر نہ جائے۔ جاؤ ڈاکٹر! تم بھی جلدی سے لاپٹ
 اور کچھ مسزاسمتہ کا خیال رکھنا! کہیں وہ میری محبت میں
 ہی پڑ نہ جائے! اس صورت میں میری بہت خدمت
 صرف اُسی نے کیا تم سب نے میری خدمت کی ہے۔ تم
 لیے ترسے ہو! مگر میں بھی تم سے کچھ کر رہا ہوں۔
 مجھے جو کچھ ہو سکا ہے میں پہنچ رہی ہے۔ اس لیے
 لایا۔“ پیڑنے آواز دہرائی جو میری جہاز تھی۔
 ”میں نے جانے سے قبل مجھے اور وضوں کو رسالہ نگاہ

جایا۔
 اس کی بھی کچھ دیر میرے پاس رہیں گے۔ تم ڈاکٹر کو اپنے
 دیا جاؤ۔“ پیڑنے آخری حکم دیا۔
 ”میں نے ارتقا کی طرف دیکھا۔ ارتقا شاید وہاں نہیں کرنا
 فہم نہیں میری اور وضوں کی چھتیں ہوئی نظروں نے اُسے جانے
 کر دیا۔

”میں نے ارتقا کو لے کر کنٹرول روم سے نکل گیا۔ کچھ دیر بعد
 وہاں ایک اسکرین پر نظر آئے۔ وہ اوپر والی راہداری
 کے جڑے تھے۔ ڈیڑھ منٹ کے آخری گھنٹے اور ارتقا بھی مل
 گیا۔ راہداری کے انتظام میں ہم ارتقا، ڈیڑھ منٹ کے بعد بھی چھتیں
 ہا پھر مسائیں نے ایک دروازے کا رخ کیا اور ڈیڑھ منٹ راہداری

سے نکل گیا۔ چند لمحوں بعد ہی ڈیڑھ منٹ پھر راہداری میں نظر آنا اور
 غالباً ارتقا کو تلاش کرنے لگا۔ جب اس نے ارتقا کو ریکارڈ شروع
 کیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ارتقا کی تلاش میں تھا۔ مجھے ڈیڑھ منٹ کی
 آواز واضح طور پر سنائی دے رہی تھی۔

پیڑنے پر ٹوٹ کر پڑ گئے۔ ارتقا کو خاموش رہنے
 کا اشارہ کیا۔ پھر ایک سوچ میں آئے۔ میں نے بولا۔ ڈیڑھ منٹ کی آواز
 نہ ہو! تم چلے جاؤ۔ جلدی کرو! تمہارا آخری ساتھی بھی لاپٹ میں سو
 ہو چکا ہے۔ یہ اعلان ہو کر تھا۔ اس ساتھی میں بھی چھوڑ کر چلے جائیں
 ڈیڑھ منٹ کے یقیناً پیڑ کی آواز سن کر ہوگی کہ وہ پہلے ایک
 لمحے کو کھٹکا تھا۔ پھر وہ دوبارہ راہداری سے نکل گیا تھا۔

ایک اسکرین پر وہ لاپٹ بھی نظر آ رہی تھی جس میں جزیرے
 باسی رات ہونے والے تھے۔ بہت مسکری رہی تھی۔ پہلی اسکرین اور
 جہازوں کا منظر آ رہا تھا۔ معاذ ڈیڑھ منٹ کسی طرف سے جگا ہوا تھا اور
 لاپٹ پر سوار ہو گیا۔ لاپٹ پر سوار ایک شخص نے نظر اٹھا دیا۔ پھر
 اور شخص نے گودی سے بندھی ہوئی رسی کو مل دی اور پھر لاپٹ
 رات ہو گئی۔

”خدا حافظ میرے ساتھیو! پیڑنے صرست بھرے لیے ہیں
 اور انھیں بند کر رہی ہیں۔“

ایک اسکرین پر بن یعقوب اور اس کے ساتھی جھیل میں تیرے
 پر نظر آئے تھے۔ دُور دُور اسکرین ان کی نقل و حرکت کو
 طور پر پیش کر رہے تھے۔ ان کے جسموں پر پیلے ہی لباس تھے۔ یہ
 میں نے اور وضوں نے استعمال کیے تھے۔ میں نے انھیں گنا
 کی تعداد و سات تھی۔ ایک اسکرین سے آؤٹ ہو کر وہ دوسرے سے
 پر نظر آئے تھے۔

راہداری میں ارتقا دوبارہ نظر آئی۔ میں اس اسکرین کا
 متوجہ ہو گئی جس پر راہداری کا منظر نظر آ رہا تھا۔ ارتقا دُور
 راہداری کے آخری سرے تک گئی اور اسکرین سے آؤٹ ہو کر
 اُسی وقت پیڑنے انھیں کھول کر ملے۔ موجودہ
 اسکرین دیکھے پھر ایک اور سب آ کر دیا۔ آخری اسکرین میں
 چر گیا۔ اس دشمن اسکرین پر ارتقا نظر آئی جو اس گڑھے کے قریب
 ہوئی تھی جس کے ذریعے میں اور وضوں راہداری تک پہنچتے
 ”ارتقا کو میں نے جان بوجھ کر کھیل دیوار کا خلا دکھا دیا تھا۔“
 سے مخاطب ہوا۔ ”میں نے کہ بن یعقوب کے خیال پر
 میں کم تر دو دن، پھر یہ سب کچھ چل کاؤں رہ جائے اور میں
 کسی کے ذمے سے شاید اس نظام کی نقل و حرکت کر لے جو جزیرے
 قائم ہے۔ اس کے لیے کائنات قطعی معزودہ میں اس کا غنا

اس مسئلے میں مدد کا ضرور ثابت ہوں گے مگر ازل کی موجودگی میں ان کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔
 دیکھا اس ناول کو تباہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے؟ میں نے سوال کیا۔

”میں نہیں!“ پیٹر نے جواب دیا میں نے مارٹھا کے ذہن کی کتاب کا اندوہ بہت کیا ہے۔ چند لمحے توقف کے بعد وہ پھر بولا اگر کاغذات کے پتے کے کٹاؤں کی جگہ سے اٹھایا جائے تو ایک برس کا لامل میں آجائے گا۔ یہ کنٹرول دم آجی ویا دل سے بنا ہوا ہے اور ایسی مضبوط ویا دل سے بنا ہوا ہے کہ کالی قوت کے ہم بھی ان ویا دل کو ڈانڈا سکیں۔ اسلام کے آن جوتے ہی کنٹرول دم کا آجی دروازہ بند ہو جائے گا۔ اس میں محض چند لمحے لگیں گے۔ کاغذات پھرنے والے کو یہاں سے نکلنے کا موقع نہیں مل سکے گا۔ اس کے بعد یہ آجی دروازہ کسی ضرورت میں نکل سکے گا۔ یہ کنٹرول دم کاغذات حاصل کرنے والے کا مقبرہ ہی ثابت ہو گا۔“

”لیکن مائل تو اس کے باوجود محفوظ ہی ہے گا۔ اگر بن یعقوب راجی گنا تو کوئی اور اس کی جگہ لے لے گا جس سے چارلس کیسیل مراد کر لے گا۔“ میں نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔
 ”نہیں!“ پیٹر نے جواب دیا۔ ”اسلام کے ساتھ ہی پیٹر کاؤنٹ ڈاؤن شروع کرنے کا۔ پندرہ منٹ کے بعد ہی پیٹر کی موت پوری ہو جائے گی اور اس کا تجزیہ عمل شروع ہو جائے گا۔ اس کے فوراً بعد ہی جزیس پر جتنا کولہ باز وجود ہے اٹھ جائے گا کیونکہ وہ ایک تجزیہ کی ضرورت میں ہے۔ آخری دھماکا پھیل کر نیکو کے پیچھے گا جس کی راہ سے پھیل میں سمجھتی پانی بھر گئے تھے گا۔ فوراً شاید نہیں خراب ہوتا۔ آہستہ آہستہ پورا مائل تو مندر کی تہ میں بچھ جائے گا۔“

”اگر کاغذات حاصل کرنے کی کوشش نہ کی گئی تو؟“ میں نے اس سوال کیا۔
 ”تو جزیس کچھ دیر ہی رہ جائے گا پیٹر نے کہا۔ مجھ میں اتنی بہت کم نہیں کہ آٹھ گرام ان کر سکیں۔ یہ کہہ کر پیٹر نے مجھے غور سے دیکھا۔
 ”یہ مائل کو تم یقین کرو مارٹھا یہاں ایسی ہے تو کی ہے کہ بن یعقوب ان کاغذات کے بارے میں بتا سکے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ جو تو کاغذات کی اہمیت کے بارے میں جان کر انھیں حاصل کرنے کے لیے بے چین ہو جائیں گے اور کہیں سوئیں گے۔“

پیٹر بن یعقوب کو جوتوں کھرا تھا۔ شاید اس کا سبب یہ ہو کہ وہ بن یعقوب سے واقف نہیں تھا لیکن اس کے لیے تیار نہیں لی طرح واقف تھی اس لیے اسے جوتوں ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ یہ دوست تھا کہ ان حالات میں اگر بن یعقوب کی جگہ میں بھی

ہوئی تو شاید کامیابی کے لئے میں اشتباہ کو ان کاغذات حاصل کرنے کی غلطی مجھے سے مراد نہ تھا کہ بن یعقوب مجھ سے بھی زیادہ ذہین ثابت ہو گا۔

”جی ہاں۔“
 پیٹر نے مجھے تشویش آمیز نگاہ سے دیکھا۔ مائل سے میری فکر مندی کا اندازہ لگا دیکھا تھا مگر اس کو مخاطب کیا تو ان کو لے کر یہاں سے فوراً نکل گیا۔ یہاں موجود وہی شاید کیسیل لگاؤ تھا۔ میرا ذاتی پیلر ایک حصے میں موجود ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ وہاں اپنے ہینڈل کے ساتھ گا جس راہ راہی سے تم لوگ پہنچے ہو تھے۔ اس کی سرسے پر ایک دروازہ ہے۔ اس پر تم غارت کے باہر چلے جاؤ گے۔ غارت سے باہر کو نظر اٹھاؤ گے۔ جلدی کرو۔ دیکھو وہ شاہکار کچے ہیں۔ اب انھیں یہاں تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں ہو گی۔ یہ بات تمہیں کہہ کر میں نے ویا دل کی طرف اشارہ کیا۔
 ”میں یقیناً اس میں اسکرین روشن تھے۔ ان میں سے ایک اسکرین پھیلان آجی پتھر سے میں بند پتھر کی ہوئی دکھائی دے گی۔ اس کے علاوہ اس پتھر سے میں بن یعقوب کے ساتھ ہی تھے جو پھیلان کا نشانہ ہو رہے تھے۔ مجھے چند شاہکار تیروں میں بھی پوسٹ نظر آئیں جو یقیناً بن یعقوب کا ہوا۔“

پیٹر نے کسی سوچ کو حرکت دی اور اس کے ماہ گیا۔ ”یہاں پیدائشی جسم تیزی سے گندے پانی کے ٹپے کی طرح نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے ایک پر مجھے اپنا شبہہ ہو گیا لیکن اس نے اچھی طرح نہیں دیکھ کر تھی اس سے نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ بن یعقوب ہی تھا۔“

”جاؤ!“ معا پیٹر کی ضرور آواز بلند ہوئی۔ ”میری آواز! تو ادم لوگ یہاں سے فوراً چلے جاؤ! اگر تمہیں دیر ہو گئی تو گزر جائے گا، وقت گزر رہا ہے۔۔۔ وقت گزر جائے گا۔ کی آواز زخمی ہو گئی اور وہ جڑوں سے اٹھ کر بن یعقوب کے سر سے رونان نے اجازت طلب کیا۔ اسے میری جانب اشارہ کیا۔
 ”خدا حافظ!“ پیٹر نے انھیں کھولے بغیر مستحکم کر دیا۔
 ”خدا حافظ!“ پیٹر نے اس کے چہرے پر ابھرتے ہوئے خوشی کا ثبوت دیکھ لیا۔

”ادم بڑھانے اور پھر آخری مرتبہ اسے پلٹ کر بنو ان کے ہمراہ تیزی کے ساتھ کنٹرول دم

”ہ؟“ میں نے باہر گئے ہی رونان کو مخاطب کیا۔
 ”جو غار میں رہا بولا۔“ مجھے یقین ہے کہ میرا کالیناں ہمہ معراں کے باوجود دل مطمئن نہیں ہے۔“
 ”ہ؟“ میں نے کہا۔ ”یہاں میرا کالیناں بن یعقوب میرا پالاک ہوئے گا کہ تمام افراد کو جزیس سے قبول رخصت کرنے اس معاملے میں کوئی نیکوئی صحت ضرور اثر پڑے گی تو کیا تو اسے یہاں پیٹر کے علاوہ صرف مارٹھا ہی ڈال دے گی؟“
 ”میری بات سن کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ بھی مجھے

”خیر ان اگر ہم بھی اسے یہاں نظر آئیں تو کیا اسے کسی عالمی شہرہ برکے گا؟“ میں نے بات آگے بڑھائی۔
 ”انہیں چمک اٹھیں۔ وہ فوراً بولا۔“ یقیناً اس نے کوئی شبہہ نہیں ہو گا۔ یہیں یہاں تک کہ اس کا انتظار

رونان کے معاملے کا اعتراف کرنا پڑا۔ وہ سب کہہ جاتے تھے۔ کاغذات کو لے کر تیار ہو گیا تھا۔ اس نے اپنا جھبکا۔
 ”میں اس کی سلامتی کو تو نظر رکھتے ہوئے کہنے سے انکار کرتا ہوں۔“
 ”لے لے نہیں سوچا رونان کہ اس طرح خود ہماری زندگی خطرے میں ہے۔“ میں مسکرا کر بولی۔

”ہم ہم کو ان سے پھولوں کی تیج پر سوتے رہے ہیں!“ اس جواب دیا۔
 ”میرا خیال ہے کہ اسے پہنچنے کے بہت امکان ہیں۔ لہذا وہ شاید یہاں جا رہا ہوں گے۔ ان میں سے ایک کو لڑائی کے لیے یہاں تک جاؤں گے باقی اندھے جانیں سب کچھ اٹانے کے مطابق جوتاؤں میں صرف اتنی سے جاؤں گے اس طرح جاؤں گے۔“
 ”میں اسے یقیناً چمک جائیوں گے جب کنٹرول دم کا دروازہ بند ہوتے دیکھیں گے۔ اس وقت انھیں چھاپ لینا چاہیے۔ اس کام میں ہو گا۔“ رونان نے گامیامیری بات پوری کر لی۔
 ”میں یہ خیال تھا۔“
 ”رونان اس طرح پیش نہیں کرتے جس طرح ہم نے سرچے

تھے۔ ہم وہاں نہ کہنے کی بجائے کچھ دیر کے لیے وہاں سے ہٹ گئے اور ایسا کہنا چاہیے ہے ناگزیر تھا۔ اسے پاس صرف چند منٹ تھے اس دوران میں ہم نے یہ ضروری سمجھا کہ میں کو کچھ کا ہاتھ نہ لائیں جس کے ذریعہ ہم وہاں سے فرار ہونا تھا کہ میں وقت پر نہیں کرنا مشکل پیش آئے۔ فرار ہونے وقت ایک ایک موقع پر ہوتا۔ اگر اگر وقت ہم پہلی کر شیک ہونے کے لیے راستہ تلاش کرتے ہوئے ہو چکا جاتے تو ہماری زندگی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ کیا خبر پیٹر نے کمال کمال کر دیا وہ چھاپا تھا جو اسلام سمجھتے ہی ہٹ جاتا۔

”پیٹر نے جاسید حال راستہ بتایا تھا۔ میں رونان کے ہمراہ دوسری راہداری کے آخری دروازے کو عبور کر کے باہر پہنچی تو سامنے ہی پہلی تھا جہاں ایک پہل کو پھر کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اس کا دروازہ بھی کھلوا دیا تھا۔ وہ طرح طرح کی آٹانوں کے لیے تیار تھا۔ غالباً پیٹر کسی ایسے ہی کو بتنے کے لیے وہ بندوبست کیا تھا مگر اسے کیا خبر تھی کہ کی بجائے اس پہلی کو پھر کے ذریعے کوئی اور اس جزیس سے فرار ہوا ہم نوٹ کر لفت میں نیچے جانے کے لیے سواری ہی بنے تھے۔ راہداری کے دوسرے سرے پر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ ہم نے پہنچ کر جیسے ہی لفت سے نکلے اور لفت کا دروازہ بند ہوا بعد فوراً اوپر چلی گئی۔ یقیناً کوئی اوپر پہنچ چکا تھا اور اس نے لفت کا دروازہ کھلیا۔

میں اور رونان کنٹرول دم کے دروازے ہی پر کھڑے ہو کچھ دیر بعد لفت نیچے آگئی۔ پھر اس کا دروازہ کھلا۔ لفت سے نکلنا ہوا۔ شخص بن یعقوب تھا۔ وہ گیس مارک اور کھانسی کی نجات حاصل کر چکا تھا۔ اس کے ہاتھ میں تالی کا ٹوکر دیا اور فوراً آگے بڑھا جسے اس نے فوراً ہم پر ان لیا تھا۔ اس کے ساتھ میں آد اور تھے جو اس کے بعد لفت سے باہر آئے مگر ان تینوں کے ہاتھ لفت میں ایک اور جیسی تھی جو سب کے بعد لفت سے نکلے۔ وہ اڑتا تھا۔

”کامیابی مبارک ہو بن یعقوب!“ میں نے مسکرا کر کہا۔
 ”بن یعقوب مجھے اور رونان کو شیک بھری نگاہ سے دیکھتا بولا۔“ تم دونوں یہاں کیا کر رہے ہو؟ میرا خیال تھا کہ تم لوگ بھی پر موجود دوسرے افراد کی طرح یہاں سے چلے جائے گے۔“
 ”بن یعقوب! میں یہاں تم سے پہلے آئی ضرور تھی لیکن میں تونہیں تھا کہ تم سے پہلے میں چلی جاتی۔ وہ لوگ تو تم سے خوفزدہ اس لیے اپنی جانیں بچا کر فرار ہوئے مگر مجھے تو تم سے خوفزدہ کی ضرورت نہیں تھی میں تو تمہارے ساتھ ہی واپسی کے بارے سوچ رہا تھا کہ میں اس کی تھی۔“ میں نے یہ کہنا نہیں کہا۔

”میں نے یہ کہنا نہیں کہا۔“

وہ جلد بتا دی تھی جہاں پہلی کوئی کڑا تھا۔

دوسروں میں نے پہلی کڑا کو لیا تھا۔ وہ بڑی دیر تھیں میری کوئی اطلاع ملنے کی منتظر تھی ماس کے ساتھیوں نے جزیرے کی تباہی اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی اور اس تباہی سے پہلے ایک لوہے اور پھر ایک پہلی کو بڑے جزیرے سے لے کر لیا تھا۔ لوہے سے تارے والوں میں ہم نہیں تھے اور پہلی کو بڑے کے پاس سے انھیں بتائیں چل سکا تھا کہ اس میں کون کون سا تھا اس لیے لے لیا کہ کون سا ہونا ہے جانتیں تھا۔ یہ تمام باتیں مجھے پہلی سے گفتگو کر کے معلوم ہوئی تھیں۔ میں نے پہلی کو مختصر بتایا کہ ہم بحیرت میں ہیں اور یہ جزیرہ معلومات کے لیے آئے ہیں سنا جائے۔

سب سے آخر میں دارم فون میں نے چارلس کی کوئی کہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ میری کو بڑے کے پاس لے آئی ہو میرے پر لگا تھا جس کا ذکر پچھلے دنوں کے ناک کے پاس تھا۔ اس جزیرے کو میرے خیال کے مطابق لندن سے زیادہ دور نہیں ہونا چاہیے تھا اور فون فون کام نہیں کر سکتا تھا۔ اس جزیرے کا پتہ معلوم کرنے کے لیے میں اس لیے اس پر موجود ٹیلیفون بھی اس کے پاس ہی تھے ٹیلیفون ڈاکٹر کی میں درج ہونا چاہیے تھا۔ اس نتیجے تک پہنچ کر میں نے ٹیلیفون ڈاکٹر کی کا سہارا لیا کہ اگر وہی ڈاکٹر کسی میں چارلس کی کی طرف دفتر اور گھر کے قریب رہتے ہیں۔ مجھے جلد ہی اچھی غلطی کا احساس ہوا۔ مجھے لندن شری ٹیلیفون ڈاکٹر کی نہیں دیکھیں چاہیے تھی۔ اس کے بعد میں نے ریشمن سے لندن کی نوٹ کیسٹوں کی ٹیلیفون ڈاکٹر کی پر منگوائیں۔ آخر مجھے ایرتھ کی ڈاکٹر کیسٹ میں چارلس کی کا نام نظر آ گیا۔ بتے کی جگہ "کنڈرل ایرتھ" لکھا ہوا تھا کیونکہ اس نے جوڑے سے جزیرے کو کہا جاتا ہے اس لیے مجھے شبہ ہو کر وہی مطلوبہ جزیرہ ہو گا مگر جزیرے کا ان ایشیالوں کو ہونا چاہیے تھا اس بات نے مجھے الجھا دیا۔ کیا چارلس کی کوئی اور جزیرہ کا بھی مالک ہے؟ ہمیں نے سوچا۔ میں نے ایرتھ کے ٹیلیفون کی پیچھے سے رابطہ قائم کر کے

کیونکہ پہلی کے پاس میں پوچھا تو بتا دیا کہ وہ ایک مصروف جزیرہ ہے جو دیانے ٹھہر کے کھائے کچھ نہیں کرتے دیکھ کے کھانے لگا لیا ہے۔ وہ جزیرہ لندن کے ایک ایر کی ذاتی ملکیت میں ہے اور بڑی طاقتور ملک ہے۔ کیونکہ وہ جزیرہ ذاتی ملکیت ہے اس لیے وہاں ہر کس د ہائیں نہیں جا سکتا میں نے ایشیالوں کوں کے پاس میں پوچھا کہ کہیں اس جزیرے کو کو ایشیالوں کوں بھی نہیں کہا جاتا مگر وہ کہہ کر مجھ سے گفتگو کر رہا تھا اس سلسلے میں یقین سے کہہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا کہ اس آدھے گھنٹے بعد اسے دوبارہ فون کر دوں تو وہ مزید معلومات فراہم کرے گا یا کہ میں براہ راست ایرتھ کی

لائسنس کی کو فون کرنے کی اس سلسلے میں۔

جو لائسنس میں ہے اور ایرتھ کا قدم ہاں۔

آپ میرے میں نے جس کے ساتھ لیا۔

ہم نے جس میں سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

ابن یعقوب کو دعائی نظام کے لیے پرنٹ کر دے۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں نے اس کے پاس سے رابطہ قائم کر لیا۔

اس کے بعد ہم نے رونائی کی تیار کیا۔ ہم نے جلد ہی پہلی اپنا سامان ہاتھ اور پہلی کا استعمال کرنے کے لیے جسے ہم نے پہنچانا چاہیے تھا پہلی آئی تو وہ بہت خوش تھی۔ وہ مجھے زندہ سلامت دیکھ کر اس قدر خوش ہوئی کہ اس نے وہاں رضوان کی موجودگی کو نظر انداز کرتے ہوئے مجھے سینے سے لگا لیا۔ رضوان کا سارا اور بڑا رنگہ سے مجھے دیکھا تو میں نے آہستگی کے ساتھ پہلی کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر اسے خود سے ہوا کر دیا۔ وہ میرے قریب ہی موٹے پر چڑھ گئی۔

پہلی ایشیالوں کی ہم کے پاس میرا کچھ جان لینے کی خاطر سخت مضطرب تھی میں نے مختصر اسے سردی اور درد سنا دی۔ دعائی نظام کی تباہی اور ابن یعقوب کی موت کے بارے میں میں کچھ مدت خوش ہوئی، پھر اس نے پوچھا کیا آپ کی بہن مل گئیں؟ پھر وہ وال کے خود ہی اور مجھ کو دیکھنے لگی۔ وہاں میرے اور رضوان کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ اگر رضوان مل جاتی تو ہمارے ساتھ ہی ہوتی۔

اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی پہلی نے کچھ کھانا چاہا تھا مگر اس سے پہلے ہی میں بول چل گئی تھی۔ "میں نے رضوان میرے ملازم کے مطابق ایشیالوں پر نہیں سمجھی۔ ویسے میں اب اس کی طرف سے شکریہ نہیں ہوں کیونکہ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ وہ کہاں ہے! ہم اس وقت اسے ہی لینے جارہے ہیں۔ تم اپنی کار ہمارے حوالے کر دو!"

پہلی نے خاموشی سے کار کی چابی آگے بڑھا دی، پھر پہلی۔ "کوئی مزاحمت کا خطہ تو نہیں ہے؟"

"اگر مزاحمت نہ ہو تو کیا مزاحمت آئے گا؟" میں نے جواب دیا۔ "اس شخص کے بارے میں جہاں تک میں نے اندازہ لگایا ہے، وہ اتنا ہی بالاک ہے۔" پہلی نے تشویش آمیز انداز میں کہا۔ "اس شخص کو انہیں ہو سکتا۔"

"تم نے اس شخص کے بارے میں غلط اندازہ لگایا ہے پہلی!" میں نے بولی۔ "وہ احساس کمتری کا شکار ہے اور دوسروں پر اپنی ذہانت پوز کرنے کے لیے احتیاط کرتا ہے۔ بلکہ احتیاط سے زیادہ ان حرکتوں کو بیکار کتنا زیادہ مناسب ہے۔ ویسے یہاں کہ اگر ہم اسی وقت یہاں سے رضوان کو لینے روانہ ہو گئے تو فوری طور پر اس سے ٹکراؤ کا خطرہ نہیں ہے۔"

"کیا مطلب ہے؟" رضوان میری بات سن کر چونک پڑا۔ "ہم اس وقت ساؤتھ ایشی میں ہیں اور یہاں سے ایرتھ کا قانا اصلیت ہے کہ یہ یوں سمجھو کہ لندن کی نسبت۔ راستہ تو قریباً نصف ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم ہر حال چارلس کیلی سے پہلے وہاں پہنچیں گے مگر میں نے فیصلہ کیا ہے کہ جب تک چارلس کیلی وہاں نہیں پہنچ جائے، وہاں سے نہیں توڑ دوں گی۔ ابھی پہلی نے کہا

تھا کہ وہ جو بائیں ہو سکتا لیکن میں اُس کے ساتھ وہی کھیل کھیلنا جانتی ہوں جو جی چاہے سے کھیلتی ہے۔ میں نے نہ سکرانے ہوئے اپنی بات ختم کی۔

”لیکن وہ جیسے بے پروا رہنے اور کبھی تو ہماری آمد سے متعلق نہ سکتا ہے، اُس نے یقیناً ایسا کیا بھی ہوگا۔“ رضوان نے کہا۔

”مجھے تو اسے خیال سے اتفاق ہے۔“ میں بولی۔ ”یہ کہہ کے لیے رواجی سے قبل وہ اپنے ساتھیوں کو بلائے۔“ میں نے بتا چکا ہوگا اور وہ ہمارا زبردست استقبال کرنے کے لیے بالکل تیار ہوں گے مگر جب تک خود چارلس کیلن والی پہنچے گا ہم حالات پر قیام پورا رکھیں گے۔“

”آپ کو اتنا یقین کیوں ہے بانو کہ آپ نے جو کچھ سوچا ہے وہ اُس طرح پیش آئے گا؟“ میں نے کہا۔

”اگر یقین نہ ہو تو انھیں مجھے بانو کو نہ کہے!“ رضوان نے ہنس کر کہنے کی طرف دیکھا۔

”میرا خیال ہے کہ وہاں اسلئے تصادم ہوگا۔“ میں نے سنجیدگی سے بولی۔

”میں اپنے ساتھیوں کو وہاں پہنچنے کے لیے کمر بستہ ہوں۔ یہ کہہ کر میں کھلی اور ٹیلیفون کی طرف بڑھنے لگی۔

”سنیں! میں نے اُسے روک دیا۔ اس طرح تم سارا مزہ کھو کر دو گئی۔“

میری بات سن کر میں نے مجھے حیرت سے دیکھا اور اپنی جگہ اُکڑ بیٹھ گئی۔

”میں سمجھتا ہوں کہ ہم زیادہ تر اسی وقت متنازع کر رہے ہیں۔“ سنا رضوان سنجیدہ لہجے میں بولا۔ ”چارلس کیلن کو ٹیلیفون کیسے ہوئے کہ ان کے دس منٹ گزر چکے ہیں۔ یہ کہتے ہیں رضوان اٹھ کھڑا ہوا۔

”میں بھی ہمارے ساتھ چلے پر ریفورم تھی مگر میں نے اُسے سمجھا بھجا کر رخصت ہونے پر مجبور کر دیا۔“

میں اور رضوان پوری تیز رفتاری سے اسی طرف پہنچے۔ میں نے بائی اسٹریٹ کے اختتام پر رہی کار روکی۔ بائی اسٹریٹ سے جیسے کہ کوچر نے والا پل اٹھا ہوا تھا۔

”تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ نہ کوئی کڑی بار کیا جاسکے گا؟“ رضوان کا رے اترنے پر ہنسنے لگا۔

میں نے رضوان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور کیلن کی طرف بڑھتی ہوئی دوسری صورت عمارت کو دیکھنے لگی۔ میں نہ کوئی کڑی بار کیسے جانے کے خیال سے متفق نہیں تھی کیونکہ مجھے یقین تھا کہ خطہ اُس طرف زیادہ ہو سکتا تھا۔ میرا خیال یہ تھا کہ جیسے کہ ہر دیر کی طرف سے حملہ کیا جائے۔ پہلے میں نے دریا کی طرف سے تیز کر جیسے

تک پہنچنے کے بارے میں سوچا تھا دیکھ کر خیال آیا کہ اگر یہ خطہ کے بڑے کچھ خاموش دیکھ کر رضوان نے غماہی ارادہ کیا ہے!

”جی جی ہم کتنی میں بیٹھے ہوئے تیز تھے تو رضوان نے کہا۔“ غائب اور بھاگ گیا ہوا کا ہم بائیں جزیرے تک پہنچ کر اس طرح جیسے کہ آئے۔“

”بعض اوقات تم بڑی سائنس کا میں نے کہا۔“ جس طرح جیسے کہ ہم اپنی جگہ نہیں آسکتا؟ چارلس کیلن کے ہم بھی ہو سکتا ہے اور وہ وہاں پہنچنے کے بعد متعلق نہ سکتا ہے تاکہ وہ جی کو دوبارہ ہم سے میرا جواب سن کر رضوان نے غصہ اٹھایا۔

”میں نے اس وقت میرا وزن ملا دیا۔“ وقت ریفورم کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

میں نے حالات کا جائزہ لینے کے بعد بتدیکھا۔ وہاں ایسا سا ناگیا جیسے کہ ہم کہہ رہے تھے جیسے کہ قدم رکھیں اور خطہ اس میں نے ایک چکر لگاتے کے بعد کیلن صبا کی سمت اُس جزیرے پر ایک گوردی گئی۔

گوردی میں نہیں بلکہ ساحل کے ایک کٹاؤں میں میں اور رضوان کشتی سے اُتر کر ساحل میں خادار تاروں کے ذریعے جین بٹائے۔

بندوبست کیا گیا تھا۔ تاروں کے قریب لگا تھا جس پر بڑے بڑے حروف میں خطہ پہنچ کر میں نے خطہ کے نیچے تھم بیٹھی۔

میں تھا تھا یہ خادار تاروں میں برقی تاروں عمارت پڑھ کر میں نے رضوان کی طرف اس صورت میں تو ابھرے داخل ہوا۔

”آپ نے رضوان نے جواب دیا۔

”لیکن اس بوڑھی یہاں موجود کیلن کی کیا ضرورت تھی؟ ظاہر ہے کہ عام ریفورم عمارت میں داخل ہونے والا چوری چھپے ہوا

ہے شخص کی زندگی سے چارلس کیلن جانے لگا۔

”اب کہا۔ آپ اس سے کہیں تو کہنا

”اب کہا۔“ رضوان بولا۔

”لی کی افسانہ کو سمجھ سکتی ہوں، ایسا میں کوئی حرج نہیں!“ کہتے ہوئے مال کیلن میں اٹھایا اور اُس تار تار کیلن کے آئی۔ رومال کچھ پھٹا۔

”اس سے کس ہو گیا۔

”ابت ہوا تھا۔ اُن خادار تاروں میں ہمارے خدو ہوتا۔

”اُن تاروں پر اسقاط کے ساتھ جڑھ کر لہلہا تاروں کو بلندی کے سبب مل ہی ہوتا۔

”میں داخلہ قدرے مشکل ثابت ہوا۔“

”لی کی باقی جس کے سر سے نکلے اور رضوان اُن سے رکنے والے کب تھے!

”اُن کا انداز ضرور ہوا مگر چند منٹ بعد دیکھتے تھے۔

”رضوان، عمارت کے قریب پہنچ گئے۔

”اندازہ نظر آ رہا تھا۔ اب میں نے جی اس مددک بڑھنے کے لیے مجھے ڈھونڈ لیا۔ کوئی دشمن تو کیا، اُس کا سایہ ایک دن بات میرے اندازوں کے خلاف آجانی ہوں کیونکہ اس کا مطلب واقع سے کہیں زیادہ ہوتا تھا۔

”یہ کہیں بھی ٹکرا سکتا ہے۔

”اب اس خطے کی بوڑھی تھی اس عمارت میں اُس نے میرا ہاتھ تمام لیا اور کوئی ہال بھی ہو سکتا ہے۔

”لی جون؟“ میں نے سرگوشی میں جواب دیا۔

”لی تاکہ اگر میں کسی خطے میں ٹکرا جاؤں

”انے، ریفورم“ استعمال کیا تھا تاکہ ریفورم نے رشوت قبول کرنے سے انکار ادا جانا چاہتا تھا یا پھر پہلے خود لیکن

میں نے اُس کی کوئی بات نہیں مانی میں اور رضوان اُس کیلن آڑ میں کھڑے ہوئے تھے جو عمارت کے دروازے سے قریب تھا۔

معائنہ کیلن آڑ سے نکلی اور اُس تیزی سے عمارت کے کھلے دروازے میں داخل ہوئے ہی زمین پر لیٹ گئی۔ یہ کسی متوقع ناویدہ حملے سے بچاؤ کی تدبیر تھی۔

وہ ایک نیم تاریک سی راہداری تھی۔ میں کچھ دیر اپنی جگہ پڑی رہی، پھر آہستہ آہستہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ راہداری کی دونوں طرف کچھ فاصلے سے دروازے نظر آ رہے تھے جو بند تھے مگر راہداری کے ابتدائی حصے کی دونوں دیواروں خاصے فاصلے تک سیاہی پائی تھی۔ دروازے اُس سیاہ حصے کے بعد تھے۔

میں ایک ایک قدم کچھ کچھ دیکھ کر رکھ رہی تھی اور گزرتے وقت کے ساتھ میری بے چینی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

”معاذ اللہ! اپنے قریب ہی جیسے ایک آہٹ سنائی دے چکی ہوگی۔“

پھر اس سے پہلے کہ میں سمجھتا تھا کہ میری تیزی سے بڑھتی اور حیران رہ گئی میرا اٹھا ہوا ہاتھ اٹھا کاٹھا ہوا گیا۔

”مرغیہ!... مرغیہ!“ میں نے کتنی ہوئی تھی۔

”اچھا!“ مرغیہ اٹھ کھڑی ہوئی اور مجھ سے لپٹ گئی۔

”مگر تمہیں کچھ ہمارے طرح جت لگانے کی کیا ضرورت تھی؟“ میں نے پوچھا۔

”اُس کے سوا آپ کو کچھ بڑھنے سے روکنے کی کوئی تدبیر نہیں تھی۔“ مرغیہ نے جواب دیا۔

”مگر کیوں؟“ میں نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

”اُس لیے کہ خدا نخواستہ آپ کا دوسرا قدم موت کی دہلیز پر پڑا ہے۔“

”مرغیہ نے بتایا، کچھ میرا ہاتھ تمام کر لوی۔“ اُسے کنٹرول روم میں چلے چارلس کیلن کیلن کی بھی لٹھے پہنچ سکتا ہے۔

”میں چونک اُٹھی۔ مرغیہ کو چارلس کیلن کی آمد کے بارے میں کیسے بتا چلا؟ میں نے سوچا مگر یہ وقت اُس سے سوالات کرنے کا نہیں تھا۔

”میرے ساتھ رضوان بھی ہے۔“ میں نے بتایا۔

”رضوان!“ مرغیہ تو قلع کے مطابق چونک پڑی۔ کہاں...

”کہاں ہے وہ؟“

”عمارت کے باہر!“ میں نے جواب دیا۔ میں ابھی اُسے لے کر آئی۔“

”معدی کریں باجی!“ مرغیہ نے کہا۔ میں کنٹرول روم سے زیادہ دیر باہر نہیں رہنا چاہتی۔

میں تقریباً دوڑتی ہوئی عمارت کے دروازے پر پہنچی اور

رضوان کو اندر لے کر اشارہ کیا۔ رضیہ ایک تریبی دروازہ کھول کر اس میں داخل ہو گئی تھی۔

رضوان میرا اشارہ پاتے ہی لپکا۔

کچھ دیر بعد ہی میں، رضوان کے ہمراہ اس کمرے کا دروازہ کھول کر اندر جا رہی تھی جس میں رضیہ داخل ہوئی تھی۔

وہ کمرہ اندر سے چڑی کے کنٹرول روم ہی کی طرح تھا مگر اس سے چھوٹا اور ڈیڑا سا کمرہ بھی کم تھے۔

کمرے کا دروازہ کھلتے ہی رضیہ نے غور کر دیکھا تھا جو ایک گھونٹنے والی کرسی پر ایک ٹیبل کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے اس وقت دیاں اپنی موجودگی پر اس میں ہوا۔ وہ بیٹھنے سے اٹھ گیا۔ طویل عرصے کے بعد ملے تھے۔ میری دیاں موجودگی کے سبب وہ ایک دوسرے کو گلے میں لے کر ہنسنے لگی تھیں۔ یہ وہ دنوں چند لمبے خالی خالی سی نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر ان کے ہونٹ کانپنے لگے۔ وہ میں اپنے ہونٹوں پر ایک دوسرے کا نام لاسکتی تھیں۔

اسی وقت میری نگاہ ایک روشن اسکرین پر پڑی تھی جو اس کمرے کے باہر بزمِ فیمینہ ایک راداری کا منظر پیش کر رہا تھا۔ اسکرین پر ایک مختصر سا منظر نظر آ رہا تھا۔ اب میں سمجھ چکی تھی کہ رضیہ کو اس کمرے میں بھیج کر راداری میں میری موجودگی کا علم بھیج دیا گیا تھا۔

”رضیہ! میں نے تمہارا اسکرین کی طرف متوجہ کیا۔“

رضیہ نے ٹیبل پر اسکرین کی طرف دیکھا۔ اب اس سامنے کے فنڈو خالی کچھ دیاں جو مجھے گئے کیونکہ وہ آگے بڑھا یا تھا۔ سو فیصد چارلس کیل ہی تھا۔

معاذ فیہ! کہ بعد وہ کمرے تو روشن دلے۔ اسی کے ساتھ میں نے راداری کا دروازہ بند ہوتے دیکھا۔ چارلس کیل چونک پڑا اور چیخے مگر دیکھا۔

”تم خود اپنے ہی ماں میں چھن چکے ہو مگر چارلس کیل! ابھی“

رضیہ کے دونوں کو حرکت ہوئی۔

چارلس کیل، رضیہ کی آواز سن کر لایک بار کچھ اٹھ پڑا۔ یقیناً راداری میں موجود کسی اسپیکر کے ذریعے رضیہ کی آواز اس تک پہنچ رہی تھی۔

”تم اب تک لوگوں کی ذہانت کے متحان لیتے رہے ہو مگر آج تمہیں خود یہ امتحان دینا ہے۔ اگر تمہیں امتحان میں کامیاب ہے تو زندہ بچ جاؤ گے ورنہ مائے جاؤ گے۔“ رضیہ کی آواز میں ہلکا سا ہنسنے کی بجائے تمہارے گروں سے پتا چلا تھا کہ تم نے لوگوں کو سلا دیں میری بانی کے ساتھ کوئی ایسا ہی کھیل تھا اس لیے میں نے تمہارے لیے کبھی تمہی اسی طرح کے کھیل کا بندوبست کیا ہے۔“

چارلس کیل پر جیسے سکتا تھا۔

جگہ غامض کھڑا رہا پھر غور سے اس کے

”نک جاؤ چارلس کیل! رن“

راداری میں چند قدم کے بعد ایسا ہوا،

تھپتھپ بولے۔ اگر تمہیں اس بات کا

اس سارے گور کچھ دھندلے کے ساتھ

حاصل کی چکی ہوں تو یہ دیکھو! رضیہ

ایک مٹن دیا۔

رضیہ کی تہہ کے بعد چارلس کیل

اس کے چند قدم آگے اچانک گریوں

”اب تمہارے لیے صرت ایک ایک“

جانب موجود کمرے کا دروازہ کھول کر

اور اس کمرے میں موجود رضیہ راستے کے

جاؤ! رضیہ نے چارلس کیل کو کوشش

”نہیں! معاً چارلس کیل! چلو“

میں بھیج کر کچھ انسا جاتی ہو۔ وہ کہہ

بن جائے گا۔“

”لیکن چارلس کیل! جب کوئی“

کو چھوٹے دیاں میں داخل ہونا ہی پڑا

لب کشائی کی۔“

”تو... تو کبھی... تم کبھی مال“

میری آواز میں کچھ ٹپٹپٹ

”ہاں میں تمہارا آخری دیر لکھ لکھ“

نے ہنس کر کہا۔

”تم لوگ شاید یہ بھول رہے ہو کہ

دیا ہوا ہے اور میں اس سے آسانی کے

چارلس کیل نے سخت لہجے میں کہا۔

”تو کبھی کبھی کبھی ہو، کوشش کرنا“

ابھی رضیہ کا جلد ختم ہی ہوا تھا کہ میں

سے چھپے بیٹھنے ہوئے دیکھا، اور کچھ دیر

تک بیٹھ گیا۔ دیاں گک کر وہ چھٹکا۔ وہ

موجود سا پت دیاں میں ایک قلابا ہوا

سے اس قلابا میں داخل ہو گیا۔ جیسے ہی

داخل ہوا تھا، قلابا بار بار ہونے لگا تھا۔

رضیہ نے اسی وقت ہاتھ آگے بڑھا

اور اسی کے ساتھ دیاں پر موجود ایک

ماں نظر آ رہا تھا جس میں چارلس کیل

نہ بڑھ رہا تھا۔

کیل کہنے لگا اپنی زندگی بچانے کا ایک

نے بظاہر اندر دیکھا کہ اس کی آواز

میں کیل اس طرح اٹھ پڑا تھا جیسے اسے کسی

کا وہ اس کے آگے بڑھتے ہوئے قدم ٹک

تک کچھ بولی۔ ”تم یقین کرنا کہ وہ لیکن

اے میرے بٹائے ہوئے کمرے میں چلے جاتے

وہ کمرہ چھوٹے دیاں میں تھا مگر یہ کمرہ ضرور

دیاں ثابت ہو گا۔ یقین نہ کرو اس کمرے

کوشش کر دیکھو مگر غیر تم ہی کیا دیکھو گے کہ

اس کمرے سے فرار ہونے کے لیے بھی میں

دیکھا ہے۔ اب یہ تمہاری ذہانت ہو گی کہ تم وہ

انے کے باوجود بھی کہ اب کمرے کا دروازہ نہیں

کیل نے دروازے تک پہنچ کر اسے کھولنے

رہا تھا ہی تھی۔

تھیں! جب چارلس کیل دروازے سے ہٹا

اٹھ رہا تھا کہ دیاں کے پاس دیکھو چارلس کیل!

انہوں کی لاشیں پڑی نظر آئیں گی۔ یہ لاشیں میں

میں تمہاری مدد کے لیے پہنچاؤں۔ اگر تمہارے

اگر تم سے کام نہ لے سکو تو اپنی لاشوں سے فرار

۔ ان ایک بات بتا دوں۔ شاید تم کو کھلا ہٹ

لکھ بات بھول جاؤ وہ اہم بات یہ ہے کہ اس کمرے

کے غیہ راستہ موجود ہے لیکن شاید تمہیں یاد ہو کہ

جی موت کا حال بنا یا جا سکتا ہے۔ غالباً تم میرا

گم۔ یہ سالائزنگ تمہارا ہی ترتیب دیا ہوا ہے۔

کا کہ ایسا بندوبست کیا جا بھی ممکن ہے کہ اس

لانڈم کھینے والے ہڈیوں کی بوجھار ہو جائے

اما کے لیے غریب کر دیاں کہ میں یہ بندوبست کر

دیکھ کے جسے پر غصے اور بے بسی کے ملے جیلے

بہت تھے۔ غصے سے اس نے اپنی دونوں ٹانگیں

دیکھ چارلس کیل! غصہ عقلی خطہ کر دیتا ہے پٹھنڈے

دل سے حالات کا جائزہ لو! اس کمرے سے فرار کی راہ موجود ہے۔“

رضیہ بھیج چکی۔ وہ چارلس کیل کے ساتھ وہی کھیل کھیل رہی تھی

جو میں چاہتی تھی۔

”اور میں آگاہی کمرے میں رہوں اور فی الحال نکلنے کی کوشش

نہ کروں تو“ چارلس کیل بولے۔

”تو بھی تم نہ بڑھ سکو گے۔“ رضیہ نے جواب دیا۔ تمہارے

پاس محدود وقت ہے، زیادہ سے زیادہ ادا کھٹ! آؤ گے

گھنٹے کے بعد یہاں پولیس پہنچ چکی ہو گی جو غیر قانونی اسلحہ کے

بڑے ذخیرے پر قبضہ کرنے کے بعد تمہیں گرفتار کرے گی۔ وہ

اسلحہ تو تم دنیا کے تخریب پسندوں کو سلائی کرتے رہے

ہو تو پھر چارلس کیل!

میں نے بھی باہر چارلس کیل کے چہرے پر شدید بے چارگی

کے آثار دیکھے۔ وہ چند لمحے بعد بھڑکی ہوئی آواز میں بولا: ”اگر

تم لوگ مجھے سرائے سے نکل جانے کا موقع دے دو تو میں تمہیں

مالا مال کر دوں گا۔ میں تمہیں لاکھوں پونڈ دے دوں گا۔ تم لوگ

دیکھا کہ جس ملک میں کس کو رقم پہنچاؤں گا۔“

”فصلوں باتوں میں وقت ضائع نہ کرو چارلس کیل! رضیہ

سخت لہجے میں بولی۔ ”تم جیسے چھک ٹنگے میں نہیں خرید سکتے

جو خود تم سے زندگی کی بھیک مانگ رہے ہوں۔ ہم اب یہاں

سے جا رہے ہیں اور جیسا کہ میں کہہ چکی ہوں، تمہارے پاس اس

کمرے سے فرار ہونے کے لیے صرت اور صرت ایک راستہ ہے۔

ہاں ایک بار آخری بار پھر کہہ دوں گا راستے کا انتخاب خوب

سوچ سمجھ کر کرنا کیونکہ اسی پر تمہاری زندگی اور موت کا انحصار ہے۔“

چارلس کیل پھر گھٹکھٹانے لگا۔ اس بائیں نے مجھے طالب

کیا تھا۔ اس ہاتھ آپ ہی اپنی بس کو کھینچا ہے! بائیں مری دیکھو!

”میں اس معاملے میں مداخلت نہیں کر سکتی۔ میں نے وہ

ٹوک جواب دیا۔ یہ تمہارا اور رضیہ کا معاملہ ہے۔ وہ خود بانے

نظر اور ذہن سے اس لیے اپنا حبل خود دے باقی کر رہی ہے۔“

”لیکن... لیکن میں یہ کیسے یقین کر لوں گا واقعی فرار کی

کوئی راہ موجود ہے؟“ وہ بولا۔

”میری بہن جھوٹ نہیں بولی وہ رضیہ تمہیں قتل کرنا مقصود ہوتا

تو اسے کون روک سکتا تھا! وہ تمہیں فرار ہونے کے لیے ایک واضح

اشارہ بھی دے چکی ہے۔ اس اشارے کو سمجھو اور کھینچ کھول

کر کمرے کا جائزہ لو! کیا تمہیں کمرے کے روشن دیاں سے روشنی ملتی ہوگی

نظر نہیں آ رہی؟“ میں نے کہا۔

”مگر وہ میری دسترس سے بہت دور ہے۔ میں جیت لگا کر

بھی اُسے نہیں پڑ سکتا۔

”تو پھر اُس تک پہنچنے کے لیے سوچو اور تمہیں اجازت دو!“ چارلس کیل اب کچھ بچکا تھا کہ ہم پڑیس کی اتھاڑوں کا کوئی اثر نہیں ہوگا اور ہم بڑے سے بڑے لالچ میں بھی نہیں آئیں گے اس لیے پھر اُس نے بہن مخاطب نہیں کیا اور غور سے کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ کمرے میں موت ایک چھری کی سی تباہی تھی جس پر دوڑتی موتی لٹا میں رکھی ہوئی تھیں۔ اُس کے علاوہ دو لاشیں تھیں۔ چارلس کیل نے درشتندان کے نیچے تباہی کر رکھی دی، اور پھر اُس پر چڑھ گیا۔ اُس نے تباہی سے کتا میں بھی نہیں اٹھائی تھیں لیکن اُس کے باوجود بھی ریکی اُس کی دسترس سے دوڑ گئی۔ وہ تباہی کی طرح رہا، اور پھر ایک دم اچھل کر ریکی کے سرے کو کھڑا جا رہا۔ ریکی کا سر اُس کے ہاتھ دے آسکا اور وہ آوند سے ممتہ فرش پر آ رہا۔ گرتے ہوئے اُس کا سر تباہی کے کونے سے ٹکرا آیا تھا اور تباہی اٹک گئی تھی۔ چارلس کیل کے ہاتھ سے خون بسنے لگا تھا۔

”شاباش! پھر کوشش کرو!“ میں ہنسی۔

جو میں چارلس کیل ایک دم بٹھکے سے اٹھ گیا۔ اُس کے منہ سے معلقان کا طوفان اُٹھ رہا تھا۔

”بری بات، بری بات! اپنے پیچھے چلے گالیاں نہیں کہتے“ میں ہنسی۔

چند لمحے بعد ہی اُس نے خود پر قابو پایا۔ ”لاشیں... لاشیں!“ پھر وہ ایک دیوانے کی سی ہنسی ہوئی لاشوں کی طرف لپکا۔

رضیہ ایک دم کمرے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ”وہ بیوقوف اُس نے وہ ڈھونڈ ہی لیا۔ اب چلنا چاہیے!“

”نہیں کیل، ایک لاش کی ٹانگ پھوٹے اُسے۔“ جب ٹکر درشتندان کے نیچے جا رہا تھا۔

”چارلس کیل! ایک بار پھر سوچ لو کہ تم نے صحنہ کیا تھا کیا ہے؟ رضیہ نے کہا۔ ”ممکن ہے کہ یہ راہ تمہیں موت دے دے۔“

”بلواس مت کرو!“ چارلس کیل پوری قوت سے چیخ پڑا، اور پھر وہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

کچھ دیر بعد کچھ ایک لاش پر دوسری لاش رکھ چکا تھا اور اب تباہی اٹھ رہا تھا۔

”خدا حافظ! مگر چارلس کیل!“ رضیہ نے کہا اور کھجک کر کئی سوچے اُن آف کیے، پھر میری اور رضوان کی جانب مڑتے

ہوئے۔ اب یہ جلد سے جلد اس عمارت بعد ہی عمارت ایک دھماکے سے اڑھا۔ یہ خبر میرے اور رضوان کے لیے تھی۔ رضیہ کے ساتھ ہم دونوں بھی تیار رہا۔ ہڈیوں میں پہنچنے ہی رضیہ نے اڑھا۔ میں اور رضوان بھی اُس کے ساتھ ساتھ اڑے۔ اُس کے اُختام پر اب عمارت کا دروازہ کھلا رہا۔ اُس نے چلنے سے قبل یقیناً کسی سوچے کو اُن کا دھکول دیا تھا۔

ہماری دایرہ اسی راستے سے ہوئی تھی۔ رضوان جزیرے پر پہنچے تھے۔ غالباً چارلس کیل ہی کے ذریعے پہنچا تھا کیونکہ بعد میں بھی ہم نظر آیا تھا۔

ہم کشتی میں بیٹھ کر ابھی زیادہ دُور نہ

ایک زبردست دھماکا ہوا جیسے کوئی بم پھٹا، دھماکے ہونے لگے میں نے جزیرے پر موجود مہلک کے درمیان ایک جگہ پر دو درخت اُٹھائے۔

دھماکا... دھماکا... دھماکا... اس کا سنا سنا تھا مہلک موجود عمارت کے ڈھیر میں تبدیل ہو چکا تھا۔ سے گاڑھا کاڑھا دھواں اٹھ رہا تھا۔

”آخر اُس احمق نے وہ کیا جس کی مجھے تو دل لے گیا۔“

”کیا تم نے واقعی اُس کے لیے کوئی فرائز کر لیا؟“ رضوان نے رضیہ سے پوچھا۔

”ہاں یقیناً! مگر وہ دھواں کھا گیا اور اُس کو سوچا کہ فرائز کا راہ اُچھا آسمان نہیں ہو سکتی۔“ رضیہ

دیا۔ وہ چاہتا تو خفیہ راستے سے فرائز ہو سکتا تھا مگر

کیوں واقعی اُس صورت میں اُس پر گولیوں کی بوچھا

حالات میں نے کوئی ایسا بندوبست نہیں کیا تھا۔ اگلے

اُس کمرے میں دیوار پر موجود ایک سوچے دبا کر خفیہ را

کے بعد اُن لاشوں میں سے ایک لاش کو خلا میں پھینک دیا

اس طرح اُسے آسانی پتہ چل سکتا تھا کہ خلا میں اُترے گی۔ بوچھا ہوئی تھی۔ یہ ہمیں اُن نے لاشوں کا اشارہ دیا تھا مگر اُس نے کچھ اور ہی نتیجہ اخذ کیا اور مارا گیا۔ پھر رضوان کے استفسار پر رضیہ نے اُن دھماکوں بتایا جس کمرے میں ہم نے چارلس کیل کو چھوڑا تھا، اُس کے

ہاں ایک بیکر رکھ دیا تھا جو اُسے عمارت ڈیرا سمجھ چکا لگنے سے ایک دھماکے اُس بیکر کے قریب ہی اُس نے ڈانٹا مارا۔ کے دوسرے کمرے میں ہم نے سوچے دے میں رکھے تھے۔ گول بارود اور اسلحو کا سامنے خفیہ کمرے میں بھی تھا جہاں چارلس کیل

اُسے ذریعے درشتندان تک پہنچنے میں یقیناً ہادی دھکوتی لیکن جب اُس نے درشتندان تک بیکر اُٹ گیا ہوگا۔ رضیہ اپنی بات ختم کرتے اُس کے بعد جو کچھ ہوا ظاہر ہی ہے۔

”اُس ہونے کے دوران میں رضیہ نے تقریباً

میری ہی بات کی تھی۔ رضیہ میری بات کو

مناوان بھیجے!

”جیران بھی کرتے دن چارلس کیل کی قید میں

اُن کے لیے جلد جرم کیوں نہیں کی؟ رضیہ نے

مان لی تو میرے اس سوال کا جواب مل گیا۔

”اُسے کھانے میں کوئی ایسا دوا مار کر دی جاتی

تھی جو اُن کی کسی کیفیت ملاتی رہتی تھی۔ جبریل بکر

پہنچنے کی صلاحیتیں مفقود ہو جاتی تھیں۔ جیر

حساس کا دن بعد چوڑھا تھا جب رضیہ یہ بات

کہا۔ میں نے احتیاط پر تیار شروع کر دی۔ وہ دوا

میں ملائی جاتی تھی۔ رضیہ نے آخر بتا دیا کہ

اُس میں ہی میں ملائی جا سکتی۔ اُس نے سوچا

میں بہانہ شروع کر دی اور رفتہ رفتہ معمول

کے علاوہ اب۔۔۔ تھا جو اُس وقت جزیرے پر موجود نہیں تھا۔ اُس کی جان بچ گئی تھی۔ وہ خوش قسمت سے اُس دن نقلی بیڑ سے بھجی کے کر چکا تھا۔

وہ شخص جو نقلی بیڑ کا کردار ادا کر رہا تھا، اُس کی زبان کھلوا کر رضیہ کو جزیرے کے تمام مکینز کا پتا چلا تھا۔ اُس نے دھوکا دے کر رضیہ کو ختم کرنا چاہا تھا اس لیے وہ بھی اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ اسی یادگار دن کا ذکر ہے جب میں رضوان کے ہمراہ وہاں پہنچی تھی۔

ہم لندن میں اپنے بیڑ پہنچے تھے۔ لیکن قانون ملا۔ آپریشن نے بتایا تھا کہ پہلے بھی دو مرتبہ خون کی کھنکھائی تھی۔ افسوس چلنے کے لیے بے چین تھی اور رضیہ سے ملنے کے لیے بھی اُس نے اب تک صرف رضیہ کا ذکر ہی دیا تھا۔

کچھ دیر بعد ہی اُن کا بیڑ پہنچ گیا۔ کھانے کے دوران میں ہی اُن نے اُسے سارے واقعات بتا دیے۔ تمام واقعات سن کر وہ میری ہی طرح رضیہ سے بھی متاثر نظر نہ لگتی تھی۔

”دوسرے ہی دن میں نے رضیہ اور رضوان سے کراچی چلنے کے لیے کہا۔ جب رضیہ خاموش رہی اور پھر نظر سے رضوان کی طرف دیکھنے لگی تو میں نے رضوان کی طرف دیکھا۔ اُس کے ہونٹوں پر شریکی مسکراہٹ نقش کر رہی تھی۔

”دراصل میرا وہاں کچھ دن تک کمرے میں رہا۔ دے رضیہ اپنی مرضی کی خود مالک ہے۔ چاہے آپ کے ساتھ چلے جائے“

چاہے بعد میں میرے ساتھ!“ رضوان نے کہا۔

میں رضیہ کا اہم جانتی تھی اس لیے اُس سے کچھ نہیں پوچھا۔ وہ اور رضوان کافی عرصے کے بعد ملے تھے اس لیے انھیں کچھ وقت ایک ساتھ گزارنے کا حق تھا۔

جس دن وہ دونوں مجھے ایر پور تک رخصت کرنے آئے تو بہت خوش تھے۔ خدا حافظ! کتنے دنوں میں لیکن کمال بھی تھی جو مجھے اوداع کہتے ہوئے کچھ اُداس سی تھی۔

کچھ دیر بعد ہی میں جہاز میں بیٹھی ہوئی کراچی کے لیے پرواز کر رہی تھی اور میری آنکھوں میں کراچی کی گلیاں اور بازار گھوم رہے تھے۔ کراچی جو مجھے اپنے وطن کی طرح عزیز تھا اور جہاں میں نے بڑی مہنگا مہنگی زندگی گزاری تھی۔



میری زندگی اب اتنے ہنگامہ خیز آؤر سے گزرنے کے آگے دُور

”ایک مشرقی لڑکی ہونے کی حیثیت سے مجھے یہاں آپ سے
... کہیں میں کوئی بٹ نہیں کروں گی، سنگیتا کے ہوتوں
... تو نے دل نصرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
... سنگیتا نے پھر نہیں جھجکائیں۔

”کیا بتانا تھا؟“
”کچھ عجیب سی باتیں تھیں، میری کچھ میں تو بالکل نہیں آئیں۔ جیلا
یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی عورت کسی عورت سے ... یعنی یہ ... کہ ...
سنگیتا کی زبان میں کثرت آگئی اور چوہ کچھ شرم ہو گیا۔
میں ہنس پڑی اور بولی، فیروز چوروان بولوں کو اب یہ بتاؤ تو چائے
پیوٹی یا کافی؟“

”شکر ہے، میں کچھ بھی نہیں پوں گی۔ آپ تو مجھے یہ بتائیے کہ
بحیثیت اسٹینڈنگ گزٹ میرے فرائض کیا کچھ ہوں گے؟ مرن فطرت کے
جوابات یا کچھ اور بھی؟“
”ابھی میری سیکریٹری تمہارا پانٹھٹ لپٹاپ کر کے لاری ہو
دی۔ وہ تمہیں سب کچھ بتا دے گی۔ ہاں، دو ایک باتیں ایسی ہوں گی
جو تمہیں مرن میں ہی بتاؤں گی۔ دلیسے مجھے ایک بات بڑے سچ پر ہے“
”کس بات پر؟“

”تم اسٹینڈنگ گزٹ پر دوبارہ تمہارے پاس کچھ اسناد بھی ہیں۔ ستراتی
کم عمری میں تم نے یہ سب کچھ کیسے کر لیا؟“
”آپ کے خیال میں میری عمر کیا ہے؟“
”سولہ سترہ سال سے زائد تو عمر گزرتی ہو سکتی؟“
”آپ دس سال کا گھلا کر دیکھیں، سنگیتا نے کچھ بے تکلفی سے

کہا۔
”یعنی تم صرف چھ سال کی ہو؟“ میں حیرت بولی۔
”چھ تیس سال کی؟“ وہ ہنس پڑی۔
”نا ممکن۔“
”میں اسناد کے ساتھ اپنی پیدائش کا سرٹیفکیٹ بھی لائی ہوں۔“
”میں اُسے جعلی قرار دے دوں گی۔“

”یہ تو بڑی جی ہوئی ہے۔“
”میں کبھی بھی نہ روتی تھی کہ گزرتی ہوں۔ یہ میرا لہو نہایت خیر کچھ
... خیر خیر تھا جسے سنگیتا نے غموں میں سے ... نہ چروں۔ ...
اور بات بھی میری کچھ نہیں آتی۔“
”وہ کیا؟“
”تم نے بتایا تھا کہ چوہا میل تم ملازمت کرنے کا قصد بھی نہیں
... آخر ان چوہا میں کھیں کن حالات سے گزرتا ہے؟“

میرے پاس سوال سے سنگیتا ...
”یہ گزرتی رہ چھٹی گئی تھی، پھر تو رت تمام
... کہ گزرتی ہوئی آواز میں کہا تھا کیا آپ
ایک لکھنے والی کی بیٹی ہیں؟“
مجھے اس بات پر راضی جواب ہوا۔

بولی، ”کیا تمہارے والد نے تمہاری کس بات
میرے الگ کو کیا ہے؟“
”پتا ہی نہیں چلتا، میں نے زیادہ
جواب دیا۔ میں اُس کی انگلی پٹی ہوں۔“
”پھر کیا وجہ ہوئی کہ ...؟“ میرا ذہن

چوہا میں تلاش ہو جانا صرف اسی صورت
غظ فوجیوں میں پڑا ہو۔ ریس، سٹارڈا
کسی لکھنے والی شخص کو اتنی جلدی تلاش کر کے
سنگیتا نے ایک شہناز اس کے لکھا
میں میں اتنا ہی جانتی ہوں کہ ایک روز چھپا
اور آسمان پر پلوٹ پڑا، ایک خوبصورت
لائسنس کے ایک چھوٹے سے کار میں منسل ہو گیا
اُس کا مالک مشتاق بگٹی بن گیا۔“

”یہ مشتاق بگٹی کی کون ہے؟“
”ایک تاجر ہے، ٹیلیفون کی تجارت کرتا
کے پاس آیا کرتا تھا۔ مجھے اس کا نام نہیں کہ پناہ
نوعیت کیا تھی؟“
سنگیتا کے اُس معاملے میں میری بوجھیں
”جب تم اپنے بچے کے ایک کارڈ میں منسل ہوئی
پتا ہی سے پوچھا تو ہوگا کہ اس انقلاب کا سبب کا
”ظاہر ہے کہ میں نے پوچھا ہوگا کہ کیا پتا
تفصیلی بخش جواب نہیں دیا۔ وہ سہرا سنا کہ کہ نہ پ
کی ہی مرضی تھی؟“

”بڑی عجیب بات ہے،“ میرا تجسس مثبت ہو
”ہاں ہاں!“ سنگیتا نے بھی سی مسکراہٹ
بول گئی ہے جسے میں چھ تیس سال تک ایک سناہٹ
اچانک ٹوٹ گیا۔
”ایک اذیتناک ششما کی، ہمیں نے شہناز
”آپ شاید کس اذیت کا اندازہ کر سکیں
”کیا میں تمہارے پتا ہی سے مل سکتی ہوں؟“

جذب دیا، لیکن ششما یہ ہے کہ خود پتا
”ہے۔“
”میں نہیں گی۔“
”مگر ایسے کال کو کھڑی ہے نام؟“

”میں انسان ایسی ہوں کہ کھڑوں میں زندگی
... کہ وہ نہیں گھٹتا اور تم بھی ایک خوبصورت
... کہ عذاب تک زندہ ہو تو پھر یہ لازم کیوں
... کہ وہ میری ہو کر دیں وہ جاتے ہوئے عد
... کہ وہ خالی ہے میں گندے ہاتھوں سے گزر کر
... کہ وہ جہاں ایسے لوگ رہتے ہوں جنہیں میں
... کہ تم مجھے اتنی ہی ہو بہت پیاری بی بی؟“
”نہ سناٹ لیجے میں کہا۔“

”میں اس میں غور نہ کر سکے گی۔“
”سب کہیں؟“
”میری سیکریٹری نے مجھے بتایا کہ سنگیتا کا پانٹھٹ
... کہ
... کہ
... کہ

”میں نے سیکریٹری سے کہا پانٹھٹ لیٹر
... کہ
... کہ
... کہ

”میں نے سیکریٹری سے کہا پانٹھٹ لیٹر
... کہ
... کہ
... کہ

”میں نے سیکریٹری سے کہا پانٹھٹ لیٹر
... کہ
... کہ
... کہ

دروازے پر درسیک ہوئی تو میں نے بلند آواز میں کہا، ”اے انا؟“
میرے انداز سے کے طاق وہ میری سیکریٹری کی بھی اُس نے
اپنا ٹھنڈا لیٹر دیا اور میری نظر سے سنگیتا کا جائزہ لے چکی تھی۔
”ہاں تو میں یہ کہہ رہی تھی کہ آپ پتا ہی سے کیوں ملنا چاہتی
ہیں؟“ سنگیتا بولی۔

”یہ معلوم کرنے کے لیے کہ اُس کی زندگی میں یہ انقلاب کیوں
آیا اگر میں اس سلسلے میں اُس کے کام میں آؤں تو کوئی گزیر نہیں کرے گی؟“
”میرا خیال ہے کہ آپ بھی اُن سے اس کا سبب نہیں معلوم کر
سکیں گی۔“

”اگر میں اُن سے نہ معلوم کر سکی تو کسی اور ذریعے سے معلوم کر دوں
گی۔ یہ ناممکن ہے کہ میں کسی کا کہہ کر لوں اور وہ نہ ہو۔“
”گھنگو ہمسلا ذرا میرے لیے پھر منتقل ہو گیا اور کوا کی دقت
کاٹی آگئی تھی کہانی پینے کے دوران میں میں بھی، سنگیتا سے باتیں کرتی
رہی لیکن اُس کے ذہن سے کوئی ایسا نکتہ نہیں گزرتا کہ میری جو اس
عجیب وغریب معاملے کو سمجھے میری کوئی مدد کر سکتا۔ میں گھنگو
کے دوران میں بھی غصہ کر رہی تھی کہ اس سلسلے میں کچھ جاہلی سے بھی
پوچھ گچھ کر دوں گا۔ وہ چوہو سنگیتا سے واقف تھی اس لیے میں نہیں خد کہ

سنگیتا کے آپ کو جانتی ہو اور اُس کے بارے میں کچھ معلوم کر سکے
کا فی پینے کے بعد سنگیتا میرا شکریہ ادا کر کے فحش ہو گئی اور
اُس کے ساتھ ہی میں نے کچھ جہانگیر کو فون کیا۔ دوسری طرف سے
جواب ملا کہ کچھ صاحب گھر پر موجود ہیں اور غالباً شام سے پہلے
واپس نہیں آئیں گی۔

میں نے فون بند کیا اور اپنے سامنے رکھی ہوئی فائیلز ایک طرف
سرکائیوں کا کام کرنے کا مواد بالکل نہیں رہتا۔ تجسس کے لہر میں میرے
ذہن کو بچھو لے دینے لگی تھیں۔ میں یہ جاننے کے لیے بے چین ہو
چکی تھی کہ سنگیتا ہمیں پارٹی بے فی جس نے بڑے اراکوں میں
پروڈریشن پائی تھی، اب ایک غریب لگا کر دس کیسے جاگزی ایک
خیال جو میرے ذہن میں بار بار ابھرا، وہ یہ تھا کہ سنگیتا کے آپ کو
کس معاملے میں ایک میل کیا گیا ہے اور ایک میل کرنے والا شخص
مشتاق پیٹری کی ہی ہو سکتا ہے۔ اب دوسرا ہم سوال یہ تھا کہ کیا
معاہدہ کن سا ہو سکتا ہے جس میں سنگیتا کا آپ سب کچھ دے دیے؟
اس سوال کا جواب ان خود ذہن میں نہیں آ سکتا تھا۔ اس
کے لیے میں چھان چھانک کر ضرورت تھی اور میں نے فیصلہ کر
لیا تھا کہ اگر سنگیتا کا آپ غلوں سے تو میں اُسے اُس کی کھوئی ہوئی
جنت واپس ولا کر دوں گی۔

”ایک... بہت ہی چھوٹا سا کام ہے“
”یعنی؟“

”میں نے سیکھ لیا کہ اگر کوئی پتہ بتایا اور لوہی میں جا رہی ہوں
تو ہم بھی جا کر اُنکے پاس آکر رہیں گے۔ یہ سیکھنا تھا کہ اگر کوئی
سے وہ مکان دکھلا دے“

”آخر معاملہ کیسا ہے؟“

”یہ سیکھ لیا کہ اگر کوئی پتہ بتا دے“

”حسب عادت؟“ ”ضوان نے ٹھنڈا سا سانس لے کر کہا۔“

”ظاہر ہے؟“

”اُدھ؟“

”میں نے ریسور کیج دیا۔“

”میرے اُندانے کے مطابق ضوان نے ایک گھنٹہ بعد مجھے
فون کیا اور پوچھا کہ آپ کے حکم کی تعمیل کر دی ہے؟“

”اب آپ مجھے لے جاؤ اور وہ کارٹر دیکھا دو“

”بس اس حکم کی تعمیل نہیں کروں گا؟“

”کیوں؟“

”معاشرے کے برائوں سے بچنا ہر اچھے شہری کا فرض ہے؟“
”کیا ایک ہے جو؟“

”میں نے پتا لگا لیا ہے کہ اس کارٹر میں ایک نوجوان لوہی
رہتی ہے؟“

”تو پھر؟“

”معاشرے کی عاقبت اسی میں ہے کہ آپ کو لوہیوں سے
دور رکھا جائے؟“ ”ضوان نے بے ہمتی سے کہا کہ اس انداز میں کسی بھی
مجھے نہیں لگتی۔ ضوان پھر بولا یہ بولنے کا نہیں بلکہ روکنے کا
مقاصد ہے“

”بجوت! میں یہ کہہ رہی ہوں کہ اگر مجھے لے جاؤ؟“

”میں نے لے جاؤں گا۔ اس کے برخلاف میں اُس لوہی کے
پاس جا رہا ہوں۔ میں اسے خبردار کروں گا کہ شکاری نے اپنے پاؤں اُس
کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ضوان شرارت پر آمادہ تھا۔

”اگر تم نے ایسا کیا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا“ میں نے سخت
بیچے میں کہا۔

”چلیے آپ کی خاطر میں اُس کے ساتھ نہیں جا سکتا۔ آپ کو
بہر حال وہ سمجھ نہیں دے گا۔ اگر کوئی گناہ کی طرف مائل ہو تو
اُس کی مدد کرنا بھی گناہ ہے“

”تم نے معاشرے کی نام نہاد اصلاح کا ٹیکہ کب سے لے لیا

ہے؟“ ”میں خبردار کر رہی ہوں۔“

”میں ہمیشہ سے اس کا ٹیکہ لیتا ہوں“
”میں سیکھ چکی کہ اگر کوئی پتہ بتا دے تو شہر میں
ہو جائی“

”تم فضول باتوں میں وقت ضائع کر رہی ہو“

”غیر فضول باتوں کی نشاندہی کر رہی ہوں“

”میں کہہ رہی ہوں کہ مجھے لے جاؤ“

”میں نے عرض کیا کہ میں گناہ میں آ جاؤں“

”بنا چاہتا“

”بہت اڑیں جاؤ؟“ میں نے پوچھا کہ

”مجھے تو قلعہ میں کھڑا کر دیا اور بعد ضوان

کی عادت تھی کہ وہ میرا کوئی کام کرے

ساتھ ضرور تھا لیکن جب سیس منٹ کا اُلٹا

ہوا تو مجھے ضوان پر شدت سے فحش آنے لگا

ہو گئی۔ میں نے فیصلہ کیا تھا کہ خود ہی سیکھ

مجھے پہلے بھی لی ائیڈن جبکہ اُنڈر جیلا

تھا لیکن میں اتنا ضرور جانتی تھی کہ میری پس انداز

اُس طرف جاتا تھا۔ میں نے وہاں کھڑے ہو کر

”جسٹ لین“ اور ”بی بی“ کے ایک کھانے پر

”انگلی والی سواری کے حساب سے جا پہنچ کر

کارڈناٹی ہوٹل پر پیرس اور کیت پیٹری اور دیگر

جوہر تھمکے جا رہے تھے۔ اُس راہ میں سینٹ

جب اسکول پہنچے وہ گیارہ ایک راستہ بائیں

ایک تانگے کو اُس طرف مڑتے دیکھ کر ایک

چلا گیا تھا۔ میرے لیے اُنھن کی بات تھی۔ یہ

تھا کہ ان دونوں میں سے کون سا راستہ لے لینا

طریقہ کیا ہے! مجھے دیک کر ایک ڈاڑھی سے دبا

تب مجھے بتایا کہ مجھے بائیں جانب مڑنا چاہیے۔

میں اُنھوں کا اتفاق کرتی ہوئی بی بی لائیڈ جبکہ

علاقے میں بہت گہری جہاں غالباً اُنھوں کا مونس

سے آگے بڑھ گئی۔ یہاں مجھے خاصی ڈھلان

جا کر وہ راستہ دو شاخوں میں تقسیم ہوا تو مجھے ایک

بوجھنا پڑا کہ ”ایچ ایچ“ کا ریزرڈر ہے۔ اسی طرف

میں اپنی کارٹر کے قریب پہنچ گئی۔ اسی دیر میں

کے گھوڑوں کی نظر میں چڑھ چکی ہوں۔
ایسی عورت نہیں دیکھی تھی جو
ملادہ انہیں وہ راستے بھی اُسے نہیں
اگر ہوتا ہو۔ ممکن ہے کہ وہاں کبھی نہ
ہو اُن میں تو بے شک لیکن اُنھی نے اُنھیں
ہاں لکھا تھا۔ یہ راستے بڑے تنگ تھے۔

اُنوں اور دیگر لوگوں کے جھرم نے پوری

معاشرت کے بغیر وہاں سے گزرنا ایک

بڑے کام کا رہنا تھا۔ میں نے اُنھیں

”میں نے اُنھیں بتا دیا کہ میں گناہ میں آ جاؤں“

”بہت اڑیں جاؤ؟“ میں نے پوچھا کہ

”مجھے تو قلعہ میں کھڑا کر دیا اور بعد ضوان

کی عادت تھی کہ وہ میرا کوئی کام کرے

ساتھ ضرور تھا لیکن جب سیس منٹ کا اُلٹا

ہوا تو مجھے ضوان پر شدت سے فحش آنے لگا

ہو گئی۔ میں نے فیصلہ کیا تھا کہ خود ہی سیکھ

مجھے پہلے بھی لی ائیڈن جبکہ اُنڈر جیلا

تھا لیکن میں اتنا ضرور جانتی تھی کہ میری پس انداز

اُس طرف جاتا تھا۔ میں نے وہاں کھڑے ہو کر

”جسٹ لین“ اور ”بی بی“ کے ایک کھانے پر

”انگلی والی سواری کے حساب سے جا پہنچ کر

کارڈناٹی ہوٹل پر پیرس اور کیت پیٹری اور دیگر

جوہر تھمکے جا رہے تھے۔ اُس راہ میں سینٹ

جب اسکول پہنچے وہ گیارہ ایک راستہ بائیں

ایک تانگے کو اُس طرف مڑتے دیکھ کر ایک

چلا گیا تھا۔ میرے لیے اُنھن کی بات تھی۔ یہ

تھا کہ ان دونوں میں سے کون سا راستہ لے لینا

طریقہ کیا ہے! مجھے دیک کر ایک ڈاڑھی سے دبا

تب مجھے بتایا کہ مجھے بائیں جانب مڑنا چاہیے۔

میں اُنھوں کا اتفاق کرتی ہوئی بی بی لائیڈ جبکہ

علاقے میں بہت گہری جہاں غالباً اُنھوں کا مونس

سے آگے بڑھ گئی۔ یہاں مجھے خاصی ڈھلان

جا کر وہ راستہ دو شاخوں میں تقسیم ہوا تو مجھے ایک

بوجھنا پڑا کہ ”ایچ ایچ“ کا ریزرڈر ہے۔ اسی طرف

میں اپنی کارٹر کے قریب پہنچ گئی۔ اسی دیر میں

میں نے اُنھیں بتا دیا کہ میں گناہ میں آ جاؤں“

”بعض اوقات تم بہت زیادہ عجیب و غریب باتیں
کہتے ہو۔ میں نے تم سے کہنا کہ اگر کوئی
”نہیں“ مجھے نہیں بتائیں گی کہ معاملہ کیسا ہے؟“

”نہیں!“ مجھے ہنسی ہو گئی تھی۔ میں نے ضوان کی مزید بات

”میں نے خبر سلسلہ منقطع کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے دوبارہ دنگ کرے

”الیکٹرانک ایسا نہیں ہوا۔ دس پندرہ منٹ تک فون کی گھنٹی نہیں

”جی تو میں بستر پر لیٹ کر بیٹھ گیا کہ خیالوں میں کھو گئی۔ اِن خیالات

”کے ساتھ ہی وہ ٹیلیفون کال بھی میرے۔“ ”نہیں تھی جس کے

”ذہن کے کسی اجنبی نے مجھے بتایا تھا کہ سیکھ لوئی اچھی ہوئی نہیں ہے

”اچھی طرح میں نصحت گھنٹے کے آخر میں سے دفتر پہنچی۔ مجھے

”معلوم ہوا کہ سب سے پہلے صبح وقت پر دفتر پہنچی ہے اور میری

”سیکرٹری نے اُسے کچھ کام سونپ دیے ہیں۔“

”میں نے اپنی میز سجائی اور اُن سب باتوں کو اپنے سامنے

”ڈھیر کر لیا جو کہ رشتہ روز میرے دستخطوں سے مجھ پر گئی تھیں۔ کچھ

”ایسے کاغذات بھی تھے جن کا تعلق میرا نہ تھا کہ میں نے مجھے خاصا وقت

”لگا دیا کہ اتنی تنگدستی میں مجھے کافی منگنا کر پڑی۔ کافی پیٹے

”ہوتے ہیں سوچ رہی تھی کہ پٹے کے لیے لے گیا تو اپنے ساتھ لے

”جاؤں گی۔“

”سامنے بارڈر ہے۔ جب ریسپنڈنٹ نے مجھے اُن کا کام

”پر یہ اطلاع دی کہ ایک لوہی مجھ سے ملنے آئی ہے۔“

”دیکھو؟“ ”میں نے پوچھا۔“

”یہ صاحبہ کہہ رہی ہیں کہ سب آپ ہی کو بتائیں گی؟“

”کیا نام ہے؟“

”خوشنما۔“

”میں نے اپنے ذہن پر زور دیا لیکن اُس نام کی کوئی لوہی

”مجھے یاد نہیں آ سکی۔“

”اچھا...“ ”میں نے قریب تو قریب سے کہا۔“ ”بیچ دھ“ اور

”ان کا کام بند کر دیا۔“

”ذرا دیر بعد میرے کمرے کے دروازے پر کواں گیا۔“

”کمراں؟“ ”میں نے بلند آواز میں کہا۔“

”دروازہ کھلا اور قیامت میرے کمرے میں آ گئی۔ اُس

”وقت اُس لوہی کو دیکھ کر میرے ذہن میں قیامت کے سوا کوئی

”لفظ نہیں آ سکا تھا۔ اتنے سڈول جسم کی لوہیوں بہت کم دیکھنے

”میں آتی ہیں۔ چہرہ اِس طرح دکھ رہا تھا جیسے تھکے۔“ ”نہیں آکر

کے دانے سورج کی روشنی سے دھکتے ہیں۔ پاپ اسٹک سے
 ٹنگتے ہوئے ہونٹوں کی تراش ایسی تھی جو انھیں فی جانے کی خوشی
 کو بیدار کر دے۔ جسم کھجور تو تھا ہی کسا ہوا اور باقی سرسٹے جوتے
 لباس نے پوری کردی تھی۔ مریض شکہ اس میں وہ سب کچھ تھا جسے
 دیکھ کر میرے جسم کی سسناہٹ پڑھتی ہی چل جاتی ہے اور
 سترقوت حاصل کیے بغیر کم نہیں جوتی مگر ان سب باتوں کے
 ساتھ ساتھ اس لوہی کی خوبصورت آنکھوں کی تھوڑی چمک کو
 دیکھ کر میری نگاہ نے بھانپ لیا کہ یہ لوہی خاصی حد تک ہو گئی
 چشیدہ تھی۔ "اُن آنکھوں میں جانا نام کی رت بھی نہیں تھی لیکن
 ایسی لوہیوں کے ساتھ بھی کم از کم ایک مرتبہ کچھ دھک دھک لگے
 گزارے جاسکتے ہیں۔"
 "تسلیم ادا م!" اُس نے ایک اداسے کہا۔
 میں نے سر کے اشارے سے سلام کا جواب دیا اور کرسی
 کی طرف اٹھ چلا کر بولی "بھئیو! لیٹے تم مجھے ادا م کی بجائے صرف
 بالو کہہ کر مخاطب کر سکتی ہو۔"
 "تھیک یو باتو!" اُس نے کہا اور کرسی پر بیٹھ گئی۔
 میں اس کی طرف دیکھتی رہی میری نگاہ میں استعمال
 کم اور سرگسی زیادہ تھی جسے شاید اُس نے بھی محسوس کر لیا کہ ادا م
 اُس کے ہونٹوں پر پیکپائی ہوئی مسکراہٹ سے یہی ظاہر ہوا
 تھا کہ اُس نے میری آنکھوں میں دیکھے ہوئے ہونٹوں کی تپش
 محسوس کر لی تھی۔ اُس کی مسکراہٹ میں خود بخود کا منہ موجود
 تھا، جیسے اُس نے کوئی مہم سر کر لی ہو۔
 "میں یہاں ملازمت کے لیے آئی ہوں!" اُس نے
 براہ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔
 "خوب!" میں مسکرائی لیکن میری فرم نے اس سلسلے میں
 کوئی اشتہار دیا تھا؟
 "جی نہیں؟"
 "پھر؟"
 "میں نے کسی جگہ یہ ذکر نہ کیا کہ آپ کو اسٹیوگرڈ فر کی ضرورت
 ہے۔"
 میں نے فی الحال یہ جواب دینا مناسب نہیں سمجھا کہ وہ جگہ
 پُر ہو چکی ہے۔
 "خوب!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "تم نے سنا تو
 ٹھیک تھا!"
 اُس نے کہا "اگر آپ نے اسی جگہ کے لیے کسی لوہی کا

انتخاب کر لیا ہو تو میری کوئی فرق نہیں
 امتحان لے میں نے غصہ امتحان "پرائی
 بھی آپ کے من پسند امتحان میں ہا۔
 ترجیح دیں!"
 مجھے اُس کی یہ باتیں کچھ عجیب ل
 جوتے کی کوشش کرتے تھے مگر اُن میں ہند
 مطلب ہے؟"
 میرے اس سوال پر وہ کہہ نہ سکا
 برا تھا کہ وہ کچھ زیادہ باتیں کر رہی تھی۔
 "میرا مطلب ہے کہ جو بھی کرے سے کڑا
 "ایک اسٹیوگرڈ کر کے لیے کرے سے۔"
 اب وہ بٹلیں جھانکنے لگی پھر اپنا اکا
 لیا چاہا۔ اُس نے نگاہ اٹھا کر میری طرف دیر
 پھر نظر اٹھا کر بولی "شاید میں کچھ ضرورت سے
 دراصل کچھ باتوں دانہ ہوئی ہوں۔"
 "اگر تم باتوں پر بھی تو تمہیں اس ملازمت
 تھا۔ یہ اعتراف کسی میں ملازمت کے معقول
 "جی... جی ہاں... وہ... دراصل...
 شاید اُس اور اُس کی مجھ میں خودی طور پر کوئی ہوا
 اور میں اس کی طرف سے شبہات میں
 رہی تھی۔ جہاں تک میرا مشاہدے سے کسی ہی ہوا
 احساس نہیں ہوتا کہ وہ باتوں سے لیکن غور شک
 کر رہی تھی۔
 اچانک میں نے سوال کیا "تمہیں یہ کہنے
 کام کرنے کے لیے تم آئی ہو وہ مجھ پر بھی ہے؟
 "وہ مجھے... خورشید کچھ کہتے تھے کہ ایک ہفتہ
 توقف سے ہوئی۔ میں نے یہ سب کہہ کر وہ
 میں نے تو بس ایک خیال ظاہر کیا تھا؟
 میں نے ایک طویل سانس لیا، مشکوک شبہا
 میں خاصی حد تک جھمکنے لگی تھی۔ اچانک میں نے
 اور میں کر بولی "خیر! میں تو تم سے دیکھوں کی طرف م
 گی تم اتنی بھولی ہو کر میری ان باتوں سے گھبرا چکی
 "دراصل میں... میں نے ایک مرتبہ پھر اپنا قول
 دیا۔ وہ ابھی تک اپنی نوکھلاہٹ پر بروہی طرح تار
 اور غالباً مخالفت اس لیے چپ ہوئی تھی کہ وہ ادا م

ہے۔
 تمہیں تیار ہو؟" میں اُس کی آنکھوں میں دیکھتی
 وہ بھی مسکرائی۔
 اگر میرا کچھ نظر ڈالی۔ لیکن ملازمت کرنے میں
 میں نے مینڈیوں پر اپنی سیکرٹری سے
 سے کہا "میں پتہ کے لیے جا رہی ہوں۔"
 "جی۔"
 میں جگہ تم گھنٹا سے کہہ دیا کہ جب تک
 میں اُس کے۔
 یہ تھا اور سرکار خورشید سے بولی "تم پتہ
 لے۔
 "خوش قسمتی ہوگی!"
 "میں سے ادا م میں "آؤ چلیں!"
 "تو دفتر سے نکل۔"
 ہن میرے پہلو کی سیٹ پر بیٹھی تو اُس نے
 چاہا "اڈل ہے!"
 سے تاکہ کہ اس کے بعد مر سیڈیز پر کب کوئی اور
 اور یہ گاڑیوں کی طرح مر سیڈیز کا اوّل ہر سال
 اس کا وہ نہیں تھا؟
 "مر سیڈیز بہت اچھی گئی ہے؟" میں نے کار کو
 دھونے کہا۔
 "جی یہ بہترین گاڑیوں میں شمار کی جاتی ہے لیکن
 بے مجھے جو خریدت زیادہ اچھی تھی ہے۔ خورشید
 ایک ڈالہ پچھلے بھی ہم نے پتہ کرنے کہاں جا رہے ہیں؟
 "مگر دیکھنا پسند نہ ہوگی؟"
 "ہاں! وہ بیسے خوش ہوگی۔"
 "مگر ہم وہیں چل رہے ہیں۔ میں مرنے کی کوشش کرتی
 "مگر یہی کہاؤں؟"
 "میں گھر کو کن کن ہوتا ہے؟ میری خرد ذہنی مہم
 "اڈل! اس ملازمتوں کے ساتھ بالکل تیار کر دیتی لیکن کچھ
 میری چھٹی ہن میں آئی ہوئی ہے۔ اُس کی منتقل

سکرت جنوبی امریکی میں تھی لیکن اب وہ سال کا بیڑہ خورشید سے
 ساتھ گوارتی ہے اور دو تین ماہ کے لیے جنوبی امریکہ چل جاتی ہے
 آج کل وہ وہیں ہے۔ ڈاڈا سے گئی ہوئی ہے۔ لیکن ہے اُس
 کی دلی میں ایک آہ مینڈ اور گئے اور یہی گئی ہے کہ وہ وہ
 ایک دن میں ہی واپس آجائے۔"
 "جنوبی امریکہ میں وہ کس کے ساتھ رہتی ہیں؟ کیا اُن کے
 شوہر..."
 "وہ غیر شادی شدہ ہے۔"
 "تو پھر... خورشید کے چہرے پر استغاب تھا۔
 "مجھ کو وہ ان باتوں کو کہہ کر ایک ہی کہانی ہے۔ ہم دونوں ہون
 کی زندگی بڑی انسانی ہے۔ جن کو گورن نے ہیں تو سب سے نہیں
 دیکھا وہ ہماری باتوں کو گپ سمجھتے ہیں۔ تم پہلے بولے ہیں کچھ
 بتاؤ یہ کہاں رہتی ہو؟"
 "پہلی ای سی ایچ! اس میں؟" خورشید نے جواب دیا "خیم
 نیل کے بالکل ملنے والی گلی میں۔"
 میں اُس سے اُدھر اُدھر کی بات کرتی ہوئی گھر پہنچ گئی۔
 "ادھ مال کا ڈالہ؟ خورشید کے فرقے سے تھلا؟" آپ کی تیار تھا
 تو بڑی خوبصورت ہے۔"
 "اس کا نقشہ ایک فرانسیسی آرکیٹیکٹ نے بنایا تھا جو میری
 بہت پیاری دوست ہے۔"
 "یعنی کوئی روکی؟"
 "ہاں!" میں نہیں پڑی۔
 "گھڑی کو گریج میں لے جانے کی بجائے تمہیں پرجہ ہی میں چھوڑ
 کریں خورشید کے ساتھ سوار سے آتے آئی۔" رات میں میں میری
 خصوصی ملازمت ہو گئی۔ میں نے اُس سے کہا "کچھ دیر بعد جب
 میں کال بیل بجائوں تو کھانا لایو روم میں بچاؤ دیا۔ اگر کوئی مجھ سے
 ملنے آئے تو کہہ دیا کہ میں موجود نہیں ہوں۔ گھڑی کو گریج میں
 کھرا کر دو!"
 "بہت بہتر!"
 میں خورشید کا اٹھتا تھا سے جو پیلو روم کی طرف بڑھ گئی۔
 پیلو روم میں نے ابھی حال میں ہی ایک خاص انداز سے مزین
 کیا تھا۔ اس انداز کا کہہ شاید ہی کسی گھر میں ہو۔ اُس کے فرش پر
 اعلیٰ ترین قسم کا فوم تھا جس پر ایرانی تالین بچھا ہوا تھا۔ اس
 تالین کی قیمت بائیس ہزار پونے تھی۔ تالین پر کی ریشمی
 کھانڈیچے پڑے ہوئے تھے۔ ایک گوشے میں چھوٹا سا کینٹ تھا۔

سب کی ذیلی سے مختلف حصوں سے نکالی ہوئی شراب کی بوتلیں بڑے پیلے سے رکھی ہوئی تھیں۔ ایک خانے میں باریک شیشے کے صاف و شفاف پیالے اور گلاس رکھے ہوئے تھے۔ وہ پیالے واصل ایرانی فنکار تھے جو اس پیاوٹوں کے طور پر اس وقت استعمال کرتی تھیں جب نیٹ بیٹے کا موڈ ہوتا تھا۔ کینٹ کے ایک خانے میں خشک میوے رکھے ہوئے تھے۔ اس کے قریب ہی سالانہ سائز کا ایک ریفریجریٹر بھی موجود تھا۔

دیواروں پر میری بیانی ہوئی تصویریں آویزاں تھیں۔ یہ ان لوگوں کی تصویریں تھیں جن کو میں نے بہت زیادہ پسند کیا تھا۔ ان میں دو تصویریں کے سوا سب کا سائز یکساں تھا۔ وہ دو بڑی تصویریں شاہد اور فرخ کی تھیں۔ جو لوگ میری سرگزشت کی جلد اول پڑھ چکے ہیں وہ بھی ان دونوں لوگوں کو قمر اورش نہیں کر سکتے ہوں گے۔ ان تصویروں کی سب سے اہم صفت یہ تھی کہ وہ فطرت کے عین مطابق تھیں۔ اگر کوئی عام لوگ ان تصویروں کو دیکھ کر تو گھبرا کر دونوں باتوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیتی لیکن خورشید نے انھیں بڑی دلچسپی سے دیکھا۔

”نانا!“ اس کے لیے میں تمہیں بتاؤں۔“

”بہت پسند کرتی تھیں یہ تصویریں؟“

”بالکل سیدھی کا تو مجھے ان میں کوئی پیو بی نظر نہیں آتا“

”مگر یہ بانی کس نے ہیں؟“

”تمہیں کبھی مجھ پر مصوری کا موڈ بھی طاری ہو جاتا ہے؟“

”اوہ! آپ تصور بھی ہیں؟“

”بس یو کی آٹھ بجے میرے برٹن چلائی۔“

”آپ انکسار سے کام لے رہی ہیں؟“

”ان کس باتوں کو کھسک کر وقت کے لیے اٹھا رکھو اور یہ بتاؤ کہ کھانے سے پہلے تم کچھ پیانا چاہو گے؟“

”کوئی خرچ نہیں ہے۔“

”نیٹ پیو! اپنی رلا کر؟“ میں نے کینٹ کی طرف قدم بڑھائے۔

”نیٹ چلے!“

”گڈ!“ میں نے کہا اور ساتھ ہی یہ بھی سوچا کہ لڑکی خاصی کھلی ہوئی ہے۔

”اوہ... واہ! خورشید کے لڑکا بڑا خوبصورت اور درانگ احوال بن گیا کہاں سے آئے گی؟“

”میں نے تیز روشنی ختم کرنے کے متعلق ایک سیکشنز سے بھی ہے۔ اس چھوٹے سوراخ محل کے گرد دیوار پر اوپر میں ہم یہ خوش بو آہنی سوراخوں سے خارج ہو کر رہی ہے۔“

”اے گاڈ! آپ تو مجھے ایک طمس نہ میں نے نہیں کر کیا پیانا؟“

”ہاں تم اس کمرے کو طمس خانہ بخش ہو رہی ہو۔“

”اس کا نام یوڈوم رکھا ہے۔“

”یہ نام بھی خوب ہے۔“

”چیز!“ میں نے اس کے پیانے سے ہلکی سی چٹکی لی، پھر میں نے اپنی سینڈیلز (آؤٹر

طرف اٹھا لیں اور تالین پر اونگ لیٹ گئی

خورشید کو دعوت دی کہ اس طرح لیٹ کر بیٹھ آئے۔“

”یقیناً ایسا ہو گا۔ شاید ان تالین کے نیچے پر۔“

”ہاں۔“

وہ میرے سامنے بائیں اسی طرح اذدیں لیٹ

میں لیٹ ہوئی تھی۔ اس نے کہا: ”خوشبو تو بڑی تیز لی

رہی ہے۔ کیسے یہ اتنی زیادہ نہ ہو جائے کہ گراں گو

”نہیں؟“ میں نے جواب دیا: ”گراں گزرتا ہے۔“

”سے پہلے وہ سوراخ خود بخود بند ہو جائیگا۔“

”آؤ ٹینگ؟“

”ہوں!“

”اس کمرے پر آپ نے بہت پیسا خرچ کیا

”کچھ ایسا زیادہ بھی نہیں۔“ میں نے کہا کہ پیانے سے

مجھسک لی۔

میں ردن میں جا کر کے مجھے اپنی طرف شش میں وہ خوشبو میری طرف کھسک آئی۔

میں نے شراب کی بوتلی میں سے وہ اور میرے اوپر

میں نے بھرتی ہوئی سی ڈاؤن میں کہا: ”یہ جام تو

اوں نے پیانے خالی کر دیے تو میں نے کچھ کر

نیٹ پر رکھ آئی۔“ وہی سے پہلے میں نے

وہ کھانا براہ کرم دیا۔ اس میں کچھ تھے

پہلے جسے سے نیٹوں دھواں خارج ہونے لگا۔

میں نے کچھ اچھل کر دیا۔

”ہاں! وہی یہ سب کچھ بہت زیادہ ڈانٹک ہو

لانٹک میں کا نام تو سہا ہی ہو گا۔ یہ دھواں

”اے ملتی ایک چیز ہے۔ جسم پر اس کا اثر کچھ یوں

مگر بہت ہی آہستہ آہستہ گھٹا رہا ہو۔ آہستہ

ان بات کچھ ہے۔“ میں نے اس کے پاس

میں نے اس کی تعریف اس سے بہتر انداز میں نہیں

”اے آخر اس کمرے میں کیا کچھ ہے؟“

”نہیں کر کہا۔“ میں نے اس کو طمس خانہ کہہ چکی ہو

”ت پر بھی تو بے نہ کرو۔“

”اے گوارے اور پھر ہم نے تہذیب کی نقابوں کو تان

ل کچھ جس کی پوشش کے مرنون منت نہ ہے تو

”شہدہ تاج کی طرح میں پھر کچھ نکال جائے۔“

”اے بادلوں میں میرے تھے۔ وہ نیٹوں میں آتی جا رہی

بادلوں میں جوان کی جلیاں کو کھڑی رہیں اور جذبات کا فافلا

پاؤں اور اوڑھ لیں گے کڑوا، مسخ ریش مقامات سے جھلنا

ہوا اس منزل تک پہنچ گیا جہاں ایک بھٹکارا ہوئی ادھر گھبرا

سکوت چھا گیا۔ اس سکوت میں اب بس ٹھہرا ٹھہرا

سانسوں کی بھٹ باز رہ گئی تھی۔

دھویں کے بادل اب آہستہ آہستہ کم ہونے جا رہے تھے۔

جن سوراخوں سے وہ دھواں خارج ہوا تھا، اسی سوراخ اب

اس دھویں کو واپس کھینچ رہے تھے۔ یہ سارا نظام خود کار تھا۔

بادلوں کی یہ بازگری صرف نصف گھنٹے کے لیے ہوتی تھی۔

اگر اس وقفے کو بڑھا دیا تو کچھ دیر دیا بڑھا تھا۔

دھویں کے پوری طرح صاف ہونے سے پہلے میں نے

اور خورشید نے اپنے جسموں کو تہذیب کی نقابوں سے آہستہ

کر دیا پھر یہی ہوئی رفتیں درست ہیں اور اور اور اور اور اور

پہنچنے سے اپنے چہرے صاف کیے۔ وہ ایک شگفتہ لڑکی اور بیکسا

پہنچ گئی تھی۔

”اوہ! اوہ! خورشید نے ایک طویل ترین سانس لیا۔“

”میں نے اس کی تعریف اس سے بہتر انداز میں نہیں

”اے آخر اس کمرے میں کیا کچھ ہے؟“

”نہیں کر کہا۔“ میں نے اس کو طمس خانہ کہہ چکی ہو

”ت پر بھی تو بے نہ کرو۔“

”اے گوارے اور پھر ہم نے تہذیب کی نقابوں کو تان

کہہ سکتی ہوں کہ میری قوم میں ملازمت کے لیے تمہاری یہ کوشش
محض بے لاف مزاحمت نہیں ہے؟
”آپ... آپ کچھ... غلط فہمی...“
”بجوت!“ میں نے اُس کی بات کاٹ دی۔ میرا لہجہ بہت
سخت تھا۔ میں نے اُسے ٹھوکر سے دھکیلا۔ کما میں بہت دانا
پسند ہوں خورشید، لیکن میرے مزاج میں سختی بھی ہے۔ اتنی سختی
جس کا تم فقور بھی نہیں کر سکتیں۔ یہ کہو ماؤنڈ پروف ہے اور
اُس کمرے کے علاوہ اُس گھر میں ایک عقوبت باغ بھی ہے۔
وہاں میں اپنے غافلین کے ساتھ بہت بڑا سلوک کرتی ہوں۔ مگر
تم اُس عقوبت خانے میں نہیں جانا چاہتیں تو بہتر ہوگا کہ میرے
سوالوں کے اسل ٹھیک ٹھیک جواب دو۔“
خورشید کا چہرہ اب بڑی حد تک رنگ بدل چکا تھا۔
میں ہوتی رہی۔ ”میں تم پر یہ بھی واضح کر دوں کہ میں اُس ایک
فرم کی مالک نہیں بلکہ کچھ اور بھی ہوں۔ آخر تم نے میرے خلاف
قانون کے دروازے پر دستک دی تو اس سے بھی تمہیں کوئی
فائدہ نہیں ہوگا۔ قانون کے اراکوں میں کسی ایسی بات پر کان
نہیں دھرا جائے گا جو میرے خلاف کہی جائے۔“
”سب کچھ میں نے خورشید کو مرعوب کرنے کے لیے
کہا تھا اور مجھے اپنے اُس قہقہے کا کیا بلی بھی حاصل ہو گئی۔
خورشید نے نظریہ ہلائی اور ننگے سی اواز میں بولی۔ ”مجھے اس کا
کے لیے دو ہزار روپے دیے گئے تھے اور یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ اگر
میں ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی تو مجھے مزید دو
ہزار روپے دیے جائیں گے۔ اس کے بعد دو ہزار روپے اس
وقت دیے جاتے جب میں آپ کی فرم میں ایک ماہ گزارا ہوں۔“
”ہوگا!“ میں نے سر ہلایا۔ میرا یہ اندازہ درست ہی ثابت ہوا۔
”خورشید کو میری فرم میں مقرر کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ میں
تھکیا کو ملازم نہ رکھوں۔ کوئی نہ معلوم ہستی تھکیا کو اس ملازمت
دور رکھنا چاہتی تھی۔ غالباً وہ اپنا ہر سزا جتنی جس نے مجھے
تھکیا کو بھی لگا تھا۔ اچھا خورشید! اب یہ بتاؤ کہ اس شخص
کا نام کیا ہے؟“
”اُس کا پورا نام تو مجھے نہیں معلوم! کمالا در کے ملازم ہیں وہ
آجاری کے نام سے مشہور ہے۔“
”کس اعتبار سے مشہور ہے؟“
”وہ لوگوں کا پر کر ہے۔“
”اُس سے تمہارا تعلق کس واسطے سے ہے؟“

”ابن خورشید کی نکاح مکمل رہا۔
”شرمندگی کی ضرورت نہیں۔ میں
تھا کہ تم کس قسم کی بولکی ہو شہر مجھے تھا
کوئی دیکھتی نہیں۔ یہ تھا رازانی صاحبہ۔
اور بتاؤ۔ تا آری کہ اس بات سے کیا
کو میری فرم میں ملازمت مل جائے۔“
”میرے انداز کے مطابق یہ کام
کر رہا ہے۔“
”ہوں!“ میں سوچ میں ڈوب گئی
ایک منٹ تک میں نہیں بولی۔ آخر اس سرعت
”اب میرے لیے میں آپ کا پیٹ بچا ہوا
میں اپنے خیالات سے چونکی مگر اس
پیشے کی بجائے اس سے ایک سوال کر رہی ہوں۔
سکتی ہو؟“
خورشید نے بلا توقف کھارور کی ایک لم
کا نمبر بتا دیا۔
میں نے دوسرا سوال کیا ”اُسے تا آری کیوں
بنا کر کوئی نام تو نہیں ہوا۔“
”اُس کی وضع قطع یہ کہ ایسی ہے۔ ملازم نکالنا
چہرے سے مجھے تا آریوں کے روایتی ٹھیلے۔
رکھتا ہے۔ غالباً یہی وہ اس نام سے مشہور ہو گا
”ہوں!“ میں پھر اس سوچ میں ڈوب گئی کہ
اُس پر یہ شخصیت کا تپا کس طرح پھیلا جائے!
خورشید بولی ”میرے ہاتھ میں اب آپ کا
پرچہ کا۔“
”کچھ پرائیویٹ ہوگا مطمئن رہو۔“ میں نے مسکرا کر کہا
عمر گھر پر کس وقت رہتا ہے؟“
”شام کے بعد گھر پر رہتا ہے کیونکہ اُس کے گھر
اپنی باتیں رنگین بنانے کے لیے اُس وقت اُس کی اسٹاک
”ٹھیک!“ میں نے سر ہلایا۔ میں آج شام کو اس
لے جاؤں گی جب تک اُس سے میری ملازمت نہ ہو
اسی کہے میں میری بہانہ رہو گی!
”ٹھیک ہے۔ میں آپ کی اس احتیاط کو حق بہ جانہ
ہوں لیکن آپ کا ایک بات بتا دوں! تا آری ہوتا
آری ہے۔“

”ہی... دراصل ابھی تم ہاتھ سے واقف
ہو۔ ات کی۔ اچھا اب میں جانوں گی۔
لہاں ہے کہ اب تم راز کر دو۔ اگر کسی چیز
مازل ہا میں دباؤ نہاں۔ اہل اگر تم نے ہاں
کہ میری ملازمت میں تمہارے ساتھ بہت
گی اور مجھے اُس کا اسوس ہو گا۔
ایک وقت گزارنا تو میرے لیے نشاطا
جینے کی سہولت کے ساتھ تھا۔
یہ خیال برکوتی بھر نہیں کیا اور کرے
میں ملازم کو میں نے خورشید کے سامنے
اُس طرف روانہ ہو گئی۔ دفتر پرچہ کر کے
دفتری سے رابطہ قائم کیا اور پوچھا ”کوئی
سہ ایک ناگ کی آپ کی میز پر رکھا ہے؟ ہوں
جو ماہ بریں کپڑے سے ہلا چڑھا کر دوڑ
ماہ... مجھے والا ہے اُس کے تمام اہم نکات
اُس۔ جب آپ اس ناگ کو اچھی طرح دیکھ
کے ڈائریکٹر سے میٹنگ کے لیے کوئی وقت
دیکھ لیتی ہوں۔ تھکیا کیا کر رہی ہے؟“
”میں نے اُس سے کہہ دیا تھا کہ دفتر کی وقت
پہلے ملازمت کر لے۔“
”میں نے یہ کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔
کے معاملے سے متعلق نکات پر زور کرنے میں مجھے
الزبتھی وقت ختم ہونے تک میں اُس ناگ کو بوری
مگر میں۔ دروازے پر دستک ہوئی تو میں نے
میں نے پورا اواز میں کہا۔
اُن کے مطابق وہ تھکیا میں تھی۔ وہی بھولا جالا
نہ ہو وہ مادہ باس اور وہی انتہائی کشش
”ہم کوئی نام نہیں ہے سہی تھی۔
”میں نے مسکرا کر کہا ”آج زیادہ کام تو نہیں کرنا
میں زیادہ ہے۔“
”جی ہاں تو کیا، ملازمت تو کرنا ہی ہے۔“ تھکیا نے
بٹل کے ساتھ ”پھر بولی“ مجھے سے کہا گیا تھا کہ میں

”مجھے سے پہلے آپ سے ملازمت کر لوں۔“
”اب... بس یونہی کہلوادیا تھا میں نے! اس کی ضرورت تو
نہیں تھی۔ تمہیں اپنا وعدہ یاد ہی ہوگا۔ آج تم مجھے اپنے کھرے
جاؤ گی نا؟“
”جی... وہ... تھکیا کے چہرے پر تذبذب کے آثار پیدا
ہو گئے۔
”غیریت؟“ میں نے سونے والی نظر سے دیکھنے لگی۔
”دراصل وہ... پتا چلی...“
”کیا ہوا تھکیا کے پتا چلی کو؟“ میں نے جلدی سے پوچھا۔
”چرا تو کچھ بھی نہیں۔“
”چرا کیا بات ہے؟“ پتا چلی تو کسی ااطینا سے بتاؤ کیا
مسئلہ ہے؟“
”تھکیا بیٹھ گئی۔ اُس کے چہرے سے پریشانی ہو رہی تھی۔
”میں پتا چلی مجھ پر بہت لافیں ہوتے تھے۔“ اُس نے کہا۔
”کیوں؟“ میں نے پوچھا۔
”میں نے انہیں بتا دیا تھا کہ آپ اُن سے ملنے نہیں گئی۔“
”اس میں مجھ کو لاشکی کی کوئی بات ہے؟“ میں نے تجویز
سے کہا۔
”جی وہ... دراصل... انہوں نے مجھے لاشکی میں نے آپ کو
اپنے اسی کے ہاتھ میں بتا دیا ہے۔ اسی بات پر وہ لافیں ہوتے
تھے۔ وہ چاہتے ہیں کہ میں اپنے اسی کو سیر ہجول جاؤں اور
کسی سے اُس کا ذکر نہ کروں۔ وہ نہیں چاہتے کہ آپ اُن کے
ماضی کو بڑھیں! اس سلسلے میں سہولت کریں۔ انہوں نے مجھ سے
کہا تھا کہ میں کوئی باز نہ کر کے آپ کو ہلا جاؤں لیکن میرا دل نہیں
چاہا کہ آپ سے جھگڑا ہوں۔“
میں غور سے تھکیا کی طرف دیکھتی رہی۔ وہ اُس لمحے بھی
کسی معصوم بچی کی طرح ٹھک رہی تھی۔ میں نے دیر سے توقف
سے کہا ”خیر تم کتنی ہوشیار ہیں اُن کے امانی سے متعلق کوئی سوال
نہیں کروں گی لیکن صرف ملازمت کے لینے میں کیا مہرج ہے؟“
”ہاں!“ تھکیا نے جھڑپائی ہوئی آواز میں کہا ”میں آپ سے
انتظار کرتی ہوں کہ آپ اُن سے ملازمت بھی نہ کریں۔“
”اچھا!“ میں نے ایک طویل سانس لیا۔ ”آخر تمہاری ہی مرضی
ہے تو ٹھیک ہے۔“
”آپ نے نہ تو میں لانا باز؟“
”ارے!“ میں ہنس پڑی۔ ”بھلا اس میں ہرمانتہ کیا

بات ہے؟

”یہ تہذیبی ہے کسی کو گھر سے بدلو کرنے کے بعد انکار بھی کر دیا جائے“

”میں ہنستی ہوئی اپنی کرسی سے اٹھی اور گھٹیا کی پشت پر جا کر اُس کا شائبہ چمکتی ہوئی برلیں اس بات کو اپنے ذہن سے نکال دوئے لی کہ میں نے تمہاری کسی بات کا جُڑا مانا ہو گا“

”شکر ہے باز“

”اب تم جا سکتی ہو“

اور وہ چل کر مجھے سوچ میں ڈوبا ہوا چھوڑ کر! سوچ میں ڈوبنے کی بات تھی۔ آخر گھٹیا نے یہ قلم بازی کیوں کھائی؟ کل تو وہ مجھ سے وعدہ کر چکی تھی کہ مجھے اپنے گھر لے جائے گی، پھر آج کیا چوکا ہے کیا واقعی اُس کے باپ ہی نے اُسے منع کیا ہو گا؟ مگر کیوں؟ آخر وہ اپنے باپ کو: ”میں کیوں رکھنا چاہتا ہے؟“ اُس نے ایسا بکھڑا کر دیا مگر کسی سے فریاد بھی نہیں کرنا پڑا! اس اعتبار سے وہ میری نظر میں ایک پُر سرار شخصیت بننا چاہ رہا تھا اور اُس کے بارے میں معلومت حاصل کرنے کا واحد ذریعہ لی الحال اگر میری نظروں میں تھا تو وہ صرف پیچھا چھوڑ تھی۔ میں نے ایک بار پھر اُس کے گھروں کیا۔ اس مرتبہ مجھے ایک چوڑکا دینے کا جواب کھینا پڑا۔

”وہ پیر گئی ہوئی ہیں“

”کب؟ کب گئی ہیں؟“ میں نے چونک کر پوچھا۔

”پرسوں گئی تھیں“

”تین کل جب میں نے فون کیا تھا تو مجھے یہ بات نہیں بتائی گئی تھی“ میں نے توجہ سے جھانک کر کہا۔

”پیچھے ماموں کی خاص روایت تھی کہ اُن کے دورِ پیر کے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتایا جائے“

”پھر اب کیوں بتا دیا گیا؟“ میرا لہجہ بدستور خشک تھا۔

”دراصل آج پیر سے اُن کا فون آیا تھا۔ یہ ابھی ایک گھنٹہ پہلے کی بات ہے۔ جب انھیں بتایا گیا کہ آپ انھیں کئی مرتبہ فون کر چکی ہیں تو انھوں نے کہا کہ صرف آپ کو اُن کے اس دورے کے بارے میں بتا دیا جائے“

میں نے فوراً سائنڈ بنایا اور بولی ”واپس کارڈ گرام سب تک ہے؟“

”دس پندرہ دن تک گئے“

”کیا انھیں وہاں کوئی خاص کام ہے؟“

”جی نہیں تقریر کا عملی بھی“

”کیسی؟“

”جی... وہ...“

”پچھریج تیار۔ تمہیں معلوم ہے؟“

”کتے قریب ہیں!“

جواب میں مجھے فلمی دنیا کے

کا نام بتایا گیا۔ وہ بڑا زبرد اور تحریف لا

کے عین مطابق...! وہ پورے حال کا

میں جانتی تھی کہ پیچھا جائے گا

ہوئے حال سے اُس کا شکار نہ نہیں

”پیر میں وہ کس بڑی نہیں

”مجھے خبر نہ تھا کہ میں اُن سے رابطہ

”یہ تو انھوں نے بتا ہی نہیں“

میں سمجھ کر پیچھا چھوڑ کر

رکھنا چاہتی ہے میں نے ایک مہینے

دیا۔ اب یہ ایک اور الجھا دیا ہو گیا تھا کہ

کم از کم پیچھا چھوڑنے کے لیے

بات نہیں معلوم کر سکتی تھی

میں دفتر سے کل کر گھر کی طرف روانہ

مجھے ڈھکڑھکڑا کرنا تھوڑے

معلوم کرنا تھا کہ اُس نے کس کے

تھا! اُس کے بعد رات کو دس بجے

قرب درجہ میں رہنا تھا۔ میں

مجھے صرف کوئی دیر بعد میں

کوئی خاص وقت نہیں ہو گی۔ میں

داں اپنی کار میں نہیں جاؤں گی۔

نظروں میں چھوڑ جاتی۔

میں نے شام تک کا وقت گھر

نہیں گئی۔ میں نے بس ملازمے

کر رہی ہے۔

پھر رات کا آغاز میرے

کھا اور میں بھی ملازم کا نام

میں مجھے کوئی وقت نہیں

طے کر کے دوسری منزل پر

سے خبر پڑے ہوئے تھے

نومے کئی آدمیوں کے آئیں

ماہ میں ہی بند ہو گئیں

لہذا ان کے طرف آنے

لی لی مری تک سے

گھوم دیا۔

آدمی ہرگز نہیں

بتائے ہوئے

از فلان انداز میں

لنا ہے۔“ میں نے اُس سے

”یہ تو ایسا تھا۔ اُسے

”اب میں“ کہہ کر

دل اس سے

”اچھا توں گی۔ اُس سے

”یہ بتا دیا تھا کہ

”میں صرف اُن کا

”اب میں صرف

”اب میں صرف

”اب میں صرف

”اب میں صرف

”اب میں صرف

”اب میں صرف

”اب میں صرف

”اب میں صرف

”اب میں صرف

”اب میں صرف

”اب میں صرف

”اب میں صرف

”اب میں صرف

”اب میں صرف

”اب میں صرف

”اب میں صرف

”اب میں صرف

”اب میں صرف

”اب میں صرف

”اب میں صرف

”جی نہیں تقریر کا عملی بھی“

”کیسی؟“

”جی... وہ...“

”پچھریج تیار۔ تمہیں معلوم ہے؟“

”کتے قریب ہیں!“

جواب میں مجھے فلمی دنیا کے

کا نام بتایا گیا۔ وہ بڑا زبرد اور تحریف لا

کے عین مطابق...! وہ پورے حال کا

میں جانتی تھی کہ پیچھا جائے گا

ہوئے حال سے اُس کا شکار نہ نہیں

”پیر میں وہ کس بڑی نہیں

”مجھے خبر نہ تھا کہ میں اُن سے رابطہ

”یہ تو انھوں نے بتا ہی نہیں“

میں سمجھ کر پیچھا چھوڑ کر

رکھنا چاہتی ہے میں نے ایک مہینے

دیا۔ اب یہ ایک اور الجھا دیا ہو گیا تھا کہ

کم از کم پیچھا چھوڑنے کے لیے

بات نہیں معلوم کر سکتی تھی

میں دفتر سے کل کر گھر کی طرف روانہ

مجھے ڈھکڑھکڑا کرنا تھوڑے

معلوم کرنا تھا کہ اُس نے کس کے

تھا! اُس کے بعد رات کو دس بجے

قرب درجہ میں رہنا تھا۔ میں

مجھے صرف کوئی دیر بعد میں

کوئی خاص وقت نہیں ہو گی۔ میں

داں اپنی کار میں نہیں جاؤں گی۔

نظروں میں چھوڑ جاتی۔

میں نے شام تک کا وقت گھر

نہیں گئی۔ میں نے بس ملازمے

کر رہی ہے۔

پھر رات کا آغاز میرے

کھا اور میں بھی ملازم کا نام

میں مجھے کوئی وقت نہیں

طے کر کے دوسری منزل پر

سے خبر پڑے ہوئے تھے

”جی نہیں تقریر کا عملی بھی“

”کیسی؟“

”جی... وہ...“

”پچھریج تیار۔ تمہیں معلوم ہے؟“

”کتے قریب ہیں!“

جواب میں مجھے فلمی دنیا کے

کا نام بتایا گیا۔ وہ بڑا زبرد اور تحریف لا

کے عین مطابق...! وہ پورے حال کا

میں جانتی تھی کہ پیچھا جائے گا

ہوئے حال سے اُس کا شکار نہ نہیں

”پیر میں وہ کس بڑی نہیں

”مجھے خبر نہ تھا کہ میں اُن سے رابطہ

”یہ تو انھوں نے بتا ہی نہیں“

میں سمجھ کر پیچھا چھوڑ کر

رکھنا چاہتی ہے میں نے ایک مہینے

دیا۔ اب یہ ایک اور الجھا دیا ہو گیا تھا کہ

کم از کم پیچھا چھوڑنے کے لیے

بات نہیں معلوم کر سکتی تھی

میں دفتر سے کل کر گھر کی طرف روانہ

مجھے ڈھکڑھکڑا کرنا تھوڑے

معلوم کرنا تھا کہ اُس نے کس کے

تھا! اُس کے بعد رات کو دس بجے

قرب درجہ میں رہنا تھا۔ میں

مجھے صرف کوئی دیر بعد میں

کوئی خاص وقت نہیں ہو گی۔ میں

داں اپنی کار میں نہیں جاؤں گی۔

نظروں میں چھوڑ جاتی۔

میں نے شام تک کا وقت گھر

نہیں گئی۔ میں نے بس ملازمے

کر رہی ہے۔

پھر رات کا آغاز میرے

کھا اور میں بھی ملازم کا نام

میں مجھے کوئی وقت نہیں

طے کر کے دوسری منزل پر

سے خبر پڑے ہوئے تھے

”جی نہیں تقریر کا عملی بھی“

”کیسی؟“

”جی... وہ...“

”پچھریج تیار۔ تمہیں معلوم ہے؟“

”کتے قریب ہیں!“

جواب میں مجھے فلمی دنیا کے

کا نام بتایا گیا۔ وہ بڑا زبرد اور تحریف لا

کے عین مطابق...! وہ پورے حال کا

میں جانتی تھی کہ پیچھا جائے گا

ہوئے حال سے اُس کا شکار نہ نہیں

”پیر میں وہ کس بڑی نہیں

”مجھے خبر نہ تھا کہ میں اُن سے رابطہ

”یہ تو انھوں نے بتا ہی نہیں“

میں سمجھ کر پیچھا چھوڑ کر

رکھنا چاہتی ہے میں نے ایک مہینے

دیا۔ اب یہ ایک اور الجھا دیا ہو گیا تھا کہ

کم از کم پیچھا چھوڑنے کے لیے

بات نہیں معلوم کر سکتی تھی

میں دفتر سے کل کر گھر کی طرف روانہ

مجھے ڈھکڑھکڑا کرنا تھوڑے

معلوم کرنا تھا کہ اُس نے کس کے

تھا! اُس کے بعد رات کو دس بجے

قرب درجہ میں رہنا تھا۔ میں

مجھے صرف کوئی دیر بعد میں

کوئی خاص وقت نہیں ہو گی۔ میں

داں اپنی کار میں نہیں جاؤں گی۔

نظروں میں چھوڑ جاتی۔

میں نے شام تک کا وقت گھر

نہیں گئی۔ میں نے بس ملازمے

کر رہی ہے۔

پھر رات کا آغاز میرے

کھا اور میں بھی ملازم کا نام

میں مجھے کوئی وقت نہیں

طے کر کے دوسری منزل پر

سے خبر پڑے ہوئے تھے

”جی نہیں تقریر کا عملی بھی“

”کیسی؟“

”جی... وہ...“

”پچھریج تیار۔ تمہیں معلوم ہے؟“

”کتے قریب ہیں!“

جواب میں مجھے فلمی دنیا کے

کا نام بتایا گیا۔ وہ بڑا زبرد اور تحریف لا

کے عین مطابق...! وہ پورے حال کا

میں جانتی تھی کہ پیچھا جائے گا

ہوئے حال سے اُس کا شکار نہ نہیں

”پیر میں وہ کس بڑی نہیں

”مجھے خبر نہ تھا کہ میں اُن سے رابطہ

”یہ تو انھوں نے بتا ہی نہیں“

میں سمجھ کر پیچھا چھوڑ کر

رکھنا چاہتی ہے میں نے ایک مہینے

دیا۔ اب یہ ایک اور الجھا دیا ہو گیا تھا کہ

کم از کم پیچھا چھوڑنے کے لیے

بات نہیں معلوم کر سکتی تھی

میں دفتر سے کل کر گھر کی طرف روانہ

مجھے ڈھکڑھکڑا کرنا تھوڑے

معلوم کرنا تھا کہ اُس نے کس کے

تھا! اُس کے بعد رات کو دس بجے

قرب درجہ میں رہنا تھا۔ میں

مجھے صرف کوئی دیر بعد میں

کوئی خاص وقت نہیں ہو گی۔ میں

داں اپنی کار میں نہیں جاؤں گی۔

نظروں میں چھوڑ جاتی۔

میں نے شام تک کا وقت گھر

نہیں گئی۔ میں نے بس ملازمے

کر رہی ہے۔

پھر رات کا آغاز میرے

کھا اور میں بھی ملازم کا نام

میں مجھے کوئی وقت نہیں

طے کر کے دوسری منزل پر

سے خبر پڑے ہوئے تھے

”جی نہیں تقریر کا عملی بھی“

”کیسی؟“

”جی... وہ...“

”پچھریج تیار۔ تمہیں معلوم ہے؟“

”کتے قریب ہیں!“

جواب میں مجھے فلمی دنیا کے

کا نام بتایا گیا۔ وہ بڑا زبرد اور تحریف لا

کے عین مطابق...! وہ پورے حال کا

میں جانتی تھی کہ پیچھا جائے گا

ہوئے حال سے اُس کا شکار نہ نہیں

”پیر میں وہ کس بڑی نہیں

”مجھے خبر نہ تھا کہ میں اُن سے رابطہ

”یہ تو انھوں نے بتا ہی نہیں“

میں سمجھ کر پیچھا چھوڑ کر

رکھنا چاہتی ہے میں نے ایک مہینے

دیا۔ اب یہ ایک اور الجھا دیا ہو گیا تھا کہ

کم از کم پیچھا چھوڑنے کے لیے

بات نہیں معلوم کر سکتی تھی

میں دفتر سے کل کر گھر کی طرف روانہ

مجھے ڈھکڑھکڑا کرنا تھوڑے

معلوم کرنا تھا کہ اُس نے کس کے

تھا! اُس کے بعد رات کو دس بجے

قرب درجہ میں رہنا تھا۔ میں

مجھے صرف کوئی دیر بعد میں

کوئی خاص وقت نہیں ہو گی۔ میں

داں اپنی کار میں نہیں جاؤں گی۔

نظروں میں چھوڑ جاتی۔

میں نے شام تک کا وقت گھر

نہیں گئی۔ میں نے بس ملازمے

کر رہی ہے۔

پھر رات کا آغاز میرے

کھا اور میں بھی ملازم کا نام

میں مجھے کوئی وقت نہیں

طے کر کے دوسری منزل پر

سے خبر پڑے ہوئے تھے

”جی نہیں تقریر کا عملی بھی“

”کیسی؟“

”جی... وہ...“

”پچھریج تیار۔ تمہیں معلوم ہے؟“

”کتے قریب ہیں!“

جواب میں مجھے فلمی دنیا کے

کا نام بتایا گیا۔ وہ بڑا زبرد اور تحریف لا

کے عین مطابق...! وہ پورے حال کا

میں جانتی تھی کہ پیچھا جائے گا

ہوئے حال سے اُس کا شکار نہ نہیں

کچھ دیر میں ہائے تانے کو باقی تین سواریاں بھی میرا گھوڑا
اور دھڑکیاں مل رہی تھیں۔ اس قسم کے رستے پر اور اس قسم کے
سانچے پر سفر کرنے کا اتفاق مجھے غار دوسری مرتبہ ہوا پہلی مرتبہ
میں نے اس قسم کے سفر کا ذائقہ راولپنڈی میں چکھا تھا۔ چکولے
کھا کر کبھی بول محسوس ہونے لگا کہ میرا معدہ ہی ہضم ہو جائے گا۔
خود خدا کر کے لی ہانڈ جیک لائنز کی چڑھائی آئی اور تانگا
رک گیا۔ میں نے شکوہ کا ماس یا اور تانچے والے کو پیسے دے کر
اُتر گئی۔ میرے اٹھنے میں ایک منیلا سارہ مال تھا جس میں کچھ ٹوٹ
اور بڑھ چکی تھی۔
چڑھائی سے اتر کر میں دھن دھن مگنی جہاں اپنے باپ
کو اُتر رہے تھے۔ میں دل ہی دل میں دعا گو تھی کہ مظاہر بہنبر مجھے
اُن کی کارروائی میں مل جائے۔ غالباً میں پہلے بھی کچھ مگنی ہوں کہ یہ
مائب کارڈز دو مختلف حصوں میں بنے ہوئے تھے۔ اگر میں
وہاں سے زیادہ وقت گزار جاتا۔ لی اہل اہل تو دس بجے
ہی منٹ باقی تھے۔ واصل گھر سے روانگی کے وقت میں یہ اندازہ
نہیں لگا سکتی تھی کہ تانچے کے سفر میں کتنی دیر لگے گی!
گرفتاری آواز میں "تے جیتا" کہہ کر میں نے ایک دوکاندار
کو مخاطب کیا اور اسے غصیٹا کے کارڈ کا نمبر بتایا۔
"میں آپ کو راستہ بتانے دیتا ہوں" میرے عقب سے ایک
جانی بچائی آواز آئی۔
میں ایک جھپٹے سے گھوم گئی۔ رضوان میرے سامنے کھڑا تھا
اور اُس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔ وہ یقیناً
مجھے پہچان چکا تھا۔ یقیناً کہہ گا گھر کی سے میرا اقبال
آ رہا ہو۔ دراصل اُس وقت میں نے اس بات پر وہ حیا ہی نہیں
دیا تھا کہ کوئی شخص میرا اقبال کر سکتا ہے۔
"وہ اُدھر" رضوان نے اُنسانے سے بتایا اُس کو میں
ہے وہ کارڈر آپ فریڈ جیسی جونی پل جائیے گا۔ آپ کو کبھر ٹھنڈا
تو آئے ہی ہوں گے الٹی جی!"
"ماں جی" کہتے وقت میں لگا تھا جیسے رضوان نے جڑی
مشکل سے اپنا اقتدار ضبط کیا ہو۔
رضوان کو اس وقت دہان کچھ کہنے دے جانے کیوں بہت
زور کا غصہ تھا کہ تالین میں اتنی بے بسی تھی کہ غصے کا اظہار نہیں
کر سکتی تھی۔ میں کسی تیزی سے اُس کو کھڑی طرف بڑھتی ہلی گئی
جہاں رضوان نے اشارہ کیا تھا۔ اُسی وقت مجھے سامنے سے ایک

نسوان بیوی آتا نظر آیا۔ میں
کا ماحول نیم ہماریک تھا۔ مار
تھی لیکن اُس ہونے کی جگہ
میں نے اپنے فوج میں داس کی تہ
بال قریب سے گزروں۔ جب
کروں کیا تو میں نے پہچان لیا کہ وہ
کا جہاں کا محسوس کیا۔ وہ کامیاب
وقت غصیٹا نے سبک آپ کر رکھا
جوں جوں سادگی پسند غصیٹا سے
افذ کیا جاتا تھا کہ گرا سوارا جہاں نے
بتائی تھیں وہ دست بھی ثابت ہو
دس بندہ قدم آگے بڑھنے سے
کے پیچھے چل پڑی۔ بانار کی آواز نہ مل
میں میں نے دیکھا کہ غصیٹا سوارا
اُس سے بالوں کا جوڑا باز رہ گیا تھا۔ وہ
رہی تھی کہ وہ اپنے ہاتھ سے رضوان
چڑھائی پر چڑھی۔ تانچے میں مدد جانے وال
تھے۔ اُن میں سے ایک تانچے میں
اُس تانچے میں سوار ہو گئی۔ اُس کی غزائی ہماری
مزدوری تھا کہ میں بھی اُنھی تانچے پر سوار
پہلے رضوان نے دوڑ لگائی اور تانچے پر
کی اس حرکت پر تھلا کر رہ گئی۔ وہ کبھی
کر گیا تھا۔ یہ بات یقینی تھی کہ اُس میں کسی
مزدور ہو گا۔ وہ کہہ رہی تھی کہ تانچے کا کھانا
اُس نے تانچے کی سواری میں اُس لیے کراٹل
کی غزائی جاری نہ کہ سکوں۔ میں نے دل ہی
شاید لاکھوں ملواتیں سناوائیں لیکن غار
مجھے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ میں اس کے
سکتی تھی کہ دوسرے تانچے میں بیٹھا جاؤں جس کے
کچھ دیر تھی۔ ابھی اس میں صرف دو سواریاں بیٹھی
میرے بعد مزید تین سواریوں کا انتظار کیا جا رہا
بعض اوقات انسان کی رہی سی عقل بھی نہ
رضوان پر مجھے اس شدت سے غصہ آیا تھا کہ
نہیں کر سکتی تھی کہ ان حالات میں کہ چاہیے تھا
سکتی تھی کہ ایک خالی تانگا لے کر غصیٹا کے

ہانچے تانچے والے سے یہ وعدہ کر لیتی کہ میں
ہا کے پیسے لو کر دوں گی۔ یہ خیال مجھے اس
سے بڑھ کر تانچے کی سواریاں پوری ہر چکی تھیں
میں لایا تھا۔
میں ایسے مارکیٹ پہنچی تو مجھے نہیں معلوم تھا کہ
ہے اور غصیٹا کہاں اُن کا تانگا میرے سامنے
پہلے چلا تھا۔ ظاہر ہے کہ غصیٹا اتنی دیر میں تانچے
میں حریف جانی تھی اور رضوان یقیناً اُس کے مقابل
مائی رضوان سے اتنی ناراض تھی کہ اب اُس سے
کی معلومات حاصل کرنے کی راہ اور نہیں ہونا
میں اس کے سوا اور کیا کر سکتی تھی کہ اپنے گھر کا راستہ
نے ایک رکشائی اور فٹپیس کی طرف روانہ ہو گئی۔
مجھے اپنی ایک اور حماقت کا احساس ہوا۔ میں یہ بھی
یا کہ لی ہانڈ جیک لائنز ہی سے رکشائی سوار
کھشائی رکھتا تانچے سے تیز ہو جاتی لیکن اس سے
لین پڑتا۔ میں ایسے مارکیٹ پر ڈر کر غصیٹا کے
دھانکر کر سکتی تھی۔
مال جوڑا تھا۔ سو ہر جگہ تھا۔ اب اُس پر ٹھوس بنانے
محل نہیں ہوتا۔ میں نے گھر پہنچ کر پڑنے دھرا نے
پہلے اور اپنی اصل جوت میں آ گئی۔ اب گیا وہ بچے
نے لیٹھا کہ ایک باہر تانگہ کی گھر پر دھاروں
محل تھا کہ اس وقت وہ مل ہی جاتا۔
میں نے گھر کی تیزی سے کھاراد کی طرف روانہ ہو
کے اس پر میں وہ ملائے ایک مددک دیوان ہو
ہے میں دس منٹ باقی تھے جب میں نے تانگہ
ٹ کا وعدہ کھٹکھٹایا۔ اس مرتبہ جس شخص نے
"وہاں وہ جیسے ہر سے تانگہ کی معلوم ہو رہا تھا۔
مکمل تیلوں کی بجائے قدیم ہاں میں ہوتا تو معلوم کر لیں
انہو معلوم ہوتا۔ اُس کے ایک ہاتھ میں شراب کا گلاس
خاموش
میں نے "اُس کے منہ سے عجیب سی آواز نکل رہی تھی
ہاں کہ ہے۔ اُس نے مجھے سرسے پر ٹیک دیکھا تھا۔
میں تم سے ملنے کے لیے دوسری مرتبہ آئی ہوں"

میں بولی۔
"غفلت!... تو تھارا نام زینت ہے؟"
میرا جی ہاں کہ میں بھی غفلتوں کے گردول تھیں میں نے
غفلت سے مسکراہٹ کے ساتھ کہا میں یہی نام جا کر گئی تھی۔
کیا تم میں روانے میں کھڑے کھڑے آپس کر دے؟
"غفلت... غفلت... آجاؤ... آجاؤ..." اُس نے ایک
طرف ہٹ کر مجھے راستہ دے دیا اور جب میں اندر پہنچ گئی تو
دروازہ بند کر دیا۔
مکمل میں اُس وقت تانگہ کے زیادہ چھپے موجود نہیں
تھے صرف ایک چھوٹا آدھی بیچا چڑی پر رہا تھا۔
"غفلت... ہلو... کیا بات ہے؟" تانگہ کے لیے پوچھا۔
"میں تم سے تنہا میں بات کرنا چاہتی ہوں"
"بالکل تنہا ہے یہ بھی ایسا چاہتا ہوا تھا ہے؟" یہ
بہر لے۔ جب تک اس کے کان کے قریب نہ لے جا کر
نہ چوڑے نہ لے نہیں دیتا ہاں یہ ضرور ہے کہ تم جس کام سے
لیے آئی ہو وہ چاہا لے لیا ہو گا؟
"تمہارے خیال کے مطابق میں کس کام کے لیے آئی ہوں؟"
"تم کو گلاب چاہیے اور مجھ سے ڈسپلین ساری کراچی میں
نہیں ہے۔" تانگہ نے مجھے ایک باہر سرسے پر ٹیک دیا
اور دلائے تھا کہ جس پر ڈسپلین دار ہے۔ اچھے سے لی لیا کریں
گے۔ تم کراچی میں شادی نہیں کی آئی ہو؟
"ہاں ہاں سے اسی قسم کی باتوں کی توقع کی جا سکتی تھی لہذا
مجھے قطعی غصہ نہیں ہوا۔" اُس میں نے یہ مزید بھلا کہ تانگہ نے
کسی کی ایسا پر غور کشید کر میرے پاس بھیجا تو تھا لیکن میرا مزید
نہیں تھا۔
"تانگہ لے گلاس سے بھرے کا ایک لبا گھونٹ لیا اور
دلائے تھا "میں ٹھیک دلاؤں ہوں نا؟"
میں نے جواب دینے کی بجائے سوال کیا کہ تم غور کشید
تو جانتے ہو گے؟
"اچھا اچھا" غور کشید نے بتایا ہے ہم کو برا ہے؟" تانگہ نے
نے سر ہلایا۔
"ہاں اُسی نے بتایا ہے" اور تم بتاؤ گے کہ اُسے تم نے کمر
کی ایسا پر میسے پاس بھیجا تھا؟"
میرا سوال تانگہ کی کمر میں نہ آ سکا اور وہ ابھی ہونے
نظر سے میری طرف دیکھا رہا۔

کی ہاتھوں سے خون بہہ رہا تھا۔ میری لات کا کھانکے کے کئی دانت بل گئے ہوں گے۔ اس مرتبہ اُس نے کچھ پرانہ دھند حملہ نہیں کیا۔ وہ کچھ چکا تھا کہ مقابلہ کسی عالم تیر کی مورت سے نہیں ہے۔ وہ غنوں غنوں "کرتا ہوا دونوں ہاتھ پھیلائے بہت دھیرے دھیرے میری طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں خون کی تیر کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔

میں چونکہ اس تیر کے میرے کے کی توقعات کے کڑائی تھی اس لیے میں نے ساڑھی کی بجائے غنوں تیر کا انتخاب کیا تھا۔ اس اپیل کو دیکھ کر میرے گلے میں پڑا ہوا دھنچا گر چکا تھا لیکن اتفاق سے اب میں اس جگہ کھڑی تھی جہاں میرا درپنا گرا تھا۔ میں اپنا وہ چٹا اٹھانے کے لیے کھنکھانے لگا کہ میرے ہاتھوں لیکن برقیہ تیار آئی۔ اُسے میری غفلت پر ہول کیا اور بھینٹ جھپٹ پڑا۔ میں نے اُس کی زو سے نکلنے کے لیے بڑی بھرتی کا مظاہرہ کیا اور اساتہ ہی اپنے دوئے کو اُس کی کمر کے گرد گھمائی۔ اب چونکہ میں کچھ دیر تھی کہ اُس کی پشت میری طرف تھی اور وہ میرے دوپٹے کے حصار میں تھا۔ دوپٹے کے دونوں سرے میرے دونوں ہاتھوں میں تھے۔ میں نے اُس کی کمر پر کھٹکنا سیدھا تو وہ جھٹکا کھاکر آگے گیا۔ میں نے دوپٹے کو پوری قوت سے اپنی طرف کھینچا تو وہ کچھ کھینچا چلا آیا اور اس مرتبہ میں نے پوری قوت سے لات رید کر دے دی۔ دوپٹے کا وہ سہرا چھوڑ دیا جو میرے ہاتھ میں تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آٹا کی سانے کی دیوار سے جا ٹکرا۔ اُسے اتنی ہلکت بھی نہیں مل سکی تھی کہ وہ اپنے ہاتھ دیوار پر پڑا دیتا۔ اُس کا سر تکی دیوار سے ٹکرا اور جب وہ گرا تو میں نے دیکھا کہ خون کی ایک چادر اُس کی کمرے پر چھیلی چل جا رہی تھی۔ یقیناً اُس کا سر بہت بڑی طرح پھٹا تھا۔ اُس کے ہوش و حواس جواب دے گئے اور وہ فرش پر بے ہوش چوڑکے جھجے پڑی اڑی ہوئی۔ میں چاہتی تھی کہ ورزش کا یہ سلسلہ ابھی کچھ دیر تو ادا چلتا۔

بہر حال اب وہاں کمرے سے سو دھنچا۔ میں نے اپنے کمرے کے دروازے پر دست کیے۔ پڑیوں کی جھنکیں برابر کے لیے کوشش کی اور دوپٹا گلے میں ڈال کر گلیٹ سے نکل آئی۔

گلیٹ میں جو دروازہ کھڑکی تھی اُس کا پاس چروں کے لوگوں پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ مجھے قریب دروازے کوئی ایک شے بھی نظر نہیں آئی۔ میں اپنی کار میں بیٹھی اور وہاں سے روانہ

ہو گئی۔ اب اتنی رات گئے ہیں اپنے گھر کی کوئی اور کام کو کیا میں جا سکتا تھا۔

گھر پہنچ کر میں نے سب سے پہلے نہیں معلوم کیا۔ توقع کے مطابق وہ بستر پر اپنے رات کا کھانا دیا جا چکا تھا۔ میں نے لمبا میں اپنے چھتے سے دینا چاہتی تھی۔ جب میں میں قدم رکھا تو میں نے دیکھا کہ خورشید کا بازوؤں میں لیے ہوئے ہے خبر سہری تھی۔ اور کہ وہ کسی تیر کی تشویش میں مبتلا نہیں تھی اس لیے مجھ پر دوں گے۔

میں نے سوچا کہ اُسے سنے ہی دوں چل جائے گی۔ میں وہ رات اُس کے ساتھ بیٹھ لیکن اُس وقت ذہن کچھ بالکل بے نشاط نہیں تھا ملاقات خاصی دیر کا خیر نہ تھی اور میرا زوہ مشتاق چنگیزی کی کیفیت پر غور کروں۔ میں اُسے اپنے کمرے میں آگئی اور شرب خواب کا کھاس لیت گئی۔

مشاق چنگیزی اور رگتیا، دونوں ہی کا کھانا ہو چکا تھا۔ غالباً وہ میلیغین کال بھی مشاق چنگیزی جب اُس نے دیکھا کہ میں گلیٹ کا ملازم نہ تھی ہوں تو اُس نے خورشید کو میرے پاس بھیجا جو میری کمرے میں تھا۔

دوسری بات گلیٹ کی رات دس پہنچے سرگرمیوں سے مشغول رہا تھا۔ میں نے اُس سے متعلق جہاں تک میں نے معلوم ہو رہا تھا۔ میں خود گلیٹ کا دوسرے اُس کے گھر دیکھ چکی تھی اور اُس وقت گلیٹ کا گلیڈ وہ نہیں تھا میں وہ دروازہ آئی تھی۔

رضوان کو یقیناً اس کاظم کو کا گلیٹ اُس اگلی تھی لیکن میں اُس کے بارے میں رضوان سے نہیں کرنا چاہتی تھی۔ بعض اوقات انسان بہت کم اس بات کو اپنے وقار کا مسئلہ بنالیا ہے اور کچھ ہی بات میرے ساتھ بھی تھی۔ مجھے جو کچھ معلوم ہوتا معلوم کرنا تھا۔

گلیٹ اور مشاق چنگیزی کے پراسرار کردار کے ایک الجھنے ہے اور پھر وہ جانتے کب میں ہیند گئی

خورشید کے اپنی ملازمہ خاص سے خورشید کے ہاتھ میں ہیں۔ ملازمہ نے جواب دیا۔

کوہر وہ غسل وغیرہ کرے۔ اتنی دیر میں میں بھی ہوں۔ پھر ہم ناشتہ کریں گے۔

میں تیار ہو گئی تو میں نے خورشید کو کچھ دیر مے دیا اور اُسے بہت بھاش بھاش تھی۔

اُس نے مسکرا کر کہا "معاذ کرنا" میں رات کو لی تھی تم اس وقت سر رہی تھیں۔ میں نے سوچا کہ وہ باتیں تو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا نہیں ہو چکا تو

ت میں نے اُسے اُس کی طرف اشارہ کیا جو میں پہنچا چکی تھی۔

کے دوران میں خورشید نے پوچھا آپ نے آٹا کی کر لی؟

اُس نے اُسے بتا دی سے اپنی ملاقات کی تفصیل بتائی کہ بہت سے آنکھیں پھاڑ کر بولی گئیاں واقعی آپ نے اس پر طرح مارا ہے؟

اس میں تب کیوں ہے؟

کے بہت کم غنڈے لیے ہیں جو روانہ پڑ جائیں گے غنڈے کریں؟

ان سب غنڈوں سے ایک وقت میں نہ

و ایسی نظر سے میری طرف دیکھتی تھی جس سے بے اعتدالی

میں نے کہا "میں نے کہا کہ میں اب وہ تھا کہ دن جانے۔ وہ اس بات پر مشتعل ہو چکا کہ اُس میں مجھے تم سے معلوم ہوا تھا۔"

ن تر اب باطل منکر کریں۔ وہ میرا روبرو ہے لیکن محل میں غمزدار ہیں میرے علم میں ایک کہ وہ میرے خلاف نہیں اٹھا سکا۔ اگر اُس نے مجھے کوئی نقصان پہنچایا

تو میں پولس کو بعض ایسی باتیں بتا دوں گی کہ اُس کے لیے حدود پریشان کن ثابت ہوں گی۔

"وہ یہ بھی تو کر سکتا ہے کہ تمہاری زبان کو ہمیشہ کے لیے بند کر دے!"

"قتل؟... نہیں، وہ ایسا نہیں کرے گا میں نے خوب جانتی ہوں۔ اُس کا اصول ہے کہ دنیا کا ہر جرم کو یقین پچانسی کے پینے کا خطہ کبھی بول نہ دے۔ وہ اس کا تانہا ہے کہ اپنے منافقین کو اپنا کچ کرے۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ آپ کے خلاف بھی کوئی ایسا ہی قدم نہ اٹھائے۔ آپ نے اپنا ایک خطرناک دشمن بنالیا ہے۔"

"اگر اُس نے پھر مجھے سے کوشش کی تو مجھے اڈیشہ سے کر دے اپنے ایک ہاتھ پیر ٹروا دیں گے گا۔"

"بہر حال آپ اُس کی طرف سے جو کچھ کہیں گے اس شرط لگا کر کہہ سکتی ہوں کہ وہ آپ کے خلاف کوئی قدم ضرور اٹھائے گا۔ وہ بہت کینہ پرور ہے۔"

"میری فکر تو ہم باطل نہ کر دو۔"

ناشتہ کرنے کے بعد میں کھڑی ہو گئی پھر بولی "اب میں دفتر جاؤں گی۔ تم بھی ساتھ چلو! جہاں کوئی ڈپٹی کر دوں گی۔"

"مجھے ختام سینا کے سامنے آنے دیکھئے گا۔"

"میں تمہارے گھر پر ہی آؤں گی کیونکہ پڑا ہے۔"

میں نے اُسے کہہ دیا کہ وہ گھر پر ہی ہے۔ ہم دونوں میں اچھی خاصی دوستی کی ہو چکی تھی۔ میں نے اُسے پینہ بھی کیا تھا لیکن اُس میں بڑا ہی بس ایک تھی کہ وہ پیشہ ور لڑکی تھی۔

"سیا تم اکیلے رہتی ہو؟" یہ سوال میں نے اُس سے اُس وقت کیا جب گاڑی ختام سینا کے سامنے والی گلی میں سڑ رہی تھی۔

"نہیں، میری ماں اور ایک ملازم بھی ہے گھر میں۔"

"تمہاری ماں..."

وہ میرے سوال کو کچھ گئی اور بات کا اسی ہوئی بولی "وہ بھی میری ہی بیوی ہے۔ وہ مجھے کبھی نہیں بتا سکی کہ میرے باپ کا کیا نام ہے؟" خورشید کے لیے میں خفیت کی تھی تھی۔ میں نے خاندانی طوائف ہوں بالابا... ہاں... بس... اس مکان کے سامنے گاڑی روک دیجئے!"

میں نے بیک ٹیگر گاڑی روک دی۔

”اچھا! تو خدا حافظ!“ وہ کار سے اتر کر بولی یہ نہ جانے کیوں، آپ نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا ہے! کیا آپ مجھے اس بات کی اجازت دیں کہ میں کبھی کبھی آپ سے ملنے آ جاؤں؟“

”تم ضرور بہاؤ شریف! تم میری ہی ہو، تم مجھے اندر کچھ اپنے جوشیم بھی معلوم ہوئے ہیں!“

”شکر ہے! ہاں!“

”ہاں!“ میں نے ہاتھ ہلار گئی اُس کے چڑھادی۔

میں بالکل ٹھیک وقت پر دفتر پہنچی تھی۔ ہائی اسٹاٹ بھی اپنی اپنی سیٹیں منبھال رہا تھا۔ میں نے بریٹین کپنی کا فائل کے اندر حصے کا مطالعہ کیا اور پھر ٹیلیفون پر اپنی سکریٹری سے کہا ”نگلیا کو میرے کمرے میں بھیج دو۔ مجھے بریٹین کپنی کے سلسلے میں کچھ ڈونیشن دینا ہے۔“

”بستر ہے۔“

فوری رپورٹ لے کر آئی اور کاپی منبھالے ہوئے میرے کمرے میں آئی۔ وہ اُس وقت تک آپ اور مینٹ کے خوشنوں سے بے نیاز تھی۔ اُسے دیکھ کر یہ کامنٹل تھا کہ یہ وہی لڑکی ہے جسے میں نے کل رات بی بی ہائڈ جیکب لائنز میں دیکھا تھا۔

”بھئی!“ میں نے اس کی طرف اشارہ کیا۔

وہ چونک گئی۔ اُس نے کاپی اپنے سامنے بکھول لی اور ڈونیشن لینے کے لیے میری طرف دیکھنے لگی۔ میں بہت غور سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی کہ کس نالی سے میں یہ اندازہ کرنا مشکل تھا کہ اس لڑکی کو دے کر آپ ہی ہو سکتا ہے۔

”آپ... آپ کیا دیکھ رہی ہیں ہاں؟“ نگلیا میری تیز نگاہ کو تاب نہ لا سکی اور نیچے دیکھنے لگی۔

”میں یہ دیکھ رہی ہوں کہ حالات کے تحت انسان کو کیا کیا کرنا پڑتا ہے۔“

”جی! وہ جو جیکب ٹری۔“

میں اُسے چونکاتا ہوا جانتی تھی اس لیے بات کو دوسرے رخ پر لے گئی ”یہ لڑکا طلبہ ہے کہ کچھ عرصے قبل تم کیا تھیں اور یہ کیا بن چکی ہو!“

”مجھے زلزلے سے شہادت ہے زلزلات سے!“ نگلیا نے ٹھنڈا سا اس کے کمرے کی نہایت بے تحاشی لپٹے لپٹے لپٹے سے کہ اُنھوں نے مجھے بالکل اندھیرے میں رکھا ہے۔ وہ کم از کم مجھے تو بتا دینے کہ اُنھوں نے اپنا سب کچھ شقائق چھوڑ کر کمرے

”دیا؟“

”یہ شقائق چھوڑ کر کس قسم کا آدمی ہے؟“

کوٹھڑے والی نظر سے دیکھتے ہوئے کہا،

”میں نے کبھی اس سے زیادہ بات نہیں

وہ پتا چلی سے ملنے آیا کرتا تھا، تو میں اس

تھی۔ خود پتا چلی نے بھی مجھے یہ ہدایت کر رکھی تھی

کے سامنے دے دیا کروں۔“

”یعنی تم مجھے پتا چلی نے بھی اُسے بھی اچھا،

”غالباً!“

”ہوں! اچھا! خیر! اب ذرا تم کچھ ڈونیشن“

”میں تیار ہوں! ہاں!“

میں نے بریٹین کپنی کے سلسلے میں لے کر

ڈونیشن دیا اور پھر اُسے نصرت کرنے کے بعد آیا ہوا

سے کہ میں نے نگلیا کو ڈونیشن دے دینے، باب! ا

ہو جانے تو اُسے بریٹین کپنی کے ڈائریکٹر جیکب پنہا

میں کچھ رعایتیں ہیں۔ ضروری ہے کہ بریٹین کا ڈائریکٹر

ملاقات کرنے سے پہلے اس سوتے کے کپڑے لے

غیر ضروری طور پر بڑی ہو جائے گی۔“

”جیسا آپ مناسب سمجھیں۔“

میں نے سلسلہ منقطع کیا اور رات کا پروگرام

رہی تھی کہ کوئی کتنی بھیجے گی میری میز پر کئی ٹیلیفون

میں سے جس کی غنیمت بھی تھی، اُس کا نہ صرف یہ

واقفکاروں کے علم میں تھا کہ لڑکی کو کس کس سے

کرن ہو سکتا ہے؟ میں نے سوچتے ہوئے میرے

ڈاؤنٹ پیس میں بولی ”ہیلو! ہاں! پیسنگ!“

”آپ کا خادم! اور دوسری طرف سے رضوان کی،

”ہوں!“ میری پشانی پر لمبی ڈونیشن

”کل رات خاصا مزار! رضوان میرے چٹا لے کر،

”تمہیں اپنی اس شرارت کا مزار ضرور چھنا پڑا،

”دیکھو! جناب! آپ مجھے دیکھا تو میں نہیں

ابھی رضیہ سے میری شادی نہیں ہوئی لیکن ایک دن ایک

خود اس اعتبار سے آپ میری ہر سہ والی سال ہی

سے مذاق کرنے کا حق ہر ایک کو حاصل ہو سکتا ہے۔“

”جو اعلان کرنے کا حق بھی تو محفوظ نہیں۔“

”دیکھو! سالی! یہ بڑی غلط بات ہے کہ آپ برابر

یہ ہیں۔ میں نے تو اس وقت محض اس لیے

پھر کل رات کی شکل رپورٹ دے دوں۔“

کی رپورٹ کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔“ میں

ہمراہ میں اپنے آپ کو کہیں لے بس نہیں سمجھتی تھی

سہ وہ میں خود مومن کر لوں گی۔“

”جوان کی بات سے بغیر ہی رپورٹ کر ڈل کر رکھ

بعد دفتر سے مجھ پر گئی کوئی اتنا ہم کام تھا بھی

میں ضرور ہی ہوتا۔“

”وہ دن اس بیکریں گواہ کہ شقائق چھوڑ کر کیلے

مامل جو جا رہی تھیں مجھے خاطر خواہ کامیابی حاصل

کے سامنے کے بعد میں نے اپنا بھیس بدلا اور بی بی ہائڈ

ان طرف روانہ ہو گئی۔ میں نے اپنا گرو شہادت والا طریقہ

یہ کہ اس علاقے میں آزادانہ سے نقل و حرکت کرنے

مست نہیں تھی۔“

پہلے میں کچھ دیر تک جب میں اپنی منزل پر پہنچ گئی۔

کے لیے مجھے پھر چوں کی ایک کوسان پر پڑنا پڑا۔

میں نے سالی دلی تھی کہ وہاں بھی غنیمت اور دو کاغذ

میں بہت سی چیزوں کے لیے تھکا دیا۔ ان چیزوں

یہ اتنا وقت گزر گیا تھا کہ وہاں جاتا تھی۔ یہ وہاں

نہ! او! میں نگلیا کے کواٹر پر نظر نہ تھے رہی۔

دیں تھے جب وہاں دار نے ماری چیزیں ایک

چلتے ہیں کہ رکھ کر مجھے دے دیں۔ جب میں اُنکس کا

ہی تھی تو میں نے نگلیا کو کواٹر سے نکلے دیکھا۔ آج

آپ کیسے بنے تھی جب وہ میرے قریب سے گزرتے

”اُسے خوشبوؤں میں بسا ہوا صوفوں کا۔“ اس کا

مالان کا تھیلانہ بھلے ہوئے نگلیا کے تہاب میں

میں اُدھر اُدھر نظر دوڑاتی جا رہی تھی۔ مجھے رضوان

میں دیکھ لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ اس بات کی نہیں ہوگا۔

یہ قسمی سے آج بھی ایسا اتفاق ہو کر میں سے نگلیا کا

میں کر رہی تھی۔ آج سے نگلیا جس تانے میں بیٹھی اُس

ہی ساری کی گنجائش تھی۔ نگلیا کے بیٹھتے ہی وہ حرکت

اب اس وقت کوئی نالی مانگا بھی نہیں تھا جسے میں

اب میں نے کرشنا کی تلاش میں نظر دوڑائی اور جیکب

میں تہ ایک موٹر سائیکل میرے قریب آگئی۔ وہ رضوان

ہی تھا۔

”آؤ اب سالی جی!“ اُس نے آہستہ سے کہا۔

میں نے اُس کی طرف توجہ نہیں دی۔

”آئیے! بیٹھے بیٹھے!“ رضوان پھر بولا۔

”بہت بہت شکریہ!“ میں نے سوتے میں کہا اور تریب

آئی ہوئی ایک رشتہ کار کے لئے لانا دیا۔

”دیکھو! آپ...“

رضوان کی پوری بات سے بغیر میں کرشناں دیکھ گئی اور کرشنا

والے سے کہا۔ ”ایئرپیس ایکریٹ چلو!“

کرشناں بڑی اور میں نے پلٹ کر رضوان کی طرف دیکھا بھی

میں جلد ہی میری کرشنا سسٹیم کے سامنے کھڑے ہو گئی۔

والے کا چہرہ میں نے اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا تھا۔

ایئرپیس ایکریٹ پہنچ کر میں نے کرشنا کا کامیاب ادا کیا اور

کر کچھ ہی دیر ایک نیم رات کے گھر میں کھڑی ہو گئی۔ وہاں

سے میں ہر گز نہ دلا تھی کہ میرا یہ انتظار اتنا

طویل نہیں تھا کہ صبر و آزماہت مجھے نگلیا کچھ دیر میں اُس نے

اُس آنے والے کو پہچان یا محسوس کا انتظار تھا وہ آنے میں

موجود نہیں تھی۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے جسم میں سے جان نکل

تھی۔ بڑے سنگین غالی نشت میں رائیڈ چلا رہی تھی۔ میں نے

تھکنے کے عقب میں سر کر رہی تھی کہ نظر دوڑائی لیکن رضوان

کی موٹر سائیکل بھی نہیں وہاں نہ تھی۔

یہ کیا ہوا؟ میرا ذہن اس سوال کا جواب دینے سے

قاصر تھا۔

رضوان میں غائب اور نگلیا بھی! کیا یہ بھی رضوان کی کوڑ

ایکٹھون تھی؟ کیا اُس نے کسی ٹریک سے راتے ہی میں سنگین

کونائے سے آگیا تھا؟ یہ بات ناممکن نہیں تھی کہ اُس نے نگلیا

کو اپنے حال میں پھاس لیا ہو۔ وہ مجھے کرشناں میں بیٹھے دیکھ کر

سمجھ گیا ہوگا کہ میں ایئرپیس ایکریٹ بڑک کر نگلیا کے سامنے

انتظار کروں گی لہذا اُس نے مجھے پریشان کرنے کے لیے نگلیا

کو راستے ہی میں تانے سے آگیا ہو!

دوسرا خیال میرے ذہن میں یہ بھی آیا کہ شاید نگلیا راستے

ہی میں کسی جگہ خود ہی اتر گئی ہو، مگر کیوں؟ ہر گز میں نے اسے

سے اتر جانا آخر کا نہیں رکھا ہے؟

ان سب باتوں کے معانی کچھ بھی ہوں! میں بہر حال ایک

باجہر کا کامی سے دوچار ہو کر تھی جھنگلاہٹ نے میرے ذہن پریشا کر دی اور میں ایک کشتا چھوڑ کر گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔
 اس کے برائے کبھی کیا تھی؟
 گھر پہنچ کر میں نے بچوں کی دکان سے خرید لیا اور اپنی ملازمہ کے حوالے کیا تو وہ حیران ہو کر بولی "یہ کیا ہاں؟"
 "کچھ سودا ہے، کوکہ لو، کام آئے گا" میں جواب دیتی ہوئی اپنے حیران چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔ ملازمہ کی حیرت حق بہ جانب بھی تھی کیونکہ میں نے ساری زندگی میں کبھی بھی گھر کے خورد و نوش کا سامان نہیں خریدا تھا۔
 میں نے اپنا غلیہ درست کیا اور خرابی گاہ میں جا کر بستر پر لیٹ گئی۔ مجھے یہ احساس بہت مشتعل کر رہا تھا کہ میں گھٹیا کے معاملے میں ہنوز دروازوں کی پوزیشن میں تھی اور میرے خیال کے مطابق آج میں بہت بڑا ہاتھ خرچوں کا تھا۔ اب میں گھٹیا کے معاملے پر غور کرنے کی بجائے اس بات پر غور کر رہی تھی کہ ہنوز ان کی سزا دی جائے اور کس طرح؟
 خرابی گاہ کے دروازے پر دستک ہوتی تو میں خیالات سے ہنسی۔ میں نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "آج ہاں؟"
 میری توقع کے مطابق وہ میری ملازمہ وضع میں تھی۔
 اس نے بتایا کہ میری راجی سے دروازہ مل گیا ہے جہاں گھر کا وزن آیا تھا۔
 "اُدھ!" میں جلدی سے آٹھ بیٹھی اور ٹیلیفون اٹھا کر بیچ
 "میکر کو رینگ کو نہ لے۔ مجھے تو بہت ہوا تھا کہ بیچ جہاں گھر آتی
 جلدی پیرس سے کیسے واپس آئیں گی؟
 دوسری طرف گھنٹی بجی اور جس نے ریسورٹ اٹھا یا وہ بیگم
 "اے جی تہا تہا جلدی پیرس سے کیسے آئیں گی؟" میں
 نے پوچھا۔
 "پیرس ایک میٹروپولیٹن ہو گئی ہے، بیگم جہاں گھر کو مزدور کی طرح
 ت کرنے کی عادت تھی۔
 "یعنی؟"
 "میں ایک خلیہ پر بندے کو اپنے ساتھ لے گئی تھی لیکن
 پیرس میں وہ ایک اور خلیہ پر بندے کے پیچھے آؤ گیا میں جھگلا
 کے فوراً ہی واپس آ گئی۔ میں اس کے چاہا کہ کم کم میں مرتبہ بیک
 کر چکی ہو۔ ویسے مجھے پیرس میں بھی اس کا ملازمہ ہو گیا تھا۔ خیر سہیت
 ہے؟"
 "مجھے تم سے کوئی تفصیل گفت گفت کرنا ہے۔ تم ابھی گھر سے کہیں

جاؤ گی تو نہیں؟"
 "ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"
 "تو پھر میں آ رہی ہوں؟"
 اس خیال سے کہ بیگم جہاں گھر آ رہا تھا
 کرے گی، میں نے جلدی سے ریسورٹ گاہ
 اٹھی اور جلدی جلدی بیٹھے تبدیل کرنے لگی۔
 جہاں گھر سے ملاقات کر کے گھٹیا کے مسئلے میں
 دوڑ کر لینا چاہتی تھی۔
 تیار ہو کر میں تیزی سے دروازے کی طرف
 کی گھنٹی کے میرے قدم رک لیے۔
 کون ہو سکتا ہے؟ میں سوچتی ہوئی پلٹ
 کان سے لگایا "ہیلو!"
 "صوبہ ہاؤس بات کرنا تھی؟" دوسری طرف
 میں کہ لگایا۔ آواز سوائے اور میرے لیے انہی گلیں۔
 "پانڈو کی لائٹ" میں نے کہا۔
 دوسری طرف سے ہونے والی ایک آواز
 بتایا اور کہا "ابھی میں ایک مشرفضوان آؤ
 ہیں۔ ان کی حالت بہت خراب ہے۔ انھوں
 کا غرور بڑھا۔ وہ چاہتے ہیں کہ آپ فوراً اسٹیشن
 دو اسپتال دوممبرات میں ہیں؟"
 پھر اس سے پہلے کہ میں کوئی سوال کرتی، اور
 سے مسئلہ متعلق پوچھا یا اسپتال والوں میں بڑی طرف
 ہوتی ہے کہ وہ بہت رسی طور پر اقلانہ بیٹے ہیں
 سی گئی۔ "یہ بھی رضوان کے مسئلے میں ملنے والی
 تشویش تھی اقلانہ نے مجھے کوکھلا دیا تھا۔
 کہیں یہ کوئی مذاق یا دھوکا تو نہیں؟ میرے
 سوال ابھر آتے ہیں نے ڈاکٹر کوئی میں اسپتال کا سروریکہ کر؟
 راجی سے پہلے تصدیق کر لینے میں کوئی حرج نہیں
 "سیلو!" دوسری طرف سے وہی سوائے آواز سوائے
 "یہ باتیں کرنا کچھ دیر قبل دوممبرات میں کوئی
 ایڈیٹ ہوئے ہیں؟"
 "جی ہاں،" دوسری طرف سے کہ لگایا اور پھر کھٹ ت
 کہنے کی آواز سوائے دی۔
 "سوریکہ کی گھیر سے منڈے جھنگلاہٹ میں نکل گیا اور ہم
 ریسورٹ پر آ کر دروازے کی طرف دوڑی۔
 میں طوفانی انداز میں گریں تک پہنچی تھی کہ کال نکال کریں

دروازہ دیا۔ پھر میری میری کار
 "ان کی ماہی کاشیٹ ایک چھنا کے
 لانے میں آگ میں بھی محسوس ہوئی۔
 سے ملے سے راجی راجی سے جلال
 مالک میں ریسورٹ کی کلب پر سے بہت
 دوڑ پڑنے کی وجہ سے گاڑی ایک
 ماہہ لگی۔
 ایک جینے سے راجی اور اس کے ساتھ
 مجھے کوئی کار نہ ملے کے ساتھ میری گاڑی
 ہو میری یہ حالت تھی کہ محسوس ہو رہا تھا
 انگارے بھر دیے ہوں۔ اس اذیت
 نے بڑی تھی سے دانت بھر دانت چلے
 میرے دماغ کو نا کارہ نہیں کر سکتی تھی۔
 لہذا تھا کہ مجھ پر اسی کار سے گولی چلائی گئی
 مجھے کوئی ایک فرلانگ دور نظر آ رہی تھی
 ات بڑھ رہا تھا۔ وہ کار پر راجی کے
 نکل جانا چاہتی تھی۔
 مان میں ایک شعلہ سا چمک اٹھا، غصہ
 اہانت تھی کوئی میرے گھر کے دروازے
 بنالے کی کوشش کرے اور پھر نکل جائے۔
 اٹھ سے راجی اور میری راجی پر نہیں رہ سکا
 گرا لیندا گئی تھی میں نے اسے آئینہ کی سے
 اہ گاڑی کو حرکت میں لے آئی گوئی میرے پاس
 دما اس ہاتھ سے گریہ کر رہا تھا جس سے میرے
 پناہ خفا ہوا ہو گا لیکن مجھ پر ایسا جنون طاری
 طور پر اس تکلیف کو کہ میری راجی تھی تھی۔
 وال کار کی ٹیل لائٹیں ایک دوڑ پر میری نظر
 لیکن ایک سیل پر میرے پاؤں کا دباؤ آئی
 اعداد گرتی تھی تیزی تبدیل ہوئے
 دواڑ پر پہنچی تھی۔ ہر ایک لگاتے ہوئے میں نے
 یک لگے کی تیز آواز بہت دور تک پہنچی۔ رات
 آواز اتنی تیز تھی کہ قرب و جوار میں رہنے والے



بہت سے لوگوں کی نیندیں اچاٹ ہو گئی ہوں گی۔
 آگے بھاگتی ہوئی کار کی ٹیل لائٹیں اب بھی میری نظر
 کی زنجیر تھیں میں نے زنجی بازو والے ہاتھ سے اپنا پیرس
 کھولا اور اس میں سے ہسٹون لکال کر اچھی گوئی رکھ لیا۔ میں
 محسوس کر رہی تھی کہ میرے شانے سے ہستا ہوا گرم گرم خون میرے
 بازو اور کلائی سے بہتا ہوا میری انگلیوں تک پہنچ چکا ہے۔
 یقیناً خون کے دھبے میرے پس اور ہسٹون پر پھیل گئے ہوں گے۔
 خون کا یہ فیضان میرے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا تھا اس
 لیے مجھے اپنی ہاکرس اسپتال کی طرف موڑ لینا چاہیے۔ لیکن میں
 اپنے اس جنون کو کیا کرتی جو اس کوئی چلانے والے کو کسی قیمت
 پر بھی بچ کر نہیں نکلنے دینا چاہتا تھا۔
 بھاگنے والی کار کوئی بہت آچھا کار نہیں تھی۔ اس کی
 رفتار میری کار کی کار رفتار کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ میں بہت
 جلد اس کے قریب پہنچ گئی۔ میں نے اپنی ہسٹون لائٹیں کی تیز روشنی میں
 دیکھا کہ اس کا پس ڈراما ٹوٹ کر گرنے والے کے سوا کوئی نہیں تھا
 اور اس بد بخت ڈراما ٹوٹ کر کوشش اب بھی کر رہی تھی کہ وہ میری کار کو
 آگے نہ کھنکے دے۔ میں اس حالت میں یہ کر سکتی تھی کہ وہاں ہاتھ
 کھڑکی سے نکال کر اس کا ہر ہائرنگ شروع کر دوں لیکن ایسا
 کرنے کے لیے مجھے بائیں ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالنا پڑتا اور یہ
 اس لیے ممکن نہیں تھا کہ میرا شانہ زنجی تھا۔ میں یہ اندازہ
 بھی نہیں رکھا سکتی تھی کہ گوئی میرے شانے ہی میں بیوست ہے
 یا شانے کو جھیک کر نکل چکی ہے!
 آگے والی کار کا ڈراما ٹوٹا عقاب تھا آئینے میں میری کار پر
 نظر تھکے ہوئے تھا۔ میں نے بہت جلد محسوس کر لیا کہ وہ کسی
 قیمت پر بھی آگے نہیں کھنکے دے گا لیکن میں بھی فیصلہ کر چکی
 تھی کہ جتنے تک اس کا تعاقب جاری رکھوں گی۔ آخر وہ کب
 تک نہ گڑھا؟ اس کے علاوہ مجھے یہ امتیاز بھی تھا کہ وہ کسی
 کشادہ سڑک پر پہنچے گا تو میں کوئی موقع نکال کر اس کی گاڑی
 سے آگے نکل ہی جاؤں گی۔ اس بات کا اندازہ شاید اس
 بد بخت کو بھی تھا اس لیے اس نے ابھی تک شاہراہ کی طرف
 رخ کرنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ ہماری گاڑیاں ابھی تک
 ڈیفینس ہی کے علاقے میں دوڑ رہی تھیں جہاں کوئی سڑک
 بھی زیادہ کشادہ نہیں تھی۔
 اس تعاقب کو دیکھ کر منہ مٹ گز رہے ہوں گے کہ
 دفعہ میری گاڑی نے جھٹکے لینا شروع کیا۔ انجمن نے اس

طرح دکھانا شروع کیا جیسے بربخت تپ دق کا شکار ہو گیا ہو۔ میں نے کوکھ کا پرچوں بتانے والی سوئی کی طرف دیکھا جو اسکل نیچے گر چکی تھی۔ انجن آخری بار دکھانا اور پھر گویا ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔

ایک اہل کامی اس معاملے میں مجھے بے درجہ پناہ ملیا نصیب ہو رہی تھیں۔ اگر واقعی انسان کا کوئی ستارہ جوتابے تو یقیناً میرا ستارہ اُن دھندلے روشن آیا ہوا تھا۔ میں اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتی تھی کہ کبھی نکلنے والی کار کے منبر پر نہ نکلے۔

میں دروازہ کھول کر گاڑی سے اُتری۔ شانے کے زخم کی تکلیف جو میرے جنوں کے بوجھ سے دب چکی تھی، اب پھر عود کر آئی۔ میں نے ڈکی سے بیڑوں کا تین نکالنے اور اُن کے میں بھرنے کے لیے اپنا صرٹ دایاں ہاتھ استعمال کیا۔ یہ سب کچھ کرتے ہوئے میں نے سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ بھی کر لیا تھا کہ میں اپنے زخم کی ڈریسنگ کے لیے کسی اسپتال کا رخ نہیں کروں گی۔ اگر میں ایسا کرتی تو یقیناً معاملہ پولیس تک پہنچتا اور میری عادت ہے کہ اپنے معاملات کو خود ہی منبھاتی ہوں۔ پولیس یا سرکاری مشینری کے کسی پرزے کا استعمال میں اسی وقت کرتی ہوں جب وہ ناگزیر ہو جاتا ہے۔

کار کو دوبارہ اسٹارٹ کر کے میں واپس اپنے گھر کی طرف چل پڑی۔ میں اپنے زخم کی ڈریسنگ خود کرنا چاہتی تھی۔ اگر کوئی میرے شانے میں دھنسی ہوئی ہوتی تو بھی کوئی فرق نہ پڑتا۔ میں اسے بھی نکال ہی لیتی۔

میری ملازمتاؤں نے مجھے اس طرح خون میں ڈبا ہوا دیکھا تو بے حد شکر ہو گئیں۔ میں نے متفکرانہ لفظ بہت اختیار کیا۔ استعمال کیا ہے۔ میں یہاں لفظ ”پریشان“ نہیں لکھتی تھی کیونکہ میری ملازمتاؤں اس قسم کے حالات سے بڑی حد تک مافوق ہو چکی تھیں۔ میرے اس قسم کے معاملات میں پریشان ہونا انھوں نے بہت عرصے سے سچوڑ رکھا تھا۔

میں نے اپنی خصوصی ملازمت کی مدد سے اپنے شانے کی ڈریسنگ کی۔ اُسی وقت مجھے یہ معلوم ہو سکا تھا کہ کوئی میرے شانے میں موجود تھی۔ دھنسی ہوئی کوئی کو نکالنے کے لیے گشت کو کوٹھڑا سا چیرنا پڑا تھا۔ گویا ایک چھوٹا سا پریشان، لیکن یہ سب کچھ میں نے بڑے اطمینان سے کر ڈالا۔ میں خود اپنی تکلیف کو بھی بڑی سفاکی

سے برداشت کر لیتی ہوں۔ دراصل مجھ کو متعلقین میرے چہرے پر تکلیف کے آثار، اپنے متعلقین کی افسردگی میرے لیے اہل اذیتناک ہوتی ہے۔

ڈریسنگ کے بعد میں نے لباس پہ خاص دشواری ہوئی لیکن گھر سے نکلنے تو ضروری تھی ہی! مجھے رضوان کو دیکھ کر جھٹکے سے بھی ملاقات کرنا ضروری تھی کے باوجود میں اُن دونوں کاموں کو ۸۰

حرم کر م دودھ کا ایک گلاس پی کر میں بیگم جہانگیر سے ملاقات کرنے سے پہلے مجھے معلوم کرنا چاہتی۔ اسپتال کی طرف جانا نہ کہ ہی رکھنا پڑی کیونکہ خفیف سا جھٹکا بھی میں میسین ابھار دیتا تھا۔

راہ میں پہلی مرتبہ میں نے پوری کیمو ڈل کر کہ مجھ پر گولی چلانے والا کون تھا؟ کوئی حالات سے متعلق کوئی شخص! اس ضمن میں بہت زیادہ نہیں سوچتا کہ کبھی نہیں ہے اگر وہ شخص موجودہ حالات سے متعلق

میرے ذہن میں ابھر سکتے تھے مشتاق جنگجی، ا کے بارے میں خوشیہ کا کہنا تھا کہ وہ ایک منظر ہے لیکن کسی کو قتل کر کے پھانسی کے پھانسیہ اس کے نظریات اور اصول کے خلاف ہے ا تو اس کے بارے میں ابھی مجھے کچھ معلومات ہی انہی خیالات سے ابھرتی ہوئی میں اسپتال پہنچ منٹ کے اندر اندر میں اس قسم کے ایک بہتر پر رضوان لپٹا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر خفیف سی مسکراہٹ ابھری۔

”آپ بہت دیر میں آئیں سالی جی!“

”تم تو بالکل ٹھیک ٹھاک نظر آ رہے“

”ہاں! آپ تو میں بالکل آرام سے ہوں“

”تمہیں ہوا کیا تھا؟“

”میں تو سمجھا تھا کہ ہارٹ اٹیک ہوا تھا کہ ڈاکٹر لوں کو مجھ سے اتفاق نہیں ہے“

”ا“

میں گری پر تھکتی اور استغما میرے

ا شرواع کیا۔ میرے سینے میں اچانک عمار اور میرے جسم سے سینے کے چشمے ابل پئے ل... شاید یہ ایک اتفاق ہے کہ اس کل اس اسپتال کے قریب ہی تھی میں فوراً سے موٹر سائیکل کھڑی کی، اور کچھ دہیں ٹھہرا کر دے ائے۔ یہاں مجھ پر دو اڈا لکر ۱۔ اس سے میری تکلیف ختم ہوئی لیکن کہہ سکے ہیں کہ مجھ ہوا کیا تھا!“

”کس جگہ تکلیف ہوئی تھی؟“

”ا“ رضوان نے جواب دیا۔ ”بلکہ میں تو اس تکلیف ہوئی تھی لیکن ڈاکٹر حضرات اس شرط لگانے کے لیے بتا رہے ہیں کہ مجھے دل کا

ٹھہک ہو جانے کے باوجود یہاں کیوں لیٹے

ا خیال ہے کہ اب میں یہاں سے چلتا پھرتا نظر

رضوان نے کہا۔ ”میں ایک آدھ دن یہاں

ماہوں کے اس درد کا حملہ دوبارہ تو نہیں

دل ہے کہ وہ درد پھر ہو گا؟“

”میں بس احتیاطاً یہاں کرنا چاہتا ہوں۔“

”ہاں تو رہوں گا۔ وہاں تمہاری چوکی جس کے

زیریں میری دیکھ بچال کرتی رہی گی۔“ رضوان

دل میں آیا کہ رضوان سے سنگینا کے واسے

میں لیکن وہ سوال میری زبان میں ہی اٹھ کر

اے آگئی تھی۔ میں نے یہ فیصلہ جو کر رکھا تھا

سہ میں رضوان سے کوئی تعاون نہیں چاہوں

”اتھاب مجھے خود ہی معلوم کرنا تھا۔“

”اتھاب!“ میں کرسی سے کھڑی ہو گئی۔ ”اب میں چلتی ہوں۔“

کل صبح ٹیلیفون پر تھکاری خیریت معلوم کر لوں گی۔“

”اور تو کچھ نہیں معلوم کرنا؟“ رضوان کا لہجہ میں خیر تھا اور ہونٹوں پر شجرات آئیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

”نہیں!“ میں نے جھپٹے سے کہا اور دروازے کی طرف مڑ گئی۔

رضوان منسنے لگا۔ جب میں دروازے کے بنڈل پر ہاتھ رکھ رہی تھی تو مجھے اُس کی آواز آئی۔ ”شب بخیر تو کتنی جائے سالی جی!“

”شب بخیر!“ میں نے کہا اور دروازہ کھول کر نکل گئی۔ ڈیڑھ بج چکا تھا۔ میری سسناں ہو چکی تھیں۔ شہر کی آبادی کا بیشتر حصہ نیند کی آغوش میں ہو گا اور اس بات کا امکان تھا کہ بیگم جہانگیر بھی میرا انتظار کر کے سوچیں ہو لیکن میں اُسے جگا کر اسی وقت اس سے سنگینا کے بارے میں گفتگو کر لینا چاہتی تھی۔ یہ میری فطرت کا خاصہ ہے کہ میں بہت جلد سے کام لیتی ہوں۔ میری یہ جلد بازی کبھی کبھی میرے لیے نقصان دہ بھی ثابت ہوتی ہے لیکن اپنی فطرت کے اس پہلو سے مجھے ناخوش زیادہ پہنچتے ہیں اور نقصان کم! یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنی اس فطرت کو بدلنے کی کوشش بھی نہیں کی!

جب میں بیگم جہانگیر کے گھر پہنچی تو وہ میری توقع کے خلاف جاگ رہی تھی۔ اُس نے میرا استقبال کیا تو پریشان سی تھی۔ جب وہ بولی تو اُس کی پریشانی کا سبب بھی مجھ میں آ گیا۔

”تم کہاں رہتی تھیں؟ میں کئی مرتبہ تمہارے گھر فون کر چکی ہوں۔ ہر مرتبہ یہی جواب ملا کہ تم گھر سے روانہ ہو چکی ہو۔ اب تو مجھے مجھے مجھے سے خیالات اُٹنے لگے۔“

”مجھے مجھے سے خیالات!“ میں ہنس پڑی۔ ”کیا مطلب؟“

”یعنی یہ کہ خدا غنی سے تمہارا لایا ہو گیا ہو۔ تم بہت فاسٹ ڈرائیونگ کرتی ہو۔“

”بہر حال میں خیریت سے ہوں۔“ میں نے ہنس کر کہا۔

”لیکن تھکی ہوئی بہت ہوں۔ کیا تم مجھ سے بیٹھنے کے لیے بھی نہ

کہو گی؟“

”اڈ!“ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر بولی۔ ”ہیڈ روم میں ہی جاؤ“

مجھے اپنی خوابگاہ کی طرف لے جاتے ہوئے اُس نے اپنے ایک ملازم سے کافی کے لیے بھی کہہ دیا۔

خوابگاہ میں جب ہم دونوں آرام دہ کرسیوں پر اسنے

سانے بیٹھے تودہ بولی: "خواریسی کیا بات ہے کہ تم مجھ سے ملنے کے لیے آتی ہے قرانتیں؟"

"تم نے کسی لڑکی کو ملازمت کے لیے میرے پاس بھیجا تھا؟"

میں نے سوال داغا۔

"ملازمت کے لیے؟" بیگم جہانگیر کی پیشانی پر سولہویں پڑ گئیں۔ غالباً وہ یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ قدرے توقف کے بعد وہ آہستہ سے بولی: "ہاں، میرا خیال ہے کہ میں نے کسی سے اس کا ذکر تو کیا تھا لیکن اب مجھے یاد نہیں آتا۔" اسے کہہ کے جاتے ہی بیگم جہانگیر کا منہ لگی لیکن مجھے اُس وقت کافی سے زیادہ معلومات کی ضرورت تھی چنانچہ میں نے سوال کیا: "تم رام لال کے ماضی پر بھی کچھ روشنی ڈال سکتی ہو؟"

"اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ وہ انڈون سندر کا باشندہ ہے لیکن اُس نے اپنی زندگی کا خاصا حصہ مشرق وسطیٰ میں گزارا ہے۔"

"مشرق وسطیٰ میں کس جگہ؟"

"سنگتیا" مجھے بتایا تو تھا لیکن مجھے یاد نہیں رہا۔ میرا خیال ہے کہ وہ بھی مسقط یا انہی کے آس پاس کی کوئی ریاست تھی۔" حقیقتاً رام لال نے وہیں رہ کر دولت کمائی تھی، اُسے اپنے آباء و اجداد سے دور نہیں کچھ نہیں ملا تھا۔"

"مشتاق چنگیزی سے اُس کا رابطہ مضبوط وہیں سے ہے یا ان کے تعلقات کا آغاز پاکستان ہی میں ہوا تھا؟"

"میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی، کافی لوگ بیگم جہانگیر نے ایک بیانیہ مری طرف پڑھا ہے۔ اُس وقت میرے چہرے پر غور و فکر کے آثار شاید کچھ زیادہ ہی تھے جنہیں بیگم جہانگیر نے بھانپ لیا اور محرت سے بولی: "کیا بات ہے، آخر تم اس سلسلے میں اپنی پریشان کیوں ہو؟"

"صاف صاف سننا چاہتی ہو تو سنو کہ اگر رام لال کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی ہوئے تو میں اُس کا انکار کر کے رہوں گی۔"

"خدا کی قہر داری؟" بیگم جہانگیر نے ٹھٹھا سا سننے لے کر کہہ دیا۔

"یوں کہو!"

"تو پھر اس سلسلے میں زیادہ تفصیلات تو تمہیں سنگتیا ہی سے مل سکیں گی۔ میں اُس سے زیادہ تو نہیں جان سکتی۔"

"مشتاق چنگیزی کے بارے میں بھی تمہیں کچھ معلومات ہیں؟"

"ہاں، اس معاملے میں شاید میں تمہاری کچھ مدد کر سکوں۔"

"یعنی؟"

"وہ ایک آدمی ایسے مباحثوں سے میں مشتاق چنگیزی کے

بارے میں معلومات حاصل کر سکتی، وہ لڑکی کون تھی؟"

"سنگتیا" میں نے غصہ دیا۔

"آں، ہاں! بیگم جہانگیر نے یہ ہے۔ میں نے سنگتیا ہی سے اس لڑکی کو اور اُسے میرے بارے میں معلوم کرنے میں نے تمہیں نکال کر کہا۔"

بیگم جہانگیر نے تھکا ہونے لگی۔

"تھکا۔ اگر دعویٰ وہ مجھ سے تھا تو میں جواب دیتی، مٹا سہی، تمہا کیس کا اٹھو۔ ضرورت مند تو ہے یہ لیکن میں اسے علم بیگم جہانگیر نے میری مشکل آسا موڑ کر لانا چاہتی تھی جہاں بیگم جہانگیر وہ کہتی رہی: "تم یقین کر دو کہ اُس لڑکی پرورش پا رہی ہے۔ اُس کا باپ رام لال کہ لیکن اب وہ کوٹری کوٹری کو مٹا دے گا۔"

"کیا وہ کسی بڑے خسارے سے ہے؟"

میں نے اس طرح کہا جیسے مجھے کسی بات کا علم نہ تھا۔

"خسارہ تو نہیں لیکن یہ ہے یہی ٹوٹ دیا گیا۔ وہ خود ہی ٹوٹا ہے۔"

"تم معمول میں بات کر رہی؟"

میری اس بات کے جواب میں ہم بتا دیا مجھے سنگتیا سے معلوم ہو چکا تھا۔

"تم یہ سب کچھ کیوں معلوم کر رہی ہو؟"

"ہاں! میں نے جواب دیا: "اُس بارے میں پوچھ کر رہی ہوں کہ وہ کوئی بیگم جہانگیر سے نہیں کر رہی ہو تو تمہارا یہ معیار کے مطابق ہے یا نہیں؟"

"میں آئی ہوں، وہ بہت عجیب و غریب اپنا سب کچھ مشتاق چنگیزی کے حوالے کر رہا ہے۔"

"اس کے بارے میں وہ کسی کو کچھ

ایک میلنگ کا کیس معلوم ہوتا ہے؟"

میں نے جواب دیا: "ملازم کافی نے کہا۔ ملازم نے خطرہ کام ضرور کر دیا۔"

میں نے کہا: "یہ نہیں زیادہ سے زیادہ کل شاہد کے میں خاصی معلومات فراہم کر دوں گی۔"

"باقی چنگیزی کو کبھی دیکھا ہے؟ میں یہ جانتا تھا کہ وہ یہاں ہے؟"

"میں کل شام تک معلوم ہو جائے گا۔ میں اٹھا لیکن اُس کے چند فیصے ضرور سے ہیں۔"

"نام آدمیوں میں سے ایک ہے؟"

"اساں؟" میں نے جرت سے کہا۔

"کہا جاسکتا ہے لیکن تم شاید اس لفظ کو میں استعمال کر رہی ہو۔"

میں نے جواب دیا: "میں نے کہا کہ وہ ایک آدمی ہے۔ اس اعتبار سے کہا کہ ہاں اس حد تک کہ یہاں کے کھلے عام سب اُسے اس کی پروا نہیں ہے کہ لوگ اس میں گئے۔ رہیں اور دوسرے جو لوگ کبھی نہیں دیکھا۔ ملازم لال کی دولت ہاتھ بٹانے اور مکمل کھیلنا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ وہ جالیس بینا الیس لیکن میں اس سلسلے میں سختی طور پر کل ہی

میں نے کہا: "میں نے کہا کہ وہ ایک آدمی ہے۔ اس اعتبار سے کہا کہ ہاں اس حد تک کہ یہاں کے کھلے عام سب اُسے اس کی پروا نہیں ہے کہ لوگ اس میں گئے۔ رہیں اور دوسرے جو لوگ کبھی نہیں دیکھا۔ ملازم لال کی دولت ہاتھ بٹانے اور مکمل کھیلنا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ وہ جالیس بینا الیس لیکن میں اس سلسلے میں سختی طور پر کل ہی

میں نے کہا: "میں نے کہا کہ وہ ایک آدمی ہے۔ اس اعتبار سے کہا کہ ہاں اس حد تک کہ یہاں کے کھلے عام سب اُسے اس کی پروا نہیں ہے کہ لوگ اس میں گئے۔ رہیں اور دوسرے جو لوگ کبھی نہیں دیکھا۔ ملازم لال کی دولت ہاتھ بٹانے اور مکمل کھیلنا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ وہ جالیس بینا الیس لیکن میں اس سلسلے میں سختی طور پر کل ہی

کرتی ہو، وہ میری نفوذ میں ٹھیک نہیں۔ اسے ہاں میں یہ بوجھنا تو میرا ہی گئی کہ تم جسے شکرا کر کے اپنے ساتھ رہو، میں نے اسے لکھی تھیں، وہ تمہارے ہاتھ سے کیسے نکل گیا؟"

"میں نکل گیا! بیگم جہانگیر نے ٹھٹھا سا سننے لے کر کہا۔"

"ایک نوخیز لڑکی اڑا لے گئی تھی؟ اسے یا اسنو؟ کوئی سی ٹیکہ دیا تھا؟"

میں نے کہا: "میں نے اس سے رخصت ہو گئی۔"

رات بہت گزر چکی تھی لیکن میری آنکھوں میں غنیمت کا شائبہ ایک تھا۔ کچھ تو یہ کہ بہن رخصیات و سوالات کی پورس بھی خاصی تھی اور کچھ شائے کی تکلیف نے بھی نہ۔ ستر روک رکھا تھا۔ مجھے اس کے سوا کچھ نہ ہو سکا کہ وہ نیم نزل ایک گلی کھائوں۔

دوسری صبح جب میں دفتر کے لیے روانہ ہوئی تو رات کی طرح اُس وقت بھی ایک بلی سی سال اور ڈھلے آگے شائے کی ڈرائیگ کا اٹھا کر کسی کی نفرین نہ کر سکے۔ ہر چند کہ رات ہی مجھ پر تانا سہ حملہ ہو چکا تھا لیکن میں مخالف نہیں تھی اور میں نے کسی بھی دوسرے حملے کا سامنا کرنے کے لیے خود کو پوری طرح مستعد کر لیا تھا۔

دفتر پہنچ کر میں نے سب سے پہلے ہاسٹل فون کیا اور فون کی خبر یہ معلوم کی۔ وہ ٹھیک تھا لیکن ہاسٹل سے ڈیجیٹل ہونے کے فون میں نہیں تھا۔ مجھے اُس کی یہ بات بڑی عجیب لگی۔ وہ اس قسم کا آدمی تو نہیں کہ زندگی کے لیے ایسی احتیاط پسندی کو ناکارہ نہ جانے، تو پھر؟ میں اس کے بارے میں کوئی اندازہ لگانے سے بھی تامل نہ تھی۔ آخر میں نے اُس کے خیال کو ذہن سے جھٹک دیا اور سنگتیا کے بارے میں سوچنے لگی۔

سنگتیا؟

وہ ایک لائے علی سوال میں کر رہی تھی، جسے بے اعھے کچھ ڈرائیج دینا تھا۔ اُس کے ہاتھ سے سرنے آتے تھے کیا، پھر ڈرائیج بھی دیا اور اس کے بعد جب وہ آگے بڑھنے لگی تو میں نے اسے روک دیا۔

"سنو!"

"میں نے کہا کہ وہ ایک آدمی ہے۔ اس اعتبار سے کہا کہ ہاں اس حد تک کہ یہاں کے کھلے عام سب اُسے اس کی پروا نہیں ہے کہ لوگ اس میں گئے۔ رہیں اور دوسرے جو لوگ کبھی نہیں دیکھا۔ ملازم لال کی دولت ہاتھ بٹانے اور مکمل کھیلنا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ وہ جالیس بینا الیس لیکن میں اس سلسلے میں سختی طور پر کل ہی

میں نے کہا: "میں نے کہا کہ وہ ایک آدمی ہے۔ اس اعتبار سے کہا کہ ہاں اس حد تک کہ یہاں کے کھلے عام سب اُسے اس کی پروا نہیں ہے کہ لوگ اس میں گئے۔ رہیں اور دوسرے جو لوگ کبھی نہیں دیکھا۔ ملازم لال کی دولت ہاتھ بٹانے اور مکمل کھیلنا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ وہ جالیس بینا الیس لیکن میں اس سلسلے میں سختی طور پر کل ہی

میں نے کہا: "میں نے کہا کہ وہ ایک آدمی ہے۔ اس اعتبار سے کہا کہ ہاں اس حد تک کہ یہاں کے کھلے عام سب اُسے اس کی پروا نہیں ہے کہ لوگ اس میں گئے۔ رہیں اور دوسرے جو لوگ کبھی نہیں دیکھا۔ ملازم لال کی دولت ہاتھ بٹانے اور مکمل کھیلنا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ وہ جالیس بینا الیس لیکن میں اس سلسلے میں سختی طور پر کل ہی

لیکن چونکہ وہ مجھے بہت دل آویز معلوم ہوئی تھی۔ اُس کی حیات و کثرت نے اُس کے کردار کو طرزِ تشبیہ بنا دیا تھا لیکن یہ بات میرے دل کو نہیں ملگ رہی تھی کہ وہ کوئی ایسی دلی راز ہے۔

"جی۔" وہ کچھ دیر بعد ہنسنے سے بولی۔ شاید میرے بولنے کا انتخاب کرتے کرتے اُسے گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔

میں نے ایک طویل سانس لیا اور اپنی آرام دہ روانو گت چیر کر پتہ لگا۔ سے ٹپک لگا کر اُسے پیچھے کی طرف جھکا لیا۔ پوری نظر سلگائیں چہرے پر چڑی ہوئی تھی۔ آخر میں نے ہنسنے سے کہا۔

"سلگتیا یقین کر لو کہ میں تمھارے بارے میں بہت غصہ ہوں۔"

"مجھے یقین ہے یا نا؟" اُس کی نگاہ جھکی رہی۔

"یقین کے باوجود بھی تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو؟"

"میں نے تو آپ سے کچھ بھی نہیں چھپایا یا نا؟"

"تم نے مجھے اپنے والد سے نہیں بتایا یا نا؟"

"میں اس مسئلے میں مجبور ہوں۔ یہ بتا کر مجھ سے اب تک ناراض ہیں کہ میں نے آپ کو اپنے بارے میں اتنا کچھ بتا دیا اب بھی اگر میں آپ کو گھبرائے گی تو شاید وہ مجھ سے بات چیت کرنا بھی چھوڑ دیں۔"

"آخر وہ اپنے ماضی کو کیوں چھپانا چاہتے ہیں؟"

"وہ تو ایسا نہیں چاہتے، یہ آپ نے کس بات سے سمجھا؟"

"مشاق چنگیزی؟" میں نے اشارہ کر لیا۔

"اوہ! ہاں! ایسی ہی ایک ایسا معاملہ ہے جس پر وہ نہان کھولنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔"

"پاکستان آنے سے پہلے تمھارے تباہی کہاں تھے؟"

"تمھارا تعلق پاکستان ہی سے ہے۔ ہم سب کچھ کا باشندہ ہیں لیکن تباہی نے اپنی کاروباری زندگی کا آغاز دہلی سے کیا تھا۔ مالی استحکام حاصل کرنے کے بعد وہ کراچی میں آکر آباد ہوئے تھے۔"

"مشاق چنگیزی سے اس کا ربط و ربط دینی میں بھی تھا؟"

"گو کہ ان کے لئے تو اُسے وہاں اپنے گھر پر کبھی نہیں دیکھا؟"

"اُس کی طرف سے؟"

"تیس ہفتے کے لگ بھگ ہوگی۔ سلگتیا نے جواب دیا۔

اور پھر ذرا سا رک کر بولی۔ "یا نا! بہتر ہوگا کہ آپ ان باتوں کو کھول جائیں۔ میں تو اپنے مستقبل کو صبر کر رہی ہوں۔"

میں غور سے اس گفتگو کو سمجھ رہی تھی۔ وہ کہتا تھا۔

"اگر آپ کوئی کاروباری شخص مجھ سے ملنے آیا ہے۔"

"اُسے کسے میں بھیج دو! میں نے سیکرٹری سے کہا اور

چند ریسورسز رکھ کر سلگتیا سے بولی۔ اب تم ہمارے آگے رہیں۔"

سلگتیا اٹھ کھڑی ہو گئی۔

وہ دن میں نے دفتر کی کاموں میں لگا رہا تھا۔

میں سوچتی رہی، پانچ بجے دفتر سے اٹھ کر اپنے دفنی شانے کی ڈرائنگ کرتے بیٹھ گئی۔

وقت اس لیے گزرا کہ بعد میں شاید مجھے مہلت سے بھی ملتا تھا اور دات کو بی ہائیڈریک انعام ہارمانے والوں میں سے تو ہوں نہیں۔ سلگتیا مجھے کہہ کر گناہ کی ہوئی؟

ڈرائنگ کرنے کے بعد ان اپنی آواز دھم دھم سوچنے لگی کہ مجھے بلکہ جہاں تک میرے کس ذاتی اور پیشے سے یہ سوچا جی خفا کر ایک نام نہان کی اطلاع دی۔ گویا نہان خود ہی پیاسے کی شے نے ڈرائنگ روم میں عجم جہاں لگا کر "ہو جانا!" وہ مجھ سے مصافحہ کرتی ہوئی تھی۔

"خفا ہو۔ تم شاید ڈرائنگ روم میں بھی سوجھ بوجھ کرنے کے لیے کس وقت روانہ ہو جاؤ گے؟"

"دراصل میں تمھیں گھر پر نہ ملتا تھا۔ کرتے ہوئے میں نے ہی سوچا کہ میں نے تم سے اتنا کر لیا کوئی خاص پروگرام نہیں کیا ہے؟ میں نے بوجھا۔

"بہت دلکش! بلکہ جہاں تک میرے ہنس کر ہاتھوں کو میں تمھیں وہ عورتوں کی معلومات فراہم کر آج میں نے مشاق چنگیزی کے بارے میں سنا،

"کافی بڑی کچھ اور؟ میں نے اُس وقت ۴ پر بیٹھ چکے تھے۔ دیکھو میں تو ابھی بھی کال لے رہی تھی۔

"کچھ بڑی سکون کی؟"

"تو پھر ٹالو اس مسئلے کو کوئی تلفظ نہیں ہے۔

جیسے ہی کوئی کہہ رہی ہوں۔ ہاں تو میں تمھیں یہ بتانے مشاق چنگیزی کی شخصیت تو بڑی بڑا سرمد معلوم ہوتی ہے۔ وہاں دو سال سے کراچی میں ہے۔ اس سے پہلے وہ کہاں نہیں جاتا۔ اُس کے قریب حلقوں میں بھی یہ موضوع ہے۔

سے کہ مشاق چنگیزی نے اپنے ماضی کو کیوں چھپا۔ اُس نے حلقوں کو لوٹنے کے ماضی کے بارے میں غائب۔ غائب اسے یاد نہیں تھا کہ وہ پہلے کسی کو کیا بنا

تھے، جب وہ جھوٹ بولی ہو۔ دروازہ گھومنا کے تضاد نے اُس کے قریبی حلقوں سے کہ وہ اپنے ماضی کو چھپانا چاہتا ہے۔

دلی مفرد و مجرم تو نہیں؟

کے بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں؟

میں خود ہی خیال کی تردید کرتے ہوئے کہ مجرم نہیں ہو سکتا۔ ایسے لوگ تو نہایت اہستہ پر چور ہوتے ہیں۔

پوری تو سو سانس میں خاصا نمود کرتا ہے۔

تو میں نے کہا کہ وہ مفرد نہیں ہو سکتا۔ کوئی اور وہ اپنے ماضی کو چھپانا ہے۔ میں نے کہا،

وہ رازہ کرمان اٹھتا بیٹھا ہے؟

گرم جہاں کے ایک کلب کے بارے میں بتایا ہوا نہیں لکھنا چاہتی۔

میں نے اُسے بتایا کہ ایک اور سوال کیا۔

ارہتا ہے۔"

میں معلوم ہے۔"

وام لال کے گھر پر ہی اب اُس کا قبضہ ہے۔

تو میرے کہنے پر، اور پھر بول۔ "اچھا اُس کے ت حاصل کیس؟"

میں اتنا ہی معلوم کر سکی ہوں اور میرا خیال ہے زیادہ معلومات حاصل کرنے کے وسائل میرے ہاتھ میں نہیں ہیں۔

ایسی معلومات کا بھی شکریہ ادا کرنا میں خود دیکھ رہی ہوں۔

گھر لایا ہے یا نہیں؟ بلکہ جہاں تک میرے ماضی میں نہیں ساتھ چھپا۔

میں نے جواب دیا۔ "اور شاید انہوں نے نہیں۔"

گوں؟" بلکہ جہاں تک میرے ماضی سے بولی۔

میں چاہتا ہے کہ اُس طرح سے میرا بار بار دہرایا ہو۔

ہوئی؟"

مماوی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ میں نے نہیں کہ انسان کے اندر جو وحشی جذبہ ہے نا، اسی کے دبا گیا ہے اور میری چاہتا ہے کہ سلگتیا سے کہہ دے۔"

"تمھارا یہ فلسفہ میری طاقت میں بالکل ناخوش ہے۔ وہ وحشی جذبہ ایک الگ چیز ہے اور محبت ایک اور چیز!"

"تمھیں اختلاف رائے کا حق ہے لیکن میں محبت کو جس سے ماورا نہیں سمجھتی۔ زیادہ تر لوگ مجھ سے اتفاق نہیں رکھتے لیکن میرے اس سوال کا جواب کبھی کوئی نہیں دے سکا کہ کسی نوجوان کو کسی ساتھ سالہ ٹھہرا سے یا کسی لڑکی کو کسی ساتھ سالہ لڑکے سے محبت کیوں نہیں ہوگی؟ پوری انسانی تاریخ میں ایسا کوئی نوجوان نہیں ملا اور ہی اس بات کی دلیل ہے کہ محبت کی بنیاد جنسی محرکات پر قائم ہوتی ہے۔"

میری یہ دلیل سن کر دوسرے بہت سے لوگوں کی طرح بیگم جہاں بھی بیٹھنے لگی، اور میں نے مناسب یہی سمجھا کہ موضوع گفتگو تبدیل دوں۔

بیگم جہاں کے کچھ دیر بیٹھ کر رخصت ہو گئی اور میں ڈرائنگ روم ہی میں بیٹھ کر مشاق چنگیزی کے ماضی سے پردہ اٹھانے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ کسی بنیاد کے بغیر میرے دماغ میں یہ خیال پیدا ہو چکا تھا کہ مشاق چنگیزی جی غائب دہلی ہی سے لائی آیا ہے۔ اب میرے لیے مسئلہ یہ تھا کہ اپنے اس خیال کی تائید یا تردید کس طرز پر!

میرا ماننا اچھٹ بن گیا اور وقت گزرتا رہا۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد میں نے بی ہائیڈریک لائبریری میں کتابیں تلاش کرنے کی تیاری شروع کی۔ جو پچھلے گزشتہ دو دنوں میں بنایا تھا، وہی علیہ اُس رات بھی بنایا اور میری ملازمہ مجھے کارڈیں اور میسرز مارکیٹ چھوڑ آئی۔ وہاں سے میں ایک مائیک میں بیٹھ کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئی۔ میں نے فیصلہ کیا تھا کہ کس کتابیں بیٹھوں گی، اُس کے ڈرائیور کے کہہ دوں گی کہ وہ اُس مائیک سے کچھ پیچھے جا رہے ہیں میں سلگتیا ہوگی۔ میری اس بات سے رشتہ ڈرائیور کے دل میں شبہات تو یقیناً پیدا ہوئے لیکن مجھے اس کے ہوا کوئی راہ نہیں سمجھ رہی تھی۔

میں معتقد دت پر بی ہائیڈریک لائبریری کے سب کچھ کو اٹھانے کے قریب پہنچ گئی اور سلگتیا جی شاید اپنے مفرد دت سے کبھی لپٹ نہیں ہوتی تھی۔

اُس رات میرے ساتھ سر کی تسمیر کی صورت حال پیش آئی۔ یعنی جب سلگتیا مائیک میں بیٹھ کر قریب و پورا کوئی کتاب نظر نہیں آتی تھی لیکن مائیک میں ڈرائنگ میں خیال نہیں آتا۔

نہایتوں کے پُر ہونے میں کچھ وقت بھی لگ گیا تھا اور اتنی دیر میں کوئی کتاب دہاں آ سکتی تھی لیکن میں نے خطرہ مول لینا مناسب

سنگیتا نے بیٹھے ہی کلا حرکت میں آئی اور اس کے لیے مخالف سمت میں، لیکن گوارا قبرستان کی طرف، فرار نے میری پہنچ چلی گئی۔ اُس کی سرخ دوشیاں میرے دیکھنے سے دیکھتے اندھیرے میں مدغم ہو گئیں اور میں خیالات میں ڈوبی ہوئی ایس پر سرائے کی شہنشاہی اب یہ معاملہ ہو چکا تھا کہ گزشتہ رات جب میں اوپر برس مار کر برہنگی کی منتظر تھی تو مجھے اُس کا ناکہ گالی کیوں ملا تھا! سنگیتا، دزدانِ میر کی ہونٹوں کے نیچے ٹوڑے سے اسے اُتر کر کاٹیں

”دل کا معاملہ ہے نا!“ رضوان نے ایک لمبے لمبے کمر کیا۔

”سٹاپ!“ میں نے یہ کہہ کر سلسلہ شفق نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے رضوان سے کہہ کر

مقدم ہو گئی تھی کہ سلیکٹارات کو حرفِ دو گفہ

مائل ہے۔

میرے پر تذبذب کے آثار تھے لیکن وہ انکار
نے اپنے ساتھ کامیں بٹھا کر اپنے گھر کی طرف
عمل میں نئے کچھ یوں سوچا تھا کہ جب تک
کی بڑکی تو میں اپنے جذبات کا گھلا کیوں
نہیں کر، طرف جانے والی شرک برطرفی تو

”اے اب بیٹھ بھی جاؤ! ہمیں نے اس کا شانہ تمہیکہ کر
 بڑی نے لٹکانی سے کہا“ مجھے یہ کہہ بہت پسند ہے۔ اے اتنا
 رومانگ بنانے کے لیے مجھ بہت پیارا فن کرنا پڑا تھا۔“
 پھر میں اس کے چھیننے کا انتظار کیے بغیر سرگینٹ کی
 طرف بڑھ گئی جس میں ٹوٹی ہوئی رنگارنگ بوتلیں بہت عجب
 سے لہر تھیں۔ میں دواں سے دوسم بنا کر سنگت کی طرف

سے لبریز تھیں میں وہاں سے وڈیگا

بہت سے خیالات آئے اور گزر گئے۔ ان میں سے ایک خیال یہ بھی تھا کہ آج کی رات ایک اعتبار سے تو ضائع ہی تھی۔ اب اتنا وقت نہیں رہا تھا کہ تین سنگیت کی شہید نقل و حرکت پر نظر کر سکوں اور جان لوں کہ وہ کہاں جاتی ہے!

کچھ دیر بعد میں بستر سے اٹھی میں نے اپنی خصوصی ملازمہ کو بلا کر اس کی مدد سے اپنے زخمی شانے کی ڈریسنگ کی۔ وہ زخم اب صحت اس صورت میں تکلیف دہ رہ گیا تھا کہ اسے نہیں لگ جائے۔ ڈریسنگ کرنے کے بعد میں ہاتھ و دم میں جاگھسی۔ غسل کرنے سے میری کسندری رخ ہو گئی غسل کرتے ہوئے مجھے اس بات کا خیال دکھنا پڑا تھا کہ میرے زخمی شانے پر پانی نہ پڑ سکے۔

کچھ دیر میں کمر میں ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا بیٹھی اور ملازمہ کو ہدایت کر دی کہ تین جتنی دیر میں میک اپ کروں، اتنی دیریں کھانا کھائے۔ کھانے کے بعد میں ہاسٹل جا رہا تھا جتنی میں نے رضوان سے وعدہ کیا تھا کہ رات کو میں اسے دیکھنے آؤں گی۔ کھانا کھانے کے بعد میں نے گریج سے اپنی کار کا نکالنا میں اپنے خیالات میں دو بی ہوئی، کار کو آہستہ آہستہ چلائی پھر بالکل طرف لے جا رہی تھی۔ بچا تک سے نکل کر میں نے اسے انیس جانب موڑا اور پھر جیسے بے اختیار میری بریک اور پلچ پونچ گیا میری نظر کچھ ڈو کھڑی ہوئی ایک کار پر پڑی تھی اور میرے خیال کے مطابق یہ وہی کار تھی جس سے مجھ پر دو رات قبل گولیاں برسائی گئی تھیں۔ وہاں اتنا اندھیرا تھا کہ مجھے اس کار کی نمبر پلیٹ دکھانی نہیں دے رہی تھی۔ میری کار کی میڈل انٹیس ڈوم تھیں میں نے لیور دبا کر ٹول انٹیس جلائی تو مجھے نہ صرف نمبر پلیٹ نظر آگئی بلکہ میں نے بھی دیکھا کہ اس کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے تیزی سے ٹھک کر اپنا چہرہ چھپانے کی کوشش کی تھی۔

خطرے کے احساس نے میرے اعصاب پر چھنا کا سا کیا اور دوسرے ہی لمحے میرے ہاتھ پیروں نے شیشی انداز میں عمل کیا میں نے گاڑی کو بہت چھری سے ریورس گیر میں ڈالا اور پلچ پر تندریدج دباؤ کرتے ہوئے ایک سیلر پر دباؤ ڈھرائی چلی گئی گاڑی تیزی سے پیچھے بھاگی اور دائیں بچا تک میں داخل ہوئی چلی گئی۔ اس طرح میں نے خود کو کسی متوقع ناخوشہ بچانے کی کوشش کی تھی۔

شرک پر کھڑی ہوئی اس کار کے اسٹارٹ ہونے کی

آواز سنائی دی اور پھر وہ فرار لے کر

سے گزری میں نے خود کو تیزی سے

بھی کسی متوقع ناخوشہ بچنے کی

ناخوشہ نہیں ہوا۔ خاترو نہ بنے

زخمی ہوئی یا نہ ہوئی، کار کی ڈرائیونگ

چکر کھار اور دو ایک ملازمین

آ رہی تھیں۔ وہ لوگ جانا چاہتے

ایورس کیوں لیا تھا، لیکن میں نے

انتظار نہیں کیا اور کار کو فرسٹ گیر میں

میں لے آئی اور اسے اسی طرف

لیتے میں دوسرا گیزر ڈال چکی تھی

گازی ڈاپ گیر میں فرار لے کر

اگلی کار ابھی زیادہ دُور نہیں

عقبی روڈ نیاس صاف نظر آ رہی تھیں

تھیں تھا کہ دونوں قبل مجھ پر اسی

اور آج بھی وہ نہ معلوم شخص

ناکامی کا زائر کر سکے۔

لیکن میں اب اس رات کی طرح

تھی میں نے جتنی کر لیا تھا کہ اس

اب میرے ہائیں خانے میں اپنی

سے اسٹریٹک دسٹینال سکوں میں نے

کھولا اور اس میں سے عشاریہ

میری کار کی ہوتی ہوئی رفتار کے

بڑھتی جا رہی تھی اور اس کا

شکار رہے۔

میں نے سبتوں اس لیے نکالا تھا کہ

ٹائر پھاڑوں لیکن پھر مجھے خیال

کی آواز سن کر اس پاس کے بہت سے

گے جب کہ میں اپنے شکار کو بہت

تھی میں نے سبتوں پھر اپنے

میری کار اب زائد ہونے والی

تھی لیکن مجھے اس کے آگے

اس جانب کی نظر عقاب آئی

دیکھ کر اپنی کار کو ایسے

”اچھی بات ہے بیٹے! میں

نہیں کہہ سکتے۔ آج میری کار کی

ن کار کی ٹھکی اتنی چھوٹی ہے

ن میں زیادہ پٹرول نہیں

اس وقت بھی وہ نہ معلوم

پر بار دوڑا رہا تھا۔ وہ راستے

۱۔ ڈرائیونگ خواہش کے خلاف اسے

۲۔ اگر وہ شاہراہ پر نکل جاتا

مردار کا مایاب ہو جاتا اور

۱۔ طرح اچھا تھا۔ اسے

۱۔ گولی پٹرولنگ کار بھی

۱۔ وہ دوڑتی ہوئی کاروں کو

۱۔ وہ نہیں گزری تھی اس لیے

۱۔ آدھ گاڑی نظر آ جاتی تھی۔

۱۔ سے نکلنے کا موقع وہ اس

۱۔ بالکل قریب نہ آ جاتے۔

۱۔ اسے اور شیک کرنے کا

۱۔ اس طرح گزریا اب

۱۔ شاید ساری رات ہی

۱۔ ایک صدمہ کھانا

۱۔ اکیلے کرتے ہوئے بالکل

۱۔ اب اگر آگے سے کوئی

۱۔ لفظ کا موقع دیا تو میں

۱۔ مل کر دے گی۔ ظاہر ہے

۱۔ والی گاڑی کا ڈرائیونگ

۱۔ اپنی گاڑی کو بائیں

۱۔ اور بھڑا بھڑکا کر

۱۔ دونوں کاروں کے

۱۔ اس میں خطرہ ہے

۱۔ مل ہی حواس

۱۔ دیگر بات تو میری

۱۔ میں شاید پہلی

۱۔ مایا احمق دہی

۱۔ بہ میں نے فیصلہ

۱۔ ادبی نہیں آئی۔

تھے ڈیفنس کے اندرونی

ناتیار۔ اب بارہ بج چکے

ہو گیا تھا۔

میری جھجکا ہٹ میں

کچھ دوسری گاڑی کی

اس شرک پر آئی تھی

آنکھیں بھی چمک

میں اپنے فیصلے کو

میڈل انٹیس تیزی سے

میرے متعاقب نے

رکھا تو آنے والی

راستہ اسی وقت

پہنچ گئی۔ میرے

کا، اور اتنی ہی

سامنے سے آنے والی

رفتار خطرناک

والی کار کو ٹکرائے

آنے والی کار کا

اور اس نے اپنی

دھچکائی میں

میں نے اس کے

آواز سننے میں

گالیاں دینے والا

میرے متعاقب نے

گھبرا کر ایک

میں نے ایک سیلر

بنا دیا میں

دایاں عقد اس

کے باوجود بھی

چرو نہیں دیکھ

آگے نکلنے میں

کو تندریدج

میں اپنے شکار

اب تو مجھ سے

دل ہی دل میں

اس میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا کہ وہ سڑک کا بچہ ہے
خائف بہت تھا۔ ہر چیز کے اس نے مجھ پر گولیاں چلانے کی جسارت
کی تھی لیکن اسے یہی یقین تھا کہ اگر وہ میرے ہاتھ لگ گیا تو
اس کی خیریت نہیں!
گاڑی کی رفتار کم کرنے کی ایک تنگ سے مقام پر میں
نے گاڑی کو بلیکٹ ترچھا کر کے روک دیا۔ اس طرح راستہ
بالکل مسدود ہو گیا تھا۔ اس کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی کہ
پھانچاں کا آگے نکل سکتی۔

58۔ جب سب سے نمٹ لوں گی۔ میں نے ایک بار پھر دل
بالتین کہا۔
لیکن اس وقت میرے پیارے دشمن نے ایک ایسی حرکت
کی جس کے بارے میں مجھے پہلے ہی سوچ لینا چاہیے تھا لیکن
میں نے سوچا نہیں تھا۔ بعض اوقات بالکل سامنے کی بات
ذہن میں نہیں آنے پاتی اور وہ سامنے کی بات یہ تھی کہ اس
بے سند شخص نے چاکا اپنی گاڑی کو رپورس گیز میں ڈال کر
پچھلے کی طرف دوڑا دیا تھا۔

”الو کاٹھا!“ جھنجھلاہٹ کے عالم میں میرے منہ سے نکلا۔
میں نے گاڑی کا آئینہ بند کر دیا تھا جسے دوبارہ اشار کیا
لیکن رپورس گیز میں ڈالنے کی بجائے موٹر کو اپنے دشمن کی گاڑی
کی طرف دوڑا دیا میں نے فٹل انٹیسٹ آن کر دی تھیں کیونکہ
یہی موقع تھا جب میں اپنے دشمن کا چہرہ مبارک دیکھ سکتی تھی۔
وہ چونکہ رپورس گیز میں جھگ رہا تھا اس لیے اس کی رفتار
بہت زیادہ نہیں ہو سکتی تھی۔ میری گاڑی بہت جلد اس کے
ساتنے قریب پہنچ گئی کہ میرا انٹیسٹ کی روشنی میں اس کا چہرہ
نظر آ گیا۔

”اوہ!“ میں نے بے اختیار ایک طویل سانس لیا۔
وہ تآثری تھا!
اسے دیکھ کر مجھے ہلکی سی جھٹ ہوئی۔ خود شید کا بیان تھا کہ
تآثری ایک ایسا آدمی ہے جو دشمن کو ہلاک کرنا، مہارت سمجھتا
تھا۔ تو پھر اس نے ایسی حرکت کیوں کی؟ کیا مجھے ہلاک کرنے
کے لیے اسے کسی بہت بڑی رقم کی پیشکش کی گئی ہوگی؟ کیا
وہ اتنی بڑی رقم ہو سکتی ہے کہ تآثری فیسا پنڈت کا بد معاش
اپنے اصولوں کو بالائے طاق رکھ سکے؟ لیکن اسے اتنی بڑی
پیشکش کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ یہ سارے سوالات بیک لمحہ
میرے ذہن میں چکر اٹھے۔

چاکا تآثری نے اپنی گاڑی کی
اندازہ ہو گیا ہو گا کہ وہ اس طرح مجھ
اسے دیکھ کر کہنے دو دیکھ کر مجھے بھی اپنی
یہی خیال تھا کہ تآثری کے پاس ساٹھ لاکھ
وہ اس وقت تو میری کار پر گولیاں نہیں
اس کے قاتل قاتل تھی لیکن اب سا
کرنا اس کے لیے دشوار ہو رہا تھا۔
پستول میرے پاس بھی تھا لیکن
تھی کہ میں فائرنگ کی آواز سے اس
چونکا انہیں چاہتی تھی۔ اندیشہ یہی تھا کہ
فائرنگ کی آواز شاہراہ پر گشت کر رہی
پہنچ جاتی اور وہ لوگ آدھرا نکلے جہاں
کر پولیس کے جھیلے میں پھنسوں۔ میری اس
تآثری کی عاقبت ابھی تک خطرے میں نہیں
تآثری کی گاڑی کی تو میں نے سمجھا
مناسب سمجھا میں اس کے دیوالوں کی زور
تھی اور میری ہی احتیاط میرے کام آگئی
دائیں ہاتھ کو کوئی سے نکلنے دے دیا
بھی تھا۔ میں نے بڑی عجلت میں رپورس گیز
دوڑا دیا کیونکہ اپنے ہی خیال کے مطابق
کی ریخ میں تھی میں نے گولی سے بچنے کے
اور اپنے سر کو بھی حتی الامکان نیچے جھکا لیا
میں ساٹھ لاکھ ہونے کی وجہ سے میں
کر سکی کہ فائر ہو گیا تھا انہیں اپنی
کوئی چیز میری کار کی چھت سے گر کر کمالی ہوا
معا ملاب آٹن ہو چکا تھا میں اپنی
دوڑا دی تھی اور تآثری اپنی گاڑی کو آدھرا
میرے سر پر چڑھا لیے چلا آ رہا تھا۔ میرے
تھی کہ گولی سے بچنے کے لیے مجھے سر جھکا
کی وجہ سے میں دو تآثری کی کار پر ٹھیک
اور نہ مجھے اپنے عقب کا کچھ علم تھا حالانکہ گاڑی
دوڑ رہی تھی۔
پھر یوں ہو کر تآثری کی کار تڑانے کے
بائیں جانب سے نکل گئی۔ اسے دائیں طرف
مل رہا تھا اور یہی بات میرے حق میں ٹھیک ہوا

اور سے بریک لگا جیسے اپنا سارا اشتعال
بہشت کر لیا جاتی ہوں۔
ہلکے سے ٹکرانے میں نے اسے واپس
ت کہم جگہ میں ٹوٹ کر لیا۔ اب ایک بار پھر
م کے قاتل قاتل تھی۔
زنت باز میں نے لوگوں کا قاتل قاتل
میں ہوئی تھی جتنا زنج مجھے تآثری نے
نہ کے باعث میرے انہیں چڑھ چلے
مک کو تیزی سے ادا دھڑکے کے باعث
کر لے لگا تھا لیکن میں بھی دل ہی دل میں
تآثری کو چھوڑ دینے کی نہیں۔
بھی کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ تآثری مجھ
مکھلا یا ہوا تھا۔ یہ بوکھلاہٹ ہی تو تھی کہ
ہو اپنے قاتل قاتل میں آنے کا موقع دیا تھا۔
مکے خال ہوتا تو اس نے ایک گولی میری
نار پر تو داغ ہی دی ہوئی ٹائر پر پڑ
م نہ ہوتا کہ میں اس کا قاتل قاتل جاری
نے فیصلہ کیا تھا کہ اس سے آگے نکل کر
مکھش ہو کر نہیں کر دوں گی۔ بس یہی
ماتل کرتی ہوں۔ آخر وہ کب تک اور
جب وہ تکرنا تو اس کی شامت اسے اچھی
مں لوق ہو جانے کے بعد اب اشتعال
مک میں بڑے صبر و استقامت سے اس
”اس سے آگے نکلنے کی کوشش نہیں
میں مجھلاہٹ ہو رہی تھی کہ اس
میں کسی طرح ختم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔
ماتل ایک اتفاق ہی کہوں گی۔ اتنی دیر تک
مک کا دے مذہب نہیں ہوتی تھی لیکن
ن نہ جانے کدھر سے نکل آئی اور میرے
م مجھے اپنے ہاتھوں سے نکلنا نظر آئے لگا
م کی وجہ سے یقیناً پولیس کی نظر میں

آخر وہی ہوا جس کا غرض تھا۔ پولیس کا کچھ دیر تک میرے
لقاب میں رہنے کے بعد اپنی رفتار بڑھا کر میری کار کے برابر آ گئی
اور اس میں بیٹھے ہوئے ایک آفیسر نے چرچ کر سارا گاڑی دیکھ
خاتون!“
تیز رفتاری کے باعث چرچ کر بولنا لازم تھا۔ مجھے بھی جواب
دینے کے لیے جھنجھلاہٹ میں نہیں ٹرک سکتی۔ پہلے آپ
آگے والی کار کو روکیے اس کا دے مجھ پر گولی چلائی گئی ہے۔“
مجھے اپنی بات کے جواب میں کوئی آواز سنائی نہیں دی۔
پولیس کا دینے بیٹھے ہوئے آدمی شاید آپس میں کچھ مشورہ کرنے
لگے تھے۔ پھر چاکا پولیس کا دینے رفتاریں، اضافہ ہوا اور وہ مجھ
سے آگے نکل گئی۔ اب وہ لوگ یقیناً اگلی کار کو روکنے کی کوشش
کرتے۔
جب پولیس کا رلے ڈپر دیا تو تآثری مجھ کو ہاتھ لگا کر اپنی گاڑی
کو سائڈ میں کر لے۔ پھر میں نے دیکھا کہ پولیس کا رلے تآثری کی کار کے
برابر دوڑ رہی تھی شاید تآثری سے کچھ کہا بھی گیا ہو لیکن میں کوئی
آواز نہیں سن سکی، اس میں نے یہ مزو محسوس کیا کہ تآثری کی
رفتار کم ہونے لگی تھی۔ پولیس کا رلے اس کے آگے نکل کر اپنی رفتار
کم کرنا شروع کی تھی۔ اب مجھے بھی اپنی رفتاریں کم کرنا پڑیں اور
بالآخر تینوں گاڑیاں آگے پچھلے لگ گئیں۔
پولیس کا دے اترنے والوں کے انداز میں بڑی تیزی تھی اور
انہوں نے تآثری کی کار کو فریغ میں لے لیا تھا۔ چونکہ میں عورت
تھی اس لیے شاید پولیس والوں کو میری بات پر فوراً یقین آ گیا تھا۔
ادھر میں سوچ رہی تھی کہ میں خود مجھے ہی کسی دشواری کا
سامنا کرنا پڑ جائے۔ میرے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہیں تھا
کہ مجھ پر گولی چلائی گئی تھی۔ مجھے شبہ ضرور تھا کہ ایک گولی میری کار
کی چھت سے رگڑکھاتی ہوئی نکلی تھی لیکن اس کا یقین نہیں تھا۔
میں یہ بھی سوچ رہی تھی کہ پولیس کا رلے کو دیکھ کر تآثری نے اپنا
سائیلنسر لگا ہوا دیوالور اپنی کار کی کھرک سے باہر پھینک دیا ہو گا
جو اندھیرے کی وجہ سے مجھے نظر نہیں آ سکا۔
رہ گئی دوڑات پہلے کی فائرنگ جس کا ثبوت میرا جی شاد
تھا، تو اس کا حوالہ میں دے نہیں سکتی تھی۔ پولیس مجھ سے یہ
سوال ضرور کرے گی کہ میں نے اس کی رپورٹ کیوں نہیں کی تھی اور
یہ سوال میرے لیے انجینیں پیداکر سکتا تھا۔
جب میں اپنی کار سے اتری تو دوسری طرف تآثری بھی

انہی کار سے اتر چکا تھا اور پولیس والے شاید اس بات کے متفق تھے کہ میں قریب پنچوں تو وہ کچھ پولیس۔

جب میں قریب پہنچ گئی تو ایک پولیس آفیسر نے آماری سے کہا: یہ خاتون کتنی ہیں کہ تم نے ان پر فائر کیا تھا! پولیس آفیسر کے لہجے کی سختی اس بات کی غماز تھی کہ وہ آماری سے اچھی طرح واقف تھا۔

”میں نے کسی پر گولی نہیں چلائی، یہ جھوٹ ہے۔“ آماری نے جواب دیا۔

”تلاشی لو اس کی!“ آفیسر نے دوسرا ہون کو حکم دیا۔

”یہ زیادتی ہے۔“ آماری نے احتجاج کیا۔

”کبومت! آفیسر نے اسے ڈانٹ دیا۔

وہ دونوں سپاہی اس کی تلاشی لینے لگے۔ مجھے یقین تھا کہ راولپور رائیون میں جو سب سے گراں قدر میرے اس یقین کو ٹھیس نہیں پہنچی۔

”کوئی ہتھیار نہیں ہے سر!“ سپاہیوں میں سے ایک نے بتایا۔

”کار کی تلاشی لو!“

وہ دونوں سپاہی کار میں گھس پڑے۔

”میرا خیال ہے کہ اس طرح وقت ضائع ہو رہا ہے۔“ میں نے پولیس آفیسر سے کہا۔ ”اس نے آپ لوگوں کی کار دیکھ کر راولپور راستے میں کہیں پھینک دیا ہو گا۔“

”پھر تو خاموشی و ڈھاری ہو جائے گی، اسے ڈھونڈنے میں بہت وقت لگے گا میں اسے محض آپ کے بیان کی وجہ سے گرفتار نہیں کر سکتا۔ اگر آپ زخمی ہوتیں تو اور بات تھی آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ اس نے آپ پر گولی چلائی ہے؟“

”میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے تاہم مجھے شبہ ہے کہ اس نے جو گولی چلائی تھی، وہ میری کار کی چھت سے گرنے والی ہوئی گولی تھی۔“

”آئیے دیکھ لیتے ہیں، اگر وہ نشان مل جائے تو بات بن جائے گی۔“ پولیس آفیسر نے میری کار کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

میں اس کے ساتھ اپنی کار کے قریب پہنچی۔ پولیس آفیسر نے خارج کی روشنی میں کار کی چھت کا جائزہ لیا تو ایک گرنے والا نشان صاف نظر آیا۔

”گڑ!“ پولیس آفیسر نے سر ہلایا۔ ”اب میں اسے گرفتار کروں گا۔“ اس کا پھینکا ہوا رولپور سے تلاش کر لیا جائے گا۔ وہ چونکہ ایک بنام شخص ہے اس لیے اس کی گرفتاری کے لیے یہ معمولی ثبوت بھی کافی ہے، مگر خاتون! آپ کون ہیں اور آماری کو آپ سے کیا دشمنی ہے۔ نیز یہ کہ اتنی رات گئے۔۔۔“

”دراصل میں کسی شخص سے اسے میرا کارڈ ہے۔“ میں نے پرس سے ہاتھ مارا۔

”اوہ!“ وہ چونکا۔ ”بسیہ! ہاتھ!“

”کیا آپ مجھے جانتے ہیں؟“

”ہمارے محلے میں تو آپ کا نام عام تھا۔“

”یہ تو وہی بتا سکتا ہے۔“

پولیس آفیسر نے مجھے ایسی نظر سے پریشان کیا کہ وہ غالباً دیکھ رہا تھا کہ میں بات چیت کر رہی ہوں۔ وہ تو میری ایک بات پر یقین نہیں کر سکتا کہ آماری نے اسے کچھ روپے

دیا ہو گا۔ اس نے اس بات پر بھی یقین نہیں کیا کہ اس کا وجہ سے بے خبر ہوں گی۔

جب ہم بائیں کمرے ہوئے واپس آنا شروع کیا تو پولیس والوں نے بتایا کہ کار میں سے کوئی

شے نہیں ہوئی۔

”بہر حال اسے حراست میں لے لیا جائے۔“

”آخر یہ کیا اندیشہ ہے؟“ آماری نے کہا۔

”ہاں!“ پولیس آفیسر نے سر ہلایا۔ ”فائدہ اٹھایا ہے تم نے، لیکن۔۔۔ بہر حال۔۔۔ ہم تلاش کریں گے جو تم نے ہماری گاڑی کو دیکھ کر مارا۔“

وہاں سے پھر ماہرین یہ بھی ثابت کر دیں گے کہ اسے چلائی ہوئی گولی سے متاثرہ مریضوں کی گاڑی کی کم

ہے۔ میں ابھی خود اس نشان کو دیکھ چکا ہوں۔“

دوسرا ہون نے آماری کے دونوں بازو مارے۔

”میری کار۔۔۔“ آماری نے چیخا۔

”فکرت مت کرو، ہم اس کی دیکھ بھال کریں گے۔“ آفیسر نے جواب دیا۔ ”پھر مجھ سے بولا۔“ آپ کو بھی ہوا۔“

”اسے الگ رہنا چاہیے کسی ممکن حالات کے تحت کہ میرے لیے کوئی اور مفر نہیں تھی۔“ غرض

ان کی کارروائیوں میں میرا ایک گھنٹہ ضائع ہو گیا،

پہلے گھر جانے کے لیے پولیس اسٹیشن سے روانہ ہونے

کا بھی نہ گئی کہ اتنا تاری کا پھینکا ہوا رولپور

۔۔۔

”ام تاتاری کے فرشتوں سے بھی زبان کھلو الیں اس وقت کہ جب وہ مجھے چھوڑنے کے لیے میری

کار سے کون؟“ میں نے انجان بن کر پوچھا۔

”لڑتے۔“

میری کوئی ذاتی دشمنی تو بہر حال نہیں ہے۔ وہ

دو گنا جس نے مجھے قتل کرانے کے لیے اسے کچھ روپے

دیا ہو گا۔ اس نے اس بات پر بھی یقین نہیں کیا کہ اس کا وجہ سے بے خبر ہوں گی۔

جب ہم بائیں کمرے ہوئے واپس آنا شروع کیا تو پولیس والوں نے بتایا کہ کار میں سے کوئی

شے نہیں ہوئی۔

”بہر حال اسے حراست میں لے لیا جائے۔“

”آخر یہ کیا اندیشہ ہے؟“ آماری نے کہا۔

”ہاں!“ پولیس آفیسر نے سر ہلایا۔ ”فائدہ اٹھایا ہے تم نے، لیکن۔۔۔ بہر حال۔۔۔ ہم تلاش کریں گے جو تم نے ہماری گاڑی کو دیکھ کر مارا۔“

وہاں سے پھر ماہرین یہ بھی ثابت کر دیں گے کہ اسے چلائی ہوئی گولی سے متاثرہ مریضوں کی گاڑی کی کم

بہت روروی میں دے گئی تھی میں اس میں کوئی شک نہیں

کہ یہ ایک طنز ہے جواب تھا۔

ڈرائنگ کے بعد میں نے گرم دودھ کا ایک گلاس پیا اور

سوئے کے لیے لیٹ گئی۔

صبح میں دیر سے جاگی اور مجھے کسکندگی کا احساس ہوا۔

غسل کرنے سے بھی وہ کیفیت ختم نہیں ہو سکی تو میں نے دفتر فون کیا

اور سیکریٹری کو بتایا کہ میں نہیں آسکوں گی۔

”بہت بہتر!“ سیکریٹری نے جواب دیا۔ ”اور ہاں بانو!۔۔۔“

آج سبکدوشی دفتر نہیں آئی ہے۔

”اوہ!“ میرے منہ سے بس اتنا ہی نکل سکا۔ میرے

ذہن میں فوراً یہ خیال آگیا تھا کہ سیکرٹری کا اس طرح غائب ہونا

کل کی باتوں کا رد عمل ہو سکتا ہے۔ اب کیا میں اسے منانے کے

لیے اس کے گھر جاؤں؟ کیا وہ واقعی بہت سیدھی سادی لڑکی

ہے؟ لیکن پھر اس کی شبانہ پراسرار نقل و حرکت کو کیا سمجھا

جائے؟ وہ جو ایک قیمتی کار میں بیٹھ کر دو گھنٹے کے لئے کہیں جاتی

ہے تو آخر کہاں جاتی ہے؟ میری آنکھوں نے جو کچھ دیکھا، کیا وہ

ایک جھوٹ ہے؟ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض اوقات

آنکھیں بھی جھوٹ دیکھتی ہیں اور حقیقت وہ نہیں ہوتی جو نظر

آتی ہے۔

میں جب کچھ دیر تک خاموش رہی تو دوسری طرف سے

سیکریٹری نے مجھے دیکھا۔ ”ہیلو بانو!“

”آں! ہاں!“ میں اپنے خیالات سے جو تکی ”ٹھیک ہے“

”کیا چیز بانو! کیا ٹھیک ہے؟“

”سنگینا کا آنا۔“ میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

”کیا مطلب؟“

”میرا مطلب ہے۔“ میں ملدی سے بولی۔ ”شاید اس کی

طبیعت خراب ہو گئی ہوگی، ڈو ایک دن میں آجائے گی۔“

پھر اس سے پہلے کہ سیکریٹری مزید کچھ کہتی، میں نے سلسلہ

منقطع کر دیا۔

اب میں مشتاق چنگیزی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ ابھی

تک میں نے اس کے درشن بھی نہیں کیے تھے۔ میں نے فیصلہ کیا کہ

آج اس سے ملاقات کر ہی لی جائے۔ براہ راست مل لینے میں

کوئی حرج بھی نہیں تھا۔ میں اس کے لیے اجنبی تو سمجھی نہیں کہ

خود کو پوشیدہ رکھ کر اس کے خلاف کام کرنے پر مجبور ہوتی۔

مجھے اچانک سامنے پا کر محسوس ہے وہ بولکلہٹ میں کوئی ایسا۔

رہے۔ اس طرح مجھے زیادہ سے زیادہ معلومات ہو سکتی تھیں۔
 خالد کے انداز سے صاف چٹا ہل رہا تھا کہ وہ کچھ سے محروم
 ہے۔ اس نے بڑے پرجوش انداز میں کہا: لیکن اگر آپ اصل بات
 کو سامنے لے آئیں تو مجھ پر بڑی کسانوں سے مشتاق چنگیزی کو حیرت
 میں لے لوں گا۔
 ”اصل بات سے آپ کی کیا مراد ہے؟“
 ”یہی کہ شتاق چنگیزی سے آپ کی کیا دشمنی ہے کہ اس نے آپ
 پر حملہ کر دیا؟ تاناری کا بیان ہے کہ اس نافرنگ کا مقصد آپ کو مار
 کر نامتوں بلکہ صرف دہشت زدہ کرنا تھا۔ آخر شتاق چنگیزی آپ کو
 کیوں دہشت زدہ کرنا چاہتا ہے؟“
 ”یہ تو آپ کو شتاق چنگیزی ہی بتا سکے گا۔“
 ”اس کا تو یہ کہنا ہے کہ وہ میرا بنو نامی کسی خاتون سے واقف
 ہی نہیں۔“

ہوتیں۔ اس کے برخلاف وہ میری غذا
 سے بھی گریز نہیں کرتیں۔ پس سدا بہار
 مکہ نہ پہنچ جائے۔ میں اس کے گھر پر
 لیے جیسے یقین تھا کہ وہ پہلی فرصت میں
 میرا خیال درست ثابت ہوا۔
 اس کا فون وصول کیا۔
 ”ہیلو بانو! خوشید جبکہ رہی امی
 مجھے کتنی خوشی ہوئی، اس کا آپ اندازہ بھی نہ کیا
 کہ اس اب آج مجھے بھول گئیں۔“
 ”یشکایت تو میں بھی کر سکتی ہوں نا
 ”ہاں، شکایت تو آپ بھی کر سکتی ہیں!“
 لاشکار ہو گئی تھی۔
 ”کیسی چمکیا ہٹ ہے؟“
 ”میں نے بد سے میری کسی غلط فہمی کا وہ
 مجھے اپنی آہنی کا خوب اندازہ ہے اور میں یہ سمجھا
 بلند یوں کی باہی ہیں۔ میرے اور آپ کے معاملہ
 را با علم پاک والی بات منطبق ہوتی ہے۔“
 ”پتلی؟“ میں نے بڑے پیار سے کہا: ”میں
 سمجھتی تھی کہ جو میں نے تیرے اندر تک جانا کہ
 کی بات تو یہ کسی بلند کی اور کتنی کی کسوٹی میں نا
 ”آپ کے جذبات و خیالات قابل قدر ہیں اور
 دو تندر تو لوگوں کو شرم پر ہی تیرے ہونے دکھایا
 نے کہا: ”خیر مجھ پر ہے ان باتوں کو!... اور سنا
 ”ایک ایسی صورت حال پیش آگئی ہے کہ کم
 بہت ضروری ہو گئی ہے۔“
 ”خیریت تو ہے؟“ خوشید کے لیے میں تشریف لے
 ”کوئی ایسی گہرائی کی بات بھی نہیں۔ تم اس را“
 بول رہی ہو؟“
 ”اپنے گھر سے۔“

ملانے کے تھانے سے ہو کر آپ کے پاس
 ”گئی تھانے کیوں؟“
 نہیں۔ ہم چیس ہٹکوں کو اکثر تھانے میں
 ”میں نے تھانے ایک سپاہی اگرا تھی سے کہہ
 ”اوں، تھانے پہنچ جاؤں۔“
 ”میں ہرگز تھانے نہیں جاؤں گی، میں نے
 ش کے لیے میں جیت تھی۔
 ”میں ہی بات اور اصل تھیں علم میں ہے کہ
 قاتل پیش آچکے ہیں۔ تم فوراً میرے پاس
 ہاں اگر کوئی پولیس والا دوبارہ آئے تو وہ اس
 ”میں نہیں لونی ہو؟“
 ”تو میں ایسا ہی کروں گی۔“
 ”ہاں، بلا تاخیر۔“
 ”نہیں ہوتا تو آپ مجھے آپ کے پہنچ جاتی
 نے مجھے بے حد پریشان کر دیا ہے اور میں کو تو اوں
 ”ارے بے یقین ہو گئی ہوں۔“
 ”میں ہونے کی ضرورت نہیں۔ بس تم فوراً میرے
 ”ہوں۔“
 ”میں گھر سے نکلتا کہ میں ایسا نہ ہو کہ تم گھر سے نکلو
 ”میں نے دروازے پر کھڑا ہوں۔“
 ”یہ اور ہو گئی۔“
 ”ریسور رکھا اور کمرے میں ٹہل ٹہل کر بیٹھتی۔
 ”میں نے گھر سے۔ اس میں تو اب مجھے کوئی شہرہ ہی نہیں
 ”میں نے خوشید کا نام لے لیا ہے اور وہ چونکہ ایک بدنام
 ”میں نے اس پکڑ خالد نے خود اس کے گھر جانے کی بجائے
 ”الک کر دیا ہے۔“
 ”میں نے ابھی مشکل دس منٹ گزرے ہوں گے کہ
 ”میں نے گھر سے فون کی طرف بڑھ کر ریسیور اٹھا یا اور
 ”میں بولی۔ ”میلو! بانو! کیلنگ۔“
 ”میں نے گھر سے فون کی طرف دوسری طرف سے آواز
 ”خاتون۔“
 ”میں نے میرے لیے اس شخص تھی۔“

”وہ بہت عجیب سی۔“ وہ بہت عجیب سی۔
 ”گھر سے نکلتی تھی لیکن کچھ فاصلے پر ایک سارہ لباس و لاہور تھا۔
 ”اس نے فوراً خوشید کو روک لیا اور اپنے ساتھ تھانے لے گیا۔“
 ”مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے خوشید کی ماں بہت دور
 سے بول رہی ہو میرا سارا تصور خاک میں ملتا نظر آ رہا تھا خوشید
 چونکہ حالات سے بے خبر تھی اندازاً متعارف کر لیتی کہ تاناری نے اسے میرے
 پاس بھیجا تھا اور وہ مجھے بتا چکی ہے کہ تاناری کی سرگرمی کا وہ ہے۔ اس
 بیان کی وجہ سے میں پولیس کی نظر میں بھی جواقی کی طرح نہیں آتا۔
 اسے اپنی نادانیت کا اعلان کیا تھا۔
 خوشید کی ماں نے شاید کچھ اور بھی کہا تھا جو میں سن نہیں سکی
 اور بے خیالی کے عالم میں کوئی جواب نہ دے کر یہی سلسلہ قطع کر دیا۔
 میں دوپٹی طور پر لڑتی غیر جانحوں کی کچھ دیر کے بعد میرا ہاتھ ریسیور پر
 ہی رکھا رہا۔
 صورت حال کی تبدیلی کے باعث مجھے نئے سرے سے سوچنا
 پڑا کہ اب مجھے کیا کرنا ہے؟ میں تاناری کے بیان کو بار بار غلط ثابت کر دیا
 کہ اسے پولیس کے ہاتھوں بھائی رہتی اور اس طرح گویا تاناری کو
 ”مجھے تاناری کے کرنے کی سزا ملتی دیتی لیکن اب پانچاٹ چکا تھا۔
 اب پولیس میرے ہی پیچھے چلا آئے ہیں نے غلط بیانی کیوں؟
 ”میں نے کیا پیچھے ہے؟ میں نے سوچا۔ آج کل میرا استاد منتقل ہو
 پر گردش میں آیا ہوا ہے۔
 ”دقت گزرتا رہا میں نے پتلی سے کمرے میں منتقل رہی اور سوتی
 ”میں کہہ ڈالا اب ایک۔“ ”میں نے سوچتے ہوئے دلا۔“
 ”خیر کہ تاناکا اب میں اس سے کس طرح پیش آؤں؟ یعنی اس انداز میں
 گفتگو کروں؟“
 ”کوئی ایک گھنٹے بعد میری خواب گاہ کے دروازے پر دھک ہوئی
 اور میں ٹھٹھ سے چونک کر کھڑی۔
 ”آہاؤ! میں نے بلنڈ آواز میں کہا۔
 دروازہ کھلا اور ملانہ سانداری نے میرا خیال متا کر دیا وہ اسپیکٹر
 خالد کی آمد کے بارے میں بتا رہی تھی لیکن اس نے خوشید کی آمد
 کی اطلاع دی۔
 ”اوہ! میں چونک گئی۔“ خوشید آئی ہے؟ اسے فوراً لیا
 ”لے آؤ۔“
 ”میں نے چلی گئی۔“
 خوشید کی آمد سے میرے ذہن کا بوجھ خاصی حد تک کم ہو
 گیا تھا۔ اس سے تفصیلات معلوم ہونے کے بعد پولیس سے سامنا
 کرنا میرے لیے قدر سے آسان ہو جاتا۔

”شاید اس کا بیان درست ہی ہو۔“
 ”کیا مطلب؟“ اسپیکٹر چونکا۔
 ”میں خود بھی مشتاق چنگیزی کا نام لے کر ہی آئی تھی۔ دہشت نہیں
 ہوں۔“ میرا جواب ایسا تھا کہ اسپیکٹر خالد بالکل موقوف نظر آنے
 لگا۔ ”مجھے ہرگز اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل سکا تھا۔
 اس کی کیفیت میرے لیے خاصی مٹھانے کی تھی۔
 ”اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تاناری نے ہم لوگوں کو کوئی یوقوف
 بنا لیا ہے۔“ اسپیکٹر خالد کچھ دیر بعد غصا ہوا ہوا۔
 ”میں اس کے بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں؟ آپ ہی کہہ سکتے
 پتا چلا ہے۔“
 ”اس پکڑ خالد تھلائے ہوئے انداز میں کھڑا ہو گیا اور بلانہ میں
 تاناری کی کھل آؤ اور وارد ہو گیا۔
 ”مجھے اس کی حالت پر بڑی توبہ آ رہی تھی لیکن مجھے ضبط کرنا
 پڑ رہا تھا۔
 ”جب وہ دہشت ہو گیا۔“
 ”اختیار کر سکتے ہیں؟ تاناری کی شامت تو یقیناً آنا تھی۔ جب اسے
 یہ معلوم ہوتا کہ شتاق چنگیزی کا اور صبح ہونے ایک دوسرے سے
 اپنی نادانیت کا اعلان کر دیا ہے تو وہ یقیناً بھٹکا جاتا۔ اس بات
 کا اندازہ تھا کہ وہ اس معاملے میں خوشید کی کبھی گھٹنے کی کوشش
 کرتا اس لیے ضروری تھا کہ خوشید تک پولیس کی رہائی سے پہلے
 ہی میرا کر اور خوشید کی ملاقات ہو جائے۔ مجھے یقین تھا کہ خوشید
 میری مرضی کے خلاف کوئی بیان نہیں دے سکتی جو لوگیاں ایک
 مرتبہ مجھ سے متعلق ہو جائیں، وہ دعوامیرے خلاف گہرے نہیں

”اوہ! میں نے ابھی مشکل دس منٹ گزرے ہوں گے کہ
 ”میں نے گھر سے فون کی طرف بڑھ کر ریسیور اٹھا یا اور
 ”میں بولی۔ ”میلو! بانو! کیلنگ۔“
 ”میں نے گھر سے فون کی طرف دوسری طرف سے آواز
 ”خاتون۔“
 ”میں نے میرے لیے اس شخص تھی۔“
 ”میں نے ابھی مشکل دس منٹ گزرے ہوں گے کہ
 ”میں نے گھر سے فون کی طرف بڑھ کر ریسیور اٹھا یا اور
 ”میں بولی۔ ”میلو! بانو! کیلنگ۔“
 ”میں نے گھر سے فون کی طرف دوسری طرف سے آواز
 ”خاتون۔“
 ”میں نے میرے لیے اس شخص تھی۔“
 ”میں نے ابھی مشکل دس منٹ گزرے ہوں گے کہ
 ”میں نے گھر سے فون کی طرف بڑھ کر ریسیور اٹھا یا اور
 ”میں بولی۔ ”میلو! بانو! کیلنگ۔“
 ”میں نے گھر سے فون کی طرف دوسری طرف سے آواز
 ”خاتون۔“
 ”میں نے میرے لیے اس شخص تھی۔“

”اوہ! میں نے ابھی مشکل دس منٹ گزرے ہوں گے کہ
 ”میں نے گھر سے فون کی طرف بڑھ کر ریسیور اٹھا یا اور
 ”میں بولی۔ ”میلو! بانو! کیلنگ۔“
 ”میں نے گھر سے فون کی طرف دوسری طرف سے آواز
 ”خاتون۔“
 ”میں نے میرے لیے اس شخص تھی۔“
 ”میں نے ابھی مشکل دس منٹ گزرے ہوں گے کہ
 ”میں نے گھر سے فون کی طرف بڑھ کر ریسیور اٹھا یا اور
 ”میں بولی۔ ”میلو! بانو! کیلنگ۔“
 ”میں نے گھر سے فون کی طرف دوسری طرف سے آواز
 ”خاتون۔“
 ”میں نے میرے لیے اس شخص تھی۔“
 ”میں نے ابھی مشکل دس منٹ گزرے ہوں گے کہ
 ”میں نے گھر سے فون کی طرف بڑھ کر ریسیور اٹھا یا اور
 ”میں بولی۔ ”میلو! بانو! کیلنگ۔“
 ”میں نے گھر سے فون کی طرف دوسری طرف سے آواز
 ”خاتون۔“
 ”میں نے میرے لیے اس شخص تھی۔“

”اوہ! میں نے ابھی مشکل دس منٹ گزرے ہوں گے کہ
 ”میں نے گھر سے فون کی طرف بڑھ کر ریسیور اٹھا یا اور
 ”میں بولی۔ ”میلو! بانو! کیلنگ۔“
 ”میں نے گھر سے فون کی طرف دوسری طرف سے آواز
 ”خاتون۔“
 ”میں نے میرے لیے اس شخص تھی۔“
 ”میں نے ابھی مشکل دس منٹ گزرے ہوں گے کہ
 ”میں نے گھر سے فون کی طرف بڑھ کر ریسیور اٹھا یا اور
 ”میں بولی۔ ”میلو! بانو! کیلنگ۔“
 ”میں نے گھر سے فون کی طرف دوسری طرف سے آواز
 ”خاتون۔“
 ”میں نے میرے لیے اس شخص تھی۔“
 ”میں نے ابھی مشکل دس منٹ گزرے ہوں گے کہ
 ”میں نے گھر سے فون کی طرف بڑھ کر ریسیور اٹھا یا اور
 ”میں بولی۔ ”میلو! بانو! کیلنگ۔“
 ”میں نے گھر سے فون کی طرف دوسری طرف سے آواز
 ”خاتون۔“
 ”میں نے میرے لیے اس شخص تھی۔“

”یعنی؟“
 ”تمہیں علاج کے لیے امریکہ بھیج دوں گے“
 ”اے نہیں، رضوان ہنس پڑا اب اس کی ضرورت نہیں پڑے گی“
 ”کیوں؟ اب کیا بات ہے؟“
 ”اب آپ آج یہاں آگئی ہیں نا اب میں آپ کے سامنے ہی ڈاکٹر شکیل نے بات کروں گا اور سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا“
 ”یہ ڈاکٹر شکیل کون ہے؟“
 ”قلبی امراض ہی کا اسپیشلسٹ ہے۔ حال ہی میں امریکہ سے تعلیم حاصل کر کے آیا ہے۔ ہر چند کہ وہ مجھے کار نہیں ہے لیکن اس کی رائے کو براہ مستند خیال کیا جاتا ہے۔ وہ ٹھیک گئیہ بچے ہاسپٹل آتا ہے اور سب سے پہلے مجھے ہی دیکھنے آتا ہے“
 ”تمہارے مرض کے بارے میں اس کا کیا خیال ہے؟“
 ”خیال کیا؟ اسے تو یقین ہے کہ مجھے کوئی مرض نہیں۔ وہ نہایت بذلہ سمجھی ہے۔ کبھی ہنس کر مجھ سے ہنس لیتی پوچھتا ہے کیا راجے جیج جیج ہوتا؟ تم آخر ہاسپٹل میں کیوں داخل ہوئے ہو اور پلاؤج یہاں کے اخراجات کیوں برداشت کر رہے ہو؟“
 ”کیا یہودہ بات ہے؟“ میں نے مڑ کر دیکھا۔
 ”واقعی یہودہ بات نہیں ہے؟ رضوان نے ہنس کر کہا۔
 ”کیا مطلب؟“ میں چونک پڑی۔
 ”اس کے یقین پر مجھے کوئی شبہ نہیں ہے“
 ”کیا بکواس کر رہے ہو؟“
 ”مجھے واقعی کوئی مرض لاحق نہیں ہے۔ میں تو بس اپنی ادا کارانہ صلاحیتوں کو ادا کر رہا ہوں۔ رضوان نے ہنس کر کہا۔
 ”میں اسے اس طرح گھوڑے کی جیسے اسے وہی مدد تو لوں گا شکر بخیر ہی ہوں۔“
 رضوان بدستور ہنستا ہوا ہلا ہلا کر چلا گیا ڈاکٹر شکیل جیسے وہ بہن ڈاکٹروں کو بخیر نہیں بنایا جاسکتا؟
 ”تو پھر آخر تمہاری اس اعتقادہ حرکت کا مطلب؟“ میں غرائی۔
 ”جب آپ ڈاکٹر شکیل سے ملاقات کریں گی تو مطلب بھی آپ کی سمجھ میں آجائے گا۔ نیچے... میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر شکیل آپ ہی گئے۔“
 باہر ریلواری کے فرش پر جوتوں کی کھٹکھٹ مٹائی دے رہی تھی۔ وہ آواز دھڑکے کے سامنے آکر گئی مجھ پر دروازہ کھلا اور دو شخصیتیں کمرے میں داخل ہوئیں، ایک مرد اور اس کے پیچھے ایک

کرسس
 ”یہ ڈاکٹر شکیل ہیں؟ رضوان
 ڈاکٹر شکیل اسم بستی تھا۔ (ا)
 لیکن میری نگاہ تو ڈاکٹر شکیل کی
 گئی تھی اور عین فطری امر تھا۔
 وہ قمر سگنیاستی؟
 اس وقت شکیل کو وہاں دیکھ کر
 کیفیت کا میں ہلکا سا کس میری یادوں
 ہے۔ شاید اس سے دیکھ کر بہت ہلکا
 ہوا تھا۔ میں اس کے بارے میں یقین
 کے چہرے پر ایک رنگ سا گزر گیا تھا
 غور نہیں ملا سکتی تھی۔ اس نے سر جھکا لیا تھا
 مجھے دھوکا نہیں دے رہی تھیں کہ میں
 کے جسم میں خفیت کی لوش بھی پیدا ہوئی تھی
 ڈاکٹر شکیل نے شاید میری اور شکیل کی
 دیا۔ وہ اپنے مریض یعنی رضوان کی طرف مڑا
 ”کیئے مشر رضوان! آپ کی دانت میں آپ
 ہوئی یا نہیں؟“
 ”میرا خیال ہے کہ آپ الگ سے دیکھ
 سکتے؟“ رضوان نے مختلہ سانس لے کر کہا
 ڈاکٹر شکیل نے اس تجویز پر غور کیا
 ”آپ طبیک کر رہے ہیں مشر رضوان! میں نے
 مائل کر کے بھائی کی جھونکا ہے“
 ”خیر تمہاں میں تو بھڑک رہا ہوں نا؟
 سکتے؟“ رضوان نے شروع بھی میں کہا۔ ”مگر“
 سے کہہ سکتا ہوں؟“
 ”وہ کیا؟“ ڈاکٹر شکیل بدستور غور کر رہا
 ”خیر تمہاں کے اساتذہ آپ کو ایک کتاب
 ”اس کی تشریح بھی آپ ہی کر دیجیے؟“
 ”بالکل سامنے کی بات ہے۔“ رضوان نے
 خواہشورت پر تو مریض کو پاس فیصد ناقدانہ انداز
 ”میرا خیال ہے کہ میں زیادہ بدستور کرنا



موتور تان ہوجانے کو جی چاہتا ہے۔ رضوان نے
 یعنی اور یہاں کا مضافہ ہو کر رہے ہوئے۔ لیکن
 ہے کہ اس ہسپتال کی سب سے خوبصورت نرس
 لگاتار ہیں اور اپنے ساتھ ہی دبا بھی لے جاتے
 ہوتی ہے مشر رضوان! شکیل کو کچھ گھبرائے دیا
 اٹھتا ہے ہاسپٹل کو زیادہ وقت نہیں دے سکتا اور...“
 میں نے کچھ اور بھی کہا تھا جس پر میں دھیان نہیں دے
 جب نفس و حرکت کا سبب اب کھل کر میرے سامنے
 ہو رہی تھی تو ایک من کے گھٹنا کے ردار پر شہ کیا
 بت غور دینے کو اٹھتا ہوں تھی۔ ہر چند کہ بعض
 ان نے اس پیشہ کو بھی واڈا کر دیا ہے مگر ان
 صدمے اس پیشہ پر انشت نمانی نہیں کی جاسکتی۔
 یوں سے کہ شکیل کی گھٹنا کا شمار ان ہی کرکٹ
 ماسکتا تھا۔ وہ گئی یہ بات کہ ڈاکٹر شکیل سے اس کا
 میں بنا پر ہے، تو یہ کوئی ایسا پیچیدہ سوال نہیں تھا
 ان ہی کہ وہ ایک دوسرے سے محبت کر رہے ہوں۔
 نے اپنے خیالات کے اس تصور سے ڈاکٹر شکیل کی
 ”نہی۔“ جیسا آپ مناسب سمجھیں مشر رضوان! میں
 کوئی اعتراض نہ کرے گا کہ آپ ہاسپٹل سے چوٹی لے جاتے

میرا پوری طرح ان دونوں کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔
 ”... رضوان نے عجیب سا منہ نہ کرنا۔“ مجھے تو پانی
 رہے لیکن آپ دونوں کو اس سے انکار ہے اس
 میں ایک بند نہیں سکتی۔“
 لیل ہنسنے لگا اور اس وقت اس نے پہلی مرتبہ مجھے
 دیکھا۔ اس کے بعد وہ بڑے بغیر بھی رہ سکا۔ اس
 پوچھا۔ ”یہ شاید آپ کی دہی عزیزہ ہیں تمہیں
 ان کرتے تھے؟“
 ”...“
 ان کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی ڈاکٹر شکیل مریض
 ”ٹھیک ہے، اب میں سمجھ گیا۔“
 ”کوئی؟“ رضوان نے تکیں چھپائیں۔
 ”اس لیے میرا منہ تھے کہ آپ کو نہیں لگے؟“
 ان نے ایک دلزدہ آنکھ پھری۔ مجھے یقین ہو گیا کہ ڈاکٹر

خلیل کی بات کا سہارا لے کر رضوان اب مجھے بھی چھپنے کی کوشش کرے
 گا لہذا میں ملدی سے بول پڑی۔ ڈاکٹر! دوا میں رضوان کی
 سسران لاہوتے والی ہوں؟
 ”اوہ! اب میں سمجھا۔ یہ سارا جھگڑا ہونے والی میں ہے۔
 اب آپ جلدی سے ان کی سسران بلاں جائیے تاکہ انہیں کسی
 کو بلا نہ لے کے لیے آپ کے واسطے کی ضرورت نہ پڑے۔“ ڈاکٹر
 شکیل نے ہنستے ہوئے کہا۔
 ”میں تو ابھی سے جوتی اور جوتی سے ابھی تک کارورنگا چکا
 ہوں۔“ رضوان نے بڑے مایوسانہ انداز میں کہا۔ ”لیکن آؤ ہر پڑا
 سنا ہے۔“
 ”سنا ہی مطلب؟“ ڈاکٹر شکیل کو شاید ان باتوں میں ملوث
 آ رہا تھا۔
 ”دراصل...“ رضوان نے کہا۔ ”شادی اور محبت کے مسئلے
 میں ان کی جوتی بن صاحب کا فلسفہ برا عجیب و غریب ہے اور اگر
 فلسفے میں مجھے دیرانی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ اسی لیے میں نے فقط
 سنا استعمال کیا تھا۔“
 ”خیر؟“ ڈاکٹر شکیل نے اس طرح کہا جیسے اب نصرت ہو جا۔
 چاہتا ہوں یہ آپ دونوں کے نجی معاملات ہیں اور غالباً مجھے یہ حق
 نہیں پہنچا کہ ان معاملات کو زیادہ گورڈوں۔ اب مجھے اجازت
 دیجیے۔ چند اور مریض بھی میرے منتظر ہوں گے۔ آپ جب چاہیں
 ہاسپٹل سے چھٹی لے سکتے ہیں۔ ایسا اس وقت بھی ممکن ہے؟
 ”شکر ہے ڈاکٹر! اب یہاں سے میرا جی بھر چکا ہے۔“
 ڈاکٹر شکیل ہنس کر داپس جانے کے لیے مڑا ہی تھا کہ اس پر
 پڑی۔ ”ڈاکٹر!“
 ”جی فرمائیے؟“ وہ میری طرف متوجہ ہو گیا۔
 ”اگر آپ کوئی حرج نہ سمجھیں تو ابھی میری طرف منٹ کے
 لیے یہیں چھوڑ جائیے۔“ مجھے کچھ باتیں کرنا ہیں ان سے؟
 ”ان سے آپ کو کیا باتیں کرنا ہیں؟“ ڈاکٹر شکیل کو حیرت
 ہوئی تھی اور شکیل کے چہرے پر کچھ ایک رنگ سا گزر رہا تھا۔
 ”جو باتیں مجھے ان سے کرنا ہیں؟“ وہ میں آپ کو کہیں یہ
 سکوں گی۔ میں اپنی صاف گوئی کے لیے معذرت خواہ ہوں۔“
 ڈاکٹر شکیل نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں کمرے سے جھٹکے اور
 ”بولا۔“ عجیب بات ہے، خیر! میں انہیں چھوڑے جا رہا ہوں جگہ
 تم باخ منٹ بعد کہ وہ نرسات والے مریض کے پاس آجائے۔ میر
 وہیں جا رہا ہوں۔“

بہت بہتر، سیکھتا ہے اور سہل ہے۔

”اچھا سر عنوان! میں آپ کی شادی کے سلسلے میں دعا کر رہی ہوں گا۔“

”آپ کے ہونے والے بچے جنہیں ’رضوان‘ نے جیسے خوش ہو کر۔“

ڈاکٹر نکیل ہنستا ہوا کمرے سے چلا گیا۔

سکینت میرھانے کھڑی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ مجھ سے نظر ملاتے ہوئے گھبرا رہی ہے۔ وہ بلاشبہ زور زخمی اور اُسے اس طرح دکھائی دینے پر رضوان معنی فیض انداز میں پری طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کے منوں پر ایک خیر پر سکھاتے ہوئے کھیل رہی تھی۔

”سکینتا! میں نے جیسی ڈاکٹر میں بھاری سکینتا کی نظر ایک ہی کے لیے میری طرف اٹھی اور پھر جھجک گئی۔ میں نے اُس کے ہونٹوں کی جنبش سے اندازہ لگایا کہ اُس نے ”جی“ کہا تھا اور نہ ڈاکٹر واقعی مجھ سے کسی نے بس خود ہی سن رہی تھی۔“

”تم دفتر کیوں نہیں جاتی؟“ میں نے سوال کیا۔

”میں... وہ... دراصل...“

”بہن ٹھیک ٹھیک جواب سننا پسند کروں گی۔“ میرے لفظاں سخت گرجوڑے۔“

سکینتا چلتے چلتے خاموش رہی اور پھر جھٹ کر کے لہلی۔ آپ اس بارے میں جانتی ہیں تو پوچھنے سے کیا حاصل؟“

”میں تو نہیں جانتی۔“

”میرا خیال ہے کہ آپ کو جان لینا چاہیے تھا؟“

”کیوں؟ کیسے جان لینا چاہیے تھا؟ کیا تمہارے خیال میں مجھے ایسا پتا ہے؟“

”بات بالکل سائنے کی ہے۔“ سکینٹ ڈی تبت سے جواب دے کر جا رہی تھی مگر اُس کا سر بدستور جھکا ہوا تھا۔

”جو سکتا ہے کہ وہ بالکل سائنے کی بات دہکر مجھے ایسا بھی بوتا ہے کہ سائنے کی چیز نظر نہیں آتی۔“

سکینتا نے رضوان کی طرف دیکھا، پھر جھجکا کر لہلی۔ اب میں کیا عرض کروں؟“

”میرا خیال ہے۔“ رضوان ہنسنے لگا ہوا ہوا۔ آپ دونوں کچھ عرض عرض کر لیں، میں اپنی دیر میں اسپتال کا حساب بیباق کر کے یہاں سے ڈاکٹر کی تیاری کروں۔“

”بہن دل ہی دل میں رضوان کی فکر کر رہی ہو گی کہ اُس نے مجھ سے کھل کر گفتگو کر لینے کا موقع دے دیا اور نہ عموماً ایسے مواقع پراس

لی کوئی دیر مری جو برفانی سردی اور نہ جانا تھا۔“

اُس کے جاتے ہی میں نے سگیٹا دفتر نہیں آئی۔“ اندھ بھی نہیں آئی۔“

”میرا خیال ہے کہ میں آپ کے ”میار“ کی سگیٹا نے مجھ سے نظر ملائے بغیر کہا۔“

”کیا تم یہ بات اس لیے کہہ رہی ہو کہ میں گئی تھی؟“

سکینتا جواب دینے کی ہمت نہیں کر سکی۔ ”میں اُس کی خاموشی میرے سوال کا انتہائی جواب تھا۔“ اُس نے اس کی یاد رکھا۔ ”دراصل میں ایک غلط فہمی تھی۔ اب وہ غلط فہمی دور ہو چکی ہے۔ اُس نے مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ کل سے تم دوہ ”لیکن...“ سگیٹا نے پہلو ہلا۔

”میں کوئی غلطی کرنے کے موقع نہیں ہوں۔“

”کی بات کا متھے ہوئے قدر سے سخت لے میں کہا۔“

”آؤ گی۔ اگر نہیں آئیں تو میں تمہیں لینے کے لیے۔“

”میں آؤ گی۔ اب تم جہاں ڈاکٹر نکیل کو تمہارا کھانا دینے میں سگیٹا سے ہمتی باتیں کرنا چاہتی تھی اور یہ جگہ ان باتوں کے لیے مناسب نہیں تھی۔“

”میں نے سگیٹا سے ایک تہذیبی طریقہ دیکھا، اُس کی ایسی چمک تھی جو اس کو اُن پر پڑنے سے پہلے ہی پھیل جاتی تھی۔“

”سے تڑی اور دوڑا دے کی طرف جرتی چلی گئی۔“

”سے وعدہ لینا چاہتی تھی کہ وہ کل دفتر دور آئے گی۔“

”جدا ہی نظر کر کے مجھے ہونے میں نے اُسے دکن مناسب اندازہ چلی گئی اور میں ایک ٹھنڈا سا سن سے کر رضوان بیٹھ گئی۔“

”میرے رومان غم میں پکڑا لے ہوئے خیالوں کا گم تھی۔“ اتنی ”بچیدہ“ لڑکیاں میری زندگی میں بہت کم

”میرے خیالات کا تسلسل رضوان کی چمکاتے تھے۔“

”آپ اپنی جلدی تنہا رہیں۔“

”تو پھر کیا کرنا چاہیے تھا؟“ میں اُسے گھورتی ہوئی

”جو کچھ کرنا چاہیے تھا۔“ میں اُس سلسلے میں انگریزنا

”اس لیے کچھ عرض بھی نہیں کر سکتا۔“

”تم ہاسپتال میں آخر کیا ڈاکٹر کھیل رہے تھے؟“

”ماطر سب کچھ کر رہا تھا جناب؟“

”آپ یہ معلوم کرنا پسند نہیں کرتیں کہ ڈاکٹر نکیل کی رویت کیا ہے؟“

”ابا دیتے کہ تم نے یہ ڈھونڈ کیوں دیا ہے؟“

”نہ کے موٹوں میں ایک کھیں۔“ آپ نے صاف

”اگر آپ کو جو کچھ معلوم کرنا ہے، خود ہی معلوم کر لیں۔“

”اس جواب نے مجھے الجھا کر دیا کہ میں نے دماغ کی بجائے ذرا ڈھنساٹی کا مظاہر کیا اور لہلی۔“

”ہا یہی تھا کہ تمہارے اس ڈراؤنے سے مجھے کتنی

”اب چلتا ہے۔“ آپ میری ہونے والی سالی ہیں۔“

”یہ اب میں کوئی کڑے کی سالی تھی۔“

”ہائے تو میں اس سلسلے میں تمہاری گرفت لاتی

”میں ہاتھوں سے تو میں ہر قسم کی مالی، کرائوں جھگڑ

”میں اب بھی پہنچنے کی دلی ہے۔“

”بت یہ ہے کہ اُس سے خط و کتابت بھی نہیں ہو سکتی۔“

”بازیل کا وہ علاقہ ہی ایسا ہے جہاں ڈاک کا کوئی

”میں نے جواب دیا اور پھر بولی۔“ کیا تم نے

”میں نے لی؟“

”میں نے ڈاکٹر کا مختصر سا مان سیٹ لیا۔“

”اب بعد میں رضوان کو لے کر ہاسپتال سے روانہ ہوئی۔“

”اب شروع ہو جاؤ۔“ میں نے دستے میں رضوان سے

”تم سے شروع کروں یا تم سے؟“ ویسے مجھے دوسری

”ل کے خوف بھی باقی ہیں۔“

”میں نے اُسے گھور کر دیکھا اور وہ جلدی سے بولا۔“ ادھ!

”کوئی اور چیز شروع کرنا چاہتی ہیں۔“ کیا اگر مالکوں

”اب لیکن یہ وقت مالکوں کے لیے مناسب نہیں

”میں تمہیں اٹھا کر گاڑی سے باہر بھیج دوں گی۔“

”کاش آپ مجھے اٹھا کر لے نہ لے سکیں! رضوان نے ایک دلہنہ کا عہد کرنا۔“ اللہ میاں سے مجھے یہ شکایت ہیشہ ہے

”میں نے مناسب یہی سمجھا کہ خاموش ہو جاؤں۔ اس وقت رضوان پر مجھے تنگ کرنے کا دورہ پڑا اور اُسے موقعوں پر

”میں نے تاؤ میں کرنے کی کوشش کی۔ سو وہی تھی اللہ کوشش نہ کرنے کی صورت میں وہ کبھی بھی اپنا خود راہ راست پر آتا تھا۔“

”جب گاڑی کا دروازہ کھولا تو رضوان جلدی سے بولا۔“ اور اب آپ مجھے میرے گھر پہنچو نہیں گی؟“

”جہاں تم جاؤ۔“ وہاں چھوڑ دوں۔“ میں نے سیدھے سے کہا۔

”میں تو یہ چاہتا تھا کہ آپ مجھے اپنے گھرے جاتیں۔“

”ایسے جھگڑاں ہیں میرے، اچلیں ٹھیک ہے۔“ آپ مجھے میرے

”گھر کی دیرانیوں ہی میں تنہا چھوڑ دیں۔“ وہاں میں خود کو کی لڑنے سے

”میرے کی طرح محسوس کرتا ہوں۔“ کاش آپ کو پھر پڑیں سکتا۔“

”میں پھر خاموش ہو گئی۔“

”چند من بعد رضوان جڑ پڑانے والے انداز میں بولا۔“ میرا خیال

”ہے کہ اب میں آپ کو حقیقت حال سے آگاہ کر دوں۔“

”بارہ اتنا بھی جڑ پڑ سکتا ہے کہ دیرین ٹکٹ بھی نہیں کر دے!“

”میں اب بھی کچھ نہیں بولی۔“

”ڈاکٹر نکیل اور سگیٹا ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔“

”رضوان نے جیسے رورٹر دینا شروع کی۔“ ”شکلیں بہت دھن دھن کر رہے۔“ اس ہاسپتال کی انتظامیہ نے بہت کوشش کر کے اُس کی قعدا

”حاصل کی ہیں اور وہ بڑی مشکل سے ڈھکے کا وقت دے سکا ہے۔“

”اُس کی ایک شرط یہ تھی کہ وہ اپنی پسند کی دیکھے گا اور اپنی

”شرط کی منظوری کا نتیجہ سگیٹا سے سگیٹا رات کو ایک خاص وقت

”پر سکینٹل بائی سکول کے موشک تانگے سے پہنچتی ہے اور وہاں ڈاکٹر نکیل اپنی کلاں میں اُس کا منتظر ہوتا ہے۔“ ”واپسی میں سگیٹا کو اپنی کار سے اُس کے گھر کے قریب ہی اُتر آئے۔“ اُس وقت وہاں اتنی دیرانی ہوتی ہے کہ کوئی سکینٹ کو کار سے اُترنے سے جوتے دیکھنے۔“ ”میں ہاسپتال میں اسی لیے داخل ہوا تھا کہ وہاں

”بازار دو لوگوں کے تعلقات کی نوعیت بتاؤ۔“

”اجاں تانوتی ہوتا ہے۔“ ”آپ یہی باتیں کر رہی ہیں یا کسی اور چیز خیال میں کریں؟“

”میں بڑی طرح تمہاری طرف متوجہ ہوں۔“

”لیکن آپ نے ایک بار بھی ہنسا نہیں بھرا۔“

”ضروری نہیں ہے، تم بولتے رہو۔“

انہی باتوں میں رضوان کا کھرا کیا تھا اللہ

کے سامنے روک دی تھی لیکن جھون فوری طور پر ہٹا اور بولا: ”تو تو مجھے کچھ معاملات معلوم ہوتے ہیں لیکن میں ان کا پوروہ ضرور چاک کر کے رہا کروں گا۔“ آپ کی اس بات پر میرے ذہن میں بڑا بڑا لیکن میں اسے پھر کسی وقت کے لیے اٹھا رکھتا ہوں۔ یہ بتانے کو آمادہ کا کیا پروگرام ہے؟“ مجھے بھی راجا صاحب کا دن درکار ہے۔“ ”کس طرح؟“

”یہ میں تمہیں کل بتاؤں گی۔ فی الحال میرے خاص لائحہ عمل نہیں ہے۔“

”کل آپ سے ملاقات کب ہو گی؟“

”میں تمہیں فون کر لوں گی اور اگر تم اپنے گھر مجھے دفتر میں ٹیکہ فون کر لینا۔“

”آج رات ذہن خاصاً الجھار ہے گا۔“
 ”سوچنا.... اور اگر کوئی نگہ ذہن میں آئے۔“
 ”ذہن نے کہا کیا۔“ ”نہ کہو گئے کیلئے دنیا“
 ”تو کہ میں پھر بولی۔“ لیکن مجھ سے مشورہ کے بغیر
 نہ اٹھاتا۔“

معاون سرکار کراڑے اور کراڑے انداز میں نہ دیکھنا۔
 دیکھنا نہ کیوں، آج کچھ زیادہ ہی تھکن سوس
 دست پر بیٹھنے ہی نیند آگئی۔ میرے وقت پر آگئی تھی تو نہ
 اخبار پر چھٹی سی نظر ڈالی۔ سیاسی اکھاڑ بھاڑ کے براہِ راست
 تھی اٹھنا میں نے اخبار چھوٹک دیا اور دستے آگے گھر
 کے کونوں کے پست اور غروبِ آفتاب سے مجھے اور صبح
 ناشتہ کرنے کے بعد میں نے اپنے شانے کے کونوں
 پر تیار ہوئی لیکن جب میری کار پڑی
 دی تھی تو چھاتی میں نے پروگرام بدل دیا اور کراڑے
 ڈال دی کہ مستحقِ چھاتی ہیں جو گوجر بنے سب۔

اس وقت مشتاق چنگیزی اپنے گھر پر موجود
چونکا تو اس کچھو کی گردہ پر بحیثیت بیجو بانو نشاندہ
”صاحب!“ ایک ملازم نے مشتاق چنگیزی
صاحب زین ذرا بھی آئی تھیں۔ میں نے آپ کو بتا
سے ایک خاتون...
”اچھا اچھا“ مشتاق چنگیزی نے ہاتھ اٹھا
لا دی۔ ”ترہا کر جائے لے آؤ“ پھر وہ مجھ سے

چنانچہ رسولان کے ایک لباس اس لیا اور بول رہا ہے: میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو بہت شدت سے چاہتے ہیں۔ اگر ان کی اور ایسے مجنوں کی محبت میں کوئی فرق ہے تو وہ صرف عہد کا فرق ہے۔ نئے اور پرلے عہد کے تھاں تھاں کا فرق؛ مجنوں میاں کے زمانے میں علم و دلائل نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی لہذا وہ صرف علم جاہاں کے ہو کر رہ گئے تھے لیکن آج کے زمانے میں انسان علم و دلائل سے وارن نہیں بچا سکتا، سو وہ دونوں بھی ان دونوں کمزور کو گلے سے لگائے ہوئے ہیں۔ میں نے دو ایک مرتبہ چھپ کر ان کی باتیں سننے کی بھی کوشش کی مگر بہن پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکا۔ بس اتنا اندازہ کر سکا ہوں کہ سارا پچھتاؤ ہی ہے جو ہماری یہاں کی فلموں میں عموماً دکھایا جاتا ہے۔“

"اسیر اور غریب کا فرق، اعلیٰ طبقے کا اقتصاد، سنگت ایک معمولی گھرانے کی طرح ہے اور سنگتیں ایک معزز گھرانہ کی طرح ایسے خیال میں تو ہیں یہی ایک مڑکاؤٹ ہو سکتی ہے پھر وہ مذہب کا اختلاف تو محبت کے معاملے میں عموماً ناتوانوں ہی حقیقت رکھتا ہے۔"

عموماً آئیہانہ طور پر امتحان کر دیکھنا اس لئے کہ جس قدر وہ انسانیت

عجی ہوتا ہے۔
 ”یعنی آپ کے خیال میں مذہب ہی وہ مڑکاوٹ ہے؟“
 ”یہ کوئی دعویٰ نہیں ہے۔ میں ایک امکانی بات کہہ رہی
 ہوں۔ دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مڑکاوٹ ان دونوں چیزوں
 کی بجائے کوئی تیسری ہی چیز ہو۔“
 ”وہ کیا ہو سکتی ہے؟“

”کوئی ایسی بات جوئی اعمال ہمارے سامنے نہیں ہے؟
 وضو نہ کر کے پینے لگا۔ غالباً وہ اپنے ذہن پر زور ڈال رہا تھا
 کہ وہ تیسری بات کیا ہو سکتی ہے؟
 میں پھر بولی: ”وہ پہلے ابھی تو سرسگیل تھا کہ افسی سے: ”آفت
 نہیں ہو۔“

”میں نے آپ کو حوالہ بتا دیا ہے۔ آپ مجھے ہانسی بتائیے؟“
جواب میں بیل نے اُسے ٹھیکے ٹھیکے ہانسی سے اجڑ کر اوروں
سب کو کچھ بھی بتا دیا جو اس دوران میں مجھ پر گزر چکا تھا۔ یہ ساری
باتیں میں نے اُس لیے بتائیں کہ میں اس معاملے میں وضو ان سے
خاصا کام لینا چاہتی تھی۔ مگر اگر اُسے اندھیرے میں کبھی تو ممکن تھا
کہ وہ اُن گناہ مال بھرنے لگتا۔

ہا سے تعلق رکھتی ہیں؟
 کردہ مجھے شناخت کرنے کے باوجود یہ ظاہر کرنا
 میں پہچانتا۔ میں نے بھی سوچا کہ اس ڈرامے کو
 ہا جائے کہ اس کا کیا نتیجہ نکلتا ہے!
 اس بار سے خصوصی تعلق نہیں رکھتی سرشتاق! "
 کے ملازم سے یہ بات میں نے روٹنی کہ دی
 ایک فری لانس رپورٹر ہوں میں اپنی ماحول کردہ
 انہماک کو جیتی ہوں جو مجھے زیادہ معاوضہ دیتا

مشتاق نے سپاٹ لہجے میں کہا: فرمائیے! میں آپ
 لکھتا ہوں؟

آپ نے چند سوالات کرنا چاہتی تھیں۔ اگر آپ
 جواب دیں اور اگر مناسب نہ سمجھیں تو انکار کریں۔

ہزار کرنے کا حق تو میرے پاس ہے ہی نہیں۔“
 زات کو کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ یہ آپ کے سوالات پر
 ان کے جوابات دینا پسند کروں گا نہیں؟“
 بس ایشیہ نے کچھ معلومات حاصل ہوئی تھیں یہی
 سلسلہ کسی نہ کسی شکل میں سیکرٹس کے لیے موزوں

”جی ہاں۔ بالکل اُس نے صیبر بانو پر غولی چلائی
بیان ہے کہ یہ اقدام اُس نے آپ کی لڑائی پکارتا تھا۔“

ہست و نشان تھے اور آپ نے ایک کربل سے بھی

لو کیسے معلوم؟ مشتاق نے چہک کر پوچھا۔
 ٹھوڑا کر ایسی باتیں معلوم ہر سہی جاتی ہیں۔ میں نے
 پتنگیں ہی قدر سے خاموش رہا۔ غالباً وہ سوچ رہا تھا کہ
 ایسے یا آخر میں نے ایک مولیٰ سانس لے کر کہا

کے لیے میرے پاس ایک اعلیٰ پولیس پریسیڈنٹ پولیا تھا۔ میرے دل میں یہ بات آتی تھی کہ شاید میرا کوئی مخالف میرے خلاف سازش کر رہا ہے۔ میں نے مصیوبہ بالو کے بارے میں بھی کسی سے سنا تھا کہ وہ کراچی کی ان دو چار محرماتوں میں سے ایک ہے جن کی رسائی اعلیٰ حکام تک ہے۔ میں نے سوچا کہ اگر وہ خاتون بھی اس سازش میں ملوث ہوئیں اور انھوں نے میرے خلاف بیان دے دیے تو شاید پولیس مجھے حراست میں لے لے لہذا میں نے کل ہی ایک وکیل سے مل کر ضمانت قبل از گرفتاری کا بندوبست کر لیا تھا۔ ”تو کیا مصیوبہ بالو نے آپ کے خلاف بیان دیا؟“

”مجھے معلوم ہو رہے کہ ایسا نہیں ہوا“
 ”خوب! اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میرے باؤا اس سارا ش میں
 شریک نہیں ہو کر آپ کے خلاف کی جارہی ہے۔“
 ”میں ہاں! لیکن یہ سمجھ رہی نہیں ہوں کہ میرا خزانہ کیسے میرا باؤ
 پر تاننا چاہتا ہے کہ مجھے سے منسوب کیوں کیا ہے۔“
 ”کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ ہر دونوں ہی کے خلاف کیے سارا ش
 جو رہی ہو؟“

”میں اس مسئلے میں کیا کہہ سکتا ہوں!“
 ”آپ کے خلاف یہ سازش کون کر سکتا ہے۔ آپ کو کسی پریشہ
 تو ہو گا!“

”جی نہیں، میں اس سلسلے میں کوئی نام نہیں لے سکتا یہ کوئی بھی کاروباری حرکت اس قسم کی سازش کر سکتا ہے۔“

”کہیں وہ شخص نام لال تو نہیں!“ میں نے پانچام ایک نشاندہ کر دیا۔

”خدا کی قسم! اس طرح اچھوتا جیسے اسے پانچام سانپ

اُمّی وقت ملازم چاہے کر گیا تھا اس لیے سنتی چکی کا
کو جواب دینے سے پہلے، کھڑے ہوئے سمجھنے اور سونے کا موقع مل گیا۔
اُس نے یالیوں میں چلے بنائی اور ایک پیالی بجے دست ہوا
ہوا۔ ”آپ ملازم لال کو کیسے حاشی ہیں؟“

”میں نے کیا کرنا کہ ہم پورپورٹل کو کسی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔
مجھے بھی معلوم ہوا تھا.... ہر سکتا ہے یہ غلط ہر کتاب آپ کے
پاس بڑھ کر ہے، یہ رام لال ہی کا خطا کر رہا ہے۔“

مشاق چنگیزی کے جوہے برہی سرخ پھیل گئی جیسے اُسے
دلش آگیا ہو۔ میں نے لہو اگرم دیکھ کر ایک اور درنگ لگا دی۔ بعض
لوگ آپ کو غائب قرار دیتے ہیں۔“

لازمیہ اسحق تھا۔
 "حق؟" میں نے تعجب سے کہا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھتی۔"

مشاق کا منہ کھلا اور پھر بند ہو گیا۔ وہ کچھ کہتے کہتے رگ گیا تھا۔ اس نے چلنے کی پالی اٹھائی اور جلدی جلدی گھومتے لپٹے لگا۔ غالباً اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ جذبات کی زوئیں بہہ گیا ہے اور اس عالم میں کوئی ایسی بات بھی اس کے منہ سے نکل سکتی ہے جو اسے کسی قیمت پر بھی زبان پر نہیں لانا چاہیے۔

میں چاہتی تھی کہ اس موقع پر پھر کوئی حملہ کر کے مشاق سے کچھ گھڑاؤں لیکن مجھے فوری طور پر کوئی ایسی بات نہیں سوچ سکی۔
 "تم بہت ہی سنجیدہ لگتی ہو۔"

مشاق چنگیزی نے بہت جلد جاننے کی پالی خالی کر کے نپائی پر کھڑی اور بلا۔ "میں رپورٹر ہوں گا کہ آپ اس مسئلے میں راس مال ہی سے ملاقات کر کے پوچھیں کہ میں غاصب ہوں نہیں؟ میں اب اجازت چاہوں گا۔ ایک ایسے ضروری کام سے جانا ہے۔"

میں نے عرض کیا کہ مشاق چنگیزی بعض کسی مذہبی بوجھال میں گرفتار ہو جانے کے باعث خود سے گفتگو کرنے سے بچنا چاہتا ہے۔ "مجھے میرے ذہن میں کئی سوال تھے جو میں اس سے کرنا چاہتی تھی اور مجھے چاہیے تھا کہ وہ سوالات کرنے کے بعد ہی مشاق کو اس موضوع پر اپنی جان دے دے۔ پھر جاتا لیکن اب کچھ نہیں بول سکتا۔ مجھے غلطی ہو چکی تھی۔"

مشاق چنگیزی کی کھڑا ہو گیا۔ میں بدستور بیٹھ رہ کر دھٹائی کا مظاہرہ نہیں کر سکتی تھی لہذا مجھے بھی اٹھنا پڑا۔

"خدا حافظ! مشاق چنگیزی نے کہا اور اندرونی دروازے کی طرف مڑ گیا۔ وہ اخلاقیات مجھے چھوڑنے کے لیے براہ راست تک بھی نہیں لگتا اور یہ بات ظاہر کرتی تھی کہ وہ شدید بیجان سے دوچار ہو گیا ہے۔"

جب میں وہاں سے دفتری طرف روانہ ہوئی تو سرے زوئیں میں یہ سوال مڑی شدت سے پیچور ہوا تھا کہ چنگیزی جتنے جذباتی بیجان سے کیوں دوچار ہو گیا؟ جن لوگوں کے خیر خاتمے مجھ سے بھی وہ ایسی کیفیت سے شاید ہی گزرتے ہوں۔ تو پھر؟ مشاق چنگیزی جتنا جذباتی کیسے ہو گیا؟ کیوں ہو گیا؟ یہ سوال میرے لیے بڑی اہمیت اختیار کر گیا تھا۔

اسی سوال میں اچھی ہوئی، میں دفتر پہنچی اور تب مجھے سب سے پہلا خیال یہ آیا کہ شکیں تاج بھی آئی ہے یا نہیں؟ میں نے فخر کام

پر سیکرٹری سے اس کے بارے میں پوچھا
 دوسری طرف سے جواب ملا۔ وہ اپنی
 میں نے یہ جواب سن کر کچھ آسوگی محسوس
 میرے پاس بیٹھ دیا۔
 "بہت اچھا۔"

کچھ ہی دیر بعد شکیں تاج نے زور سے انا اناں کرے میں داخل ہوئی اور مجھے سلام کر کے نظر ملے۔
 قریب آگھڑی ہوئی۔
 "مجھے سنجیدہ لگتی ہو تم تو ان کی بہن۔"
 "بیٹھ جاؤ۔"

"شکریہ؟" وہ آہستہ سے کہہ کر بیٹھ گئی۔
 میں چند منٹ تک خاموشی سے اس کے ساتھ
 بیٹھی رہی اور پھر بولی۔ "یہ تو کمرنگ شکیل۔۔۔ مجھے
 معلوم ہوتا ہے۔"

"جی! شکیں تاج نے آہستہ سے کہا۔ وہ بہت اچھا
 "تم اسے کب سے جانتی ہو؟"

"بہت عرصے سے!"
 "یعنی؟"

"میں بہت چھوٹے چھوٹے قصبے میں پیدا ہوئی
 ..سرے کو دیکھا۔ شاید... سو سال پہلے کی۔"
 شکیل کے والد میرے والد کے دوست تھے اور ہمارے
 سی تھے۔"

"اس زمانے میں تمہارا قیام دو جہیں ہو گا؟"

بول پڑی۔
 "جی ہاں! شکیل کے والد تو اب بھی وہی ہیں لیکن
 لیکن شکیل کو اپنے وطن سے اتنی محبت ہے کہ وہ مستقل
 رہ گیا ہے۔ ہم دونوں نے ساتھ ساتھ پڑھا تھا۔ بعد میں
 کو میں کم داکٹر حاصل کرنے کی وجہ سے ریٹائر ہو گیا۔
 نہیں ہو سکی لیکن شکیل کو داخلہ ملا۔ پھر وہ اعلیٰ تعلیم
 چلا گیا۔ حوالہ سے کوٹنے کے بعد وہ اپنا اسپتال بھی کھول
 لیکن اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ مختلف اسپتالوں کے لیے
 تین تین وقف کر دیے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس طرح وہ
 مریضوں کی خدمت کر سکتا ہے جب کہ اپنا اسپتال کھولنے کی
 میں وہ صرف اسی کا ہو کر رہا۔ شکیں تاج شکیل سا
 کے لیے وہی اور اس کے بعد پھر لڑنے لگی۔ "اب تو آج کل ہمارے
 سامنے کیا ہے کہ گریڈنگ کے کسی طالب علم سے اس کا اصرار

ہم نے گھر کو قوم کی خدمت کرنا چاہتا ہے لیکن
 وہ قوم کی کھال ہمارے کے سوا کچھ نہیں کرتا جبکہ
 مدد دے چند ڈاکٹروں میں سے ایک ہے جنہوں
 خدمت مملکت کے جذبے کے تحت ڈاکٹری کی تعلیم
 فراہم تو تیری بھی یہی لیکن میں بدقسمتی سے
 رہی میں نے اپنے اس جذبے کی تسکین کے لیے
 ہی کر لیا۔ جب ڈاکٹر شکیل۔۔۔ اس کا تو ہمارے
 مٹے معاشی بحران کا آڑہ ہمارے کونٹے لے لیا تھا۔
 میں نے فیصلہ کیا کہ ایک بار ڈاکٹر شکیل کی حقیقت
 مانتا کام کرنے لگوں شکیل کے پاس دولت کی
 ہے۔ وہ میرے لیے بہت کچھ کرنا چاہتا ہے لیکن
 والد کسی کے بھی احسان مند نہیں بننا چاہتے۔"

اچھی بات ہے لیکن تمہاری فخر میں ملازمت
 مڈم ڈاکٹر شکیل کے ساتھ دوسرے اسپتال میں بھی بار
 فرائض انجام دے کر اپنی آمدنی میں اضافہ کر سکتی تھیں۔
 لیکن بعض وجوہات کی بنا پر میں ایسا نہیں کر سکتی۔
 وجوہات کیا ہیں؟

بک کی شکر گزار ہوں گی اگر آپ مجھ سے اس سوال
 پان۔

ایک طویل سانس سے کر اپنی کرسی کی پشت گاہ سے ہٹ
 "تم میری پراسرار رو کی ہو گئیں؟"

اے۔۔۔۔۔ آپ کا خیال.... درست ہو؟ شکیں تاج نے
 کہا۔

لہذا بتاؤ.... کیا تم ڈاکٹر شکیل ایک دوسرے سے محبت
 کرتے ہو؟

میں نے ہرچیز پر جواب دیا اور کیفیت چھائی اور پھر اس نے
 منہ بغیر کمرکس آپ جملہ عاتون میں لٹاپ کو کھجے
 ابھی نہیں چاہیے تھا۔

میرم دونوں شکاری کیوں نہیں کر لیتے۔ اس طرح۔۔۔؟
 "بہت سنجیدہ جیسے اجتماع میری بات کا ٹھکانہ دی۔
 انہیں کہ آپ میری ذاتی زندگی کو موضوع گفتگو بنائیں؟
 میں نہیں۔" میں نے اٹل لہجے میں کہا۔ "میں بہت پر
 اندیشہ کے تمام ایجادوں کو ختم کرنا چاہتی ہوں۔"

پتا نہ تھا کہ بڑی لمبی سی بری طرف دیکھا۔
 گہنا۔ "میں نے جڑی خیمہ کے لیے میں جڑی خیمہ کا
 اپنا چاہتی ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے۔"

"میں آپ کا بہت احترام کرتی ہوں اب تو؟"

"تو میں کب چاہتی ہوں کہ تم احترام نہ کرو؟ میں تانی سے کلانی
 "تم احترام کرتی رہو میں محبت کرتی رہوں گی۔"

"میں آپ اپنے اس جذبے کو ختم نہیں کر سکتیں؟"

"جی ہاں! میں نے زبردست کما۔ تو واقعی بہت محسوس ہے۔ کیا یہ
 ممکن ہے کہ دل سے کسی کی محبت کو کھٹا جا سکے؟ یہ جذبہ پیدا نہیں کیا
 جاتا بلکہ پیدا ہو جاتا ہے اور جو پھر خود پیدا ہو جاتا ہے ختم کرنا انسان
 کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ اگر میں تم پر بھروسہ کر دوں تو بھی مجھے محبت
 کر دو تو یہ بھی ممکن نہیں جس طرح جسے محبت کا جذبہ پیدا نہیں کیا
 جا سکتا، اسی طرح جسے اس جذبے کو ختم بھی نہیں کیا جا سکتا۔
 تمہیں مجھ سے محبت ہو یا نہ ہو مجھے تم سے بہر حال محبت ہے اور
 ہمیشہ رہے گی۔ تم شکیل سے محبت کرتی رہو میں تم سے محبت
 کرتی رہوں گی۔ تم اگر مجھے بڑا سمجھو گی تو جی میری محبت اپنی
 جگہ قائم و دائم رہے گی۔ ہاں بس اتنی انتہا ضرور ہے کہ تم مجھ سے
 نفرت نہ کرنے لگنا۔ اچانک میں خاموش ہو گئی کیونکہ میں نے محسوس
 کیا تھا۔ میں جانتی تھی۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا۔
 اور میرے حلق میں گھٹ کر رہ جائے گی۔"

"آپ بہت عجیب ہیں اب تو؟ شکیں تاج نے بھڑائی ہوئی آواز
 میں کہا۔

"اب تم جاؤ اور کام کرو؟ میں نے یہ کہتے ہوئے اپنی پراپرٹی
 چیر کر دوسری طرف گھٹا لیا تاکہ میرے چہرے کے شدید جذباتی تغیر کو
 مستحکم نہ دیکھ سکے۔

چند لمحے بعد میں نے شکیں تاج کے قدموں کی آہٹ سنی جو دروازے
 کی طرف جلد ہی چلی۔ پھر دروازہ کھلا اور بند ہو گیا۔ میں نے کرسی
 سیدھی کر لی اور دونوں ہاتھوں سے سرختم کر بیٹھ گئی میری کچھ
 میں نہیں آ رہا تھا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟ ایسے بیجان سے تو میں
 کبھی بھی دوچار نہیں ہوتی تھی۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ
 میری زندگی میں آنے والی کوئی شکر مجھے اس طرح پاگل بھی کر
 دے گی۔ مجھے ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ اگر کبھی شکیں تاج سے
 دور ہو گئی تو یہ "خلش" میرے لیے "حاصل عمر رواں" بن جائے
 گی جس سے مجھے نہیں بھول سکوں گی۔ تو ممکن ہے کہ میں
 فخر و دل میں "بھوکڑوں کے مطابق زندگی گزارنے لگوں لیکن ظاہر
 ہوئے والی، انھیں میرے باطن کی اس خلش کو نہ دیکھ سکیں گی۔

میں نہ جانے کب تک شکیں تاج کے بارے میں سوچتی رہتی
 کہ شکیں تاج کی گھنٹی نے مجھے چونکا دیا میں نے وسیع اور آٹھار
 مکان سے لگا یا اور ماضی میں بولی۔ "اب تو اب تک؟"

”آپ کا غلام! دوسری طرف سے رضوان کی آواز سنائی دی۔ میں نے سوچا کہ آپ کے فون کا انتظار کب تک کروں گا، کیوں نہ خود ہی فون کروں۔“

”اچھا کیا تم نے! میں ذہنی طور پر تپتی لمبھی ہوئی تھی کہ شاید مجھے فون کرنے کا خیال آگیا تھا تو بہت دیر سے آگیا۔“

”اسی کیا انھیں آپڑی؟ کوئی نئی بات؟“

”نئی؟ نہیں! اسے نئی تو نہیں کہا جاسکتا۔ دلائل میری ہونچیں کا سبب سنگتیتا ہے۔“

”کیا وہ آواز نہ نہیں ہو رہی ہے؟ رضوان نے چھپتے ہوئے لمحے میں کہا۔“

”تم بہت دقت کو اس ماست کیا کرو؟ میں جھڑک مٹھی۔“

”سواری! یہ تو واقعی کوئی اور بات معلوم ہوتی ہے؟ رضوان نے غرور کرنے والے انداز میں کہا۔“

”میں اس کا رد کارڈ نہیں سارا دے سکتی۔ میں نے اپنی بھلاہٹ پر قابو پا رہے ہوئے کہا۔ میں نے اسی رات شاید کبھی دیکھی ہو۔“

”کیا آج وہ دفتر آئی ہے؟“

”ہاں!“

”کیا بایں ہوئی تھیں؟ اس سے؟“

”بیس ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ میں اسے اپنے غضب کے موضوع تک نہیں لاسکتی مجھے بس اتنا معلوم ہوسکا کہ فاکٹر تشکیل اور وہ بچپن کے دوست ہیں۔“

”یہ بچپن کی دوستی بھی عجیب عجیب چل سکتی ہے، اگر ملکی اور شہر کے میں جو بیڑیہ بتائیے کہ آپ آئندہ کا کیا پروگرام ہے؟ کیا یہ ملکی نہیں کہ آپ خود کو اس پچھلے سے الگ کریں! اگر وہاں سے سننے آئے ہیں کہ وہ مریض کے معاملات میں ٹانگ اڑانا لگتی آگئی بات نہیں۔“

”لیکن غلاموں کی حمایت کرنا اچھی بات ہے۔“

”اچھا! رضوان نے فضا میں اس سلیڈ جھڑک خواہر باریڈ سننے۔“

”میں آج شتاق چنگیزی سے بھی ملتی تھی۔“

”اوہ... وہ... یہی کیسے؟“

”میں نے اسے شتاق چنگیزی سے اپنی ملاقات کی پوری تفصیل بتادی۔ رضوان نے اسے پوری توجہ سے سنا اور بیچ میں ایک مرتبہ بھی کچھ نہیں بولا۔ آخر میں، میں نے کہا شتاق چنگیزی کا جذباتی ہونا میری بھینس نہیں کیا۔ میں وہاں کے غیر محرم ہونے کی مریا کر رہا ہے کہ وہ جذباتی نہیں ہو پائے۔“

”مات تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ اچھا! ہم لاکھ عمل مرتب کیے ہیں۔“

”سچ بھائی تو میں بھی اس کے پورے نہیں کر لی مجھے بہت جلد ہی سنا آئی تھی۔ پھر آج شتاق چنگیزی! میں نے اسے بعد میری ذہنی بھڑکائی بالکل غم۔“

”ہول! رضوان نے شاید کچھ سوچتے ہوئے! خیال میں تو شتاق چنگیزی کے ماضی سے بڑھ آگیا وہ بڑھ آگیا جاتے تو بہت سے راز افشا ہو جائیں! لیکن وہ بڑھ آگیا یا کس طرح جاتے؟“

”شتاق چنگیزی کو کسی ایسے معاملے میں غصہ نہ لایا کی گرفت میں آجائے۔“

”اس سے کہا ہو گا۔“

”پس اس کے ماضی کو پوری طرح کھنگال لے! اسے نامہ آگیا تھا بلکہ مایوس ہو گیا۔“

”یہ طریقہ کار عاصمتی طلب ہے۔“

”ہاں، اس میں وقت تو لگے گا۔“

”اور تم چلتے ہو کہ میری فطرت میں غلبہ بہت ہے۔“

”تو میری فطرت ایکشن لیجیو۔“

”وہ کیسے؟“

”رضوان مجھے سمجھانے لگا کہ ”ٹارٹیکٹ کیشن“ ہے! مراد ہے! میں نے اس کی باتیں ڈسے خود سے نہیں دیا فیصلہ ہوا کہ آج ہی رات ڈارٹیکٹ کیشن لیا جائے گا، ہی پڑے ہوئے اور اس مریض کو گفتگو کے بعد جب میں تو خود کو اس منبر سے ہلکا چھٹکا محسوس کیا کہ اب ایک قوطے پا گیا تھا۔ اس کا مینا بی ہوتی یا نا کامی! بات تھی۔“

”دویر کا کچا! میں نے ایک قوی ریٹورٹ دفتر ہی میں کھانا اور سنگتیتا کو بھی ملکا کر اپنے ساتھ شتاق سے دفتر کی کاموں کے علاوہ کسی موضوع پر گفتگو نہیں کی۔ اسے اپنے سوالات سے متاثر تو نہیں کرنا چاہتا تھا! پھر دفتر آنا چھوڑنے۔ وہ اصل میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ حاصل کرنے کے لیے گیتا کی بجائے ڈاکٹر خلیل سے مانا گی۔ یہ خیال تھا کہ وہ لمبا ہوا شخص میرے لیے خاصا، ثابت ہو سکے گا۔ وہ کم از کم سنگتیتا سے زیادہ بہتر ذرا ہو سکتا تھا۔“

”جیسے میں دفتر سے آگئی اور گھر کی طرف روانہ ہو

”کے اشارے پر جب مجھے جنگ بلڈنگ پڑی تو میں نے غصہ نہ کیا۔ میں اس کی کار کے پیچھے تھا۔ ٹریفک کے جوم میں اس کا کار کھائی دی بسے ایک مینر میں اسے میں اچھی طرح پہچانتی تھی۔ وہ جس نے آئندہ صرف ایشیائی معاملات کی پورنگ!۔ خاص شہرت بھی حاصل تھی۔ وہ مومو! انسانستان، ایران اور مشرق وسطیٰ کے مے کر ہند تھا۔ مومو! اس کی کو جو لگتی تھی مایا کی حالات کشیدگی کی طرف مائل ہوں۔ میں نے اسے سوچا۔“

”میں بل کر سیکورڈ ڈسٹرکٹ کوٹوں چھنے رکت میں سے! اب تو جس نے بڑا خیال میں آج رات کی گم کے بارے میں سوچنے لگی! اچھی! اسی کے بارے میں سوچتی ہوئی جب اٹھ والی دھڑک پر میری تو میں نے غصہ نہ لایا کہ کیا بھی چلی آ رہی ہے۔“

”ا! ہے! میرے ذہن میں سوال ابھرا لیکن اس جی کہ میرے ذہن میں چارہ سکتا۔ وہاں میں آسکتا تھا کہ جس فریڈ میری نگارنی کر

”میں سب سے پہلے اس وقت ابھی اجیب میں گرفت جانے والے رستے پر پورے ہی اور غمزدہ تھا۔“

”میں میں بڑا کر گیا تو میں نے اپنی کار کو بلا دیا! کیا ہورٹس برابر میرے تعاقب میں لگی رہی۔ میں فریڈ میری ہی نگارنی کر رہا ہے۔“

”ارکھلا تھا۔ یہ بات کسی طرح بھی میری سمجھ میں نہ رہی میرے پیچھے کیوں لگا ہوا ہے! اس کا لہر گریوں پر نظر رکھنا تھا وہ میں سیاست میں تھی۔“

”ایسا کی میں سے تعاقب کرنا اس بات کا ثبوت ہے۔ میں نہیں معلوم تھا کہ میں اسے معلوم ہوتا تو وہ بہت دور دور رہ کر میری لہو سے یہ خاصا بچہ تھا۔ آخر جس فریڈ

”کوری نگارنی کی کا ضرورت نہیں تھی؟“

”مجھے ہوئے ذہن کے ساتھ میں اب سیدھی اپنے گھر کی طرف روانہ ہو چکی۔ تعاقب کا یقین ہو جانے کے بعد اب مجھے اس کی ضرورت نہیں رہی تھی کہ میں اپنی کار کو بلا دیا اور دھڑکائی دیکھیں فریڈ کو راج دے کر گتے کی کوشش کرنا میں نے غصوں سمجھا تھا۔ میری دانست میں یہ بات تو کتنی قیاس نہیں تھی کہ جس فریڈ رضوان میرے گھر کا پتلا جانے کے لیے میرے پیچھے لگا ہو۔ یہ تو کوئی اور ہی حکمت مدد نہ سوتا تھا۔“

”مگر پہنچ کر میں سب سے پہلے باختر دم میں جا گھسی تاکہ اپنے تھکے ہوئے جسم و ذہن کو پانی کی دھاروں سے آسودہ کر سکوں! غرض کرنے سے نہ کر کہ میرے تبدیل کرنے تک جس فریڈ کا خیال میرے ذہن سے نہیں نکل سکا۔ جب میں بدلنے پینے کے لیے بیٹھی تو ٹریفک کی گھنٹی نے جس فریڈ کے خیال کو میرے ذہن سے وکیل دیا۔“

”ٹریفک کرنے والی خود نشیبتی۔“

”کیا حال ہے باؤ؟“ اس نے پوچھا۔

”ٹھیک ہوں، تم سناؤ!“

”میں بھی ٹھیک ہوں۔ یہ تو آپ کا پتہ چل گیا ہو گا کہ تاناری ضمانت پر رہا ہو گیا ہے۔“

”اچھا! مجھے علم نہیں تھا۔“

”آج دوپہر اس کی ضمانت ہوئی ہے۔ وہ میرے گھر بھی آیا تھا اور اس بات پر بہت چلراخ ہوا تھا کہ میں نے پولس کے سامنے آپ کے بارے میں لاپٹی کا اقرار کیا تھا۔ وہ چراغ پا ہوا تو میں بھی اس پر غور کی۔ میں نے اس سے کہا کہ میں حالات سے بے خبر تھی اور میں نے پولس سے جو کچھ بھی کہا، وہ اپنی دانست میں اس کی بہتری کے لیے کہا۔“

”بہت مناسب جواب تھا تھا! میں نے مسکرا کر کہا! اچھا چہرہ۔“

”کچھ کچھ بھی نہیں۔ وہ بک جھک کر والیں چلا گیا۔“ خورشید نے کہا اور پھر بولے! آپ اب بھی اس کی طرف سے جو کچا ہی رہیں گے گا۔“

”تم فکر نہ کرو۔ تاناری جیسے لوگ میرے برس میں بڑے رہتے ہیں۔ ویسے میرا خیال ہے کہ اب وہ میری طرف رخ نہیں کرے گا۔ اسے اندازہ ہو چکا ہو گا کہ میں موم کی بی بی ہوتی نہیں ہوں۔“

”وہ اصل کیہ پروڈکشن ہے۔“

”تم فکر نہ کرو! ڈارلنگ! یہ بتاؤ کہ اب ملاقات ک

”ہو رہی ہے؟“
 ”جب آپ حکم دیں،“ خورشید چپکی۔
 ”کل رات کو آ جاؤ!“

”بائی بائی! میں نے کہا اور ٹیلیفون بند کر دیا۔“

بکھر چائے پینے کے دوران میں کچھ دیر تک کس خورشید
ہی کے بارے میں سوچتی رہی۔ وہ بیشتر ورلڈ کی تھی اور اس
قسم کی ورلڈ تھی جس میں ایک جہت گوارا ہوتی ہے لیکن خورشید
مجھے کچھ زیادہ ہی اچھی لگنے لگی تھی۔ نابا، اس کی سبب۔ جس کا
”گندم از گہر من رسد“ مجھس غنیمت است، ”اُن دنوں کسی
لڑکی سے میرا رابطہ ہی نہیں ہو سکا تھا، ہوائے مسکن کے لیے!
اور اُسے میں اپنی اسودگی کا ذریعہ بنانا ہی نہیں جانتی تھی۔ یہ
پہلا موقع تھا کہ میں ایک خاش کو سینے سے لگا کر رکھنے پر آمادہ
تھی، اولاس کا کوئی منطقی جواز نہیں تھا۔ منطقی جواز سے میری
مُراد ایک ایسا جواز ہے جو لوگوں کو پوری طرح مطمئن کر سکے۔
جائے لی چلنے کے بعد میں کچھ دیر آرام کرنے کی عرض سے اپنی
خواہگاہ میں جا لی، اور اب میرا میں کچھ بیس فریز میں ”لُجھا
ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد اس خیال کو بھیجی میں نے ذہن سے جھٹک دیا۔
دراصل اُس کے بارے میں سوچتے رہنے سے ذہنی تکان کے
سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا جو بات بھی کبھی وہ از خود ہی سامنے آتی
اب میں نے ٹینگینے کے بارے میں سوچنا شروع کیا۔ میں
اُس کی اور ڈاکٹر شکیل کے تعلق کی نوعیت کو سمجھنا چاہتی تھی۔
میں نے دفتر میں سوچا تھا کہ اس سلسلے میں ڈاکٹر شکیل سے
ملاقات کرنا ہوگی۔ تو یہ یوں نہ اُس سے اسی وقت رابطہ قائم
کیا جائے؟
میں نے ٹیلیفون ڈاکٹر کُتری اٹھائی اور ڈاکٹر شکیل کا نام
تلاش کرنے لگی۔ ڈاکٹر کُتری میں مجھے اُس نام کے کسی ڈاکٹر نظر آئے۔
اُن میں سے مطلوبہ ڈاکٹر شکیل کی تلاش مشکل ہو جاتی لیکن آسانی
ہو گئی کہ ایک ڈاکٹر شکیل کے نام کے آگے صرت رہا ایشی فون نمبر
لکھا ہوا تھا اور آئی شکیلوں کے ساتھ کچھ اسپتال بھی وابستہ
تھے۔ میں نے اُن ”شکیلوں“ کو فون نمبر انداز کر کے اُس شکیل کو
رینگ کیا جس کا صرت رہا ایشی فون نمبر ڈاکٹر کُتری میں درج تھا۔
دوسری طرف ٹینگش بھی، اور کھر کس نے ریسپوڈ اٹھا یا۔
”ہیلو! ایک آواز سنائی دئی۔“

”صاحبِ تولد اس وقت اسپتال میں ہوں گے۔ دوسری

طرن سے غالباً کوئی عملازم بول رہا تھا
 ”کون سے ہاسپٹل میں؟“
 جواب میں مجھے جس ہاسپٹل کا نام سنا
 نہیں تھا جہاں رضوان نے داخلہ لیا تھا
 میں نے عملازم سے پوچھا کہ ڈاکٹر
 وقت ملتے ہیں؟“

”وہ بیعت دس بجے گھر سے چلے جا۔
 واپس آتے ہیں۔ تین بجے پھر چلے جاتے ہیں۔
 بجے تک واپس آتے ہیں۔ پھر دس بجے جا
 بارہ ایک بجے تک واپس آتے ہیں۔“ ملا،
 بتایا، پھر بولا یہ آپ اپنا نام اور خون نمبر لکھ
 صاحب کو بتا دوں گا۔“

اس کی ضرورت نہیں۔ میں خود
 فے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

یہ فیلیفون کے گھبرے ہوئے منہ سے نکلا۔
 کرن اوقات میں ڈاکٹر فیکل سے اس کے کہ
 میں نے فیملہ کیا کہ میں آج ہی رات کو نوہ
 سے اس کے گھر پر ملاقات کر دوں گی۔ میں
 ڈاکٹر ٹریسٹری کا نام اس کے گھر پر اپنا
 منتقل کر دیا۔

میں آٹھ بجے بستر ہی پر رہا،
دھویا، کپڑے تبدیل کیے، کھانا کھایا اور
گھر جانے کے ارادے سے روانہ ہو گیا
بھانگ سے کار نکالتے ہوئے میں
تھی کیونکہ خورشید نے مجھے بتایا تھا کہ تارا
شخص ہے اور منات پر رہتا ہو چکا ہے۔

لیکن مجھے قریب و چار میں خطے کے کہ
تمہیں آئی۔ گھر سے کچھ دور نکل آئے کے بعد
طور سے عقب نما آئینے پر نظر رکھی تھی لیکن کہ
میں نظر نہیں آیا تھا۔ حتیٰ کہ جیسے فریزر کا
دی تھی۔ میں نے سوچا کہ میں نے ایک انٹرا
جیس فریزر کو انہی راستوں سے گزرنا اور
میں گزری تھی؟

میں نے سوچ تو لیا لیکن یہ خیال نہا،
نہیں تھا۔
نوجو کو دس منٹ پر میں ڈاکٹر شکیل

محب کھانا کھا رہے ہیں۔ اُس نے مجھے
یاں دیر اور ٹینگ کارڈ لے کر اندر چلا
ہلہ جی ہوئی اور اُس نے کہا: ”آپ
۔ انتظار کرنا ہو گا۔“

ہے "میں نے کہا۔

کریں گی یا۔۔۔“

اندر صاحب کو آجائے دو، اس کے
میں نے ہنس کر کہا۔
انداز میں سر ہلایا اور ڈرائنگ روم
پر بڑا ہوا ایک میگنیزین اٹھایا اور
لکھنے لگی۔

بی اندرونی دروازے پر آہٹ ہوئی۔
تے ہوئے اُس طرف دیکھا۔ وہ ڈاکٹر
بلگ روم میں داخل ہوا تھا۔

بگڑے اٹنی تو وہ جلدی سے بولا۔
 امان کیجیے گا، میں آپ کا پورا نام نہیں
 مل سکتا نے مجھے بتایا تھا کہ آپ خود کو مر
 رہے ہیں۔“

نے ایک طویل سانس لیا "تو سگیتانے
 میں بہت کچھ بتا دیا ہے!"

نہ جب آپ ہاسپٹل میں ملی تھیں تو میں
 یہ نہیں جانتا تھا۔ اُس کے بعد ہی سن گیتا

میں معلومات حاصل ہونی "تفصیل" پر مبنی ہے۔
 کہ؟ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟
 اسے میں سنگیت سے معلومات حاصل ہوں؟

۲۔ سے میں سنگیتا کے بارے میں معلومات

طالب نہیں سمجھا! ڈاکٹر شکیل نے متحیر

”میرا نے سنجیدگی سے کہا: ”کیا میں اُمید
معلوم ہی تک محدود رہے گی؟“

ہستیا کی طرف ہے تو میں اس قسم کا
نہا، ڈاکٹر شکیل نے صاف گوئی
بھڑ بولنا پسند نہیں کرتا، دوسرے

یہ کر عقیقتاً سے جھوٹ ہو لیتا تو میں تصدیق بھی نہیں کر سکتا۔
 وہ جھوٹ ہو لیتا سوال تو اس لئے نہیں پیدا
 ہوتا کہ عقیقتاً تو ہماری معلومات کا علم ہی نہیں ہوگا اور جب
 علم نہیں ہوگا تو وہ آپ سے اس کے بارے میں کچھ پوچھے
 گی نہیں اور جب وہ پوچھے گی نہیں تو آپ کو جھوٹ ہونے کی
 ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔ دیکھ میں آپ سے رازداری کا
 جو وعدہ لے رہی ہوں، وہ حقیقتاً سنیائے کے خلاف ہے۔
 ڈاکٹر شکیل کی آنکھوں سے انھیں جھانکنے لگی، اور پھر
 اُس نے کہا: ”میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ آپ کس قسم کی
 باتیں کر رہی ہیں یا کس قسم کی باتیں کرنا چاہتی ہیں؟“
 ”ابھی آپ پر سب واضح ہو چلے گا۔“ خیر میں قبل از وقت
 کوئی وعدہ نہیں لیتی۔ صورت حال کی نزاکت خود ہی آپ کو
 مجبور کر دے گی کہ آپ اس مسئلے میں رازداری کریں۔
 ڈاکٹر شکیل سوالیہ نظر سے میری طرف دیکھنے لگا۔

میں قدرے سڑک کر لڑی۔ ”یہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے کہ گلیٹیا کی زندگی یہاں کچھ اور موٹا ہے، وہ اچانک اور غیر متوقع ہے۔ نیز یہ کہ جس کے اسباب بھی نہ معلوم ہیں۔“

”جی ہاں، مجھے ان باتوں کا علم ہے اور جب ہیرا ملکہ سے کوٹھتے پر مجھے اس کا علم ہوا تو میں ہلکا سا تارہ گیا تھا۔“

”حیران کی بات یہ ہے۔ ایسی کا یا ہیٹ، تحقیق زندگی میں شاید یہ نظر آئے۔ تو اس بات سے آپ بھی بے خبر نہیں کہ رام لال صاحب نے اپنی ساری زندگی کا حاصل مشاق چنگیزی کو کھوں دے دیا۔“

”جی ہاں! انکل سمیرا مطلب ہے کہ سنگیتا کے والد نے اس سلسلے میں بالکل جپ سا دھلی ہے۔ میں نے صرف ایک مرتبہ اُن سے اس موضوع پر گفتگو کرنا چاہی تھی تو انھوں نے مجھے یہ کہہ کر خاموش کر دیا تھا کہ اگر میں اُن سے تعلقات برقرار رکھنا چاہتا ہوں تو آئندہ اس سلسلے میں کوئی بات نہ کروں۔ سنگیتا نے مجھے بتایا تھا کہ آپ بھی اس سلسلے میں اُن سے ملنا چاہتی تھیں مگر....“

”جی ہاں، انھوں نے ملتے سے انکار کر دیا تھا۔“
 ”تو غالباً آپ اُن اسباب کا بتانا چاہتی ہیں؟“
 ”جی ہاں!“ میں نے کہا۔ ”یہ میری فطرت ہے کہ میں
 کسی ظلم ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔ شاید آپ کو یہ سن کر تعجب
 ہو گا کہ کوئی دے معلوم شخصیت اس پریشان حال گھر کو مزید
 پریشان کرنا چاہتی ہے۔“

ہیں نے اُس کے ذہن کو کریدنے کی بہت کوشش کی مگر کامیاب

1. *Journal of the American Medical Association*, 1990; 263: 1025-1028.

یہ میرے عمل کا عین رہیے!"

-58-

1

”ڈاکٹر فیکسل سے ملاقات تو خاصی اہم رہی ہوگی؟“ رضوان نے اندازہ لگایا۔
”کچھ ایسی زیادہ اہم نہیں؟“
”کیوں؟“

”میں نے وقت گزاری کے خیال سے رضوان کو اپنی اور ڈاکٹر فیکسل کی مفصل گفتگو سنا دی لیکن وہ سب کچھ جان لینے کے بعد رضوان کو اتنی ہمت نہیں ملی کہ وہ ان باتوں پر کسی قسم کا تبصرہ کر سکتا۔ ہم اپنی منزل پر پہنچ گئے تھے۔ میں نے کارڈ ایکس پی کی کل میٹلی جہاں سے شائقین جین ہو کر جاساں گئے۔ جو کہ گئے تھے۔“
”تجھے یہاں کے شفت کرنے والے چوکیدار سے براخود آتا ہے؟“ رضوان بولا۔

”کیوں؟“
”بہت غیر شیم ہوئے ہیں اور ان کے ہاتھ میں ایک موٹا سا ڈنڈا ضرور ہوتا ہے؟“
”مجھے ڈنڈوں سے تو بے محسوس نہیں ہوتا؟“
”کسی ڈنڈے سے آپ کا بھی واسطہ ہو نہیں پڑتا؟“
”میں کوئی جواب نہیں دے سکی کیونکہ ہم دونوں پیدل چلتے ہوئے شائق چیلنر کی سبیل کے سامنے پہنچ چکے تھے۔“
”کال بیل کا بھن دیا؟“ میں نے رضوان سے کہا اور اطراف کا جائزہ لینے لگی۔

”قرب درجہ میں کل متا تھا۔ عمارتوں کی ڈاک ڈاکھر کیوں ہیں روشنی نظر نہ رہی تھی۔“ سرک پر چلے ہوئے ایک کرکٹ لڑا ایک دوسرے سے فاصلے پر تھے۔ اس لیے پوری سرک پر چلنے والی سونسی پھیلی ہوئی تھی۔

رضوان کو وقفے وقفے سے کال بیل کا بھن دوڑ رہا تھا۔ وہ کہیں جا کر ایک ٹک کی... یہ تو یہ کہیں کے توں کی... میں کوئی اور کسی نے کہا تھا ہے ہوئے منورہ کسی آواز میں پوچھا ہے کون ہے؟“
”اُم چوکیدار ہے بابا، چوکیدار! پانک کو لہو“ رضوان نے بخون لہجے میں آواز دہرائی اور اپنی جیب سے نقاب نکال لی۔ لڑا میں نے بھی نقاب نکال لی تھی اور میری آنکھیں سرک کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔

پانک کی دوسری جانب سے ایسی آواز آئی جیسے کٹدی کھولی جارہی ہو ساتھ ہی ساتھ کوئی رپڑا بھی رہا تھا جلد ہی ایک ایسا کھٹکا سنائی دیا جیسے کٹدی پوری طرح کھل گئی ہو یہی نے اور رضوان نے بڑی بھڑکی سے نقابیں اپنے چہرے پر چڑھا لیں۔ پھر جیسے ہی پانک کھٹا، سب سے پہلے رضوان نے

اندھرت گمانی۔

”سرک پر کچھ دور ایک کار کی مینڈا...“
”موڑ سے اچانک سامنے آئی تھی۔ اگر وہ؟“
”بیٹھے ہوئے لوگ ہماری مشین سے کارروائی کر رہے تھے۔“
”تو بت آنے سے پہلے ہی ہماری کارروائی کر رہا تھا۔“
”پانک کھٹو نے والا کوئی لازم ہی تھا۔“
”رضوان نے اپنے دو ہاتھوں کے دتے کی طرف پر گرنے لگا جب وہ گر رہا تھا تو میں بھی اُن جلدی سے یہی پانک نہ کیا اور کٹدی گمانی...“
”وہ کار اب ختم ہو گئی ہوئی پانک...“
”یہی تھی۔“

پانک کھٹو نے والا، زمین پر گر گیا۔ ۱۶
”لائٹ کلیر“ رضوان نے اطلاع کیا۔
”لیکس ہر سے یہیں چھوڑ کر گئے ہیں؟“
”پر پڑے ہوئے لازم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، اُم ہوش میں آسکتا ہے؟“
”تو کیا اب اسے ڈھونڈنا ہی چاہیے گا؟“
”ہاں!“

”تو پھر اُٹھائے اسے اپنی کمر پر اور لے چلے۔“
”میں رضوان کو جواب دینے کی بجائے دلہ کی طرف بڑھنے لگی۔ برآمدے میں پہنچے تک میں دیکھا۔ مجھے یقین تھا کہ رضوان یہوش لازم کو اپنے میرے پیچھے پیچھے آ رہا ہوگا۔ اس کے قدموں کی لیے نہیں جس سکتی تھی کہ وہ میری کمر پر سون کے کم تھا۔“

”بہت اچھا ہوا کہ برآمدے کا کوئی ٹیب ڈالیں تاریکی میں اپنی بناہ میں لیے ہوئے تھی۔ برآمدے نے پہلی مرتبہ سرک دیکھا اور موقع کے مطابق رضوان پیچھے بایا۔“
”برآمدے میں دو دروازے تھے۔ میں نے دروازوں کی کاندھ سے بند بایا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ والا اندر سے نہیں نکلا تھا۔ سروٹ کو اندر سے آلا سے یہ بات بھی ثابت ہوئی تھی کہ کال بیل سروٹ کھلا بہتی ہوگی۔“

رضوان نے یہوش لازم کو برآمدے کے کفر اور پھر میرے بالکل قریب ہو کر سرگوشی کی ”فلاہ

ہوا کر دروازوں کے قریب دیواروں کا جائزہ لیا۔ کا بھن نظر نہیں آیا۔ اب یہی ممکن تھا کہ لہو میں نے ایک دروازے پر دستک لی۔“
”پانک کبھی جواب نہ ملا تو میں نے اُڑا بایا۔ اُسے بھی دو مرتبہ کھٹکا پڑا تھا۔“
”آواز آئی۔“ کون ہے؟“
”پانک نے یہی سرگوشی تھی۔ وہ بھی کوئی لازم...“
”اُم کوئی آواز سے صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ...“
”کوئی نہ کیا۔“ اب میں کچھ بولے۔
”پنہ؟“ دروازے کی دوسری جانب سے پھر

پانک کھٹو نے دلے کی آواز سن لی تھی۔ اُس کی آواز کی نقل آتا رہے ہوئے کہا۔ اُس کی صاحب سے ملنے آیا ہے۔“
”لیکس آواز نے میں خاصی حد تک کامیاب ہو گیا تھی وہ لازم محسوس نہیں کر سکا ہوگا جو دروازے پر ہوا تھا جب اُدی نیند سے اُٹھا ہوگا اُس کا...“
”پانک کی طرح میں بھی ہوتا۔“

”وہ دوسری جانب سے دروازہ کھول دیا گیا۔“
”اب میں بھی...“
”البادہ لازم اُمی پر سوراہا ہوگا۔ یہ وہی لازم تھا۔“
”مجھے دیکھ چکی تھی جب پہلی مرتبہ شائق چیلنر سے...“

پانک کہ رضوان اُس غریب کی کھوٹری پر بھی اپنے سے طبع آزمائی کر ڈاتا، میں نے اُس کے سینے پر ہاتھ رکھے۔ اُس کے ہاتھ سے روک دیا۔

”میرے دلے لازم نے جو دو نقاب پوشوں کو پانک کے...“
”کھٹا ہی رہ گیا۔“
”مجھے یہی نے سرگوشی کی۔“ اگرچہ چپلائے تو...“
”اس عمارت میں اور کتنے لازم ہیں؟“
”چوکیدار! لازم کھلا گیا۔“
”سروٹ کو اندر میں رہتا ہے؟“

لازم نے اشتات میں سر ملایا۔
”تم دونوں کے علاوہ کوئی اور لازم؟“
”خانا ماں!“
”وہ کہاں ہے؟“
”وہ... شمش... شام کو... چھٹی کر جاتا ہے۔“
”تھکاد صاحب کہاں ہے؟“
”وہ... وہ... سو رہے ہیں جی!“
”میں اُن کے کمرے تک سے چلو!“
”غصہ؟“ میں نے رضوان سے کہا۔ پہلے چوکیدار کو باڈھ

کر اس کے رُخ میں کپڑا غنوس دو۔ وہ کسی وقت بھی ہوش میں آ سکتا ہے۔“
رضوان سر ہلا کر بیہوش چوکیدار کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اُس نے اپنی جیب سے نائیلون کی ایک ڈوری نکالی اور چوکیدار کے ہاتھ پر چکڑنے لگا۔
”میں... وہ... لازم نے کچھ کہنا چاہا لیکن میں نے اُسے ڈانٹ دیا۔“
”خاموش کھڑے رہو! جب تک تم سے کچھ پوچھنا نہ جائے، اپنی زبان بند رکھو!“
لازم کے ہونٹ جو خوف و گھبراہٹ سے خشک ہو چکے تھے،

کپکپا کر رہ گئے۔
رضوان نے اپنے کام سے فارغ ہونے میں بڑی بھڑکی دکھائی۔ اُس نے بیہوش چوکیدار کو باڈھنے کے علاوہ اُس کے رُخ پر ٹیپ بھی چکا دیا تھا کہ کسی قسم کی آواز نہ نکال سکے۔
”اب تم میں اپنے صاحب کے بیٹروم تک لے چلو!“ میں نے تھکدہ انداز میں لازم سے کہا۔ دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ دروازہ تہی دستک دے کر اُسے کھلا دوں گے۔ اگر تھکاد صاحب دروازہ کھولے بغیر اندر سے پوچھے کہ کیا بات ہے تو تم اُسے بتاؤ گے کہ پورس کا ایک آفسر اُس سے ملنے آیا ہے۔ پھر میں نے قدرے توقف سے پوچھا۔ ”مجھ کو؟“

لازم اُڑدوڑ سے اشتات میں سر ملانے لگا۔
”تو پھر چلو!“
لازم ٹھٹھا تو میں نے اُسے ٹھٹھا کر لیا۔ الود کی نال اُس کی کمر سے لگا دی۔ رضوان نے بیہوش چوکیدار کو برآمدے سے کھینٹ کر اندر کر لیا اور دروازہ بند کر کے میرے ساتھ چلنے لگا۔
”اچھا ہی ہوا کہ آپ ناؤٹیک کے دور میں نہ رہیں۔“ رضوان

...“

بڑھاپا۔
 ”کیوں؟“ میرے منہ سے بیساختہ نکل گیا۔
 ”بیچارہ کی نافرمانی مارکٹ ٹاؤن ہو جاتی۔ نملوں میں اُسے کوئی محلہ سمجھتی نہ پھنچتا“
 میں چُپ رہی۔ ظاہر ہے، یہ وقت ایسا نہیں تھا کہ ایسی بے مکی شہر کی نوک جھونک کی جاتی۔ وہ کیا رضوان، تو وہ گراؤ کچھ سے اس شہر کی کجاس قسمی وقت بھی کر سکتا تھا۔ موقع عمل کی قید اُس نے خود پر کبھی لاگو نہیں کی تھی۔
 ملازم جب ایک کمرے کے دروازے پر جاؤ گا تو ہم بھی دیکھ گئے ملازم نے میری طرف دیکھا تو میں نے اُسے دستک دینے کا اشارہ کیا۔ ملازم کے چہرے سے تذبذب ہوتا تھا کیونکہ جب میں نے اُسے آنکھیں کھلیں تو اُس نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے دروازہ کھٹکچایا۔ کوئی جواب نہیں ملا۔
 میرے اشارہ کرنے پر ملازم نے دروازہ کھٹکچایا یا اس پر تڑ اندر سے مشتاق چنگیزی کی آواز سنائی دی۔ کیا بات ہے؟ ہاں ہے؟“
 ”میں ہوں صاحب!۔۔۔ ستار۔۔۔ ملازم نے اپنا نام بتایا۔
 ”آپ سے ایک پلوئس آفیسر ملتا ہے؟“
 ”اس وقت؟“ مشتاق چنگیزی کے لہجے میں حیرت تھی۔
 ایک بجے میں باجی منٹ بانی تھے۔
 ”کیا وہ آیا ہے؟“ مشتاق چنگیزی نے فوراً ہی دوسرا سوال کیا۔
 ستار نے میری طرف دیکھا تو میں نے اثبات میں سر ہلایا۔
 ”جی ہاں صاحب!“ ستار نے جواب دیا۔
 کمرے میں کچھ نقل و حرکت محسوس ہوئی، اور پھر قہقہوں کی آوازیں دروازے کی طرف آتی سنائی دیں۔ دروازے کا لوٹ گرنے کی آواز ہوئی، اور پھر دروازہ کھل گیا۔ مشتاق چنگیزی نے شب خرابی کے لباس پر چٹاؤں پہن رکھا تھا لیکن ابھی اُس کی سیٹ بنیں باندھی تھی۔ دروازہ کھولتے وقت اُسے خارجہ کمرے میں ستار کے نظر آنے کی توقع ہو گئی لیکن وہ نقاب پوش بھی رکھائی دیے تو اُس کے جسم نے اس طرح جھٹکا کھا یا جیسے ایک ٹرک شاک لگا ہو۔
 ”سینڈز آپ!“ رضوان گرجا۔
 مشتاق چنگیزی نے گہرا کراہٹ اٹھا دیے۔ اُس کے چہرے کارنگ تھیں تو گرجا تھا۔
 ”دوسری طرف منڈ کر کے کھڑے ہو جاؤ! رضوان نے ایک

اور حکم صادر کیا۔
 ”تم لوگ... تم لوگ کون ہو... کیا تم کی آواز کا پتہ دے رہی تھی۔“
 ”میں سرخ کاڈ فیسر ہوں اور تمہارا کروانا جانتا ہوں لہذا تم صرف دی گروہ فضلہ شہر کی بحث میں الجھو گئے تو تمہارا سے کرداری جائے گی۔“
 ”میں...“
 ”منڈ دوسری طرف کرو، رضوان!“
 مشتاق چنگیزی نے اپنا رخ دوسری جانب کیا۔
 ”شاہ باجی! تم نے اب کچھ نیٹیم نے کہا اور ابی جیب سے ٹائبلوں کی ایک بڑھا۔ مشتاق کے قریب پہنچ کر وہ بولا۔
 ”بچو لاؤ... اپنی کمر!“
 مشتاق نے خاموشی سے تسلیم کی۔ وہ باندھنے لگا۔
 دس منٹ کے اندر اندر مشتاق میں بندھے چڑھے تھے۔ اُن کے نونل ہم بولنے سے روک دیا گیا تھا۔ اُن مہل میں وہ رضوان اپنا اصل کام شروع کرنے کے کام کا آغاز ہمیں مشتاق چنگیزی کی ہاتھ لہذا مشتاق کو اُس کے ملازم ستار کے ساتھ نکال کر ڈال دیا۔ دراصل میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ مشتاق چنگیزی کی نظر میں بھی آئے۔
 وہ کام یہ تھا کہ ہمیں مشتاق کے گھر کی ممکن تھا اُس تلاش میں ہمیں کوئی ایسی چیز کے مامی کے بارے میں کوئی نشاندہی کر سکی میں نے رائٹنگ ٹیبل کی تلاش لینا شروع کر لی۔
 الماری پر ہلکا ہلکا۔ وہ الماری کپڑوں کی نہیں تھی فائلیں اور کاغذات بکھرے ہوئے تھے۔ اور میں نے درازوں میں کاغذات ہی کو تھپتھپ کرنا تھا۔ ہاں فائدہ ہو گیا کیونکہ درازوں میں بہت زیادہ ہاتھ اور ٹھیکے میں کوئی کام کی چیز یا کچھ نہیں ملے گا میں نے مینے کے بعد بک خلیف اور دوسری شروٹ کیا۔ رضوان بدستور الماری ہی میں الجھا کاغذات سے بٹی پڑی تھی۔

سر ہانے مجھے جاپوں کا ایک گچھا ملا تو ہاتھ متوڑے ہوئے جو بستر کی دائیں جانب لگی جاپوں کو آزمانے کے بعد ایک پانی ہتھکھول کر میں نے اُسے بلٹ کرنا شروع کیا۔ میں نے نہیں تھیں ایک ناکل تھی جس میں بلٹ تھے۔ ایک پتکے سے جھڑپ میں تھا۔ غالباً یہ بلٹ مٹی سے تھی تھا پائیس۔ نوٹ بھی اُس سیف میں موجود تھے اور مارکی بھی تھا جو مشتاق چنگیزی نے سیف میں بھی نہیں مل سکی جو مشتاق چنگیزی اس بھی نشاندہی کر سکتی میں نے اُن سب ہتے دیا اور سیف بند کر کے جابیاں مہر لکھ دیں۔
 تو کچھ نہیں ملا، میں نے رضوان کے اندر میں کہا کہ کمال تک پہنچو“
 الماری دیکھی ہے؟ رضوان نے تختہ لٹا لپٹا اُمید ہے کہ اس میں سے کچھ ملے گا۔
 ”اب؟“
 ”لٹا کاغذات بھی ہیں الماری میں اور وہ میں نے ڈال دیا گیا ہے، جو بعض اس خیال میں آجائیں“
 ”اگر بیکار!“
 دوسرے کمرے کو دیکھتی ہوں۔ تم میرے کون سے نکلی۔ رابڈاری میں بڑا ہوا مشتاق چنگیزی جوتا تھا جیسے وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتا ہو۔ ٹیبل کی دوسرے وہ لے بس کا شیا تھا۔
 ”نہیں نظر ڈال کر دوسرے کمرے میں جاؤ۔“
 ”میں نے دیر میں سارے مکان کی تلاش کی، صرف اُس الماری کو دیکھ کر سب کچھ میں وہاں ایسا ہنر کر رہا تھا۔“
 ”اے اُس سے پوچھا۔“

”کوئی ایسی چیز تو نہیں مل سکی کہ مشتاق کے مامی پر روشنی ڈال سکتی لیکن ایک خالی لغافہ ملا ہے جو شاید کسی کام آسکے۔“
 ”خالی لغافہ...“
 ”ہاں!“ رضوان میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول پڑا۔ یہ ڈاک کا لغافہ ہے مگر اس میں کوئی خط وغیرہ نہیں ہے۔ رضوان نے ایک بوسیدہ سا لغافہ میری طرف بڑھایا۔
 ”میں لغافے کا بغور جائزہ لینے لگی اُس پر ایک عورت شائستہ عجیب کا نام اور بتا لکھا تھا۔ قلمدارہ بتا دے گا تھا۔ اُس پر لٹک بھی وہیں کے لٹکے ہوئے تھے۔ گویا وہ کوئی ٹوکل خط رہا ہوگا۔“
 ”اس پر تیس سال پہلے کی مہر لگی ہوئی ہے۔“ رضوان بولا۔
 میں اُس وقت ٹکٹ پر گئی ہوئی مہر ہی کا جائزہ لے رہی تھی۔ لغافے کی بوسیدگی کے باعث وہ مہر بھی دھندلی ہو گئی تھی لیکن خاصا غور کرنے کے بعد میں وہ تاریخ پڑھنے میں کامیاب ہو گئی۔ وہ رضوان کے بیان کے مطابق واقعی تیس سال پہلے کی تاریخ تھی۔
 ”ہوں!“ میں نے سوچتے ہوئے سر ہلایا۔ اس کا اس کا تو ہے کہ یہ لغافہ کام کا ثابت ہو جائے۔ یہ سوال خاصا اہم ہے کہ آخر یہ لغافہ مشتاق چنگیزی کے پاس کیوں ہے؟“
 ”باقی گھر کا جائزہ لے لیا ہے؟“
 ”ہاں، مجھے کوئی چیز نہیں مل سکی۔“
 ”تو پھر اب ہمیں یہاں سے چل دینا چاہیے۔ بحث و مباحثہ اپنے گھر پر بھی ہو سکتا ہے۔“
 ”ٹھیک ہے، آؤ!“ میں نے کہا اور لغافہ اپنی جیب میں رکھ کر دروازے کی طرف مڑی۔
 ”مشتاق وغیرہ کھانا کھا رہے؟“
 ”مختص ہیں، جو کچھ کھاتے ہیں۔“
 ”میں ہوش آچکا ہوں گا۔ اُسے دوبارہ بیوش کر کے اُس کے ہاتھ پر آکر درازوں میں لگے۔ اُس کے بعد جب اُسے ہوش آئے گا تو وہ خود ہی اپنے مالک اور اپنے ساتھی کی رسیاں کھول دے گا۔ جب ہم کمرے سے نکلے تو مشتاق چنگیزی نے بڑی جلدی سے ہمیں جالتے ہوئے دیکھا۔
 بیرونی دروازے کے قریب چوکیدار بڑا ہوا تھا اور میری توقع کے مطابق اُسے ہوش آچکا تھا۔ اُس نے خوفزدہ نظر سے ہماری طرف دیکھا۔ رضوان نے اپنا رولور نکال کر اُس کے ہتھ کو ایک بار پھر چوکیدار کی کپٹی پر آڑ ماریا۔

”یہ بے چارے خواہ مخواہ مزاحمت کرتے ہیں۔ میں نے
 ٹھنڈا سا سانس لے کر کہا۔
 رضوان نے جتنی بھڑکائی سے چوکیدار کو بلادھا تھا اتنی
 ہی بھڑکائی سے نائلوں کی قدریاں کھول بھی دیں۔ اُسے آزاد
 کر کے ہم مشتاق چنگیزی کے گھر سے نکلے۔ گھر سے نکلنے وقت
 ہم نے نقابیں اپنے چہرے سے اتار لی تھیں۔
 ذرا دیر بعد ہماری کار ویران راستوں پر فزکے ٹپکے
 رہی تھی۔
 میں نے رضوان کو اُس کے گھر ہی پر اتارا۔ راہ میں ہم
 دونوں گھنگھوڑے پر سوار تھے مگر وہ کسی اعتبار سے بھی تجویز
 نہیں تھی۔ یہ اچھا وارنٹ بائیں کرنے سے نہیں سچا تھا کہ دوئی
 کی ایک عورت شائستہ حبیب کو ملنے والے کسی خط کا لفظ
 مشتاق چنگیزی کے کاغذات میں کہاں سے آگیا؟
 رضوان کے گھر سے اپنے گھر کی طرف جاتے ہوئے بھی میرا
 ذہن اس سوال پر الجھا رہا اور ستر پر بیٹھے کے بعد بھی میں اس کو
 ذہن سے نہیں جھٹک سکی۔ یہاں تک کہ مجھے نیند نہ آئی۔
 صبح میں نے حبیب معمول اپنے دفتر کی ڈرائنگ کی اور
 ناشتہ وغیرہ کے بعد دفتر روانہ ہوئی۔ دفتر پہنچے ہوئے تھے اچھا
 گھنٹہ گزرا ہو گا کہ رضوان کا فون آگیا۔
 ”خیریت؟“ میں نے پوچھا۔
 ”رات ہی سے میرے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔“
 ”درد؟“
 ”یعنی وہ لفظ...“
 ”اوہ! میں نے ایک طویل سانس لیا۔ رضوان اب تک میں ایک
 ہی نتیجہ پہنچ سکی ہوں۔“
 ”بس نتیجہ معلوم ہو جائے تو میرے پیٹ کا درد ختم ہو
 جائے گا۔“
 ”نہیں! وہ اس قسم کا نتیجہ نہیں ہے کہ کھارے پیٹ کا درد
 بالکل ختم ہو سکے۔ دراصل اب مجھے کچھ یوں محسوس ہونے لگا ہے کہ
 سنگیت سے متعلق جو کمائی اب ہماری تنگاہوں کے سامنے پھیل
 ہوئی ہے، اُس کا آغاز شاید برسوں پہلے دوئی میں ہوا تھا اور
 اس آغاز کا بتا دوئی سے چل سکتا ہے۔ کیا تم میری خاطر ایسا کر
 سکتے ہو کہ...“
 ”آپ کی خاطر تو بہت کچھ کیا جاسکتا ہے۔“ رضوان نے خوشی
 سے کہا۔
 ”میں چاہتی ہوں کہ تم دوئی کا ایک چکر لگاؤ!۔“

”بس چکر لگانے سے کام چل جائے گا۔“
 ”کسی وقت سنجیدہ بھی ہو جائی گا۔“
 ”میں تو...“
 ”سنو! میں اُس کی بات کاٹی!۔“
 ہوں کہ تم دوئی جاکر اس عورت شائستہ
 معلومات حاصل کرو۔ نہ جانے اب وہ
 اگر حکی ہو تو بھی تمہیں اُس کی زندگی کے
 کرنا ہوگی۔ وہاں تم ایسے لوگوں سے بھاؤ
 کا رابطہ رہا ہے۔ اس سلسلے میں میرا
 شکیل کے والد سے بھی خاصی مدد مل
 تمہیں ڈاکٹر شکیل سے معلوم کہ بتاؤ
 ہو تم دوئی چلے جاؤ!۔“
 ”میں کل ہی چلا جاتا ہوں۔“
 ”وہنا کا بندوبست میں فورا کر۔“
 ”خاتون! مجھے معلوم ہے کہ آپ
 لیکن ایسے بچھوٹے موٹے کام تو یہ جتنی
 رضوان نے شاید ڈنڈہ بنا کر تھا۔
 ”بس تو بچھوٹے ٹھیک ہے۔ میں ڈاکٹر
 والد کا بتا کر تمہیں فون پر بتاؤں گا
 ”اگر آپ بھی ساتھ چلیں تو ڈاکٹر
 ”میں تمہیں وہاں کام کے لیے بھیج
 ہونے کے لیے نہیں۔ میں نے خشک لہجہ
 ”بہت ہے درمیان آپ!۔“ وہ
 لے کر کہا۔ ”اچھا خیر میں تیار ہوں!۔“
 آج رات تک ڈاکٹر شکیل کے والد کا ہاتھ
 ”ٹھیک ہے۔ میں نے سلسلہ
 سنگیت دفتر میں موجود تھی لیکن
 کمرے میں بھی نہیں ملایا۔
 شام کو جب میں دفتر سے گھر کی
 نے دیکھا کہ جس فریڈریک کار میو
 یہ تو واقعی شاید ہاتھ دھو کر
 نے سوچا مگر کیوں؟ یہ ایک نئی الجھا
 کا نامزدہ خرچ میں آئی دیکھیں کیوں
 ”اُس نے گھر تک میرا لٹا تھا کہ
 جب اندھیرا پھیل گیا تو میں لہ

دن کر کے اُس کے والد کا بتا معلوم کر لیا
 مگر لا میں نے خوشید سے وعدہ کر لیا
 ہاں ہاں انتظار کروں گی۔
 کوئی نئی ٹیڑھی میری درست نہیں
 میں آخر میں اپنی یہ جینوں کو کہاں لے
 ابھی نہیں نکلتی تھی۔
 اٹئی۔ یہ غالباً اس کی شہادت تھی کہ آج
 ہاں میں رہ رہا تھا اور بہت سی جان نیر
 کے لیے سارا کا جائزہ لیتے ہوئے معنی خیر
 ”ہیں!۔“
 ”ان بات میں ہیں۔ میں نے آپ کو اس
 میں دیکھا!۔“
 ”اب اس ضروری تو نہیں!۔ میں نے ہنر کر
 ”نہیں! ڈاکٹر مرقم کی طرف چل چکی۔
 ”میں جو آفتاب طلوع ہوا، اُس کی
 ”ان خاص ضرورت نہیں۔ میں تو اپنے
 ”تھنا نالخال“ ہی رہی لیکن آفتاب کی
 ”نہ نہ کر دی۔ وہ میرے پہلوں پروری
 ”مجھے جلا تا رہا۔ رات گئے جب میں
 ”کما پیرون کی بدلیاں چھانکیں اور
 ”ہنا گیا۔“
 ”مجھے ساتھ ہی ناشتہ کیا اور ناشتے
 ”ارے میں باتیں کرتے رہے خوشید
 کر رہی تھی کہ میں تاناری کی طرف سے
 ”ان مولی آدمی کو اہمیت دینے کے
 ”ہی نہیں نکلتی تھی جو عورت ڈاکٹر
 ”میں چوہہ وہ تاناری جیسے پیدلوں
 ”ہاں؟
 ”ٹھیک کر کے گھر سے روانہ ہوئی
 ”اگر اپنے دفتر کا رخ کیا۔ میں اس
 ”میں میرے تعاقب میں لگا ہوا تھا۔
 ”مگلت کو اپنے کمرے میں تو لایا لیکن
 ”ادوہ کسی سلسلے میں بات نہیں کی
 ”لہجہ سے پھر پھر چلے اور میں اُس
 ”ہاؤں۔ وہ میری محبوب تھی اور خوب

کی دید سے بھی محروم ہو جانا کتنا اذیتناک ہوتا ہے؟ اس
 کیفیت کو الفاظ کی گرہ میں نہیں باندھا جاسکتا۔
 شام کو جب میں دفتر سے گھر گئی تو یہی فریڈریک میسرے
 تعاقب میں لگا ہوا تھا۔
 اُس کے بعد یہ معمول ہی بنا رہا۔ میں جہاں بھی جاتی تھی فریڈریک
 سلسلے کی طرح میرے ساتھ لگا رہتا۔
 رضوان کو دوئی گئے ہوئے چار دن گزر چکے لیکن اُس کی طرف
 سے کوئی اطلاع بھی نہیں ملی۔ اللہ تعالیٰ سچ بھی کہے ہیں نے اُسے
 ہدایت کر دی تھی کہ وہ مجھے دونوں پر کچھ بندے اور نہ خط لکھے
 بلکہ خود واپس آئے کہ بعد ہی مجھے ممکن رہا روٹ دے۔
 اس دوران میں میری کوئی خاص مصروفیت بھی نہیں رہی۔
 گھر سے دفتر اور دفتر سے گھر اکبھی اکبھی میں شام کو تفریح کا کسی
 کلب یا جوتی میں چلی جاتی تھی اور جس فریڈریک اس وقت بھی میرا
 سایہ بنا رہا تھا۔ میں خود اُس سے کوئی نتیجہ بھی نہیں کرنا چاہتی
 بلکہ مجھے اُس کی طرف سے کسی اقدام کا انتظار تھا لیکن وہ انتظار تھا
 کہ مجھ کے انتظار کی طرح طویل ہوتا چلا جا رہا تھا۔
 ”ان دونوں میں میرے شلے کا رخ منڈل ہو چکا تھا اور اس
 پر کھڑکھڑاہٹ کی وجہ سے ڈرائنگ کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی
 تھی۔
 ”دونوں اور گزر گئے۔ اب مجھے رضوان کی طرف سے فکر
 لاحق ہو گئی تھی۔ اتنے دن میں تو اُسے یقیناً لوٹ آنا چاہیے تھا۔
 پھر جب آسمان دن آیا تو میں بہت پریشان تھی۔ اُس دن
 میں جیسے ہی دفتر پہنچی، سنگیت میرے کمرے میں داخل ہوئی اور اُس
 نے میرے قریب آکر گلاب کا ایک بھول میری طرف بڑھایا۔
 ”یہ کیا؟“ میں نے تعجب سے بولی۔
 ”گلاب ہے بانو! دیکھیے کتنی خوبصورت ہے۔ ہمارے گھر
 میں گلاب کا ایک گلاب ہے۔ آج جب میں گھر سے روانہ ہو رہی تھی
 تو یہ اُس میں لٹکا ہوا نظر آیا۔ مجھے اتنا اچھا لگا کہ میں نے اسے توڑ
 لیا۔ اسی وقت میں نے سوچ لیا تھا کہ یہ گلاب میں آپ کو دوں
 گی۔“
 ”شکریہ!۔“ میں نے مسکرا کر گلاب اُس کے ہاتھ سے لے لیا
 لیکن میرے دل کو ایک دلچسپ سا ساں لگا تھا۔
 سنگیت کمرے سے چلی گئی۔ میں اُس سے کچھ کہہ بھی نہیں سکی
 اور میں اُس گلاب کو کوئی بھی ری جو میری انگلیوں میں دبا ہوا تھا۔
 لوگ عموماً عقیدت یا محبت کے جذبے کے تحت بھولی کسی

کی نہ کرتے ہیں لیکن مراد ذاتی خیال ہے کہ اس میں ہونا چاہیے۔
تھکے میں ملتی ہوئی کوئی چیز مٹانے نہیں کی جاسکتی اور پھول ایسا چیز
ہے جسے مٹانے پر ہرگز ہمت نہ ہو۔ میں نے بھی اس
پھول کو مٹا دیا۔ مجھے سے بچانے کے لیے ایک کتاب میں رکھ دیا تھا
لیکن اس طرح پھول محفوظ ضرور ہو جاتا ہے لیکن ایک دن پتا چلا
جب وہ بالکل خشک ہو جاتا ہے اور ان کی یہ حالت دیکھ کر
بڑا کرب محسوس ہوتا ہے۔

بعد میں ایک عید کے موقع پر سنگیت نے مجھے ایک عید کاڈ
بھی دیا تھا۔ وہ پھول آج بھی اُس عید کا ڈھونڈ میں ہے پاس
محفوظ ہے اور جب کبھی میں اُس کی خشک پتیوں کو دیکھتی ہوں
تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے کسی نے میرا دل سوس کر رکھ دیا ہو۔
اُس روز جب سنگیت نے مجھے وہ پھول دیا تو میں اس خیال
سے بہت افسوس رہی کہ ایک دن یہ پھول مر جھال جائے گا۔

اگلے دن انوار تھا اس لیے میں دفتر نہیں گئی مگر پڑی میں
پڑی اُس پھول کے بارے میں سوچتی رہی کہ وہ سنگیت نے مجھے کس
جذبات سے تحفہ دیا تھا؟ عقیدت کی وجہ سے یا محبت کے باعث؟
تیسرے بہر تک میری طبیعت ان خیالوں سے اتنی بھرا گئی کہ
میں گھر سے نکل کھڑی ہو گئی۔

جیسے فرزند اُس روز بھی میرے تعاقب میں لگا ہوا تھا
لیکن گزشتہ دنوں کی طرح اس روز بھی میں نے اُسے کوئی اہمیت
نہیں دی۔ میرا دل بہت بھرپور تھا۔ میں شہر کے ایک خوبصورت
ہوٹل کی طرف جانگلی اور اُس کے کارٹخ کیا جہاں سوئمنگ
بول تھا۔

عورتیں اور مرد بول میں ڈبکیاں لگا رہے تھے اور تر رہے
تھے۔ عورتوں میں زیادہ تعداد فریکوئین کی تھی بول کے گرد کچھ
فرش پر وہ لوگ نیم دراز تھے جو نہانے تھے اور اب دوسروں کی
خوش فہمیاں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اس کے علاوہ کچھ
میز پر بھی کئی بولی مٹھیاں بن پر مٹیچے ہوئے لوگ مکمل لباس میں
تھے۔

ابھی میں سے ایک میز پر مجھے مشتاق چنگیزی نظر آیا میں نے
دیکھ کر چونکی اور پھر بے اختیار میرے قدم اُس کی طرف بڑھتے
چلے گئے۔

مشتاق چنگیزی بول میں ڈبکیاں لگاتے والوں کی طرف متوجہ
تھا اور اُس کے ہاتھوں پر مسکراتے ہوئے تھی لیکن جب اُس نے
مجھے دیکھا تو کچھ بڑا اداس اُس کے ہاتھوں سے مسکراہٹ کاغور
ہو گئی۔

”ہیلو“ میں مسکرائی۔

”ہیلو“ میں مسکرائی۔

”عجیب اتفاق ہے کہ آپ“

میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟ آپ کا کھانا

”ہاں، ہاں تو ایکلا ہی ہوں“

مشتاق چنگیزی کا لفظ ”ہاں“

ہی اُس کے معنی میری سمجھ میں آئے۔

ہمارے قریب، اچھی سی سیڑھی اُس نے کہا۔

پھر مشتاق سے انگریزی میں کہا۔

”وہ یورپین تھی لیکن میں اُس کے در“

اُس کی عمر سترہ اٹھارہ سال کے لگ بھگ تھی۔

میں اُس کا جسم اس طرح دیکھ رہا تھا کہ

میں نے وہ بلاشبہ ایسی تھی کہ اُسے نہ صرف

محسوس ہونے لگے۔

جب وہ جلنے کے لیے تڑپتی ہوئی

سایہ توڑتا تھا تو جلنے لگتا۔ اُس کی لڑکی کے راپا

کر دیا تھا کہ میں مشتاق چنگیزی کی موجودگی کو بھی

جیسے فرزند کو بھی بھلا رہا تھا جس کی نگاہ میرے

کو بہت فوری سے پھرنے لگی تھی۔ میں نے اُسے اس

لڑکی اُس کے قریب سے گزر کر گئے تھکی۔

جیسے فرزند پر نظر پڑتے ہی میں نے سمجھا

ہوئی نگاہ کو کتنا مشتاق چنگیزی کے چہرے پر پڑا

”شاید آپ میری دوست کو پہنچنے کی

مشتاق چنگیزی نے تو مجھے جیسے ہونے لگی تھی

”آں... آں... میں نے خود کو لڑکی کہا

”میرا خیال ہے کہ میں کچھ سال پہلے اس سے ہرگز

”میرا خیال ہے کہ میں کبھی ہرگز نہیں

نے راز مجھ میں کہا۔ وہ اٹلائی ہے اور خود اُس کا

زندگی میں پہلی مرتبہ اپنے وطن سے نکل کر

پرائی ہے“

”تو پھر مجھے غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ ملتے جلتے چہرے۔
میں بڑے جلدی میں۔ آپ سے اس اٹلائی لڑکی
کیسے ہو گئی؟ مشتاق“

”کہا آپ کہ اُس کے مارے میں بھی کوئی ضربنا تھا

”ہیلو“ میں مسکرائی۔

”ہیلو“ میں مسکرائی۔

”عجیب اتفاق ہے کہ آپ“

میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟ آپ کا کھانا

”ہاں، ہاں تو ایکلا ہی ہوں“

مشتاق چنگیزی کا لفظ ”ہاں“

ہی اُس کے معنی میری سمجھ میں آئے۔

ہمارے قریب، اچھی سی سیڑھی اُس نے کہا۔

پھر مشتاق سے انگریزی میں کہا۔

”وہ یورپین تھی لیکن میں اُس کے در“

اُس کی عمر سترہ اٹھارہ سال کے لگ بھگ تھی۔

میں اُس کا جسم اس طرح دیکھ رہا تھا کہ

میں نے وہ بلاشبہ ایسی تھی کہ اُسے نہ صرف

محسوس ہونے لگے۔

جب وہ جلنے کے لیے تڑپتی ہوئی

سایہ توڑتا تھا تو جلنے لگتا۔ اُس کی لڑکی کے راپا

کر دیا تھا کہ میں مشتاق چنگیزی کی موجودگی کو بھی

جیسے فرزند کو بھی بھلا رہا تھا جس کی نگاہ میرے

کو بہت فوری سے پھرنے لگی تھی۔ میں نے اُسے اس

لڑکی اُس کے قریب سے گزر کر گئے تھکی۔

جیسے فرزند پر نظر پڑتے ہی میں نے سمجھا

ہوئی نگاہ کو کتنا مشتاق چنگیزی کے چہرے پر پڑا

”شاید آپ میری دوست کو پہنچنے کی

مشتاق چنگیزی نے تو مجھے جیسے ہونے لگی تھی

”آں... آں... میں نے خود کو لڑکی کہا

”میرا خیال ہے کہ میں کچھ سال پہلے اس سے ہرگز

”میرا خیال ہے کہ میں کبھی ہرگز نہیں

نے راز مجھ میں کہا۔ وہ اٹلائی ہے اور خود اُس کا

زندگی میں پہلی مرتبہ اپنے وطن سے نکل کر

پرائی ہے“

”تو پھر مجھے غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ ملتے جلتے چہرے۔
میں بڑے جلدی میں۔ آپ سے اس اٹلائی لڑکی
کیسے ہو گئی؟ مشتاق“

”کہا آپ کہ اُس کے مارے میں بھی کوئی ضربنا تھا

”ہیلو“ میں مسکرائی۔

”ہیلو“ میں مسکرائی۔

”عجیب اتفاق ہے کہ آپ“

میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟ آپ کا کھانا

”ہاں، ہاں تو ایکلا ہی ہوں“

مشتاق چنگیزی کا لفظ ”ہاں“

ہی اُس کے معنی میری سمجھ میں آئے۔

ہمارے قریب، اچھی سی سیڑھی اُس نے کہا۔

پھر مشتاق سے انگریزی میں کہا۔

”وہ یورپین تھی لیکن میں اُس کے در“

اُس کی عمر سترہ اٹھارہ سال کے لگ بھگ تھی۔

میں اُس کا جسم اس طرح دیکھ رہا تھا کہ

میں نے وہ بلاشبہ ایسی تھی کہ اُسے نہ صرف

محسوس ہونے لگے۔

جب وہ جلنے کے لیے تڑپتی ہوئی

سایہ توڑتا تھا تو جلنے لگتا۔ اُس کی لڑکی کے راپا

کر دیا تھا کہ میں مشتاق چنگیزی کی موجودگی کو بھی

جیسے فرزند کو بھی بھلا رہا تھا جس کی نگاہ میرے

کو بہت فوری سے پھرنے لگی تھی۔ میں نے اُسے اس

لڑکی اُس کے قریب سے گزر کر گئے تھکی۔

جیسے فرزند پر نظر پڑتے ہی میں نے سمجھا

ہوئی نگاہ کو کتنا مشتاق چنگیزی کے چہرے پر پڑا

”شاید آپ میری دوست کو پہنچنے کی

مشتاق چنگیزی نے تو مجھے جیسے ہونے لگی تھی

”آں... آں... میں نے خود کو لڑکی کہا

”میرا خیال ہے کہ میں کچھ سال پہلے اس سے ہرگز

”میرا خیال ہے کہ میں کبھی ہرگز نہیں

نے راز مجھ میں کہا۔ وہ اٹلائی ہے اور خود اُس کا

زندگی میں پہلی مرتبہ اپنے وطن سے نکل کر

پرائی ہے“

”تو پھر مجھے غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ ملتے جلتے چہرے۔
میں بڑے جلدی میں۔ آپ سے اس اٹلائی لڑکی
کیسے ہو گئی؟ مشتاق“

”کہا آپ کہ اُس کے مارے میں بھی کوئی ضربنا تھا

”منظور!“ میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔
 اس نے بڑی گرم جوشی سے میرا ہاتھ دھارنا جس کے نرم دلائم
 ہاتھ کے ٹس نے میرے رگ دہلے میں سرسری ایک لہر دوڑادی

تو پھر میں اس کمبخت کے بارے میں سوچوں بھی
سوچا اور اسے دہن سے جھٹک کر پھر سونکا
چنے لگی۔ میں جانا چاہتی تھی کہ وہ اس ہومل
میں مقیم ہے! یہ بات معلوم کر لینے میں کوئی حرج نہیں

میرٹھ نے خوابگاہ میں ہی کھانا منگو لیا۔ کھانا ملا تو مرٹھ کے دل لہانے بھی لائی۔

رضیہ، میری بہن، مجھے دنیا میں کوئی بھی اس کے پیارہ
 نہیں ہو سکتا تھا اور میں اس بات سے باخبر تھی کہ رنسیبہ دل
 گرائی سے رضوان کو چاہتی ہے۔ یہ اس کا اپنا ایک فلسفیانہ
 تھا کہ وہ رضوان سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن اس میں
 کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ رضوان کو بڑی شہرت

گنا ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی
جانتا ہے۔
”یہ میرا دوست البرٹ ٹیٹ ہے۔“
اسے پانی سے بہت خوف آتا تھا۔ ”اس
البرٹ ٹیٹ کا ایک اُس نے کہا
”سینا مجھے دیکھنے سے بہت کوشش
ہے کہ مجھے فقرے کہنے کا فن نہیں آتا۔“
”اُس کے سامنے اس سے دعا
ہو۔“

کہا اور سونیا کھینچ لاکر بیٹھ چکی۔
مشائق بالکل چپ تھا۔
سونیا مجھ سے بولی یہ تو آپ مقابلہ
آئی ہیں نا؟
”سرفہیدہ!“
”آپ کا سوئٹنگ ڈولرس؟“

”یہ ہے“ میں نے اُسے پیکٹ دکھا
”گڈ! تو پھر آپ بطوری سے ہیں کہ آ
میں اُس طرف چلی گئی جہاں لباس
میں سوئنگ ڈریس پہن کر دوبارہ اُن کو لوگو
نے بڑی گہری نظر سے میرے سراپا کا جائزہ ل
بولی: ”ہاؤ سوئیٹ! آپ کتنی متناسب! لا
میں اُس کی بات کا جواب گولی کہنے
میں نے کہا: ”مہربان ہو، ہمارے مقالے کا

آپ ہی بتائیں گے کہ ہم میں سے کون جیتا؟
 "لیکن یہ فیصلہ میں کس بنیاد پر کروں؟"
 آپ کا وہ تو بیات نوٹ کرنا ہو گا!
 دیر تک اپنی ہی گھڑائیں میں رہ سکتا ہے اور
 لوں پہلے ٹھکانا ہے، کیوں سوینا! ٹھیک ہے
 "بالکل ٹھیک!"
 "تو پھر رڈو!"

ہم دونوں تقریباً دو دو کرپول کے کنارے
 یابی میں پھلنا لگیں۔ ہمارے علاوہ بھی
 ہیں اور سوئیا دو تین منٹ تو یابی کی سطح
 کے بعد اچانک میں نے غوطہ کھایا اور سوئیا کو
 بھی گرائی کی طرف کھینچے چلی گئی۔ جند نہ کہ
 نے سوئیا کی ٹانگ چھوڑ دی اور ہاتھ کھڑا

ہینڈلی سے اس طرح جب کہ کئی مجلسیں کہ معلوم ہوتا تھا جلسے ہری
 لکھنؤ میں ہینڈلی میں کوئی تقاضا طاعت ہے۔ میں
 اُسے نیچے کہ طرف لکھنؤ ہی جلسے علی گڑھی۔ یہاں تک کہ پہلی کی انتہائی
 گرائی میں اُس نے فرض باب پہنچ گئے ہیں میں نے مسو کی کیا تھا کہ سونیا
 اب اپنی اہم چیلنے کی کہ کشش ہی نہیں رہی تھی میں نے
 اُسے ایک ہفتہ دے کہ کچھ اور نیچے کیا جب کہ خود ذرا سا اچھڑا گئی۔
 اب میں نے سونیا کے گھر میں باہنیں ڈال دیں۔ جواب سونیا نے
 امریل کی طرح لپٹ گئی۔

پانی کی گھڑیاں ہیں، آگ بھڑک رہی تھی، بتھوڑوں کی زبانیں
 ہمیں چاٹ رہی تھیں۔ جی تو میری چادر ہانقا کہ عزم نادیر لڑک
 آگ سے کھیلنے رہیں لیکن پانی کی گھڑیاں ہیں یہ نہ لگاؤں تھا۔ آخر
 ہر کم تک سانس روک سکتے تھے، ہنچے سے پہلے سوہنا نے حمت
 بار دی۔ سانس دے رکھنا اب اس کی برداشت سے ماہر
 ہو گیا تھا۔ وہ اپنا کم مچھ سے جدا ہو گئی اور تیزی سے سرخا ہوا

کی طرف اُٹھنے لگی۔ اب میں نے بھی اپنے جسم کو ڈھبلا چھوڑ دیا اور وہ گھیس بھرے مجھے غبارے کی طرح اُڑایا کھٹک جلا گیا۔ میں سونیا کے قریب ہی سطح پر اُڑا بھری۔ سونیا بہت لمبے لمبے سانس لے رہی تھی۔ پانی میں تھیکا جاؤں گے کا دھڑک اُس کا چہرہ انگارے کی طرح دھک رہا تھا۔ تپیش اُن جذبات کی تھی جو پانی کی گہرائی میں رہ کر محسوس ہوتے تھے مگر کشتہ اُسود کی اُن متعذرتیں سن سکا تھا۔ غالباً کچھ ایسی ہی کیفیات اُس وقت میرے چہرے پہ بھی ہوں گی۔

البرو نے خنز کو بتایا کہ میں نے پھر ایک پوائنٹ جیت لیا ہے۔
سو نیامیری طرف دیکھتے ہوئے عجیب سے انداز میں ہنس
پڑی مایہ معلوم ہوتا تھا جسے وہ البرو کی حماقت پر ہنسی کہہ رہا تھا۔
پیرامی کے پوائنٹس گن رہا تھا اور ادھر ہم کچھ دوسرے ہی پوائنٹس
پر محاذ لڑ رہے تھے۔
میں نے ایک جتنی سی نظر شائقین کی بڑی پر بھی ڈالی تھی اور
اندازہ کر لیا تھا کہ وہ حقیقت کو بڑی طرح سمجھ رہا ہے۔

جب میرے اردو سونیا کے مراسم پوری طرح کاغذ بن گئے
تو عمر ایک بار پھر پانی کی گربانی میں چلے گئے گویا آج صوفی ہی
پایا تھا کہ گربانی میں نانی مانیں، اُن کو بھی گربانی میں جہاں رہنا
کا ترقیم پھر جاتا ہے اور تلقین کرتے ہوئے چشمے والوں کو دہاں ہوتے
جس کی جہاں پہنچ کر یوں محسوس ہونے لگتا ہے جیسے میں آتش فشاں
کے دہانے پر کھڑے ہو گئے ہوں۔ آگ کا کام جلانا ہے مگر ایک

سونیا کافی بنانے لگی کیونکہ شائق اب چند قدم کے فاصلے پر پہنچ گیا تھا۔
 میں نے کن انکھیلوں سے دیکھا کہ خزنہ کا وارڈھی والا بھی مڑکھٹا ہوا چلا رہا تھا۔ اُس کے پیچھے جس فریئر رکھائی نہیں دیا لیکن ہے وہ کسی اور طرف سے باہر چلا گیا۔
 سونی نے چار پائیبلوں میں کافی بنا ڈالی اور اسے میں ابل رہی تھی۔
 سونیا کا سگریٹ کا کینڈے لے آیا۔

کافی پتے جوئے میرا ذہن اس سوال میں الجھ رہا تھا کہ شقائق
نے جیس فریزر کو میرے پیچھے کیوں نگار رکھا ہے یہ کیا دیر چاہتا ہے
کہ فریزر سے میرے خلاف کوئی ایسی پلورٹنگ کروادے جو میری سماج
پر ضرب لگا سکے۔

مجھے اس بات پر تعجب ہو رہا تھا کہ میں جس معاملے کو کوئی غیر معمولی حیثیت نہیں دے رہی تھی، وہ انتہائی غیر معمولی ثابت ہوتا جا رہا تھا۔ بات جاری تھی، سنگت سے اور میں نے سمجھا تھا کہ اس کے

باب رام لال کی دولت پر شائق جنگیزی کا قبضہ ملکہ میگنہی کے ذریعے ہو سکتا ہے۔ اب میں یہ جاننا چاہتی تھی کہ وہ بیک میگنہی

اس وقت کیا ہے لیکن یہ جاننے کا چکر کس طرح میلہ کہ صورت حال
گھبرے گھبرے ہوئی ہے۔ اب تو ایسا معلوم ہونے لگا تھا جیسے اس
معدے کی شاخیں، کنوئیں کی طرح ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ نوبت

یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ ایک شخص کو خاص طور پر دوپٹی سے کراچی
اس لیے بھیجا گیا تھا کہ وہ مجھے قتل کر دے اور میں ان معاملات
کو حل کر سکوں۔

مجھے سلیقتا یاد آئی تو میرے دل میں کسک سی ہوئی۔ یہ میری زندگی کا پہلا تجربہ تھا کہ کسی لڑکی نے مجھے اس طرح متاثر کیا تھا۔

میں لاکھ غم و دریاں سے اُجھڑی رہی لیکن شب و روز کے مختلف لمحات میں وہ مجھے یاد فر دلاتی تھی۔ اس سلسلے میں میرا المیہ یہ تھا کہ وہ ڈاکٹر شکیل سے محبت کرتی تھی۔ میرے لیے اُس کے دل میں

صرف احترام تھا، عقیدت تھی۔ کاش وہ عقیدت محبت میں بدل سکتی، لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ عجزِ جبر و اختیار کے دائرے میں نہیں آتا۔

اور مشتاق کی باتیں سن ہی نہ سکی۔ میں اُس وقت چوڑکی بھی جبے
البرٹو اور مشتاق اٹھ کر دہال سے چل دیے تھے۔

”اوہ... یہ کہاں جا رہے ہیں؟ میں نے جرنل کو سونے سے روک دیا۔“

”کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔“ سوتیا سارے اچکا کر بولی

اب میرا دماغ چمک اٹھا۔ کیا میں اس سنگم کو کوئی
ساتھ لے سکتی ہوں؟
ساتھ میں دیٹر کافی لے کر آ گیا۔

پٹ کر دیکھا۔ شتاق خاصا قریب آچکا تھا۔
 میں فون کر لوں گی۔“ میں نے آہستہ سے کہا۔

”و تو چہرہ کیوں نہ انداز چل کر بیٹھا جائے؟“
 سونیانے میری اس تجویز سے اتفاق کیا اور ہم چاروں
 وہاں سے اُٹھ کر ہوٹل کے اسٹیک بار میں جا بیٹھے۔ سونیانے
 کافی کارڈ ڈیا۔
 ”سنا،“ مشتاق سیٹ ایجے میں بولا ”کیا آج کا پروگرام
 مس کرنے کا ارادہ ہے؟“

”مشتاق نے اچانک پروگرام بدل دیا۔ اُسے میرے ساتھ تفریح کرنے جانا تھا لیکن ابھی ابھی اُسے کوئی خاص کام یاد آگیا۔ اُس کا خیال ہے کہ اس کام میں البرٹوس کی کچھ مدد کر سکتا ہے، اسی لیے وہ البرٹو کو بھی اپنے ساتھ لے گیا ہے لیکن ابھی جب یہ باتیں ہو رہی تھیں تو آپ کی اونچی طور پر ہال سے غائب تھیں؟“

”ہاں!“ میں نے مسکرا کر کہا۔ ”میں تمھارے سر میں ڈوبی ہوئی تھی اور جب انسان سرور کی حالت میں ہوتا اُسے ارد گرد کا سرش نہیں رہتا۔“

لیکن مجھے اتنا بوش مزدور تھا کہ میں نے اُس دھڑی والے لنگوے کو بھی سٹیک بار سے جاتے ہوئے دیکھ لیا۔ کم از کم مجھے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے وہ البرٹو درشتان کے پیچھے گیا ہو۔

مگر کیوں؟ یہ ایک اہم سوال تھا۔ وہ تو ہال اس لیے آگیا تھا کہ مجھے قتل کرنے کی کوئی راہ نکالے لیکن وہ مشتاق کے پیچھے چلا گیا۔ وہ اُس وقت بھی مشتاق کے پیچھے گیا تھا، جب مشتاق آنا ٹھہر دیم کے بھانے جس فریزر کے پیچھے گیا تھا۔ تو کہیں ایسا تو نہیں کر رہا

سب لوگ مل جل کر مجھے قتل کرنے کے لیے کوئی لاٹھیا مغل مرتب کرنا چاہتے ہوں؟

”آپ کچھ نہیں کھو گئیں؟“ سونیا نے مجھ کو لکھا۔

”آں... آں... میں چونکی اور اُس کی طرف بھیجی ہوئی مسکراتے لگی۔

”کیا خیال ہے؟“ وہ بائیں آنکھ دبا کر بولی۔

”کیسا خیال؟“

”میدان صاف ہو چکا ہے۔“

”تو پھر؟“ میں نے اُس کی بات سمجھنے کے باوجود سٹکس لکھا۔

”اوپر کمرے میں جلتے ہیں؟“

”ایک منٹ! میں ذرا پانی پی لوں!“ میں نے بیڑی کو اشارہ کیا۔

”لیکن ابھی آپ نے کافی پی ہے؟“ سونیا نے یاد دلایا۔

”کوئی خرچ نہیں، مجھے اس سے نقصان نہیں ہوتا۔ اس وقت مجھے دماغ نے کیوں بہت زور کی پکاس لگ رہی ہے جیسے معلق خشت ہو رہا ہے۔“

لیکن بات صرف اتنی تھی کہ میں سونیا کے کمرے کا دروازہ کھولنے سے پہلے کچھ سوچنے کی ہمت چاہتی تھی۔ پانی پینے کے بھانے مجھے یہ ہمت مل گئی تھی مجھے مشتاق کا اچانک جلاہانا تو عجیب سا محسوس ہوا تھا۔ میں سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ جان کو بھوکہ مجھے اور سونیا کو

لیکن ابھی میں نے مسکرا کر کہا۔ ”میں تمھارے سر میں ڈوبی ہوئی تھی اور جب انسان سرور کی حالت میں ہوتا اُسے ارد گرد کا سرش نہیں رہتا۔“

لیکن مجھے اتنا بوش مزدور تھا کہ میں نے اُس دھڑی والے لنگوے کو بھی سٹیک بار سے جاتے ہوئے دیکھ لیا۔ کم از کم مجھے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے وہ البرٹو درشتان کے پیچھے گیا ہو۔

لیکن ابھی ابھی اُسے کوئی خاص کام یاد آگیا۔ اُس کا خیال ہے کہ اس کام میں البرٹوس کی کچھ مدد کر سکتا ہے، اسی لیے وہ البرٹو کو بھی اپنے ساتھ لے گیا ہے لیکن ابھی جب یہ باتیں ہو رہی تھیں تو آپ کی اونچی طور پر ہال سے غائب تھیں؟“

”ہاں!“ میں نے مسکرا کر کہا۔ ”میں تمھارے سر میں ڈوبی ہوئی تھی اور جب انسان سرور کی حالت میں ہوتا اُسے ارد گرد کا سرش نہیں رہتا۔“

میشہ میرا شوق ہے۔ وقت گزاری کا ایک اس طرح تم جیسی سہرا پاؤں سے درست

میں نے لگی کہیں ایک بہت بڑی مسمر کی اور بار دنیا کے کئی ملکوں میں پھیلا ہوا ہے۔

لت گزاری کے لیے چھوٹی تھیں لیکن سونیا نظر نہ لگی۔ اپنی باتوں میں گھڑ گیا اور

مصر ت! سونیا کا سر سے اترتی ہوئی ٹولی اس گھر پر تھا۔

اندرونی حصے متعین بہت ہی زیادہ پسند ن کا ہاتھ تھا مگر کمرہ اندر کے کی طرف مچی تھی

سے ایک کمرے کا ٹول تو تھیں کچھ طلسماتی رہے کہ کلوڈم کتنی بولے

وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ اُس کی خاموشی کا سبب تھی جس نے مجھے بھی ہٹ کر رکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ایک نیکی تھی جو ہر آدمی کے سامنے آگئی اور اُس کی گردن پر کس پر چمک گئی۔ وہ عینک تھی، لیکن اس

مردم پر تھا جیسے اُسے تن بدن کا بوش نہ ہو۔ وہ بی تھی اور آنکھیں انکاروں کی طرح دیک رہی تھیں۔

جہوئے بہت زیادہ وقت گزر چکا تھا۔

پیشہ میرا شوق ہے۔ وقت گزاری کا ایک اس طرح تم جیسی سہرا پاؤں سے درست

میں نے لگی کہیں ایک بہت بڑی مسمر کی اور بار دنیا کے کئی ملکوں میں پھیلا ہوا ہے۔

لت گزاری کے لیے چھوٹی تھیں لیکن سونیا نظر نہ لگی۔ اپنی باتوں میں گھڑ گیا اور

مصر ت! سونیا کا سر سے اترتی ہوئی ٹولی اس گھر پر تھا۔

اندرونی حصے متعین بہت ہی زیادہ پسند ن کا ہاتھ تھا مگر کمرہ اندر کے کی طرف مچی تھی

سے ایک کمرے کا ٹول تو تھیں کچھ طلسماتی رہے کہ کلوڈم کتنی بولے

وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ اُس کی خاموشی کا سبب تھی جس نے مجھے بھی ہٹ کر رکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ایک نیکی تھی جو ہر آدمی کے سامنے آگئی اور اُس کی گردن پر کس پر چمک گئی۔ وہ عینک تھی، لیکن اس

مردم پر تھا جیسے اُسے تن بدن کا بوش نہ ہو۔ وہ بی تھی اور آنکھیں انکاروں کی طرح دیک رہی تھیں۔

جہوئے بہت زیادہ وقت گزر چکا تھا۔

پیشہ میرا شوق ہے۔ وقت گزاری کا ایک اس طرح تم جیسی سہرا پاؤں سے درست

میں نے لگی کہیں ایک بہت بڑی مسمر کی اور بار دنیا کے کئی ملکوں میں پھیلا ہوا ہے۔

لت گزاری کے لیے چھوٹی تھیں لیکن سونیا نظر نہ لگی۔ اپنی باتوں میں گھڑ گیا اور

مصر ت! سونیا کا سر سے اترتی ہوئی ٹولی اس گھر پر تھا۔

اندرونی حصے متعین بہت ہی زیادہ پسند ن کا ہاتھ تھا مگر کمرہ اندر کے کی طرف مچی تھی

سے ایک کمرے کا ٹول تو تھیں کچھ طلسماتی رہے کہ کلوڈم کتنی بولے

وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ اُس کی خاموشی کا سبب تھی جس نے مجھے بھی ہٹ کر رکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ایک نیکی تھی جو ہر آدمی کے سامنے آگئی اور اُس کی گردن پر کس پر چمک گئی۔ وہ عینک تھی، لیکن اس

مردم پر تھا جیسے اُسے تن بدن کا بوش نہ ہو۔ وہ بی تھی اور آنکھیں انکاروں کی طرح دیک رہی تھیں۔

جہوئے بہت زیادہ وقت گزر چکا تھا۔

سوسیانے سر ملایا، ہمدردانہ انداز میں سنگیتا کے شانے پر تھپکی دیا اور اگر کڑھ کر ٹھنکی میں بیٹھ گئی۔ سنگیتا زار و قطار روتے جا رہی تھی۔ اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں اور وہ نڈھال ہوتی چلی جا رہی تھی۔ میں اُسے سمارا دیے ہوئے ڈرائنگ روم میں لے آئی، اُسے ایک صوفے پر لٹایا اور اُس کا سر اپنی گود میں رکھ کر آہستہ آہستہ اُس کا کال پتھری دی۔ میں اُس سے معلوم کرنا چاہتی تھی کہ شکیل کی موت کب اور کیسے واقع ہوئی لیکن وہ اس حال میں تھی ہی نہیں کہ تفصیل سے کوئی بات بتا سکتی اس لیے میں نے اُسے روکنے دیا۔ میں نے اُسے چپ کرانے کی بھی کوشش نہیں کی۔ میں چاہتی تھی کہ اچھی طرح مدد کر اُس کے دل کی جھڑاس نکل جائے۔

مجھے جو سات منٹ تک انتظار کرنا پڑا۔ اس عرصے میں وہ اتنی نڈھال ہو گئی تھی کہ تقریباً حشری کا سا عالم ہو گیا تھا میں نے ملازم سے پانی منگا کر اُسے پلایا۔ اُس نے بشکل دودھن گھونٹ لیا اور اُنھیں بند کر کے لیے لیے سانس لینے لگی۔

”سنگیتا! میں نے بڑے پیار سے اُس کی پیشانی چومنے ہونے لگا۔ اپنے دل کو سنبھالو چند! بہت سے کا لو۔ آخر یہ سب کیسے ہو گیا؟ کچھ تو بتاؤ!“ سنگیتا نے بولنے کی کوشش کی مگر اُس کے ہونٹ لپکپا کر رہ گئے اور اُنھوں کے گھونٹوں سے پھر ہی جھلکے لگی۔

میں نے بیادھر سے انا بیس اُسے ڈانٹا۔ اب اگر تم دوش تو میں بھی تم سے روٹ جاؤں گی!

سنگیتا نے بے اختیار میری کمر میں ہاتھ ڈال دیے اور میری گود میں مٹ جھپکا کر سکنے لگی۔ میں نے اُس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا: ”ہمت... چند... بہت!“

آخر میں شکیل تمام سنگیتا کو بولنے پر آمادہ کر سکی۔ اُس نے ایک ایک کمر سکایا لیتے ہوئے مجھے بتایا کہ ایک ٹرک بہت دور سے شکیل کی کار سے ٹکرا ہوا اور گر گیا تھا۔ اُس ٹرک کے نتیجے میں کار کا اسٹرینج شکیل کے سینے میں دھس گیا تھا اور اُس کی ساری پسلیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ اُسے جاں کنی کے عالم میں ہسپتال پہنچایا گیا تھا جہاں کئی ڈاکٹروں نے اُس پر فوری توہیاتی عمل کیا لیکن وہ کسی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکے تھے۔ ہسپتال پہنچنے کے بعد ہی سنج منٹ کا زمانہ ڈاکٹر شکیل کی روح غصہ غری سے پرواز کر گئی تھی۔

یہ سب کچھ سننے ہی میرے ذہن میں اس خیال نے سر اُٹھایا کہ شکیل کی موت ایک اتفاقی حادثہ نہ تھی بلکہ اُسے سازش کے

تحت ہلاک کر دیا گیا تھا؟ سازش کا مکمل کرنے کی کوشش اس سے پہلے بھی ہو چکی تھی۔ علیحدہ رکھنے کا سامان کیا گیا تھا اور ڈاکٹر ایک سہارا ہی تھا۔ ممکن ہے کہ وہ سہارا بھی، میرے استفادہ پر سنگیتا نہ رہا۔ اُنھوں کے سامنے ہوا تھا۔ وہ شاپنگ کے نئے شکیل کی کار کو گزرتے دیکھا شکیل کی کار اس لیے وہ گڑا جلا گیا لیکن سنگیتا نے اُنہیں بیٹھی۔ شکیل نے چونکہ سنگیتا کی طرف سامنے سے ایک ٹرک دھنسا ہوا آیا اور اُس کا ہوا گزر گیا۔ ٹرک ڈرائیور نے وہاں سے گئے گا تھی اور فرار ہو گیا تھا۔

شکیل کی پچھلی ہونٹ کی کار سے اُس کو، ایک کانٹیں ہسپتال پہنچا گیا تو سنگیتا بھی اُس پولیس فوراً ہسپتال پہنچ گئی لیکن شکیل کی یہ کار کامیاب نہیں کیا جاسکا اور پتہ تو شکیلی کی حالت ہم سے کچھ کر گیا۔

”کیا کسی نے اُس ٹرک کا پیچھا نہیں کیا؟“ سے پوچھا۔

”مجھے علم نہیں؟“ سنگیتا نے جواب دیا۔ اہا کے سوتے شکیل پر چھتے تھے اور وہ میرے برابر تھا اُس کا چہرہ بالکل سفید اور پتھر ایا ہوا سا لگا رہا تھا۔ خرابی میں تک رہی تھیں، جیسے وہ وہاں اپنے کھٹے کو ڈھونڈ رہی ہو۔

”دوسری نے اُس ٹرک کا پیچھا نہیں کیا؟“

”نہیں، مجھے تو نہ جانتے کیسے ہے۔ ذہن پر مگر تھا لیکن پولیس کو وہ مشاغل اور پٹی میں تھے۔ اُن نے کچھ اور غم نہ بتایا ہے۔ پولیس میرے بیان کردہ خبروں اُن دونوں کے بتاتے ہوئے خبروں پر اعتبار کر رہی ”کیوں؟“ میرے ذہن میں کچھ شکوک اُبھرے ”پولیس آفیسر کے خیال کے مطابق میں چونکہ ڈاکٹر منٹ تعلق رکھتی تھی اس لیے وہ حادثہ دیکھ کر میرے پاس آگیا ہیں جبکہ اُن دونوں آدمیوں کے ساتھ ایسی کوئی بات نہیں، دوسرے یہ کہ وہ دونوں آدمی چونکہ ایک دوسرے سے کوئی رکھتے تھے لیکن کامیاب ایک سا ہے لہذا میری بات اُن کے

دل خاص نہ ہو سکتی لیکن اُن میں مانا اور پہچان۔ تمہارے خیال میں اُس ٹرک کا نمبر

لہر بتایا جو میں نے اپنی نوٹ بک نکال کر لکھ لیا، اُن دونوں آدمیوں نے کیا نمبر بتایا ہے؟

”ہاں! اگر یہ سازش ہے تو پھر اُن دونوں آدمیوں کا ہاں ہی۔ اس طریقے سے پولیس کو غلط راستے پر لے جا سکتی تھی لیکن مجھے یقین تھا کہ اگر یہ سازش تھی تو بڑی آسانی سے اُس کو ڈھونڈ لیں گے۔ میں نے اُن آدمیوں کا پتا پوچھا مگر اُس نے لاپرواہی سے کہا کہ اُن دونوں آدمیوں کے بارے میں معلوم ہوا دل مشکل بات نہیں تھی۔

”میں سنگیتا سے ایک سوال کرتے کرتے ٹرک اُٹھنا چاہتی تھی کہ اب شکیل کی لاش کہاں ہے، مگر بزدل پرانے سنا۔ میں جانتی تھی کہ یہ حقیقت اس لفظ سے دکھ پہنچے گا۔

”اُن کہاں ہے؟“ میں نے آہستہ سے پوچھا۔

”سنگیتا کے ہونٹوں پر دمدمی غماں شکیل کے شکیل کے بارے میں پوچھ رہی ہیں یا اُس کی لاش؟“ سنگیتا کی آواز دھجرا گئی اور اُنھیں ایک بار دھجرا

اُس کا شانہ تھپکا اور لولی بہت سے کا او سنگیتا! ”دیا سے روٹھ جانے والوں کو کبھی نہیں منایا جاتا۔ مگر کرنے والے دونوں وہ جہنم زندہ رہتے ہیں۔ نامرغیہ زندگی جھوکو شکیل تمہارے دل میں زندہ ہے گا۔“

”سنگیتا نے ایک ٹھنڈا سانس لے کر اپنی آنکھوں ہونٹے کہا: ”اب وہ صرف دوسری جگہوں پر زندہ اُن میں پائے باپ کے دل میں!“

”مجھے خیال آیا کہ اُس کے باپ کو اطلاع دے دوں۔ اُنہیں فون پر بتا دیا گیا ہے۔ وہ آج رات کسی وقت چلی جائے گی۔ ہسپتال سے شکیل کی لاش اُٹھ کر

حوالے کی جلتی گی“

”ہوں!“ میں سر ہلا کر سوچنے لگی کہ اب مجھ اس معاملے کی چھان بین کے لیے نکل پڑنا چاہیے۔ میں نے سنگیتا سے کہا: ”جو میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑاؤں“

”نہیں! بانو! آپ کیوں تکلف کرنا چاہتی ہیں؟ میں خود ہی چلی جاؤں گی۔ جس طرح یہاں آگئی، اُسی طرح اپنے گھر بھی جا سکتی ہوں۔ نہ جانے وہ کون سا جذبہ تھا جس کے تحت میں اپنے گھر جانے کی بجائے سیدھی آپ کے پاس آگئی؟“

”وہ جذبہ... میں خفیف سی شکرانی“ میں جانتی ہوں، وہ کون سا جذبہ تھا؟ وہ جذبہ محبت کا جذبہ سنگیتا جسے تم عقیدت کا نام دیتی ہو تمہارے لاشوں میں تنہا کا خوف بسا ہوا ہے جس کی وجہ سے تم نے اپنی محبت کو محبت کا نام دے لیا ہے۔“

”آپ غلط کہہ رہی ہیں؟“ سنگیتا نے احتجاج کیا۔

”نہیں، میں ٹھیک کہہ رہی ہوں، لیکن تم بھی غلط نہیں کہہ رہی ہو۔“

سنگیتا میرا مزہ بننے لگی میری بات اُس کی کچھ نہیں سمجھ سکی تھی۔

”میری بات ذرا اُلجھی ہوئی ہے“ میں نے کہا: ”اگر میں اسے اور زیادہ اُلجھا کر کہوں تو یہ کہوں گی کہ جب تم کہتی ہو کہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں تو تم اپنے تئیں بالکل جھوٹی کہتی ہو۔ سنگیتا پانچواں دراصل یہ ایک نفسیاتی اُلجھا ہے۔ سماج کا جو رونا و خوف تمہارے لاشوں میں بسا ہوا ہے اس لیے تم مجھ سے محبت کا انعام نہیں کر سکتی۔ تمہیں تو دیکھی اس کا یقین ہے کہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں بلکہ صرف عقیدت ہے۔ لیکن اگر کبھی تمہارے لاشوں سے مشورہ کرنا تعلق پیدا ہو گیا تو تم جان مادی کی تمہیں مجھ سے صرف عقیدت میں بلکہ محبت بھی ہے۔“

”نہ جانے آپ کیا کہہ رہی ہیں!“ سنگیتا کی آواز جھپٹاتی ہوئی تھی۔

”ہاں، میری باتیں تمہواری کسی پیچیدہ ہیں اور اُسے بھی اس وقت تم کو ذہنی طور پر پاک منٹ ہونے لگا چھوڑو اس موضوع کو اُڑاؤ۔“ میں اُس کا ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہو گئی۔ ”میں تمہیں تمہارے گھر پر چھوڑنے کے بعد اس ایکسیڈنٹ کی چھان بین کے لیے جاؤں گی۔“

”آپ کیوں پڑتی ہیں اس پر مجھ میں، پولیس خود ہی منٹ لے گی۔“

میں نے سنگیہ کا کہہ دیا۔ جتنا مناسب نہیں سمجھا کہ میرے ذہن میں کیا شبہات پیدا ہو چکے ہیں! میں اُسے لے کر پہاڑ پہنچ گیا۔ نظر کی طرف روٹ کر ہو گئی۔ راہ میں، میں نے عقب نما آئینے پر کڑی نظر رکھی۔ میں جانتا چاہتی تھی کہ جس فریضہ میرے تواق میں ہے یا نہیں! جلد ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ میرے تواق میں کوئی بھی نہیں بچتا۔

سنگیہ میرے برابر کی نشست پر بالکل خاموش بیٹھی ہوئی تھی اور اُس کے چہرے پر راز و دلی کا دبیز بادل چھایا ہوا تھا۔ جب کار اُس کے گھر کے قریب پہنچ گئی تو میں نے اُس سے پوچھا: "تمہارے والد کو کوا بھی اس حادثے کا علم نہیں ہوگا؟" "میں بھی بتاؤں گی جا کر! وہ پریشان ہوں گے کہ مجھے اتنی دیر کو یہ ہو گئی!"

"اجتہا ہاں!" میں نے کار کو کرا اُس سے پوچھا: "یہ حادثہ کس وقت ہوا تھا؟"

"جو بجے!"

سنگیہ ہی نے مجھے یہ بتا دیا کہ وہ حادثہ کہاں پیش آیا تھا! میں اُسے چھوڑ کر اپنی نئی مہم پر روانہ ہو گئی۔

رات ہو چکی تھی اس لیے میں نے جیلہ صدر کے ایک ٹول کارٹخ کیا۔ سونٹنگ کی ورزش کے باعث مجھ کو خاصی کھل کر ٹنگ رہی تھی اور لی بال میرا ایسا کی اراہ میں تھا کہ گھر جاؤں۔ ہوٹل میں کھانا کھانے کے بعد میں نے اُس علاقے کا رخ کیا۔ جمال ڈاکٹر شکیل ایک حادثہ میں ہلاک ہوا تھا۔ علاقے کے پریس سٹیشن میں اس اچھا مادہ کے ٹنگ پہنچا میرے لیے دشوار تھا۔ چار پریس والوں نے مجھ کا قیمتی کار سے تڑپے ہوئے دیکھا تھا اس لیے جب میں بے دھڑل اس اچھا مادہ کے کمرے میں داخل ہونے لگی تو کسی کو بھی مجھے روکنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

اس اچھا مادہ دیکھتے ہی اپنی کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ میرے لیے اجنبی تھا لیکن میں نے انکار نہ کیا کہ اسے مجھے دیکھ کر کتنی خوش ہو گا۔

مقررہ گھر سے ہوجاتے ہیں، نہ جانے کیوں!

میں نے کسی گفتگو کے لیے اپنا کارڈ اُس کی طرف بڑھا دیا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ میرا انکار کچھ کر چوٹ بڑے گا۔ کراچی کے حکمرانوں میں تو میں شہطان کی طرح مشہور ہو چکی تھی۔ کوئی میرا صوتی آشنا ہو یا نہ ہو لیکن میرے نام سے ضرور واقف ہوتا تھا۔

اس اچھا مادہ اور کارڈ بڑھ کر رکھ کر اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا: "تشریف رکھیے! میری خوش قسمتی ہے کہ آپ نے یہاں تشریف نہ فرمایا۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟ آپ کیا

چینا پسند کر سکتی ہیں؟"

"کوئی شکلف نہیں! آفسر! میں اہم کر آ رہی ہوں! میں نے کرسی پر بیٹھ کر حادثے کی تفصیلات دیکھا ہیں!"

اس سے پہلے کہ اس نے اس اچھا مادہ دیکھی۔ وہ درکار کی پیش قدمی اور کسی قریب ہی کھڑا "کیا ہے؟" میں چونک کر بڑی۔

"اوہ! وہ تو خاص بات نہیں ہے۔" ہونے لگا۔ تمناؤں میں اس قسم کی آوازیں تو دراصل ابھی ایک کوی کو بچ کر یہاں لایا گیا۔ اُس سے پوچھ گچھ کی جارہی ہے۔ پوچھ گچھ کرنے والے ایک آدمہ ہاتھ بھی اڑا دیا ہوگا جس پر وہ آپ کسی حادثے کے بارے میں پوچھ رہی ہیں!"

کی عمر کا لڑکا وہ شرم کا ایک ہیڈنٹ ہے؟

"جی ہاں!" میں نے جواب دیا۔ "کالہ ہے، وہ میری فرم میں کام کرنے والی ایک لڑکی ہے،" "اوہ! مجھے افسوس ہے کہ یہ حادثہ آپ کے ہوا ہوگا۔" جانے والے نوٹ کر نہیں آئے لیکن یہ جانے والے کے عزم کو گرفتار کر کے انصاف اُسے قرار دیتی نہ راہرواٹش۔ آپ کو یسٹ کرنا ہم نے اُس شرم کو دروازہ کو گرفتار کر لیا ہے۔ ابھی سنی تھی۔ اُس سے پوچھ گچھ کی جارہی ہے اور اُس ہم نے اُن دونوں آدمیوں کو بھی بلایا ہے جنہوں نے نوٹ کیا تھا۔

"توبہ!" میں نے کہا۔ "یہ لیکن ہے کہ میں! ایک نظر دیکھ سکتوں؟"

"ہاں ہاں! کیوں نہیں، ضرور آئیے!" وہ کھڑا میں اُس کے پیچھے پیچھے کمرے سے نکلی اور پہنچ گئی۔ سلاخوں کی دوسری جانب انیسویں دروازہ کا فافہ

ہی تھا۔ چہرے سرے اور قطع سے وہ چٹا ہکا ہوتا تھا۔ اس کی عمر چالیس بیسینا میں کے گے بگم لمبا تڑا تھا لیکن اُس وقت بھی سب کی بی بیابا ہوا تھا اس پر غور تو کی تمام علامات موجود تھیں۔

"اس اچھا مادہ کو دیکھ کر سب انسپکٹر اندر آ رہے ہیں۔" یہ سب انسپکٹر غلام احمد ہیں، "اس اچھا مادہ کر لیا!" ڈاکٹر شکیل کے کسی کی تحقیقات انہی کے سپرد کر لیا۔

میں بولیں۔ مگر نے ان کا تو منہ ہی ہو گا!"

"ہی ہاں!" غلام احمد کی باہیں کھل گئیں۔

ابھی اچھا مادہ بولا: "یہ ڈاکٹر شکیل کی موت میں اس قسم کی تحقیقات کی تھیں کہ ان کی فرم میں ملازم ہے؟" "تھا!" غلام احمد نے سر ہلایا۔ "وہ لڑکی... کیا نام ہے اس... سنگیہ؟"

"انہی نے اقرار کر لیا ہے؟" میرا خیال ہے کہ یہ کتے و بالکل سچا تھا۔

مگر انہیں کیا لیکن وہ تو اُس کے باپ کو بھی کرنا پڑے گا۔ دونوں آدمیوں کو بلوایا ہے جنہوں نے اُس کے شرم کا حوالہ دونوں نے ہی دیں گے۔ اگر انہوں نے اُسے مگر لیا تو پھر میں اس سخت کی ساری بدیہاں پسندیاں ملا صاحب اس کے ہاتھ میں رکھ دوں گا!"

اس فن میں تو آپ لوگوں کو خاصی سہارت حاصل ہے؟" "لہ بڑے چھپتے ہوئے لیجئے میں کہ لیکن غلام احمد میرے کان میں بولا کہ لڑکا مار کے آگے تو بڑے بڑے سے ہیں جی!"

اس جھوٹ کا اپنے بارے میں کیا بیان ہے؟ میں نے ف اشارہ کیا۔

میرا کار بننے والا ہے۔ وہاں کے کسی بڑے زمیندار کے ہاں سے ملازم قتلہ دو سال ہوئے اُس زمیندار کا لڑکا حیدری میں کر لیا۔ اس لڑکا تو کانا کم دین سے بیدار کر دیا تھا۔ اس نے زمیندار سے کہا کہ اب وہ قصور مجھ نے باقی موت کا ٹیم نہیں بھلا کے گا لڑکا قصور سے رہا جانے چاہتا ہے۔ زمیندار نے پوچھا کہ وہ وہاں سے مار کر لے گا تو اس نے شرم چلانے کی خواہش ظاہر کی۔ اس گھر میں اس کی ملازمت بہت لمبی تھی اس لیے مات کے خوش مالک نے اسے ایک ٹنگ دلایا اور یہ آیا۔ یہاں سے بڑی ڈھونے کا کار کرتا ہے؟

لیکنا بتا ہے۔... اُس وقت کہاں تھا یہ حادثہ ہوا؟" "کتابے کے پاس اپنے گھر پر تھا لیکن اسی بائیں تو بھی جسم

"آپ نے اس کے بیان کی ترقید کا مواد حاصل کر لیا؟"

"میں حاصل ہوجانے لگا! غلام احمد نے بڑی لاپرواہی اور بڑھ چوٹ کر بولا: "لیجئے، وہ دونوں آج گئے؟"

اس سپاہی دو آدمیوں کو ساتھ لے کر آگے آپ کی طرف آ

رہا تھا۔ وہ دونوں جوان العمر تھے اور ان کا تعلق اوسط طبقے سے معلوم ہوا تھا۔ میں نے انہیں بہت غور سے دیکھا۔ میں ان کے بٹنر سے اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ وہ کس قسم کے آدمی ہو سکتے ہیں!

غلام احمد نے اُن دونوں کو سلاخوں کے قریب لے جا کر کھڑا کر دیا۔ ایک ہاتھ میں ان کے اندر ڈال کر ڈاکٹر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "یہ وہ شخص جس کے ٹنگ کا نمبر ایک لوگوں نے بتایا تھا۔ کیا آپ اسے شناخت کر سکتے ہیں؟"

"ہاں جی! وہ دیکھ ہے! ایک آدمی بولا۔

غلام احمد نے دوسرے کی طرف دیکھا: "آپ کیا کہتے ہیں؟"

"جی ہاں! وہ جی آدمی ہے؟" دوسرے آدمی نے بھی تصدیق کر دی۔

میرے ہونٹوں پر تلخ سی شرمکھٹ پھیل گئی۔ میں بڑے وقوف سے کہہ سکتی تھی کہ وہ دونوں آدمی جھوٹ بول رہے تھے لیکن نے اس بات کو اپنے دماغ میں اس قدر نگاہ نہیں پرنسپس آئے۔

"دیکھا آپ نے؟" غلام احمد نے فحاشانہ انداز میں میری طرف دیکھا، اور میرا اُن دونوں سے بولا: "آپ لوگوں کو کچھ دیر گھر پرے گا۔ شناخت کے سلسلے میں کاغذ کی کارروائی ابھی مکمل کرنا ہوگی۔"

"اجتہا... مجھے اب اجازت دیجیے! میں غلام احمد سے کہا۔

"میرے لائق کوئی اور خدمت ہے؟"

"بس، شکر ہے!"

اس اچھا مادہ مجھے چھوڑنے کے لیے ہر کھڑا آیا اور جب میں کار میں بیٹھ کر اُس نے ہاتھ ہلا کر کہا: "آپ مطمئن رہیں۔ جھوٹ شکیل کا قاتل اپنے انجام سے نہیں بچ سکے گا!"

"وہ توصاف ظاہر ہو رہا ہے؟" میں نے نہیں کر کہا۔ لیکن اس اچھا مادہ میرے جی کی تڑپ میں بیٹھ گیا۔

میں کار کو حرکت میں لے کر آئی اور طبقہ نما آئینے میں اپنی اسٹیشن کا جائزہ لیتی رہی۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ اب میری کار کی طرف کوئی نہیں دیکھ رہا ہوگا تو میں شرم گئی۔ میں نے انجن بند کر دیا لیکن ہینڈ بریک نہیں لگایا۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ شرمکھٹ لائش کے باعث دوڑتی سے کار کی موجودگی کو محسوس کیا جاسکتا۔

میں عقب نما آئینے میں پولیس اسٹیشن کی طرف دیکھتی رہی۔ مجھے تقریباً پون گھنٹے انتظار کرنا پڑا تھا۔ پون گھنٹے بعد میں نے اُن دونوں آدمیوں کو پولیس اسٹیشن سے نکلتے دیکھا جو میرے خیال کے مطابق فراڈ گواہ تھے۔

ان کا رُخ دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ وہ علم اساتذہ کی طرف
جائیں گے۔ میں نے اپنی گاڑی کا کچن سٹارٹ کیا اور اسے ٹوکر
پر تھوپ دیا۔ تین منٹ نہ لگیں۔ میں نے دونوں کے قریب پہنچنا
چاہتی تھی مگر اس وقت جب وہ پولیس اسٹیشن سے دوڑنے لگے۔
جب ایک ایسا موقع آگیا تو میں کار کو تیزی سے حرکت میں
لائی اور ان کے قریب پہنچ کر ٹیک بٹن دبا دیا۔ وہ دونوں ٹوک کر
گاڑی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ میں نے ٹھٹھکی سے سر نہال کر ان کی
طرف دیکھا اور پوچھا: ”اب لوگ کہاں جا چکے ہیں؟“
وہ مجھے پولیس اسٹیشن میں دیکھ چکے تھے اس لیے میرا خیال
تھا کہ وہ مجھے پولیس ہی سے متعلق سمجھیں گے۔
”ہم.... ہم اپنے.... گھر جا چکے ہیں۔“ ان میں سے ایک نے
اس طرح جواب دیا۔
”یہ سب کچھ میں نے دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ آپ
گھر جا چکے ہیں۔ میں نے سچا سچا دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ
پڑتے ہیں جہر مجھے جانتا ہے۔ اس وقت میں بھی خاموش رہا۔
ہوتی ہے اس لیے میں نے سوچا کہ آپ کو چھوڑتی ہوئی نکل جاؤں گی؟“
”میں تمہیں ہفتی پر رہتے ہیں۔“ اسی پہلے آدمی نے بتایا۔
”اور میں لیاقت آباد میں۔“ دوسرے نے بتایا۔
”پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔“ مجھے بیاقت آباد پولیس اسٹیشن
جانا ہے۔ میں آپ دونوں کو چھوڑ سکتی ہوں، بیچہ جائیں؟“ میں نے
کار کی کچلی نشست کا وہ دروازہ کھولا جہر دونوں کھڑے
ہوئے تھے۔
”اچھا آپ کو تکلیف ہوگی؟“ ایک آدمی نے دانت نکال کر
بے ہنگم سے انداز میں مسنے ہوئے کہا۔
”اب بیچہ بھی آپ لوگ تو تکلیف کر رہے ہیں!“
وہ دونوں متعجب تھے تو میں نے لیکن بالآخر بیچہ ہی گئے اور دروازہ
آہنی زور سے بند کیا جیسے ٹرک کا دروازہ بند کرتے ہیں۔ انہیں اپنی
قیمتیں بھی کہیں کاروں کے دروازے کتنی آہستہ سے بند کیے
جاتے ہیں۔
میں نے کار کو تیز رفتاری سے دوڑایا۔ اتنی ہی تیزی سے
میں نے اپنی سوچ پر توجہ کر لی۔ دونوں سے توقع کس طرح اٹھائی جائے
تھی۔ لیکن میں نے یہ نہیں سمجھا کہ وہ دونوں عادی قہر کے حامل پیشہ نہیں تھے۔
انہوں نے وقتی طور پر پیسے کے لالچ میں آکر پولیس کو وہ غلط بیان
دے دیا تھا اور مجھے صرف یہ معلوم کرنے کی فکر تھی کہ ان سے غلط بیانی
کروانے والا کون تھا؟
اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے دو طریقے تھے۔ ان میں

سب سے پہلا یہ تھا کہ میں ان کی رشتہ داری کا
طریقہ ایسا تھا کہ میں ان کے عیادہ انداز کی گفتگو کو
میں نے وہی دوسرا طریقہ استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔
ناکامی ہو جانے تو پھر پہلا نسخہ تیر ہدف تھا!۔
”اب آپ لوگ جانتے ہیں میں کون ہوں؟“
سوال کیا میں نے نہ کر نہیں دیکھا تھا لیکن ظاہر یہ تھا
مہنی سے کیا ہو گا کہ اس وقت گاڑی میں آئے۔
”آپ.... آپ.... یہ ان میں سے ایک ہوں۔“
”اب میں پولیس اسٹیشن پر نظر رکھتی ہوں۔“
پولیس اسٹیشن میں توجہ نہ دیا۔
وہ خاموش رہے۔ میں نے دروازے پر اس کے
پھر نہیں کر لی۔ یہ نہیں جانتے، ہیں نا؟“
وہ پولیس اسٹیشن میں کسی نے بھی نہیں آ
نہیں بتایا۔
”وہ بتا ہی نہیں سکتے تھے۔ اگر وہ بتا دیں تو
پورے تھکانے کو ان کو اپنے جواؤں پر دے دیتے۔“
”آپ نے ان کے ذہن کو اس طرح بدل لیا تھا کہ ان کے
دیکھائی دیے تھیں۔ میں نے ان کے چہرے کے تاثرات
کو وہ میری اس بات سے متاثر ہو گئے تھے، بلکہ میری
”میرا تعلق.... میں نے دروازہ کھولا۔
میرا تعلق انٹیلی جنس سے ہے۔ میں نے پرسوں ہی ان کی
کی حیثیت سے جارج سنبھالا ہے۔“
انٹیلی جنس کی ڈائریکٹر کا حوالہ ایسا تھا کہ ان
کی رنگت میں خفیت سی تبدیلی آگئی۔
اب میں نے ”آپ“ کا تکلف ختم کیا اور ”تم“
دہم دونوں نے محسوس تو کیا ہو گا کہ میں بہت ز
ہوں۔
”جی.... جی ہاں!“ ان دونوں کے منہ سے ہی
دیکھ میں بہت سخت بھی ہوں۔ میں نے فوراً ان کو
کا اور عقب بنا آئیے۔ میں دیکھا کہ وہ دونوں ایک دو
منٹ لگے تھے۔
”دیکھ.... میں پھر تم پر مڑی۔ میں سختی سے ما
لوگوں سے پیش آتی ہوں مجھے اس کے لیے مجبور کر دیا۔
وہ دونوں خاموش رہے۔ میں محسوس کر رہی تھی
آہستہ زور سے جاری ہے۔ میں اور میں جا رہی ہیں۔
قد سے توقع کے بعد پھر پھر لانا شروع کیا۔“ پولیس کا

میں کیسے یہ حادثہ کی تحقیقات کر رہی ہیں جب
ان کے مجاہد ہو جائے تو پھر وہ میرے ٹھکانے کے حوالے
گئے ہیں۔ میں وہ کام اپنے ذہن میں سمجھتا ہوں کہ
مگر سوئے اتفاق کوئی معاملہ آؤ خود میرے سامنے
یہ رنگتیں پھر گئے۔ میں نے اپنے فطرت سے
اب خود اس میں دیکھ لیتے تھے۔
”لوں اب اپنے بھائیوں پر زبان پھر رہے تھے۔
”میں نے ان کے سامنے کہا۔ میں بدست۔
”ان میں سے ایک اور کام ہے پولیس
میں وہاں ڈاکٹر سکین نامی کسی شخص کے حوالے اور
میرے سامنے آئی۔ مجھے اس ٹرک ڈرائیور کی گرفتاری
اور پھر میرے سامنے ہی تم دونوں نے اس ٹرک کے ڈرائیور
میں کیا۔
”لوں اب پہلو بدلنے لگے۔
لوگ میری باتیں سن رہے ہوں!۔“ میں قدرے بلند
آواز سے دونوں کی طرف دیکھ کر کہہ رہی تھی۔
”اے جی ہاں!“ ایک نے کہا۔
”رہے ہیں!“ دوسرا بولا۔
”میں نے رجاو دیکھا کہ وہ کھانے کے وقت تم
ابا کر رہے تھے؟“
ایک مکان سے رومال خرید رہا تھا۔
میں رکشہ کے انتظار میں کھڑا تھا۔ دوسرے نے کہا۔
”کوئی کار نہ والا ٹرک“ کار کے سامنے سے آیا تھا۔
”اے جی ہاں!“
”خاموشی سے اشیات میں سر اڑایا۔
”میں نے وقت تم دونوں کو دیکھا؟“ میں نے پوچھا۔
”میں نے“ دونوں کے منہ سے کسان الفاظ نکلے۔
”میں نے نہ سنا۔“ میں نے خود خیال بنا دیا۔
”اب اس سرور ایک گز زیادہ!“ ایک نے کہا۔
”میں نے دوسرے سے پوچھا۔
”خاموشی سے گز دے دیا۔
”میں نے وقت تم دونوں کا رخ کس طرف تھا؟“ دوسرے
”اب میں نے اس طرف جہر سے ٹرک آ رہا تھا؟“ میرا
”خاموشی سے اس طرف ہو گا جہر سے کار آ رہی تھی اسی
”ٹرک کا پٹرول ٹانگہ لیا۔
”اے جی ہاں!“ دونوں نے پھر ایک دوسرے کو دیکھا

میں مسکرا دی۔ میں ان کے لیے جو بال بچا رہی تھی وہ اس
میں بڑی آسانی سے چھپ گئے تھے۔
”خوب!“ میں نے کہا۔ ”تو عاوض کے بعد جیسے ہی ٹرک فرار
ہونے لگا، تم دونوں نے اس کے پٹرول ٹانگہ لیا۔“
”جی ہاں!“
”خاموش رہے کہ اس وقت تمہاری نگاہیں ٹرک کے عقبی حصے پر
ہوں گی!“
”جی ہاں!“
”دوسرے آدمی نے پہلو بدلا۔ وہ میرے اس سوال پر خاموش
بھی رہا تھا۔ غالباً وہ کھٹک گیا تھا کہ یہ کسی قسم کا جال ہے جس میں
وہ پھنسنے والا ہے۔
لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ دونوں ہی پھنس چکے تھے۔
”حیرت ہے!“ میں جیسے بڑبڑاتی۔
”جی!“ وہی آدمی چوڑکا۔
”جب تم دونوں ٹرک کی گشت پر تھے تو تم نے ٹرک کے ڈرائیور
کا چہرہ کیسے دیکھا لیا؟“
”جی وہ....“
”ہاں ہاں کو!“ میں نے بدستوری سے کہا۔ ”میں ہر
دلیل سننے کے لیے تیار رہتی ہوں۔“
”میں نے اس کا چہرہ اس وقت دیکھا تھا جب ٹرک آ رہا
تھا۔“ اسی آدمی نے جواب دیا لیکن اس کے لیے سے گھر اٹھ کر تشریف
لے گئی۔
”جہر سے ٹرک آ رہا تھا“ دوسرے اور گٹھیاں بھی اڑکی
ہوں گی!“ میں نے کہا۔
”وہ جی ہاں!“
”دیکھ میں ان تمام گاڑیوں کے ڈرائیوروں کے چہرے
یاد ہیں؟“
”نہیں!“
”پھر تمہیں اسی بھڑبھڑاؤ کا چہرہ کیسے یاد رہ گیا؟
کیا تمہیں الامام ہوا تھا کہ وہ ٹرک ایک کار کو ٹکرا مارنے والا
ہے؟“ میرے لیے میں تلخی آگئی۔
وہ دونوں خاموش رہے۔ ان کے چہرے سخت گھٹے تھے۔
میں اپنے لیے کتنی پر قابو پا کر حسب سابق نرم لہجہ میں بولنے
لگی۔ ”دراصل جھوٹی گواہی دینے کا کام صرف پیشہ ور لوگ ہی
کر سکتے ہیں۔ یہ کام شریف آدمیوں کے سر ہار دینا نہیں لیکن کبھی کبھی
ایسا ہوتا ہے کہ وقتی طور پر حرص و طمع کا شکار ہو کر لوگ ایسے

چکر وں میں پھنس جاتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ تم دونوں موت کے وار دانت پر کسی غلط آدمی سے جکڑ گئے تھے۔ اُس نے تمہیں کچھ نرم دی ہوگی کہ تم پولیس کو اس طرح غلط راہ پر ڈال دو۔ یہ سب قسمی سے ہمارے ملک کا معاشی بحران کچھ ایسا ہے کہ شریف اُنکی بھی بعض اوقات چھوٹے موٹے جرم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ عدالت تو ایسے لوگوں کو بھی معاف نہیں کرتی تین میں ذاتی طور پر ایسے لوگوں کو معاف کر دینے کے حق میں ہوں۔ میرا نظر ہے کہ ایسے لوگوں کو صرف تنبیہ کر کے چھوڑ دینا چاہیے ورنہ یہ اسکان پیدا ہو جاتا ہے کہ سزا یافتہ ہونے کے بعد وہ عادی جرم بن جا رہے ہیں۔ اپنے ملک میں عادی مجرموں کی تعداد میں اضافہ ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔ اس بارے میں تم دونوں کا کیا خیال ہے؟

وہ دونوں مسکروں ہوتے سے چپے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باتوں نے اُن کے دماغ شل کر دیے ہوں۔

قدر سے توقع سے میں پوچھ رہی تھی کہ تم دونوں نے مجھے تعاون کیا تو میں کوشش کروں گی کہ متعلقہ پولیس آفیسروں کی تھکان غلط برائی کا ٹرم نہ ہونے پائے۔ میں اس کیس کو دوسرے طریقوں سے اس طرح انجام تک پہنچا دوں گی کہ وہ یہ نہ کہہ ڈرا ہو کہ اس مصیبت سے بچ جاتے اور اصل جرم انصاف کے تقاضوں سے نہ بچ سکے۔ تو پھر تم دونوں مجھ سے تعاون کے لیے تیار ہونا ہے۔ خدا مجھے معاف کرے۔ اُن میں سے ایک نے ہجرت کر لی ہوئی

آواز میں کہا کہ مجھے شیطان نے بھکا دیا تھا۔
”دکاش میری بیٹی بیار نہ ہوئی۔“ دوسرا گلوگرفت لہجہ میں بولا۔ ”خدا اس کے علاج کی وجہ سے میں تین ہزار روپوں کے لالچے میں آ گئی تھا۔“
”تم دونوں ہی کو تین تین ہزار روپے ملے تھے؟“ میں نے پوچھا۔

”وہاں“ جواب دینے کے بعد اُس آدمی نے اپنا بھگدیز ڈھرایا۔
”خدا مجھے معاف کرے۔“

دو بچے دل سے ثابت ہونے والوں کو خدا نادر دعا کرتے۔
”ہاں تو تم نے یہ نہیں بتایا کہ وہ آدمی کون تھا جس نے تمہیں تین تین ہزار روپے دے کر غلط برائی کی راہ پر ڈال دیا تھا؟“
وہ دونوں مجھ سے عجوبہ سمی ہو گئے تھے، نیز اپنے جرم پر شرمندہ اور خائف بھی تھے۔ اُن کے لبوں سے اُن کی پہلی ٹپک رہی تھی۔ اُنھوں نے جو کچھ بتایا، مجھے اُس پر کوئی شبہ نہیں تھا۔

اُن کے مشترکہ بیان کے مطابق مجھے، اردو ایسا آدمی تھا جسے دیکھ کر غریب طور پر یہ خیال تھا کہ اُس کے اعمال اچھے ہوں گے یا بُرے۔ اُس کا پچاس سال کے لگ بھگ تھی۔ اُس نے شہر آباد رکھا تھا۔ جب جملے حادثہ پر توجہ ہوا تو وہ اُن کا ہاتھ پکڑ کر الگ لے گیا۔ وہاں موجود بڑے شخص کے برکتی اُسے اُن تینوں کی طرف کسی سے بھی نہ اُس آدمی نے اُن دونوں سے پوچھا کہ کیا اُنھوں کا کافر دیکھا تھا؟ اُن دونوں نے نفی میں جواب دیا۔ آدمی نے بتایا کہ اُس نے ٹرس کا نمبر دیکھا یا تھا۔ وہ شخص کے ٹرس کا بچہ جس سے اُس کی خال خالی ہونے کا خیال تھا۔ اُس نے اُس کے دھنکے کی اُن دونوں آدمیوں کو ٹرس کا نمبر بتایا اور زمین کا دے کر کہا کہ ڈرا ہو کہ تمہاری گرفتاری کے بعد وہ دونوں بھی کھس تو اُنھیں دو دو ہزار روپے اور دیکھنا

نے اُن دونوں سے اُن کے بچے کے لیے تھے اور وہ اپنی زبان کا بھرم رکھتے۔ خود اُس نے اُن دونوں کو کچھ نہیں بتایا تھا۔
یہ بیان دینے کے بعد اُن دونوں میں سے ایک پر جوش انداز میں کہا۔ ”اب اگر وہ مجھے روپہ دے گا تو میں اُسے یہ کہہ کر نہیں چلنے دوں گا۔“
مجھے ہنسی آگئی، پھر میں نے کہا۔ ”اس خیال کو روک دے تمہارے پاس آئے گا۔ اب تو وہ تم دونوں بھی دُور ہے گا۔ ہاں اگر وہ اتفاق سے تمہیں ملیں، کہا جائے تو اُس سے بچنے کی کوشش مت کرنا! ایسے ہوتے ہیں اور ایسے فلول قریق کرنے سے بھی نہیں ہر اُس اُنکا کرنا اگر وہ تمہیں دکھائی دے جائے تو بھاگ دینا۔ میں تمہیں اپنا فون نمبر بتا دیتی ہوں۔“

میں نے اُن دونوں کو اپنا فون نمبر دے دیا۔ اُن گھروں پہنچ کر وہاں اُس نے اُن کی طرف روانہ ہوئی۔
”بظاہر یہاں معلوم ہوتا تھا جیسے ڈاکٹر منیل کو بلا کر لایا گیا ہو کیونکہ یہ بلانگ کسی کو دیا یا مائی ہی تھی۔ جو ملے گا وہاں کو کون وقوع ملاقات سے پکڑنا کاتھرت تھا۔ اس کے علاوہ یہ بھی ممکن تھا کہ قریق مل ٹرک پر جمی ہنس پر لپٹ لگا دی جاتی اور اس طرح راہ پر ڈالنے کے لیے کسی جھوٹے گواہ کی ضرورت ہی نہ

۔ مجھے میرے اس معاملے پر غور کیا، دے دے اُجھاوا اُنکا ہاں دونوں نے درپے اُنھیں ہی پر مقدمہ بنی، کیا کہہ سکتی ہوئی اُن کا بیان تھا تو پھر اُس کے بعد اُنکا بیان اُنکی ہونے تھی۔ سبھی ایک ہی تین کچھ بیان تھا۔ مجھے کیوں لگ گیا ہے آج ہوں میں جو واقعہ سے یہ اشتہار ملتا تھا کہ اُسے میرے پیچھے لگانے والا کی تھا لیکن ہر حال یہ بات ابھی یا یہ ثبوت کو نہیں پہنچی

اُن پر اس طرح پڑا پتا ہو چکا تھا اس لیے شائد عجیب سے واسطے میں ہی کوئی بات نہیں مایہ جو کسی تھی۔ اُس کے سامنے جب میں نے شائد عجیب کا نام لیا اُن کی حالت متحیر ہو گئی تھی۔ اُس نے میری کچھ ہونے کا کچھ بے بارے میں کچھ معلوم ہو چکا ہے، البتہ یہ وہ ہرگز ڈاکٹر کی سرمدات کا ذکر نہیں ہے!

معاذ جو مجھے مشتاق چنگیزی کے گھر سے ملا تھا، اُس کی گولی ملی کہ خود مشتاق چنگیزی کو بھی نہیں معلوم ہو گا کہ اُس افادہ اُس کے سامان میں کیوں پڑا ہو۔ اسی لیے اُسے غائب ہونے کا بھی نہیں پتہ ہو سکتا تھا اور اسی سبب کہ وہ ہیں۔ بات ابھی نہیں، اُنکی تھی کہ اُس رات اُس نے اُسے والے دن معلوم افراد میں سے ایک بن گئی۔

اُن واقعے کے سلسلے میں مشتاق نے بالکل دم سا دھ لیا تھا۔ اُنکے ملک میں کی تھی اور غالباً ملازموں کو بھی تاکہ کوئی اس واقعے کا ذکر کسی سے نہ کریں۔ اُس کی یہ احتیاط اُنکی کو اُس کے دل میں کوئی چور ہے اُس لیے وہ حتی الامکان اُنہر ہونا چاہتا ہے۔

مقام ہاتوں کو ذہن میں سب سے پہلے میں گھر پہنچی اور اُن کے بستر پر لیٹ گئی۔ سوئے سے قبل میں یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ دن میں سب سے پہلے اُس ٹرک کا پتا چلاؤں گی پھر سبکدوشی سے معلوم ہوا تھا۔

میں اُن ایک مخصوص وقت پر اُٹھ جانے کی عادی ہو چکی تھی۔ بلنے کیوں میری آنکھ خاصا دیر سے کھلی۔ تو مجھے میں فانی تھے جب میں بستر سے اُٹھی، تیار ہونے اور ناشتہ لیا، ایک گھنٹہ لگ گیا۔ آج میں دفتر نہ جانے کا فیصلہ کر رہی تھی۔ دن کر لینے میں کوئی طرح نہیں سمجھا۔ اپنی بات میں نے جب ضروری باتیں کیں، اور پھر فون نہ کرنا۔ اُن سے بھی معلوم ہوا تھا کہ میری ہی طرف اپنی ٹیکسی

دفتر تینس پہنچی ہے۔ اس اطلاع پر مجھے کوئی تعجب نہیں ہوا۔ تعجب تو اُس وقت ہوتا جب اُس کے خلاف اطلاع ملتی۔ میں نے فون نہ کیا ہی تھا کہ ملازم نے مجھے کسی کی آمد سے باز کر لیا۔

”کون ہے؟“ میں نے پوچھا۔ ”اُس نے پنا کا ڈ نہیں دیا۔“
”وہ بس یہ کہ رہا تھا کہ عدالت سے آتا ہے؟“
”عدالت سے؟“ میں بڑبڑائی اور پھر اُس آدمی سے ملنے کے لیے اُس کے سے نکلی۔

وہ آدمی سڑکی کورٹ کا ایک بلیٹ تھا۔ اُس نے بتایا کہ وہ میرے نام تمہیں لے کر گیا ہے۔
”آپ کو چار دن بعد کورٹ میں پیش ہونا ہے۔ اُس نے کہا۔
”وہ کس سلسلے میں؟“
”اُس روز ناامی کے کہیں کے سلسلے میں آپ کا بیان لیا جائے گا۔“

”اس اطلاع نے مجھے بورک دیا میری دانست میں یہ سب کچھ تفتیش اوقات تھا لیکن پولیس بھی ہر حال اپنے فرض سے مجھ پر تھی۔ تاہم کوئی کارپریٹوں کی چلائے کے الزام میں لڑا گیا تھا۔ اُن پر مقدمہ تو چلنا اُس مقدمے میں میری حیثیت بہت اہم تھی، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ میں اُس میں ایک فریق تھی۔

میں نے دعوے کر کے کہیں کے وصول کر اور بلیٹ کو نصرت کرنے کے بعد گھر سے روانہ ہونے ہی والی تھی کہ سٹیٹیا آگئی۔ لیکن کیا وہ سٹیٹیا تھی؟ اُس کی حالت دیکھ کر میرے دل کو چپکا سا لگا۔ وہ وہی بڑے سینے بڑے تھی جوگزشتہ شام اُس کے جرم پر تھی۔ وہ بالکل بھڑکی ہوئی سی نظر آ رہی تھی۔ اُنھیں اپنی شرح قصیں جیسے دہا یکس لگی تھی۔ سوئی ہو اور رفتی رہی جو اُس کے بال کچھ سے ہوئے اور چوڑا ہوا تھا۔

”سٹیٹیا! میں نے بے اختیار اُسے اپنے سینے سے لگا لیا۔
”یہ تو نے اپنی کیا حالت بنالی ہے چنڈا؟“
”میں بالکل خفیک ہوں بالآخر“ سٹیٹیا نے بھڑائی ہوئی آواز میں کہا۔ میں آپ کو بتانے آئی ہوں کہ شکیل کے والد اُنھیں میں اور باپسٹل والوں نے فنی کا ایک ڈھیر اُن کے توالے کر دیا ہے۔ وہ لوگ کہہ رہے تھے کہ اُنکے اُس ڈھیر کا ہڈا کو خفیک ہے۔ سٹیٹیا نے ایک سسکی لی۔

آخری فقرہ سٹیٹیا نے کچھ اسی طرح ادا کیا تھا کہ میرا دل کچھ لگ گیا جو لوگ جنت کو محسوس کر سکتے ہیں، وہی اُس فقرے کو بھی محسوس کر سکتے ہیں۔

”کاب آتی تھی کہ اُس کو دیکھنے چاہیے گی بانو؟“ سنگیتا کی آنکھوں میں کرب بک رہا تھا۔

مجھے یوں لگا جیسے میں رو پڑوں گی میں نے لڑتے ہوئے جڑنوں سے سنگیتا کی بٹائی توچم لی اور اُس کا ہاتھ تمام کراچی کار کی طرف بڑھتی ہوئی آہستہ سے بولی ”اؤ چلیں؟“

جب کاڑیچا ایک سے نکل کر روک پر ڈال ڈال رہی تھی تو جیسے اور سنگیتا کے ہونٹوں پر سکوت خمد تھا لیکن دل کی گہرائیوں میں جیسے پچھتے ہوئے لاوے کی ہری آہندہ رہی تھیں۔ سنگیتا کی اُس وقت کی حالت دیکھ کر میں نے دل ہی دل میں قسم کھائی کہ میں سنگیتا کے متعلق کوئی دھند نہ کر گئے تھی جتنی ہوئی اُس منزل تک بے جاؤں گی جہاں انسان کو اپنی زندگی ایک بوجھ معلوم ہونے لگتی ہے اور موت کا بھیا ایک چہرہ ایک خوبصورت محبوب کا رعب دھاتی ہے۔

میں اُس روز ڈاکٹر سنگیتا کے گھر میں داخل ہوئی تو کچھ یوں محسوس ہوا جیسے میں کسی قبرستان میں داخل ہو گئی ہوں۔ دریا میں سے اُداسی بک رہی تھی۔ یہ دوسرا موقع تھا جب میں بہترین سنگیتا کے گھر میں داخل ہوئی تھی۔ پھر میں متوجہ جب میں نے یہاں قدم رکھا تو سنگیتا کی سوسائٹی میں اِسرا استقبال کرنے کے لیے موجود تھی مگر اُس کے وہ مسکراتے دالا اندر کسی کمرے میں ابھی بند ہو چکا تھا اور اُس کی کمرے میرے سارے بدن میں پھیل ہوئی تھی۔ یہی کمرہ اِس لیے تھی کہ میری محبوب کا محبوب تھا۔

گھر میں بہت سے لوگ جمع تھے جو سنگیتا کے آخری سفوفی شرکت کے لیے آئے تھے۔ اُن میں سے میں نے شہر کے بہت سے معتزین کو پہچان بھی لیا۔ اُن میں کسی بڑے بڑے ڈاکٹر بھی تھے۔ اُن سب کے چہروں سے حسرت و دہال شک رہا تھا اور اِس بات کی دلیل بھی واضح سنگیتا ایک بہترین شخص تھا۔

سنگیتا نے مجھے ایک اچھوتہ عمر شخصیت کے سامنے بے جا کر کھڑا کر دیا اور میرے دل نے مجھے بتایا کہ یہی ڈاکٹر سنگیتا کا باپ ہے۔ جوان اولاد کی موت کا دل اُس شخص کے چہرے پر بہت نمایاں نظر آ رہا تھا۔ اُس کی ہنسی کوئی بے بسار تھی کہ وہ جوان اولاد کی لاش اٹھائے ہوئے ہے۔

چاہتا ہوں: ”سنگیتا نے اُس شخص سے یہ انکار کر لیا۔ یہ میرا باپ ہے۔ میں اُن کی قبر میں ملازم ہوں۔ سنگیتا بھی انہیں جانتے تھے۔ بالآخر یہ سنگیتا کے۔“

”میرا نام کفیل رخصتا ہے؟“ پوچھے باپ نے مجھے بتایا تو مجھے اُس کے لیے کہ اُن کے آثار چھوڑاؤں میں کسی صحرائی دیوانیاں بنی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ اُس نے آہستہ سے میرے شانے پر چٹکی دی اور کہا۔

”یہ جھوٹا بیٹی امیر سنگیتا اندر آخری منسل کو مار لوگ اُسے اوداع کھنے چاہیں گے۔ یہاں اور ۱۰ اُن سے تو میں کچھ بولوں اب تم سے بھی کہہ دوں گا۔“

واپسی تک سنگیتا کا خیال رکھنا۔ دیکھ کر تو اُس نے ہلکا رکھی ہے اگر سنگیتا سے اس حال میں دیکھو دیکھو پیچھے گا۔“

اُس وقت سنگیتا کو دھاتیں مار کر ڈھکنا تھا۔ دیکھا کہ اُس نے اپنا چھل پوٹ تیزی زور سے اٹھا۔ اتنی زور سے کہ ہونٹ سیلا چکا تھا۔

میں سنگیتا کا ہاتھ پکڑ کر ایک کمرے کی طرف رہاں بھاگ کر خود بھی بیٹھ گئی۔ سنگیتا کھانا بنا رہی تھی۔ اُس نے دیکھی کہ اُس سے پوچھا۔ ”کیا تمہا نہیں ہے؟“

”چاہا جی کچھ چوست ہے اُس پر پتا ہی سنگیتا نے بتایا۔“

اب میں نے رام لال کی بڑی مرتبہ دیکھا۔ وہ میری رہا تھا لیکن جب میں نے اُس کی طرف دیکھا تو اُس کی سب لوگوں کی طرح وہ بھی حزن و دہال کی تھی۔ اُس کے چہرے پر زمانے کی قسم کر کے نشانات بھی جا سکتے تھے۔

پچھلے دنوں میں میری یہ خواہش رہی تھی کہ رام لال ملاقات ہو اور میں اُس سے کچھ باتیں کر سکوں لیکن اب برا تھا تو حالات ایسے نہیں تھے کہ میں اُس سے اُس مومنہ کر سکتی۔

کوئی نصف گھنٹے بعد ایک شخص نے کمرے پر کواہنہ ”جو حضرات مہرم کا دیدار کرنا چاہیں وہ اندر چلے جائیں۔“

لوگ ایک ایک کر کے اندر جانے لگے۔ اُس وقت میں سنگیتا کے چہرے پر زلزلے کی سی کیفیت تھی۔ میں منظم اپنی جگہ سے اٹھ گئی لیکن ایسا نہیں ہوا۔

”سنگیتا! میں نے اُسے آہستہ سے پکارا۔“

اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ایک جھجکا لے بغیر ہم طرف اِس طرح دیکھ رہی تھی جیسے اپنے خالق سے کوئی مسئلہ رہی ہو۔

”سنگیتا! میں نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اپنے سنگیتا کو آخری مرتبہ دیکھنے نہیں جاؤ گی؟“

سنگیتا نے جیسے ایک جھجکے کے ساتھ میری طرف دیکھا

”نہیں!“ اُس کے چہرے پر حسرت تھانے لگی تھی۔

میں سنگیتا کو باپ جی رہنے دو جیسا وہ تھا۔ میں کھن نے چہرے کو اپنے تصور میں نہیں رکھنا چاہتی۔

مجبور ہو گئی تھی۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ اگر وہ مر گیا تو سنگیتا کو کچھ جھجکا کرنا کرنا کرنا لگے گی۔ عین ممکن تھا کہ اُس کا پڑ جائے۔

اِس کی رسم پوری ہونے کے بعد جب سنگیتا کا جنازہ نہ ہو سکی کہ اُس کا کھانا بھی نہیں تھا جس میں آہستہ ہوں۔

میں نے وہی دن لکھ لیا اُسے دیکھ کر یوں محسوس ہوا تھا کہ اُس کا جسم ہم میں جکڑ گیا ہے۔ وہ ایک ایسا آہستہ نظر آ رہی تھی۔

ابھی سنگیتا چلا گیا۔ اُس کے ساتھ سب مرد چلے گئے۔

”نہیں چاہیے اُس کو پھر یہی تھیں اور سنگیتا کی طرف میں کسی بڑی بات کی طرح ساکت تھی۔“

”ا!“ میں نے اُسے پکارا۔

”ا!“ سنگیتا نے میری طرف دیکھے بغیر آہستہ سے کہا: ”ہاں“

”مجھے سکتے نہیں ہو جیسے۔ میں بالکل سنگیتا ہوں۔ میرا ۱۰ ہے۔ میں زندہ ہوں۔“

”ا!“ زندہ لاش نظر آ رہی ہو۔“

”ا!“ سے کیا فرق پڑتا ہے؟ دیکھا میں زندہ لاشوں کی کسی تو ۱۰ کو دیکھنے کا؟ کس کس سے عمر دی کیجیے گا؟“

”اب رو گئی۔ اُس کے علاوہ کیا کر سکتی تھی؟“

”وہ اٹھنے میں سب مرد واپس آ گئے۔ پوچھا کفیل رخصتا حال تھا کچھ لوگوں نے اُسے فوراً بتادیا۔

”ا!“ کئی کام کرنا تھے مگر نہیں کر سکی۔ جی نہیں چاہا۔ بھقا عورت کو کہیں جاؤں۔ شام ہوتے ہوئے سب لوگ رخصت ہو گئے۔

اب موت چھا ڈال رہی تھی، میں اور سنگیتا، رام لال اور اپنی اُڑا رخصت ملازمین تھے۔

”گیتا!“ کفیل رخصتا نے کہا۔ ”تو بالکل چپ ہے بیٹی! آخر سوچ میں ڈوبی رہے گی؟“

”اب آپ کے بارے میں سوچ رہی تھی چاہا جی!“ سنگیتا نے بولی آواز میں کہا۔

”بے باسے میں؟“

”ا!“

”میرے بارے میں کیا سوچ رہی تھی؟“

”یہی کہ اب آپ اِس چار دیواری میں تنہا رہ جائیں گے۔“

میں اب یہاں سے جانا چاہتی ہوں چاہا جی! ازل و روز کو لوگو دیکھتے رہنا اب میرے بس سے باہر ہو چکا تھا۔ میں بڑی مشکل سے ضبط کر رہی ہوں۔ میں بڑی کوشش سے خود پر ترو پڑے ہوئے ہوں۔“

”مجھے تیری حالت کا خوب اندازہ ہے بیٹی! میں تجھے نہیں روکوں گا۔ تنہا تو اب میرا مقدر ہے۔ ویسے میرے کچھ اعزاء تو دوسرے شہروں میں رہتے ہیں، انہیں میں نے سنگیتا بھیج دیا ہے۔ لیکن ہے کل تک اُن میں سے کچھ لوگ آجائیں اور میری غلامی تہا میں دُور ہو جائے لیکن بیٹی! میں تو اندر سے تنہا ہو گئی ہوں۔ اِس تنہائی کو تو کوئی بھی رنج نہیں کر سکتا۔“

سنگیتا کچھ نہیں بولی۔ بولی بھی کیا! اُس نے اپنے باپ سے کہا ”چلیے بتا جی!“

”اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں آپ دونوں کو پہنچا دوں۔“ میں بولی۔

”خیر!“ رام لال نے سپاٹ لیے میں کہا ”میں سنگیتا کی کس کے؟“

”سنگیتا کی کیا ضرورت ہے؟“ کفیل رخصتا بول پڑا میں ڈیوٹر سے کمرے دیتا ہوں کہ وہ کفیل چھوڑائے۔ پھر کفیل رخصتا نے ایک ملازم کو آواز دی اور اُس سے کہا کہ ڈیوٹر سے گاڑی منگوائے۔

مجھے اب یہاں اپنی موجودگی کچھ بیڑنا سب سے معلوم ہو رہی تھی۔ میں نے پہلو بدلا۔ میں اب اُسے کفیل رخصتا سے اجازت لینا چاہتی تھی کہ کفیل رخصتا نے نظر لی۔ اُس نے مجھے اشارہ کیا کہ میں ڈیوٹر لے دوں۔

مجھے اُس کا اشارہ دیکھ کر عجیب سا لگا۔ یہ اشارہ اُس نے مجھے رام لال سے نظر بچا کر کیا تھا۔

ملازم نے اُگرتا ہوا ڈیوٹر منگوائی کہ میری جگہ سے نکال لی ہے۔

”رام لال اور سنگیتا کھڑے ہو گئے۔“

”بانو!“ سنگیتا نے کہا ”میں ابھی کچھ دن تک دفتر نہیں آ سکیں گی۔“

”اُس کی غمزدگی کرنا۔“

”رام لال!“ کفیل رخصتا بولا ”مجھے تم سے کچھ باتیں کرنا ہیں۔ کیا تم کو کسی وقت آگے؟ تم کو تو میں خود جاؤں؟“

”میں کل جمع ہی آؤں گا۔ لیکن تم جس موضوع پر گفتگو کرنا چاہتے ہو، میں اُس موضوع پر کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔“

کفیل رخصتا نے بحث شروع کرنے کی بجائے پوچھا ”تم کس

سے ملنے کے لیے آنے والا کھانا کھرا ہے !
 ”کمال ہے !“ ملازمہ میری طرف مڑ کر سر جھٹکتا ہوا بولا : وہ
 صاحب تو شاید جا چکے ہیں ؟
 میں بہت تیزی سے باہر سوچ گیا لیکن مجھے وہاں کوئی نہیں دکھائی دیا۔
 میں سوالات انداز میں ملازمہ کی طرف دیکھنے لگی۔
 وہ میں کو عرض کر دیں : ”ملازمہ صاحب !“ ملازمہ پریشان سا تھا۔
 ”میں کمال صاحب کو بس جگہ کھڑا چھوڑ کر گیا تھا۔ اس نے ہنسنے سے تیار
 سے بتایا۔
 ”اب صاحب کا مکان کیا تھا ؟“ میں نے پوچھا۔

رہی تھی۔ میں نے ملازم سے کہا تھا: ”پولیس آگاہ کر دیا اور بتا دیا کہ میں ایک مفروضہ کام بہت جلد واپس آنے کی کوشش کروں گی۔“

پھر میں نے ملازم کے جواب کا انتظار نہیں کیا۔ جتنی جلد چاہی، جتنی جلد بولی باز کر لی تھی۔ رات کا آغاز ہوئے ابھی زیادہ دیر نہیں آئی۔

مگر کوہ پر ٹپک کا اثر دوپام تھا لیکن جی میں آلاہ کارا جلائی ہوئی مشتاق چیخیری کے گھر کی طرف توجہ طور پر فیصلہ کیا تھا کہ مشتاق کو اس وقت ملا جب میں مشتاق چیخیری کے گھر پہنچی تو سارا اس کے ملازم نے مجھے پہچان لیا اور بیٹھے ہی بہا نہیں دیں۔

”و کب سے نہیں ہیں؟“ میں نے تیزی سے ”تیسرے پہر کے گئے ہوئے ہیں۔“

میں بہت غور سے ملازم کے چہرے کا جائزہ لے کر اس کے لیے ہر بھی خاص طور سے دھیان دیا تھا۔ یہ یقین لگیا۔ اس بات کا کوئی امکان نہیں تھا کہ وہ موجود ہو اور ملازم مجھے ملانے کی کوشش کر رہا ہو۔

میں جتنی تیزی سے یہاں آئی تھی اتنی ہی کے گھر کی طرف لوٹ گئی۔ میرے ملازم کے مطابق تھی اور کل کارڈوائسوں میں مصروف تھی۔

شکیل کے ملازم نے پولیس آفیسر کو میرے بارے میں میسج بالٹویں۔ ورنہ میں نے پولیس اسٹیشن فون کیا۔ پولیس آفیسر نے ایک مرتبہ بڑے غور سے یہ سنا۔

پھر بولا: ”دیکھا آپ وہ میسج بالٹویں جن کا نام تھا۔ ہے؟“

”میں سو فیصد وہی میسج بالٹویں ہوں۔“ میں نے ہونے کہا۔

۱۰۔ حضرت میں ہو سکتا ہے جب پہلے کبھی وہ آپ سے
 ۱۱۔ اور آپ نے انھیں رُک بچائی ہو
 ۱۲۔ تضرع ہوئے لیکن میں کمر نہیں سستی کروہ
 ۱۳۔ دراصل مجھ سے رُک اٹھانے والوں کی تعداد
 ۱۴۔ آپ کی خاصی شہرت مسن چکا ہوں
 ۱۵۔ میں نے کاش کوئی پہلو نہیں تھا۔ مدائیے! ہم ذرا
 ۱۶۔ گرد جھٹے ہیں۔ میں آپ کا ماننا بیان لیسنا
 ۱۷۔ آپ کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا
 ۱۸۔ اگلی سوال نہیں آئیں اس میں تاوان کا بہت احترام
 ۱۹۔ کے کا محفلوں سے تعاون کرنے کے لیے ہر وقت
 ۲۰۔ ایک
 ۲۱۔ گوارا کرنے میں ہوتی تھی جہاں سے کہیں رضا
 ۲۲۔ جب ہم دروازے کی طرف مڑے تو اس کمرے میں
 ۲۳۔ کی گھنٹی بجی تھی۔
 ۲۴۔ "پدیس آفیسر رُک کر بولا۔ شاید تمہانے سے

میں نے اس کے قریب پہنچ کر اس کے ہاتھ سے لیو رے لیا اور ساؤتھ پیس میں بولی ”ہیلو! بانو اسکینگ!“

”میں آپ کا ایک مخلص بول رہا ہوں لیکن آپ کو اپنا نام نہیں بتاؤں گا؟“

میری پیشانی پر کھنچاؤ پیدا ہو گیا۔

”ہیلو!“ آواز پھر سنائی دی۔

”ہاں میں سن رہی ہوں،“ میں نے کہا لیکن میں سننے کے ساتھ ساتھ بولنے والے کے لب و لہجے اور آواز پر بھی غور کر رہی تھی۔

”میں جونا مارکٹ کے علاقے سے بول رہا ہوں کیا آپ اسی وقت فورمل سیناٹک آسکتی ہیں؟“

”فورمل؟“

”جی ہاں! یہ کچھ بال کمار سینا....“

”اُس علاقے کے سارے سینا میرے دیکھے ہوئے ہیں۔ میرے بچھنے کا مقصد یہ تھا کہ میں وہاں....“

”کیوں آؤں؟“ دوسری طرف سے بولنے والے نے براجلہ بورا کر دیا۔

”ہاں میں یہی کمنایا چاہتی تھی“

”اور میں یہ کمنایا چاہتا ہوں کہ اگر آپ یہاں آجائیں تو اس سے آپ کو خاص فائدہ پہنچ سکتا ہے“

”کیسا فائدہ؟“

”یہاں ایک تھوڑی قسم کا چلنے والا ہے۔ یہاں جس سادور چلے گا وہ جیتا رہتا ہے۔ یہاں بیٹھنے والے زیادہ تر افراد توجہ خاتم پیشہ ہوتے ہیں یا ان کا تعلق مزدور طبقے سے ہوتا ہے۔ ہر وقت ریکارڈنگ ہوتی رہتی ہے اور یہ سچے اس موسیق پر توجہ کرتے رہتے ہیں“

”میں ان ساری تفصیلات کا مقصد سمجھنے سے قاصر ہوں“

”میں اب مقصد ہی کی طرف آ رہا ہوں کیا آپ کو خوشی نہیں ہوگی اگر آپ ایسے کسی مقام پر شتا چیکری کو بیٹھا ہوا دیکھیں؟“

”اوہ!“ مہربانی سے بیاختہ نکلا۔

”بس مجھے یہی اطلاع دینا تھی“ دوسری طرف سے کہا گیا، پھر سلسلہ منقطع ہو گیا لیکن میں لیو رے کو کان سے لگاتے کھڑکی کی کھڑکی میں گئی۔ میں ڈرا دیر کے لیے بیوں ہی تھی کہ میں کہاں ہوں! فون پر بولنے والے کی آواز اب بھی میرے کانوں میں گونج رہی تھی اور مجھے کچھ بچوں کی خوش ہوا ہوا جیسے وہ آواز جیسے فونز کی تھی وہ غالباً اپنی آواز کو بگاڑ کر بولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

مجھے اس پر اسرار انداز میں نے والی وہ اطلاع اگر درست تھی تو یقیناً اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا تھا لیکن یہ بات بھی نامکن

یا بعد از قیاس نہیں تھی کچھ پچاننے کے لیے کوئی جال بچھا یا جا رہا ہے۔
خیر، کچھ بھی ہو، وہاں ضرور جاؤں گی۔ میں نے یہ فیصلہ بالکل اچانک اور بڑی سرعت سے کیا۔ پھر اسی وقت مجھے یہ احساس بھی ہو گیا کہ میں کہاں کھڑی ہوں، بالکل آفسیروں کے عرس سے میرے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔
جب میں نے ریسو کو روک کر کیڈل پر رکھا تو میرے ذہن میں ایک لائحہ عمل کا خاکہ بھی پھر آیا۔



میری کار برق رفتاری سے تندر در دروازے پہلی جا رہی تھی۔ غالباً وہ دوسرا گیارہ بجے کا درمیانی وقت تھا اس لیے ٹریفک میں اتنا ہام کی کیفیت نہ پائی تھی۔ مجھے تیز رفتاری سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ جب کہ میں ذہنی طور پر بھی پوری طرح ڈرائیونگ کی طرف توجہ نہیں تھی۔ خیالات کا ایک بھتور میرے ذہن کو اپنی پسینہ میں لیے ہوا تھا۔ ٹیلیفون پر سنانی دینے والی وہ آواز میرے ذہن سے متناقل کی طرح چسپی ہوئی تھی۔ اسی آواز کی دی ہوئی اطلاع کے باعث میں اس وقت جونا مارکیٹ کے علاقے کی طرف جا رہی تھی اور مجھے شہر کا وہ آواز جھرنہ زردی کی تھی۔

جیسر فریڈر ایک بڑی بڑی دیو کا نمائندہ جو ان دنوں میری نگراں کرتا رہا تھا اور قرائن سے یہ بات پتا چلتی تھی کہ وہ مشتاق کا لہرہ تھا لیکن اس وقت اس نے مجھے جو اطلاع دی تھی وہ درست ہونے کی صورت میں مشتاق چنگیزی کے لیے نقصان ثابت ہو سکتی تھی۔

اس اطلاع کے مطابق چنگیزی اس وقت جونا مارکیٹ کے علاقے کے ایک تھرو ڈیٹ چائے خانے میں موجود تھا۔ آفسر کیوں؟ ایک اچھا خاصہ پڑھا لکھا اور پیسے والا شخص، اگر ایسے شہر مقامات پر دیکھا جائے تو یہ کوئی نظر انداز کی جانے والی بات نہیں تھی۔

میں نے جونا مارکیٹ کا قصد اس فیصلے کے ساتھ کیا تھا کہ اگر وہاں مشتاق چنگیزی موجود ہو تو وہاں راست اقدام کروں گی۔ باب صورت حال ایسی نہیں تھی کہ محض نگراں کے کام چلا جا سکتا۔ میرے خیال کے مطابق تنہا کے باپ کھیل رونا کے افزا میں مشتاق ہی کا ہاتھ تھا۔ کھیل رونا کے انوا کی سازش عین اس وقت تکمیل پزیر ہوئی تھی جب وہ مجھے شائستہ حبیب اور

رام لال کے مہنی سے متعلق کوئی نام، جب میری کار کسی سینا کے قریب کا احساس ہوا اور میں نے لہا جھٹک دیا۔ اب ضرورت اس بات کی ما ضرور مان رہوں۔ میں ایک ایسے ملا مجھ جیسی عورت کے جو در کو پوری خدمت دے۔ طبقے اور جرائم پیشہ افراد کا ایک گروہ ہے۔ میں ممکن تھا کہ وہاں کے رانا، چونک چوں کہ میری کار کی طرف دیکھا ہوا اس طرح ابھی ہوئی تھی کہ میں نے کسی کی آگزیسٹ کو محض سینا کے ساتھ گاؤں میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی نظر کو ڈرا ہوا۔ جس پر اس لیے میں ٹیڑھ سینا کے ساتھ منزل چھوڑنے کے لیے تیار ہو گئی۔ جب میں نے لہا سے آواز دہرا دی، میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جو میری طرف ان سب کو نظر انداز کرتی ہوئی اس چائے خانے سے غلے گا لے کر آواز کر رہی تھی۔

چائے خانے کے سامنے ایک جیب آؤی اس سے ٹیک لگا کر کھڑے تھے۔ ان دنوں تھیں جو تھیں چرس کی بھین۔ بوا کے نے ان کی بوسیری ناک تک پہنچا دی تھی۔ ان وضع قطع سے صاف ظاہر ہوا تھا کہ وہ جوالہ رکھتے ہیں۔ انھوں نے ایک مرتبہ چونک کر دیکھی تھی۔ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر میں چائے خانے کے قریب پہنچ کر ہوا تھا مجھے صاف سنانی دینے لگا۔ وہ شور مچا کر کی نزل تھی۔

راہ طلب میں کون کسی کا اپنے بھیجے جانے سے ٹھکڑے دھنکڑا لال، سب جانے میں اگر جمالات میں اس وقت اس کا رکھتی تو شاید مجھے ہنسی آجاتی اور اگر ان میں اس جاتے تو ابنا سر پہن لیتے کیونکہ ان کی اس نزل پیش کر رہے تھے۔ میں نے اس قسم کے جانے خافوں کے لیکن وہاں قدم رکھنے کا اتفاق مجھے پہلی مرتبہ ہوا

میں سر کو لیا۔ وہاں ہی جی بڑی تھی بولی نہیں مت چوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اس فریڈر پر بھی ل کے بارے میں یہ کہنا مشکل ہی تھا کہ وہ ماڈل کا فریڈر تھا۔
لوگ بیٹھے ہوئے تھے، ان میں سے بعض کے انورڈ، جیسے کچھ بیٹھے ہوئے تھے اور ان ان کی گردن میں ہائیں ڈال رکھی تھیں۔
تمی پر تھکے ہوئے دونوں بیچروں میں سے اورت تھا لیکن دوسرے پر دوسری نظر ڈالنا بھی

ان تدم رکھا تو ایسا لگا جیسے کسی جادوگر نے چوٹک چکر کا بنا دیا ہو۔ مجھے دکھ کر وہ بھی دم بخود ہو گئے۔ اس بزدلوں کا تھا اور جن لوگوں نے اپنے ساتھی ل میں ہائیں ڈال رکھی تھیں، وہ سیدھے ہو کر بیٹھ اور باؤل کا سلسلہ کھینچ ڈال گیا تھا اور اب اس ہاٹ خانے میں صرف حبیب ولی محمد کی آواز

اسی تھی، ہاں ہے، کیسے کیسے سمجھاؤں اب درخشاں تیر میں دھول کے پڑنے میں ملک کے پڑاؤں میں کی طرف مڑی چلی گئی جس ایک کرسی پر مشتاق چنگیزی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے من تپوں تھی اور وہ بھی یہاں کے ماحول میں غلڑا تھا لیکن میری بات اور تھی۔ ایک تو عورت لوگوں کے خیال کے مطابق ان خاصہ خوبصورت طرائق ہوں۔ اس کے علاوہ میری وضع قطع بھی امر کرک جیسی نہیں تھی۔ یہ تو جسم تہمتی رینگ کی اس تھا اور بائیں ہاتھ کی کلائی ایک خوبصورت پرک ہونے تھی۔ بوجھ اس لیے کہ پرس میں ایک بھرا ہوا تھا۔

مشتاق چنگیزی کے سامنے ایک کرسی خالی پڑی ہوئی المینا سے اس پر بیٹھ گئی۔
چائے خانے میں داخل ہوئی تھی، اسی وقت مشتاق ہوا تھا۔ اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی تھی اور جب اکتہ بیٹھی تو وہ بے حد مضطرب ہو چکا تھا۔
مشتاق: "میں نے زہر بولی میں مسکراہٹ کے ساتھ لہو تا بالکل خیریت سے ہو گئے"

راہ طلب میں کو...
حبیب ولی محمد کی آواز میرے اس کے حلق میں ایک گہمی برپا کر کے جو شخص کا دست پر بیٹھا ہوا رکھا تھا اس نے ریکارڈ سے سوئی، اٹھا دی تھی اور اب چائے خانے میں ایسا رتا تھا کہ اگر کوئی مڑ گئی بھی رتا تو سنانی دے جاتی۔
میری بات کے جواب میں مشتاق چنگیزی کے ہونٹ متحرک تو ہوئے تھے مگر کوئی آواز نہیں نکلی تھی۔
"خیریت!" میں ہنس پڑی، "دیکھا مجھے دکھ کر کھادی جوت گویا سلب ہو گئی ہے؟"

"تم.... تم.... مشتاق چنگیزی کی آواز میں لرزش تھی۔
"ہاں ہاں، بات پوری کرو۔
"تم یہاں کیوں آئی ہو؟
"یہ سوال تو میں تم سے بھی کر سکتی ہوں۔
"تم میرے پیچھے پڑ کر اپنی شامت کو کھوت دے رہی ہو انور۔
"خوب، میں نے بڑے ٹیکھے انداز میں کہا، "تو تم نے آفسر امتحان کر لی اب اگر تم میرے مہل نام سے واقف ہو؟
مشتاق نے بڑی سختی سے ہونٹ پیچنے لیے اپنی اس حماقت پر اس نے خود کو دس میں گالیاں ڈوسے ی آواز بولی۔

"خیر، میں نے شائستہ جھٹک کر کہا، "میرا خیال ہے کہ اب میں کھل کر بات کرنا چاہیے کیونکہ یہ وقت ادھر ادھر کی باتوں میں منانہ نہیں کیا جا سکتا۔ میں جانا چاہتی ہوں کہ کھیل رونا کہاں ہے؟
"کون کھیل رونا؟
"ڈاکٹر شکیل کا باپ؟
"کون ڈاکٹر شکیل؟" مشتاق نے مڑ کر بنا کر کہا، "پتا نہیں تم کون لوگوں کی باتیں کر رہی ہو؟"

"سنو شاک!" میں نے بہت سنجیدہ ہو کر کہا، "مہل ابھی ملک تم پر ہی طرح نہیں جان سکے ہو کہ میں کیا ہوں جو لوگ مجھے صرف عورت سمجھتے ہیں وہ بہت بڑی غلطی کر رہے ہیں۔ میں تمہیں اسی وقت اسی جگہ، شنگار کے تھادی کھال آ کر کھینچوں اور اس کے لیے مجھے کسی سہارا کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ یہ کام میرے صحت ان ہاتھوں سے ہو جائے گا جو بہت نرم و گداز نظر آتے ہیں۔"
"بالو! تم مجھے بڑھ رہی ہو!" مشتاق غرناہ وہ اچانک جیسے پوری طرح سنبھل گیا تھا۔ سنبھلنے سے پہلے اس کی نظر ایک مرتبہ دروازے کی طرف گئی تھی۔
میں نے کن آنکھوں سے دیکھا کہ تین لمبے تونگے آدمی چائے خانے میں داخل ہو چکے تھے اور تینوں ہی کا حلیہ دروایتی

غندول جیسا تھا۔

ہوں۔ ایسی بات ہے کہ ان تینوں کی آمد سے غلطی سے خبر ہوں۔ میں نے شائق کو گھوڑے کوئے کہا۔ ابھی میں حد سے نہیں جڑھی۔ جب معلوم ہو گی تو اس جگہ تھمادی جیونوں کے سوا کچھ نہائی نہیں دے گا۔

چائے خانے میں بدستور سنا چھایا ہوا تھا۔ سب کی توجہ ہماری طرف تھی۔ وہ ہمہ تن گوش تھے اور غالباً یہ سمجھنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے کہ میری اور شقائق کی گفتگو کا پس منظر کیا ہو سکتا ہے۔

”بانو!“ مشاق نے بڑے محنت لہجے میں کہا ”تھیں یہ نہیں
 بھولنا چاہیے کہ تم دس وقت کہاں ہو۔ یہ اسی جگہ ہے جہاں سے
 لوگوں کی لاشیں بھی غائب ہو جاتی ہیں۔“

”اگر تھک رہی لاش بھی غائب ہو گئی تو مجھے برا فرسوس ہو گا۔ یہی
نے تمخرا نہ ہے میں کہا لیکن میں اس بات سے بے خبر نہیں تھی کہ
وہ تینوں نورا در غنڈے میرے عقب میں پہنچ کر ٹوک چکے ہیں۔ ان
میں سے دو تو ہی تھے جنہیں میں نے چائے خانے کے باہر جیب
کے پاس کمرے دکھا تھا۔

”بانونا“ مشتاق نے ارطوکر کا ”بہتر ہو گا کہ تم یہاں سے فوراً چلی جاؤ۔ میں تمہیں آخری وارننگ دے رہا ہوں۔“

”اُس کے بعد آخری وارننگ کتنے بجے دو گئے؟“ میں نے پھر اُس کا مذاق اڑایا لیکن میں برہنہ کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہو چکا تھا۔

مشتاق نے میرے عقب میں کھڑے ہوئے آدمیوں کو اشارہ کیا کہ وہ مجھے سنبھالیں۔ ادھر اُس نے اشارہ کیا اور ادھر میرے دائیں ہاتھ نے بڑی سرعت سے حرکت کی۔ مشتاق کے منہ میں گال پڑا۔ اس نے اتنا بچہ لگا پڑا تھا کہ وہ اپنی کرسی سمیت گرتے گرتے بچا لیکن میں نے خود کو کرسی سمیت بائیں جانب گرا کر بائیں طرف لیٹ لیا۔ یہ تھا کہ عقب سے مجھے دو بچے کی کوشش کی جائے گی۔ میرا قیاس سرفیصلہ درست ثابت ہوا۔ ادھر میں نے خود کو بائیں جانب گرایا اور ادھر مجھے دو بچے کی کوشش کرنے والا اپنے کی زوئیں میں پڑے اونچا گرا فوراً ہی میں نے اپنی دائیں ٹانگ کو حرکت دی۔ میری سر اور ہاتھ گرتے والے کی پسلیوں پر ایک بھر پور جھلک پڑی اور وہ بائیں جانب بیٹھے ہوئے آدمیوں کو گرا کر ہوا میں خود ہی غرق نہیں ہو گیا۔

میں گری بھی تھی اور میں نے لات بھی رسید کی تھی اس لیے میری سادھی اور پتھر کی کوٹ اوپر ہر کوٹھے کیکی ایسے ہی عقول پر عیانی کے اندیشے کے تحت میں ایک چٹت قسم کا زریا ہندو پینے رہتی ہوں۔

لا تا رسید کرنے کے فوراً بعد یہاں

میرے جسم میں اسپرنگ لگے ہوئے ہیں۔
 ساڑی کے دھکے ہوئے انچل کر پوٹیا
 اس دھینگا مستی میں میری ساڑی تھا
 مجھ دوپٹے کی ناکام کوشش کر لے

ساتھی مجھ پر تھپتھپا اور مجھے جوڑو کڑا کر اٹھ کر
 مل گئے۔ یہ باتھڑا تھے جو خاک ہوتے ہیں اور
 مرغ پھیل کر اس طرح شرب جاتا ہے۔ اس صوم
 میں اُن دونوں کی چھتیں اس طرح گونگنیں
 چاٹنا کہ بہت سے اسپیکر کھول دیے جاتے ہیں
 ہاتھ کی ہڈیوں میں اُن میں سے ایک سے شل
 پر ریز تھپتھپ۔

جس نے مجھے دبوچنے کی کوشش کی تھی،
 لپکا۔ میں نے اس کی زب سے نکلنے کے لیے تیز
 اور پھر ایک بار میں نے خود کو مشاق بگینے لگے
 میرے جسم میں غصے کی شعلیں جل اٹھیں یہی غصہ
 میری دانست میں شکیل کی توت بھی اسی ٹوکھا
 محبوب کے محبوب کا قاتل تھا۔ یہ ثابت ہو چکا
 اُسے بہت ہی خوفناک سزا دی تھی لیکن فی الحال
 سنے رفو تھوڑا کر سید کر رہا۔

وہ لو کہلایا ہوا سا کھڑا تھا میرے دونوں
کھانہ کھانے کی سمیت دیوار سے جا ٹکرایا۔
چائے خانے میں افراتفری مچ گئی تھی۔
نئے کسی عورت کو اڑنے ہوئے دیکھا ہو۔ کوئی
جس کے جہیز پر حیرت مخمذ ہو گئی ہو۔

میں نے جس کے شانے پر کراٹے کا ٹکڑا
خونفک اداوے سے سری طرف بڑھا۔ اُس
لوگ کی بوتل اٹھا کر توڑ ڈالی تھی اداوہ اُس
گردن کی طرف سے پکڑے ہوئے سری طرف
کی آنکھیں، سیسی پر ہر سی تھیں جبے اُن میں
ٹوٹی ہوئی بوتل کے ٹوٹیلے حصوں کو میرے
کردینا چاہتا تھا اور دھرمیں اُس کے حملہ
کے لیے پوری طرح تیار تھی۔ مجھے اتنی ہمت
کہیں اپنے پرس سے پستول نکال کر اداوہ
کے بغیر ہی اس صورت حال سے نمٹنا تھا۔
جب وہ مجھ سے تین چار فٹ کے فاصلے

اُس کی ناگول میں اس طرح بلب لدی کہ
اے اُس کے دوسرے ساتھی نے مجھ پر جست
دور کو میں نے کر تیرے غنڈے کی ناگول
میں کی ناگول پر کر گھسٹ لیں۔ وہ چت گرا
مت لگتی تھی، نہ پختہ فرس پراوند ہاگرا تو اُس
نے سب ہوگی۔

وقت پاسے خانے کے باہر کوئی جیچا۔ پولس“
 ے دکھلا کر اٹھے۔ وہ خامس سخت جان تھے ورنہ
 نہ پاتے۔ ان تینوں کے علاوہ شائق چنگیزی
 کھربا سب ترغیح تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے
 نکلتا جاتے ہوں۔

ہاں، ملت مل گئی تھی کہیں اپنے پرس میں سے سوتل
میں میں فرار ہونے سے روکنا چاہتی تھی اور یہ کوئی شکار
ہاں اچانک تاریکی نہ چھا جاتی۔ غالباً آئینہ مندریں
سر زار مدام تھا۔

لو بڑی تیزی سے ایک کونے میں سمیٹ لیا کیونکہ
!؟ بیختمی تھی۔ اگر میں ایک طرف نہ ہوجاتی تو
الکر رہتی۔

ہیں اسٹریٹس نہیں چائے کی پیالیوں اور
چھانکے سناڑے رہے تھے۔ دو چار آدمی
بیچ رہے تھے اور ان میں سے کوئی بھی ایسٹین
نکریں نہ رہ۔ وہ کم از کم چرس نوشی کے جرم
سکتے تھے۔

کے باہر لوہیں جیپ کے ڈکنے کی آواز سنانی پڑی۔
 برے لیے غیر متوقع نہیں تھی، کبھی رضا کے گھر
 پر دو گرام ملے ہوگا تھا۔ یوں کو صرف ایسی صورت
 تھی جب کوئی ہنگامہ ہو جاتا۔ پر دو گرام کے
 جیپ کو کمار سینا کے قریب کھڑا ہونا تھا
 وہ اس کے ڈیوٹی پر تھی کہ وہ چائے خانے
 کی نگرانی کرے۔ ہنگامہ ہونے ہی اس نے
 اطلاع دی تھی کہ جیپ چنانچہ وہ رات ڈیڑی سے

اس کے والد نے اسے بھگت پڑا تو نہیں پاسکتے تھے۔ کہہ سکتی تھی کہ میرے مطلوبہ آدمی بھی گرفتار

ہوسکیں گے یا نہیں!

پولیس والوں نے مار میں مبتلا ہی تھیں۔ انہیں اس
افرائقی پر ہتھیار لگانے میں کچھ وقت لگا اور اتنی دیر میں
خاصے آدمی فرار ہو چکے تھے۔ صرف گیارہ آدمیوں کو گرفتار
کیا جاسکا۔

میں اب اطمینان سے ایک پیچ پر بیٹھ گئی تھی اور اپنے پرس میں رکھ لیا تھا اور ساری بھی ٹھیک کر لی تھی۔

جب فیروز جو کہ وہاں درتشی کی محکمہ تو میں نے کرنا شروع کیا تو نظر والی۔ اُن میں مشتاق چنگیزی نہیں تھا۔ وہ تین خندے جو پھر ہر جملہ اور جوڑے تھے اُن میں سے بھی ایک غائب تھا اور باقی دو دن خندے دین تھے جنہیں میں نے پائے خانے میں داخل ہوتے وقت ایک جیب کے قریب کھڑا ہوا دیکھا تھا۔

پولیس آفیسر تیزی سے میری طرف گیا وہ دلوں میں نے آپ کے
 کہنے سے غفلت میں یہ قدم اٹھا لیا لیکن اب میری جگہ میں نہیں آ رہا
 ہے کہ ان لوگوں پر کیا چارج لگاؤں۔ آپ کو یقین ہے کہ انہی لوگوں نے
 ہسٹریکل رونا کا انوکھا کلب ہے؟“
 ”مجھے کوئی فیصلہ یقین سے ملے گا ایک گروٹر بڑھ چکی ہے۔“
 ”وہ کیا؟“

”وہ اہم آدمی مزار ہونے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ جن لوگوں کو آپ نے کبڑا ہے، ان میں سے صرف دو آدمی مجھے کام کے ہیں، یہیں نئے اشلے سے سائن دونوں اشیوں کے باسے میں بتایا اور پھر کہا: باقی لوگوں کو کب چھوڑ دیں۔“

”اور ان دونوں پر کیا ساج لگاؤں؟“
 ”نقص! اس کا ساج تو بھال گیا جاستا سے جن لوگوں کو آپ
 و ہا کر کے گئے ہیں اس میں سے کسی آدمی کو آپ اس بات کا گواہ بننے پر آمادہ
 کر سکتے ہیں کہ ان دونوں نے یہاں بنگامہ پر کیا کیا تھا؟“
 ”اگر فیصل رضا کا معاملہ؟“

”اب یہ کام آپ کا ہے کہ ان دونوں کو زبان کھولنے پر مجبور کر دیں۔“

ان دنوں کو لے جاتا ہوں لیکن بہتر ہوگا کہ آپ ان کے خلاف یہ ایف آئی آر تو
 کٹوائیں دیں کہ انھوں نے آپ پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ اگر آغا سے ان کا
 تعلق ثابت نہ ہو تو بھی آپ کی ایف آئی آر ایک گرفتاری کا ایک
 مضبوط حوالہ بن جائے گی۔

”مضبوط حوالہ تو یہ بھی ہے کہ ان لوگوں نے جس کے نقشے میں
 میرا مار دھاڑی۔ اپنی جان بچانے کے لیے اس چائے خانے کا
 مالک بھی دونوں کے خلاف گواہ بننے پر مجبور ہوا جائے گا۔ آئیرا
 واصل میں اس معاملے میں ملوث ہونے سے گریز چاہتی ہوں میں
 آپ کی بے حد شکر گزار ہوں گی اگر آپ مجھ سے تعاون کریں میں تو
 انوکھے گمان کو فضا کر کے اپنے بعد بھی اپنا نام پرچے میں رکھنا چاہوں
 گی اور یہ یقین ہے کہ ان لوگوں کو زندہ کرانے میں مجھے زیادہ حصہ
 نہیں ملے گا۔ میں نے ان دونوں مفروضوں کو پھانسیا لیا ہے اور بہت
 جلد انھیں دھوکہ لگا دینا چاہتا ہوں گرفتار کرنا آپ کا کام ہوگا۔ میں تو آخر تک
 پس پروردہ ہی رہنا چاہتی ہوں۔“

پولیس آفیسر کو یہ سوچ کر مجھ سے تعاون کرنے پر پوری طرح تکانا
 ہو گیا اور میں اسے رسمی کارروائی پوری کرتے ہوئے جھوٹے گواہوں
 سے رونا ہونٹتی۔

اب مجھے یہ دیکھنا تھا کہ مشتاق چنگیزی نے اپنے گھر کا رخ کیا
 ہے یا نہیں؟ ایک امکان یہ بھی تھا کہ اس بڑے گھر آرائی کے بعد وہ
 ہو کھلا کر دل پرش ہو جاتا۔

لیکن اس بات کو چیک کرنے سے پہلے میں اپنے گھر کا رخ کرنا چاہتی
 تھی۔ مشتاق چنگیزی کے غمزوں سے متاثر کرتے ہوئے میری سادھی
 پر غامضہ دھتے آگئے تھے اور میں مشتاق چنگیزی کی گھر جانے سے پہلے
 اُسے تبدیل کرنا چاہتی تھی۔

جب میں گھر پہنچی تو ملازمہ نے بتایا کہ مشکل ایک منٹ پہلے
 کسی کا فون آیا تھا لیکن میری عدم موجودگی کا فہم ہونے کے بعد فون
 کرنے والے نے اپنا نام بتاتے بغیر فون سنکٹ کر دیا تھا۔

مجھے تبدیل کرتے ہوئے میری ذہن اس سوال میں الجھ رہا کہ
 فون کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ کیا جیمز فریزر؟

اُس شخص نے اب میرے ذہن کو بہت بڑی طرح الجھا دیا تھا۔
 میں تو اُسے مشتاق چنگیزی کا ساتھی سمجھتی رہی تھی لیکن آج کا واقعہ کچھ
 اور ہی ثابت کر رہا تھا۔ اُس نے مجھے مشتاق چنگیزی کے بارے میں بالکل
 درست اطلاعات دی تھی اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ وہ بالکل سیرے
 لیے پہلے سے کوئی جال نہیں بچھا یا گیا تھا۔

مجھے تبدیل کر کے میں مشتاق چنگیزی کی گھر کی طرف راہ پر گئی۔
 اب رات خامی گزر چکی تھی اور مڑ مڑ کر ہلنے نہ رہا۔ ٹریفک رگ گیا

مشتاق۔
 کار کی آواز میں کشتاق چنگیزی کا ایک
 نکل آیا اور میں نے اُس سے پوچھا کہ کشتاق
 ”جی ہاں۔“

یہ جوب ایسا تھا کہ مجھے جھٹکا سا لگا اور میں
 بولی نہ آگئے۔ مجھے جیسے اپنے کانوں پر یقین نہیں
 ”جی ہاں“ میں اُنھیں آپ کی آواز سے آگاہ کر
 بیٹرو میں ہیں۔ آپ ڈیڑھ دو مہینے میں تشریف لائیں
 میں استعاب کے عالم میں آگئے مگر میں اُنہیں
 میں ہٹا کر چلا گیا اور میں سوچتی رہی کہ کشتاق چنگیزی
 اپنے گھر والے آکر ٹریڈ یہ دیر کی تاخیر دیا ہے۔
 مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ مشتاق چنگیزی
 لباس پر گاؤں پینڈو ڈھنگ دم میں داخل ہوا۔
 ”خوش آمدید بانو“ اُس کی سکرٹ لٹ ہوئی
 ”خوب“ میں نے اُسے گھورتے ہوئے کہا کہ آپ
 گفتگو کر سکتے ہیں کہیں؟“

”جیہاں آپ مناسب سمجھیں“ مشتاق نے اہستہ بہ
 اطمینان سے میرے سامنے ایک موم پر ہونچ گیا۔ میں
 رات پڑا ہوا نہیں دیکھا تھا۔

میں چند لمحوں کی آنکھوں میں دیکھتی رہی کہ وہ
 کہاں ہے؟

”جہاں اُس کی رضا ہوگی وہیں ہوگا“ مشتاق نے
 پھر اس طرح قہقہہ لگایا جیسے اپنے نفس سے بہت فائدہ
 ”نی ابلال تو وہ جہاں بھی ہے تمھاری رضا کے عالم
 نے؟“ گھورتے ہوئے کہا۔ لیکن تمھاری یہ رضا تھا
 سکتی ہے۔“

”خوب“ مشتاق مسکرایا غالباً آپ نے کوئی فقرہ
 مجھے اُس کے اس تسخیرانہ انداز پر بعض آسنا تھا لیکن
 کو قابو میں رکھنا ضرورت اس امر کی کہ میں اُنھیں غصے دل
 ساتھ گفتگو کر کے کشتاق کے منہ سے کوئی ایسی بات آگاہ
 میری رہ نمائی کر سکے۔

”میں نے کوئی فقرہ نہیں کہا“ میں سکرانی ”فقرت ا
 میں پولیس کرتی اگر تم چاہتے خانے سے بھاگ نہ لے پے۔
 چائے خانے سے بھاگ نہ لیا ہوتا؟“ مشتاق نے
 متیر تہ انداز میں کہا ”آپ کہاں کی باتیں کر رہی ہیں نا؟
 کا چائے خانہ اور کیا ہو گا؟ میں تو آج سارا دن اپنے گھر

کے گواہ ہیں۔“

یہ موجود لوگ بھی اس بات کی گواہی دیں گے
 تھے۔“

چنگیزی نے زور دے کر کہا ”یعنی آپ نے مجھے
 گمے نہ کر کے کچھ گواہ بھی جمنے دیے ہیں؟“
 ”کہاوی ٹی ہوگی تاکہ وہ مجھے شناخت کر سکیں۔“
 ”اے اے آپ کو آخر مجھ سے کیا دشمنی ہو گئی ہے۔“
 ”میں اپنی کار پر گولیاں چلاؤں اور پھر اُس سے
 ناپا پروردہ کا تھکا دے اور میرا کیا کیا تھا پھر اب
 اُسے لیکن میں ان حرکتوں سے خوفزدہ نہیں ہو سکتا
 لے سکتی ہے کیونکہ میں ضمانت نامہ قبل از گرفتاری

مہرت زیادہ ملحق نظر آئے ہیں۔ میں نے ایک
 ”ما“ لیکن اس بات کو یاد رکھو شہید چنگیزی کو سیدہ بانو
 پہل چھل نہیں سکا۔“

”یہ سحر نہیں لی ہے۔ آپ خود ہی مجھ سے اُنکو
 گم نہیں سمجھ کر کہوں کہ اس کا سبب کیا ہے؟“
 ”جی ہے جے چھپانے کے لیے تم نے کھیل رونا

”کہا اُنھیں کو ایسا عدالت میں اس قسم کے بے بنیاد
 ”آپ کے لیے بہت مشکل ہوگا۔“

”ماہ ہو مشتاق چنگیزی“ میں نے اُسے گھورتے
 نامہوں کو کہیں سے نہیں مینے دتی۔“

”نہ کا خوشگوار موڈ لیکن بدل گیا اور اُس کی پیشانی
 ”مرد بچے میں بولا۔ یہ میں ایک نیا لالام شرن

”ما اہل کی ہر چیز پر قہقہہ کر نکلتا ہے۔“

”میں چنگیزی غریبان لالام نے اُنکو دیر سب کچھ
 بتا۔“

”اُم نے اُس پر کیا دبا ڈالا تھا؟“

”س پر کوئی دبا نہیں ڈالا۔“ مشتاق چنگیزی ہنستا ہوا
 ”میں پہلے بھی کچھ جاکوں کہ اس مومنوت پر مجھ سے
 ل نہوت نہیں ہے۔ اگر لالام کو مجھ سے کوئی شکایت
 ”اپنے بہرہ ور کو سب کچھ بتا دیتا۔“

”جاسکتی ہیں“ مشتاق چنگیزی نے میری بات کاٹتے ہوئے

کہا اور اندر دھڑلے کی طرف بھاگا۔

یہ درمیان واقعہ تھا کہ میں نے لالام کے ذکر پر مشتاق چنگیزی
 کو مشتعل ہوتے ہوئے دیکھا۔ اب مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا
 کشتاق چنگیزی کو لالام سے شدید نفرت ہے۔

مگر کیوں؟

یہ ایک اہم سوال تھا۔ مشتاق چنگیزی کو تو لالام سے نفرت
 ہونا ہی نہیں چاہیے تھی کیونکہ اُس کے پاس جو کچھ بھی تھا وہ لالام
 ہی کا دیا ہوا تھا۔

میں ڈھنگ مڑم میں بیٹھی یہ سب کچھ سوچتی رہی اور مشتاق چنگیزی
 اندر دھڑلے سے دوسری طرف چلا گیا۔ اُس نے میرے دھتے
 ہونے کا بھی انتظام نہیں کیا تھا۔

دفعہ ایک تفریح کی آواز بجنے میں گونج اُٹھی۔ وہ مضمین
 ”مردادہ جتنی اور میر دھتے سادہ سادہ سنا دیا تھا۔“

میں حوصلے سے اچھل پڑی۔

دھتے انداز میں قہقہے لگاتے ہوئے کوئی شخص چنچ چنچ کر کہہ
 رہا تھا ”دھتے لیا، دھتے لیا، مجھے راستہ مل گیا۔“

وہ آواز دھتے چنچ اور وہ قہقہے کسی ایسے ہی شخص کے ہو سکتے تھے
 جو پچاس پچاس سال کی عمر کا ہو۔

میں اپنے تجسس کو دبا نہ سکی اور بے تحاشا اندر دھڑلے کی
 طرف چھٹی۔

لیکن میں دھڑلے کو عبور نہیں کر سکی۔ مشتاق چنگیزی اچانک
 دروازے میں اکھڑا ہوا تھا۔ اُس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر میری راہ روک
 لی تھی۔ وہ مجھے گھورتا ہوا بڑے غصے سے بولا ”میں کتنا ہوں تمہیں
 سے فوراً چل جاؤ؟“

وہ دھتے انداز اب بھی سنائی دے رہی تھی ”میں گیا مجھے
 راستہ مل گیا۔“

”یہ کون چنچ رہا ہے؟“ میں نے مشتاق کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

”تم اپنی حد سے تجاوز نہ کی کہ تم جی جی ہو سیدہ بانو۔“

میں نے گھر کو مداخلت میں داخل انداز کی گواہی تھی ”میں چنچتا۔“

میں نے اُس کی بکواس پر دھیان نہیں دیا۔ میرا ذہن اب بھی
 اُس دھتے انداز کی طرف لگا ہوا تھا اور میں اندازہ لگانے کی کوشش
 کر رہی تھی کہ وہ کون کھیل رہا کیوں نہیں ہے؟

میں نے اُدھ لکھل رہا کیوں نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ کوئی اور ہی تھا
 جواب چنچ چنچ کر کہہ رہا تھا ”مجھے جوڑ دو میں اب اس تہ خانے
 میں نہیں جاؤں گا۔ چھوڑ مجھے اُ“

شاید اُس آدمی کو کسی نے پہچان لیا تھا۔ میں نے معلوم نہیں کو

دیکھنے کے لیے آئی ہے مبین برہمنی حتی کہ میں نے ہر اعتبار سے گورگوالا سے ملایا
رکھو دیا اور مشتاق چنگیزی کو بری کر دوسرے دھوکے کر کے اندر گھسے چلی
گئی۔ مشتاق چنگیزی کرتے کرتے بڑی مشکل سے سہلا تھا۔ میں اس آواز کی
سمت دوڑتی چلی گئی۔ مشتاق میرے پیچھے لپکا۔ ساتھ ہی وہ چہانہ نہ تم
اچھا نہیں کر رہی ہو باؤ! میں پولیس میں تمہارے خلاف رپورٹ
کروں گا۔

اگر وہ پولیس کی بجائے میرا ہر مملکت کی دھمکی دیتا تو بھی میں اس
وقت نہ گنتی۔ میں ہر وقت پر اس معلوم شخص کو دیکھنا چاہتی تھی جسے
مشتاق چنگیزی نے غالباً کسی تہ خانے میں قید کر رکھا تھا۔

بنگلہ کی وسعت زیادہ تھی۔ میں اس لیے میں جلدی اس
کر رہی تھی۔ پہنچتی جہاں ایک دو بلا تھوڑا مشتاق چنگیزی کے گھر پہ
ملازمین سے ہر روز آتا تھا۔ انہوں نے ملازمین اسے بڑی طرح جکڑے ہوئے
تھے اور اسے گھسٹ کر وہاں سے لے جانا چاہتے تھے لیکن اس
دبے پستلے بڑے میں اس بلایا کی طاقت تھی کہ وہ ملازمین سے
بچے تھے۔

”میں اب وہاں نہیں جاؤں گا۔“ بڑا جھجھکا رہا تھا۔ ”میں اب۔“
وہ بکھڑے خاموش ہو گیا اور مجھے گھونسنے لگا۔ یہ وہ ملازمین بھی تھے
جو کچھ پریشان ہو گئے تھے۔

میرے پیچھے پیچھے مشتاق چنگیزی بھی کر رہی تھی۔ میں داخلہ میں
اب پوری طرح چوٹی تھی کہ اگر مشتاق چنگیزی جھپکے کرے تو میں ہنا دھانسا
کر نکلوں۔

لیکن مشتاق نے مجھے گھونسنے سے منع کر دیا۔ ”میں تم سے
قانونی طور پر رہنمائی کا مقصد ہوں۔“ اور پھر بڑے کی طرف بڑھ گیا۔
اس نے ملازمین سے کہا: ”انہیں چھوڑ دو۔“

ملازمین نے بڑے کو چھوڑ دیا۔ بڑے نے اپنی جگہ سے بالکل
حرکت نہیں کی۔ وہ بس گھونسنے سے باز رہتا تھا۔ مجھے یہ کی آنکھوں
میں دیکھی تھی۔ دشت نظر اب بھی تھی جیسی کسی پاگل کی آنکھوں میں
دکھائی دیتی ہے۔

”آپ باہر کیوں آئے؟“ مشتاق چنگیزی نے بڑے کے کندھے
پر ہاتھ رکھ کر بڑی نرمی سے کہا۔

”بیوقوف! بڑے نے بڑی سنجیدگی سے کہا: ”آخر چہزہ بھی تو اپنے
سے باہر آتا ہے۔“

”لیکن آپ کو راستہ کیسے ملا؟“

”جیسے چہزہ سے کوئلہ سے۔“ بڑے نے کہا اور چہزہ تم غریف
میری طرف آتا تھا کہ لو! یہ چوڑی کون ہے؟“

”یہ کوئی نہیں ہے۔ بس آپ اپنی خواہ گاہ میں چلیے!“

”خواب گاہ! بڑے نے ہر پرہیزگار کو
کوئی کھڑکی سے نہ روکنا۔۔۔“
”لیکن ڈاکٹر نے یہی تو کہا تھا آپ کو
جائے۔ آپ بھول گئے کہ کھلی دفن آپ کی مصلحت
ثابت ہو سکتی ہے۔“

”اسے ہاں! یہ تو میں واقعی بھول گیا تھا
”بس تو صبر چلیے وہیں!“

”جولو! بڑے کو خوفزدہ ہو گیا۔ میں اس کا
پہنچا رہی ہے۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے
گاری ہو سو تو کہاں بھول جائے۔“

مشتاق نے بڑے کے شانوں پر ہاتھ رکھا
اور دایہ کی طرف لے جانے لگا۔ پاگل بڑے کو اس
کرنا تھا۔ دروازے سے گزرتے وقت اس ملے
سے کہا: ”انہیں برادر سے تک چھوڑ آؤ! اس
طرف تھا۔“

میں خود ہی باہر جانے کے لیے بیٹھ گئی۔ لہذا
ملازمین کے دھوکے کی اہمیت سمجھتی تھی۔ یہی سب
طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا تھا۔ میں اس کا
میں سوچ رہی تھی جسے مشتاق چنگیزی نے انکار
آج ہی میرے علم میں یہ بات بھی آئی تھی کہ اس
بھی موجود ہے۔ اب یہ بات دریافت طلب ملے
نے ہونا تھا۔ یہ اس بنگلے میں پہلے ہی سے موجود
سنگیتا سے معلوم ہو سکتی تھی کیونکہ پہلے تو اس بنگلے
سنگیتا ہی رہتے تھے۔

لیکن بڑے کے پاس سے میں مجھے کون بتانا؟
میں نے بڑے میں سے ترک کر ملازمین کی طرف
پاگل بڑے سے کہا: ”میں نے وہاں کا چھاپا ہے؟“

”ہاں!“ ایک ملازم نے جواب دیا۔ ”صاحب کو
کو اپنے چھاپا کو اگلے خانے میں داخل کر لیں! اس سے
پر کر کو ان کا علاج کر لیں۔“

”دکس ڈاکٹر سے؟“ میں نے پوچھا۔

جواب میں اس نے دعائیہ سہرائی کے ایک لہجہ
نے وہ نام ایک آدھ بڑا تھا۔

”یہ کیسے زیر علاج ہیں؟“ میں نے پوچھا۔
ملازم کچھ جواب دیتے ہی وہ لپکا تھا کہ اس کے مامی
نو کا دے کر چھپ کر دیا اور پھر مجھ سے بولا: ”آپ یہ سارا۔“

”خواب گاہ! بڑے نے ہر پرہیزگار کو
کوئی کھڑکی سے نہ روکنا۔۔۔“
”لیکن ڈاکٹر نے یہی تو کہا تھا آپ کو
جائے۔ آپ بھول گئے کہ کھلی دفن آپ کی مصلحت
ثابت ہو سکتی ہے۔“

”اسے ہاں! یہ تو میں واقعی بھول گیا تھا
”بس تو صبر چلیے وہیں!“
”جولو! بڑے کو خوفزدہ ہو گیا۔ میں اس کا
پہنچا رہی ہے۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے
گاری ہو سو تو کہاں بھول جائے۔“

مشتاق نے بڑے کے شانوں پر ہاتھ رکھا
اور دایہ کی طرف لے جانے لگا۔ پاگل بڑے کو اس
کرنا تھا۔ دروازے سے گزرتے وقت اس ملے
سے کہا: ”انہیں برادر سے تک چھوڑ آؤ! اس
طرف تھا۔“

میں خود ہی باہر جانے کے لیے بیٹھ گئی۔ لہذا
ملازمین کے دھوکے کی اہمیت سمجھتی تھی۔ یہی سب
طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا تھا۔ میں اس کا
میں سوچ رہی تھی جسے مشتاق چنگیزی نے انکار
آج ہی میرے علم میں یہ بات بھی آئی تھی کہ اس
بھی موجود ہے۔ اب یہ بات دریافت طلب ملے
نے ہونا تھا۔ یہ اس بنگلے میں پہلے ہی سے موجود
سنگیتا سے معلوم ہو سکتی تھی کیونکہ پہلے تو اس بنگلے
سنگیتا ہی رہتے تھے۔

لیکن بڑے کے پاس سے میں مجھے کون بتانا؟
میں نے بڑے میں سے ترک کر ملازمین کی طرف
پاگل بڑے سے کہا: ”میں نے وہاں کا چھاپا ہے؟“

”ہاں!“ ایک ملازم نے جواب دیا۔ ”صاحب کو
کو اپنے چھاپا کو اگلے خانے میں داخل کر لیں! اس سے
پر کر کو ان کا علاج کر لیں۔“

”دکس ڈاکٹر سے؟“ میں نے پوچھا۔

جواب میں اس نے دعائیہ سہرائی کے ایک لہجہ
نے وہ نام ایک آدھ بڑا تھا۔

”یہ کیسے زیر علاج ہیں؟“ میں نے پوچھا۔
ملازم کچھ جواب دیتے ہی وہ لپکا تھا کہ اس کے مامی
نو کا دے کر چھپ کر دیا اور پھر مجھ سے بولا: ”آپ یہ سارا۔“

”خواب گاہ! بڑے نے ہر پرہیزگار کو
کوئی کھڑکی سے نہ روکنا۔۔۔“

”دراصل انہیں اس سلسلے میں کچھ زیادہ معلومات نہیں تھیں، تاہم
انہیں جتنا معلوم تھا وہ میں معلوم کر چکا ہوں۔“
”یعنی؟“

”وہ دونوں اس بات سے تو باخبر ہیں کہ آج رات ایک شخص
کو اغوا کیا گیا ہے لیکن وہ اغوا ہونے والے کے نام سے بے خبر ہیں
ہر چند کہ اغوا کرنے والے وہی تھے۔“
”کیا بات ہوئی؟“

”جووشی نے انہیں یہ نہیں بتایا تھا کہ اسے اغوا کیا جانا ہے وہ کون
ہے؟“
”یہ جووشی کون ہے؟“

”بقولادی کے طے کا ایک بڑا شخص ہے۔ ایک سبڈ جج
اور دو مرتبہ کا سزا یافتہ ہے۔ پولیس انہیں سرنے بتایا۔ اس نے ان
کو کھیل رضا کے اغوا میں ایسا معاون بنایا تھا اور معاوضے میں پانچ
تھیں مگر ان دونوں نے یہ سوچا تھا کہ ہر جگہ کے وقت جانے والے
میں وہ شخص بھی موجود تھا اور آپ اس کے پاس جا کر رہیں تھیں۔ آخر
وہ کون تھا؟“

”مجھے ٹیلیفون پر اس کا طے بتایا گیا تھا۔ میں نے جواب دیا میں
میں جانتی تھی کہ پولیس انہیں مشتاق کے پاس میں یہ کئی سوال
پانچ سو روپے تھے۔ یہ دونوں اس آدمی کے نام سے بے خبر ہیں
جس نے کھیل رضا کے اغوا کے لیے جووشی کی خدمات حاصل کی
کر بیٹھے لہذا میں خود ہی اس سے ایک بات پوچھ بیٹھی۔ آپ
نے ان دونوں سے یہ بھی پوچھا کہ وہ شخص اس چانے خانے میں
کیوں بیٹھا ہوا تھا؟“

”میں نے اس بات سے میں پوچھا تھا۔ ان دونوں نے بتایا کہ وہ
وہاں جووشی ہی کا انتظار کر رہا تھا۔ دراصل اغوا کے آپریشن میں اس
شخص نے خود شرکت نہیں کی تھی اور طے یہ بتایا تھا کہ جووشی سے وہ
اس چانے خانے میں ملاقات کرے گا اور وہیں سے جووشی اسے اس
جگہ لے جائے گا جہاں کھیل رضا کو قید کیا گیا ہے۔ اس شخص نے یہی
طے کیا تھا کہ قید خانے کا مسئلہ بھی خود جووشی ہی کو حل کرنا ہے۔ اغوا
میں صرف یہی دونوں آدمی جووشی کے ساتھ تھے۔ انہوں نے ایک جیب
استعمال کی تھی جس میں کھیل رضا کی ہوشیار چھاپا تھا۔ جووشی نے
پھر بیٹھا کہ قریب ان دونوں کو اپنی جیب سے آ کر دیا تھا اور ان
سے کہہ گیا تھا کہ وہ اس چانے خانے میں اس کا انتظار کریں۔ یہی وجہ
ہے کہ ان دونوں کو اس جگہ کا علم نہیں جہاں کھیل رضا کو قید کیا گیا ہے۔“
”پھر آپ کیا کر رہے ہیں؟“

”میں جووشی کے گھر پر چھاپہ مارنے کے لیے اسکو ڈر ترقیب دے
وں نے کہا تھا؟“

"میرا خیال ہے کہ جوشی نے یہ حماقت نہیں کی ہوگی"

"کیسی حماقت ہے؟"

"اُس نے کفیل رضا کو اپنے گھر پر نہیں رکھا، بڑا اگر رکھا ہوگا تو اس پرنگانے کے بعد اُسے فوری طور پر کہیں اور منتقل کر دیا ہوگا"

پولیس آفیسر ایک دھڑکنے والے جھپکڑے کر دیا ایسا ممکن تو ہے لیکن جوشی کی تلاش میں شوکرنا نای ہے"

"وہش یوگنڈا گیا؟" میں نے اچانک یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

دراصل میں نہیں جانتی تھی کہ پولیس آفیسر مجھے سے ملاقات شروع کرنے میں اُسے اپنی سرگرمیوں کے بارے میں کچھ نہیں بتانا چاہتی تھی جبکہ اُس جیسا سے نے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا۔ اصولاً یہ بات غلط مشن گروہ سے خوب ہو چکا ہو۔

سلسلہ منقطع کرنے کے بعد میں شب خرابی کا لباس پہننے کے لئے سے اُٹھی ہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے لیسوورا اٹھانے سے تیس اُسے گھور کر دیکھا۔ دراصل مجھے شبہ تھا کہ یہ اُسی شخص کا فون ہوگا جو میری عدم موجودگی میں کئی مرتبہ مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

میں نے ایک پولیس آفیسر کی غیر معمولی شخصیت کو کچھ بتا دیا لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنے غم کے آدمیوں سے میرے بارے میں مشن چکا تھا۔

بھول نہیں نے لیسوورا اٹھا دیا اور ماؤ تھوٹیس میں لوٹی، بالآخر پکڑ گیا۔

"وہ شکر کہ آپ مل گئیں؟ مجھے وہی آواز سنائی دی جس نے مجھے مشتاق چٹخیری کے بارے میں اطلاع دی تھی۔

"تو یہ تم ہو؟" میں نے کہا۔ کیا اس سے پہلے بھی دیکھ چکے ہو؟

"تین مرتبہ"

"اب کیا اطلاع دینا ہے؟"

"اگر آپ اُسی جگہ مشتاق چٹخیری کو پکڑنے میں کامیاب ہو جائیں تو سارا مسئلہ ختم ہو جائے گا۔ وہاں سے نہ صرف مشتاق جگہ انکدوہ شخص بھی جس نے کفیل رضا کو اغوا کیا تھا۔

"لیکن وہ شخص پولیس کی دسترس سے نہیں نکل سکے گا؟"

"کیا اس کے گرد نہ رشہ ساتھیوں نے اُس کے بارے میں بتا دیا ہے؟"

"نہیں وہ یہ نہیں بتا سکے ہوں گے کہ جوشی نے کفیل رضا کو کہاں قید کیا ہے؟"

"تم شاید اس بات سے بھی واقف ہو گئے؟"

"شاید نہیں اھیذا واقف ہوں"

کیا گیا ہے تاکہ میں اُسے آزاد کر سکوں؟

"جب میں نے آپ کو پہلی مرتبہ اُٹھا لیا تھا تو آپ گھر پر موجود ہی نہیں تھے۔"

"اچھا تو اب تم نے کس راستے کو اختیار کر لیا؟"

کوفی زوری طور پر بھول کر رہی تھی اور افسانہ شخص کی آواز پر زیادہ سے زیادہ غور کر رہی تھی۔

دوسری طرف سے کہا گیا کہ اب ہاسپٹل کا نام بتانا چاہتا ہوں۔

"کیوں؟"

"اس کے لیے کہ کفیل رضا اُس ہسپتال ہی سے واپس آکر لایا گیا ہے جہاں اچھے بیوشی کی حالت میں ملا تھا چنانچہ سمجھا کہ وہ ہاسپٹل پہنچے جائے۔"

"خوب؟" میرے منہ سے نکلا۔

دوسری طرف سے مجھے اُس ہسپتال کا اپنا ایک میں نے کہا۔ تم اپنی آواز بگاڑ کر جیمز فریئر۔

لیکن تم دوسری طرف سنا تا چاہا۔ اداکاری پر اس پر زبیر سکا دی۔

"ہیلو؟" میں نے قدرے توقف سے کہا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے۔۔۔ ہاؤ۔۔۔ کو آپ کس ہیں؟"

دوسری طرف سے بھڑائی ہوئی آواز میں کہا۔

جیمز فریئر نہیں ہے۔

"مہر کیا ہے؟"

"یہ میں فی الحال نہیں بتا سکتا۔"

"فی الحال کی کوئی مدت؟"

"ابھی یہ بتانا بھی مشکل ہے۔"

"جنتم میں جاؤ؟" میں نے کہا اور سلسلہ منقطع کا خبر ڈال کر کہنے لگی جس کا نام مجھے بتایا گیا تھا۔ ایک ششما دار اکثر بھی تھا میں نے ایک مرتبہ کہا کہ کے فون سے ملائے۔ فریئر نہیں تھا کہ وہ ڈا ہوتا لیکن خوش قسمتی سے وہ مل ہی گیا۔

"ڈاکٹر انور؟" میں بھول رہی ہوں۔

"اوہ؟" غیر متوقع تھا۔

"میں نے آپ کو ڈاکٹر شکیل کی آخری روم

شکیل کے جنازے میں شرکت کی تھی۔ میں ہما تھا لیکن اتنی رات گئے آپ کے فون کرنے بہات سے کی تعلق ہے؟"

ابا ہتی تھی کہ آپ نے ڈاکٹر شکیل کے والد شکیل کے جنازے ہی میں دیکھا تھا۔

اتنی نے اچھی طرح دیکھ کر قبل ایک شخص کو پہوش ہسپتال میں داخل کر لیا گیا ہے اور مجھے کسی نے بتایا تھا کہ اب کفیل رضا ہے۔ میں آپ کے ہاگھدہ لیا تھا۔

"میں... ڈاکٹر شکیل کے والد کو؟" ڈاکٹر انور

ابا بتا رہا تھا ہوں۔

لی آپ کے فون کا انتظار کر رہی ہوں۔

میں چند منٹ کے اندر اندر آپ کو فون کروں گا۔

سلسلہ منقطع ہو گیا۔

لی آپ کے فون کا انتظار کرتی رہی میں نے کچھ سے اتنی کر دیا تھا اور کچھ لوں محسوس کر رہی تھی جیسے آج ہاتھ میں نہیں ہے۔ مجھے اسی وقت ہسپتال میں جانا وہ گفتگو مکمل کرنا تھی جو اس کے اغوا کی وجہ سے

میں نے تو جیمز فریئر کا خیال تھا اور اُس خوفناک نے نہایت پر اسرار انداز میں مجھے کفیل رضا کے پاس میری عدم موجودگی میں جوشی کو کفیل رضا کے اغوا کا

مجھے ذہن میں کفیل رضا کے علاوہ اگر کسی شخص کا اس پانچل بڑے کا جو مشتاق چٹخیری کے گھر میں

مٹ ہے ہونے سے ذرا ہی پہلے فون کی گھنٹی بجی تھی

اسے لیسوورا اٹھا لیا۔ دوسری طرف ڈاکٹر انور ہی تھا۔ اُس نے اطلاع ملی تھی ہاؤ وہ کفیل رضا ہیں۔ میں نے

ہی جوشی پر اُٹھایا گیا تھا۔ کسی راگبیر نے ہسپتال کے ہونے کو یاد رکھی تو جہاں اس طرف مندر لگا دی تھی۔

کہن تھا؟" میں نے ملدی سے پوچھا۔

کہن تھا نہیں۔ وہ جو یاد رکھی تو جہاں اس طرف مندر لگا رہے

کے بعد غائب ہو گیا تھا۔ عام طور پر لوگ اس قسم کے ملاقات سے ملوث ہوتے ہوئے ڈرتے ہیں۔

"اچھا خیر! کو کفیل رضا اب جوشی میں ہیں نا؟"

"جی نہیں، اُنھیں اب تک جوشی نہیں آیا ہے۔ پولیس بھی اُن کے جوشی میں سے نہ کا انتظار کر رہی ہے۔"

"پولیس؟" میں چونک کر رہی۔

"جی ہاں آپ کو تو جانتا ہی چاہیے کہ کس قسم کے کیسز میں ہم ہسپتال لے لے پولیس کو ضرور اطلاع دیتے ہیں۔"

"اوہ! ہاں مجھے اس کا خیال نہیں رہا تھا۔ یہ کہتے ہوئے میرا جوش خروش خندہ پڑ گیا۔ پولیس کے سامنے میں کفیل رضا سے وہ باتیں نہیں کر سکتی تھی جو مجھے اُس سے کرنا تھیں لہذا اب اس وقت ہسپتال جانے کا بھی کوئی ناٹھ نہیں تھا۔

"ہیلو ہاؤ دوسری طرف سے ڈاکٹر انور کی آواز آئی کہ کیا آپ ہسپتال آ رہی ہیں؟"

"نہیں۔ میں نے کہا۔ میں اب تک جمع آؤں گی۔"

"بہتر ہے۔ میرے لائق کوئی اور خدمت ہے؟"

"بہت بہت شکریہ ڈاکٹر اب اس اب میں سوئے جا رہی ہوں۔"

شب بخیر۔

جوابی شب بخیر مننے کے بعد میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اب میں اتنی تھی، ہوتی تھی کہ رملی باتوں کو اپنے ذہن سے جھٹکا اور کچھ سے تبدیل کر کے بہتر پڑھ کر دیکھتی۔

دوسری صبح میں دیر سے جا لی اور جاننے کے بعد بھی فوراً بہتر سے نہیں اُٹھی کیونکہ مجھے کسمندری کا احساس ہوتا تھا۔ میں دس چندرہ منٹ تک لیٹی رہی اور گزشتہ روز کے واقعات آہستہ آہستہ میرے خالی ذہن میں گھر کرتے چلے گئے۔ میرے ہاتھ زخم کا رخ کرنے کے لیے بہتر سے اُٹھی ہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

خدا خیر کرے میں نے لیسوورا اٹھا تے ہوئے وہاں کہیں کوئی ناؤ خراب صورت حال پیدا نہ ہوگئی ہو۔

"ہیلو؟" میں نے ماؤ تھوٹیس میں کہا۔ ہاؤ اسپتالنگ؟

"میں سونیا بول رہی ہوں ہاؤ! کیا مال ہے؟"

"مشک ہے ہاؤ! رنگ؟"

"اب آپ کہ وہ دوست کیسی ہے جس کا کورڈاٹے میں مر گیا؟"

"اُس کی حالت اچھی نہیں ہے سونیا! وہ ڈاکٹر شکیل کو کسی طرح چاہتی تھی جس طرح وہ میرے جلیبٹ کو مشتاق تھا۔ میں نہیں کر سکتی کہ اب وہ کس طرح زندہ ہو سکے گی؟"

"وقت کے ساتھ ساتھ زخم جھرا جائے یا ہاؤ!"

جیسا تیسرا ماشہ کرانے کے بعد میں سٹین کو اپنے ساتھ لے کر ہاسپٹل کی طرف روانہ ہوئی۔ راستے میں، میں نے اُس سے پوچھا ”تھو اے پتا جی کہاں ہیں؟“

”ہاسپٹل ہی میں ہوں گے۔ میں اُنہیں وہیں جھوڑ کو آپ کے پاس لے آئی تھی۔“

اس کے بعد میں نے ہاپٹن پنچھک ٹیکسٹا سے کوئی بات نہیں کی۔ میں اس سوال سے ابھی بڑی تھی کہ ٹیکسٹا کے ہاگل پوجانے میں کوئی لادوثیں ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ ہاگل کی کاسب بیٹھ کی نوت کا صدر ہے۔ ہاگل کر دیتے والا ایسا جھوٹا دماغ پوروری طور سے لگتا ہے اور میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی تھی کہ ٹیکسٹا رھانے اس صدر سے کسی نسی طرح حیل ہی لیا تھا۔ اُس نے گزرتے رات سمجھ سے جواب میں کی تھیں، وہ کوئی ایسا شخص ہرگز نہیں کر سکتا جس کا دماغ کسی صدر سے کی زمین ہو۔

ہا پیش پہنچ کر جب میں اور گلیتا کا سہارے تھے تو اچانک مجھے ایک بات یاد آئی میں نے گلیتا سے کہا: ”اے ہاں ایک بات تو یاد ترم جس گھر میں راکتی تھیں، میرا مطلب ہے جہاں اب مشتاق رہتا ہے، کیا اس گھر میں کوئی تہ خانہ بھی ہے؟“

”جی ہاں“ گلیتا نے جواب دیا: ”ہینڈ ٹھکی جنگل کے بعد ہی پتا جی نہ تہ خانہ بنوایا تھا اور اُن کی سہارے عتیقا کا بکرہ کی جنگل میں ہمارے کام آئی تھی۔ کئی مرتبہ فضا کی حملوں کے وقت ہم اُس تہ خانے میں گئے تھے“

”چلوں“ میں سہارا کر رہ گئی۔

”آپ نے بڑی عجیب سی بات پوچھی!“ سنیگتا بولی۔
 ”میں تمہیں پھر کسی وقت بتاؤں گی کہ میں نے تم سے یہ
 کیوں پوچھا تھا۔“

منگیتا نے زہرا نہیں کیا کہ میں اُسے اُسی وقت بتا دوں۔
 ہاسپٹل میں میرے اور رام لال کا آتنا سا سنا بھائیوں کی ہم ہیک
 دوسرے سے مخاطب نہیں ہوئے۔ میں ان دونوں ڈاکٹروں کی
 نہیں سنتی جو بقیہ دن کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے، ان کی
 کڑوں سے مجھے بتا دیا کہ گفیل دھنا کو ہاں سے سنیش ہاسپٹل منتقل
 کرنے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔
 ”ذرا سنبھا، میں اُسے ٹھہر کر ایک ڈاکٹر سے مخاطب ہوئی۔

”میں کفیل صاحب سے ملاقات کرنا چاہتا
 دو نوں ڈاکٹر میری طرف متوجہ ہو
 ایک نے بھڑکے کہا۔ ”آپ سے اُن کا
 ”وہ میرے ایک بزرگ ہیں“ ابراہیم
 مراسم اُن کے لڑکے ڈاکٹر عکیل سے تھے
 ”آپ اُن سے کیوں ملنا چاہتے ہیں؟“
 ”بس اُن کی حالت دیکھنا مقصد،
 ڈاکٹر نے چند لمحے کچھ سوچا اور پھر
 میں نے شکایت سے کہا کہ وہ بچہ نہ کھا
 کے ساتھ ہوئی۔ ایک کمرے کے دروازہ پر
 ”وہ اسی کمرے میں ہیں۔ آپ اندر چل جائیں
 گا۔ گھر کے لڑکے کی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ اُن کا
 حکم نہیں پہنچا ہے“

میں سر ہلا کر کہنے کا دروازہ کھولتی ہوں
بستر بالکل سناٹے ہی تھا اور گھیل روضا
لیے بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کی نظر دروازے ہی کی طرف
گرا رہی تھی۔ اُس نے مجھے دیکھ لیا تو کہا لیکن اُس
تغیر نہیں پیدا ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ
میں چند قدم آگے پہنچی۔ میرے پیچھے خود کا دروازہ
بند ہو گیا۔ میں بستر کے بالکل قریب پہنچی تھی۔
سپاٹ ہی رہا۔

”لقیل صاحب!“ میں نے اسے آہستہ
اب وہ چونکا۔ اُس کی نظر تو بخیر بھی سی
الاب وہ مجھے دیکھ بھی رہا ہے۔ ”تم؟“ اُس کی
”میرزا خیال ہے کہ میں تجھیں کہیں دیکھ
”کل رات میں آپ کے گھر پر آپ سے
”اُسے نہیں“ لکھیں رضا منس پڑا یہ
خام کو تو میں کو قورات میں تھا۔ دراصل میں
طیقا میں پڑھا تھا کہ دوس اور امریکہ کی کشید
ہے لہذا میں اس سلسلے میں مذاکرات کرنے کے
عراق و اقلیس کے پاس گیا ہوا تھا اُس کا بھی یہی
امریکہ کی کشید کی ہماری فلم انڈسٹری پر بڑے خوار
متمی ہے۔ بڑے خورد خوض کے بعد مہ نے طے
ی مانتا رہا کہ اُس شادی کر کے اُنھیں رخصت ہونے

۱۔ تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ کہ کیوں خدا
میری طرف دیکھنے لگا جیسے اُس نے انتہائی اہم نکتہ
ذہن کی بات۔
۲۔ وہی کھڑی اُس کے چہرے کا جائزہ لیتی رہی۔
۳۔ تحلیل رہنا چند لمحوں بعد بڑے بڑے زلزلوں کی مسکرا
ہوئی ہو۔ اتنے اہم معاملے پر کوئی رائے نہیں دے سکتیں۔
۴۔ "ارمراہ و القیس" سے میری طے کیا ہے کہ کوئی شکارلو
نہ اور امریکہ کی شادی کروادی جائے۔ بس پھرتے
۵۔ انصاف بند کی کشش کے نیچے میں پھر پھرتے رہ
۶۔ تحلیل رہنا کھلکھلا کر سنیں پڑا۔ ایسا معلوم ہوا تھا
۷۔ امریکہ کی متوقع بے بسی کے قصور سے محفوظ ہو

یہ نکل کر یہاں وقت ضائع کرتے سے کوئی فائدہ
منا کوئی دھنگ کی بات کرنے کے قابل نہیں

لی ہوا، کفیل رضا گوانیجہ ہو کر لولا، کہ اُن
 (حی) رات ہو گئی۔ چرب چرب میں نے دہلی کا قصد
 ہی گھوڑا گاڑی کا پٹرول ختم ہو گیا ہے۔ اتفاق سے
 میں بھی پٹرول کی بہت تازہ سیج سے کوئی کھان
 ات کے تعلقات کو خراب ہو گئے ہیں، بل بلو انیس
 سے آج نمازِ فجر کے وقت پٹرول کا مزدبست کر دیا

۹۰
 کہ کر رہے ہیں۔ میں نے ابتر سے کہا اور ایسی
 کی طرف مڑ گئی۔
 ہاتھ دھو کر صبح پھر پورا آج میں غم نہ کیجئے جاؤں
 میں کروادینا۔ بڑی اچھی فلم ہے۔ کیا نام.....

زہ کھول کر باہر نکل آئی۔
 پھر دکانداروں سے ملاقات کی اور ان سے پوچھا۔
 ”ہے کسٹر کبیل کسٹیشن اپنشل منتقل کیا جائے؟“
 ہمارے اپنشل میں اس کیس پر کام نہیں ہو سکتا ہے۔
 مشک کہہ رہے ہیں۔ میرے پاس یہ پتا چلتی تھی
 اسے گورنر جنرل، ایس۔ ایچ۔ راجہ، ایس۔ ایچ۔

”جی ہاں یہ تو ہو سکتا ہے مگر یہ معاملہ جو کہ پورس تک پہنچ چکا ہے اس لیے آپ کو پورس سے اس کی اجازت لینا ہوگی۔“
 ”اُس کی طرف سے آپ فکر مند نہ ہوں۔ وہ میں کر لوں گی کیا اس وقت کوئی پولیس آفیسر بائیس میں موجود ہے؟“
 ”اب تو کوئی نہیں ہے۔ آپ کی آمد سے کوئی پندرہ منٹ پہلے وہ لوگ یہاں سے گئے ہیں۔“
 ”کیا میں آپ کا فون استعمال کر لوں؟“
 ”ضرور“

میں نے فون اپنی طرف کھسکایا اور ہوم سیکریٹری کی خبر پڑاؤں
کرنے لگی۔ دوسری طرف سے خود ہوم سیکریٹری نے رسیوور اٹھا ہوا تھا۔
میں نے اُس کی آواز پہچان لی اور کہا "میں بالفونل رہی ہوں؟"
"اوہ! بالو! خیریت تو ہے؟"
"ایک چھوٹا سا کام تھا آپ سے۔"
"ہاں ہاں، کیسے؟"

میں نے اسے مختصر، مفید، رضا کے بارے میں بتایا اور پھر کہا: ”اب میں کفیل رضا کو اپنے گھر لے جانا چاہتی ہوں، ناکرد ماعنیٰ مراضہ کے کسی ماہر سے اُن کا علاج کروا سکوں، ہاسپٹل والے کہہ رہے ہیں کہ مجھے اس سلسلے میں دوسرے سے اجازت لینا پڑے گی۔“

”اوہ! انہوں نے معاملہ اچھا ٹھیک سے دیکھا۔ میں ابھی اس سلسلے میں ذی آئی جی کو فون کیے رہتا ہوں، میں آپ اس معاملے میں یوں چسبنے نہیں، کوئی خاص پکڑ تو نہیں ہے؟“

”ابھی تو یہ کہنا مشکل ہے کہ کوئی خاص محرک ہے یا عام محرک...! اس شخص کے معاملے میں اپنی ایک دوست کی درجہ سے بڑی بھول، اس مسئلے کی تفصیلات، میں آپ کو پھر کسی وقت بتاؤں گی۔ فی الحال آپ میری کام کراد دیجئے!“

”میں دس منٹ کے لئے آپ کو بعد سب سے پہلے ڈی، آئی، جی کی فون کروں گا۔“

• فنکار : میں نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔
 ڈاکٹر بڑے غور سے میری طرف دیکھ رہا تھا اور شاید جاننے
 خواہشمند تھا کہ میں نے کس سے گفتگو کی تھی۔
 ”یہ ہم سیکرٹری تھے“ میں نے اسے بتایا۔
 ”اوہ، اچھا“ ڈاکٹر نے فرمایا۔ غالباً وہ سوچ رہا ہو گا کہ یہ عورت
 کس بار اور کس طرح معلوم ہوئی ہے۔

”ڈاکٹر انور کو اس وقت موجود نہ ہوں گے! میں نے اس طرح پوچھا جسے اپنا خیال ظاہر کر رہی ہوں۔“

”جی ہاں، اُن کی ڈیوٹی صبح چار بجے ختم ہو جاتی ہے۔ آپ انہیں کیسے جانتی ہیں؟“

”وہ بہت عرصے سے میرے کرم فرماؤں میں اُن سے ایک مشورہ لینا چاہتی تھی۔ خیر! آپ اب ہی سے لیتے ہیں۔ ذرا یہ بتائیے کہ میں کنسیل صاحب کے علاج کے سلسلے میں کس ڈاکٹر سے رجوع کروں؟ ایک نام میرے ذہن میں ہے۔ آپ اُن کے بارے میں اپنی رائے بتائیے!“ میں نے اس ڈاکٹر کا نام لیا تو سینیٹر پر شائقِ چنگیزی کے گھر میں موجود باگ بڑھے کا علاج کر رہا تھا۔

”اُن کے بارے میں مجھے کچھ زیادہ معلومات نہیں!“ ڈاکٹر نے جواب دیا۔ ”وہ اصل وہ ابھی حال ہی میں باہر سے تعلیم حاصل کر کے آئے ہیں۔“

”گویا زیادہ تجربے کا درجہ نہیں؟“

”میں اس سلسلے میں کچھ عرض نہیں کر سکتا۔“ ڈاکٹر نے محتاط رہ کر جواب دیا۔

”اُن کا فون نمبر معلوم ہے آپ کو؟“

”ڈاکٹر ٹری میں مل جائے گا۔“ ڈاکٹر نے کہا اور خود ہی ڈاکٹری امٹھا کر فون نمبر تلاش کرنے لگا۔

میں نے گفتگو کو ڈاکٹر سے اُس کے کمرے ہی میں بیٹھ کر کر رہی تھی جبکہ رام لال اور انگلیستا باہر تھے۔

ڈاکٹر نے فون نمبر تلاش کر کے مجھے بتایا اور میں فون پر وہ نمبر رنگ کرنے لگی۔ رابطہ فوراً ہی قائم ہو گیا۔ دوسری طرف سے ہنسی ڈاکٹر لول رہا تھا۔ میں نے اُسے اپنا نام بتایا اور عرض و غایت بیان کی۔ اس کے جواب میں وہ لولا۔ ”آپ کلینک اگر کچھ سے مل بھیجے تاکہ میں اس سلسلے میں ضروری کو کائنات معلوم کر سکوں۔“

”آپ کلینک میں کب تک ہوتے ہیں؟“

”آپ شام کو پانچ اور صبح بچے کے درمیان مجھ سے مل بھیجئے۔“

”بستر ہے۔ اچھا ہاں! ایک بات یاد رہی میری سیدہ کو پوچھ رہی ہوں۔ جن صاحب نے مجھے آپ کا نام بتایا تھا انہی سے مجھے یہ بات بھی معلوم ہوئی تھی کہ آپ شائقِ چنگیزی صاحب کے چچا کا بھی علاج کر رہے ہیں!“

”وہ چچا نہیں، وہ مشتاق صاحب کے،“
”اچھا اچھا مجھے یہ بات آج ہی معلوم
لا سبب کیا ہے ڈاکٹر؟“
”وہ سر کے بل گر کر پڑے تھے جسے تپن نے اُن
خاص جتنے پر بڑی شدید ضرب آتی تھی۔“
”اودھ اچھا! غیر ترقویں شام کو باقی۔“
”اؤں گی۔“
”مرد رت شریف لائیے!، دوسری طرف
منقطع ہونے کی آواز آئی۔“
”اچھا ڈاکٹر! شکریہ۔ میں کھڑی ہوئی ہوں، ل
کوئی آئی، جی نے متعلقہ پرس اسٹیشن کو اس“
وی ہوں گی۔ آپ اُن سے رابطہ قائم کر کے ل
یجیے گا۔ میں ایک گھنٹے بعد پھر وڈوں کی ہنگامی
سے اپنے گھر منتقل کروا سکوں۔ دیئے منتقل کروا
کی گارنٹی اور انتظام میں ہو سکے گا۔ میں خوش تھی
قسم کے ذہنی مریضوں کو کس طرح قابو میں رکھا جا
”آپ فکر نہ کریں۔ میں سب بند و بست کروا
میں نے چونکہ ڈاکٹر کے سامنے ہی جو ریکر
تھی کہ اس لیے وہ ہر طرح سے کوآپٹ کر سکتے ہیں،
باہر کر سیں نے سنگیت کو بتایا کہ میں نے کف
سلسلے میں کیا انتظامات کیے ہیں، پھر میں نے رام
”کیا میں آپ کو آپ کے گھر تک چھوڑ آؤں؟“
ساری کارڈ انجوں کے دوران میں میرے ساتھ ہی رہا
رام لال نے سنگیت کی طرف دیکھا۔ سنگیت اس کو
بولی۔ ”جی ہاں پتا سچی بجھے تو رات حالات میں باز کے
رہنا چاہیے۔“
”سنگیت ہے۔“ رام لال کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ میں
گھر چلا جاؤں گا۔“
”لیکن جب میری گاڑی موجود ہے تو آپ رکشہ
”چھ کیوں دھتکے کھانا چاہتے ہیں۔ اس وقت یہ
کنوئیں ملنا آسان نہیں ہوگا۔“ دوسری میں بولیں بھی اہم
تھی کہ اس طرح مجھے راستے میں رام لال سے کچھ باتیں
مل جاتی۔
لیکن رام لال آمادہ نہیں ہوا، کہنے لگا۔ ”خود تنہا“

میں کوئی حرج نہیں، بہ نسبت اس کے کہ وہ بڑا
 ہائے۔
 کوئی تکلیف نہیں ہوگی، میں نے جلدی سے کہہ
 دیا۔ یہ بات کو دور خور اعلیٰ نہیں جانتا اور شکیستہ
 تو رکھ کر بلاؤں اچھا جواب میں چلتا ہوں۔ جیسے
 تے خارج ہو، گھر آجانا۔
 اے شکیستہ کے جواب کا بھی انتظار نہیں کیا اور
 ف د گیا۔
 اے گیتی کی طرف دیکھا تو اس نے نظر اچھا کیا۔ اس
 فرزند کی ہر بات تھی۔ وہ دھیرے سے بولی۔ "بائو
 ا کے رو دینے کے باعث آپ سے معافی کی
 لہ۔
 مارٹ اٹا؟" میں نے اس کا شانہ تھپک کر لایا
 ہنسنے لگا۔ ہر ان باتوں کا بوجھ نہ ڈالوں سب شیک
 ا میرے ساتھ چلوں۔
 جے کر مارٹل سے باہر آگئی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ
 گیتی کی موجودگی تھا حضور ہی نہیں تھی لیکن میں نے
 بیے اپنے ساتھ رکھا تھا کہ اسے تنہا کی زیادہ موافق
 رہتی تو یادوں کے پتے پھوٹے سائے اس کو
 تھے۔
 اپنے ساتھ رہ کر جبرشٹ اس سے گئی لیکن جب میں
 ہوئی تو تنہا تھی۔ شکیستہ کو کہیں نے باہر کا رہی میں
 تھا۔ میں نے وہاں صرف بزدل منٹ منٹ کیے
 جب میں نے کار مارٹ کی تو گیتی نے پوچھا۔
 "تھا آپ کو؟"
 اس طرح کے بارے میں معلوم کرنا تھا جس کا تہتر
 پس کو تو دور دور گواہوں نے کوئی دو مل کر بتایا تھا؟
 بھوٹے ہیں۔ بھولی گواہی اصل قاتل کو بچانے
 گئی ہے لیکن وہ بدبخت لوگ یہ بھول گئے ہیں کہ
 بنے ہلاک کیا ہے، وہ بدبخت بانو کی محبوب کا خوب تھا۔
 بیے اس وقت تک سکون نہیں مل سکتا جب تک
 نہ ملے۔
 خود کو اتنے غافل میں نہ ڈالے گا تو اے شکیستہ نے بتائی

ہوئی آزمائشیں کہنا۔ وہ تو اب تمہیں سے کچھ اور چاہتا ہے۔ یہ حالات جیسے
دامع کو پرالگ نہ کیے دے رہے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ
سب کیا ہو رہا ہے، اہل کفیل انہو کیسے گئے اور جب اے تو پاگل
ہو چکے تھے۔ بھگوان ذکر سے اگر آپ کو کچھ ہوگی تو میں خود کشی کر
بیٹھوں گی۔ مجھے نہ جانے کیوں یہ محسوس ہونے لگا ہے کہ اب دنیا
میں تشکیل کے بعد صرف آپ ہی میری ہیں۔ مجھے تو پتہ چتا ہی بھی
اب اپنے پتا ہی نہیں محسوس ہوتے۔
”عذابِ نہ ہوا تمہارے پتا ہی اب بھی تمہارے پتا ہی میں
اور عید نہ تمہارے رہیں گے۔ یہ ان کی کوئی مجبوری ہے جس نے
اُنہیں ایسا نہ دیا ہے۔ اُن کے لیے بھی اب دنیا میں صرف تم ہی ہو؟“
”ہاں۔“ سنگستانے بڑی ہنسی سے کہا۔ ”صرف ہی ہوں ہے
وہ زمانے کی شہسواری میں ڈال سکتے ہیں۔“
”تم اس کی برداشت کرو۔ میں بہت جلد زمانے کو تمہاری
ٹھوکروں میں لا ڈالوں گی۔ اب تم ذرا بہت سے کام لو۔ مجھے
تمہارے تعاون کی ضرورت ہے۔“
”میرے تعاون کی؟“
”ہاں۔ میں تمہیں ہاسٹل پنچا ایک کام سے جلی جاؤں
گی۔ تمہیں ہاسٹل والوں کے تعاون سے اہل کفیل کو میرے
گھر منتقل کروانا ہے۔ میں اس سلسلے میں فون پر اپنی ملازماؤں
کو بھی ہدایت کروں گی۔ تم گھر پر اُس وقت تک روکنا جب تک میں
نہ آجاؤں۔ اور ہاں، تشکیل کے گھر کا کیا ہوگا؟ وہاں اب صرف
ملازمین رہ گئے ہیں۔“
”وہ سب ملازمین اعتماد کے آدمی ہیں لیکن اب اُنہیں
رکھنے سے فائدہ نہیں کہتا اگر ممکن ہوتا تو ان کا حساب کر کے گھر کو
مقتل کرو دیا جاتا۔“
”تو یہ ممکن کیوں نہیں ہے؟“
”اُن لوگوں کی خواہش کہاں سے دی جائے گی؟ انکل
کفیل تو اپنے ہوش میں نہیں ہیں۔“
”وہ سب تو خیر بوجھائے گا لیکن اس کام کوئی اہمال دو۔
ایک روز کے لیے ملتی رہے۔“
”جیسا آپ مناسب سمجھیں۔“

جس کے مالک کے بارے میں مجھے پتا چلتا کہ اُس کے کئی ٹک چلتے ہیں۔ انہی ٹکوں میں سے ایک ٹک کا نمبر وہ تھا جس کا نمبر مجھے سیکھنے سے معلوم ہوا تھا۔

ریسٹورنٹ کے مالک کا نام آئی، ایچ کساری تھا اور اب مجھے یہ بات معلوم کرنا تھی کہ مشتاق چنگیزی سے اُس کا کیا تعلق ہے کہ وہ مشتاق کا آٹھ کلارین گیا۔ اُس وقت میرے ذہن میں پہلی مرتبہ یہ خیال بھی آیا کہ میرا پہلا شہر غلط بھی ہو سکتا ہے۔ اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ عثمان کی موت میں مشتاق چنگیزی کا ہاتھ نہ ہو۔ پہلے تو میں نے بس جذباتی طور پر سوچا تھا کہ شکیل کو ملاک کرنے والا مشتاق چنگیزی پر جھکا کر کہ وہ ہاتھ دھو کر گلیٹا کے پیچھے چلا ہوا تھا۔ میری یہ سوچ کسی مضبوط حجاز کے ذریعہ بھی لیکن اب میرا ذہن دو دنوں ہی پہلوؤں پر غور کرنے کے لیے آمادہ ہو گیا تھا۔

سوسائٹی کے علاقے میں وہ ایک چھوٹا سا صاف ستھرا ریسٹورنٹ تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اب بھی وہ ریسٹورنٹ ہے نہیں لیکن اُس زمانے میں اُس ریسٹورنٹ کی زیادہ تر آمدنی اُن دنوں وہ جوڑوں کی وجہ سے ہوتی تھی جو ملاقات کے لیے ٹھکانے دھونڈتے پھرتے ہیں۔ اُن کے علاوہ وہاں ایسی روکیاں بھی نظر آتی تھیں جنھیں چاہک کی تلاش ہوتی تھی۔ میں نے سنا ہے کہ اس علاقے کے بعض ریسٹورنٹ اس قسم کی ادھیڑوں کو اپنے عقبی کمرے بھی رکھ لے پڑے دیتے ہیں تاکہ ”طلب و رسد“ کے مراحل طے ہونے میں وقت کا ”زیادہ“ نہ ہو۔

میں اس ریسٹورنٹ میں دو ایک مرتبہ جا چکی تھی لیکن آج وہاں جانے کا ایک خاص مقصد تھا۔ میں نے گاڑی ریسٹورنٹ کے سامنے روکی اور دروازہ لاک کر کے ریسٹورنٹ میں داخل ہوئی۔ اُس وقت وہاں اتنی بیڑ بٹاریں تھیں جتنی اس علاقے کے ہر ریسٹورنٹ میں شام کے وقت ہوتی ہے۔

میں کاؤنٹر پر بیٹھ جوئے آدی پر ایک گہری انداز میں ہوتی بائیں گوشے کی ایک خالی میز پر جا بیٹھی۔ میں سوچ رہی تھی کہ کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا بھی شخص اس ریسٹورنٹ کا مالک ہے یا یہ کوئی ملازم ہے؟

دیر لگاتو میں نے اُسے جانے کا ڈر دیا اور دروازے کے ماحول کا جائزہ لینے لگی۔ وہاں دو ایک روکیں تھیں لیکن ان کے چہرے اسے دلکش نہیں تھے کہ میری زیادہ توجہ حاصل کر سکیں۔

دیر چلنے کے ساتھ کچھ سہانگیں مل گئیں۔
میں نے چاہک اُس سے کہا: ”سنو!“
”جی!“ وہ میری طرف مڑ کر مڑباڑ مڑھا
”اشرف صاحب کہاں ہیں؟“ میں نے
”کون اشرف صاحب؟“
”اس ریسٹورنٹ کے مالک!“
”اُس کے مالک تو ہماری صاحب ہیں۔“ وہ
کاؤنٹر کی طرف دیکھا کہ وہ بیٹھ ہی ہیں۔
”اچھا؟“ میں نے بھی تھکی کو یہی ملازم ہیں۔“
اس ریسٹورنٹ کے مالک؟
”جی نہیں۔“
”اوہ! تو مجھے کسی نے غلط بتایا تھا۔ چلو ہم اگلا
کاشمیرہ“ میں نے دیر گزشتہ کرنے کے لیے
مسکراہٹ سے نوازا۔
”کوئی بات نہیں میڈم! ہم تو آپ کے تمام
دانت نکال دیے۔“
میں سر ہلا کر چائے کی طرف متوجہ ہو گئی تاکہ وہ
کی آفتاب میں دن مزید بھر جائے۔

اُس کے جانے کے بعد میں نے ایک چمک پنیں بنانے لگی۔ میں نے اس بات کی تصدیق تو کر لی تھی کہ وہ جو شخص، اسی صاحبی ہے۔ اب میں نے ایک مرتبہ پھر دیکھا۔ وہ بیتا لیس پچاس سال کا ایک گھٹے جوئے شرم کا، شرم و سفید مٹی اور وہ قیاس چلون پہنے ہوئے غامض معلوم ہوا تھا۔

چلتے پھرتے ہوئے میں سوچنے لگی کہ مشتاق چنگیزی کے تعلق یا عدم تعلق کا سراغ کیسے لگایا جائے۔ یہ سوچتے ہوئے میری نظر ایک شخص پر پڑی جو ریسٹورنٹ میں داخل ہونے کاؤنٹر کی طرف؟ چاہا گیا تھا کہ اُس کی وضع قطع ایسی تھی کہ میں توجہ دینے کے لیے مجبور ہو جاتی۔ وہ شلوار قمیص پر کراٹ پیٹن اُسے دیکھ کر گھبراہٹ میں دوڑنے لگا تو میں نے اس کا خیال اُٹھا کر ہنسنا شروع کیا۔

مطلقاً اُن سے یہ غلط بیان دہرائے والے کی وضع قطع بالکل تھی جیسی وضع قطع میں یہ نووارد تھا۔
وہ کاؤنٹر پر جا کر کھڑا اور کاؤنٹر پر کھینچ کر اُسے

میں مہاری سے کچھ کہہ رہا تھا اور مہاری کے چہرے پر ہنسی تھی۔ اُس وقت میری چنگیزی جس نے یقین کیا ہے جس نے اُن دونوں آدمیوں سے جوئی کو اپنی لاری طور پر فیکہ کیا کہ اس آدمی کی پگڑی کون ہے۔
دیر کاوشائے سے بڑھا اور اُس سے کہا: ”یہ بل لے آئے دس کا ایک نوٹ دیا۔“ مجھے چاہک ایک نوٹ لایا۔
میں نے اُس نوٹ میں جانے کی نصف پیمانی مل میں اس شخص سے پہلے ہی ریسٹورنٹ سے اُٹھ کر مجھے یقین تھا کہ وہ بھی جلد ہی ریسٹورنٹ سے اُٹھ جائے گا۔
اگر صاف بتا دیا تھا کہ وہ صاحبی کو کس کوئی اطلاعات آیا ہے۔

میں نے جانچ کر اُس شخص کو دیکھا کہ وہ آگے بڑھ کر آئے۔
لی۔ میں چاہتی تھی کہ اُس شخص کے ٹھکانے کا پتا میں اُن جوئے کو چھوں سے اُس کی شناخت بھی ان خیال تھا کہ وہ دونوں جوئے گراہ پوری طرح میرے کسی وقت بھی میرے خلاف جانے کی ہمت نہیں

بعد ہی میں نے اُس مشتبہ شخص کو ریسٹورنٹ سے اُٹھایا۔ ایک ٹیکسی میں آیا تھا اور ٹیکسی وہاں روکی ہوئی تھی۔
گردانہ ہوا تو میں نے اپنی کھڑکی کے تعاقب میں
کے انتہائی دیکھ کر کوئی یہ پہنچ کر ہوا۔ ٹیکسی کو ایک مکان کے
دیکھ کر میں نے اپنی رفتار بہت کم کر دی تھی۔ مشتبہ شخص
کہ مکان کے چھانک میں چلا گیا اور ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔
میں نے ٹیکسی میں بیٹھنے کے لیے ادا کر دیا تھا۔

نے کار کو بہت دیر سے اس مکان کے سامنے سے گزرا۔
ان کا نمبر دیکھنا چاہتی تھی۔ سب کے ساتھ ہی مجھے ہم پٹ بھی
میں نے جوتے خط میں شکیل کا راجا خاں لکھا ہوا
دیکھ کر مجھے ہنسی آئی تھی۔ وہ گئی۔ اُس شخص کو دیکھ کر
میں شکیل کا راجا خاں لکھا ہوا اور وہ واقعی شکیل کا راجا خاں

میں نے اپنے سے میں نے کار دیکھ کر ہنسی لگائی۔
انڈیا ڈاٹ سے گزر رہی تھی تو مجھے خیال آیا کہ میں نے
ان دنوں جوئے کو چھوں سے مل کر شکیل کا راجا خاں

کی شناخت کا وقت طے کر لوں۔ اُن میں سے ایک بیعت آباد میں
اور دوسرا تین بجے کے قریب رہتا تھا لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ وہ
دونوں تو شاید ملازمت پیشہ ہیں لہذا اس وقت اپنے گھر لوں پر
نہیں ہوں گے۔

میں سیدھی ہاسپٹل پہنچی۔ وہاں سے معلوم ہوا کہ ٹیوٹر ڈیر قبل
کھیل رہا کہ میرے گھر کی طرف روانہ کیا جا چکا ہے اور سیکٹا بھی ہاسپٹل
کے اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو کھیلنے کے لیے آئے ہیں۔

اب میں نے اپنے گھر کا رخ کیا۔
سیکٹا برآمدے میں مل پھل کر میرا انتظار کر رہی تھی۔ ہاسپٹل
والے شاید وہاں چائے تھے ورنہ ان میں سے کوئی تو نظر آتا۔ اُس کے
علاوہ وہاں ہاسپٹل کی کوئی گاڑی بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

”اب بہت جلدی آگئیں“ سیکٹا نے کہا۔ ”نہ جانے کون سی چیزیں
تھا کہ شاید آپ تین چار گھنٹے میں تو نہیں۔“ میں جی یہاں آئے ہوئے
ابھی زیادہ وقت نہیں ہوا۔ مشکل سے ہندو منٹ گزرتے ہوں گے۔
”تمہارے انکل کس کمرے میں ہیں؟“

”آپ کی خواہش کے مطابق“ سیکٹا نے جواب دیا۔
”ملازم نے بتایا تھا کہ اُس کمرے میں آپ کبھی پہنچے یا کسی سہماں کو
تھمرا تو ہیں اور آپ نے انکل کے سلسلے میں بھی ملازمہ کو نوٹ پر
یہی ہدایت کی تھی۔“

”ہاں“ میں نے سیکٹا کا ہاتھ تھامے جوئے ڈرائنگ روم میں جا گئی۔
نصو نے پرہیز کر میں نے ملازمہ کو کچا اور اُس سے کہا کہ کھانا میز پر لگا
دیا جائے، پھر میں نے سیکٹا سے پوچھا: ”تمہارے انکل نے یہاں آتے
ہوئے کوئی مزاحمت تو نہیں کی؟“

”اس کے علاوہ وہ بہت خوش ہیں۔“ سیکٹا نے بتایا۔ ”ہاسپٹل کو
بھی وہ بوٹل سمجھ رہے تھے۔ نہ جانے کیسے اُن کے دماغ میں یہ بات میٹھی

گئی ہے کہ ان کے گھر میں دس اور پندرہ دنوں کا بہت بڑھ گئی
ہیں اس لیے وہ اپنے گھر کی بجائے کسی ہوٹل میں رہنے پر مجبور ہیں۔ ہاسپٹل
والوں نے بھی اُن کے اس ہنگامہ کو دیکھتے ہوئے انھیں یہ باور کرا دیا تھا
کہ وہ ہوٹل اُن کے شیانِ شان میں ملنا انھیں ایک شاندار ہوٹل میں
منتقل کیا جا رہا ہے۔ چہرہ ماں اگر بہت خوش ہوئے اور کتنے لگے کہ یہ
ہوٹل تو واقعی شاندار ہے۔“

میں نے آہستہ سے سر ہلایا اور میرا کہنا: ”میں آج شام اُن کے علاج
کے سلسلے میں دماغی امراض کے ایک ماہر سے ملوں گی۔“
ڈراؤ پر بعد ملازمہ نے افلاک دی کہ کھانا لگایا جا چکا ہے۔

”آؤ؟“ میں نے سنیٹا سے کہا اور کڑی ہو گئی تھکانے کے بعد میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آؤں گی۔“

سنیٹا کے چہرے سے ہلن معلوم ہوا جیسے وہ کھانے سے انکار کرنا چاہتی ہے لیکن میں نے اسے اپنی شخصی نظرسر دیکھا کہ وہ خاموشی سے اٹھ کر میرے ساتھ ڈائننگ روم میں آگئی۔

میں نے بھی ذرا دیر تک ریڈیوٹ میں ایک میٹیس کو کھا کھاتے پانی پئی اس لیے مجھے زیادہ ہجوم بنیں مگر رہی تھی لیکن میں نے غصے اس لیے کھانا ضروری سمجھا تھا کہ میرے ساتھ سنیٹا بھی تھوڑا بہت کھا پیتی۔ کھانے کے بعد اس نے لڑائی بھڑکنا لائینز کے طرف روانہ ہوئی راستے میں، ”میں نے سنیٹا سے پوچھا کیا اسپتال میں کوئی دوسرا آفیسر آیا تھا؟“

”جی ہاں وہ تو ہمارے ساتھ ٹھہر گیا آیا تھا اور آپ مننے کے لیے بے چین تھا۔ ممکن ہے وہ پھر آئے۔“

”اچھا اب تم کب آؤ گی؟“

”میں بہت جلدی جنکس منجوس کر رہی ہوں شاید آج نہ آسکوں لیکن کل صبح ضرور آؤں گی۔“

”ٹھیک ہے تم گھر جا کے سو جانا میں شرط لگا کر کہہ سکتی ہوں کہ گزشتہ رات تم ایک پل بھی نہیں سوئیں۔“

سنیٹا چپ رہی۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھا کہ وہ میرے بالکل صحیح انداز سے کی تردید کر سکتی۔

میں نے اسے اس کے گھر چھوڑا اور رام لال کا سامنا کیے بغیر لوٹ آئی میں اب اس شخص سے ملنا ہی نہیں جا سکتی تھی۔ جیسے ڈر تھا کہ اس کے خشک روئے کے جواب میں میرے منہ سے کوئی سخت بات نکل گئی تو سنیٹا کو تھوڑی بہت تکلیف ضرور پہنچے گی۔ رام لال ہر کیف اس کا پاب تھا۔

دہلی سے دلہی پر میں نے اس پولیس آفیسر سے ملاقات کی جس نے فیصل رضا کے اغوا کی تعقیبش کا آغاز کیا تھا۔ وہ اب پہلے سے بھی زیادہ سبک سہ ہو کر مجھ سے ملا۔ غالباً اسے علم ہو چکا ہوگا کہ ہوم سیکریٹری بھی میرے طرز و دل میں ہے۔

”جوشی رمدوش ہو گیا؟“ اس نے مجھے بتایا۔

”میں یہی توقع کر رہی تھی، میں نے سربہ کر کہا۔“

”لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سرفصل رضا اسپتال کے قریب پڑے ہوئے کیسے مئے؟... اور دھڑکے گا کہ وہ بھی ہوئے۔“

”میرا اندازہ ہے کہ انھیں کوئی ایسی زہر پلینڈ نہ تھی جس نے

”اُن کے دماغ کو متاثر کیا ہے۔“
”کیوں اس حرکت کا مقصد؟“
”یہی تو آپ کو معلوم کرنا ہو گا۔“
”لیکن... پولیس آفیسر کو کچھ کتے کہتے تھے۔“
”لیکن کیا؟“
”میرا خیال ہے کہ آپ اس مہات کو ہم
رہی ہیں۔ اگر آپ مجھے وہ سب کچھ بتا دیں،
شاہد میری نقیض زندگی سے آزاد ہو جائیوں گا۔“
”کی حالت آپ جو کچھ توہماتی ہے۔ اگر وہ
ملا کر اکیلے ختم ہو جائے گا۔ اچھا، میں اب چلتی ہوں۔“
پولیس آفیسر بڑھے، جیسی سے میری طرف
س کے اس انداز پر ہنسی آئے آتے رہ گئی۔
دوسری ملاقات میں نے اُس پولیس آفیسر
مادے کے حقیقتات کو رہا تھا۔ وہ جی بڑھے صاحب
ملا۔ چونکہ شکیل اور کفیل، رضا میں ایک تعلق تھا
وہ وہ ملاقات کی تمام خبریں، دونوں کیسز کو
نفسان کو معلوم تھیں، شکیل کے حادثے کی حقیقت
نفسان کو بھی یہ علم ہو چکا تھا کہ مجھے ختم ہو گیا،
حاصل ہے۔
”پولیس آفیسر نے مجھے بتایا کہ جس طرح
نفسان کو کیا گیا ہے، وہ کسی طرح بھی اقرار کرے گا۔“
”اُسے آزاد ہو جائیوں میں چاہیے۔ میں نے
آپ نے ایک ایسے شخص کو کچھ بتایا ہے جو بے قصہ
”جی!“ پولیس آفیسر جھک پڑا۔ ”لیکن وہ...“
”اگر آپ میری ایک خواہش پوری کرنے کے
پ کو بہت اہم معلومات فراہم کر سکتی ہوں۔“
”مجھے پتہ چلا کہ اس بات سے انکار ہو سکتا ہے۔“
”توہم سنئے! وہ دونوں مجھ سے گواہ ہیں۔“
”مجھ کو؟“
”وہ تھے،“ پولیس آفیسر جھک پڑا۔
”اس میں شک نہ رہا کہ حقیقت یہی ہے۔“
”توہم میں اُن دونوں کی کھال ادھیر ڈالوں
نفسان سے بچ کر رہا۔“
”پولیس ہی تو میں آپ کو نہیں کرنے دوں۔“

مجھے حقیقت بھی اُسی دونوں سے معلوم ہوئی
 اس میں اُن دونوں کو وعدہ صاف گواہ بنائیں
 بہت زور دے کر کہا۔
 بڑے میری طرف دیکھتا ہوا اور پھر ایک طویل
 "اگر آپ ہی ایسا چاہتی ہیں تو پھر ایسا ہی ہوگا"
 میں آپ کو تفصیلات بتائے دیتی ہوں"
 پھر مجھ کو گھبراہٹ ہو گیا اور میں نے اُسے بتانا شروع
 "دونوں آدمیوں سے حقیقت کس طرح اُگلواؤ
 گھر بیان کرنے کے بعد میں نے کہا۔" اور اب
 ہوں تو کبھی تلاش کر کے ملی ہوں جس نے اُن دونوں
 کی دسے کر چھوٹی گواہی دلائی تھی۔"
 "اگر آپس انسپریٹور جس نظر آئے لگا۔
 اُسے صابری اور جواو خاں کے بارے میں بھی
 اگر آپ اُن دونوں شخصیتوں کے بارے میں
 تو ممکن ہے کوئی راز افشا ہو سکے"
 "نظر انداز کریں سر ہلانے لگا، پھر بولا۔" اُن
 ایک شخص پہلے ہی سے ہماری نظر میں مشتبہ ہے۔"
 "پوس انسپریٹور نے جواب دیا۔" ہمارے دو ایک
 مال میں اس شخص کی فضل و حرکت پھر اسرار اسی
 کہ کوئی ایسا اشارہ ہمیں ملا ہے جس سے صابری
 قیمت بچوروشی میں آتی"
 "اپنا سارا زور اُنہی دونوں پر صرف کریں"
 کرنا ہی پڑے گا۔"
 گلو کے بعد جب میں وہاں سے روانہ ہوئی تو پانچ
 میں تھکن مسوس کر رہی تھی لیکن میں نے تبصہ کیا
 نے سے پہلے دو ڈکریو جان سے ملاقات کرتی چلیں۔
 جان و دماغی امراض کا دبی ماہر تھا جس سے میں نے
 پر گفتگو کی تھی اور طے ہوا تھا کہ میں پانچ سے
 نے درمیان اُس سے ملوں گی۔
 اُس سے ملاقات کی اور اُسے نہایت متعلیق
 یا۔ اُس نے مجھے تقریباً نصف گھنٹہ دیا اور فیصلہ
 ان تفصیلات معلوم کر تا رہا۔ مجھے جو کچھ معلوم تھا،

وہ میں نے اُسے بتا دیا لیکن بعض سوال ایسے بھی تھے جس کا جواب میں نہیں دے سکتی تھی، غماہ رہے کہ مجھے کفیل رضا کے ماضی کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔

آخر طے پا گیا کہ دل و پیر کو ڈاکٹر دیمان میر سے گھسرا کر کفیل رضا کا معاشرہ کرے گا۔

اس ملاقات کے بعد میں اتنی تھک گئی تھی کہ سپیدی اپنے گھر پر پہنچی اور ایک ملکا چھلکا لباس پہن کر لمبر پڑھ کر گئی۔

سارے سات بجے سونیا کا فون آیا اور اُس نے مجھے بتایا کہ وہ سارے آٹھ بجے تک اُڑ رہی ہے۔

”آٹھ بجے!“ میں نے کہہ کر اُوٹھ بیٹھ کر سوایا۔

سو اُوٹھ بجے تک میں لمبر پڑھ رہی تھی۔ اس دوران میں صرف ایک مرتبہ میں نے ملازمہ کو بلا کر کفیل رضا کے بارے میں پوچھا تھا۔

”وہ بالکل مطمئن اور خوش ہیں“ ملازمہ نے بتایا تھا۔

سو اُوٹھ بجے میں بستر سے اُٹھی تاکہ سونیا کا استقبال کرنے کے لیے تیار ہو جاؤں۔ کئی روزہ تھکن کو میں آج رات پوڑ کر کھینک دینا چاہتی تھی۔

تھیک سارے آٹھ بجے ٹیلیفون کی گھنٹی بجی تو میرا ہاتھ اٹھ گیا کہ میں سونیا نے میرے پاس آئے گا اور ملازمہ تو نہ بیس کر دیا؟

بہر حال میں نے رسیور اٹھایا اور ملازمہ بیس میں کہا۔

”با فو اسپیکنگ“

”میں تمہارا مہر دلول رہا ہوں“ وہی نامعلوم آواز سنائی دی۔

میں نے برسامنٹہ بنایا اور کہا کہ ”اس وقت تم مجھے کتنی ہی سنسٹی خیز اطلاع کیوں دے دو؟ میں گھر سے کہیں نہیں جاؤں گی“

”کیونکہ سونیا نے آئے گا وعدہ کر لیا ہے“ دوسری طرف سے طنز بھرا انداز میں کہا گیا اور پھر وہ دسے سخت لہجے میں بولا۔

”اگر تم نے آج کی رات سونیا کے ساتھ گزار دی تو اپنی موت کی دسے وار تم خود ہو گی“

اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتی، دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا اور میں رسیور کو گھورنے لگی۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں نے وہی سنا ہے جو کہا گیا تھا۔ بھلا سونیا کے ساتھ رات گزار کر میں موت کا شکار کیسے ہو سکتی تھی؟

مجھے اس سوال پر غور کرنے کی زیادہ ہمت نہیں مل سکی۔ میری ایک ملازمت نے اگر اطلاع دی کہ سونیا آئی ہے۔ مجھے یوں لگا جیسے طیفیوں والی آواز میرے کانوں میں گونجنے لگی ہوئے تھادی موت آئی ہے بالو! تھادی موت آئی ہے!

میں نے ذہنی خفشار کے باوجود اپنے چہرے سے نگرہ زد کا غبار اٹایا اور اپنے بوتلوں پر مسکراہٹ سما کر سونیا کا استقبال کرنے کے لیے اپنے خوبصورت ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ سونیا خانے کے ساتھ گریبان کی جیکٹ منا تھیں اور چین میں ملیس تھی۔ وہ مٹنے سے اٹھ کر اماناء میری طرف بڑھی اور مجھ سے مل گئی۔

اگرچہ میں آپس میں ٹکرا جائیں تو شعلہ لپٹتا بیٹھنے لگا۔ کچھ ایسی ہی کیفیت اس وقت میری ہوئی۔ میرے وجود میں جو شعلہ لپکتا تھا اس نے سارے ذہنی خفشار کو خاکستر کر دیا۔

”سونیا ڈرائنگ“ میری سرگوشی جذبات سے پوچھتی تھی، پھر مجھے پتا بھی نہ چلا کہ میری تشہیں تک سونیا کے بوتلوں کی رسد تک ہوئی اور وہ دریائے لطافت کشتی دیر تک محوئے طلب کو سیلاب کرتا رہا۔ ان سنسنائے ہوئے لمحوں میں میری اور سونیا کی آنکھیں بند تھیں لیکن باتوں کی انگلیاں اپنی پوری توانائی کے ساتھ لپٹی بیداری کا ثبوت دے رہی تھیں۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کمرہ حمال سے ماسوا کو بھی سفر کرنے کی معتدبہ صلاحیت رکھتی ہوں۔

ہم دونوں کو ایک آواز نے چورنگایا۔ میں نے آنکھیں کھول کر آواز کی سمت دیکھا تو مجھے اپنی ملازمت کی ایک ہی سی جھلک نظر آئی۔ وہ غالباً ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تھی لیکن داخل ہوتے ہی اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ (میں اپنی غلطی تسلیم نہیں کروں گی کیونکہ یہ آج کے انسان کا شیوہ نہیں، ہاں پھر وہ پلٹ کر میری جگہ تھی تو غالباً اس کا سر دروازے سے ٹکر لگایا تھا۔ اسی ٹکرائے کی آواز میں نے اور سونیا نے سنی تھی۔

ملازمت کی لوکھاٹ پر مجھے ہنسی آئی اور میں نے سونیا کی طرف دیکھا۔ مجھے ہنسنے دیکھ کر وہ بھی مسکرا دی۔ اس کے چہرے پر ایسی سرخوئی تھی جیسے وہ تپ رہی ہو اور اس پیش کے باعث اس کے چہرے پر پسینے کی جگہ بیل ہو گئی تھی۔

”او آؤ!“ میں نے اس کا ہاتھ تھاما اور پلو روم کی طرف چل پڑی۔

پلو روم چھاندے سے خوف ڈھاندا اپنے مشام ہال کو خطرہ کسکتی تھی۔ اس کے موجود تھا اور میں اس کمرے کی فضا کو ساڈھا بنا لیتی تھی۔

جب بھی کوئی نئی لڑکی پہلی مرتبہ اس کمرے میں جوتے پہن کر رہ جاتی تھی۔ اس کے پاس مذہباً ہی کمبیں دیکھا جاسکے۔ کچھ ہی حال سونیا ۱۴ پر آؤریں میری پیٹنگز دیکھیں تو بس دیکھتی تھیں اس کے جذبات میں جوا بھلائی کی جو کیفیت تھا اس کو کوئی محسوس کر سکتی تھی۔

میں نے کمرے کا دروازہ بند کر لیا اور بڑھی جس میں بھی ہوئی خوبصورت بوتلوں میں سیال مقید تھے۔

”تم کیا پسند کرو گی سونیا؟“ میں نے کہا۔

سونیا چونکی اور اس کی توجہ پیٹنگز کی کیفیت پر مرکوز ہو گئی۔ اس نے خفشار اٹھا

معنی خیر اور سرور ملازمین اپنے سر کو خفیف کر پھر لینی۔

”گڈ!“ میں نے سونیا کے انتخاب پر خوش ہو کر دو گلاسوں میں شیشی بنانے کے بعد میں نرم و گداز فوم پر بیٹھ گئی جو سارے کمرے میں بھرا نام کی کوئی چیز اس کمرے میں نہیں تھی۔

”پہلا جام“ میں نے سونیا کے گلاس کے ہاتھ سے پھونکا۔

”آپ کی مقناطیسی شخصیت نے نام“ سونیا گویا اختلاف رائے کے نام آئیں نے ہنس کر مٹنے سے لگا لیا۔

سونیا ایک لمبا گھونٹ کر لینی دیکھتی تھی اس کمرے میں مختلف قسم کی خوشبوئیں پھرتی پھرتی تھیں۔

”ہاں، تمہارا خیال بالکل درست ہے مگر ایسی بھی ہے جو تمہیں محسوس نہیں ہوئی ہوگی۔“

”وہ کون سی خوشبو ہے؟“

”خوش بدوں اور جھگڑتیوں کی مہرکار!“

”و تو کو یا مجھ سے پہلے۔۔۔“

سونیا! میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ”یہ کمرہ کے ملازمین کا امین ہے۔ میں حسن پرست ہوں اور کاتبہ حاصل کرنا میرا واحد شوق ہے۔ لیکن لطفات مجھے خطرات میں بھی ڈال دیتا ہے، میں نے یہ کمرے چرنے

۲ نیکیا کی طرف دیکھا لیکن وہ مصومیت کا پیکر بنی ہوئی تھی۔

”لطفات!“ اس نے سادگی سے پوچھا۔

”ہاں، اس میں میرے دشمنوں کی آنکھوں میں کچھ موت کے منہ کی کوشش کر چکی ہے۔“

سونیا میری اس بات کا بھی کوئی رد عمل نہیں ہوا اور میں لگا کر مجھے ذوق پر غلط اطلاع دی گئی تھی یا سونیا میں اپنے ہاتھ پانے کی غیر معمولی صلاحیت ہے؟

”آپ کے بھی دشمن ہیں؟“ وہ بڑے توجہ سے پوچھی۔

خیال ہے کہ آج کی دنیا میں ہر شخص کا کوئی دشمن ضرور اور میرے دشمنوں کی تعداد کچھ زیادہ ہی ہے؟

میں یقین نہیں کر سکتی۔

”کیوں؟“

اپنی اتنی اچھی باتیں کہ آپ کا دشمن تو کسی کو بھی نہیں ہونا چاہیے تھا اس لئے کہ آپ کو تم مجھے بہت اچھا لگتا رہی ہو۔ ویسے بتاؤں کہ آج کی دنیا میں اچھے انسانوں ہی کے دشمن زیادہ ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تمہارے آدمیوں کا دشمن مشکل ہوتا ہے۔ تمہارے آدمیوں کی طرف سے جو ابلی کاروں کی ابتدا ہو چکی ہے جبکہ بیچارہ اچھا آدمی ظلم و ستم کا نشانہ بننے کا درمیان رہتا ہے۔

سونیا میری باتوں میں دلچسپی لینے لگی اور بولی بے قوالیسی

”گفتگو میں ہوں گی جنھوں نے آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی؟“

”مجھے گینے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ میں ہنس کر بولی گئی۔

”وہ تو ہیں۔ ان میں سے چند ایسی بھی تھیں جو نادانستہ طور

”ناراضہ طور پر کیے؟“ سونیا نے پوچھا۔

”میں گفتگو کو اتنا بہتہ دے کہ اس کو ٹھیک لگنے کی کوشش کر رہی تھی۔ سونیا میرے دشمنوں کی آواز کا یہی ہے تو میں کسی طرح یہ جان

”دشمن نے کس قسم کا جان بھجایا ہے؟“

”لیکن ابھی میں سونیا کے سوال کا جواب نہیں دیتی تھی کہ اسے بہرہ رسک ہوئی۔ دستک کیا ہوئی؟ دروازے کو کبھی طرح

پہنٹ ڈالا گیا۔ میرے خیال کے مطابق یہ کسی ملازمہ کی حرکت ہوئی تھی۔ اس میں بدکاری پر کچھ ہر کے لیے تو جھجلا گئی لیکن دوسرے ہی لمحے میں میں نے سوچ لیا کہ کوئی غیر معمولی بات ہوئی ہے۔ وہ کوئی بڑا ملازمہ اس بدکاری کی جہالت نہیں کر سکتی تھی۔

اس وقت میں شیشی کا اودھا گلاس خالی کر چکی تھی وہ میں نے ایک طرف رکھا اور دروازہ کھولنے کے لیے اٹھی۔

”آپ کی ملازمت بڑی بدترین معلوم ہوتی ہے؟“ سونیا نے پوچھا۔

میں نے اس جھڑپے کو بھرتی کر دیا اور دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازہ کھولتے وقت میرے ذہن میں اس کے سوا کوئی خیال نہیں تھا کہ ملازمت مجھے کتنی غیر معمولی اطلاع دینا چاہتا ہے لیکن جیسے ہی میں نے دروازہ کھولا مجھے اپنے اصرار پر زنا ٹاسا عموں سہ۔ دروازے کے پاس کوئی ملازمہ نہیں بلکہ دروازے کا ڈھانچہ تھا۔ کلمہ تھا اس کی کیفیت دروازے کی طرف تھی اور میں نے اپنے سر کو بائیں جانب ڈسٹا لگا رکھا تھا۔ میری نظر اس کے چہرے کا بہت کم حصہ دیکھ سکتی تھی۔

”اگلی تک آپ خیریت سے ہیں؟“ اس کا لہجہ بہت چمکتا ہوا سا تھا۔

میں نے ایک جھٹکے سے دروازہ بند کیا اور تیزی سے سونیا کی طرف کوئی۔ میں نے اس سے کہا کہ تم چلو! میں ابھی آتی ہوں۔

”آپ کی وقت دروازے کو کبھی نہ دے پٹا لیا۔“

”یہ کون بدترین ہے؟“ سونیا نے مزید بنا کر کہا۔

”میں ابھی اسے اس کی بدکاری کا مزہ چکھا کرتی ہوں۔“ میں نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھی۔

سونیا نے پوچھا کہ کیا آپ کو درد لگے گی؟

”بیس زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ“

سونیا نے سر ہلا کر شیشی کا گلاس مٹنے سے لگا لیا۔

میں دروازہ کھول کر تیزی سے باہر پہنچی اور پھر اتنی بدکاری سے دروازہ بند کر دیا۔

”ڈھانچہ والا اب پھر اس پوزیشن میں کھڑا ہوا تھا۔“

”میری طرف رخ کرو!“ میں نے مٹہ بنا کر کہا۔ اس خیال کو اپنے ذہن سے جھٹک دو کر اس نے اتنے تھک رہے تھے کہ اسے چہرہ دیکھ لیا تو تمہیں پیمان لوں گی۔ میں تمہیں پہلے ہی پہچان چکی ہوں۔ میری نظر زیادہ عرصہ تک دھوکا نہیں کھ سکتی۔

”آپ کی نظریاتی کا تو سر تردل سے تامل ہوں؟“ وہ میری طرف

مکڑا ہوا ہنڈا سانس لے کر بولا۔ اس مرتبہ وہ اپنا اصل آواز میں بولا تھا اور وہ آواز صنوں کی تھی۔

”ڈرائنگ روم میں آؤ! ہمیں لے کر ادرا میں جانے دیجئے۔ میں اپنے عقب میں قدموں کی آواز سن رہی تھی۔ ڈرائنگ روم میں پہنچ کر میں صوفے پر بیٹھ گئی اور پھر رمضان کو گھونٹا پھٹی ہوئی تیرمیر سے اس کے سر تک پہنچے کیسے؟ کسی ملازم نے تمہیں روکا نہیں؟“

”رکتیں کیسے؟ میں ان سے اپنی اصل آواز میں بولا تھا اور وہ سب جانتی ہیں کہ آپ سے میرے تعلقات کچھ زیادہ جاڑے بھی نہیں ہیں۔ رہ گیا میرا ایک آپ تو اس معاملے میں آپ کی سسی ملازمتوں نے اب حیرت ہونا چھوڑ دیا ہے، عادیہ کو چیک کرنا ان باتوں کی!“

”میرا بھی یہی خیال تھا کہ تم نے ملازمتوں پر اپنی شخصیت کو بے نقاب کر دیا ہوگا!“

”آپ تو خاصا کچھ بھلا کر نکلیں!، رمضان تمہارا انداز میں نہا۔“ آخر اس سماعے ڈرائے کا مقصد کیا تھا؟ میں اچانک غصے آئی۔

”دیکھیے حضرت!، رمضان انگلی اٹھا کر بولا۔ دھونس دھرتے سے کام نہیں چلے گا۔ ذرا بیکار محبت سے کام لیجئے اس سے میرا یہ طلب نہیں کہ آپ مجھے اپنی گود میں بٹھا کر ریکارڈ شروع کر دیں بلکہ۔“

”کیا تمہیں وقت ضائع کرنے کی عادت ہو گئی ہے!“ میں نے جھنجھلا کر کہا۔

”اے تم تو خود اپنے آپ کو مائل کرنے پر تیار بیٹھے ہیں۔ بتاتے ہوئے کو اتنے لیکن اب تک باپ بننا تو کجا کسی کے ختم بھی نہیں بن سکے!“

”اچھا تو...“ میں غصے میں کراہ کر ایک جھٹکے سے کھڑی ہو گئی۔

”اگر... بیٹھے! بیٹھے!“ رمضان نے جلدی سے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے صوفے پر بٹھا کر خود بھی میرے برابر بیٹھا ہوا بولا۔

”ہرگز نہیں سے سنتے آئے ہیں کہ غصہ حرام ہے نہ بے، سبنا بھی، اخلافا بھی اور... جیر چھوڑ دے! ہاں تو وہ... کیا نام اس کا؟ سونیا... ماشاء اللہ بڑی پیاری بچی ہے۔ خلاص کی گردن رکھے۔ فی الحال آپ آتے اس سے کس حد تک ملاقات کیجے؟“

”میرے تمہارا کی کر ملا ہے؟“

”ہائے اللہ!، رمضان اپنی انگلی دانتوں میں دبا کر بولا۔

”شرم آتی ہے بتاتے ہوئے۔ آپ خود ہی سمجھ جائیے نا!“

”تم بعض اوقات زخموں کی طرح چمکے کیوں لگتے ہو!“ میں

”میں اکثر اوقات بھی زخموں کی طرح پلک مانا اس لیے نہیں پلکا کہ چھپ کی چٹک مٹا مانا تھا مرتبہ تو میں نے پلک سوچ کر لٹا تھا کہ اپنے جسم میں کچھ کر کے عالمی مقابلوں میں شریک ہو جاؤں!“

”اودہ!“ میں نے دانت پیسے۔ رمضان اگلا مٹنے سے ایک غیر سنجیدہ جملہ نکلا تو میں ضرور یہاں جاؤں گی۔“

”اچھا!“ رمضان نے بالواسطہ انداز میں کہا۔ اگر ا حد تک بڑھ سکتی ہے تو میں سنجیدہ ہوا جاتا ہوں۔“

”اسے گھڑ دینی رہی۔“

”سنجیدگی سے دیگر احوال یہ ہے؟“ رمضان پوچھنے لگا۔ اس روٹی کو اپنے نکاح میں لیا تو آپ کو ہلاکت ہو نا پڑے گا۔ یہ میں نے دے دیا کار کا ڈبل عرض کیا۔“

”میں نے اس سے تھوڑا سا انداز میں ان کو نظر انداز کیا۔ یہ بات تم نے مفیلین پر بھی کہی تھی!“

”لاڈلاؤ سیکر بھی عرض کر سکتا ہوں۔“

”تمہ کیسے جانتے ہو کہ وہ میری ہلاکت کا سہ ہے؟“

”یہ جاننے کے لیے مجھے ہوا کی شفتیں کرنا پڑتا ہے۔“

”تم پر یقین لگے!“

”میں قسم کر کہہ رہا ہوں کہ مجھے یہ جاننے کے بل کھڑا ہونا پڑا تھا اور ہوا کی شفتیں ہی طرح کی جاتی سونیا نے ہونٹوں میں جو کڑو کر لئے پڑے رکھا ہے اس دلے کر سے پھین تاقب ہوں۔ ان دونوں کرلوں کی“

”میں فرخ کے قریب ایک چھوٹا سا سوراخ ہے۔ یہ راز نا کبھی اس سوراخ سے کوئی دائرہ وسیعہ دور سر میں پہنچا یا گیا ہوگا۔ بعد میں انتظامیہ کو وہ سوراخ کا خیال نہیں رہا۔ خیال کیا نہیں رہا، بس مجھے سے ڈر ہے ان بختوں نے! اندر وہ سوراخ ہوتا، مجھے سہ ہونا پڑتا!“

”یعنی تم سوراخ سے کرے میں جھانکتے رہنا؟“

”الحمد للہ!“

”لیکن یہ بات اب بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ سوراخ ہلاکت کا سبب کیسے بن سکتی ہے؟“

”اس کا سبب یہ ہے کہ گردوں سے مجھے نیچے اس کے سانس ایک خاص قسم کے علول کی مائش کی گنجی ہے جو بہت تیزی سے زہا ہوتا ہے۔ اس میں کسی قسم کی گنجی نہیں ہوتی اور وہ اس کے ذریعے جسم میں داخل ہو کر کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔“

”وہ زبان یا ہونٹوں سے کس ہوجائے تو اس کے ہلکا سامنے آجائیں گے؟“

”یہ وہ معدے میں پہنچنے کے بعد اثر پذیر ہوتا ہے۔“

”اما...“

”بنا کیوں نہیں؟“

”وہ اس لیے نہیں کہ ان لوگوں کی ہمہ باتوں سے کسی پر نہیں پہنچ سکتا۔“

”ان لوگوں کی باتوں سے؟“

”بڑا مستحق اور عجیب فریڈ کی باتوں سے؟“

”ہاں!“ میں کچھ سوچنے لگی۔

”میں ایک بات واضح کر دوں!“ رمضان پھر بولا۔ سونیا ش میں شریک نہیں ہے۔“

”کیسے ہو سکتا ہے؟“ میں نے تعجب سے کہا۔

”اس طرح ہو سکتا ہے کہ سونیا میرے پرنسپل کرنے کی جہاں سونیا گئی ہو لیکن سونیا کو بدھ دم کو ٹینٹ جاتی ہو کر اسے کہیں گھونٹنے چھوڑنے نہ جانا ہو تو وہیں گھٹنے کے مانی ہے۔ آج اگر وہ نہیں تھا اس لیے وہ سو گئی۔“

”الہو کر لیا تھا کہ حیدر آباد جا رہا ہے لیکن دراصل وہ کراچی ہی میں اب ان لوگوں کو اندازہ ہو گیا کہ سونیا اب سو گئی ہوگی تو اس کے لیے میں داخل ہوئے۔ اس کے لیے ایک چابی ملے ابھی میں رہتی ہے۔ جس فریڈ نے اپنی جیب سے الی نکال کر چند سینکڑے ایک خوابیدہ سونیا کی ناک کے کھار اور پھر اعلان کیا کہ اب سونیا اوتھے گھٹنے تک میں نہیں آسکے گی۔ اس کے بعد اگر وہ سونیا کے کپڑے اور اس کے جسم پر اس علول کی مائش کی جس کی کشش آئے اس سے ملی تھی۔“

”لیکن یہ البرٹوان لوگوں کا آلہ کار کیسے بن گیا؟“

”وہ دیکھنے میں تو بیوقوف سا آدمی ہے لیکن جب کسی بات ان کو تباہ تو بڑی شدت سے کرتا ہے۔ آج کل وہ حد تک مایل رہا ہے اور یہ آگ اس کے دل میں مشتاق چنگیزی

نے بھڑکانی ہے۔“

”ولیکن حیدر کس سے؟“

”آپ سے۔“

”مجھ سے؟“

”جناب!، رمضان نے بھنوں کی چٹکا کر کہا۔ البرٹوانج کل اگر آگ میں جل رہا ہے کہ آپ اس کی محبوبہ دل نواز دھڑکے اور دھڑکے کرنا کو اپنے نکاح میں لینے پر تیار ہوتی ہیں۔“

”تو کو یا...“

”مجھ پر ہے!“ رمضان نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ آپ مجھ سے جبری شمیعی معلومات حاصل کر چکی ہیں۔ اب میرے ایک سوال کا جواب دیجئے۔ آخر آپ نے مجھے کب اور کیسے پہچانا؟“

”اب ان سوال و جواب کو تھوڑی دیر بعد تک کے لیے قوی کر دو۔ مجھے بھی تم سے ابھی بہت کچھ معلوم کرنا ہے لیکن پہلے میں ذرا سونیا کے مسئلے سے غفلت ملے۔“ میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

”میں اس علول کا تجربہ کرناؤں گی جس کی مائش سونیا کے جسم پر کی گئی ہے۔“

”یہ کام آپ کیسے کریں گی؟“

”تم یہاں میرے بیٹھو اور میرا انتظار کر دو!“

”غالباً اس موقع کے لیے کوئی آیت بھی ہے؟“ رمضان نے غصہ سانس لے کر کہا۔

”یقیناً ہے، اور تم یہاں بیٹھے ہوئے اس کا دور کرتے رہو۔ میں یہ کہتی ہوئی ڈرائنگ روم سے نکل آئی۔

”رمضان نے جو معلومات فراہم کی تھیں ان کا ایک خوشگوار پولیو تھا کہ سونیا اس ساراؤش میں دانت ٹوٹ نہیں تھی۔ اگر ساراؤش کے ہاتھوں اس کی درگت مرتبہ تھی۔ تو بصورت لوگوں کو سزا دینے مجھے مجھے دکھ تو ہوتا ہے لیکن میں انھیں معاف کر رہی ہوں۔

”جب میں پلورٹ میں داخل ہوئی تو سونیا اپنا نکلاں خالی کرنے کے بعد میری غمگین پر بھی دھاوا بول چکی تھی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگی۔ آپ کی جھوٹی شراب زیادہ نشہ آور ہے۔ وہ ہنسی بھی اور اس کا چہرہ مزید متھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ہمارا شائق قبول رہی تھی۔

”سوئی ڈرائنگ روم اب ذرا بیکلاس رکھ دو!“ میں نے کہا۔

”کیوں؟“ وہ شکایت آمیز انداز میں میری طرف دیکھنے لگی۔

”مجھے تم سے کچھ باتیں کرنا ہیں۔“

کوئی ایسا بندوبست کرنا پڑے گا کہ اس حادثہ کو نہ

”بندوبست.... کیسا؟“

”باتھ روم میں چلو“

”اوہ! سوینا نے سر ہلایا۔“

”کیا سمجھیں؟“

”آپ چاہتی ہیں کہ میں پانی سے اپنا جسم دھواں“

اس پانی کا تجربہ کر لیں۔“

”تم ذہین بھی ہو! فوراً سمجھ گئیں۔“ میں نے اس

ہوئے نہیں کرکہ۔

باتھ روم میں داخل ہو کر میں نے اس سے کہتے

لیے کہا اور باتھ کا کھولنے لگی۔ جب ایک تالی

پانی بھر گیا تو میں نے نئی بند کر دی۔

”اب تم ٹب میں بیٹ جاؤ؟“ میں نے سوینا سے

پندرہ منٹ تک اپنے جسم کو تھپی طرح رگڑتی رہو۔

استمال بالکل نہیں کرنا۔“

سوینا نے میری ہدایت پر عمل شروع کیا۔ ادھر

کر رہی تھی کہ اس کی طرف نہ دیکھوں۔ جنابات کے تارا

کا سبب بعینہ ہی کی مضرب بنتی ہے۔

جبکہ یہیں سوینا نے اپنا جسم دھویا۔ اتنی ہی

نے شیمپو کی ایک بڑی شیشی خالی کر کے گرم پانی سے

دھو ڈالی تھی۔ جب سوینا سب سے عمل آئی تو میں نے

ٹب کے پانی سے بھری اور باقی پانی ضائع کر دیا۔

”اب تم تھپی طرح غسل کر ڈالو“ میں نے سوینا

”میرا مطلب ہے کہ صابن وغیرہ استعمال کرو۔ اس کے

ایک کیمیکل بھی اپنی ٹب میں ڈالے دیتی ہوں۔ وہ کیمیکل

ہر قسم کے اثرات کو ختم کرنے کے۔ اس کے بعد تم کو

یا جی چاہے تو تین بیٹلی دینا۔ میں اب کچھ دیر بعد ہی

سکون آتی۔“

”آپ جب بھی توئیں گی مجھے جاکتا ہوا پانیں گی؟“

کہا کچھ سوچتی رہی۔ ظاہر ہے یہ صورت حال ایسی

کہ وہ اس پر فخر نہ کرتی۔

میں اس کے باقاعدہ غسل کا بندوبست کر کے باق

نہل آئی۔ شیمپو وہ شیشی میرے ہاتھ میں تھی جس میں

پانی سے لیا تھا جس کے بارے میں تجرباتی پر پورے

”شراب باتیں کرنے میں عاجز تو نہیں ہوتی!“

”اگر کھنگھوت زیادہ پیچیدہ ہو تو شراب سے نرات کچھ

مزدور ہوتے ہیں۔“

”لیکن اس معاملہ میں سنجیدہ باتیں کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟“

سوینا نے منہ بنا کرکہ۔

”اس معاملہ میں زیادہ سنجیدہ باتیں کرنا واقعی کو

ضرورت حال کچھ ایسی ہو گئی ہے کہ میں کو زندگی کا

پڑے گا۔“

میرے چہرے پر چھائی ہوئی گہری سنجیدگی کو دیکھ کر

مرا اور پھر وہ سنجیدگی کا کلاس ایک طوط رکھ کر

قیامت ٹوٹ پڑی کہ آپ اس کو بصورت رات کو غارت

کرتی ہوئی ہیں!“

”مجھے یاد تو ذرا نئے سے اطلاع ملی ہے کہ اگر میں

رات کو زیادہ خوبصورت بننے کی کوشش کی تو یہ میرے

اصل صورت ہی جائے گی۔“

”وہ کیسے؟“ سوینا کے چہرے پر استعجاب کا تاثر

میں بہت خور سے اس کا جائزہ دیتی رہی تھی۔ اب

یقین ہو گیا کہ سوینا کو اس خوفناک حقیقت کا باطل

”وہ ایسے ہی ہیں جہاں!“ میں نے خندنا سا

”کہ میرے کچھ دشمن تمھارے ذریعے سے میری موت

چکے ہیں۔“

”میرے ذہنی سے؟“ سوینا الجھ پڑی۔

”ہاں، میں نے دور سے کہا۔“ تم اس وقت میرے

ذہن پر لڑی ہو۔“

”کیا کوئی محتاج ہے؟“ سوینا نے جلدی جلدی

”نی اعمال۔ تمھارے لیے ایک محتاجی ہے لیکن

ابھی سچا ہے دیتی ہوں۔ اور پھر میں نے اُسے

مجھے خزانہ سے معلوم ہوا تھا۔“

سوینا نے وہ سب کچھ باطل خاموشی اور بڑی

اس کے چہرے سے یوں معلوم ہوا تھا جیسے اسے میری

پوری طرح یقین نہ آیا ہو۔ میرے خاموشی سے

انداز میں بولی۔ ”اگر سب کچھ آپ کے علاوہ

میں اس پر برسرِ اعتبار نہ کرتی؟“

”تمھیں اب بھی پوری طرح اعتبار نہیں آیا ہے

نہ تھی۔

معدوم میں ہنسنے لگی تھی میرا انتظار

بنا کر بولا۔ کیا کسی محتاط طریقے سے

ل باتیں کرنا؟“ میں نے شیمپو کی شیشی

لے کہا۔ اس میں وہ پانی ہے جس میں

انی کی تجرباتی پر پورے سے ہیں معلوم

اس کا تھا۔“

”آپ اپنے اس خادم کے پر کو دیکھیے

میں کی بیا رومی میں پتہ چلا۔ زیادہ سے

اس کی پر پورے مل جائے گی۔“

ٹیک ہے۔ میں نے صوفے پر ڈالنا

حکم مجھے تفصیل سے بتا کر کہنے

اس سے کہنے کے بعد یہ ڈرا کر

وہ ڈرا کر۔ ”خود ہنسنے لگا۔“

ماتے میں کچھ وقت لگا۔ اس سے پہلے

اب دیکھیے۔ میں یہ جاننے کے لیے

سب سے پہلے کیا ہے۔ اور اب

جب تم نے ٹب کے کچھ لے کر

استمال تک پہنچا دیا ہے تو میں نے

نے کھارسی آزاد پر کر دیا تھا۔

میاں تھا کہ جس فریڈ اپنی آزاد

مجی اس وقت مجھے پہلی مرتبہ

میں جس فریڈ کی آزادی نکل

لے وقت میں نے تمھاری آزادی

بک جھلکا اس عرصے میں۔

میں ہوتا رہا تھا کہ جس فریڈ

میں نام جب تم نے مجھے

ن تا کی کہ تمہارا دل عرصے

اپ کی بجائے تم کو کہ

ہے کہ جب تم مجھ سے

ہو تو دل نہ تو مخاطب

م تم کو کیا کہیں۔ بات

م نے یہ سارا دلائل

اس کے دو مقدمہ

میں نے سنسنی

ہوئے کہ۔ ”ایک تو یہ کہ میں اپنے

حاصل کرنے کے چکر میں تھا اور

پریشان ہو کر دھیرے دھیرے

ہمارے گھر کی گڑبگڑوں۔ ایسی

نہ رہتی ہوگی۔“

”اگر تمھارے صوفے میں دو

یقیناً پورا ہوگا۔“ صوفے کو

کر میں نے پہلے کہا تھا

کوئی بندوبست نہیں۔ میرا

میں پہنچا ہے گا۔“

”صوفے میں دلائل میں

نے کچھ سمجھا کرکہ۔“

”اسے ان دلائل سے

بہت سی ہیں جس سے

”یعنی سائبر کی

”ہاں۔“

”تو چہرہ کی میں

”مجھے یہ حق نہیں

خطوات اور شخص

ہے۔ تم اور صوفے

”جو میں کیا

”آپ کو کلین

”ہاں، اس نے

”اس نے شائستہ

”اس کے بارے میں

”کہاں تک؟“

”وہ اپنے اڑا سے

شائستہ حبیب کچھ

”ہوں!“ رضوان نے

کھینکنا کو معلوم

ایک متر معانی

ایک روز نامے کا

خاص طور سے

میں آگے جھک کر

کئی سنسنی

لا 321

رضوان نے کہا: ”جب شائستہ حبیب کو قتل کیا گیا تو وہ حائل می۔ جب اس کی لاش ہاسپٹل سے جانی گئی تو ایک ڈاکٹروں وحاس ہوا کہ پتہ اس کے بچے میں زندہ ہے۔ انھوں نے فوری طور پر آپریشن کر کے بچے کو منتقل کر کے ہیٹ سے نکال لیا اور کڑی اور دایاں پوری ہونے کے بعد بچے کو اس کے وارث کے حوالے کر دیا گیا۔“

”وارث؟“

”ہاں“ رضوان نے جواب دیا: ”شائستہ حبیب کا ایک بھائی تھا جس نے وہ بچہ اپنی تحویل میں لے لیا تھا اور اس کی پرورش کی تھی۔“

میرے ذہن میں ایک شبہ کسی برس سے کٹھن کی طرح کھلایا اور میں رضوان کے بولنے کا انتظار نہ کر سکی۔ میں نے بڑی بے مبرری سے پوچھا: ”کیا وہی بچہ شائق چنگیزی ہے؟“

”ہاں“ رضوان نے ایک طویل سانس لے کر کہا: ”شائق چنگیزی ہی شائستہ حبیب کا لڑکا ہے۔“

اس سنسنی خیز گفتگو کا ردعمل ہوا کہ مجھے اپنے ارد گرد ایک حبیب سا چھپلا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس سنسنی میں مجھے ایک بچے کے رونے کی آواز سنائی دی جو پیدا ہونے سے پہلے ہی ماں کے سانس سے محروم ہو گیا تھا۔ مجھے اس سے ہمدردی ہوئی ہوئی لیکن جب وہ تیراں ہو کر میرے تصور کے پٹے پر گھبراؤ میں گھٹکتا دکھائی دیا۔ میری ہمدردی کوئی دوسرا روپ دھارنے کی کوشش کرنے لگی لیکن میں امانت نہ کر سکا کہ وہ دوسرا روپ کیا ہے؟

”وہ اس آجائے؟“ رضوان خاصی مبداؤاد میں بولا۔

”آں!“ میں چونک کر بڑی

”شاید آپ نند آرم میں گئی تھیں؟“ رضوان نے نہ بنا کر کہا۔

”نہیں؟ میں نے غصہ سانس لے کر کہا: ”میرے جیسے جلال میں

کسی بچے کے رونے کی آواز گونجنے لگی تھی؟“

”یہ ایک خوش آمد بات ہے“ رضوان نے سر ہلا کر کہا۔ ”جب کسی عورت کے کاتوں میں بچے کے رونے کی آواز گونجنے لگے تو سمجھ لو

”...“

”تم نے بھر خرافات شروع کر دی؟“

”جب آپ بیٹھے بیٹھے غائب ہونے لگیں تو میری اور کب

”دل گا۔“

”اچھا تم آگے چلو ہاتھیں یہ کیسے معلوم ہوا۔“

”وہ بچہ شائق چنگیزی ہے؟“

”ابتداء میں تو مجھے بس اتنا ہی معلوم ہوا تھا کہ لالہ کے بچے کی پرورش اس کے ماموں صادق حبیب نے لی تھی۔ پھر میں کسی نہ کسی طرح ڈھونڈنا ڈھانڈا ۲۱ تک پہنچا جہاں صادق حبیب کی رہائش تھی۔ وہاں چلا کر وہ دونوں ماموں بھائی، خاصا ماحول پیدا ہوا غائب ہو گئے ہیں۔ وہ دونوں وہاں بڑی تنگدستی میں گزار رہے تھے۔ جماعت کے نام جاوید تھا۔ میں غریب بعد اس کی ایک تصویر حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ جاوید کے ایک دوست کے پاس تھی۔ جب میں ملے دیکھی تو اسے پہچان گیا۔ وہی جاوید ہمارے ملک میں بنا ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے ملک میں اس قانونی نہیں ہے، وہ یہاں آسٹریل ہوا ہے لیکن اس کے بارے میں نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کہاں ہے۔“

”وہ بھی شائق چنگیزی کے گھر میں موجود ہے؟“

”نہیں ہوا کہ لالہ اور پانچو ہو گیا ہے۔ شائق چنگیزی اس کا بھی کروا رہا ہے لیکن میں اس سلسلے میں الجھن کا شکار نہیں ہوں۔“

”آپ کو اس کے ماموں کا علم کیسے ہوا؟“ رضوان نے پوچھا۔

”میرا خیال ہے کہ وہ اتفاق ہی تھا۔“

”یعنی؟“

میں نے رضوان کو اس رات کا واقعہ سنایا جب میں نے گھر کے میں اس پاگل بوڑھے کو دیکھا تھا۔ وہ واقعہ سنائے بعد میں نے رضوان سے سوال کیا: ”تم مجھے یہ بتاؤ کہ جب کھیل رما کے گھر میں اس سے گفتگو کر رہی تھی تو تم نے ملحدہ ذہن سے مجھے باہر کر دیا تھا؟“

”بس ضرورت ہی سمجھی۔ میں آپ سے ملنے کا کوئی را نہیں رکھتا تھا۔ سوچا یہ تھا کہ جب آپ کو ملازم سے میرا ظہم معلوم ہوگا تو آپ مزید الجھن کا شکار ہو جائیں گی لیکن میری ضرورت بڑا کام کر گئی۔ میں نے ایک حبیب کو عمارت کے عقب میں جاتے دیکھا تو اس طرف لپکا اس طرح میں ان لوگوں کے پیچھے لگ سکا جو کھیل رما کا اخوا کر کے لے گئے تھے۔ اگر

ایمان کرنے کے لیے وہ ضرورت نہ کی ہوتی تو غالباً بات سے بے خبر ہوتے کہ کھیل رما کہاں ہے۔“

”اس کا وجود اندر وجود برابر ہو کر رہ گیا ہے؟“

”مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ وہ پاگل ہو گیا ہے اور آپ سے اپنے گھر لے آئی ہیں۔“

”اس کے علاج کے لیے میں نے اسی ٹاکڑ سے رجوع ہوا۔ شائق چنگیزی کے ماموں کا علاج کر رہا ہے۔“

”ہاں حالات سے آپ کسی نتیجے پر پہنچیں یا نہیں؟“

”الہاں ہے کہ جو نتیجہ میں نے اخذ کیا ہے وہی نتیجہ صحیح ہو گا۔“

میرا خیال تو یہی ہے کہ شائق چنگیزی، رام لال کی لہجائز، شائستہ حبیب سے رام لال کے ناجائز تعلقات کو بغیر کسی ترقین قیاس کے اس حل کا ذمے دار بھی رام لال بات صادق حبیب کے علم میں بھی ہوگی لہذا جب ان ہو گیا تو اس نے اپنے بھائی کو اس حقیقت سے باہر کر دیا کہ وہ دونوں رام لال کا سراغ لگا کر یہاں شائق چنگیزی نے رام لال سے مل کر اسے بتا دیا ہوگا۔ ناجائز بیٹا ہے اور یہ کہ اگر رام لال نے اپنی تمام جاوید اس کے حوالے نہ کر دی تو وہ اس راز کو افشا کر کے ماری عزت خاک میں ملا دے گا۔“

”ہاں!“ میں نے سر ہلایا۔ بات کچھ ایسی ہی ہے لیکن اس میں ہے جس طرح تم کہہ رہے ہو۔“

”میں مطلب؟“

”مطلب یہ کہ شائق چنگیزی کے پاس اس بات کا کوئی چوکس کی موجود ہوگا۔ محض کہہ دینے سے کام نہیں چلتا کہ وہ اس کے علاوہ میرے ذہن میں ایک شبہ اور بھی پیدا ہے۔“

”یعنی یہ کہ شائستہ حبیب کے قتل میں بھی رام لال کا ہاتھ ہے۔“

”اں میں نے کہا کہ اس امکان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ میں ممکن ہے کہ شائق چنگیزی کے پاس رام لال کے قاتل کا بھی کوئی ثبوت موجود ہو۔ رام لال نے اب تک ذرا بھی نہیں کہا کہ شائق چنگیزی اس کی زندگی کے سارے سرمائے کو ان کے بیٹے گیا ہے۔ رام لال کی بڑھاپا خوشی ظاہر کرتی ہے کہ غافل ہے اور اس راز کو ہم قہمت پر چھپانا چاہتا ہے۔“

”جو مع ثبوت مشتاق چنگیزی کے پاس ہے۔“

”قلب یہ عقدہ کسی طرح کھلے گا؟“

”تم نے جو یہ ہمیں بدل کر ڈھارہ پکڑ لیا تھا تو اس سے ہم کیا تیر مار سکتے؟“

”میں اس ڈھلے کا قوتیہ ہے کہ میں اس وقت آپ کو سونپا کے جسم کی ہلاکت غیری سے آگاہ کر سکتا ہوں۔ شائق کی غرائی کر کے میں سونپا البرا اور جس راز پر کا کوئیں بنا۔ اس کے علاوہ بھی ایک بات مسکرم علم میں آئی ہے جو میں نے ابھی آپ کو نہیں بتائی۔“

”یعنی؟“

”بظاہر تو جس فریور مشتاق چنگیزی کا دوست بنا ہوا ہے لیکن دراصل وہ اپنا ہی اتودھا کرنے کی کوشش ہے۔“

”لیکن تم ہو کہ کسی طرح سیدے ہونے کا نام ہی نہیں لیتے؟“

”میں بے اختیار ایک فقرہ کہتی۔“

”ہوں!“ رضوان نے تعجب سے دیکھا کہ اس طرح گفتگو کی جا رہی ہے۔“

”آئی ایم سوری“ میں نے جلدی سے کہا: ”زبان پھسل گئی تھی۔“

”کسی دن آپ بھی پھسل جائے خالوں!“ رضوان نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا: ”بقول شاعر، ہر بھی تو پڑے ہیں راہوں میں۔“

”ہاں تو ہم جس فریور سے کسی مقصد کی طرف اشارہ کر رہے تھے؟“

”جی نہیں اب میں صرف آپ سے اشارے بازی کے کوڑ میں ہوں۔“

”مجھ سے اشارے بازی کے تمہیں کیا ملے گا؟“

”آپ چاہیں گی تو بہت کچھ ملے گا۔“ رضوان نے کہا اور چوکوں کی طرح انگوٹھا چمکنے لگا۔

”میں نے اسے گھومتے ہوئے کہا: ”تو اب تم سنجیدہ نہیں ہو گئے؟“

”میں بہت سنجیدہ ہوں۔ پہلے ہی سنجیدہ تھا لیکن اب میں سنجیدہ بھانڈا ہوں۔ اگر وہ ہوتی تو میں آپ ہی کو شریک وفات بنانے کی قسم کھاتے رہتا۔“

”میں ایک ٹھنڈا سانس لے کر مجھے غلطی پر ہی تھی۔ اچھی خاصی سنجیدہ گفتگو کرتے کرتے میں نے رضوان پر فقرہ کس دیا تھا: ”اب رضوان کے منہ نہ رہے“ کہ ان کا نام نظر نہیں آ رہا ہے۔“

923

اب وہ کم از کم آج تو ہرگز اس بات کا اظہار نہ کرتا کہ جس فرزند کا مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔

”اچھا تو اب تم اپنی یہ پیشگی لے کر دفعہ بچاؤ! میں کھڑی ہوتی ہوئی لڑتی ہوں مجھے کل دس بجے تک اس کی رپورٹ مل جانا چاہیے۔“

”ڈرائیو! جو سنبھالے قانون! رمضان نے کھنکاس تے ہوئے کہا آپ اس طرح مخاطب نہ کریں میں جیسے مجھے نہ صرف آپ کے سٹوہر ہوئے گا صرف حاصل ہوگا جو بلکہ میری پیشانی زن مرید کے الفاظ سے بھی جگمگا اٹھی ہو۔“

میں نے ایک مختصر اسانس لیا اور میری لیا جات سے کہا لاہور رمضان صاحب قبل! میں آپ سے التجا کرتی ہوں کہ مجھے اگر کل صبح دس بجے تک اس پانی کے واسے میں رپورٹ مل جائے تو میں آپ کی سات پشتوں کی اسامندی کا بوجھ اپنے اوپر لا دوں گی۔“

”ہائے! رمضان نے مختصر اسانس لیا کاش آپ میری سات پشتوں کی بجائے صرف میری واحد پشت کا بوجھ اپنے اوپر لا دو کہیں!“

”اب کیا میں تمہاری خاطر مدارت شروع کروں؟“ میں نے یہ کہتے ہوئے اپنی دائیں ٹانگ پیچھے کی طرف موڑ کر اپنے سینٹل کے اسٹریپ پر ہاتھ رکھا۔

”آپ کے پرہیز خواہ صورت میں!“ رمضان نے جلدی سے پکس جھپکائیں۔

اور تب میں نے سچے سچ سینٹل بنا دیا۔

”بہتر ہے کل آپ کو پانی کے واسے میں رپورٹ مل جائے گی!“ رمضان نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ اس نے ہاتھ کاپالی کا ہاتھ اٹھا کر اندر بڑے چپے قدم اٹھاتا ہوا ہواواز سے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کا یہ انداز دیکھ کر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پکپکائے گی تھی۔ اس نے حذر سے پردہ کر کہٹ کے میری طرف دیکھا۔

نیم فوجی انداز میں سنجیدگی سے سلام کیا اور ہم چلا گئے۔

میں چند لمبے لمبے جگمگ کھڑی رہی اور تھوڑا سا رپورٹ کی طرف چل دی۔ اب آج کے لیے میری مصروفیت کی دو ہی صورتیں تھیں ایک یہ کہ ان حالات پر غور کروں جو مجھے رمضان سے معلوم ہوئے تھے اور دوسرے یہ کہ سونیا کے ساتھ کچھ وقت گزاروں۔

قریب کے اعتبار سے یہ دوسرا کام اولیت حاصل کر رہا تھا۔

جب میں پورٹرو میں داخل ہوئی تو میں نے اپنے میں وضاحت تھی۔ اتنے کم وقت میں اس نے ڈالنی تھی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی اٹھی اور دونوں بازو ہوا قدر میں سے میری طرف مڑی۔

”ہمت دیر۔۔۔ کوئی... آپ نے؟“ اس کے لہٹ لہٹ اٹھی تھی۔

اس وقت عالم پر حقا کہیں تو اسے اپنی آغوش میں اس نے مجھے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا لیکن لٹ کے اس میں اتنی سکت نہیں رہی تھی کہ مجھے سنبھال سکتا کہ ہم دونوں ہی نرم و گلاز ہوا پر دھک گئیں۔ اگر میں کوئی احتجاج کرنا بھی چاہتی تو مجھے اس کی مصلحت نہیں سونپا کہ ہونٹوں نے میری گویائی پر ہر سکت ہمت کر دی تھی۔

جنابت کا انتخاب ہم کرتی ہوئی پھول سے بریا اور پھر جس طرح موسم کی پہلی پھول پڑنے پر زمین سے نکلتے ہیں، اسی طرح ہمارے جسم میں چپے لگے۔ تپش اور لہجہ کے اس استنزاج نے ہم دونوں کو بے لگام کر دیا اور میری لہجہ حسرت ہمارے لیے حسرت نہ بن سکی کہ کاش کون کھولے گا ترے ہنر قیامیر بعد ہم دونوں ماضی میں اپنی دھپ چپے گئے جس کا تہذیب و ارتقا کے مفہوم سے بھی آشنا نہیں تھا جب ہم کوئی جواب نہیں تھا۔ جب حویلی چند بول کی تسکین نہ ملے رکاوٹ نہیں تھی اور جنابت کا ریل گاڑی جابجا تھا۔ جرح جاتا تھا۔ سو میں اور سونیا بھی اسی عہد میں چلے گئے۔ وقت تک اپنے عہد میں نہیں گئے جب تک جنابت کی مہم کا دم نہیں اٹھوایا۔

سونیا تو ایسی تھکی کر نیند کی دوا لیں میں جا ہی لیکن آٹھوں سے نیند ابھی بہت دور تھی میرے سکر جنابت کے متک چپے تھے لیکن میرے ذہن میں نے خالات کے لہجہ نے اب گویا کچھ کہی تھی۔ مجھے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ شتاق چلا اور رام لال میں سے عالم کون ہے۔ لوزمکوں کون؟ شتاق بھٹیڑی اگر خون کے ایک ناجائز قطرے کا شہر تھا۔

سلسلے میں خود اس پر تو نونی تصویر عالم نہیں کی جاسکتی تھی! ہم کی کیا تھا اس کی مالا نے رام لال نے اب سوچنا تھا کہ شتاق

ہو کچھ کیا وہ کہاں تک درست سمجھا جا

اس کا اس کا حق ملنا چاہیے تھا۔ اس نے کوئی کہ اپنا جاننا ہی نہیں کی دولت بندی کے باوجود لہجے نہیں اس کے حقوق کی ایک ضرورت تھی۔ یہ لہجے باپ کا سب کچھ اپنے قبضے میں کر لیا، میں شتاق کی زندگی بھی اجڑ کر دی۔ یہ تو میرا ایک مٹی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے شتاق کا علم ہونے سے نفرت ہو گئی ہو اتنی شدید نفرت کیسے کی طرح مسلسل ڈالنا جاتا تھا۔ اب یہ میں اپنی کلام لال کے ذریعہ شتاق چٹکری اتنا ہو جاتا تھا کہ وہی نفرت کی بات تھی کہ اس کو مزاجی کا غماز تھا۔

اب کل کیسے آچکا تھا مجھ جتنے اب بھی لہجے میں ایک شتاق تھوڑا صیب کا قائل کون تھا؟ لہجے کے رملوں کا لہجہ کی کسی قدر شکر کا حامل اسٹریٹل کے قتل میں شتاق چٹکری ہی کا ہاتھ وہ بات تھی جس کی طور پر نہیں کہی جاسکتی تھی کہ مل ایک اتفاقی حادثہ؟

یہ پاک کرنے والے اصل ٹرک ڈرائیور کو بچانے نہیں لیکن اس کا مطلب ہے ہرگز نہیں تھا کہ شتاق کے معاملے کی صورت میں بھی ٹرک ڈرائیور کے ہر ذرے کی کوشش کر سکتے تھے۔

اشتاق کرنے والی دو شہیتیں میرے سامنے تھیں میں سے ایک تو شتاق کا جو احوال تھا اور دوسرا شخص ایک ماہی!۔

ماہی کی تحقیقات کرنے والے پولیس آفیسر کو میں کے واسے میں بتا دیتا تھا اس لیے مجھے امید تھی کہ مل کے واسے میں کچھ نہ کچھ معلومات حاصل ہو جائیں گی لیکن ان کا تھا کہ وہ ٹرک ڈرائیور بھی روشنی میں ایک کی محنت سے شکیل ہو چکا تھا۔

ات کے بعد میں چلائے چلائے میاؤں اندھیرے میں بیاں ہوتی تو سونیا ابھی سو رہی تھی میں نے

اسے جگایا تو اس کی آنکھوں میں پھیلی ہوئی سرخی مجھے بڑی اچھی لگتی کہ رات کا غماز کہ تو ہو گیا ہے لیکن نہیں ہوا۔ اس نے ایک ہلکے سا سرخ سرخ گردن میں ہاتھیں جامل کر دینا چاہیں لیکن میں نے اسے سمجھوٹ کر اٹھا دیا۔

”صبح ہو چکی ہے جان من! غسل کر لو تو تھوڑا یہ غماز ختم ہو جائے گا۔“

میں اسے ہاتھ درم میں دھکیل کر پورٹروم سے نکلی اور اپنی خواہ گاہ میں پہنچ کر خود بھی ہاتھ درم میں جا گئی تھوڑے کے بعد میں نے ملازم سے ناشتے کے لیے کہا اور اس سے کھیل دھڑا کے واسے میں بھی پوچھا۔

”وہ ناشتہ کر چکے ہیں اور اخبار پڑھ رہے ہیں یہ ملازم نے کہا اور سکر لای۔

”میں نے اسے گھور کر دیکھا کہ اس میں سکر لٹ کی کیا بات ہے؟“

”وہ تھوڑے پوچھ رہے تھے کہ آج اخبار میں برطانیہ کی وزیر اعظم الزبتھ ٹیلر کی تصویر کیوں نہیں چھپی؟“

”پھر تم نے کیا جواب دیا؟“ میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”میں نے کہا تھا کہ اخبار والوں سے بہت بڑی غلطی ہو گئی ہے اور یہ جواب سن کر وہ میری طرف دیکھتے ہوئے اس طرح سکر لائے تھے جیسے میرے بالکل بیچ اندازے کی داغ بیل ہے ہوں۔“

”میں نے اچھا جھا!“

ملازم کے جانے کے بعد میں نے پھر پورٹرو کا رخ کیا اور سونیا کو اپنے ساتھ خواہ گاہ میں لے آئی۔ ہمارا دھوکہ سونیا معمول کے مطابق ہوتی تھی یعنی اس پر شراب کا کوئی اثر باقی نہیں رہا تھا لیکن وہ ضرورت سے زیادہ عجیبہ نظر نہ لگتی تھی۔

”میں نے ناشتہ منگوا لیا ہے۔ یہیں بیٹھ کر ناشتہ کر لیں گے۔“ میں نے کہا۔

وہ صرف مہلا کر رہ گئی۔

میں اسے خورد سے دیکھتی ہوئی بلی بلی کر گیا سوچ رہی تھی کہ ”اب تو“ سونیا نے دانت پر دانت جھار کہا۔ ”میں اسے مڑا چکی کر رہوں گی۔“

”مکس بات کا مڑا؟“

”اس نے آپ کے دشمنوں کا آلود کاربن کر کے مجھے بھی اس میں ملوث کر دیا تھا لہذا میں اسے اس کی مزا ضرور دوں گی۔“

”میری خاطر تمہیں ایک کام ضرور کرنا ہوگا۔“

”وہ کیا؟“

”جب تک میں اجازت نہ دوں، تم اس سلسلے میں کوئی قدم نہیں اٹھاؤ گی! میں اپنے دشمنوں کو دھوکے میں رکھ کر مارنا نہیں چاہتی ہوں!“

سونیا اس طرح میری طرف دیکھنے لگی جیسے میری اس کی سمجھ نہ آئی ہو۔

”میں معاملہ بہت پیچیدہ ہے“ میں بھولتی ”تم سمجھ نہیں سکتی، اس لیے بس ویسا ہی کرتی رہو جیسا میں کہوں۔ تم ابھی اپنے ہوٹل بھی واپس نہیں جاؤ گی۔ تمہیں دس بجے تک یہاں رکنا ہے۔“

”دس بجے تک کیا ہو جانے لگا؟“

”مجھے اپنی ہی چیز مانی رپورٹ مل جائے گی جس سے کل رات تم نے اپنا جسم صوبہ تھا۔ اس رپورٹ سے یہ بات معلوم ہو سکے گی کہ وہ حملوں کے ذریعہ کیا کر رہا تھا؟“

ملازمہ ناشتہ لے آئی۔ ناشتہ کے دوران میں سونیا مجھے کرپشن کی کوشش کرتی رہی لیکن میں نے کوئی ایسا جواب نہیں دیا جس سے سونیا پرشتاقی چٹیکری کی شخصیت آشکارا ہو جاتی یا اسے ان معاملات کا پھانڈازہ ہوتا جس سے میں دوچار تھی۔

دس بج کر دس منٹ پر رضوان میرے گھر پہنچی۔ وہ اس وقت اپنی اصل شکل و صورت میں تھا۔ میک اپ و دیگر ختم کرچکا تھا کیونکہ اب اس کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی تھی۔ اس نے عجیب سی نظریں سونیا کی طرف دیکھا اور پھر سندھی زبان میں بولا ”غالباً آپ دونوں شدید عروسی مناجی ہیں!“

”مطلب کی بات کرو!“ میں نے بھی سندھی ہی میں کہا۔

”رپورٹ ملے کر آئے ہو یا نہیں؟“

”بالکل لے کر آیا ہوں جناب!“ رضوان نے اپنی جیب سے ایک لفافہ نکالتے ہوئے کہا، ”اگر آپ وہ حملوں کے چٹیکری ہوئیں تو اس وقت کیفیل رضا کے چٹیکری کو وہ مسائل پر پرمٹل سنجیدگی سے غور کر رہی ہوں!“

”کیا مطلب؟“ میں نے چونک کر کہا، ”یعنی میں بالکل بھڑائی؟“

”جی جناب!“

”وہ کوئی ایسا نہ نہیں تھا جو مجھے ہلاک کر سکتا؟“

ڈالی۔ وہ چٹیکری ٹرینز میں تھی لیکن اس کے منہ پر بھی شائبہ کر دیا گیا تھا۔ اس کے مطابق اس گاڑی میں کچھ ایسی بڑی بوٹوں سے مدد ملی تھی جن ۸۰

ابھی تک دریافت نہیں ہو سکی تھیں۔ ان کی گامہ زبان کے ذریعے معدے تک پہنچنے کے بعد، ماہی ہوئی تھیں مگر ان کا یہ اثر دائمی نہیں ہو سکتا تھا۔ میں دماغی نجات کا محال ہونا ماننے پر تھی۔ رپورٹ پڑھ کر میں نے اس نکتے کو خاص طور پر لکھا کہ اس حملوں کا اثر دائمی نہیں ہو سکتا تھا۔ سونا خاتون پیشی ہوئی پولو بلی رہی تھی۔

سندھی زبان میں گفتگو کرتے رہے تھے اس لیے ایک لفظ بھی نہ سمجھ سکی ہوئی۔

رپورٹ میں نے اپنے پرچہ میں رکھ لی اور ”ذرا میرے ساتھ آؤ!“

”اچھی کہاں؟“ رضوان نے ایک رنگائی۔

”ابھی آتی ہوں۔ تم ہمیں میٹھو!“

میں سونیا کو دوسرے کمرے میں لے آئی۔ سامنے اس سے گفتگو نہیں کرنا چاہا تھی۔

”تم اندازہ لگا سکتی ہو کہ اس پانی کی رپورٹ ملے ہوگا؟“ میں نے سونیا سے کہا۔

”زیر ہوا،“ سونیا نے کچھ خوفزدہ سے انداز میں ”ایک قسم کا زہریلا سمجھو جو صرف دماغ پر اثر

میں نے اسے بتایا، ”اگر وہ سب سے ہوٹل یا زبان اس کچھ لیتے تو میں بالکل بھڑائی۔“

”میں اب تو کچھ گہر زہر معاف نہیں کر دیتی گی، اس پر دانت جھاکر۔“

”لیکن فوری طور پر کوئی قدم نہیں اٹھاؤ گی دوسری بار کر رہی ہوں،“ میں نے اسے گھورتے

پھر پوچھا، ”کیا لڑو اس وقت ہوٹل میں موجود؟“

”اس نے کہا تھا کہ وہ پھر تک لوٹ آئے گا۔“

”بس تو اب تم اپنے ہوٹل جاؤ اور اگر وہ فوری طور پر نہ آئے۔“

میں گزری تھی لیکن تم ایک کمرے میں اکیلی پڑی ہو جبکہ میں کسی ضروری کام سے اچانک کہیں چلی گئی تھی

”مقتصد؟“

کی بات ہے، ”مجھے حیرت ہے کہ تم نہیں سمجھو کہ مجھے اپنے گھر سے نکلتا ہوں گا اور دشمن

لے گئے۔ اگر تم نے یہ بیان نہیں دیا تو وہ مجھے حالت میں دیکھ کر چٹیکری میں پڑ جائیں گے۔“

وہ اپنے سر ہلایا۔

”تم روانہ ہو جاؤ!“ میں اسے لے کر ورنی دروازے

ہاں تک ملاقات ہو گئی؟“

”نہنے کے بعد تم کوئی موقع ملنے پر مجھے فون کر

سے جہانے کے لیے ٹیکسی کرنا ہوگی۔ مجھے دردمنہیں ہوئی تک چھوڑ آتی“

”کیا فرق پڑتا ہے۔ میں ٹیکسی کروں گی؟“

”وہ مجھے یہ صاحب کون ہیں؟“

”گوشت کا اشارہ رضوان کی طرف سے۔ میں نے ایک ہی خواہ ہے۔ اس کے بارے میں تفصیل

لی۔“

”میں اور رضوان کچھ دیر تک اس موضوع پر بات کرتے رہے۔ میں نے کہا، ”میرا خیال ہے کہ کشتاق چٹیکری ایک طرف تو اپنے

ماموں کا علاج کر رہا ہے اور دوسری طرف وہ حملوں میں اپنے ماموں کو پلا تار رہتا ہے تاکہ اس کی دماغی حالت اعتدال پر نہ آنے

پائے۔“

رضوان بولا، ”اگر وہ ہی حملوں کیفیل رضا پر بھی اثر مانا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ایک روز میں وہ خود ہی ٹھیک ہو جائے

گا۔“

”جان، امکان تو یہی ہے۔“

”تو پھر آپ ڈاکٹر رضوان کو کون بلارہی ہیں؟“

”میں اس سے باتیں کر کے کچھ اندازہ لگا چکا ہوں۔“

”کیسے اندازہ؟“

”میں اس سے ایک بات تو یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ اتنے دن علاج کرنے کے بعد وہ کشتاق چٹیکری کے ماموں کو معمول پر

لانے میں کسی حد تک کامیاب ہوا ہے یا نہیں، اور اگر نہیں، تو

کیوں؟ دوسرے یہ کشتاقی کے ماموں اور کیفیل رضا کے کیس میں

کے بارے میں کچھ ایسے سوالات کہ جن کا جواب میں نہیں دے سکتی تھا، ہر گز مجھے کیفیل صاحب کے ماموں کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں معلوم۔“

سنگیتا نے اس طرح سر ہلایا جیسے بات سمجھ گئی ہو۔

میں نے اسے خواب گاہ میں چھوڑا اور ورنی لے کر یہاں میرا انتظار

کر رہی ایک صاحب سے مل کر ابھی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔“

سنگیتا نے استفسار نہیں کیا کہ میرا انتظار کون ہے۔ وہ غموں

بھی تھی اور ابھی ہوئی تھی، اس کیفیت میں انسان کو غیر نصیحت یا بات

سے کوئی دلچسپی نہیں رہ جاتی۔

میں ڈرائنگ روم میں پہنچی تو رضوان نے مجھ سے کہا، ”اگر اتنی

ہی دیر لگا تا تھی تو جا کر جاتیں۔ میں تھوڑے عرصے فارغ

ہو لیتا۔“

”بس اب سنجیدہ ہو جاؤ۔ مجھے ابھی ڈاکٹر رضوان کو لینے جانا ہے۔

اس نے کیفیل رضا کا معاوضہ کرنے کے لیے وہ دوا کا وقت دیا تھا، تم

آج کوئی ایسا منصوبہ بناؤ کہ آج رات مشتاق چٹیکری کے ماموں

کو اس کے گھر سے اغوا کر لیں۔ مجھے شبہ ہے کہ اسے پاگل کرنے میں

مجھے مشتاق ہی کا ہاتھ ہوگا، شہد کیا، یقین ہی ہے۔“

میں اور رضوان کچھ دیر تک اس موضوع پر بات کرتے رہے۔ میں نے کہا، ”میرا خیال ہے کہ کشتاق چٹیکری ایک طرف تو اپنے

ماموں کا علاج کر رہا ہے اور دوسری طرف وہ حملوں میں اپنے ماموں کو پلا تار رہتا ہے تاکہ اس کی دماغی حالت اعتدال پر نہ آنے

پائے۔“

رضوان بولا، ”اگر وہ ہی حملوں کیفیل رضا پر بھی اثر مانا گیا ہے تو

اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ایک روز میں وہ خود ہی ٹھیک ہو جائے

گا۔“

”جان، امکان تو یہی ہے۔“

”تو پھر آپ ڈاکٹر رضوان کو کون بلارہی ہیں؟“

”میں اس سے باتیں کر کے کچھ اندازہ لگا چکا ہوں۔“

”کیسے اندازہ؟“

”میں اس سے ایک بات تو یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ اتنے دن علاج کرنے کے بعد وہ کشتاق چٹیکری کے ماموں کو معمول پر

لانے میں کسی حد تک کامیاب ہوا ہے یا نہیں، اور اگر نہیں، تو

کیوں؟ دوسرے یہ کشتاقی کے ماموں اور کیفیل رضا کے کیس میں

ڈاکٹر ریمان نے کھڑکے پر گھبراہٹ سے کہا اور بولا "مجھے بڑائی نس
 امراء القدس نے بھیجا ہے۔ میں اس کا نامزدہ ہوں اور آپ سے اسی
 مسئلے پر گفتگو کرنے آیا ہوں۔"

"حشش،" کھیل رہا تھے ہنٹوں پر انگلی رکھ کر اسے بولنے
 سے روک دیا اور پھر کہا "وہ باتیں صرف تخیل ہی کی جاسکتی ہیں۔"
 اس کے بعد وہ میری طرف دیکھ کر بڑے سخت رویے میں بولا "اب تم
 جاسکتی ہو، وہ مجھے گواہوں کی انتظامیہ سے متعلق سمجھ رہا تھا۔
 میں نے شوقیہ نامزدہ ریمان اور دو وزائے کی طرف مڑ گئی۔
 "اور ان،" کھیل رہا تھے ایک لگاؤ کی پٹ چائے خورہ ہوا دینا
 میں باہر آئی۔ میں نے ایک ملازمہ سے اس کمرے میں چلنے
 لے جانے کے لیے کہا اور پھر ڈاکٹر ریمان کے پیچھے جہاں ریمان اور
 سگیتا چپ چاپ بیٹھے اپنے اپنے خیالوں میں گم تھے میری آمد
 پر انھوں نے بیک وقت نظریں اٹھا کر میری طرف دیکھا۔
 "تھیں ابھی یہاں اور دیکھنا بڑے گا ریمان؟" میں نے کہا۔
 "میں ڈاکٹر ریمان کو ابھی چھوڑنے سے ہی جاؤں گی۔"
 ریمان سر ہلا کر کہہ گیا۔ غالباً وہ سگیتا کے سامنے کسی قسم کی
 نوک جھونک نہیں کرنا چاہتا تھا۔
 ڈاکٹر ریمان کو کوئی یون گھٹے بعد کھیل رہا کر کے سے نکلا۔
 "کیا چلیں ڈاکٹر؟" میں نے اس سے پوچھا۔
 "جی ہاں، چلیے۔"
 "تم بھی چلو سگیتا؟" میں نے کہا۔ "تم کو میں تمھارے گھسے پر
 ڈراپ کر دوں گی؟"
 "نہیں... میں بالکل کو دیکھنا چاہتی تھی۔" سگیتا نے چپکپاتے
 ہوئے کہا۔
 "ان کی حالت میں کوئی تغیر نہیں آیا ہے۔ کیا کوئی دیکھ کر؟"
 میں بولی لیکن جب سگیتا کے چہرے پر شرمندگی پھیلنے لگی تو کہا۔
 "اچھا چلو دیکھو۔ میں تمھاری منتظر ہوں۔ جلدی آنا۔"
 "میں سب پرانی نمٹ میں آ جاؤں گی۔"
 سگیتا اٹھ کھڑی ہوئی تو میں نے ڈاکٹر ریمان کے کمرے کی طرف
 دیکھے ڈاکٹر ان کے ساتھ منٹ بعد چلیں تو کوئی حرج تو نہ ہوگا؟
 "نہیں نہیں حرج کی کیا بات ہے؟" ڈاکٹر بیٹھ گیا۔
 "اس کیس کے بارے میں آپ نے کوئی رائے قائم کی؟" میں
 نے پوچھا۔
 "دو باتیں میرے لیے الجھن کا باعث بنی گئی ہیں۔"

"یعنی؟" میں نے سنبھل کر پوچھا۔
 "مشتاق چیخڑی صاحب کے ساموں اور کھانا
 پاگل پن میں بے حد ممانعت ہے۔ اس کے
 قدر مشترک بھی ہے۔ کھیل صاحب کے ہمنام
 تھا کہ وہ دینی سے آئے ہیں لیکن مشتاق چیخڑی
 بھی گفتگو کے دوران ایک ہی دیکسی مونی پر دہلے
 ہیں۔"

میں نے اس موقع پر ڈاکٹر ریمان کو کہہ دیا،
 کہ مشتاق چیخڑی کا پورے ساموں میں دینی سے کہہ
 ریمان بھی بڑی دلچسپی سے میری اور ڈاکٹر
 رہتا تھا اور اس کے چہرے پر گہری تھمکی تھی۔
 ڈاکٹر ریمان نے میرے بولنے کا انتظار کیا
 معلوم کروں گا کہ اس قدر مشترک کا پس منظر کیا ہے۔
 اگر میں یہاں ایک بڑے تھمکیات کر دوں تو آپ کو کوئی
 نہیں ہوگا؟"

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے ڈاکٹر! اظہار ہر کلمہ
 کے سلسلے میں جو بھی قدم اٹھائیں گے وہ اس کی بہتری
 اٹھائیں گے۔"

"دراصل یہ سوال میں اس لیے کہ پیشہ کی مشاق صاحب
 پسند نہیں کیا تھا۔"
 "دیکھو؟"

وہ دو تھمکیوں نے بتائی اور میں سمجھ کر کہہ دیا،
 کہ وہ اپنے ساموں کی دیکھ بھال خود ہی کریں گے۔
 میں سمجھتی کہ مشتاق چیخڑی نے نرس کی موجودگی
 کیونکہ سمجھا ہوگا۔ نرس کی موجودگی میں اسے اس کا موقع نہیں
 تھا کہ وہ بوقت ضرورت اپنے ساموں کو وہ محلول پلا سکتا
 "خیر؟" ڈاکٹر ریمان بولا تو آپ کو اعتراض نہیں ہے
 "نقص نہیں۔"
 "تو پھر میں آج ہی ایک نرس کی یہاں بھیج دوں گا؟"
 "جیہاں آپ مناسب سمجھیں۔"
 گفتگو ہمیں ایک پہنچ تھی کہ گفتگو آگئی اور ہم بڑا
 رولڈ ہو گئے ہر دو کام کے مطابق ہیں نے ریمان کو دیکر
 رہ میں ڈاکٹر ریمان نے سگیتا سے پوچھا "مشرک لیل
 آپ کو یہاں کیا آتا؟"

گیتا نے غصہ اس اس کے کہہ دیا "میں ہی نہیں کرے
 انھوں نے مشتاق کو پوچھا۔ تم کو نہیں ہو؟ میں نے اس
 سب سمجھا کہ میں ہوش کی ملازمہ ہوں۔ یہ لڑا جو اب
 مجھے مکہ دیا کہ میں ان کے کمرے کی چھاتی پر کھڑے کر دوں
 ان کے حکم کی تعمیل کی اور کمرے سے نکل آئی۔ یہ سب
 گیتا کی انھیں سمجھا رہی تھیں۔
 نے اس طرح سر ہلایا جیسے سگیتا کا جواب اس کے
 "تم نے اس کے بعد میں نے کار کا رخ سگیتا کے کمرے
 ہاں میں نے اس سے ڈاکٹر شکیل کے بارے میں
 کی تھی اور کرنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ مجھے خوب احساس
 ہاں دلوں کا ڈاکٹر پوچھا جاتا ہے تو دل پر تباہ کی تھیں
 ہے۔ اس کے پلوں کی دیوار پر توڑ کر بے خاساں
 گیتا کی حالت بھی یہی تھی کہ اس کے کمرے کے کونوں سے
 اس کے بدن کی ساری فصاحتیں تیرتے پھر رہے
 "درد دھنوں سے چھوٹ گئے تو اس پر پڑا ہے۔"
 اس سے اس کے گھر کا ڈاکٹر پوچھا یا جیسا کہ مشتاق چیخڑی
 نے اس سے پوچھا تو دل کی جوتہ خاندان ہے۔ میں اس کے
 بل سے جانا چاہتی ہوں؟"
 "اسے آپ کی کیا مراد ہے؟"
 "اگر میں اس کمرے میں قدم رکھوں تو مجھے اس سے خاندان
 کے لیے کہاں کہاں سے گزرنے اور کیا کیا کرنا پڑے گا؟
 ہے اس سے خاندان کے کھانا سزا خفیہ طور پر تو ختم
 لڑا خفیہ طور پر بھی نہیں۔ پتا جی کی خواہ گاہ میں ہرچ ہرچ
 ہر لیے رنگ کا ایک پیشہ بن رہی ہے۔ اس کے دبانے
 ہر سزا مکمل جاسے۔"
 اس کا کہہ رہے تھے تھے پتا جی خواہ گاہ کے طور پر
 تھے؟"

گیتا نے اب اپنے گھر کا نقشہ مجھانے کی کوشش کی پھر میری
 ت آسانی سے آگیا کہ میں ایک مرتد وہاں جا چکی تھی۔
 شیک ہے؟ میں سمجھ گئی۔ میں نے سر ہلا کر کہا۔
 "اس گیتا دیکھ سکتے ہیں آپ نے مجھے خاص الجھن میں
 آپ نے ایک بار پہلے ہی اس سے خاندان کے بارے میں

پوچھا تھا۔ آج آپ نے اسے گھر کا نقشہ پوچھ ڈالا۔"
 "تم یقیناً الجھن میں پڑ گئی ہو گی لیکن... بہتر ہوگا کہ ان کی حالت تم
 ان باتوں کو اپنے ذہن سے چھیننے کی کوشش کرو۔ میں جانتی ہوں کہ
 اس قسم کا مشورہ دنیا بھر کے آسان اور اس مشورے پر عمل کرنا بہت
 مشکل ہوتا ہے تاہم اس کی کوشش ضرور کی جاسکتی ہے میں تمھارے
 گھریلو معاملات کے سلسلے میں اب تک بہت کچھ جان چکی ہوں لیکن
 تمھیں اندھیرے میں اس لیے رکھا ہے کہ تمھارے ذہن پر ایک
 بے وجہ ڈاکٹر کا اندازہ ہو سکے۔ بے وجہ دباؤ؟ میں اس سے کہہ رہی
 ہوں کہ تم خود اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کر سکتیں۔ جو کچھ کرنا ہے مجھے
 ہی کرنا ہے اس لیے تم حالات کے اس علم کو فی الحال میری ذات تک
 محدود رہنے دو۔ میرا خیال ہے کہ اب میں دو تین روز میں سارے معاملات
 صاف ہو جائیں گے اور اس کے بعد میں تمھیں بھی سب کچھ بتا
 دوں گی۔"

"ابو! مجھے اب ایسا محسوس ہونے لگا ہے جیسے آپ میری خاطر
 بے شمار الجھنوں میں پھنس چکی ہیں۔"
 "پگلی؟" میں دیکھ کر اسے ہنس پڑی تو یہ بات اس طرح
 کہہ رہی ہے جیسے یہ الجھن میرے لیے کوئی مصیبت ہیں۔ جب
 میں ان الجھنوں کو ختم کر دوں گی تو مجھے کتنی راحت ہوگی اس کا تو ذرا
 اندازہ نہیں کر سکتی۔ اگر کسی سے محنت ہو تو اس کی خاطر بیٹھے وجود
 کو آگ میں جلا کر بھی لذت حاصل ہوتی ہے۔"

اس کا تو میں اندازہ کر سکتی ہوں ابو! سگیتا نے غصہ اس اس نے
 کر کہا اگر شکیل کی خاطر مجھے کسی آتش زنا میں جھونک لگا کر پڑتی تو
 وہ یقیناً میرے لیے ایک مقام رحمت ہوتا۔ سگیتا کی آواز
 بھر گئی۔
 "میں تو پھر بھی بات میرے ساتھ بھی ہے۔ سبھی ایک متاکر لکرت
 نگہ رانی چاہتی ہوں۔"
 "میری سمجھ میں نہیں آتا ابو! آپ کو مجھ سے اتنی محبت کیوں
 ہو گئی ہے؟"
 "تمھاری سمجھ میں یہ بات اس لیے آتا ہے کہ تم شکیل کو
 اتنی ہی شدت سے چاہتی تھیں۔"
 "چاہتی تھی نہیں ابو! نگاہ سب چاہتی ہیں لیکن وہ بات
 اور ہے۔ عورت سے عورت کی اتنی محبت مجھ میں نہیں آتی۔"
 "نحوہ اور نظریے کے فرق کی بات ہے۔ ویسے یہ تو بات ڈاکٹر صاحب
 کو بتی ہے اور جی کون سے محبت کیوں ہوتی ہے؟"

”وہ جذبہ دوسرا تو ہے“

”اہ! محبت میں جذبوں کا فرق تو ہوتا ہے۔ باپ کو بھی بیٹی سے محبت ہوتی ہے، لیکن جب کوئی مرد کسی عورت سے جنت کتاب ہے تو وہ باپ اور بیٹی کی محبت سے جدا ہوتی ہے۔ کیا یہاں تمہیں جذبوں کا فرق نظر نہیں آتا؟“

سنتین کا جواب ہوئی اور پھر اس بحث کو مزید بڑھانے کا وقت بھی نہیں رہا۔ سنیکی کا گھر قریب آگیا تھا۔ میں نے اسے چڑھائی کے نیچے چھوڑا اور اس تنگ راستے پر بڑی مشکل سے گاڑی کو بیک ککے اپنے گھر کی طرف واپس روانہ ہوئی۔

جب میں گھر پہنچ تو رمضان نے بتایا کہ سونیا کا وزن کیا تھا۔

”کیا کم رہی تھی؟“ میں نے پوچھا۔

”بس آپ کو پوچھ رہی تھی۔ میں نے بتایا کہ آپ موجود نہیں ہیں تو اس نے فوراً وزن بند کر دیا۔ مجھے اس نے بالکل گھاس نہیں ڈالی!“

”اس کے پاس ہوگی نہیں؟“ میں مسکرائی۔

”ظاہر ہے“ رضوان نے کہا۔ ”وہ تو کل رات کپڑا کی ملاری ہضم کر چکی ہیں۔“

مجھے خیر نہ ہوا کہ اس نوک جھونک میں خاما وقت منافع ہو جائے گا۔ لہذا میں نے جلدی سے کہا۔ ”میرزا خیال ہے کہ اب تم اس کام کے لیے روانہ ہو جاؤ؟“

”دس کام کے لیے؟“

”مہول مجھے! میں جانتا جا رہی ہوں کہ شکیل کے معاملے میں پولیس

کہاں تک پہنچی ہے؟“

”او! کسے! میں جلد“ رضوان ہاتھ جھلاتا ہوا اٹھا اور خدمت

ہو گیا۔

کچھ دیر بعد میں نے کہا کہ اگلا اور چاہئے لی۔ میں اس دولن

میں برابر میری سوچ رہی تھی کہ سونیا نے مجھے یونہی ٹیلیفون کیا تھا یا

وہ کوئی خاص بات بتانا چاہتی تھی؟ خواہ اس نے دوبارہ فون کیوں

نہیں کیا؟ اس الجھن سے نجات پانے کے لیے مجھے فیصلہ کرنا پڑا

کہ میں خود اسے فون کروں لیکن ابھی میں اس فیصلہ پر عمل نہیں کر

پائی تھی کہ ایک ملازم نے مجھے کسی لڑکی کی آمد سے باخبر کیا۔

”لو! یہ“ میں نے پوچھا۔ ”اس نے نام کیا بتایا ہے؟“

”ساجدہ“ ملازم نے جواب دیا۔ ”وہ کہہ رہی ہے کہ اسے

ڈاکٹر ریحان نے بھیجا ہے۔“

”اوہ! اچھا!“ میں اٹھی اور ڈاکٹر ریحان کے

ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہوئی وہ لڑکی؟

معلوم ہوئی تھی۔ صورت شکل اور جسمانی مشابہت

قریب میں دیکھا جاتا تھا۔ اس نے اٹھ کر مجھے ملایا

سے جواب دیتے ہوئے اس کے سراپا کا ہانڈا لیا

مجھے ڈاکٹر ریحان نے بھیجا ہے۔ ”وہ لڑکی!“

کے مطابق مجھے ہر وقت کفیل صاحب کے کرتے تھے

”ہوں؟“ میں نے کچھ غور کرتے ہوئے سر ۱۴

”مگر تم اس کرتے میں اپنی ہر وقت موجودگی کے

سے کیا کہو گی؟“

”میں انہیں بتاؤں گی کہ مجھے ان کی حفاظت

پاس رہنا ہے۔ کیونکہ انہیں سی آئی اے کے دیکھو کے

سے شدید خطرہ ہے۔ اس کے علاوہ میں ان سے

مجھے ان کے پاس بحیثیت نرس رہنا ہے تاکہ سی آئی اے

مجھ پر شک نہ کر سکیں۔ یہ بہانہ کرنے سے مجھے اس

جائے گا کہ میں ڈاکٹر ریحان کی مجتہدہ دوایں مان کے

سکوں“

”لیکن وہ اس بات پر چارچاں ہوں گے کہ انہیں

دینے کی کیا ضرورت ہے؟“

”میں انہیں بتاؤں گی کہ وہ صرف طاقت کی دوا ہیں

انہیں اس لیے دی جا رہی ہیں کہ نرس کی حیثیت

مشتبہ نہ ہونے پائے“

”مگر وہ“ میں نے پوچھی۔ ”ڈاکٹر ریحان بہت ذہین

اب مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ پاگلوں کے جانچوں کو کیا کیا

آتی ہوں گی اور انہیں کیا کیا ہتھکنڈے استعمال

ہو گئے“

ساجدہ بس سرکار کے کچھ لڑکیوں کی سکراہٹ بھی

میں نے جو خاص خدمت ملنے پر کچھ وقت اس لڑکی کے

جاسکتا ہے۔

”چلو! تمہیں تمہیں کفیل صاحب کے کرتے تک پہنچاؤ

نے اس سے کہا اور وہ میرے ساتھ ہوئی۔ مجھے ایک خیال

نے اس سے سوال کیا۔ ”تو جس وقت میں گئے ہیں وہی؟“

”جی نہیں، رات کو جب کفیل صاحب سو جا کر

اپنے گھر چلی جا کر لوں گی“

نے براکتھا لیا اور اسے کفیل رضا کے کرتے میں

میں آئی۔ میں نے ٹیلیفون پر ڈاکٹر ریحان سے

رات کی تصدیق کی کہ ساجدہ نامی نرس کو انہوں

اندر اس بات کی تصدیق کی بلکہ ساجدہ کا ٹھکانہ

ہا۔ دلائل میں پوری طرح یقین رہنا چاہتی تھی۔ مجھے

ڈاکٹر شتا کی چیخ کی کفیل رضا کی فکریں ہو گئے۔

سے غلطی کرنے کے بعد میں ایک حد تک مطمئن ہو

ان کو نہیں نے اپنے ذہن میں رکھا کہ شتا کی چیخ

ہانے کی کوشش کر سکتا ہے۔ بہر حال یہ کوئی فوری

ن کارا کار رہانے میں شتا کی چیخ کی کچھ نہ

سے غلطی ختم ہونے تک ایک منٹ بھی نہیں گزارنا

میں نے فوراً ریسورڈ اٹھایا۔

”ہلک“

ہاں! دوسری طرف سے آواز آئی۔

مجھے معلوم ہوا تھا کہ ایک بلڈ فون کر چکی ہو

مطلوب ہوا تھا کہ آپ گھر پر نہیں ہیں۔“

ماں بات؟ البرق سے ملاقات ہو گئی؟“

”اس وقت کیس گیا ہوا ہے۔ میں نے اسے وہی

لے لیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ یہ سب کچھ جان کر

اتھا۔ غالباً اب وہ اپنے اسی آڈیو کو اس ناگامی

پہنچا۔“

”کنا ہے“

ت بتائیں گی آپ مجھے؟“

ماں میں شتا کی چیخ کی کچھ تو نہیں ہے؟“

پہ اختیار ایک طویل ماس لیڈ فوری طور پر

اپس نکل سکتا تھا۔

”ناتے مجھے رکھا۔“

”میں بولی“ یہ مشہد تھا اسے وہیں میں کیوں پہنچاؤ؟

پہنچی ہی ایک ایسا شخص ہے جو ان دونوں میرے

ت قریب رہا ہے اس لیے میرے خیال میں تو کھانا

اسی کا کارہا ہوا گا۔“

ت جھوٹ نہیں بولوں گی سو! اہ! وہ لڑکی شتا

ہی بے لیکن وہی بات میں پھر کوئی کہ تم اپنے طور پر

اجازت کے بغیر ان لوگوں کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھانا۔ تم ان

لوگوں کی نظریں اٹھان ہی تری ہو۔ ممکن ہے اس طرح کسی موقع

پر تم میرے کام آ سکو۔“

”اچھا!“ سونیا نے ٹھنڈا سا اس لیا اور پھر جلدی سے بولی۔ ”وہ

شاہد لہوڑا لگا۔ دسک ہو رہی ہے۔ پھر فوراً دوسری طرف سے سلسلہ

مقطع کر دیا گیا۔

میں چند لمحے ریسورڈ کو دیکھتی رہی اور پھر اسے آہستگی سے

بلڈ رکھ دیا۔ میں اپنے تعویذ میں البرق اور سونیا کو بائیں کرتے ہوئے

دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسی تعویذ میں دھانکے میں ہر

لیٹ گئی اور مکان کے باعث غیر شعوری طور پر انہیں بند کر

چار بجے تھے جب میں عالم فونڈی سے چوٹی میرے چوکنے

کا سبب دسک کی آواز تھی۔ غالباً کوئی ملازم ہی ہوگی، میں نے

یہ سوچتے ہوئے بلڈ آواز میں کہا۔ ”کیون ہے؟“

”خادم۔۔۔ بلکہ خادم حسین؟“ رضوان کی آواز سنائی دی۔

”اوہ!“ میں جلدی سے اٹھ بیٹھی۔ ”اندرا آ جاؤ!“

میری ملازمین اب رضوان سے اتنی مانوس ہو چکی تھیں کہ اسے

براہ رست میسر کر کے تنگ پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی۔

وہ دروازہ کھولتا ہوا اندر آ گیا۔ میں نے ایک ڈرائنگ کچن کی طرف اشارہ

کرتے ہوئے کہا۔ ”بیٹھو!“

”آپ کی خواہش کے مطابق مجھے ڈیڑھ آٹھ نہیں بھائی؟“ رضوان

نے فخر ناکار کہا۔

میں اس کا مطلب نہیں سمجھی تھی اس لیے بیساختہ پوچھ بیٹھی۔

”دیکھی ادا ہے؟“

”میں کسی کوئی ملازم سرگوشی میں سنائی دینا چاہیے۔“

”بھوسہ شروع کر دی تم نے!“ میں نے اسے گھور کر میرا خیال

کہ تم ذرا کام کی باتیں شروع کر دو گئے۔“

”کام کی باتیں کیا کیا کروں۔ وہاں تو ایسا لگتا ہے جیسے کوئی

ہی کل کھل گیا ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”متعلقہ پولیس اسٹیشن اندازاً۔۔۔“ تھا جسے وہ کچھ پریشان بلکہ

ہوسہ آپ کے بیان کی روشنی میں نہ پڑے نہیں کیا گیا، اور اگر

گیا ہے تو غالباً اس کے نتائج کو روشنی میں نہیں لایا جائے گا۔“

”تم کیا کہہ رہے ہو؟“ میں متعجب تھی۔

کو نہ دیکھا اور شور کی سطح تک آگیا۔ وہ خیال مجھے نہایت برداشت
سوجھا تھا۔ اگر اس میں دیر ہو جاتی تو پھر اس پر مل در آمد ممکن نہ
ہوتا۔ خان آٹ کالاکوٹ یکے کر گنا تھا کہ وہ مجھے ایک گھنٹے بعد فون
کرنے کا اور بھی اسے گئے ہوئے صرت پانچ منٹ گزرے تھے۔
باقی چھ منٹ میں میں بڑی آسانی سے ایسا بندوبست کر سکتی تھی
کہ جب خان آٹ کالاکوٹ مجھے فون کرے تو میری اور اس کی گفتگو کا
ایک ایک لفظ ٹیپ ہو جائے۔ میں بعد میں اس ٹیپ کو کسی موقع
پر خان آٹ کالاکوٹ کے خلاف استعمال کر سکتی تھی۔ پر چند کہ اس
ٹیپ کو عدالت میں کسی ٹیپس ثبوت کے طور پر استعمال نہیں کیا جاسکتا
تھا لیکن اس کے ذریعے سے عام لوگوں کی نظروں میں خان آٹ کالاکوٹ
کی شخصیت مشتبہ بنائی جاسکتی تھی۔

عملت کی ضرورت تو نہیں تھی لیکن میں نے بڑی تیزی سے
ساری تیاری کر لی۔ میں نے ایک خاص قسم کا ٹیپ ریکارڈر
اپنے ٹیلیفون سے منسلک کر دیا۔ یہ ٹیپ ریکارڈر میرے پاس
اس وقت سے ہے جب میں انٹرپول میں تھی۔ اس کی خصوصیت یہ
ہے اسے ٹیلیفون کے تار سے براہ راست منسلک کیا جاسکتا ہے
اور اس کی ضرورت پیش نہیں آتی کہ اس کا مائیکروفون، مائیکس
کے قریب رکھا جائے۔ براہ راست منسلک ہونے کی وجہ سے
آواز میں بہت صاف ریکارڈ ہو جاتی ہیں۔

یہ تیاری کرنے کے بعد میں علیینا سے خان آٹ کالاکوٹ
کے فون کا انتظار کرنے لگی۔ گویا جال بھیلایا جاکر کھانا اور صیاد
کو اپنے صید کی آمد کا انتظار تھا۔

یہ انتظار اپنے وقت پر ختم ہوا۔ یعنی خان آٹ کالاکوٹ کی
رضعت کے منٹ ایک گھنٹے بعد فون کی گھنٹی بجی تو میں نے اس کی
طرف توجہ دیکھا جیسے مجھے ہال کی طرف آتے ہوئے پردے کے
پردوں کی آواز سنائی دی ہو۔ یہ سچ ہے دوسری یا گھنٹی بجی تو میں
نے اتنا احتیاط سے ریسو اور کھانا جیسے جال کی ڈوری کھینچنے کے
لیے تیار ہو گئی ہوں۔

ریسور اٹھانے ہی ٹیپ ریکارڈر کی ایک لائٹ جل اٹھی
تھی اور اس میں لگا ہوا ٹیپ گردش کرنے لگا تھا۔

”ہیلو!“ میں نے مائیک سے میں لگا اور کچھ ٹیپ ریکارڈر
کی ڈنڈے کی حرکت کی۔ گویا اس نے میری آواز کو سیکر کیا تھا۔

”کون بول رہا ہے؟“ دوسری طرف سے پوچھا گیا اور ٹیپ
ریکارڈر کی ڈنڈے نے پھر حرکت کی۔

میں نے دوسری طرف سے بولنے والے
وہ خان آٹ کالاکوٹ ہی تھا۔

”میں ہاؤ اسپیکنگ؟“ میں نے مائل
”گڈ ایوننگ ہاؤ! میں خان آٹ کالاکوٹ“

اس کا جواب دہمدمتہ از تھا۔ اس کو دوسرے ہاؤ
مجھے نہیں سمجھا جو میں ایک گھنٹے قبل سن چکی تھی
”فرمائیے!“ میں نے سہاٹ لیے میں لگا
”آپ نے کیا فیصلہ کیا؟“ اس نے پوچھا
”کس بارے میں؟“

”اسکو دوسرے بارے میں؟“ خان آٹ کالاکوٹ

”میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ صرت ہاؤ! دے دیجیے!“

”میں اس سوڈے کے بارے میں ایک آم کرنا چاہتی ہوں؟“ میں نے کہا۔

”مجھے انھیں ہے کہ میں ایسا نہیں کر سکتا ہاؤ
کالاکوٹ نے بدستور بڑے خلیق لیے میں لگا۔ ”میں
میں ٹیلیفون پر کوئی بات کھل کر نہیں کر سکتا۔ برٹش
ہر بات لازم رہنا چاہیے اور اس لیے میں نے
سلسلے میں آپ سے خود ملاقات کی تھی۔ ماری فیمل
ہو چکی ہے۔ اب تو مجھے صرت جواب کا انتظار ہے۔“

”لیکن میں بعض نکات پر مزید گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔
بدل کر بولی۔ خان آٹ کالاکوٹ کے اس مختار انا
تدبیر غلطی میں مبتلا کر دیا تھا۔ مجھے اپنی ساری
خاک میں ملتی نظر آ رہی تھی۔

خان آٹ کالاکوٹ بولا۔ ”معاف کیجیے ہاؤ! ہم
نکتے پر بحث کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ آپ تو صر
جواب دیں۔“

میں نے تنگ آ کر سوچا کہ خود ہی اصل مسئلے کو
یہ سوچتی ہی میں نے اس پر غلط بھی کر ڈالا۔ میں نے بانٹا ہاؤ
شکیل کو ہلاک کرنے والے اس ٹک ڈرائیور۔۔۔“

خان آٹ کالاکوٹ نے میری بات کاٹ دی۔ وہ
سے مجھے میں بولا۔ ”آپ نے کیا فیصلہ کر دیا؟“

اور کسٹائٹ ڈرائیور؟ میں تو آپ سے اس سوڈے
میں بات کرنا چاہتا تھا جو آپ کی فرم سے ہو سکتا ہے۔

جس سوڈے کی بات کی تھی، اس کا مرکز
لیا ہے؟“ میں نے ہونٹ بھینچ لیے۔

میری کچھ میں نہیں آسکا۔ خان آٹ کالاکوٹ
نے کہا، شاید آپ وہ سوڈا کرنے کے موڈ میں
ہاؤ! مجھے کھانا نفی میں جواب دے کر ریسور رکھ
مجھے گا، آپ نے کچھ بے لگائی میں شورش کر دیں؟
میں پر بات کرتے ہوئے کیوں گھبرا رہے ہو؟“
امیر تھی سے کہا۔

ہاؤ! ایک دوسرے سے اتنے بے تکلف نہیں
فامیل کر سکتے۔ غالباً آپ وہ سوڈا کرنے کے موڈ
میں ہے اس بات پر حیرت ہے کہ آپ نفی میں جواب دینے
ب کی باتیں شروع کر بیٹھی ہیں؟

میں غصائی، ”تم مجھے سے مل کر کچھ بتاؤ گے؟“
نے اس وقت بہت زیادہ پی رکھی ہے اور اپنے
لوہوں میں لہذا اب میں آپ سے مزید کوئی بات نہیں

ہلے کہ میں کچھ کہتی، دوسری طرف سے سلسلہ منقطع

کہتے وقت مجھ پر چور و عل ہوا وہ عجیب و غریب
ہاؤ! میں آہستہ سے ہنس پڑی تھی۔ فون پر گفتگو

وہ خان آٹ کالاکوٹ کی احتیاط پسندی نے مجھے قدرے
کا شکار کیا تھا لیکن گفتگو کے اختتام پر میری غصہ جلا ہٹ
تھی۔ خان آٹ کالاکوٹ سے مقابلے کا یہ انداز مجھے

”علوم ہوا تھا۔ یہ میری ایک پکار۔ حرکت تھی کہ میں نے
کوٹ کو ایک معمولی جرم کی طرح ٹریٹ کرنا چاہا تھا۔

نے کہ میں نے اسے بدستور سرگرمیوں میں ملوث ہونے
لگا ایک معزز ترین شخص سمجھا جاتا تھا، اسے لیسٹ لیسٹ

اس چاہیے تھا۔ میں اسے اتنی آسانی سے اپنے جال میں
مستی تھی چاہے اپنے اس پہلے انام اقدام کے بعد مجھے

میں سوچا تھا کہ بہت دن بعد واقعی خاصی ذہنی ورزش
امریا ہو گئے تھے۔

ایک نیا میدان میرے سامنے تھا جس میں مجھے اپنی
”ماہانہ مشق چنگیزی والے معاملے کو تو میں اب

کہہ رہی تھی۔ راز ہائے سرسبز تو کھلی ہی چکے تھے۔ اب ان

کے بارے میں صرت ثبوت حاصل کرنا تھا اور میرے خیال کے مطابق
مشق کے کاموں کو انکار کرنے کے بعد ثبوت بھی مل جاتا۔

آج رات مشق چنگیزی کے کاموں کو انکار کرنا تھا اور میرے
خیال کے مطابق یہ کوئی بہت بڑی مہم نہیں تھی۔ اس کے شوقان چنگیزی
کے کاموں صادق صیب اور کفیل رضا کا دعائی توازن درست
ہونے میں چند دن لگتے۔

ان چند دنوں میں مجھے کیا کرنا تھا؟ فی الحال میں اس کے
بارے میں کوئی حتمی اندازہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس کا تمام تر اختصار
حالات پر تھا۔ ایک امکان یہ ضرور تھا کہ مجھے اس عرصے میں خان
آٹ کالاکوٹ سے برسرِ سرکار رہنا پڑتا۔

میں ایک آرام کر کے پریم درواز ہو گئی اور رات کی مہم کی
منصوبہ بندی کرنے لگی۔ اس منصوبہ بندی کے ساتھ ہی مجھے کوئی
ایسا انتظام بھی کرنا تھا کہ کفیل رضا محفوظ رہ سکے۔ مجھے یقین تھا
کہ مشق چنگیزی، کفیل رضا پر ہاتھ صاف کرنے کے لیے ضرور ضرور
ہوگا۔ میری عدم موجودگی میں یہ کام اس کے لیے آسان ہو جائیگا
میں شوقان کو بھی اپنے ساتھ لے جا رہی تھی۔

ساتھ ٹیپنگ میں اپنے کمرے میں رہنا اور میں نے
اپنے ذہن میں ساری منصوبہ بندی کر لی۔ ساتھ ٹیپنگ ایک
ملازمہ میرے کمرے میں آئی اور اس نے بتایا کہ ساجدہ بی بی نے رات
جو کفیل رضا کی دیکھ بھال کے لیے آئی ہوئی تھی، اب جانے کی اجازت
چاہتی ہے۔

”کیا اسے کھانا کھلا دیا گیا؟“ میں نے پوچھا۔
”نہیں کو؟“

”ہاں۔“

”جب کفیل صاحب کو کھانا بھیجا گیا تھا تو اس سے بھی پوچھا
گیا تھا مگر اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ اپنے گھر جا رکھے گا۔“
میں نے دوا یک لمحے سوچا اور پھر بولی۔ ”اسے میرے کمرے
میں بھیج دو اور تم ٹاؤننگ ٹیبل پر دو آدمیوں کے لیے کھانا لگاؤ۔“
فصلہ وقت گزر گیا لیکن مجھے خیال نہیں آیا کہ میں نے بھی ابھی تک
کھانا نہیں کھایا۔“

ملازمہ سرسبز کا مہلکی اور میں سوچنے لگی کہ ساجدہ کو کھانے
کے لیے یہ اصرار روک لوں گی۔ میں نے اس پر پہلی نظر ڈالتے ہی
سوچ لیا تھا کہ فرصت کا کچھ وقت اس کے ساتھ گزارا جاسکتا ہے
اور اس وقت مجھے فرصت ہی بلکہ میں ذہنی طور پر بے چارے کی تھی۔

اس مکان کو دور کرنے کی سیر سے پاس صرف دو ہی صورتیں ہوتی ہیں
خمار کیفیت یا حسن و جمال! ساجدہ زیادہ خوبصورت تو نہیں تھی
لیکن ایک آدھ بار اس کے ساتھ کچھ غمور لمحے گزارے جاسکتے تھے۔
دورانے پردہ مستک ہوئی تو میں نے بلند آواز میں کہا: "اٹھاؤ"
دروازہ کھلا اور ساجدہ اندر آئی۔ اس نے اسے ہی سلام کیا
اور بولی: "ابیں اجازت چاہوں گی یا نا؟"
"میں نے سنا ہے کہ تم نے کھانا نہیں کھایا؟"
"کیا فرق پڑتا ہے، گھر جا کر کھاؤں گی۔"
"کیا گھر پر کوئی تمھارے انتظار میں بھوکا بیٹھا ہوگا؟" میں
نے ضمنی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔
"نہیں یا نا؟" ساجدہ نے پچیس سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
"میرا انتظار کرنے والا شاید ابھی پیدا ہی نہیں ہوا؟"
"اوہ! کیا تم کنواں ہی ہو؟"
ساجدہ کے چہرے پر ہلکی سی سرخی پھیل گئی اور وہ فطرتاً ہی
بولی: "میرا پتہ سوتا ہے یا نا؟ وہ ہرگز گارہ نہیں کر سکا کہ میری
شادی ہو جائے۔ میری ملازمت سے ہی گھر کے اخراجات پورے ہوتے
ہیں۔ اگر میری شادی ہو گئی تو پھر وہ اخراجات کون پورے کرے گا؟"
"تمھارا بچہ نہیں کرتا؟"
"اسے صرف دو ہی کام آتے ہیں۔ چرس پینا اور میری ماں کو
مارنا پینا۔ کبھی بھی تو وہ کچھ بھیجے ہاتھ بھڑپھڑکتے ہیں۔"
"اوہ!" میں ساجدہ کا مٹھکتی رہ گئی۔
یہ ہمارے معاشرے کا المیہ ہے کہ غریب گھرانوں کی لڑکیاں
عموماً اچھی ہوتی ہیں۔ کم از کم میں جتنی بھی غریب لڑکیوں سے مل چکی
وہ گھریلو طور پر کسی نہ کسی رنگ میں مبتلا ملتی ہیں۔ ساجدہ بھی انہی میں
سے ایک تھی۔ میرے انداز سے کے مطابق اس کی عمر تیس سال افراد
ہوئی لیکن اس وقت تک اس کی شادی نہیں ہو سکی تھی۔ ہر چند کہ
شادی نہ ہونا، میرے نزدیک تو ایک اچھی بات ہے لیکن ہمارے
معاشرے کی لڑکیاں اس پسند کو اپنی زندگی کا ایک خوشگوار پہلو سمجھتی ہیں۔
"تو کبھی اجازت ہے یا نا؟" ساجدہ پھر بولی۔
"جب گھر پر کوئی تمھارا منتظر نہیں ہوگا تو تمہیں اتنی جلدی کیوں
ہے؟ کیا تمھارے باپ کو اس بھی کوئی اعتراض ہوگا کہ تم دیر سے
گھر نہیں آتی؟"
"جی نہیں! ساجدہ تلخی سے بولی: "وہ تو خود ایک مرتبہ بڑی
ڈھٹائی کے ساتھ مجھ سے کہ چکا ہے کہ میں رات کو دیر سے گھر آیا

کر لوں کیونکہ اس طرح آمدنی میں اضافہ ہو
بات پر اس کا مٹھ پوچھتی لپٹی اگر وہ میری ماں ۲
میں ایک بار پھر ساجدہ کا مٹھ بھرتی رہی مگر
ایک لفظ بھی نہیں نکلا سکتا تھا۔ اسی قسم کی بات
میں حوکی برتر حقیقت کو مسترد کرتی ہوں۔
"تو اب میں جلتی ہوں؟" ساجدہ پھر بولی
خاموش رہی۔ اس نے اپنے گھر کی مسائل پر زیادہ
تھی۔
"نہیں" میں کھڑی ہوئی اور میں نے اس کا
"تم میرے ساتھ کھانا کھاؤ گی اور اس کے بدلے میں
ساجدہ کا ہاتھ بڑا گداز تھا۔ میں نے اس کے
محسوس کیا۔ ساجدہ کچھ نہیں بولی۔ اسے کھانے کی
کے سلسلے میں مجھے زیادہ حوصلہ بھی نہیں کرنا پڑا تھا
جب ہم کھانے کی میز پر پہنچے تو میری ملاز
"ایک پیگ بناؤ یا دو؟"
"کیا تم پیگنا پسند کرو گی؟" میں نے ساجدہ
"میں کھانے سے قبل ایک دو پیگ پی لیتی ہوں۔"
"نہیں یا نا! شکریہ!" ساجدہ جلدی سے
سلسلے میں معذرت چاہوں گی۔ میں نے کبھی نہیں
کہ اس کی عادت ڈالوں! میں اس خراج کی منتظر
"بس ایک پیگ لاؤ!" میں نے ملازمت کرنا
ساجدہ نے اس طرح اطمینان کا سانس لیا
کہنا اس کے لیے باعث تسکین ثابت ہوا ہو میں
برابر کی کرسی پر بٹھایا اور اس کے ہاتھ کو اپنی آٹھوا
پھیلا کر اس کی لکڑیوں کا جائزہ لینے لگی۔
"کیا دیکھ رہی ہیں؟" ساجدہ نے پوچھا۔
"کیوں کہ فیصلے؟"
"کیا آپ پاسٹری جاتی ہیں؟"
"بس یوں ہی کچھ شوق ہے۔ فرصت کے لمحوں میں
موٹو نوک کی کتاب میں بھی دیکھتی رہتی ہوں۔"
اسے میں ملازمت میرے لیے پیگ بتا لائی۔ پی
لیبر گھونٹنے کے گلاس میز پر رکھ دیا اور ساجدہ کا
دیکھتی رہی۔
"کچھ بتائیے نا!" ساجدہ نے ہر شایستگی سے میرا

ایک بات دیکھ رہی ہوں؟"
اپنے جذبات کی تسکین کے لیے کچھ دوسری باتیں
میں نے یہ کہتے ہوئے غور سے اس کی طرف دیکھا۔
"میرے پچیس کی سرخی پھیل گئی۔ دراصل میں نے
کے تیر پچیس کا تھا اور غالباً مجھ سے اندازے کی غلطی
نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ میں عورت کے جملوں
میں واقف ہوں اور معاشرے کا یہ پہلو بھی میری نظر
"میں مسائل کے باعث ہمارے مسائل کی جیتر
نہیں ہو پائی اور ان کے جذبات آنکھ نشاں بنتے
ہر تیسے میں وہ لڑکیاں جنہیں خاندان کی بدنامی کا
اس ترش پر چل پڑتی ہیں جو میری پسندیدہ روش
چند رکش ان لڑکیوں کے لیے ایک مجبوری ہوتی
ہم انہیں بدنامی کا خوف نہیں ہوتا۔ شادی کے
بہاں جو مسائل اور پیچیدگیاں ہیں، ان کا کوئی
نے پوچھا کہ وہ مگر کوئی نہ اس کی طرف سے
"ہاں۔ اگر کوئی اس کی نشاندہی کرے تو میں دشمن
ہے۔
ساجدہ کے چہرے کی سرخی نے مجھے بتایا کہ اس کے
انہی اندازہ ٹھیک ہی نکلا۔
میں آپ کا.... مطلب نہیں سمجھتی۔ وہ بھلا گئی۔
کی کو اس طرح برتنے لگی ہو کہ بدنامی کا سامان نہ
میں نے مسکرا کر کہا اور گلاس اٹھا کر پھر دو
لے جلدی سے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ سے کھینچ لیا۔
فلانے لگی تھی۔
نہیں! میں نے پس کر کہا۔ میں اس معاملے کو اس
دیکھتی تھی۔ ساجدہ نے ہاتھ اٹھا معاشرہ دیکھنے کی کوشش
بتاؤ، تم نے کتنی لڑکیوں سے گہری دوستی کی ہے؟"
"بس ایک سے؟" ساجدہ نے فطرتاً ہی
"کی! یہ باتیں انگریزی میں ہوتی تھیں، انگریزوں کا ملازما نہیں
میں کھانا لگا رہی تھیں۔
"پہلا پیگ ختم کیا تو کھانا لگا یا اچھا کیا تھا۔
"میرا میں نے ساجدہ سے کہا اور ملازمت کو دھرا

پیت بنانے کی ہلاکت کی۔
کھانے کے دوران میں انہیں دوسرے پیگ سے ہلکی ہلکی
لپٹی رہی۔ ساجدہ خاموشی سے کھانا کھا رہی تھی۔ وہ کوشش کر رہی
تھی کہ مجھ سے نظر نہ ملے۔ میں اس کی اس کیفیت سے
لطف اندوز ہوتی رہی۔ میں فیصلہ کر چکی تھی کہ کھانے کے بعد
اسے بلورم میں لے جاؤں گی۔ مجھے رات کی جس ہم پر روانہ ہونا
تھا، اس میں ابھی دیر تھی۔
لیکن بڑا ہوا اس بخت رضوان کا جو وقت سے پہلے ہی
ٹپک پڑا۔ ہم کھانے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ وہ آگیا۔
"ابھی سے کیسے آگئے؟" میرا مٹھ پوچھا۔ حقیقتاً اس کی آمد
سے مجھے بڑی کوفت ہوئی تھی۔
"کیوں!" اس نے نکھکیوں سے ساجدہ کی طرف دیکھ کر
کہا۔ "میرے آنے سے آپ کے کسی خاص پروگرام میں خلل پڑا ہے؟"
میں تو اس لیے جلدی آگیا تھا کہ آپ کے مرتب کردہ لائٹ عمل
سے مجھے بھی کچھ واقفیت ہو جائے۔
"اچھا یا نا؟" ساجدہ جلدی سے کھڑی ہوئی بولی۔
"میں اب جملوں کی۔"
اسے روکنا اب بیکار تھا انڈیا میں نے پوچھا۔ کل کس
وقت آؤ گی؟"
"صبح ہی آ جاؤں گی، آٹھ بجے تک!"
"ٹھیک ہے؟"
ساجدہ چلی گئی اور میں رضوان کو گھورنے لگی جس کے
ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تاج۔ جی تھی۔
"مجھے افسوس ہے کہ رات کا پروگرام آپ کو صرف میرے ہی
ساتھ بنانا ہوگا۔ وہ بولا۔
میں نے مناسب ہی سمجھا اور جھنجھلاہٹ کا اظہار کرنے کی بجائے
سنجیدگی سے باتیں شروع کر دوں۔ دن رضوان مجھے دیکھ کر کہتا
"سنو!" میں نے کہنا شروع کیا۔ رات کے پہلے پروگرام پر
عمل کرنے سے پہلے ہمیں ایک اور کام بھی کرنا ہے۔ جب ہم دونوں
ہی یہاں نہیں ہوں گے تو کہیں رضوانی حفاظت کرنے والا کون
ہوگا؟"
"وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے؟" رضوان نے بیان بلند
جھوٹے ہوئے کہا۔
"ہم جیسے لوگوں کو تقصوف کی باتیں زیب نہیں دیتیں، میں

نے کھڑے ہوئے ہوئے کہا "میرے ساتھ آؤ!"
 "کہاں؟" رضوان بھی کھڑا ہو گیا۔

"پہلے تو میری خواہش تھی کہ میں چلوں۔"
 "زبے نصیب! رضوان چکا۔" اسے ہم تو کب سے اس
 آرزو میں رہ رہے ہیں؟

میں خاموشی سے چلتی رہی۔ میں اس وقت ایسے موڑ
 میں قطعاً نہیں تھی کہ رضوان سے جو نہیں لڑاؤں لہذا خاموشی ہی
 مناسب تھی۔ اگر میں بولتی تو گویا بول ہوتا کہ جو میں ہوں
 دوبارہ!

جب میں خوابگاہ میں داخل ہو کر الماری کی طرف بڑھی تو
 میں نے ایسی آواز سنی جیسے رضوان نے اندر آنے کے بعد دروازہ
 ہلکا کر دیا۔ میں نے اب بھی اس کی اس شرارتی حرکت کو کھٹ
 نہیں دی اور الماری کھول کر اس میں سے اپنے کچھ کپڑے
 نکالنے لگی۔

"ہائے!" رضوان نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "جب
 آپ کپڑے تبدیل کریں گی تو کتنا جاں فرما نظر ہوگا۔"
 میں نے وہ سارے کپڑے رضوان کی طرف اچھال دیے۔
 رضوان نے بے اعتدالی میں وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر ان کپڑوں کو
 دبوچ لیا۔ اس میں سے دو ایک کپڑے گر بھی گئے۔

"ہائیں!" رضوان انھیں پھاڑ کر بلا کر لٹا کر آپ یہ لباس
 مجھے ہٹا کر فرض کرنا چاہتا ہے کہ آپ کسی لڑکی ہی سے عزت دنیا
 میں!

"تم ان کپڑوں میں بہت اچھے لگو گے!" میں نے ہنس کر کہا
 اور الماری کا ایک اندازنی خاکہ نکالنے لگی۔ اس خاکے کو کھولنے
 کے لیے بکسر سٹم تھا کہ اسے ہر شخص نہ کھول سکے میں نے اس
 خاکے میں رکھی ہوئی گئی اہم چیزوں میں سے صرف ایک چھوٹی
 سی شیشی نکالی اور جب میں خانہ بند کرنے پہنچی تو مجھے بے اعتقاد
 ہستی آئی۔ رضوان نے اپنی قبض آتا کر میرا ایک بلاؤ زہن
 لیا تھا۔

رضوان نے جلدی جلدی پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا "میں
 نے یہ پہن تو کیا گراں میں دو مقامات پر کچھ کمی محسوس ہو رہی ہے؟"
 "تم بعض اوقات، مذکورہ سچ خیمے کی کوشش میں ایک احمق
 جو کہ کر رہ جاتے ہو۔" میں سنجیدہ ہو گئی۔ "جلدی سے اپنی
 قمیص پہنو اور یہ سارے کپڑے اٹھا کر میرے ساتھ آؤ!"

"ارے تو کیا لاندھی بے جاناؤں
 "بس دیکھتے رہو، کہاں سے جانا ہوا
 اپنی" میں نے دروازے کی طرف بڑھتی ہوں
 "لا حول و لا قوت! میں تو سمجھا تھا کہ
 کچھ لٹ مارنے لگے ہیں۔" رضوان نے مٹا
 اتارنے لگا۔

میں نے دروازے کے دہانے پر گرائے،
 دروازہ نہیں کھولا جب تک رضوان نے قہر میں
 اٹھ کر کھڑا نہیں رضوان کے بال بال کمر کمر
 نے نکلی کرنے میں بھی کچھ وقت ضائع کیا۔
 "اب یہ سب کپڑے اٹھا کر میرے ساتھ
 کہا اور دروازہ کھولا۔

"چلیے!" رضوان نے نہ بھٹکا کر کہا۔ اس
 روٹھے ہوئے بچے کا ساتھ جسے چاہیٹ کھا کر
 لیکن میں جانتی تھی کہ اس کا وہ انداز ایکٹنگ
 وہ میرے پیچھے چلتا رہا اور میں کشمکش و مضام
 دروازے پر جا کر۔ وہ بھی میرے پیچھے ٹک گیا
 لگا کہ اندکی کوئی آواز سننے کی کوشش کی لیکن وہ
 چھایا ہوا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ کھیل رضا گری
 ہے۔ اب میں نے دروازے کے بیٹھیل پر ہاتھ
 آہستگی سے کھینچے ہوئے دباؤ ڈالا۔

دروازے میں چھری پیدا ہوئے ہی اندر
 ٹاٹ بلب کی تدریج روشنی میری آنکھوں پر پڑنا
 نے آمنا بہتر دروازے کو کھٹ کے قریب کھڑا
 داخل ہوئی۔

کھیل رضا کا بستر بالکل سامنے تھا۔ میں نے ا
 کرٹ سے لیٹے ہوئے دیکھا۔ اس نے شاندار
 تھی اور چادر کی حرکت سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ بھی لہج
 رہا ہے۔

میں نے رضوان کو اندر آنے کا اشارہ کیا اور جب
 گیا تو میں نے آہستگی سے دروازہ بند کر دیا۔
 رضوان کے چہرے سے اب الجھن مٹ رہی تھی۔ اس
 تیس رہا ہو گا کہ آخر میں کیا کیا جاتی ہوں۔
 اس کی حیرت دفع کرنے کے لیے کچھ کہنا مطلقاً غیر

ای بات اس کی سمجھ میں آجی جاتی۔ میں دہلے تھوڑی
 گہری طرف مڑھی۔ میرا رخ فیصل رضا کی پشت کی طرف
 قریب رک کر میں نے وہ شیشی کھولی جو میں اپنی
 نکال کر لائی تھی۔ اس میں ایک بے رنگ سیال
 وہ میں نے بہت کم مقدار میں اپنے دھال پر ڈالا۔
 ہلکا کر وہ دھال فیصل رضا کی ناک کے قریب لہرائے
 میں نے کوئی نصف منٹ تک جاری رکھا اور پھر
 اب طرف پھینک کر رضوان سے بولی۔ "اب یہ صبح تک
 نہیں آسکتا؟"

"حراب میں بھی بیہوش ہونے کا منصوبہ بنا رہا ہوں!"
 نے اسی طرح انھیں چڑھائیں اور اس طرح ڈنگایا
 ٹل کر گرنے والا بریکن فائر ہے کہ وہ بھی ایکٹنگ ہی تھی۔
 وہ اس میں ایک چیز تو کھیل ہی آئی۔ میں اچانک بولی۔
 "کو! میں ابھی آتی ہوں!"

س تیزی سے باہر آئی اور اس شور و غم میں پہنچی۔ وہاں سے
 ایک تو شک نکالی اور وہ دار فیصل رضا کے کمرے میں پہنچ
 اور شک میں نے بیڈ کے نیچے فرش پر پھیلائی اور پھر
 ہر رضوان سے بولی۔ "اب تم میری کچھ مدد کرو۔" اس حال
 اس کرسی پر ڈال دو اور کھیل رضا کو اٹھانے میں میری مدد
 سے بیڈ کے نیچے تو شک پر لٹا نا چاہتی ہوں۔
 اس کے بعد آپ سر کے بل کھڑی ہو جائیں گی! رضوان
 "بلدی پکیں جھپکا کر بولا۔

مناہدہ تمہیں ہی سر کے بل کھڑا ہونا پڑے!" میں نے کہا
 دہی طور پر تو میں اب بھی سر کے بل کھڑا ہوں۔ آخر آپ ک
 "ہائیں! اب تک کچھ بھی میرے پتے نہیں پڑا۔"
 "جائے گا،" بھی پڑ جائے گا۔ میں نے سر ہلا کر کہا۔ "تم
 ہم تو کر رہے"

رضوان نے ایک ٹھنڈا سا سانس لے کر کپڑوں کا ڈھیر کرسی
 کا اور پھر بستر کے قریب آگیا۔ میں نے فیصل رضا کی چادر
 ل اور پھر اسے رضوان کی مدد سے بستر سے خاکہ فرش پر
 والی تو شک پر لٹا دیا۔ اس کے بعد میں نے بیڈ کے گرد لپکا
 لگا اور مٹھن انداز میں سر ہلا کر بولی "مٹھن! اب نا ممکن ہے
 کر دیجیے بغیر فیصل رضا کو تلاش کیا جا سکے؟"
 رضوان کے چہرے پر اب ایسا تاثر تھا جیسے میرے مقصد کو

کچھ کچھ سمجھ گیا ہو۔

میں نے خود ہی بڑھ کر سارے کپڑے اٹھائے۔ رضوان
 نے کرسی پر ڈال دیے تھے۔ تر کیے ہوئے ان کپڑوں کو کھول کر
 میں نے تجمل دیا اور پھر انھیں بستر پر اس طرح سیٹ کیا کہ ایک
 انسانی مجسمہ سا بن جائے۔ پھر اس "مجسمے" کو میں نے چادر
 اوڑھادی۔ اب دیکھنے والے کو یہی محسوس ہوتا کہ بستر پر کوئی
 شخص چادر اوڑھے لیٹا ہوا ہے۔

"کیا خیال ہے؟" میں نے انہیں آنکھ دبا کر رضوان کی طرف
 دیکھا۔

"پچھلا دسی حرکت ہے!" رضوان نے منہ بنا کر کہا۔
 "خشتا ق چنگیزی جیسے انڈیا کے لیے یہ بہت کافی
 ہے۔" تھوڑی سی کسمپیش اور پوری کیے دیتی ہوں!
 میں رائٹنگ ٹیبل کی طرف گئی اور چھوٹا سا پیڈ اٹھ
 کر اس پر لکھنے لگی۔

مائی ڈیر چنگیزی! مجھے یقین ہے کہ میری عدم موجودگی
 میں تم یہاں آؤ گے لیکن تمہیں نہایت مایوسی کا شکار
 ہونا پڑے گا۔ اب اگر تم جاؤ تو کپڑوں کا یہ ڈھیر اپنے
 ساتھ لے جاؤ تو فیصل رضا کو تو میں کہیں اور منتقل کر
 چکی ہوں۔ وہاں تک تمہاری رائی ممکن نہیں۔ جسے میں
 اپنی تحریک میں لے لوں! اسے کوئی بھی مجھ سے نہیں
 چھین سکتا۔

تمہاری تیر اندیش
 صبیحہ بانو

پیڈ میں سے وہ کاغذ نکالیں پھر بستر کے قریب پہنچی اور اپنے
 اس دلچسپ خط کو لکھنے سے پن کر دیا۔

"کیا سمجھا؟" میں ہنس کر رضوان سے بولی۔ یہ خط پھٹنے کے
 بعد مشتاق چنگیزی کے فرشتے بھی نہیں سوچ سکیں گے کہ فیصل رضا
 بستر کے نیچے موجود ہے۔

رضوان نے جھج کر یہ خط پڑھا اور پھر سر ہلا کر بولا "مشتاق
 جیسے انداز تو واقعی تمہیں کھا جائے گا۔"

"بس تو پھر اب ہم اپنی عمر پر بڑے آرام سے رہنا ہو سکتے
 ہیں۔"

"کیا اتنا وقت ہو چکا ہے؟" رضوان اپنی دست و پاؤں پر نظر
 ڈالتا ہوا بولا۔

”ہاں اب میں روانہ ہو جانا چاہیے۔ میں نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا کہ تم کھانا دیزہ تو کھا کر آئے تھے نا؟“
 ”الحمد للہ! رضوان نے اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔
 ”چالیس فیصد تو بھنم بھی ہو چکا۔“
 ”یہ بقیہ بات ہے۔ تیر نقل و حرکت کے لیے ضروری ہے کہ پیٹ کچھ خالی ہو۔“ میں نے اپنی خواہ گاہ کا رخ کرتے ہوئے کہا۔
 ”دال سے میں نے کچھ ضروری چیزیں لیں اور پھر رضوان کے ساتھ باہر آگئی۔
 ”تمھاری موٹر سائیکل کہاں ہے؟“ میں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔
 ”میں ٹیکسی سے آیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ آپ کی کار کام میں آئے گی اور ایسی براب مجھے دراپ بھی کر دیں گی لہذا موٹر سائیکل لاتا ہوں۔“
 ”خاصے عقائد ہوتے جا رہے ہو۔“
 ”درمیان دال و ذول آب و ہوا کچھ خوشگوار ہے۔“
 ”جب ہم کھانا کھا رہے تھے تو رضوان نے رضوان سے کہا۔ یہ بات اب ملے پاکی ہے کہ ڈاکٹر شکیل کی ہلاکت میں کہ انکے مشتاق چنگیزی کا ہاتھ بگڑ نہیں تھا۔“
 ”اس کا ثبوت کہاں سے ملے گا؟“
 ”خان آفت کا لاگوٹ کا نام تو تم نے سنایا ہوگا۔“
 ”ظاہر ہے کہیں!“ رضوان ابھی ہوئی نظر سے میری طرف دیکھنے لگا۔
 ”وہ آج میرے پاس آیا تھا۔ میں نے کہا اور پھر وہ ماری باتیں دہرائیں جو خان آفت کا لاگوٹ سے ہوتی تھیں۔ رضوان نے وہ سب کچھ بڑی بے یقینی کی حالت میں سنا۔ اگر میری بجائے کوئی اور شخص یہ باتیں بتاتا تو رضوان کو سبک دینے میں آتا۔
 ”جب میں چپ ہو گئی تو بھی رضوان خاموش رہا۔
 ”کوئی تصدیق نہیں کیا تم نے!“ میں بولی۔
 ”کیا تبصرہ کروں؟“ رضوان نے بھرتی ہوئی آواز میں کہا۔
 ”میری کھوپڑی تو گویا جھتی سے اڑ گئی ہے۔“
 ”کچھ بھی حال کیڑا بھی ہوا تھا جب وہ اپنی روپ میں میرے سامنے آیا۔“
 ”تو یہ جاننا چاہتا ہے کہ آپ نے اس طرح ڈرامہ دے کر بارے میں کس کس کو بتایا ہے؟“
 ”ہاں“ میں نے کہا۔ ”اس نے اپنے اثر و رسوخ سے کام

لے کر پولیس میں تو اس کیس کو دلوا ہی دیا ہے۔
 ”سدا بہا کرنا چاہتا ہے کسی اور جانب سے۔“
 ”ایسا وہ اسی صورت میں کر سکتا ہے جب اسے اس بات کو کہاں تک ہموار ہے کچھ بولوں؟“
 ”اور آپ اسے یہ بات بتانے سے انکار کرنا ظاہر ہے۔“
 ”میرا خیال ہے کہ آپ نے اس بارے میں کو بھی کچھ نہیں بتایا۔“
 ”نہیں تمھاری اس بات کے جواب میں کہہ دوں۔“
 ”میرا جواب ہے۔“
 ”موجودہ حالات میں بہتر یہی ہے کہ تم ان کو ہمہ وقت رہو۔“
 ”گو رہا میں جا کر اس خان کے بچے کو تیار دلوں گا۔“
 ”مفضل باتیں نہ کرو۔ تم جلد سے ہی تم پر تیار رہا۔“
 ”ہر جتنا اپنے آپ پر اور موجود حالات میں تمھاری ہمتھارے حق میں بہتر ہوگی۔ میں تمھیں خطرات میں چاہتی۔“
 ”بڑا کرم ہے آپ کا!“ رضوان نے منہ نہ کرنا۔
 ”فی الحال میری ساری تو تیر مشتاق چنگیزی کے ماتحت ہے۔ اس سے منہ سے کے بعد میں پوری کہہ خان آفت کا لاگوٹ کے بارے میں سوچ سکوں گی۔“
 ”اس مرتبہ مجھے خاصے پانچ مین بڑے تھے۔“
 ”بادرچی خانے کا کام بھی آتے ہے آپ کو؟“
 ”میں دینا کا ہر کام جانتی ہوں۔“
 ”بولو ایک کام کے۔“ رضوان نے جلدی سے مزید کل افشانی کی جنت نہیں کر سکا۔
 ”سارٹھے باوجود مجھے جب میں نے اپنی کار مشتاقی کے بنگلے کے قریب ایک گلی میں کھڑی کی۔ میں اور رضوان اپنا سائیکل کے دروازے لاک کر کے اتر آئے اور مشتاق کے گھر طرف بڑھے۔
 ”کیا ڈاکٹر ایکٹو ہے؟“ رضوان نے پوچھا۔
 ”ہاں۔“ میں نے جواب دیا۔ ”بالکل اسی طرح جیسے ایک پہلے کیا تھا۔“
 ”کیا اس واقعے کے بعد مشتاق چنگیزی محتاط نہیں ہوگا؟“
 ”اگر ایسا ہوا تو پھر سوچ لیں گے کہ دوسری صورت کیا ہے۔“

”نہیں کرتے ہوئے بچا ہلکے تک پہنچے اور یہ دیکھ کر میں دلی کو بچا ہلکے تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ میں نے اور ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔
 ”ات گئے۔۔۔ چھانک کھلا ہوا ہے۔“ رضوان بڑبڑایا۔
 ”معلوم ہوتی ہے۔“
 ”دیکھا جائے گا۔“
 ”دول بچا ہلکے سے گزر گئے۔ ہم نے اب اپنے چروں کا ہوشہ کر لیا تھا اور ہاتھوں میں دیوار اور سنبھال اٹھنا۔“
 ”انگلی تار کی میں ڈوبا ہوا نظر آ رہا تھا۔ کہیں کسی کھڑکی میں کی کوئی گرل نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس اندھیرے میں ہر آدمی نے ایک پہنچ گئے۔ میں نے محدود روشنی والی ہانچ ایک بار پھر حیرت سے دوچار ہوا۔ سارٹھے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر بیکل تاریکی تھی۔
 ”یہاں کوئی تھیو کی کوئی واردات ہو چکی ہے؟“ رضوان نے مارٹر سرگوشی کی۔
 ”میں معلوم ہو جاتا ہے۔“ میں نے دروازے پر دباؤ ڈال کر انا کھول لیا کہ ایک لڑکی ہاتھی ہاتھی ہو کر کھڑی تھی۔ میں ہی اندر پہنچ گئی۔ میں نے مارٹی کی روشنی میں مارٹنگ روم کا جائزہ لیا۔ ایک جگہ مجھے مشتاق چنگیزی نام اندھا ہوا نظر آیا۔ میں تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔
 ”میں نے رضوان بھی اندر آ چکا تھا۔ میں چنگیزی کے ملازم پر اسے سیدھا کیا۔ میرے قبضے کے مطابق وہ مردہ نہیں۔“
 ”پہنوش تھا۔“
 ”اس سیدھی کھڑی ہو گئی۔“ رضوان میرے قریب آ چکا تھا۔
 ”ہمت دھیمی آواز میں اسے کہا۔ یہاں کچھ گرو بڑھو۔“
 ”اے اے ہوئے غامی دیر بھی ہو چکی ہے۔“
 ”اے میں نے کہا۔“ بنگلے پر پھیلے ہوئے سناٹے سے مارٹی اندازہ ہو رہا ہے۔“ آواز باقی کمرے بھی دیکھ لیں۔
 ”ہل ہے کہ اگر یہاں کوئی اور شخص موجود ہے تو وہ بھی پہنوش۔“
 ”میرا خیال ہے کہ درست ثابت ہوا۔ ہم نے بہت تیزی سے ایمان مارا۔ مشتاق چنگیزی کے باقی ملازم اور خود چنگیزی

بھی اپنی خواب گاہ میں بیہوش رہا تھا۔
 ”رضوان آہستہ سے بولا۔ شاید مرزا غالب نے ایسی ہی کسی پکڑ میں پڑ کر کہا تھا کہ الہی ہاں کیا ہے؟“
 ”میں اب بے حد متفکر ہو گئی تھی اس لیے میں نے رضوان کی بذلہ سنجی رطبی رضوان نہیں دیا اور بولی۔“ آواز اس ترخانے کو بھی دیکھ لیں۔“ دھانے والی کھانا ہو گا۔“
 ”میں اور رضوان اس کمرے میں پہنچے جسے کبھی دم لال اپنی خواہ گاہ کے طور پر استعمال کیا کرتا تھا۔ تیر خانہ کھولنے میں مجھے کوئی دشواری نہیں ہوئی کیونکہ مجھے اس کا طریقہ سمجھتا ہے۔“
 ”ہو چکا تھا۔“
 ”ترخانے میں بھی تاریکی تھی۔ میں اور رضوان اس کی شعلیں اترنے لگے۔ میں مارٹی کی روشنی پہنچے پھینک رہی تھی وہاں مجھے صادق حبیب تو کھانا نہیں دیا لیکن ایک اجنبی صورت مزور نظر آئی۔ وہ شخص ترخانے کے فرش پر وسط میں کھڑا تھا۔
 ”صادق حبیب کی جگہ کوئی تیا قیدی۔“ میں بڑبڑائی اور میں نے اپنا ریلو اور برس میں رکھ لیا۔
 ”رضوان نے مجھے مطمئن دیکھا تو اس نے بھی اپنا ریلو وچھپ میں ڈال لیا اور میری ہمدونوں کی غلط تھی۔ جیسے ہی ہمارے پیروں نے ترخانے کے فرش کو چھوا، اس اجنبی نے وحشتانہ انداز میں ہم پر حملہ کر دیا۔ اس کا پہلا نشانہ اس کی تھیں میں نے تیزی سے تھکانے دے کر خود کو اس کی زد سے بچا لیا۔ پھر میں جو اب کارروائی میں کرتی لیکن مجھے اس کا موقع نہیں مل سکا۔ رضوان نے اس اجنبی کو اتنے تسلسل کے ساتھ اپنے گھونٹوں کا مارٹنگ بنا یا کہ شاید اپنے ہوش و حواس کو ضبط کیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے کچھ بھائی نہیں دے رہا ہو۔ آخر وہ ڈھیر ہو کر رہا۔ اس کے ہرے پر معتقد۔
 ”نیل پڑے تھے اور وہ ہنٹوں سے خون رستے لگا تھا۔“
 ”جادوہ اتنی وزر مشر کر داک۔“ آخر ریلو اور برس میں کھنے کی کیا ضرورت تھی؟ آپ کی تقلید میں میں نے بھی ریلو اور حبیب میں ڈال لیا تھا۔ رضوان جیسا ساٹھ بنا کر ہوا۔
 ”میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ تنہا شخص اتنی جارحیت پراورے گا جیسا کہ وہ دیکھتے۔“
 ”بعض لوگ خود تو ان کی منہیں کرتے۔ اس کا خیال ہوگا کہ اسے صرف مجھ سے ہی ملنا ہوگا۔“
 ”اب اس سے پوچھو کہ صادق حبیب کہاں ہے؟“

مدحوش کے سے عالم میں وہ اجنبی، فرش سے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا میری ٹانہ پر رکھ کر رخسار کو زدنیں لیے ہوئے تھی۔ رضوان نے اسے پہنچ کر اس کا گریبان پکڑا اور ایک جھٹکے سے کھڑا کر دیا، پھر سرتے گھورتا ہوا بولا: "وہ کہاں ہے جس نے خلعے میں بٹھا ہے؟"

"میں... میں کچھ نہیں... جانتا... اجنبی نے باندھے ہوئے کلمہ جب میں بٹھا رہا تھا اسے جبرے کا ٹکڑا تاننا ڈال گا تو تم سب کچھ جان جاؤ گے، رضوان نے واٹس ہاتھ کاٹھو نہ سنا ان کرکھا۔

"ٹھہرو! ٹھہرو! خدا کے لیے!" وہ دونوں ہاتھ پھیر کر کھٹکیاں "شاہد مجھے غلط فہمی ہوئی تھی!"

"کیا مطلب ہے؟"

"تم... شاید... ان لوگوں میں سے نہیں ہو... جھٹوں نے مجھے یہاں قید کیا تھا... بلکہ... تم لوگ... شاید وہ ہو...

جن کے لیے میرے پاس ایک پیغام ہے؟"

"کیا گھنٹے کھا کر اس کا دمراغ پلٹ گیا ہے؟" رضوان نے میری طرف دیکھتے ہوئے استعجزانہ انداز میں کہا۔

"اس کی پوری بات تو سنو! دیکھو یہ کتنا کیا ہے!"

"کو بیٹے!" رضوان نے اس کا گریبان جھنجھوڑا "جو کچھ بگنا ہے، جلدی سے بک ڈالو!"

"ان لوگوں نے مجھ سے کہا تھا کہ جلد یا بدیر یہاں ایک عورت آئے گی۔ اس عورت کو مجھے یہ پیغام دینا تھا کہ شلیفون پر سو دسے بازی نہ ہونے کی سزا ہے کہ وہ عورت ایک گھنٹے کی قید بٹھائے!"

"کیا بات ہوئی!"

"یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم!"

دفعۃً ایک خیال میرے ذہن میں ابھرا۔ میں نے بڑی تیزی سے شاہجہاد مارچ چھت کی طرف کر دیا۔ میری اس حرکت کے ساتھ ہی رضوان اور اس اہمیتی کی نظر بھی چھت کی طرف گئی۔

"ارے!" رضوان تقریباً اچھل پڑا۔

چھت کا وہ شگاف بند تھا جس سے ہم نے خانے میں آئے تھے۔ "خوب!" میں ہنس پڑی "گو یا وہ مجھے پھر چھوٹ دے گا!"

"کون؟" رضوان نے کڑے سے نکلا۔

"دبی، جس کا ذکر راستے میں ہوتا رہا تھا۔ ملک کا دبی معزز جس نے شلیفون پر مجھے سے ہاں یا نا میں جواب مانگا تھا!"

"اورہ! خان...؟"

"پورا نام لینے کی ضرورت نہیں! میں ا دبی! اس نے سوتا ہونے کی وجہ سے مجھ سے لپٹ کر یہاں ایک گھنٹے تک قید رہیں گے،" قطعی نہیں! میں نے جواب دیا "خانا!"

میں اندر سے سمجھتا تھا کہ خانے کا راستہ کھولنا کافی تھا! "وہ لوگ اس بات سے بھی واقف ہیں؟" "مغضوب کے ساتھ! اگر خانے کا راستہ کھول دیا گیا، اس سے دوچار ہونا پڑے گا جو ان لوگوں نے نہ فرما دی اوپر دئے کمرے میں بکھری ہو گی۔ ان کا کتا بٹھا گا، گھنٹے میں اس کمرے سے خارج ہو جائے گی اور ۶

تہ خانے سے نکلنا ممکن ہو گا!"

"اورہ!" اب میں اچھل گئی۔

"لیکن یہ ایک گھنٹے کی قید کیا کیوں ہے؟"

جھنجھلا کر کہا۔

"شاید وہ مجھ سے احساس دلانا چاہتا ہے کہ میں سامنے بالکل بے بس ہوں اور وہ اس پر قادر ہے کہ

جو سلوک بھی کرنا چاہے، مگر کڑے سے!"

"لاش وہ آپ کے ساتھ کوئی مبارک سلوک کرے!" رضوان نے ٹھنڈا سا سانس لے کر کہا اور اتنی باتی مار کر سے بیٹھ گیا! آپ بھی تشریف رکھیں۔ یہاں ایک گھنٹہ تو! میں نے ٹانہ پر رکھ کر رخسار کے کواڑے کھڑکھڑا دیے وہ سوچے ناخوش کرنے میں کیا ہاں ہو گئی جولاٹ کا بٹھا میں لہ دیا کہ زخمت کوڑی سے آشنابا اور مارچ بچھا دی۔

"میرا خیال ہے کہ میں یہ ایک گھنٹہ ٹھہر ہونے کی بجائے کرنے میں گزارنا چاہتا ہے، رضوان نے کہا اور پھر اجنبی سے "تم بھی بیٹھو دوست... اور زور تاننا تو کر بٹھا راجا! دیا ہے کہ تم کون ہو اور اس نے خلعے میں بٹھاری موجودگی منظر کیا ہے؟"

"میں ایک فرم میں اکاؤنٹنٹ ہوں، اجنبی نے اپنے ہاتھ سے رستے والے خون کو صاف کرتے ہوئے کہا! ایک دربان مرا گئے ان لوگوں نے مجھے اغوا کیا اور یہاں لے آئے۔ میری کہاں اتنی ہی ہے؟"

"وہ کہتے تھے؟"

لوگوں کو بکھر گئے دیکھو تو چوپان لوگے؟"

کرتیں! اجنبی نے جواب دیا! وہ ایک تاریک سے مجھے اغوا کیا گیا تھا!"

اس عمارت میں لایا گیا ہو گا، تب تو یہاں

ان لوگوں نے اپنے چہرے نقابوں میں چھپا دیوں نے تم سے کہا تھا کہ یہاں ایک عورت یہ تھیں ایک پیغام دیا گیا تھا؟"

ہم پر حملہ کیوں کیا؟"

حاکم وہ عورت تنہا ہو گئی لیکن جب تم بھی ان کے وہیں بٹھا کر تم دونوں بھی انہی لوگوں میں سے خبیث ریوا لوی بھی رکھے تو میں نے سوچا کہ اگر میری طرف ہاؤں!

نہ اپنی دی دوسے، بٹھا کر نام کیا ہے؟"

ن میں یہ گفتگو ہوتی رہی اور میرے کان اس ل میں رہے لیکن میرا ذہن بھی برابر کام کرتا رہا۔ حاکم خان آت کالو گٹ کے بارے میں سنجیدگی سے غلات باقاعدہ صفت آنا ہو چکا تھا صاف صاف صاف تب کر کے اس نے مجھ سے گہری چوٹ دی تھی۔

انہی میں مشتاق چلیز کی غلات کچھ بھی نہیں ہو سکتی! ثبوت صادق صیب کی کامیابان ہوتا۔

لی کر خان آت کالو گٹ مجھے اس بات پر مجبور کرنا اس سے سو دسے بازی کر لوں، یعنی اسے بتا دوں کہ میں نے پورے کے بارے میں پوچس کے علاوہ کس کس کو کیا

کے لیے خان آت کالو گٹ کا اضطراب ظاہر کرتا تھا، بہت کا حامل ہے، بات صرف اتنی نہیں ہو سکتی تھی و کو بجا نام مقصد تھا۔ پس بروہ کوئی بہت ہی وق تھی اور اب خان آت کالو گٹ نے مجھ سے کہہ دیا کہ اس کے بچے

خان کی باتوں اور اقدام سے یہ بات بھی ظاہر ہو گئی تھی کہ خان کا معاملہ پورے سیاق و سباق کے ساتھ اس کے علم میں آچکا تھا اور یہ بات اس کا ثبوت تھی کہ اس کے وسائل بڑے وسیع مضبوط تھے فرید دل، رضوان سے پوچھ رہا تھا "تم نے اپنے ہاں سے کچھ نہیں بتایا تم دونوں کون ہو اور ان نامعلوم لوگوں سے بٹھاری کیا گئی ہے؟ یہ بات بھی بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ ان لوگوں نے تم دونوں کو یہاں صرف ایک گھنٹے کے لیے قید کیا ہے۔ اور دوسرے بھی محض اس لیے اغوا کیا گیا کہ ان کا ایک پیغام رساں بن جاؤں۔ ایک گھنٹے بعد تو مجھے بھی تم لوگوں کے ساتھ رہا بنی جلدی گئی!" رضوان اس کی ان باتوں کے جواب میں آئیں بائیں شاہین آرا نے دیکھا لیکن میں کچھ بھی کہی کہ محض پیغام رساں کا فرض انجام دلانے کے لیے فرید دل کا اخلاقی دامن کیا تھی رکھتا تھا۔ یہ پیغام جب تک ایک مختصر خط کے ذریعے بھی پہنچ سکتا تھا جبکہ اس کام کے سلسلے میں فرید دل کو اغوا کر کے یہاں رکھنا نقصان کیوں کی سی بات معلوم ہوتی تھی۔ دراصل اس طرح خان آت کالو گٹ نے اس معاملے کو دیرمائی رنگ دینے کی کوشش کی تھی تاکہ میں اس سے مرعوب ہو جاؤں اور اس مقام پر خان سے اندازے کی غلطی ہوئی تھی۔ جب اس کے وسائل لا محدود تھے تو اسے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے تھا کہ شلیفون باؤ ایک ایسی عورت کا نام ہے جس سے مرعوب ہونا نہیں سیکھا۔

"ایک گھنٹہ پورا ہو چکا ہے خاتون!" اچانک رضوان نے ہانک لگائی۔

"اورہ!" میں اپنے خیالات سے چوٹیں اور پھر میں نے اپنی رشتہ داچ پر نظر ڈالی۔

"کھویے اب تہ خانے کا راستہ!" رضوان پھر بولا۔

اس کے ساتھ ہی فرید دل بھی کھڑا ہو گیا۔ میں نے تہ خانے کا راستہ کھولا اور میرے پیوں اور پہنچ گئے۔ مشتاق چلیز کی اور اس کے ملازمین اب تک ہوشیار پڑے تھے۔

"آخر یہ گھر کس کا ہے؟" فرید دل بولا۔

"گھر آدم میری سسرال والوں کا نہیں ہے!" رضوان نے لاپرواہی سے شانے جھٹک کر کہا۔

فرید دل کچھ کھسیا ہے ہوئے سے انداز میں چپ ہو گیا۔ وہ ہم دونوں کے ہاں سے جاننے کے لیے خاصا مضطرب تھا لیکن اسے بہت نہیں ہو۔ یہ بھی کہم سے استفسارات کر سکتا۔

میں نے جھٹکے سے نکل کر فرید دل سے کہا "میرے پاس گاڑی

ہے اور ہم لوگ بڑی روڑ کی طرف جا رہے تھے۔ کیا تمہیں اس طرف
 کہیں جانا ہے؟
 ”آپ کی فائز ہوگی، اگر آپ مجھے آرام باغ تک چھوڑ دیں۔
 وہاں سے میں بیدل چلا جاؤں گا۔ میں ڈینس ہال پر رہتا ہوں،
 لیکن کیا آپ لوگ پولیس کو اس معاملے کی رپورٹ نہیں کریں گے؟
 ”نہیں، میں نے جواب دیا ہے، میں خواہ مخواہ کسی الجھن میں
 پڑنے کا شوق نہیں ہے۔ ہاں اگر تم چاہو تو اپنے طور پر ایسا کرو،
 میں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔“
 ”مجھ جیسے غریب لوگ تو اس قسم کے معاملات میں پولیس سے
 دور رہتے ہیں۔ مجھے بہر حال کوئی بڑا نقصان تو پہنچا نہیں؟“
 ”تمہاری صفیٰ، میں نے نہیں لاپرواہی سے کہا۔
 جب ہم اس گلی کی طرف بڑھ رہے تھے جہاں میں نے اپنی کار
 کھڑی کی تھی، تو میں نے لکچر زبان میں رضوان سے کہا: ”جب ہم کار
 کے قریب پہنچیں تو تم کار اور اس شخص کے درمیان میں اس طرح حائل
 رہنا کہ ہماری گاڑی کے نمبر پلٹ نہ دیکھ سکے۔“
 ”شک ہے؟ رضوان نے سر ہلکا کر دیا تو پھر ہی میں کہا میں نے
 بھی اس کے بارے میں سوچ لیا تھا۔“
 چنانچہ ایسا ہی کیا۔ فریڈ جب تک کہ وہ دروازے تک
 نہیں پہنچا، رضوان نے جڑی چابکدستی کے ساتھ اسے نمبر پلٹ پر نظر
 ڈالنے سے روک رکھا۔ میں نے بڑی ہی رضوان سے کہا کہ وہ فریڈ کے
 ساتھ کچھ ہی نشست پر بیٹھے فریڈ کی طرف سے کسی خطرے
 کا امکان تو نہیں تھا، لیکن میں اس کی طرف سے غافل نہیں رہنا
 چاہتی تھی۔
 میں کار کو حرکت میں لائی اور اسے گلی سے نکال کر شاہراہ پر
 ڈال دیا۔ شک ہے اس وقت میرے عقب میں کسی گاڑی کی جھلک
 چلی۔ پھر وہ گاڑی فریڈ کے چمکی ہوئی کچھ سے لگے لگی اور پھر اس
 نے اس طرح میری سائڈ ہائی کو مجھے نکل کر ایک دکان پر سے رضوان
 اور فریڈ کو اس دھچکے سے بمشکل سنبھل سکے۔
 ”خدا غارت کرے، رضوان کے منہ سے بے اختیار نکلا۔
 پیچھے سے آنے والی وہ کار بھی دواگے نکل کر ایک دھچکے
 سے لگی اور پھر بڑی تیزی سے پیچھے آکر میری کار کے بالکل بالریں
 رک گئی۔ اس گاڑی کو تھپتھپاتے ہوئے دھک دیکر میرے ذہن میں خطرے کا
 احساس جاگ چکا تھا۔ میں نے جڑی پھرتی سے اپنا دیوٹر نکال لیا۔
 ”جیلو بانڈ“ دوسری کار سے ایک آواز آئی۔

میں نے بے اختیار ایک لمبا سانس
 کی تھی۔
 ”ایک لمحہ، تم معاذ ہو گی؟“ غان پہلا
 راضی تھا۔
 ”اور میں ہمیشہ معذرت خواہ رہوں گی، میں
 سے کہا۔
 ”اب اس موٹر کے پاس سے میں کیا کروں؟“
 ”جو تم چاہو، میں ہوں؟“
 ”یعنی اب بھی باقی غنڈہ پر قائم ہو؟“
 ”اگر تم اسے خدا کا نام دینا چاہتے ہو تو...“
 نہیں۔
 ”میں تم پر واضح کر دوں کہ اس وقت میں
 معمولی سا دوڑ رہا ہوں۔“
 ”اس وقت کا انتظار کروں جب میں تمہیں
 وہ وقت بہت زیادہ دور نہ چھوڑوں؟“
 ”میں تمہیں سوچنے کے لیے مزید مہلت
 ”اگر تمہیں وقت ضائع کرنے کا شوق ہے،
 دوسری کار کا رانجن بدلتا ہوا اشارہ تھا۔
 ”کیونکہ میرے اس جواب کے ساتھ ہی وہ حرکت
 سے اپنی رفتار بڑھاتی چلی گئی۔
 ”آپ اسے بول ہی نکل جانے دیں گی؟“
 کرنا تھا۔
 ”چھوڑ کر دوں؟“ میں سچوں سے بولی، یہی
 شروع کر دوں اور قانون کی گرفت میں نہیں جاؤں
 ”لیکن...“ رضوان اپنی بات پوری نہیں
 نہیں آسکا ہوگا کہ وہ کیا کہے!
 اب میں بھی اپنی کار کو حرکت میں لے آئی۔
 ”میں نے اس کار کا نمبر نوٹ کر لیا ہے۔“
 ”بیکار ہے؟“ میں نے جواب دیا۔ اس نے
 نمبر پلٹ استعمال کی ہوگی؟
 ”وہ جعلی نمبر پلٹ کیوں استعمال کرتا ہوگا؟“
 وہ جانتا ہے کہ آپ اس سے واقف ہیں؟“
 ”جعلی نمبر پلٹ کا استعمال ان کی وجہ سے
 پیچھے بیٹھے ہوئے فریڈ کی طرف انگوٹھے سے

ان چپ ہو گیا۔
 میں نے آکھڑا کر آپ لوگوں کا جھگڑا کیا ہے؟“ فریڈ
 معلق۔
 ”اب اس معاملے میں میں نے کہا تھا کہ میں تم سے
 دے کی بات کرنا تھا۔ میری فرم اس کی فرم سے
 ہائی اور وہ بعد میں کس کو سوا دیا جائے؟“
 ”نہی قانونی حرکات ایک بزنس کے سلسلے میں
 غیرت سے کہا۔
 ”میں اس کے ہوا کیا جواب دے سکتی تھی۔
 ”فریڈ بڑبڑایا: ”ایسا بزنس تو شاید دنیا کے پرستے
 ہوں؟“
 ”میں نے یہاں پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اس کی تسلی کے
 کو سامنے نہیں لاسکتی تھی جو میرے ذہن
 ہاں میں رضوان بول پڑا: ”اگر کار واری دنیا میں
 مل رہا ہیں تو کیا بھی ہوتا ہے؟“
 ”میں بدھ مت کے خلاف قانون کی مدد کیوں
 کے خلاف کوئی ثبوت ہمارے ہاتھ لگا گیا، ہم
 میں فی الحال اس سے کوئی ناگہان نہیں؟“ رضوان اسے
 میں معروف تھا۔
 ”مگر اگر میں نے گاڑی اس موٹر پر دوڑی جہاں
 میں ہے۔ وہاں سے میں آرام باغ کی طرف حرکت
 ”اے نہیں نے ایک بائیس پر توجہ دینا، میں رضوان
 گاڑی کا نمبر اب بھی اس کی نظر میں نہیں
 چلا گیا میں تو کچھ نہیں کہا لیکن فریڈ کے ساتھ وہ
 گیا تھا۔
 ”خدا حافظ! رضوان نے اس سے کہا۔
 ”پھر یہی ہے؟“
 ”میں یہاں پر یہ نہیں کہتا کہ اس کے علاوہ مجھے ذرا کچھ
 دے کرنا ہے؟“ رضوان اس کے ساتھ چند قدم
 ”اگر تمہیں مندر روڑ کی طرف تھا۔
 ”مگر یہاں اس طرح جھکا کر اس کے جسم پر نمبر پلٹ
 ”اے کھل گیا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ پریشان تھا۔

اس نے کئی مرتبہ مڑ کر دیکھا لیکن رضوان بدستور ہتھوں کی ”جوا“ چیک
 کرتا رہا۔
 ”میں اب آ جاؤں؟“ میں نے کھڑکی سے سر نکال کر رضوان سے کہا۔
 ”اب وہ اتنی دور نکلا گیا کہ مجھے کچھ نہیں بڑھ سکتا۔“
 رضوان میرا کھڑا ہوا اس نے جود جاتے ہوئے فریڈ کو
 ایک نظر ڈالی اور میرے سر پر ایک سیٹ پر بیٹھ گیا۔ میں کار کو
 حرکت میں لے آئی اور اس آرام باغ کی طرف موڑ دیا۔ جیٹ کاٹ کس
 مرکزی عمارت پر آگئی اور پھر میں نے رضوان سے کہا: ”میں تم کو گناہ شاید
 کوئی کام پڑ جائے؟“
 ”آج کے واقعات مجھے آسانی سے نہیں مرنے دیں گے۔ لیکن
 ”میں سے خیر دے گا؟“ لہذا آج بھی میرے دیر سے کھلے گی؟
 ”جب بھی جاگو میرے چلے آنا، ناشتہ بھی وہیں آ کے کرنا؟“
 ”شک ہے؟“
 رضوان کو اس کی بڑبڑ کے سامنے ہمارے ڈیفنس کی طرف
 روانہ ہو گئی۔ اب میرے ذہن میں سب سے اہم سوال مادی صیغ
 کی بازیافت کا تھا اور یہ معلوم: ”آسان بات نہیں تھی، لیکن آسان کا گڑب
 نے اسے کن پردوں میں چھپا کر رکھا ہوگا۔“
 جب میری گاڑی اپنے گھر کے وسیع و عریض احاطے میں داخل
 ہوئی تو میرے ذہن کو جھکا کر ساگرا گھر آسے کے سامنے پولیس کی دو
 گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ کچھ پولیس والے بھی نظر آ رہے تھے۔ میرے
 ذہن میں مختلف اندیشوں کے ناگ چمکاتے تھے۔
 میری گاڑی کو دیکھتے ہی ایک پولیس والا بہت تیزی سے اندر
 چلا گیا تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ کسی کو میری آمد کی اطلاع دینے
 گیا ہو۔
 میں نے پولیس کاروں کے پیچھے اپنی گاڑی روکی اور ان کے
 کے کے ہونٹ بھیجے ہوئے نیچے اتار دی۔ میرے قدم برآمدے کی طرف
 بڑھ رہے تھے اور ذہن گویا جو ایس اور باہر تھا۔ میں خود کو اس کے
 لیے بھی آمادہ کر رہی تھی کہ کسٹین ترین صورت حال کا سامنا کرنا
 سے کھڑا ہوں۔
 جیسے ہی میں نے برآمدے میں قدم رکھا وہاں کھڑے ہوئے
 پولیس والے اندر کھڑے ہوئے لیکن اندر سے برآمدے ہونے والے
 ایک ایس بلی نے مجھے وہ دوازے کی طرف سے ٹھٹھنے سے رک
 دیا۔ وہ میرے اور دوڑنے کے درمیان حائل ہو گیا تھا۔
 میں دھچکے اور اسے گھورتے ہوئے تھی۔ میں نے بھی ہونٹ
 بھیجے رکھے تھے۔

”مس صبر ہوا؟“ ایس پائی کا پرسوالیہ تھا۔

میں نے اسے جواب دینے کی بجائے اپنے انداز میں اپنی ایک ملازمہ کو پکارا۔ اس کے جواب میں میری دو تین ملازمائیں باہر نکلیں۔ ان کے چروں پر کچالیاں لٹڑ جی تھیں لیکن میں اندازہ نہیں لگا سکی کہ کیا واقعہ طور پر ہو چکا ہے۔

میں نے ملازماؤں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ”اسٹریٹس پائی کو بتا دو میرا نام جی مسیو ہاؤس ہے“

میں نے یہ انداز ”ایس پائی کو یہ یاد رکھانے کے لیے اختیار کیا تھا کہ میں اس سے یا اس کے فوج فترے سے مرزوب نہیں ہوں۔ ایس پائی میرے اس انداز پر جھنجھلا گیا اور غصا لیا ”کیا آپ یہ جواب برا دلاست مجھے نہیں دے سکتی تھیں؟“

”کیا فرق پتا ہے؟“ میں نے لاپرواہی سے شانے جھینے اور پھر پوئی ”میں کیا پس لپچھ سکتی ہوں کہ میرے گھر پر دغا داکس سلسلے میں بولا گیا ہے اور پوسٹ میری اجازت کے بغیر اس چار دیواری میں داخل کیسے ہوئی؟“

اب ایس پائی نے گویا جوالی کا رد وائی کی اور مجھے جواب دینے کی بجائے ایک ”اے ایس آئی“ سے بولا ”تھیں بتاؤ کہ ہم اسے پاس سرچ طرفٹ موجود ہے اور اخصیں یہ بھی بتاؤ کہ یہ ٹوکیز پر جارت سمجھیں“

”وہ کس خوشی میں؟“ میں نے مستحضرانہ لہجے میں کہا۔
”اس خوشی میں محترمہ؟“ ایس پائی نے لفظوں کو چبچاپ کر ادا کرتے ہوئے کہا ”کہ آپ نے فیصل رضانا کی ایک شخصیت کو غائب کر دیا ہے اور آپ کے خلاف رپورٹ کی گئی ہے کہ آپ کفیل رضا کو ہلاک کر سکتی ہیں“

میں نے بے تکلف مگر کڑی اپنی ملازماؤں کی طرف دیکھا۔
”وہ اپنے بستر سے غائب ہیں؟“ ایک ملازمہ میرے طرف سمجھ کر مدد سے بولی۔

”لیکن وہ اب بھی اس کے سر میں ہیں؟“ میں نے ایس پائی کی طرف دیکھتے ہوئے زور دے کر کہا۔

”کیا آپ نے کوئی عمل پڑھ کر انھیں دوسروں کی نظرتے اور جیل کر دیا ہے؟“ ایس پائی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

”میرے ساتھ آئیے؟“ میں نے کہتے ہوئے بڑے بڑے جڑو قرار انداز میں دروازے کی طرف قدم بڑھا لیا اور ایس پائی اس طرح ایک طرف ہٹ گیا جیسے میری اس حرکت کو مستحضرے بن سے تعبیر کر رہا ہو۔

ویسے اب مجھے خود بھی اتنی نہیں م نیچے موجود ہو گا اور مجھے اس میڈٹ اپ کا ہاتھ کھسکوں ہو رہا تھا۔

میرے ساتھ ساتھ ایس پائی بھی اس میں نے بسر کے قریب جا کے جھانک کر کہا

”تھا؟ وہ تو شک جو میں نے اس کے پٹا پھال ”کیا آپ کوئی چل چکا دیکھ رہی ہیں؟“

میں ہونٹ پیچ کر سیدھی کمری ہو گئی وہ دھیرے دھیرے نظر نہیں آیا جس سے میں الال

”اس نے نہ صرف کل رات کا خواب کیا ہے؟“ گھورتے ہوئے کہا۔

”دکھی نے نہیں بلکہ آپ نے انہیں کہا ”آپ خود اس کا اعتراف کر چکی ہیں۔ آپ نے نہ مل و د اس کا محسوس ثبوت ہے“

میرا سارا جسم نہل گیا۔ یہ تو گویا میں اپنے گھر میں چھپتی تھی ہوں۔

”میرے خلاف رپورٹ کس نے کی تھی؟“ کر پوچھا۔

”میرے چچیکیری نے، جن کو آپ نے خط لکھا تھا ”کیا؟“ میں حیران رہ گئی ”چچیکیری نے؟“

”جی ہاں“

”وہ کہاں ہے؟“

”آپ سوال کرنے کی جرات نہیں میرے ساتھ چلیے؟“ ایس پائی کے لہجے میں سختی آگئی۔

میں نے ذرا توقف کیا تاکہ اپنے اندر دنی نشہ پاؤں۔ آخر میں نے چپکون انداز میں کہا ”میرا چلنے سے قبل ایک فون کرنا چاہتی ہوں“

”ہندس ہند کو لٹریٹ پیج کر آپ درجن پھر فون کر فی الحال آپ کو اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی

میں نے محسوس کیا کہ ایس پائی کے لہجے میں ڈرا نہیں تھی۔ وہ کسی قدر تمہجے فون نہیں کرنے دیتا تھا کہ اپنے کسی ایسے شہنشاہ کو فون کر دوں جو کراکسی م کو میرے خلاف کوئی سخت قدم اٹھانے سے روک صورت حال میرے لیے نامساعد ہو چکی تھی۔ مجھے ا

لہذا ان فون کا لاگوٹ کے دباؤ میں ہے اور مجھے ہرگز میں کرنے دے گا۔

”جی ہاں؟“ میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

میں دروازے کی طرف مڑی۔ ”ایس پائی میرے پیچھے پیچھے

”اے ایس آئی“ میں سے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس

”اے ایس آئی“ میں سے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس

”اے ایس آئی“ میں سے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس

”اے ایس آئی“ میں سے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس

”اے ایس آئی“ میں سے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس

”اے ایس آئی“ میں سے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس

”اے ایس آئی“ میں سے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس

”اے ایس آئی“ میں سے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس

”اے ایس آئی“ میں سے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس

”اے ایس آئی“ میں سے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس

”اے ایس آئی“ میں سے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس

”اے ایس آئی“ میں سے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس

”اے ایس آئی“ میں سے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس

”اے ایس آئی“ میں سے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس

”اے ایس آئی“ میں سے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس

”اے ایس آئی“ میں سے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس

”اے ایس آئی“ میں سے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس

”اے ایس آئی“ میں سے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس

”اے ایس آئی“ میں سے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس

”اے ایس آئی“ میں سے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس

”اے ایس آئی“ میں سے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس

”اے ایس آئی“ میں سے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس

”اے ایس آئی“ میں سے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس

”اے ایس آئی“ میں سے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس

”اے ایس آئی“ میں سے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس

”اے ایس آئی“ میں سے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس

”اے ایس آئی“ میں سے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس

”اے ایس آئی“ میں سے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس

”اے ایس آئی“ میں سے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس

”اے ایس آئی“ میں سے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس

”اے ایس آئی“ میں سے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس

”اے ایس آئی“ میں سے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس

”اے ایس آئی“ میں سے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس

ایس بی کھڑکی سے سر نکال کر دھڑکا اٹو کے پھوٹا کی تم
 ٹرک کو کون سے کر کے کھڑا نہیں کر سکتے تھے؟
 جبکہ لگانے والوں میں سے ایک دوڑتا ہوا ہماری کار
 کے قریب آیا اور گھسیٹا تا ہوا بولا "ام مانی چا ہے صاب"
 "معافی کے لیے، اٹھ جاؤ ورنہ اسے!" اس نے پی دھاڑا۔
 اچانک اس شخص نے کوئی چیز کار کے اندر پھینکی۔ وہ ایک
 چھوٹا سا خٹا تھا۔ اس خٹے کے کارنز شاید پٹی میں دیوار بند
 رکھا تھا تھا۔ کار میں آتے ہی وہ کھل گیا اور ایک تیز رو کار میں پھیل
 گئی۔ اس نے پی تیزی سے اپنی کار کا دروازہ کھولا چا ابلکہ
 شاید کھول بھی لیا لیکن اس کی ذہن نہیں آسکی کہ وہ اتر بھی سکتا۔
 ادھر میں بھی اپنے پوش و خاص کھو چکی تھی۔ میرے ذہن میں تیزی
 خیال آیا تھا کہ یہ اقدام میرے کسی ایسے ہمدرد کا ہو سکتا ہے جو مجھے
 پولس کے چھینے سے نکال دے جانا چاہتا ہے۔
 مگر کون؟ وہ کون ہو سکتا ہے؟
 مجھے اس سوال پر غور کرنے کی ہمت نہیں مل سکی۔



جب مجھے ہوش آیا تو میں ایک آراستہ پرستہ اور نبات
 پر تکلف کرے میں نرم و گلاز بستر پر بیٹھی ہوئی تھی۔ آرام و آسائش کا
 وہ تمام سامان وہاں موجود تھا جو کسی میٹھ پسند انسان کی خواہشوں
 ہو سکتا ہے۔ میرے پاس ایک بھینسی عینیں، دو تھم تھم سی خوشبو پھیلی
 ہوئی تھی جو غالباً اس کمرے کی دھنیاں اس پر سے کی گئی ہوگی۔

میں ہوش میں آنے کے بعد فوری طور پر بستر سے جیس اٹھی
 تھی۔ بیہوشی سے پہلے کے واقعات میرے ذہن میں چکر لے رہے تھے۔
 میری نظر اس کمرے میں چلائی تھی۔ دفعتاً مجھے بول محسوس ہوا
 جیسے وہ کہہ رہا ہے "آہستہ آہستہ ڈنگ کار ہو۔ ڈنگ کار بٹھا کر ایساں
 دیا ہی تھا جیسے کسی کشتی میں بیٹھ کر تھکے ہیں۔ بیگنٹ تھک چکی
 اور اپنی ساری توجہ اس ڈنگ کار پر مرکوز کر دی۔ جلد ہی مجھے یقین ہو
 گیا کہ یہ لڑاؤ حساس کوئی دم نہیں تھا۔

میں نے بستر سے اترنے کے لیے پیر نیچے نکلنے تو قانون پر
 سیدھی بھی رکھنے ہوئے تھے اور میرے ہی پردوں کے سائز کے تھے۔
 میں وہ سلیپر تھیں کہ کھڑی ہو گئی اور اب میں اس دیوار کو بھی دیکھ
 سکتی تھی جو میرے سر ہانے تھی۔

اس دیوار میں مجھے تین بڑے بڑے سوراخ نظر آئے جن میں
 فینے لگے ہوئے تھے۔ ان فینوں کی دوسری طرف مجھے پانی لہریا

لینا ہوا نظر آیا۔ اس نیگلوں یا بی بی کی کبھی کوئی بھلی بھی
 ہوئی سوراخ کے سامنے سے گزر جاتی تھی۔

اب مجھے خیال آیا کہ میں کسی بڑی جہاز کے نیچے جھپٹے
 قسم کی آمد و زین ہوں۔ میں ایک جھپٹے سے پھر بستر پر بیٹھا
 سے بیٹھے کا سبب یہ ذہنی جھٹکا تھا کہ مجھے کسی بڑی جہاز کا
 لانے والا شخص کون ہو سکتا ہے؟ جب میں ہوش و برد
 یہ خیال ذہن میں پیدا ہوا تھا کہ مجھے پولس کے کنبجھ سے بنا
 شخص میر کوئی ہمدرد ہی ہو سکتا ہے لیکن اب میں اس خیال
 ذہن سے جھٹکنے پر مجبور تھی۔ میرے ہمدردوں میں کوئی بھی
 تھا جس کے پاس اس کا کوئی ذاتی ہتھیار ہوا اور آمد و زین
 سوال ہی نہیں تھا۔ تو پھر کیا اب میں کسی بین الاقوامی
 گمٹی ہوں؟ کیا میری ذات سے کسی غیر ملکی طاقت کو بڑھ
 ہے؟ وہ آمد و زین جہاز کسی حکومت ہی کا ہو سکتا تھا!
 دفعتاً میں نے فائیس جانب کی دیوار میں ایک نو
 ہوئے دیکھا۔ یہیری نظری طرف جھپٹ گئی۔ میں نے ایک شے

آتے ہوئے دیکھا۔ وہ سفید رنگ کے ایسے لباس میں
 ٹھوکر بڑے گھراؤں کے جھپٹتے ہیں۔ اس نے میرے فر
 ادب سے پوچھا۔ "معزز خاتون ناشتے سے پہلے غسل فرما
 یا بیڈ ٹینیسا پسند کریں گی؟"
 میں نے اسے جواب دینے کی بجائے سوال دا

کون ہو؟

"آپ کا خادم؟"

"تمہیں یہ فرم کسی نے سونپا ہے؟"

"میرے آفانے؟"

"تمہارا آفانہ کون ہے؟"

"مجھے اس سوال کا جواب دینے کی اجازت نہیں

قانون!" مگر نظر جھٹکے ہوئے جواب دے رہا تھا۔

"تمہارا آفانہ کہاں ہے؟"

"وہ آپ سے رات کو ملاقات کر سکیں گے۔ اس

بجے ہیں۔ رات کے آٹھ بجے تک آپ کو اسی کمرے میں

ہے۔ یہ دیکھنے گزارنے کے لیے آپ تو چاہیں مسخند ہما

ہم جتنی الامکان کوشش کریں گے کہ آپ کی طلب کردہ

ہیتا کریں؟"

"مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے نہ ذہن

میں اپنا وہی سوال دہرانے کی جسارت کروں گا کہ آپ
 پاس نہ کرنی کی یا غسل کرنا؟"

میں کہاں ہوں؟" میں نے پھر ایک سوال دہرایا۔

"ہاں میں ہیں۔" مگر نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"میں ہمارا کوئی پھر میں نے کہا۔" کیا یہ کوئی جہاز ہے؟"

کی نہیں؟"

"ہاں ہے؟"

"کی نہیں؟"

"ہم کیا ہے؟"

"میرے آفانہ کہاں خازن؟"

کی مینڈا بیٹھ میں اضافہ تو ہوا لیکن میں نے اس پر قابو

میں تھا کہ میں اس بھلے سے جھک جھک نہ کر دوں۔ مجھے

کی قسم کی معلومات حاصل نہیں ہو سکتی تھیں۔

میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا "میں پہلے غسل کروں

ل کے بعد ناشتہ؟"

متر ہے۔ دوسرے کمرے میں تشریف لے چلے؟" مگر

میں نے اس خدائی طرف اشارہ کیا جس سے گزر کر وہ اس

میں آیا تھا۔

مجھے قدم اس طرف اٹھنے لگے۔ مگر مجھ سے دو قدم

میں

"مرا کر وہی پہلے کمرے کی طرح خاصا کشادہ تھا۔ اسے

میں نے دم کے طور پر استعمال کیا جاتا ہوا کہ کچھ دہان ڈانٹنگ

اور کمروں کے علاوہ صرف آرائشی چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔

میں نے مجھے صرف ایک دروازہ نظر آیا۔ میں نے ادھر ٹھہر

میں بھلے سے بولی "کہاں ہے ہاتھ دوم؟"

"میرے اسی دروازے کی طرف اشارہ کیا اور بولا "یہ

میں کا دروازہ ہے معزز خاتون!"

"میں کمرے سے باہر جانے کا دروازہ کہاں ہے؟"

"یہ نظر جھکا دی اور خاموش کھڑا رہا۔ غالباً وہ میرے

میں کا بھی جواب نہیں دینا چاہتا تھا۔

میں ایک شخصہ اس سانس لے کر تھا کہ دم کے دروازے

میں ہو گئی۔

منزل کرنے کے بعد مجھے اپنا وہی لباس پھر پہننا پڑا جو

میں پہنے ہوئے تھی۔ جب میں باہر دوم سے نکلی تو

میں نے دیکھا کہ ڈانٹنگ میبل پر نہایت بڑے مختلف ناشتہ موجود
 تھا۔

جب تک میں نے ناشتہ کیا، مگر بڑے ادب سے ایک

طرف کھڑا ہوا اور جب میں ناشتہ کر چکی تو وہ بولا "اب آپ اپنے

آرام گاہ میں تشریف لے جائیے!۔۔۔ اور ہاں! یہ بھی بتا دیجئے

کہ آپ کتنا کھانے کے لیے کس وقت کا انتخاب کریں گی؟"

"بارہ بجے ناشتہ کیا ہے، اب کتنا کیا کھاؤں گی۔ اگر

میں نہ تو شام کی چائے کے ساتھ کچھ سینیٹس لے آتا۔ کتنا تو

میں رات ہی کو کھاؤں گی۔ اس وقت تک تجھے آفانے کا نام

بھی آجائیں گے۔ میرے لیے میں خفیت سا ملز تھا۔

"جی ہاں! مگر نے سٹاٹ لکھے ہیں کہا "رات کا کتنا آپ

ہی کے ساتھ کھاؤں گی؟"

میں واپس اسی کمرے کی طرف بڑھی جہاں مجھے ہوش آیا تھا

جب میں بستر پر بیٹھ گئی تو میں نے پٹ کر اس کی طرف دیکھا جہاں

لیکن اب وہ خلابند ہو چکا تھا۔

رات سے پہلے میری اس بھن کا فائدہ نہیں ہو سکتا تھا کہ

کس کی قیدی ہوں۔ ہر چند کہ میں ایک پُر آسائش کمرے میں تھی

لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا تھا کہ میری حیثیت ایک

قیدی کی سی تھی اور میری کچھ نہیں ہیں۔ آہا کہ میں کس کی قیدی

ہوں۔ میرے خیال کے مطابق وہ خان آف کالا گوٹ تو نہیں ہو

سکتا تھا۔ خان نے تو مجھے پولس کے حال میں پھنسانے کے لیے

پاڑ بیٹھے تھے، پھر وہ مجھے پولس کے شکنجے سے کیوں نکالتا؟

میں بستر پر لیٹ گئی اور صورت حال پر غور کرتی رہی لیکن

میری تھیں کچھ نہیں آسکا۔ پھر کچھ عنوان کے بارے میں سوچنے

لگی۔ وہ لیٹنگ میری تلاش میں سرگرداں ہو گا لیکن کیا یہ ممکن ہے

کہ وہ مجھے دھوٹنا ہوا یہاں پہنچ جائے۔

میں ایسے ہی مختلف النوع خیالات میں ابھی رہی اور میں

بچ گئے۔ اس وقت ایک بار پھر دیوار میں خلابند ہوا۔ میں

اس طرف دیکھنے لگی۔ ایک شخص ایک بہت بڑے فریم کی مٹائی کو

دیکھتا ہوا اندر لایا۔ اس فریم میں ایک سفید پردہ لگا ہوا تھا،

جیسے فلم اسکرین!

اسکرین لائے والا شخص مگر نہیں کوئی اور تھا۔ اس نے

اسکرین کو ایک جانب کی دیوار سے لگا کھڑا کر دیا اور مجھ سے

مطالب ہوئے لیکن واپس چلا گیا۔ دیوار کا خلا پھر مابہر ہو گیا۔

951

”کیا آپ نینٹ پینا پسند کریں گی؟“ وہ کہنے لگی۔
 میں بولی۔
 اس وقت میرا دماغ منسار تھا۔ میری نگاہ اس جسامت کی خطوں میں الجھی ہوئی تھی۔
 ”آپ نے جواب نہیں دیا؟“ وہ اٹھ کر صبر بولی۔
 پتہ نہیں لگا۔

میں اس وقت جذباتی طور پر طوفان کی طرح امٹا۔
 ایسے موقعوں پر عموماً چھٹی حس کا نہیں کرتی لیکن یہ سن کر گھٹی۔ مجھے حیرت بخیز طور پر ایک خطرے کا احساس ہوا۔
 اس سے سیٹھ آپ کی وجہ میری سمجھ میں آنے لگی۔ پہلے کہ میرے جذبات برا سمجھتے کیے گئے اور فوراً ہی کہ شراب کی چوڑی لے کر میرے پاس آگئی۔ جن لوگوں نے رکھا تھا وہ میری افتادہ طبع سے بخوبی واقف ہوں۔
 مزور یہ اندازہ ہوا کہ کس حسن و شراب کی اس لہریں اور وہ اپنے مقصد کا کامیاب ہوجائیں گے۔ مگر ان کے پاس میرے کسی سے ذہن میں شہد جاگ اٹھا۔ یہ میں کرے کہ کسی جتنے میں کوئی خود کار مودی کیمرہ پوش ہو۔
 ”مجھے بستر کی طرف ہوا گئی اس لڑکی کو اپنے جذبات سمیٹتی تو وہ خفیہ کیمرہ ایک اور ٹولہ تیار کر لیتا جو کسی وقت اس انتظار کی جاسکتی تھی۔

یہ سب خیالات پہلے میرے ذہن میں گھوم رہے تھے۔
 اور مجھے یہ ناخوشگوار فیصلہ کرنا پڑا کہ میں جو خدمت پر اپنا قابو میں رکھوں گی۔
 ”میں نینٹ ہی بول رہی ہوں۔ میں نے سہاٹ لیا۔
 کہا وہ لیکن تم محنت نہ کرو۔“
 ”اس میں زحمت کی کیا بات ہے۔ معزز خاتون! یہ خدمت ہی پر سامور کیا گیا ہے۔“
 ”شوہر! میں اس مسئلے میں اپنی خدمت خود کروا سکتی ہوں۔ میں نے سوچ لیا۔ میں تم کو لے کر آؤں۔
 ”لیکن۔۔۔“
 ”جداؤ! میں اب فیصلہ انداز میں بولی۔ کیا تم کو

اجانک وہ اسکرین روشن ہو گئی۔ میری نظر اس طرف اٹھی۔
 مدھر سے اسکرین پر دو خوشی پر خرم تھیں۔ میں نے اسکرین کی سامنے والی دیوار میں ایک سوراخ دیکھا۔ اسی سوراخ سے وہ روشنی اسکرین پر ڈالی جا رہی تھی۔ میں نقیب سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ سوراخ وہاں پہلے سے نہیں تھا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ دیوار کے خلا کی طرح وہ بھی کسی میکانزم کی کارکردگی کا نتیجہ ہو گا۔
 پھر کچھ رنگوں کی آئینہ نشی نے مجھے دوبارہ اسکرین کی طرف متوجہ کر دیا۔ ایک رنگین فلم شروع ہو چکی تھی۔ ایک ہی ہوائی جہاز کا ایک خوبصورت لڑکی لٹی ہوئی رسالہ پڑھ رہی تھی۔ دروازہ کھلا اور ایک مرد اس کمرے میں داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی لڑکی نے رسالہ رکھ دیا اور اس طرح مسکراتی ہوئی بستر سے اٹھی، جیسے اسے والے مڑکا استقبال کر رہی ہو۔

میرا منہ ہی گیا۔ یہ فلم گویا میری دل بستگی کے لیے دکھائی جا رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہ مرد اور لڑکی ہم آغوش ہو گئے تھے اور اپنی اپنی شہزادی کا اظہار کر رہے تھے۔ اس قسم کے مناظر تقریباً جتنی انگریزی فلموں میں نظر آتے ہیں۔
 لیکن اس بوس دکنار کے بعد وہ مرد کچھ زیادہ ہی ”حارح“ ہوتا چلا گیا۔ لڑکی کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ وہ فلمی خود پردہ کی کے عالم میں نظر آ رہی تھی۔

پھر علامہ ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ ایک بول فحش لڑکی کا سراپا دیکھ کر میرا جسم جھنجھٹا اٹھا اور میرے جذبات پر اچھوٹے ہوئے۔
 وہ مرد اور لڑکی اب بستر پر تھے۔ میں جو کچھ دیکھ رہی تھی وہ ایسا ہی تھا کہ میرے جذبات متعطل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔
 دس منٹ میں فلم ختم ہو گئی۔ اسکرین اب سفید ہو چکی تھی اور اس کی مخالفت محنت کا سوراخ بھی بند ہو چکا تھا لیکن میرے جسم میں ایک آگ بھڑک اٹھی تھی۔

اسی وقت دیوار کا خلا بھی مڑا ہوا اور اس مرتبہ اندر آنے والی ہستی ایک حسین و جمیل لڑکی تھی۔ اس نے ایک تحریری سا گواڈن پہن رکھا تھا اور اس کے جسامت کی خطوں اس طرح جھللا رہے تھے جیسے بادلوں کی کسی ہلکی پرت سے چاند نکلتا ہے۔ اس کے ہاتھوں میں ایک نئی قسم کی شراب کی ایک بوتل اور ایک گلاس رکھا ہوا تھا۔ وہ اپنی مسکراہٹ کی بجائیں گرائی ہوئی آنکھیں آئی۔ اس نے وہ رٹے ایک چھوٹی سی پٹائی پر رکھی اور پھر اس پٹائی کو اٹھا کر میرے بستر کے قریب لاکھا۔

نہ برس اپنے میزبان سے تصادمی شکاریت کروں؟
 ”کیا جسے پھر سواری چھیل گئی۔ پتا نہیں وہ نہایت کی کیس اور احساس کی، میں کوئی اندازہ نہیں کر سکتی۔ بھال بال کی طرف بڑھ گئی جس کا غلہ بند ہو چکا تھا لیکن جب وہ اس کے قریب پہنچی تو وہ خلا پھر نمودار ہو گیا۔ اس کی دل میں نے غلہ کو پھر نمودار ہونے دیکھا۔ اب مجھے اس کا بھی لگا ہوا اس کمرے میں کوئی ماحول فون اور ٹیلی ویژن آئی بھی پڑو۔
 وہ بچہ بیٹھا ہوا کوئی شخص اس کمرے میں ہونے والی ہر بات کا عواو اس کمرے کے ہر نظر کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے اس حرکت دہی ہوئی جس سے دیواریں غلا پھرا ہوا اور اس اہمیت کے بعد بند ہو گیا۔

میں نے گلاس میں شراب اٹھائی اور پے درپے کئی ہلکی ہلکی مائیں۔ میرے سینے میں بھی کسی دھک اٹھی۔ نینٹ شراب و سے مینا مناسب نہیں ہوتا لیکن میں جلد از جلد زیادہ سے اب اپنے معدے میں پہنچا لینا چاہتی تھی۔ جب میرے منہ میں تھیں تو ان کو مشنڈا کرنے کی طرف دو ہی صورتیں ملے۔ لیکن ہوتی ہیں، حسن یا شراب! اب لوگ کہتے ہیں کہ تڑپا بات اور بھڑکتے ہیں لیکن میرا معاملہ مختلف ہے۔ میں شراب مارا لے کر اپنے جذبات کے شہزادہ زعفرین کو کوا بوس کر

دلی۔
 میں نے اتنی پی کا بھر مجھے کچھ پوٹ نہ رہا۔
 جب مجھے کچھ پوٹ آیا تو میں نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی۔ راتھے کی گھنٹہ تھی۔ میں کوئی بھی نہیں کر رہی تھی۔ میں نے اس سے دن میں دیکھ چکی تھی۔ وہاں کچھ ایسی رشتہ کی کا تھا تھا۔ بولوں کی روشنی محسوس ہوتی تھی اور اندازہ بھی نہیں ہوا تھا۔ ”موزی روشنی ہے۔“
 میں بستر سے اٹھی۔ شراب کا شمار اب بھی باقی تھا لیکن لہڑتے جذبات کے عافیت کو چھوٹے تھے۔ میں نے بٹل پر نظر ڈالی تو مجھے لگا کہ میں آدھی سے کچھ زیادہ پی گئی تھی۔

کچھ موزی کرئیں نے بلند آواز میں کہا ”مجھے یقین ہے کہ میری“
 ”ن شمع تنگ جڑو پیچیدہ ہی ہوگی۔ میں اس شخص سے“
 ”اب ہوں اور اس سے کہنا چاہتی ہوں کہ مجھے مشکل نہ پڑے۔“
 میرا اندازہ بالکل درست ثابت ہوا۔ بیشک پندرہ سینکڑہ بعد میں خلا پیدا ہو گیا۔ میں اس سے زور کر دے کر میرے میں

پہنچی جہاں اس وقت کوئی نہیں تھا۔ میں نے ہاتھ روم کا رخ کیا اور غسل کرنے کے بعد پھر اسی کمرے میں آگئی۔ میرے آنے کے بعد دیوار کا خلا برابر ہو گیا اور میں ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر اپنے بال درست کرنے لگی۔

اب آٹھ بجے تھے اور میٹر نے دن میں مجھے تباہ کیا تھا۔ اس وقت کھانے کی میز پر اپنے میزبان سے ملاقات کر سکی۔ اب یہ سوال بڑی شدت سے میرے ذہن میں اچل پھل جانے لگا کہ میرا وہ میزبان کون ہو گا؟

ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے دیوار میں وہ خلا پھر پیدا ہوا اور میں نے اسی شکل دیکھی۔
 ”معزز خاتون!“ وہ بولا ”کیا تا میز پر لگایا جا چکا ہے اور میرے آٹھ بجے منتظر ہیں؟“

میں اٹھی اور دھوکتے دل سے دیوار کے خلا کی طرف بڑھی۔
 ٹیبل کے سامنے سے ہٹ گیا۔ میں دوسری طرف پہنچی اور اس طرف پہنچتے ہی میرے قدم ڈھیر کے لیے غرض سے جم کر رہ گئے۔
 ڈانٹنگ ٹیبل کے کمرے کی کرسی پر خان آف کالوٹ براہمان تھا۔ اس کے ہونٹ پر بڑی متعجب و مسکراہٹ کیل رہی تھی اور آنکھوں سے تسخیر جھانک رہا تھا۔
 ”تشریف... لائیے... معزز... خاتون!“ وہ نظروں کو چڑھا کر بولا۔

میں نے خود کو بتدانی جھٹکے سے سنبھالا اور آگے پہنچی۔ اب میں خود کو بالکل مطمئن لگا رہ کر نے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے خان کے سامنے والی کرسی سنبھالی اور بیٹھ گئی۔ میں نے اپنے چہرے پر اطمینان و سکون پھیلایا تھا لیکن ذہنی طور پر شدید انتظار میں مبتلا تھی۔ میرے خیال کے مطابق یہ میرا میزبان خان آف کالوٹ ”کو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ آخر اس کی کمزورتھی کہ مجھے پورے کمرے کے شیکنے سے پہلے ایک جیسے یقین کے مطابق مجھے پورے کمرے کے شیکنے میں پہنچانے والا بھی وہی تھا۔

لیکن اب جب میں نے حالات کو ایک اور زاویے سے دیکھا تو فرح کیا تو بات کچھ کمزوری سمجھ میں آنے لگی۔
 ”موزی خاتون!“ خان آف کالوٹ سپاٹ لمبے میں بولا۔

میں نے اپنی پلٹیں میری کس اور ایک کتاب اٹھا کر اس میں سے مجھے ہوائی جہاز نکالنے لگی۔

واقعات کا سلسلہ اب بسترِ زمین میں کچھ اس طرح آگیا تھا کہ
ننان نہ مرتبہ پہلا چکر تو مجھے یہ دیا کہ صادق معیب کو غائب کر دیا۔

میرے متعلق مکمل تحقیقات کر لی تھیں جبکہ میرے
کے شیطان پہلوؤں سے واقفیت نہیں تھی۔ میں اس
بے پرواہی اور تم دار ہر وار کرتے چلے گئے مہم

”کیا تم سمجھتی ہو کہ میں تمہیں چھوڑ دوں گا؟“
”ہاں! مجھے یقین ہے“
”اس یقین کا سبب؟“

”اس کا سبب یہ ہے کہ میں اب بھی تم سے ۱۱
کے لیے تیار نہیں ہوں۔ میں تمہیں ہرگز نہیں بتاؤں گی کہ
کے ڈراٹور کے بارے میں مجھے کیا معلوم ہے اور میں
کو سب سے کم پہنچا چکی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر میں
یہ بتا دیا تو پھر تم مجھے ایک منٹ بھی زندہ نہیں بہت ۱۱
میری لاش کا بھی پتا نہ چل سکے گی اس وقت میں تھا
میں بھی ہوں۔“

”لیکن میں تمہیں چھوڑوں گا کیوں؟“

”اے میرے کباہر کے حالات اب میرے لیے سارا
گے۔ مجھے شدید مشکلات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ نیز تم
میں اضافی کی ہم جم جاتی رہو گے تاکہ میں تم تک نہ پہنچ سکوں۔“

”تم واقعی ذہین عورت ہو۔ مجھے اعتراف ہے کہ تم
حالات کا بالکل صحیح تجزیہ کیا ہے لیکن تم نے جو ایک اندازہ
ہے اس میں تم غلط رہو۔“

”کون سا اندازہ؟“

”وہ اندازہ جو ابھی تمہارے ذہن میں ہے۔ جس کا نام
ظہار نہیں کیلے ہے۔“
”یعنی؟“
”یعنی تم یہ سمجھ رہی ہو کہ میں ملے نکلنے کے بعد تمہیں ملا
کے کسی نہ کسی طرح نمٹ ہی لوں گی۔“

”ہاں! اس کا تو مجھے یقین ہے۔“

”تم غلط رہو۔“

”اس کا فیصلہ تو وقت ہی کرے گا۔“

”گویا تم اب بھی اپنی مذہب پر قائم ہو؟“

”میں نے کہا تھا کہ اسی پر میری زندگی کا دارومدار ہے۔“
”میں وعدہ کرتا ہوں۔۔۔“

تم میرے لوگوں کے وعدوں کا وزن خوب جانتی
۱۱ کا لاگوٹ مجھے گھونسنے لگا۔
۱۱ ان فٹے ٹیکنے پر مجبور ہو جاؤ گی! وہ دوسرے توقف
نہیں ہو لگا۔

اس نے کا انتظار کرنا پڑا تھا۔ دیکھ آج تم نے جو
۱۱ کیا یا پتا تھا وہ مجھے گھٹے ٹیکنے پر مجبور کر دیتا لیکن میں
سہل گئی۔“

”اس کا سبب؟“

”میرے ہوش و حواس معطل ہو گئے۔“
”پھر میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھ کر جان رو گئی کہ میں
اپنے گھر میں اپنی خواب گاہ میں تھی۔ میری ملازمہ خاص میرے
سر پر لے گئی تھی اور قریب ہی ایک کرسی ڈالنے رضوان بیٹھا ہوا
تھا۔ میری کلائی اس کے ہاتھ میں تھی اور وہ میری نبض دیکھ رہا
تھا۔ اس نے میری آنکھیں کھلتی دیکھیں تو نبض چھوڑ دی اور
ملازمہ سے کہا: اب تم جاؤ!“

”کیا تم نے سنا نہیں؟“ خان غزالیہ

”میں سمجھ گئی کہ خان میرے سامنے یہاں سے رخصت ہونا
کا متلاطم خلا کی طرف متوجہ ہیں اس کے قریب پہنچ کر میں
گرا کے چھپے دیکھا اور بولی: مجھے یہاں کب تک قید
ہوے؟“

”کب تک میں چاہوں گا۔“

”مگر کب تک چاہو گے؟“ میرا انداز غصہ والے والا تھا۔
”یاد؟“ خان نے میرے گھونسا مارا۔

”میں آہستہ سے تنہی اور ضامین داخل ہو کر تکی کی طرف
چلی گئی۔ ویسے عرومیں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہاں
آخری ہی رات ہوگی۔ مجھے مزید قید رکھنے کا اب کوئی
میں تھا۔“

میں نے ابھی کھا تھا تھا اس لیے فوراً ہی بستر
کی جاسے کر کے میں ٹپٹپٹ لگی۔ ٹپٹلے ہوئے میں یہ اندازہ
کہ کوئی کوشش کر رہی تھی کہ میری عدم موجودگی میں حالات
میرے خراب ہو چکے ہوں گے اور ان سے نبرد آزما ہونے
لیے مجھے کیا کچھ کرنا ہوگا۔

ٹپٹلے ٹپٹلے مجھے دفتر ایک عجیب سی بھوس بھوس ہوئی۔

یہ تو اس کے میں پہلے نہیں تھی میں نے اس کو پوری طرح
محسوس کرنے کے لیے ایک لباس اس لیا اور اس کے ساتھ ہی
مجھے یوں لگا جیسے میرے دماغ پر غبار سا چھا چلا جا رہا ہو۔
میرے قدم بھی لڑکھڑکھنے اور میں سمجھ گئی کہ کیا ہونے والا ہے۔
مجھے یہ کوشش کرنے کے لیے کر رہی تھی کہ میں چھوڑی
گئی تھی میں نے اس وقت صرف یہ سوچا کہ کھینچا اب آنکھ کھلی
کھلتی ہے!

میں بھوش ہونے سے پہلے بستر تک پہنچ گئی تاکہ
اور اصرار دیکھ کر کر کوئی چوٹ نہ کھا جاؤں جیسے ہی میں بستر
پر ڈھیر ہوئی میرے ہوش و حواس معطل ہو گئے۔
پھر میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھ کر جان رو گئی کہ میں
اپنے گھر میں اپنی خواب گاہ میں تھی۔ میری ملازمہ خاص میرے
سر پر لے گئی تھی اور قریب ہی ایک کرسی ڈالنے رضوان بیٹھا ہوا
تھا۔ میری کلائی اس کے ہاتھ میں تھی اور وہ میری نبض دیکھ رہا
تھا۔ اس نے میری آنکھیں کھلتی دیکھیں تو نبض چھوڑ دی اور
ملازمہ سے کہا: اب تم جاؤ!“

ملازمہ چلی گئی اور میں بستر سے اٹھ بیٹھی۔ دیوار گیر کلاک بارہ
بجے کا اعلان کر رہا تھا۔ گویا میں صحت مند لڑکی تھی
جس کی ایک حیرت انگیز لڑکی تھی۔ میری نبض دیکھ رہا
تھا۔ اس نے میری آنکھیں کھلتی دیکھیں تو نبض چھوڑ دی اور
ملازمہ سے کہا: اب تم جاؤ!“

رضوان تشویش کی نظر سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔
”میں یہاں کیسے پہنچی؟“ میں نے اس سے پوچھا۔
”کسی نے فون پر آپ کی ملازمہ کو بتایا تھا کہ آپ بیہوشی
کی حالت میں یہاں تک پہنچ رہی ہوئی ہیں۔ یہ اطلاع درست ثابت
ہوئی اور یہ سب مل کر آپ کو یہاں اٹھا لائیں۔ فوراً ہی انہوں نے
مجھے فون کیا۔ اتفاق سے میں اس وقت گھر میں داخل ہو رہی
تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ بہرحال یہ اطلاع ملتے ہی میں فوراً نکل
اڑا۔ اب یہاں پہنچ گیا۔“

”اور کل رات؟“

”کل رات بھی یہی ہوا تھا۔ آپ کی ملازمہ کا فون ملتے ہی
میں یہاں پہنچا اور مجھے آپ کی گرفتاری کی تفصیلات بتائی
گئیں۔ میں فوراً ہی پولیس میں جا کر اس کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں
پہنچ کر پتا چلا کہ ابھی تک وہ لوگ آپ کو لے کر وہاں نہیں پہنچے۔
اس کے چند ہی لمحے بعد یہ اطلاع ملی کہ کچھ معاملہ لوگ آپ کو

پولس کی گرفت سے نکال لے گئے۔

”ہوں! میں! استفادہ میں لڑنے سے رضوان کی طرف دیکھتی رہی۔ میں چاہتی تھی کہ رضوان مجھے اب تک کے مکمل کوائف سے آگاہ کر دے۔“

رضوان نے معمولی طور پر بخشیدہ بھی نظر آ رہا تھا اس نے فضول باتوں کو نہیں چھیڑا اور مجھے بتانے لگا یہ واقعہ محکمہ پولس کے لیے ایک ہنگامہ خیز واقعہ تھا ہینڈ کوآرٹرمیں ایک بچپل جمع گئی تھی اور اس نے اپنی جعفر کو کسی زہریلے ناگ کی طرح بل کھا رہا تھا۔

”اُس! اُس! ہاں! ہاں! کا نام جعفر ہے جس نے مجھے گرفتار کیا تھا؟“

”اچھا! پھر تم نے کیا کیا ہے؟“

”مجھے سب سے پہلے یہ خبر لاتی ہوئی تھی کہ یہ خباہات میں نہ آنے پائے۔ میری بڑی بھائی کی بات تھی کہ آپ کو ایک مفور ملازم گردا جائے۔ مجھے اس خبر کو روکنے کے سلسلے میں بہت بھاگ دوڑ کرنا پڑی جہاں تک میں اسٹاٹو و سوج کو استعمال کر سکتا تھا، وہ میں نے کیا اور جہاں مجھے بسنے کا احساس ہوا وہاں میں نے ان بڑے لوگوں کی مدد حاصل کی جو آپ کے دوست ہیں۔ بہر حال اس تک دو کا قیہ بن چکا کہ آج کے کسی اخبار میں بھی وہ خبر نہ آسکی۔“

”تم نے ایک شاندار کارنامہ سر انجام دیا ہے۔“ میں نے رضوان کو تحسین آمیز نظر سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”لیکن یہ سب چکر کیا ہے؟“

”خان آف کالاگوٹ۔“ میں نے ٹھنڈا سا سانس لے کر کہا۔

”میرا بھی یہی خیال تھا۔“ رضوان نے سر ہلا کر کہا۔ اور

مجھے بھی یقین تھا کہ وہ دو ایک دن میں آپ کو کھوڑ بھی دے گا۔ اگر آپ حالات سے پریشان ہو کر اس کی بات مان لیں۔“

”کیا حالات بہت بگڑ چکے ہیں؟“

”دراصل آپ کی وہ خبر آپ کے لیے بھنڈا بن کر گئی ہے۔ وزارت کی سطح پر بھی اس معاملے میں دلچسپی جا رہی ہے اور آج ہی کو برلن ولسٹ یکم ملے گا۔ آپ کو جلد از جلد گرفتار کیا جائے گا۔ لیکن بدستور اس، پی جی جعفر کے ہاتھ میں ہے۔ وہ بالآخر خان آف کالاگوٹ کا خاص قہر ہے۔“

”لیکن چنگیزی نے میرے خلاف رپورٹ کیے کر دی؟“

”آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ رپورٹ کرنے والا نہیں ہے۔“

”پھر؟ میں نے تعجب سے پوچھا۔“

”وہ دراب چنگیزی نامی ایک شخص ہے۔“

”وہ کہاں سے نکل پڑا؟“ میری حیرت بڑھ رہی تھی۔

”میرا ذاتی خیال ہے کہ وہ خان آف کالاگوٹ کا ملازم ہے۔“

”چونکہ آپ نے شقائق چنگیزی کو جو غلط لکھا تھا اس نے صرف چنگیزی کے نام سے مخاطب کیا تھا لہذا اس کی کسی بھی چنگیزی سے منسوب کیا جاسکتا ہے۔“

”اوہ! (میرے منہ سے اتنا ہی نکل سکا۔“

”سو اب آپ کا ایک حریف دراب چنگیزی بھی“

”نہیں۔“ وہ بس ایک مہرہ ہے، لیکن اس نے اس سے

بارے میں پولس کو کیا بتایا کہ میں نے کنیل رضا کو گواہ کیا ہے؟“

”اس کا کیا نام ہے کہ آپ کنیل رضا سے کچھ بات چیت کرنا چاہتے ہیں؟“

”لینا چاہتی ہیں اور اگر ان کا غناات پر دستخط ہو گئے تو کنیل

دو بجے کے کارواں کا ایک بہت بڑا حصہ آپ کی ملکیت میں آجائے گا۔“

”کیا ایسا ممکن ہے؟“ میرا منہ بند ہو گیا۔

”دراصل اس سلسلے میں خان آف کالاگوٹ کو رول

سوچنے کا موقع نہیں مل سکا ہو گا۔“ رضوان نے کہا۔

”اچانک اس کے سامنے آیا اور اس نے اس خط کو آپ کے

استعمال کرنے کے لیے دراب چنگیزی کو سامنے کر دیا۔“

”اسے نہیں سکا کہ وہ سوج مجھے دراب چنگیزی سے

مضبوط بیان دلوا سکتا۔“

”دفعہ میں نے چونکہ گھر میں دیکھی ہیں گفتگو کرنا

دس منٹ گزر گئے تھے اور اس سے پہلے بھی میرا کچھ وقت گزر چکا تھا۔“

”مجھے یہاں سے فوراً فرصت ہونا چاہیے۔“ میں

کہا اور تیزی سے کپڑوں کی الماری کا رخ کیا۔

”یا وحشت! آخر فوری رخصت کی کیا ضرورت پیش آئی؟“

رضوان بولا۔

”خان آف کالاگوٹ کا مقصد مجھے پریشان کرنا ہی تو ہے۔“

”تو پھر؟“

”اب تک اس، اپنی جعفر کو اس بات کی اطلاع دی جا

چاہی ہو۔“ وہ کسی وقت بھی یہاں پہنچ سکتا

لاماری سے اپنے کچھ کپڑے نکالتے ہوئے کہا۔

”بس ہینڈ کوآرٹرمیں اپنے کچھ ڈیویس کو صرف

ماہر کر رکھنا ہے کہ اگر آپ کے ہاتھ میں وہاں

تو وہ لوگ مجھے فوراً فون پر اطلاع دیں میں

گھر کے ملاوہ یہاں کا فون نمبر بھی دے دیا ہے۔“

”اے! میں کب اس، اپنی جعفر کو میرے بارے

میں جانے دو وہ پولس ہینڈ کوآرٹرمیں ہیں۔“

”اے! اس وقت جعفر کو اپنے گھر پر ہی ہونا

پڑے گا۔“

”اے! میں نے اس سے قبل اسے پولس ہینڈ کوآرٹرمیں

بھی پڑے گا۔“

”میں ٹھیک کر رہے ہوں۔“ میں نے کہا لیکن اپنا کام

پورے اور کچھ مزدوری سامان آپ کی پس میں بھر

لوں سے پوچھا۔“ پولس ہینڈ کوآرٹرمیں تم نے کس

”اے! درکار کیا ہے؟“

”کوئی ہیں۔“ بریٹش کراٹم پورٹران سبھی سے بڑا

اور یہ وہ لوگ ہیں جو اس، اپنی جعفر سے بہت نالاں

ہے۔“ دفعہ بڑا تیز انداز میں نہایت سخت گھر ہے۔ اپنے

ہاتھ میں اس کا لٹائی نہیں اور اپنے آنتوں کو ذرا فاسی

لہا بھی دے بیٹھے نہیں رہتا۔“

”اے! جی بند کی؟“ بہر حال بہتر ہے کہ میں جلد از جلد

اپنی ملازمت کو آواز دے کر چلا جاؤں اور اس سے پوچھا۔

”میں کسی کا فون تو نہیں آتا تھا؟“

”میرے بھی کئی مرتبہ فون آیا اور سنسکا اور سونیا بھی

میں کا فون آئے تو کہہ دیا کہ میں اس وقت تھوڑی

میں لہجہ کچھ کے بغیر دوبارہ مل گئی ہوں۔“

”اے! یہ باتیں کیا ضرورت ہے؟“ رضوان بول

”کو تو بتانا زیادہ مزدوری ہے۔“ لانا ڈول نے گزیری

بھول بولا تو دراب چنگیزی ان کی جان کو آواز دے گا۔

”اڈن کا بیان اس کی نظر میں اس اقلاد سے زیادہ

مستبر نہیں ہوگا جو اسے خان آف کالاگوٹ کی طرف سے ملے گی۔“

”ہوں! رضوان نے سر ہلا دیا۔“ بات تو ٹھیک ہے۔“

”اچھا! اٹھو! میں نے رضوان سے چلنے کے لیے کہا۔“

رضوان اٹھا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے

جلدی سے اسے اگے کر لے لیا اور دیکھا کہ فون میں بولی

”ہیلو!۔“

”رضوان صاحب ہیں؟“ ایک آہنی آواز سنائی دی۔

”جی ہاں۔۔۔ ایک سیکنڈ یہ میں نے کہا اور پھر سپور رضوان

کی طرف بڑھا دیا تھا اور فون ہے۔“

”ہیلو! رضوان نے گفتگو شروع کی۔“ ہوں۔۔۔ ہوں۔۔۔“

اس کی پیشانی پر سونیاں پڑ گئیں۔ میں غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہی

تھی میرے خیال کے مطابق وہ کال پولس ہینڈ کوآرٹرمیں سے

آئی تھی اور یقیناً وہ یہی اطلاع ہوگی کہ اس، اپنی جعفر پولس

ہینڈ کوآرٹرمیں چکا ہے۔“

میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ رضوان نے جلد ہی سپور

دیکھ دیا اور مجھ سے بولا۔“ اس، اپنی جعفر یہاں رینڈ کرنے کے لیے

ایک منٹ قبل پولس ہینڈ کوآرٹرمیں سے روانہ ہو چکا ہے۔“

”میں نے پہلے ہی کہا تھا اس، اب نکل چلا۔“

”ہم دونوں بہت تیزی سے باہر آئے۔“

”میں تمھاری موٹر سائیکل ہی پر چڑھ گئی ہوں۔“ میں نے کہا۔

”چنانچہ کہاں ہے؟“ رضوان نے موٹر سائیکل اشارت کرنے

کے لیے گل لگاتے ہوئے پوچھا۔

”میں اس سلسلے میں ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کر سکی

ہوں۔“ تم بس جلدی سے نکل دو جلد اور کوئی ایسا راستہ اختیار کرو

کہ پولس ہینڈ کوآرٹرمیں سے آنے والی پولس کار سے مل نہ

ہو سکے۔“

”اس میں بھی شک نہیں ہوں۔“ رضوان نے منہ بنا کر کہا۔

”موٹر سائیکل اشارت ہو چکی تھی۔“ میں پھل سیٹ پر بیٹھ گئی۔

”اے! میں بھی میں نے ہی منہ ہال رکھا تھا۔“ موٹر سائیکل بھاگنے سے

نکل کر ایک کمرے میں فرار ہو گئی۔ اس وقت میرے ذہن میں

صرف یہ سوال گونج رہا تھا کہ کتنے کماں روپوش ہونا چاہیے ہیں۔

ماہی کے اوراق اٹھنا شروع کیے اور گویا ان لوگوں کو یاد آ کر شروع

کیا جو بھی مجھ سے بہت قریب رہی تھیں۔“

مجھے ایک بڑی یاد آئی اور میرے ذہن میں ٹرین کی ”چھک

چمک، گونجنے لگی۔ میں ٹرین میں بندھی یا پشاور جا رہی تھی جب میری پہلی ملاقات غزالہ سے ہوئی تھی۔ وہ اپنے بوٹھے باپ کے ساتھ تھی، کپڑے منظم، تینوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ شروع تو خفی غزالہ کے باپ کی بصارت زائل ہو چکی تھی اس لیے ہم دونوں نے خود کو اکیلے ہی محسوس کیا تھا اور ہمارا تہمتا کی ملک مملکت تھی۔ پھر کراچی میں بھی غزالہ سے کئی سانی ملاقاتیں ہوئی تھیں اور اس آواز نے لڑکی نے میرے دل ایک اہم کام بھی انجام دے رکھے لیکن جیسے ہی تہمتا پہلی گئی تو ملاقاتوں کا سلسلہ ایک طویل عرصے کے لیے ٹوٹ گیا۔ اس عرصے میں غزالہ کی شادی بھی ہو گئی۔ آخری مرتبہ میں اس سے کوئی چھ ماہ قبل ملتی تھی جب وہ اپنے دو بچوں اور کالے شوہر کے ساتھ اپنی پریشانی بیک کر رہی تھی۔ غزالہ کو دو بچوں کی ماں کے روپ میں دیکھ کر مجھے بڑا عجیب سا محسوس ہوا تھا۔ وہ ملاقات بہت سرسری سی تھی۔ کھڑے کھڑے چند باتیں ہوئی تھیں۔ غزالہ نے اپنے شوہر سے میرا تعارف بھی کر لیا تھا اور اپنے گھر کا پتہ بھی بتایا تھا کہ میں کبھی اس سے ملتے اس کے گھر آؤں۔ میں ایک مرتبہ یہی نہیں گھنٹی تالا لگا ہوا تھا اور میں تالے میں اپنا کارڈ اس کر ملی آئی تھی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے غزالہ ہی کے گھر میں رہنا چاہیے میرے خیال کے مطابق موجودہ حالات میں غزالہ ہی کا گھر میرے لیے محفوظ ترین ثابت ہو سکتا تھا۔ میں نے وضوان سے نیوٹاؤن چلنے کو کہا۔ غزالہ وہیں ایک چھوٹے سے خوبصورت بنگلے میں رہتی تھی۔ اس کا شوہر ایک غیر ملکی نوع ہیں چوتھا اور منٹ کے عہدے پر فائز تھا۔ ”تم مجھے گھر کے دروازے پر بھروسہ کر کے ملنا“ میں نے وضوان سے کہا۔ ”کیا کس بہت ہی خوبصورت لڑکی کا گھر ہے؟“ وضوان نے چمکتے ہوئے سے لہجے میں کہا۔ ”ہاں خوبصورت تو وہ اب بھی ہے لیکن اب وہ لڑکی نہیں عورت بن چکی ہے۔ دو بچوں کی ماں بن چکی ہے“ ”لا حول ولا قوت! پھر بھی آپ نے اس کے گھر کا انتخاب کیا ہے؟“ ”وہ دو چھوٹے چار بچوں کی ماں بن جائے، تو بھی اس سے میرا لگاؤ ختم نہیں ہو سکتا“ ”آپ کا لگاؤ ہے یا سریش؟“

”اگر دوسری طرف خود غرضی کا عنصر شامل ہو، ہمیشہ قائم رہتا ہے“ ”کیا موجودہ حالات میں آپ کو کسی سہ پہا کی مطلب؟“ ”یہ ایسے ہی جعفر کے بچنے سے کب تھا“ ”یہی سب کچھ سوچنے کے لیے میں نے ایک کیلپے“ ”غزالہ کا ٹیلیفون نمبر مجھے یاد نہیں رہا...“ ”جانب موڑو... میں تمہیں فون کر کے غزالہ کا گھر تم بھی ضرورت پڑنے پر مجھ سے رابطہ قائم کر سکتا ہوں“ ”دائے بنگلے کے سامنے موٹر سائیکل روک لینا“ وضوان نے رتا کر کہا کہ شادی کی اور مال روک دی۔ وہ عین بھاگ کے سامنے رکا تھا۔ کی حکمرانی تھی میں موٹر سائیکل سے اتر گئی اور دم کر دی۔ میں دیکھ تو لوں کہ وہ ہے بھی یا نہیں! میں نے کال ہیل کا بٹن دبایا اور انتظار کر لے گزر جانے کے بعد میں نے پھر بٹن دبایا اور پھر کچھ جانب قدموں کی آہٹ سنا لی۔ آہٹ سے ”کون ہے؟“ اس نے بھاگ کھولنے سے کہا ”بھاگ تو کھولو! میں غزالہ سے ملنے آئی ہوں“ یقین تھا کہ عورت کی آواز سن کر وہ شخص کسی حد تک کا خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔ بھاگ کھل گیا اور میں نے ایک لمبے بڑے جواہر کے ہاتھ میں لاسی لیے ہوئے تھا۔ غالباً وہ چمکا نے استغاب اور سوالیہ انداز میں میری طرف دیکھا۔ اچھ نے وضوان کی طرف بھی بڑا لی تھی۔ ”غزالہ ہے؟“ میں چونک کر اسے مخاطب ہوئی ”بی بی صاحبہ میں تو لیکن...“ ”خاہر ہے کہ سرور ہی ہوں گی“ میں نے اس کا ہونٹ لکھا ”تم انہیں جگا دو۔ میں دوسرے بہتر آؤں بتا دو کہ کبھی آئی ہے؟“ اب چونک کر نے ایک مرتبہ میرے انچھی کسی کی طرف اسے یقین آ گیا ہوا کہ میں بیرون شہر سے آ رہی ہوں۔

”میرا وضوان سے کہا ہے اب تم جاؤ!“ کے بعد چونک کر بالکل ہی مطمئن ہو گیا اور اس نے میں جا کر بی بی صاحبہ کو جگایا ہوں“ داخل ہوئی پورچ میں ایک کار کھڑی تھی۔ ہم برآمدے میں بیٹھے۔ اس وقت مجھے دیکھ کر غزالہ حیران تو ہوئی لیکن مجھے ہر سے پہلی پڑی تھی۔ وہ ہے تہمتا مجھے ادا پر تنگ اسے یہ پوچھنے کا بھی خیال نہیں آیا کہ اس کے گھر کیوں آئی ہوں جبکہ اسی شہر میں میرا ساتھ ہی اس کا شوہر بھی پیدا ہو گیا تھا اور اس کا بڑا بھائی بھی وہاں تھا کیسے والہانہ انداز میں مجھ سے بات کر رہی تھی۔ میں اور اس کی سی کیفیت ختم ہوئی۔ میں اس میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگی۔ غزالہ کا شوہر گراور چند باتیں کر کے اپنی خواجگاہ میں چلا گیا کہ وہ جاتا تھا کہ میں حیدر آباد سے آ رہی ہوں۔ وہ باری وجوہات کی بنا پر دو چار دن تک میرا رکنا چاہتی ہوں کہ میں کراچی آئی ہوں۔ زندگی بھر اس بات کو چھپائیں اور زندگی بھر ہی یہ غزالہ نے کہا تھا۔ ”میرا گھر گئی، پھر میں نے پوچھا“ ”تمہارے بچے ہیں؟“ میں نے کہا تھا۔ ”میں نے نہیں اس بات کو بعد کچھ اور پڑھ گئی؟“ میں نے ہنس بڑی لیکن جھٹنے کا شبہ ہو گیا ہے۔ اس بڑی سے جواب دیا۔ ”مجیب سا لگتا ہے کہ تم اچھا جان بن گئی ہو“ ”مجیب لگتا ہے کہ آپ بالکل نہیں بدلیں“ میں بدلیں گی“ ”جو کر کے تو دیکھیے!“ غزالہ بائیں آنکھ دبا کر بولی۔ اس نے کہا ”میں نے اسے گھور کر دیکھا اور وہ

میرا چاہ رہا تھا کہ وہ میرے سونے کا بندوبست کر دے لیکن وہ مستقل باتیں کیے جا رہی تھی۔ وضوان نے کہا کہ میں نے دہرائیں۔ بعض باتیں ایسی بھی تھیں جو میرے جذبات میں کوئی آثار چھڑاؤ پیدا کر دیتیں لیکن اس رات میں اتنی پریشان تھی کہ صبح طور پر غزالہ کی باتیں سن بھی نہیں رہی تھی۔ آخر اس نے بھی میری اس کیفیت کو محسوس کر لیا اور بولی کہ کیا بات ہے ہاں آپ کچھ پریشان ہیں؟ ”پریشان؟ نہیں تو! دراصل اب میں سونا چاہتی ہوں بہت تھی ہوئی ہوں“ ”اچھا آپ ایک پانچ منٹ بیٹھیے! میں آپ کے سونے کا بندوبست کر کے بھی آتی ہوں“ اس نے چمکی بھائی اور گھر چلی گئی۔ پانچ منٹ بعد اگر جب وہ مجھے ایک کمرے میں لے گئی تو مجھے اندازہ ہوا کہ اس نے وہ پانچ منٹ کیوں لیے تھے۔ اس دوران میں اس نے ضروریات کی تمام چیزیں اس کمرے میں رکھ دی تھیں حتیٰ کہ شرب کی ایک بوتل اور گلاس بھی سر ہالے موجود تھا۔ ”یہ تمہارے گھر ہیں کہاں سے آئی؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔ ”آپ کے رقیب صاحب بیٹے ہیں؟“ وہ ہنسی۔ میں سمجھ کر اس نے رقیب کا لفظ کس کے لیے اور کیوں استعمال کیا تھا۔ مجھے بھی اس کے ساتھ ہنسی آئی اور میں نے اس کے کمال پر بڑے زور سے چٹکی لی۔ ”ہائے گھر گئی، اس نے سسکاری سی لے کر کہا۔“ ”اچھا اب دفع ہو جاؤ“ ”شب بخیر!“ اس نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ اور کمرے سے چلی گئی۔ میں نے دروازہ بند کیا اور بہتر جا کر ڈھیر ہو گئی۔ نیند لا تو ابھی میری آنکھوں میں شائبہ ٹپک رہا تھا۔ میں تو دراصل اس بات کی صحت چاہتی تھی کہ کچھ سوچ سکوں اور آئندہ کے لیے کوئی ایسا عمل مرتب کر لوں۔ اس مرتبہ میں ایک ایسے آدمی سے ٹکرائی تھی جس سے وہ وہ ہاتھ کرنے کے لیے احتیاط سے قدم اٹھانا ضروری تھا۔ ہر چند کہ میں ڈاکٹر فونگ اور اس جیسے بہتر سے خطرناک لوگوں سے ٹکرا چکی ہوں لیکن خان آن کا لاگوٹ کی بات بہت مختلف تھی۔ وہ میرے ملک کا ایک معزز شہری سمجھا جاتا تھا۔ اسے بھرم قرار دے کر پولیس اس کے لیے گرداں نہیں تھی۔ اس کے برفلات اس نے ایسے حالات پیدا کر دیے

ہے جو خان آف کالاگوٹ نے مجھ پر استعمال کیا اور اس کے بارے کوئی سے اس میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی ہوں کہ خان کے پس پشت کوئی غیر ملکی طاقت کام کر رہی ہے۔ ہمارے ملک کی ٹیکنالوجی تو ابھی اتنی آگے نہیں بڑھی کہ اس قسم کی کوئی دریافت کر سکے، میں نے جواب دیا اور پھر دفعہ مجھے ایک بات یاد آئی۔ میں نے کہا: ”غزالہ کے گھر کے باہر خان کے آدمی بھی موجود تھے؟“

”ہاں، رضوان نے سر ہلا کر کہا: ”انہیں رضیہ کے آدمیوں نے قابو میں کر لیا تھا۔“

”اوہ! کیا رضیہ ابھی زندہ ہے؟“

”نہیں، رضوان نے جواب دیا۔ ”کئی ہزار سالین اس کے ساتھ آئے ہیں مجھے تو وہ ریڈیو ایڈین معلوم ہوتے ہیں۔“

”وہ لڑا چکی تھی؟“

”کل جب میں آپ کو غزالہ کے گھر پہنچا کر اپنے نلیٹ پہنچا تو مجھے اس کی ٹیلیفون کال ملی۔ وہ مجھ سے آپ کے بارے میں دریافت کر رہی تھی۔ مجھے سخت غصہ آیا۔ کتنی بیوقوفہ بات ہے کہ مجھ پر اتنے دن بعد اور محبوب کے بارے میں بات کرنے کی بجائے محبوب کی ہونے والی سالانی کاڈ کر کے بیٹھے۔ ہر حال میں نہ ضبط سے کام لیا اور اس سے کہا کہ وہ میرے نلیٹ پہنچ جائے تو تفصیل سے بات ہو جائے۔ فوراً میرے نلیٹ پہنچ گئی۔ طوی مدائی کے بعد میں اس ملاقات میں ایک ڈوٹ کاٹنے کے موقع پر تھا لیکن یہ بات اخلاقی طور پر مجھ پر دشمن کو بھی نہ دے۔ وہ آپ کے علاوہ کوئی بات کرنے کے موقع نہیں تھی۔ مجھے بتانا ہی پڑا کہ آپ کہاں ہیں۔ اس کے بعد مجھے سارا پس منظر بھی بیان کرنا پڑا۔ سب کچھ سننے کے بعد وہ دانت پیس کر بولی، ”میں اس خان کے بچے کو کوئی کاناغہ نہ بچا دوں گی۔“

”چنانچہ اس نے سب سے پہلے ٹھیکیدار جامو اور صابری پر چھاپا مارا؟“

”ہاں، مگر آپ کو کیسے معلوم؟“ رضوان نے حیرت سے کہا۔

”خان آف کالاگوٹ مجھ سے انہی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ انہیں میں نے غائب کروا دیا ہے، میں نے بتایا اور پھر پوچھا: ”یہ عمارت کس کی ہے؟“

میرے ایک دوست کی کہ جو سیاحت کا بہت شوقین ہے اور جب بھی سیاحت پر روانہ ہوتا ہے تو اپنے گھر کی جالی مجھے ہی دے جاتا ہے۔ وہ دما سے بے چارے میرے پاس پڑی ہوئی تھی۔ اب رضیہ آئی تو اس کی رہائش کے لیے میں نے اسی جگہ کو مناسب بنادیا۔

موجودہ حالات میں اس کا آپ کے گھر میں رہنا سہا

”وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن تم نے کچھ فوری طور پر باخبر کیوں نہیں کیا؟“

”یہ آپ اپنی لاڈلی بی سے پوچھیں گا! ر، بناتے ہوئے کب۔ انھوں نے بی ضرر مار ڈرلائی تو میرے ہی پر باجی کے سامنے جانا چاہتا تھا۔“

”اچھا! میں ہنس پڑی؟“ اس کا بچپن تھا

”جی ہاں، رضوان نے سر ہلا کر بولا: ”وہ ابھی کی ہیں۔ باقی کل میرے ایک پیشین ہی۔“

”فصل کوئی سے اجتناب کرنا سیکھو! وہا ٹھیکیدار جامو کہاں ہیں؟“

”اسی عمارت کے ایک کمرے میں قید ہیں۔“

”ان سے کچھ معلومات بھی حاصل کریں؟“

”کچھ خاص تو نہیں۔“

”عام ہی بتاؤ!“

”ٹھیکیدار جامو نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اس کے ٹروں کی نقل حرکت بڑی پرسرار ہوتی ہے۔ خود اس سے بھی نہیں معلوم ہوتا کہ اس کے ٹروں میں کیا پہنچایا جانے والا مال کس قسم کا ہے۔ اسے صابری ملا کرتی ہیں کہ فلاں جگہ سے لکڑی کاتے کسٹا فلاں جگہ پہنچا تاں ہیں۔“

”یہ بات اس نے صابری کے سامنے بتائی تھی؟“

”نہیں، رضوان نے جواب دیا: ”ہم نے انھیں اس سے الگ رکھ کر پوچھ گچھ کی تھی۔“

”گڈ!“

”پھر جب صابری سے پوچھ گچھ کی گئی تو اس نے کہا کیا کہ وہ ٹھیکیدار جامو سے کام لیا کرتا تھا۔ پھر جب اسے صابری سے کہا کہ وہ اٹھنگنگ کرتا ہے تو اس نے بھی کر لیا کہ اس کی لائینیں ملتی ہیں۔ اس نے یہ بھی بتا دیا کہ وہ خود اٹھنگنگ نہیں کر رہا ہے بلکہ اس نے اپنا کام لکھ کر کرانے پر دے رکھی ہیں۔“

”وہ بڑا سنگڑ کون ہے؟“

”یہ صابری بھی نہیں جانتا۔ کم از کم اس کا کہنا ہے کہ وہ بڑا ہیاتیاتی ملتی ہیں کہ فلاں وقت پر اتنی لائیں

۔ اپنے آدمیوں کو دے دیتا ہے۔ پھر جب نہیں ہیں تو کچھ معلوم افراد لکڑی کے بڑے اس لائینوں پر بار کر دیتے ہیں۔ لائینیں وہ کس مال پر لگا کر دیتی ہیں۔ اس وقت صابری کو یہ تمام کس معاملے سے آٹھوا کر فلاں جگہ پہنچا اس کام کے لیے صابری، ٹھیکیدار جامو سے کام

لے پاس کوئی جواز بھی ہے؟ یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ کمرہ تھا جہاں میں ایک رات قید رہی تھی۔ پتا چلتا تھا کہ اس کے جہاز میں رہی تھی۔

”اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا لیکن میرا خیال ہے کہ جہاز کا مالک نہیں ہو سکتا۔ خفیہ طور پر لائینیں ہے اور ایک بھری جہاز کا مالک ہونا دوسری بات! حکومت کی نظر میں منور تھا۔“

”کیا ان باتوں کے جواب میں فوری طور پر کچھ نہیں سمجھ رہے جہاں خان آف کالاگوٹ ہی کا ہو سکتا ہے میں معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی۔“

”میں صابری سے کیا بتایا؟“

”میں ٹھیکیدار جامو کا بیان ہے کہ وہ محض ایک ملاکت کسی سازش کا نتیجہ نہیں تھی اور ٹھیکیدار کی بورجیاں جہاں جہاں کے لیے مجھے میں مشاغل کی تھیں۔“

”میں وقت پر وہاں کیسے پہنچ گئی؟“

”ملاکت میں موجود تھا جس سے شکیل کی کاٹھن لڑی وہ ملک سے تشرک واپس آیا تھا اور واپس آنے لگا غلط گواہیں دیتا رہا کہ اسے ہل درست ہی ثابت ہوا۔“

”وہ؟“

”بل کی ہلاکت میں چنگیزی کا ہاتھ نہیں ہے۔“

”ار جامو کے بیان سے تو اس خیال کی تصدیق ہی ملے گا۔ لیکن کیا ان دونوں کے بیان کے ایک ہا ہا ہا ہے؟“

”میں نے معاملے میں مجھے ٹھیکیدار جامو کا بیان دیا۔ لیکن باقی باتوں میں کوئی غلطی ہو سکتی

ہے۔ اس کے بارے میں چھان بھنگ کرنا پڑے گی یہ دفعہ لکڑی پر سبڈل کی کھٹ کھٹ سنائی دی اور رضوان بول پڑا: ”لیجیے! آپ کی لاڈلی انہیں!“

اسی وقت دروازہ کھلا اور رضیہ اندر آئی۔

”با جی!“ وہ جذباتی انداز میں تقریباً جتنی ہوئی میری طرف آئی اور قریب آکر میرے گلے میں جھول گئی۔

”میں نے اس کی پیشانی چومی اور بیٹھے تھکے لگے۔“

”رضوان ٹھنڈا اسانس لے کر بولا: ”میں کاش کوئی اس طرح ہمارے گلے میں بھی جھول سکتا۔“

”میں نے اس کی کبوتر کی طرف دھیان نہیں دیا اور کچھ دیر تک رضیہ سے مرنے والی باتیں کرتی رہی جن کا موجودہ حالات سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس دوران میں رضوان نے بیٹھے بیٹھا۔“

”کچھ دیر بعد میں اہل معاملے کی طرف آئی اور میں نے اس سے پوچھا: ”کیا تمہیں میرا ٹھیکیدار مل گیا تھا؟“

”جی ہاں، رضیہ نے جواب دیا۔ ”اس لیے تو میں اپنے ساتھ کئی آدمی بھی لے کر آئی ہوں۔“

”حضرت داغ کی خاطر!“ میں نے مسکاکر رضوان کی طرف اشارہ کیا۔

”جی ہاں۔ آپ کے ٹھیکیدار سے کچھ ایسا اندازہ ہوا تھا جیسے کسی نے ان کو گایا ہو جس آسمان پر اٹھا دیا ہے۔“ رضیہ نے شرارت آمیز نگاہ سے رضوان کی طرف دیکھا۔

”آپ کی بکا سے!“ رضوان نے منہ نہ کر کے کہا: ”میں گیا ہوں آسمان پر لٹکتا یا تخت انشوری کی گایا ہو جس پر ت میں، آپ کو بس بڑا ذلیل کی ہمارا یوں پر کوئی دیکھ رہے۔“

”اعتراض تو دے رہے ہیں یا برازیل پر!“ رضیہ ہنس کر بولی۔

”اعتراض کیا تیسری بات ہے؟“

”یعنی؟“

”تم نے ان ہمارا یوں پر کوئی دیکھ رہے ہو کہ وہ گانا نہیں گایا ہو گا کہ آئے موسم رنگیلے سمانے، تو مجھے لگے کہ راجا مانا!“

”میں یہ کیسے جاسکتی تھی؟ وہاں کا موسم ہرگز مسلمانیا نگرا نہیں تھا۔“

”ان دونوں میں پوچھیں اڑنے کا یہ سلسلہ راز بھی ہو سکتا تھا مگر اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ رضیہ نے جلدی سے رسیدور اٹھا لیا اور دھاڑتے ہوئے میں بولی: ”ہیلو!۔۔۔ ہاں۔“

میں ہی بول رہی ہوں... گنگ! تم نے ایک عاقبت اندیشانہ فیصلہ کیا ہے خان!"

میں غور سے رضیہ کی طرف دیکھتی رہی۔ میرے انداز سے کے مطابق وہ خان آت کالاکوٹ سے گفتگو کر رہی تھی۔ ذرا دیر بعد اس نے گفتگو ختم کی اور سرکاری پوٹی میری طرف مڑی۔

"سودا طے ہو گیا باجی! وہ بولی۔"

"کیسا سودا ہے؟"

"وہ کفیل رضا اور مشتاق چنگیزی کے ماموں کو ہمارے حوالے کر دے گا جس کے بدلے میں ہم اس کے دونوں آدمیوں کو چھوڑ دیں گے۔"

"یعنی ٹھیکیدار چاہا اور صاحبزادی کو؟"

"ہاں۔"

"کیا ان سے مزید بچہ گچھ نہیں ہو سکتی؟"

"ان سے جو کچھ معلوم ہو سکا ہے، وہ آپ کو رضوان نے بتا دیا ہو گا۔"

"ہاں وہ تو بتا دیا لیکن یہ خیال ہے کہ انھوں نے کچھ باتیں ضرور چھپائی ہیں گی۔"

"اگر ایسا ہے تو پھر تشدد ہی کے ذریعے ان کو مزید بولنے پر آمادہ کیا جاسکتا ہے لیکن میں خان آت کالاکوٹ سے وعدہ کر چکی ہوں کہ اگر وہ ہمارے مطلوب آدمیوں کو چھوڑ دے تو اس کے آدمیوں پر بالکل تشدد نہیں کیا جائے گا۔"

"اگر تم وعدہ کر چکی ہو تو پھر کونٹیک ہے میں اب خان سے منٹے کے لیے دوسرا انداز اختیار کروں گی۔"

"لیکن اب اس سے الجھنے کی ضرورت ہی کیلئے باجی! کفیل رضا اور مشتاق چنگیزی کے ماموں کے بعد وہ مسئلہ تو ختم ہو ہی جائے گا جس سے آپ کو دلچسپی ہے۔"

"ہاں۔" میں نے کھوٹے کھوٹے سے انداز میں کہا، "سلیکٹا کاسٹل ٹونٹ ہی جائے گا۔"

"تو پھر کیا باقی رہا؟"

"میں اس موضوع پر پھر بات کروں گی۔ فی الحال تم یہ بتاؤ کہ خان سے آدمیوں کے تبادلے کا عمل کس طرح ہو گا؟"

"میرے دوست آدمی کر کے ایک دین لیے ہوئے صدارت میں کیے جارح کے سامنے کھڑے ہیں۔ خان کا کوئی آدمی انھیں دباں اپنے ساتھ لے جائے گا اور کسی جگہ سے ہمارے

مطلوبہ آدمیوں کو اس دین میں منتقل کیا جائے گا۔ انھیں لے کر جب یہاں پہنچ جائے گا تو آدمیوں کو آزاد کر دیں گے۔"

"ہوں۔" میں سوچ میں پڑ گئی۔

خان آت کالاکوٹ کو اس مرحلہ پر بھی کر کے انداز سے کے مطابق وہ کہہ کر بل کھار ہا جو گا۔ اپنے آدمیوں کو پانچہ خلاف ضرورتوں کی خوفناک قدم اٹھانا لانا تیار ہونا چاہی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ خان آت کے لیے ایک خطرناک ترین مقدمہ قابل ثابت ہو گا۔ ایک بار سوچ تخفیف تھوٹے کے ساتھ ساتھ کاجی پروردہ تھا۔ یہ بات میرے ذہن میں دھر سے آئی تھی جس کا عمل ایک غیر معمولی نال سے گولی کی بجائے ایک سولہ امڈنی من نشانہ پر آئے والا شخص بشل ہو کر رہ جاتا تھا۔ تجسس کی یہ لہر بھی میرے دماغ میں چلی تھی کہ خان آت کالاکوٹ کیا چیز پاکستان ہے۔ مجھے شبہ تھا کہ وہ کوئی ایسی چیز ہو کر نہ رہے سے صرف مالی منفعت حاصل کی جاسکے۔ خان آت اس امر کو دیکھ کر شخص تھا کہ اسے کسی معمولی چیز کی کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی تھی۔

ان باتوں پر غور کرتے کرتے مجھے سلیکٹا کا تھا وہ میری گمشدگی سے خاصی پریشان ہو گئی ہوگی! ہی مجھے غرا لہ بھی یاد آئی جس کے گھر میں وہ ساڑا ڈھائی لکھ اس کے اعصاب ابھی تک اس واقعے سے میں نے ضروری سمجھا کہ ٹیلیفون کر کے اسے ملحق کیا وہ زیادہ نہ گھبرائے۔ میں بھی نہیں چاہتی تھی کہ وہ سے اس واقعے کا ذکر کرے۔ لوگوں سے تو کیا، میں شوہر کو بھی بے خبری رکھنا چاہتی تھی۔

میں نے رضیہ سے کچھ کہے بغیر ریسورس اٹھایا کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ رابطہ قائم ہونے پر جب سناں دی تو میں نے محسوس کیا کہ وہ واقعی ابھی تک نزدیکی میں کوئی پانچ منٹ تک اسے سمجھاتی کہ اب وہ خود کو کسی خطرے میں محسوس نہ کرے۔

اس واقعے کا ذکر اپنے شوہر سے بھی لہجہ کی سی رنگت کا ایک شخص کر کے میں ملنے کے ساتھ ہی میری اور رضوان کی توجہ بھی اٹ بیٹھی۔ نوادار نے رضیہ سے کہا، "ان دونوں الیہ ہے، وہ جس زبان میں بول لکھا، اسے میں نہیں سمجھ سکتے تھے، لیکن میں اس زبان باتیں بلکہ اتنی ہر دانی سے بول بھی سکتی تھی معنی وارد بول لکھا۔"

اس سے پوچھا، "ان دونوں کی ذہنی حالت کیا ہو؟"

"مناوش ہیں، راستے بھر کچھ نہیں بولے۔"

نہ میری طرف دیکھا تو میں سر ہلا کر بولی، "یہ مت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اب نہ معمول پر آ رہے ہیں۔ ایک آدھ دن میں ان کے بالکل درست ہو جائیں گے۔"

"ہے۔" رضیہ نے نوادار کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"اگر اسی کمرے میں پہنچا دو جہاں ہمارے قیدی ہیں وہیں میں بیٹھ کر کسی علاقے میں لے جا کے چھوڑ دوں۔"

نہ تو وہ ان انداز میں سر ہکا یا اور کھڑکی کے کنارے ٹھکانا چاہتا تھا کہ میں ہاتھ اٹھا کر بولی۔

اس بڑے کی کیا ضرورت ہے۔ ان دونوں کو بس مجھ سے نکال دو۔ انھیں جہاں ہو گا، خود ہی چلے جائیں گے۔"

طرح یہ عمارت بھی ان کی نظر میں آجائے گی۔"

"یہی ہے خان آت کالاکوٹ کے علم میں آچکی ہوگی کیا یہاں کا ٹیلیفون نمبر نہیں بتا لکھا؟"

"ہاں، تو اس کی کال کیسے آتی؟ وہ آپ کا مطلب یہ معلوم کر لیا ہو گا کہ اس نمبر کا ٹیلیفون کس عمارت کا ہے؟"

منہ کی بات ہے۔"

ملک کہہ رہی باجی! میں نے اس طرف دھیان نہ دیا تھا۔ رضیہ نے کہا اور پھر نوادار سے بولی، "جوتنا ہاں ان قیدیوں کو دھکے دے کر یہاں سے نکال دو!"

وہ نوادار جس کا نام جو ناٹھن تھا، موٹو بانہ انداز میں سر ہلا کر کمرے سے چلا گیا۔

اس دوران میں رضوان خاموش بیٹھا ہوا بڑے بڑے سے مٹہ بناتا رہا اور جو ناٹھن کے جاتے ہی رضیہ سے بولا، "تم جب بھی آتی ہو، ایسے جاتو دوں کو پکڑ لاتی ہو جن کی زبان میرے فرشتے بھی نہیں سمجھ سکتے۔"

"اسی لیے تو میں تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے جاتی میرے ساتھ رہو گے تو تمہیں متحدہ عربی زبانوں سے دو چار ہونا پڑے گا۔"

"لیکن اس مرتبہ میں تمہارے ساتھ ہی جاؤں گی۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ میری ہونے والی بیوی یوں آپہنچا ماری کھریڑی پھرتی رہے۔"

"تم نے مٹہ دھو کر کھا ہے!"

"الحمد للہ! کیوں!"

"تمہارے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں تمہاری ہونے والی بیوی ہوں۔"

"ہر چوڑے کا نام خدا کے گھر میں لکھا ہوا ہے نادان ملکی! رضوان نے درویشانہ انداز میں کہا۔

"میرا خیال ہے کہ تم دونوں یہ بگ بگ ختم کر دو!" میں بولی۔

"چلیے ختم کر دیں، رضوان نے کہا، "اب فرمائیے!"

"کیا تم دونوں یہ سمجھ بیٹھ ہو کہ اس شکت کے بعد خان آت کالاکوٹ پھلا بیٹھ جائے گا!"

"باجی! رضیہ بولی، "اگر اس کے آدمیوں نے ادھر کا رخ کیا تو میرے خادم ان کی تکا بولی کر ڈالیں گے۔"

"فی الحال وہ اپنے ذاتی کمرے سامنے نہیں لائے گا۔"

"پھر، رضوان بولا۔

"تم مجھ کو رہے ہو کہ پورس اب بھی میری تلاش میں ہوگی۔ جسے ہی ایس، پی، جعفر کو میرے بارے میں اطلاع ملے گی کہ اس عمارت میں موجود ہوں، وہ یہاں پڑھائی کر بیٹھ جائے گا۔"

"اوہ! تو کیا اب آپ پھر یہاں سے بھاگنے کی فکر نہیں؟"

"میں نے جواب دیا، "طاہر صیب اور کفیل رضا

کے دستیاب ہونے کے بعد مجھ اب کہیں کھانگنے کی ضرورت نہیں لیکن اس نے جعفر کی بدتمیز بولیوں سے ہنسنے کے لیے تو کچھ کرنا ہی باڑے لگا۔
”یعنی؟“

”میں ایک اہم شخصیت کو یہاں مگالیتی ہوں۔ اس شخصیت کی موجودگی میں پولیس کا بڑے سے بڑا انسرکھی کوئی بدتمیزی نہیں کر سکے گا۔“
”وہ شخصیت....“

میں رضوان کی بات پوری ہونے سے پہلے بولی پڑی۔
”میرا اشارہ جیش بشیر احمد کی طرف ہے۔“
”ادہ!“ رضوان کے غصے سے نکلا۔ کیا جیش بشیر سے آپ کے دام ہیں؟“

”جیش بشیر کی مرحوم بیوی میری بہت اچھی دوست تھی اور اسی کی وجہ سے جیش بشیر مجھے جانتے ہیں۔ انھیں اس وقت اپنے گھر پر ہی پونا چاہیے۔ میں نے سنا ہے کہ رعنا کی موت کے بعد وہ بہت ہی گوشہ نشین قسم کے آدمی ہو گئے ہیں۔“

”رضوان؟“ رضیہ نے پوچھا۔
”ان کی مرحوم بیوی“ میں نے جواب دیا۔ رضیہ ٹیلیفون کے قریب بیٹھی ہوئی تھی میں نے اس سے کہا: ”ذرا ڈائل کرو۔“
”نمبر بتائیے!“ رضیہ نے ریسپونڈر اٹھاتے ہوئے پوچھا۔
میں نے اسے نمبر بتایا اور وہ ڈائل کرنے لگی۔ اسی وقت جوناھن نے آکر اطلاع دی کہ دونوں قیدیوں کو کھر سے نکال دیا گیا ہے۔

”ٹھیک ہے۔“ رضیہ نے اس سے کہا۔ ”تم جاؤ اور پوری طرح چوس کر رہو۔“

جوناھن چلا گیا اور رضیہ ماؤتھ پیس میں بولی: ”ہیلو!... کیا جیش صاحب گھر پر تشریف رکھتے ہیں؟... ان سے مختصرہ میسر ہو کو بات کرنا ہے۔ میں ان کی سیکورٹی بول رہی ہوں۔“ پھر وہ ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر کچھ سے بولی: ”بولڈن رکھنے کے لیے کہا گیا ہے۔“

”رہسپور مجھے دے دو!“ میں نے ہاتھ بڑھایا۔
رضیہ نے ریسپور مجھے دے دیا اور میں اسے کان سے لگا کر انتظار کرنے لگی۔ ذرا بعد دوسری طرف سے ایک بارعب آواز سنائی

دی۔ ”ہیلو! بشیر اسپیکنگ۔“

”جناب! ولا! میں صبحہ بانو بول رہی ہوں۔“
”ادہ! باتو! میں آپ کی آواز سن رہا ہوں۔“

اور ملاقات ہوئے تو اس نے بھی زیادہ وہ کہہ دیا۔
”جی ہاں! دراصل میں نے کچھ ضرورتاً یہاں رہی تو کسی دوسری پریشانی میں مبتلا ہوں۔“
”دو چار ہوں اور وہی مسئلے میں۔ ایک مددگار۔“
”یعنی؟ ایسی کیا الجھن پیش آئی؟“

”گستاخی ہوئی اگر میں یہ کہوں کہ میں آپ بلکہ آپ کو میرے پاس آنا ہوگا۔“

”وہ تو کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے لیکن۔“
”جب آپ آجائیں گے تو آپ کو قہقہیل ہے۔“

صاحب کو آپ کے پاس پہنچ رہی ہوں۔ ان کا نام ان کے ساتھ آجائیں۔ کیا آپ فوراً آسکتے ہیں؟“

”میں آسکتا ہوں لیکن اشارتاً تو بتائیں کوما۔“
”یہ ایک ناقصی مسئلہ ہے جسے میں آپ کے ساتھ ہوں۔“

”یہ ایک ناقصی مسئلہ ہے جسے میں آپ کے ساتھ ہوں۔“

”ارے! وہ کیوں! انتہی خیر میں آجاتا ہوں۔“

آدمی کو کیوں بھیج رہی ہیں؟ میں خود آجاؤں گا۔“

”وہ آدمی آپ کی رہائی کے لیے ہوگا جناب والا!۔“

اپنے گھر پر نہیں ہوں۔ اگر وہاں ہوتی تو گرفتار ہو جی۔“

”بڑا سنگین معاملہ معلوم ہوتا ہے۔ آپ ان صاحب میں تیار رہیں گے۔“

”شکریہ جناب والا!۔“

گفتگو ختم کر کے میں نے ریسپورنگ اور رضوان سے مل

”میں جا رہا ہوں جناب والا۔ والی؟“ رضوان منڈھنا ہو گیا۔

”جیش صاحب کہاں ہیں تمہیں کھجائے دیتی ہوں۔“

”وہ اس کی زمرت سمجھ کر بھیجیے! مجھے علم ہے۔“ رضوان نے

”جنا جا رہی ہوں۔“
اور کھیل رضا کو؟“

”میں اس کمرے میں آئی جہاں ان دونوں کو رکھا گیا۔“
”دوسرے سے کچھ حاصل پر بیٹھے ہوئے تھے اور ان میں مترشح تھی۔ دروازہ کھلنے کی آواز سن کر رضوان نے

”لیکن اس طرح جیسے کوئی اجنبیوں کو دیکھتا ہے۔“
”یہی ہے! لیکن اس کے چہرے پر بھی جھنیت

”ایک منٹ تک وہاں کھڑی ان کی طرف دیکھی رہی۔“

”لیکن پولیس لیکن ایسا نہیں ہوا۔ آخر میں نے رضیہ

”ا۔ دیکھا اور پھر خود ہی مڑی لیکن پھر نہیں دیکھا۔“

”یہاں میں محاسبہ کر رہا تھا۔“

”ابن!۔“ وہ بولا تھا۔ ”کیا آپ بتائیں گی کہ آپ لوگ کون

”...میں کون ہوں؟“

”ترجمہ میں نگاہ سے ان دونوں ہی کو دیکھا اور پھر

”ہونے کی ضرورت نہیں۔ دراصل ایک حادثے نے

”ہم دماؤں پر اثر ڈالا ہے۔ ڈاڑھوں کا خیال ہے کہ آپ

”ہو جائیو گے۔“ یہ فقرہ میں نے غنائی طور سے بولا اور

”ایک ہی لمحہ میں آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی۔“

”مجھے شک نہیں ہے۔“

”ماہر دست ہو جائے گا۔“ میں نے اس کی بات کاٹنے

”پھر رضیہ سے بولی یہاں دو دستر لگا دو۔“

”لہذا میں یہاں آتا ہوں۔“

”کمرے سے نکل کر رضیہ نے جوناھن کو لیٹرنگ روم کی

”ادھر پھر دونوں ڈرائنگ روم میں جا بیٹھے۔“

”سچی بات ہے کہ آپ کا بڑا دردمند ہے۔“ رضیہ

”کہا۔“

”الہاں میں نے کوئی پروگرام مرتب نہیں کیا ہے۔ رضوان میرے

”میں من آتا ہی ہے کہ مجھے غنائی کلا گھٹ سے پٹنا چاہیے

”ہاں کیوں ایسا محسوس ہونے لگا ہے جیسے یہ شخص

”ان کے لیے ایک موزی سانس ہو۔ اس کا وہ عجیب و غریب

”مجھے نہیں بہت بُری طرح ملتا ہے۔“

”میں اور رضیہ، خان آت کلا گھٹ کے بارے میں باتیں کرتے

”رہے۔ میں نے رضیہ کو بہت کچھ بتایا اور اس میں اتنا وقت گزر گیا

”کہ باہر ایک کار کے رکنے کی آواز سنائی دی۔“

”وہ یہ خیال ہے کہ جس شہر گئے۔“ میں کھڑی ہوئی بولی۔

”مجھے باہر جا کر ان کا استقبال کرنا چاہیے۔“

”میرے ساتھ ہی رضیہ بھی باہر آئی۔ میرا اندازہ درست

”ثبت ہوا تھا۔ وہ جیش بشیر اور رضوان ہی تھے۔ رضوان شاید

”اترنا ایک قدم پیچھے چل رہا تھا۔“

”میں نے برآمدے سے اتر کر جیش بشیر کا استقبال کیا۔“

”جیش بشیر کی نظر رضیہ پر پڑی تو وہ چوڑا اور اس کا مزہ حیرت

”سے کھل گیا۔ میری اور رضیہ کی مشابہت سے لوگ متحیر ہوتے ہی

”رہتے ہیں۔“

”یہ میری چھٹی بن ہے جناب والا!“ میں نے مسکرا کر کہا۔

”اس کا نام رضیہ ہے۔“

”رضیہ نے جیش بشیر کو سلام کیا تو انھوں نے نہایت شگفتہ

”انداز میں جواب دیا، پھر مجھ سے کہا: پہلے ہمیں ان کا ذکر بھی سنیں

”سننا!“

”بس ایسا کوئی اتفاق نہیں ہوا کہ ذکر آتا۔“

”میں جیش بشیر کو ڈرائنگ روم میں لائی اور میں نے رضیہ

”سے کہا: ”جیش صاحب کے لیے بلیک کالی بنو آؤ!“

”خوب!“ جیش بشیر مسکرائے: ”آپ کو یاد ہے کہ میں بلیک

”کالی پیتا ہوں!“

”رضیہ نے جواب میں ہلکا کر اس سے کافی کے لیے کہا۔“

”ہاں تو!“ جیش بشیر مجھ سے بولے: ”میں یہ جاننے کے

”لیے مضطرب ہوں کہ آپ کس قانونی جیکر میں پھنس گئے ہیں!“

”میں آپ کو بالکل شروع سے بتاؤں گی تاکہ آپ آسانی سے

”سب کچھ سمجھ سکیں۔“

”ٹھیک ہے۔“

”چنانچہ میں نے جیش بشیر کو آپ جیٹ سنانا شروع کر

”ابتدا ہی اتنی دلچسپی تھی کہ جیش بشیر پوری طرح متوجہ ہو گئے۔“

”اسی دوران میں کالی بھی آگئی، رضیہ نے یہاں لیبوں میں بنانا کوئی

”دی اس گفتگو کے دوران میں رضیہ اور رضوان بالکل خاموش

”بیٹھے رہے۔“

”میں نے ساری کالی تو من و عن بیان کر ڈالی لیکن

خان آت کا لاٹھ کا نام زبان پر نہیں لائی اس کا ذکر میں نیک
پراسرار شخصیت کی حیثیت سے کیا جو "جمار" کے کرے میں اور پھر
غزالہ کے گھر میں میرے سامنے نقاب پہن کر آئی تھی۔

سب کچھ سننے کے بعد حبش بشریہ کے چہرے پر تفرقہ کے
آثار پیدا ہو گئے مگر انھوں نے فوری طور پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ ایک
حبش کی حیثیت سے وہ کوئی فیصلہ فی الحال مجھ سے نہیں کر سکتے تھے۔

قد سے توقف کے بعد میں پھر بولی "میں چاہتی ہوں کہ آپ
اس معاملے کو اپنی نگاہ میں لیں۔ ایک آدھ دن میں کفیل رضا
اور صادق حبیب بالکل پوش و حواس میں ہوں گے۔ ان کے بیانات کی
روتی میں یہ معاملہ آسانی سے اختتام پذیر ہو جائے گا۔"

"لیکن اس سے زیادہ سنگین مسئلہ تو مجھے اس شخصیت کا
معلوم ہو رہا ہے جو ایک نام کے سامنے آئی ہے حبش بشریہ نے
کہا۔

"اس مسئلہ کو آپ بھول جائیں۔ وہ میرا ہیڈک ہے"
"یہ آسان نظر نہیں آتا کہ آپ کتنی تنہا اس خطرناک شخص سے
نپٹ سکیں"

"آسان تو نہیں ہے لیکن میں اسے نامکن نہیں سمجھتی"
حبش بشریہ زرا دیر کچھ سوچتے رہے پھر بولے "تو کیا"
میں کفیل رضا اور صادق حبیب کو دیکھ سکتا ہوں؟

"ہاں ہاں کیوں نہیں؟" میں نے کہا۔
"اسی وقت ماہر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز سنائی دی۔
"کون آگیا؟" دیکھو تو! "میں نے چونک کر رضیہ سے کہا۔

رضیہ اٹھ کر دروازے کی طرف بکی لیکن اس کے فوراً بعد ہی
میں بھی اپنا اپنی ہنگامے اٹھ جانا چاہا۔ دراصل ماہر سے ایسی ہی
آواز سنائی دی تھی کہ ہمیں سے کوئی بھی بیٹھا نہیں رہ سکتا

تھا۔ وہ آواز ایسی تھیں جیسے کچھ لوگ آپس میں لڑ پڑے ہوں۔
پھر ایک آواز گالیاں بکتی ہوئی سنائی دی اور میں نے اس آواز کو
پہچان لیا۔ وہ ایشیائی، جعفر تھا۔

حبش بشریہ کی موجودگی کے باعث مجھے ایشیائی، جعفر کی طرف
سے کوئی خطرہ نہیں تھا اس لیے میں بے دھرمی کر کے پیچھے ہٹ گئی۔
وہاں جو حالات نظر آئے ان سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں

تھا کہ یہ وہاں ہو گا۔ ایشیائی، جعفر نے اپنے ماتحتوں کے ساتھ
سے درجن اندر گھسنے کی کوشش کی تھی لیکن جو انھن کے ساتھ
نے اس کا راستہ روک لیا تھا اس پر بات بڑھ گئی اور ایشیائی

جعفر جو نفرتاً اکثر تھا، ہاتھ جھوٹ بیٹھا۔ پھر
جنگجو اودھ میں پھرتے اور وہاں میدان کارناما
ایک ایک ایشیائی، جعفر نے رپورٹ نکال

انگریزی میں لایا۔ تم سب لوگ ہاتھ اٹھا دو
ریڈیو ٹیلی ویژن پر اس وقت کی سٹیج پر
جب رضیہ نے بھی چیخ کر زبردستی روک رکھا

روک کر تیزی سے ایک طرف ہوئے۔
اتنی ہی جھپٹ میں دوسرا پور کد
ایک سپاہی کے چہرے پر نیل بیٹھے تھے، تھے اور

ہوٹوں سے رستا ہوا خون شہوگ روک رہا تھا۔
ایشیائی، جعفر نے میری طرف دیکھا اور میری
بشریہ پر بڑی۔ یکلخت اس کے چہرے کا رنگ متغیر

جلدی سے رپورٹ اپنے ہوسٹر میں رکھ کر کہہ
"بہت خوب! حبش بشریہ نے بار بار ہم
کے محافظوں کو اب تانہ شکنی کرنے لگی ہے!"

"نہ... نو سرا! ایشیائی نے بوکھلا کر کہا۔
نے ہم پر حملہ کر دیا تھا اس لیے ہمیں جوابی کارروائی
رضیہ اس وقت دم آواز میں اپنے آدمیوں

تھی اس نے ایک دم ڈر کر کہا "حملہ کرنے میں پہلے ان
نہیں کی آفیسر! ان لوگوں نے صرف راستہ روکنا
نے جبراً اندر گھسنے کی کوشش کی اور نتیجے میں انہیں

اختیار کرنا پڑا۔"
اسی وقت حبش بشریہ بول بول پڑے "میں
تعلیق میں تھا کہ کسی کے گھر میں زبردستی گھسنے کا
"سراسر میرے پاس ان کی گرفتاری کا فاؤنڈ

جعفر نے میری طرف اشارہ کیا۔
"تمہیں چاہیے تھا کہ یہ بات ان غیر ملکیوں کو تمہا
ان پر ہاتھ جھوٹ بیٹھے تمہاری اس ناشائستہ حرکت

یہ بھی ممکن ہے کہ ان غیر ملکیوں کا سفارت خانہ ہمارے ملک
احتجاج کرے کیوں کہ ایسا نہیں ہو سکتا؟"
"یہ... میں سر! "ایشیائی، جعفر کی طرف بوکھلا

حبش بشریہ نے ایک حاشیہ نظر تمام لوگوں پر ڈرا
ایشیائی، جعفر سے کہا کہ آپ میرے ساتھ اندر آئیے!
سے کہیے کہ یہ ہیں مرگ آپ کا انتظار کریں"

مرا"

یہ کے ساتھ رضیہ، رضوان اور میں کچھ دیر تک
... پھر مجھے... مجھ سے رضیہ نے اپنے آدمیوں
... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی

... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی
... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی
... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی

... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی
... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی
... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی

... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی
... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی
... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی

... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی
... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی
... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی

... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی
... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی
... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی

... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی
... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی
... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی

... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی
... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی
... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی

... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی
... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی
... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی

... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی
... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی
... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی

... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی
... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی
... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی

... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی
... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی
... کہ وہ بدستور کس زمین پر ہمارے پیچھے پیچھے ایشیائی

ہو جائے کہ اصل معاملہ کیا ہے"

"بہت بستر... سرا"

"میں یہیں ہوں اور آپ کا منتظر ہوں"

ایشیائی، جعفر نے سیلیٹ کیا اور جانے کے لیے نکل گیا۔
ادھر سے سوئی رہی تھی کہ ایشیائی، جعفر، ارباب جنگجو
کو یہاں آئے گا؟ غالباً یہ نامکن تھا۔

جعفر کے جانے کے بعد میں نے حبش بشریہ سے کہا "لیکن
آپ یہاں کب تک رہیں گے جناب والا! یہ تو آپ کے لیے خاصی
زحمت ہو جائے گی"

"زحمت کی کوئی بات نہیں۔ میں یہاں رات بھی گزار سکتا
ہوں۔ میرے گھر پہلے ہی کون جسے میرا انتظار ہو۔" حبش بشریہ
کے لیے میں جو کب تھا "وہ مجھ سے پوشیدہ نہیں رہا۔ میں اس

بات سے واقف تھی کہ وہ اپنی بڑی کوشش کی حد تک چاہتا تھا۔
"لیکن مجھے ایک بندوبست کرنا ہو گا۔" حبش بشریہ بولے۔
"کیا؟"

"مجھے اس معلوم پراسرار شخصیت کی طرف سے بہت خطرہ
محسوس ہو رہا ہے اس لیے میں کفیل رضا اور صادق حبیب کی حفاظت
کا کوئی معقول بندوبست کرنا چاہتا ہوں۔ ذرا مجھے فون دیجیے!"

حبش بشریہ نے رضیہ سے کہا جو ٹیلیفون کے قریب بیٹھی تھی۔
ٹیلیفون کا آنا تاثر پڑا تھا کہ رضیہ نے اسے اٹھا کر حبش
بشریہ کے سامنے بتائی پر رکھ دیا۔

حبش بشریہ نے اطلاع دی تھی "وہ...
مجھے کسی نے ٹیلیفون پر اطلاع دی تھی"
پہلے اس نے ہیلو پر غور نہیں کیا کہ یہ مجھے بانو کے

ارشاد میں ہو سکتی ہے۔ آخر کسی کو کیا ضرورت ہے
وہ کوئی بھی نہ کرے اور ان کا پتا انکار آپ کو اطلاع
... ہاں... ہاں... یہ ہیلو واقعی قابل غور ہے۔

لیکن میں نہیں سمجھتا ہوں کہ اس کے علاوہ کیا ہے۔
... ہیلو پر بھی غور کیجیے کہ مجھے بانو ہمارے ملک کی
... آپ کی اطلاع کے لیے یہ بھی عرض کر دوں کہ کفیل رضا

... ہیلو پر بھی غور کیجیے کہ مجھے بانو ہمارے ملک کی
... آپ کی اطلاع کے لیے یہ بھی عرض کر دوں کہ کفیل رضا
... ہیلو پر بھی غور کیجیے کہ مجھے بانو ہمارے ملک کی

... ہیلو پر بھی غور کیجیے کہ مجھے بانو ہمارے ملک کی
... آپ کی اطلاع کے لیے یہ بھی عرض کر دوں کہ کفیل رضا
... ہیلو پر بھی غور کیجیے کہ مجھے بانو ہمارے ملک کی

”چند ضروری کام ہیں۔ دو ایک افراد سے ملندے ہیں۔“
 ”میرا خیال ہے کہ کافی اہمال آپ اس چار دیواری ہی میں محفوظ ہیں۔ باہر جانا آپ کے لیے خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے۔“
 ”آپ فکر نہ کریں جناب والا میں خطرات سے پیشانیاب جانتی ہوں۔“
 ”میرا کہنا اور بھر پور ہے۔“
 ”تو نہ ہوگی؟“
 ”ہے۔“
 ”کہاں سے آئی؟“
 ”میں نے کوئٹہ سے ایک دین اور ایک کار کر کے۔“
 ”پر ماضی کرتی تھیں۔“

”گڈ! میں نے سزا دے کر کہا کہ لڑکی چائی کہاں ہے؟“
 ”رضیہ نے اپنے پرس سے چائی نکال کر کھجے دی۔“
 ”رضوان بولا۔ کیوں نہ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں؟“
 ”نہیں۔ میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔“
 ”جہاں کھجے جانا ہے۔ وہاں کھجے کیلے ہی جانا چاہیے۔“
 ”رضیہ کھڑی ہو گئی اور اس نے حبش بشیر سے کہا کہ لڑکی کو سزا دیں۔“
 ”سزا میں باقی کو مار کر چھوڑ کے اسی آئی ہوں۔“
 ”حبش بشیر نے اثبات میں سر ہلا دیا مگر ان کے چہرے سے یوں معلوم ہوا تھا جیسے وہ میرے تہا جانے سے متفکر ہو۔“
 ”رضیہ نے باہر پہنچ کر کچھ بس کارکنک پہنچا دیا وہ آف دھاشٹ واکس آئی تھی۔ میں نے اس کا دروازہ کھولا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ جب میرے انجن اسٹارٹ کیا تو کبھی رضیہ قریب ہی کھڑی ہوئی تھی۔ اچانک کھجے ایک خیال آیا اور میں نے انجن بند کر کے رضیہ سے کہا۔“
 ”زر اسنو!“
 ”رضیہ کار کی کھڑکی پر جھٹک آئی۔“

”میں کھڑی ہوئی۔ اب جبکہ میں حبش بشیر کا تعاون حاصل ہو چکا ہے۔ یہ ضروری نہیں رہا کہ تم لوگ اس عمارت میں رہو۔ بہتر ہو گا کہ تم لوگ ڈیفنس منتقل ہو جاؤ۔ وہاں ملازما میں موجود ہیں انڈیا بھارے آدمیوں کو چین وغیرہ کا کام نہیں کرنا پڑے گا۔“
 ”جیسا آپ کہیں۔“ رضیہ بولی یہ کفیل رضا اور صادق حبیب کو بھی اپنے ساتھ منتقل کرنا چاہتا تھا۔“
 ”تھا ہے۔“

”اور حبش صاحب نے کھجے سے جو سنتی بولوائے ہیں؟“
 ”انھیں واپس کر کے ڈیفنس کے کھجے سے کبھی سنتی بولوائے جاسکتے ہیں۔ تم حبش صاحب سے کہہ دینا کہ یہ منتقلی

میری اپنا پرہیز ہے۔“
 ”بہتر ہے۔“
 ”اچھا تو میں جانتی ہوں۔“
 ”میرے لیے اب یہ اچھا کام کر کے دیں۔“
 ”ظاہر ہے تم لوگوں کو یہاں سے منتقل ہونا نہیں لگتا۔“
 ”ہم ایک ڈیڑھ گھنٹے میں ڈیفنس میں لے کر آ رہے ہیں۔“
 ”آپ سیکورٹی کی طرف مہار! ہاں۔“
 ”میں آج اس کے باپ سے مکمل گرفت کر لی۔“
 ”پھر میں نے رضیہ کے کچھ بولنے کا انتہائی رشتہ رکھا۔“
 ”میں اب تیزی سے بی بی بٹا جا رہی تھی اور میں اس کے مکمل غلام سے اس انداز میں گفتگو کر رہا تھا۔“

”اس سوچ بچار کے باوجود میں عاقبت اور گرد کے ماحول سے بے خبر نہیں تھی۔“
 ”آپ تو میں جو کچھ اور میری پوری توجہ اس منہ مبذول ہو گئی تھی جس کا عکس میں عقب نہ آتا تھا۔“
 ”میرے سر پر روشنی میں ابھی شام کا ہوا تھا۔ انداز میں سپورٹس جیلانے والے نو۔“
 ”تھی۔ میری اور اس کی کار کے بیچ میں کوئی اور تھی۔ جب کبھی ایک سنگل ریزنگ ہوا تو سرخ ہوا۔“
 ”پچھے بالکل قریب آ کر مڑی اور میں عقب نہ آتا تھا۔“
 ”کاچہرہ بالکل صاف دیکھ سکتی تھی۔ اس کی عمر مکمل سال ہو گئی۔ وہ آتا تو بصورت تھا کہ اسے دیکھ

سوچے بغیر نہ ہو سکتی۔“
 ”کاش وہ لڑکی ہوتا! سنگل کی سرخ تھی۔“
 ”میں نے اس کی کار کے بیچ میں کوئی اور تھی۔ جب کبھی ایک سنگل ریزنگ ہوا تو سرخ ہوا۔“
 ”پچھے بالکل قریب آ کر مڑی اور میں عقب نہ آتا تھا۔“
 ”کاچہرہ بالکل صاف دیکھ سکتی تھی۔ اس کی عمر مکمل سال ہو گئی۔ وہ آتا تو بصورت تھا کہ اسے دیکھ

سوچے بغیر نہ ہو سکتی۔“
 ”کاش وہ لڑکی ہوتا! سنگل کی سرخ تھی۔“
 ”میں نے اس کی کار کے بیچ میں کوئی اور تھی۔ جب کبھی ایک سنگل ریزنگ ہوا تو سرخ ہوا۔“
 ”پچھے بالکل قریب آ کر مڑی اور میں عقب نہ آتا تھا۔“
 ”کاچہرہ بالکل صاف دیکھ سکتی تھی۔ اس کی عمر مکمل سال ہو گئی۔ وہ آتا تو بصورت تھا کہ اسے دیکھ

سوچے بغیر نہ ہو سکتی۔“
 ”کاش وہ لڑکی ہوتا! سنگل کی سرخ تھی۔“
 ”میں نے اس کی کار کے بیچ میں کوئی اور تھی۔ جب کبھی ایک سنگل ریزنگ ہوا تو سرخ ہوا۔“
 ”پچھے بالکل قریب آ کر مڑی اور میں عقب نہ آتا تھا۔“
 ”کاچہرہ بالکل صاف دیکھ سکتی تھی۔ اس کی عمر مکمل سال ہو گئی۔ وہ آتا تو بصورت تھا کہ اسے دیکھ

ہاں تھی! اس وقت بھی میں نے سرخ سپورٹس کو اپنے لیا۔ اب اس میں ذرا بھی شبہ نہیں رہا تھا کہ سرخ بی تعاقب کر رہی تھی۔ میرے لیے اب یہ اچھا کام کر کے دیں۔“
 ”ظاہر ہے تم لوگوں کو یہاں سے منتقل ہونا نہیں لگتا۔“
 ”ہم ایک ڈیڑھ گھنٹے میں ڈیفنس میں لے کر آ رہے ہیں۔“
 ”آپ سیکورٹی کی طرف مہار! ہاں۔“
 ”میں آج اس کے باپ سے مکمل گرفت کر لی۔“
 ”پھر میں نے رضیہ کے کچھ بولنے کا انتہائی رشتہ رکھا۔“
 ”میں اب تیزی سے بی بی بٹا جا رہی تھی اور میں اس کے مکمل غلام سے اس انداز میں گفتگو کر رہا تھا۔“

”اس سوچ بچار کے باوجود میں عاقبت اور گرد کے ماحول سے بے خبر نہیں تھی۔“
 ”آپ تو میں جو کچھ اور میری پوری توجہ اس منہ مبذول ہو گئی تھی جس کا عکس میں عقب نہ آتا تھا۔“
 ”میرے سر پر روشنی میں ابھی شام کا ہوا تھا۔ انداز میں سپورٹس جیلانے والے نو۔“
 ”تھی۔ میری اور اس کی کار کے بیچ میں کوئی اور تھی۔ جب کبھی ایک سنگل ریزنگ ہوا تو سرخ ہوا۔“
 ”پچھے بالکل قریب آ کر مڑی اور میں عقب نہ آتا تھا۔“
 ”کاچہرہ بالکل صاف دیکھ سکتی تھی۔ اس کی عمر مکمل سال ہو گئی۔ وہ آتا تو بصورت تھا کہ اسے دیکھ

سوچے بغیر نہ ہو سکتی۔“
 ”کاش وہ لڑکی ہوتا! سنگل کی سرخ تھی۔“
 ”میں نے اس کی کار کے بیچ میں کوئی اور تھی۔ جب کبھی ایک سنگل ریزنگ ہوا تو سرخ ہوا۔“
 ”پچھے بالکل قریب آ کر مڑی اور میں عقب نہ آتا تھا۔“
 ”کاچہرہ بالکل صاف دیکھ سکتی تھی۔ اس کی عمر مکمل سال ہو گئی۔ وہ آتا تو بصورت تھا کہ اسے دیکھ

سوچے بغیر نہ ہو سکتی۔“
 ”کاش وہ لڑکی ہوتا! سنگل کی سرخ تھی۔“
 ”میں نے اس کی کار کے بیچ میں کوئی اور تھی۔ جب کبھی ایک سنگل ریزنگ ہوا تو سرخ ہوا۔“
 ”پچھے بالکل قریب آ کر مڑی اور میں عقب نہ آتا تھا۔“
 ”کاچہرہ بالکل صاف دیکھ سکتی تھی۔ اس کی عمر مکمل سال ہو گئی۔ وہ آتا تو بصورت تھا کہ اسے دیکھ

سوچے بغیر نہ ہو سکتی۔“
 ”کاش وہ لڑکی ہوتا! سنگل کی سرخ تھی۔“
 ”میں نے اس کی کار کے بیچ میں کوئی اور تھی۔ جب کبھی ایک سنگل ریزنگ ہوا تو سرخ ہوا۔“
 ”پچھے بالکل قریب آ کر مڑی اور میں عقب نہ آتا تھا۔“
 ”کاچہرہ بالکل صاف دیکھ سکتی تھی۔ اس کی عمر مکمل سال ہو گئی۔ وہ آتا تو بصورت تھا کہ اسے دیکھ

آکھڑا ہوا۔ معمول کے مطابق اس کے چہرے سے سزا کا لہجہ ہی نکلتا تھا۔ لیکن انکھوں میں اچھن کے آثار بھی موجود تھے۔ کفیل رکھنے کے سلسلے میں متفکر تو وہ بھی رہا ہو گا۔“
 ”میں نے آہستہ سے سیکورٹی کو خود سے جدا کیا اور براہ راست رام لال کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔“
 ”کھجے آپ کے کچھ باتیں کرنا ہیں۔“
 ”کس سلسلے میں؟“
 ”رام لال کا معجزہ بہت کھرا تھا۔“
 ”اسی سلسلے میں جس سے آپ اب تک بچتے رہے ہیں۔ میں

مشاقی چنگیزی کے بارے میں۔“
 ”کھجے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کرنا۔“
 ”رام لال نے گویا جھٹکے سے کہا۔ آخر لوگوں کو اس سے کیا تعلق کہ میں نے اپنا سب کچھ ایک اجنبی شخص کو کیوں دے دیا؟ میری مرضی میں اپنے گھر میں آگ بھی لگا سکتا ہوں۔“
 ”نہیں لگا سکتے۔“
 ”میں تدم بڑھاتے ہوئے بولی۔“
 ”کیونکہ وہ آگ اس پاس کے لوگوں کو بھی نقصان پہنچا سکتی ہے۔“
 ”میرا اشارہ سنگلیہ کی طرف تھا جسے رام لال نے بھی کھجے لیا اور چڑھانے والے انداز میں کہا۔“
 ”تھیں میرے آگ پاس کے لوگوں سے دلچسپی نہیں ہونا چاہیے۔“
 ”دلچسپی ہونا چاہیے یا نہیں ہونا چاہیے سے قطع نظر سب دلچسپی ہو چکی ہو تو کچھ نہیں کیا جاسکتا۔“
 ”کیا جاسکتا ہے۔“
 ”رام لال نے تیز سے کہا۔“
 ”سنگلیہ اس ناخوشگوار صورت حال سے گھبرا گئی اور بولی۔“
 ”مگر سچائی۔۔۔“

”تم خاموش رہو۔“
 ”رام لال نے اسے جھڑک دیا۔“
 ”رام لال! میں نے سخت انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔“
 ”تم اس معصوم لڑکی کو تو خاموش کر سکتے ہو مگر آستین کے لمبے کوئی جبر نہیں کر سکتے۔“
 ”وہ دیکھا کہ اسے لگا۔“
 ”رام لال کے چہرے سے لڑکھٹیر ہو گیا لیکن وہ گرج کر بولا۔“
 ”چلی جاؤ یہاں سے!“

”سنگلیہ سہمی ہوئی ایک طرف کھڑی تھی۔ میں نے اس پر ایک اچھی سی نظر ڈالی اور پھر رام لال سے کہا۔“
 ”آج میں تم سے نصیحت کرنا چاہتا تھا۔“
 ”اگر تم مشاقی چنگیزی کے سلسلے میں گفتگو نہیں کرنا چاہتے تو میں شائستہ حبیب کے سلسلے میں بھی گفتگو کر سکتی ہوں۔“

”سنگلیہ سہمی ہوئی ایک طرف کھڑی تھی۔ میں نے اس پر ایک اچھی سی نظر ڈالی اور پھر رام لال سے کہا۔“
 ”آج میں تم سے نصیحت کرنا چاہتا تھا۔“
 ”اگر تم مشاقی چنگیزی کے سلسلے میں گفتگو نہیں کرنا چاہتے تو میں شائستہ حبیب کے سلسلے میں بھی گفتگو کر سکتی ہوں۔“

شائستہ عجیب کا نام سن کر رام لال لڑکھڑاسا گیا۔ اگر وہ دیوار کا سارا نڈے لیتا تو شاید لڑکی ہی پڑتا۔ سنگتیا گھر کے قریب پہنچی اور اسے سمارا دینے کی کوشش کرتی ہوئی گھومنے لپے میں لڑی۔ ”کیا ہوا پتا چلی!“

رام لال کا چہرہ بالکل زرد پڑ گیا تھا۔ وہ خالی خالی نگاہ سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتی رہی مجھے یقین تھا کہ رام لال لکھن کر گھنگو کرنے پر آمادہ ہو جائے گا لیکن میرے دیکھتے ہی دیکھتے رام لال کی حالت میں ایک غیر متوقع تبدیلی واقع ہوئی۔ اس کے چہرے پر پہلی ہوئی زردی بڑی تیزی سے معدوم ہو گئی اور اس کی جگہ سرخی نے لی۔ آنکھوں سے گویا طرا سے پھوٹنے لگے وہ گردن کر بولڈ اس ٹوکے بچے کے مجھے سے میل سب کچھ چھین لیا، کچھ بھی میرا راز افشا کر دیا۔

میں خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ میں جانتی تھی کہ وہ غصے میں آگیا ہے کچھ بولنا چلا جائے جو میں اس کی زبان سے سہلانا پاؤں تھی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ وہ اچانک خاموش ہو گیا۔ اس نے اب اتنی سختی سے ہونٹ بھینچے تھے کہ ہونٹوں کی بجائے بس ایک گہری سی لکیر دکھائی دے رہی تھی۔

”پتا چلی!“ سنگتیا کی آنکھوں سے آنسو پھوٹ پڑے۔ ”بہتر آپ اپنے بیٹے میں نہ جوالا بھی کیوں جھپٹائے ہوئے ہیں جو آپ ہی کے وجود کو جو بچے ڈال رہے ہیں۔ پھر سنگتیا مجھے سے لڑی۔ ”آپ جلی جائے!“

”آج میں غصہ مکمل کیے بغیر نہیں جاؤں گی۔“ میں نے کہا۔ ”تھیں جانا پڑے گا یہ رام لال صلی بھلا کر چلا۔“ اگر تم نہیں جاؤ گی تو میں تھیں جان سے مار ڈالوں گا۔ حرام زادی، لکھیا اچلی جاؤ یہاں سے! دفع ہو جاؤ!“ رام لال مجھے گالیاں بکتا ہی چلا گیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اس پر پتہ یان کا دردہ بڑھ گیا ہو۔ اگر وہ گالیاں مجھے کسی اور شخص نے دی ہوتیں تو شاید میں مشتعل ہو جاتی لیکن سنگتیا کی وجہ سے مجھے ضبط کرنا پڑا۔

”چلی جاؤ! چلی جاؤ! دفع ہو جاؤ!“ رام لال صلی بھلا رہا۔ اس کے منہ سے کت جھاری ہو گیا تھا۔

سنگتیا روئے جارہی تھی۔ اس نے ملتی نظر سے میری طرف دیکھا۔ وہ بھی جیسا جانتی تھی کہ میں وہاں سے لوٹ جاؤں۔ میں بھجلائی بھی اور لکھنا بھی گئی۔ محض سنگتیا کی وجہ سے مجھے بچا ہونا پڑا تھا ورنہ میں رام لال کے غیظ و غضب

سے تو ذرا میں متاثر یا مرعوب نہیں رہتا۔ اس سے میری اور دروازے سے لکھ کر گزری گئی۔ اس وقت میں ذرا دیر کے لیے اس موم تھی جو میرے تعاقب میں لگا ہوا تھا۔ اس کا

آداب میں اپنی کار میں بیٹھ کر ابغین اسٹاپ کر حرکت میں لانے سے قبل میں نے فہم ہوا ادھر سے آئے دالے ٹریفک کا جائزہ لیا تھا پرنسنگا پڑنے لگی تھی وہ تو جان یا دا گیا تھا

اس کی شکل نہیں دکھائی دی۔ غالباً وہ کچھ کہیں خود کو میری نظر سے پوشیدہ رکھنے والے میں نے کامیابی اور واپس روانہ ہوئی

نے دیکھ لیا کہ مرخ اسپورٹس اب بھیرہ سے آتا لعنت ہے اس نے اس نے دلی دل ہمارا سے بعد میں ہی پتوں کی کریم کو چنے فی الحال کہا پر عمل کرنا ہے جو میں نے سنگتیا کے گھر سے نکلتے ہوئے وہ فیصلہ یہ تھا کہ اب بگل ہاتھوں مشتاق چلے گا

دو دو ہاتھ کر ڈالے جائیں۔ میری کار تیز رفتاری سے قافلہ طے کرتی رہا اسپورٹس نے میرا تعاقب جاری رکھا۔ میں نے مشتاق چنگیزی کے منکے کے احاطہ میں اور پھر ان کے برآمدے میں پہنچی۔ اسی وقت دروازہ کھلا ایک ملازم باہر نظر آیا۔ غالباً اس نے میری گاڑی کے آواز سن لی ہوگی۔

”تمہارا صاحب گھر پر ہے؟“ میں نے اسے گھر ہوئے پوچھا۔

”مجھے علم نہیں، ملازم نے بڑی معصومیت سے جواب میں دیکھ کر آنا ہوں۔ آپ یہیں کہیں!“

”سنو!“ میں مڑتا ہوا کہوں گی۔ تمہارے اس میں مجھے یقین دلایا ہے کہ وہ گھر میں ہی موجود ہے۔ تم اس کے میں اس سے ایک سودا کرنے آئی ہوں۔ اگر وہ چاہتا

اس کا ماموں اسے واپس مل جائے تو وہ مجھ سے ضرور ملے گا ملازم کوئی جواب دیے بغیر لوٹ گیا لیکن وہ اندر دروازہ لوٹ کر نہ آیا تھا۔ میں مڑتا ہوا کہ گئی اور برآمدے میں ٹھلنے لگی۔ اس کا تو مجھے یقین تھا کہ وہ مجھ سے

میں نے صادق عجیب کا حوالہ دے کر اس کی بات رکھ دیا تھا۔

بدوہ ملازم واپس آیا اور بولا ”تشریف لائیے!“ نگ روم میں پہنچی جہاں مشتاق چنگیزی میرا

”وہ مجھے گھورتا ہوا بولا۔ تو میرے ماموں کو اتنی تم ہو؟“

”نہیں ہے، میں نے بڑے سادہ سے کہا۔“ تاہم اگر وہ اب یہ یقین نہ کرے تو میری صحت پر کوئی اثر

میں چاہتی ہو؟“ ”اے کا علم“ ”حقائق؟“

اک غائب کیسے بن سکے؟“ ”غائب نہیں ہوں،“ مشتاق چنگیزی چھپنے لگا۔

”رہ پاس جو کچھ ہے...“ ”پہنچا تھا ہے،“ مشتاق چنگیزی نے میری بات کاٹتے

ملا۔ اور ہر شخص کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اگر اس کا حق نہ اسے چھیننے کی کوشش کرے۔ اگر تم اپنا حق چھیننے

ب ہو گیا ہوں تو یہ کوئی جرم نہیں ہے۔“ ”اے چھپنے کی ضرورت نہیں ہے سڑ مشتاق چنگیزی!“

”مگر بولی“ ”تھوڑے دل و دماغ سے بات چیت کرو۔“

ماموں کی واپسی چاہتے ہو تو تھیں بتانا پڑے گا کہ دردت پر کھتا تھا حق کیسے ہو گیا؟“

اس نے پہلے کہ مشتاق چنگیزی کوئی جواب دیتا، برآمدے ایک دباؤ بنی ہوئی آواز سنائی دی۔ ”ہمٹ جاؤ اسے سے!“

اس اور مشتاق چنگیزی جو کچھ بڑے۔ وہ آواز رام لال اسے غالباً مشتاق چنگیزی کے ملازم نے رکھنے کی

کی ہوگی لیکن وہ اسے روکنے میں ناکام رہا۔ دروازہ ایک کے ساتھ کھلا اور رام لال زندہ ناسا ہوا اس شان سے

گھر کے دائیں ہاتھ میں پستول تھا۔ ”ہ اندر آئے ہی گرجا۔“ تم دونوں میں سے میری جگہ سے حرکت نہ کرے۔“

مشتاق چنگیزی کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ ”مجھے تم سے کوئی خاص شکایت نہیں ہے۔“ رام لال نے نے مجھ سے کہا۔ اس لیے میں تم سے کچھ نہیں کہنا چاہتا لیکن اس کجبت سے آج مجھے فیصلہ کرنا ہی ہو گا۔ رام لال کی خون کھلتی ہوئی آنکھیں مشتاق چنگیزی پر جم گئیں۔

”تم...“ مشتاق چنگیزی نے کہا۔ ”تم شاید کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر میرے پاس آئے ہو!“

”حرام زادے!“ رام لال نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ ”آج مجھے یقین آ رہی ہے کہ اگر کتا جائز خون کا تو بھڑا ہمیشہ نیچ

ثابت ہوتا ہے۔ میں نے اپنی ساری زندگی کی گمانی مجھے سوچ دی لیکن تو نے میری زندگی کے اس داغ کو لوگوں پر آشکارا

کر دیا؟“ ”نہیں... نہیں... تم...“ مشتاق چنگیزی کی زبان میں لگت تھی۔

”میں یہاں کچھ سننے نہیں،“ فیصلہ کرنے آیا ہوں۔ کھیل ختم کرنے آیا ہوں،“ رام لال نے کہا اور پستول کا ٹرگر دبا دیا۔

کمرے میں دھماکے کی آواز گونجی اور مشتاق چنگیزی کی پیشانی سے خون کا فوارہ اُبل پڑا۔ رام لال کا نشانہ بہت سچا

تھا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر بڑی۔ ”تھیں گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے اسے عورت اگر رام لال

نے بڑے رسکوں سے کہا۔ ”مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں ہے، بلکہ مجھے اُمید ہے کہ میرے بعد تم میری جگہ کا خیال رکھ سکو گی۔“ میں

نہیں چاہتا کہ اس حرام زادے کے قتل کے سلسلے میں تم کی پیشانی کا شکار ہوں اس لیے میں تھیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میری جیب

میں اعتراف نامہ موجود ہے۔“ ”رام لال کے آخری فقرے سے میں سمجھ گئی کہ اب وہ کیا کرنے

والا ہے لیکن میں اس پر تشویش میں نہیں تھی کہ اسے اس کے اقدام سے باز رکھ سکتی۔ رام لال نے پستول کی نال اپنی پیشانی پر رکھی اور ٹرگر

دبا دیا۔ ”اے حرم زادے! مشتاق چنگیزی کی لاش لڑکھڑاسا اور ادھر رام لال

فرش پر ڈھس ہوا۔ ”یہ کچھ اتنی تیزی سے ہو گیا تھا کہ میں ایک بے بس متائل

بنی رہ گئی تھی لیکن جب یہ خون کا کھیل اپنے انجام پہنچ گیا تو میں بڑی تیزی سے حرکت میں آ گئی۔ میں نے آگے پیچ کر دروازہ اندر سے

بند کر لیا۔ گولیسوں کی آوازوں نے مشتاق چیخڑی کے ملازموں کو شدید خوفزدہ کر دیا تھا اور وہ فوراً درجن میں گئے مگر اس کے آنے کا احتمال تھا اور اسی لیے میں نے اُن کی آمد سے قبل کچھ کار کر لینا چاہتی تھی میں نے رام لال کی جیبوں کی تلاش کی اور مجھے اپنی مطلوبہ چیز مل گئی۔

رام لال کا اعتراف نامہ تھا۔ اس اعتراف نامے کے مطابق وہ دہلی میں شائستہ حبیب بنانی ایک لڑکی سے رام لال کے ناجائز تعلقات تھے۔ رام لال اس سے شادی بھی کر لیتا مگر اچانک اسے شہر ہوا کہ شائستہ حبیب کسی جرم پر پیشہ گردہ سے تعلق رکھتی ہے۔ پھر رام لال کو یہ اندازہ بھی ہوا کہ شائستہ کا تعلق بین الاقوامی تنظیم مافیا سے ہے۔ یہ بات معلوم ہونے کے بعد رام لال، شائستہ حبیب سے قطع تعلق کر لینا چاہتا تھا لیکن اس دوران میں شائستہ حاملہ ہو چکی تھی۔ رام لال نے چاہا کہ اسقاط ہو جائے لیکن شائستہ اس کے لیے تیار نہیں ہوئی۔ پھر اُس دوران میں کسی نے شائستہ کو قتل کر دیا حالات کچھ ایسے تھے کہ شہرہ رام لال کی طرف جارہا تھا۔ رام لال کسی نہ کسی طرح خود کو قانون کی گرفت سے بچا تا کہ بالین کا آخر اسے یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ وہ دہلی سے منسحاب ہو جائے اس نے اپنے اس فیصلہ پر عمل بھی کیا اور کراچی آ کر ایک خوشگوار زندگی گزارنے لگا لیکن برس برس کے بعد اس کی زندگی کا سکون اُس وقت نہ دہلا ہوا گیا جب اس کا گناہ مشتاق چیخڑی کی صورت میں اس کے سامنے آیا۔

مشتاق چیخڑی کے پاس رام لال کا ایک خط تھا جو شائستہ حبیب کو لکھا گیا تھا۔ اگر اس خط کی تشہیر کر دی جاتی تو رام لال کسی کو مرنے لکھانے کے قابل نہ جاتا۔ اس کے علاوہ رام لال پر قتل کا الزام بھی آتا تھا۔ اس صورت حال نے رام لال کو بولکھلا دیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ مشتاق اسے بلیک میل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے رام لال سے اس کا سب کچھ پتہ لیا اور رام لال دم سلاہ کر رہ گیا۔ وہ اپنی فطرت سے مجبور تھا۔ اسے یہ بات تو منظور تھی کہ وہ ناترک کر کے مر جائے لیکن وہ کسی قسم کی بدنامی کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن جب اسے اندازہ ہوا کہ مشتاق چیخڑی نے اس کا راز فاش کر دیا ہے، تو وہ مشتعل ہو گیا اور اس نے فیصلہ کیا کہ وہ مشتاق کو قتل کر دے گا۔

اپنے اعتراف نامے کے آخر میں رام لال نے پولیس سے درخواست کی تھی کہ اس کے اس معاملے کی تشہیر نہ کی جائے تاکہ لوگ اس کی معصوم بیٹی کو ایک بڑے آدمی کی بیٹی کی حیثیت سے شناخت نہ کریں۔

اس کے علاوہ رام لال نے یہ درخواست بھی کر دی کہ وہ رام لال کو پھانسی کا نشانہ بنانا توڑ دے اور اس کے پاس ہے اور پولیس کا دفتر میں ہے کہ وہ ایک بے سہارا حق واپس دلائے۔

یہ اعتراف نامہ پڑھنے کے بعد میں نے اسے جیب میں رکھ دیا اور تیزی سے ٹیلیفون کی طرف دوڑ گیا۔ کب تک رضیہ وغیرہ ڈیفنس پہنچ چکے ہوں گے اٹھا یا اور اپنے گھر کے کمرے میں داخل کرنے لگی۔ دوسرے لمحے بعد ریسور اٹھا گیا اور آواز سنائی دی کہ "رضیہ! میں اس کی آواز نہ سنتی تھی کہ وہ لوگ خیریت سے منتقل ہو گئے؟"

"جی ہاں، اور میں اسے سگنیت آپ کا انتظار کر رہی تھی۔ ابھی یہاں پہنچی ہے اور آپ سے ملنے کے لیے ہے۔"

"تم سگنیت کو کیسے جانتی ہو؟"

"مجھے اس کے بارے میں رضوان نے بتایا ہے۔"

"اس نے بتایا کہ وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہے؟"

"وہ رضوان کو بتا رہی تھی کہ آپ اسے بتائیے۔"

نہیں لیکن آپ دونوں میں تیز سے ملائی ہو گئی اور آپ اس چلی گئیں لیکن آپ کی رخصت کے ذریعہ بعد رام لال سے کہہ کر وہ غلطی کر بیٹھا ہے، اسے ہانپنے کو گفتگو کر لینا پھر اس نے سگنیت سے کہا کہ وہ جا کر بالو کو بلا لائے۔ آپ کو لینے کے لیے آئی ہوئی ہے۔"

رضیہ کے اس جواب سے میں سمجھ گئی کہ اصل بات یہ دراصل میری رخصت کے بعد رام لال نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ چیخڑی کو قتل کر دے گا لیکن اسے یہ احساس بھی تھا کہ اشتعال کے عالم میں ہے اس لیے سگنیت اسے کہیں نہم دے گی۔ اسے گھر سے ملنے کے لیے رام لال نے یہی حال پل ہیرے گھر بھیج دیا۔

"ہیلو باجی! رضیہ نے مجھے پکارا۔"

"وہاں... ہاں! میں اپنے خیالات سے چونک کر رہی تھی۔"

کہا "سنو فلو! جسٹس صاحب بھی تم لوگوں کے ساتھ آئے۔"

"جی ہاں!"

"اچھا تو ایسا کر دو کہ رضیہ رضوان کے ساتھ مشتاق کے گھر پہنچ دو۔ میں یہیں ان کی منتظر ہوں۔"

اہاں وہاں کیا کر رہی ہیں؟ رضیہ نے چوک کر پوچھا۔ اس کیلئے ختم ہو چکا ہے؟

ما مطلب؟

و تفصیل سے بتاؤں گی۔ فی الحال تم یہی کرو جو میں حکایتیں کر رہی ہوں۔ اس سے کہنا کہ ایک گھنٹے میں لی ہوں۔ وہ میرا انتظار کرے؟

ان دونوں کے انجمن کا شکار ہوں گی؟

انہماں سے بیٹھو؟ میں نے کہا اور سیدھے منقطع کر دیا۔

وقت کوئی زور زور سے دروازہ پیٹنے لگا۔

ہاں ہے؟ میں نے چوک کر بلند آواز میں پوچھا لیکن

فہم کردہ پولیس ہو گئی کہ جو شخص میں نے ذہنی طور پر قتل کر دیا۔

کہا۔

ما لکھ کر دروازہ کھولا اور ایک انسپکٹر کی سپاہیوں کے

گھسٹا پلا آیا۔ ان سپاہیوں کے علاوہ ایک سب انسپکٹر بھی

لوگوں نے مشتاق چیخڑی اور رام لال کی لاٹھوں پر نظر پڑا۔

مجھے گھبراہٹ ہو رہی تھی کہ آپ ان دونوں کے ساتھ کمرے

کی طرف سے کیا کر رہی ہیں؟

پہلوں کا انتظار؟ میں نے بڑے سکون سے کہا اور ایک

بیمیں۔

اپہ کا نا؟

ہمیں ہانپنے کے لیے آئی ہوئی ہے۔

سُن کر سارے ہی پولیس والے اچھل پڑے اور اس سے

ہار مار کر سامنے چلے پولیس میں مشہور ہوئی جلدی تھی۔

اے... آپ صبر کرو، فوٹو ہیں؟ انسپکٹر کے کمرے سے نکلا۔

ہاں اس میں قحب کیوں ہے؟

ماہ دہی ہیں جو پولیس کو مطلوب ہیں؟

موصافا اس کی جھڑپ؟ میں نے نہم خند کیا۔ اگر آپ

میں انتظار کروں؟

وہ نوکرانہ ہی بڑے گی؟ انسپکٹر نے کہا اور پھر سب انسپکٹر

اے ہوا تم اس کی صاحب سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرو؟

میں نے انسپکٹر کے سامنے سپاہیوں کو ہدایت دینے لگا کر لاٹھوں

میں کیا کچھ کرنا ہے۔

میں خاموشی سے ان کی گفتگو کا اندازہ کر رہی تھی۔ مجھے صرف

ماطریقہ کی آمد کا انتظار تھا۔ مجھے انجمن متا کا ان کے آنے کے بعد

یہ پولیس والے مجھے دیکھنے کی ہمت نہیں کر سکیں گے۔ میں چاہتی تھی کہ اب جلد از جلد اپنے گھر پہنچ کر سگنیت سے ملاقات کروں۔ اسے رام لال کی موت کی اطلاع میں خود دینا چاہتی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ یہ صدمہ اس کے لیے ناقابل برداشت ہوگا اور اس عالم میں اس کو صرف میں ہی نہال سکتی تھی۔

رضوان جیسٹس بشیر کو کے بہت جلد وہاں پہنچ گیا، میری توقع سے بھی زیادہ جلدی!... اور جس بشیر کو کے پیکر پولیس والے بولکھلا گئے۔ پھر ان کی بولکھلا میں جسٹس گھلٹ میں شامل ہو گئی جب جسٹس صاحب کی اور سے مخاطب ہونے کی بجائے سیدھے میری طرف آئے اور پوچھنے لگے "کیا معاملہ ہے؟"

دوسری طرف رضوان کی ہڈیوں کی حالت میں رام لال اور مشتاق چیخڑی کی لاٹھوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ سب کچھ اس کے لیے بھی انتہائی غیر متوقع اور دیکھنا چاہنے والا ثابت ہوا ہوگا۔

میں جسٹس بشیر کی بات کے جواب میں کھڑی ہو گئی اور بولی "ہم

کسی دوسرے کمرے میں چل کر گفتگو کریں گے؟"

"جیہے، جسٹس بشیر نے کہا اور پھر ایک دم مڑ کر انسپکٹر کے کمرے۔"

"آفسیئر آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟"

"نوسر! انسپکٹر ارٹ ہو گیا۔"

"شکر ہے جسٹس بشیر نے کہا اور پھر وہ میرے ساتھ برابر واسے

کمرے میں آ گئے۔

میں نے بھی آواز میں انھیں سلام کیا بتائی اور اس طرف ہٹے

کات بہا بہا بھی سنا دیا جو میں رام لال کی جیب سے نکال کر رکھ چکی تھی۔

"تو یہ معاملہ ہے؟" جسٹس بشیر کی پیشانی پر سونے پر نہیں۔

"جنب دلا، میں نے کہا، میرا خیال ہے کہ آپ نے سارے

معاملے کو سمجھ لیا ہوگا۔ اب میرے ذہن میں صرف یہ ایک شخص باقی رہ

گئی ہے کہ مشتاق چیخڑی نے فیصلہ جیب کو ہانپ لیا ہوگا۔ ہاں، ہاں۔

غالباً یہ غلطی اسی وقت عمل کے گاجب معلق حبیب ذہنی طور پر دوت

ہو جائے؟"

جسٹس بشیر متھانڈا انداز میں سر ہلا کر رہ گئے۔

"دوسری بات یہ کہ آپ نے سگنیت کو تو دیکھ ہی لیا ہوگا؟" میں

بولی۔

"ہاں، وہ گھر پر آپ کی منتظر ہے۔"

"باپ کی خوشی کی خبر اس کے لیے انتہائی ہولناک ہوگی۔ میں

چاہتی ہوں کہ جا کر خود اسے بتاؤں اور اسے سنبھالوں۔ کیا پولیس والے

978

نے چمکری وقت کے لیے اٹھا رکھنا مناسب سمجھا۔ میں نے دایں کا قصد کیا اور بولی۔ "تمہاری احسانت بانوں نے میرے دماغ کو غاصا پرالغندہ کر دیا ہے۔ بہر حال میں جاری ہوں۔ یہ باؤد کو کرکھنہ تم نے میرے خلاف کاسلسلہ جاری رکھا تو میں تمہاری عزت بہت جتہم رسد کر دوں گی۔" اہرہرہ عجیبہ خالی خالی آنکھوں سے دیکھنے لگا۔ میں نے اس کے چہرے پر راسیتنٹ غموں کی اوجہ جھری سی ہے کر رہ گئی۔ کیا واقعی یہ تو عمر بگا بچہ سے محبت کرنے لگا ہے ؟

”ہاں تو ایں...“ سینگھنے نے کنا پٹا۔
 ”بیٹھو تو ایں میں نے اس کی بات کاٹ دی،“
 سونے پر چڑھ گئی۔ سینگھتا بدستور کھڑی رہی غل ۱
 کا ہاتھ کرکھڑکھٹا اور اسے اپنے برابر میں ٹھاپا
 ”ہاں،“ سینگھتا نے ہنسنی ہوئی آواز میں کہا
 دلاق بول کہ اب آپ پناجی کے دھیرے کو بت ۱۰
 وہ آپ کے بارے میں بہت شرمندہ ہونے لگے۔“
 ”انھوں نے تم سے کیا کہا تھا کہ تم یہاں ۱۱
 ”وہ کچھ دیر تو سوچ میں ڈوبے رہے تھے اور ۱۲
 سے غلط ہو کر کہا تھا کہ وہ اپنی اس غلطی پر پشیمان
 تھے بدانت کی کسی طرح کی فوراً آپ کو لے کر گڑوں اور اٹھنا
 کرتے ہوئے آپ کو ابھی سناؤں کہ اب وہ آپ کے
 لیے تیار ہیں۔“

”بانو! سگائے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔
 چنے دل کی دھڑکیں تیز ہوئی جارہی ہیں آپ جو ناخوشگوار اطلاع
 گزرائیں ہیں وہ مجھے ہلزا جلتا رہا ہے۔“

”تم تقریب سے بڑی اطلاع بہت سے سن سکو گی، بانی نے اس کی کھلی
 رکھ دی ہوئے کہا۔

”انھوں نے کہا: ”میں نے تمھیں اس میں لے کر کہا، یہ خود
 ”بانو! سُن لیتا ایک بار ہجر حجِ نپری۔
 میں نے اُسے اپنی انگوٹھ میں سمیٹ لیا اور نہ وہ چل کر
 ہوئی اور میں ممکن تھا کہ دیوار سے سر کرانے لگتی۔

ہاں۔ اس اپنی جھڑپا تھا اور جسٹس بشیر سے ملنا چاہتا تھا لیکن میں نے اسے ملایا۔
 "اور وہ مل گیا؟" رضوان حیرت سے بولا۔
 "ہاں۔ تمہیں اس پر حیرت کیوں ہے؟"

"اور اصل وجہ میں نے جسٹس بشیر کو یہ بات بتائی تھی تو انہوں نے خیال ظاہر کیا تھا کہ اب اس کی جھڑپ کو ضرور گرفتار کرے گا۔"
 "میں سمجھتی ہوں کہ ابھی اسے اس بات کا علم نہیں ہوا ہو گا کہ اس معاملے پر جسٹس بشیر کی گرفت دھیلی پرچیک ہے لیکن جلد ہی اسے اس بات کا پتا چل جائے گا اور وہ ایک بار پھر مجھ پر چڑھ دوڑے گا ماسی ندریشہ کے تحت میں نے مناسب ہی سمجھا کہ فوراً یہاں سے غائب ہو جاؤں۔"

"اب آپ کو غائب ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جسٹس بشیر نے مجھے فوری طور پر اس لیے بھیجا تھا کہ میں کسی طرح اس اپنی جھڑپ کو کچھ دیر کے لیے اٹھا لوں اور وہ آپ کو گرفتار کر کے نہ لے جائے۔"
 "اس سے کیا بڑباز؟"
 "جسٹس بشیر نے کہا تھا کہ وہ اب بھی کسی کچھ سے کی طرح ہے لیکن تو نہیں ہوئے ہیں۔ وہ دوسرے درجن سے آپ کا ضمانت نامہ قبل از گرفتاری حاصل کر لیں گے۔"

"مخرب؟"
 "وہ خود ہی ضمانت نامہ قبل از گرفتاری کے بہت جلد یہاں پہنچ جائیں گے۔"
 "اور ان کو پھر مجھے روک دینا مجھے ہرگز ضرورت نہیں؟"
 "قطعاً نہیں۔"
 "میں نے جو شخص سے کہا کہ وہ دین کو روکوں کہے۔
 "وہ ایک بار پھر روٹ میں جا کر اور میں نے جو شخص سے کہا کہ وہ کفیل رضا اور صادق حبیب کو ان کے کمرے میں پہنچا دے پھر جس دین سے آخر پڑی۔ رضوان تیزی سے چلا ہوا میرے قریب آیا اور بولا۔ میں جا رہا ہوں۔ کچھ دیر میں آؤں گا۔"

"کہاں جا رہے ہو؟"
 "میں عدالت میں مشتاق چنگیزی کی کارے چھا گا تھا۔ اب اسے واپس چھوڑ کر کسی میں آؤں گا۔"
 "اچھا، ٹھیک ہے۔"
 "اگر دوبارہ پولیس کی لینا ہو تو آپ انہیں کسی طرح اٹھا کر کچھ وقت گزار دیجیے گا۔ اتنی دیر میں جسٹس بشیر یہاں پہنچ ہی جائیں گے۔"

جائیں گے۔"
 "تم اس کی فکر نہ کرو۔ لیکن آئی تو میں ایک گنڈہ ہوں گی۔ یہ کہتے ہوئے میں سکرادی تھی۔ رضوان چہانگ پکٹ گیا تھا اس لیے وہ مسکرا پٹ نہ دیکھ سکا اور نہ کہ نہاد۔ وہ سکرابٹ میرے پونوں پر اس خیال سے اٹکی تھی ہاتھ دوڑ میں جا گھوس تو پولیس اس کے سوا کیا کر سکتی؟
 "روم سے میرے نکلنے کا انتظار کرے۔"
 "میں نے رضوان کو بھیجا کہ سے نکلے دیکھا اور دم ڈوانگ روم میں داخل ہو گئی۔
 "رضیا ابھی تک سنگیتا کو تسلی بخشی دے رہی تھی کہ تعجب سے بولی۔ آپ گئی نہیں؟"
 "اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔"

"کیوں؟"
 "میں نے اسے مختصر اور مداری باتیں بتا دیں جو مجھے روم معلوم ہوئی تھیں۔"
 "اچھا تو اب آپ یہاں پر کیوں؟" رضیا ہنسی بھری آنکھوں سے فرار جا کر دیکھ لوں کہ صادق حبیب اور کفیل رضا کو مناسبہ کرے میں چننا دیا گیا انہیں؟"

"ٹھیک ہے۔ دیکھاؤ؟"
 "رضیا ہنسی بھری آنکھوں سے اور میں سنگیتا کے پاس بیٹھ گئی جس کی نگہ بوری تھیں اور چہرے سے صاف معلوم ہوا تھا کہ وہ بڑی اپنے آنسوؤں کو روکے ہوئے ہے۔
 "مجھے لے نہیں چلے گا باؤ؟" وہ جھڑپ بھری آواز میں کہتی تھی۔
 "تم رضیا کے ساتھ جانا۔ مجھے یہاں رکھنا ہے۔"
 "آپ کو پولیس سے پہنچا ہے نا؟"
 "ہاں۔"

"تو پھر بڑباز ہو گا کہ آپ گھر پر نہیں؟"
 "ہاں یہ ایک صورت ہو سکتی ہے لیکن مجھے جسٹس بشیر کا نام کہنا ہے۔ وہ یہ ضمانت نامہ قبل از گرفتاری لے کر تین پچیس منٹ سنگیتا آہستہ سے سڑا کر چپ ہو گئی۔ اس کی نگاہ فرما ہوئی تھی۔ میں نے مناسب ہی سمجھا کہ اب کسی شخص کا کوئی نہ کہ تم کے انہماق میں انسان کو روکا دیتے ہیں۔
 "کچھ دیر میں رضیا لوٹ آئی اور بولی۔" سب ٹھیک ہوا۔"

"اب تم سچا کو مشتاق چنگیزی کے گھر لے جاؤ؟"
 "میرے بے گھر ہونے کی وجہ سے یہاں سے گھر کی جو کچھ میں اسے لے کر چھوڑنے کے لیے باندھے رکھی تھی۔ ان کو رخصت کر کے دہلی ایک روم میں آئی اور ملازمہ سے کافی بنانے کے لیے کہا کہ میں نے ابھی لکنا نہیں لکھا تھا مگر کھانے کی خواہش بھی نہیں تھی۔ مکان دور لے کر لے گئی تھی کہ ضرورت کا احساس ہوا تھا۔

"دوسری ملازمہ کو ملنے یہ ہدایت کی کہ وہ برآمدے میں کھڑی مائے صبر سے ہی پولیس کی گاڑی کو چہانگ میں داخل ہوتے ہوئے روکے گی انداز رکھے اس کی اگلا ہے۔"
 "لیکن اس قسم کی گاڑی بنگالی صحت پر نہیں ہوتی میں کافی پی رہی تھی اس لیے آگے کے چہرے سے صاف معلوم ہوا تھا کہ وہ بہت ہلکے ہیں اور رخصت سے بھی ہیں۔ وہ میرا ہاتھ لے کر لے گئے تھے۔ میں نے لے لیے بھی کافی بنائی اور بولی۔ میں نے یہ ضرورت ہوں کہ آپ میری ہر پریشانیوں میں بیٹھ گئے؟"

"مجھے ان سب باتوں کی پروا نہیں ہے۔"
 "یہ بات ظاہر ہو جانے کی آپ ہی نے یہ ضمانت نامہ قبل از گرفتاری لے لیا۔"
 "ہو جائے گا ہر ایک جسٹس بشیر نے جھانکے ہوئے انداز میں میری بات لے کر کہا۔ میں تو خود ہی یہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ کل استغنا دے لے۔"

"میں میں ایک سچی سچی کہہ دو رضوان! کیا گیا۔"
 "ابھی پولیس آئی؟" اس نے پوچھا۔
 "ہاں۔"
 "بیس اور سنگیتا کہاں ہیں؟" وہ ادھر ادھر دھوڑا کھتا ہوا بولا۔
 "رضیا سنگیتا کو اس کے باپ کی لاش دکھانے لے گئی ہے۔"
 "مشتاق کے گھر؟"
 "ہاں۔"

"لیکن اب تو لاشیں وہاں نہیں ملیں گی۔ میں جب وہاں سے چلا آیا تو دونوں لاشوں کو پڑا ہوا کھانے کے لیے باپشن لے جانے کی تھی۔"
 "تو پھر وہاں سے ہوس کے باپشن ہی چلی جائیں گی۔"
 "میری اور رضوان کی باتوں کے دوران میں جسٹس بشیر کسی گھری لے ڈوبے ہوئے تھے۔
 "اب ملازمہ بنگالی تیزی سے ڈوانگ روم میں آئی اور گھر لے لے۔"

ہوئے انداز میں بولی۔ "پولیس والے آ رہے ہیں۔"
 "آئے دو؟" میں نے لاپرواہی سے کہا۔ "تم خود انہیں یہاں ملازمہ دروازہ کھولی کہ محل گئی تو پولیس کا کہنے کی آواز دی۔ میں نے جسٹس بشیر سے کہا۔ کیا یہ بڑباز ہو گا کہ آپ اندر کسی کمرے میں چلے جائیں؟"

"نہیں میں یہیں بیٹھا رہوں گا۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا جسٹس بشیر نے کہا۔
 "لازمہ کے پیچھے پیچھے پولیس ڈوانگ روم میں آئی۔ جسٹس نے وہاں موجود پولیس کی اپنی منھوسے چہرے پر تیز ذہن کے آثار پیدا لیکن جلد ہی اس نے خود اعتمادی بحال کر لی اور اندر جسٹس سے غما ہو کر بولا۔ "سزا مجھے بے حد مل سکتی ہے۔"
 "ارباب چنگیزی کو نہ لانے کا؟" جسٹس بشیر نے تجھے ہونے بلے کہا۔

"اس اپنی جھڑپ ایک بار پھر کر دیا لیکن اس مرتبہ بھی جلد ہی نہ گیا اور بولا۔ مجھے بہت اذیت ہے۔ اس کا کہنے میں کہ اس کی سزا ارباب چنگیزی کو باطل ہے۔ چنگیزی۔ دو دوسرے تجھے بہت کچھ سے حکم بھی ملے گا۔ کبھی ہاں کو گرفتار کر لوں۔"

"تم کل صبح اپنا تیس عدالت میں پیش کر دو۔ یہ حاضر ہو جائیں گے گرفتاری کی کیا ضرورت ہے؟"
 "مجھے گرفتاری ہی کا کالم ملے۔"
 "اچھا تو پھر گرفتار لو گرفتار۔" جسٹس بشیر نے لاپرواہی سے کہا۔
 "اب اپنی اپنی جھڑپ سے ناخانا انداز میں میری طرف دیکھا اور بڑباز طعنان سے بولا۔ آپ خود کو زیر حراست سمجھیں۔"
 "کچھ لے کر کام نہیں چل سکتا؟" میں نے ہنس کر پوچھا۔
 "خواب والا؟" اپنی اپنی جھڑپ سے ناخانا انداز میں جسٹس بشیر کی طرف دیکھا۔ "یہ آپ کے سامنے ہی مجھے رشوت کی پیشکش کر رہی ہیں اور یہ جرم ہے۔"

"تم ٹھیک کر رہے ہو؟" جسٹس بشیر نے کہا اور مجھ سے لے کر ہاتھ آپ کو اپنے انہماق میں لینا ہوں گے۔" وہ ہتھکڑیاں لٹکے۔ ناخانا ہرے کہان کے اندر کا جسٹس بلیک ہو گیا ہو گا۔
 "آئی ام ہوری۔" میں نے انگریزی میں کہا اور پھر اپنی اپنی جھڑپ سے بولی۔ "میں مدعا یہاں جا رہی ہوں ایک ہی صاحب!"
 "آپ میرے ساتھ چلیں۔" اس اپنی جھڑپ کا انداز نکھانے تھا۔
 "میں ضرور چلتی لیکن میرے ساتھ ایک عبوری اچڑی ہے۔ میں

”اس بڑے آدمی سے تمھارا کیا تعلق ہے؟“

”جب میں کوثر لڑ رہا تھا تو اس بڑے آدمی کی کئی کئی دنگیں بہت لڑتے آگے تھے۔ انگریز وہ راز انشا کردوں تو وہ کسی کو مرنے بکھانے کے قابل نہ ہے؟“

”تم اسے بیک میل کرتے ہو؟“ میں نے رضوان کو گھورا۔
”میں نے اس سے کبھی ایک پیاہی نہیں لیا، رضوان نے میرے بیکر کہا میں آپ کو پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ میں صرف راشی لو۔ یہ رضوان انصروں کو بیک میل کیا کرتا تھا اور اب بھی اسی کو بیک میل کرتا ہوں ورنہ ملازمت چھوڑنے کے بعد تو بیوک سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر حرکت کرتا ہوں۔“

”تو پھر اس بڑے آدمی کے راز تم نے اپنے پاس کیوں رکھ چکے ہیں؟“

”ممن اس لیے کہ اگر ضرورت پڑے تو اس سے کوئی ایسا کام لے سکوں جس سے اسے کوئی نقصان نہ پہنچ سکے جیسا کہ آج پہلے صادق حبیب اور کفیل رھانے کے لیے اس آدمی کی کوئی سے بہتر گزشتہ عافیت اس وقت کہیں نہیں مل سکتا تھا۔“

”ہوں؟“
میں اور رضوان صوفوں پر مٹے مٹے بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے کچھ خیال آیا تو میں بڑبڑاتی ہوئی عرض کیا اچھی تک نہیں گزرتی۔ رضوان اچانک میری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ اس نے شاید میری بڑبڑاہٹ نہیں سنی اور پھر اچانک سسکا کر بولا: ”آپ کے لیے ایک تحفہ میرے پاس!“

”کیسا تحفہ؟“
”ایک ایسا عمدہ کرتاشاق چنگیزی، رام لال اور صادق حبیب کا ممتاز اس نے مکمل طور پر صل ہو گیا ہے۔“

”یعنی؟“
”مشتاق چنگیزی کی ڈائری، رضوان نے کہا اور اپنے لباس کے اندر پوشیدہ ڈائری نکال کر میری طرف بڑھادی۔“

”یہ تمھیں کہاں سے ملی؟“ میں نے مددی سے ڈائری کھولنے پر ملے پوچھا۔

”مشتاق چنگیزی کی خواہگاہ ہے؟“ رضوان نے جواب دیا جس وقت پولیس وہاں اپنی کارروائی میں مصروف تھی مجھے مشتاق کی خواہگاہ میں گھسنے کا موقع مل گیا تھا۔ یہ ڈائری اس کی سائیکل پر رکھی ہوئی تھی۔ اس کے پاس ہی قدر بھی رکھا ہوا تھا۔ میں کھتا ہوں کہ جس

وقت آپ وہاں پہنچے تھے وہ ڈائری ہی کچھ رہا تھا۔ اس آج تک کے اندراجات موجود ہیں۔ اب صادق میرے توازن تک چھک رہا ہے۔ ہوا اس ڈائری سے سب کچھ دیکھ لے۔ مجھے اتنا موقع نہیں ملا کہ ڈائری کو دیکھ کر اس کے حیرت انگیز تر مٹا لے لیکن میرا خیال ہے کہ اس ڈائری ساری باتیں موجود ہیں جو آپ جانتا چاہتی تھیں۔ مثلاً وہ برٹشوں سے تیار کردہ وہ وہاں خود صادق حبیب کی، اور اس جس سے دماغ کو قوی طور پر مزین تر تیار کیا جاسکتا ہے۔ کرتاشاق چنگیزی نے اپنی مطلب باری کے لیے اتنا مال کیا جب صادق حبیب کو اس بات کا اندازہ ہوا تھا کہ مشتاق رام لال کو بیک میل کر کے اس کا سب کچھ بھجوا لیا تھا۔ اس شریف آدمی نے اس خیال کی مخالفت کی تھی۔ وہ ہاتھ مشتاق چنگیزی، رام لال سے صرف اتنا ہی مطالبہ کر رہا تھا جسے لیکن مشتاق چنگیزی پر انعام کا بھیستوار عا کی خواہش تھی کہ وہ رام لال کو مشرکوں پر بھیج دینا تھا۔ جب اس نے محسوس کیا کہ صادق حبیب اس کی راہ میں مزاحمت کرے گا تو اس نے صادق حبیب کی دیانت کردہ وہاں خود ہوا پر ہی آنا ڈالا۔ اس طرح اس نے اپنی مانی کیوں کر دیا۔ بعد میں کفیل رضوان پر بھی یہ دوا آزمائی گئی اور۔۔۔“

رضوان بولا: ”ہاں اور میں ڈائری کی وقت گزرائی کرتی۔ دھیان رضوان کی طرف بھی تھا اور میں ڈائری کے اندراجات نظر دوڑاتی جا رہی تھی۔ مجھے امیناں ہو گیا کہ رضوان نے اگلے کہا تھا۔ یہ ڈائری ملنے کے بعد اب صرف ایک بات پر مشورہ تھی اور وہ بات یہ کہ مشتاق حبیب کو حقیقتاً سسے سے قتل کیا جا۔ رام لال نے پاسی اور سے؟“

میں اور رضوان اس ڈائری کے اندراجات پر گفتگو کر رہے تھے کہ رضوان اور سگیتا واپس آگئیں۔ سگیتا بہت شعل تھی اس کی سب سے سب سے آنکھیں ہوئی تھیں۔

”وہ وگ لاش کو اسپتال پہلے جا چکے تھے۔ رضوان بولی“
”یہ میں وہاں جانا پڑا۔ پوسٹ مارٹم کے بعد لاش میں اس میں سے رطلے پر کھٹا گیا اور سگیتا کا ماتھے پر کھڑا ہے قریب بٹھالیا۔ وہ بٹھال ہی حالت میں میرے شانے سے سر نکلا گئی اور آنکھیں بند کر لیں۔“

میں رضوان کو صادق حبیب کو قتل رھانے کے بارے میں بتا

لے لیکن بج تھی۔ خون میرے قریب ہی تھا میں نے اواز دے پس میں بولی: ”سیلو! یا ناو سپیکنگ!“
”فہ سے وہ پولیس آفیسر لڑ رہا تھا چوشتاق چنگیزی اٹھ کھڑے ہوئے تھا۔ اس نے کہا: ”ہاں وہ صادق میرے مہم کے لئے پڑا ہے۔“
”ایسا بیان لینا جانتا ہوں۔“
”آفیسر میں پولیس اسٹیشن آتی ہوں۔“
”آپ زحمت نہ کریں میں خود آپ کے دولت کدے“

”مت ہوگی!“

”میں آپ بس۔ تباہی لگھری پڑی ہے!“
”میں جانتا ہوں تو میں آپ کا انتظار کرتی۔“
”ہاں۔ آپ تشریف لائیے!“

”میں مانتے ہو رہی ہوں۔“
”میں سے سلسلہ منقطع ہو گیا اور میں ریسور کر رہی ہوں۔ یہ بہت شریف آدمی ہے۔“

”میں تباہی جوشاق کے کسی کی گفتیش کر رہا ہے۔ مشتاق کی ڈائری رضوان کو دیا پس کرتی ہوئی۔ اسے احتیاط سے رکھو بلکہ بہتر ہوگا کہ کم اندر باکر اس کا تفصیلی مطالعہ کرالو۔ میں اتنے آفیسر سے نمٹوں جو میرا بیان لینے آ رہا ہے۔ میں نے رضوان نوڈی اٹھ کر اندر چلا گیا۔ جاتے رہے کہ وہی اشارہ کر گیا تھا کیونکہ چند سیکنڈ بعد مل گئی۔“

”میں نے اسے سگیتا سے کہتے“
”میں نے اسے سگیتا سے کہتے“

اب باسل خاموش تھی، کچھ بول رہی تھی، نہ نہ تھے۔ میں نے اسے اپنی خواہگاہ میں لے جا اور اس کی پیشانی چوم کر بولی: ”تم آرام کرو۔“
”میں آفیسر سے ملتی ہوں۔ اس کے بعد میں سب“
”تاکر سگیتا“
”تاکر سگیتا“

لیکن وہ اب بھی خاموش ہی رہی۔ مجھے اندازہ تھا کہ اسے تھوڑا بہت کھانا کھانے کے لیے مجھے خاصا اصرار کرنا پڑے گا۔

⊗

وہ رات اور اگلے دن اس طرح گزرا کہ حد درجہ تنکاب ہو گئی۔ وہ پولیس آفیسر تو بیان لے کر چلتا نا لیکن اس کے بعد سگیتا کو کھانا کھانے میں بڑا وقت صرف ہوا۔ پھر یہ کہ وہ سو بھی نہیں سکی اور اس کی وجہ سے مجھے بھی جاننا پڑا۔ یہی رات مجھے میں نے مشتاق چنگیزی کی ڈائری بڑبڑائی۔

”اگلے دن اسپتال سے رام لال کی لاش مل گئی اور اس کی آخری رسومات پوری کرنے میں خاصا دن گزر گیا۔“

”اس کے اگلے دن کیس عدالت میں پیش ہوا۔ اس وقت تک صادق حبیب اور کفیل رضوان اپنی طور پر باسل نارمل ہو گئے تھے۔ میں نے ذمہ داری عدالت میں پیش کیا بلکہ مشتاق چنگیزی کی ڈائری بھی عدالت کی تحویل میں دے دی۔ عدالت نے کہیں کی باقاعدہ سماعت کے لیے آٹھ دن بعد کی تاریخ دے دی۔“

”گو ایک مطالعہ پوری طرح پٹ چکا تھا لیکن میں سگیتا سے کہے ہوئے اپنے اس وعدے کو نہیں بھولی تھی کہ میں اس کے محبوب ڈاکٹر شکیل کے قاتلوں کو بہرہ رسانہ میں نہیں چوں گی۔“

”ڈاکٹر شکیل کو ہلاک کرنے والا ایک ٹرک ڈرائیور تھا لیکن میں اس معاملے کو دو سب سے زادی سے دیکھ رہی تھی۔ اس سارے فونی ڈرامے کی بڑی شخصیت خان آف کالا گوٹ تھی اور اب مجھے دراصل اسی سے پٹنا تھا لیکن یہ کوئی آسان بات نہیں تھی۔“

خان آف کالا گوٹ اتنا باثر ثابت ہو چکا تھا کہ اب مجھے بہت ہی محتاط رہ کر کوئی قدم اٹھانے کی ضرورت تھی۔ اس نے پولیس کو اس بات پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ ڈاکٹر شکیل کے کسی کی فائل بند کر دے لہذا اب اس فائل کو دوبارہ کھولنے کے لیے ضروری تھا کہ میں جس کے پہلے خان آف کالا گوٹ کی شخصیت کو اعلیٰ حکام کی نظر میں شہ بنادوں۔

”میں نے فیہ کو ان تمام باتوں سے گاہ کر دیا اور اسے تاکید کی کہ وہ خاص طور سے اس جہاز کا پتا چلانے کی کوشش کرے جہاں مجھے تھکا گیا تھا۔“

”میں اس دوران میں گھٹیا کی انفرنگی جتم کرنے کے لیے اسے

اپنے ساتھ لیے ہوئے شہر بھر کی تفریح کا گول میں گھومتی پھری۔ اس کا بھجا بھجا سا چہرہ دیکھ کر مجھے دکھ ہوا تھا اور میں جانتی تھی کہ وہ جلد از جلد مولیٰ پر تاج لے لیکن انار تیار ہونے کے لیے اس جلدی نہیں ہو سکے گا۔

ایک دن میں سنگیتا کو فلم کی شوٹنگ دکھانے کے لیے ایسٹن اسٹوڈیو لے گئی۔ اس روز رضوان بھی مجھے ساتھ لے گیا تھا کیونکہ وہ یہ کہہ کر موجود نہیں تھی۔ بھجائی کا اسٹوڈیو کے باہر ہالنگ کے پاس کی کھڑی کرنا پڑی۔ وہیں اور بھی کئی گاڑیاں پارک کی گئی تھیں۔ دراصل اس رات اسٹوڈیو کے احاطے میں کسی قدم کی شوٹنگ ہو رہی تھی اس لیے وہاں گاڑیاں پارک نہیں کی جا سکتی تھیں۔

اسٹوڈیو کے کئی سرکردہ افراد مجھے جانتے تھے، انھوں نے ہماری پیرانی میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا تھا اور مجھے سب سے زیادہ خوشی اس بات سے ہوئی کہ میں نے کئی روز بعد سنگیتا کے چہرے پر کچھ بھائی دیکھی۔ غالباً اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ کسی فلم کی شوٹنگ دیکھی تھی اور یہ ایک اتفاق تھا کہ اس فلم میں کئی بڑے بڑے اداکارائیں اور اداکارہ کا حصہ ہے، جسے تھے انھیں دیکھنے کی خواہش ہے شمار گوگوں کو ہوتی ہے۔

رات کو دو بجے شہر جنگ بیک اپ ہوئی تو میں رضوان اور سنگیتا اسٹوڈیو سے نکلے یا سر کرنے والوں میں سب سے پہلے ہم بیٹھے۔ ہم اپنی کار کو طرف بڑھے۔ کار کے قریب بیٹھ کر میں چاہی سے کار سے دروازے کا لاک کھول رہی تھی کہ بائیں جانب سے کراؤ کی آواز سنائی دی۔ میں نے تیزی سے پلٹ کر آواز کی سمت دیکھا اور میں نے دیکھ کر حیران رہ گئی کہ وہ ابریز تھا۔ ایک جاؤ اس کے بائیں بازو میں آ رہا تھا۔ میں تھا اور دونوں کی کٹریں اس کے لباس پر چسپائی جا رہی تھی چہرے پر تکلیف کے آثار تھے۔ یہ وہی فوجان تھا جس نے ایک مرتبہ سر راہ مجھے سے اظہارِ عشق کیا تھا۔

دفتر کھڑی ہوئی گاؤں میں سے ایک کار نکلی اور تڑپے مہر قی چلی گئی۔

میں نے... اسے پہنچنے پر اپنا ابریز بڑی مشکل سے چننا۔ اس نے آپ پر چڑھا دیا تھا۔ آخر میں جلدی سے پہنچ گیا تھا۔ آج... میرا جسم سنسناتا تھا۔ یہ مجھ پر قاتلانہ حملہ تھا۔

"رضوان! تم اس لڑکے کو دیکھو! اس نے ابریز کی طرف اشارہ کیا۔" سنگیتا! ہم رضوان کے ساتھ ٹھہراؤ!

پھر میں بڑی تیزی سے اپنی گاڑی میں اسٹوڈیو کا چکر لاد کر گئی دوسرے آدمی اب آدھے تھے لیکن میری توقع اس مفروضہ کار کی طرف م روکش نیاں ابھی نظروں سے اوجھل نہیں ہوئی تھیں۔

اس کے تعاقب میں چلی پڑی۔ جو کچھ ہوا تھا اتنی تیزی سے ہوا تھا کہ مجھے ہ ملت نہیں لی کہ کتنی ایک ایک میرے ذہن نے تیار کیوں نہ رہے بازو کے بازو میں جا فوجیوں سے دیکھا تھا اور وہ وہ خود اصل مجھ پر چھینکا تھا۔ گویا مجھے نکل کھڑے تھے لیکن اس کو کشش کو با کام دیکھ کر وہ ملے اور وہاں تھا۔

ظاہری حالات یہ بتا رہے تھے کہ مجھے ہالنگ کا امی ریز کی وجہ سے ناکام ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے میں جا کا کھیل چڑھ گیا۔

میں سب سے زیادہ اس بات پر حیران تھی کہ آگیا؟ بعض مجھے بھاننے کے لیے وہ اپنی بان پر کیوں کھڑا اُس کے بازو کے بھاننے کے لیے میں بھی پوسٹ ہو نے مجھے بھاننے کے لیے اپنی زندگی کا خطروں میں مول لے گیا اس کا سبب صرف وہی ہے جس کا اظہار ابریز نے لہ تھا؟

کیا واقعی یہ لڑکا مجھے اتنی شدت سے چاہنے لگا ہے؟ اپنے آپ سے یہ سوال کیا اور نہ جانے کیوں کچھ خیالات میں کچھ ایسا لگا تھا جسے ابریز نے میرے سفر اٹھانے کی کوشش کیے بڑی ٹھنک خیز خبری بات تھی کہ ایک کم عمر فوجان بہت میں میں سب کچھ سمجھ رہی اور اس کا کار کا تعاقب ہا مجھے محسوس ہوا کہ تعاقب کا احساس ہو گیا ہے کہ

یونٹوں کی تیزی اور فتیاد کی تھی۔ نتیجے میں مجھے اس سے ہوا اختیار کرنا پڑی کیونکہ ایسا کیے بغیر میں اس کے قریب نہیں آسکی گا کہ کراؤ شہر کی طرف ہونے کی بجائے وہاں ہم دونوں کی گاڑیوں میں ایسا سے گزرنے میں نہیں اور اب ہا دوڑ کا اختتام ہاڑوں کے قریب پہنچ کر میں... میں ہا کجنت اس طرف کیوں بھاگ رہا ہے؟ کیا اسے آتا ہا یا وہ محض ہوا کھلا ہٹ میں اور مھر نکل گیا؟

ہا دی راہ اور مقدور خیال میرے دماغ میں پکڑے رہے تو میرے ذہن میں خاص طور سے مجھے یاد تھی۔ یہ وہ دن میرے سامنے آیا تھا اور ان دونوں موقعوں کے زبیرا لی تھے۔

اب ابریز میرے سامنے اس دن آیا تھا جب لی کو ہالنگ کرنے کے بعد رام لال نے خود کشی کی تھی۔ اندامی ریز کو تقریباً فرانس میں ہی کر دیا تھا کہ کچھ دیر کے سامنے آیا اور وہ بھی محدود جہازوں کی صورت حال میں تھا پھر کچھ کہہ دے ہی سے اسٹوڈیو کے باہر چڑھ سے اس نے کسی نامعلوم شخص کو گتھ پر چڑھا تو پیچھے

نامعلوم شخص بہاڑوں کی طرف بھاگ رہا تھا اور لہا تعاقب میں تھی۔ ہم شڑک کو چھوڑ چکے تھے اور جہازا۔ بے پست پر جا رہی تھا۔ اس نامعلوم کی باعث ہر کوئی تھی اور میرے جیسے نامور اداکار میں ہلاک دے دے پھری رہا تھا۔ میں مزید کی ہوتی جا رہی گرو میوں تک سنا تا پہلا ہوا تھا اور تار کی جھلکی اندھیرے میں حملہ آور کی کار کو ہرگز نہ دیکھ سکتی اگر ہاڑوں نہ ہوتیں۔ اس بد نصیب کے ساتھ میری چوڑی نہ بچا نہیں سکتا تھا۔ اگر وہ ایسا کرتا تو اس کی ہڈی نہا اور وہ اس گھوڑ تار کی اپنی کار کو کسی علاقے

ہوں کی رفتار بتدریج کم ہوتی گئی اور پھر شاید سامنے آئی کہ لگی کار کو کتنا پریشان کیا۔ اسے ڈراؤ کرنے لگے بھگا دیں۔ ہیٹل لائٹس کے ساتھ ہی ٹیل میں۔ اندھا وہ چاہتا ہوں گا کہ اس کی کار میری نظروں سے اس کی بد نصیبی کا یہ اس سے زیادہ دور

ایک ہیٹل لائٹس میں اس کی کار صاف نظر آ رہی تھی۔ از رو دیکھتے ہوئے دیکھا۔ اس میں سے ایک آدمی ہٹ بھاگا۔ اداکار کی کار کے بالکل پیچھے سے مارکرو کی اور انجن بند آئی۔ آخرتے آتے تھے میں نے اپنے پیس میں سے پھول میں غصہ دیکھ کر پیچھے دوڑ پڑی اور میں نے سوچ کر کہ مارکرو کی لگی۔

لیکن وہ نہیں نکلا۔ وہ بالکل خطا طویں کی طرح اوپر چڑھتا چلا جا رہا تھا۔ شاید اس نے میرے بارے میں اتنا کچھ سن رکھا تھا کہ اس پر میری دہشت طاری تھی

اپنی ایزی کے سینڈلوں کی وجہ سے مجھے اوپر چڑھنے میں دشواری ہو رہی تھی اس لیے میں نے چند سینڈل کے لیے لڑکے کا اپنے سینڈل نامہ کیے اور پھر دوڑ پڑی۔

اب ہم اندھیرے میں تھے مگر وہ چونکہ لمبی کی طرف جا رہا تھا اس لیے آسمان پر بھگتے ہوئے تاروں کے ٹپٹ ٹپٹوں سے وہ مجھے ایک بڑے کی مانند نظر آ رہا تھا۔ میں بڑی آسانی سے اس کا تعاقب جاری رکھ سکتی تھی لیکن ہاڑ پڑا رہی تھی سے چڑھنا کوئی آسان بات نہیں تھی۔ میں جلد ہی پسینے سے بھٹی ہوئی اور میرا سانس بھولنے لگا۔ ناچار میرے کمر میں مات میں شخص کی بھی دبی ہوئی جوتے آگے بھاگ رہا تھا۔

اُس میں پستی تو بڑی آسانی سے اُسے گولی مار سکتی تھی لیکن ظاہر ہے کہ میں ایک تابلہ بننے کی خواہش کبھی بھی نہیں کر سکتی۔ اس کے علاوہ یہ بھی ضروری تھا کہ اس شخص کو زندہ سلامت پکڑ لوں۔ وہی مجھے بتا سکتا تھا کہ اس نے مجھے ہالنگ کرنے کی کوشش کیوں کی تھی...؟ وہ میرے کوئی بڑا دشمن تھا یا میرے سنے دشمن نے اسے مجھے ہالنگ کرنے پر ہاڑ دیا تھا۔

بہاڑ کی تین چوتھائی لمبائی طے کرنے کے بعد میری یہ حالت ہو گئی کہ میرے کسی دھڑکنے کی طرح ہونے لگے۔ لگا اور پسینے کی یہ حالت ہو گئی کہ ہڈیوں پر قطرے پڑنے لگے۔ میری حالت چہرے کی تھی کہ وہ پسینے میں شہلاور تھا۔ میں محسوس کر رہی تھی کہ میری رفتار میں خاصی مدت تک کمی واقع ہو چکی ہے لیکن دوسری طرف میرے متعاقب کا بھی یہی حال تھا۔ اس کی برق رفتاری بھی دم توڑ رہی تھی۔

میں نے سوچ کر کتنا چاہا۔ میں تعین پہلے بغیر واپس نہیں جاؤں گی، لیکن اٹھا لایرے حلق میں ہی ہالنگ کر گئے۔ سامنے آتا ہیچول گیا تھا کہ چیخا تو درکنار زولنا میں مشکل تھا۔

ہم دونوں کی رفتار بتدریج کم ہوتی رہی لیکن اس کے باوجود ہمارا دوہائی فاصلہ بھی کم ہوتا گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہڈیوں کو کمر میں میں اپنے مفروضہ سے زیادہ تیزی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ آخر وہ لمبی آگیا جب میں نے ہوا گتے ہوئے اس شخص کو پہاڑ کے عین اوپر دیکھا۔ مجھے وہاں تک پہنچنے میں ابھی دو تین منٹ اور گئے۔ چانگ میں نے اس شخص کو دھککا مار کر گرتے دیکھا خدا جانے وہ کسی چیز سے ٹکرا گیا تھا یا آسمان کے باعث اپنا توازن

ان چاروں سے بولی، "تم لوگ بیٹھ جاؤ، میں ابھی تم لوگوں سے بات کروں گی لیکن پہلے کچھ اور معاملات دیکھ لوں گا۔"

وہ چاروں سر ہار کر بیٹھ گئے، ہر ایک دوسرے کے قریب بیٹھ گئے اور میں رضوان سے مخاطب ہو گئی۔ "میں تو اس کار کے تعاقب میں ہوں، یہ تو اس کے بعد کیا ہوا تھا؟"

"اس کے بعد وہی ہوا تھا جو ہونا چاہیے۔ پولس آئی تھی اور اس نے مجھ کو اپنا پتلا بیٹھا دیا تھا۔ اس کے بعد سے پولس آپ کو بھی ڈھونڈ رہی ہے اور اس کا معلوم حلاً اور کو بھی؟"

"اس نے جو جان کا بیان کیا ہے؟"

"اس کا نام ابریز ہے اور اتفاق سے وہ اس گھر کے سامنے رہتا ہے جہاں میں نے رضیہ کے قیام کا بندوبست کیا تھا۔"

"اس کا بیان پوچھ رہی ہوں؟"

"اسے تو ایک کچھ شدید سوجن باز محسوس ہے؟"

"یہ شدید باز دھن کا وقت نہیں ہے۔"

"پھر کیا باز دھن کا وقت ہے؟ جو آپ کہیں؟ وہ باز دھن دوں؟"

رضوان کی اس بے وقت راگنی سے میں نے بھجوا گئی اور میں نے لگایا سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تم بتاؤ سگئی، ابریز کا بیان کیا ہے؟"

"ایک فلم ایگزیکٹو پر باز دھن کا وقت ہے، سگئی، اتنے ہستے کہ۔"

ابریز کا بیان ہے کہ وہ اپنے اسی دوست سے ملنے اسٹوڈیو پہنچا تھا اس نے اپنی کار کھڑی کی اور پچانگ کی طرف بڑھا۔ اس وقت ہم لوگ چھان سے نکل کر اپنی کار کی طرف بڑھ رہے تھے لیکن ہماری نظر شاید اس پر نہیں پڑی تھی لیکن اتفاق سے اس کی نظر ایک کار پر پڑ گئی جس کی کھڑکی سے ایک ہاتھ باہر نکلا ہوا تھا۔ ابریز کو اس ہاتھ میں چاقو کی ایک نظر آئی تھی اور اس نے غصے سے کہا چاقو کا نشانہ آپ ہیں لہذا وہ جھپٹ کر آپ کے سامنے ہو گیا۔ اس طرح اس نے آپ کو چاقو سے چلنے کی کوشش کی تھی اور نتیجے میں خود زخمی ہو گیا۔"

"لیکن میں نے مجھے بچانے کی کوشش کیوں کی تھی؟ میں نے بے چینی سے پوچھ لیا۔"

"اس کا کہنا ہے کہ عرض انسانی ہمدردی کے ناتے، سگئی، اتنے بول دیا۔"

"میں صرف یہی وجہ بتاتی ہے اس نے؟"

"اسے اور کیا بتانا چاہیے تھا؟ رضوان بول پڑا، اس کی آواز میں استعجاب کی لہر تھی۔"

"کچھ نہیں، ٹھیک ہے، میں نے کہا اور پھر ان چاروں بدعا مشوں

سے غائب ہو کر بولی۔ "اس نے جو جان کا بیان کیا ہے؟"

"میں اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم، لہذا۔"

"اگر وہ جو جان پہنچیں تو ان کو کیا نہیں ہلاک؟"

"نہیں، مگر ان میں سے کسی کا تھاکا ہوا تھا؟"

وہ آپ کو نہ لگے لیکن عسوی ہی ہو کر وہ ملاپ کیا، لیکن یہ تھی کہ اس کے بعد جلد ہی چھینکے والا جھانک جانے والا تعاقب میں دوڑی تو ہم بھی آپ کے پیچھے چل پڑے۔"

اب میں پھر رضوان کی طرف متوجہ ہوئی۔ "اگر وہ ہے؟"

"میں اس پائل میں بھی نہیں، رضوان نے جواب دیا۔"

کے اپنے گھر چلا گیا تھا۔"

"اسے ان میں سے جو تک کر پوچھا؟ رضیہ کا؟"

"پولس کے علاوہ وہ بھی نہ جانے کہاں کہاں بھٹکتی۔"

کیا اسے آپ کی تلاش میں نہیں ہونا چاہیے؟ ہم تو اس لیے گھر، کر شاید آپ کہیں سے فون کریں؟"

"ہوں۔ میں نے سر ہار کر کہا۔ اب پولس کو اطلاع؟"

گھر پہنچ چکی ہوں۔"

میرا یہ کہنا تھا کہ وہ چاروں بتاؤ انڈاز میں معلوم ہو گئے۔ میں نے ان کی یہ حالت دیکھی تو فوراً سمجھ گئی کہ ان کی گم سبب کیا ہے۔ میں نے اپنے ہاتھ اشارہ کر رضوان سے کہا۔ "مگر وہ ان چاروں سے بات کروں؟"

رضوان رنگ گیا اور ان چاروں کو گھومنے لگا۔

میں نے ان چاروں سے کہا۔ "بیٹھ جاؤ اور مجھے بتاؤ میرے پیچھے کس نے لگا تھا؟"

"ہم بتا چکے ہیں کہ میں اس اصل شخصیت کے بارے میں کچھ معلوم۔"

"تو تمہیں کوئی عین آواز سنائی دی تھی؟ میں غصہ والی ہو گئی۔"

"میں اس کام کے لیے گئے تھے پیسے دیے تھے لیکن ہم تھوڑے کم تھے یہی گزرتو سے اس کام کے لیے کہیں اور نہ لگا تھا۔ خود لاہر باتوں سے بات ظاہر ہو گئی تھی کہ وہ ہم سے یہ کام کسی اور سے کر دیا جاتا ہے۔"

"یہ گزرتو کون ہے؟"

اس سے پہلے کہ ان چاروں میں سے کوئی کچھ کہتا، رضوان بول پڑا۔ "میں گزرتو جانتا ہوں۔ وہ یہ ملکیت کے حلقے میں آتا ہے۔"

میں ان چاروں کو بھی وہاں دیکھ چکا ہوں۔ یہ گزرتو ہم سے ہیں؟"

نے رضوان کی طرف دیکھا لیکن کچھ کے لیے سر ہار دیا۔

میں ان چاروں کو گھومتے تھی۔ فوری طور پر بیٹھ کر ان کے ساتھ کچھ طرح میں آؤں، مجھے خود اپنے سر ہار چا کر قید پر رہتی کہ مجھے ان چاروں سے کوئی فیض نہیں۔

تو میری راست میں یقین تھی کہ اس معاملے میں وہ باتہ تھا کہ یہ چاروں، خان آف کالا کوٹ تھے۔

میں نے اس سے ان لوگوں کا کوئی تعلق کسی طرح متاثر کر سکتی تھی لیکن ایسا نہ ہونے کے لیے بیکار رہی تھی۔

اس کی قسم کی آواز سے میرے خیالات کا سلسلہ متقطع ہو رہا تھا کہ قریب تھا۔ اس نے ریسوٹ کا کر بت کی ہر کو دیا۔ میں اس کی باتوں سے سمجھ گئی تھی کہ وہ رضیہ حرم نے میرے اس خیال کی تصدیق بھی کر دی تھی۔

حق آپ کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔ اب وہ کے اندر جہاں پہنچ جائے گی۔"

ہاں میں کہیں فن کر دو کہ جہاں پہنچ جائے؟"

پھر وہاں سے نکلیں گے میرے ہونے اور اس مرتبہ میں ہل نکلا گیا۔ اس کا رخ ان چاروں کی طرف کرتے ہوئے میں کہا۔ "جسمانی کی کوشش فضولی ہوگی۔"

لیکن۔۔۔"

لیکن کچھ نہیں میں نے بات لگاتے ہوئے کہا کہ تم لوگوں نے ان کا تھکاؤ تو لگتا ہی پڑے گا، تم اس غلاف میں کا شکار ہو گئی ہو گے۔ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ میں ان میں نہیں بلکہ قانون کا احترام کرنے والے افراد میں سے ہوں۔"

ہاں وہ کہیں سے سفید پڑ گئے۔ رضوان ٹیلیفون کا ریسور ہاں اس آئین میں کے عین ڈال کر ہاتھ لگا۔

اسٹینڈیٹ بھرتی ہوئی آواز میں بولی۔

اس میں بدستور میں اس کی طرف متوجہ رہی۔

میں نے جہاں میں ہو گیا تھا۔ یہ تو خوشگامی میں مجھے اس میں بھی جاتیں؟"

"ٹھیک ہے۔ تم جا کر سوچنا ہے تو ابھی خامی دیر لگے گی۔ مجھے پولس کا انتظار کرنا ہے۔"

لگتا سب سے کچھ کے لیے بغیر انتظار میں تھی۔

رضوان نے پولس کو فون کر کے ریسور کر دیا۔

پولس کی آمد تک مجھے ان چاروں پر پستول تان کر بیٹھ رہنا پڑا۔ جب پولس واسطے گئے تو میں نے انہیں سارا واقعہ بتایا اور پولس نے ان چاروں کے ہتھکڑیاں لگا دیں۔ وہ ان میں رضیہ بھی آئی اور رضوان نے پچھلے پچھلے اساری صورت حال سے آگاہ کر دیا۔

پولس نے میرے کمرے کے کمرے کو ہاتھ ساتھ اس مقام تک چلی ہو گا جہاں وہ عہدہ اور پھاڑے کر گر ہلاک ہوا ہے۔"

"پچھلے؟ میں نے ایک ٹیلیفون سانس کے کر کہا۔ فضا کے تمام کھڑائی تو کھل کر رہی ہے؟"

رضوان اور رضیہ میرے ساتھ جانا چاہتے تھے لیکن میں نے انہیں روک دیا اور پولس کے ساتھ روانہ ہو گئی۔

جب میں پولس گھورتی تو جرح ہو چکی تھی۔ رضیہ میری ہلکیس بوجھ تھیں اس لیے میں رضیہ کو اپنی خواہ گاہ میں جا کر لیٹ رہی۔ رضیہ رضوان اور لگتا بھی اس وقت سو رہے تھے۔ اگر انہیں اطمینان نہ ہوتا تو وہ ضرور میرے انتظار میں جاگ رہے ہوتے۔

جب میری آنکھ کھلی تو ایک عجیب سی حالت تھی۔ تیز صوبہ کھڑکی کے شیشوں سے چھن کر میرے آگے تھی۔ میں اچھ کرید میں ہاتھ دم میں جا گئی اور کافی دیر تک خاد کے نیچے لیٹ کر اپنی جسمانی سکنی کو دھونے رہی۔

رضوان، رضیہ اور سگئی اتنے میرے انتظار میں اب تک کھانا نہیں کھا تھا تھا۔ ہم چاروں ساتھ ساتھ کھانے کی میز پر بیٹھے۔ کھانے کے دوران میں گزشتہ رات کی باتیں چھڑ گئیں۔

مجھے یقین ہے کہ وہ سب کچھ خان آف کالا کوٹ نے کر دیا تھا۔ میں نے کہا۔

"پھر تو ہمیں بھی اس کے خلاف کوئی ایسی ہی سخت کارروائی کرنا چاہیے، رضیہ کے لیے میں مشتعل تھا۔

"جو مشن میں نہ آؤ؟" میں نے کہا۔ اس کے خلاف ہنگامی اقدامات کرنے سے پہلے میں ایک کام ضرور کر لینا چاہتی ہوں۔"

"دو کیا؟"

"خان آف کالا کوٹ کے اثر و رسوخ کا زور توڑنا ضروری ہے۔"

”یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟“

”ایک صورت تو وہی ہے جس کا اظہار میں پہلے ہی کرچکی ہوں۔ یعنی یہ کہ خان آف کالاگوٹ کے گھناؤنے کردار کے بارے میں کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے کہ اعلیٰ حکام اس کی طرف سے مشتبہ ہو جائیں۔“

”میں اس دن سے اس کے چکر میں ہوں لیکن مجھے کوئی بات نہیں معلوم ہو سکی۔“ دھننے نے کہا۔ ”ایسا معلوم ہو سکتا ہے وہ خود عام طور پر خال نہیں رہتا اور یہی بدوہی رہ کر اپنے کام کروا رہا ہوتا ہے۔ میں نے اب تک جو چھان بین کی ہے، اس سے میں یہ نتیجہ بھی انداز کر سکی ہوں کہ وہ کسی عری جہاز کا مالک نہیں ہے جبکہ آپ کہتی ہیں کہ اس نے آپ کو ایک عری جہاز میں قید کیا تھا۔“

”ہاں۔“ میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ”وہ بکری جہاز ہی تھا۔ میں ضرور اس کا پتہ لاکر ہوں گی۔ دراصل اگھما تک میں خان آف کالاگوٹ پر پوری توجہ نہیں دے سکی ہوں۔ میرا ذہن سنگیت میں الجھا رہا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ اب یہ خیامی حد تک معمول پر آچکی ہیں لہذا اب میں۔۔۔۔۔“

سنگیت نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ”مجھے افسوس ہے ہاں تو آپ میری دوسرے برابر پریشانی ہوتی رہی ہیں۔“

”اس قسم کی پریشانیوں تو میری زندگی ہیں۔“ میں نے مسکرا کر کہا۔ ”اگر میری ذات سے اس قسم کے ہنگامے والہ نہ ہوں تو میری زندگی نہایت بوجھل ہو کر رہ جائے۔“

گفتگو کے موضوع کو بدلتا ہوا محسوس کر کے رضیہ جلدی سے بول پڑی۔ ”جائی اگر آپ خان آف کالاگوٹ کی شخصیت کو شتبہ بنانے میں ناکام رہیں تو پھر دوسری موت کیا ہوگی یا کبھی آپ نے اس کی طرف کچھ اشارہ کیا تھا۔“

”فی الحال اسے اشارہ ہی رہنے دو۔ تفصیل سبکری وقت بتاؤں گی۔“

کھانے کے بعد جب ہم چائے پی رہے تھے تو میں نے کہا۔

”رضیہ! تم ذرا سنگیت کا خیال رکھنا۔“

”کیا آپ کہیں جا رہی ہیں؟“

”ہاں۔“

”کہاں؟“ رضیہ پوچھ بیٹھا۔

”دو ایک کام ہیں۔“

رضیہ نے بنا کر چپ ہو گیا۔ اے

عوام کھل جاتا تھا جبکہ رضیہ اس کی ماری ”بانو! سنگیت آہستہ سے بولی، م۔“

تو انکل کیشل کا فون آیا تھا۔ وہ آج شام

دراصل وہ چنڈن کے لیے اپنے کاروبار کے سفر

چاہتے ہیں جب مقدمے کی وجہ سے ان کا یہاں

وہ اس سلسلے میں آپ سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔

”ٹھیک ہے۔ میں ان سے مل لوں گی۔“

”یہ بات میں نے آپ کو اس لیے بتادی تھا۔“

لوٹ آئیں۔“

”میں تمہاؤں گی۔ مگر مجھے کچھ دیر ہونا ہے۔“

کے کھانے پر روک لیتا۔

”بہتر۔“

چائے پینے کے بعد میں اٹھ گئی۔ گریٹ سے کہا۔

”سے روانہ ہوئی۔ میرا رخ ابریز کے گھر کی طرف تھا۔“

صورت تو ان سے مل کر اس کا شکر یہ ادا کیا

نے گزشتہ رات محض میری دوسرے زخمی ہونا کو

مجھے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ اس چاقو سے میں زخمی

ابریز کو تو ہر حال میں بات کا علم نہیں تھا۔ اس نے

تو اپنی دانست میں میری جان ہی بچانے کے لیے خود

ڈالا تھا۔

معلوم صورت ابریز کی شخصیت میرے

بن گئی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میرا

میرا دل اب تک اس بات پر یقین کرنے کے لیے آمادہ

تھا کہ ابریز واقعی مجھ سے محبت کرنے لگا ہے۔

اس کے گھر پہنچ کر جب میں نے اپنے کارڈ اندر

ادھیر غرا دیئے تو باہر نکل کر میرا استقبال کیا۔ وہ

تھا۔ اس نے مسکرا کر مجھ سے پوچھا۔ ”آپ وہی خان

بدر گل رات قاتلانہ حملہ ہوا تھا؟“

”جی ہاں۔“ میں نے کہا۔

ابریز کا ہاں مجھے نہایت غیظانہ انداز میں

ڈرائنگ روم میں بٹھاتا ہوا بولا۔ ”خواتین! آپ نے کیے

”میں رات ہی کو آئی لیکن صرف اسی لیے نہیں آئی کہ

آدم میں غل پڑتا ہے اب میں اسی کو دیکھنے آئی ہوں۔ اس کے

”آئیں ہوگی؟“

ایٹ وہ تو نہیں لیکن تکلیف بہر حال ہے۔“

”ہو جوں کہ میری وجہ سے۔۔۔۔۔“

میں ابریز کے کہنے پر جلدی سے کہا۔ ”میرے بیٹے

اس کا انسان فرض تھا۔ میں اس کے اس اقدام سے

بے حد افسوس میں ہوں۔“

ابریز سے مل گئی ہوں؟“

”ہاں نہیں! چلیے، میں آپ کو اس کی خواہنگہ میں

لے جاؤں گی۔“

”کیا اندویش کرے میں نے کیا۔ وہاں ابریز آدمی

ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور چہرے پر ہندی

لکھی تھی۔“

”ابریز اس زردی کا سبب یہ تھا کہ رات کو اس کا بہت

بچ ہو گیا تھا۔“

ابریز کے باپ نے آہستہ سے بکارا۔ ”دیکھو تو کوئی آیا

آہستہ سے آنکھیں کھولیں۔ جیسے ہی اس کی نظر مجھ پر

پڑی۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کے چہرے پر کبھی کی گئی

ہی۔“ آپ! اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ اس

بلکہ پناہ مرست کا اظہار ہوا تھا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش

کے لیے اٹھ کر بڑھ کر اس کے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔

”ہاں! میں نے کہا۔“ ہٹو گے تو بازو میں تکلیف پڑ جائے

تو ابریز کے باپ نے اپنی جیب میں ٹپوں اور پھر مجھ سے

”ایٹ! کہیں۔ میں ذرا اپنے کمرے سے اپنا باپ اور

ایٹ! اٹھائیں! وہ جلدی جلدی جاتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

میں عجیب سے چہرے پر اس طرح جم گئی تھیں جیسے برا

مانی ہو۔“

”کچھ دیر ہو۔“ میں نے مسکرا کر پوچھا۔

”کیجیے کہہ کر تو مجھے بھی نہیں معلوم۔“ ابریز نے ہنسی کی

”ات تہ نے کیا حماقت کی تھی؟“

”اس حماقت؟“

”اے! چاقو تھامے۔“

”اے! تہ نے کیا حماقت کی تھی؟“

”اے! تہ نے کیا حماقت کی تھی؟“

”اے! تہ نے کیا حماقت کی تھی؟“

”اے! تہ نے کیا حماقت کی تھی؟“

”اے! تہ نے کیا حماقت کی تھی؟“

”تم باہل ہو گئے ہو!“

”شاید آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں! ابریز عجیب انداز میں نہیں بولا۔

”آخر تم نے اپنی زندگی داؤ پر کیوں لگائی تھی؟“

”میرے والد کا خیال ہے کہ میں نے انسانی فرض پورا کیا تھا۔“

”لیکن میں تمہارا خیال پوچھ رہی ہوں۔“

”میں اب اس سلسلے میں خاموش ہی رہنا چاہتا ہوں۔“

”کیوں؟“

”اس لیے کہ میرا سب سے آپ کو بھوت معلوم ہو گا۔ پھر میں کون

اپنے بچ کی ذلت کرواؤں۔“ ابریز عجیب سے لہجے میں بولا۔ ”بانو!

میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب میں اپنے بچ کو دل کی گمرانی ہی

دفن رکھوں گا۔“

”میں اس وقت عجیب سے بے چینی محسوس کی کہ بالآخر

کہا۔ ابریز! تمہارا شعور ابھی بچہ نہیں ہو سکا ہے۔“

”وہ آپ نے میرے بچ کو بھوت سمجھا تھا لیکن میں اس کے بھوت

سہرا سے لے لیتا ہوں۔“ ابریز نے پھینکی ہی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

اسی وقت ابریز کا باپ واپس آ گیا۔ اس کی وجہ سے وہ

گفتگو کو لگے نہ بڑھ سکے جو اس کی عدم موجودگی میں شاید بہت دیر

تک جاری رہتی۔

ابریز کے والد نے میری خاطر ملا رات میں کوئی گسٹ نہیں بٹھا

رکھی اور مجھے تعزیتاً یون گھنے ٹھک وہاں رکنا پڑا۔ پھر میں یہ کہہ کر

وہاں سے رخصت ہوئی کہ ابریز کو دیکھنے کے لیے کل پھر آؤں گی۔

راستے میں میرا ذہن بہت الجھا رہا۔ ابریز کے انداز گفتگو نے

اب مجھے یقین ہو گیا تھا کہ وہ مجھ سے نہت کتہ لگاپے اور میرے

یہ حد درجہ پریشان کن بات تھی۔

کچھ دیر بعد میں نے اپنی کلاس بول کے پارٹنگ شیف میں دلی

جہاں سونیا کا قیام تھا۔ میں سونیا سے مل کر اس سے ایک کام پوچھا

چاہتی تھی۔ وہی کام جس کی تفصیل سے میں نے ذمہ اور ضمانت کو

مجھے خبر نہ تھی۔

اس کام کے علاوہ میں سونیا کے ساتھ اتنا وقت بھی گزارنا چاہتی

تھی کہ میری گزشتہ دنوں کی تنگ اندویش دور ہو جائے لیکن اس ملاقات

کا اصل مقصد ایک اہم کام تھا۔

میری خوش قسمتی سے اس وقت سونیا نے میرے لیے یہ ہو چکی



ہوا تھا رینگتا اپنے دلوں ہاتھ جوڑ لیے اور اس کے الفاظ اس کے شکوں سے دھل کر اس کے ہنروں سے ادا ہونے لگے۔ مجھے معاف کر دیجیے بانو! آپ کو آپ کے پیار کی قسم مجھے معاف کر دیجیے! میں جو کچھ کہہ گئی وہ میری بہت بڑی بھول تھی۔ اب اس کا اعادہ بھی نہیں ہوگا۔ سنگیت کے لیے کی انتہا اپنی معزج پر تھی۔

ابا جگہ میرا فتنہ جاگ کی طرح بٹھانچا جاگ میں نے گیتا کا چرو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور دل میں آخر کہے ناچگی! "

سنگیت کے ہنر کا کہنے ہے وہاں تبھی سناٹک برساتی رہیں۔

"بس اب چپ ہو جاؤ! میں نے اس کے گال پچھلے تپاے۔ اب آئندہ کبھی اس کی بات زبان پر نہ آنا!"

گیتا نے ہنست ہنست دھڑکنے میں سر ہلایا۔ اپنی آہن سے اس کے بچے ہوئے آنسو پونچھنے لگا۔ میرا اس کے بازو میں بازو ڈال کر بولی "چلو میں تمہیں تمہارے کمرے میں چھوڑ آؤں!"

"آپ آنا کیسے! میں جلی جاؤں گی!"

"میرے آنا کی فکر نہ کی کہ موت نہیں ہے جناب کو! میں نے ڈانٹنے والے انداز میں کہا۔

گیتا سکڑی۔ اب اس کے آنسو میں بہہ رہے تھے لیکن اس کی سکڑا ہٹ آنسوؤں سے بھیگی ہوئی محسوس ہوتی۔

"میں اسے اس کے کمرے میں لے گئی! اپنی گود میں لے لے اُسے بستر پر لایا۔ اسے اپنی چادر ڈھالی، پھر چیک کر اس کی پیشانی کو چھوا اور "شب بخیر" کہہ کر اس کے کمرے سے نکل آئی۔

اپنے کمرے کی طرف چلتے ہوئے میرے ہنروں پر سکڑا ہٹ تھی اور میں سوچ رہی تھی کہ جنت کا بندہ بھی کتنا عجیب ہوتا ہے! کسی کی باتیں ہو جاتی ہیں! ابھی میرے سامان دکان میں بھی نہیں آیا تھا کہ میں کسی روز گیتا کے منہ پر لپٹا چڑھا ہٹوں گی۔

اپنی خواب گاہ میں پہنچ کر میں نے گھڑی پر نظر ڈالی تو سامنے بارہ بجے تھے۔ میں بستر پر لیٹی اور سنگیت کے بارے میں سوچتے سوچتے کسی نے فینک کا خوش میں پہنچ گئی۔

صبح ناشتے کی میز پر وضو اور گیتا میرے ساتھ تھیں۔ ناشتے کے بعد وضو ان اختلافات کے لیے جلی جلی جن کے بارے میں میں نے اُسے ہدایت دی تھیں اس کی دعا کی کہ بعد اس اور سنگیت اسٹڈی میں جا بیٹھے۔

"سنگیت! اس میں ہولی۔

سنگیت جو کسی خیال میں ڈوبی ہوئی تھی، چونکہ کمرے کی طرف دیکھنے

لگی۔ "جی ہاؤ!"

"کل رات میں نے تمہارے ہاتھوں میں آگ

"وہ کیا بانو؟"

"میں اس کا ہاتھ لے لیا۔ میرے لیے بڑا مشتاق تھا۔ تم کچھ عرصے کے لیے اس کی جگہ چل جاؤ۔ اس طرح قسم مل جائے گا۔ دبا میری ایک سمت رہا۔"

تمہارا اس طرح خیال کتنے کی جیسے میرا خیال کہ

"لیکن اس کے کیا فائدہ ہوگا بانو؟"

"ماحول کی تبدیلی دین پر ضرور اثر انداز ہو گا۔"

"لیکن میں ایک نئے ماحول میں خود کو کس طرح

گی۔

"اس سلسلے میں تمہیں فرخ سے بہت مدد ملے گی۔"

"فرخ ہے کون؟"

"میری بہت پیاری دوست ہے۔ میں نے اُنہیں دیکھ لیں گے۔ جیسے میرا گزشتہ روز میں دیکھ اپنے جو دہم محسوس کرتی ہوں۔ اُسے میرا ایک نیا ہوا وہ خود بھی میرے اس قول سے واقف ہے کہ جنت کا ہوا تو ان کے ساتھ زندہ رہتی ہے لیکن ایسا ضرور ہے کہ رکھتی ہے۔ اس کے کنارہ کو بھی کبھی میرے فون کر لیا کہ آواز سن کر وہ بھی میرے آنا ہی ممکن مل سکتا ہے جتنا اس کو کہے۔"

"بانو! سنگیت اب بڑے غور سے دیکھتی ہوئی ہولی

آپ کو بہت عزیز ہے؟"

"ہاں! وہ مجھے اتنی عزیز ہے کہ خود اس کو بھی اس کا

"اس کا ذکر کرتے ہوئے آپ کا چہرہ ابھی اس طرح اگ

آپ دیکھ کر کسی بہت بڑے خفا سے کانگڑی رہیں۔"

"جو لوگ دیکھتے ہیں وہ اس کی خزانے سے کم تو نہیں ہوں۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ سنگیت نے شہزادہ سامان کا

میں ڈوب گئی شاید اسے شکیل یاد آ گیا تھا۔

اور میں اُن نکتے سے ہونے لگتی تھی کہ وہ گویا جو ساتھ گزارے تھے۔ مجھے اس سے اپنی پہلی ملاقات میں یاد آئی

بس میں ہوتی تھی۔

کچھ دیر اسٹڈی میں بیٹھ کر میں اور گیتا اتنے تنگ اپنے کمرے میں جا بیٹھے۔ اس وقت میں نے فینک کی آواز دیکھی

میں نے اختلافات فزون کے سپرد کر دیا۔ میں ہاتھوں میں

ان میں ہر ایک پہ چلی جائے۔ نئے ماحول میں وہ خود کو

سے بھال رہی لیکن میرے لیے فیصلہ ایک نہایت غلط فیصلہ تھا

میں مجھے اُس وقت کو بوجھ تیرا لیکن نئے چکا تھا۔

میں دوسرے پہلے ٹوٹ آئی۔ اس کے ساتھ وضو ان میں تھا۔

اس کے اختلافات کر کے آئے تھے۔ وضو نے بتایا کہ ہم لوگ

لے کے بعد اپنے من پر روانہ ہو سکتے ہیں۔

آج بپتیزم صاحب چوک دی تھی اور ہم لاٹری میں کھڑے تھے۔

"وہ ہے تھے۔ وضو نے اسے ابیٹر کر دیا تھا۔ جو کچھ اس کے خیال

میں کے ضبط بازو ہمارے "ناؤس" بازوؤں سے زیادہ

اظهار ہو سکتے تھے۔

اُمی نے منہ ڈسے کہ وہ دھت دھت سے میں گردش لی اور آگے

میں اور وضو اطراف و اکناف کا جائزہ لینے میں مصروف تھے۔

میری ہدایت کی بغیر جیرو دو عدد دو ہنروں کا بھی بندوبست کر

اور دو دھن میں اس وقت ہمارے موت کام آ رہی تھیں۔ ان کی

اہم دور ہی سے ان جہازوں کا جائزہ لے لیتے تھے جو ساحل

وہ ہونے کی جگہ نہ ملنے کے باعث کھلے سمند میں اوجھڑا ہوا

ہے۔ تھے۔ میں نے زیادہ تر فیرنگ کی کہیں کے کاگو تھپتے؟

انہیں جو جہازیں سامان کے آگے تھے۔ اس قسم کے جہازوں کو

نئی ہفتے تک ساحل پر لنگر انداز ہونے کی جگہ نہیں ملتی ہے اور

مندیں کھڑے رہتے ہیں۔ ان جہازوں کا علاوہ انجروں کے

اصل پر آجاتا اور تپا ہے۔ ہم نے اس ہستی کی لپٹیں دیکھیں جو

اس کے کارڈوں کو ساحل کی طرف سے جاری تھیں یا ساحل سے

کی طرف لا رہی تھیں۔

دو ہنروں کی دھڑ سے میں کسی جہاز کے قریب جا کر اس کا جائزہ

انہیں نہیں پڑی۔ میں دوسری سے اُن کے نام وضو کھائی لے

لے۔

آخر کار میں لاہر ان جہازوں سے بھی آگے نکل گئی اور بپتیزم فزون

بان کی کھلی برائت میں کر سکا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ ایک بات

اپنے خاتون؟

"فریج! میں نے اسی کے لیے میں کہا۔

"کیا ہم اسی لاٹری میں یو پٹنگ کی دوڑ لگاؤں گے؟"

"کیا تمہارا کہ ہے؟" وضو نے کہا کہ بولی نا خاصا بچپن اڑو پچھرا

رہے گا۔

"اُس وقت کیا ہوگا جب لاٹری کا بندہ من ختم ہو جائے گا؟"

"اسی وقت تو لاٹری ختم ہو جائے گی۔"

"تو پھر آپ لوگ مجھے تو یہیں ڈراپ کر دیجیے! میں تیرا ہر اسمل

کی طرف ٹوٹ جاؤں گا!"

"تمہارے فرشتے مجھے اتنا اہل تیر کر لے نہیں کر سکتے!"

"یہ دیکھو۔ میں ایک تیرہ ہزار کال سے جہازوں کو اس تک چلا گیا تھا۔"

"دشش!" وضو نے ہنروں پر اپنی انگلی رکھ کر سرگوشی کرنے والے

انداز میں کہا کہ اگر کسی اور نے سن لیا تو تمہیں گندہ بندہ بننا پڑے گا۔"

"بندہ گاہے تو ہم گندہ بن آئے ہیں۔ اب گندہ بندہ میں ہوں۔ فزون

نے بے پروائی سے شانے جھک کر کہا کہ لیکن تمہیں بھی میرے ساتھ وہاں

چلنا ہوگا۔ تنہائی میں تو میری لڑکی کہیں بھی نہیں لے گا۔"

"وہاں ضرور لگ جائے گا۔" وضو نے تسوڑا نہ ڈھونڈے کہ۔

"وہاں تمہارے بھائی بندہ ضرور ہوں گے۔ وہ جیسے وہاں کی اختلافات کے

پاس آتے۔ تب صورت ہنر ہوتے ہیں کہ آدمی وہاں اپنا دل تو کیا

بھیجے۔ وضو نے گندہ بندہ کو لگائے ہوئے ہر ہر جاتا ہے۔"

وضو اور فزون کی نوک جھجک آئی۔ بہت سرسری طور پر ہنر ہی

میری آنکھیں تو اطراف و اکناف کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔ وہ دین

میری آنکھوں سے گئی تھی اور میرے تصور میں وہ جہاز تھا جس کے

ایک کہیں میں اُمی قید ہو چکی تھی۔

لیکن اب مجھے دوسرا دھوکہ کوئی جہاز دکھائی نہیں دے رہا

تھا۔ جن جہازوں کو ہم بھیس بھوس کر رہے تھے۔ وہ بھی اب دھڑکنے کے

بازو بہت تھے تھے۔ نظر آ رہے تھے۔ دھڑکنے کے بغیر تو نہیں دیکھا

بھی نہیں جاسکتا تھا۔

آخر جب چار بج گئے تو فزون ابھر مجھ سے غلاب ہوا۔ خاتون!

اگر اب واپس کا تھد کہنے میں دیر کی تو سامان تک پہنچتے پہنچتے رات ہو

جائے گی۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا کہ موٹر لاٹری کو

کل ہم دھن میں پٹیں گے۔"

"اور یہوں نہیں میں سمجھتی! وضو نے منہ نہ بولا۔

مجھے شگ ہوئی کہ میں نے سمجھ لیا کہ اس میں جب تک ملتی نہ ہو

بازو اس جہاز کی لاش جلدی کر سکی گی۔"

"اور یہ جو غور غور کا سامان ساتھ لیا تھا؟"

"فی الحال اس میں نے وہ ہر گرام ہٹ کر کر دیا ہے۔ ہاں اگر یہوں تک

ہم اس جبار کو تلاش نہ کر سکے تو پھر میں منوڑے کے پاس "زیر آب
تلاش کی ہم شروع کر دوں گی؟"
"یہی تین روز کی انکامی کے بعد پانی پانی ہو جائیں گی؟"
"یہ کوئی اچھا فہرہ نہیں ہوا؟"
"میں بہت اچھا فہرہ کہہ سکتا تھا سال ہی جا؟"، رضوان نے غصہ ا
سائے کر کہا۔ "لیکن مشکل یہ ہے کہ اس وقت میری ہونے والی بیوی
بھی ساتھ ہے۔" رضوان نے "نہ انکیوں سے رضیکر کھٹ دیکھا۔
"نیکیا!" رضیہ نے انکیں نکالیں۔ "اس کا مطلب یہ ہوا کہ میری
مدد م موجود ہیں باجی کے ساتھ بہت زیادہ غم فانی کے ساتھ بیس
آئے ہوا۔"
"ارے کچھ زیادہ رضیہ!" میں شرارت سے سکرانی۔ "ایک مرتبہ
تو یہ حضرت فرما ہے تھے کہ رضیہ تو شادی کے لیے تیار نہیں ہو رہی ہے؟"
لہذا آپ ہی تیار ہو جائیے!"
"کیوں؟" رضیہ نے رضوان کا کان پکڑا۔
"اے یہ کیوں ہے؟" رضوان بولا۔ "بجلیا میں ایک مقبضہ غصہ می
عورت سے شادی کر دوں گا!"
"کیا؟" رضیہ نے انکیں نکالیں۔ "جاؤ، بدھی میں؟"
"اُس نے اتنی بدد سے رضوان کا کان کھینچا تھا کہ وہ چیخ پڑا۔ اے
گھبر بلے گائے"
"کیا؟" رضیہ نے بوکھلا کر اس کا کان پکڑ دیا۔
"کان؟" رضوان نے انکیں نکال کر کہا۔ "اور کیا؟"
"ہائیں! تو کی تھا ادا کان منو می ہے؟"
"اصلی ہے!" رضوان نے بیٹے سے زیادہ انکیں نکالیں۔
"پھر تو اتنی آسانی سے نہیں اکر سکتا؟" رضیہ نے کہا اور بڑے
الینان سے دوبارہ رضوان کے دونوں کانوں پر ہاتھ ڈال دیے۔
"اے کیا برازیل میں دو کر باکل کی خوشی ہو رہی ہوا؟" رضوان نے
بجلیا کر کہا اور سر کو جھکا دے کہ اپنے کان چوڑنے کی کر کشش کی۔
"اے! سنو!" میں اچانک بولی۔ "ایک لایع ہمارے دیکھ آ رہی
ہے۔"
"کیا؟" رضیہ نے جلدی سے رضوان کے کان چوڑ دیے۔
ہماری لایع اب دایں مائل کی طرف جاری تھی لیکن اس وقت
عم منوڑے سے جس اتنی دیر تھے کہ وہاں تک پہنچنے میں ڈیڑھ دو
منٹے لگتے۔
رضوان نے پلٹ کر دیکھا اور پھر بولا۔ "مجھے تو کوئی لایع نظر نہیں

لاپنج کے متنب میں سطر آب پر لہجہ کی تھی اور تیرتی ہوئی لاپنج کی طرف
بڑھ رہی تھی۔ اب میں نے رستمی پڑ کر کھینچنا شروع کر دیا تھا تاکہ
وضیفہ جلا زجلہ اس لاپنج کے قریب ہو جائے۔
اس لاپنج کے چاروں آدھوں کی تمام تر توجہ ہماری طرف تھی۔
اُن کے سامن وگمان میں بھی نہیں ہوگا کہ "خود" اب اُن کے عقب
سے اُن کی طرف بڑھ رہا ہے۔

میں نے بیگٹ والے کو کچھ اشارہ کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ اشارہ
اُس نے غریبہ والے کو کیا تھا اور اس کے ہرٹ بھی پلے تھے۔ غالباً اُس نے
چمکا تھا۔ خود ہی شین میں گن سے چمکایا ہوا سارٹ مارا۔ اس حرکت کی
گولیاں لاپنج سے بھی نکلی تھیں۔

"میں رگ جانا چاہیے" رضوان ہوکھا کر سنبھا "وہ ہماری لاپنج تباہ
بھی ہو سکتی ہے"

"چمک ہے" رفتار تیز کیج کر وہ "میں نے اطمینان سے کہا۔
میں دیکھ رہی تھی کہ وضیفہ سے متاثر لاپنج کا کانہ پکڑا تھا اور اب
اُس کے اوپر چڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"بہ وضیفہ کی بجائے گولی " رضوان لاپنج کی رفتار کم کرتے ہوئے بڑبڑایا
"وہ جلا ہی ہے۔ خیریت ہے۔ میں نے کہا۔

رضوان نے ایک مرتبہ پٹ کو تھاپ کر کے والے لاپنج کی طرف دیکھا
لیکن وہ زمین کے نیچے دیکھ کر اُس لاپنج پر چڑھتے ہوئے نہیں دیکھ سکا تھا۔
ایمانک میں نے متاثر لاپنج پر کھلبلی پڑے دیکھیں۔ اس کا سبب
تھا کہ وضیفہ ان چاروں کو لاکھڑی تھی اور انھوں نے وضیفہ کے ہاتھ میں لالو
بھی دیکھ لیا تھا۔

میں آویس نے اپنے ہاتھ اٹھا دیے لیکن جوتھا جو کہ لاپنج کو بڑبڑ
کر دیا تھا اس لیے وہ ہاتھ نہیں اٹھا سکا۔

ادھر رضوان نے لاپنج روک دی تھی لیکن انجن بند نہیں کیا تھا۔ وہ
رہی مگر سے اٹھ کر میرے قریب آ گیا تھا اور تیرت سے متاثر لاپنج کی
طرف دیکھ رہا تھا جو اب بہت قریب آ چکی تھی۔ اتنی قریب کہ اس پر جوتہ
افراد بغیر دودھین کے بھی صاف نظر آتے تھے۔

"ہائی" رضوان کے منہ سے نکلا۔ "یہ وہاں کیسے پہنچ گئی؟"
"یہ وہاں اس لیے پہنچ گئی کہ براہیل کے لوگ اسے سائیری کتے ہیں؟"

میں نے بڑے اطمینان سے کہا۔

متاثر لاپنج ہماری لاپنج کے قریب پہنچ گئی۔
"تم اپنی ہی لاپنج میں کھڑے گے؟" میں نے رضوان سے کہا اور صبر جواب
کا انتظار کیے بغیر جوتہ جھاکر دوسری لاپنج میں پہنچ گئی۔

"اب ان کا کیا مشترکہ نام ہے باجی؟" وضیفہ نے کہا
"ابھی بتائی ہوں؟"

وہ چاروں بچا جھاکے کھڑے تھے۔ ان کے
ہر گانے کی وضیفہ تھی آسانی سے اور اس طرح بے لگن کر دیا
میں نے اُن چاروں کی تلاش لی۔ ان میں سے ۱۱

اور ایک کے پاس چاقو تھا۔ جو تھکے کے پاس سے گئی،
میں نے دونوں دیواروں پر جوتہ میں پھینک دیے۔
کی طرف بڑھی۔ اس میں سے کارٹون کی بیٹنگ نکال کر ۱۱
پھینکی اور اُس کے بعد لاپنج کا مکمل جائزہ لینے کے بعد
وہاں کوئی ہتھیار نہیں ہے۔

وہ چاروں باطل غاشوں کو کھڑے ہوئے تھے۔ ہم
سامنے جا کر کی جس نے بیگٹ میں بھی لگی تھی۔

"تم؟" میں نے اس کے سینے کی طرف اٹھل آٹھل کر کہا۔
تینوں ساتھیوں کے اس ہرٹ۔

اُس نے غاشی سے اُٹھت میں سر اُٹھا دیا۔
"توچہ تم ہی میرے تمام ساتھیوں کا جواب دو گے؟" میں

انڈاز میں کہا "میں تم سے تو نہیں پوچھوں گی کہ تم میں ہلکے پیچھے
تھا لیکن یہ ضرور پوچھوں گی کہ تمھارے غلام کیا تھے؟ یعنی یہ کہ
باسے میں تم لوگوں کو کیا ہدایت ملی تھیں؟ کیا تم میں جلا کر دیا
نہیں؟"

"ہم؟"

وہ چپ رہا۔ وضیفہ اُس وقت بیگٹ والے کے قریب گئی،
تیزی سے اس کے گال پر لڑنے لگا تھا چوڑھیر کرتی ہوئی لڑائی،
اس کا مجازت نہیں دی جا سکتی کہ کسی سوال کے جواب میں غاشوں کو
رہو؟"

ٹھانپنے سے بیگٹ والے کا ہرٹ پھٹ گیا اور انھوں
بھی خون ہرٹے لگا۔ غالباً گال کا اندرونی حصہ بھی زخمی ہو گیا تھا۔
وضیفہ چانچو کر دیکھ پھٹ آئی اور دوبارہ بولی "جولب دکا
باسے میں تم لوگوں کو کیا ہدایت ملی تھیں؟"

"ہم... ہمیں جس کے علاوہ کچھ نہیں کہ تھا کہ تمھیں پکڑ کر زہر
لے جائیں؟ بیگٹ والے نے ایک طرف خون تھوک کر کھینچ کر بولی
میں جولب دیا۔

"فریہ کیوں؟" میں نے سوال کیا۔
"ہم سے بن تناہی کہا گیا تھا کہ وہاں ہیں کالے دنگ کی ایک"

گیارہم تو گولوں کو اس کا رونا ٹھونڈ کے حوالے کر دیں گے؟
ہمیں فریہ والے کی طرح سے جانتے؟" میں نے پوچھا۔
کوئے کر کہا جی کے معامل پر پینچنے کو کس طرح؟ میرا

گولس وقت تو گولوں کے دیواروں کی نالیں ہماری
لی ہوتیں تو دیکھنے والے ایک ہنگامہ برپا کر دیتے؟
وہ کو بیٹھ کر کے لے جاتے؟

میں سمجھتی تھی وہاں وجود گولوں کی توجہ ہماری طرف
"ہائی؟" میں نے بیگٹ والے کو تیز نفس سے گھورتے

ہم تھیں صندوق میں بند کر کے لے جاتے؟ بیگٹ والے
کر دیا۔

"میں غزنی؟" تم لوگ یہ حیات ہرگز نہیں کر سکتے تھے۔
گولوں کی گزند کی بے بسی تھی۔ ساحل یہاں صندوقوں کو چمک
نکلنے دیا جاتا؟"

وہ والے کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔
کے علاوہ یہ کہ تھیں جھوٹ بولنے کی ہلکے تیز نہیں ہے۔
ہر گولوں کی طرح۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ تم لوگوں کی لاپنج

بھڑن نہیں ہے؟
وہ... دراصل... بیگٹ والا بھلا گیا۔

وہ پتہ بولوا! سمجھو! وضیفہ ایک قدم آگے آ کر غزنی تو دہ
لپٹے ہی مار مار کر تھکے چمکے کا تھکنا بنا دوں گی؟

... دراصل... بیگٹ والے نے اپنے پوٹوں پر زلزلہ پھیلتے
"ہم صحت یہ حکم لاپنج کے تیزوں کو ہلکے کر دیا جائے؟"

بیگٹ والے کو گھورتی رہی جو مجھ سے نظر چڑھا رہا تھا۔ اس
ماتحتیہ سادہ کوشش تھی۔ اُن کے منہ سے ایک ایک
میں لٹکا دیا اور میں بھی اُن سے مخاطب نہیں ہوئی تھی۔
نہیہ "میں آہستہ سے بولی۔

میں بھونکی باجی؟" وضیفہ نے کہا اور جوتہ آتی تیزی سے بیگٹ
نزدیک گئی جیسے کوئی آدمی اُٹھتی ہے۔ اس مرتبہ اس کا لپٹہ
"ارتقا کر بیگٹ والا لڑکھٹا گیا اور گرتے گرتے بھاگا۔

اب مجھ جھٹ بول رہے ہو جوتہ کچھ ہے؟" وضیفہ نے زہرے
جیسے چمکاتے ہوئے کہا "یہ تھیں ہماری طاقت کا حکم ملا
ہم لوگ اس وقت زندہ نہ ہوتے۔ تمھاری شین میں کا پہلا ہرٹ
دوسرے مارا گیا تھا کہ ہماری لاپنج اس کی زود سے باہر تھی۔

"اور میں بولی پڑی؟" دوسرے ہرٹ کی گولیاں ہمارے
لاپنج کے ارد گرد پانی میں غرق تھیں۔ چتر میں ہرٹ اتنا ہلکا تھا کہ
اُس سے لاپنج کو کبھی شکل کوئی نقصان پہنچ سکتا تھا۔ اگر میں ہلک

کر نام تو گولوں کا مقصد ہوتا تو تمھاری شین میں کس کی توقف کے بغیر
گولیاں برسا دے ملی جاتی اور ہماری لاپنج کے پچھے آ جاتے۔

"لنڈا؟" وضیفہ ایک مرتبہ غزنی؟" اب گلاب بھی تم ہی میں لیے
تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تمھاری شانت تھیں وہ صاف غلطی ہے۔ اے

میری آخری وارننگ سمجھا؟"
"آخری نہیں، ایک لڑا لڑا؟" رضوان نے اپنی لاپنج سے ہلک

لٹائی؟ آخری وارننگ تو ان گولوں کو گولیوں میں دھنسا کر دیا؟
"نہیں؟" میں نے پٹ کر رضوان سے کہا۔ تم اپنی ہی لاپنج

میں رکھا؟"
"اے یہ بھی مجھے بھی تو کچھ موقع ملتا چاہیے ان گولوں کی خدمت

کرنے کا؟" رضوان نے بڑا مان جانے والے انداز میں کہا۔
"مکومت؟" میں نے اسے ڈانٹ دیا اور دوبارہ بیگٹ والے

کی طرف توجہ کر بولی "ہاں اب جلدی سے چل بات بتاؤ اور
لیکن اس سے پہلے کہ بیگٹ والا کچھ کتا، رضوان چیخ اٹھا۔ بڑا

بالا ایک لاپنج اس طرف آ رہی ہے؟
"کیا؟" میں جھپک کر پوچھی۔

رضوان دودھ میں آنکھوں سے جھلنے لگے اس سمت میں دیکھ رہا تھا
جو صر سے ہم آئے تھے میں نے پٹ کر اس طرف دیکھا لیکن مجھے کچھ نظر

نہیں آیا۔ غالباً وہ لاپنج ابھی اتنی دور تھی کہ اسے دودھ میں کے بغیر نہیں
دیکھا جا سکتا تھا۔

"تم باقی تو نہیں کر رہے ہو رضوان؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔
"کیا ایسے موقعوں میں بھی اس قسم کا کوئی خدائی کر سکتا ہوں؟" بھونکا

لے جھٹکا کر کہا اور مجھ سے کہے سے تین گولیاں کہ وہ جھوٹ
نہیں بول رہا تھا۔

"وضیفہ اب ہم کس بڑے خطرے میں پڑ سکتے ہیں؟" میں نے بار بار
زبان میں تیزی سے کہا۔ "ہم تو گولوں کے ہم لوگ تیزی سے نکل جائیں؟"

"ان گولوں کا کیا ہو گا؟" وضیفہ نے بیگٹ والے کی طرف اشارہ
کرتے ہوئے پوچھا۔

"انھیں میں لاپنج میں چھڑ دو۔ مجھے توقع بھی نہیں ہے کہ کوئی
کام کی بات معلوم ہو سکے؟" میں نے بار بار غزنی میں وضیفہ سے کہا اور پھر
اور میں بیگٹ والے سے بولی "میں تھیں سمجھ میں چمک کر بھی جا سکتے

ہیں لیکن میری نظریں ہمہ گم زیادہ قصور وار نہیں ہو۔ وہ تو کوئی اور ہی ہے جس نے تعین کا سہ پہنچے لگایا ہے اور جس بہت جلد اس سے بہت اچھی طرح پنہوں کی۔ اس نے اسے تاکہ دینا کہ میری بازو کوئی تر لواز نہیں ہے۔

جیکٹ والے کے چہرے پر جو نرمی سی چھائی تھی وہ ختم ہو گئی اور اس کے تیزوں ساتھی بھی کچھ ہشاش بشاش نظر آنے لگے۔ گلابا! ان لوگوں کو اپنے چٹکائے کی کوئی امید باقی نہیں رہی تھی اور اب وہ قطعی غیر متوقع طور پر "نجات" حاصل کر رہے تھے۔

میں نے ایک بار پھر کس طرف دیکھا مگر رضوان دیکھ رہا تھا بہت دور بے ایک سیاہ دھندلا سا حشر کی نظر آیا۔

"آؤ رضیہ! میں نے کہا اور چھلانگ لگا کر اپنی لاپنج پر پہنچی۔ رضیہ نے اپنے دل کی بے پرواہی اس طرح نکالی کہ جیکٹ والے کے تیز ہجوم کی دہانے کے بعد وہ بھی جھٹک لاپنج پر آ گئی اور میں نے رضوان سے کہا میں اب تیری سے نکل چلا۔۔۔ وہ دوسری لاپنج ضرور ہائے لیے کوئی بڑا خطرہ بن سکتی ہے۔"

رضوان فوراً ہی لاپنج کو حرکت میں لے آیا۔

میں اور بین تمھوں سے لگا کر دوسری لاپنج کی طرف دیکھنے لگی جو بہت تیزی سے بڑھتی چلی آ رہی تھی لیکن میں اور بین کے باوجود یہیں دیکھ کر اس لاپنج میں کتنے آدمی تھے۔

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔ رضوان بڑبڑایا ان چاروں میں سے کم از کم ایک آدمی کو ہی پکڑ کرے چلتی۔"

"اس سے کوئی ناٹھ نہیں ہوتا۔ میلر اصل شکاری پر دونوں کے پیچھے چھاپا ہوا ہے اس کے یہ مولی کا منہ ہے تو یہ بھی نہیں جانتے ہوں گے کہ وہ کس کے لیے کام کر رہے ہیں۔"

"تو پھر کئی دیر تک کیوں بوجھ کچھ کئی رہیں؟ بلا وجہی وقت برباد کیا۔"

"میں صرف یہ جانتا چاہتی تھی کہ ان لوگوں کو کھلے ہائے میں کیا ہلاکت ملی تھیں۔"

"لیکن آپ یہ بھی نہیں معلوم کر سکیں؟"

کوئی خاص فرق نہیں پڑا۔ البتہ اب میرے ذہن میں ایک اور شہر ضرور پیدا ہو گیا ہے۔

"وہ کیا باجی؟" رضیہ جلدی سے پوچھ بیٹھی۔

میں نے فوراً جواب نہیں دیا۔ میں ایک بار پھر دو بین تمھوں سے لگا کر پٹ کر دیکھنے لگی تھی۔ وہ لاپنج ابھی جیکٹ والے کی لاپنج تک

بھی نہیں آئی تھی اور جیکٹ والا اپنی لاپنج کو ابھی گا لایا تھا۔ غالباً وہ دوسری لاپنج کا انتظار کر رہا تھا۔ ہماری لاپنج اپنی انتہائی رنڈا کے ساتھ پالہ میں تھی۔

"آپ نے بتایا نہیں باجی؟" رضیہ جھرجھولی "نہ ہاں" کیا نیا شہر پیدا ہو رہا ہے؟

"پہلے تو میں یہ بھی سمجھتی تھی مگر اب مجھے کسی جازمہ! "ہاں"

"اب میں سوچ رہی ہوں کہ وہ کوئی آبدوز میں؟ کی بہت شاندار! رضوان نے قہقہہ لگایا۔

"کیا مطلب؟" میں اس کے انداز پر بیٹھ گئی۔

"مطلب یہ کہ آپ نے شاید حال ہی میں کوئی منہ"

ناول پڑھا ہے؟ رضوان نے قہقہہ لگاتے ہوئے انداز میں کہا۔

"یہ یہ سوچہ بات تو دوسری بار کہہ رہے ہو!"

"دوسری بار کیا میں تیری اور جیسی بارہوی کر سکتا ہوں۔"

زیادہ مذاق کر رہی تو پھر میں اندھنی میں ہونے کی وجہ سے

"میں مذاق کر رہی ہوں؟" میری جھجھلاہٹ بڑھ گئی۔

"یہ مذاق نہیں تو کیا ہے۔ اگر کوئی آبدوز کھائے؟"

تو کیا ہمارا جیسے کوس کا کلمہ نہ پڑتا؟

"ضروری تو نہیں کہ وہ آبدوز کھائے ہی ہندوی ملائے"

پھر وہی ہوا۔ میں نے بہت دور جھجھلاہٹ سے ہنسنے انداز میں کہا

سندھ میں بھی ہر جگہ ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اب آپ جا سکیں گے ناؤں لکنا شہر میں"

اس تہیہ پر میری جھجھلاہٹ اتنی بڑھی کہ میں خاموش

رضیہ بالکل سنجیدہ نظر آرہی تھی۔ اس نے میری اور

نوک جھوک میں قلعی حشر نہیں لیا اور دونوں میں میرے او

کے عقب کا جائزہ لینے لگی۔ ذرا نوک کر اس نے کہا: "مہا"

ہے کہ وہ دوسری لاپنج جیکٹ والے کی لاپنج کے قریب

نکلتی ہے۔"

"اب وہ نوٹ ہی مانتی ہے۔ میں نے کہا: اس کا وہ"

ہے کہ ہمارا انعام کیا جائے تو کیا کہ اب ہم کچھ ہی دیر میں ان کے

کے قریب پہنچ جائیں گے جو ساحل سے دور مگر انداز میں

رضیہ سر ہلا کر کہ گئی۔

کے کھلنے کا وقت ہو چکا تھا جب ہم لوگ گھر پہنچے گیتا ابا کو سنا تھی کہ فون کر چکی ہے اور آخری مرتبہ اس نے

میں جب بھی گھر لوٹوں اسے فوراً فون کر لیں۔

اس نے میں نے سر ہلا کر گیتا سے کہا: چلو پہلے چل کر

پہلوں ڈانگ دم میں پہنچو جاں میز پر بیٹھیں گے گائی

بہر کر سیوں پر بیٹھ کر کھانے کی خوشی کا انتظار

۔ اس وقت میں نے رضوان سے کہا: "میں گیتا کو قہقہہ"

ایک بھیجا چاہتی ہوں تم فوری طور پر اس کا پیسٹ

کے باقی انتظامات بھی کر ڈالو!"

تو رضوان کو میری ہدایت پر تعجب ہوا۔

لہذا بات نہیں ہے۔ میں صرف یہ سوچ رہی ہوں کہ

۔ دین بڑھوں کی تبدیلی کا خوش گوار اثر پڑے گا۔"

وہ رضوان کے منہ سے اتنا ہی نکلا۔

ی وقت وہ ملازماؤں نے کھانے کی پیشکش گانا شروع

ایک ٹرالی میں رکھ کر لائی تھیں۔

مانے کے بعد میں نے اپنے کمرے میں جا کر سونا کو فون کیا۔

۲ ہوا! سونیا میری آواز سنتے ہی پھر تڑپ اٹھ گئی۔

ابا بے آپ نے کہاں غائب ہیں مددے دن؟"

اس پر وہی کاہنے لگی ہوئی تھی۔ ابھی آئی ہوں۔"

اب تو ابا میرے ہونے آجائے!"

پرست کیا ہے؟"

میں آپ آجلیے۔ اپنے گھر پر کہہ کر آئیے گا کہ آج رات آپ

میں ہوگی۔ یعنی آج آپ میری مہمان ہوں گی۔ سونیا

بہتر ہو گیا۔

ہاں۔۔۔"

نہیں کچھ نہیں۔ یہ اب کا وعدہ تھا کہ جب میں اس سے

نہیں کا یہاں ہو جاؤں گی تو۔۔۔"

تو کتنا قحطی دوستی کر ڈالی؟ مجھے واقعی تعجب ہوا تھا۔

میں جتنی بجا تے سب کچھ کہتی ہوں۔"

خیر یہ تم نے کس طرح کر لیا؟"

مہنگ آپ میرے پاس نہیں آئیں گی میں کچھ نہیں بتاؤں

چھائی آرہی ہوں۔ میں نے ہنس کر کہا اور سلسلہ منتقل

کر دیا۔

ہاتھ دم میں جا کر میں نے کپڑے تبدیل کیے اور دو انگلی کے لیے کھمک سے دست ہوئی۔ باپو بیچ کر میں نے ایک ملازم سے

منگیا کہ بارے میں پوچھا تو پتا چلا کہ وہ اپنی خواہگاہ میں پہنچ گئی ہے۔ رضوان اور رضیہ کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ ڈانگ دم میں

بیٹھے پائیں کر رہے ہیں۔ میں یہی سوچ رہی تھی کہ

"ابا! رضوان میرے سراپا ایک گری نظر ڈالتے ہوئے ہوں۔"

"کیا کسی خاص جگہ جانے کی تیاری ہے؟ خوش ہوؤں سے کھک ہی

ہیں آپ تو!"

"ایک کام سے جا رہی ہوں۔" میں نے رضیہ کی طرف دیکھ کر

کہا: "شاید مجھے زیادہ دیر ہو جائے۔ تم سو جا۔" میرا انتظار صبر

کرنا۔"

رضیہ نے سر ہلا دیا اور میں رضوان سے کچھ کہے بغیر باہر آ گئی۔

میری کارڈز میں کھڑی تھی۔ میں نے اس میں بیٹھ کر ان اشارات

کیا ہی تیار کھنکھانے کی آواز سن کر سوچی۔ رضوان کا کدو کھڑی کے

قریب کھڑا ہوا تھا۔ تیرا لڑکی اپنی کھوپڑی کھجور کھاتا تھا۔

"کیا بات ہے؟" میں نے اسے کھوڑ کر دیکھا۔

"میرا خیال ہے آپ نے فیصہ سے بس پوئی کہہ دیا تھا کہ آپ کو

دیر ہو جائے گی۔ میرے انداز سے کہ مطابق آپ لٹ بھر کے لیے جا

رہی ہیں۔"

"تو پھر؟" میں نے توری پر چڑھائی۔

۔ "خالد آپ سونیا کے پاس جا رہی ہیں۔"

"تم کہنا کیا جانتے ہو؟"

"آگے میرے خیال کی تصدیق کر دیں کہ آپ رات بھر کے لیے

جا رہی ہیں تو ہم خیر ہوں گا بھی کچھ بھلا ہو جائے گا۔"

"یعنی؟"

"میں بھی یہ رات آپ کے گھر پر فیصہ کے ساتھ گزار دوں گا۔"

"وہ تمھارے سر پر اتنے جوتے بربانے گی کہ ایک بال بھی نہیں

بے گاہ۔"

"نیلے تو میں اب بھی فارغ البال ہوں! رضوان نے ٹھنڈا سا

لے کر کہا: "میرا بال نہیں رہیں گے تو کوئی مستند فارغ البال ہو جائے گا۔"

میں نے رضوان سے کھک کہ کرنے میں مزید وقت خانہ نہیں

کیا اور کار کو حرکت میں لے آئی۔

"اسے اسے! اپنے تو! رضوان چننا۔"

لیکن میں فضول باقی نہ کرنے کے کوڑ میں بھی میری کاہلی
سے نکل چکی۔ ویسے مجھے یقین تھا کہ اب رمضان ساری رات میرے
گھر پر رہے گا اور رخصت سے گپ شپ کرتا رہے گا۔ گپ شپ سے زیادہ
کسی بات کا قطعی اندازہ نہیں تھا۔ رمضان مجھے سے ایسی نواسی طرح
کرتا تھا جیسے وہ درجہ ادا کرے لیکن وہ فطرتاً ایسا نہیں تھا۔ اس
کے علاوہ میں اپنی عزیزانہ زبان میں رخصت سے بھی خوب واقف
تھی۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ رمضان اور رخصت ایک دوسرے کی بہت
شدت سے جاتے ہیں اور رمضان واقعی شادی کا خوشی منہ ہے لیکن
اس سلسلے میں رخصت کا نظریہ تھا کہ انسان کو جس سے محبت ہو اس کی
قربت حاصل نہ کرے۔ گلاب کا پھول بھی اگر زیادہ دیر تک کارلین
کے گھر سے تو چھڑا چکا نہیں تھا۔ رخصت کا یہ اندازہ فکر رمضان کو سر نہیں پر
جھوڑ کر بارتا تھا۔

”گناہ میں غلغلہ پیدا نہ گی کے طور پر بسر لایا۔“
 ”لیکن وہ اس تصویر میں زیادہ خوبصورت ہے۔“
 ”تو یہ تمہاری ہے مجھے کب ملو گی؟“
 ”کل شام کو اگر مل جائیے گا میں نے چھپچھپانے کا وعدہ کیا ہے؟“
 ”لیکن میں اس سے اپنے اصلی چہرے کے ساتھ نہیں ملوں گی۔“
 ”چھپڑ، سونیا نے تعجب سے کہا۔
 ”میں خود کو عاصمہ تبیل کے کہنے والی کہہ کر تم کو کشش کرنا کہ وہ ہم دونوں کو اپنے گھر پر بلو کر لے۔“
 ”وہ خودی کہہ رہی تھی کچھ اپنے گھر پر بلو کر لے گی۔“
 ”دوبری گڈ! تم اس سے میرا تعارف کیا کہہ کر لانا کہ میں ایک مٹ بون ماں طرح وہ بہت جلد مجھ سے قریب ہو جائے گی۔ یوں ہر شخص کو اپنے مستقبل کے بارے میں جاننے کی خواہش ہوتی ہے لیکن میں انہیں یہ سنو کہ کیا ہے کر لو کہوں میں یہ کرنا کچھ زیادہ ہی ہے۔“
 ”آخر یہ جاکر کیا ہے بالو؟“ سونیا کے چہرے اور جسم سے الجھن خارج تھی۔

”ہاں۔۔۔ میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا: ”معتقد یہی ہے۔“

”پھر حق اس کے گھر میں جانا آپ کے لیے بہت خطرناک تھا، بروکا؟“ ہونیانے پرستوش انداز میں کہا۔

”میں ایسا محسوس بدل کر جاؤں گی کہ کسی کے فرشتے بھی مجھے پہچان سکیں گے۔“

”اور اگر پہچان ہی لیا گیا۔“

”دیکھا جائے گا۔ میں خطرات سے کبھی نہیں بھگتی لیکن یہ باتیں جاننے کے بعد تم کو خوفزدہ نہیں ہو گئی ہو؟“

”میں نے خوفزدہ ہونا نہیں سیکھا اور جب آپ کے ساتھ تو موت کے شربتیں بھی چھانکے تھے۔“

”یہ کیسے کہتے تھے؟“

”میری گردن میں باتیں چھانک کر دیں۔“

میں خوف و ہراس نہ پھیلا جائے۔ ایسا تو نہیں ہے کہ لوگوں کے مستقبل میں صرف خوفناک باتیں تحریر ہوتی ہیں! یقیناً اچھی باتیں بھی ہوتی ہیں۔ اس کی مثال ہوں کہ لوگوں کو صرف ان اچھی باتوں سے خوش کیا جائے۔

”خوب! ذریعہ اچھے ایسی نظر سے دیکھنے لگے جس سے عینیت مقرر تھی۔“

”اور اب... بسوٹا کھڑی ہوتی ہوئی ولی میں اپنی دونوں معزز دھانوں سے درخواست کروں گی کہ وہ میرے ساتھ نیچے لٹیک با میں چلیں۔ ہم جانے دیں بیٹیں گے۔“

”ذریعہ کھڑے ہو کر مجھ سے کہا: اشراف لے چلے بیٹم!“

”ہاں ہاں چلو!“

ہم تینوں کمرے سے نکلے۔ سوٹیا نے کہہ دیا کہ مقرر نہیں لٹک کے دیے نیچے اتر کر لٹیک با میں پہنچے۔ سوٹیا نے جانے کے ساتھ بے شمار لوازمات منگالے۔ جانے پہنچے کے دوران میں ذریعہ نے مجھ سے پوچھا کہ سوٹیا نے تو کہہ کر اپنا ہاتھ ضرور دکھایا ہوگا!

”مجھے نہیں۔“ میں نے کہا: سوٹیا نے آج تک یہ خواہش ظاہر نہیں کی۔“

”واقعی! ذریعہ نے تعجب سے سوٹیا کی طرف دیکھا۔“

”ہاں! سوٹیا نے مسکرا کر کہا: دراصل میں اپنی زندگی کے ان واقعات سے انکاری جا رہی ہوں جو میرے مستقبل پر بڑے اثرات مرتب کر سکتے ہیں لیکن میٹم مجھے ان کے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گے۔“

”لیکن اچھے واقعات بھی تو جانتے چاہیں! اس سے آدمی کا حوصلہ بڑھتا ہے۔“

”میرا حوصلہ ویسے ہی بہت بڑھا ہوا ہے۔“ سوٹیا نے ہنس کر کہا۔

”کم از کم میں تو میٹم کو اپنا ہاتھ ضرور دکھاؤں گی۔“

میں آہستہ سے منہ پٹی اور چہرہ لولی! اسی لیے تو میں شہرت سے بچتی ہوں۔ اس شہرت کے باعث ہر لافانی کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کا ہاتھ دیکھا جائے۔“

”اگر آپ اس سے بچنا چاہتی ہیں تو میں اصرار کر کے آپ کو پریشان نہیں کروں گی۔“

”میں خیر پریشانی کی تو کوئی بات نہیں ہے۔“ میں نے ہلکی سی گھبراہٹ سے کہا: میں تمھارا ہاتھ ضرور دیکھوں گی لیکن کمرے میں واپس چل کر میرا تو میں لوگ ہماری طرف متوجہ ہو جائیں گے۔“

”جھجک ہے۔“ ذریعہ خوش ہو گئی۔
جانے پہنچے۔ بعد میں تینوں واپس کمرے میں
میرے قریب بیٹھی۔ اس کے قریب کی ہر کار مجھ پر ہمارا
کاری کرنے لگی لیکن میں نے خود کو قابو میں رکھا۔

”اب بتائیے! ذریعہ نے اپنا ہاتھ میری گود میں ۱۲
میں جھنجھکا گئی۔ میں نے اس کا ہاتھ اپنی گود سے اٹھا
ہاتھوں میں لے لیا۔ بلاشبہ وہ ایک ایسا ایک ہلکا سا
گدگدی ہونے لگے۔ میری نگاہ اس کی کھیروں کی غور نہ کر
جگہ میری پیشانی پر ٹپکوں پر لگیں۔ میں نے اچانک سوٹیا کو
ایک کاغذ دینا۔“

سوٹیا نے ہلکی سے ہٹل کا پتہ نکال کر کہنے لگا: اے
اپنا تم کمال کر اس پتہ پر کچھ مہذبوں کی جمع تقریریں لکھ لے
وہ دیکھ کر میرا یہ کام جاری رہا۔ ذریعہ نے اشتیاق
طرف دیکھ رہی تھی اور سوٹیا کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے وہ یہ دنیا
سے غفلت زدہ ہو چکی ہو۔

وہ سنٹ بعد میں نے ایک طویل سانس لے کر ذریعہ کی
دیکھا اور چہرہ مسکرا کر بولی: پرسوں تمھارا پیو پیڈش ہے؟

ذریعہ اس طرح اچھلی جیسے صوفے میں گرٹ دوڑ گیا ہو۔
”ماں کی کاڈ! اس کے منہ سے نکلا۔ یہ آپ کو کیسے معلوم؟“

کیا پاسٹری سے پیو پیڈش کا بھی پتا چل جاتا ہے؟
”میں پاسٹری کے علاوہ اسی قبیل کے دوسرے علوم پر بھی
رکھتی ہوں اور جب کسی کا ہاتھ دیکھتی ہوں تو ان سانسے ۱۲
برونے کا راز کبھی کسی نیچے پر پہنچتی ہوں۔“

”اوہ... اوہ... شاید! ذریعہ نے ہلکا سا ہلا۔ اس کا
اچھیں جھنجھکے گی نہیں اور اس کے چہرے کی شرمیلی گھٹی تھی۔

”کیا واقعی پرسوں تمھارا پیو پیڈش ہے؟“ سوٹیا پوچھنے لگی
”ہاں! ذریعہ نے اپنا پرکھ لیا۔ ہاتھ لے کر کہا: پرسوں میں
ساگلا ہے۔ میں تمھارے لیے کاڈ لے کر آئی ہوں۔ یہ لو! اس کاڈ
کاڈ سوٹیا کی طرف بڑھا۔ اس نے ہاتھ اٹھ کر ہاتھ لے کر کہا: میٹم کاڈ
میں نہیں مل دے جاؤں گی۔ تم ان کو پہنچا دینا۔ میٹم! اصدع
کہ آپ میری ساگر میں ضرور آئیں گی۔“

”میں ضرور آؤں گی۔“ مجھے ہنگامہ آؤں سے بہت دلچسپی نہ
”لیکن کچھ دیر پہلے تو آپ نے کہا تھا کہ آپ کی سب سے بڑی
کی ہنگامہ آؤں! پسند نہیں ہیں!“

”مجھ سکتے تھے اور میں اس کی خدمت بھی نہیں موسیٰ کر رہی تھی کہ اس
کے خشتوں کو بھلنے نہ بھانے کی کوشش کروں۔“
”یقیناً کیجیے! ذریعہ! سوٹیا بہت جلدی سے بولی کہ آپ کے ایک لپ
مل کی ہے۔“

”وہ کی تم صرف ایک دھڑ سے موسیٰ کی ہے۔“
”وہ دھڑ کیا ہے؟“

”تم جانتی ہو کہ میں میو باؤ ہوں جبکہ اس قریب میں مجھے کوئی صرف
ہم دنیا دشمن کی حیثیت سے دیکھیں گے۔“
”ہو سکتا ہے کہ کیا حال ذرا دیر ہوگی مجھے اندیشہ ہے کہ آپ
اہل جاگرتی خطے میں نہ پڑ جائیں۔“

”تم ایمان لکھو! میں بستر سے اٹھتی ہوں اور اب میں بھی چلیں گی۔“
”آج رات نہیں دیکھے گا؟“ سوٹیا ہنسی۔

”شاید خون رنگ لپٹے تھامے!“ میں بھی ہنس پڑی۔ کچھ
مہنت کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔“

”کیا آپ میں دشمن کے علاوہ حکیم جالینوس کی بھی شاگردی میں ہے؟“
”شیر! میں نے کہنے سے کہ اس کا حال چھتیا یا! وہ انا سنا کرتی
وہ روانہ کی طرف ہوئی۔

”میں بھی مل رہی ہوں۔ آپ کو نیچے کسک دوڑنے کا ہاتھ مل گیا۔“
”آؤ!“

ہم دونوں کمرے سے نکلے اور لفٹ کے ذریعے نیچے اترے۔ لفٹ
میں بیٹھا ہے مجھے کہ ”ذریعہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟“

”اس کے ساتھ ایک اچھی رات ضرور گزار جائے گی۔“
”شیر کو طر پر؟“

”کیا سب؟“

”میں بھی ساتھ دوں گی۔“

”جھجک ہے! میں نے ہنس کر کہا: یہ بھی ایک دلچسپ تجربہ
ہے گا۔“

میں نے ہٹل سے نکل کر جب کسی کے لیے ادھر ادھر دیکھنا شروع
کہ سوٹیا بولی کہ آپ کی لکڑیاں ہیں؟“

”میں اس جلی ہوئی شخصیت میں اپنی کامرستی نہیں کر سکتی تھی۔“
”تو جب آپ یہاں سے پرائیوٹ ٹیکسی لے لیں۔ میٹر ٹیکسی ملنا تو اس
بہت مشکل ہے۔“

”تم ٹیکس کہہ رہی ہو۔“
”جنا چھوڑیں! ایک پائینٹ ٹیکسی لی ادا ہوں سے روانہ ہو گئی۔“

راہ میں اچانک مجھے ابریز کا خیال آیا۔ میں پرسوں کے بعد اس سے نہیں مل
تھی! اس لیے مجھے غم نہیں تھا کہ اب اس کے ذہن کی حالت کیسی ہوگی! اس
وقت میں میں ہلے ہلے تھی لہذا اس سے ملنے جا بھی نہیں سکتی تھی۔
میں نے فیصلہ کیا کہ کھوڑ کر فون پر اس کی خیریت معلوم کروں گی۔ اس
کے قیام نہایت میرے لیے دلور اعتناء نہیں لیکن اس کی خیریت دریافت
نہ کرنا میرا انسانی فرض تھا۔

”میں نے فیصلہ کیا کہ اس کے قیام نہایت میرے لیے دلور اعتناء نہیں لیکن اس کی خیریت دریافت
نہ کرنا میرا انسانی فرض تھا۔“

”میں نے فیصلہ کیا کہ اس کے قیام نہایت میرے لیے دلور اعتناء نہیں لیکن اس کی خیریت دریافت
نہ کرنا میرا انسانی فرض تھا۔“

”میں نے فیصلہ کیا کہ اس کے قیام نہایت میرے لیے دلور اعتناء نہیں لیکن اس کی خیریت دریافت
نہ کرنا میرا انسانی فرض تھا۔“

”میں نے فیصلہ کیا کہ اس کے قیام نہایت میرے لیے دلور اعتناء نہیں لیکن اس کی خیریت دریافت
نہ کرنا میرا انسانی فرض تھا۔“

”میں نے فیصلہ کیا کہ اس کے قیام نہایت میرے لیے دلور اعتناء نہیں لیکن اس کی خیریت دریافت
نہ کرنا میرا انسانی فرض تھا۔“

”میں نے فیصلہ کیا کہ اس کے قیام نہایت میرے لیے دلور اعتناء نہیں لیکن اس کی خیریت دریافت
نہ کرنا میرا انسانی فرض تھا۔“

”میں نے فیصلہ کیا کہ اس کے قیام نہایت میرے لیے دلور اعتناء نہیں لیکن اس کی خیریت دریافت
نہ کرنا میرا انسانی فرض تھا۔“

”میں نے فیصلہ کیا کہ اس کے قیام نہایت میرے لیے دلور اعتناء نہیں لیکن اس کی خیریت دریافت
نہ کرنا میرا انسانی فرض تھا۔“

”میں نے فیصلہ کیا کہ اس کے قیام نہایت میرے لیے دلور اعتناء نہیں لیکن اس کی خیریت دریافت
نہ کرنا میرا انسانی فرض تھا۔“

”میں نے فیصلہ کیا کہ اس کے قیام نہایت میرے لیے دلور اعتناء نہیں لیکن اس کی خیریت دریافت
نہ کرنا میرا انسانی فرض تھا۔“

”میں نے فیصلہ کیا کہ اس کے قیام نہایت میرے لیے دلور اعتناء نہیں لیکن اس کی خیریت دریافت
نہ کرنا میرا انسانی فرض تھا۔“

”میں نے فیصلہ کیا کہ اس کے قیام نہایت میرے لیے دلور اعتناء نہیں لیکن اس کی خیریت دریافت
نہ کرنا میرا انسانی فرض تھا۔“

”میں نے فیصلہ کیا کہ اس کے قیام نہایت میرے لیے دلور اعتناء نہیں لیکن اس کی خیریت دریافت
نہ کرنا میرا انسانی فرض تھا۔“

”میں نے فیصلہ کیا کہ اس کے قیام نہایت میرے لیے دلور اعتناء نہیں لیکن اس کی خیریت دریافت
نہ کرنا میرا انسانی فرض تھا۔“

شاید اس کا سبب یہ ہو کہ اربز کے جذبات میں بڑی کڑک شدت تھی۔ اگر
شدت کا قہر بڑھ کر نامیرے بس سے باہر تھا۔
”اربز!“ میں نے زک کو کہا: ”بہتر وہ گا کہ... تم... اپنے اس زخم
کو زخم کی کڑک سے کوشش کرو جو زخم کھائی میں بیٹے، ان کا علاج
میں ہے کہ انھیں فراموش کر دیا جائے۔“
”یہ صرف آپ کی فکر ہے، میں نے آپ نے شاید وہ زخم نہیں
کھایا۔ جو زخم زخم کھاتے ہیں، انھیں خرب حلیم ہر تلبے کے ایسے زخم
فراموش نہیں کیے جاسکتے۔“
”اربز!“ میں نے ٹھنڈا سا سن لیا، اچھا نہیں چھوڑ دو۔ میں اس
وقت کوئی بحث کرنے کے سزاؤں میں نہیں ہوں کسی دقت تم سے ملنے
آؤں گی۔“
”کس دقت؟“
”یہ بتانا تو مشکل ہے۔“
”دراصل میں کس تک اتنا تندرست ہو جاؤں گا کہ گھر نہ لے سکوں۔“
”اگر آپ دقت بتا رہے ہیں تو میں اس دقت میں نہ جاتا۔“
”اچھا میں دیکھ کر آؤں گی۔“
”میری انھیں وہ دانے ہی کی طرف نکالیں۔“
”اچھا میں نے سلسلہ منتقل کر دیا۔“
جب میں کھانے کی میز پر پہنچی تو شاید میرے چہرے سے الجھن اور
تنگ کر کا اظہار ہو رہا تھا۔ رضیہ مجھے پوچھ رہی تھی کیا بات ہے، ابھی آپ
کچھ پریشان معلوم ہو رہی ہیں!“
”آں... میں تو!“ میں نے چونک کر کہا۔
”آپ کے چہرے سے تو ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا۔“
”میں کوئی خاص بات نہیں... میں نے کہا اور کسی گھٹیت کر
بیٹھ گئی۔ میں نے اربز کے پاس سے کچھ نہیں بتانا چاہی تھی۔
کھانے کی میز پر بیٹھ گیا، جو کچھ تھی اور سر جھکا کر بیٹھی تھی۔
”رضیہ تو نہیں آیا تھا؟“ انھیں نے کھانے کے دوران میں رضیہ
سے پوچھا۔
”وہ خود تو نہیں آیا مگر اس کا فون آیا تھا۔“
”کوئی خاص بات؟“
”وہ بس سٹینا کو امریکہ بھیجنے کے اخطارات میں لگا ہوا ہے۔ وہ
بتا رہا تھا کہ کب سامنے سے اخطارات ہو جائیں گے۔ یہ پرموں جرح کی
فلائٹ سے امریکہ جاسکتی ہیں۔“
”گو؟“ میں نے سر لایا یہ تم ایک کام اور کر دیا۔“

”کیا؟“
”سٹینا کے ساتھ ہی تم اپنے ساتھیوں کو بھی واپس آؤ۔“
”جو اتنے دیر کو؟“
”ہاں۔“
”کیوں؟“
”یہاں اب ان کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ وہ اپنی
لانی تھیں اس وقت کہ وہ کچھ کام آگے لے سکیں اب وہ بیکار ہیں،
وہ اپنی وضع قطع اور اب وہ لیے سے اتنے نمایاں رہتے ہیں کہ
کوئی کام نہیں لیا جاسکتا۔“
”میں آپ مناسب سمجھوں۔“ رضیہ نے کہا: میں انھیں ہم
کروں گی کہ وہ بھی پرسوں ہی کی فلائٹ میں اپنی بیٹی کے سفر کا
اس کے بعد کھانے کی میز پر کوئی خاص گفتگو نہیں ہوئی۔
دوسرے روز میں نے سونیا کا فون وصول کیا۔ وہ مجھے بتا رہی تھی
کہ زریں میرا دعوت نامہ آئے سے مل گئی ہے۔
”تم نے اس سے سنانوں کے پاس سے میں بھی پوچھا؟“ میں نے
”میں آپ کو پوری تفصیل نے سنی ہے۔“
”بتاؤ!“
”فون پر ہی؟“
”ہاں، شاید میں ان سے پاس نہ آسکوں۔“
”اچھا تو سنو!“
”سونیا نے وہ نام بتا کر شروع کیے تھیں زریں کی ساگوں آتما
ان میں سے جو سات نام میں نے اپنے پاس نوٹ کر لیے۔
”بس ٹھیک ہے، میں نے انھیں آخروں میں کہا۔ اب تم سے مل گئی ہوگی۔“
”آپ میرے بڑے بڑے آجائے گا۔ یہاں سے ہم ساتھ ساتھ زریں
مگر چلے جائیں گے۔“
”اؤں!“ میں نے کہہ کر سلسلہ منتقل کر دیا۔
دوسرے کے کھانے کے بعد میں اربز سے ملنے کے لیے اس کے
گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔ مجھے انتظار ہے کہ اس کی خوبصورت لڑکی
نے بگڑیوں کنا چاہیے کہ اس کے جذباتوں کی شدت نے مجھے کچھ نہ کہ
متاثر ضرور کیا تھا۔



مجھے دن سٹینا کو امریکہ کے لیے روانہ ہونا تھا۔ جب ایر پورٹ
جانے کا وقت ہوا تو سٹینا مجھ سے ہٹ کر چھوٹ چھوٹ کر دنا

۔ مائل کیوں اس وقت مجھ پر بھی افسردگی کی چھائی تھی میں نے
اگر پکار لیا، اس کی بیٹھ تھیں چھائی اور کہا: شاید میں جلد ہی امریکہ
آں۔ لیکن مجھے آئندہ کدورت تھیں میری کی سوس نہیں ہونے
لی میں نے اس کے نام جو خط لکھ کر دیا تھا، وہ تم نے سٹیلا سے
لیا ہے نا؟“
”ہی!“ سٹینا نے کہا میں لیتی ہوئی ہوئی۔
”اور اس کا پتا بھی؟“
”ہی!“
”ویسے ممکن ہی ہے کہ وہ تمہیں لینے کے لیے خود ایر پورٹ پہنچ
نہ گی میں نے اسے ایک ٹریلر لیکس بھیج دیا ہے۔ اس کے علاوہ
یوں بھی پریشان نہیں ہونا چاہیے کہ جو ناقص و فیر بھی کھائے
الغرض ہے۔ وہ وہاں ایک دن رکنے کے بعد سڈا ڈھارہ پر جائیں
گی۔“
”یہیں بات ہے برا کہی؟“ دیکھ میں ہے کہ اپنے سب پیاروں
جو پڑنے کے بعد آپ سے بھی پچھڑی جا رہی ہوں، سٹینا کے
روں کی رفتار بڑھ گئی۔
”تم مجھ سے بیٹھ کے لیے تو نہیں بچھڑ رہی ہو؟ میں تو نہیں کچھ
ہم سے کہیں یہاں سے بھیج رہی ہوں تاکہ اس کی نیڈی تم پر چڑھ کر
اتر تھک کرے۔ کچھ بعد بعد تم واپس آ جاؤ۔ ویسے میں نے کہا نا
میں خود بھی بہت جلد امریکہ آؤں گی۔ اندیشہ ہے کہ ایک کام کی وجہ
سے مجھے امریکہ کا رخ کرنا ہی پڑے گا۔“
”اسی وقت میرے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی اور پھر
نہاں کی آواز سنائی دی: ”سامان گاڑی میں لگھا جا چکا ہے فائون!“
”آؤ پلیس!“ میں نے سٹینا کا شانہ تھپک کر کہا اور اسے باندھ
نے سانسے سے دروازے کی طرف بے چلی۔ سٹینا وہاں سے اپنی
ٹیس خشک کرنے لگی۔
”دو کاریں میرے گھر سے روانہ ہوئیں۔ ایک کار میں میرے ساتھ
سٹینا، رضیہ اور رضوان تھے جبکہ دوسری کار میں جو ناقص و فیر تھے۔
ان کو گولیوں کے علاوہ اسے میں سوار کر کے جب ہم لوگ واپس گھر کی
طرف روانہ ہوئے تو میرا دل بہت بھل بھل سا تھا۔ جس کار میں
وہ ناقص و فیر آئے تھے اسے اب رضیہ ڈرائیو کر رہی تھی، رضوان
بانے کیوں اس کے ساتھ جانے کی بجائے میری کار میں بیٹھ گیا تھا۔
تیس دن مجھے چھیننے لگا۔ آپ اپنی محبوبہ کی مبرا کی سے بہت
”اس ہیں۔“
”فضول باتیں نہ کرو!“

”اس میں کیا فضولیت ہے؟“

”رضوان! میں نے سوچی جا رہی ہوں۔ میں نے سوچی۔“

”تو میرا ٹھیک سب پر مجھے سمجھتے دیکھو!“

”کہوں!“

”میں سیدہ حاجہ ترسان چلاؤں گا۔“

”اب اگر تم نے کہا اس جاری رکھی تو میں دروازہ کھول کر تمہیں

ٹھکڑی کے باہر دھکیل دوں گی۔ میں نے غصے سے بولے کہ

”اب کو تو سب کچھ غصہ آ گیا، رضوان نے سنا لیا، میں تو عرض

اس لیے آپ کی کار میں بیٹھا تھا کہ آپ کا بھی بلا سکوں۔ آپ کی

اُداسی دیکھ کر میرا دل کا جا رہا تھا۔“

میں کچھ نہیں بولی اور پھر رضوان کی چپ ہو گیا۔

گھر پہنچ کر میں سیدی اپنی خانگاہ میں گئی، اور سیدہ پرداز ہو گئی۔

میں نے لیکس بند کر دی اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔ میرا خیال

تھا کہ اگر میں دو ایک گھنٹے سو لوں تو دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔

دراصل مجھے آج جو دم بدیش تھی اس کے لیے فردی خفا کی پوری

طرح جان و چون بند ہوئی۔ آج شام مجھے زریں کی ساگوں میں شرکت

کرنا تھی اور وہاں بہت کچھ کرنا تھا۔

دو تین گھنٹے کی نیند کے بعد میں اٹھی تو اپنے اندازے کے

مطابق خاصی تھک چکی تھی۔ مشکل کر کے اپنے تئیں کمرے کے بعد میں نے

خود کو پوری طرح جان و چون بند پایا۔

چاند بچے میں نے اپنا ایک آپ شروع کیا اور اپنے کچھ بک

میں ایک بار پھر ”مڈم ریڈا“ میں بن گئی تھی۔

میں نے ایک گھنٹہ کی اور سونیا کے بڑے بڑے کونے کے ساتھ کھڑی

زریں کی دعوت چھ بچے کی تھی اس لیے میں نے سونیا کے ساتھ کھڑی

اس کے بڑے بڑے بڑے سونیا آج اس بات پر توجہ دینا چاہا

کر رہی تھی کہ مجھے صبح باؤ کی حیثیت سے شناخت کیا جاسکتا ہے لیکن

میں نے اس کی تشریح کے جواب میں نقلی پریشان خیالی نہیں کی۔

دقت مقررہ: پدم دوزن زریں کے گھر ”خان“ پہنچ گئے۔

خان ولا بہت بڑی عمارت تھی اور اس طرح کی کوئی بھی

جیسے وہاں کسی کی شادی ہو۔ اسی سے خان آف کا لاگڑ کی جگہ

اور اس کی روایتی وضع داری کا اندازہ کیا جاسکتا تھا۔

چنانچہ زریں اور خان آف کا لاگڑ کے ممالوں کا استقبال

کر رہے تھے۔ زریں نے بہت تک کہ ہم سے مصافحہ کیا۔

”ساگوں ہمارے ہونڈیں!“ سونیا نے کہہ کر بیٹھ گئی

کی طرف بڑھا ہوا۔

”میں آپ کے ساتھ چلوں گی“ سوتیلے نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔
”تو آؤ!“



سوزنا آئیں، یہاں پہنچا مگر حاروں میں ۱۰
 اُس کے لیے سفیرِ ملاحِ حیرت، آئیں یہاں کوئی کھڑے نہ ۱۱
 شیشوں کے اُس ہار رنگ بھئی چلیاں تیرے لیے یہ ۱۲
 کافِ عیسیٰ کے جنبشِ یہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ سمنند کی گولی ۱۳
 کھا رہا ہے

نا مومن.... بد سونیلے کتنا چاہا۔
کہات کا مٹی ہوئی بونی میں ہر حال میں مطمئن رہنے
الہ جو طے بھی کرتا ہے وہ زندگی کی کمی کا اعلان کرتا
میں کوشش کرتی ہوں کہ اس گزرتے ہوئے لمحے کو
محفوظ رکھوں۔

سے ذرا کھلی لطف اندوز ہو سکوں، سو نیا نے جڑ بڑے سے انداز میں کہا اور ایک کرسی اٹھسٹ کر کھٹکے سے اس پر بیٹھ بیٹھی۔

میں ہنسنے لگی پھر میرے کمانے اچھا تو میں ذرا دیر آرام کر لوں گا

میرے آنکھیں بند کر لیں۔

1088

میری رادیں آنے کی کوشش کر دو یہ تھا جسے حق میں بہتر ہوگا
لیکن میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم کوئی بڑا جال بیلانے کی فکر میں
ہو اور وہ جال غالباً میرے ہی لیے ہوگا۔
"غالباً نہیں بلکہ... یقیناً! میں نے زور سے کہا کہ اس
وقت سے زور جب تک اس جال کی کسی پرندے کی طرح پھڑپھڑا
لیے ہو گئے۔
"بہت خوب! "خان آف کالاگوٹ نے گفتگو کیا "کیا تم ابھی
تک سہیلی کی پھڑپھڑاہٹ نہیں بھول سکتے؟"
"میں تمہیں بھی اسی طرح پھڑپھڑانے کا موقع ضرور دوں گی
خان! "میں نے کہا اور سختی سے دہت پر دانت جمالیے۔
"دوسری طرف سے خان آف کالاگوٹ نے پھر ایک گفتگو کیا
اور اس کے بعد مسلسل متعلق ہونے کی آواز سنائی دی۔
میں نے دانت، پیچھے پیچھے رسید رکھ دیا اور ایک جھٹکے سے
کوس پی بٹھ گئی۔ یہ سوال میرے ذہن میں گری طرح چھینے لگا تھا کہ
اس وقت خان آف کالاگوٹ نے مجھے فون کیوں کیا تھا؟ بات صرف
اتنی نہیں ہو سکتی تھی جو اس نے فون پر بٹھا کر کی تھی۔
اس فون کال سے مجھے کم از کم یہ اندازہ ضرور ہو گیا تھا کہ خان آف
کالاگوٹ میری طرف سے بغیر نہیں رہا ہے۔ اب میرے لیے ایک
پریشان کن سوال یہ بھی تھا کہ دوسری نقل و حرکت پر کسی حد تک نظر
رکھ سکا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اس ڈرامے سے بھی باخبر ہو گیا
ہو جس کا ایک کردار میں نے فیکٹر کو بنایا تھا؟ ایسی صورت میں فیکٹر کی
زندگی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔
میں نے بیعت اور رسید لٹا دیا اور خان و لا کا فون کال کرنے
لگی۔ دوسری طرف سے انجینئر کی فون آئی تو میں نے کڑیل دبا دیا اور
کوئی نصف منٹ بعد پھر دنگ کیا۔ اس مرتبہ دوسری طرف گفتگو بھی
اور رسید لٹا دیا گیا۔ "ہیلو! " آواز آئی جو زیریں کی نہیں تھی۔
"مجھے زدریں سے بات کرنا ہے۔"
"آپ کون ہیں؟"
"روزانہ کیڈ لائٹ! "میں نے وہی فرضی نام بتا دیا جو میرے اور
زدریں کے مابین طے ہو چکا تھا۔
"ہو لائٹ! کیسے! "میں زدریں کو بلاق ہوں "دوسری طرف
سے کہا گیا۔
مجھے زیادہ اختلاف نہیں کرنا پڑا۔ جلد ہی دوسری طرف سے زدریں
کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو!"
"بس میں نے یہ جاننے کے لیے فون کیا تھا کہ تم گھر پہنچ گئی ہو۔"

نادرہ کہاں ہے؟
"میرے برابر ہیں کھڑی ہے۔"
"ذرا فون ملے دو!"
"اچھا!"
ایک لمحے بعد ہی میں نے فیکٹر کی آواز سنی۔ "ہی!
"میرے! "میں نے آواز دہی کرتے ہوئے کہا "میں
یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ مملکت کی ملک کی گزٹ۔
آئی ہے جس کی وجہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ تم وہاں کس خط
بھی دوچار ہو سکتی ہو۔"
"آپ نگرہ کیجیے!"
"تھانے پاس ہسپتال تو ہوگا؟"
"جی ہاں!"
"پوری طرح ہوشیار رہنا!"
"اواکے!"

میں نے کھوئے کھوئے سے انداز میں رسید رکھ دیا
خبر سے سے آگاہ کرنے کے باوجود میں پوری طرح مطمئن نہیں ہوا
لیکن اب اس نا مطمئن "لاکڑی تدارک میں ہو سکتا تھا۔ میں نے
شیر کی کچاں پھڑپھڑائی تھی اور یہ ممکن نہیں تھا کہ کسی طرح اس کا
ثابت ہو سکتی۔ دوسرے لیے ضرور تھا کہ فیکٹر کوئی کچی گزٹیں سکیل ہوتی
تھی۔ وہ خان آف کالاگوٹ کے لیے کوہے کا چٹائی ثابت ہوا
طوری سے اس لیے مجھ کو میں نے اسے خطرے سے آگاہ کر دیا
دوسری صبح میری آنکھیں ملیں کی گھنٹی سن کر کھلی۔ میں نے
کے عالم میں رسید لٹا دیا "ہیلو!"
"کیا با زبول رہی ہیں؟" دوسری طرف سے ایک تھریل آواز
پڑھا۔

دوسرے ہی لمحے میری سادی غود گی ہوا ہو گئی کہ کوئی
ماہ پارہ کی آواز پہچان لی تھی "ہاں میں با زبول رہی ہوں آپ
ہیں؟" میں جان بوجھ کر انجان بن گئی۔
"مہم نے میری آواز نہیں پہچانی اس لیے میں ماہ پارہ ہوں
نہ اس طرح کا پیسے میرا اور اس کا جتم کا ساتھ رہا ہو۔
"اواکے! "میں نے سہا سے بولے میں کہا "تمہیں کیا
غیر کیسے معلوم ہوا؟"

"رضوان مملکت نے بتایا تھا۔ ذرا پر پیلے وہ فون کر کے ہنگامہ
مجھ سے سلطان بھائی کے پاس میں پوچھ کر لے گئے۔ میں نے
بتا دیا کہ بھائی جان کی فون کال سے صرف پانچ منٹ قبل

روانہ ہوئے ہیں۔ چھریں رضوان بھائی سے آپ کی آنکھیں
نواہوں نے مجھے یہ خبر بتایا اور کہا کہ میں آپ کی تعریفیں آپ
-کوں! "وہ بھینچے۔

یہاں نے ہونٹ بھیجے لیے۔ یہ رضوان نے میرے ساتھ دوسری
لی کی تھی کہ اس بیگن خالو کی کوئی سے بھی لگا چا تھا۔
"ہیلو! "سوچ رہی تھی کہ آپ میری بات سن رہی ہیں نا؟"
"میں ہی ہوں! "میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا "کیونکہ
"بہ نسبت سنا ہی بہتر ہے۔"
"کیا مطلب؟" وہ پتھر سے بولی۔

"پتا نہیں میں کیا کر رہی تھی! میں نے ملدی سے کہا "میں اور اصل
ہی ہوں! "میں نے ملیں کی گھنٹی کی سن کر آٹھ گھنٹی تھی۔
"اواکے! تو آپ ناشہ وغیرہ کر بیٹھے ہیں خدا پر بعد ہر فون کالوں

ہی فون کال ضروری ہے؟" غیر ارادی طور پر میرا لہجہ خشک ہو گیا
بلنے آپ کی شخصیت میں کیا جا رہا ہے؟ اس نے شاید فون
نہ انداز میں آکا تھا "میں رات بھر کو خواب میں دیکھتی رہی۔
"ماہ پارہ ہے کہ آپ سے باتیں کرتی رہوں کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ
"میں! "

مزد "میں نے ہونٹ بھیج کر کہا "میں بہت جلد تم سے
لی "میں نے

مہم "اس نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔
"میں نہیں فون پر بتا دیا گی۔ تم مجھے فون مت کرنا۔"
"بہتر ہے۔ آپ کو میرا فون پر ضرور معلوم ہی ہوگا!"
"اب مجھے علم ہے! "میں نے کہا اور پھر ملدی سے رسید

اس کی آواز لکھ کر ملدی سے لیکن اس آواز کو سن کر سو رہا "زہن
اتھا! "میں میں برداشت نہیں کر سکتی تھی مجھے وہ رگہ فون
نے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ اس نے غصے شرازا اس "سیا پارہ"
"جیسے لگایا ہے۔ میں سوچنے لگی کہ رضوان کو اس کی سزا
اچھا ہے۔

"میں نے کر کے میں نے کپڑے تبدیل کیے اور صدمہ کے ایک
ہ سے ناشہ کر کے داس نفیث اٹھی۔ دراصل رضوان کا فون
ملا! "میں نے سلطان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی تو
تصدیر ہو سکتا تھا کہ وہ اسے مجھ سے ملنے کے لیے کوئی پرہیزگار

طے کرے۔

لیکن رضوان سے پہلے میں نے رضیہ کا فون وصول کیا۔
"تم کہاں سے بول رہی ہو؟" میں نے چونک کر پوچھا۔
"خان دلا سے!"

"کوئی خاص بات!"
"ابھی تک تو میں کوئی خاص بات نہیں معلوم کر سکی!"
"اس وقت تھانے قریب کون ہے؟"

"کوئی بھی نہیں! "میں کہہ میں متناہوں "رضیہ نے کہا کہ آپ
کو میں نے غصے میں بے فون کر دیا کہ آپ میری طرف سے پلٹیں نہ
ہوں۔ میں پوری طرح چوکس ہوں!"

"خان دلا کے لوگوں کو تم سے کیا پایا؟"
"خان آف کالاگوٹ کے علاوہ یہ کسی ایسے لوگ ہیں۔ یہ سب مجھ
سے بہت جلد مکمل مل گئے ہیں! ابشتہ خان آف کالاگوٹ سے میرا سامنا

دو ایک ی مرتبہ ہوا ہے۔ یہ شخص اسی طرح بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے
دیکھ کر اس کی آنکھوں میں جیسی ہو کر چمک اٹھی ہے اس کی گفت
کو یہ بھی خیال نہیں کہ میں اس کی بی بی کی دوست ہوں!"
"وہ شاید مجھے شرم کا کین ترین انسان ہے۔"
"میں تو اسے انسان کہنے کی بھی دوا دار نہیں!"

"اچھا! "فون پر زیادہ گفتگو نہ کرنا "میں نے بھلنے والے
انداز میں کہا "بہتر ہوگا کہ احتیاط برتی جائے۔ جب تک کوئی خاص
بات نہ ہو تبھی فون مت کرنا!"

"میں نے تو غصے میں اسے فون کیا تھا کہ آپ پریشان نہ ہوں!"
"اگر میں پریشان ہوں گی تو بھی براہ راست تمہیں فون کرنے کی
بجائے زدریں کو کال کر لیا کروں گی۔ تم مجھے فون کرنے کے مسئلے
میں عطا دی رہو!"

"بہتر!"
میں نے مسلسل متعلق کر دیا اور آنا کسی پریمیز دروازہ پر کھینچیں
بند کر لیں۔ مجھے یقین تھا کہ جلد ہی دوسری فون آئے گا اور میں
اس کی منتظر تھی۔

مگر فون کی بجائے خود رضوان آدھکا۔ کال پیل کی آواز سننے کے
بعد میں دروازہ کھولنے وقت پوری طرح چوکس تھی۔ میں نے ایک ہاتھ
میں رکھ لیا اور بھی سنبھال رکھا تھا۔

"تسلیمات سالی جی! "اس نے غصے سے کہا لیکن غصے کے
ساتھ اس کے لیے میں حیرت بھی تھی "یہ آپ نے میرے استقبال

کے لیے رہا لوگوں کو سنبھال رکھا ہے؟
 "میتاٹا" میں نے جواب دیا "خان آت کا لاگوٹ کو سولم
 جو چکے کے میں میں قیام میں ہیں"
 "کیسے؟"
 "ظاہر ہے کہ اس کے آدمیوں نے میری نقل و حرکت پر نظر رکھی
 ہوگی"
 "وہ آپ کو اس کا کیا کیسے چلا؟"
 "خود خان نے مجھے فون کیا تھا قیام و رہازہ تو بند کر دو"
 رمضان نے دروازہ بند کیا اور پھر ہم دونوں نشست کے
 کمرے میں بیٹھ گئے میں نے اسے اس گفتگو کے بارے میں تفصیل
 سے بتایا جو فون پر خان آت کا لاگوٹ سے ہوئی تھی۔ وہ سب
 کچھ سن کر رضوان کے چہرے پر نشوونگ سے آثار پیدا ہو گئے وہ بولا۔
 "اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ رضیہ..."
 میں خود بھی رضیہ کے سلسلے میں کچھ متفقہ طور پر لیکن
 رضوان کو بریٹان سے بچانے کے لیے میں نے اس کی بات کاٹتے
 ہوئے کہا "رضیہ اتنا نرم گوشت نہیں ہے خان آت کا لاگوٹ
 آسانی سے جبا کے۔"
 "ہاں... میں اس کی حرکت سے بالکل بے خبر نہیں بنایا ہے"
 "اگر تم اس سلسلے میں کچھ کر سکو تو دیکھ کرنا"
 "میں سوچوں گا" رضوان نے کہا "اب" میں نے سلطان
 کے گھر فون کیا تھا۔ وہاں سے پتا چلا کہ وہ دفتر چاکلے۔ میں
 اس کے دفتر پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ اب شادی کی تیاری کر
 رہے۔ اب وہ کل نواب شاہ سے آئے گا تو میں آپ سے اس
 کی ملاقات کر اسکوں گا"
 "اسے نواب شاہ جانے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟"
 "وہاں ایک ہی گھر کے سات افراد کا بڑا بیانا قتل ہوا ہے
 اور سلطان کو اس کی رپورٹ تک کے لیے نواب شاہ بھیجا گیا ہے"
 "اور یہ تمہاری حرکت کی؟" میں انھیں نکال کر بولی "اُن
 سیاہ پارہ نوٹیشنوں نمبر کیوں لے دیا؟"
 "واصل لیدر میں نے سوچا کہ آپ کا دل کیوں چھڑا گیا
 جائے؟" رضوان نے مضحکہ خیز تنبیہ کے ساتھ کہا۔ "وہ سلطان کی بہن
 سنی لیکن ہے تو سوتیلی ہی! اگر آپ وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند
 کرنے لگے ہیں تو میں کباب میں جتنی کیوں بنوں؟"
 میں دانت پسین کر بولی "رضوان کے سچے..."
 "نہ نہ" رضوان نے مجھے گھر کو گمراہی بات کاٹی "رضیہ سے

پوچھ لیں میرے بچوں کا تذکرہ ہو گا نہ کیجیے۔ وہ اہل
 جوا بھی مان سکتی ہے"
 "میں اس سلسلے میں تمہیں مزید بے خبر نہیں ہوں"
 "سے کہتے ہیں نکی بڑا دھنگا" وہ لازم "رضوان نے
 لے کر کہا "میں نے بانی دی ہے! اب ارادہ کیا ہے؟"
 "کس سلسلے میں؟"
 "صرف رضیہ کی رپورٹنگ کا انتظار کر رہے یا کچھ اور؟"
 "گی؟"
 "میں اس امکان پر غور کر رہی ہوں کہ لٹا دیا
 آدمیوں میں کچھ پراس پیلا جائے"
 "اس سے کیا ہوگا؟"
 "وہ دھوکہ بڑی دیر دیر سے تم لوگوں کی نقل و حرکت
 نظر رکھتے ہوئے ہیں۔ اُن میں بخوشی سی پیچھا چھوٹ پیدا کر
 جائے تو بہتر ہے"
 "یہ کس طرح ہوگا؟"
 "کچھ دیر کے لیے بھڑوالی بن جاؤں گی"
 "یعنی؟"
 "تنگڑ کے قافلے میں جا کر منگھڑ کر دوں گی۔ کچھ دیر
 کھلائی کر دوں گی کچھ مریز تو فونوں کی دھیر دھیر سے قہقہے
 نظر آؤں گی؟"
 "بجائے بات ہے؟"
 "کبھی کبھی بیکار حرکتیں بھی کرنا پڑتی ہیں۔ اس حرکت
 خان آت کا لاگوٹ کو سنا اندازہ بھی ہو جائے گا کہ میں اس
 مرحوب نہیں ہوں"
 "آپ جائیں" رضوان نے بے پردائی سے شانے چٹکی
 "اور اب مجھے پھرتے نظر آؤ" ممکن ہے گھر پر لگ گیا؟"
 خط آئے میں نے نام "
 "لگ گیا" رضوان نے ٹھنڈا سا سننے لے کر کہا "آپ اس
 امر کی پہچان کر بھی لایا بھی بھولی نہیں ہیں؟"
 "دودھ بولنے کی چیز کی نہیں ہے؟"
 "اگر آپ پر رحم کرے" وہ خان ٹھنڈا سا سننے لے کر کہا
 اس کے جانے کے بعد میں بستر پر لیٹ گئی۔ جب کل
 نہ ہو تو اگر کم میں کوئی حرج نہیں ہوتا۔
 دوسرے کمرے میں ایک ریٹورنٹ میں جا کر کھانا کھا لیا
 واپس آگئی۔ میں رضیہ کی طرف سے کسی خاص رپورٹ کی

بے باقاعدہ ہوتا تھا جیسے مجھے اس کے لیے صبر کرنا وقت
 لمبے گا۔
 اب شام ہو گئی تو چھ پرکانا ہٹ کا شدید دھڑکا ہوا سی وقت
 لیدر کا کراہی مل کر گڑ گڑ کے تیار خانے میں بنگا کر کیا
 میں فوراً اٹھی اور دروازے کے لیے تیار ہوئے تھی۔ تیار ہو کر
 ان کے کمرے پر بھی تھی کہ کال بیل بجی۔ میں ایک لمحے
 مشکل اور پھر فوراً دروازہ کال کر دینے کے لیے کمرے پر گئی۔
 ان؟ "میں نے دروازے کے قریب پہنچ کر پوچھا۔
 رضوان؟ "باہر سے آواز آئی۔ اس کے پیچھے سے گھر اسٹ
 می۔
 میں نے دروازہ کھل دیا۔
 "میں نے دروازے کے قریب پہنچ کر پوچھا۔
 "کیسے گئی ہوئی تھیں؟"
 "نہیں تو۔ کیوں؟"
 "میں رضیہ سے آپ کو فون کیا تھا لیکن کوئی جواب نہیں ملا"
 "اے اس وقت شاید میں ہاتھ دھو رہی تھی شاید میں نے
 کمرے کھول رکھا تھا۔ اس کے شو ریں فون کی گھنٹی سنیں
 ملی ہوگی"
 "جہاں دوسری بار اُس نے مجھے فون کیا تھا۔ رضوان بولا۔
 آف بات کیا ہے؟"
 "اُس نے اطلاع دی ہے کہ خان آت کا لاگوٹ کے حکم سے
 ت اہ پارہ کو قتل کر دیا جائے گا"



پوڈیو سنسما کے گھر میں اس کی سوتیلی بیٹی ماہ پلہ کی نو لگا، اپری
 قیادت کے دو بچے اس کی خواہش کے بندر دوازے کے پیچھے
 کی آواز گونجی۔ تار کے فوراً ایک سولائی تین سال کی لڑکی چھڑا کر
 دیا، کوئی جواب نہ آیا۔ اس کے ہاتھ میں دیلا دھن لیکن اس کے
 سے گھر اسٹ لور پر تھی حرج تھی۔
 لہذا وہ کہنے کوئے دروازے سے ایک بیٹھ نظر آتا تھا جس پر ایک
 لڑکی اندھ سی پڑی ہوئی تھی پیسے وہ لاش ہو۔ بظاہر معلوم ہوتا
 اس شخص کی گولی کا شکار ہوئی ہوگی جو دروازہ پر لے ہوئے جاتا

ہوا کرے سے نکلا تھا۔
 "لکائی قاتل" تیزی سے بیڑیاں اُتر کر نیچے آیا جہاں ایک مختصر
 سی راہداری تھی اس سے گزرتا تو راہنگ رہم میں قدم رکھتا تھا جہاں
 سے وہ بیرونی دروازے کا رخ کرتا لیکن جیسے جیسے وہ راہداری کے طے کرتا
 ایک جیسے سے لگ گیا۔ اس کے رکے کا سبب وہی کا وہ چھڑا تھا جو اس کے
 چہرے کے سامنے لہوا رہا تھا۔
 دوسرے ہی لمحے وہ چھڑا اس کے سر پر تھا۔ وہ اس کے سر پر سے
 پھسل کر اس کی گردن تک جا پہنچا اور اس کا مٹہ ٹنگ ہو گیا۔ یہی اسی تیزی
 سے ہوا تھا کہ لہوا اور والے کو سنبھالنے کی صحت ہی نہیں ملتی تھی۔ جب وہ
 صورت حال کو کچھ سمجھا تو چھڑا وہی طرح ٹنگ ہو چکا تھا اور رتی رتی تھی۔
 بے اختیار اس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن تک پہنچ گئے اور اس نے چھڑے
 کو اپنی گردن سے نکال دیا۔ اس کا کوشش میں راہداری کے ہاتھ سے چھڑ
 کر فز پر گر پڑا لیکن اس کی پیٹھ سے نہات حاصل کرنے کی کوشش
 بارگاہ نہیں ہوئی تھی۔ رتی اوپر کی طرف کھینچا دھڑکے اس کے قدم اٹھ
 گئے۔ وہ فرش سے تھوڑا ایک فٹ اوپر گر گیا۔ یقیناً اس کا مٹہ ٹنگ
 جاتا اور وہ ہلکے ہوا تھا لیکن اس نے گھر کر دھڑا دھڑا ہاتھوں سے رتی پڑا لیا اور
 سارا دروازہ اپنی کلائیوں پر ٹال دیا۔ اس کی اس حرکت کی وجہ سے چھڑا اس
 کی گردن پر مزید صحت نہ ہو سکا۔
 اب ڈھنگ دم میں میری نواد گونجی۔ "دیری لڑ! بہت دل نش
 منظر ہے"
 رتی سے مجھے ہونے آئی نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ میں اپنے
 دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر سے اٹھائی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس
 شخص کی آنکھوں میں ششمالی کیفیت نظر آئی اس کے ہونٹ کھٹے منہ
 پھرنے کی سختی تھی کہ اس کے حلق سے آواز نہیں نکل سکی۔ اس
 کے ہونٹوں کی جھنجھ سے مجھے صرف اتنا اندازہ ہوا تھا کہ اس نے "ہائو گنا
 چا تھا۔
 میں نے اوپر بالائی کی طرف دیکھا جہاں رضوان موجود تھا اور وہ رتی سی
 نے اوپر کھینچ کر تھی۔
 "چھڑا بہت صحت ہو گیا ہے رضوان؟" میں نے کہا "اسے دوا نیچے کر
 تاک میں چھڑے کو دھکا کر اس کے اوپر لی کے لیے کہتے ہوئے میں جڑی تھی
 اور اس آدمی کے قریب پہنچ گئی تھی۔ رتی سے دکھا ہوا وہ شخص چھڑے سے
 ہی سے جڑی پھٹ معلوم ہوتا تھا۔ میں نے فرش سے اس کا دیوار اٹھا لیا ایک
 قریبی صوفے پر ڈال دیا۔
 رتی آہستہ آہستہ نیچے ہوئے گئی اور پھر جیسے ہی اس شخص کے پر

تھی جسے لپیٹ کر ہی آسانی سے بھل میں بھی دایا جاسکتا تھا۔ رضوان اس کام میں مصروف ہوا اور میں اس پر رشیدہ ٹیپ ریکارڈ کی طرف متوجہ ہوئی جس سے بلند ہونے والی نسلانی پنچ اور نازکی آواز سے مجید کو کھل گیا تھا۔ اس ٹیپ ریکارڈ کا کشش میں غما کی سوچ سے کیا تھا جس سے کہے کی لاش متنی تھی۔ یہ سلسلہ آیت آپ میں نے اس طرح کیا تھا جب کہ یہ کاروان کھول کر نہکا جائے تو کہہ کر لاش بھی بھل آئے اور ٹیپ ریکارڈ بھی چل پڑے۔

میں نے وہ سارا نام جھام کیشا اور اس کا دودان میں رضوان نے رپڑ کی وہ لاش بھی نہ کر لی۔

انہی نے سارا بندوبست گیارہ بجے سے پہلے پیلے کر ڈالا تھا اور ماہ پارہ کو بھل سے متعلق کر لیا تھا۔ اس کے بعد سے ہم قاتل کی آمد کا انتظار کرتے رہتے۔

”آؤ اب چلیں۔“ میں نے رضوان سے کہا۔ ”یہ رخیال ہے کہ اب اس کی حالت جواب دینے والی ہوگی۔“ میرا اشارہ مجید کی طرف تھا۔ ”میسرا خیال ہے کہ ہمیں نصحت ہوتے دیکھ کر اس کی ہمت ہلک ہی جواب دے جائے گی اور وہ کوئی خاص بات بتا سکتا ہے تو ضرور بتا دے گا۔“

”مجھے توقع نہیں کہ وہ کچھ بتا سکے کیونکہ اسے کچھ معلوم ہی نہیں رہ سکا۔“

”دیکھ لیتے ہیں۔“ ہم سٹی سڑکیاں آکر کچھ پہنچے اور جب راہداری سے ٹکر ڈرنگ روم میں پہنچے تو ٹھٹھک کر رک گئے، بالکل اسی طرح جیسے مجید کی کپھندے کو کھینچ کر نکلتا تھا۔ ہم بھی دیکھ کر اسی کپھندے کو دیکھ کر ٹھٹھکے گئے کیونکہ مجید اب اس میں لٹکا ہوا نہیں تھا۔

”یا مفلح! عجب! رضوان بڑھا۔“

میں نے بہت تیزی سے ہر طرف نگاہ ڈالی لیکن وہاں کوئی کھائی نہیں دیا۔ مجید کا اس طرح غائب ہونا میرے لیے حیرت انگیز تھا۔

”یا مفلح! یہ! میں! آہستہ سے بولی۔ وہ از خود اس کپھندے سے نہیں نکل سکتا۔“

”تو میری کوئی اور اسے نکال دے گیا ہوگا!“ رضوان نے کہا۔ ”آپ کو یاد ہوگا کہ مجید کی آمد کے بعد ہم نے دروازہ اندر سے بند نہیں کیا تھا۔ ممکن ہے، مکان کے باہر مجید کا کوئی ساتھی اس کا منتظر رہا ہو۔“ مجید کی تاخیر سے تھوڑی سی ہمتا ہو کر وہ اندر آیا ہوگا اور اس نے مجید کو اس کپھندے سے بجات لائی ہوگی۔“

”یہی ممکن ہے!“ میں نے سر ہٹایا۔

”اب ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ باہر سے دروازہ بند کر گئے۔“ میں نے اسے چیک کرتی ہوں تم اب جا کر گیلیز چھو۔“ رضوان نے تھوڑی سی دیر میں جھانکے لیے زینے کا ڈنڈا لیا اور دروازے کی طرف بڑھی۔ ”میں نے دروازے کو کھولا ہا۔“ چلا گیا۔ غالباً مجید اور اس کے مکانی محافظوں پر ہمارا اتنا دباؤ کڑھوٹے نے فراموش نہیں کیا کہ ایک ایک لمحے کی محنت فیصلہ ہا۔ اگر وہ دروازہ باہر سے بند کرتے تو انہیں چند سیکنڈ تو گھر لوگ چند سیکنڈ بھی خاص“ نہیں کرنا پڑتا جیسے۔ ۳۔ ۴۔ ۵۔ ۶۔ ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔

رضوان رتی کھول کر گھیر کر سے آگیا۔ ”بھرام دو! دیکھو، دروازہ مفلح کیا اور ایک طرف چل پڑے۔“ رضوان نے لے کر کیا تھا، وہ کچھ دور دو پارک تھی، ہم اس تک پہنچے۔ ماہ گھر سے ہم جو سامان لے کر آئے تھے، وہ وہاں ہی پڑ پڑا۔ ڈرائیونگ سیٹ کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ یہ رضوان کہ بات کا اشارہ تھا کہ ڈرائیونگ وہی کرے گا چنانچہ اس نے سنبھال لیا۔ اس نے اپنی اشارت کر کے پوچھا۔ ”گھر لوں؟“

”ہاں۔“

”نہیں، ڈیفنس فورم آئیے جاؤ گے۔“ مجھے تمہارے مہینہ ہوا جاؤ۔“

”آپ کے گھر پر ماہ۔ یہ اس وقت بہت پریشان میں ہوں۔“ کیا آپ اس سے کسی قسم کی پوچھ گچھ نہیں کرنا چاہتیں؟“ ”کرنا تو چاہتی ہوں لیکن کر نہیں سکتی۔ اس سے پانچ منٹ بات کرنا میرے لیے دو گھنٹہ کا سامان نظر آتا ہے۔“ ”یہ میری ہی حال اتنی بڑی طرف محروم ہوتی ہے کہ کچھ بڑھتی ہے۔“ ”دو تین گھنٹوں میں سننے کے گناہ گار تو میرے کان بھی ہیں۔“ رضوان مفلح فریج سے لے کر۔

”میری حالانی میں کامیابی آکر تم اپنی ہی گورڈ کو کاٹنا کر رہے ہو۔“ میں نے منہ نہ کرنا کر۔

”خیر چھوڑ دے۔“ بتائیے کہ مجید کے اس طرح غائب ہوجانے کے آثار کیا ہیں؟“

”وہ کہہ سکتا ہے۔“ میں نے کہا۔ ”اب تک یہ خبر خان آف کا لاش پانچ گھنٹہ ہوگی اور اس نے سمجھ لیا ہوگا کہ میں ماہ پارہ کے آڑوں لہ وہ ماہ پارہ کا وجہ ہے اتھوڑو کر میرے پیچھے چلا جائے گا اور میں

ہوں کہ مقابلہ ذرا باقاعدہ شروع ہو جائے۔ مقابلہ ہوگا، جیسی تو ٹھٹھک دوری گی۔ یہ اہستہ تھوڑی ہی ذلتے واری ہے کہ ماہ پارہ کر۔ اسے ترخانے سے نہ نکلتے دینا۔“

”تک تک؟“

”ہنگامہ پر فیورس مٹا سنا پتا نہ چل جائے۔“ میں نے کہا۔ ”میں اس سلسلے میں ماہ پارہ سے پوچھ گچھ کر کے اخذہ لگا ہوں گا کہ مہر سنا اس کا خواہ مخواہ مقصد کیا ہے۔“ ممکن ہے ان دونوں پر فیورس باکری خاص تجربہ کر رہا ہو جس سے خان آف کا لاش کوئی نام نہ ہا ہوتا ہو۔ اگر ایسا کوئی بات ہے تو ماہ پارہ کو اس تجربے کا مسلم ہا ہے۔ بات مجھے تم ہی نے بتائی تھی کہ پر فیورس پر تجربہ کیا تھا۔“

”ہے مدد دلایا کرتا تھا۔“

”مجھے یہ بات اس کے بھائی سلطان نے بتائی تھی جس کی تصدیق میں ہو چکی ہے۔“

”سلطان کو اس سلسلے میں غلط بیانی کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہا رہے تھے کہ وہ ایک کیس کی رپورٹنگ کے سلسلے میں نوب شاہ ہا رہے۔“

”ہاں، اسے دہان دو ایک دن ضرور لگ جائیں گے۔“

”فیورس اس سلسلے میں ماہ پارہ سے پوچھ گچھ کرنا کہ پر فیورس اہل ان دونوں کسی قسم کے تجربے میں مصروف تھا۔“

”میں کوشش کروں گا کہ کوئی خاص سراغ مل جائے۔“

”مجھے یقین ہے کہ تم اس سے کچھ نہ کچھ معلوم کرنے میں کامیاب ہاؤ گے۔“

”جیسے ہی مجھے کچھ معلوم ہوا میں فون پر آپ کو اس کی اطلاع دوں گا۔“

”تم نے اس بات پر بھی تھوڑی سی کاٹنا کرنا تھا کہ رضیہ، خان کا لاش گھر میں کسی خط سے سے دوچار ہو سکتی ہے لہذا اس کی حفاظت کے سلسلے میں کوئی قدم اٹھاؤ گے۔“

”ہاں۔“

”پھر تم نے کیا کیا؟“

”مجھے بھی کچھ کرنے کی محنت ہی نہیں ملی۔“

”اگر تم اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھاؤ تو مجھ سے شوروں مڑ جائیں۔“

”کیوں؟ کیا یہ ضروری ہے؟“

”ہاں، میں نہیں چاہتی کہ تم کوئی بونگا قدم اٹھا کر میری کھیل ڈرو۔“

”کیا آپ مجھے گھاس مسموم نہیں لڑا رضوان نے سنا، ہاں اگر ہاں؟“ میں نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ”اور رضوان اہل ماہ کر کچھ گھوڑنے لگا۔“ سلسلے میں کچھ کس کا لاشیروں کا دینا اپنی برسات مسکراہٹ کو دیا نہ سکی۔

”اب میں ضرور آپ کے کسی نہ کسی کام کا پیرا غرق کر دوں گا۔“

”بعد میں تم اہل کچھتا گئے ہو؟“

”خواہ خواہ یہ عرض نہیں ہے آپ کو؟“

”ابھی بات ہے۔“ دیکھا جائے گا۔“

”انہی باتوں میں ہم برس روز پچھتے گئے تھے۔“ رضوان نے مجھے اپنے فلیٹ پر آنا اور ڈوگرے لے کر چلا گیا۔

”فلٹ میں بیٹھ کر جب میں بستر پر لیٹا تو فیورس سے میری آنکھیں مل رہی تھیں۔“ جب تک میں مصروف رہی کہ مجھے فیورس کا نورانگی احساس نہیں ہوا تھا لیکن بستر نصیب ہوتے ہی میری آنکھیں بند نہیں اور میں بہت جلد فیورس کی آغوش میں پہنچ گئی۔

”تقریباً ساری رات گزارا کروں تھی اس لیے ابھی وہ شاید دوپہر تک سو رہی تھیں۔“ فیورس کی گھنٹی کی آواز مجھے بیدار کر دیا۔

”میں نے غنودگی کے عالم میں ہاتھ بڑھا کر فیورس پر اٹھا لیا اور اودھتہ ہوا میں بولی۔“

”ہاں! دوسری طرف سے رضیہ کی آواز سنائی دی تو میری آنکھیں پوری طرح کھل گئیں۔“

”اے..... پورے پورے! میں حق و چر بند ہو جانے والے انداز میں بستر پر بیٹھ گئی اور میں نے دیوار گھر کا کبہ نظر ڈالی جو ساڑھے نو بج رہا تھا۔“

”میں نے رضیہ سے پوچھا کہ کہاں سے اہل رہی ہو؟“

”میں جزل پوسٹ آؤں کے چنگ ٹیلیفون سے بات کر رہی ہوں۔“

”اگلی ہر؟“

”ہی ہاں۔“ زین کو کالی گئی ہوئی ہے۔ میں کچھ شنگ کرنے کے بدلے خان دلا سے نکل اہوں اور میرے پاس ایک ٹوکس دینا بھی ہے۔

”زین نے یہ کار اس وقت تک کے لیے میری کٹری میں دے دی ہے جب تک میں اس کے گھر میں نہیں ہوں۔“

”کیا ڈائیو رہی ہے؟“

”میں نہیں میں خودی ڈائیو کر رہی ہوں۔“

”اس وقت کوئی خاص بات ہلنے کے لیے فون کیا تھا؟“

”میں جانتا ہاں، جیسی کہ کل رات کیا ہوا؟“ میرا مطلب ہے،

ماہ پارہ کے سلسلے میں۔“

”تھاری وہ بروت اطلاع کام آگئی اور ہم نے ماہ پارہ کو پکالیا۔“
 ”میں نے رضوان کو بھی فون کیا تھا لیکن ملازم نے بتایا کہ وہ سو رہا ہے۔ میں تفصیلات جانا چاہتی تھی۔“
 ”تم اپنے دامخ کو دوسری باتوں میں نہ الجھاؤ اور صرف خان والا کے ماحول پر کڑی نظر رکھو۔“
 ”آج شام کو شاہ میرا اور زین آپ سے ملنے آئیں۔“
 ”کیا یہ بات خود زین سے کہی گئی؟“
 ”جی ہاں۔“
 ”تو شک ہے، آجانا۔“
 ”اچھی بات ہے۔ تو ہر شام ایک کے لیے خدا حافظ۔“
 ”خدا حافظ۔“
 مسئلہ منقطع کر کے میں بستر سے اٹھی اور باتہ دم کارغ کیا۔ تیار ہونے کے بعد میں نے ناشتہ بھی لیت، آئی کے باورچی خانے میں تیار کیا اور ناشتہ کرنے کے بعد ایک آرام کری پر دراز ہو گئی۔
 میں سوچ رہی تھی کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ رضوان کی طرف سے مجھے اب تک اطلاع نہیں ملی تھی کہ اس نے ماہ پارہ سے کیا معلومات حاصل کیں۔ رضیہ سے ملنے والی ایک گھنٹے پہلے کی اطلاع کے مطابق وہ سو رہا تھا۔
 میری دانت میں یہ بات معلوم ہونا بہت ضروری تھی کہ پروفیسر منساں ان دنوں کیا تجربہ کر رہا تھا کیونکہ میرے خیال کے مطابق اس کے اخلاک سبب وہی تجربہ بنا تھا۔
 میں بیٹھی ان باتوں پر سوچتی رہی۔ نہ جانے کتنا وقت گزرا تھا کہ سال میں پہنچے گئی۔ مینا ایک دم اٹھی اور دروازے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ جیرا خیال تھا کہ آنے والا شخص رضوان ہی ہو سکتا ہے۔
 میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ وہ رضوان ہی تھا۔ اس کے امیر آئے کے بعد میں نے دروازہ کھولا اور بولی۔ ”مجھے یقین ہے کہ تم کوئی اہم اطلاع لے کر آئے ہو گے۔“
 ”بات تو بڑی اہم معلوم ہوئی ہے۔ رضوان نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔“
 ”ماہ پارہ سے؟“ میں نے بے تابی سے پوچھا۔
 ”ہاں۔“
 ”پروفیسر منساں کے تجربہ کے متعلق؟“
 ”ہاں۔“
 ”اب جلدی سے بتا بھی چکوا۔“

”وہ ایک حدودہ خطرناک مخلوق ایجاد کر چکا۔“
 ”یعنی؟“
 ”وہ ایک ایسا مخلوق ہے جو ہوا لگتے ہی بھاپ بھا اور بھاپ بنتے ہی بخار میں موجود ساری کسبین کو ہلاک اس عمل میں ایک سیکنڈ بھی نہیں لگتا۔“
 میں اس نقطہ سے رضوان کی طرف دیکھتی رہی جیسے اس کو پوری طرح سمجھ نہ سکی ہوں۔
 رضوان پھر بولا۔ ”یوں سمجھو کہ اس کرے میں جو تھپا فٹ بائی چورہ فٹ کا ہے، اس مخلوق کے چند قطرے بھی نہ تو در فوراً بھاپ بن کر اس کرے کی ساری فضا میں پھیل جاتے ہیں جو بخار موجود ہے، اس کی کسبین کو چشم زدن میں ہلاک اس کا نتیجہ ہے کہ اس کرے میں جو بھی جاندار ہوگا، وہاں جانے کے باعث ہلاک ہو جاتا گا۔“
 ”ماں گاؤں، میرے منہ سے نکلا۔ لیکن وہ خطرناک تھا۔ کتنی دیر تک قائم رہتا ہے۔“
 ”چھپشکل دس سیکنڈ۔“
 ”تب تو وہ کوئی بہت زیادہ خطرناک ایجاد نہ ہوئی۔“
 بعد میں زین اس کرے میں آجائے گی اور دس سیکنڈ تک ماسم لینے سے انسان مر نہیں سکتا۔
 ”لیکن اگر یہ کروہ طرف سے بند کر دیا جائے تو مزید نورا“
 ”اس کے گل اور دانساں بالآخر سانس ٹھک جانے کے باعث مر جائے گی۔ ایسی تو بہت سی زہریلی گیسیں ایجاد ہو چکی ہیں جو اگر کسی جگہ پر چھوڑ دی جائیں تو وہاں موجود ہر جاندار ہلاک ہو جائے گا۔“
 ”ہاں۔ رضوان نے سر ہلاتے ہوئے پروفیسر منساں کی یہ ایجاد ایک نئی قسم کی زہریلی گیس ہے لیکن پروفیسر ان دنوں اس کو کوشش میں معروض تھا کہ اس مخلوق سے پیدا شدہ بھاپ کی میناد کو کس سیکنڈ سے بڑھا کر دس منٹ کر دے۔ وہ اس مخلوق سے کام لے چاہتا ہے کہ اگر کسی شہر پر اس مخلوق کی بھاپ کر دی جائے تو کسبین کو جلادینے والی وہ بھاپ دس منٹ تک قائم رہے۔ یعنی یہی خطہ تک وہ اس شہر کی طرف آنے والی ہوا کی کسبین کو جلادی رہے اور وہاں ہے کہ کسی بھی جاندار کو ختم کرنے کے لیے دس منٹ بہت ہوتے ہی۔“
 ”سوال یہ ہے کہ پروفیسر کو اس مسئلے میں کوئی کامیابا ہوئی بھی یا نہیں؟“
 ”پچھلے دنوں اس نے ماہ پارہ کو بتایا تھا کہ وہ بہت تیز

والہ سے طرف بڑھ رہا ہے اور اگر اس تیزی کو کسی پٹانے سے روکنا ممکن نہ ہو جائے تو اسے یوں کہیں گے کہ اس کا مینا بی محل کرنے کے لیے سو قدم آٹھنا ضروری ہیں تو پروفیسر زین نے اٹھ چکا تھا اور اب صرف میں قدم اٹھانے کی دیر تھی۔
 ”ہوں۔“ میں سوچ میں ڈوبی رہی رضوان کی طرف دیکھتی رہی۔
 رضوان پھر بولا۔ ”اگر پروفیسر کو کامیابی حاصل کر لیتا ہے تو یقیناً مددہ خطرناک ایجاد ہوگی۔ کسی بھی شہر پر بھاپ کر کے اسے تباہ کر دے۔ بستر یہ ہے کہ شہر پر اس مخلوق کی بھاپ کر دی جائے اور ہر ذی کرامت کی نیند سلا دیا جائے۔“
 ”یہی عمل سرحد پر دشمن کی فوج کے ساتھ بھی کیا جاسکتا ہے۔“
 ”نہا ہر ہے۔“
 ”لیکن.....“ میں سوچتی رہی بولی۔ ”اگر خان آف کالوٹ نے پروفیسر منساں کو اس ایجاد کی بنا پر انعام دیا ہے تو آخر کیوں؟ خان اس ایجاد کا اہمیتا ہوتا ہے؟“
 ”وہ خود اس سے کہی گئی ہے لیکن وہ اس ایجاد کو کسی بھی ملک کے ہاتھ بیچ کر فاسمی دولت حاصل کر سکتا ہے۔“
 ”ہر سکتا ہے وہ کوئی اور ایسی بات سوچ رہا ہو۔“
 ”یعنی؟“
 ”اس کے بارے میں فی الحال میں کوئی اندازہ نہیں کر سکتی لیکن یہ ضرور ہے کہ اس نے کچھ اور سوچا ہو۔“
 ”تو پھر؟“
 ”تو پھر کیا؟“
 ”مطلب یہ کہ اب ہمیں کیا کرنا ہوگا؟“
 ”ہمیں اس کا پتا لگانے پر زور دینا ہوگا کہ خان آف کالوٹ نے پروفیسر منساں کو کمان رکھا ہے۔“
 ”ہمیں اس بات کو مد نظر رکھنا چاہیے کہ پروفیسر منساں نے ہماری ایجاد متعلق سنیں گی۔“
 ”تو پھر؟“
 ”کیا وہ یہ گوارا کر لے گا کہ خان آف کالوٹ کے لیے کام کرے؟“
 ”تشدد کے ذریعے انسان سے بہت کچھ کرایا جاسکتا ہے۔“
 ”ہوں۔“
 ”میرا خیال ہے کہ اب تم واپس گھر جاؤ۔ تمہارا وہاں رہنا اس لیے ضروری ہے کہ خان آف کالوٹ کا ہاتھ پارہ تک نہ پہنچ سکے۔“
 رضوان کو رخصت کرنے کے بعد میں بھی کچھ دیر تک لٹیت ہی

میں رہی۔ دراصل میری کچھ مہینہ، آج تک کچھ ماہ، آٹھ ماہ چاہیے۔ میں اس روز کچھ عجیب کی کیفیت کا شکار تھی۔ ایک طرف کہ یہ میری گویا ایک اہم ذمہ داری تھی کہ میں خان آف کالوٹ کے سلسلے میں کوئی فیصلہ نہ قدم اٹھاؤں لیکن دوسری طرف میں ایک عجیب سی یاسیت کا شکار بھی تھی۔ عموماً ایک احساس مجھے ہے کہ میں کیسے ہونے تھا۔ جب میں نے اپنے ذہن کو ٹھکرا کر مجھے اندازہ ہوا کہ میری یہ بے چینی محض سنگینا کی وجہ سے تھی۔ اگر یہ کاراں نے مجھے ایک بار بھی تو فون نہیں کیا تھا۔ اگر وہ فون کر لیتی تو اس سے دو باتیں کر کے مجھے قرار آ جاتا۔ پھر میں اپنی کسی بھی ذمہ داری کو پورا کرنے کے مسئلے میں کس قدر کا شکار نہ ہونے پاتی۔
 وہ دن میں نے نفیث کی میں بستر پر پڑے پڑے گوارا دیا۔ کبھی سنگینا کی یاد میرے دل و دماغ کو ڈھونڈنے لگتی اور کبھی اپنی ذمہ داری کا احساس میرے دماغ کے لیے شیشہ کی آلی بن جاتا۔ میں نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا، ابیں تیسرے پر کو غسل کر کے کپڑے تبدیل کرنے کے بعد چائے کے ساتھ دو ہنٹ ٹوٹ کھالے۔
 شام کو زین اور رضیہ مجھ سے ملنے آئیں۔ ان کی آمد کے باعث میرا ذہن بھی بھونچاں کی حد تک ہو گیا۔ زین مجھ سے بڑی گرم ہو گئی تھی۔ اس نے کہا۔ ”آپ نے مجھے ایک بڑی اچھی درست فزائم کر دی ہے۔ اس کا اشارہ رضیہ کی طرف تھا۔“
 ”لیکن تمہاری اس درست سے کوئی کام نہیں کیا؟“ میں نے یہ سوال تو زین سے کیا تھا لیکن میری نظر رضیہ کی طرف تھی۔
 ”میں زین کے تمام گھروالوں کے ہاتھ دیکھ چکی ہوں۔ رضیہ نے کہا۔ ”مگر اس میں مجھے کوئی ہاتھ بھی ایسا نہیں نظر آیا جو زین کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکے۔“
 ”میں پہلے ہی کتنی تھی۔ زین چمک کر میرے گھر کا کوئی فرد یعنی میرا عذر میرے لیے کہ طرف نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔“
 ”تم یقین سے کہہ سکتی ہو کہ تم نے سب کے ہاتھ دیکھے ہیں؟“ میں نے غور سے رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
 ”صرف ایک، سستی ایس ہے جس کا ہاتھ میں اب تک نہیں دیکھ سکی۔“
 ”وہ کون ہے؟“
 ”زین کے والد خان آف کالوٹ۔“ رضیہ نے جواب دیا۔ انھوں نے کبھی میرے اس فون سے دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔
 ”دیکھا؟“ میں زین سے بولی۔ ”ابھی ایک بات بتاتی ہے۔“
 ”یہ آپ کی کہہ رہی ہیں میڈم؟“ زین حیرت سے بولی۔ ”بھلا میرے

ڈیڑی میرے لیے کس طرح نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں؟
 • لیکن وہ زبان کو میں دینا کہ سب سے تمہارا بھائی ہوئی
 نہیں ہے تمہیں میرے لیے کیا اور تمہارے ہاتھ کی لکیروں نے مجھے یہی
 بتایا ہے کہ تمہارے گھر کا ہی کوئی فرد تمہارے لیے نقصان دہ ثابت
 ہو گا؟

• لیکن میرے ڈیڑی... "زین بہت الجھ رہی تھی۔
 "چونکہ مادہ نے ان کے علاوہ سب کے ہاتھ دیکھے ہیں اور
 ان میں سے کوئی بھی تمہارے لیے نقصان دہ نظر نہیں آتا اس لیے
 میں شبہ کر سکتی ہوں کہ تمہارے لیے نقصان دہ ثابت ہونے والی
 وہ شخصیت تمہارے والد کی ہو سکتی ہے۔ اگر مجھے یا مادہ کو تمہارے
 والد کا ہاتھ دیکھنے کا موقع مل جائے تو میرے اس شبے کی تصدیق یا
 تردید ہو سکتی تھی۔ ویسے زیادہ امکان تصدیق کا ہے۔ کیا ایسی
 کوئی صورت ممکن ہے کہ تم اپنے والد کے ہاتھ کا عکس حاصل کر سکو؟
 "آپ نے تو مجھے بہت پریشان کرنا میں مد!" زین بھولتی ہوئی
 آواز میں بولی۔

• مجھے افسوس ہے لیکن میں کیا کروں، میں جھوٹ نہیں بولی سکتی
 میں نے تمہارے ہاتھ میں جو کچھ دیکھا تھا، وہی انھیں بتا دیا۔ میں نے
 کہا اور پھر راز کو بولی کیا یہ ممکن ہے کہ تم کسی طرح اپنے والد کے
 ہاتھ کا عکس حاصل کر سکو؟
 زین نے فرار کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کسی سوچ میں ڈھکی ہوئی تھی۔
 میں نے کن انھیں سوئے رضیہ کی طرف دیکھا۔ وہ زین کی چہرے کا بھانہ
 لے رہی تھی۔ کچھ دیر بعد زین نے ایک طویل سانس لے کر کہا: "میں
 کوشش کروں گی؟"
 "کس طرح؟"

• یہ آپ کچھ پر عبور رکھیں؟ میں سوچوں گی کہ مجھے اس سلسلے میں
 کیا کرنا چاہیے؟
 میں نے اس سلسلے میں زین کو زیادہ کرنا مناسب نہ سمجھا
 اور بولی: "تجارت پر عبور داران ہاتھوں کو، اقتدار اٹھاتے ہیں اور
 انھیں ہر شکل کی تہذیب کیا جا سکتا ہے لہذا اس سلسلے میں تیل آؤ
 وقت پریشان ہونے سے کوئی ناغہ نہیں۔ یہ بتاؤ کہ میں تمہاری کیسا
 خفا کروں؟"

• تنقہات کی ضرورت نہیں، میں مد!" زین نے پچھلی سی مسکراہٹ کے
 ساتھ کہا۔ "میں آپ سے ملنے کو چاہتا تھا اس لیے میں بہت جلدی کرنا
 ہوں۔ اب مجھ اور مادہ کو اجازت دیجیے؟"
 • کیوں! آخر اتنی جلدی کیا ہے؟

• میں نے آج رات اپنے کالج کی کچھ لڑکیوں کو کھانا، ۱۴
 دراصل میں کالج میں مادہ کا مذکرہ کریمین تھی۔ نتیجہ: احوال
 قریبی دوست مادہ سے ملنے کی شتات ہو گئیں؟
 • گویا اس دعوت کا بوجھ تمہیں مادہ کی دھمکاؤں
 میں نے ہنس کر کہا۔

• اس میں بوجھ کی تو کوئی بات نہیں۔ اچھا ہے! کچھ ۱۱
 زرا دلچسپی سے گزر جائے گا؟ زین کھڑی ہو گئی اور مادہ ۱۱
 سے رضیہ نے بھی کھڑا ہوا نا مناسب سمجھا۔
 • ارے! میں بولی یہ تم تو اسل ہی تیار ہو رہی ہاں! ۱۱
 "وقت کم ہے نا؟" زین نے کہا کچھ ہی دیر میں میر ۱۱
 کی لڑکیاں گھر پہنچنا شروع ہو جائیں گی؟
 میں ان دونوں کو چھوڑنے کے لیے دروازے کی طرف گئی،
 دیکھ کر زین کی طرف جھٹکتے ہوئے سرگوشی کی: "تھک آؤ؟"
 زین مسکرائی اور پھر: "بہت سے بولی فون پر تیار ہاں! ۱۱
 رضیہ ہنسی کی طرف متوجہ ہوئی تو میں ایسی ہی تھی پیچھے ہٹاؤ

زین سے کچھ کہا ہی نہ ہو۔
 ان دونوں کو رخصت کرنے کے بعد میں پھر آرام کر،
 دروازہ ہو گئی اور انھیں بند کر کے سوچنے لگی کہ میں نے جو ۱۱
 پہنچا کا ہے، وہ میرا چاہنے کا یا انہوں نے نے غمان آت کا؟
 کو اپنے جال میں پھانسنے کے لیے خود اس کی لڑکی کو آواز کر ۱۱
 کا پروگرام بنانا تھا۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ میں اپنے ذہن میں ۱۱
 لاکھ چل رہی تھی، وہ کہ حد تک کارگر ثابت ہوتا ۱۱
 اندھیرا ہو چکا تھا لہذا میں نے اٹھ کر لائٹ آن کی اور
 لگی کر رات کا کھانا کھانے کے لیے مجھے کسی ریستورنٹ کا کھانا ۱۱
 فی الحال اس کا کوئی امکان نہیں رہا تھا کہ زین سے دوبارہ ۱۱
 ہو لہذا میں سوچنا پڑا کہ کس والا بروپ شیم کیا اور صبح ۱۱
 فلیٹ سے نکلے۔

• ایک ریستورنٹ میں کھانا کھا تے ہوئے میں نے فیڈ ۱۱
 آج ہی لڑکے کے قمار خانے میں کچھ ہنگامہ کیا جائے۔ میری ۱۱
 گزشتہ رات کو تھا لیکن میں وقت پر رضوان سے ماہ پارک ۱۱
 میں اطلاع مل چکی تھی اور میرا ہنگامی پروگرام "دھرا کا ۱۱
 گیا تھا۔
 کھانے کے بعد میں لڑکے کے قمار خانے کی طرف روانہ ۱۱
 وہ جگہ میری دیکھ بھال ہوئی تھی۔ مجھے وہاں ایک مرتبہ ۱۱
 چاہی تھا۔

باہر سے تو اس قمار خانے پر ایک ریستورنٹ ہی کا بورڈ ۱۱
 اچھا لیکن ایک اندرونی دروازے سے گزر کر اس مال میں پہنچا ۱۱
 ماسکٹا تھا ان لیے جانے پر قمار بازی ہوئی تھی۔ اس قمار خانے ۱۱
 اسٹینس تو تھیں تھا لیکن اس شہر کا جی میں بہت سے دھندلے ۱۱
 لاکھ ہیں جنہیں ناجائز ذرائع کے نل بوتے پر چلایا جاتا ہے۔ کہیں ۱۱
 دروازوں کا استعمال ہوتا ہے اور کس شہوت کی گرم بازوی کام ۱۱
 آئے۔ مجھے علم نہیں تھا کہ لڑکیاں اور لڑکے استعمال کرتا ہے اور مجھے ۱۱
 معلوم کرنے کی کو بھی نہیں تھی۔

مجھے بھی نہیں اس مال میں داخل ہوئی، میں نے عسوں کی ۱۱
 ہاں، ان کو جو کوئی اشتخاص کے چہرے کی رنگت بدل گئی تھی۔ غالباً ۱۱
 اب اس قمار خانے کی انتظامیہ سے توقع رکھتے تھے اور مجھے اچھی طرح ۱۱
 ہانتے تھے۔ میں نے ان میں سے دو آدمیوں کو بڑی تیزی سے ایک ۱۱
 دروازے کی طرف بڑھتے دیکھا جس پر شہر کی خوشگئی کی ہوئی غائباً ۱۱
 لڑکے کا کہہ تھا اور وہ دونوں آدمی لڑکے کو میری آمد سے مطلع کرنے ۱۱
 گئے تھے۔

میں نے کسی طرف کوئی خاص نوٹ نہیں دی اور ایک ایسی ۱۱
 لڑکے جاکر جہاں فلیش ہو رہا تھا۔ ہو گئے کھیل رہے تھے وہ مجھے ۱۱
 کیے تھے اپنی کرسیوں سے کھڑے ہو گئے۔ میں لیکن سے کہہ سکتی ۱۱
 دل کر ان میں سے کوئی نہیں تھا بچا تھا تھا، یہ محض میری شخصیت ۱۱
 میں جس کے رعب میں آکر وہ کھڑے ہو گئے تھے۔

• کیا آپ کھانا پسند کریں گی؟ "ان میں سے دو آدمیوں نے ۱۱
 مجھ سے ایک وقت مخاطب کیا۔
 "جی نہیں، شکریہ! آپ لوگ تشریف لے جائیں اور کھانا چائے لیں۔ ۱۱
 فی الحال صرف دیکھنا پسند کروں گی۔ میں نے مسکرا کر کہا۔
 ان لوگوں میں ایک شخص شاید قمار خانے ہی کا آدمی تھا۔ ۱۱
 کے چہرے سے غماض مترشح تھی اور وہ مجھے عجیب سی نظر سے ۱۱
 دیکھ رہا تھا۔

ان لوگوں نے ایک بار پھر اصرار کیا کہ میں کھیلوں لیکن جب ۱۱
 ماہ آمادہ نہیں ہوئی تو انھوں نے دوبارہ کھیل شروع کر دیا۔ میں ۱۱
 ونی سے کھڑی ہوئی کھیل دیکھتی رہی لیکن میں اپنے اوپر گرد کے ۱۱
 ال سے جی بے خبر نہیں تھی۔ منجر کے کمرے سے وہ دونوں آدمی ۱۱
 میں آچکے تھے اور اب ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے انتظامیہ سے ۱۱
 متعلق ہر شخص مجھ پر کوئی نظر رکھتے ہوئے ہو۔
 میں چندہ میں منٹ تک کھیل دیکھتی رہی اور اتنی دیر میں ۱۱

مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہاں بے ایمانی ہو رہی تھی۔ قمار خانے کا آدمی ۱۱
 پتے باز تھا لیکن ہو لوگ اس کے ساتھ کھیل رہے تھے وہ اس کی پتے ۱۱
 بازی کو پرکھ نہیں سکتے تھے۔

میں ہنستی ہوئی قمار خانے کے آدمی کے پیچھے جا کھڑی ہوئی اور ۱۱
 کھیل دیکھتی رہی پھر ایک موقع پر جب وہ پتے باٹل رہا تھا میر ۱۱
 نے اچانک اس کے جھک کر اس کی دائیں کلائی تھام لی۔
 اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔
 "بے ایمانی میں چلے گی؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ۱۱
 ہوئے کہا۔

• کیا مطلب! "وہ غریبا۔
 "اب مطلب بھی سمجھاؤں؟ میں نے طنزیہ سی مسکراہٹ کے ساتھ ۱۱
 کہا: "میر لیا لیا ہے کہ بے ایمانی کا مطلب ایسا نڈاری نہیں ہوتا؟"
 بے ایمان تھام باز نے ایک جھک کر اپنی کلائی چڑھانا چاہی ۱۱
 لیکن اسے فوراً ہی اندازہ ہو گیا کہ وہ گرفت کسی معمولی عورت کی ۱۱
 نہیں تھی۔

ہو لوگ اس قمار باز سے کھیل رہے تھے، حیرت سے میری طرف ۱۱
 دیکھنے لگے۔

"منو!" میں نے قمار باز کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا: "تم ۱۱
 نے ان شریف آدمیوں کی آنکھوں میں بہت دھول بھونکی ہے۔
 بہتر ہوگا کہ تم وہ سب کچھ واپس کر دو تو تم ان سے بہت پکے ہو؟"
 "خبردار!" قمار خانے میں ایک آواز گونجی۔

میں نے چونک کر آواز کی طرف اس لیے بھی دیکھا کہ وہ میر ۱۱
 لیے ایک نسا آواز تھی۔ ابریز کی آواز! میں نے اس کے ہاتھ ۱۱
 میں پستول دیکھا۔ وہ اس سے ان تینوں آدمیوں کو کو کر رہا تھا جو ۱۱
 عقب سے مجھ پر حملہ کرنے کے لیے بڑھ رہے تھے۔

ابریز کو وہاں دیکھ کر مجھے تعجب تو ہوا تھا لیکن میں اس منت ۱۱
 ابریز کی موجودگی پر غور کرنے کی بجائے میں نہیں تھی۔ میں نے ۱۱
 قمار باز کی کلائی پر گرفت سخت کرتے ہوئے کہا: "کیا تم نے سنا ۱۱
 نہیں؟"

پھر اچانک ایسا عسوں ہوا جیسے قمار باز اٹھ کر کچھ پر چھٹ ۱۱
 پڑے گا لیکن اسی وقت، ایک آواز سنائی دی وہ نہیں لیورنا بھڑکنے ۱۱
 کی غرور تھیں نہیں ہے؟
 میں نے کن انھیں سے دیکھا۔ وہ لڑکے تھا ہوا اپنے کمرے سے ۱۱
 نکل کر ہماری طرف بڑھ رہا تھا۔

میں نے ابریز کی آنکھوں میں الجھن دیکھی۔ شاید وہ فیصلہ نہیں کر پار ہاتھ لگاؤ کو میرے قریب آنے دے یا نہیں۔
میں نے ابریز کو اشارہ کیا کہ وہ پرسکون بیٹھے۔
گٹو قریب آگیا اور بولا کیا معاملہ ہے؟
”بہت چھوٹا معاملہ ہے۔ میں نے بے پروائی سے شانے جھٹک کر کہا۔ میں وہ رقم واپس کرنا چاہتی ہوں بولے ایمانی سے جینی گئی ہے۔“
”وہ رقم کتنی ہے؟“
”میرا خیال ہے کہ جیتی ہوئی رقم کا تو سے فی حدیث بے ایمانی سے جیتا گیا ہے۔“
گٹو نے فیروز کے سامنے جتنی شدہ رقم کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹ کر ان لوگوں کی طرف بڑھا دیا جو فیروز کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے پھر اس نے اپنی دو گلوں سے کہا۔ آپ لوگ اس میں سے اپنی اپنی رقم نکال لیں۔“
فیروز بوٹ بیٹھے بیٹھا رہا باب میں نے اس کی کلائی بھی پھڑو دی تھی اور اسے تعجب آمیز سرسکڑے لٹ کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔
”مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں رنگے ہاتھوں پر کھانا نہیں بخشا اڑانے والے انداز میں بولی۔ اگر میں تمہاری کلائی پھوڑ دیتی تو تم صحت بخ جاتے۔“
”کیا آپ میرے کمرے میں چلنا پسند کریں گی؟“ گٹو مجھ سے بولا۔
”کیوں؟“
”میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ ویسے اگر آپ کمرے میں چلنا چاہیں تو ہم ہاں میں ہی کسی خالی میز پر بیٹھ جاتے ہیں۔“
”ہنیں میں تمہارے کمرے میں چلی جاتی ہوں۔ میں نے نفی فونی کا مظاہرہ کیا میں یہاں ان لوگوں کو یہی باور دلانے تو آتی تھی کہ میں ان سے قطعی خوفزدہ نہیں ہوں۔“
”تشریف لائیں!“ گٹو نے اپنے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔
میں نے ابریز کو اشارہ کیا کہ وہ بھی آئے۔ اس نے ماحول کو ساگر پار کی پرتول اپنی جیب میں رکھ لیا تھا۔ میرا اشارہ ملنے پر وہ میرے اور گٹو کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ میں ابھی تک اس الجھن میں تھی کہ وہ یہاں قمار خانے میں کیسے پہنچ گیا۔
ہم گٹو کے کمرے میں داخل ہوئے جو واسطہ طریقے سے پریکٹ

تھا گٹو گھوم کر میز کے پیچھے اپنی رولنگ میز پر ٹک گیا۔
سلنے پڑی ہوئی کرسیوں کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔
اس کا انداز کچھ اٹھاتھا جیسے یہ ہماری پہلی ملاقات ہو۔
درمیان کسی قسم کے اختلافات نہ ہوں۔
میں اور ابریز بیٹھ گئے۔
”آپ کی یہاں آؤں گا مقصد؟“ یہ سوال کرتے ہو۔
”مجھے میں اپنی سستی آگئی تھی جسے میں نے پوری شد محسوس کیا اور یوری چڑھا کر بولی۔
”یہ قمار خانہ ہے اور یہاں کوئی بھی آسکتا ہے۔“
”یہاں لوگ جو کھیلنے آتے ہیں کیا آپ جو کھیل لیں تھیں؟“
”میں جو کھیلنے ہی آتی تھی۔ میں نے ٹرسے اطمینان کا جوا کھیلنے سے پہلے میں یہ اطمینان کر لینا چاہتی تھی کہ یہاں ہمارا تو نہیں ہوتا؟“
”آپ کی اطلاع کے لیے عرض کروں کہ ہر قمار خانے میں ہوتی ہے۔“
”میں یہاں کے تمام قمار خانوں کو ایمانداری سکھاؤں گا۔“
”بڑے اطمینان سے کہا۔ ہر چند کہ قمار بازی ہی کوئی اچھی چیز نہیں لیکن میں سمجھتی ہوں کہ اس میں ایمانداری نہ کھیل ضرور ہونا چاہیے۔
اگر تم نے اپنے قمار خانے کے طریقوں میں تبدیلی نہیں کی تو میں یہ روزانہ ہی آکر ہنگامہ کر دوں گی۔“
”ہاں؟“ وہ مجھے گھورنے لگا۔
”خوب؟“ میں طنز سے انداز میں مسکرائی۔ تو تم نے اعتراض کرنا شروع کر دیا۔
”اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ یہاں اس لیے نہیں آؤ کہ یہاں جو ہے۔ میں بے ایمانی ہوتی ہے۔“
”پھر کس لیے آتی ہوں؟“
”یہ تو آپ ہی بتائیں گی۔“
”تو گٹو؟“ میں نے پوچھا۔
”میں نے پوچھا کہ آپ کی طرف جھک کر بولی۔
”تمہارے اس قمار خانے کو باور دلانا چاہتی ہوں۔“
”میں نے اس وقت صورت حال کو سنوارنے کے لیے بہت کچھ سے کام لیا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں ہمیشہ جیتے رہتی ہوں۔“
”مظاہرہ کروں گا؟“
”اگر کسی قسم کی دھمکی ہے تو میں ابھی یہ پریکٹ

پر مار سکتی ہوں۔“
”آپ کو کچھ تاثر پڑے گا نا؟“
”یہ تو وقت بتائے گا کہ کچھ تاثر کس کا مقدر ہے؟“
”آپ کا اصل مقصد کیا ہے؟“
”میں تمہیں باور دلانا چاہتی ہوں کہ وہ شخص بھی میرا کچھ نہیں لگاؤ۔
”میں جس کی پشت پرانی نہیں حاصل ہے اور جس کی وجہ سے تم بتا سکتے ہو۔“
”مجھے کسی کی پشت پرانی حاصل نہیں۔“
”فی الحال تم اس سے انکار کر لو لیکن میں تم سے اس کا اقرار کرنا کہ رہوں گی۔“
گٹو مجھ کو تار تار شاید اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب سے کیا کرنا چاہیے۔
ابریز نے اس دوران میں بالکل خاموشی اختیار کر کے دیکھی تھی۔
”ابھی اس سے مخاطب نہیں ہوا تھا۔ اس نے میں ایک ادھ مرتبہ ہنسی سی نظر ڈالی تھی۔“
”قمار خانہ میں جیتی ہوں۔ میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔
”میں تمہیں یقین دہانی دے رہا ہوں کہ میں میرا کچھ نہیں لگاؤں گا۔
”دوسرے گھر سے مناجات کر لیتا۔ اگر تم اس غیبت کا آؤ کار بننے کی بجائے میرے ساتھی بن جاؤ تو زیادہ فائدہ خالص میں رہو گے۔“
”آپ اس کمرے سے جاری ہیں یا قمار خانے سے؟“
”فی الحال تو میں قمار خانے ہی سے جاری ہوں۔ تم اپنے آدمیوں کو سمجھا دو کہ بے ایمانی کا سلسلہ ختم کر دیا جائے۔ میں دوبارہ سستی میں آؤں گی۔ اگر میں نے اس سلسلے کو جاری دیکھا تو پھر اس ہال کی تباہی کے ذمے دار تم خود ہو گے۔“
گٹو کے بوٹ کھلے اور بند ہو گئے۔ وہ نہ جانے کیا کہنے کہنے لگا تھا۔
”آؤ ابریز؟“ میں نے کہا اور دروازے کی طرف مڑتی چلی گئی۔
”ریسٹورنٹ سے بل پر کچھ کھانا لے کر آؤں گی۔“
”میں ابھر اوروں کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔“
”ان؟“ تم تو بہتیں کرا رہے ہو گے۔ میں نیکی دیکھ رہی تھی۔
”میں سمجھا آپ کچھ اور تلاش کر رہی ہیں۔ یہی گاڑی اٹھ کر پڑی ہے۔“
”اب ابریز نے ایک طرف اشارہ کیا۔
”ہم اس طرف پڑے۔ میں ابریز سے کہا کہ میں نے کچھ لے لیا۔
”فی لیکن میں نے اس وقت تک محنت سے کام لیا، جب تک ہم کار

میں نہیں بیٹھ گئے۔ ابریز نے انہی اشارے کیا اور بولا کمال چلوں۔
”میں روڈ۔“
”کار حرکت میں لگئی۔“
”میں اس قمار خانے میں کہاں سے آئے؟“
”میں نے اپنے ہنر سے چکراتے ہوئے سوالوں میں سے ملا سوال، زبان آٹھ لیا۔
”آپ کے پیچھے پیچھے؟“ ابریز نے جواب دیا۔
”تو تم میرے تعاقب میں تھے؟“
”جی ہاں۔“
”مگر کیوں؟“
”بس جب آپ کو دیکھنے کے لیے دل چلتا ہے تو میں ایسا کر کرتا ہوں۔ لیکن آپ کو اس کا پتا نہیں چلنے دیتا کہ میں آپ کو دیکھ رہا ہوں۔ میں چپ چاپ خاموشی سے آپ کو دیکھتا رہتا ہوں اور چلا جاتا ہوں۔“
”میں نے اطمینان سے کہا۔
”ابھی دیکھ کر تمہیں کیا محسوس ہوتا ہے؟“
”سکون۔“
”گو یا میں کوئی مسکن دوا ہوں؟“ میں مسکرائی۔
”مسکن دوا تو میں نہیں کھوں گا لیکن میرے لیے یہ مسکن دوا ہے۔“
”یہ اور بات ہے کہ آپ کو اپنی مسکانی کا اندازہ نہیں۔ آپ کو دیکھ کر مجھے جو سکون ملتا ہے اس کا آپ اندازہ بھی نہیں کر سکتیں۔ اور آپ سے باتیں کر کے مجھے جو مسودگی حاصل ہوتی ہے اس کا اظہار کرنے کے لیے تو میرے پاس الفاظ نہیں۔“
”تمہارا یہ کیس میری کچھ سے بالاتر ہے۔“ میں نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔
”آپ ہی کیا، خود میری کچھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔
”کبھی کبھی میں نے یوں بھی سوچا ہے کہ شاید میں پاگل ہو گیا ہوں۔“
”میں ختم پاگل نہیں ہوں۔“
”آپ کی زبان سے یہ سن کر مجھے خوشی ہوئی۔ میں تو سمجھتا تھا کہ آپ مجھے پاگل یا بے وقوف ہی سمجھتی ہوں گی۔ ابریز نے تلخی سے سکول میں چند لمبے خاموش رہ کر بولی۔
”میں اپنے اس جذبے کو کیا نام دیتے ہو؟“
”پہلے تو میں اسے صرف جنت سمجھتا تھا۔“
”اور اب؟“
”اب؟“ ابریز نے پچھتاہے ہوئے کہا۔
”میرا خیال ہے کہ یہ شاید عشق سے بھی آگے کی کوئی چیز ہے۔“

میں کچھ رنگ کر لیں اور تھکاری کی حالت ہوگی اگرچہ ایک میں یہ کہہ دوں کہ میں تم سے شادی کے لیے تیار ہوں۔
 میں فوراً انکار کر دوں گا کیا
 کیا؟ میں چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔
 جی ہاں۔ میں انکار کر دوں گا
 مگر... مگر... کیوں؟

اس کی کئی وجوہ ہیں۔ میری اور آپ کی عمریں بہت تفاوت ہے میں دنیا کی نظر میں آپ کو تماشا نہیں بنانا چاہتا اور نہ خود تماشا بنانا چاہتا ہوں۔ دوسرے میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ شادی کی موت کا دوسرا نام شادی ہے۔
 مانی گاڑا میرے منہ سے نکلا۔ تھکاری اور ضعیف کی سونچ تو بالکل یکساں ہے۔ مگر تم میری بجائے اس کی طرف ملاحظت نہ کرتے ہو تو خوب گزر جاتی۔

مجھے نہیں معلوم کہ کسی اور کے ساتھ میری کسی گزرتی لیکن اب مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اگر آپ کبھی مجھ سے دور ہو گئیں تو آپ کے بارے میں سونچ بچ کر میرے دماغ کی شریانیں چھٹ جائیں گی۔

”اچھا چلو۔ اس موضوع پر ہم پھر کسی وقت اطمینان سے گفتگو کریں گے۔ نی اعلان کچھ کام کی باتیں ہو جائیں تو بہتر ہے۔“
 ابریز چپ رہا۔ غالباً وہ میری اگلی بات کا منتظر تھا۔
 میں نے پوچھا: تم فارغ خانے میں تھکا ہے پاس بیٹوں کہاں سے آگیا؟

”میری جیب میں تھا۔“
 لیکن کیوں تھا؟ تم کو محض مجھے دیکھنے کے لیے میرے پیچھے لگے ہوئے تھے؟

”ہاں لیکن مجھے یہ اندازہ ہو چکا ہے کہ آپ کچھ ایسے خطرات سے بھیل رہی ہیں جو میرے لیے انجانے ہیں۔ ایک مرتبہ میرے سامنے آپ پر تانہ حملہ ہو چکا ہے اور اس کے علاوہ بھی کئی ایسی باتیں میرے مشاہدے میں آئی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کسی وقت بھی کسی بڑے خطرے سے دوچار ہو سکتی ہیں۔ اس وقت آپ کی اور تمہارے خاندان کے مالک کی باتوں سے بھی میرے اس اندازے کی تصدیق ہو گئی کہ آپ نے خود کو کسی خطرناک معاملے میں پھنسا رکھا ہے یا حالات کے تحت چھپیں گئی ہیں۔ ہر دو صورتوں میں خطرات آپ کے سر پر منڈا لاپے ہیں۔“

”اور تم مجھے ان خطرات سے بچانے رکھنا چاہتے ہو؟“
 مسکرائی۔
 ”مکرم از کم کو شش مزدور کرنا چاہتا ہوں۔“
 کیا تمہارے ذہن میں کبھی اس شبہ نے بھی سر اٹھایا
 میں کسی جرم پر مشتبہ گردہ سے متعلق ہو سکتی ہوں؟
 یہ شبہ مجھے کبھی نہیں ہوا۔
 ”کیوں؟“

”میرے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ آپ کے بارے میں کوئی غلط بات بھی موشی میں نہیں سکتا۔ ہاں! میرے ذہن میں ایک خیال مزدور اٹھ رہا تھا۔“

”وہ کیا؟“
 کہ شاید آپ حکومت کے کسی ایسے شعبے سے تعلق رکھتے ہیں جس کا تعادم جرائم پیشہ افراد سے ہوتا رہتا ہے۔
 اس خیال کو اپنے ذہن سے جھٹک دو۔ میں کسی بھی سرکاری ملازمت میں نہیں ہوں۔ اگر ایسا ہوتا تو موجودہ حالات سے ہٹنا چاہیے بہت آسان بات ہوتی۔
 ”موجودہ حالات؟“

”میں کسی وقت اس کے بارے میں تجھیں تفصیل سے بتاؤں گی۔ لیکن ہے تم میرے کچھ کام آسکو۔ یہ ان خیال ہے کہ میں ہمہ کمال تھا، کر سکتی ہوں۔“
 اس احماد کا شکریہ۔ میں ایک بات کہوں؟
 ”کیوں؟“
 ”آج آپ سے باتیں کر کے مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے۔“
 ”کیوں؟“

”آپ نے ایک بار بھی میرا غلط نہیں اڑوایا۔“
 ”ہوں۔ میں مسکرائی پھر میں نے ایک طویل سانس لیا اور شاید کچھ کہنے کے لئے گنگی گئی لیکن ابریز نے کارڈ دکھ دی۔ وہ ان کا فلیٹ آج کا تھا۔ میں نے ابریز کے کہا۔ مکمل کسی وقت میں تم سے تفصیلی ملاقات کروں گی۔“

”نہیے نصیب۔“
 میں دروازہ کھول کر اترنے لگی اور دھچک دے تم تک کر بولی
 ”اچھا اب تم اپنا خیال رکھنا۔“
 ”کیا مطلب؟“
 ”جو لوگ مجھ سے قریب ہو جاتے ہیں انھیں بھی دلیسے بن جاتا۔“

”دوچار ہونا بڑا سہا ہے جن سے میں ہوتی ہوں۔“
 ”اب میری طرف سے فکر مند نہ ہوں۔ اگر میں اس دنیا میں رہا تو کیا فرق پڑ جائے گا؟ ابریز کے لہجے سے یاسینت چمک گئی۔
 میں نے اس گفتگو کو طویل کرنا بے کار سمجھا اور صحت آٹکا نہ بنیں
 اپنا خیال رکھنا ہوگا۔ اسے میری خواہش سمجھو۔“
 ”شاید آج میرا سارا بہت عروج پر ہے۔ ابریز مسکرایا۔
 ”کیا مطلب؟“

”آپ کے فز سے اسے جھلے سننے کو دل ہے میں کہ میرے خون کی ٹی تیز ہوئی جا رہی ہے۔ اگر آپ مجھ سے ایسی ہی باتیں کرتی ہیں تو ایک بار مجھ میں زندہ رہنے کی کچھ پیدا ہو جائے۔“
 میں نے ہنس کر اسے خدا حافظ کہا اور کار سے اتر کر دروازہ گردید پھر میں بلڈنگ کے گیٹ کی طرف بڑھتی چلی گئی اور ابریز کار بڑھانے لگا تھا۔

فلپٹ میں بیٹھ کر میں نے کپڑے تبدیل کیے اور پھر رستہ بدر ہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی میں نے براؤز پر لیور اٹھایا اور رازدہ اس میں بولی: ”ہیلو!“

”میرا اندازہ یہ تھا کہ تم فلیٹ پر پہنچ چکی ہو گی۔ یہ خان آف ڈاگٹ کی آواز تھی جس کے کہ میری پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں
 کیوں بولی میں تھی اس لیے توقع ہوتی تھی دوسری طرف سے آگیا۔ ”ہیلو!“
 ”کیا بات ہے؟“ میں نے سرد لہجے میں کہا۔
 ”گڈ ڈے تمہارے میں ہنگامے کرنے سے تجھیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔“

”مرتب میں بتانے کے لیے فون کیا ہے تم نے؟“
 ”نہیں وہ دوسری بات ہے۔“
 ”جلدی سے کہہ ڈالو۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔“
 ”میں ماہ پارہ کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں۔“
 ”کیا پوچھنا چاہتے ہو؟“

”تم نے اسے کہاں چھپایا ہے؟ ظاہر ہے کہ تم اسے فلیٹ میں تو چھپا نہیں سکتیں اور اسے اپنے گھر کو اس لیے نہیں چھوڑ دوں گی کہ ابریز میرے علم میں ہے اور تم اس کی حفاظت کے لیے وہاں نہیں پڑو۔“
 خان آف ڈاگٹ کی غلط فہمی پر میں زبردست مسکرائی۔
 وہ لوگ رات میں تم نے اسے کسی ایسی جگہ چھپایا ہوگا جو میرے

علم میں نہ ہو۔
 ”تو پھر کیا تم سمجھتے ہو کہ میں تجھیں آسانی سے اس کے بارے میں بتا دوں گی؟“
 ”آسانی سے تو نہیں بتاؤں گی۔ یہ تو میں جانتا ہوں۔“
 ”تو پھر اس موضوع پر گفتگو کرنے سے ناخوش؟“
 ”اگر تم نے ماہ پارہ کو میرے خالے میں کیا تو کل کسی وقت اس کے باپ پر دھیر مرناس کی لاش تمہارے گھر کے دروازے پر پڑی ہوگی۔“

”یہ ایک احمقانہ دھمکی ہے خان خاناں! ہمیں نے تجھے بونے لیے میں کہا۔ تم اتنے بے وقوف نہیں ہو سکتے کہ پرنسپل کو اس طرح خانہ کردو۔ تم نے اسے اٹھایا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا کوئی خاص مقصد ہوگا۔“

”بھئی بات ہے۔“ خان میرے جواب پر شاید غصہ کیا۔ ”تو پھر کل تک انتظار کرو۔“
 ”کل کیا ہو جائے گا؟“ میں معموٹاؤٹنے والے انداز میں بولی تھی۔
 ”کل تک میں اس قابل ہو جائی گا کہ تم سے برآسانی سونے بازی ہو سکے۔“

”سودے بازی؟“
 خان آف ڈاگٹ نے کوئی جواب دیے بغیر سلسلہ متعلق کر دیا اور میں بے حد غصہ میں تھا۔ مجھے بھی نظر سے اٹھنے میں کٹ دیکھتی رہی۔ یہ میری سمجھ میں نہیں آسکا تھا کہ کل تک خان آف ڈاگٹ کس قسم کی سوئے بازی کرنے کی پوزیشن میں آسکتا ہے؟
 ریسپور کو کر ڈیل پر رکھ کر بھی میں اسی الجھن میں گرفتار رہی اور بہتر رویٹ کراسی کے بارے میں غور کرتی رہی۔ بار بار صرف ایک ہی خیال میرے ذہن میں آ رہا تھا کہ خان آف ڈاگٹ میرے کسی قریبی ساتھی کو آؤٹنے کی کوشش کرے گا تاکہ اس سے ماہ پارہ کا تدارک کر سکے۔ میرے اتنے قریبی ساتھی صرف رضوان اور ضعیف ہی تھے اور اب شاید ابریز بھی ان میں شامل ہو گیا تھا۔ رضیقا در رضوان پر ہاتھ ڈالنا تو خان آف ڈاگٹ کے لیے کچھ آسان بات نہ ہو سکتی لیکن ابریز کو وہ بڑی آسانی سے اٹھا کر دے سکتا تھا۔

میں نے فیصلہ کر لیا اور اپنے گھر کے خبر ڈائل کرنے لگی میں اس سلسلہ میں رضوان سے بھی مشورہ کر لیتا جا رہی تھی۔ لائن ملنے پر مجھے دوسری طرف سے رضوان کی آواز سنائی دی۔
 ”میں نے ناخوشیوں میں کہا۔ میں بائو فونل رہی ہوں۔“
 ”لوہی رہیے! مجھے کوئی احتساب نہیں ہے۔“

• سبیدگی سے سنو! ابھی خان آف کالاگوٹ نے مجھے فون کیا تھا۔
• اوہ! کیوں؟ ” رضوان فوراً سنبھل گیا۔

میں نے اسے وہ پوری گفتگو بتائی جو خان آف کالاگوٹ سے ہوئی تھی۔ رضوان وہ سب کچھ کہہ کر زوری طور پر کچھ نہیں بولا۔ قدرے توقع کے بعد اس نے کہا: ”گو یا مجھے پوری طرح چونک رہے ہیں۔ کی ضرورت ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ ماہ پارہ کے سلسلے میں تبادلے کا مال حاصل کرنا چاہے گا۔“

”نصرت تمہیں بلکے میں ابریز کر بھی ہوشیار کرنے کے واسے میں سوچ رہی ہوں۔“

”کیا خان آف کالاگوٹ ابریز کرنا اتنا اہم سمجھ سکتا ہے کہ آپ اس کے عوض ماہ پارہ کو آواز کریں؟“
”بعض وجوہ کی بنا پر خان یہ سمجھ سکتا ہے۔“

”بعض وجوہ؟ کیا آپ ابریز کی طرف کچھ ملاحظہ ہو گئی ہیں؟“
”دیے وہ لڑاکا ہے، خاصا چونا۔“
”کیا بگ رہے ہو؟“

”میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آواز کا دلچسپ ہی لگتا ہے۔“
”جو اس بندہ کو دینے میں یہ غرضہ ایک نئے دانے کی بنا پر کیا تھا۔ آج میں لگاؤ کے قمارخانے میں بھی گئی تھی اور وہاں ایک چھوٹے سے بنگلے میں ابریز بھی داخل انداز کر رہا تھا۔“

”اوہ! وہ کیا معاملہ ہے؟“ رضوان نے چونک کر پوچھا۔ ذرا تفصیل سے بتائیے۔“
”جو اب اس نے تفصیل سے سارا واقعہ بتا دیا۔ سب کچھ سننے کے بعد رضوان نے ایک طویل سانس لیا اور پھر کہا: ”ابریز کی طرف سے یہ کشمکش تو بے وقعت، ذاتی متن سبب ہے لیکن یہ بات بھی طے ہو گئی کہ یہ لڑاکا ابریز آپ کی خاطر ہی جان پر کھینچے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب آپ کا دلچسپ ہی جانا چاہیے۔“

”کیا مطلب؟“
”آپ بہت سے مردوں کے دل توڑ رہی ہیں۔ اب اس بے چارے پر تو زخم کرباں ڈالیے گا۔“

”میں نے یہ جو اس سننے کے لیے تمہیں فون میں کیا ہے؟“
”میں نے یہ۔“

”پھر کہنے کے لیے فون کیا ہے؟“
”واگ درباری؟“

”میں تمہیں میں چونک کر بنا جاتی ہوں۔“
”میں چونک کر ہوں! آپ فکر نہ کریں۔ اب یہ وہ تجربہ کار لڑاکا معصوم آپ کے مشتاق میں گرفتار۔“

”محببت کر رہا تھا۔“
”اب میں اس کو خون کر دوں گی۔“
”ایک اطلاع بھی سن لیجیے۔“
”کیسی اطلاع؟“

”رضیہ نے آپ کو فون کیا تھا لیکن جب آپ نہیں ملے۔“
”تھک گیا۔“
”تمہیں تو وہ رنگ کرتی رہ رہتی ہوگی۔“

”لیکن اس وقت صرف اس لیے رنگ کیا تھا کہ پستیادوں کو شام ایک فیملی خان دلا میں آیا۔“
”کالاگوٹ کا ہمارا ہے۔“
”خیر غلطی! میں بڑبڑاتی۔ رضیہ نے اسے اتنی اہمیت کی کہ اسے معصوم اس لیے کہ وہ ایک فیملی ہے۔“

”ہوں! دیکھا جائے گا۔ یہ تازہ کر کے رضیہ کی مخالفت سلسلے میں کیا گیا؟ تم نے کہا تھا کہ اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھا گے۔“

”ابھی تک میں کوئی قدم نہیں اٹھا سکا ہوں لیکن اندازہ کو ایک بات کی بنا پر ضرور کر رہی تھی۔“
”کس بات کی؟“

”یہ کہ وہ مجھے جھوٹے بعد فون کرتی رہے، اگر کبھی اس کا فون نہیں آیا تو میں سمجھ لوں گا کہ وہ کسی پکڑ میں پھنس گئی ہے۔ اس طرح میں ہر وقت حرکت میں آسکوں گا۔“

”تھیک ہے۔“
”کیا اس امکان نہیں کہ خان آف کالاگوٹ نے رضیہ کو پہچان لیا ہو اور وہ اسی پر ہاتھ ڈال کر ماہ پارہ کا سودا کرنا چاہے؟“

”میں اس امکان کو بے غور انداز میں نہیں کر سکتی لیکن امکان ضرور جانتی ہوں کہ رضیہ کوئی تر فوارا نہیں ہے جس پر ہاتھ ڈالنا خان کے لیے کوئی آسان بات نہیں ہوگی۔“

”تبرمل جبر اس کی طرف سے بے غور نہیں رہنا چاہیے۔“
”اس کی طرف سے باخبر رہنے کے لیے میں نے تمہارا فون تو لگا تو دی ہے۔ میں نے اس کو اس سلسلے میں متعلق کر دیا۔“

”اس کے بعد میں نے ابریز کو فون کیا۔ میری آواز میں کردہ اس میں

”کوش ہو گیا جیسے اسے دو جہاں کی دلت مل گئی ہو۔ وہ بولا: کیسے لگتا ہے؟“ اس کے بعد سے سترت بھی پڑ رہی تھی۔
”ابریز میں سبیدگی سے بولی: آج تم نے جو کچھ کیا، اچھا نہیں۔“

”بھگے سے لگ کر کوئی غلطی ہو گئی ہے تو میں معافی کا خواستگار ہوں۔“
”بچہ میری غلطی سے آگاہ ضرور کر دیجیے۔“
”تمہیں قمارخانے میں بے سترت میں لگانا چاہیے تھا۔“

”یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ لوگ آپ پر ٹوٹ پڑے اور میں کاشانی نہ تھا۔“
”میں ہر قسم کی صورت حال سے بچنے کے لیے تیار رہتی ہوں تو اس میں خیر کیا آغا ز میں نہیں کیا ہوتا۔ تیرا کچھ ہو گیا، اوہ ہو گیا۔“

”تم ذرا ہوشیار رہنا۔“
”کیا مطلب؟“
”وہ لوگ تم پر وار کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔“

”اوہ! دیکھا جائے گا۔“
”جوانی کے ہوش میں نہ آؤ! احتیاط بہر حال اچھی چیز ہوتی ہے۔“
”اب آپ ہی یہ کہہ رہی ہیں تو میں محتاط ہوں گا۔“

”ہاں۔ میں یہی چاہتی ہوں کہ تم دو ایک دن احتیاط نہا۔“
”میری خاطر آپ کی فکر مندی میرے لیے باعث شرت ہے۔“

”میں نے اس روم میں موٹر گنگو کو طویل دینا مناسب نہیں سمجھا اور سلسلہ متعلق کر دیا۔ آخر میں میں نے صرف شہر بیکر کا تھا۔“
”یہ حالات کے مختلف پولوں پر نوکر کرتے کرتے کسی وقت مجھے نیند آگئی اور جب تک میری نیند میں کسی غلطی نہیں پڑی تھی وہ سب سے فائدہ ہونے کے بعد میں نے ناشہ کیا اور سب کو اس کا روبرو دھار لیا۔ آج پچھن کا دن تھا اس لیے یہ باعث من ممکن تھی کہ ابریز

”کس وقت دھمک پڑی۔“
”دس بجے تھے جب میں نے رضیہ کا فون وصول کیا۔“
”باجی! رضیہ نے کہا: میرے پاس ایک سنسنی خیز اطلاع ہے

”آپ کے لیے۔“
”یہ فقرہ صفا پریشان کن تھا لیکن رضیہ کے لیے میں پر سکون تھا۔“
”اس کے باعث میں بھی پر سکون رہی اور میں نے کہا: وہ کیا اطلاع ہے؟“

”رضوان سے آپ کو خان آف کالاگوٹ کے غیر ملکی ہمان کے

”بائے میں تو اطلاع مل ہی گئی ہوگی۔“
”مہل اس نے مجھے بتا دیا تھا۔“
”اب آپ کے لیے سنسنی خیز اطلاع ہے یہ کہ رات کو ڈھائی بجے خان آف کالاگوٹ اسے اپنے ساتھ پہلی کوپڑ میں کہیں لے گیا تھا۔“

”پہلی کوپڑ میں؟ میں چوٹی۔“
”جی ہاں۔ غالباً آپ کو اس کا علم نہیں کہ خان آف کالاگوٹ کے پاس ایک پہلی کوپڑ بھی ہے۔“

”مجھے واقعی اس کا علم نہیں۔ تم نے ایک نئی اطلاع دی ہے۔“
”اس پہلی کوپڑ کو کھڑکھڑانے کے لیے خان ولا کے پائیں باغ میں ایک جگہ بتائی گئی ہے۔“

”کیا خان آف کالاگوٹ اس پہلی کوپڑ کو خود لڑا کر لے گیا تھا؟“
”جی نہیں۔ خان آف کالاگوٹ کا ایک گونا گوتا تھا ہے جسے خان نے شاید اپنے ہی مطلب کے لیے بڑا بازی کی تعلیم دلائی ہے۔ اس کا نام عارف ہے اور وہی اس پہلی کوپڑ کو لڑا کر لے جاتا ہے۔“

”ہوں! میں پر غور انداز میں بولی: پھر کل رات وہ پہلی کوپڑ واپس کب آیا تھا؟“
”پانچ بجے کے قریب۔“

”گوریا کوئی ڈھائی گھنٹے بعد۔“
”جی ہاں۔“
”وہ غیر ملکی خان آف کالاگوٹ کے ساتھ ہی واپس آیا تھا؟“

”جی ہاں۔“
”تمہیں اس کا نام نہیں معلوم؟“
”پورا نام تو نہیں معلوم۔ رضیہ نے کہا: خان آف کالاگوٹ

”اسے مسٹر باب کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔“
”مسٹر باب! میں نے زیر لب کہا۔“
”جی ہاں۔“

”وہ اب بھی خان ولا میں ہے؟“
”جی ہاں۔“
”تمہیں کچھ اندازہ ہو کہ خان ولا میں اس کی موجودگی کی کوئی

”دکھتی ہے اور خان اسے پہلی کوپڑ میں کہاں لے گیا تھا؟“
”میں ابھی ان دونوں ہی باتوں کے واسے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔“
”بتا گانے کی کوشش کرو۔“

1075

جواب میں رضیہ نے کچھ کہا تھا لیکن میں سن نہیں سکی کیونکہ اچانک بج اٹھے والی کابل نے مجھے جھوکا دیا تھا۔
”اچھا رضیہ! میں تمھاری طرف سے کسی دوسری اطلاع کا انتظار کروں گی! میں نے مددی سے کہا اور مسدود قطع کر کے دروازے کی طرف بڑھی کون پرکھتا ہے؟ میں سوچ رہی تھی۔ دروازے کے قریب پہنچ کر میں نے کال نیل کا ٹن دبانے والے سے پوچھا: کون ہے؟“

”میں زریں ہوں میڈم! باہر سے آواز آئی۔“

”اوہ! میں نے دروازہ کھول دیا۔“

”زریں مسکرائی ہوئی اندرائی اور میں نے دروازہ بند کر کے پوچھا: ”ناورہ کہاں ہے؟“

”میں لگے گھر بھی چھوڑ آئی ہوں۔ آپ کی خواہش تو یہی تھی کہ میں تمنا آؤں!“ وہ معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

”ہوں! گاؤ! میں بھی مسکرائی اور اس کے گتے میں ہاتھیں ڈال کر اس کے عارض پر اپنے منہ پر کا اظہار کر بیٹھی۔ پھر اسے خواب گاہ میں لے گئی اور بس پرتختائی ہوئی ہنس کر لوٹی۔ اب تم کوگی کہیں نہیں دہی مخصوص اور بیچ اسکو واش پلاؤں!“

”یہ فرمائش تو میں ہمیشہ کیا کروں گی!“

”تو بیٹھو! میں ابھی لاتی ہوں تاکہ!“

”میں بھی آپ کا ایک کام کر کے لاتی ہوں!“

”کون سا کام؟“

”آپ نے کہا تھا نا کہ آپ کو ٹیڈی کے ہاتھ کا عکس چاہیے!“

”میں تو ٹوگرافٹ لے کر آئی ہوں!“

”وہ کیسے؟ میں نے تو تک کر پوچھا۔“

”میں نے کل رات خود ان کے ہاتھوں کے فوٹو لیے تھے اپنے کمرے سے!“

”یہ کیسے ممکن ہوا؟“ میں اور بیچ اسکو واش بھول کر زریں کے قریب بیٹھ گئی۔

”بہت آسانی سے!“ زریں مسکرائی۔ ”دراصل رات کو ٹیڈی

سونے سے پہلے دودھ کا ایک گلاس ضرور پیتے ہیں۔ برسوں پہلے

جب میں چھوٹی تھی تو میں نے زندگی کی ٹیڈی کو دودھ کا

گلاس خود بیچنا یاد کر لیا۔ اس وقت میری یہ چند پوری کر دی گئی اور

پھر میری یہ فوٹو لی کہ کمرہ میں بیچنے سے آج تک دودھ کا گلاس

میں ہی ان کے کمرے میں پہنچائی ہوں۔ جو میں گھنٹوں میں ہی وہ

وقت ہوتا ہے جب ٹیڈی میرے ساتھ بہت شفقت سے پیش

آتے ہیں چنانچہ کل رات میں نے ان کی اسی شفقت

”وہ کس طرح؟“

”جب میں دودھ لے کر ان کے کمرے میں گئی تو وہ

اپنا کمرہ بھی کھلا رکھا تھا۔ جب انھوں نے اس کے

میں نے کہا میری چاہ رہا ہے کہ آج آپ کی کچھ ضرور

میری یہ بات سن کر وہ ہنس دینے اور تصویریں کھینچنے لگا،

میں نے ان کی کئی تصویریں بنائیں اور پھر اس کو ہنسوا

کر میں ان کے ہاتھ کی بھی کچھ تصویریں بناؤں گی۔ انھوں

سے پوچھا: وہ کیسے؟ میں نے کہا کہ آپ کے ہاتھ

میں۔ یہ جواب سن کر وہ ہنسنے لگے اور پھر میرے گال پر

لگا کر بولنے لگیوں میں کتنی کمرے آتھا، اے، تو تو گرافٹ

دوست کو دکھانے کی! ان کی اس بات پر میں جینٹل مگر

نے میرے دل کا پور کر دیا تھا۔ بہر حال انھوں نے اپنے

کے فوٹو گرافٹ بنانے پر بھی کوئی اعتراض نہیں کیا تھا چنانچہ

وقت وہ فوٹو گرافٹ لے کر آئی ہوں!“

”آہی جلدی تو لوپ کیسے ہو گئے؟“ میں نے تعجب

”میں نے خود تو لوپ کیسے نہیں گھر میں میری ذاتی ڈاکٹر

مجھے فوٹو گرافی کا شوق، جنون کی حد تک ہے میڈم!“

زریں نے اپنا پرس کھولا اور اس میں سے ایک افادہ

کر میری طرف بڑھا دیا میں نے لفافے کے سائڈ ٹیبل پر

اور کھڑی ہوئی ہوئی بولی میں تمھارے لیے اور بیچ اسکو واش

”بالکل بنالایہ میں نے خواہ خواہ دیر کر دادی“

میں ہنستی ہوئی کچن کی طرف چلی گئی۔

کچھ دیر بعد جب تم فوٹو گرافی کے گلاس بی رہے

زریں بولی رات کو جب میں نے فوٹو لوپ کیسے تو ناورہ

میرے ساتھ ڈاکٹر دم میں تھی رات کو ہم دونوں نے بہت

خواب گاہ کا مٹا کر دیا تھا۔“

اب یہ بات میری سمجھ میں آئی کہ رضیہ نے حنائی

کیسے دیکھ لیا تھا جب کہ آہی رات گئے اسے خواب تو گوش

ہونا چاہیے۔

”ناورہ یہ فوٹو کچھ عجیب ہے! زریں نے بتایا میں نے اس

اس کی رائے پوچھی تھی لیکن وہ کہنے لگی کہ اس سلسلے میں

ہی سے بات کرنا“

”ہوں! میں نے سائڈ ٹیبل سے لفافہ اٹھا کر اس میں

فوٹو گرافٹ نکال لیے۔ بلاشبہ وہ بڑے صاف فوٹو گرافٹ تھے جن

زریں کی مہارت کا پتا چلتا تھا۔ ہاتھوں کی لکیریں بالکل صاف نظر

آ رہی تھیں۔ ان کیسوں نے مجھے بتایا کہ وہ ایک شاعر اور شیطان

آؤدی کی کہانی بیان کر رہی ہیں۔ میں خاموشی سے دیر تک ان کی

رہی۔

آخر زریں نے مضبوط ہو سکا اور وہ بولی ”اب تم بھی چلیں!“

”آں!“ میں خیالات سے چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

”بتائیے،“ وہ بولی ”کیا یہ ہاتھ کسی ایسے آدمی کے ہو سکتے ہیں جو

کبھی میرے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکے؟“

”مجھے انھوں سے کہیں تمھارے اس سوال کا جواب ثابت

دول گی!“

”کیا!“ زریں اچھل پڑی۔ اس وقت اس کا گلاس سائڈ ٹیبل پر

رکھا ہوا نہ ہوا تو یقیناً اس کے ہاتھ سے گر جاتا۔

”ہاں زریں!“ میں نے ٹھٹھا سا ناس کے کر کہا۔ یہی وہ شخص

ہے جو تمھارے مستقبل پر اثر انداز ہو گا۔“

”خو کیسے؟“ زریں نے جینٹل ہو گئی۔

”ایسے کس۔۔۔ میں بولتے بولتے دانستہ پت پت ہو گئی۔

”ہاں ہاں کیسے!“ زریں کی بے تابی پر بھی۔

”شاید تمھیں میری باتوں پر یقین نہ آئے!“

”میں تو آپ کی اس بات پر بھی یقین کر چکی ہوں جو ابھی آپ

نے کہی ہے۔ زریں نے بھڑائی ہوئی آواز میں کہا۔

”اگر تمھیں میری اس بات پر یقین آ گیا ہے تو پھر اس بات

پر بھی یقین کر لو کہ تمھارے والد اچھے کارکن آدمی نہیں ہیں!“

زریں اس طرح میرا منہ کھینچنے لگی جیسے میری بات اس کی سمجھ

میں نہ آسکی ہو۔

میں زور سے کر لوٹی تو وہ کئی اعتبار سے ایک بڑے آدمی

میں“

”مکس اعتبار سے میڈم؟“ زریں نے غموں آواز میں پوچھا میں

تو اپنے ڈیڑی کو بہت اچھا آدمی سمجھتی ہوں!“

”انھیں بھی اچھا آدمی سمجھتے ہیں لیکن حقیقت اس کے برعکس

ہے۔ ایک دن آئے گا جب ان کی وہ سب برائیاں لوگوں کے سامنے

آجائیں گی اور تم اس میں شرم محسوس کر دگی کہ تم خان آگ کا گوشت

کی بیٹی ہو!“

”کاش میں وہ دن آنے سے پہلے ہی مر جاؤں!“

”میں!“ میں نے اسے اپنی انگوٹھ میں سیٹھتے ہوئے کہا۔ تم

زندہ رہو گی۔ میں نے ان کیسوں میں ایک کیسے لکھی تھی وہی ہے کہ

میں زیادہ متفکر نہیں ہوں!“

”کون سی کیس؟“

”ایک کیس ہے جو یہ بتاتی ہے کہ اگر کوئی شخص کی جانے تو آنے

والے بڑے وقت سے بچا جاسکتا ہے لیکن اس سلسلے میں تمھیں بہت

کچھ کرنا ہو گا۔“

”میں اس کے لیے اپنی جان پر بھی کھینے کو تیار ہوں۔“

”جان پر کھینے کی ضرورت نہیں پیش آئے گی جان! میں نے

اسے بیان کرتے ہوئے کہا۔

”آخر کچھ بتائیے تو کسی کر بھیجے کیا کرنا ہو گا؟“

”دراصل سب سے پہلے تو یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ تمھارے

والد کس قسم کی برائیوں میں ملوث ہیں!“

”کیسوں سے اس کا پتا نہیں چلتا؟“

”میں سن نہیں نے جواب دیا۔ کیسوں کی زبان بہت مبہم ہوتی

ہے۔ ان کیسوں میں زندگی کا ہر واقعہ درج نہیں ہوتا۔“

”زیادہ پریشان نہ ہو۔ وہ سب کچھ تم بہت آسانی سے کر لو گی

جو میں تمھیں بتاؤں گی بس اک ذرا سکون سے غور کرو اور اس وقت گزارو!“

سکون سے میری جو مڑ بھٹی، وہ زریں نے بھی سمجھ لی اور پھر

ہم نے ایک گھنٹہ بڑے سکون سے گزار دیا۔

میرا خیال تھا کہ زریں کا پوری طرح میری گرفت میں سے اور

میں اسے بڑی آسانی سے خان آگ کا گوشت کے خلاف استعمال

کر سوں گی۔

”تم سب سے پہلے تو ایسا کرو۔“ میں نے زریں سے کہا۔ ”گھر

جا کر ناورہ کو میرے پاس بیٹھ دو۔ میں ناورہ کو بھادوں کی کر ان

حالات میں کیا کچھ کیا جا سکتا ہے۔ پھر وہ جیسے تمھیں پر عمل

کرتی رہو۔ میں پوری کوشش کروں گی کہ تمھارے والد کو ان غلطیوں

سے نکال لوں جو تمھارے مستقبل پر اثر انداز ہو سکتی ہیں!“

”ماکش ان غلطیوں کا علم ہو سکتا ہے کہ میں میرے والد چھنے

ہوئے ہیں۔ زریں نے بھڑائی ہوئی آواز میں کہا۔

”خبر دکر وہ سب معلوم ہو جائے گا۔“ میں نے اس کا شہنشاہ

کراسے تسلی دی۔ میں اس معاملے کو ادھر ادھر میں چھوڑ سکتی۔ میرے

غھرے میں جو عزم پوشیدہ تھا اسے زریں نہیں سمجھ سکتی تھی۔

”میڈم! میں نے جیسے جیسے میں کیا یہ آپ کی بات ہے کہ

میں نے اس پر یقین کر لیا۔ اگر آپ کی جگہ اور کوئی یہ بات کہتا تو میں

اس سے جھگڑا بیٹھتی۔

مگر ان باتوں کی جھلک بھی تھا اسے والد کے کانوں میں نہیں پڑنا چاہیے۔ ابھی تھا اسے دیتے سے بھی کسی قسم کا شبہ ہو گیا تو بات بگڑ جائے گی۔

”آپ اطمینان رکھیں، مجھ سے یہ بے وقوفی سرزد نہیں ہوگی۔“
”میرے خیال سے کاب تمہیں جانا چاہیے۔ خاصی دیر ہو گئی ہے۔“
”زیریں جانے کے لیے کھڑی ہو گئی ہیں اسے چھوڑنے کے لیے دروازے تک گئی اس نے کہا۔“ تو میں نے ناؤ کو بھیج دوں؟“

”ہاں۔“

اسے رخصت کرنے کے بعد میں موٹے پرمیٹی موٹر پر دی کرا بھی ایک تو صورت حال اس طرح میرے قابو میں ہے جس طرح میں چاہتی تھی۔ ”زیریں کو میں نے اپنی مٹھی میں لے لیا تھا اور اب رضیہ کے ذیلیے اس سے بہت کچھ کام لے سکتی تھی۔

کچھ دیر بعد رضیہ نے فون پر مجھ سے رابطہ قائم کیا اور پوچھا ”زیریں بتا رہی تھی کہ آپ نے مجھے گم لایا ہے۔“

”ہاں کیا تم خان و لاسے بول رہی ہو؟“

”جی نہیں۔ وہاں سے تو چل پڑی ہوں۔ راستے میں خیال آیا کہ آپ سے فون پر رابطہ قائم کر لوں۔“ زیریں نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ آپ نے مجھ سے کس وقت گم لایا ہے؟

”چلو اچھا ہوا کہ تم نے فون کر لیا۔ اب تم گھر پہنچو میں وہیں آ رہی ہوں۔“

”ڈیفنس؟“

”ہاں۔“

”اوہ کے باقی۔“

میں نے سلسلہ منقطع کیا اور فلیٹ سے نکل آئی میں نے رضیہ سے گفتگو کرنے کے لیے اپنے گھر کا انتخاب اس لیے کیا تھا کہ وہاں گفتگو میں رضوان بھی شریک ہو جائے۔ لیکن اوقات وہ بھونک میں بڑے پتے کی بات کر رہا تھا۔

فلیٹ سے نکل کر مجھے خیال آیا تو میں دوبارہ فلیٹ میں داخل ہوئی۔ اب زیریں سے ملاقات کا امکان نہیں رہا تھا اس لیے میں نے ریشا کو گن والا ہو پتہ ختم کیا اور اس کے بعد پھر فلیٹ سے نکل آئی۔ میں نے ایک میٹھی کی اور ڈیفنس کی طرف روانہ ہو گئی۔

جب میں گھر پہنچی تو رضیہ وہاں موجود تھی۔ ایک ٹکس دی گئی

کو میں نے پورے میں کھڑا دیکھا اور سمجھ گئی کہ وہ کس کس وقتیں نے رضیہ کے لیے وقت کر دی ہے۔

رضوان اور رضیہ دو رنگ دم میں ہی موجود تھے۔
”سننے خاتون! رضوان مجھے دیکھنے پر خراپا کیا۔ آپ کس کا بندوبست کر لیں۔ میں اب زیادہ دن تک یہاں قید نہیں آؤں گے۔“

”اگلی گئے؟“ میں مسکرائی ملاحظہ کیا ماہ بارہ بھی ہو،
”اور میری زندگی کے لیے عذاب بن کر رہ گئی ہے۔“

”کیوں؟“

”وہ کہتی ہے کہ میں ہر وقت اس کے ساتھ نہ خانہ نہ رہا کروں۔“

”تو رہا کرو۔ میں نے منع تو نہیں کیا۔“ میں مسکرا کر بولی۔ وہ بھی تم خوب صورت لوگوں کی میسٹ میں رہنا پسند کرتے ہو۔

”ہوں۔“ رضوان غریبا تو آپ مجھ سے انتقام لے رہی ہیں۔“
”میں انتقام نہیں لے رہی ہوں۔ تمہاری بھلائی چاہتی ہوں۔

آؤ کب تک لٹو دے پھرتے رہو گے۔ میں چاہتی ہوں کہ ماہ بارہ سے تمہاری شادی ہو جائے اور پھر تم ہنس خوشی رہنے لگو۔“

”ہنس خوشی؟“ رضوان نے بڑبڑا کر پوچھا۔ ”یہ اور مجھے گھونٹے گا۔ اب مجھے ہنسنی آگئی اور پھر میں نے مزید وقت ضائع کرنا نہ چاہا۔“

”بھیک کر رضیہ سے کہا۔“ میں نے رضیہ سے پوچھا کہ ”یہ کیا ہے کہ تم کو ایک ہم رول ادا کرنا ہے۔“ زیریں اب پوری طرح میری گرفت میں ہے اور اب ہم اس سے بہت کام لے سکتے ہیں۔“

”اس نے مجھے ان باتوں کے بارے میں بتایا تھا تو آپ اس سے کہہ چکی ہیں۔ رضیہ نے سر ہلا کر کہا۔ وہ بہت افسردہ تھی۔“

”تو تب سے پہلے تھیں اسی پر زور دینا ہو گا کہ اس کی افسردگی ختم کر دو۔ اپنی افسردگی کی وجہ سے وہ خان آت کا لاگوٹ کی توجہ کا مرکز بن سکتی ہے۔“

”میں اسے سنبھال لوں گی۔“

”اور اس کے بعد تمہیں خود ہی یہ دیکھنا ہو گا کہ اسے خان آت کا لاگوٹ کے خلاف کس طرح استعمال کیا جا سکتا ہے۔“

”میں آپ کو بتاؤں کہ میں اس کام کا آغاز کر چکی ہوں۔“
”وہ کیسے؟“

”مگر رات اس نے میرے سامنے ہی وہ نوٹ ڈال دیے تھے۔ اسی لیے تو میں نے اتنی رات گئے اس پہلی کو پٹر کو دیکھ لیا تھا۔ میں نے کل رات ہی جب زیریں سے اس کے بارے میں پوچھا تو اس نے

بتایا کہ اس کے والد بھی کبھی رات کو چاچا تک اپنے ٹیکسٹائل مل کے معاملے کے لیے جاتے ہیں تو کار کی بجائے اپنی کوئٹہ کسٹھال کرتے ہیں۔ اس کے لیے انھوں نے حکومت سے خصوصی اجازت نامہ حاصل کر رکھا ہے۔“

”ہوں۔“

”ان باتوں کو بھندوں کے سامنے تو میں اپنی خواب گاہ میں چلی گئی تھی لیکن کوئی ایک گھنٹہ بعد یامیں باغ کے اس حصے میں پہنچ گئی تھی جہاں سے میں نے پہلی کو پٹر کو آؤٹ دیکھا تھا۔ پھر میں وہیں ایک کچ میں پہنچی رہی تھی۔ دراصل میں دیکھنا چاہتی تھی کہ پہلی کو پٹر کب واپس آتا ہے۔ جیسا میں نے آپ کو بتایا کہ پہلی کو پٹر پانچ بجے آؤنا تھا اور میں نے اس میں سے صرف تین شخصیتیں اترتے دیکھی تھیں۔

خان آت کا لاگوٹ، وہ فیضی مہر اب اور خان کا گونا گونا جیتا عارف۔“
”ہوں۔“ میں نے سر ہلایا۔ ”تمہیں یقین ہے کہ خان کو وہاں پر تمہاری موجودگی کا شبہ بھی نہیں ہوا تھا؟“

”اس کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔“

”چھٹا آؤ آج سے تم نے کیا کام شروع کیا ہے؟“
”میں نے زیریں سے اسی پہلی کو پٹر کا ذکر چھپڑ دیا تھا اور آؤٹ اس کے چہرے کے تاثرات کل رات کے تاثرات سے مختلف تھے۔“

”تم نے کیا کہا تھا اس سے؟“

”میں نے کہا کہ خان آت کا لاگوٹ اس پہلی کو پٹر میں اپنی ٹیکسٹائل مل کے معاملے کے لیے جاتا ہے یا اس کی منزل کوئی اور۔“

”اسلام بگڑ رہی ہے؟“

”پھر اس نے کیا جواب دیا؟“

”میں نے کہا کہ کل رات کی بہ نسبت آؤٹ کا لاگوٹ کا کٹھار تھی۔ اس نے یہ جواب دیا تھا کہ صورت حال یہ جو اب تک نئی روشنی پڑی ہے، اس کے باعث اب وہ اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔“

”میں نے اس سوالیہ انداز سے رضیہ کی طرف دیکھتی رہی۔ میں چاہتی تھی کہ اگر کوئی اور بات ہو تو رضیہ وہ بھی بتا دے۔“

رضیہ نے کہا کہ میں نے زیریں پر زور دیا ہے کہ اس پہلی کو پٹر کی اصل منزل کا پتا چلنا ضروری ہے۔ ”زیریں اس سلسلے میں عارف سے کام لے سکتی ہے۔“

”وہ کس طرح؟“

”عارف کا لاکھ گونا گوار بہر کسی لیکن آنکھوں کی زبان سے اس نے زیریں کو اکثر یہ بتایا ہے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے۔“
”اوہ! یہ نکتہ تو واقعی بہت کام کا ہے۔“

”محبت کے نیچے واقعی بہت کام کے ہوتے ہیں۔“ رضوان بول پڑا۔ ”لیکن آپ نے کبھی اس پہلو پر سوچنا زیادے سے غور نہیں کیا؟“

”سوچنا زیادے سے کیا مطلب؟“ میں اسے گھورتی گئی۔
”میں کبھی رضیہ کی عدم موجودگی میں اس مسئلے پر گفتگوں کا نہیں موندنا چکر رضیہ کی طرف متوجہ ہو گئی اور بولی۔ ”عارف کے اس جذبے کا زیریں پر کیا رد عمل ہوا؟“

”وہ اب تک تو عارف کو نظر انداز کرتی رہی ہے۔“
”لیکن اب اسے عارف پر توجہ دینا پڑے گی۔“

”ظاہر ہے کہ اس پہلی کو پٹر کی اصل منزل یہیں عارف ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔“

”اس غیر یقینی باب کو اس پہلی کو پٹر میں کہاں لے جایا جا سکتا ہے۔“

”مجھے ایک شبہ ہے۔“ رضوان بول پڑا۔
”کیا؟“ میں اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”شاید خان آت کا لاگوٹ اسے وہاں لے گیا ہو جہاں اس نے پروفیسر مناس کو رکھا ہو گا۔“

”اس کا مطلب تو یہی ہو گا کہ وہ کسی غیر ملکی طاقت سے پروفیسر مناس کے تجربے کا سودا کرنا چاہتا ہے۔“

”اس نیچے پر آپ پہلے بھی سوچ چکی ہیں۔“
”ہوں۔“ میں نے سر ہلایا۔ ”اور میں یہ سودا مکمل ہونے سے پہلے پروفیسر مناس تک پہنچنا چاہیے۔“

”اور خان آت کا لاگوٹ ماہ بارہ تک پہنچنے کی خواہش میں پیش قدمی کرے گا۔“

”ہاں اس نے کہا تو یہی تھا۔“ رضوان نے کہا۔
”کیا مطلب؟“

”یہ بات اچھی ابھی میرے ذہن میں آئی ہے کہ ماہ بارہ تک پہنچ کر اسے کوئی نامہ نہیں ہو سکتا۔“

”کیوں؟“ رضیہ اسے گھورتی گئی۔ ”اؤ اس نے ماہ بارہ کو قتل کر دیا؟“

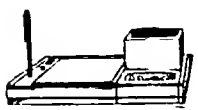
”اس کو شش کوئی کی تھی؟“
”اس کو شش کا مقصد تو یہ ہو گا کہ تمہیں باپ سے پروفیسر مناس کے تجربے کا علم نہ ہو سکے۔“

رمضان کی بات کچھ کچھ میری سمجھ میں آرہی تھی۔ میں نے پکلیں
 جھپکا کر اس کی طرف دیکھا اور بولی: "تو اب اس نے مجھے دھکی کیوں
 دی تھی کروہ جلد ہی ماہ پارہ کا سودا کرنے کی پوزیشن میں آجائے گا؟
 " اس کا ایک مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ آپ ماہ پارہ کی مخالفت
 کے پکڑ میں پڑی رہ جائیں اور دوسری طرف وہ پروفیسر شمس کے
 تجربے کا سودا کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ وہ چاہتا ہے کہ آپ دو
 ایک دن اس کی طرف پوری طرح متوجہ نہ ہو سکیں۔
 " ہوں میں مسکرائی: "بعض اوقات تم خامی جھلمندی کی باتیں
 کرنے لگتے ہو۔ میں تمھارے اس خیال سے پوری طرح متفق ہوں کہ
 اب اسے ماہ پارہ کے حصول سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اسے اندازہ
 ہوگا کہ عورت وہ چھپا چاہتا تھا وہ اب ہمارے علم میں آچکی ہوگی۔
 اس کے بعد اس کے لیے ماہ پارہ کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔
 " تو اب مجھے کیا کرنا ہوگا باجی؟ " رضیہ نے پوچھا۔
 " تمھارا ایک کام تو وہی ہے کہ خان آف کالا گوٹ پر نظر رکھو
 اور دوسرا کام تم خود ہی کر سکتی ہو۔ زین اور عارف کے ذریعے یہ
 معلوم ہونا ضروری ہے کہ خان آف کالا گوٹ اس پہلی کوپش کمال
 آتا جاتا ہے۔
 " کچھ اور تو نہیں کہنا ہے آپ کو مجھ سے؟
 " نہیں، کیوں؟
 " زین نے کہا تھا کہ میں کھانے کے وقت تک ٹوٹاؤں؟
 " ٹھیک سے تم جاؤ؟
 " رضیہ کھڑی ہو گئی۔
 اس کی برقی کے بعد میں نے ملازم سے کہا کہ میرے
 اور رمضان کے لیے کھانا لگایا جائے۔
 " ماہ پارہ کو بھی بتا دیجیے کھانے کی نین پر رمضان شرارت
 سے مسکرایا۔
 " اگر تم اس کے بغیر اواس ہو تو میں جلی جاتی ہوں۔ تم اسے
 بلال کو کھانے کی نین پر۔
 " میں تو اس لیے کہہ رہا تھا کہ وہ آپ کو بہت پسند کرتی ہے۔
 کئی مرتبہ آپ کو پوچھ چکی ہے؟
 " اس کے بھائی کا کیا ہوا؟
 " وہ آج ہی نواب شاہ سے ٹوٹا ہے۔ فون پراس سے میری
 گفتگو ہو چکی ہے۔ وہ ماہ پارہ کے مسئلے میں بھی پریشان ہو گئی تھا

لیکن میں نے اسے مطمئن کر دیا۔ آج میرے پروردگار ماہ پارہ
 آئے گا۔
 کچھ دیر بعد میں اور رمضان کھانے کی نین پر پہنچ گئے۔
 اس دوران میں ذکر پروفیسر شمس ہی کا رہا۔
 " میری سمجھ میں نہیں آتا۔ " رمضان بولا کہ خان آف کالا
 پروفیسر کی اس ایجاد کے کوئی تسنی دولت حاصل کر سکتا ہے۔
 " تمھاری یہ بات وضاحت طلب ہے۔
 " خان آف کالا گوٹ کے پاس دولت کی کمی نہیں اور مال
 ایجاد کے عوض اسے اربوں روپہا تو نہیں مل سکتا! "
 " تم بالکل ٹھیک سوچ رہے ہو؟
 " تو پھر ثابت ہو کہ بات پیسے کی نہیں بلکہ نظر و اسط
 کی ہے۔
 میں نے اس وقت جلدی جلدی پکلیں جھپکا کر شایاں
 وہی بات کہنے والا تھا جو میں سوچ رہی تھی۔
 " میرا مطلب ہے کہ رمضان پھر بولا کہ خان آف کالا گوٹ کس
 خاص نظریے کا حامی ہے۔ دوسری نظریے کے لیے کام کر رہا ہے۔
 اب رہ گیا یہ سوال کہ وہ کون سا نظریہ ہے تو میرے خیال کے مطابق
 دنیا میں صرف دو ہی نظریے اسٹیشن ہو سکتے ہیں۔
 " اسٹیشن، " میں مسکرائی۔
 " ہاں رمضان نے سنجیدگی سے کہا۔ میرا خیال ہے کہ کیا اس
 بات کی وضاحت کے لیے اس سے بہتر نظریہ استعمال نہیں کر سکتا
 تھا۔ اس وقت دنیا میں صرف دو ہی نظریات کام کر رہے ہیں
 سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت۔ لہذا خان آف کالا گوٹ بالآخر
 بلاک کا ایجنٹ بنے ہوئے ہوگا۔ اب میں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ
 کس بلاک کے لیے کام کر رہا ہے۔ بلاک کی شخصیت سے پتا چلا
 سکتا ہے کہ وہ کس حکم کا باشندہ ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ
 جس ملک کا باشندہ ہو اسی کے لیے کام کر رہا ہو۔ عقار ملک
 جاتے ہیں کسی بھی امریکی بلاک کا باشندہ روس کے لیے اور کسی
 روسی بلاک کا باشندہ امریکہ کے لیے کام کر سکتا ہے۔
 " ہوں میں مسکرائی: " میں نے کہا کہ جب تم سنجیدگی
 باتیں کرتے ہو تو بھی خامی و غلطی کی باتیں کر لیتے ہو؟
 رمضان نے میری جوت پتھر کوئی چوٹ نہیں کی، اس کا
 مرتبہ مجھے دیکھا اور بولا کہ آج کل یہ دونوں ہی بلاک ہمارے

ملک پر اپنا تسلط جانے کی فکر میں ہیں۔ خصوصاً روسی بلاک اس
 مسئلے میں خاصا متلاشا ہوا ہے کہ جو کسی ملک اسے یہاں، امریکی
 بلاک سے زیادہ کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔ پس معاہدہ واشنگٹن
 کے بعد اس کا ذریعہ کچھ بڑھ چکا ہے اور ہمارے لوگوں میں امریکہ کے خلاف
 کچھ جذبات پیدا ہو گئے ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ روس کی
 کوئی بہت بڑی کامیابی نہیں۔
 " کیا تم یہ کوئی چاہتے ہو کہ خان آف کالا گوٹ روسی ایجنٹ
 ہے؟
 " نہیں نہیں کسی ثبوت کے بغیر یہ بات کیسے کہہ سکتا ہوں۔
 میں تو صرف محلات کا تجربہ کر رہا تھا۔
 " محلات کا تجربہ کرنا ہمارے کابینہ کا کام ہے۔ میں صرف اپنے
 کام سے کام رکھنا چاہیے۔
 " میاں کوئی سہی، آئی ڈی والا نہیں بیٹھا ہوا ہے جو آپ اس
 کو موز پر بات کر کے پورے ڈرہی ہیں۔ " رمضان نے مزہ بنایا۔
 میں ہنس کر رضیہ کی اٹھ گئی۔ ہم کھانا کھاتے تھے۔
 " چائے ڈرائنگ روم میں نہیں گئے؟ " میں نے کہا۔
 ہم ڈرائنگ روم میں جا بیٹھے اور ملازم نے چائے داں پینا
 دی۔ چائے پینے کے دوران میں رمضان نے پوچھا: " اب آپ کا کیا
 پروگرام ہے؟
 " جس اب چائے کی کرباؤں گی؟
 " کہاں؟
 " وہاںس فیلڈ " میں نے جواب دیا۔ مجھے امریکہ کے لیے کال
 ٹک کرنا ہے۔ سنجیدگی سے اب تک مجھے کوئی فون نہیں کیا۔ نہ
 جانے کیا بات ہے۔
 " ہائے، " رمضان نے ایک دلی دوز آہ بھری دیکسی بے قراری
 ہے۔ اب ذرا تفصیل کیجیے کہ مجھے رضیہ سے جھگڑا کے آپ نے مجھ پر
 کتنا ظلم کر رکھا ہے؟
 " تم دونوں تو بیٹھو بیٹھو باتیں کرتے ہی رہتے ہو۔ میں یہ کہتے
 کہتے ایک دم پورے ہو گیا۔ " رضیہ نے پوچھا۔
 اب رمضان نے بھی تانک سکڑی: " ہاں ہے تو زیادہ بولا۔
 ٹو بڑی تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ اسی وقت باہر سے کسی ملازمہ
 کے چینی کی آواز سنائی دی۔ میں نے ایک جھپکے سے پیلا دکھ دیا
 اٹھ کر دروازے کی طرف نکلی۔ میرے پیچھے رمضان بھی تھا۔ اس پر کیا
 گزری؟ مجھے تین منٹ معلوم لیکن میرے قدم ڈنگ سے گئے تھے۔ اس

بوتے میرے ذہن پر کچھ عجیب سا اثر ترسم کیا تھا۔
 جیسے ہی میں برآمدے میں نکلی میں نے اپنی ایک ملازمہ کو
 دباں ڈھیر کی صورت میں پڑا دیکھا۔ دواؤں میں نظر آئے تجھوں نے
 اپنے چروں پر گیس ماسک بڑھا رکھے تھے اور ان کے ہاتھوں میں
 اسپرے گن تھیں۔ ان گنوں سے کسی مائے شے کی بہت تیز پھار ہو
 ہو رہی تھی اور غالباً اسی کی بوتے ساری فضا کو سموم کر رہا تھا۔
 میں نے چاکر اپنا راولا پورس سے نکال لیکن میرے ہاتھ
 لاپٹ کر گئے۔ میری پینڈیوں میں جیسے جان ہی نہیں رہ گئی تھی۔
 میں نے کسی چیز کا سہارا لینا چاہا مگر کام رہی اور گر پڑی۔ میرا
 خیال ہے کہ میں نے رمضان کے گرنے کی آواز بھی سنی تھی اور پھر
 ہونے سے قبل میرے ذہن میں آخری خیال یہ آیا تھا کہ پروفیسر شمس
 کی ایجاد کا پورا تجربہ ہم ہی لوگوں پر تو نہیں کیا گیا؟



جب میری آنکھ کھلی تو میں نے خود کو اور رمضان کو ایک
 کشادہ کمرے کے دو مختلف بستروں پر پایا۔ چند لمحوں تک
 میں بستر پر رہی کیوں کہ میرے ذہن میں بے ہوشی
 سے قبل کے واقعات جگرانے لگے تھے۔ پھر جب مجھے سب کچھ
 یاد آ گیا تو میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی اور بہ نظر غائر اس
 کمرے کا جائزہ لینے لگی۔
 دوسرے بستر پر پڑے ہوئے رمضان کی حالت سے
 اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ابھی تک بے ہوش ہے۔
 میں بستر سے اٹھ کر دروازے تک گئی اور تو قلع کے مطابق
 اسے کھولنے میں ناکام رہی۔ وہ باہر سے بند تھا۔ گویا اب
 ہم دشمن کی قید میں تھے اور دشمن ظاہر ہے کہ خان آف کالا گوٹ
 کے ہوا کون ہو سکتا تھا؟
 اب میں رمضان کے بستر کے قریب گئی اور اسے ہلایا۔
 اس کے سانس اعتدال سے چل رہے تھے اور میرا اندازہ تھا کہ
 اسے ہوش آئے ہیں اب زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ میں اس کی
 طرف سے مطمئن ہونے کے بعد پھر اسی بستر پر جا بیٹھی جس
 پر میری آنکھ کھلی تھی۔

اس میں تو کوئی شے نہ کیا ہی نہیں جاسکتا تھا کہ میں اور رضوان خان آت کالوٹ کی قید میں تھے۔ اب بیکھنا صرف یہ تھا کہ ہم کہاں قید ہیں اور ہمیں اس طرح انکار کرنے کا مقصد کیا ہے؟ کیا خان آت کالوٹ اسی طرح ماہ پارہ کا سودا کرتا چاہتا ہے؟

ماہ پارہ؟ یہ لڑکی اب ایک اہم سوال بن گئی تھی۔ میں نے اور رضوان نے تو یہ سوچا تھا کہ اب خان آت کالوٹ کے لیے ماہ پارہ کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی۔ اگر میں اپنے اس خیال کو اب بھی درست جانے دیتی تو پھر یہ سول پیدا ہوتا کہ

میں انکار کرنے کا دوسرا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟ میں ان سوالوں سے تو بالکل ہی بے یقینی رہی لیکن پریشانی یا خوف کا کوئی احساس میرے ذہن میں دور دور تک نہیں تھا۔ اس اعتبار سے شاید میں ایک ایسا نادرل عورت ہوں کہ بعض اوقات خطرناک ترین صورت حال میں مجھے پریشان نہیں کر پاتی۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا رہتا ہے جیسے ان حالات سے بے یقینی میرے لیے ناممکن نہیں اس وقت میں بھی کچھ ایسا ہی محسوس کر رہی تھی بلکہ شاید میں کچھ مطمئن بھی تھی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے خان آت کالوٹ نے میری مشکلات کو کچھ اور آسان کر دیا ہے۔ مجھے یہ احساس کیوں تھا نہیں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ غالباً اس سے میری چھٹی حس کی کرشمہ سازی کا جاسکتا ہے۔

رضوان کی بڑبڑاہٹ سن کر اور اسے کوڑ بدلتے دیکھ کر میں اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ غالباً اب رضوان کو ہوش آ رہا تھا۔ میرا یہ اندازہ درست ثابت ہوا۔ اس نے آنکھیں کھول دی تھیں اور اب بلیکس چپکا چپکا کھجوت کی طرف دیکھ رہا تھا شاید اس کے ذہن میں بھی بے ہوشی سے قبل کہ وہ ساری باتیں چکراری ہوں گی جو میرے ذہن میں بھی چکر رہی تھیں۔ پھر میں نے اسے بولنا کر اٹھتے دیکھا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی اس کا منہ اسی طرح کھٹلا تھا جیسے اس نے کوئی نوجوہ دیکھا ہو۔

”کیا میرے سر پر ریگ نکل آئے ہیں؟“ میں بولی۔
”مم... میں... سوچ رہا ہوں کہ... مرنے کے بعد اللہ میاں نے ہم دونوں کو یکجا کر دیا!“
”مرنے کے بعد نہیں مرنے سے پہلے!“
”ہائیں! تو کیا ہم زندہ ہیں؟“ رضوان اپنا ہم ٹوٹنے لگا۔

”کم از کم میں تو ہوں!“
”اگر آپ زندہ ہیں اور میں مر چکا ہوں تو اب بھڑکنا؟“
”اگر آپ سے بچت جاؤں گا؟“
”لیکن یہ مزدور تیار کیا تم لاتوں کے بھوت بنو گے یا باتوں کے؟“

رضوان نے اس نوک بھونک کو زیادہ طویل میں کہا اور ادھر ادھر دیکھتا ہوا بولا ”کیا یہ دروازہ باہر سے بند ہے؟“
”تو کیا کھلنا ہونا چاہیے؟“
”کھلنے یا بند ہونے کا کیا سوال؟ ہونا ہی نہیں چاہیے!“

”اس کا مطلب ہے کہ تم بھی پوری طرح ہوش میں نہیں آئے۔ بستر ہو گا کہ کچھ دیر چپ رہو تاکہ تمہاری دائمی حالت معمول پر آجائے۔“
رضوان نے ایک ٹھنڈا سانس لیا اور پھر بولا ”میرا خیال ہے کہ خان آت کالوٹ نے ہمارے کفن دفن کا سارا انتظام مکمل کر لیا ہو گا!“

”مگر خان آت کالوٹ ایسا کر چکا ہے تو یقیناً وہ سب کچھ اب اس کے کام آئے گا۔“
”لیکن یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ اس نے فی الحال ہائے آرام و آسائش کا پورا پورا خیال رکھا ہے۔“

”کیا تمہارا اشارہ کسی خاص بات کی طرف ہے؟“
”آپ نے محسوس نہیں کیا کہ ہم ایک ایر کنڈیشنڈ روم میں ہیں؟“
”ذہن محسوس کیا ہے بلکہ اس پر متعجب ہوں۔“
”تعجب کا ذکر کس نکتے پر ہے؟“
”اس نکتے پر کہ ہمارے شہر میں تو ابھی اتنی گرمی نہیں تھی۔“

”کیا مطلب؟“ رضوان اچھل پڑا۔
”تمہارا یہ اچھلنا ظاہر کرتا ہے کہ تم میرا مطلب سمجھ گئے ہو۔“
”آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ ہم اس وقت کراچی میں ہیں؟“

”میں؟“
”میں اس کا شہر کر رہی ہوں۔“
”تو پھر ہم کہاں ہو سکتے ہیں؟“ رضوان نے اپنی رشتہ افام پر نظر ڈالتے ہوئے کہا ”وقت تو یہ بتا رہا ہے کہ ہم رات بھر

بے ہوش رہے ہیں۔ اب صبح کے آٹھ بج رہے ہیں اور تاریخ بھی بدل چکی ہے۔“
”یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ... میں لیکن کراچی سے بہت زیادہ دور تو بہر حال نہیں ہوں گے لیکن ہے کہ یہ سندھ کا اندازہ... رہو۔“

”سمس پٹی کو پڑھیں سے یہاں پہنچا گیا ہو گا؟“
”ہے۔ کار کے ذریعے بھی رات بھر سفر اٹھا۔“
”نامل۔“

”اس دن... میں ایسی کھڑکھڑاہٹ ہوئی جیسے کی ہول میں... میں گئی ہو۔ میں اور رضوان چوک کر اس عرت دیکھنے لگے۔ دروازہ کھٹکنا نظر آیا اور پھر ایک آدمی کی شکل دکھائی دی۔ وہ چھوٹے ہی بولا ”ناشتے کی میز پر مزبان آپ کے منتظر ہیں۔“

میں نے اور رضوان نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا پھر میں کھڑکی ہوئی آہستہ سے بولی ”آؤ چلیتے ہیں۔“
میں اور رضوان اس آدمی کے پیچھے پیچھے اس کمرے سے نکلے۔ اب میں ایک پتیلی سی رابڈری میں بیٹھا پڑ رہا تھا۔ معصومی روشنی اس رابڈری میں بھی پھیلی ہوئی تھی اور میں اس عمارت کی ساخت کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ لیکن کوئی ایسا رومن بھی نظر نہیں آ رہا تھا جہاں سے روشنی یا ہوا اندر آ سکتی۔

رابڈری کے سرے پر ایک آہنی دروازہ تھا۔ اس دروازے کے قریب فرش پر کوئی چارونٹ پڑی ایک دھاتی چادر لٹکی ہوئی تھی۔ جیسے ہی ہمارے دہر کا قدم اس چادر پر پڑا اور دروازہ خود بخود کھٹکا چلا گیا۔ یہ بالکل سامنے کی بات تھی کہ دھاتی چادر پر پڑنے والا دھاتی ایسے میکنزم کو حرکت میں لایا ہو گا تو دروازے کو کھول سکتا ہو۔

اب ہم ایک بڑے کمرے میں داخل ہوئے تھے جہاں گمانے کی اتنی بڑی میز بھی ہوئی تھی جس پر آٹھ آدمی کھانا کھا سکتے تھے۔ میز پر ناشتہ لگا ہوا تھا اور میز کے سرے پر جو شخصیت بیٹھی ہوئی تھی اسے دیکھ کر مجھے ذرا بھی تعجب نہیں ہوا تھا۔

”خوش آمدید صبیحہ بانو! خان آت کالوٹ کی آواز نے اس کمرے میں گونج سی پیدا کی۔
”میرا نام رضوان ہے،“ رضوان بڑی سنجیدگی سے بولا ”اگر

ماہ پارہ تو مجھے بھی خوش آمدید کہہ سکتے ہو۔“
”میں مسزول کو برواشت تو کر سکتا ہوں! انہیں خوش آمدید کہتا۔“ خان آت کالوٹ نے سر دہلے میں کہا۔
”واہ! رضوان! تمہارے لگا کر بولا یہ تو تم نے نہایت سحر نے بات کہی۔“

اس فقرے پر خان آت کالوٹ بڑی طرح تھکا گیا۔ اس کے چہرے سے سرخشاں تھا کہ اس نے خود پر قابو پائے رکھنے کی بھڑک کر کوشش کی تھی درندہ گھنگھور گھٹنا کی طرح برس پڑتا۔
میں نے اپنے بیٹھنے کے لیے میز کے دوسرے سرے کی کرسی کا انتخاب کیا اور رضوان کا اشارہ کیا کہ وہ میرے قریب بیٹھے لیکن اس نے میز کے دسلا کی ایک کرسی کا انتخاب کیا اور بیٹھنے ہی اس پلیٹ کی طرف اٹھ بڑھیا جس میں نیپکن سے پینے ہوئے گرم گرم ٹوسٹ رکھے ہوئے تھے۔ اس نے دو ٹوسٹ نکال کر اپنی پلیٹ میں رکھے اور چھری اٹھا کر ایک ٹوسٹ پر کھنکھناتے لگا۔

”صبیحہ بانو! خان آت کالوٹ سر دہلے میں بولا ”کیا تم اپنے دیواروں کو آداب بخیل سے آگاہ نہیں رہتی ہو؟“
رضوان نے اپنے کان کے قریب اس طرح ہاتھ لایا جیسے سمجھتا ہے ہوئے پھر کوجہ گار ہا ہو۔ اس حرکت کے بعد وہ پھر ٹوسٹ پر کھنکھناتے میں معروف ہو گا۔ خان آت کالوٹ نے سختی سے ہونٹ بھیجنے لیے اور ادھر دھیں یہ سوچ رہی تھی کہ رضوان نے آخر یہ بے بسی حرکتیں کیوں شروع کر دی ہیں؟ کیا اسے احساس نہیں کہ ہم اس وقت ایک خطرناک دشمن کے گھنے میں ہیں؟
”محترم میزبان! میں خان آت کالوٹ کی طرف دیکھتی ہوئی سپاٹ بچھ میں بولی ”میرا خیال ہے کہ ہمیں ناشتہ شروع کر دینا چاہیے!“

”میں تو صرف ایک کپ چائے پیوں گا۔ میں اپنے گھر سے ناشتہ کر کے آیا ہوں۔“
اس جواب پر میں نے چند لمحوں کے لیے بڑے غور سے خان آت کالوٹ کے چہرے کی طرف دیکھا۔ میں اندازہ لگا چکا تھا تھی کہ اس کے اس جواب کا حقیقی مقصد کیا ہے؟ کیا وہ مجھے یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ جس جگہ ہم قید ہیں وہ مقام اس کے گھر سے زیادہ دور نہیں؟ جب کہ میرے ذہن کے مطابق یہ مقام انڈونیشیا کسی جگہ تھا کراچی میں ابھی اتنی گرمی نہیں تھی کہ ایر کنڈیشنڈ سسٹم کو ان کھنے کی ضرورت ہوتی۔

بہر حال میں نے خان کے اس جواب کے سلسلے میں اپنے دماغ پر زیادہ دباؤ نہیں ڈالا اور بے پروائی ظاہر کرنے کے سے انداز میں خانے کی چوڑی کاٹتے میں مصروف ہو گئی۔ دوسری طرف رضوان ماحول سے گویا بالکل بے خبر ہو کر ٹرسٹ اور انڈوں سے انصاف کرنے میں منہمک تھا۔

جو شخص ہمیں لے کر آیا تھا وہ دروازے ہی پر ایسا تادہ تھا اس کر کے دو دروازے تھے اور دوسرے دروازے پر بھی ایک آدمی مستحضر تھا۔ اس آدمی کے کوٹ کی پھولی ہوئی جیب ظاہر کر رہی تھی کہ اس میں ریواں اور موجود ہے۔

”تو تم نے دیکھا صیبر بانو!“ خان آت کا لاگوٹ قد سے قوت سے لولاٹے میں نے کہا تھا کہ میں بہت جلد ماہ پاراگاہوں کرنے کی پوزیشن میں آ جاؤں گا۔“

میں کوئی جواب دینے کی بجائے اسے گھونٹنے لگی۔ میرا خیال تو یہ تھا کہ خان نے میرے گھر کے ترخانے سے شاید ماہ پارہ کو بھی برآمد کر لیا ہو گا لیکن اس فقرے کے بعد یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ خان کے آدمیوں کے ہاتھ ماہ پارہ تک نہیں پہنچ سکے تھے۔

میں نے خان کے ہونٹوں پر ناسخہ مسکراہٹ لرزے دیکھی۔

خوب!“ میں نے دھڑ سے کہا تو گیا تم میرے عزم ماہ پارہ کا مطالبہ کر دو گے!“

”تم دونوں کے عزم!“ خان نے لفظ ”دونوں“ پر زور دیا۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارے لیے اب ماہ پارہ کی کیا اہمیت باقی رہ گئی ہے!“

”اب کیا مطلب ہوا؟ پہلے اس کی کیا اہمیت تھی؟“

”پہلے تو تم یہ نہیں چاہتے ہو گے کہ کوئی اس سے پوچھ رہا تھا کہ تمہارے لیے اس کا مطلب کیا ہو سکتا ہے؟“

”ہوں!“ خان نے سر ہلایا۔ تم نے ٹھیک سوچا۔ پہلے تو میں واقعی صرف اسی نکتے پر سوچ رہا تھا لیکن اب صورت حال دوسری ہے۔“

”یعنی؟“

”کیا تم مفاد ہمت کی فضا میں گفتگو کرنے کے لیے تیار ہو؟“

”کیا مطلب؟“

”اگر...“

اس وقت رضوان نے اسے زور سے ڈکار لی کہ لہجہ کالا گوٹ چوہنگ گیا۔ رضوان نے ٹرسٹ اور انڈوں کا مہا بے باقی کرنے کے بعد ڈکار لی تھی اور اب ٹی پٹ کی طرف ہو گیا تھا۔ اس نے میری باخاں آت کا لاگوٹ کی طرف دیکھ ل

میں کی تھی۔ اس کی اس حرکت پر نہ صرف خان جھنجھلا ا بلکہ بور ہو گئی تھی۔

بات کو بڑھنے سے روکنے کے لیے میں خان کی طرف ہو کر بولی۔ ”تم کیا کہنا چاہتے ہو خان؟“

”میں؟“ خان نے ایک طویل سانس لے کر رضوان کے ہر سے نظر ہٹا لی اور مجھ سے کہا: ”مگر تم ماہ پارہ کا پتا بتا لے۔“

”ہو جاؤ تو میں بھی تمہیں بتا دوں گا کہ اب میرے لیے ماہ پارہ کی کیا اہمیت ہے۔“

”گو یا مشروط؟“

”ہاں۔“

”اگر میں انکار کر دوں؟“

”تو میں ماہ پارہ کی اہمیت کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا لیکن تمہیں تو بالآخر ماہ پارہ کا پتا بتا ہی پڑے گا۔ تم یہاں سے کسی قیمت پر بھی نہیں نکل سکتے صیبر بانو! اس عمارت سے موت دی لوگ نکل سکے ہیں جنھوں نے میری بات مان لی ہے۔ انکار کرنے والوں کے ڈھانچے اس عمارت میں اب بھی موجود ہیں۔ مگر تم چاہو تو میں تمہیں ان کا دیوار بھی کر داسکتا ہوں۔“

”واہ! رضوان نے ہلک لگائی تو کیا شاعرانہ بات ہے! ڈھانچوں کا دیوار! سبحان اللہ!“

”میرا خیال ہے؟“ خان آت کا لاگوٹ غریبا: ”تمہارے اس مسخرے ساتھی کو ڈھانچے میں تبدیل کرنے کا انتظام تو میں مکمل کر ہی دوں۔“

”خان!“ میں نے اس کے ذہن کو رضوان کی طرف سے ہٹانے کے لیے کہا۔ میں تمہیں ماہ پارہ کے بارے میں ہرگز کچھ نہیں بتاؤں گا۔ تم آخر تک مجھے اس عمارت میں قید رکھ سکتے ہو؟“

”جب تک تم چاہو پانچابن جاؤ!“

”کیا تم تناطویل انتظار کر سکو گے؟“ میں مسکرائی۔

”کیا مطلب؟“ خان مجھے گھورنے لگا۔

خیال ہے کہ تم تناطویل انتظار نہیں کر سکتے۔ تم ہمد ماہ پارہ کو پانا چاہتے ہو۔“

خان آت کا لاگوٹ نے ایک طویل سانس لیا اور پھر مجھے بولا: ”تو تمہیں اندازہ ہے کہ میں اس سلسلے میں جلدی لے گا؟“

”ساننے کی بات ہے۔“

”سنو!“ خان کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ ”مجھے واقعی جلدی ہیں... میں تمہیں شام تک کی ہمت دیتا ہوں۔ ابھی آج کچھ کر فیکٹر کر لو کہ تمہیں ان حالات میں کیا کرنا چاہیے! شام کو بھی تمہارا جواب انکار میں ہوا تو پھر تمہیں حذر ہر اب اور اذیت تک صورت حال کا سامنا کرنا ہو گا۔“

اس کے بعد خان آت کا لاگوٹ نے میرے جواب کا نہیں کیا۔ وہ تیزی سے دوسرے دروازے کی طرف چلا۔

”سنو!“ رضوان نے ہلک لگائی۔ ”گھر پہنچ کر اپنی فیریت مزور چھینا۔“

دو ذپ تاجی کافی ہو گا۔“

خان آت کا لاگوٹ ایک جھٹکے سے رکھا۔ ایسا معلوم ہوا میرے دل پہلے کہ رضوان کے سلسلے میں کوئی سخت حکم صادر ہے کہ اس کی تعمیل کرنے کے لیے اس کے دونوں آدمی حرکت لیں گے۔ لیکن پھر جاننے کی اسوج کو وہ چلنے پھرنے لگے۔

”ہائے!“ رضوان نے ٹھنڈا سانس لیا۔ ”بڑے بے مروت آدمیوں والے!“

مجھے رضوان پر بھیجا ہٹ کے باوجود خان آت کا لاگوٹ لکھ لکھتے دالے کی پھرتی پر ہنسی لگئی۔

”جو شخص ہمیں یہاں لایا تھا بلند آواز میں بولا: ”اب تم انوں بھی دالیں چلو!“

”چلو چھو!“ رضوان نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا: ”ہائے محبوب کی رخصت کے بعد یہاں کیا خاک رشت رہ گئی ہے۔“

میں رضوان کا ہاتھ پکڑ کر اس دروازے کی طرف بڑھی جس سے ہم یہاں آئے تھے۔ وہ آدمی ہمیں راست دینے کے لیے ایک دن ہٹ گیا۔ جب ہم دروازے سے گزر گئے تو وہ بھی ہٹا۔

پچھے پچھے آنے لگا۔ اب ہم پھر اسی پتلی سی ریلواری میں ہیں۔

میں نے جس کے اختتام پر ہمارا قیضہ تھا۔

اگر میں چاہا تو گو...“ اس کے بغیر بھی اس آدمی کو ٹھکانے لگا سکتی تھی جو ہمارا بہر تھا لیکن اس کے بعد؟ ہمیں کچھ نہیں معلوم تھا کہ اس عمارت سے نکلنے میں ہمیں کن کن کاؤٹوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یقیناً وہ رکاوٹیں ایسی ہی ہو سکتی تھیں کہ ان سے گزرنا ہمارے لیے بہت مشکل ہوتا۔ اسنی رکاوٹوں کی وجہ سے خان آت کا لاگوٹ کو بھی اطمینان ہو گا ورنہ وہ ایک قی تھا شخص کو ہمارا محافظ رہا ہوتا۔

جب وہ شخص ہمیں اس کمرے میں بھیج کر کھانے لگا تو رضوان نے جلدی سے کہا: ”سنو چھائی!“ یہ تو بتاتے جاؤ کہ وہ پھر کے کھانے کا مینو کیا ہے؟“

اس شخص نے جواب دینے کی بجائے دھڑ سے دروازہ بند کیا اور پھر باہر سے قفل لگنے کی آواز سنائی دی۔

”یہ کیا کم بخت تو لیس لاکتا بھی کم بخت!“ رضوان نے ٹھنڈا سانس لیا اور دھڑ سے لہجہ کر گیا۔

”اب مجھے تمہاری دماغی حالت پر شبہ ہونے لگا ہے۔ میں اسے گھورتی ہوئی بولی۔

”میں نہیں کہ وجہ؟“ رضوان نے فوری معصومیت سے پوچھا۔

”کی بعض اس لیے کہ تمہاں لٹنے کے باوجود میں نے بھی تک آپٹا اظہار عشق نہیں کیا!“

”خیر مجھ سے اظہار عشق کر کے تو تمہیں یقیناً جوتے کھانا پڑیں گے مگر خان سے تم ہر طرح پیش آئیے۔“

”تھو وہ تو فیکٹر احمقانہ نسل تھا۔ کیا تمہیں احساس نہیں کہ انی ہم بالکل بے لیں ہیں؟“

”کاش آپ کو عشق کی ہلہکی کا بھی احساس ہو سکے!“

”کیا بات ہوئی!“

”مجھے خان آت کا لاگوٹ کی مونچھوں سے عشق ہو گیا ہے۔“

”رضوان! یہ کتنی سیدھی کے ساتھ لڑا جب وہ عین سے لڑتی ہیں تو مجھ وہ کیا یاد جاتی ہے جو ان کا شائری میری کار کے نیچے آکر گر گئی تھی۔“

”تمہارا دماغ مزور چل گیا ہے۔“ میں نے مٹہ بنا کر کہا۔

”چل نہیں گیا بلکہ دوڑ گیا ہے۔“

”مجھے یقین ہے۔“ میرا مٹہ بنا رہا۔ میں ان حالات میں رضوان سے سیدھی کی توقع کر رہی تھی لیکن وہ مسلسل ہلک رہا تھا۔ میں نے ان سب ہی جھکا اس کٹھن صورت حال سے

پہننے کے لیے رضوان سے مشورہ کرنے کی بجائے صرف اپنے طور پر سوچوں۔

جب میں نے رضوان کی بے سنی باتوں کو زرا گوش کر کے اپنے طور پر سوچنے کا فیصلہ کیا تو میرے ذہن میں پہلا سوال یہ اُبھرا کہ اس وقت رضیہ کیا سوچ رہی ہوگی؟ اسے اس بات کا علم تو میری ملازماؤں سے ہو گیا ہوگا کہ کل رات میرے گھر پر کیا واقعہ پیش آیا تھا اور وہ واقعہ معلوم ہونے کے بعد وہ کچھ بھی ہوگی کہ مجھے اور رضوان کو اعوا کرنے والے خان آت کا لاگوٹ ہی کے آدمی ہو سکتے ہیں۔ اب رضیہ اس فکر میں ہوگی کہ کسی طرح ہم تک پہنچنے کا بیج خاں سے لیکن یہ اسی وقت ممکن تھا جب وہ خان آت کا لاگوٹ کا تعاقب کر کے، اگر خان آت کا لاگوٹ اسی مقام تک پہنچنے کے لیے نیلی کو پٹر استعمال کرتا رہا ہے تو اس بات کا تو یہ امکان تھا کہ رضیہ ہم تک پہنچ جائے گی۔ مجھے خوب اندازہ تھا کہ ایسے ہنگامی حالات میں وہ بڑی تیزی و طراری کا ثبوت دیتی ہے۔ وہ ایسی کوئی نہ کوئی سبیل پیداکر ہی لیتی کہ ہم تک پہنچ جائے لیکن اس میں کچھ دیر لگنے کا احتمال موزود تھا۔ یہ بات ممکن تھی کہ وہ آج رات کی بجائے کل رات یہاں پہنچی جب کہ خان آت کا لاگوٹ نے مجھے صرف آج رات تک کا وقت دیا تھا۔

ماہ پارہ میرے گھر کے تفرخانے میں قیدی اور یہ نامکس تھا کہ میں خان آت کا لاگوٹ کو اس کے بارے میں بتا دیتی لیکن اس کے ساتھ ساتھ مجھے یہ فکر بھی لاحق تھی کہ رضوان کی علم جو ہوگی کے باعث میری ملازماؤں خاص ماہ پارہ کو خود روشناس کا سامان پہنچانے کے لیے جب تفرخانے میں جائے گی تو میں مکس بہر کو ماہ پارہ رضوان کو نہ پا کر آپے سے باہر ہو جائے اور تفرخانے سے نکلنے کی کوشش کرے۔ وہ تفرخانے کی قید سے عاجز تو تھی ہی اور یہ بات مجھے رضوان بتا چکا تھا۔

غرض یہ کہ جب میں نے سوچنا شروع کیا تو بہت سی الجھنیں میرے ذہن میں دو آئیں اور دوسری طور پر ان کا کوئی حل بھی میری سمجھ میں نہیں آ سکا تھا۔

میں نے رضوان کی طرف دیکھا جو میری طرف ایسے انداز میں دیکھ رہا تھا مجھے سمجھ نہ تھا چاہا جائے گا۔

میں حیرت سے بولی نہ کیا تو دیکھ نہ سہے ہو؟

”تمھاری غیبت صورت“ رضوان یسخر کر بولا۔

میں جھوٹو نگارہ لگی۔ رضوان کا یہ طرزِ سخن اب میرے لیے

دھماکے کے ہم نشین تھیں۔ اُس نے کبھی اس طرح نہیں کی تھی۔
 ”تم بہت گھٹیا عورت ہو۔“ رضوان دانت بہہٹتا
 تھا رہی وجہ سے مجھے ہمیشہ مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔
 جی چاہ رہا ہے کہ تمہیں مار ڈالوں۔ اپنے ہاتھوں سے تمہارا
 گھونٹ دوں۔“
 ”تمہارا صانع تو جج چل گیا ہے۔“ میں غزاق ہوں لا
 ہوگئی۔
 ”ہاں جج چل گیا ہے میرا دام۔“ رضوان نے کہا
 ”تم برسوں سے مجھے بے وقوف بتا چلی آ رہی ہو اور اب
 محبت میں بے وقوف بننا چلا رہی ہو۔ جب سے مجھ پر
 آیا ہے میں گھٹیا کٹکٹا اور اسلٹا ہوں۔ سو،
 کہ تم محبت کے معاملے میں مجھے بے وقوف بنا کر میٹھا
 کرتی رہی ہو۔ تم نے ہمیشہ مجھے اپنا آکر کار بنایا ہے اور اب
 میں پھنسا رہا ہوں۔“ آج مجھے یقین ہو گیا ہے کہ خان آت کا
 جیسی شخصیت سے محکم کیا تم جیسی عورتوں کے بس کی
 نہیں اس لیے بہتر یہ ہے کہ اب میں اس معاملے میں
 کالا گٹ کا ساتھ دوں۔“
 ”کیا بکواس کیے جا رہے ہو؟“ غصے کی وجہ سے
 لمبے میں ارتعاش پیدا ہو گیا۔
 ”یہ بکواس نہیں ہے۔ میں خاں آت کا لاگوٹ
 کے بارے میں بتا دوں گا۔“
 ”رضوان! میں غصے سے کانپتی ہوئی بول رہی ہوں۔“
 کو توابوں رکھنے کی کوشش کرو۔“
 ”میرا دام بائبل قابو میں ہے۔“
 ”یہ مت بھولو کہ میں تمہاری ساری پٹیاں میں
 ہوں۔“
 ”میرے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر تمہیں
 اچھا پڑے گا۔ میں ان مردوں میں سے نہیں ہوں جو
 تمہارے ہاتھوں پھنسنے لگے ہیں۔ ابھی تمہیں تجربہ نہیں
 کیا ہوں۔“
 ”مجھے رضوان پر غصہ تو آ رہا تھا لیکن میں متنبہ
 یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں رضوان کے مڑے ہوئے
 ہوں وہ حقیقت ہے کہ میں نے گمان میں کیا تھا۔“

ہاگ رضوان مجھ سے اتنے ہنسک آمیز طریق پر گفتگو کر سکتا
رضوان فیصلہ کن انداز میں بولا: مجھے اب تم سے یہ بات چاہیے
کہ کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ میں خان آف کا لاگوٹ کو
اپنا پتا دلوں گا۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ جس جگہ ماہ پارہ کو رکھا
جائے، ایسی جگہ میں اس کا پتا بتایا جائے گا۔ خان آف کا لاگوٹ
میدور پڑے گا۔ سمجھ سکتے ہیں۔ تو ممکن ہے کہ میں خود خان
آف کو اس جگہ سے جاؤں جہاں ماہ پارہ قید ہے؟
رضوان کی ان باتوں نے مجھ کو دلچسپ کیا۔ میں اسے گھونٹنے
نے ایک ایسی بات کہی تھی جس کا کوئی سرپرست ہی نہیں
بارہ میں جگہ قیدی، اس جگہ کا پتا بتانے میں کوئی پیچیدگی
مجھے نہ تھی، کوئی دشواری ہو سکتی تھی۔
مجھ پر ہی ہوسیعہ بانو! رضوان زور دے کر بولا: میں اب
کا لاگوٹ کو اس دروازے میں ضرور لے جاؤں گا جہاں
گسٹیا میں ماہ پارہ کو قید کر رکھا ہے؟
میں طرح اچانک جلی کا گوند لپک جاتا ہوں۔ اسی طرح
میں بے تکلفی سے دماغ میں آگئی اور میرے تحت کے
میں سڑتی چاہا کہ رضوان کو چوم لوں۔ رضوان نے غصے آف
کو پکڑا لیا۔ میں نے یہ اچھی خاصی بلا لنگ کر ڈالی تھی۔ غالباً
میں چاہتا تھا کہ اس کمرے میں کوئی خفیہ مگر دونوں ضرور
میں کمرے میں ہونے لگا۔ ایک ایک لفظ خان آف
کوئی آدمی ضرور میں رہا ہوگا۔ ایک امکان بھی تھا کہ
میں نے ان کے علاوہ کوئی پوشیدہ ٹیلی ویژن کی بھی ہوگی
میں نقل و حرکت پر نظر رکھی جا رہی ہو۔ اسی اندیشے کے
نے مجھے کوئی اشارہ بھی نہیں کیا تھا جس سے میں سمجھ سکتی
تھی کہ وہ کیا ہے۔
جب کہ میں رضوان کا مقصد سمجھ چکی تھی، تو یہ ضروری ہو گیا
میں ڈرے میں اپنے کردار کو بھرپور نیا ڈالیں۔ میں نے رضوان
کو بے گناہ کہا۔ اپنے دماغ کو ٹھنڈا رکھو اور سوچو کہ تم کیا کر
نے جو کچھ بھی کہا ہے، بہت سوچ سمجھ کر کہا ہے۔ رضوان

”دورنہ“ میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا: ”دور مجھے بھی
بعد میں افسوس ہو گا کہ میں نے تمھارے ہاتھ زیرِ قوت ڈالنے“
”یہ دم ختم ہوا!“ رضوان نے بڑے جھنجھٹے ہوئے لہجے میں کہا۔
”میں اس کے سوا کوئی کیا سکتی ہوں میں تجھیں اس قابل نہیں
رہنے دون کی رقم خان آت کالا گوٹ کو ماہ پارہ تک کے جاسکو!“
”آؤ تو پھر نہ حسرت بھی پوری کرو!“ رضوان نے ایک قدم میری
طرف بٹھلے ہوئے کہا: ”آج میں بھی دیکھ لوں گا کہ تم جو ڈوکر لے گئے
کتنی بڑی ماہر ہو“
”رضوان! اپنی شامت کو دھتکان دو تو بہتر ہے۔“
”میںیں صلیو بانو! آج تو یہ مگر ہو کر رہنے لگا۔ یہی ہمانہ سیا
آج تیرا وہ گاہ بھی بچھالینا چاہتا ہوں جو برسوں سے میرے سینے
میں دھک رہی ہے۔ تم نے مجھے بہت بڑا پیار ہے۔ آج تجھیں کہاؤں
ایک مرد کی برتری کا تو قائل ہو جائی بڑے لگا۔“
میں حقارت آمیز انداز میں ہنس پڑی۔
”ابھی تمھاری ہنسی تمھاری راجپوتوں میں تبدیل ہو جائے گی!“
”رضوان یہ کہتا ہوا میری طرف جھپٹا۔
”وہ چرا چاکا مجھے خیال آیا کہ کہیں یہ مگر آرا بیجے مودی
بابت نہ ہو۔ یہ ہماری خام خیالی بھی ہو سکتی تھی کہ اس میں کس خفیہ
مافکروں یا خفیہ شلیڈوں میں آئی ہو سکتی ہے۔ ان دونوں چیزوں
میں میں عدم موجودگی کے باعث یہ سارا ڈراما غلاب ہی ہوتا اور اگر ڈرامے
میں جان ڈالنے کے لیے مجھے اور رضوان کو، چوٹیں ملا وجہی لکھنا پڑتیں۔
رضوان نے قریب آئے تھے مجھے اپنی گزرت میں بکول لینا بالکین
میں نے اپنی دائیں ٹانگ کو اتنی تیزی سے حرکت دی کہ رضوان اس
سے الجھ کر چرت لگا۔
”یہ یہاں سبقت ہے“ میں نے بڑے اطمینان سے کہا: ”ابھی اگر
میں ہوش نہ آتا تو یہ تمھاری بد نصیبی ہو گئی۔“
رضوان کوئی جواب دینے کی بجائے بڑی پھرتی سے اٹھا اور
اس نے پھینکے کی طرح تیر کی مانند میری طرف آیا میں نے تیزی سے
اس کی زد سے نکل جانا بالکین رضوان یہ بات پہلے ہی سوچ چکا تھا
میں اس کی گردن کو چتا چپوہ دالستہ، بائیں ہاتھ کے تل اس طرح
پلیٹ ہوا کہ اس کی دونوں ٹانگیں میرے پیروں تک پہنچ گئیں۔ یہی
بڑی تیزی سے اپنی دونوں ٹانگوں کو میری بند ٹیوں میں الجھا کر
اس طرح کرکٹ لے کر میں اس کے اوپر گر گئی اور اس نے دونوں ہاتھوں

ابھی تک کوئی بھی اس کمرے میں نہیں آیا تھا جبکہ میں جا رہی تھی۔
تھی کہ جلد از جلد کوئی داخل انداز میں کمرے اور ہم دونوں نے یہاں وہ
چوٹیں لکھنے سے محفوظ ہو جائیں۔ ویسے اگر داخل اندازی نہ ہوتی تو
کسی اس ڈرامے سے کم از کم ایک فائدہ ضرور ہوتا۔ ہمیں یہ یقین ہو جاتا
کہ اس کمرے میں خفیہ مائیکروفون وغیرہ فٹ منڈ ہیں اور اس یقین
کے بعد ہم نے خوف و خطر پر قسم کی گفتگو کر سکتے تھے۔

رضوان نے میری گردن بڑے زور سے دبا لی تھی لیکن جیسے
ہی میرے ذہنی دونوں گنسان اس کے سینے پر رکھ کر پھر پور دبا ڈالا
رضوان کے فٹ سے بیچ نکل گئی اور اس طرح مجھے محاورہ نہیں بلکہ
حقیقتاً گھوغلما بھی ہو گئی۔ میں نے اپنے جسم کو رضوان کے جسم پر اس
طرح اچھلا جیسے اسپرنگ والے گدے پر اچھلا جاسکتا ہے۔

اس طرح میں کسی سہارے کے بغیر اپنے پیروں پر سیدھی کھڑی
ہوئی اور پھر فوراً ہی دوبارہ اچھلی۔ اس دفعہ میرا دل رضوان کا
سینہ تھا لیکن وہ بڑی تیزی سے کوئلے کی مریخ زور سے نکل گیا۔
اب میں فوراً ہی اس کی کمر پر کودی اور پھر ایک کھڑا ہاتھ رضوان کے
شانے پر ملا۔ یہ ہاتھ میں نے جان بوجھ کر ذرا ڈھیلا رکھا تھا ورنہ
رضوان کے شانے کی ہڈی، دوسری طرف سے مارنے کے قابل نہیں رہ
جاتی پھر بھی وہ مزید آتی شدید تھی کہ رضوان کے فٹ سے بیچ نکل گئی۔
بلکہ اسی وقت کمرے کا دروازہ ایک پُر شور آواز کے ساتھ
کھلا اور کوئی آدمی اندر گھستے چلے آئے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں
ریو اور تھا۔

”خبردار!“ وہ گرجا۔ ہم دونوں فوراً ایک دوسرے سے الگ
ہو جاؤ!“

میں نے چونکے ہوئے انداز میں مرموز دروازے کا طرف دیکھا
اور پھر فوراً رضوان کو چھوڑ کر ایک طرف کھڑی ہو گئی۔

رضوان پھر بھی سے اٹھا اور فٹ سے میرے پیروں پر اس طرف پڑا لیکن
فوراً ہی دھاوی ہمارے بیچ میں جا کر گئے۔ انھوں نے رضوان
کے دونوں بازو پکڑ لیے۔

”بس اب جھگڑا ختم!“ ریو اور والے نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔
رضوان کھا جانے والی نظر سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

”اسے ساتھ لے چلو!“ ریو اور والے نے ان دونوں آدمیوں
سے کہا جو رضوان کو پکڑے ہوئے تھے۔

”میں خود بھی تم لوگوں کے ساتھ چلنا چاہتا ہوں۔“ رضوان
نے کہا۔ ”مجھے جلد از جلد تمھارے پاس سے ملنا ہے۔“

”رضوان! ہم نے لکھانے والے انداز میں کہا: تم
حفاظت کرنے چاہیے ہو اور میں اس کے بھی معاف نہیں کیا۔ ا
رضوان نے بڑی حماقت سے میری طرف ہتھ دھکا دیا،
جانے کے لیے دروازے کی طرف مڑا۔

ان لوگوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی اور رضوان
کر چلے گئے۔ دروازہ باہر سے مقفل کر دیا گیا۔

میں چند لمحوں کے اندر اپنے خیالات میں کھوئی ہوئی دروازے
طرف دیکھتی رہی اور پھر آگے بڑھ کر تھکے ہوئے انداز میں
اندھی دھیر ہو گئی۔ اب میرے پیوٹوں پر بیضیت سی
کھیل رہی تھی۔ رضوان کی اس پلاننگ نے میری قوتیں
اب میں یہاں تنہا تو رہ گئی تھی لیکن اس بات کا فائدہ

پیدا ہو گیا تھا کہ رضوان یہاں سے نکلنے کے بعد میرے
سے گا۔ اب سارا اٹھا رہا اس بات پر تھا کہ ان
رضوان پر کس حد تک اعتماد کر سکتا ہے؟

میں ابستہ اور اندھی لیٹی ہوئی اس ڈرامے پر
جو زور و قیل اس کمرے میں کھیلا گیا تھا۔ میں نے
کہہ سکتی تھی کہ رضوان دل ہی دل میں مجھ سے دشمن
بڑا بھلا کر رہا ہو گا۔ واصل میرے ہاتھوں اُسے داکا
فریض بھی پہنچ گئی تھیں لیکن میں ایسا کرنے پر مجبور نہ
ایسا نہ کرتی تو وہ ڈراما جان واد نہ بن جاتا۔ ویسے رضوان
بھی اپنی طرف سے کوئی کنسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ اس
گردن اس بڑی طرح دبوچ تھی کہ اس کی انگلیوں کو
میری گردن میں اب تک مچلن ہو رہی تھی۔

دو چکر میں بستر پر لیٹی رہی۔ اس کے علاوہ
بھی کیا سکتی تھی؟ مجھے کسی ایسے رد عمل کا انتظار تھا
کے کسی عمل کا نتیجہ ہوتا۔

دو پھر کو کمرے کا دروازہ کھلا تو میں نے فوراً
کی طرف دیکھا لیکن صورت حال کی کسی خاص تبدیلی کا
لگا سکی۔ وہ شخص میرے لیے کھانے کے آ رہا تھا۔ کھانے کی
رتائی پر رکھ کر وہ مجھ سے بولا۔ ”باس کا پیغام آیا ہے کہ
وقت کھانے پر آپ کا ساتھ دینے نہیں آ سکیں گے۔ لہذا
انکی ہی کھانا کھا لیں۔“

پھر وہ میرے جواب کا انتظار کیے بغیر واپس
میں نے اسے پکارا۔ ”سنو!“

وہ پلٹا۔ ”جی!“
”کھانے سے قبل دوخت دلا کا پوربست ممکن ہے؟“
”مجھ اس سلسلے میں ہدایت لینا پڑے گی۔“
”کس سے؟“
”اسٹریس۔“

”اسٹریس کون؟“
”جو یہاں کا اینجارج ہے۔“
”یہ کون سی عبارت ہے؟“

میرا خیال تھا کہ وہ بے اختیار ہی میں میرے اس سوال کا
ب دے بیٹھے گا لیکن میرا انداز قطعی غلط ثابت ہوا۔ اس
تدبیر کے کہ میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔
”انجارج“ میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ ”تم اپنے اسٹریس
پوچھو۔“

”میں جا کر معلوم کرتا ہوں۔ اگر مجھے اجازت مل جی تو میں
رٹ میں مطلوبہ خے لے آؤں گا اور اگر میں ڈاؤن تو آپ سمجھ
ہیں گے کہ اجازت نہیں ملی۔“

”تھک ہے۔“
وہ شخص چلا گیا۔ اس کا انداز نہایت خاموشانہ ہی تھا۔
”ان لوگوں کو ہدایت کر دی گئی ہوگی کہ میرے ساتھ کوئی سخت
ڈالیا جائے۔“

”دس منٹ کی بجائے پندرہ منٹ گزر گئے لیکن وہ آدمی
”ہم نہیں آیا۔ میں سمجھ گیا کہ اسے اجازت نہیں ملی ہوگی۔“

میں نے کھانا کھا یا اور پھر بستر پر لیٹ گئی۔ اب وقت
لنے کے ساتھ ساتھ میری بے چینی بھی بڑھ رہی تھی۔ رضوان
سے جدا ہونے میں گھنٹے گزر چکے تھے۔ میرے اندازے کے مطابق
ب تک کچھ کچھ ہوجانا چاہیے تھا لیکن کچھ نہیں ہوا تھا۔

تیسرے پیر کا وقت ہو گیا لیکن صورت حال میں کوئی تبدیلی
نہیں ہوئی۔ اب میرا ذہنی انتشار خفا بڑھ چکا تھا۔ میں اٹھ کر
سے میں ٹھنسنے لگی۔

چھ بجے کے قریب کمرے کا دروازہ پھر کھلا اور وہی
نم انداز آیا جو دوپہر کو میرے لیے کھانے کے آ رہا تھا۔
”آپ کے لیے ایک خط ہے۔“ اس نے ایک لفافہ میری طرف
ڈھکیا۔

”کس کا خط ہے؟“ میں نے تعجب سے پوچھا اور لفافہ اس
کے ہاتھ سے لے لیا۔

”پڑھ کر دیکھ لیجیے۔“ اس نے کہا اور کھانے کے فائدہ میں
اٹھا کر کمرے سے نکل گیا۔ میں نے فوراً لفافہ چاک کر کے اس
میں سے وہ سفید کاغذ نکال لیا جس پر ٹائپ میں یہ عبارت
درج تھی۔

”صوبہ بانو! تمھارا ساتھی بہت جالا لاک ثابت ہوا۔ وہ پھر
آدمیوں کو ڈانٹ دے کر نکل جانے میں کامیاب ہو چکا
ہے مگر یقین جانو کہ وہ اب بھی تمھارے لیے کچھ نہیں
کر سکے گا۔ وہ اب بھی اس بات سے بے خبر ہے کہ تم کہاں
ہو۔ یہ اطلاع میں تم کو کس لیے دے رہا ہوں کہ تم اپنا
سے بیٹھی نہ رہو بلکہ سوچو کہ تمہیں کیا فیصلہ کرنا ہے۔ رات
کے کھانے پر میں تم سے ملاقات کروں گا اور تمھارا جواب
سننے کے بعد مجھے اپنا فیصلہ مکمل کرنا ہے۔ تم دونوں نے
جو ڈراما کھیلا وہ واقعی خوب صورت تھا۔ میری طرف
سے مبارکباد!“

”خان“

وہ خط پڑھ کر میں ڈرامہ نگار کے کسی کی حالت میں کھڑی رہ
گئی۔ وہ جو میں نے تہذیبوں کی ایک پھوٹی سی مارت بنائی تھی جیسے
ایک زلزلے کا شکار بن کر منہم ہو گئی۔ صرف اتنی بات تو ایمان بخش
تھی کہ رضوان اس میں تھا۔ جسے سے نکل گیا تھا اور اب وہ رنج سے
مل کر گویا ایک اور ایک گیارہ بن جاتا لیکن یہ بات و توح سے نہیں کسی
جاسکتی تھی کہ گیارہ کا وہ جہاں میرے لیے کب بامناور ثابت ہو سکے
گا۔ وقت تو بہت کم رہ گیا تھا۔ رات قریب تھی اور مجھے نمان کا لاگوٹ
کو جواب دینا تھا۔ میرے شعلی جواب کا رد عمل یقیناً میرے لیے کوئی
پریشانی نہ لانا۔ مجھے رات تک کی محنت دینے کا مطلب یہی تھا کہ اس
کے بعد خان آت کا لاگوٹ کوئی سخت قدم اٹھاتا۔

میں نے خط پڑھا اور اس کی ایک لائن پھینک دی اور پھر
کہا میں اپنے طور پر کیا قدم اٹھا سکتی ہوں یا نہیں اس کا اور خان آت
کا لاگوٹ کی کارروائی کا انتظار کروں یا اس سے پہلے ہی کچھ کر گزرنے
کی کوئی کوشش کی جائے؟ پھر سب سے اہم سوال یہ تھا کہ کیا کوشش
کی جاسکتی ہے؟

اس پہلو پر غور کرتے ہوئے مجھے کچھ زیادہ وقت نہیں گزارنا تھا
کہ ایک با پھر کمرے کا دروازہ کھلا اور اس آدمی کی شکل نظر آئی جو
دوپہر کو میرے لیے کھانا آچکا تھا۔ در پہلے خان آت کا لاگوٹ کا خط لایا

کھٹا میں نے اس کے ہاتھ میں ایک ٹرسے دیکھی اور اس ٹرسے میں تمام مطلوبہ لوازمات موجود تھے۔

وہ بولا: "ماسٹر نے باس سے آپ کی اس خواہش کا ذکر کر سنا تھا اور باس سے ماسٹر کو اس کی اجازت مل گئی کہ آپ کو مطلوبہ شے فراہم کر دی جائے۔"

"ویری گڈ! میں نے مسکرا کر کہا میں سمجھتی تھی کہ انہاں آٹا کالگوٹ نے مجھ پر رعایت کیوں کی تھی۔ اس نے سوچا ہوا کہ اگر انشہ بوجانے کے بعد ممکن ہے، میں اپنی قوتِ ارادی پر قابو نہ رکھ سکوں اور اُسے وہ سب کچھ بتا دوں جو وہ مجھ سے معلوم کرنا چاہتا تھا۔"

ٹرسے تپائی پر رکھنے کے بعد جب وہ جانے لگا تو اچانک میں نے ایک فیصلہ کر ڈالا۔ اس فیصلے کے کسی پہلو پر غور کرنے کی سلسلہ میں کتنی درزن شاید ہیں وہ فیصلہ نہ کرتی۔

میں بجلی کی طرح اس شخص پر کونکلی اور کرائے کا صرف ایک ہاتھ اُسے بے ہوش کرنے کے لیے کافی تھا۔ پھر میں نے ایک ٹھوس کبھی ضائع نہیں کیا اور جست لگا کر سرے سے نکل گئی تین دیر اس لیے نہیں کر سکتی تھی کہ کمرے میں پوشیدہ ٹیلی ویژن آئی ٹی، "کسی" کو اس بات سے باخبر کر دیا ہوگا کہ میں کیا حرکت کر چکی ہوں۔ اب اس سے پہلے کہ وہ لوگ میری راہ مسدود کرنے کی کوشش کرتے، مجھے وہاں سے نکل جانا چاہیے تھا۔ میں نے دوڑتے ہوئے راہداری طے کی اور آہنی دروازے کے قریب پہنچ گئی۔ مجھے یقین تھا کہ جیسے ہی دھاتی پلیٹ پر میرے جسم کا دباؤ پڑے گا، آہنی دروازہ کھل جائے گا لیکن جواب یہ کہ جیسے ہی دھاتی پلیٹ پر میرا قدام پڑا، میں ایک شدید جھٹکا کھاکر پیچھے کی طرف گر گئی حقیقت یہ ہے کہ اس جھٹکے نے مجھے بڑی طرح کو ہلکا دیا تھا اور میں کوئی ایک منٹ تک راہداری کے فرش پر جت پڑی رہی تھی۔ اس ایک منٹ کے بعد میرے جھنجھٹے ہوئے دماغ نے کچھ کام شروع کیا اور یہ بات میری سمجھ میں آئی کہ اس دھاتی پلیٹ میں کرنٹ دھڑکا تھا اور وہ برقی نفاذی طاقت دے رہی تھی کہ اس نے مجھے کسی گڑبگ کی طرح اچھال دیا تھا۔

میں فرش سے اٹھی اور دروازے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ میری ہڈیاں اب تنگ سنسنی رہی تھیں۔ میں ہونٹ بجھنے کر اس دھاتی پلیٹ کو اس طرح فٹ سے گھورنے لگی جیسے وہ کوئی ذی مدح دشمن ہو۔

یہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس دھاتی پلیٹ میں اچانک

برقی شوک کہاں سے آگئی؟ اس سوال کے دو جواب ممکن یہ ٹیلی ویژن آئی ٹی ذریعے جس نے بھی مجھے فزولہ ہوا۔

اس نے کوئی خاص بین دیا ہوگا جس کے دہنے سے ماسٹر میں برقی زنجاری ہو گئی ہوگی اور یا پھر اس دھاتی پلیٹ گزرنے والے کو اسے عبور کرنے سے پہلے کوئی ایسا لہر ماسٹر جس کے نتیجے میں برقی زکوہ مسلسل وقتی طور پر منتقل ہوا۔

بہر حال، بات جو مجھ پر غور کرنے کی میری پہلی گڑبگ تھی۔

دفعۃً آہنی دروازہ کھلا اور مجھے ایک آدی نکل آیا۔ وہ شخص تھا جو آج صبح مجھے اور رضوان کو خان آٹ کالگوٹ کے ہاشٹہ کرانے لے گیا تھا۔

"یہاں سے کبھی کوئی فزولہ نہیں ہو سکا صلیو بانو! وہاں ہوا آگے کیا اور ظاہر ہے آگے آنے کے لیے اُسے اس دھاتی پر سے گزرنے پڑا لیکن اس پر برقی شوک قطعاً کوئی اثر نہیں ہوا۔" نے مزید کہا۔ اپنے کمرے میں وہ اس جلیو صلیو بانو! میں اس کے سرواڑے کبھی نہیں سکتی تھی میں داپس کے ٹروٹس میرے پیچھے پیچھے وہ بھی کمرے میں چلا آیا۔

جس شخص کو ترسے بے ہوش کیا تھا، وہ ابھی تک؟ میں نہیں آتا تھا۔ میرے پیچھے آئے دالنے سے بے ہوشی کی ماسٹر میں اٹھ کر اپنے کندھے پر ڈالا اور کمرے سے نکل گیا۔

باہر سے دروازہ ایک باہر مقلع ہو چکا تھا اور میرے ذہن پر ناگہانی کھجلاہٹ طاری تھی۔ اس کھجلاہٹ میں مجھے دختہ درزی یاد آئے، درزی کا اس نے شاید صرف یوں کھٹے بھی پی ڈالے تھے۔ تیسرا اس ختم کرنے کے بعد میں نے خود کو سنسنا ادا اس منڈلاں سوچنے کا آغاز کیا کہ کھجلاہٹ کبھی کسی شے کا نہیں سوچ کا سلسلہ شروع ہوا تو پھر درازی ہوتا چلا گیا۔ غور پر غور کے لیے دختہ درزی کے عقلہ آتی نہیں تھی کہ میرا دماغ سوچنے کے قابل نہ رہا۔

اب رات ہو چکی تھی لیکن مصنوعی روشنی کے باعث وہاں کچھ کام میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ اب کسی وقت بھی خان آٹ کالگوٹ کا بلوا آسکتا تھا۔ میں اب تک کوئی ایسی تدبیر نہیں سوچ سکتی تھی اس قید خانے سے نجات حاصل کر سکتی لیکن میں نے ایک کام کرنے فیصلہ ضرور کر ڈالا تھا۔

میں نے بستر کی چادر اٹھا لی اور چلتا ہوئے بوتل گدے پر آ

اس طرح میں خان آٹ کالگوٹ پر یہ ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ میں بوتل خان آٹ کر دی ہے اور میں بہت زیادہ نشے میں ہوں لیکن میری ہفتش صرف اسی صورت میں باہر آؤر ہو سکتی تھی جب اس کمرے میں ٹیلی ویژن آئی ٹی موجود نہ ہو۔ ابھی تک اس کا اندیشہ رہا تھا کہ یہاں یہ مانگو فون اور خفیہ ٹیلی ویژن آئی ٹی موجود ہوگی لیکن میں اپنے ہاں میں آئے والے اس ماسٹر کو آزمانا چاہتی تھی کہ شاید ٹیلی ویژن آئی ٹی نہ ہو صرف خفیہ مانگو فون ہی ہو۔ ابھی تک جو کچھ ہو چکا تھا، اس ٹیلی ویژن آئی ٹی کا موجودگی ثابت نہیں ہوئی تھی البتہ خفیہ مانگو فون آئی ٹی کا یقین تھا کہ گروہ بھی نہ ہوتا تو وہ لوگ میرے اور رضوان کے جھگڑے کا کیا کیسے ہوتے؟ اب اگر میرے خیال سے یہ تصور بے مایاب ہو جائے تو یہ بات مرنات ثابت ہو جائے کہ اس کمرے میں ٹیلی ویژن آئی ٹی موجود نہیں ہے۔

بوتل میں میں نے صرف ایک چھوٹا سا ٹھوس ٹھوس اور اس کا ٹھکانا یا۔ میں نے گدے پر جوتھڑا اٹھا تھا وہ گدے میں جذب تھا۔ چادر کو دربارہ اس پر بچھا کر اس نے اس کے گیلے پر کوشیدہ بلباب میں نے بوتل میں بیجے ہوئے مشرف سے ایک چھوٹا سا گلاس یا اور اس کے قبوٹے چھوٹے ٹھوس لینے لگی تھیں تاہم تھی کہ جب ان مجھے لینے آئے تو بیٹا ہوا دیکھے۔

میں تصور کرنے لگی کہ اس وقت رضوان اور رضیہ سر جوڑے بننے ہوں گے یا سوچے سمجھے اور فیصلہ کرنے کے بعد انھوں نے کسی اور پر عمل شروع کر دیا ہوگا۔ ممکن ہے کہ جلد ہی وہ مجھے رہائی دلانے سے یہاں پہنچ جاتے لیکن میں صرف ان پر تکیہ نہیں کر سکتی تھی۔ مجھے بے غور پر بھی کچھ گزر کرنے کی کوشش سے پہلو نہیں بچا تھا۔

تو مجھے کے قریب جب کمرے کا دروازہ کھلا تو اس کے کھٹنے کی آواز سننے ہی کے علاوہ مرنے سے لگا ہوا تھا۔ جب وہ آدی آندا یا تو میں فوراً متنبہ ہوئی لی رتی تھی۔

یہ وہی شخص تھا جو آج صبح مجھے اور رضوان کو خان آٹ کالگوٹ سے پاس لے گیا تھا۔ اس نے حیرت کے ساتھ بوتل کی طرف دیکھا اور

"سب بیٹھیں؟"

"سب؟... سب کہاں؟" میں نے چھوٹے چھوٹے کہا۔ ابھی ماسٹر دو... دو گلاس... باقی ہیں؟

"میں نے تمہیں بیٹھے والی عورت بھی نہیں دیکھی!" وہ ٹھنڈا ماسٹر نے کر لیا۔

"تو اب دیکھ لو!" میں نے ایک کچھ بولنا شروع کیا لیتے ہوئے کہا "میں انھوں سے اس کی طرف دیکھا میں مسکرائی بھی تھی اس

انداز میں تھی جیسے خود کو اس کے سپرد کرنے کے لیے پوری طرح آمادہ ہوں۔

اس کی نگاہ میرے جسمانی خدوخال میں اٹھی اور میں نے دیکھا کہ وہ اپنے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان بھیننے لگا تھا یقیناً میری حرکت نے اس کے جسم میں کچھ سنسنی بھول کر پیدا ہو گیا لیکن پھر فوراً ہی مجھے اس کے چہرے پر ایسا ناخوشگوار جیسے وہ کسی خواب سے جوقا ہو۔ اس نے جلد سے کہا "لکھنے کا میرا یہ خان آپ کے منتظر ہیں۔"

"اوہ... گڈ! مجھے بھی کبھی لکھ ہی ہے چلو!" میں کھڑی ہوئی ہوئی بولی اور وہ دروازے کی طرف مڑ گیا۔

میں راہداری میں اٹھ گاتے قدموں سے اس کے پیچھے چلنے لگی۔ اس نے صرف ایک تیز مڑ کر میری طرف دیکھا اور پھر سیدھا چلتا رہا۔ میرے ذہن میں اس وقت صرف یہ سوال گردش کر رہا تھا کہ ابی دروازے کے سامنے لگی ہوئی دھاتی پلیٹ میں کیا اس وقت بھی کرنٹ دھڑکا ہوگا؟ اور کیا اس برقی شوک منتقل کرنے کے لیے میرے دہر کو کوئی خاص حرکت کرنا پڑے گی؟

میں بڑے انہماک سے اپنے دہر پر غور کرتے رہی تھیں میں نہیں چاہتی تھی کہ اس کی کوئی معمولی سی حرکت بھی میری غفلت پر پوشیدہ رہ جائے۔ میرے انہماک اس وقت دائمی بڑے کام گیا۔ میں نے اپنے دہر کی ایک عجیب سی حرکت دیکھی۔ اس نے دھاتی پلیٹ پر قدم رکھنے سے پہلے اس پلیٹ کے بائیں کونے پر اپنے بائیں پیر کے جوئے کی طرفی کار دباؤ ڈالا تھا۔ اس کے بعد اس نے اپنا دایاں پیرو دھاتی پلیٹ پر رکھ دیا۔ اس کے ساتھ ہی آہنی دروازہ کھٹکا چلا گیا تھا۔

اوہ گاڈ! امیر ذہن بچھا! شاید اس برقی شوک کا سلسلہ منتقل کرنے کی یہی تدبیر ہے کہ اس پر قدم رکھنے سے قبل اس پلیٹ کے بائیں کونے کو دبا دیا جائے۔

جب میں اس پلیٹ پر سے گزری تو میں نے اپنا پورا قدام دھاتی پلیٹ کے اسی کونے پر رکھا اور یہ غصہ یہی کہ اس کونے کا کچھ حصہ دھاتی طرح سخت نہیں بلکہ درزی کی طرح نرم تھا۔

دوسری طرف کمرے میں ڈائینگ ٹیبل کے سرے کی کرسی پر میرا "میزبان" موجود تھا۔ اس نے صوبہ معمولی مجھے خوش آمدید کہا اور بڑے خور سے میرے ڈانگ گاتے قدموں کا جائزہ لیا۔

"تم نے بہت زیادہ پانی پیے صلیو بانو؟" وہ پوچھے بغیر نہ سکا۔

”نہیں تو یہ میں نے کسی حالت میں ہنس پڑی۔ میں نے کچھ زیادہ تو نہیں پی“

”جواب“ میرا ہر ہونٹ پڑا۔ ہونٹوں میں مشکل سے تھوڑی سی بچی ہوئی۔

”خوب!“ خان آت کالا گوٹ کے ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ ابھری جیسے یہ معلوم کر کے اسے خوش ہوئی ہو۔

”ادھر تیس بھی دل میں اس بات پر خوش ہو رہی تھی کہ اس کمرے میں ٹیلی ویژن آئی پورسیدہ نہیں تھی۔ اگر ہوتی تو یہ لوگ اس بات سے آگاہ ہو جاتے کہ میں نے دقت رز کار بڑا حصہ بستر کے گدے کو بڑا دیا تھا۔

میں خان آت کالا گوٹ کی اجازت کے بغیر ڈائمنڈ ٹیبل کے دوسرے ہرے کی کرسی پر بیٹھ گئی اور تالوں کی طرف دیکھی ہوئی ہوئی۔ یہ خوشبوئیں تو میری اشتہا کو اور بڑھا رہی ہیں!“

”خوش رہو!“ خان نے کہا اور خود بھی ایک تاب کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

کھانے کے دوران میں ہم دونوں نے کوئی گفتگو نہیں کی میں اس طرح کھانے میں مصروف ہوئی تھی جیسے خان آت کالا گوٹ کی موجودگی کو کھوجو لگتی ہوں میں اس وقت نشے میں ہونے کی بہت شاندار ایکسٹنڈ کر رہی تھی لیکن مجھے خوب احساس تھا کہ خان آت کالا گوٹ بڑی گہری نظر سے میرا جائزہ لے رہا ہے۔

کھانے کے بعد میں نے اس طرح مسکرا کر خان آت کالا گوٹ کی طرف دیکھا جیسے وہ میرا کوئی دیرینہ دوست ہو۔

”تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی صبیحہ بانو!“ وہ بڑی شائستگی سے بولا۔

”نہیں، بھئی نہیں۔“

”کیا تم نے اس بات سے اندازہ نہیں لگایا کہ میں ایک اچھا دوست ثابت ہو سکتا ہوں؟“

”بے شک!“

”تو پھر تمہیں مجھ سے مفاہمت کر لینا چاہیے۔“

”ماہ پارہ کے سلسلے میں؟“ میں ہنس پڑی۔

”ہاں۔“

”وہ... وہ... اس کا کیا ہوا؟“ میں اس طرح اپنی پشانی رگڑنے لگی جیسے کوئی نام بھول رہی ہوں۔ مجھے اب کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ خان آت کالا گوٹ کو کمرے نشے میں ہونے کا یقین

لگایا ہو گا یا نہیں نے چونکے ہوئے انداز میں اپنی پشانی سے اسے اور بولی۔ ”ہاں! لیکن رضوان کے بارے میں پوچھ رہی ہوں۔“

”وہ؟“ خان آت کالا گوٹ مسکرایا۔ بلاشبہ تم دروازہ نہایت خوبصورت ڈراما کھیلنا تھا۔ میں دھوکا کھا رہی ہو گی۔

”لیکن... بعد میں... ہو گیا تھا؟“

”میرے آدی رضوان کی آنکھوں پر پرتی باندھ کر اسے لے گئے تھے اس لیے وہ اب بھی اس بات سے بے خبر ہی ہو گا۔“

”کس جگہ قید کیا گیا تھا؟“

”وہ تمہارے آدیوں کے ہاتھ سے کس طرح نکلے؟“

”چونکہ اس پر بڑی سختی کا اعتماد ہو گیا تھا لہذا ماہ پارہ تلاش میں اس کے ساتھ صرف دو آدمی بھیجے گئے تھے۔ ان آدمیوں کو بھی اس کی طرف سے کوئی اندیشہ نہیں تھا لہذا وہ دھوکے میں مار کھائے۔ رضوان انھیں بے ہوش کر کے لے گیا۔“

”خوب!“ میں آہستہ سے ہنس پڑی۔

”لیکن.... جیسا کہ میں نے تمہیں خط میں لکھا تھا، وہ اسے

مقام سے بے خبر ہی ہے جہاں اس وقت تم موجود ہو۔“

”ہو گا!“ میں نے بے پروائی سے کہا۔ ”مجھے اب اس پر اندیشہ ہے۔ تم بے پروا تو کتنیں ماہ پارہ کی اتنی شدید مزہ

کیسے پڑتی؟“

”جلو تائے دیتا ہوں، حالانکہ تم نے ابھی تک اس سے

میں دوستی نہ بنانے کا کوئی وعدہ نہیں کیا ہے۔“

میں سوالیہ نظریے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

کچھ دیر بعد وہ پھر بولا۔ ”یہ تو تم جانتی ہی ہو کہ پرانے زمانہ ان دنوں ایک خاص تجربے میں مصروف تھا اور میں نے اس کی ایک

ایکاد سے ناگدہ اٹھانے کے لیے اسے انکار کیا ہے۔ اس انکار کی گہلا

میں جو کمرہ گئی تھی، وہ ابھی تک باقی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ

جلد از جلد ملے جو ابھی لیکن پرانے کمرے میں دیر لگ رہی ہے۔

”وہ تمہارے لیے کام کرنے پر آمادہ ہو گیا؟“ میں تھپ۔

بولی۔

”میرے لیے کام کرنے پر یہی کو تیار ہو نا پڑا ہے۔ صرف تم

ہی کچھ دیر لگا رہی ہے۔“

”اچھا تو ہاں، ذکر شاید ماہ پارہ کا تھا!“

”دراصل پرانے فیئر مناس کے کام کی رفتار بہت سست ہے اور اس کے بیان کے مطابق وہ اس بات کا عادی ہو چکا ہے کہ

مہینوں میں ماہ پارہ اسے اسٹور کرتی رہے۔ اس کا کتنا ماہ پارہ اچھے تو وہ اس کام کو بہت جلد مکمل تک پہنچا

”ادہ... اچھا!“ میں نے سمجھ جانے والے انداز میں بولا۔

”لہذا میں ہر قیمت پر ماہ پارہ کو حاصل کرنا چاہتا ہوں۔“

”تم کس ملک کے لیے کام کر رہے ہو خان؟“

خان آت کالا گوٹ نے چونکے ہوئے انداز میں میری طرف

بولا۔ ”یہ خیال تمہیں کیوں ہوا کہ میں کسی ملک کے لیے کام

ہوں؟“

”گاہرے کسی چیزوں سے تم خود کو کوئی ناگدہ نہیں

”خان آت کالا گوٹ نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا۔ بہت جلد ہی طرف دیکھنے لگا تھا۔ اچانک مجھے احساس ہو گیا تھا

نظمی ہوئی ہے۔ میں ذرا دیر کے لیے نشے کی ادکاری بھول

چلا ہونے انداز میں باتیں کرنے لگی تھی اور خان آت کالا گوٹ

اسے محسوس کر لیا تھا۔

”وہ آہستہ سے بولا۔“ اس کا فیصلہ تو مستقبل ہی کرے گا

باد سے میں خود کو کوئی ناگدہ اٹھا سکتا ہوں یا نہیں!“

”مستقبل!“ میں نے اس طرح ٹھنڈے سا سنا جیسے ظاہر کرنا

ہوں کہ میری ذہنی تو پھر بہک رہی ہے۔ یہ مستقبل بھی بڑی

بڑے ہے خان!.... اس کے لیے انسان کیا کچھ کرنا ہے اور کیا

ہر جگہ لیکن وہ سب کچھ نہیں ہو پاتا جو انسان چاہتا ہے۔

”میں اپنے مستقبل کے لیے کچھ خواب دیکھتے تھے جو پورے نہیں

کہ میں نے اپنی قوم اور وطن کے لیے نہ جانے کیا کچھ کرنا چاہا لیکن

لوہنے میرا ساتھ دیا۔... ادہ!“ میں اپنی پشانی رگڑنے لگی اور پھر

”یہ میں کیوں فصول باتیں کر رہی ہوں؟“

”بھئی باتیں نہیں ہیں صبیحہ بانو!“ خان آت کالا گوٹ نے زور

لگا کر کہا۔ ”یہ قوم اس قابل ہی نہیں ہے کہ تم اس کے لیے کچھ سوچو!“

”ناگدہ تمہیں کہہ رہے ہو۔“ میں نے ٹھنڈے سا سنا کہ وہ

مراہی پشانی میری کمرے سے نکلا رہی ہے۔ ”مجھے اب کچھ مینڈا کر رہی ہے۔“

”خیر!“ میں نے آواز میں کہا۔

”لیکن سو نے سے پہلے تمہیں ایک فیصلہ کرنا ہے۔“

”کون سا فیصلہ؟“ میں نے سر اٹھایا اور اس طرح آنکھیں

اور اس کی طرف دیکھنے لگی جیسے اپنی نیند کو کھانے کی کوشش

کر رہی ہوں۔

”ماہ پارہ کے بارے میں تم نے کیا سوچا؟“

”میں اس کے بارے میں کیا سوچ سکتی ہوں؟“

”میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم نے اسے کہاں چھپایا ہے؟“

”خان!“ میں نے اس طرح کہا جیسے اپنے نشے پر تالو پانے

کی کوشش کر رہی ہوں۔ اس وقت مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے

میرے خیالات میں کوئی انقلاب آگیا ہو۔ اس وقت پہلی مرتبہ میرے

دل میں یہ خیال آیا ہے کہ میں تمہارا ساتھ دوں لیکن... لیکن...“

”لیکن کیا؟“ خان آت کالا گوٹ نے بے تابی سے پوچھا۔

”میں بھگت میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتی۔ مجھے سوچنے کے

بیلے کچھ وقت اور درکار ہو گا۔“

خان آت کالا گوٹ کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کی سی کیفیت

نظر آئی لیکن اس نے فوراً ہی خود پر قابو پایا اور بولا۔ ”لیکن

میں تمہیں سوچنے کے لیے پورا دن دے چکا ہوں۔“

”یہ دن تو صرف سوچنے میں گزارنا کہ میں یہاں سے کس

طرح فرار ہو سکتی ہوں لیکن ابھی ذرا دیر پہلے... ہاں...“

ابھی کچھ دیر پہلے... بوجب مستقبل کا ذکر ہو چکا تھا... اس

وقت سے میں اپنے ذہن میں ایک سوچناں سامنے کر رہی ہوں۔

مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ میں ماضی میں اپنی زندگی کے بہترین سال

ضائع کر چکی ہوں۔“

”تو پھر اب تمہیں کیا چھپکا ہٹ ہے فیصلہ کرنے میں؟“

”مجھے اپنی زندگی کا رخ بدلنے کے بارے میں فیصلہ کرنا ہے

اور یہ فیصلہ آنا معمولی نہیں ہے کہ میں اسے بھگت میں کر سکیں۔“

”تم سوچنے کے لیے کچھ دیر کا وقت چاہتی ہو؟“ خان آت

کالا گوٹ اپنی جھنجھلاہٹ کو ضبط کرنے کی کوشش میں لگا ہوا

تھا۔

میں نے کہہ ”میرا خیال ہے کہ میں تمہیں کل صبح جواب

دے سکوں گی۔“

”ناگدہ!“ خان آت کالا گوٹ نے میرے پرکھنا سنا۔ ”تمہیں

آنا وقت دینا میرے لیے ممکن نہیں۔ میں اب زیادہ دیر انتظار

نہیں کر سکتا۔“

”تو پھر ابھی نہیں میں جاؤ!“ میں نے بڑے اطمینان سے

کہا اور ایک بار پھر اپنی پشانی میرے پر لگا دی۔ میں یہ غائب کرنا

1007

چاہ رہی تھی کہ نہ کسی کی وجہ سے میرا ذہن بہت پریشان ہو گیا۔
خان آف کالاگوٹ کو اب شاید دھمکیوں پر آمرا ناچا ہیے
تھا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ وہ خود برقا پوٹے دیکھنے کی پوری پوری
کوشش کر رہا تھا۔ اس نے نرمی سے کہا: ”بس دوسرے دنوں اب
تم زندگی کے حسن نئے رخ کی طرف جانا چاہتی ہو، وہ نیا رخ
تم سے بھی جلدی کا متقاضی ہے۔ تم اگر جلدی کرو گی تو یہ دراصل
تمہارے ہی جسم میں بہتر ثابت ہو گا۔ تم اس سے بہتر سے فائدہ حاصل
کر سکی گی جبکہ تباہی کی صورت میں وہ فائدہ کچھ کم ہو جائی گے۔ میں
اس کا باعث نہیں سمجھا۔ ابھی نہیں سمجھا سکتا مگر تعین کرو کہ تم سے
جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔“

میں نے سیرسٹری ہوئی اپنی پیشانی اٹھائی اور خان آف کالا
گوٹ کی طرف دیکھنے لگی، پھر میں نے بھڑائی ہوئی آواز میں کہا: ”کچھ
بھی ہو خان! میں سوچنے کے لیے کچھ وقت ضرور چاہوں گی۔ تم مجھے
سوچنے کے لیے زیادہ سے زیادہ کتنا وقت دے سکتے ہو؟“
خان کے چہرے سے غصہ ہی جھنجھلاہٹ مرتفع ہوئی۔ اس نے
اپنی کھڑی میں وقت دیکھا اور پھر بولا: ”مجھے ابھی ایک ضروری
کار سے جانا بھی ہے۔ مجھے اس میں دو تین گھنٹے لگ جائیں گے۔
میں نہیں سوچنے کے لیے بس اتنا ہی وقت دے سکتا ہوں۔“
”دو تین گھنٹے؟ میں نے جیسے سوچتے ہوئے کہا: ”یہ تو ٹھیک
ہے۔ میں تم گھنٹے بعد نہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کروں گی۔“
”اس بات کا امکان بھی ہے کہ میں تم گھنٹے بعد بھی نہ آسکوں۔“
”تو؟“

”اس صورت میں تم اپنے جواب سے میرے ایک آدمی کو آگاہ
کر دینا۔“
”میں آدمی کو؟“
خان آف کالاگوٹ نے دوسرے دروازے پر کھڑے
ہوئے آدمی کی طرف دیکھا اور تھکا نہ انداز میں بولا: ”ماسٹر کو
بھلا کر لاؤ۔“

وہ آدمی پیلا لگیا۔ میں اس سے پہلے ہی ایک مزید کسی ماسٹر
کا ذکر سن چکی تھی اور میں نے سمجھ لیا تھا کہ وہ اس مقام پر خان
آف کالاگوٹ کا نائب ہے۔ لہذا اسے ماسٹر کہا جاتا ہے۔ پھر بھی
میں نے بڑی سنجیدگی سے آواز میں خان آف کالاگوٹ سے پوچھا۔
”یہ ماسٹر کس اسکول میں پڑھا ہے؟“
خان کے ہونٹوں پر نہایت غصہ ہی مسمکھلاہٹ پھیل گئی ماس

نے میرے سوال کو نشے کا سبب سمجھا تھا۔ وہ بولا:
”ان آدمیوں کو پڑھنا ہے جو وہاں شیشی ہیں۔“
”واہ! میں نہ کھل کر کہہ سکتا ہوں۔“
”گویا، خان بھی سکھایا تھا۔“
میں سنجیدہ ہو کر بولی: ”یہ اسکول نہ سمجھ
رکھا ہے خان!“
”خاصا عرصہ ہو گیا!“

”ہوں۔“ میں نے ایک بار پھر اپنی پیشانی کا
ٹککادی۔

خان چپ بیٹھا رہا۔ ذرا ذرا بعد وہ آدمیوں
کی آہٹیں سنائی دیں لیکن میں نے سیرسٹری سے نہ ہٹا۔
پھر میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ ان دونوں آدمیوں میں
کے قدموں کی آہٹ دروازے ہی پر ٹک گئی تھی؟
کے قدموں کی آہٹ سیرسٹری کے اس سرے پر آکر رک گئی تھی۔
آف کالاگوٹ بیٹھا ہوا تھا۔
”بانو! خان آف کالاگوٹ نے قدم سے بلند آواز میں
پکارا۔
”آں! میں نے گویا چونک کر سر اٹھایا۔
”یہ ماسٹر ہے۔“

میں نے اپنی آنکھوں کو سختی سے لگا کر
کی اور اس آدمی کی طرف دیکھا جو خان آف کالاگوٹ کے
پرموڈانہ انداز میں کھڑا ہوا تھا۔

وہ چالیس یا پچاس سال کا ایک لمبا ٹنگا آدمی تھا۔
کے بال خاصے لمبے تھے۔ وہ تھا تو قاضی مین اس نے ان کا
کا مخصوص لباس پہن رکھا تھا جو کڑے اور جوڑو وغیرہ سکھا
والے کو پہنتے ہیں۔ اس کی تیز چمیلی آنکھیں میرے چہرے پر
ہوئی تھیں۔

”یہ... یہ ماسٹر ہے! میں تو سزا نہ انداز میں سن رہی
میرے اس انداز پر ماسٹر کے چہرے پر سرخ سی پھیلی گئی
تھی مگر غالباً خان آف کالاگوٹ کی موجودگی کے باعث مجھ سے
کچھ نہیں کہہ سکا۔“

خان آف کالاگوٹ نے میرے مذاق کو نظر انداز کر دیا اور
بولا: ”ہاں بانو! تم تین گھنٹے بعد اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کر دینا۔
مجھے اطلاع دے دے گا۔“

میں نے کہا: ”میں نے سیرسٹری سے نہ ہٹا۔“
”خاں نے جواب دیا یہ تم اس کے بارے
”چو!“
”بلنیک ہے۔“ میں نے سر ہلا کر کہا۔
”ب میں چلو گا۔“ خان کھڑا ہو گیا۔
”ہاں! میں نے ہاتھ ہلایا اور ایک بار پھر سیرسٹری پر نکاد دینا

میں نے خان بول ڈالا۔
”نہیں! میں تجھے سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔
م یہاں نہیں بیٹھو گی اپنے کمرے میں جاؤ!“
”نہیں! میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا اور کھڑی ہو کر
”میں سے واپس اس دروازے کی طرف چل پڑی تھی
”میں نے ایک طرف ہٹ کر مجھے راستہ دیا اور پھر
”مجھے پیچھے چلنے لگا۔ مجھے میرے ”قید خانے“ میں چھوڑ کر جب
”س جاتے دکھا تو میں نے اس سے کہا: ”سنو!“
”وہ سوالیہ نظر سے میری طرف دیکھنے لگا۔
”کیا تمہارا سوڈا مل سکے گا؟“ اب میں اس بول میں یہ تو قری
”میں بول رہے ہوں!“

”نہیں! اس نے سر ہلا کر کہا۔“ میں ابھی بھی جاتا ہوں۔“
”ابھی نہیں! میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا: ”آدھے گھنٹے بعد!“
”اچھی بات ہے۔“

وہ چلا گیا اور دروازہ باہر سے مقفل ہو گیا۔
میں نے آدھے گھنٹے بعد سوڈا ملا دیا۔ میں نہیں منگوا یا تھا۔
”میں گھنٹے کی مہلت میں نے کچھ سوچنے کے لیے حاصل کی تھی
”سوڈا اس لیے منگوا یا تھا کہ سوڈا لانے والے پر ہاتھ صاف کر کے
”میں باہر پھر یہاں سے فلور ہونے کی کوشش کروں۔ اس بات
”کچھ کچھ اندازہ تو ہو ہی چکا تھا کہ اس دھاتی بیڈ کی برقی نہ
”ہمسند طرح منقطع ہو جائے؟“

وہ مشابہتیں اپنی جگہ باقی تھیں کہ اس زندان سے نکلنے کے
”میں خود کو کھانا پاؤں کی؟ اگر یہ اندرون سندھ کا علاقہ ہوا
”خان آف کالاگوٹ کی دسترس سے نکلنا خاصا مشکل ہو جائے گا
”یوں کہ اندرون سندھ تو اس کا اثر بدستور بہت ہی زیادہ تھا۔
”میں قدم قدم پر خود کو اس کے گروں کے حال میں پاتی لیکن اب
”مالات اس پنج پر پڑے تھے کہ بڑے سے بڑا خطرہ ہول کے کرمی

مجھے یہاں سے فلور کی کوشش کرنا ہی تھی۔ رضیہ اور رضوان کا انتظار
اب زیادہ وقت گزرے تک نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ویسے بھی اب مجھے
”میں انکم آج رات ان کی طرف سے کوئی اُمید باقی نہیں رہی تھی۔ اگر
”وہ یہاں پہنچے تو خان آف کالاگوٹ کے تعاقب میں پہنچ جاتے لیکن
”اب تو خان آف کالاگوٹ یہاں سے واپس بھی جا چکا تھا۔
”آدھے گھنٹے میں اسی مسئلے سے الجھتی رہی کہ مجھے یہاں سے
”فلور ہونے کے لیے کتنی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔
”آدھے گھنٹے کے بعد دروازہ کھلا اور ایک آدمی کی شکل نظر

آئی جو میرے لیے سوڈا لے کر آیا تھا۔ یہ میرے لیے ایک نئی مشکل تھی۔
”یہ وہ آدمی نہیں تھا جسے بے ہوش کر کے میں ایک مرتبہ یہاں سے
”فلور ہونے کی ناہام کوشش کر چکی تھی۔
”اجنبی نے سوڈے کی بوتلیں تپائی پھر کھیں تو میں اس سے
”بولی ”نہیں، وہاں نہیں، یہاں لا کے رکھ دو!“ میں نے ستر کی
”سائڈ ٹیبل کی طرف اشارہ کیا۔ بوتل بھی سائڈ ٹیبل ہی پر رہی
”ہوئی تھی۔
”اجنبی نے سوڈے کی بوتلیں اٹھا کر سائڈ ٹیبل کی طرف لایا تو
”میں نے ذہنی رز کی بوتل اٹھائی اور اس کا ڈھکن کھولنے لگا۔ میرا
”انداز ایسا تھا جیسے میں پینے کے لیے بے چین بیٹھی ہوں لیکن پھر
”اس حرکت کا اصل مقصد کچھ اور تھا۔ وہ مقصد ”اجنبی“ کی آنکھیں
”اس لیے نہیں اسکا کہ مجھ سے آنے کا لچک آنے سے پہلے وہ بے ہوش
”ہو چکا تھا۔ میں نے پوری قوت سے اس کے سر پر بوتل دے ماری تھی۔
”میں نے اس ٹل میں اتنی قوت استعمال کی تھی کہ بوتل کی گردن ٹوٹ
”کمرے کے باہر میں رہ گئی تھی اور بوتل اس کے سر پر سے اچھل کر فرش
”پر جا گری تھی۔ وہاں جو کچھ تالین بچھا ہوا تھا اندازاً اس کے ٹوٹنے
”سے آواز بدست جھٹکا کہ ”اجنبی“ ہو سکا جو فرش پر گر کر ٹوٹنے سے
”ہو گیا۔

”اجنبی تیرا کرتا میں پرگرا اور بے حس و حرکت ہو گیا۔ اس
”کے سر سے خون بھی بہنے لگا تھا۔ میں جلدی سے اس پر تھکی اور
”اس کے لباس کی تلاش لینے لگی۔ میں توقع کر رہی تھی کہ اس کی
”کسی جیب میں ریلواری پاسپول مل جائے گا لیکن میری یہ توقع پوری
”نہ ہو سکی اور اس کے پاس سے صرف ایک چاقو ہی برآمد کر سکا۔
”میں نے اس کی وغیرت جان کر اپنے قبضے میں کیا اور تیز سی سے
”کھٹے ہوئے دروازے کی طرف لپکی۔ یہ اطمینان تو مجھے حاصل ہو
”ہی چکا تھا کہ وہاں کوئی مخفی ٹیلیو ویژن آئی نہیں ہے، صرف

میں نے دروازہ بند کیا اور تیزی سے چلتی ہوئی ٹولہ لڑی
 طے کر کے آہنی دروازے تک پہنچ گئی۔ دھاتی پلٹ پر قدم رکھنے
 سے پہلے میں اس کے قریب جھجک گئی اور اس کے بائیں کوٹنے کا
 جائزہ لینے لگی۔ اتنے قریب سے بخود دیکھنے پر مجھے اندازہ ہوا
 کہ اس کوٹنے میں کوئی چھ انچ کا ٹکڑا کم از کم اس دھات کا ہرگز
 نہیں ہے جس دھات کی باقی پلٹ بھی لیکن اس ٹکڑے پر اتنی
 خوبصورتی سے رنگ لگایا تھا کہ وہ اس دھاتی پلٹ سے الگ
 کوئی تیز نہیں معلوم ہوا تھا۔ میں نے آہستہ سے ہاتھ بڑھایا اور
 انگلی سے اس ٹکڑے کو چھوا۔ اس لمس سے مجھے کوئی برقی جھٹکا نہیں
 لگا لیکن جس نے ریزنگی ضرور محسوس کر لی۔ اس کے بعد میں نے
 دھاتی پلٹ کو چھو کر دیکھا اور تھکنے سے میرا ہاتھ جھٹکا گیا۔ دھاتی
 پلٹ میں کرنٹ موجود تھا۔ اب میں سیدھی کھڑی ہوئی اور میں نے
 اپنے بائیں ہیکل کی ایڑی اس سچے انچ کے ٹکڑے پر رکھ کر باؤ ڈالی۔
 اس وباؤ کے ساتھ مجھے میرے اس پیر سے تھکس میں "کلیک" کی آواز
 محسوس کی۔ اب میں نے اس پر سے ہتھڑاٹایا اور جھک کر ایک بار پھر
 انگلی سے اس دھاتی پلٹ کو چھوا۔ اس مرتبہ مجھے کوئی جھٹکا نہیں
 لگا۔ برقی رو کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔ اب میں نے ٹکڑے سے ہتھڑاٹایا
 دایاں پیر بھی دھاتی پلٹ پر رکھ دیا۔ برقی زنجین منقطع ہو چکی۔
 اب میں نے اپنا دوسرا پیر بھی دھاتی پلٹ پر رکھ دیا اور جب میرے
 جسم کا وباؤ اس پلٹ پر پڑا تو آہنی دروازہ کھٹک چلا گیا۔ میں ہوا کے
 تیز جھونکے کی طرح اس میں سے گزری اور میں نے خود کو ایک پنگامینز
 ٹولونا میں گھرا پایا۔ میرے سامں گمان میں بھی نہ تھا کہ اس طوفان
 آتے ہی میں اس قسم کے کسی طوفان سے دوچار ہو سکتی ہوں۔

ہوا یہ تھا کہ جیسے ہی میں اپنی دروازے سے نکلا
میں پہنچی تھی، مجھ پر دو نفر دو چھپ بڑے تھے۔ اصولاً
دروازے کو کھلتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔
"باہی! رضیہ بچہ پر نظر پڑتے ہیں چچ اٹھی تھی،
حیرت کا وہ جھٹکا، رضیہ اور مجھ دونوں ہی کو مٹا دیا
کرے میں موجود ہوا چار افراد پہلے رضیہ سے پڑے،
میں سے دو مجھ سے پچھڑ گئے تھے اور تیسرے دو رضیہ کو لاکھ
کی کوشش کر رہے تھے۔ رضیہ کو وہ جادوں بل کر قاتلہ
تھے تو چہرہ دو افراد اس کا کیا بگاڑ سکتے تھے لیکن اچانک
میں میری آنکھ کے سبب رضیہ میری طرف متوجہ ہو کر غصہ
نے چہرہ کر مجھے پکارا تھا۔ میں وہ لمحہ تھا جب وہ دونوں
پڑے تھے۔ رضیہ کی طرف متوجہ ہونے کے سبب میں
پورا انسان "ذکر سکتی تھی اور ایسا ہی رضیہ کے ساتھ بھی
اُدھر وہ دونوں رضیہ پر جادی آنے لگے تھے ادا
خاطر وراثت نہ ہونے کے سبب وہ دونوں بھی ادا
حملہ آور ہو گئے تھے جنہوں نے مجھے پسپے ہونے ہی نہیں
کر دینا چاہا تھا۔
"رضیہ! سنبھلو" میں نے اپنے اوپر حملہ کرنے والے
سے ایک کے سینے پر فٹنگ لگ لگاتے ہوئے پناہ
میں نے دیکھا تھا کہ ایک شخص "کسی اٹھا کر رضیہ کی
سے اس پر حملہ کرنے والا تھا اور رضیہ دوسرے سے نہ
فرار خیال غلط ثابت ہوا تھا۔ رضیہ اس شخص کی طرف سے
نہیں تھی جو اس کی پشت سے حملہ کرنے والا تھا۔ رضیہ اپنا
وجود شخص کا باطل رسالتا جوتی ایک دم مڑی تھی اور میرا
ات پیچھے دالے شخص کے پیٹ پر پڑی تھی۔
جس شخص کے سینے پر میری فٹنگ لگ رہی تھی
دوبارہ اٹھا نصیب نہیں ہوا مگر دوسرا جادو وراثت
اپنے ساتھی کا سترو بیٹھے کے باوجود مجھ پر اٹھ اٹھانے
بیٹھا تھا۔ اس کا چہرہ ہوا سا کھرا تھا میرے شالے پر
نکھائی دے کر نکل گئی تھی۔

یہ بات میرے لیے لفظاً حیرت کا سبب تھی کہ وہ چار
مستحق تھے مگر حقیقتاً ایسا نہیں تھا، اس کا احساس مجھے کہہ
ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ انھوں نے رضیتہ دسم
رائی کوں لیندگی؟ کیا وہ غیر مستحق تھے؟ اور کیا رضیتہ کے

نہیں تھا؟ رضیہ نے آٹھریسی غلطی کیوں کی؟
یہ تو اس وقت بتا چاہ لیگا تھا جب میں نے اپنے مقابلے پر
تمنا شخص کو زمین چٹکوا دی تھی کہ وہ لوگ غیر مستحق ہر حال
تھے۔ اس شخص کے کوٹ کی ابھری ہوئی جیب سے روپو اور
دودھا گرا تھا لیکن رضیہ کیوں غیر مستحق؟ یہ سب کچھ اسی
ساتھ تھا۔

اس دوران میں رضیہ نے بھی ایک شخص کو گرا لیا تھا۔ اب
تین افراد بے ہوش پڑے تھے اور چوتھا شخص اپنے تین
میں کا شہر دیکھ کر کمرے کے دوسرے دروازے کی طرف
سُلا تھا۔

"ک جاؤ دراز گولی مار دوں گی!" میں نے لبیک کر کے پوٹل
کا ریلو والا ٹھکانے ہوئے حلق کر کہا۔ مجھے خطرہ یہ تھا کہ اس
میں کمرے سے نکل کر باہر سے دروازہ بند نہ کر دے۔
یہ خطرہ شاید رضیہ نے بھی محسوس کیا تھا اس لیے وہ
بننے والے کے پیچھے بھاگی تھی۔ فرار ہونے والا لاڈ کا نہیں
جانتا ہوتا دروازے سے نکل گیا تھا۔ میں اس پر اس
مار کر کسی بھی کارفرما ہی رضیہ سامنے آگئی تھی۔ اندازے
میں بھی غلطی مجھے بول ناگ مانا جسے دھچکار کر مکتی تھی
مگر وہ رضیہ کی زندگی کو خطرے میں نہیں ڈال سکتی تھی۔
مغزوہ شخص اور رضیہ آگے پیچھے جھانکتے ہوئے اس کمرے
میں گئے تھے اور میرے لیے بھی اب اس کے سروا کوئی چارہ
نہیں تھا کہ انہی کے پیچھے جاؤں۔

دوسرے ہی لمحے میں بھی اس کمرے سے بھاگتی ہوئی نکلی۔
ایک بیڑی سی ماہداوی تھی، رضیہ اس شخص کو چھلانگ لینے میں
یاب ہو کر پڑی تھی۔ "رضیہ! نادروہ ہی کے میک آپ میں بھی جس
مجھے یہ اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی تھی کہ وہ خان ولا ہی
سیبیجو واپس بھیجی لیکن رضوان کہاں تھا؟ کیا اس نے رضیہ
ولاہیت نامہ نہیں کیا تھا؟ اگر ایسا ہی تھا تو کیوں؟ رضوان اس
کیوں نہیں ملا؟ میں نے تو سوچا تھا کہ وہ دونوں ہی دان ساتھ
ہیں بنیں گے مگر رضیہ فی الحال اتنا نظر آرہی تھی۔ کہیں رضوان
ملالت کے کسی حصے میں تو دشمنوں سے زبردستی دان نہیں تھا؟ میں
دنچے میں اس لیے حق بہ جانب تھی کہ مجھے ان چادر میں ماسٹر
زبان آیا تھا۔ وہاں ان کی تعداد کم تھی اس سے میں ہر حال
لمرتھی۔

میں جب تک دوڑتی ہوئی رضیہ کے قریب پہنچی، اس نے فرار ہونے والے کو کھٹکتی کندیشا دیا۔ یہ زیندہ عرفیہ نے ہوش کی حسد تک سستی باوہ واقعی ابدی نیند کو گناہا، اس بات سے مجھے کوئی لکڑی نہیں تھی۔

رضیہ ابھی اٹھ کر کھڑی نہ ہو پائی تھی کہ ماضی ایک ناخاکری آواز سے گونج اٹھی۔ میں نے زمین پر پڑنے میں دیر نہیں کی تھی اور پڑنے بیٹھے اس طرف ایک ناخاکری دیکھا جس طرف سے گولی چلائی گئی تھی۔ رضیہ نے سب میری تقلید کی تھی۔

اس راہداری میں دونوں جانب کمرے بنے ہوئے تھے اور ایک کمرے کا دروازہ راہداری کے اختتام پر بائیں جانب تھا۔ گولی اودھر ہی سے آئی تھی۔ اس کمرے کا دروازہ ٹھوس لکڑی کا تھا۔ دیوار اور چھینک دو وسیع بانو، در نہ تم دونوں کو مجھوں دیا جائے گا۔ اجاکا میں نے راہداری کی دوسری سمت سے ایک بھاری آواز سنی۔ اس کے ساتھ یہ یقین دلائے کے لیے کہ دھمکی دینے والا اپنے دلدے میں سچا ہے فوراً ہی ایک ناخاکری چلائی جانے والی گولی میرے اور رضیہ کے سر پر لگے۔ ایک زنا ناسا پیدا کرئی ہوئی گزر گئی۔ چھٹنے بعد ہی وہی بھاری آواز گھر گونجی۔ تم دونوں باب سے بچو گھر چلو وسیع بانو! بہتر یہی ہے کہ راہداری چھینک دو! میں نے اسی طرف سر اٹھا کر دیکھا جدھر سے آواز آئی تھی۔ وہ آواز راہداری کے دوسرے سرے پر بنے ہوئے ایک کمرے سے آ رہی تھی اور اس کمرے کا دروازہ بھی ٹھوس لکڑی کا تھا جس سے راہداری کی مال باہر تھا تک رہی تھی۔ دھمکی دینے والا اسی دروازہ کے پیچھے چھپا ہوا تھا اس لیے میری نگاہوں سے اوجھل تھا۔

”ہاجی! دیوار اور چھینک دیں“ اجاکا رضیہ نے گروشی کی۔ میں نے خود بھی ہی دیکھ کر کہا تھا۔ دو لوگ اس صورت میں کھل کر سامنے آگئے تھے۔ یقیناً رضیہ بھی یہ بات سمجھ چکی تھی کہ وہ لوگ مجھے اور اسے زندہ بچرنا چاہتے ہیں۔ ان جادل نے سامنے ہونے کے باوجود دیوار اور کسمال نہیں کیے تھے اس کا سبب بھی یہی رہا ہرگنا۔ خان آف کا لاٹوٹ بہ حال اس وقت تک مجھے ہلاک کرنا نہیں چاہتا تھا جب تک مجھ سے ماہ پارہ کے بارے میں نہ پوچھ لیا لیکن انھوں نے رنجہ کو کیوں چھوڑ دیا تھا؟ یہی نہیں سمجھ نہیں پاتی تھی۔

اگر میں دلوں اور چھینک کا فیصلہ نہ کرتی تو یہ امکان ضرور تھا کہ

سے بچ کر لڑوہے تھے۔
اس بار بھی میں نے مسٹر کو پہل کر کے لا موقوف دیا اور اسے
چڑانے کے لیے ہاتھ کا اشارہ بھی کیا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے
بچہ کھڑکی پر میری جانب جست لگائی اور عین اسی لمحے میرے پیروں
نے بھی زمین چھوڑی۔ میرے ادر بارے کے جسم فضا میں ایک دوسرے
سے ٹکرائے اور اس ٹکرائے میں نے پورا نامزدہ اٹھایا۔ میں تو
اس بات سے باخبر تھی کہ وہ مجھ پر جہت لگائے گا لیکن شاید اسے
یہ توقع نہیں تھی کہ میں اس کے بھاری جسم سے ٹکرانے کی جہت کروں
گی۔ میں نے اس کی اس لاعلمی سے نامزدہ اٹھایا تھا۔ جیسے ہی میرا
جسم اس کے جسم سے ٹکرایا تھا میں نے اپنے دونوں ہاتھ ٹانگوں کی تھیلیوں
اس کے سر پر ماری تھیں۔ میں اس کے بھاری جسم سے ٹکرانے کی زمین
پر شانے کے بل گر گئی تھی اور وہ تیرا کر ایک طرف جا پڑا تھا۔
میں اس پر تیزی زمین پر گرے ہی اچھل کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی
مگر ماسٹر پہنچ کر کاغذ پر نہ کر پایا تھا۔ میری کھڑکی تھیلیوں کی ضرب
نے اس کے کنارے کی چوئیں ہلا کر رکھ دی ہوں گی۔ وہ یقیناً
سخت جان تھا جراتی شدید ضرب سہہ گیا تھا وہ اس کی جگہ کوئی
اد ہوتا تو شاید کافی دیر میں اٹھ کر کھڑا ہو سکتا۔
ماسٹر اٹھ کر کھڑا تو ہو گیا تھا مگر بار بار اپنے سر کو جھٹکنے لے
رہا تھا۔
”آؤ ماسٹر! ہاں کھڑے کے سینک مار رہے ہو!“ میں نے
ہنس کر کہا اور اسی کے ساتھ اسے دوبارہ جست لگانے پر آمنا
کے لیے ہاتھ کا اشارہ کیا۔
”میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا!“ ماسٹر نے مجھ پر اپنی تیر چھلی
آکھیں گاڑنے سے کہی۔
”یہ ارمان بہت سے لوگ اپنے سینوں میں لے کر مر گئے
ماسٹر! اور شاید تم بھی مر جاؤ!“
”اچھا میرا فرقہ پورا ہوا اور اُدھر ماسٹر نے مجھ پر پھلانگ
لگادی۔ اس بار میں نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی تھی۔ ماسٹر کو
یہی توقع تھی کہ وہ جگہ کر کے میری طرف فضا میں اس
کے جسم سے ٹکرائی گا لیکن اس لیے اس بار اس کے دونوں پاؤں آگے
تھے اور وہ کان سے چھوٹے ہوئے کسی تیر کی طرح ریکلوف آ
رہا تھا۔ جیسے ہی اس کا بھاری جسم میرے قریب آیا میں نے پہلی ہی
تیزی سے ہینزا مارا اور پھر میری دائیں ہانگ اٹھی۔ میرے جوتے
کی ٹوک پوری قوت سے اس کی کمر پر چڑی تھی اور اسی کے ساتھ میں

تیزی سے پیچھے ہٹ کر دیوار سے جا لگی تھی۔ اس بار اس
سے پیچھے بھی نکل گئی تھی۔
ماسٹر کو کمرے کی زمین پر آ رہا تھا اور گر کر بار بار زمین
میں اچھل رہا تھا۔ اسی وقت میری نگاہ ماسٹر کے اس سامنے
جو میری ایک ضرب بھی نہ سہہ سکا تھا۔ وہ میرے قریب ہی
تھا اور بے ہوش تھا۔
ماسٹر کو اب میں اٹھنے کی صحت نہیں دینا چاہتی تھی۔
ایک ہی لمحہ ضائع کیے بغیر اس کی طرف چھٹی۔ اگر میں اس پر
لگائی تو یقیناً حماقت کرتی کیوں کر میری توقع کے خلاف وہ
ایک دم پلٹ کر اس جگہ سے ہٹ گیا تھا کہ تو قریباً جھڑپا
پیزوں پر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس نے غالباً یہی سوچا ہو گا کہ
پر جہت لگاؤں گی اور یوں اپنے ہی زور میں زمین پر مار
گی۔ میں نے پہلے اس پر جہت ہی لگائے کا فیصلہ کیا تھا مگر
مجھے میں اپنا فیصلہ بدل دیا تھا۔
اسے کھڑا ہونا دیکھ کر میں ایک جھٹکے سے لگ گئی تھی
میں اس وقت میری صحت سے پہلے درپے دو ہوا جا۔
ٹکرائی تھیں۔ میری نگاہ غیر ارادی طور پر اس طرف اٹھ گئی
سے جنہیں سنا دی تھیں۔ رضیہ اپنے جیسے لاکھ نیا کر
کے ساتھ میری طرف آ رہی تھی۔ اس نے اپنے عقاب دونوں
کو زمین پر لٹا دیا تھا وہ دونوں زمین پر بے رحمہ پڑے تھے
نے رضیہ کے ہاتھ میں دیوار بھی دیکھا تھا جیسا کہ اس نے اس
دونوں میں سے کسی کی جیب سے نکالا ہو گا۔
ماسٹر کی پشت ارضیہ کی طرف تھی۔ میرے ذہن میں نہ
کیوں یہ خیال آ گیا کہ میں رضیہ ماسٹر پر گولی نہ چلا دوں۔
میں نے بند آواز میں بولی ”رضیہ گولی نہ چلا نا“
میرے ادر ماسٹر کے درمیان صرف دو میٹر کا فاصلہ
تھا۔ ماسٹر میری بات سن کر اچھل پڑا۔ پھر دوسرے ہی لمحے وہ
پھپھکی کی طرح زمین پر گر پڑا تھا اور گرے ہی اس نے اپنا
جیب میں ڈال دیا تھا۔
دوسرے ہی لمحے رضیہ کے دیواروں نے مثل آگ لگ دیا تھا۔
ماسٹر کی طرف سے فاصلہ نہیں تھی اور یقیناً اس نے ماسٹر کو صدمہ
میں ہاتھ ڈالنے دیکھ لیا تھا۔ ماسٹر اس لیے اپنی جیب کا ہاتھ
نکالنے میں ناکام رہا تھا اور گولی کھانے کے بعد چرچ کر دوسری
طرف الٹ گیا تھا۔ اگر گولی چلانے میں رضیہ سے ایک لمحے کی

تخیر ہو جاتی تو ماسٹر اپنی جیب سے دیوار نکال چکا ہوتا۔
رضیہ کے پاس اس صورت حال میں اس کے سوا کوئی چارہ
نہیں تھا کہ میرے منگ کرنے کے باوجود وہ ماسٹر کو نشانہ بنا دیتی
الٹا اس نے ہی کیا تھا۔
مجھے یہ سمجھنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی کہ ماسٹر سفر آخرت
پر روانہ ہو چکا ہے۔ ہر چیز کے رضیہ نے اس کے بازو کو نشانہ بنایا
تاکہ گولی بازو کا گوشت چھاڑتی ہوئی اس کے سینے میں اتر گئی۔
اگر رضیہ اس نالی سے غافل نہ کرتی تو گولی سیدھی چٹتی اور اس
صوت میں مجھے بھی خطرہ پیش آ سکتا تھا کیوں کہ میں ماسٹر کے
سامنے ہی کھڑی ہوئی تھی۔
”آپ کے سینے چوٹ تو نہیں آئی باجی؟“ رضیہ نے میرے
قریب پہنچ کر پوچھا۔ اس کے لہجے میں بھائی کی محبت تھی۔
”یہ گولی!“ میں ہنس دی۔ ”تو تو مجھے اچھی طرح جانتی ہے پھر
میں نے بات پوچھ رہی ہے!“
میں نے ایک ہی نظر میں یہ دیکھ لیا تھا کہ رضیہ زخمی نہیں ہے۔
اس لیے اس سے کہہ کر پوچھنا ضروری سمجھا تھا۔
”میرا خیال ہے کہ اس علامت میں ہی آٹھ افراد تھے جن میں
سے دو ایک مر چکے ہیں اور رضیہ بے ہوش ہیں“ میں نے تاثر طلب
آواز میں رضیہ سے کہا۔
”ہاں“ میرا خیال بھی یہی ہے باجی! اگر اور لوگ بھی ہوتے تو
بیتا اس ہنگامہ آرائی کے بعد خاموش نہ بیٹھتے۔“ رضیہ نے جواب
دیا۔ پھر فوراً ہی بولی ”ہاں ہاں تیریں کسی کمرے میں ضرور بند ہو گئیں۔“
”تیریں!“ میں چونک کر بولی۔
”ہاں وہ میرے ہی ساتھ آئی تھی“ رضیہ نے بتایا۔
میں نے اس وقت یہ وضاحت ضروری نہیں سمجھی کہ تیریں
رضیہ کے ساتھ کس طرح وہاں پہنچ گئی تھی اور وہاں کس طرح قید
ہو گئی تھی۔ یہ ساری باتیں بعد میں ہو سکتی تھیں۔
”رضیہ! تیریں کی تلاش سے پہلے ہی ضروری ہے کہ ہم ان
انہوں افراد کو غیر مسلح کر کے کسی کمرے میں بند کر دیں“ میں نے کہا۔
”اگر اس دوران میں ان میں سے کسی کو ہوش آ گیا تو ہمارے لیے
کوئی مشکل کھڑی ہو سکتا ہے۔“
رضیہ نے میرے خیال سے اتفاق کیا اور پھر ہم دونوں نے
لا آٹھوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر غیر مسلح کرنے کے بعد راہداری
کے ایک کمرے میں ذبح کیے ہوئے جانوروں کی طرح ڈال دیا۔

کے بعد باہر سے دروازہ بند کر دیا۔ ان میں سے چار کمرے بڑے کمرے
سے گھسیٹ کر لائے تھے۔ آٹھ افراد میں سے تین بچہ رسید ہو
گئے تھے۔ بقید بھی ایک بچہ پرورش تھے۔ ان تین میں مارو بھی شامل
تھا۔ ماسٹر کو رضیہ کے ہاتھوں مارا گیا مگر بقید کے بارے میں کچھ
نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کس کے ہاتھوں چلاک ہوئے تھے۔ ان دونوں
کی گردنوں کی جڑوں ٹوٹ گئی تھیں۔
دو دور پوروں میں نے اور رضیہ نے اپنے پاس رکھ لیے تھے
جن سے ایک بھی گولی نہیں چلائی گئی تھی، بقید چار پوروں اور ہم نے
راہداری ہی میں بھی ایک دیے تھے کیوں کہ ان کا بوجھ اٹھانے پھرنا
میری نظر میں اس وقت بے سود تھا۔ میرے خیال میں ابھی خطرہ پوری
طرح ٹکا نہیں تھا اس لیے میرا اور رضیہ کا مسلح ہونا ضروری تھا۔ جب
تک ہم اس حالت سے نکل کر کسی محفوظ جگہ نہ پہنچ جاتے کچھ نہیں
کہا جا سکتا تھا کہ کن حالات سے گزرنا پڑا۔
اب تک مجھے رضیہ کو کچھ بتانے کا موقع مل سکا تھا کہ پوچھنے
کا، لیکن اب ان اٹھوں کے جاندار اور بے جان جسموں کو راہداری کے
ایک کمرے میں بند کرنے کے بعد میں کسی فوری خطرے سے محفوظ
ہو گئی تھی۔ میں نے رضیہ سے پہلا سوال رضوان کے بارے میں کیا۔
”رضوان نے مجھ سے رابطہ قائم نہیں کیا“ رضیہ نے جواب
دیا۔ ”لیکن ہے اس نے کو شمش کی ہو کیوں کہ آج دپہر کے
بصر میں تیریں کے ہمارے شاپنگ کے لیے صدارتی تھی اور ہم دونوں
کافی دیر بعد کوئے تھے۔ تیریں مجھے ساتھ لے جانے پر بھروسہ ہو
گئی تھی ورنہ میں نہ جانتی۔“
”ہوں“ میں نے گہرا سانس لیا۔ ”میں ہی ہو سکتا ہے۔“
”مگر باجی! رضوان کو تو آپ کے ساتھ ہی ہونا چاہیے تھا۔
مجھے تو یہی اندازہ تھا“ رضیہ کے لہجے سے کسی قدر نگرانی کا انداز
ہوا تھا۔
”وہ بھی میری طرح ہیں قید تھا مگر یہاں سے نکلنے میں کامیاب
ہو گیا تھا۔“
”لیکن... وہ... وہ ہاں آپ کو چھوڑ کر نہ رہا۔“
”حالات ایسے ہی تھے“ میں نے رضیہ کی بات کاٹ کر
کہا۔ ”میں تعین تفصیل سے سب کچھ بتا دوں گی لیکن پہلے تم یہ بتاؤ
کہ یہاں کس طرح پہنچ گئیں؟“
”تیریں نے کسی طرح عارف کو اس پر آمادہ کر لیا تھا کہ وہ اگر
آج رات خانہ آت کا لاگت کوہلی کو پھونکی لے کر میں جاتے گا تو مجھے

اور اسے پہلے ہی پہلی کو پٹر میں چھپا دے گا۔ رضیہ نے جواب دیا۔ میرے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ زئیں نے اس کو گنگے کو کس طرح اس بات پر آمادہ کیا ہوگا۔

میں نے اسے مزید کوئی سوال نہیں کیا تھا کہ رضیہ پھر بولی تھی۔ "میں نے لاکھ چاکر زئیں صحت پہنچے پہلی کو پٹر میں جانے دے کر وہ نہیں مانی۔ میری باتوں نے خود اس کے ذہن میں جج جس پیدا کر دیا تھا کہ خان آن کا لاگوٹ درحقیقت کہاں جاتا ہے؟"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم دونوں اسی وقت سے یہاں ہو جب خان آن کا لاگوٹ آتا تھا؟ میں نے خود کلاہی کے سے انداز میں کہا۔

"ہاں" رضیہ بولی "میں زئیں کے ہمراہ پہلی کو پٹر سے اتر کر اس عمارت کے ارد گرد پھیلے ہوئے درختوں کے جھنڈ میں بچھپ گئی تھی۔ میں نے سوچا تھا کہ جب خان آن کا لاگوٹ پہلی کو پٹر میں بیٹھ کر واپس چلا جائے گا تو زئیں کو وہاں چھوڑ کر عمارت کا رخ کر دیں گی۔ میرا تیسرا تھا کہ خان آن کا لاگوٹ نے آپ کو اور رضوان کو اسی عمارت میں رکھا ہوگا؟"

"تھیں ایک معلوم ہوگا کہ میں اور رضوان خان آن کا لاگوٹ کے جتنے چلے گئے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"آج صبح! جب میں نے رضوان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تو مجھے ایک ملازمہ سے رات کو پیش آنے والے عجیب واقعے کا علم ہوا۔" رضیہ نے جواب دیا "میں اس وقت خان ولا سے روانہ ہو گئی تاکہ تفصیل واقعات جان کر کسی نتیجے پر پہنچ سکوں۔

پھر میں نے ملازماؤں سے گفتگو کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ خان آن کا لاگوٹ آپ پر اور رضوان پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہو چکا ہے۔ پہلے مجھے شہر ہوا کہ شاید آپ کو خان ولا ہی میں رکھا گیا ہے لیکن پھر میرا خیال بدل گیا۔ میرے ذہن میں یہ وہ کہہ کر یہی خیال آ رہا تھا کہ خان آن کا لاگوٹ نے جہاں پر دوسرے مناس کو رکھا ہوگا وہیں وہ آپ کو بھی رکھے گا۔ اس خیال کا ایک سبب یہ تھا کہ خان آن کا لاگوٹ پر دوسرے مناس کو کسی ایسی ہی جگہ رکھ سکتا تھا جو ہر طرح محفوظ اور نفعی ہو۔ خان ولا ہر حال وہ جگہ نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ جگہ میرے خیال میں وہی ہو سکتی تھی جہاں خان آن کا لاگوٹ پہلی کو پٹر میں بیٹھ کر جاتا تھا۔ اس نتیجے تک...

"شہر رضیہ! میں نے ہاتھ اٹھا کر رضیہ کی بات کاٹ دی۔ تم نے پر دوسرے مناس کا ذکر پھر کر ایک اور راہ سمجھا دی میں تمہارے

اس خیال سے قطعی متفق ہوں کہ پر دوسرے مناس بھی اسی کہیں قید ہے۔ اب مزید تفصیلات میں جانے کا وقت نہیں فوراً زئیں اور پر دوسرے مناس کو تلاش کرنے کے بعد اس کا

سے نکل جانا چاہیے۔ یہاں کسی بھی وقت کوئی خطرہ پیش آ سکتا ہے۔" یہ کہنے ہوئے میں نے کافی پر بندھی ہوئی گھڑی بھا دیکھا اور بولی "اس وقت گیا وہ بجے والے ہیں۔ آج ملازمہ باہر بجے کے بعد خان آن کا لاگوٹ یا تو یہاں خود آئے گا یا پھر

ماسٹر سے رابطہ قائم کرے گا۔ ہمارے پاس صرف ایک گھنٹہ ہے۔ یہ بھی شدہ نہیں کہ وہ ایک گھنٹے سے پہلے ماسٹر سے رابطہ قائم کرے گا۔ لیکن ہے وہ پہلے ہی رابطہ قائم کرے اور وہ

سے کوئی جواب نہ ملنے کی صورت میں فوراً ہی کوئی ایسی جگہ جیل دے کہ ہم اس کے حال میں دوبارہ پھنس جائیں؟

رضیہ نے مجھ سے اس بات کی وضاحت نہیں مان لی تھی کہ مجھے یہ کیسے یقین ہے خان آن کا لاگوٹ ایک گھنٹہ یا تو خود وہاں پہنچے گا یا ماسٹر سے رابطہ قائم کرے گا۔ یہ وقت مل تفصیلات میں جانے کا نہیں تھا اور اس بات کا اندازہ رضیہ کو بھی ہو گیا ہوگا۔

میرے ذہن میں جس ہی اس وقت کی تشدد سوالات کو دلیں رہے تھے مگر میں نے فی الحال انہیں ذہن سے جھٹک دیا میں اور رضیہ اس وقت راہداری میں کھڑے ہوئے بائیں کمرے تھے۔ پہلے ہم نے وہیں دونوں جانب جتے ہوئے گھومنا دیکھا لیکن ضروری سمجھا سچی کردیں میں سے ایک میں ہم نے ان آٹھ افراد کو بند کیا تھا۔

وہ چھ کمرے تھے دو راہداری کے دونوں سروں پر تھے اور چار درمیان میں۔ ان میں ایک بڑا سا کمرہ بھی تھا جس میں نفی نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ کمرہ بالکل خالی پڑا تھا۔

"اس کمرے میں غالباً ماسٹر اپنے شاگردوں کو جوڑ کر الے کی تربیت دیتا ہوگا؟" میں نے اس ہال نما کمرے سے نکلنے لگے کہا۔

رضیہ نے میرے خیال سے اتفاق کیا۔ یقیناً تمام کمرے رہائشی تھے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ آٹھ افراد اسی کمرے میں رہتے ہوں گے۔ ان میں سے ایک کمرے میں ماسٹر کی بڑی سی تصویر بھی دیوار پر آویزاں تھی۔

دہان مزید وقت مناس کرنا نہ بیکار تھا اس لیے میں اور رضیہ

راہداری کے سرے پر پہنچے ہوئے ایک دروازے کی طرف بڑھے۔

کچھ دیر بعد ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ عمارت کا بیڑے لے کر پہنچ رہی تھی۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا میری بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ ابھی تک ہم نہ زئیں کو تلاش کر سکے تھے اور نہ پر دوسرے مناس کو! یہیں اس عمارت میں جگہ اسے ہوئے تقریباً دس منٹ گزر چکے تھے۔ میں نے اس دوران میں دوسرے بقیہ واقعات بھی معلوم کر لیے تھے۔

رضیہ کے بیان کے مطابق اس نے ایک نتیجے تک پہنچنے کے بعد زئیں کو اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ وہ عمارت کو تھوڑی سی "گھاس" ڈال دے۔ زئیں ہنسنے لگے اس کا نظیر پر آمادہ ہوئی تھی اور یقیناً حسب توقع نکلا تھا۔ عمارت نے ان دونوں کو پہلے ہی پہلی کو پٹر کے پچھلے حصے میں چھپا دیا تھا جہاں دو پیرا شروٹ نہ جانے کس لیے پڑے رہتے تھے حالانکہ وہ ہوائی جہاز نہیں پہلی کو پٹر تھا۔ زئیں اور رضیہ بہ آسانی ان پیرا شروٹس کے نیچے چھپ گئی تھیں۔ خان آن کا لاگوٹ کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو سکا تھا کہ پہلی کو پٹر میں اس کے گونگے جیتنے کے علاوہ بھی دو دھرم معصوم دل دھڑک رہے ہیں۔

اندازے کے مطابق تقریباً ایک گھنٹہ یا اس سے کچھ کم پہلی کو پٹر رضوان پر آ کر گزرا رہا تھا۔ پھر جب خان آن کا لاگوٹ اس سے اتر کر چلا گیا تھا تو رضیہ اور زئیں بھی عمارت کو بائیں بائیں کمرے وہاں سے چل دی تھیں۔ وہ گونگا لیے چارہ کتنا سستا بھی کہہ کیا وہ اول آن کر کے رہ گیا تھا جس پر نہ زئیں نے توجہ دی تھی نہ رضیہ نے۔

جب خان آن کا لاگوٹ دوبارہ پہلی کو پٹر میں بیٹھ کر وہاں سے چلا گیا تھا تو رضیہ اور زئیں عمارت کی طرف بڑھی تھیں لیکن ان دونوں ہی کو چھاپ لیا گیا تھا۔ رضیہ نے دانستہ اس وقت ہنگامہ برپا کرنے سے گریز کیا تھا کیوں کہ ان دونوں کو پکڑ کر عمارت ہی میں لے جایا جا رہا تھا۔ رضیہ کا دیو اور اس سے اسی وقت چھین لیا گیا تھا۔

زئیں کو دیکھتے ہی ماسٹر چونک اٹھا تھا۔ اس سے رضیہ نے اندازہ لگایا تھا کہ کم از کم ماسٹر زئیں کو ضرور پہچانتا ہے جب ماسٹر کے حکم پر زئیں کو اور رضیہ کو اس کے حجرے الگ الگ

لے جانے لگے تو زئیں غصے سے بے قابو ہو گئی۔ اس نے ماسٹر کو بہت دھکیلا دیا کہ وہ اپنے والد سے کہہ کر اسے ملازمت سے الگ کر دے گی اور یہ رضیہ اس کی دوست ہے مگر ماسٹر نے ایک دسویں۔ رضیہ اور زئیں کو جلا جونا ہی پڑا۔ رضیہ نے اس وقت بھی ہنگامے سے دانستہ گریز کیا۔ وہ کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھی کہ اس کے مقابل کم سے کم افراد ہوں اور پھر اسے یہ موقع مل ہی گیا۔ رضیہ کو غالباً وہ اسی کمرے میں قید کرنا چاہتے تھے جہاں انھوں نے مجھے رکھا تھا۔

رضیہ کے بیان کی روشنی میں میرے لیے یہ سمجھنا ایک مشکل نہیں رہا تھا کہ وہ لوگ مسلح ہونے کے باوجود رضیہ کو قتل اور میں کرنے کے لیے دیوار کیوں استعمال نہیں کر رہے تھے اور وہ غیر مسلح کیوں تھی۔ رضیہ نے بھی بتایا تھا کہ خود ماسٹر نے اپنے گروگوں کو دیوار استعمال کرنے سے گریز کا حکم دیا تھا۔ ماسٹر نے اسی لیے رضیہ کے ہمراہ زیادہ آدمی بھیجے تھے کہ اگر وہ کوئی ہنگامہ کرنے کے بارے میں سوچ بھی دیں تو اسے اپنے ساتھ آنے والے افراد کی تعداد دیکھ کر ڈر جائے۔ ماسٹر کی یہ بدقسمتی ہی تھی کہ وہ رضیہ سے واقف نہیں تھا۔

"رضیہ! میں نے ایک طرف مڑتے ہوئے رضیہ سے کہا۔ "مجی باجی!"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ماسٹر نے تم کو... میں کہتے کہتے دک گئی۔ میں نے رضیہ سے کہا۔ تم نے کچھ سنا؟"

"ہاں کچھ محسوس تو ہوا تھا جیسے کوئی سسکیاں سنی لے رہا ہو؟" رضیہ نے میرے خیال کی تائید کر دی۔ میں دک گئی اور رضیہ نے بھی میری تقلید کی مگر اب وہ آواز سنا ہی نہیں دے رہی تھی۔

"وہ آواز غالباً اس طرف سے آئی تھی؟" میں نے سامنے کی جانب اشارہ کیا جہڑ تار کی تھی۔

اندازہ غلط نہیں تھا۔ سسکیوں کی وہ آواز سامنے ہی سے آ رہی تھی۔

رفیعہ اور میں ایک ساتھ اس طرف لپکے۔ ہمارے قدموں کی گونج سنتا تو مجھ پر دھڑکتی تھی۔

دشمنی سے تاریکی میں پہنچنے کے بعد چند لمحوں کے بعد مجھے کچھ نظر ہی نہ آیا تھا۔ سسکیاں پھر رک گئی تھیں۔

ابھی میں کوئی فیصلہ نہ کر پائی تھی کہ رفیعہ نے ذریں کا نام لے کر اسے پکارا۔

”نادہ!“ جواب میں خوراہی ذریں کی آواز سنائی دی۔ میں ... میں یہاں ہوں!“

”گھر آؤ مت ذریں! میں آگئی ہوں“ رفیعہ نے جواب میں کہا۔

میں نے دانستہ کچھ بولنے سے گریز کیا تھا۔ یوں بھی اس وقت میں یہ سوچ رہی تھی کہ مصیبت فو کی حیثیت سے تو ذریں میرے لیے اچھی ہی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت میں دیر لڑاؤ کس کے بیک اپ میں نہیں تھی اس لیے ذریں مجھے نہیں بچاؤ سکتی تھی اور فی الحال بحیثیت کی یہ دوا اگر نا ضروری بھی نہیں تھا۔

وہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں ذریں کو بند کر دیا گیا تھا۔ اس کے قریب ہی ایک اور چھوٹا سا کمرہ تھا۔ یہ دونوں کمرے اصل عمارت سے کافی دور رہے ہوئے تھے جو غالباً زیادہ استعمال میں نہیں رہتے تھے۔ اسی وجہ سے شاید وہاں بجلی بھی نہیں تھی اور اگر تھی بھی تو بلب نہیں لگائے گئے تھے۔ اس کمرے کے دروازے کو باہر سے متعلق کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی کبھی گئی تھی، صرف کٹڈی لگا دی گئی تھی جسے کھول کر کہنے پر آسانی ذریں کو کمرے سے نکال لیا۔

”وہ... وہ بے بالوں والا بدعاش کہاں گیا؟ اور... یارہ اس کے ساتھی... مگر... مگر یہاں تو ڈیڑی نے اتنے سامنے آ دی کیوں دیکھتے ہوئے ہیں؟“ ذریں رفیعہ کے ساتھ آگے آگے چلتی ہوئی اس سے بولی۔

میں دانستہ ان دونوں کے پیچھے چل رہی تھی۔ ذریں نے رفیعہ کے برابر کسی اور کی موجودگی پر حیرت کا اظہار تو کیا تھا مگر ابھی تک رفیعہ نے اس سے میرا تعارف نہیں کر لیا تھا۔ رفیعہ نے اس کی بات سنی ان کی کئی غلطی اور دوسری بات کرنے کی تھی۔ ”کیا تمہیں اس عمارت کے بارے میں پہلے سے کچھ علم تھا؟“

رفیعہ نے ذریں سے سوال کیا۔

اب ہم سب تاریکی سے نکل کر روشنی میں آ چکے تھے۔ نے فطری غصے کے تحت رفیعہ کی بات کا جواب دینے سے پہلے میری طرف مڑ کر دیکھا تھا۔ اس کے بھول جیسے رخساروں پر کڑا کیئی اب بھی تھی۔ مجھے وہی تازہ کھیلے ہوئے گلابوں پر منہمک کیئی کی مانند عروس ہوئی۔

میں نے یہ عروس کر لیا تھا کہ ذریں مجھے دیکھ کر چوکی تھی! اس کو چنے کا سبب میں ابھی طرح سمجھتی تھی۔ میں نے منہ نہ تپاؤں کا میک اپ میں یوں ہی سا کیا تھا۔ ذریں کے چونکنا اس سبب ہی مشابہت رہی ہوگی۔

”تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا ذریں!“ رفیعہ نے کہا۔

”میری طرف متوجہ کر لیا۔“

”میں نے جس ایک بار یہ سنا تھا کہ اندرون سندھو ڈاکہ کی ذاتی شکار گاہ ہے جہاں وہ بھی بھجوا رہی جاتے ہیں، اگر اندازہ غلط نہیں تو یہ وہی جگہ ہے۔“ ذریں نے جواب دیا۔

”مقام کے بارے میں تمہیں کچھ بتا نہیں ہے؟“ رفیعہ سنا جلدی سے دوسرا سوال کر دیا۔ ”کیا تم نے بھی یہ نہیں سنا کہ شکار گاہ تھی کئی جگہ؟“

”ایک بار ڈیڑی کسی سے باتیں کر رہے تھے تو میں نے ملوث انسانا تھا کہ شکار گاہ اٹھل سے چند میل کے فاصلے پر ہے۔“ ذریں نے جواب دیا۔

اب میں بھی قدم بڑھا کر ان دونوں کے قریب پہنچ گئی تھی۔ رفیعہ نے ذریں سے بڑے کام کی بات معلوم کی تھی۔ اب مجھے ہوسکا تھا کہ اس کی کئی سے کئی ڈیڑی ہوں۔

اب ہم چلے ہوئے پھر اس جگہ پہنچ گئے تھے جہاں میں سسکیوں کی آواز سنی تھی۔ میں نے گھڑی میں وقت دیکھا مگر اب گیارہ بج چکے تھے۔ اب وقت بہت کم تھا اور ابھی پڑھنے پر اب کبھی اس عمارت میں تلاش کرنا تھا۔

”نادہ! ہم اس طرف نہیں گئے!“ اچانک میں نے رفیعہ کو غائب کرتے ہوئے ایک طرف اشارہ کیا۔ اس طرف ذریں کی کئی باتیں چند دھڑکنوں کی دوسری جانب ہم تاریکی میں محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے دانستہ رفیعہ کو نادہ کہہ کر غائب کیا تھا کیونکہ ذریں اسے اسکا نام سے جانتی تھی۔

”آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں باجی!“ رفیعہ نے جواب دیا۔

طرف چلنا چاہیے“

تو فتح کے مطابق پہلے میری آواز میں کرادھر پھر رفیعہ کے منہ سے ”باجی! سن کر ذریں چونک اٹھی تھی۔

”ان کی آواز اور... اور... انہیں... اور... اور ہم...“

ذریں ہلکا کر رہ گئی۔

”ہاں ذریں! باجی کا چہرہ مڑہ میری اسناد دینا دیکھو! سن سے بت ملتا چلا ہے اور آواز بھی!“ رفیعہ نے جلدی سے کہا۔ ”یہی گنا چاہتی ہو نا تم؟“

”ہاں!“ ذریں نے ثبات میں سر ہلایا۔

”یہ کیوں نہ ہو! باتیں۔“ ذریں بہت سے لوگوں کے چہرے اور آوازیں بڑی حد تک ملتی جلتی ہوتی ہیں۔ تم نے ہم ٹکڑوں کے بہت سے قصے سنے ہوں گے۔ باجی اور دیرینا دیکھو! ہم ٹکڑوں کے ان میں مشابہت بہت ہے“ رفیعہ نے غصے سے کہا۔

”مگر تمہاری باجی یہاں... یہاں کیسے آئیں؟“ ذریں نے سوال کیا۔ اس کے لیے میں اب بھی تیرت تھی۔

”یہ ایک لمبی کہانی ہے ذریں! فی الحال صرف اتنا سمجھ لو کہ تمہارے والد نے مجھے اٹھا کر لیا تھا اور یہاں قید کر دیا تھا“

اس بار میں نے ذریں کو غائب کر دیا۔

”آخ... آخ... میرے ڈیڑی... میرے ڈیڑی...“

وہ... وہ... ڈیڑی... ایسے... ایسے میں ڈیڑی“

یہ کہتے ہوئے ذریں کی آواز بھڑکنی۔

”صرف مجھے دیکھو! میں ایک غریب پروفیسر کو بھی یہاں قید کر رکھا ہے اور ہم اب اسی کو تلاش کر رہے ہیں“ میں نے اسے مزید بتایا۔

”مگر کیوں؟ ڈیڑی... ڈیڑی نے اس پروفیسر کو کس لیے...“

”بہ وقت ان باتوں کا نہیں“ میں نے ذریں کی بات کاٹ کر کہا۔ ”یہ تفصیلی باتیں ہیں جو لیدر میں ہوتی رہیں گی۔ ابھی ہم غلطی سے حدود میں ہیں“

ذریں نے میرے الفاظ کو دہرائیں تو مجھے کئی پروفیسر کے الفاظ کا سبب ضرور جانا چاہتی تھی۔

”وہ بدعاش کہاں گئے؟“ ذریں نے پھر وہی سوال کیا جسے پہلے رفیعہ نے نظر انداز کر دیا تھا۔

”میں نے اور باجی نے ان سب کو باندھ کر ایک کمرے میں ڈال دیا ہے“ رفیعہ نے جواب دیا۔

ذریں نے رفیعہ کو ایسی نظر سے دیکھا جیسے اس نے کہہ دیا ہو کہ رات کے وقت سورج نظر آ رہا ہے۔

”ہم باہر کرتے ہوئے کیوں گئے؟“ میں نے کہا۔ اس طرف بڑھ رہے تھے چہرہ میں اس اشارہ کا تھا۔

دو خٹوں کی دوسری جانب ایک چھوٹا سا قطرہ زمین عبور کر کے ہم ایک بڑے سے میں پہنچ گئے جس میں ٹپیں واٹ کا جب جمل رہا تھا۔

وہاں بھی دو کمرے برابر برابر بنے ہوئے تھے اور دونوں ہی کے دروازے مقفل تھے۔ اس کا اندازہ میں نے اور رفیعہ نے دروازوں کے ہینڈل پر کر دیکھا تھا۔

”کیا یہاں بے نادہ ہے؟“ میں نے رفیعہ کو معنی خیز انداز میں دیکھا۔

”ٹھیک ہے باجی!“ وہ میرا مطلب سمجھ گئی تھی۔

پھر دوسرے ہی لمحے دو دھماکے ہوئے اور ذریں چیخ پڑی۔ ”بیہ... بیہ... کیا کر رہی ہو تم نادہ؟“

رفیعہ نے بادی بادی دونوں قفل خانہ کر کے توڑ دیے تھے۔

”ذریں! گھر آؤ مت! ہم جو کچھ کر رہے ہیں، ایک مظلوم شخص کی جان بچانے کے لیے کر رہے ہیں۔“ میں نے ذریں کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے تسلی دی اور اس کا جسمانی لمس محسوس کر کے میرے بدن میں ایک برقی لہری دوڑ گئی۔ وہ قحی ہی اتنی حسین! خوف زدہ ہو کر تو وہ اور بھی خوب صورت لگ رہی تھی۔

پھر بادی بادی ہم نے دونوں ہی کمرے دیکھے تھے گزروں ہی خالی تھے۔ ہم نے ان دونوں کمروں کے بلب روشن کر دیے تھے! میں دہان کو کئی بھی نظر نہیں آیا تھا۔

”یہاں تو کوئی نہیں!“ رفیعہ نے دوسرے کمرے کو بھی خالی پا کر کہا اور پھر وہ میری نگاہوں کی سیدھ میں دیکھنے لگی۔ میری نگاہ سامنے کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ کمرے کی وہ دواڑ ایک پر دے کے پیچھے چھپی ہوئی تھی۔ پر وہ چھت سے لے کر زمین تک پڑا ہوا تھا۔

رفیعہ میری نگاہ کا مضمون سمجھ کر تیزی سے اس کی طرف

گئی اور پردہ ایک طرف کھسکے ہی چونک اٹھی۔ وہاں دیوار میں ایک آہنی دروازہ نظر آ رہا تھا۔

”رضیہ! دروازے کو ہاتھ نہ لگنا! اس میں برقی دھبہ ہو سکتی ہے۔ میں نے ترددت رضیہ کو تنبیہ کی اور وہ ٹھیک کر رک گئی۔ اس کا ہاتھ اٹھا کر اٹھا دیا تھا۔“ پروفیسر مناس یقیناً یہیں قید ہے۔“ میں یقیناً لیجس بولی بھرنے کے رضیہ کو بتایا کہ جہاں مجھے قید کیا گیا تھا وہ قید خانہ بھی ایک آہنی دروازے کے پیچھے تھا۔

”ذہبی! یہاں جہاں میں کھڑی ہوئی سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اس آہنی دروازے کو کھولنے اور بند کرنے کا طریقہ بھی وہی ہوگا جو میرے قید خانے کو کھولنے اور بند کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ میں وہ آہنی دروازہ کھول کر اندر سے باہر آتی تھی لیکن اس سے باہر سے کس طرح کھولا جاتا تھا میں اس سے نا آشنا تھی۔“

پھر زینہ وقت ضائع کیے میں نے اور رضیہ نے وہاں کسی پوشیدہ ٹھکانے کی تلاش شروع کر دی لیکن ناکام رہے۔ ماسی تلاش کے دوران میں نے اس کمرے کے فرش پر غور کیا۔ اس عمارت میں اب تک میں نے دو کمرے کے فرش ایک جیسے دیکھے تھے پہلا کمرہ وہ تھا جہاں میں خان آف کالوٹ سے ملی تھی اور دوسرا کمرہ یہ تھا۔ ان دونوں کمروں کے فرش چوکوٹا ٹائل کے بنے ہوئے تھے۔ اس کمرے میں بھی ایک آہنی دروازہ تھا اور اس کمرے میں بھی ایہ ممانکت میری نظر میں سے گزری تھی۔

وہ دروازہ دھاتی پلیٹ کے ایک مخصوص حصے پر پیر کا دباؤ ڈالنے کے بعد دھاتی پلیٹ پر جسم کے دباؤ سے کھلا تھا۔ چنانچہ میرے ذہن میں یہ خیال بھی کے گزرا کہ اس طرح پیر کا کہیں آہنی دروازے کے قریب کسی چوکوٹا ٹائل پر دباؤ ڈالنے سے تو یہ آہنی دروازہ نہیں کھل جائے گا؟

دوسرے ہی لمحے میں آہنی دروازے کی طرف تیزی سے بڑھی اور اسی دوران میں رضیہ کو بھی اپنے خیال سے آگاہ کر دیا جو میرے پیچھے پیچھے چلی گئی تھی۔

اور پھر مرزا خیال صحیح ثابت ہوا۔ آہنی دروازے کے دونوں پلٹ بغیر کوئی آواز نہ پڑا۔ دیوار کی دونوں جانب تیزی سے کھسک کر غائب ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ رضیہ نے تو اس پیر حرکت کا اہتمام نہیں کیا ہوگا مگر زینہ ضرور اچھل پڑی تھی۔

آہنی دروازے کے اندر کی جانب دھاتی پلیٹ نظر آ رہی تھی۔ میری نگاہ اس پر جم گئی اور جب کہیں سے وہ جگہ کا رخ کر لی۔ میں کچھ پیر رکھنا تھا کہ دھاتی پلیٹ میں دوڑتی ہوئی برقی دھبہ کا مس مٹھنے پر جلتے۔

”تم زینہ کے ساتھ میں رہو۔“ میں نے پلٹ کر دیکھ کر کہا۔ اس راہداری کے انتقام پر ایک کمرہ بنا ہوا تھا اور مجھے پے کر پروفیسر مناس ہی میں قید ہوگا۔ اس سوا کمرے کا اور کچھ بھی منتقل ہوگا اور اسے ترسٹن کے لیے مجھے فائبرجی کرنا پڑے گا۔

”ٹھیک ہے آپ جائیں۔“ رضیہ نے تنہا آواز میں صراحت کی۔ میں نے دوسرے ہی لمحے اس دھاتی پلیٹ کے قہقہہ مٹا دیے۔ اپنے پیر کا دباؤ ڈالا اور پھر ٹیلی کلک کی آواز سن کر اس کی آواز میں بہت اطمینان سے دھاتی پلیٹ پر چلتی ہوئی راہداری کی طرف چلی گئی۔

راہداری طے کرنے کے بعد حسب توقع مجھے ایک کمرہ کا آواز نظر آیا۔ دروازہ مجھے منتقل ہی لاگتا تھا۔ میں نے فائبرجی کے قہقہہ مٹا دیے۔

”کمرہ... کون ہے؟“ دروازہ کھلتے ہی میری سماعت نے ایک کانپتی ہوئی آواز سنائی۔ پروفیسر مناس یقیناً فائبرجی کے آواز میں کمرہ بنا ہو گیا تھا۔ کمرے میں بھی بجلی روشنی چلی ہوئی تھی۔ پروفیسر مناس کو شاید اتنی محنت نہیں لی تھی کہ وہ زیادہ دباؤ کا پل روشنی کرنا مٹھم بجلی روشنی میں مجھے اس کا صرف ہیولا سا نظر آ رہا تھا۔

”آپ پروفیسر مناس ہیں نا؟“ میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

”ہاں... ہاں مگر تم... تم کون ہو؟“ ابھی اس کی آواز کے...

”وہ فائبرجی نے اس کمرے کا قہقہہ مٹانے کے لیے کیا تھا۔“ میں سوچ کر دھاتی طرف بڑھتی ہوئی ہوئی۔

”قہقہہ مٹانے کے لیے... مگر... مگر کیوں کیا تھا؟“ فائبرجی نے اس کمرے سے نہیں بچے؟

”نہیں... میں نے جواب دیا۔“ آپ مجھے اس کا دشمن سمجھ سکتے ہیں اور اپنا ہمدرد!

”میں اس دوران میں سوچ کر دھاتی پلٹ چلی تھی۔ دوسرے ہی لمحے میں نے ٹپن واپا اور دوسرے تیز روشنی میں نیکیا۔

”تھیں... تھیں میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔“ ہڈ لے کر پروفیسر مناس کی آواز بھرنا دے دی۔ وہ میری طرف جہنم

سے دیکھ رہا تھا اور میں بھی اس کا جان بوجھ لے رہی تھی۔ وہ بارش اور ڈوبتا تھا۔

”میں آپ کے بیٹے سلطان کی دوست ہوں۔“ میں نے مزید سوال جواب سے بچنے کی خاطر کہا۔

”لیکن... لیکن تم... تم یہاں کیوں آئی ہو؟“ پروفیسر مناس نے غیب سے پوچھا۔

”آپ کو انکار کرنے کے لیے؟“ میں نے جواب دیا۔

”نہیں... مجھے... مجھے آزادی نہیں چاہیے۔“ ابھی میں قید رہنے دو! پروفیسر مناس کی آواز بھڑائی ہوئی تھی۔ ”مجھے جیسے بندوقوں اور غیر فزولوں کے لیے آزادی ضروری نہیں۔“ قطعی ضروری نہیں! پروفیسر وقت کہے اور میں خطر میں میں۔ میں آپ سے شکرت کرتی ہوں کہ آپ فوراً میرے ساتھ چلے جائیں۔ ورنہ ماہ پارہ کی زندگی کو بھی کوئی خطرہ پیش آ سکتا ہے۔ میں نے دانستہ جھوٹ بولا۔

”ماہ پارہ! وہ... وہ کہاں ہے؟ کیا وہ بھی خان آف کالوٹ کی قید میں ہے؟“

”یہ باتیں بھیس ہو سکتی ہیں پروفیسر! میں نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ اس وقت قہقہہ مٹانے والے تھے۔ اس عمارت سے نکلنے کے لیے اب میرے پاس صرف پندرہ منٹ باقی تھے۔ میں جا رہی تھی کہ پروفیسر مناس کو دباؤ سے نکال لے جانے کے بعد خان آف کالوٹ کی سزا پوری کروں۔ پروفیسر مناس اور زینہ کی موجودگی میں میں اس سے بچنا نہیں چاہتی تھی۔

سو تیل بجی ہونے کے باوجود پروفیسر مناس، ماہ پارہ سے محبت کرتا تھا۔ اس کا اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب یہ بات سن کر اس کے چہرے کا رنگ کھیز ہو گیا اور دیکھ کر دیکھ کر وہ میرے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گیا۔

میں نے راہداری میں پروفیسر مناس کے ساتھ ساتھ چلنے ہوئے اسے غائب کیا۔ وہ لیبارٹری بھی یقیناً عمارت میں ہوگی جہاں آپ خان آف کالوٹ کے ایما پر کام کر رہے تھے؟

میری بات سن کر پروفیسر مناس چونک اٹھا اور ڈوبلا۔ تو قہقہے سب کچھ معلوم ہے!“

”ہاں... میں نے جواب دیا۔“ اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ آپ کے مقاصد نیک تھے پروفیسر!

پروفیسر مناس نے اس بات پر کوئی خیال آرائی نہیں کی۔ وہ سر جھکا کر چلا رہا۔

”آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا پروفیسر! میں نے اسے ٹوکا۔“

”ہاں وہ لیبارٹری اسی عمارت میں ہوگی!“

”ہوگئی سے آپ کی کیا مراد ہے؟“

”مجھے تیشہ وہاں آنکھوں پر پٹی باندھ کر لے جایا جاتا ہے اور وہاں سے وہی جلی بھی یہی احتیاط برتی گئی ہے۔“ پروفیسر مناس نے بتایا۔ لیکن مجھے اتنا اندازہ ضرور ہے کہ وہ لیبارٹری میں دوز ہے۔

”مصریے پروفیسر!“ میں نے مدد سے پروفیسر مناس کا بازو پکڑ لیا۔ جس دھاتی پلیٹ پر آپ پاؤں رکھنے والے تھے اس میں برقی دھبہ دھبہ ہے۔“

”پھر؟“ پروفیسر مناس نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ اس دھاتی پلیٹ پر پاؤں رکھنے بغیر تو ہم دروازہ عبور نہیں کر سکتے۔“

میں نے پروفیسر مناس کو اس سیکشن کے بارے میں مختصر بتایا۔ پھر بولی۔ ”آپ میرے بعد اس دھاتی پلیٹ پر پاؤں رکھیے گا۔“

آہنی دروازے کی دوسری جانب رضیہ اور زینہ موجود تھیں۔

”یہ دونوں کہیں ہیں؟“ پروفیسر آہنی دروازہ کھول رہے تھے۔

”انہیں بھی آپ میری طرح اپنا ہمدرد سمجھ سکتے ہیں؟“ میں نے مختصر جواب دیا اور گھڑی دیکھی۔ اب باہر بچنے میں صرف بائیس منٹ باقی تھے۔ میں رضیہ سے مخاطب ہوئی۔ ”اب جلد سے جلد اس عمارت سے نکل پلو! اگر وقت بچتا تو میں وہ زینہ ورنہ لیبارٹری میں ضرور تلاش کرتی جس کے بارے میں مجھے پروفیسر سے معلوم ہو چکا ہے مگر پروفیسر کی غیر موجودگی کے بعد خان آف کالوٹ کے لیے وہ لیبارٹری ہی ہے صرف یہ ہے۔“

”باجی! لیکن ہے کہ اس عمارت کے سیر دہنی حصے میں کوئی گٹر گرج وغیرہ ہوا دہریں وہاں کوئی کار باجپ مل جائے۔“ رضیہ نے کہا۔

میں نے رضیہ کے خیال سے اتفاق کیا۔ پھر بولی۔ ”لیکن ہم اس کی تلاش میں دقت خائف نہیں کریں گے۔“

پھر ہم تیزی سے حرکت میں آ گئے۔ وہ عمارت کا باقی پوری مشعلان کی آت تھی۔ ہم اس کی جھل جھل میں کھوکھرائے جھول گئے۔ یوں بھی رات کا وقت تھا اور پوری عمارت میں روشنی نہیں تھی۔ اس کے کچھ حصے تھیں تاکہ پڑے ہوئے تھے۔

ہم اس مشعلان عمارت سے نکلنے میں تقریباً دس منٹ لگ

مسابقت نہیں رہا تھا کہ ہم کسی گھر کی تلاش میں اندھیرے میں جھینکے پھرتے کیوں نہ عمارت کے باہر کی ایک نئی عمارت سے نکلتے ہیں جس نے خود کو ایک چھوٹے سے جنگل میں پایا۔

کچھ کچھ غافل سے وہاں درختوں کے جھنڈ نظر آ رہے تھے جنہوں نے عمارت کو چھپا رکھا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق وہ جنگل عمارت کی چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔

ہم سب نے ایک دوسرے کے ہاتھ جڑے ہوئے تھے کہ کہیں تاریکی میں جھٹک نہ جائیں اور ایک دوسرے سے جدا نہ ہو سکیں۔ میرے ایک ہاتھ میں پروفیسر منہاس کا ہاتھ اور دوسرے میں رضیہ کا ہاتھ تھا۔ رضیہ نے نڈیں کا ہاتھ تمام لایا تھا۔

ابھی ہم چند ہی قدم چلے ہوئے تھے کہ اچانک میں چلتے چلتے چڑک پڑی۔ میری سماعت سے ایک پہلی کو پٹر کی گڑ گڑا ہٹ لگنا شروع ہوئی۔ وہ گڑ گڑا ہٹ زرد رنگتہ قریب آتی جا رہی تھی۔

ظاہر ہے کہ اس پہلی کو پٹر میں آئے والا خان آف کالا گوٹ کے بسوا اور کون ہو سکتا تھا؟ یقیناً گھنٹے کی گھنٹ پوری ہو چکی تھی اور وہ مجھ سے براہ راست جواب لینے آیا پہنچا تھا۔ اس نے یقیناً میرے مسئلے کا ہم سمجھتے ہوئے اسے اس طرح پر چھوڑنا مناسب نہیں سمجھا ہو گا۔

”ہاں! پہلی کو پٹر کی آواز! رضیہ نے میری طرف جھٹکے ہوئے سرگوشی کی۔

”ہاں! میں بھی سن چکی ہوں“ میں نے جواب دیا۔ اگر اس وقت میرے ساتھ پروفیسر منہاس نہ ہوتے اور نڈیں بھی نہ ہوتے ساتھ بھل نہ آئی ہوتی تو آج خان آف کالا گوٹ سے آخری عمر کر رہی ہوتی۔ میں نے دانستہ آواز دھیمی لگائی تھی تاکہ نڈیں میری بات نہ سن سکے۔ یہ کہتے ہی میں نے اپنی رفتار تیز کر دی تھی اور رضیہ بقیہ افراد سے بھی میرا ساتھ رہا تھا۔

میں جانتی تھی کہ خان آف کالا گوٹ کچھ دیر بعد ہی حقیقت سے آگاہ ہو جائے گا، پھر وہ کسی زخمی سانپ کی طرح بے کھانے لگے گا اور فوراً ہی ہماری تلاش شروع کر دے گا۔ ان حالات میں ہم اس جہالت سے عملدرآمد جتنی بھی دور ہو جاتے ہوتے تھے۔

پہلی کو پٹر کی گڑ گڑا ہٹ اب بہت واضح اور قریب محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی آواز سے یہ اندازہ لگانا مشکل ہو رہا تھا کہ وہ کہاں آ رہے گا۔

پھر تھوڑی دیر بعد ستارہ جھلکا۔ پہلی کو پٹر غائب! آڑھیاں۔ پروفیسر منہاس اور نڈیں دونوں ہی کو شاید صورت حال کی نوعیت کا احساس ہو گیا تھا اس لیے وہ دونوں خاموشی سے میرا

اور رضیہ کا ساتھ دے رہے تھے۔ اب میں نے اپنی رفتار سے بھی تیز کر دی تھی۔ اب ہم سب تقریباً دوڑ رہے تھے۔

”میں... میں بڑھا شاید تم... تم لوگوں کا ساتھ پاؤں... سمجھے... مجھے یہیں چھوڑ جاؤ“

”آپ ہی کی خاطر تو ہم نے اپنی جان کو خطرے میں ڈالا پھر یہ کیا ہم آپ کو یہاں چھوڑ کر کیسے جا سکتے ہیں؟“ میں نے کہا۔

”مگر کیوں؟ تم لوگوں نے اپنی جان کو خطرے میں کر لیا، اب میں... میں اس قابل تو نہیں تھا۔ میں ایک بزدل آدمی ہوں، خان کی بات تسلیم کرنے کی بجائے خودکشی کر لیتا۔ میں... میں ایک دم تو دم کا اندازہ ہوں۔ میں ہرگز اس سوکھا سستی نہیں، منہاس جتنا ہی ہو گیا۔ ہر چند کہ وہ بہادر شخص نہیں تھا مگر اسے، عزیز زندہ تھا۔

”آپ مک و دم کی امانت میں پروفیسر! آپ جیسے بہادر افراد کو کچھ کرکھانے کا موقع دیا جائے تو ہمارے ملک کی تہذیب اڑ سکتی ہے۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے پروفیسر! ہم اپنے ملک کے ذہن اور باصلاحیت افراد کو ابھرنے کا موقع نہیں دیتے، اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں ہے، پروفیسر! آپ جیسے لوگ دنیا میں نہیں ہوتے۔ آپ لوگ زندگی بھر اپنے کام کی وطن میں گزارنا چاہتے ہیں اور خاموشی سے مر جاتے ہیں۔ پھر صدیوں کا مانتے ہر آپ لوگوں کا نام رتھم ہو جاتا ہے“ میں نے بھی جذبات کا جواب جذبات سے دیا اور یہ میرے سچے جذبات تھے، میں اچھی طرح یہ بات جانتی تھی کہ ہر شخص تشدد نہیں سہہ سکتا اور یہ کوئی لمبی فطری بات بھی نہیں تھی۔

”مجھے... مجھے مزید شرمندہ نہ کرو...“ پروفیسر منہاس کی آواز میرا گئی اعلیٰ مزید کچھ نہ کر سکا۔

اس کے بعد مجھے پروفیسر منہاس سے تیز چلنے کے لیے نہیں کہنا پڑا تھا۔ اس کا سانس پھل پھل رہا تھا لیکن اس کے باوجود وہ دم سے قدم مار کر چل رہا تھا۔

میں آگاہ نہیں تھی کہ وہ جنگل کتنی دور تک پھیلا ہوا تھا مگر بہر حال کہیں نہ کہیں ختم ہونا ہی تھا۔ ہمیں اس جنگل میں چلنے پھرنے تقریباً چندہر میس منٹ ہو چکے تھے۔ ایک خطروں سے بھی بھرا تھا کہ وہاں خطرناک جنگلی جانور نہ ہو لیکن اب تک ہم اس خطرے سے غفلت ہی رہے تھے۔

زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ اور گزرے ہوں گے کہ میرے

کمان کھڑے ہو گئے۔ فضا میں کسی پہلو کو بچا دیکھا بشکاش اور آہستہ رہا تھا۔

”نادارہ! وہ ہماری تلاش میں آ رہا ہے۔“ میں نے رضیہ کو مخاطب کیا۔

”لیکن باجی! وہ اس تاریکی میں ہمیں کیسے تلاش کر سکتا ہے؟“ رضیہ بولی۔

”کون آ رہا ہے؟“ اچانک مجھے نڈیں کی آواز سنائی دی۔

”وہی شخص جس نے مجھے اور پروفیسر کو اغوا کر لیا تھا؟ میں نے نڈیوں کے سوال کا جواب دیا۔

”مگر... مگر آپ تو کہہ رہی تھیں کہ آپ کو اور پروفیسر کو میرے ڈیڑی نے اغوا کر لیا تھا؟“ نڈیوں بولی۔ اس کے لیے میں سیس پچوں جیسا بھولیں تھا۔

”میں نے غلط نہیں کہا تھا نڈیوں! میں نے کہا تھا کہ پہلی کو پٹر کا شور سن رہی ہوں! اچھے یقین ہے کہ اس پہلی کو پٹر میں تمھارے ڈیڑی کے بسوا اور کوئی نہیں ہو سکتا“

جواب میں نڈیوں کچھ نہیں بولی۔ میں کچھ گئی کہ وہ ال لیل کر دی ہوگی۔ اس کا باپ ہانا دانشمن تھا اور وہ ہمارے ساتھ تھی۔ یہ اس کے لیے بھراں نہایت اگ درڈ پوزیشن تھی۔

اس دوران میں پہلی کو پٹر کا شور مزید قریب آ گیا اور پھر کچھ دیر بعد ہی ایک بڑا سادہ دشن دائرہ واقعہ کر کے لگا میں اچھل پڑی۔

”تم نے دیکھا نادارہ! وہ پہلی کو پٹر سے سرخ لائٹ پھینک کر ہمیں تلاش کر رہا ہے۔“ میں نے رضیہ سے کہا۔

”ہاں! ہاں باجی! یہ بات میرے ذہن میں نہیں آ سکی تھی کہ وہ ہماری تلاش کے لیے سرخ لائٹ بھی استعمال کر سکتا ہے“ رضیہ بولی۔

”لیکن اس کی کوشش رائیگاں ہی جائے گی جنگل گھنٹا ہے اور جب تک ہم اس جنگل میں ہیں وہ ہمیں نہیں ڈھونڈ پائے گا“

”اس کا مطلب تو یہی ہوا باجی! کہ ہم اس جنگل سے نہیں نکلیں“

”ہاں! میں نے جواب دیا جنگل سے نکل کر ہماری زندگی خطرے سے دوچار ہو سکتی ہے“

”آپ کا خیال درست ہے! وہ ہم پر فائرنگ بھی کر سکتا ہے“ رضیہ نے اس خطرے کی جو محسوس کر لی جس نے میرے ذہن میں سر اوجھارا تھا۔

پھر کمانی دیر سرخ لائٹ کا رقص جاری رہا۔ ایک بار تو یہی پٹر بانکلی ہمارے سروں کے اوپر سے گزرا۔ اسی وقت سرخ لائٹ

کا دائرہ ہم سے تقریباً پاس گزرا۔ جگر ایا۔ میں چونک اٹھی سرخ لائٹ نے اسی گھنٹے کو روک کر دیا تھا۔ وہاں جنگل کا حدود ختم ہو رہی تھیں۔ میرے قدم خود بخود رک گئے۔ اب تک جنگل ہمارے لیے پناہ گاہ کا کام دے رہا تھا۔ ہم اس سے نکل اپنی موت ہی کو دعوت دیتے۔

میرے رکتے ہی بغیر افراد بھی رک گئے تھے۔

”نہو کسی گھنٹے درخت کے نیچے بیٹھ جائیں“ میں نے کہ اتنی دیر تاریکی میں سفر کرنے کے بعد میری آنکھیں بڑی حد تک تاریکی عادی ہو چکی تھیں۔ درختوں کے بیہولوں سے یہ اندازہ لگنا مشکل نہیں تھا کہ کون سا درخت زیادہ گھنا ہوگا۔ پہلی کو پٹر اب ٹوٹ کر کسی اور سمت چلا گیا تھا۔

سب سے پہلے پروفیسر منہاس نے میری رائے سے اتفاق کیا۔ یہ ایسا سکاری۔ اس لوٹ سے سونے چاہی نہ ہو گا کہ اسے کسی زندگی میں اتنا طویل اور دشوار گزار سفر بھی نہ کرنا پڑے گا۔ خطروں تو خیر درپیش تھا ہی جس سے بچنے کے لیے عروسی تھا کہ؟ جنگل میں دیں مگر مجھے پروفیسر منہاس اور نڈیوں پر بھی دم آ رہا تھا اس طرح کچھ دیر وہ بھی سستا بیٹے۔

ہم سب ایک گھنٹے درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ اسی وقت نڈیوں کی آواز سنائی دی! ”نادارہ! مجھے پاس لگ رہی ہے“

پروفیسر منہاس نے بھی اس کی آواز میں آواز ملائی۔ اور مجھے بھی! ”

اتنی دیر پیدل چلنے کے بعد تھوڑی بہت پاس مجھے بھی لگ رہی تھی لیکن ابھی میں اس سے چار گنا فاصلہ عبور کرنے کے بعد بھی پاس برداشت کر سکتی تھی اور رضیہ کے بارے میں میری رائی خیال تھا، پروفیسر منہاس اور نڈیوں کا معاملہ ذرا مختلف تھا۔ ان حالات میں انھیں صرف تسلی ہی دی جاسکتی تھی کہ پانی ہمارے پاس نہیں تھا۔

ابھی کچھ نڈیوں اور پروفیسر منہاس کو تسلی بھی نہ دے پائی تھی کہ اچانک فضا سے درپے دھماکوں سے گرج اٹھی۔

دھماکوں کی آواز سن کر مجھے زیادہ حیرت نہیں ہوئی کیوں کہ میں پہلے ہی سوچ چکی تھی، خان آف کالا گوٹ ہماری تلاش میں ناکام ہونے کے بعد تھوڑا جگہ پر کسی سے گا۔ دھماکوں کی آواز زیادہ دور سے نہیں آئی تھی۔

”یہ... یہ دھماکا... شاید وہ... وہ فائرنگ کر رہا ہے“ پروفیسر منہاس کی خوف زدہ آواز ابھی یہ اور وہ فائرنگ

نا ہوا، چھٹی آسکتا ہے۔
 "جی! اس کی حرکت کا مقصد غالباً یہی ہے کہ اگر
 جنگیں پہلے تو گھر پہاں سے نکل جائیں۔ رضیہ مجھ سے
 غائب ہوئی۔
 "خانا اندازہ نہ بنید ورت ہے۔ میں نے رضیہ کے خیال
 سے اتفاق کیا۔ اور ہم بہر حال ایسا نہیں کریں گے۔"
 "امیری بات خبر ہی ہوئی تھی کہ کچھ دھماکا سنائی دینے لگے۔
 اب ان کی سمت مختلف تھی۔ یہ اندازہ میں نے ہوا کے دوش پر
 آنے والی آوازوں سے لگایا تھا۔
 "تو تڑپا ہمارے پاس گولیاں برس رہی تھیں۔ خان
 آٹ کا لاگوٹ پر چلیے۔ ان طاری ہو گئی تھیں۔ یوں محسوس ہو رہا
 تھا جیسے برقی گولیاں مل رہی ہوں لیکن میرا خیال اس سے مختلف تھا۔
 وہ برقی گولیاں برس نہیں ہو سکتے تھے۔ اس خیال کا بڑا سبب
 لمبی نال والے وہ دیواروں تھے جو میرے اور رضیہ کے پاس تھے۔
 یہ دیوار خان آٹ کا لاگوٹ کے آدمیوں کے لئے امریکی موزنڈا
 موزنڈا بن لوڑکا ہوتا ہے اور ساتھ ساتھ خود کار بھی! اس سے
 ایک ذرت میں ایک ذرہ بھی کیا جاسکتا ہے اور مسلسل فائرنگ
 بھی۔ دیواروں میں نے پہلے بھی دیکھا تھا اور استعمال بھی کیا تھا۔
 اسے ہماری خوش قسمتی ہی کہا جاسکتا ہے کہ خان آٹ
 کا لاگوٹ کا پہلی کو پٹریم سے کچھ دور گولیاں برسنا ہوا گزر گیا۔
 پروفیسر مناس اور ذریں شاید اس قدر خوف زدہ ہو گئے تھے
 کہ ان سے بولنا بھی نہیں جا رہا تھا۔ رضیہ تو مجھے علم تھا کہ ایسے
 موقع پر اس کا ذہن بڑی تیزی سے کام کرتا ہے۔ وہ یقیناً کچھ
 نہ کچھ سوچ رہی تھی اور میرا اندازہ غلط نہیں نکلا۔ جب کہ دیر بعد
 فائرنگ کر گئی اور ساتھ ہی چیل کیا تو وہ مجھ سے مخاطب ہوئی۔
 "جی! میری جنگ کو بھی اس نے بے لوری طرح محسوس نہیں
 سکتے۔ ہمیں یوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے کہیں بیٹھنا چاہیے۔"
 "پیرے" میں نے یوں ہی کہہ دیا کہ میں ان ذہن خود کھڑے
 میں مصروف تھا۔
 "خان آٹ کا لاگوٹ سے آخری مہر کہ آج ہی کہیں نہ ہو
 جائے! رضیہ بولی۔
 "دکس طرح؟"
 "کیا ہم اس کے پہلی کو پٹریم کو پٹریم نہیں کر سکتے؟"
 رضیہ نے کہا میرے دل کی بات کہ وہ تھی۔ میں اب پروفیسر
 مناس اور ذریں کی وجہ سے کچھ چپکا رہی تھی لیکن رضیہ نے جو
 کچھ سوچا تھا اس میں پروفیسر اور ذریں کو کوئی خطرہ پیش نہیں

آسکتا تھا۔ اس طرح کا کافی محسوس تھا۔ میری اور رضیہ
 کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی تھی لیکن میں یہ خطرہ مول لینے پر آمادہ
 ہو گئی۔
 چند لمحوں بعد ہی میں اور رضیہ پروفیسر اور ذریں کو نیچے ہی
 چھوڑ کر ایک بڑے سے درخت پر چڑھ گئے۔
 رضیہ کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی کہ موزنڈا کی رینج کتنی
 ہوتی ہے۔
 "اب اگر وہ ادھر سے گزرا تو ہم اسے مار گرائیں گے" رضیہ
 نے پرجوش آواز میں کہا۔
 میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میری نگاہیں وہاں
 کی طرف اٹھی ہوئی تھیں جہاں تھا۔ اب پہلی کو پٹریم آواز بھی دور
 دور تک سنائی نہیں دے رہی تھی۔
 "رضیہ! کچھ دیر بعد میں دیکھ لوں گا۔ ہم میں بولی! یہ بھی تو ممکن
 ہے کہ وہ بالوں ہر کوٹ گیا ہو! بہر حال یہ بات اس کے علم
 میں نہیں ہو سکتی کہ وہاں سے کب فرار ہوئے ہیں۔"
 "لگتا تو ایسا ہی ہے حاجی!" رضیہ نے جواب دیا۔ "مگر ہم
 دیر اور اس کا انتظار کریں گے۔ چھ جنگل سے نکل کر کسی قریبی
 آبادی تک پہنچنے کی کوشش کریں گے تاکہ ہمیں وہاں سے کوئی
 کمزیر مل سکے۔"
 "اگر یہ جگہ آٹھل سے چند میل کے فاصلے پر ہے جیہ کہ ذریں
 نے بتایا ہے تو گوڑ و ہلو بھی یہاں سے زیادہ دور نہیں ہوگا لیکن
 مسئلہ تو یہ ہے کہ ہم سمندر کا بھی علم نہیں۔ ہم یقین کے ساتھ نہیں
 کہہ سکتے کہ آٹھل یا گوڑ و ہلو تک پہنچنے کے لیے ہمیں کس سمت
 کا انتخاب کرنا چاہیے اور یہ اچھا ہی ہے۔" میں نے کہا۔
 "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھ رہی!"
 "سیسہ جیسی بات ہے کہ خان آٹ کا لاگوٹ ہماری تلاش
 میں ناکام ہو کر کسی قریبی آبادی کی کارخ کرے گا۔" میں نے اپنے
 خدشے کا اظہار کیا۔
 میری بات سن کر رضیہ نے طویل سانس لیا۔ آپ ٹھیک
 کہتی ہیں مگر اس صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"
 "یہ جنگل بہر حال خان آٹ کا لاگوٹ کی حدود میں ہے۔ اس
 کا مطلب یہ ہوا کہ یہاں بہر حال خطرہ ہے جو کسی بھی وقت اور
 کسی بھی شکل میں ہمارے سامنے آسکتا ہے۔ فی الحال تاریکی سے
 ناامد اٹھا کر ہم اتنا تو کر ہی سکتے ہیں کہ اس جگہ سے کمزور
 نمک و درنکل جائیں۔" میں نے جواب دیا۔
 "لیکن یہ اسی وقت مناسب ہوگا جب ہمیں یقین ہو جائے

کہ خان آٹ کا لاگوٹ وہاں جا چکا ہے۔"
 "بالکل! میں بولی۔
 پھر ہم نے تقریباً نصف گھنٹہ دھرت ہی پر گزارا لیکن ہر
 طرف سناٹا تھا۔ خان آٹ کا لاگوٹ کے پہلی کو پٹریم کا دور دور
 پتا نہیں تھا۔ اب مزید وقت ضائع کرنا نا حاصل تھا اس لیے میں
 اور رضیہ دھرت سے اتر آئے۔
 یہ ذریں کی طاقت ہی تھی کہ اس دوران میں اس نے پروفیسر
 مناس کو اپنے ہارے میں بتا دیا تھا۔ یہ جاننے کے بعد کہ ذریں
 اسی خان آٹ کا لاگوٹ کی بیٹی ہے جس نے اسے قید کر رکھا تھا
 پروفیسر مناس اس سے کچھ کہنی کہنی سنا تھا۔ جب میں اور رضیہ
 درخت سے اترے تو وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف سے مڑے
 پھر سے بیٹھے تھے۔ جب مجھے اس کا سبب معلوم ہوا تو میں نے
 پروفیسر مناس کو سمجھا دیا کہ جو کہ اس کے ساتھ بیٹھا ہے اس
 میں ذریں کا کوئی قصور نہیں۔ ذریں اپنے باپ کی حرکتوں سے
 قطعاً لاعلم تھی۔ میں نے ذریں کی طرف سے خود اس کی صفائی پیش
 کی تو وہ مسک پڑی۔ وہ بڑی حساس لڑکی تھی۔
 "ناورہ! ریشا دشمن نے... انھوں نے... غلط... غلط
 نہیں کہا تھا... غلط نہیں کہا تھا! یہ کہتے ہوئے ذریں رو رہے
 لگی۔" لیکن... مگر میں جھوٹ نہیں بولتی۔"
 رضیہ نے اس کی طرف سمجھا سمجھا کر کچھ کہا لیکن وہ کچھ جانتی
 تھی کہ میں فوراً ہی وہاں سے روانہ ہونا ہے۔ پھر کچھ دیر بعد ہی
 ہم اس جنگل سے نکل گئے۔ آسمان پر چاند روشن تھا۔ ہم اس
 کی ٹھیک روشنی میں ایک دوسرے کے ہاتھ تھامے ایک طرف
 بڑھنے لگے مگر اس ریگستان میں تیز رفتاری ممکن نہیں تھی۔ ہر طرف
 ریت کا صحرا تھا اور ہم بے منزل کی ایک سمت چلے جا رہے تھے۔
 ہمارا مقصد صرف یہ تھا کہ خان آٹ کا لاگوٹ کی دسترس سے قطعی
 دور نکل سکیں بہتر ہے۔ چلتے ہوئے ہمارے پاؤں رویت میں
 رھنس رہے تھے جس سے چلنے میں تباہت ہو رہی تھی لیکن یہ
 تباہت اس خطرے سے بہر حال کم تھی جس سے ہم کچھ دیر پہلے
 دوچار تھے۔
 ہم تقریباً ایک بجے اس جنگل سے چلے گئے اور اب کونے
 دو ہوئے دالے تھے۔ چلتے چلتے ہمیں کون گھسنے کے قریب ہو
 چکا تھا۔ پروفیسر مناس اور ذریں کا برا حال تھا۔ وہ دونوں یہ
 جاننے کے باوجود کہ ہمارے پاس پانی نہیں ہے کسی بار پانی مانگا
 بچے تھے۔ چلتے چلتے میرا طعن بھی خشک ہو گیا تھا لیکن پاس بھی
 ناقابل برداشت نہیں ہوئی تھی۔ رضیہ کی حالت بھی مجھ سے مختلف

نہیں رہی جو کہ گھروہ قدم سے قدم ملا رہی تھی۔
 پروفیسر مناس اور ذریں کے دم لڑکھڑکے۔ لگے تھے
 یہ دیکھ کریں گے کہ وہ پٹریم کے کابڑا لڑکھا۔ ابھی یہ اس فیض
 کا اظہار نہ کر پائی تھی کہ جو کب اٹھی۔ یہ کبھی میں۔ جو کبھی
 دیکھا تھا۔ ہر چند کہ وہ آواز بہت کم تھی مگر میں۔ اور وہ
 نے سن لی تھی۔
 جنگل اب بہت پیچھے رہ گیا تھا اور کسی صوفے ممکن نہیں
 تھا کہ ہم دوبارہ وہاں پناہ لے سکتے۔ ذریں آٹ کا لاگوٹ کی چال
 کا سبب رہی تھی۔ وہ ہمیں کسی نہ کسی طرح اس جنگل سے نکالنے
 میں کا سبب ہو گیا تھا۔ پہلے اس نے آٹھواؤں کا ٹکڑا کر کے
 یہ مقصد حاصل کرنا چاہا تھا، پھر اس۔ بالکل برعکس عمل کیا تھا۔
 اس نے تقریباً آٹھواؤں گھسنے ہو کر پتا اور اس صبر کا پتہ
 گیا تھا۔ اب ہمارے لیے کوئی پناہ نہ تھی۔ دور تک چھپا ہوا
 ریت کا صحرا تھا اور کھلا آسمان!
 پہلی کو پٹریم کا آواز رفتہ رفتہ قریب آتی جا رہی تھی۔ گویا ہر
 ہماری طرف آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی۔ ہمارے قدم گویا موت کا
 استقبال کرنے کے لیے خود بخود رک گئے تھے۔
 اب ہماری تلاش خان آٹ کا لاگوٹ کے لیے مست آسان
 تھی۔ وہ یقیناً ہمیں تلاش کرتا ہوا ہی اس طرف آ رہا تھا۔ اس ریگستان
 میں رات کے وقت ادھر آنے والا کھلا دیکھنا بہت مشکل ہے۔
 معائن نے اپنے ہاتھ پروفیسر کے ہاتھ کا ہواؤ محسوس کیا۔
 اس کا ہواؤ میں وہ بھی کچھ تھک جاس کی مجھے رضیہ سے توقع تھی۔ ہر شے
 ولولہ اور محنت! میں نے بھی اس کا ہاتھ پروفیسر انداز میں دیا۔
 جہت رکھنا اور حوصلہ بڑانا! یہ وہ الفاظ تھے جو زبانوں سے ادا
 نہیں کیے گئے تھے مگر انھیں سن لیا گیا تھا۔ پروفیسر مناس اور ذریں
 کے چہرے نفی تھے۔ یوں محسوس ہوا تھا جیسے کسی نے ان دونوں
 پر سحر کر دیا ہو۔ وہ دونوں بچوں کی مانند بے حس و حرکت کھڑے
 ہوئے اس طرف دیکھے جا رہے تھے جو ہر سے پہلی کو پٹریم کا آواز
 سنائی دے رہی تھی۔
 کچھ دیر ہی گزری تھی کہ پہلی کو پٹریم نظر میں آنے لگا۔ وہ زیادہ
 بندی پر پرواز نہیں کر رہا تھا۔ چاندنی کے سبب خان آٹ کا لاگوٹ
 نے سرچ لاٹ کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ یوں بھی پہلی کو پٹریم
 پرواز کر رہا تھا اس لیے سرچ لاٹ کے بغیر بھی میں دیکھ جاتا
 ممکن تھا۔
 پھر شاید خان آٹ کا لاگوٹ نے ہمیں دیکھ ہی لیا کہ پہلی کو پٹریم
 بڑی تیزی سے ہماری طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ لحوہ آٹھواؤں کا

فی زندگی کے لیے جنگ لڑنا تھی۔ رفیع کے اور میرے دیوانہ لور کی
 میں بیک وقت سیدھی ہو گئی تھیں اور ہم نے ایک دوسرے کے
 تھ چھوڑ دیے تھے۔
 لیکن اس سے پہلے کہ میں باضیہ پہلی کو پٹر پر ناکر کرتے
 چانک فضا پہلے صما کے سے گونج اٹھی۔ پہلا خان آف کالاکوٹ
 ہی کی طرف سے کہا گیا تھا۔ میں نے اور رضیہ نے اس لیے ناکر نہیں
 کیا تھا کہ ابھی پہلی کو پٹر اور لور کی رینج سے باہر تھا مگر چند لمبے
 ہی صورت حال بدل گئی۔ میرے اور رضیہ کے دیوانہ لور سے دو
 شیلے ایکے اور اس کے ساتھ ہی پہلی کو پٹر بند ہوئے لگا۔
 پھر پہلی کو پٹر بالکل قریب آگیا لیکن وہ اتنی لمبی پر جگہ
 لگا رہا تھا کہ ہمارا ناکر کرنا لامحالہ تھا۔ ہمارے پاس گولیاں بھی
 محدود تھیں اور ہم انھیں ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے۔
 ”اس کے پاس بھی یقیناً موزد ہی ہے، اگر بریں گن ہوتی تو
 وہ بندی کے باوجود ناکر کرنا میں نے رضیہ سے کہا۔
 ابھی رضیہ میری بات سے اتفاق یا اختلاف نہ کیا ہی تھی کہ
 اچانک پہلی کو پٹر تیزی سے نیچے آگیا اور اسی کے ساتھ ہم پر
 گولیاں کی پونچھاری ہو گئی۔ گولیاں ہمارے اس پاس سے جو کہ
 عزیز تھیں لیکن ہم میں سے کسی کو زخمی یا ہلاک نہ کر سکیں۔ اس
 کا سبب غائب رہا تھا کہ ناکر ناکر انتہائی جلدی میں کی گئی تھی اور
 پہلی کو پٹر پھر تیزی کے ساتھ بند ہونا چاہتا تھا مگر اس دوران
 میں میری جلائی ہوئی ایک گولی اس کے پھلے پھلے ہی بیست
 ہو گئی تھی۔ خان آف کالاکوٹ جان چکا تھا کہ ہم بھی سب ہی اس
 لیے وہ بچ کر لڑ رہا تھا۔ رضیہ نے بھی پہلی کو پٹر پر ناکر کیا تھا
 مگر اس کا ناکر میکر گیا تھا۔ پہلی کو پٹر اس کے ناکر کی رینج سے
 باہر ہو چکا تھا۔
 اس میں شک نہیں کہ ہم بھی فی الحال خان آف کالاکوٹ
 کی طرح سستے تھے لیکن یہ حقیقت تھی کہ اس کا پٹا بھاری تھا۔ وجہ
 چاہتا پہلی کو پٹر کو نیچے لاکر ہم پر ناکر کر سکتا تھا مگر ہمارے پیش
 مختلف تھی۔ ہمیں اس پر ناکر کر کے کاموقع صرف اسی وقت
 لی سکتا تھا جب خود ہم اس کے نشانے پر ہوتے۔ اس کے علاوہ یہ
 کہ ہمارے پاس گولی کی گولیاں تھیں اور ظاہر ہے اس کے پاس
 خاصا ایمینشن رہا ہوگا ورنہ وہ یوں اسے ضائع نہ کرتا۔
 مجھے تو یقین تھا کہ پہلی کو پٹر پھر نیچے آکر ہم پر ناکر کرے
 گا اور پھر چند لمبے بعد ہی میری توتھ پورھی ہوگی مگر اسی دوران
 میں ایک اور خطرناک واقعہ پیش آیا۔
 جسے ہی پہلی کو پٹر نے غوطہ لگا دیا، ڈزیز اچھلی کر اس کی طرف

پھانگی اور پھر وہ پوری قوت سے بھی نہ دیندی!... دیندی! پچھ
 مجھے گولی مار دیے ڈیڈی!“
 اسی لمحے پہلی کو پٹر سے فائرنگ ہوئی۔ میں نے اور رضیہ
 نے ایک ساتھ اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی اور اسی دوران میں
 پہلی کو پٹر کی طرف گولیاں چلائیں۔ مگر میں اور رضیہ لمحے بھر ہی
 چھلانگ لگنے میں دیر کرتے تو ہمارے جسم گولیوں سے چھل
 ہو جاتے۔ کچھ گولیاں ڈزیز کے اس پاس سے بھی گزری تھیں۔
 پہلی کو پٹر ایک بار پھر بند ہونا چاہتا تھا۔
 پر وہ فیر مناس شاید میرے سے کچھ زیادہ ہی ڈرتا تھا۔
 اسی خوف نے اس کی جان پکائی تھی۔ وہ اپنے پیرول پر کھڑا
 نہیں رہ سکا تھا۔ اگر وہ کھڑا ہوتا تو کوئی نہ کوئی گولی اسے
 مزور جاٹ جاتی کیوں کہ وہ مجھ سے اور رضیہ سے زیادہ دور نہیں
 تھا۔ بتا نہیں وہ ہوش میں بھی تھا یا نہیں!
 میں نے اور رضیہ نے ڈزیز کی طرف چھلانگ لگائی تھی۔
 ڈزیز جیسے اپنے ہوش میں نہیں تھی۔ وہ ابھی جیسے پہلی
 رہی تھی۔ ڈیڈی! میں ذلیل و رسوا ہو کر جینا نہیں چاہتا۔
 قتل کروں گولی ماروں!“
 ”ڈزیز! ہوش میں آؤ!“ میں نے اس کا نشانہ میکر کر لیا
 ”تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ یہ خودکشی ہے اور خودکشی
 حرام ہے۔“
 وہ جینے جینے خاموش ہو گئی، پھر اس نے عجیب سا
 سے میری طرف دیکھا۔ اس کے سوسکھے ہوئے ہونٹ لپٹ گئے۔
 کچھ نہ کہہ سکی اور پھر اس کے رسالوں پر رونق پھیلنے لگے۔
 اس وقت بھی مجھے بے حد حسین نظر آ رہی تھی۔ میرا دل ہوا
 تھا کہ اسے سینے سے لگا لوں اور اس کے موتی حرم لوں۔
 زیادہ دیر نہ رہی۔ اس کی طرف متوجہ نہ رہ سکی۔ پہلی کو پٹر کی کڑوا
 پھر قریب آتی جا رہی تھی۔ میں آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔
 بار پہلی کو پٹر تیزی سے نیچے نہیں آ رہا تھا۔ میں اور رضیہ
 پر ناکر کرنے کے لیے پوری طرح تیار تھے لیکن وہ ایک نام
 حد تک نیچے آکر رک گیا اور اپنی جگہ گردش کر۔ نہ لگا
 اچانک ایک تیز آواز آسانی دی جیسے کوئی ناؤ
 پر بول رہا ہو۔ پہلی کو پٹر کے شور کے باوجود وہ آواز وہ لمح
 پر سنائی دے رہی تھی اور وہ آواز خان آف کالاکوٹ
 رسوا کسی کی نہیں تھی۔
 ”ڈزیز!... ڈزیز! ان دونوں کو بھڑک کر ناک
 دین سمیت جھاک جاؤ، فوراً! میں تمہیں پہلی کو پٹر لگا

لگا۔ جلدی کر دو بیٹی، جلدی!“ خان آف کالاکوٹ کہہ رہا تھا۔
 ”نہیں! نہیں! نہیں!“ ڈزیز ایک بار پھر روج اٹھی۔
 صاف ظاہر تھا کہ خان آف کالاکوٹ نے ڈزیز کو دیکھ لیا
 تھا اور اسی لیے اس بار اس نے ناکر ناکر سے گزیر کر کیا تھا۔
 اس بات سے بے خبری رہا ہوگا کہ اس کا خون اس سے جلالت
 کر چکا ہے ورنہ ویسی احتمالات حرکت نہ کرتا۔
 جب ڈزیز نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی تو دوبارہ
 اسے تاکید کی گئی۔ پہلی کو پٹر اتنی لمبی پر تھا کہ ہم اسے ہٹ
 نہیں کر سکتے تھے اس لیے ہم نے گولیاں ضائع نہیں کیں۔
 ”ڈزیز! اگر تم اپنے والد کے طور پر عمل کرنا چاہو تو
 تم تمہیں ایسا کرنے سے نہیں روکیں گے!“ میں نے ڈزیز سے
 کہا۔
 ”نہیں! ہرگز نہیں!“ ڈزیز بڑبڑاتی لہجے میں بولی۔ مجھے
 ایسی زندگی نہیں چاہیے!“
 ”ڈزیز! میرے پاس دد میں ہے اور میں تمہیں دیکھ
 رہا ہوں۔“ معا خان آف کالاکوٹ کی آواز پھر گونجی۔ ”تم بے فکر
 رہو! اگر ان دونوں میں سے کسی نے تمہیں روکنا چاہا یا تم پر
 ناکر کیا تو میں انھیں بھون ڈالوں گا۔ تم اپنی دوست نادہ کو
 سمجھاؤ کہ وہ اس حال ک عزت کی باتوں میں نہ آئے اور وہ
 بھی چاہے تو تھا رہا ساتھ دے کر اپنی زندگی بچا لے مگر اس
 صورت میں اسے اپنا دیوانہ پھینکنا ہوگا۔ میں تم پر پوری طرح
 نظر رکھتے ہوئے ہوں اور چوکتا ہوں۔ تم فوراً میرے شہر سے
 پر عمل کرو!“ اس کے بعد خان آف کالاکوٹ نے مجھے مخاطب کیا۔
 ”اور تم سونو صوبہ بانو! یہ رات تمہاری زندگی کی آخری رات ہے۔ اب
 معائنات کا وقت گزر چکا ہے۔ تمہیں مرنا ہوگا، ہر قیمت پر مرنا
 ہوگا!“
 جراب میں میرا کتا کچھ فضول تھا کیوں کہ خان آف کالاکوٹ
 میری آواز نہیں پہنچ سکتی تھی۔ میں نے ایک بار پھر ڈزیز سے
 کہا کہ وہ اپنے باپ کا حکم مان لے۔ میں ہر حال دانستہ یا نادستہ
 اس کا احسان نہیں لینا چاہتی تھی۔ میں اپنی نظرت سے مجبور تھی۔
 اگر مجھے وہ زندگی ڈزیز کے طفیل ملتی تو منظور نہیں تھی۔
 ڈزیز نے ایک بار پھر اپنے باپ کا حکم ماننے سے انکار کر
 دیا تھا اور اسی کے ساتھ وہ روج پڑی تھی۔ ڈیڈی! اگر آپ تک
 میری آواز نہ پہنچ رہی ہے تو سنیں کہ مجھے موت قبول ہے اذیت
 کی زندگی نہیں۔ میں یہ سننے کے لیے ذلہ نہیں رہنا چاہتی کہ
 میرا باپ جرائم پیشہ تھا، قاتل تھا، یہ کہہ کر ڈزیز نے اپنے دونوں

ہاتھ دوڑا کر اسے انکار میں ملا دیے تھے۔ اسے شاید اس
 احساس ہو چکا تھا کہ اس کی آواز خان آف کالاکوٹ تک نہیں
 پہنچ رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ اگر اس کی آواز وہاں تک نہ
 پہنچے تو کم از کم ہاتھوں کے اشارے سے اس کا مقصد سمجھ لیا
 جائے۔
 دوسرے ہی لمحے خان آف کالاکوٹ کی آواز پھر سنائی دی۔
 ”ڈزیز! یہ تم ہاتھ کیوں ہمارے ہو؟ کیا مقصد ہے اس کا؟ کیا
 تم میرا حکم ماننا نہیں چاہتیں؟“ یہ کہتے ہوئے خان آف کالاکوٹ،
 کے لیے میں سختی اٹھ گئی۔ اگر میں نے ٹھیک سمجھا ہے تو ایک بار
 پھر انکار میں ہاتھ ملاؤ تاکہ میں تمہیں نافرمانی کی سزا دے سکوں۔
 ڈزیز نے دوبارہ انکار میں ہاتھ ملا دیے اور اسی وقت
 پچھلے دوپے کئی دھماکوں کی آوازیں سن کر میں اچھلی پڑی۔ رضیہ کا
 بھی یہی حال ہوا تھا۔ وہ ناکر ناکر پہلی کو پٹر سے نہیں کی گئی تھی اور
 یہی بات میرے لیے تشویش کا سبب بنی تھی۔ ہم پر ناکر ناکر کرنے
 داے جو بھی تھے، اتنی دہشت کے ہمیں نظر نہیں آ رہے تھے۔
 ناکر ناکر انھوں نے باندھ توں ہی سے کی گئی ہوگی ورنہ دیوانہ لور
 سے ناکر ناکر کی صورت میں وہ لوگ بھی نظر مزد آتے۔ ہر جہاں
 کرنا ضروری کافی ہونے کے سبب ان میں سے ایک گولی بھی ہم تک
 نہیں پہنچ سکی تھی لیکن یہ صورت حال بدل بھی سکتی تھی۔ وہ
 لوگ قریب ہی ہو آئے تھے۔
 چند لمحے بھی نہ گزرے تھے کہ مخالفت سمیت سے بھی ناکر نہ
 ہوئی اور پھر چاروں طرف سے ناکر ناکر شروع ہو گئی۔ اسی
 دوران میں خان آف کالاکوٹ کا مقصد باندھ ہوا۔
 ”تم نے دیکھا صوبہ بانو! میرے آدمی چاروں طرف سے تمہیں
 گھیر رہے ہیں سے پکے ہیں!“ خان آف کالاکوٹ نے مجھے مخاطب کیا۔
 ”اب اگر میں تمہیں نشانہ نہ بھی بناؤں تو تم نہیں بچ سکتیں۔ ہر چند
 کہ ڈزیز میرا خون ہے مگر اس کی دگوں میں اس کی مال کا خون بھی
 دوڑ رہا ہے۔ وہ بھی اسی کی طرح احمق اور بے وقوف تھی۔ میرا ایک
 حکم نہ مان کر وہ بے وقوف بھی موت کی نیند سو گئی تھی اور آج اس
 کی بیٹی نے ذلہ سہنے کا موقع کھو دیا۔ اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔“
 خان آف کالاکوٹ کے الفاظ سے یہ بات صاف ظاہر ہو گئی
 تھی کہ ڈزیز کی مال کو کسی نے قتل کیا تھا۔ یہ سن کر ڈزیز خود بہر
 قابو نہ پاسکی۔ نہ جانے اس میں اتنی طاقت کہاں سے آگئی کہ
 ایک ہی جھٹکے میں اس نے رضیہ کا دیوانہ چھین لیا جو اس کے
 قریب ہی کھڑی تھی۔
 ”قاتل! میری مال کے قاتل!“ ڈزیز نے یہ کہتے ہوئے

ہو رہی تھی کو پٹر بن نازنگ شروع کر دی تھی مگر رضیہ نے روک لیا۔
 وہ بھی اس سے روک رہی تھی لیکن۔
 وہ کر رہی ہوئی ان رضیہ نے اسے ڈانٹ دیا کہ گولی ان تک میں پہنچ سکے نہ وہ بلندی پر ہے اور اتنا بے وقت میں کہ گولی کاٹھ بن جائے۔
 زور ہلے غصے سے اپنے ہی سر کے بال فوج لیے تھے اور چہریت بیٹھ کر دوسرے لگی تھی۔
 تھکے سے تھوڑے وقفے کے بعد جادو حلف سے نازنگ جاری فی اور یہ سورت حال، حال خطرناک تھی۔ نازنگ کرنے والے تک نہ نہیں آئے تھے اس کا مطلب یہ تھا کہ انھوں نے مت بڑے علاقے کو گرجے میں لیا تھا اور ڈاکا ہر ہے اسے بڑے علاقے کو گھیرے میں لینے کے لیے کافی بڑی تعداد کا ہونا ضروری تھا۔ اس سے خان آف کالا گولٹ کی طاقت کا انہماک بھی ہوتا تھا۔ جہاں گولٹ میں سے ہر حال نہیں تھا جو کچھ نہ ہو کر بھی خود کو بہت بظاہر کرتے تھے۔
 پر سمرناس اس قدر بے حال دھکا ہوا تھا کہ ایک بار ریت پر گئے تھے بعد اس نے آٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ یہ اس کی بڑی نقاشا بھی تھی۔
 خان آف کالا گولٹ نے ہم پر نازنگ کرنے کا ارادہ شاید منو نہ کر دیا تھا۔ وہ اپنے پہلی کو پٹر کو مزید اوپر لے گیا تھا مگر ہمارے سروں پر ہی پٹر لگا رہا تھا۔ غالباً اس وقت کا منظر یہ تھا۔ جب اس نے آدمی قریب پہنچ جانے۔ یہ بات بھی صحیح سمجھتے تھے۔ وہ دونوں طرف سے نازنگ کی جارہی تھی۔
 یہ ہر حال اس کا تھا۔ اس امکان کو بھرا ہوا نظر نہ آتا تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو کم دیا ہو کر۔ یہیں زندہ گزارنے کے لئے کوشش کریں۔ اس کا ایک سبب یہ تھیں مناس بہ ہر حال تھا۔ خان آف کالا گولٹ کے علم میں اس وقت یہ بات نہ تھی۔ بلکہ اس کی ذہن بھی ہمارے ساتھ ہے۔ جب اس نے اپنے آدمیوں کو وہ علاقہ گھیر لینے کا حکم دیا۔ مگر اسے یہ باخود ہو گا کہ ہم پر دھیس مناس کو لے اڑے۔ اسے میرے اور رضیہ کی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ہم پر دھیس مناس کو وہ لازماً زندہ چلنا چاہتا ہو گا تاکہ اس کے کام لے۔
 ان تمام باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے میں یہ سوچنے میں حق بجانب تھی کہ اس وقت نازنگ کا مقصد ہمیں ہلاک کرنا ہر حال نہیں ہے۔ اس نتیجے تک پہنچنے کے باوجود میری فکر میں نہیں رہی۔ خان آف کالا گولٹ کے ہاتھ میں اسے کھیلنے کا مطلب بھی گویا

موت ہی تھا۔ اس کے آگے تھکا ڈالنے کا تو خیر سوال ہی نہیں تھا۔
 اس دوران میں رضیہ زور کی کسی نہ کسی طرح چپ کرانے میں کامیاب ہو گئی تھی لیکن اس کی سسکیاں ابھی نہیں زور تھیں۔
 اسی وقت پھر جادو حلف سے نازنگ شروع ہو گئی۔ اس نے نازنگ کی نسبت شدت تھی۔ اس بات نے مجھے الجھن میں ڈال دیا۔ آخر اس شدت کی کیا ضرورت تھی! ابھی میری جیتے تک نہ پہنچ سکی تھی کہ نازنگ میں میں مزید شدت آگئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے میں مجاہد جنگ کے قریب ہوں۔
 "یوں لگتا ہے باجی جیسے دو گرو ہوں کے درمیان جنگ چھوڑ گئی ہو۔" رضیہ میرے قریب آکر بولی۔
 "ہاں محسوس تو یہی ہو رہا ہے مگر دوسرا گرو کون سا ہو سکتا ہے؟" میں نے کہا۔
 "دو بھائی باجی! معا رضیہ نے میری توجہ پہلی کو پٹر کا اہل مہذول کرائی۔
 میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ پہلی کو پٹر تیز رفتاری سے ایک طرف جا رہا تھا۔
 "یہ اچانک ہو کیا؟" رضیہ خود کلامی کے سے انداز میں بڑبڑلا۔
 "میں ممکن ہے کہ میں جیتے تک ہم پہنچیں میں خان آف کالا گولٹ نے بھی یہی نتیجہ اخذ کیا ہو گا۔ میں نے کہا تھا خود وہاں پہنچ کر حالت کا جائزہ لینا چاہتا ہو گا۔ ہماری طرف سے اسے ٹھونڈ ہونے کی ضرورت ہی نہیں کیوں کہ اس نے اپنی دانست میں اس پورے علاقے کو ہمارے لیے قید خانہ بنا دیا ہے۔ ہم بھلا جادو حلف سے گھرے ہونے کی صورت میں باجی کہاں سے ہیں؟ میں نے چند لمحوں وقف کے بعد پھر کہا۔ "لیکن ہم اتنا تو کہہ ہی سکتے ہیں کہ اس جگہ سے کدھر ہی اور نکل جائیں۔ وہ موتی مال کا جائزہ لے کر پھر ادھر ہی آئے گا۔ ہماری دوبارہ تلاش میں اسے ہر حال کچھ وقت لگے گا اور اس دوران میں ہمیں کچھ کاموں مل جائے گا۔
 رضیہ نے میرے خیال سے اتفاق کیا۔ ذہن کو تو فہم ساتھ چلنے پر آمادہ کر دیا لیکن پھر دھیس مناس اس اٹھ کر چلنے کے لیے تیار نہ ہوا۔ اس کی بہت جواب دے گی تھی اور اب اس کے ہوا کوئی ہا نہیں تھا کہ اتنا وہ دین چھوڑ دیا تاکہ پورا لادو کر چلا جاتا۔ اس وہاں چھوٹے کا سیدھا مطلب یہ ہوتا کہ ہم نے اپنے دشمن سے جڑی شکست قبول کر لی ہے اس لیے میں نے دوسری صورت پر عمل کیا۔

"اسے اسے... یہ کیا کر رہی ہو تم؟" پھر میری مناس یہ کہانی ہو گیا اور میں نے اسے اٹھا کر اپنی کمر لاد لیا۔ پھر دھیس مناس کے جسم کا ہر میرے لیے قابل برداشت تھا۔ یوں بھی وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا۔
 "چلو! میں نے رضیہ سے کہا۔
 ذہن مجھے اس طرح حیرت سے دیکھ رہی تھی جیسے میں کسی دوسری دنیا کی مخلوق ہوں۔ رضیہ ان کے ہاتھ پیر کو میرے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ نازنگ کی آواز میں اب تک کہہ رہی تھیں اور ان میں وہی شدت برقرار تھی۔
 "تیز چلو!" میں نے تیز تر قدم اٹھائے ہوئے رضیہ سے کہا۔ "ہم یہاں سے تیزی سے دوڑیں تاکہ ان کا لاکھٹ ہمیں فوراً تلاش نہ کر سکے۔
 رضیہ نے اپنی رفتار بڑھادی۔ ذہن اس کے ساتھ تقریباً گھسٹ رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ بھی کبھی پہلے ایسے حالات سے دوچار نہیں ہوئی ہوگی۔
 سفر جاری رہا۔ پھر میں اس وقت کھل اٹھی جب میری نگاہ ایک چھوٹے سے تالاب پر پڑی۔ میں اس کی طرف تقریباً دوڑنے لگی۔ یہ وہ لمحہ تھا جب اچانک نازنگ بند ہو گئی اور اسی کے ساتھ میری سماعت سے پہلی کو پٹر کا شور مچا رہا۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ پہلی کو پٹر بھی دور تھا۔ خان آف کالا گولٹ پھر تھکا بن کر ہمارے سروں پر چکر لے رہا تھا۔ اس دوران میں کم از کم پیاس تو بجھاؤ ہی جا سکتی تھی۔ پانی نہ پیکر کر پیاس کی شدت بڑھ گئی تھی۔ جیسے ملحق میں بھی اس کا پٹر نے لگے تھے پھر مناس کو کمر پر لاد کر میں تقریباً ڈیڑھ دو میل ریت پر چل رہی تھی وہ بھی انتہائی تیز رفتاری سے، لیکن اس کے باوجود وہاں پانی نظر نہ آتا تو میں رکتے کا فیصلہ نہ کرتی۔ نازنگ اچانک کیوں رک گئی؟ اور خان آف کالا گولٹ کیوں کوٹ آیا؟ تالاب کی طرف دوڑتے ہوئے یہ دونوں سوال میرے ذہن میں مزید سی لگا رہے تھے۔
 پھر اس سے پہلے کہ ہم تالاب تک پہنچنے میں کامیاب ہوتے پہلی کو پٹر ہمارے سروں پر چکر لے لگا۔ میں نے دوڑتے دوڑتے ایک دم رک کر پھر دھیس مناس کو ریت پر چھینک دیا۔ اسی وقت پہلی کو پٹر تیزی سے پیچھے آئے لگا۔
 اس بار نازنگ ہماری طرف سے شروع ہوئی۔ میری اور رضیہ کی چلائی ہوئی دو گولیاں پہلی کو پٹر کی باڈی میں لگیں۔ خان آف کالا گولٹ نے بھی جوابی نازنگ کی مگر اسے چند لمحوں کی

دیر ہو گئی تھی۔ پہلی کو پٹر اس وقت تک ادھر آ رہا۔ لگا تھا خان آف کالا گولٹ نے اپنے گولے اور ہرے جیسے کو بہت اچھی تربیت دلائی تھی۔ اب تک مجھے رضیہ کو اتنا موقع نہیں ملا تھا کہ ہم پہلی کو پٹر کی ٹھکی کو نشانہ بنا سکتے۔ وہ جتنی تیزی سے پیچھے آ رہا تھا اتنی ہی تیزی سے بلند ہوتا چلا جاتا تھا۔
 میری اور رضیہ کی نگاہیں پہلی کو پٹر پر جمی ہوئی تھیں۔ اب اس چہرے پر جتنی کسے سے کھیل سے مجھے الجھن ہونے لگی تھی۔ اب تک میں نے مصلحت کے پیش نظر بہت محتاط ہو کر نازنگ کی تھی۔ ایک دیوار خالی ہونے والا تھا اور اب میں نے وہ دیوار اپنے دائیں ہاتھ میں لے لیا تھا جس سے ایک بھی گولی نہیں چلائی گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ میں اس ہنگامے کے دوران میں چلائی جانے والی گولیاں نہیں گن سکی تھی۔ وہ دیوار کسی بھی وقت میرا ساتھ چھوڑ سکتا تھا جو میرے اندازے کے مطابق اب خالی ہونے والا تھا۔ رضیہ کو بھی میں نے اب دوسرا دیوار استعمال کرنے کی تاکید کر دی تھی۔ اگر میں نازنگ کرنے میں اس قدر احتیاط سے کام نہ لیتا تو شاید اب یہ خان آف کالا گولٹ کے پہلی کو پٹر کو ہٹ کر چل رہی ہوتی۔
 جب میں نے ایک بار پھر پہلی کو پٹر کو غوطہ کھانے دیکھا تو سوچا اس پار یا اس پار! پھر جیسے ہی میں نے پہلی کو پٹر دیوار کی درج میں غری کیا دیوار کی بلندی دینی چلی گئی۔ اوپر سے خان آف کالا گولٹ بھی گولیاں برسا رہا تھا لیکن مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ہمارے ساتھ ذہن کی موجودگی نے اسے نازنگ کرنے میں بہت محتاط کر دیا تھا۔ گولیاں ہمارے قریب آ کر ریت میں دھنس رہی تھیں۔ لاکھ اس کے سینے میں دل کی جگہ پھر تھا مگر وہ ہر حال باپ تھا۔ اس کی بہت نہیں ہو رہی تھی کہ ذہن کی پروردہ کیسے بغیر براہ راست اندھا دھند نازنگ کر سکتا۔
 فضا بے دوپے دھماکوں سے گج رہی تھی۔ اس بار خان آف کالا گولٹ بھی پہلی کو پٹر کی نسبت ذہن دیر محتاط رہا تھا۔ مجھے پھر کے نازنگ کرنے دیکھ کر ذہن کا دیوار کی مسلسل شلٹا کھل رہا تھا۔ پہلی کو پٹر تالاب سے کچھ فاصلے پر فضا میں پھرا رہا تھا۔
 پھر وہ لمحہ آ ہی گیا جب رضیہ چن پڑی وہ مارا! میری چلائی ہوئی ایک گولی نے پہلی کو پٹر کی ٹھکی میں سوراخ کر دی دیا تھا۔
 پہلی کو پٹر نے ایک دم اٹھ کھڑا تھا اور پھر تیزی سے

کے ساتھ زمین کی طرف آنے لگا تھا۔ ایک کسی بھی لمحے اس کی نیکی ٹھٹھکتی تھی اور فضا میں اس کے چیتھڑے بکھر سکتے تھے۔ آخر کار یہی ہلی کوپٹر کوپٹ کر کے میں کامیاب ہو رہی تھی۔

ہلی کوپٹر اس شعلوں میں گھر چکا تھا۔

پھر اس سے پہلے کہ ہلی کوپٹر کے چیتھڑے اڑ جاتے ہیں نے کسی کو اس میں سے جھانک نہ دیا۔ اس کے کپڑوں میں آگ لگی ہوئی تھی۔

شعلوں میں گھرا ہوا ہلی کوپٹر ہمارے بالکل اوپر سے گزرتا ہوا اڑنے سے نکل گیا۔ وہ اس قدر نیچا تھا کہ ہم نے شعلوں کی پیش بھی محسوس کی۔ وہ کہیں بھی گر کر تباہ ہو سکتا تھا یہ سوچ کر میں نے رفیعہ کو اشارہ کیا تھا اور رفیعہ ڈزیز سمیت ریت پر گر پڑی تھی۔

ہلی کوپٹر سے جھانک لگانے والا سیدھا تالاب میں گرا اور ایک چھپا کھا ہوا۔ اسی کے چند لمبے بعد ایک زبردست دھماکا سنائی دیا اور ہم سے تقریباً سو گز دور ہلی کوپٹر کے چیتھڑے بکھر گئے مگر ہم اس سے پہلے ہی ریت پر گر پڑے تھے اس لیے کہ اس کا کوئی بھی ٹکڑا اوپر آ سکتا تھا۔ پھر وہی ہوا بھی تھا۔ ہلی کوپٹر کے چلتے ہوئے ٹکڑے ہمارے اوپر سے گزرے تھے مگر ہم قطعی محفوظ رہے تھے۔ پروفیسر منہاس اسی طرح اسبک ریت پر پڑا ہوا تھا۔ اس نے ہنگامے کے دوران میں ایک باوجودی اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

چلتے ہوئے ہلی کوپٹر سے تالاب میں گرے والا خان آف کالاگوٹ کے سروا اور کون جو سکتا تھا اور میرا اندازہ غلط نہیں نکلا۔

میں اور رفیعہ ابھی اٹھ کر کھڑے ہوئے تھے کہ میں نے کسی کو تالاب سے نکل کر بھاگتے ہوئے دیکھا۔ اس کے قدم بڑی طرح ڈنگا رہے تھے اور میں نے اسے پہچان لیا تھا۔ وہ خان آف کالاگوٹ ہی تھا۔

”خان! بھڑکاؤ!“ میں چیخ اٹھی۔ ”ک جاؤ ورنہ میں گولی مار دوں گی“

میری جھکی کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ بھاگتا ہی رہا۔ میں نے اس کے پیروں کا نشانہ لیا اور ٹریگر دبا دیا لیکن فائر نہیں ہوا۔ میرا دیو الو فواری ہو چکا تھا۔ میں نے وہ دیو الو ریت پر پھینک کر دوسرے دیو الو سے فائر کیا مگر گولی اس کے نہیں لگی۔ میں نے یہ فائر بائیں ہاتھ سے کیا تھا کیوں کہ دائیں ہاتھ میں

اسی وقت رفیعہ کے دیو الو نے شعلہ اٹھ دیا۔ خان آف کالاگوٹ کی چیخ سنائی دی اور وہ لہر لہر کر ریت پر گر پڑا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی تھی کہ رفیعہ نے بھی اس کے پیروں کو نشانہ بنایا تھا۔ رفیعہ میری ہنسنے لگی اور یہ بات اچھی طرح سمجھتی تھی کہ میں انشا کا رخ کرنے کی قائل ہوں۔

تقریباً ساٹھ سو گز کے فاصلے پر میرا شکار ریت پر پڑا ہوا ٹرپ رہا تھا۔ میں نے وقت ضائع کیے بغیر زخمی ہی میرے ہی ساتھ رفیعہ اور ڈزیز بھی ادھر دوڑ پڑی تھیں۔ رفیعہ زخمی ہی تیز رفتاری کا ساتھ دے رہی تھی مگر ڈزیز پیچھے رہ گئی تھی۔

جس وقت میں دوڑتی ہوئی خان آف کالاگوٹ کے قریب پہنچا ایک دم اچھل پڑی۔ وہ میری توقع کے خلاف اچانک اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا لیکن اس کی حالت دو گولی تھی۔ اس کے جسم پر ریت اور پانی میں لٹھیرا ہوا لباس چیتھڑوں کی صورت میں جھول رہا تھا۔ ہڈیاں جھٹکتی تھیں۔ مونچھ کا دایاں حصہ جل چکا تھا جس سے اس کا چہرہ مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔ جسم کے کچھ حصے قطعی بے لباس تھے۔

مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ اسے گولی نہیں لگی بلکہ نے محض گولی لگنے کی کامیاب ادکاری کی تھی ورنہ وہ اپنے پیٹال پر نہ کھڑا ہوتا۔

اسے کھڑا ہونے دیکھ کر مجھے تو ذہنی جھٹکا لگا تھا۔ اب میں اس سے منہ جلی تھی۔ میرے اور رفیعہ کے دیو الو روں کی نالیں، خان آف کالاگوٹ کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

خان آف کالاگوٹ مجھے اس طرح گھور رہا تھا جیسے میری طاقت کا اندازہ لگانا چاہتا ہو۔ مگر میں نے ضلعو محسوس کیا کہ خان آف کالاگوٹ کے دونوں ہاتھ پشت کی طرف تھے۔ میرے اور خان آف کالاگوٹ کے درمیان صرف چند گز کا فاصلہ تھا۔

”خان! اسی طرح بے حس و حرکت کھڑے رہنا!“ میں نے اسے وارننگ دی کہ اگر تم نے اپنے جسم کو ذرا سی بھی جنبش دی تو...“

میں اپنا جھل پورا نہ کر پائی تھی کہ خان آف کالاگوٹ دھشیا انداز میں ہنس پڑا۔ پھر بولا، ”ڈر رہی ہو تم مجھ سے! میرے ہاتھ میں صرف چاقو ہے، اگر دیو الو ہوتا تو اب تک تم دونوں ریت پر پڑی۔“

میں نے اسے وارننگ دی کہ اگر تم نے اپنے جسم کو ذرا سی بھی جنبش دی تو...“

میں نے اسے وارننگ دی کہ اگر تم نے اپنے جسم کو ذرا سی بھی جنبش دی تو...“

دل کی نالیں اٹھی ہوئی ہیں، اس کا سینہ چھلنی بھی کیا جا ہے۔

پھر اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتی، خان آف کالاگوٹ پھر اٹھا۔ اگر تھارے ہاتھ میں دیو الو کی بجائے چاقو ہوتا تو نہیں پتا نا کہ...“

”لو میں نے تمہاری آخری حسرت بھی پوری کر دی۔ میں دیو الو ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ اب میرے دونوں ہاتھ دائیں اور تھارے پاس چاقو سے مرنے سے پہلے اپنی حسرت ادا کر لو۔“

یہ کہہ کر میں رفیعہ سے مخاطب ہوئی۔ ”تم اس پر نہیں روگی۔ یہ میرا شکاب ہے۔“

رفیعہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ خوب جانتی تھی کہ ایسے لمحے میں کسی دوسرے کی مداخلت قطعی پسند نہیں کرتی۔ رفیعہ اچھی سمجھنے والی تھی۔

”مگر سنو! کا شکار ہے صبح بونو، یہ ابھی تباہیل جائے خان آف کالاگوٹ دانت ہیں کہ دیو الو اور اسی کے ساتھ نے مجھ پر بھلا ہنگامہ ڈیا۔ اس قدر زخمی ہونے کے س کی چھتری قابل دہی تھی۔“

میں اس کی طرف سے غافل نہیں تھی مگر پھر بھی اپنی جگہ سے نہ جھپٹے ہی خان آف کالاگوٹ اپنے بھاری تن و توشیحے سے ٹکرایا، میں نے اس کے دائیں ہاتھ کی کلائی پر ہتھ مارا۔ یہ جھٹکا ہاتھ تھا۔ اس کے گم سے جھٹک لگی تھی۔

وہ مجھ کو درد دیا۔ میں اس کے بھاری جسم سے ٹکرا کر باقی یکن میں نے اٹھنے میں دیر نہیں کی تھی۔ میں دانستہ سے نہیں بلی تھی تاکہ وہ قریب آجائے تو اس کی کلائی بھٹک سکوں اور میں اپنے مقصد میں کامیاب رہی تھی۔

خان! چاقو دوبارہ اٹھا لو، میں نے اسے مخاطب کیا۔

بے میں مسخرہ تھا۔

مجھے امید نہیں تھی کہ وہ دوبارہ چاقو اٹھانے کی کوشش کرے۔ میری بات سن کر اس طرف بڑھ گیا جہاں چاقو پڑا تھا۔ اسے کھنکھناتے ہوئے اس وقت سونیا کا چہرہ گھوم رہا تھا اور اس کی آگ میں جل رہی تھی۔

میں اس لمحے جب وہ چاقو اٹھانے لگا تھا، میں نے جست لگائی۔ پھر اس کے ہاتھ پر پڑنے والی ضرب شدید تھی کہ وہ چیخ مار کر اٹھ پڑا تھا۔ وہ چاقو دلانے پر پڑا تھا اور اس کے ہاتھ سے خون بہہ رہا تھا۔

میرے پاؤں کی ٹھوکر نے اس کی جھٹکی کی کھال میں شکاف ڈال دیا تھا۔

پھر چند ہی لمحے گزرے تھے کہ وہ آہستہ آہستہ اٹھنے لگا۔ ابھی اس میں جان بھی باقی تھی اور ہمت بھی! میں انتظار کرنے لگی کہ وہ اٹھ کر کھڑا ہو جائے تو اس پر حملہ کر دیا مگر اس سے پہلے ہی ایک دھماکا ہوا اور خان آف کالاگوٹ کے سینے سے خون کا فوارہ اُبل پڑا۔ چننے میں سمجھ ہی نہیں پائی تھی کہ اس پر گولی کس نے چلائی! رفیعہ سے میں اس حرکت کی توقع نہیں کر سکتی تھی۔ خان آف کالاگوٹ سینہ تھامے گئے لگا مگر اسی وقت پہرے دو گولیاں اور اس کے جسم میں اڑ گئیں۔

اچانک فضا میں ایک ہڈیانی قہقہہ بلند ہوا اور پھر ایک آواز اُبھری۔ میں نے اپنی ماں کا انتقام لے لیا۔ میں نے اپنی ماں کے قاتل کو ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد پھر تھکے سنائی دینے لگے۔

میں نے مڑ کر دیکھا۔ رفیعہ سے کچھ فاصلے پر ڈزیز کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں دیو الو تھا جو خان آف کالاگوٹ سے نبرد آزما ہوتے وقت میں نے پھینک دیا تھا۔ ڈزیز نے نہ جانے کب وہ دیو الو ڈھونڈ لیا تھا۔

پھر میں اس وقت کانپ کر رہ گئی جب ڈزیز کو دیو الو کی نال اٹھانے دیکھا۔ اب اس نے دیو الو کی نال کا رخ اپنی کنبٹی کی طرف کر لیا تھا۔

اگر رفیعہ شانے کی آتی تھی نہ ہوتی تو ڈزیز خود کئی چمکی ہوتی۔ رفیعہ نے ڈزیز کے دیو الو کی نال کو نشانہ بنایا تھا اور اس زور سے سے کہ ڈزیز کو معمولی سی خراش بھی نہیں آتی تھی۔ ڈزیز کے ہاتھ سے دیو الو جھپٹ کر بہت دور گرا تھا اور پھر جیسے وہ ہوش میں آگئی تھی۔

”ڈیڈ! ڈیڈ! ی!“ وہ چیختی ہوئی اس طرف دوڑی تھی جہاں خان آف کالاگوٹ کی لاش پڑی ہوئی تھی۔

وہ منظر آج بھی نہیں جھٹکا۔ ڈزیز اپنے باپ کی خول آلود لاش سے پلٹ پلٹ کر دو رہی تھی۔ یہ دردناک منظر دیکھ کر میری آنکھوں کے گوشے بھی نم ہو گئے تھے۔

چند لمبے بعد ہی میں نے پروفیسر منہاس کو گرتے پڑتے اور ریت پر تقریباً گھسٹتے ہوئے ادھر کے دیکھا تھا۔ شدید اسے یقین ہو گیا تھا کہ کھیل ختم ہو چکا ہے۔

اسی وقت فضا میں ہلکا سا ارتعاش محسوس کر کے میں چونک اٹھی۔ کچھ دیر ہی میں نے ارتعاش جکی جکی میں ہی گڑا ہوا ہٹ میں

”باچی!“ رضیہ نے مجھے مخاطب کیا۔ شاید ابھی کھیل ختم نہیں ہوا۔

”ہاں میں بھی یہی محسوس کر رہی ہوں مگر اب... اب ادھر کون آسکتا ہے؟“ میں نے کہا۔

”کیا آپ خان آف کالاگوٹ کے ساتھیوں کو بھول گئیں باچی؟“ رضیہ جلدی سے بولی۔

”لیکن اگر ان لوگوں کے پاس کوئی پہلی کوپٹر ہوتا تو وہ بہت پہلے خان آف کالاگوٹ کی مدد کرنے آچکے ہوتے۔“ میں نے جواب دیا۔

مجھ پر پڑا اور تیز روشنی کے سبب میری آنکھیں خود بخود ۱۰ گئیں۔

”رضوان!“ میری سلامت سے رضیہ کی آواز مگر لڑائی وقت سے جتنی بھی تاثر بیکر بلی کو پٹر کے شور میں اس کی آواز نہ پہنچ جائے۔

پہلی کوپٹر کے دروازے میں نظر آنے والا رضوان ہی نہ رضیہ نے اسی لیے اس کی بلی کوپٹر پر غارت نہیں کیا تھا۔



میں رضیہ اور رضوان ڈوڈنگ روم میں بیٹھے، ہمارا پانی رعبے تھے۔ ابھی ابھی رضوان تمام تفصیلات بتا کر غار میں تھا۔ وہ اس شرط پر اچھے تفصیلات بتانے پر راضی ہوا تھا کہ اور رضیہ کو برازیل جانے کی اجازت دے دوں۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تھا اور رضیہ نے نگاہیں جھکا لی تھیں، گو یہ بھی میری مرضی تھی۔ میں نے انھیں برازیل جانے کی اجازت دے دی، ”اللہ آپ کے ہونے والے بچوں کو جیتا رکھے،“ رضوان اجازت ملنے ہی کہا تھا کہ آپ بھی ایسا کیوں نہ کریں کہ آپ کے کہیں بچے بالذات مل جائیں مگر میں تو یہ مشورہ دوں کہ آپ تشریف لے جائیں۔ وہاں دو عدد روٹیاں آپ کے لیے فرش پر رکھے تھیں، میں نے بھی بول گئی۔ خوب کمرے کی گول میز پر چار۔

میں مجھ کو بھی رضوان نے سسگیتا اور فزنی کی کہ کیا تھا مگر میں رضیہ کی موجودگی کے سبب اس وقت رضوان کی مال گئی۔

”تم تیری کواں ہی کیے جاؤ گے یا کام کی بات بھی کرنا۔“ رضوان پر تمکین نکالی تھیں۔

”کام کی بات تو میرا ہی ہوتی ہے جو آپ اس کے موڈ میں نہیں۔“ خیر چھوڑیے پھر کبھی سہی۔“ یہ کہہ کر رضوان بر گیا تھا۔

رضوان کو اس قید خانے سے نکال کر خان آف کا پاس لے جایا گیا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے ایک جیب کے ذریعے ہمارے کپڑوں میں اس وقت پہلی کھول گئی تھی جب کہ کپڑے ہموکھی تھیں۔ دو آدمی رضوان کے دائیں بائیں بیٹھے تھے۔ ریو اور ول کی ٹائیس اس کی پسپوں میں گڑی ہوئی تھیں۔ خان آف کالاگوٹ رضوان سے خان و لاہی میں ہلا تھا۔ اس آف کالاگوٹ کے ساتھ اس کا غیر ملکی سامان باب بھی آف کالاگوٹ کوئی خطا پر حکم باب کو سنا رہا تھا۔

سے وہ خط منظر رہا تھا۔ رضوان نے اس کے سامنے داخل ہوتے دروازے کے شبیلوں سے یہ منظر دیکھا تھا۔ خان آف کا کمرے کو کمرے میں داخل ہوئے تھے تو خان آف کالاگوٹ خطا کر کے میز پر رکھ دیا تھا۔

خان آف کالاگوٹ غالب اپنے سامان کے سامنے رضوان کی بات کرنا نہیں چاہتا تھا اس لیے اس نے باب سے معذرت بھی اور کہا تھا کہ وہ خود ابھی کچھ دیر بعد اس کے کمرے میں آجائے۔

مرتبہ بائیں وہیں ہوں گی۔

خان آف کالاگوٹ اپنے سامان کو چھوڑنے کے بعد باہر آیا تھا اور اس دوران میں رضوان کو ہاتھ کی صفائی دکھانے کا لیا تھا۔ وہ پاؤں کھانے کے جانے چھکا تھا اور اس خط سے اٹھا کر اپنے موزے میں منتقل کر دیا تھا۔

اس کے بعد رضوان نے خان آف کالاگوٹ کو اس طرح باتوں کا کیا تھا اور میرے بارے میں کچھ ایسے اہم اکتشافات کیے تھے کہ میں نے اس خط کا خیال ہی نہ کیا تھا۔ کچھ دیر پہلے اس کے میز پر رکھا تھا۔ رضوان نے اسے اپنے بندھے دام ہونے دیا تھا۔

پھر خان آف کالاگوٹ کے حکم پر اس کے آدمی رضوان کو لے کر روانہ ہو گئے۔ تاہم پارہ کو میں نے جہاں چھکا رکھا تھا، اسے اُسے نکال لے جائیں۔ رضوان ان دونوں کو منگو پیر کی کی طرف لے گیا تھا اور میرے آسانی و لاہی دے کر نکل گیا تھا۔

وقت رضوان کے دم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ میں وہ خان آف کالاگوٹ کے خلاف کتنا مضبوط اور اہم عامل کر چکا تھا۔ رضوان کو اس بات کا احساس اس وقت نے وہ خط چھکا۔

خان آف کالاگوٹ کے نام تھا۔ اس خط کو کھینے والا بڑے حسد پر غارت تھا۔ اس نے کھا تھا کہ خان آف ایما پر تمام تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں اور اب صرف خان در ہے۔ اس خط میں خان آف کالاگوٹ سے اس کے دریافت کیا گیا تھا۔ پس پر رضیہ مناس کا کام کر رہا ہے۔ اس میں معلوم کیا گیا تھا کہ اس کی منزل میں ہے۔ پھر کہ رضوان خانے میں آ گیا تھا۔ اس پر یہ حقیقت مختلف خان آف کالاگوٹ اقتدار پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ رضوان کے لیے یہ سمجھنا بھی دشوار نہیں رہا تھا کہ خان آف باب کس بڑی طاقت کا نمائندہ ہے جس سے خان آف جوڑ کر چکا ہے۔

اس کے بعد رضوان فوراً ہی حرکت میں آ گیا تھا لیکن اس پر کچھ پہنچنے کے لیے اس کا بڑا وقت ضائع ہوا تھا۔ فوڈ ہی دار حکومت سے لڑا رہا تھا۔ یہاں گیا تھا جہاں سے ملٹری اکیڈمی کے احکامات ملنے میں خاصی دیر لگی تھی۔ لذت کو تقریباً دو بجے ملٹری حرکت میں آگئی تھی اور پھر خان آف کالاگوٹ کے ہر ٹھکانے پر چھاپا مارا گیا تھا۔ خان و لا کو بھی گھیر لیا گیا تھا مگر نہ جانے اس طرح باب کو کبھی گول میز میں ہی اور وہ وہاں سے پہلے ہی فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

خان آف کالاگوٹ کے ایک بوڑھے ملازم سے اس کی تنکا گاہ کا پتہ چلا تھا جو قتل اور گوٹ و ہارو کے درمیان واقع تھی۔ یہ پتہ چلنے ہی ملٹری پہلی کوپٹر اور ملک اس سمت روانہ ہو گئے تھے۔ وہاں پہنچے ہی ملٹری نے اس پوسٹ پر حملے کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا اور پھر فائرنگ کی آوازیں سننے ہی اس طرف کا رخ کیا گیا تھا۔ جلد ہی وہاں کی آوازیں آ کر ہی ختم۔

پھر وہ لوگ ملٹری کے سامنے زیادہ دیر نہیں ٹیک کے تھے جو حلقہ بنانے کا رنگ کر کے ہمارے بڑھ رہے تھے۔ رضوان بھی اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے ملٹری آپریشن میں شامل ہو گیا تھا۔ وہ بھی ایک ملٹری پہلی کوپٹر میں تھا۔ پھر خان آف کالاگوٹ کی لاش کو ملٹری نے اپنے قبضے میں لیا تھا۔ زندگی اور پروفیسر مناس جلد سے ساتھ ہی رہے تھے۔

اب سب ایک ملٹری پہلی کوپٹر میں کراچی پہنچے۔ راتے ہیں رضیہ نے میرے ایمپازنڈیز کو اپنے اوپر سے ہارے میں بنا دیا تھا۔ اس وقت فزنی اتنی تھکا ہوا تھا کہ وہ کسی اکتشاف پر نہیں پہنچ سکتا تھا۔ دیشاؤس اور میو بانو ایک ہی شخصیت کے دو روپ تھے۔ ایک پر بھی فزنی نے کسی خاص روئے عمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔ فزنی کو ہم خان و لاہی چھوڑ کر فزنی آگئے تھے۔ پروفیسر مناس اب بھی ہمارے ساتھ تھا لیکن اسے بنا دیا گیا تھا، مہ پارہ میری کوٹھی کے تھیلے میں موجود ہے اور اسے وہاں کیوں رکھا گیا تھا۔

کوٹھی پہنچنے ہی میں نے اس کی سیاہ پارہ سے جان چھڑانے کے لیے رضوان سے کہا تھا کہ وہ فوراً اپنے دوست سلطان کو فون کر کے وہاں بلائے تاکہ وہ اپنے والد پروفیسر مناس اور اپنی سوتیلی بہن باہ پارہ کو وہاں سے لے جائے۔

رضوان کی غیر موجودگی میں میری ملازم خاص مہ پارہ کے لیے خود روش کا بندوبست کر رہی تھی اس لیے مہ پارہ کے ہم پر چڑھا ہوا بندوبست جوں کا توں موجود تھا۔

سلطان اپنے والد کے بارے میں خوش خبری سننے ہی فوراً میری کوٹھی پہنچ گیا تھا اور پھر وہاں سے والد اور سوتیلی بہن کو لے جا۔

ہی رخصت کر دیا گیا کیوں کہ ہم سبھی خندہ سے جو رہے تھے۔

میں نے کراچی آتے ہوئے راستے میں بہت کوشش کی تھی کہ رضوان مجھے انصیفات سے آگاہ کرے مگر وہ ظلم نہیں ہوا تھا۔

آئندہ دوروں کے اندر خان آف کالا گوٹ کے بارے میں کئی اور باتیں سنانے آئیں۔ اگر یہ باتیں سامنے نہ آتیں تو میں کبھی نہ سمجھ

پاتی کہ سنگیت کا محبوب ٹیکل کیوں موت سے دوچار ہوا اور خان آف کالا گوٹ نے اس کیس کو کیوں روک دیا تھا پھر وہ کیوں میرے پیچھے چل گیا تھا۔

خان آف کالا گوٹ کے پروردہ تمام منسلک طے قانون کی گرفت میں آچکے تھے۔ انہی کے ذریعے تمام باتیں سامنے آئی تھیں۔

خان آف کالا گوٹ آئندہ پر قابض ہونے کے لیے غیر قانونی اسلحہ بھی جمع کر رہا تھا جس میں غیر ملکی اسلحہ بھی شامل تھا جو منگول

کے ذریعے ملک میں لایا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ خود اندرون ملک غیر قانونی طور پر جو اسلحہ تیار کیا جاتا تھا خان آف کالا گوٹ وہ

بھی خریدتا تھا۔ تمام اسلحہ شکار گاہ کی علامت کے ذریعے دور دراز خانوں میں ذخیرہ کیا جا رہا تھا۔ بڑی نے تمام ملکی اور غیر ملکی اسلحہ پر

قبضہ کر لیا تھا۔ کچھ ایسے ملک کا اسلحہ بھی ملتا تھا جس سے بدکار ہر دوست سزا مرسم تھے اور حکومت نہیں چاہتی تھی کہ ان ملک سے

تعلقات خراب ہوں اس لیے اخبارات میں کچھ نہیں آیا۔ پوری سازش کا خواہوشی کے ساتھ قلع قمع کر دیا تھا مگر رضوان تو ایک جیددی

تھا وہ ساری خبریں لے آتا تھا۔ سنگیت کا محبوب ٹیکل کا تعدادم ایک ایسے ہی بڑک سے ہوا

تھا جس میں غیر قانونی اسلحہ لایا ہوا تھا یہی سبب تھا کہ خان آف کالا گوٹ اس معاملے کو باہر لایا جاتا تھا۔ وہ اپنے منہ نہ بولتا ایک حد تک

کامیاب بھی ہو گیا تھا مگر وزیران میں ہمیں نے ٹانگ اٹھادی۔ اس نے مجھے اس معاملے میں دلچسپی لینے سے روکنا چاہا اور پھر بات

بڑھتی چلی گئی۔ ٹیکل کو قتل نہیں کیا گیا تھا بلکہ وہ دائرے کا شکار ہوا تھا۔ خان آف کالا گوٹ نے مجھے اس معاملے سے جتنا دور رکھنے

کی کوشش کی تھی اس میں اس کی اور ٹوٹ ہوتی چلی گئی۔ خان آف کالا گوٹ کی ایک مولیٰ سی غلطی اسے لے ڈوبی۔ اگر وہ مجھے نہ چھوڑتا تو شاید

اتنی جلدی اپنے انجام کو نہ پہنچتا۔ شاید اس نے مجھے سمجھنے میں غلطی کی تھی۔ خیر اس پر کیا خسر اکثر یہ صورت کہ سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں اور

اسے خود سے کٹر اور کمزور جان کر موت کی نیند سو جاتے ہیں۔ اگلے مہینے میں نے رضوان اور حمید کو خبر یاد کیا۔ وہ دونوں بڑبڑلے

میں نے اس کے محبوب کا انتقام لے لیا ہے۔ کوئی ہتھ بھر لہو میں نے بھی نیویارک کے لیے بیٹھ گیا

میں اسی دوران میں البریز نے بھی ملی۔ اس نے کچھ اس انداز نیویارک کے لیے سی آف کرنے کی خواہش کا اظہار کیا کچھ ۱۹۵۱ء

ہی پڑا۔ جس دن میں روانہ ہونے والی تھی میں نے البریز کو نوں کو لا

وقت مقررہ پر ایئر پورٹ پہنچ گیا۔ جب مسافروں سے جدا ہوں

کی درخواست کی جا رہی تھی اور میں البریز کو خدا حافظ کہہ کر

والی تھی تو چانک اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں نے حیرت کی طرف دیکھا۔

”دوڑا بھڑیے“ البریز نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

میرے چہرے پر بھی ہوتی تھیں۔

”کیوں کوئی بات کہنا ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”نہیں“ اس نے جواب دیا۔

”پھر؟“ میں حیرت سے بولی۔

”بس کچھ دیر اسی طرح کھڑی رہیں بانو!“ اس کی آواز

دور سے آرہی تھی۔ ”میں... میں اس منظر کو اپنی آنکھوں میں

لینا چاہتا ہوں“

میں چاہتی تو اس کی خواہش کو ٹھکرا سکتی تھی مگر نہ

میں نے ایسا نہیں کیا۔ میں اسی طرح کھڑی رہی اور البریز

میں نے بے اختیار ہاتھ بول کر اس کی محبت ختم نہ



چھلاوا

ختم شد

